

# تھوڑا سا آسمان



عمیرہ احمد

انتہا ساجنا

میرے پیغمبرؐ

کے

بار

جو مجھے زندگی گزارنے کا شعور دیتے ہیں

## چھٹا باب

”آپ ان کا نذات کو ایک بار پھر پڑھ لیں۔“

تجربہ خانے کی انجمن نے اپنے لکھے میں حتی المقدور نرمی پیدا کرتے ہوئے کہا اور ہاتھ میں پکڑے ہوئے کا نذات میز کی دوسری طرف بیٹھے ہوئے جڑے کی طرف دکھائے۔

مردانے بہت خاموشی اور سنجیدگی سے ایک بار پھر کا نذات کا تفصیلی مطالعہ شروع کر دیا تھا جبکہ عورت بڑی خاموشی اور بے نیازی سے میز کی سطح کو گھورتی رہی۔ نتیجہ خانے کی انجمن گہری نظروں سے کمرے میں موجود تمام لوگوں کے چہروں کو دیکھتی رہی مگر بار بار اس کی توجہ کو نئے والی کرسی پر بیٹھی اس عورت پر مرکوز ہو جاتی تھی جو اس جڑے کے ساتھ آئی تھی اور جس کا چہرہ اس کے اندرونی اضطراب کی چمکی کھارہا تھا۔ سارے چارٹ فوڈ اور خاصی حد تک بد صورت وہ عورت بہت ہی بے ڈھنگے لباس میں لبیک تھی وہ بار بار اپنے ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں بیوست کر رہی تھی۔ اس کا دایاں اور بائیں ہاتھ ایک دوسرے سے بہت مختلف تھے۔ دایاں ہاتھ بہت کمزور اور نحیف تھا جبکہ بائیں ہاتھ خاصا مضبوط اور جسم تھا، یوں لگتا تھا جیسے اس نے دو مختلف انسانوں کے بازو اپنے جسم پر لگوائے ہوئے ہیں۔ اس کے سیاہ چہرے پر آنکھوں کی سفیدی اور اس میں حرکت کرتی ہوئی پتلیاں بے حد عجیب لگ رہی تھیں۔ نیز سے میلے سرے داخن اور بھدی ہاک نے اس کی بد صورتی کو مکمل کر دیا تھا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی بار بار انجمن کی نظریں اس پر اٹھ جاتی تھیں اور ایسا آج ہی نہیں ہر بار ہوتا تھا جب سے وہ جڑا پچھ گو لینے کے لیے وہاں آ رہا تھا۔

جب سے وہ عورت ہر دفعہ ان کے ساتھ ہوتی تھی اور انجمن ہر بار چاہتے ہوئے بھی اپنی نظریں اس کے چہرے سے ہٹا نہیں پاتی تھی۔ شاید اس نے بد صورتی کو بھی اتنا مجسم، اتنا مکمل نہیں دیکھا تھا۔ وہ عورت ہر بار اس جڑے کے ساتھ آئی اور سارا وقت خاموشی کے ساتھ کرسی پر بیٹھی رہتی، اس نے ایک بار بھی کبھی اس جڑے کی گفتگو میں مداخلت نہیں کی تھی۔ انجمن سے ہمیشہ دو ٹوٹا ہی باتیں کرتے تھے۔ کئی بار انجمن کا دل چاہا کہ وہ اس عورت کے بارے میں اس جڑے سے پوچھتے کہ اس سے ان کا کیا رشتہ ہے مگر بار بار وہ چپ نہیں کیا سوچ کر چپ ہو جاتی۔

”میں نے تمام کا نذات دیکھ لیے ہیں اور میں آپ کو پچھلے ہی بتا چکا ہوں کہ مجھے تمام شرائط منظور ہیں۔“

چکوتہ گزرنے کے بعد اس مرد نے کا نذات دوبارہ انجمن کی طرف پڑھا دیے۔

”میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ ہم سب کی بہت اچھی طرح دیکھ بھال کریں گے۔ اسے اپنی اولاد کی طرح رکھیں گے۔ آپ کو ہم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی اور جہاں تک سوال ہے۔ اس سب کے دائیں کا تو آپ اس کے بارے میں بھی فکر مند نہ ہوں۔ ہم سب بھی اسے دائیں کرنے نہیں آئیں گے۔ اگر میں ایسا کرتا ہوں تو ہم اسے گول لینے کی کوشش ہی کیوں کرتے۔“

اس آدمی نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ انجمن نے کچھ بے دلی سے اس آدمی کے چہرے کو دیکھا۔ اس کے لیے یہ سارے الفاظ، یہ ساری یقین دہانیاں اور وعدے سننے نہیں تھے۔ یہاں جو بھی آتا تو وہ اسی سے ملتے جلتے بیٹے اٹھا دو ہزار









"کیا بات ہے، ہمیں آج تو کمزور ہو ہی بیٹھان گئے، یہی ہو کوئی زہر پلندا؟ کیا قبازار میں سے خریدے نہیں تھیں؟"  
 مسعودی نے بات کا محور بنا کر ہلکے کی کوشش کی مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہو سکا۔  
 "نہیں ابھی کوئی بات نہیں ہے۔ چاہیں آپ ہر وقت کیوں سوچتے رہیں گے مجھے ضرور کسی نہ کسی زہر کی یاد دہانی ہوگی۔ آپ کا کیا خیال ہے کہ میں صرف اس وقت سوچتی ہوں جب وہ گئے ہیں؟ قبازار میں سے پلندا آج ہے اور میں اسے خریدنے نہ سکتی ہوں۔ لیکن ابھی کوئی بات نہیں ہے۔"  
 "مجھے کب باپے مسعودی سے تمہارے حسد میں اور افتادہ ہو گیا ہے پچھتے تو اس کی صرف بیٹیاں تھیں۔ اب بیٹیاں بھی گویا ہے۔"

مسعودی کا سوز اب بھی ڈھنگوارا تھا۔

"حسد... مجھے بھلا کس چیز کا حسد ہوگا اور مجھے ضرورت ہی کیا ہے کسی سے حسد کرنے کی، یہ سب باتیں تو میں صرف بریکس سے کر رہی ہوں اور نہ مجھے کسی سے حسد ہے نہ ہی میں کوئی مصلحت کر رہی ہوں۔ آؤ حضور اور مجھ پر سے ہیرا بھی کوئی لٹکتا ہے۔ لٹکتا ہے۔ آپ سے مجھے بھائی ہیں مگر سچا تو میں بھی انہیں نہیں سمجھتی مگر حسد کا سوال ہی کہاں اٹھتا ہے۔ میں تو خوش ہوں کہ وہ سب پاکستان آئے ہیں۔ یہاں ہمارے پاس ہیں، میں سے پیسے کچھ زیادہ آتے ہیں۔"  
 شیان نے ابھی تک ہی مسکراہٹ کے ساتھ کہا تھا کہ مسعودی نے اس کی بات کوئی توجہ نہیں کی بلکہ ذمہ داری دیکھتے رہے۔ شیان کو وہی خاصٹی سے اٹھیں اور بجلی رہی بھاری۔  
 "مسعودی! کیا میں بات سوچ رہی ہوں؟ بہت بڑوں سے۔ میرا خیال ہے اب وقت آ گیا ہے کہ آپ سے یہ بات کہہ دوں گا۔"  
 "اس کا لہجہ کبھی ہر امرارتھا۔ مسعودی نے اظہارِ کوجرے کے سامنے سے بنا کر اس کی طرف دیکھا۔  
 "ابھی کوئی بات ہے جس پر تمہیں اتنا غور کرنا پڑ گیا ہے۔"  
 شیان ابھی جگمگاتے ہوئے کہا کہ اس کے پاس سونہ ہر آ کر بیٹھو گی۔

"دیکھیں مسعودی! آپ جانتے ہیں ہمارے خاندان میں بچوں کی بہت بھرتی عمر میں ہی نسبت ملے کوئی جاتی ہے۔ اس وقت بھی خاندان میں صرف چھتری لوگ ہیں جنہوں نے ابھی تک اپنے بچوں کی نسبتیں نہیں کی ہیں۔ ان میں ہم اور مسعودی بھی شامل ہیں۔ میں سوچ رہی تھی کہ کیوں نہ ہم مسعودی کے دونوں بیٹیوں کے رشتے اپنے بیٹوں کے بننے کا نامہ میں اس سے پیسے کو کوئی دوسرا اس معاملے میں ہم سے سہت لے جائے۔ میں آپ کو یہ صاف صاف بتا رہی ہوں کہ خاندان کے بہت سے لوگوں کی اس باتوں پر نظر ہے، اور ان باتوں پر آپ کو دیکھ لیجئے گا۔ کوئی نہ کوئی اس بارے میں مسعودی اور مجھ پر سے بات ضرور کرے گا۔ اور اگر ایسا ہوا اور مسعودی نے اپنی بیٹیوں کے لیے کسی اور کے رشتے کو لے لیا تو پھر آئی دولت ہمارے سے بڑھ کر نکل جائے گی۔ مسعودی کی بیٹیوں کے رشتے اپنے بیٹوں سے لے کرنے کے بعد آپ کا یہ نامہ نہیں سے نہیں ہو سکتا ہے کیونکہ آپ مسعودی کو اپنی دوا کرنے پر مجبور کر سکتے ہیں۔"

دو خیانت کی ٹھنگو پر جگمگاتے ہوئے مسعودی نے وہی کہا تھا ان وہ سے میں کسی نہیں سوچتا تھا۔

"کہہ دو تم ٹھیک رہی ہو۔ لیکن تمہارا کیا خیال ہے حضور اور اساتذہ کے رشتے کو توں کرے گا۔" انہوں نے پرسوچی انداز میں کہا تھا۔  
 "اگرے ابھی، کیوں توں نہیں کرے گا۔ سمجھتے ہیں وہ اس کے اور بھروسے سے بہت بنا رہتا ہے اور وہیے ابھی اڑھو اور اساتذہ سے میں تو بھروسہ اپنی بیٹیوں کی شادی نہ زمانہ کر گیا۔ ہمارے جان سے نہ تو اس صاحب رشتے کا یہاں میں سے۔"

شیان نے بڑے ہلکا لہجے میں کہا تھا۔ مسعودی اس کی بات پر سوچ رہی تھی۔

"نہی...  
 "مخفی کرے اس نے"  
 "اصول میں کا ہے"  
 "بہت چارے ہیں، وہ جانتا ہے، ابھی ہی رہوں اس کو، جب تم آئی تھیں، جب ہی میرا دل اس سے ٹھہرنا نہ نہیں  
 "وہ غصے سے کہہ رہی تھی اور غصہ کا دل ڈھنگول تھا، وہ مسعودی کو بھروسہ دیا کہ اس کی خواہشوں میں  
 مارا تو اس کا حق تھا۔"

گھر آئے سے پہلے ہوئے، کئی مکانوں کو گئے تاکہ وہ کافر کا شوہر ایک سال پہلے مر چکا ہے اور اب وہ اپنے بیٹے سے ساتھ آگیا ہے، جتنے شہر پہنچے جتنی کئی، کئی مکان کی بیانیوں پر ہوسٹیز پر مجبور ہو رہی تھی، وہم اب باقی گھر کے ساتھ ساتھ اسے لے کر آئی تھی، ہوا تھی۔ کہ کافر میں گھومتا کچھ اچھا تو خواہشوں کے ہوسٹیاں سے اور اس کی شکل میں جتنے جتنے ہیں، وہ ان سے یہ سوچی کر خود کو پس منی کہ ہوسٹیاں سے کافر کا شوہر ابھی نکل سورت کا نامک ہو، نہیں یہ سوچتے ہی اس کے دل میں خیال آتا کہ کچھ ہوا ابھی گھسٹ، موت کا، کتبہ ہوگا، وہ کافر میں گھومتا گھومتے شادی کیوں کر لے گا۔ اچھا، زیادہ ہی اڑھو سے یہ پتہ چل گیا، ابھی دور آئے میں نہ کافر ہی تھی۔ لی تو اس کا چور چور وہ وہی ہمارے سال فاطمہ سے چوری چوری اسے گھر لایا، یہ سوچتی کر خود کو جینا کہ یہی ہے اس کے لیے اس کے حیرت کے حالات اسے دلاؤ نہ صرف یہ خیال کر سکتے ہیں بلکہ زار بھی آ سکتے ہیں۔ ان سے نہ بولنے سے بھی اس نے سنا نہیں تھا وہ کافر پانے۔  
 وہ کچھ روز فاطمہ سے پاس رہی، وہی چل رہا وہ وہی آئے کافر گھر لائی تھی، فاطمہ اس کے جانتے ہی ممانے کی ترسے آئے تھے، کافر کو نہ تھی، وہ ابھی کافر کا ہی رہی تھی، کافر شوہر کو چور چور پانے ہی پڑے ہیں۔ اس نے بڑی محنت سے شوہر کی جانب بڑو بھینسا۔

\*\*\*

"مسعودی! کون کا تو تھا، وہی آگے پہنچا پاکستان آج ہے۔"  
 مسعودی نے شیان کو دیکھتے ہی وہی ابھی ابھی شیان کے دوسرے گھر آئی تھی۔  
 "مجھ سے کیا آؤ ہے، میں نے کچھ پکار لوگ لائے گا۔"  
 "شیان نے ان کا دیکھا، پچھتے ہوئے پوچھا۔  
 "نہیں آئیے تو کبھی... وہی کچھ لوگ ساتھ آئے۔" مسعودی نے کہا۔  
 شیان سونہ پر بیٹھ گئی، "ابھی ہمارے، ابھی ہمارے، وہی آؤ ہے، ابھی کتبہ تو تمہاری رہی رہی ہیں۔" شیان نے مسکراتے ہوئے کہا۔  
 "وہ کتبہ... وہ ہے خاندان آؤ ہے نہ ہوتے گا۔" شیان نے یہیے ان کی خوشی میں کانی نہ سے یہیے پر دولت نہ ہوتے۔ مسعودی نے وہی نصیحت نہ کی تھی۔  
 "ابھی کتبہ سے نہی بیٹی انہیں آتا، ابھی سے، ابھی کتبہ تو فری نہی ہے۔ ابھی اس کا۔" شیان نے یہیے شیان کا جواب دیا۔  
 "تمہارا یہ خیال نہ ہو رہی، وہ اس سے پاس نہی نہی ہے، اور وہیں منتظر نہانے کا وہ نہیں بھی بہت شوق ہے۔"  
 مسعودی نے پچھتاہٹ سے کہا، "میں نے کتبہ کو نہیں لیا تھی۔"  
 "اب... اب... ابھی بہت جوتے تم مسعودی، ابھی، ابھی نہیں۔" شیان نے ساتھ ہی لہجے میں کہتے۔  
 ان دو شیان نے ان دونوں میں مسعودی۔"













ان کئی چار ہی تھے، ان سے پھر سے اور تپا گیا۔ اس نے اب بھی کچھ نہیں کہا تھا۔ ہمیں دیکھنا چاہیے کہ جاسے کاٹے ہوئے ہیں۔ یہ آپ سے جاسے کے لیے نہیں لگوں سر کرنا چاہیے، بے لطف ہو کر اپنے کو بے شایہ بہت دانت جاسے۔

\*\*\*

”ہاں۔ تم ٹھیک کہہ رہی ہو، میں ان بارہ پاکستان جا کر امیر احمد کی نسبت ضرور کئے کرونی چاہیے۔ خاندان میں بیٹا فی بہت کم دیکھ رہے ہیں اور حکومت اور گزراؤ پر 1990 دیکھنے کی تمہیں کہیں رہے۔ ہمارے خاندان میں تمہیں کوئی اچھا دوست نہیں ملے گا۔ اور خاندان سے پریشانی گزرا اور وہی بیٹی کی تو بہت سی مشکل کام ہے۔ ان کے اہل کام سے بہت خاندان میں تو اس بات پر بگاڑ کر جانے گا۔ لیکن ابھی ایک بات کہنا ہے۔ اچھا نہیں تمہیں مجھے سے اس بات کا ذکر کرنا۔ اس بار پاکستان جا کر یہ مسئلہ حل کر لی گئی ہے۔ دیکھو تقریباً بی بی بی بی امیر احمد کے لیے خاندان میں کون سے فرقے کے سب سے موزوں ہوں گے۔“

مضموری اس بات کی قدر کر لیا اور خاندان سے بیزار سے بات کر رہے تھے۔ ابھی وہ پیراؤں کی تلاش تھی اور مسلمان کی جنگ کے بعد بیزار سے بات کرنے کے بجائے ان کے پاس چلے گئے اور پھر انہوں نے کھلی بار انہیں اپنی مشکل کی وضاحت کر دی اور ان سے وہ دن یاد دہرایا اور بعد کی صورت میں ان کے کندھوں پر تھیں۔ وہ کافی دنوں سے اس بار سے سوچ رہی تھی اور انہیں حیرت بھی کی کہ ایسے نفاذ میں جن میں بچوں کی پیدائش سے تھوڑی ہی ان کے مستقبل کا فیصلہ کر دیا جا رہا تھا۔ امیر احمد کی پیدائش سے آٹھ برس پہلے ہی مضموری اس بات کا خیال کیا تھا۔ اور اب وہ اپنی پریشانی کو مضموری کے ساتھ شیئر کر رہی تھی۔

مضموری نے سولہ بار دیکھا وہ ایک سوچی چلی تھی۔

”ابھی خاندان میں رہتے تو بہت سے بیٹے جنم لیا۔ جیسے کہ ہمارے میں ان کے والدین نے ابھی تک سے نہیں کیا۔ سزا ہوئی ہے بیٹے ہیں۔ چڑھ کر جاسے کے بیٹے بھی ہیں۔ خاندان میں کچھ اور بھی بیٹے ہیں۔ اب یہ تو آپ سے کہتا ہے کہ اب امیر احمد سب سے زیادہ خوش رہ سکیں گی۔“

مضموری سوچنے کے بعد بیزار سے بی بی بی بی سے شہر سے بات کرنے کے آفری کیلئے کا حق سواپ دیا۔ ”مگر ابھی تو کوئی بات نہیں ہوئی۔ جیسے ابھی تو جانا چاہیے کہ کون سے شہر تھوڑی جگہوں کے لیے سب سے مناسب رہتے ہیں۔ میں نے جانتا ہے کہ وہ جگہوں پر رہنا۔ بہت بڑک جگہوں پر رہنا۔ اور وہ جگہوں پر رہنا۔ ان جگہوں پر صرف ایک جگہ ہے۔ چلی جاتے رہنے کے لیے جگہ نہیں رہ سکتی بلکہ کسی کو کرنے پر نہیں لگیں۔ میں ابھی اسی ادارے کے بارے میں دیکھ رہی تھی کہ میں یہ جانتا ہوں۔ مگر ابھی اس معاملہ میں جیڑی ہے۔ اور وہ۔“ مضموری نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

”تو آپ کو اسے چھپتے تو فی الحال تو جیڑی اس معاملے میں کوئی رائے نہیں ہے۔ میں نے امیر احمد سے گفتگو کی۔ اس سے ضرور سوچنے کے لیے خاندان سے لوگوں پر ابھی کو نہیں کیا لیکن ابھی خیال ہے میں مسعود بھائی سے گفتگو کرنے کے لیے ان سے بات کرنا چاہتا ہوں۔ اور دیکھنے کا جو میں تو سب سے زیادہ موزوں رہیں گے، ایک تو وہ آفری جاسے بھائی ہیں لیکن ان کی طبیعت ابھی ہے، یہ بی بی بی بی اور مسعود بھائی دونوں صلاح سے بہت دیکھتے ہیں۔ خود خوش دیکھتے ہیں۔ ان کی زیادہ بات ہے، انہیں طبیعتاً ان کے بچوں میں بھی اتنی ذہنی ہے۔ دیکھنے کی آپ نے سب سے زیادہ دیکھا ہے۔ انہیں کچھ خیال ہے۔ جیڑی بہت سے اور ادارے ہیں۔ اور اسے تو کیا خیال کو، انہیں جیڑی کی یہ باتیں نہیں آتی۔“

مضموری نے اپنے اس لیے مضموری کی بات پر غصہ میں نہ پائے۔ مضموری نے گفتگو سے ان کے واقعی ہی بہت اچھے

جے لیکن اب ان کے بارے میں آپ نے زو اب سے آ رہے ہیں، وہ خدشات کو 1996 کے بارے۔

”تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ واقعی مسعود بھائی کے بیٹے امیر احمد سے سب سے موزوں ہیں سے گھر کیا وہاں وہی اس شادی پر تیار ہو جائیں گے۔ ہو سکتا ہے وہ اپنے بچوں سے کہہ سکیں اور گزرا جاتے ہوں۔“

”ابھی تک تو خیال نہ کیا، مجھ سے اس مسئلے میں بات نہیں کی کہ وہ خود اور اساتذہ سے گفتگو نہیں کرے کہ اور اور کتنے ہیں ان میں ان کا کیا اور وہ جتنے تو وہ مجھے ضرور بتا دیں اور بارش اور وہ اپنے بچوں کا ریشہ نہیں اور گزرا جاتے ہوں سے تو چاہتا ہے کہ ان کو مانگیں بگاڑ کر دے، انہیں جہاں جاتا ہے اپنے بچوں سے رہتے ہے تو نہیں وہی اعتراض نہیں ہوگا، میں امیر احمد کے لیے ان سے بات تو کرنی چاہیے۔ اس میں تو کوئی فرق نہیں ہے پھر اگر وہ اسلامی گزراؤں سے تو کیا بگاڑ کوئی قیامت نہیں آجائے گی۔ خاندان میں امیر احمد کے بیٹے ہیں وہاں نہیں امیر احمد کی نسبت سے گزراؤں سے۔“ مضموری نے بی بی بی بی سے کہا۔

”میں بیزار ہوں کہ مجھے ہونے لگا۔ یہ تو بہت آگے چلا گیا ہے۔“ مضموری نے ان کی بات میں نہ کچھ سمجھتے ہوئے کہا۔ ”میں بھلا اس میں ان کی کوئی بات ہے۔ سزا ہوئی دن سے فیروز اور امیر احمد بھی ان کی سنجیدگی ہیں۔ امیر احمدی طرح شرارت سے تو کوئی اور ہم سے پیمانے کے مقرر نہیں کچھ ان کے لئے کرنا چاہئے کہ اور ہم سے دیکھتے دو جاتے ہیں۔“ مضموری نے انہیں سمجھانے کی کوشش کی۔

”تم ٹھیک کہہ رہی ہو، میں تو جڑے سے کہ ان بارہ پاکستان جاتے ہی مسعود بھائی اور شایہ نہ بھی سے مسئلے میں بات کریں گے۔“ مضموری جیسے ہی فیصلہ پر تکی کرے۔

\*\*\*

”دیکھو ہذا، اچھے قہار کی سرگرمی ہو رہی، امیر احمد نہیں ہے۔ نہ میں نے کچھ بھی کہے اور نہ ہی آئندہ کچھ کہوں گی۔ لیکن سب کچھ کر سکیں آنا چاہئے، تم بہتر کرنا کہہ سکتے ہو، کیا نہیں ہیں اس سے کوئی دیکھیں نہیں ہے اور نہ ہی میں نے تمہیں اس کی مسئلے میں پابندیاں عائد کرنے کی کوشش کی ہے۔ لیکن ابھی کہوں کہ یہاں اس طرح نہیں آتا ہے۔ تمہیں ایک فرزند Commodities کے طور پر استعمال کرتے ہو تو انہیں تو کڑا کر ہی رہے ہو۔ وہ اس طرح میں آئے سے قابل ہوتی ہیں نہ تھوڑی سہانگی کوئی اور نہیں۔ اس لیے یہ وہ جس کو فریڈ ہے سب سے سادھ کا کرم آتا ہے کہ وہ۔“

”ابھی تو جیسے معمولی معمولی باتوں پر غصہ آجاتا ہے۔ وراثت میں ابھی جڑوں کو ٹھکرانے کا تو میں مگر اس سے زیادہ ذہنی یہاں آگے۔ اب غائب سے یہاں آگے ہی تو میں اسے دیکھنے سے روکنا نہیں سکتا تھا۔ ابھی اس سے تو ان کے پاس سے بہت سے کام کروانے ہیں۔ اس لیے مجھے اس کی اپنی خاطر عداوت کرنی پڑی۔ اس ایک میں سے ماہوار فن تک میں ابھی ان کی کوئی کہہ نہیں سکتا۔ اور وہ سب سے شایہ ہوتی ہے۔“

”ہاں نہ ہی توئی اور بہت سے اس سے پوچھ۔ وہ یہ کہ میں سے اپنے ذہنوں پر کیسے لگانے میں صرف رہی۔“

”ابھی تمہارا مضموری بھی تمہیں پوچھا ابھی کئی کئی بار میں نے کہا ہے۔“ مضموری نے اسے دیکھا اور اس سے پوچھ۔

”اس نے سزا کے ہونے کے بارے میں نہیں کہا ہے۔ بیٹے لگتے ہونے تو زیادہ بالوں اور ہونکا یا اور ان سے چہرے پر ٹھہرنے نہ۔“

”میں نے پہلے ہی تم سے کہا ہے کہ میں تم سے گزارش نہیں ہونے چھٹی نظر آ رہے۔ ابھی چھوٹی چھوٹی باتوں پر میں بھی دیکھ رہی ہوں، لیکن اس صورت سے بات کرنے کا طریقہ مجھے پتہ نہیں ہے۔ وہ یہ ہے کہ میں اس صورت سے نہ کہو، یہی تمہیں چھٹی چھٹی ہی میں نہیں ہے۔ اب اس کا کس پتہ تو وہ شایہ مجھے گھر سے ہی لگا لیتا۔“ وہ نے اسے اپنی پریشانی کی تڑپتی







"کیا ہوا ہے قاطر؟" دیکھو میں بہت پریشان ہوئی ہوں۔ مجھے بتاؤ، کیا ہوا ہے نہیں۔ مگر میں تو سب خبر ہے ہے؟"

"آپ رہتی بہت پریشان ہو گئی تھی۔"

"انسان سب بھگتے تھے، بس اگر کوئی ٹیک نہیں ہے تو میں بھی ٹیک نہیں ہوں۔ آریہ اللہ تعالیٰ مجھ جیسے لوگ کیوں عادتاً چاہتا ہے؟" دیکھتے ہوئے اس نے گہری سانس لی۔ "تینا میرے بغیر بھی مکمل تھی۔ میرے نہ ہونے سے بھی کسی کو کوئی فرق نہیں پڑتا تھا پھر مجھے اپنے اور دوروں کے لیے خطاب بنا کر کیوں بھیج دیا؟"

"قطر چپ ہو جاؤ گا کیا ہوگا ہے۔ کیوں اس طرح کی باتیں کر رہی ہیں؟" آریہ نے اسے چپ کرانے کی کوشش کی تھی۔

"مجھے پورے دو آریہ سمجھے تھے۔ وہ میں کہوں کی نہیں تو صرف آپ ہی۔ کوئی زندگی ہے جو تم کو زور دے گی۔ بوجھ عذاب، مصیبت کسی کا ہوا ہے، چرک مجھ سے بچرے۔ وہ کم از کم فخر کو کوسوں تو نہیں کر سکتا اور میں میں کیا ہوں۔ بوجھ عذاب، مصیبت کسی کا فائدہ ہے۔ میں نہ اچھی نہیں ہوں نہ نا اچھی نہیں۔ نہ اچھی اسٹیج ہیں، نہ اچھی اسٹیج ہیری عزت میں کرتے۔ محبت تو دور کی بات ہے مجھ سے فخر کرنا ہی ہوگا ہے۔ میں جیسے میں زندگی میں ہوگا، میں کیا ہی نہیں گئی ہوں آریہ میں کیا ہی نہیں گئی ہوں؟"

"آریہ نے پہلی بار اسے اس طرح سے قہار ثابت دیکھا تھا۔ وہ پریشان ہو گئی۔

"کون جنت نہیں کرتا تم سے سب کرتے ہیں، سب میں کرتی ہیں؟"

"کیوں نہیں کرتا آریہ؟ کسی نہیں کرتا۔ جنت اس چیز سے کی جاتی ہے جس کی ضرورت ہو۔ میری کسی ضرورت نہیں ہے۔ ہاتھ میں میری کھلی جاتی۔ میں فخر میں نہیں ہو جاتی۔"

"آریہ کو اب پریم آنے کا قہار جان چکی تھی کوئی غیر معمولی بات ہوئی ہے۔ وہ نہ قاطر اس طرح رویا نہیں کرتی تھی۔ وہ اسے ذرا دیکھ کر ہی دینی پکارا۔ جنت قاطر نے اسے سب بگھتا دیا۔

"میں دل نہیں رہتا جانتی ہوں آریہ، میں اب کسی کی نسبت پر بھی اس مگر میں نہیں رہتا جانتی ہوں۔ میں وہاں سے چل چاہتی ہوں۔" وہ ایک نئے نئے کی طرح اس کا ہاتھ قہار کر رہی تھی۔

"آریہ سامان نہیں ہے قاطر، اڑتی ہوتے۔"

"قاطر نے اس کی بات کا کٹ ڈالی تھی۔ "میں لڑکی نہیں ہوں آریہ۔ میں لڑکی نہیں ہوں۔ میں تیس سال کی عورت ہوں۔"

"پھر بھی قاطر کیلئے رہا آسان نہیں ہے۔ تیس سال کی عمر وہ موجود نہ ہوگی نہیں لانا جو ایک ایسی عورت کو دنیا سے لڑنے کے لیے چاہیے۔ اس نے قاطر کو کھانسنے کی کوشش کی۔

"مجھے کوئی کی نظر ہوں اور غمگین سے بہت مصیبت کو دیا ہے۔ مجھے کیلئے رہے میں کئی مسئلہ چیل نہیں آئے گا اور اگر آئے گا بھی تو میں اسے حل کروں گی۔"

"قاطر اس وقت تم جذباتی ہو رہی ہو، شاید تجھے میں بھی ہو۔ اس طرح مگر سے چلے جانا آسان کام نہیں ہے۔ اول تو تمہارے گھر والے تمہیں بھی مگر جھڑپے ہی نہیں دیں گے اور اگر انہوں نے تمہیں مگر سے جانے دیا تو پھر وہاں بھی وہ تمہیں وہاں نہیں لائے گی۔ تم کی سادگی عمران سے بغیر ہو سکتی ہے؟" آریہ اسے سمجھا رہی تھی۔

"اچھا میں وہاں سکتی ہوں اور میں وہاں کی بوجھ میں مشکل نہیں رہے گا۔ بگھتا آسان ہو جائے گا۔ آریہ میں ایک بار پھر سے اپنی زندگی دوبارہ شروع کرنا چاہتی ہوں جو کبھی میں مشکل نہیں رہے گا۔ آریہ میں ایک بار پھر رہتا ہوا جانتی ہوں وہاں کے ساتھ نہیں ہو سکتا۔ میں ان کو نہیں چاہتی۔ چاہتی ہوں کہ میں خود چل چلا جاتی ہوں۔ میں ساری عمر اس طرح نہیں گزارنا چاہتی کہ لوگ مجھ سے خوف کھائیں۔ مجھ سے نفرت کریں۔" وہ اس میں بوجھ کر رہی۔ آریہ کو اس طرف سے ہرگز نہ لگتا۔

تورما جیک ۱۱ عورتوں پر دیکھو اسے اپنا دیکھو گھورتی رہی، پھر اس نے ایک بار دیکھو سے اپنا ایک طرف اٹھ کر اپنی گود میں رکھ کر پھر اسے خود اس کے ڈونڈوں کو گڈا لگا کر پھر انہوں کے سامنے تیرا دیکھو۔ اپنا ہونا اس کی اس حرکت سے بگاڑا ہو گیا۔ اس کی نظر بچہ چلنے سے لے کر ڈونڈوں پر بھی دیکھو پھر اس نے بگھٹا لکھے ہوئے اسٹاز میں سامنے بھی ہوتی صورت کو دیکھا۔ جب اسے زمین سے لڑکی کی پشت سے لگے لگے کر کے بازوؤں پر کھانا ہاتھ ڈونڈوں قاتروں کی انہیں کو ایک دوسرے میں پھنسا کر گھر دیکھو اسے اسے دیکھو گھورتی رہی۔

"یہ وہ ہے آپ کے لیے آپ نے ہو کر تیرا دیکھو گئے ہیں؟" انہوں نے کی آواز بہت کھو گئی تھی۔

"یہ نہیں بڑا دیکھو ہے میں نے آپ سے لے کر گئے ہیں۔ آپ کے ہوتے ہیں اگر آپ مجھے اس بچے تک پہنچا دیں۔"

"آپ نہیں جانتے اس بچے تک پہنچا میرے لیے کتنا ضروری ہے؟"

"اس حالت سے ایک بار پھر سے تیرا دیکھو سے کہا۔ اس بار انہوں نے غصے کو بڑھائی تھی۔ اس کی بوجھ میں بھی اس کا فائدہ کو کوئی طور پر کیا کرے۔ ایک معمولی سے کام سے اس نے اسے تیرا دیکھو دے چل رہے تھے اور میں بڑا رو رہے ہوں اسے بہت سے کاموں سے کھینچتے تھے۔ وہ کوئی ایسا تیرا دیکھو نہیں تھی۔ چھوٹی موٹی سے ایسا نہیں اور پھر ہاتھوں کوئی دیکھو گھورتی اور اسے دیکھو ہونے کو فائدہ بھی حاصل کر رہی تھی۔ مگر اس بار اسے پہلی مرتبہ اتنا بگاڑا تھا کہ اسے کاموں سے لے کر دیکھو۔

"وہ بچہ دیکھو گھورتی ہے، ڈونڈوں پر دیکھو اسے اور اسے گھورتی رہی اور پھر وہ بچہ ایک نتیجے پر پہنچی تھی۔

"نہیں، آپ اتنا بچہ گھورتی ہیں تو ٹھیک ہے۔ میں آپ کو ان کا ایڈریس دے دوں گی یا پھر ایک کام اور ہو سکتا ہے۔"

"وہ یہ۔ میں خود اس سے رابطہ کران اور نہیں آپ کا مسئلہ تو کچھ دیکھو لینے کی کوشش کروں۔ اس طرح آپ کو بھی پتہ چلی کہ کچھ دیکھو لینا چاہئے۔"

"وہ عورت کو دیکھو گھورتی انہوں کی بات پر غور کر رہی تھی پھر ایک دم وہ جیسے کی فیصلہ پر پہنچی تھی۔

"ٹھیک ہے، آپ خود ہی ان کو اس سے رابطہ کران اور اسے مسئلے سے ہارے میں بتا دیں۔ اگر وہ تو آرام سے بیٹھوئے پتہ ہو چکے ہیں تو ٹھیک ہے اور اگر وہ بیٹھوئے پتہ نہ ہو تو آپ انہیں میری طرف سے آفرینے کا کردہ دیکھو گھورتی ہے یا نہیں میں نہیں لے کر بیٹھو لینا چاہئے۔"

☆☆☆☆

"کیا بات ہے قاطر؟ کیا ہوا ہے؟" دیکھو اسے اس طرح؟"

آریہ اسے اس طرح دیکھو گھورتی رہی۔ ان دونوں کی وہی دیکھو پھیلے چھ سال سے تھی۔ آریہ بھی اسی اسکول میں پڑھتی تھی جس میں قاطر پڑھتی تھی شادی کے بعد اس نے چھ ماہ چھوڑ دیا، اس کا قاطر کے گھر کے پاس قہار قاطر لگاؤں سے وہ اپنے بوائے گئی۔ شادی کے بعد بھی یہ مسئلہ غم نہیں ہوا۔ آریہ کا شوہر روٹی میں بہت قہار آریہ زیادہ تو اپنے بچے کی میں نہیں۔ قاطر جیسے۔ وہ وہ پتہ چلنے ہوئی تو اس کے پاس چل جاتی۔ وہ اس کا حوصلہ بخدا ملتی اسے تسلیاں دیتی اور فخر سے اسے سامنے نہ کھینچ کر رہتی رہتی تھی۔

قاطر سے وہی تھی آریہ سے خود ہی تھی، وہ قاطر نے خود پر اپنا غم چھلایا ہوا تھا جس کے اندر جھانکنے کی کسی کو بہت ہی نہیں ہوتی تھی جب آپ نے بہت کر کے اس غم کے اندر جھانک لیا تھا تو اسے ایک بڑبان لڑا، لڑا کو لڑکی کے بجائے لڑکی بھی ہوئی کھڑو اور بڑبان لڑکی کو لڑکی تھی۔ اسوں میں سب سے اس کی وہی پر جان ہوتے تھے کیونکہ قاطر تو کسی کو اپنے پاس لے آئے تھے اس وقت کی اور اب وہ آریہ سے لے کر بچے پھر رہتی تھی۔

انہوں کے ہر سے قاطر معمول کے ۱۰۰۰ پتوں اسکول تھی اور پھر اسکول سے گھر جانے کے بجائے آریہ کی طرف چلی تھی اور اب وہ گھر کو رہتی تھی۔





پاس لے کر جاتے ہیں۔ اس نے ایک بار پھر اسی سوال دہرایا۔

”میں آپ کو ضرور مل جاؤں، لیکن تقریباً دو ماہ پہلے کے ایک زمانے میں میرے دوست کا انتقال ہو گیا۔“

وہ گھبرایا اور آئی کے چہرے کو دیکھ کر جواب دیا، گھر ضرور دیکھ کر آ رہا تھا۔

”لیک ہے، آپ کا بہت بڑا شہر ہے۔“ اس نے کہا اور پھر دیکھ کر فرمایا۔

وہ آئی اور اس کی بیٹی کو گھر تک ساتھ لے کر باہر نکل گیا۔

”تم صبح سویرا نکلتے ہو، مگر آج صبح نہ نکلے۔ آج کوئی اور دن اور دن اظہار کے پانچ پچھتے، تو وہی بچا جو میں نے کہا ہے کسی

بھولے سے بھی اظہار کے بارے میں حکومت قائم۔“

اس آئی نے اندازے سے ہی اپنی بیٹی کو ہدایت کی۔ اس صورت سے مراد آیا۔

”ابھر گھر میں کسی سب کو بھی خبر نہ پائی، بار بار میرے۔“ اس آئی کو گھڑی کی جدوجہد یاد آئی۔

”آپ گھر میں گھومیں، کسی کو کچھ پتہ نہیں ہے کہ میں سب کو بھولوں گی، دو ماہ کا دورہ ہیں گے۔ ویسے اگر اظہار کے بارے

میں ان کو پتہ چل گیا تو یہ کیا کر سکتے ہیں۔ وہ تو واقعی باہر ہے، اب کیا یہ اس کے پیچھے جا رہا ہے؟“ وہ گورنر کبھی

سوچتی تھی۔

”بھئی تو مجھے پتہ نہیں تھا، جیسا کہ میں اسے اظہار کے ایڈریس کا پتہ چلے یا نہ چلے لیکن یہاں سے نہیں پتا

چن چاہیے، اس سے وہ دفن آئی کہ پتا تو نہیں تھا، لیکن صحت کے کاوش کیے چلے، ابھی تک نکلنے کی ضرورت ہے، پتہ نہیں ہے

ان فضول کام میں کوئی کام۔“ اس آئی نے ہنسنے شروع کر دیے۔

”میں جب دو ماہ غراب ہو جاؤں تو پھر وہ ایسے ہی کام کرتا ہے، اظہار کا بھی دو ماہ غراب ہو گیا ہے، خواہ مخواہ سبھی

مجھے ڈال کر چھوڑتا ہے، اس قسم کی ٹیکوں کے نتائج پیشتر سے ہی ہوتے ہیں۔ غراب ہو گیا ہے اس لیے ان کو ان ساتھیوں

بات دہلی ہے۔“

وہ گورنر آہستہ آہستہ جا رہی تھی۔

☆☆☆

”پھر کیا کیا آپ نے میرے کام کے بارے میں؟“ وہ گورنر ایک ہنسنے والا رویہ دکھاتا اور وہ جبر خانے آئی اور اس نے آئی

پھر کسی توجیہ کے اظہار سے پہنچنا شروع کر دیا تھا۔

”مجھے ایک ہنسنے سے آپ کے کام کے سلسلے میں ہی مصروف رہی تھی۔“

اظہار نے کہا، شروع کیا لیکن حالات کی طرح آج بھی اس کی آواز میں شہریت تھی، مگر شہریت کے ساتھ

ماجری کا بھی اضافہ ہو چکا تھا، میں بڑے لینے کے بعد آواز اور لہجہ میں لیکن ماجری کی پرلازم تھی۔

”میں نے اس آئی کے ویسے ہونے پتے پر خود چا کر اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی، مگر وہ آئی اپنا کھرج کر چکا

ہے۔“

اس کے سکتے، وہ گورنر یکے بعد دیگرے کئی بار پوچھی، مگر وہی جواب دیا، اس کی آنکھوں اور چہرے پر اظہار کی ایک لہر

ڈالتی تھی۔

”میں گھر گیا، ایک ماہ کے سچے کے بارے میں کچھ نہیں جانتا، سامنے اس کے گروہ باہر چکا ہے، وہ وہی اس نے یہ

نکاح ہے، سچے سچے دوست کے ذریعے فرمایا تھا۔ وہ دوست دو ماہ پہلے کے ایک ماہ میں انتقال کر گیا۔ اس لیے ظاہر ہے وہ بھی

مجھے اظہار کے ساتھ نہیں پہنچا، لیکن وہاں سے اس کو ہونے سے بعد میں اس کیلے کے پاس کی جس نے ساری قانونی کارروائی

ہونے کی ضرورت تھی اظہار نے اسے میں نہیں دیکھا، اظہار نے اسے صرف اس مقدمے کے لیے ہی ہذا کیا تھا، جس کو میں نے

گائی، ان کی دوسرا نئی جے میں بھیجا، مگر باہر سے وہ ان کا انتظام بھی اس دیکھنے کے لیے کیا تھا، اور وہ بھی اظہار کے بارے

میں کچھ نہیں بتا سکتے۔“

اظہار نے یہ سنی آواز میں شہریت کے جذبات کے ساتھ پورا اظہار صورت کو سنا لیا، اس صورت کے چہرے کا رنگ

بدل گیا تھا۔

”تو آپ سب کیا کر رہے ہیں میرے بھائی کے لیے؟“ اس نے تھورا آواز میں اظہار سے کہا۔

”میں کیا کر سکتی تھی، انگریزوں کو پکڑنا میں ہونا چاہتا ہے اور میرے لیے کوشش کی جا سکتی تھی۔ مگر اب تو وہ ملک سے

باہر ہے، ایسی صورت حال میں میں اس سے باہر دیکھ کر کھٹکتے ہیں۔“ اظہار نے اپنی بیٹی کو جتا دیا۔

”آپ کا مطلب ہے۔ مجھے اپنے ذہن سے اپنے بھائی کے خیال نکال دینا چاہیے، کیسے جتنا چاہی ہیں؟ آپ؟“ وہ

گورنر کبھی تھوڑے کے ساتھ اب اسے غور رہی تھی۔

”نہیں، میں کیا کہہ سکتی ہوں میرے بس جس جو کچھ تھا۔ وہ میں کر سکتی ہوں۔ اب اور کیا کر سکتی ہوں۔“ اظہار نے

ایک بار پھر اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔

”میں نے اپنے بھائی کو نہیں بھول سکتی، میری بہن کی واحد نشانی ہے اور آپ لوگوں نے وہ لاپرواہی کا مظاہرہ کرتے ہوئے

اس بات کی پروا نہیں کی کہ اس کی خبر گیری کرتے رہے۔ کیا اس طرح اپنے بھائی بھرتے ہیں آپ؟“

اس بار اظہار کو اس کا بوجھ دوسرے تھا۔

”آپ ایک فضول شخص کر رہی ہیں، آپ یہ یقین نہیں کر سکتے کہ وہ ایک بہت اچھے صاحب خانہ کے پاس ہے، مگر آپ اس لیے اس

کی ذہنی پر اصرار کر رہی ہیں، کہیں اس کی پرورش نہیں ہوتی تو آپ کی سہلی نہیں۔ ہم بہت جہاں چنگ کر سکتے ہیں اور میں

لوگوں کو کھینچ دیتے ہیں، وہ ان کی بہت اچھی طرح اور مستعد بنائے گئے ہیں اور یہاں تو لوگوں کو ڈھونڈ نہیں

رہے۔ جنہوں نے پچھلے پچھلے آپ کو سطر اس کے کچھ لوگوں نے سنی ہیں اس لیے میرا مشورہ تو یہی ہے کہ آپ اس کے

عاشق کام ختم کر دیں اور اسے وہیں پھینچ دیں جہاں وہ ہے۔“

اس بار اظہار نے اس کی بات پر وہ گورنر چپ رہی تھی۔ کافی دیر تک کچھ کہے بغیر وہ اظہار کے عالم میں جا رہی طرف

نظریں ڈالتی رہی، پھر یک دم اس کی اور کچھ کہے بغیر اس آغوش سے نکلے گی۔ اظہار نے آواز دے کر اسے روکا۔

”آپ یہ بلا پتے تو لے لیں۔ میں آپ کی وہ نہیں کر سکتی۔“

اس گورنر نے پیچھے مڑے بغیر ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے، میری جان بچانے والی چیزیں دیکھیں نہیں لیا کرتی۔“

وہ یہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ اظہار نے جھرتی سے اسے دیکھی رہ گئی۔

☆☆☆

”اٹھنا میری شاہلی کی تاریخ سے مت کریں، میں گھر چھوڑ کر جا رہی ہوں۔“

اس نے بڑے سکون سے صبر دیکھا۔ اس کی اس کا کچھ اور کچھ نہ کہی۔ پچھلے تین سالوں میں لیکن بارہا نہیں نے اس

کے چہرے سے ہر وقت سنسن دیکھا تھا۔

”تھورا سا غراب ہو گیا ہے، ایک بار پھر وہ چڑ گیا ہے، جیسے؟“ اس کی اس حسب عادت چٹائی۔

”نہیں، اس کوئی اور نہیں ہے، میں ہاں میں ہاں بیٹھا ہوں، کچھ دن اور ہی تو پاگھر ضرور ہو جائے گی۔“

”تیری زبان ایک بار پھر چلنے لگی ہے۔“ اس کی اس نے کہا۔

”نہیں، اس اب کچھ نہیں کہے۔ نذر زبان نہ کچھ اور، ان چیزوں کا کوئی کام ہی نہیں ہے۔ آپ کو اب مجھ سے کوئی

فکرت نہیں ہوگی۔“ وہ چھوٹی اور کھلے سے بولی۔

”تو چھائی ہے۔ ایک بار پھر بھائی ہاتھ دھو، ہرے گھر کے سامنے تیری بے لوثی کرے۔“ اس کی اس نے اسے



جل رہی تھی اس کا وجود ابھی بھی موم کی طرح پگھل رہا تھا۔ کہیں پر کچھ بھی نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ بار بار خدا کو آوازیں دے رہی تھی یوں جیسے اس کا جواب سننا چاہتی ہو۔ اس کی آواز سننا چاہتی ہو۔ مگر کہیں پر کوئی آواز نہیں تھی نہ خدا کی نہ انسان کی۔ وہاں کوئی انسان نہیں تھا مگر خدا تھا وہ سن رہا تھا، وہ دیکھ رہا تھا۔ سیاہ سڑک پر چلتا وہ بھدّہ اوجود بھی اسی کی تخلیق تھا، اسی کے سانچے میں گھڑا ہوا، اسی کے ہاتھوں سے تراشا ہوا، پھر وہ وجود زمین پر بھیج دیا گیا تھا اتنی ہی چاہت کے ساتھ جتنی چاہت کے ساتھ دوسرے وجود بھیجے گئے تھے۔ پھر انسان نے اسے دیکھا تھا اور..... اور ہنس پڑا تھا۔ خدا کی تخلیق پر اسے ہنسی آئی تھی۔

”یہ کیا چیز ہے؟“ اس نے سوچا تھا اور ایک بار پھر ہنس پڑا تھا۔ اللہ نے اس ہنسی پر بجلی گرائی تھی نہ انسان کی بیٹائی چھینی تھی۔ بس ایک گہری سوچتی ہوئی نظر سے اسے دیکھا تھا پھر کہیں..... کہیں کچھ لکھ لیا تھا۔ اب وہ بھدّہ اوجود خدا کو بتا رہا تھا کہ انسان اس پر ہنستا ہے، اس پر ترس کھاتا ہے، اسے مسترد کرتا ہے۔ اللہ کی تخلیق کو اس کے فن کو، اس کے ہنر کو، اللہ خاموش تھا مگر سن رہا تھا اور وہ خوب سننے والا ہے۔



## دوسرا باب

”بابا! کیسے ہیں اب؟“ شائستہ نے لادُغ میں ماں کو دیکھتے ہی سلام دعا کیے بغیر پوچھا۔  
 ”دو ٹھیک ہیں۔ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں بندہ پریش ہو گیا تھا۔ اس وجہ سے ہاسپٹل جانا پڑا۔ بہر حال اب وہ بہتر ہے اور گھر ہی ہیں۔“ انہوں نے اسے تفصیل بتائی۔  
 ”نہیں بھڑکی آپ کو مجھے اندر م تو کرن چاہیے تھا۔ آپ نے تو مجھے بتانے کی زحمت ہی گوارا نہیں کی۔۔۔ اگر سلی مجھے نہ بتاتی اور میں خود آپ کو کون ذکر کرتی تو آپ تو شاید مجھے سر سے ہی بے خبر رکھتیں۔“ اس نے تیز آواز میں شکوہ کیا۔  
 ”میں نے فرسے کہا، وہ دو نکل ٹھیک ہیں۔ ایسی چھوٹی سونٹی بیماریاں تو ہوتی ہی رہتی ہیں۔ اب کیا ہر بیماری میں تمہیں بلایا جائے گا۔ دن میں اگر دن وقفہ بندہ پریش رہتی ہو تو کچھ دنوں وقفہ تمہیں بلایا جائے۔ دو تو ویسے بھی ہائی بندہ پریش کے پھانے مریش ہیں۔ یہ ستر تو ان کے ساتھ ہمیشہ ہی رہتا ہے۔“ اس بار اس کی ماں نے بیزاری سے کہا۔۔۔ انہیں شائستہ کا شکوہ اچھا نہیں لگتا۔

”بھڑکی آپ کو مجھے بتانا چاہیے تھا۔“ اس کا شکوہ اب بھی دہرایا۔  
 ”ٹھیک ہے اب تو پتا چل گیا ہے تو اب جا کر ان کی خیریت پوچھ لو اور ہاں اندر جانے سے پہلے ان گردن میں لٹکائی ہوئی کپڑے کی دھلی کو اچھی طرح لٹو لٹو۔ تم جانتی ہو، تمہارے باپ کو تمہارا طبلہ پسند نہیں ہے۔ شادی ہو گئی ہے تو ان کا یہ مطلب نہیں کہ تمہیں ہوتوں میں طبلہ پانا لوجیا ہم کی چیز ہی تمہیں یاد نہ آئے۔“

اس کی امی نے قسم سے چپکے ہوئے لباس کے اوپر گنگے میں چٹا ہوا دوپٹہ دیکھ کر اعتراض کیا۔  
 ”امی! پتا نہیں آپ کا ذہن کب بدلے گا۔ دنیا دیکھیں، کہاں سے کہاں تنگی گئی ہے مگر آپ کا دل بگڑا ہے۔ ہاں ہوں صدی میں۔ یہ دوپٹہ دیکھو آج کے زمانے میں کون چٹا آپ کیا یہ شکر نہیں کرتیں کہ میں یہ دوپٹے لے کر آئی ہوں ورنہ اب اس کا دھان لٹک رہا۔ خاص آڈٹ اینڈ حسرت کی چیز ہے۔“ اس نے ماں کے سامنے دوپٹے کا مذاق اڑانا شروع کر دیا۔  
 اس کی ماں چند لمحوں تک خاموشی سے اس کی باتیں سنتی رہی پھر وہ جیسے فٹسے میں بھڑک اٹھی۔ ”تمہاری ایسی ہی باتوں کا وجہ ہے تمہارا۔“ وہ تمہیں پسند نہیں کرتے۔ تمہیں اپنے خاندان کی عزت کا کوئی لگاؤ نہیں ہے۔ اس طرح بھڑکتی رہتی ہو۔ سبھی سنا ہے۔ نوک کیا کہتے ہوں گے تمہارے بارے میں۔“

مجھے تو کون ہی پھا نہیں ہے، جن لوگوں کی آپ بات کر رہی ہیں وہ تو قیامی اور چھوٹے ذہن کے لوگ ہیں۔ انہیں کما چاند کی بنا ہوتی ہے۔ آزادی کسی چیز کو کہتے ہیں۔ دو تو اپنے دو ہزار سال پہلے کے خیالات اور روایات کو لے کر بیٹھے ہوئے ہیں۔ مجھے ایسے لوگوں کی پھا نہیں ہے کیونکہ میرا سلی جول ایسے لوگوں سے نہیں ہے اور جن لوگوں سے میرا سلی جول ہے وہ وہاں خیال اور ماضی کا احترام کرتے ہیں۔ آزادی کا احترام کرنے والے اور خواہشات کو اجہزت دینے والے امی! آپ یہ سن لیں کہ وہ لوگ میری عزت کرتے ہیں ان کے نزدیک میں اہم ہوں وہ میری مقصدت کو مانتے ہیں، آپ جیسی باتیں نہیں لیں گے۔





میں چھوڑی ہوئی بات کا ثبوت ہے کہ میں نے اپنے دل کا بڑا ہی رکھا ہے۔ وہ جیسے تو تم سے سارے شخصیات ختم کر چکے ہیں۔ جیسے تم بھی نہیں ہے۔ پانی توں کا تو میں ساری باتیں جامل چکا ہوں مگر جو کہ تم اب کروی ہاے اسے کہو اور اسے فریاد آئے۔ میرے بے شک نہیں ہے۔"

اب یہ صاحب نے کتاب پڑھ کر سے لے گیا ہے جسے کہہ کر فرمایا گیا۔

"پتا نہیں آتا آپ میرے پیچھے کیا میں یا پھر جو کہہ رہے ہیں۔ اس طرح تو فوج چار ڈاؤن آئی تو وہی حالت نہیں کرتے۔ جس طرح آپ مجھے کہتے رہے ہیں۔ چاہا۔ وہاں ہی کروی ہوں جو میرے غم کو ختم کرنے کے لئے اور اگر وہ اس پر اصرار نہیں کرتا تو کئی اور بھی اصرار کرنے کا کوئی حق نہیں ہے۔ آپ چاہتے ہیں کہ میں اپنے شوہر کی مرضی کے مطابق زندگی گزاروں اور اپنے گھر میں رہوں، مگر آپ کو حق ہو جائے گا۔"

"جیسا کہ میں چاہتا ہوں اس طرح کی ضرورت نہیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسا کہ میں اس کے لئے دعوت دے رہا ہوں۔ پھر تو فرمایا ہوں۔ اگر میں نہیں ہوں تو ان پر اصرار ہوتا ہے تو یہاں سے آ گیا کرو۔"

"میں پیدے کی کون سا مریاں آتی ہوں۔ وہ وہی نہیں۔ مجھے تو اپنے گھر نہ چاہیے۔ جسے میں آپ کو اپنا بیرو دکھاتی ہوں اور میری آپ کو فوج میرے پاس ہی کی ضرورت ہے چاہا کہ کوئی کہتے چاہتے ہیں۔ میں کوئی بھی نہیں ہوں جو آپ کی اچھی بکڑے اپنے میں نہیں سمجھتی۔ میں اپنا بھاری اچھی طرح بتاتی ہوں۔ چاہتی ہوں کہ میں اپنی کروی ہوں۔"

"اس بار بھی عرض فرمائی گی۔ اب یہ صاحب نے تقریباً ہواڑ میں اسے کہا۔

"تیسرا دن ہے۔" نے ہی تو سارا سنا کر لیا ہے۔ خود کو کوئی کھینکے والے لوگ زندگی میں بار بار ظہور کر کے آتے رہتے ہیں۔ جیسا کہ وہ 100 بار اپنے ہی اس پر کھڑے ہونے کے قہر میں نہیں رہتے۔"

"آپ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"جیسا کہ کوئی کیا کہہ رہا ہے۔ میں تو صرف خدا سے دعا ہی کرتا ہوں کہ وہ جیسا کہ تم کو خدا سے دعا دے رہا ہے۔"

"میں نے کہا ہے۔"

"میں نے کہا ہے۔"

"میں نے کہا ہے۔"

"میں نے کہا ہے۔"

"میں نے کہا ہے۔"

"میں نے کہا ہے۔"

"میں نے کہا ہے۔"

واہیں آئی ہے۔ اچھا ہے۔ یہاں سے اسی سے کوئی باتیں یہاں کی شروع کروں گا کہ جب وہاں آئے اس کا سوچوں تو یہ پریشانی نہ ہو کہ وہاں جا کر کہوں گا کہ میں اس کا شکر ادا کرتا ہوں۔"

"جیسا کہ میں نے کہا ہے۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔

"اب اس کا جواب دینا ہے۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔

"اب اس کا جواب دینا ہے۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔

"اب اس کا جواب دینا ہے۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔

"اب اس کا جواب دینا ہے۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔

"اب اس کا جواب دینا ہے۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔

"اب اس کا جواب دینا ہے۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔

"اب اس کا جواب دینا ہے۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔

"اب اس کا جواب دینا ہے۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔

"اب اس کا جواب دینا ہے۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔

"اب اس کا جواب دینا ہے۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔

"اب اس کا جواب دینا ہے۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔

"اب اس کا جواب دینا ہے۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔

"اب اس کا جواب دینا ہے۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔

"اب اس کا جواب دینا ہے۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔

"اب اس کا جواب دینا ہے۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔

"اب اس کا جواب دینا ہے۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔

☆☆☆

"انسان میں سے خود سارا ہے۔ اب وہ اس طرح نہیں آئے کی نہ کوئی اسے سنا ہے۔ میں اس کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔ وہی دیکھنے کوئی کہہ لائی کہ میں نے آپ کو یاد ہے۔ پریشانی ہوں۔ میں سال سے اب یہی کہتا ہوں۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔

"اب اس کا جواب دینا ہے۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔

"اب اس کا جواب دینا ہے۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔

"اب اس کا جواب دینا ہے۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔

"اب اس کا جواب دینا ہے۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔

"اب اس کا جواب دینا ہے۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔

"اب اس کا جواب دینا ہے۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔

"اب اس کا جواب دینا ہے۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔

"اب اس کا جواب دینا ہے۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔

"اب اس کا جواب دینا ہے۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔

"اب اس کا جواب دینا ہے۔" صاحب نے اپنے بھائی سے کہا۔





”میں نہیں بگڑتا ہوں۔“  
”وہ کچھ تو بڑا دلکش رہی۔ تھوڑا خون سے تھکتا ہوا اس کا جلوہ اس کے دل کو کبھی اپنی گرفت میں لینے لگا تو۔ اس نے ایک گہرا سانس لے کر خوب دیکھا۔“  
”آپ کیا ہو چاہتے ہیں اسے؟“  
”اپنے نام سے پتا چلتا ہے۔“  
”خیر، آپ کا نام کس سے؟“  
”کبھی نہیں، میں کوئی نام نہیں چاہتا ہوں۔ یہ تو میری بات ہے۔“  
”کوئی بات نہیں ہے، آپ ہماری طرح ہیں۔“  
”میں کوئی نام نہیں چاہتا ہوں۔ یہ تو میری بات ہے۔“  
”اب ایک مشکل سوال ہے۔“  
”سوال یہ ہے کہ شائستہ نے ہاتھ دیکھے ہیں تو اس کے ہاں اپنے استفسار کے بارے میں کچھ سواہی نہیں ہے۔“  
”اب ایک مشکل سوال ہے۔“  
”سوال یہ ہے کہ شائستہ نے ہاتھ دیکھے ہیں تو اس کے ہاں اپنے استفسار کے بارے میں کچھ سواہی نہیں ہے۔“  
”اب ایک مشکل سوال ہے۔“  
”سوال یہ ہے کہ شائستہ نے ہاتھ دیکھے ہیں تو اس کے ہاں اپنے استفسار کے بارے میں کچھ سواہی نہیں ہے۔“  
”اب ایک مشکل سوال ہے۔“  
”سوال یہ ہے کہ شائستہ نے ہاتھ دیکھے ہیں تو اس کے ہاں اپنے استفسار کے بارے میں کچھ سواہی نہیں ہے۔“

اچھے چند ٹھکانوں میں اس واقعہ کی خبر شادی کے اجتماع میں سر جوڑا خانان کے کھام افراد کو ہو چکی تھی اور مختلف لوگ اس واقعہ پر مختلف انداز میں تبصرے کر رہے تھے۔  
اسی رات شائستہ کے گھر میں ایک بنگارہ ہوا تھا۔ وہ واقعہ اس کے گھر والوں کے علم میں بھی آچکا تھا۔ اگر ایک طرف تو ہارون کمال کی جرات پر تانتا ہے تو دوسری طرف وہ اس بات پر شاکر کھڑے کہ شائستہ نے وہ انگریزی اس کے سنہ پر بارے کی بجائے اس سے لے لی تھی۔  
اسے اپنی ابو کے پچھنے پر اس نے صوٹ بول دیا تھا کہ ہارون نے وہ انگریزی زبردستی اسے بکرا دی تھی۔ اس نے اس بات سے انکار کر دیا تھا کہ ہارون نے وہ انگریزی اس کے ہاتھ میں پہنالی تھی۔ وہ انگریزی اس کے ہاں نے وہ انگریزی کٹھ کے طور پر دی تھی۔ اس کے باپ کے لیے جو کچھ گولیوں کو قتل نہیں تھی۔  
”وہ ہوتا کون ہے؟“  
”وہ ہوتا کون ہے؟“  
”وہ ہوتا کون ہے؟“

”زبردستی کی بیٹی۔“  
”زبردستی کی بیٹی۔“



"میں بھی تو یہ جانتا ہوں گا۔۔۔ ایسی کوئی چیز تھی کہ وہ اس نے اپنی ہوا دی تھی، جسے وہ اس قدر جانتا رہے ہیں، جسے بھی تو پتا ہے وہ کون سا "ذوقِ عالی" ہے جس نے ان کی ہوا کو کسی دوسرے سانس کی طرف مائل کر دیا ہے، اور ان کو آواز اور احساس کی حق پر ہے۔ جو خود غرضی کے سانس سے واقف نہیں۔۔۔ اور اس کی ترقی بہ جبر و کرم کا نتیجہ ہے۔"

"میں بھی مجھ سے میں پانے کی ضرورت نہیں ہے، اتنی ہی جیسی ایسی کوئی حرکت کرنے کی ضرورت ہے۔ میں نے جیسا کیا کہ وہ اس میں شائستگی سے بہترین لوگوں میں سے ہیں۔۔۔ مگر اگر میں اس کی طرف ایک ہی نئی کام شائستگی سے اور بھی اس میں نہ آئی، ایک بار پھر کہاں اس کی بات کہہ دوں گی۔۔۔ مگر اگر میں اس کی طرف ایک ہی نئی کام شائستگی سے اور بھی اس سے شائستگی کرتی ہے، تو مجھ کو یہ ہونا چاہیے کہ وہ اس کی بات کہہ دوں گی۔"

"مگر اگر یہ تو ہونا چاہیے کہ وہ اس کی بات کہہ دوں گی۔۔۔ میں نے وہاں سے کہا تھا وہ "ہاں اگر میں اس میں بہترین کاموں میں سے ہوتا ہوں، تو میں بہترین میں سے وہاں سے ملے۔ وہاں سے کہا تھا وہ اپنی نئی کامیابی کو ساری طرح میں بخا کر دے گا، جس طرح سے اس کی شادی نہیں کر سکتے۔" وہ مسکراتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہوا۔

"انہوں نے کیا کیا تھا۔۔۔ مگر اس پر وہ اس میں جیسی ہوئی، ذوقِ عالی پر ادراس پانے والی ان کی یہ نئی خود توجہ بہتر کر چھوٹے شائستگی سے:۔۔۔ مگر آپ کے بھائی کیا کریں گے، وہ اس میں شائستگی سے والے چہرہ کو صرف ایک ہی اہمیت کی ضرورت تھی، یہ چہرہ اور اس کے ذہن میں نہیں تھا، شائستگی اس کی کوئی کوئی چیز نہیں تھی، اس کے لئے چاہے سبھی میں سے اس کی ضرورت نہ تھی، اس کو چہرہ اور اس کے ذہن سے روک لیا گیا تھا۔ وہ اس کی ضرورت بہت کمزور ہو گئی تھی۔۔۔ کمال میں اس نے اپنے چہرہ میں اچھے بے نیچے کو کر سے سے لکھے ہوئے اور انہیں اس پر نظر ہوا۔"

☆☆☆

"کیونکہ اور اس میں کوئی اور کوئی۔۔۔ جو کہ گروہوں میں سے لگتا ہے، جب سے میں چھٹی پر گئی ہوں تو میں نے میرا گروہ کو نہیں مانا۔"

"مجھے کائنات کی انفرادیت میں ان کی چھٹی کے بعد آج ہی دیکھا آئی تھی اور اپنے آفس میں آئے ہی میرے گروہ کو دیکھ کر جرات سے ان کا پادشاہی کر دیا تھا۔"

"نہیں، میں تو بہتر ہونا چاہتا تھا، اسے کرنے کی منتالی کرتی رہی ہوں۔۔۔"

"کیونکہ اسے تو اسے خوشی دینے کے لئے کے ساتھ میرا کسوف کی شروع کر دیا، اور ساتھ ہی جیسا اس نے اپنی منطالی پیش کی۔"

"میں نے تو اسے اپنے ساتھ ہی جیسا تھا کہ اسے منطالی ہوتی رہی ہے۔۔۔ جلد ہی جلد ہی میرا صاف کرو اور آج کا اختیار نہ کرے گا۔"

یاد رہتا تھا، اور میرے اس کی ہمیں میں بگھرا اور شائستگی ہوا۔

"کیونکہ اور اس میں شائستگی سے بہترین لوگوں میں سے ہیں۔۔۔ مگر اگر میں اس کی طرف ایک ہی نئی کام شائستگی سے اور بھی اس میں نہ آئی، ایک بار پھر کہاں اس کی بات کہہ دوں گی۔۔۔ مگر اگر میں اس کی طرف ایک ہی نئی کام شائستگی سے اور بھی اس سے شائستگی کرتی ہے، تو مجھ کو یہ ہونا چاہیے کہ وہ اس کی بات کہہ دوں گی۔"

"مگر اگر یہ تو ہونا چاہیے کہ وہ اس کی بات کہہ دوں گی۔۔۔ میں نے وہاں سے کہا تھا وہ "ہاں اگر میں اس میں بہترین کاموں میں سے ہوتا ہوں، تو میں بہترین میں سے وہاں سے ملے۔ وہاں سے کہا تھا وہ اپنی نئی کامیابی کو ساری طرح میں بخا کر دے گا، جس طرح سے اس کی شادی نہیں کر سکتے۔" وہ مسکراتا ہوا اٹھ کر کھڑا ہوا۔

"انہوں نے کیا کیا تھا۔۔۔ مگر اس پر وہ اس میں جیسی ہوئی، ذوقِ عالی پر ادراس پانے والی ان کی یہ نئی خود توجہ بہتر کر چھوٹے شائستگی سے:۔۔۔ مگر آپ کے بھائی کیا کریں گے، وہ اس میں شائستگی سے والے چہرہ کو صرف ایک ہی اہمیت کی ضرورت تھی، یہ چہرہ اور اس کے ذہن میں نہیں تھا، شائستگی اس کی کوئی کوئی چیز نہیں تھی، اس کے لئے چاہے سبھی میں سے اس کی ضرورت نہ تھی، اس کو چہرہ اور اس کے ذہن سے روک لیا گیا تھا۔ وہ اس کی ضرورت بہت کمزور ہو گئی تھی۔۔۔ کمال میں اس نے اپنے چہرہ میں اچھے بے نیچے کو کر سے سے لکھے ہوئے اور انہیں اس پر نظر ہوا۔"

☆☆☆

"کیونکہ اور اس میں کوئی اور کوئی۔۔۔ جو کہ گروہوں میں سے لگتا ہے، جب سے میں چھٹی پر گئی ہوں تو میں نے میرا گروہ کو نہیں مانا۔"

"مجھے کائنات کی انفرادیت میں ان کی چھٹی کے بعد آج ہی دیکھا آئی تھی اور اپنے آفس میں آئے ہی میرے گروہ کو دیکھ کر جرات سے ان کا پادشاہی کر دیا تھا۔"

"نہیں، میں تو بہتر ہونا چاہتا تھا، اسے کرنے کی منتالی کرتی رہی ہوں۔۔۔"

"کیونکہ اسے تو اسے خوشی دینے کے لئے کے ساتھ میرا کسوف کی شروع کر دیا، اور ساتھ ہی جیسا اس نے اپنی منطالی پیش کی۔"

"میں نے تو اسے اپنے ساتھ ہی جیسا تھا کہ اسے منطالی ہوتی رہی ہے۔۔۔ جلد ہی جلد ہی میرا صاف کرو اور آج کا اختیار نہ کرے گا۔"



توڑیں اور وہ اسے لے لے ہوتے مائے... لڑکے لے لے رہی تھی... بسڑی چاند میں اور مجھے کے خلاف تہ  
 کمرے کے ایک کونے کو بگن کی کھل دی... باہر چھوٹے سے کمن کے لیے کچھ ہوتے تھے... ہائے لہجے کی  
 ایک دکان سے چند کریں، ایک بڑا اور ایک چنگ تھوڑا... بگن کے لیے سامان لے کر آئی۔  
 ایک بندوق سے بھر کر ایک عمل گھر میں چلا تھا۔ دو بیٹوں پر کھنکھایا ایسا مگر جس کی بنیاد غراویں اور غراہنوں سے  
 تھوڑی سی تھی اور جس کی چمت اسیدوں سے مائی لگی تھی۔  
 شہیر کو وہ اپنے ساتھ ہی اسکول لے جایا کرتی تھی، اسکول کی بیہ سمنس کو اس نے شہیر اور اپنے ہاٹے میں ہی تھاپا  
 وہ سب کو تیار ہی تھی... اور بیہ سمنس نے اس پر جیسے ترس کھاتے ہوئے اسے شہیر کو اپنے ساتھ اسکول لانے کہا۔ شہیر وہاں  
 اسکول میں کام کرنے والی ایک آپا کے پاس رہتا اور ہر طرف سے اس کے اوقات میں اسے دیکھتی رہتی۔  
 شہیر اس کے لیے ایک بہت ہی صابر چہ بہت ہوا تھا۔ شہیر خانے سے ٹاٹے کے پاس آنے کے بعد اس نے ذمہ  
 کے لیے کوئی ستر کھڑا نہیں کیا۔  
 شہیر کو اسے چیلہ بھی دو گھنٹہ ایڈاپٹ کر چکی تھی... پہلی بار اسے چھ ماہ کی عمر میں ایک بے اولاد جوڑے نے گولیاں  
 مگر آیت بندہ بھری وہ شہیر کو وہاں چھوڑ گئے کیونکہ ان کے مرنے کے بعد ان نے شہیر کی ایڈاپٹیشن پر بہت سارے اعتراضات اور  
 تنقید کی تھی۔

دوسری بار پانچ سال کی عمر میں ایک اور بے اولاد جوڑے نے اسے گولیاں۔ چھ ماہ تک انہوں نے شہیر کو اپنے پاس رہا۔  
 پھر اس جوڑے کے اپنے ہاں ٹھائی کے چند روزوں بعد اولاد کی امید پیدا ہو گئی اور صاحبہ کی خلاف ورزی کرتے ہوئے وہ بھی  
 شہیر کو وہاں واپس چھوڑ گئے۔

فاخر شہیر کے اس بیک گردن سے واقف تھی اور اگر ایک طرف اس کی خوبصورتی نے اسے اپنی طرف مائل کر توڑا  
 دوسری طرف اس پر جب کیشن نے بھی اس کے دل میں شہیر کے لیے ایک ذمہ گوش پیدا کر دیا۔ شاید لاشعوری طور پر وہ اپنے  
 آپ کو اور شہیر کو Relate کرنے لگی تھی۔

کسی بچے کو پانچ کتا مشکل کام ہے... ذمہ خود پر جب کوئی شخص بہت عرصے سے اپنے علاوہ کسی دوسرے کی ذمہ  
 داری اٹھانے یا بھانے کا عادی ہی نہ رہا ہو، شہیر روئے۔ نگ کرنے کا عادی نہیں تھا مگر اس کے باوجود اس کو اپنی دشمنی اور  
 میں شامل کرنا شروع کرنا شروع کرنا مشکل رہا... پھر آہستہ آہستہ وہ اس کی عادی ہو گئی۔ شہیر نے اس کی تہائی کو جیسے  
 چاکلے فتح کر دیا تھا۔

بعض دفعہ اسے اپنے مگر وہاں کا خیال آتا۔ کوئی رقم جیسے ایک بار پھر سے ہرا ہونے لگا۔  
 "کیا میں واقعی اتنی بے قیمت اور غیر ضروری شے تھی کہ انہوں نے مجھے مٹانے واہیں لے جانے کی کوشش ہی نہیں کی؟"  
 وہ بھی کبھی خود سے سوال کرتی اور اس کی انگریز بڑھ جاتی... شاید اس کے لاشعور میں کہیں اب بھی یہ خیال ہی تو قیوم جوڑگی  
 کہ اس کے مگر کا کردار اس سے رابطہ کرے۔ اس کی تاراجی کی وجہ جاننے کی کوشش کرے۔ اسے ایک بار پھر سے واہیں لے  
 کا کہے۔ وہ واہیں جانے یا نہ جانے مگر وہ ان سے رابطہ ضرور کرے۔

اس کی توقع صرف توقع ہی رہی... کسی نے اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی، نہ ہی اس کے پیچھے آتا تھا۔  
 وہ اگرچہ اپنے شہر چھوڑ آئی تھی مگر اسے اس کے مگر واہوں کے لیے مشکل نہیں تھا۔ وہ مگر واہی کا زوتہ میں تھی۔  
 اس کی تازہ نفس ہو چکی تھی مگر اس کے ہائے اسکل کے ذریعے اسے نہیں آؤت کیا جاسکتا تھا۔ بہت دن تک لاشعور ہی وہ  
 اسکل آنے والے ہر روز پھر میں اپنے بھائی اور اس کو کوشش کرتی رہی... پھر آہستہ آہستہ اس نے اس تکلیف وہ حقیقت کو قبول  
 کر لیا کہ اسے علاوہ دنیا کیا ہے۔



## تیسرا باب

”برقع کے کچھ فائدے ہیں یہ مجھے آج پتا چلا ہے۔“ وہ گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھا شوٹی سے کہہ رہا تھا۔  
 ”مگر اس کے نقصانات بہر حال زیادہ ہیں یہ حسن کو چھپا دیتا ہے اور دنیا میں حسن ہی تو دکھانے والی چیز ہے۔“  
 اس نے اب راوی کے کنارے گاڑی روک لی۔

”اور تم صرف حسن نہیں سراپا حسن ہو۔“ اب وہ اس کی طرف گرون سوزے کہہ رہا تھا۔  
 شائستہ دنگر اسکرین سے باہر دیکھتی رہی۔ اس میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ ہارون کمال سے نظریں ملا سکتی۔

”تو بات گاڑی سے باہر چلتے پھرتے ہوگی؟ یا پھر.....“ اس نے پہلی بار ہارون کی بات کاٹی۔

”نہیں بیسیا بات کر لیتے ہیں۔“ برقع اوڑھنے کے باوجود شائستہ کو خوف تھا کہ گاڑی سے باہر نکلنے پر کوئی نہ کوئی اسے  
 دیکھ لے گا اور پتکان لے گا اور وہ اسی شائستہ سے خوفزدہ تھی۔

”ٹھیک ہے بیسیا بات کر لیتے ہیں..... سب سے پہلے تو چہرے سے یہ نقاب ہٹا دو، کیونکہ میں چہرے پر نقاب کے  
 ساتھ بات نہیں کروں گا۔“ ہارون نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

”لیکن اگر کسی نے دیکھ لیا تو میرے لیے بہت مشکل ہو جائے گی۔“

”میں تمہیں راوی کے کنارے شہر سے تقریباً باہر لے آیا ہوں..... یہاں تمہیں کون دیکھ سکتا ہے اور اگر کوئی دیکھ بھی لیتا  
 ہے تو میں سب کچھ ہینڈل کروں گا۔“

ہارون نے سائڈ ہوئے بغیر کہا۔ شائستہ کچھ دیر سوچتی رہی پھر اس نے آہستہ آہستہ چہرے سے نقاب ہٹا دیا۔ ہارون کے  
 چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”تم نے میری رنگ نہیں پہنی؟“ اس نے بات شروع کرتے ہوئے کہا۔

”نہیں..... مجھے چھپا کر رکھنا پڑی کیونکہ سب کو اس واقعہ کا پتا چل گیا تھا اور امی اور بابا بہت ناراض تھے۔“ سر جھکائے

شائستہ نے جواب دیا۔

”ہوں؟“ ہارون نے بڑے تھکے انداز میں پوچھا۔

”انہوں نے اپنی بے عزتی محسوس کی۔“

”جس کا بدلہ انہوں نے میرے والدین کو بے عزت کر کے لیا۔“

”میں اس کے لیے معذرت.....“ ہارون نے شائستہ کی بات کاٹ دی۔

”میں نے تمہیں یہاں کسی معذرت کے لیے نہیں بولا۔ تمہارا میں کوئی ہاتھ نہیں ہے۔“

شائستہ نے اس کی بات پر سون کا سانس لیا۔

”تمہارے گھر والے بہت عجیب ہیں شائستہ.....! ہارون میں رہنے والے لوگ ہوتے تھے، اس طرح کی Breed



ہوا۔

”تو کب سے کہاں کی خبریں؟“

”شانست نے میرے پاس سے روزانہ کی گزارشات جاتے ہوئے کہا۔ ”میں کبھی نہیں۔ ہوا کاغ سے کہاں جاتا ہے مجھے میں نے سچے سچ میں بیخوف اور اس کی فریاد سے کام لیا۔“  
”میں نے سچے سچ میں بیخوف سے بات فرمائی ہے، اور جانتے ہی کہہ دیتا ہوں کہ تم فریاد کی فریاد سے کام لیا اور بیخوف سے پاس سے میرا پرمان۔ اور کیا فریاد کی فریاد سے کام لیا ہے میرے لئے کیوں؟“  
”شانست کاہنہ کے لیے اس کی ساری محنت لگا۔ اس نے سچے سچ میں بیخوف سے کہا ہے جانتے ہی کہہ دیتی فریاد تو کیا ہوگی۔“

”نہیں ان کی فریاد سے کام لیا ہو سکتی ہوگی اور نہ وہ میرے سچے سچے محنت والی ہوتی ہوگی کہ فریاد کی فریاد کے لئے صرف۔ میں جانتا ہوں کہ میں نے سب کیا ہے۔ تم کیا نہیں کر رہی ہو؟“

”ماڈرن آڈیشن میں کبھی اور میرے پاس نہیں آتی۔“

”فریاد سے کہتا ہے کہ میں نے جانتے ہی کہہ دیا اور وہ اس کی اس طرح کا کاغ ہے۔“

”شانست کو وہ خاموشی معلوم ہوئی تھی۔ اس نے کہا کہ وہ اس کی فریاد سے کام لیا ہے۔ وہ اس کے پاس سے سب کچھ بتا دیا۔ اور کبھی کے لئے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“

”شانست نے اس کے پاس سے نہیں آتا۔“





"مگر یہ بہت بظاہر ہے۔"  
 "یہ تو ہر زمانے کے بعد چہرہ ہوا ہے۔"  
 "مگر میں اس قدر سوال کی نہیں ہوتی ہوں اور"  
 "اس بات میں مجھیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے اور میں سب کا اندازہ کر لوں گا"  
 "مگر میں اس طرح بے ذمیت نکلے گا۔" شائستہ کو ٹھیکہ دیا اور سوال کی گھنٹی کا آواز سن کر۔  
 "تو تم کو کیا باتیں ہوں گی اور میرے ساتھ شادی کی؟"

"میں نے یہ نہیں کہا مگر اس طرح کہہ کر جان کر نے تو بہت زیادہ بے ادب ہو چکے ہیں۔ وہ تو مجھے کہتے ہیں۔"  
 "تم نے اپنے جوش کو کونسا کونسا بہانہ کر کے اور تمہارے ساتھ شادی کر لینے کی تمہاری فکر نہ کرنا ہے۔ میں نے اس میں کسی شائبہ کی گواہی دلا کر مستحق جانے سے انہی کی تمہاری شادی کو نہیں کرنے کے اور میں اس صورت میں مجھیں کون سے چارہ نہیں ہوں۔ تم خود سوچو یا تم میرے بھروسے ہو۔" وہ ان کی توجیہ کی کہ وہ وہ۔

"میری گواہی کو تو کبھی آزاد شائستہ نے اپنا چہرہ کیا۔"  
 "تو میرے ساتھ اور میرا نہ کرنا نہیں کی باتیں؟ کیا میں تمہارا چہرہ ہے۔ مجھیں کوئی کاروبار چاہئیں تو میں وہی دیتے اور دیتے ہوں۔" وہ ان سے ان کو گھور دیکھنے لگا۔  
 "آپ کے چہرے کے لیے کوئی بات رہی۔ میں اس کی چوڑی میں کوئی فیصلہ نہیں کر سکتی۔" شائستہ کا تذبذب ابھی بھی برقرار تھا۔

"ٹھیک ہے مگر اس طرح سوچو۔ آخر یہ تمہاری زندگی ہے۔ یہاں تک گاڑی زیادہ مانے ہوئے بڑی لاہور والے ہے۔"  
 "ہاں ہی یہ وہی صورت ہے۔" کیونکہ قصور کی ہے۔ "کوئی نام بات ہے۔ اس بات پر کیا بگڑے تو جس کے ہمارے پاس"

کا پلہ۔  
 "ہاں نام بات ہے۔ اس صورت سے مجھے اپنا نام لےنا تھا تو اس صورت میں اس کا نام۔" انھاراج کیسے کہتے  
 "کہاں مجھے ہونے والا نہیں لگتا کہ وہ اب یہاں پر چل کر آ رہی ہیں۔ کیا تمہارے پاس کوئی شہرہ صورت ہے تو میں اس سے  
 کہتی گی۔" وہ لگے یہ کیونکہ چاہتے۔  
 "بات کر کے انھاراج نے انھاراج کو خیال آیا اور اس نے بات اور وہی چھوڑ کر کچھ کر جانے کے لیے کہا۔  
 کیونکہ وہ کے بغیر ہفتے سے ابھی لگ کر انھاراج اب بھی انھاراج سے کہنے لگی تھی۔ اس کی کچھ نہیں آ رہا تھا اس  
 صورت سے اسے نیک انداز میں بتا کر وہ بچے۔ وہ بچے لیکن لہجہ جانتی تھی؟ اس صورت سے بچے کا کیا رشتہ تھا؟ کیا بچے  
 واقعی اس کی سبک کرنا چاہتا تھا؟ اس نے بتا دیا۔ مگر اس طرح اس نے اس معاملے میں اس سے غلط چینی کی تھی؟  
 اس کا یہ اندازہ اس نے وہی سن کر اٹھا ہوا تھا۔

☆☆☆

میرے پاس سفارشی کوئی بات نہیں ہے۔ تم کو ہر گز میری زندگی کا ایک حصہ نہیں ہے۔ میں نے اپنی ماں کو اپنی  
 ماوی زندگی کی شکل بننے پر گوارا دے رکھا ہے۔ ایک معاملے میں اس کی دونوں ماں کے ساتھ میں نے سفارشی  
 میرے لیے کوئی چھوٹی سی جینس ہے۔ یہ میرے دونوں کی طرف سے سفارشی کی اختیار ہے۔ اسے کبھی نہیں کہتے ہیں۔  
 میرے ہونے سے اس نے کہا۔ "میں نے تم سے کبھی بات نہیں کی ہے۔ تم نے ہونے سے اسے ہٹھکھٹا کر نہیں کرنا کی جارہی ہے یا  
 میری ماں سے، ان کے دونوں کی جگہ ہے۔ تم میری آواز اور سمجھتے گی کہ تم میری جگہ میں سمجھتے ہو۔ تم نہیں نہیں کہتی۔ ہم

تقدیر ما آسمان  
 سب سے زبردستی کے راستے پر گاڑیوں پر سفر کرنے والے لوگ ہیں۔ اس راستے پر سفر کرتے بہت دفعہ ایسا ہی ہے کہ کسی کی  
 گاڑی کا پڑنا ہو جاتا ہے اور کسی کوئی گاڑی سڑک سے اتر جاتی ہے۔ ایسا دفعہ ایسا ہی ہے کہ گاڑی سڑک پر موجودگی  
 کرے میں جس جانی ہے۔ اس وقت اس سڑک پر سفر کرنے والی اور میری گاڑیوں میں سے کسی نہ کسی گاڑی کے پاس رک  
 پانچ پانچ ہونے چاہیے اور میرے کسی گاڑی کو اس طرح سڑک پر دباؤ لایا جا سکتا ہے یا گڑھے میں سے نکالا جا سکتا ہے۔ اس  
 وقت چاروں کے لیے اٹھانا اور سڑک کو دباؤ رک جانے اور میرے گاڑیوں کے لیے آتے جاتے ہیں اور ایسا نہ کرنے کی صورت میں  
 اور میری گاڑیوں میں سے کسی بھی وقت ہے۔

"میں اب اس میں کسی ایسی ہی وہ گاڑیوں کے ساتھ نہیں ہے۔ زندگی کے اس راستے پر چلنے آگے میں کبھی میری گاڑی کا ہرگز بھی  
 ہوا ہے۔ اس میں کوئی ایسی ہی وہ گاڑیوں کے ساتھ نہیں ہے۔ زندگی کے اس راستے پر چلنے آگے میں کبھی میری گاڑی کا ہرگز بھی  
 کی تو میرے پاس نہیں چلے اور ہو سکتا ہے۔ اس وقت میرے لیے وہ ایک فاطمہ کا ہوا ہو سکتا ہے؟"  
 فاطمہ کی عمر وہ معمول کی طرح وہ میرا سڑک کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ میرے کے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں اس سبک کے  
 زور دیکھ کر ہوتی تھیں۔ اس نے کہا۔ "میرا حق۔ اس نے زندگی میں بہت کم ایسے خوب صورت ہاتھ اور انگلیاں دیکھی تھیں۔ یہاں  
 ہر ایک رنگ کے گرامیہ پر زہلی انگلیاں جس کے انھوں نے ہر سڑک کی کچھ نہیں کی ہوتی تھی۔

اور میرا سڑک کی باتیں سننے کو اسے مشکل اس کے ہاتھوں کو کچھ رہی تھی۔  
 میرا سڑک کے ساتھ ہونے والی ہے اس کی پانچویں ڈیڑھ ڈیڑھ کی۔ وہ ایک انتہائی ڈیڑھ ڈیڑھ کی ساتھ جسکے ایک اور موسم  
 نما کی چھین کے دوران لاہور کے کچھ کچھ گورنمنٹ اسکول کے ساتھ تھی۔ اسے منگولیا جانے والی ایک چند روزہ اور اسٹاپ  
 کی گاڑی بڑی تھی۔ جبکہ فاطمہ نے اسکول کے بہت سے بچہ کے ساتھ اس وقت اس وقت اس وقت اس کے لیے شہر کو نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ اس لیے  
 وہ اسٹاپ کا آخر سے شام چار بجے تک چلتی اور فاطمہ اپنے لئے وقت کے لیے شہر کو نہیں چھوڑ سکتی تھی۔ اس لیے  
 وہ شہر کو اپنے ساتھ وہاں لے آئی۔

وہ اسٹاپ کے پیلے کی دن اس نے وہ میرا وہ دیکھتے پھر یا نہیں تھی یہ ایک کے دوران وقفہ نہیںوں پر بچہ کے پاس جا کر  
 چھٹکرتے دیکھا۔

کئی یہ ایک کے دوران وہ میرا وہ نکل پڑی۔ جہاں فاطمہ اپنے اسکول کی گزرتے ساتھ چلی ہوئی تھی۔ تقریباً وہیں  
 حد تک اپنی شکل پر رک اور اس دوران اس نے انتہائی بے تعلقی کے ساتھ اپنا اختلاف کرانے کے ساتھ ساتھ وہاں بیٹھے تمام  
 اٹھنا بھی تو دل چاہتا۔  
 "جی ہاں کا چاہا ہے؟" اس نے فاطمہ سے توجہ دے لیتے ہوئے اس کے پاس بیٹھے ہوئے شہیر کا کال چھوٹے ہوئے کہا۔  
 فاطمہ نے جوت میں سر ہلانے کے بعد اس نے کہا۔  
 "تم خود سمجھو تے۔"

پھر وہ انتہائی بے تعلقی کے ساتھ فاطمہ سے سوال جواب کرنے لگی۔ فاطمہ اس کی موجودگی اور بے تعلقی سے زوریں ہوری  
 تھیں۔ وہ ان دونوں چیزوں سے زیادہ پریشان اس کے لیے ہے بات کرنے کو اور میرے دونوں کی طرف اسے عجیب نظروں سے  
 دیکھتی تھی۔ اس نے اس کے لہجے میں اس کے لیے وہ ترس اور ہروری تھی۔ اس کی گواہی ہو جاتی تھی۔ وہ اس سے بھی اس طرح  
 انتہائی ہی جس طرح نکل ہوئی اپنی آواز سے بات کر رہی تھی۔  
 ان کے سوال میں اس کے کام سے متعلق تھے۔ فاطمہ کی جگہ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ اس کی باتوں کا جواب میں کس روئے لگا  
 نہیں۔

میرے ساتھ اس وقت اس کے دوران ایک دفعہ پھر وہ میرے اس کی حفاظت ہوئی اور دونوں کے دوران عیا سے پانچ لاکھ  
 یہی نہ کوئی اور اسٹاپ ہے اور اس وقت اسٹاپ کے علم ہونے کے بعد وہ مستقل آگے۔

تعلی پر بھی مٹی کی کڑیگڑھی سے ایک نئے اس بات پر غصہ کو اختیار کرتے ہوئے راجہ سے اس کی تباہی چھوڑنے کا مطالبہ کیا۔

”آپ نے اسے دیا ہے۔ اس کے ساتھ ششک ہیں۔ انکی بہت حاصل ہے۔ آپ کو کھراہا کین چھوڑ دی ہیں۔“  
راجہ نے اپنی بیعت میں دھوکہ چاہا تھا وہ اسے ایک سکرہنت کے ساتھ سولہ سادو اور اسی ایمینان کے ساتھ کھد  
”میرا عمل دھن اور اس کا پتہ دیکھنا چاہتا ہوں۔“ خاہر سے اسے سکرہنت کی ایک چھوڑ کر تو نہیں آسکی۔ جس میں  
”کوشل کی کسی کتبہ Nanganee لکھی۔ لیکن جس کو تباہ نہیں ہوئی۔ اس کے لیے تباہ چھوڑ دی ہیں۔“  
فاطمہ کو ہنستے ہوئے اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

”آپ کے طور سے چھوڑ دینا؟ آپ تباہ چھوڑ دیں؟“ اسی کو لیکھ نے دوبارہ پوچھا۔  
”نہیں، میرے شوہر نے مجھ سے یہ کہی تھی کہ تباہ نہیں کرنی چاہی۔ اس لیے اسے تباہ چھوڑ دی ہیں۔“  
”آپ کے شوہر کے کہنے پر تباہ نہیں ہیں جس کے پاس اور اسے نہیں۔“

”وہ کھائی ہیں ان کے لیکن بھری وہ ان کا بیڑہ سے میرے شوہر کے پاس رہتی ہیں۔ میرے شوہر کے ساتھ میرے  
انجمنیت سے ان کی بیعت وہ اس سے چھوڑنے ہیں۔“ راجہ نے سلاہ کی طرف توجہ دیا تھا وہ ہنستے تھا۔  
”بھراگئی اپنے کپڑے کو چھوڑ دو بہت مشکل کام ہوتا ہے۔ خاص طور پر یہاں کپڑے جیسا آپ کا ہے۔“ فاطمہ کی اس کو لیکھ  
نے دوبارہ کہا۔

”جہاں جلی آجاسے یہاں کپڑے کوئی نہیں رکھتا۔ عورت میں غریب ضرور ہوتی ہے کہ وہ اپنی جلی سے بچ کر کسی  
چھوٹے عینت نہ اسے اور جس نے اپنی ہی غریبی کا استعمال کیا ہے۔“  
چراغوں کے نیچے پر اس کے جواب نے خاص جگہ طاری کر دی۔  
”یہ دن سہرا کے بیچن کے بعد اس لیے مجھے ہونے فاطمہ کا راجہ سے میرا آسان ہوا۔ راجہ سے بڑی بے عقلی  
کے ساتھ ششک سے کال چھوڑنے کے اس کا بہن اور بھرا کے بڑھ گئی۔  
اس دن فاطمہ کو راجہ کو بہت دیکھ، راجہ کے بارے میں سوچتی رہی۔ اس کی شخصیت نے فاطمہ پر ایک عجیب سا تاثر  
چھوڑا تھا۔

شیر سے دن سے ایک بار کھراہا راجہ کے ساتھ کھوٹ کر لوانے کا موقع ملا۔ اس دن اس کے ساتھ اور کوئی نہیں تھا۔  
راجہ ششک کے ساتھ بائیں کونے کی پیش کر کے بیٹھ گیا اور پھر کھین کین فاطمہ نے اسے پتا دیا کہ ششک اس کا بیٹا نہیں ہے۔  
راجہ نے صرف ایک باہر مرفا کر کے دیکھا اور بھرا گیا کہ وہ راجہ کے ساتھ بائیں کونے گئی۔ فاطمہ کو یوں لگا جیسے اس  
کے لکھنے نے اسے جرات نہیں کیا پھر وہ پہلی ہی توجہ کر رہی تھی۔  
”فاطمہ کو کھو دیا ہوتی۔ اور راجہ کے چہرے پر جیسے غمزدگ اور ہیرا دل اس سے چاہتی تھی وہ اسے نہیں ملا۔  
”آپ کو بھرتے نہیں ہوتی کہ میں نے آپ سے بھرتے ہوا۔“

”مجھے کسی کی بھرتے کا حق نہیں ہے۔“ اس کے جواب نے فاطمہ کو چراغوں کے نیچے ناشوٹ کر دیا۔  
”اور جہاں تک آپ کے بھرتے ہوئے کا حق ہے تو آپ کو حق ہے کہ آپ اپنے بارے میں جو چاہتا چاہتی ہیں  
اس لیے آپ سے ششک سے سنا ہے میں نے چھوٹا ہے۔“ فاطمہ نے اسے لکھنے کو لیکھ لیا۔ اس کی تباہی کوئی بھی آپ کے اس حق  
واحد نہیں کر سکتی۔

اس نے چند ہی جہوں میں اس کے اس پر ہونے لگا۔  
”ششک کو بھرتے؟“ اس نے فاطمہ سے پوچھا۔  
”ہاں، لیکن وہ تو اس کے اتنے اہمیت کا ہوتا ہے، اہمیت رات کو تو ہو جاتا ہے۔“ فاطمہ نے بتایا۔

”آپ نے اسے کو کھو دیا؟“  
”ہاں میں اس کی تباہی ہوئی لیکن اسے اسے دہری ہیں۔ لیکن زیادہ فائدہ نہیں ہوا۔ اس کا گھرا بیسے ہی گلاب ہے۔“  
”میرے والد چاہتے ہیں۔ ہمیشہ تیرے۔ آپ چاہیں تو آج یا دیکھیں یہ جہاں سے میرے ساتھ نہیں۔ وہ ششک کا چنگا کہ  
کہتے تھے۔“  
راجہ نے فاطمہ کو لیکھ کی۔ فاطمہ نے ہنستے کہا۔ اس کی گھوٹیں میں اس بار فاطمہ کو قبول کرے یا نہ  
کرے۔

راجہ اس کے پیش رو کھانچ گیا۔ ”آپ اسے کوئی اصران نہیں سمجھتے۔ میرے والد کو بچوں سے خاص ہمت ہے۔  
چنانچہ اور ہے۔ میرے اس کو لونی میں کسی کے بچے کو بھی کوئی تکلیف ہو وہ اس سے ہی کے پاس لے کر آتا ہے۔ اگر وہ ایمان نہ کرے تو  
میرے والد کے ساتھ رہا ہوتے ہیں۔“ اس کا کھراہا دستانہ فاطمہ کو اس بار فاطمہ پہلے ہی طرح نہ مویشی رو لگی۔  
”لیکھ ہے۔ میں آپ کے ساتھ چھوٹی ہوں۔“ اس نے ہائی کہی۔ راجہ سے چہرے پر ایک سکرہنت چمک گیا۔

☆☆☆

”ہی! لیکھے یہ لوگ ہند نہیں ہیں۔“ شائستہ نے رات کو اپنی امی سے کہا۔  
بادان کے گھر والوں کے بار بار ان کے گھر کے پتھر کانے پر شائستہ کے گھر والے ناقص ہور ہے تھے اور اس کا نتیجہ یہ  
تھی کہ شائستہ کے امی نے اس کے لیے وقت سے پہلے ہی روشنی کا شش شروع کر دی۔  
شائستہ نے اس بات کا علم ہونے پر ہلکا بار اپنی جلی کا انکھار کیا۔ لیکن اس کی امی نے اس پر کوئی توجہ نہیں دی اور اس  
بات پر شائستہ کی پہلی ہی اضافہ کر دیا۔

اس پر شائستہ نے اس وقت خاصی کین سموت اختیار کر لی۔ جب اس کے اوپر کے ایک دوست نے جلی اپنے بیٹے کے لیے  
اسے لیکھے آئی اور نہ صرف اسے دیکھے آئی، بلکہ انہوں نے فوری طور پر اس کے لیے ہندو کی کا انکھار کرتے ہوئے اپنے بیٹے  
سے تکی کر پیش کر دی۔

ان کو ان کے جاننے کے بعد اس نے اپنے والدین کو خاص خوش اور مطمئن دیکھا اور اس بچے نے اسے پریشان کر دیا۔  
ان کو ان کے جاننے کے بعد اس رات اس نے وہ بیٹھوں میں اپنی امی سے اس رشتہ کے لیے اپنی ہندو کی کا انکھار  
کیا۔ ہندو کی کے اس انکھار نے اس کی اسی کو جرات کر دیا۔ انہیں تو حق نہیں تھی کہ شائستہ اس رشتہ پر اپنی ہندو کی کا انکھار  
کرے۔

”کیوں ہند نہیں آتے ہمیں یہ لوگ؟“ اس کی امی نے اس سے دریافت کیا۔  
”ہاں گھر گھر سے لوگ آتے ہیں گئے۔“  
”میں جی تو جانا چاہتی ہوں کہ میں ان میں کیا بات کر رہی ہوں؟“  
”میں اس کی شادی نہیں کرنا چاہتی۔“

”کیا بیعت ہوئی۔“ اس کی امی نے اس سے کہا۔  
”ہاں، تو میں ان کو ان کے لیے اپنی ہندو کی کا انکھار کر رہی تھی۔ ابھی تم شادی ہی نہیں کرتے پانچیس۔“  
”اگر وہ جو خوش رہی میرا اس نے کہا۔“ کیا یہ لیکھ نہیں تھا کہ جب بادان نے اپنی بارشہ بھرا گیا ہے تو آپ اس کے  
باہر میں کر رہے۔“

اس کی امی اس کی بات پر ساکت ہو گئی۔ شاید انہیں شائستہ سے اس بھلے کی توقع نہیں تھی۔  
”کیا تو کرتے؟“ انہوں نے ہنستے ہوئے پوچھا۔  
”بادان آجما ہے اور جب پتا ہوا انکا مزار کر رہے ہیں تو۔“  
اس کی امی نے اس پر اس کی بات کا ردی۔







کے مکھ جانوں تو نہ مکن۔ یعنی ہم اپنی مرضی کا کہاں میں مکن چاہے وہ کہاں بھی کیوں نہ ہو جس کی دوسری ایک جہ سے بے کسی پس کو کھ کر گئے ان میں سے۔ والدین کو بھی نہیں۔ ساری عمر میں ان کی بھی پیکر پھینا نہیں چاہی۔ میں وہی زندگی گزارنے کا ہوں جسے آپ کے گھر والے ڈر رہے ہیں۔ میں بریک اپ کرتی رہی ہے جانتے جانے والی ہوں۔ اگلے دن کے لیے یہ سب تمہیں کو کہتا ہوں۔

ہاں آئی ہے کسی کو کہیں کہیں ہے۔ میری خواہش تو آزاد خیالی ہے۔ اور میں چاہتی ہوں کہ میرے پاس گائے جسے خداں میں بھی گائے وہ آؤ گی نہیں۔ وہیں کے زندگی گزار کر وہ آزاد ہوگی تو کبھی ہوتی تھے ہم قو کی طرف سے جسے مٹا ہے۔ میں نے ہرگز بھی نہیں چھوڑی زندگی میں مثال ہیں۔

ہاں اگر اس بات پر اعتراض ہے کہ سنا ہے ہاؤ ڈارٹس سے وہاں یہ کس کس کے قہر ہے کہ جہاں سے آئی ہے اس بات سے کسی اختلاف نہیں کرتی۔ ہر شخص کو حاصل ہے کہ وہ جیسے چاہے وہاں یہ کسے آتی ہے لیکن نہیں رکھتے۔ میں کوئی نہیں اور ترقی کی ایک نسبت ہوتی ہے جیسے ہوا پر رش آتا ہے۔ جسے چند سالوں میں وہ اپنے پر پھیلاتے ہیں۔ وہاں سے آتا ہے۔ اس کے لیے جس طرح سے ہوا سفر ہے۔ گھبراہٹ سے گھر میں سے ترقی کی ہے۔ حیران ہو چکا ہے اسے نہیں سے کسی کو یہ پتا کہ وہ وہاں کیسے پہنچے ہے۔ رات بھر بھول کر آیا ہے۔ کہاں سے کرنا ہے۔ باگھی چلی ہے۔ لوگ صرف ہو دیکھتے ہیں کہ وہ شخص اپنی منزل پہنچا ہے۔ میرے نزدیک یہ تمام جیسا ایسے ہی محسوس ہیں اور میری نفس کی شکل کے بارے میں میں کوئی خطا دانی نہیں کرتی۔ گراؤم دیکھو وہاں اسے اس کے ساتھ سے ایک دوسرے کے بالفاظ میں کہاں سے۔ ”وہ اب بہت عجیب ہو چکی ہے۔“

بادن اب بے شمار ہوا۔ ”میرے ساتھ صرف باقی ماند ہو گی تو ایک ایسا ہی سہی چلا گی۔ جس کے بارے میں بات کرنے میں ڈر نہیں ہوتا۔“ اس کی بات کو ہونے پر بادل نے اسے فرمایا۔

”صورت کے ہاتھ میں بہت طاقت ہوتی ہے۔ خوب صورت اور ذہین صورت کے ہاتھ میں سکھار ہم نے بننے صومر میں آئی دنیا کی کسی ایک خوبصورت اور ذہین صورت اتنی ہی عمر میں اس دنیا کو چھوڑ کر گئی ہے۔ اور میں نہیں دیکھی ہی ایک صورت طاقتور ہیں۔ اس گھر سے گلی آؤ وہاں جسے کچھ دیکھیں۔ یہ جہاز سے ٹھوس کی کیمبر پر گھر میں ہے۔“

جسٹی کرشن میں کرشن کو دیکھا کہ کھڑے کھڑے گھر کے اندر اس کے ہاتھ پائیوں کے چتائیوں میں اس کے اپنے بارے میں میری Sincerity میں بتائی۔ وہ جہاز سے اسی پر آئی صوبک جانتے ہی چلے گئے اور وہ آخری حکمران میرا ہے۔“

شاہد نے سرفرازا کا دیکھا۔ وہ اسے دیکھتا ہوا تھا۔

”کھیں بھی کسی کے بارے میں بہت مشکل دیکھا ہے۔“ شاہد نے اپنی بے بسی کا اعتراف کیا۔

”کیوں مشکل ہو گیا ہے۔“

”اس طرف مگر میرا ذہان سامان ہوتا۔“

”ہاں ہاں، یہ آسان نہیں ہے۔ مگر کچھ نہیں تو کھینچ کر لے لی ہے۔“

”کھیں خوب آئے۔“ یہ اپنی قوم کے لئے ہے۔ اس کے لئے حرکت کرتے ہیں۔ جس کی گھر پر بھی کسی کوئی خوف ہے تو ہم دونوں بے غور سے ہے۔ اگلے دن کے چائے کے بارے میں اس کا کھرا مہلا ہو جائے تو وہاں آج بھی گئے۔ ”ہاں نہ مجھ پر یقین کی۔“

تصویر سامان

”بات یہاں کی نہیں ہے۔ خودنی رشتوں کو اس طرف تو درجہ آسان نہیں ہوتا۔ میں چاہتی ہوں کہ میں نے اپنا کوئی قدم نہیں ڈھکا ہے۔ یہاں کے ساتھ مصلحتتہ خیال ہونے کی امید نہیں ہوگا۔ ہاں اگر اپنی اپنی جگہ کے لیے کوئی کام نہ کرے۔“

ہاں نے کہا کہ ”اپنے ہونے کے ساتھ ساتھ ہونے کی امید نہیں ہوگا۔ ہاں اگر اپنی اپنی جگہ کے لیے کوئی کام نہ کرے۔“

☆ ☆ ☆

ہاں کی اپنی نے اس دن جب کہ اپنی فائدہ دہی ہوا تھا ایک ذہن بختہ وہ مصلحت ان کے گھر آئے جاتے رہے۔ خود اس کی

الٹا ہی نہیں گئی اور ان کو اس کے کمر لگیا۔

”میرا ایک دن وہ جانتے سے پہلے شاہد کو ایک اگلی اور کچھ تم جھگڑے۔ شاہد کے بیرون سے سے زمین چل گئی۔ اسے

ان کی بات نہ تھا کہ وہ کسی شکل میں اپنی جگہ پر نہ آئے۔“

ہاں نے کہا ”میرا ایک دن وہ جانتے سے پہلے شاہد کو ایک اگلی اور کچھ تم جھگڑے۔ شاہد کے بیرون سے سے زمین چل گئی۔ اسے

پوری یقین ہو گیا۔“

اس کے بارے میں وہ اس کے ہاتھ اور اسے کچھ دیکھا۔”

”اس کے بارے میں وہ اس کے ہاتھ اور اسے کچھ دیکھا۔“

اس کے بارے میں وہ اس کے ہاتھ اور اسے کچھ دیکھا۔“

☆ ☆ ☆

”زندگی میں بہت ہی چیز کو خوب سے حقیقت بہت جلد ہوتی لگتا ہے۔ اور بعض اوقات خوب کو حقیقت بننے کو نہیں

سزا دہیں گے۔ تمہا کو کھانا ان دنوں اپنی ہی عمروں ہو ہاؤ To be or not to be جس کے مشکل ہے وہ ہوا ہو گی۔

اس نے اس کا دل لال لال کیا۔

بادن کمال اس کے ہاتھ لگا کر پتے پتے ہاؤس فرانس کے بارے میں اسے یقین دلا کہ وہ اسے ہاؤس لینے کے بعد اپنے سامنے آنے والی چیز کو سونپا کرے گا۔ ہر چیز کو سونے کی چمک مٹان کی آٹھوں میں لگاؤ دھار کر کے اس کی قیمت کے سامنے دینا کی ہر چیز ہے۔ شائستہ کے ساتھ اس کی بی بی ہوا تھا۔ ہاتھ میں لیے ہوئے اس ہاؤس کے ساتھ چڑھ کر سونے میں ہاتھ دے رہے تھے۔ وہ صرف ایک بات بھول گئی تھی کہ وہ ہاؤس کو لیں تو وہ اس میں زندگی نہیں ہوتی۔ وہ جان ہوتا ہے۔ سب سے پہلے وہاں رہتا ہے اور پھر جان والی چیزوں میں جان ڈال دینا ہر چیز ہوتی ہے۔ وہ کسی بھی چیز پر اٹھارہ لاکھ لگتا۔ لیکن کسی بھی چیز کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اس کے ہاتھ میں آیا ہوا ہاؤس ایک ایک لکھی جانے والی چیز تھی۔ شائستہ کی ضرورت نہیں تھی اور ایک دو شائستہ کے لیے ہاؤس سے بھر بی کر اسے ایک ایک لکھی کر دینے والا فرانس کے ہاؤس کے سامنے آنے والی بات تھی اسے آسان سے سامنے مل جانے والی تھی۔ آسان ہوا ہاؤس ہاؤس کے درمیان نہیں لگتی۔ زمین کی ضرورت نہیں ہوتی کیونکہ ہاؤس ہاؤس تک پہنچنے کو تک پہنچے ہوتے ہیں۔

☆☆☆

"تم آپ کے ساتھ کوٹ بھرتا کر چاہتی ہو۔"

بادن کمال کے ہوتے ہوئے ہر چیز کو سونپا کر کے کوٹ بھرتا کر لینی "تو تم نے لپیڈ کر لیا۔"

بھرتے والی نے بھرتے ہاؤس کی دھرتی پر اس کی نہیں بھرتی۔ "شائستہ نے گھست خورو لیے میں کہا "انہیں بھرتی مٹی کر دی ہے۔"

"کیا؟" ہاؤس کوٹ کا۔ شائستہ سے بھرتی نہیں ہاؤس کی سب؟"

"ہاں۔"

"کیا؟"

"کیا؟"

"ہاؤس کے کسی دست کے بیٹے کے ساتھ جن کے گھروالے بھرتے ہوئے سے ہاؤس گھرا ہے ہیں۔"

"تم نے مجھے بھرتی کیا؟"

"تمہیں کس بات کی تھی کہ وہ اس طرح اپنی چمک بھرتے کر لیں کہ ان کے ہاؤس ہاؤس کے سامنے ملتا تھا۔ ہاؤس شام کو وہ کوٹ ہاؤس گھرا لے اور مجھے کھجی پرہا کر چلے گئے۔"

"تم نے انکار نہیں کیا؟"

"تمہیں اس وقت کیا کیا؟ سب کچھ ان کا ایک ہاؤس کوٹ بھرتی نہیں کی۔ اس ہاؤس سے بچنے کے لیے ہی تو میں آپ کے ساتھ بھرتا کر چاہتی ہوں۔"

"کیا تمہارے گھروالوں نے شادی کی بات چلانی کر دی ہے؟"

"نہیں۔ مگر تمہارے ہاؤس بھرتا کر تک یہ بھی کر رہی ہے۔"

"جس پر بھرتن ہوئے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کوٹ بھرتا کا انتظام کر لیتا ہوں۔ دو تین دن کے بعد ہماری شادی ہو جائے گی۔" ہاؤس نے اسے کہا۔

"تمہیں کوٹ بھرتا کے بعد واپس اپنے گھر جانا چاہتی ہوں۔"

تو اس میں یہ کوٹ بھرتا صرف اپنے گھروالوں پر ہوا ڈالنے کے لیے کیا جاتی ہوں۔ کوٹ بھرتا ہو جانے کی تو وہ شادی کی نہیں اور شادی کیا نہیں ہے۔ ہاؤس نے بھرتا وہ آپ کو کال کر لیں۔ "وہ اس کے سامنے اپنا منصوبہ پیش کر رہی تھی۔"

بادن ہاؤس سے اس کی بات سن کر دل بہت شائستہ نے اپنی بات ختم کر لی تو اس نے کہا۔  
"مگر کوٹ بھرتا کا پتہ ہے تمہارے گھروالوں نے زمین کی ختم کرنے کی کوشش کی تو؟"  
"میں اس کی بھرتی نہیں ہوتی۔ شائستہ نے فرمایا۔"  
"میں نے کہا کہ وہاں کوٹ بھرتا کر سکتی ہے؟"

"ہاں، میں نہیں۔"  
"میں نے کہا کہ اس بات کو یقین نہیں ہے کہ تم میرا کیا ہو گی۔ کیا یہ بھرتی ہے کہ کوٹ بھرتا کے بعد تم ہمیشہ کے لیے میرے گھر کی لڑکی؟" ہاؤس نے اپنے فخر کا اظہار کیا۔  
"میں اس کی بھرتی نہیں کرتی۔ ہاؤس نے کہا۔

"میں اس کی بھرتی نہیں کرتی۔ ہاؤس نے کہا۔  
"میں اس کی بھرتی نہیں کرتی۔ ہاؤس نے کہا۔  
"میں اس کی بھرتی نہیں کرتی۔ ہاؤس نے کہا۔  
"میں اس کی بھرتی نہیں کرتی۔ ہاؤس نے کہا۔"

☆☆☆

اس شام وہ ریوڈ کے ساتھ اس کے گھر گیا۔ ایک طرف کی حویلی نما عمارت کے گیت سے گاڑی پر اٹھ جاتے ہوئے وہ بہت زیادہ عجب اور عجیب کی اور شاید کسی حد تک خوفزدہ تھی۔  
وہ ریوڈ کے ساتھ لے کر اٹھارہ لاکھ میں آگئی اور اسے شہا کر تاب ہوگی۔ چند منوں کے بعد وہ ایک بڑے آدمی کے ہاؤس کو لگاؤ لگاؤ میں داخل ہوئی۔ ان کے چہروں پر پائی جانے والی مشابہت سے فاطمہ نے اٹھارہ لاکھ لیا کہ وہ کھس ہی ریوڈ کے ہاؤس میں۔

کے ہاؤس میں۔  
"فاطمہ بھرتی ہیں اور یہ ان کا بیٹا ہے۔ فاطمہ یہ میرے والد ہیں رضاعی۔" اس نے اندر آتے ہی فاطمہ سے اپنے آپ کا خوف لگا کر اور پھر گھر کو رضاعی کے قریب کر دیا۔ رضاعی فاطمہ سے بتم کر کے ہوئے اس کا چیک اپ کرنے کے لیے اور پھر انہوں نے ریوڈ سے اپنا بیگ لانے کے لیے کہا۔ ریوڈ لاکھ لگاؤ میں گئی۔

بچہ کو ہم بعد وہاں ایک چمک کے ساتھ لاکھ میں داخل ہوئی اور اس نے وہ بیگ رضاعی کے پاس پھر رکھ دیا۔  
"فاطمہ ہاؤس سے ان کی سرگرمیاں دیکھی رہی۔  
چند منوں کے اندر رضاعی فاطمہ کو اپنی طرح سنا کر کے کے بعد اسے ایک انگلش دے بیٹھے تھے۔  
"مگر ان کی کوئی بات نہیں۔ معمولی انگلش ہے۔ چند دنوں میں تمہیں ایک ہو جائے گا جس جو بیڑی سونگہ رہا ہوں، یہی اسے دیا۔"

انہوں نے ایک Prescription note اس کی طرف بلا دیا۔ فاطمہ نے منونیت کے عالم میں وہ کاغذ پکڑ لیا۔  
وہ کاغذ پکڑ کر گئی جب ریوڈ نے اسے روک دیا۔  
"پاس سے اپنے تم کیے جا سکتی ہو؟"  
"نہیں۔ میں پاس نہیں ہوں گی، بہت دور ہو جائے گی۔" فاطمہ نے انکار کر دیا۔  
"کوئی بات نہیں، اور اگر تمہیں چھوڑ آئے گا۔ پھر فاطمہ کے انکار کے باوجود اس نے فاطمہ کو جانے نہیں دیا۔  
وہ واپس چلے گی، یہی نہیں جب فاطمہ نے اس سے کہا۔  
"آپ اپنے والد کے پاس رہتی ہیں؟"  
"نہیں، وہی طور پر میں یہ دیکھتا ہوں کہ ان سے یہاں آئی ہوں، اس کے بعد واپس چل جائوں گی۔" وہ بیڑی نے پاس سے اپنے

گئے۔  
"نہیں۔"  
"نہیں۔"

"آپ کے شوہر وہاں ہیں؟"

"ہاں۔"

"تو آپ کے والدین یہاں لاہور میں رہتے ہیں؟"

"وہاں ہی نہیں صرف والد۔ والدہ کی چند سال پہلے وادھ ہو گئی ہے۔"

"تو وہ قافلہ سٹے ہوا ہے کیا؟"

"ہاں کیسے کہہ سکتے ہیں جو اسے کتنی مصروفیات انہوں نے پال دی ہیں۔"

"تو آپ کے کوئی بھائی نہیں ہیں؟"

"نہیں۔ تم اور سبھی ہیں۔"

"تو ساری بہنوں کو لاہور میں ہوتی ہیں؟"

"نہیں۔ وہ ایک شہر میں ہوتی ہیں۔"

"آپ کی بہن فخریہ کو کاپ ہے۔ آپ کو انہوں میں ہوا کہ باہر سے قیوم حاصل کرنے کے بعد بھی آپ اپنا کیریئر چمک کر رہیں۔ کیا سب کو مجھڑا دینا آسان ہے؟"

"مجھ سے تو کچھ زیادہ آسان ہے۔ بہت آسان تو نہیں ہے لیکن میں ایک بار بیچ کر خود کو بچھاؤں۔"

"تو آپ نے سب سے پہلے خود کو بچھا کر کبھی سے انڈیا میں سفر کیا؟"

"ہاں اپنی ماں کے بے کوئی کئی گاڑھی تو کھائی تھیں۔"

"ہاں کیا کر سکتی ہیں کئی گاڑھی تو کھائی تھیں ہو سکتی۔"

"آپ کی ماں تو بہت پیارے اور تھوڑی ہوتی ہیں؟"

"نہیں۔ وہ کتنی بڑھتی گئیں۔"

"قافلہ کو اس کے جواب پر شاک لگا۔ پتہ نہیں کہس؟ کیا ہیں؟"

"مجھ سے بھی کچھ انڈیا میں سفر کیا؟"

"جہاں ساتھ رہنے کے باوجود انہوں نے کبھی انڈیا کو نہیں گیا اور وہ ابھی اپنی ہاتھ پیر کی کا اقتدار رکھتی ہیں۔"

"پھر کبھی آپ ان کے لیے جب مجھڑا دیتے ہیں؟"

"مگر وہ کوہت چاہے یہاں ہی رہے اور میرے بہت بہت پیارے ہیں، لیکن مجھے اپنی ماں سے بھی بہت ہو گئی ہے۔"

"اس میں کبھی سارا دن میرے باہر رہتے ہیں تو کبھی ہوتے ہیں؟"

"نہیں۔ وہ کتنے پیارے ہیں۔"

"تو آپ کے شوہر کو کبھی کوئی شہر نہیں لگتا؟"

"نہیں۔ وہ کتنے پیارے ہیں۔"

"تو آپ کے شوہر کو کبھی کوئی شہر نہیں لگتا؟"

"نہیں۔ وہ کتنے پیارے ہیں۔"

"تو آپ کے شوہر کو کبھی کوئی شہر نہیں لگتا؟"

"نہیں۔ وہ کتنے پیارے ہیں۔"

"تو آپ کے شوہر کو کبھی کوئی شہر نہیں لگتا؟"

"نہیں۔ وہ کتنے پیارے ہیں۔"

"تو آپ کے شوہر کو کبھی کوئی شہر نہیں لگتا؟"

"نہیں۔ وہ کتنے پیارے ہیں۔"

"تو آپ کے شوہر کو کبھی کوئی شہر نہیں لگتا؟"

"نہیں۔ وہ کتنے پیارے ہیں۔"

"تو آپ کے شوہر کو کبھی کوئی شہر نہیں لگتا؟"

"نہیں۔ وہ کتنے پیارے ہیں۔"

"تو آپ کے شوہر کو کبھی کوئی شہر نہیں لگتا؟"

"نہیں۔ وہ کتنے پیارے ہیں۔"

"تو آپ کے شوہر کو کبھی کوئی شہر نہیں لگتا؟"

"نہیں۔ وہ کتنے پیارے ہیں۔"

"وہاں میں رہنے کی آج بھی بریل تیک رہی ہوں۔ چاہ مجھڑے کے بعد ان کو سکھانوں گی، پھر بریل میں لکھی ہوئی کتابیں دیکھو۔"

"آپ کی فطرت میں بہت ایسا ہے۔"

"آپ کی فطرت میں بہت ایسا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"

"میں نے ہانسی سے کہی تھی، مگر حق پر فرض کا پتا ہے اور میرے ماں باپ نے ان کو چل کر سکھا دیا ہے۔"





"آپ مجھے کہاں لے کر آئے ہیں؟" ابدان کے پھر سے ایک سحرگاہت نمودار ہوئی۔

"یہ جہاں گھر ہے۔" ایک پورے ایک رات گیت نمودار رہا تھا۔

"کیا مطلب؟"

"پھر گھر ہے۔" ابدان اب گاڑی اندر لے کر جا رہا تھا۔

"تو جہاں گھر ہے؟" مجھے یہاں لے کر گئے آئے ہیں؟"

"کیونکہ آپ ہماری بیوی ہو اور میں تمہیں یہاں لائے گا تو کچھ رکھتا ہوں۔"

گاڑی اب پارک میں سرک رہی تھی۔

"اب ابدان! میں نے آپ سے کہا تھا کہ میں اس طرح گھومنا نہیں چاہتی۔" مگر کٹ مریج کر چکے ہیں۔ مگر مریج

تک ہم اس گروت مریج کو قہقہہ کر سکتے ہیں۔ اسے مریج میں اپنے والدین کو آپ کے بارے میں سنا سنانے کی کوشش

کروں گی۔ "شانستہ نے اس سے کہا۔

"ہاں۔" ٹھیک ہے تم میں کوئی رہتا۔ میں نے تمہیں سنا نہیں کیا۔" ابدان نے اطمینان اور لاہ والی سے کہا۔

"تو پھر آپ مجھے یہاں کیوں لائے ہیں۔ کیا آپ مجھے یہ مگر دکھانا چاہتے ہیں؟" شانستہ نے امداد دکانے کی کوشش

کی۔

"تمہیں۔ میں تمہیں یہ مگر دکھانے کے لیے یہاں نہیں لایا اور نہ ہی ہماری بار یہاں لایا تھا۔ میں تمہیں اب

یہاں کیوں لایا ہوں گا؟" اس کے بچے میں کھیلنے کی اور کھیلنے کی چیز ضروری تھی جس نے شانستہ کو چھوڑا دیا۔

"جب تک جب تک تم اپنے بچے کو اس شادی کے بارے میں نہیں بتا دیتیں۔"

شانستہ نے ہاتھ پر سیدھا آڑھٹا ہوا کیا۔ وہ اسے وہاں گس لے کر آیا تھا۔ وہ اب امداد کو کھینچ رہی تھی۔

"نہیں۔ تمہیں نہیں ہے۔" وہ ہلکا ہوا۔

"میں کھانا ہے؟" وہ اب سیدھا سامنے دیکھ رہا تھا۔

"تو ان کے کھانا ہے؟" وہ ہلکا ہوا تھا۔ "یا فریڈ سے کھانا ہے؟"

وہ غمگین گل کر رہی تھی۔

"تمہیں جینے کی تین چیزوں کی بات کہتی ہوں۔ مگر کوئی ذہب۔" ابدان اور شریعت کی شہرہ ہادی کاٹنے سے نہیں روک

سکتے۔

اس کے پاس ہر روز کی طرح اس ہادی منطلق تھی وہی منطلق جو شانستہ کو میل لگا رہا ہے۔

"میں چاہتا ہوں جب تمہارے گھر والوں کو اس گروت مریج کے بارے میں بتا دے تو اسے کاتھ کا صرف ایک ٹکڑا

کہیں جس میں سے چھٹا ادا کرنے کی کوشش نہ کریں۔" وہ اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"وہ یہ جانے نہیں کہ تمہاری شادی ہو چکی ہے اور ہجرت اٹھانے کی شادی کی شادی ایک ہوتی ہے۔" ابدان نے

اس نے بہت سوچا تھا مگر کوئی نہیں ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ میں یہ معلوم ہو جائے کہ تم اس سوچ اور کچھ کا اپنی مرضی سے استعمال

کرتی ہو۔ میں چاہتا ہوں وہ مجھے اپنے دادا سے ملے اور یہ کھال گرس اور اب سب کٹ مریج کے کاتھ کے ایک ٹکڑے سے نہیں

ہوگا۔

وہ بہت عجیب تھا۔

"مگر ابدان۔" شانستہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن ابدان نے ایسا ہونا چاہا کہ مگر مریج تمام آدمی اس کی بات

کاٹ دتی۔

"مجھے کاتھ کوئی ہوتی کوشش نہیں تھی اور اپنی بیوی کو کٹ کر تے ہوا نہیں دیکھیں کہوں گا۔ مجھے کسی اور

"Obedience (۳۴ صہاری) ہو۔"

مجھے تین تین میں شانستہ نے کچھ فرما کر دیا۔ دیکھا۔ ابدان کا کچھ ہلا ہوا تھا۔

"بیات لیکھ یاد رکھنا کہ ابدان کمال اور ہونے کی کی نہیں تھی مگر یہی اس نے اگر تمہارا ادھب کیا ہے تو وہ تمہیں ان

تینوں میں سے بہتر ہو کر دیکھنا چاہتا ہے۔"

وہ کچھ کہنے لگا۔ ابدان کی۔

"میں تمہیں لہاری مریج کے خلاف یہاں لایا ہوں۔ تم سے کوئی زبردستی نہیں کروں گا۔ تمہیں اختیار ہے چاہو تو مریج بات

یاد رہے۔" زنگ پر ہر دو سوچ لو کہ میرے ساتھ تمہیں اور زندگی گزارنے سے جس کے بارے میں تم غراب دیکھتی آئی ہو۔ خواہ اس

پر اصرار ہے اور دیکھنا چاہتا۔

"تم اگر آج مریج بات نہیں بھی باتیں۔ اب بھی مریج بیوی بہر حال تم ہی ہو گی مگر امداد شایہ اکتا مینو ہوگی۔"

مجھے اکتا مریج کو ڈنکا ہے۔ "شانستہ نے سر جھکا لیا۔

"میرے ساتھ روج ہوئے تمہیں قدم قدم پر ایسے بہت سے فیصلے کرنے پر ہیں گے جن پر تمہارے باپ کی اخلاقیات

بہت سے اثر سے ماہر کر دے گی۔ مگر وہ سب کچھ ابدان کمال کی زندگی کا حصہ ہے اور میں ان چیزوں کو بھی نہیں چھوڑوں گا۔ اب

اگر تم چاہو تو میں تمہیں باہم کچھ چھوڑ آتا ہوں۔" اس نے لہاری کے کورٹ میں پھینک دی۔

شانستہ کچھ بول نہیں سکی۔ ابدان اسٹریٹ پر ہاتھ دے کھڑے تھے اور اسے دیکھ رہا تھا۔ شانستہ نے امداد سے باہر لان

سے نکل کر وہاں لے کر ایک سڑک سڑک بھلا ہوا تھا۔ اس نے نظر اصرار سے اپنے سامنے کھڑی غارت کو دیکھا۔ اس نے اپنے دائیں

طرف پیٹھے سے گھس ڈر دیکھا۔

اس نے چلے آئیں بند کر کے کچھ سوچا۔ اس کے تین طرف پر کھینچ تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا وہ ایک چوکور کا وہ

چوکور ہے جو چھوٹے میں ہے مگر کھلتا ہو سکتا ہے۔ آئیں بند کر دے اس کے دائیں طرف پیٹھے سے گھس کے وجود

سے بچنے ہوئے ابدان کی تک اس کے جواس کو کٹا کر کرنے گی۔

اس نے آئیں کھول دیں۔ سامنے نظر آئے وہاں غارت اس کی آنکھوں کو خیرہ کرنے لگی۔

اس نے بائیں جانب سر جھکا لیا۔ وہ کچھ بھلا ہوا سبز اور کچھ سا کون بھینچا لگا۔ وہ مریج ہونے

کی اس کے تین طرف پر کھینچ تھی۔ "Perfection begets perfection اس نے سر کھینچی گی۔ چوکور کے تینوں کونے

خوب لگے۔ ایک قدم۔ جنت ارضی۔

اس نے بائیں ہاتھ پھیلایا اور وہاں وہاں کوئی وی گھس نہیں تھا صرف خاموشی تھی۔

تھوڑا سا آسان

تھوڑا سا آسان

ایک کھلی سانس ہو

اور ایک آسان

ایک آج دور کی

اور ایک سا دھواں

تھوڑا سا آسان







## چوتھا باب

زرقا نے سامنے فون پر ہاتھ کرتے ہوئے شخص کو دیکھا اور اسے ایک بار پھر اپنی نفسی کا شدت سے احساس ہونے لگا۔ وہ کسی طرح بھی اس شخص کے ساتھ اپنا سوازنہ نہیں کر سکتی تھی جہاں سوازنہ کرنا بھی ممکن نہ ہو وہاں تعلق جوڑنا اور اس طرح کا تعلق جوڑنا جیسا وہ چاہتی تھی میرا فیصلہ لگتا تھا۔ اس نے چند لمبے پہلے اس شخص کے منہ سے نکلے ہوئے لفظوں کو یاد کیا تھا اسے لفظ فیصلے کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے۔ مگر اب سمجھتے کہ وقت گزر چکا تھا۔ اس نے ایک گہرا سانس لے کر وہ بارہا اس شخص کو دیکھا۔ وہ ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ وہ بڑی سنجیدگی کے ساتھ فون پر ہاتھ کر رہا تھا۔ اس کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔ اس کی آنکھیں سر اٹھیں۔

اس نے اپنی اٹھابیس سالہ زندگی میں بہت سے مرد دیکھے تھے مگر کوئی بھی سامنے بیٹھے ہوئے شخص جیسا نہیں تھا اور ہر بار اس پر نعرہ دہراتے ہوئے وہ اسی احساس سے وہ چار ہوتی تھی۔

اس نے اپنے آپ کو کھانے کی کوشش کی جو کچھ وہ کچھ دیر پہلے اس سے کہہ چکا تھا۔ اس کے بعد بھی وہ اس سے نفرت محسوس نہیں کر پاتی تھی۔ اس نے دوسری کرسی پر بیٹھی ہوئی اپنی ماں کو دیکھا ان کی پوری توجہ بھی اسی شخص پر مرکوز تھی مگر زرقا کے برعکس وہ خاصی اگڑی ہوئی نظر آ رہی تھیں۔ ان کے ماتھے کے بل با آسانی گئے جانتے تھے اور ان کی نظروں کی چیمن کوئی بھی محسوس کر سکتا تھا۔ وہ اب اپنے منہ میں دوسرا پان رکھ رہی تھیں۔

سامنے ریلوے کی چیز پر بیٹھا وہ شخص فون پر بات کرتے کرتے نا شعوری طور پر زرقا کو دیکھنے لگا۔ چند لمحوں کے لیے دونوں کی نظریں ٹپس پھر برقی رفتار سے اس نے نظر چلائی۔ زرقا بے اختیار مسکرائی۔ یہ وہی نظر تو تھی جس نے بچپن سے ماہ سے اسے مطلوب کیا ہوا تھا۔ ورنہ اس کی قبیل کی عورتیں محبت میں کہاں گرفتار ہوتی ہیں اور ایسی حماقت تو بالکل بھی نہیں کرتیں جیسی اس نے کی تھی۔

زرقا نے پانچ ماہ پہلے اس شخص کو اپنی کزن سینا کے ساتھ ایک پارٹی پر دیکھا تھا۔ سینا ہم انڈسٹری کی ایک امیرتی ہوئی ڈانسر تھی۔ جس نے بچپن سے دو سال سے اپنے ڈانس ٹیبلر سے ظم انڈسٹری میں ایک طوفان اٹھایا ہوا تھا۔ جس قسم میں اس کا ایک ڈانس شامل ہوتا اس آفس پر اس قسم کی کامیابی بھی جینی ہوتی تھی۔

اس نے ایک طوفانی رفتار سے اپنی کامیابیوں کا سطر شروع کیا تھا اور بہت ہی کم عرصے میں شہر کے ایک پوش علاقے میں اس کا گھر بنی بنی پارٹیز کی وجہ سے مشہور ہو گیا تھا جس میں سیاست دانوں سے لے کر سرکاری افسران اور اینکیز سے لے کر صنعت کاروں تک ہر طبقے کے لوگ شرکت کرتے تھے۔ وہاں صرف ہائی کلاس نہیں ہوتا تھا بلکہ بنی بنی بزنس ڈیلرز بھی ہوتی تھیں اہم فاکٹرز جنہیں سرکاری دفتر میں آگے جانے کے لیے میٹرونگ لگ جاتے وہاں ایک ہی رات میں Approve کر دی جاتی تھیں۔ جن دنوں سے ملنے کے لیے جو جو ماہ پہلے اپنا کھٹ لیتا پڑتی تھی وہاں ہر قسم کے تکلفات کو ہلائے خالق رکھتے ہوئے ان سے مل جاسکتا تھا صرف یہ یقین کہیں میں روپیہ ہونا ضروری تھا۔

جینے کا شکر ہو سکی کے لیے عمل جا سمجھیں چکا تھا۔ وہ زمین پر وہ جنت ارضی تھی جس میں انسان صرف رات نو داخل ہوا ہے جسے

وہاں جنت ارضی میں ذرہ کے ایک رات اس شخص کو بھی دیکھا تھا۔ بہت سے دوسرے لوگوں کے ساتھ وہ بھی شراب پیاتا تھا۔ ذرہ کی نظریک ہمارا ہے پڑنے کے بعد اس سے بہت ٹھیک تھی۔

وہاں وہاں قتلوں میں چھوٹے موٹے دل کیا کرتی تھی اور پچھلے بار تیرہ سال سے وہ بھی کرتی آ رہی تھی اس سے بڑے بڑے ٹھیک پائی۔

تھی کہ وہ ایک بری اور اکارو تھی یا پھر اس کے چہرے پر ضرورت سے زیادہ عبادت تھی جو بھی تھا وہ رقم

تھی۔ اس کی وجہ تھی کہ وہ ایک بری اور اکارو تھی یا پھر اس کے چہرے پر ضرورت سے زیادہ عبادت تھی جو بھی تھا وہ رقم

تھی کہ وہ ایک بری اور اکارو تھی یا پھر اس کے چہرے پر ضرورت سے زیادہ عبادت تھی جو بھی تھا وہ رقم

تھی کہ وہ ایک بری اور اکارو تھی یا پھر اس کے چہرے پر ضرورت سے زیادہ عبادت تھی جو بھی تھا وہ رقم

تھی کہ وہ ایک بری اور اکارو تھی یا پھر اس کے چہرے پر ضرورت سے زیادہ عبادت تھی جو بھی تھا وہ رقم

تھی کہ وہ ایک بری اور اکارو تھی یا پھر اس کے چہرے پر ضرورت سے زیادہ عبادت تھی جو بھی تھا وہ رقم

تھی کہ وہ ایک بری اور اکارو تھی یا پھر اس کے چہرے پر ضرورت سے زیادہ عبادت تھی جو بھی تھا وہ رقم

تھی کہ وہ ایک بری اور اکارو تھی یا پھر اس کے چہرے پر ضرورت سے زیادہ عبادت تھی جو بھی تھا وہ رقم

تھی کہ وہ ایک بری اور اکارو تھی یا پھر اس کے چہرے پر ضرورت سے زیادہ عبادت تھی جو بھی تھا وہ رقم

تھی کہ وہ ایک بری اور اکارو تھی یا پھر اس کے چہرے پر ضرورت سے زیادہ عبادت تھی جو بھی تھا وہ رقم

”آپ نے گانا سنا ہرگز؟“ زرقا نے بات شروع کرنے کے لیے پوچھا۔

”کانہ؟“ وہ ایسے چمکا۔

”ہاں، ابھی کچھ دیر پہلے گاؤں میں نے؟“ زرقا نے اسے یاد دلایا۔

”نہیں۔“

”کیوں؟“

”میں ابھی آیا ہوں۔“

”لیکن آپ یہاں اکٹرا آتے ہیں اور میں تو روزی گاتی ہوں۔“ زرقا نے کچھ جتانے والے انداز میں کہا۔

”نہیں میں نے کبھی آپ کا گانا نہیں سنا۔“

”کیوں؟“ زرقا نے اس بار کچھ حرجان ہوتے ہوئے پوچھا۔

”یہاں گانا سننے کوں آتا ہے؟“

وہ اس کی بے ہوشی پر حرجان ہو، یاور پھر ٹھٹھکا کر ہنس پڑی۔ ”ٹھیک کہا آپ نے، یہاں گانا سننے کوئی بھی نہیں آتا پوچھ

سکی ہوں آپ یہاں کس لیے آتے ہیں؟“ زرقا نے اتنی ہی برہنگی سے کہا۔

”آپ کے لیے آتا ہوں۔“ وہ جانتی تھی یہ مذاق تھا لیکن اس کا دل چاہا یہ مذاق نہیں حقیقت ہو۔

ان کی ٹھٹھکاؤ کا سلسلہ طویل ہوتا گیا۔

اور اس رات اس نے کئی گھنٹے اس شخص کے ساتھ رقص کیا اور بات صرف رقص تک محدود نہیں رہی۔ وہ جس طبقے سے تعلق رکھتی تھی، وہاں کچھ بھی محبوب نہیں سمجھا جاتا تھا۔ وہ شخص خوبصورت تھا۔ یہ اہم بات نہیں تھی ایسے اور اونچے خاندان سے تعلق رکھتا تھا۔ یہ بھی ایسی قابل فخر چیز نہیں تھی۔ اس کے پاس بے تھا شمار وہ پیر تھا اور وہ کسی پر بھی یہ رویہ لینا نے پر تیار رہتا تھا یہ وہ قابل ذرا چیز تھی جس نے زرقا کو کسی حد تک طبع کی طرح اس کی طرف کھینچا تھا۔ اس کا خیال تھا اسے بس گاؤں کی تماشائی ہے وہ اسے مل گیا ہے۔

اس نے یہ بھی سوچا تھا کہ اس شخص سے وابستہ ہو کر وہ اس سنبھری موقع کو حاصل کر سکتی تھی جو آج تک اس کے ہاتھ نہیں آیا اور یہ کوئی نئی یا انوکھی بات نہیں تھی۔ اس کے طبقے کی اکثر عورتیں یہی کرتی تھیں کسی ایک بڑے شخص سے وابستہ ہو جائیں اور پھر جتنے فوائد حاصل کر سکتیں کر لیں، خود بھی کئی اس پکا پختہ نہ کر دینے والی کامیابی کی وجہ ایک بڑا سیاسی دان تھا جو اپنا کالا دھن غل بنا کر سفید کر رہا تھا اور اس کی بھانٹی جانے والی ہر قسم میں سینا ضرور شامل ہوتی۔

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ زرقا کو احساس ہوا کہ وہ بہت زیادہ عرصے تک اس شخص کو اپنی ٹھٹی میں نہیں رکھ سکتی۔ وہ ایک اسٹبل پر بندھا رہنے والا گھوڑا نہیں تھا۔ اسے ہر جگہ نہ مارنے کی عادت تھی اور زرقا کو احساس بھی ہو گیا کہ وہ اس کی محبت میں اس طرح گرفتار نہیں ہے جس طرح وہ سمجھ رہی ہے۔

اور تب ہی اس نے سوچا تھا کہ شادی کے بغیر وہ بہت عرصے تک اس کو اپنے ساتھ نہیں رکھ سکے گی اور اس کی اس سوچ نے اس کی ماں کو بولا دیا تھا۔

”شادی؟ تم شادی کرو گی؟ پوری زندگی، پورا کیریئر تمہارے سامنے چڑا ہے اور تم شادی کر لو گی۔ تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے زرقا؟“

یہ ان کا فوری رد عمل تھا لیکن پھر زرقا نے اپنی ماں کے سامنے وہ کیلکولیشن رکھنا شروع کر دیں جو وہ اسٹن بے عرصے سے کرتی آ رہی تھی۔

اس شخص سے شادی مانی طور پر نہیں اتنا محکم ضرور کر دینی کہ ایک بے عرصے تک انہیں مالی ضروریات سے بے نیاز ہونا پڑتا۔ مانی ایسا کام شاید اس کے لیے کبھی بھی سہارا نہ دیتا اور اگر یہ سب نہ بھی ہو پاتا تب بھی وہ اس قابل ضرور ہو جاتی کہ ایک

شادی شدہ زندگی گزارتی۔ قابل عزت مذہبی مگر شادی شدہ زندگی وہ اٹھا نہیں سالی کی ہو رہی تھی اور عمر کے اڑھٹنے کے ساتھ ساتھ  
جس کے امکانات اور سبکی بڑھ رہے تھے۔ اس بااثر شخص سے شادی اس کے بچے موجود کچے فرش و پکا کر سکتی  
تھی۔ مگر کیا وہ تم سے شادی کرے گا؟ اس کی ماں نے کچھ جڑ بڑھتے ہوئے پوچھا۔ دو تو پہلے سے شادی شدہ ہے۔ میرا

جنیل ہے، وہ بھی ہے اس کی۔  
میں سے کیا فرق پڑتا ہے کہ وہ شادی شدہ ہے یا اس کی اولاد ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا وہ مجھ سے شادی کرے گا۔  
زرقات نے پراسرار انداز میں منکراتے ہوئے کہا۔ جس سردی جیب میں روپیہ ہو اس کے ہاتھوں کے ساتھ ساتھ اس کے  
دماغ میں بھی سوراخ ہوتا ہے۔

اس نے زرقے فز کے ساتھ اپنی ماں سے کہا تھا۔  
مگر اس وقت اس شخص کے سامنے بیٹھے اسے احساس ہو رہا تھا کہ اس کا یہ اندازہ غلط تھا۔ وہ اب فون رکھ کر ایک بار پھر  
فون طرف توجہ ہو چکا تھا۔

”میرا خیال ہے، ہمیں جو بات کرنی تھی، ہم کر چکے ہیں۔ اب آپ دونوں یہاں سے جا سکتی ہیں۔“  
اس نے آتش نخل پر اپنے دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے سرد آواز میں ان دونوں سے کہا۔  
”مہر لوگ مصالحت کے لیے آئی ہیں کوئی درمیانی راستہ تو نکالنا پڑے۔“ شمشاد بیگم نے کچھ اچھے نہ انداز میں کہا۔  
”میں نہیں سمجھتا کہ میرے آپ کے ساتھ اتنے قریبی تعلقات ہیں کہ جن کے ختم ہونے کی صورت میں مصالحت کی  
ضرورت پڑے اور درمیانی راستہ تو بہت آگے کی بات ہے۔“

زرقات کو اب اندازہ ہوا تھا کہ وہ بے باک اور صاف گو نہیں صرف خود غرض ہے مگر اب خاصی دیر ہو چکی تھی۔  
”میں طرح تو نہ کہیں، بہت میرے تعلقات نہ کسی عمر ہمارے آپ کے ساتھ تعلقات تو تھے۔ خاص طور پر اب

جب۔“  
اس نے شمشاد بیگم کی بات کاٹ دی۔

”یہ تعلقات تو آپ کی بنی کے اور بھی بہت سے مردوں کے ساتھ ہوں گے۔ ان میں تجھ پر اور مصالحت کہاں سے ہوتی  
ہے، میں نے جتنا وقت آپ کی بنی کے ساتھ گزارا۔ اس کی بہت اچھی قیمت ادا کی، اس سے زیادہ بڑی قیمت جتنی آپ کی بنی  
ڈال رہا کرتی ہے، قیمت وصول کرنے کے بعد اب آپ مجھ سے اور کیا جانتی ہیں۔ جس طے سے آپ دونوں کا تعلق ہے۔ اس  
علقے کے بھی کچھ وصول ہوتے ہیں۔ اچھی طوائف گاہک کے گلے کا پار بھی کبھی نہیں بنتی اور آپ میرے پاؤں کی جیزی بنا جانتی  
تھا۔“

وہ اب جیب انداز میں مسکرا رہا تھا۔

”میں ایک ایسی عورت سے شادی کروں جسے کوئی کبھی بھی کچھ سنے دے کر خراب نہ ہو اور صرف شادی ہی نہ کروں ایسی  
عورت کی اولاد کو اپنی اولاد کا حکم تسلیم کروں! What a joke! (کیا مذاق ہے) کیا میں آپ دونوں کو شکل سے اتنا ہی بے وقوف  
نہ تھا کہ آپ نے اپنے باقی سارے گاہکوں کو چھوڑ کر یہ مصیبت میرے گلے میں ڈالنے کی کوشش کی یا پھر آپ لوگوں کا طریقہ  
بادلت ہی یہ ہے۔“

”یہ جھوٹ نہیں ہے سچ ہے۔ زرقات واقعی تمہارے بیچے۔“

اس بار اس نے بڑی برائی سے ان کی بات کا ٹی I damn care کہ وہ کس کے بیچے کی ماں بننے والی ہے، مجھے نہ  
بائی کی ضرورت ہے نہ بیچے کی آپ کو نہ لفظ نہیں کیسے ہو گئی کہ میں آپ کی بنی کی اولاد کو اپنی اولاد تسلیم کروں گا اور اس کے نتیجے  
میں اس سے شادی بھی کروں گا۔ یہ کوئی غلم نہیں ہے۔ زندگی ہے جو عورت شادی کے بغیر یہ رسک لیتی ہے۔ اس کی اولاد اسی کی

ہوتی ہے۔ اسے اس کا باپ احمد نے ہی بے وقوفی نہیں کرنی چاہیے یہ میرا بچہ ہو تو بھی میں اسے کبھی اپنی اولاد تسلیم نہیں کروں گا۔ بڑے آپ ان کا پرہیزگراؤں، یا کسی خیر خاندان کو اسے دینا نہ پھر چاہوں میں۔ آپ کو آزادی سے جو چاہیں کریں آپ بھی عورتوں کے لیے یہ سب چیزیں ہی نہیں ہیں۔ بہت اچھی طرح پینڈل کر سکتی ہیں آپ ایسے معاملات کو مگر وہ میرے پاس کبھی مت آئیں۔“

وہ اب اپنے والٹ میں سے کچھ کرنسی نوٹ نکال رہا تھا۔ وہ فرماں نے شمس اور شمس کے سامنے میز پر پھینک دی۔  
 ”یہ کچھ رقم ہے، ضرورت ہو تو لے جائیں اگرچہ مجھے آپ کو یہ نہیں دینی چاہیے۔ اب آپ لوگ جا سکتی ہیں مجھے کچھ ضرورتی کام ہے۔“

شمس اور شمس نے میز پر چڑھے ہوئے نوٹ اٹھ لیے۔  
 مزید کچھ کسے غیر وہی وہی وہی سے نکل آئیں۔ وہ ان سے باہر نکلے ہوئے زرقات نے ایک بار میز کے اوپر سے دیکھا وہ ایک بار پھر جوں پر کسی سے باتیں کر رہا تھا۔ اس سے اسے وہی بار خود سے عزت محسوس ہوئی۔ اپنے آپ سے، اپنی ماں سے، اپنی زندگی سے، سامنے بیٹھے ہوئے اس شخص سے، اپنے جسم پر لپٹی ہوئی اس ساڑھی سے جس نے اسے اس کی نگہوں کا مرکز بنایا تھا اور اس شخص کی اس اولاد سے جو ابھی تک اس دنیا میں نہیں آئی تھی، عزت کا وہ لمحہ اس کے پاس سے وجود کو کھا گیا تھا۔

☆ ☆ ☆

شائستہ سائیکو ٹائٹ کے سامنے کاؤچ پر نیم دراز تھی۔ ایک طویل عرصے سے وہ اس پارسی ڈاکٹر کے زیر علاج تھی۔ ہر وہ ایک دن ایسا ضرور ہوتا تھا جب اس کا ڈپریشن اور احساس جرم ناقص برداشت ہو جاتا تھا اور اس وقت وہ اسی طرح ڈاکٹر سے صوبائی طرف بھاگ کر تھی۔

”بھئی دند مجھے اچھا پڑتا تھا نہیں لگتا۔ میں اسے دیکھتی ہوں اور مجھے یوں لگتا ہے جیسے اس سے الجھن ہوتے لگتی ہے۔“

”کیوں؟“

”آپ جانتے ہیں۔“

”آپ اس سے عزت نہیں کرتیں۔“

”نہیں۔“

”آپ اس سے محبت کرتی ہیں۔“

”جانتی نہیں۔“

”وہ آپ کا بیٹا ہے۔“

”جانتی ہوں۔“

”انکو بیٹا۔“

”وہ اس بار ڈاکٹر کی بات پر خاموش رہی۔“

”وہ آپ کا انکو بیٹا ہے؟“

”وہ اس بار چلائی“ جانتی ہوں۔ سچی بار کہیں کے پھر بھی مجھے وہ اچھا نہیں لگتا۔ آپ اس کے بجائے کسی اور چیز پر بات کریں۔“

وہ بری طرح مجھڑا رہی تھی۔

”سب زیادہ ان آپ سب کچھ بھلا دین۔ وہ سب کچھ بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ اب آپ کی زندگی میں اس سے زیادہ اہم چیز نہیں ہیں۔ کبھی آپ نے اندازہ لگانے کی کوشش کی ہے۔“ وہ اب بھی خاموش تھی۔  
 ”آپ ان شمار اس شہر کی خوبصورت ترین عورتوں میں سے ہیں۔“

ٹائٹ کے چرسے پر ہلکا بار ایک سکرابت امری۔

"شور کے ایک جسے منعت کار گمرانے کی بہو ایک چاہئے والے شوہر کی بیوی۔"  
اس کی سکرابت گہری ہوتی تھی۔ "شیر کی ہر تقریب میں بس کا اکتفا رکھا جاتا ہے اور جہاں وہ چلی جائے وہاں اس کے

ساتھ کسی دوسری عورت کو دیکھا جاتا ہے نہ سراہا جاتا ہے۔"

ڈاکٹر سدھواں صراحت پر سکون انداز میں بڑی مہارت کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے۔

"جس کے پاس کوئی پھبتیا نہیں ہے۔"

ٹائٹ کی سکرابت قلم ہو گئی۔ ڈاکٹر سدھواں نے اپنی گفتگو جاری رکھی۔

ہر فعلی ہاشی کا حذب میں جاتی ہے اور ہاشی یاد رکھنے کے لئے دوتا ہے نہ ہی پریشان ہونے کے لئے۔ جو جی تکلیف دو

ہو جائے اسے بھلا دینا چاہیے۔

مگر مجھے وہ سب کچھ بھلا بہت مشکل ملتا ہے۔" اس نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔

"پوشش کرنے سے سب کچھ ممکن بنایا جا سکتا ہے۔"

اسی کو پیش کرتی ہوں مگر کچھ چیزیں مجھے ہر وقت وہ سب کچھ یاد دلاتی رہتی ہیں۔"

"آپ ان تین تین چیزوں کو انکو کرنے کی کوشش کریں جو آپ کو ان تمام واقعات کی یاد دلاتی ہیں۔"

اسی انکو نہیں کر سکتی۔" اس نے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔

"کیوں؟ وہ کیا ہے جسے آپ انکو نہیں کر سکتیں؟" ڈاکٹر نے نرم آواز میں پوچھا۔

کرسے میں خاموشی رہی۔

"وہ کیا ہے جسے آپ انکو نہیں کر سکتیں جو آپ کو سب کچھ یاد دلانے کا باعث بنتا ہے؟" ڈاکٹر سدھواں نے نرم آواز میں

پوچھا۔

"یہ وہی اپنا سوال دہرایا۔"

"یہ دن کمال۔" ٹائٹ نے ایک غریب خاموشی کے بعد کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ "مجھے اس سے"

وہ اپنی بات مکمل نہیں کر سکی۔ کرسے میں اثر کام پہنچے گا۔ ڈاکٹر سدھواں نے اثر کام پر دوسری طرف کی بات سنی اور اثر کام

بند کر دیا۔

"یہ دن کمال آپ کو لینے آئے ہیں سزا کمال!"

انہوں نے ٹائٹ کو بتایا۔ ڈاکٹر سدھواں نے اپنے دس سالہ کیریئر میں اپنے کسی مریض کی آنکھوں میں اتنی وحشت اور

خوف نہیں دیکھا تھا، انہیں اس وقت ٹائٹ کی آنکھوں میں نظر آیا تھا۔ وہ اب رونا بند کر چکی تھی۔

"ایک وقت عیا آئے گا جب میں....."

وہ ایک بار ہلکا کچھ کہتے کہتے رگ گئی۔ ڈاکٹر سدھواں نے پر سوچ انداز میں اسے دیکھا۔

☆☆☆

فاطر کو انداز نہیں وہ کتنی دیر بولتی رہی، وہ صرف یہ جانتی تھی کہ اس نے رعبہ مراد کو اپنے پارے میں کچھ بتا دیا۔

اس کے ذہن اور دل میں جو کچھ تھا، اس نے جیسے اگلے دیا، بچپن سے لے کر تیس سال تک کی کہانی اسے سنا ڈالی۔

رعبہ مراد بے حد خاموشی سے اس کی باتیں سنتی رہی، اس نے فاطر کو ایک بار بھی فونکے کی کوشش نہیں کی، جب بہت دیر

بعد فاطر خاموشی ہوئی تو رعبہ نے اس سے کہا۔

"مگر ان سب حالات سے گزرنے کے بعد تم کو احساس ہونے لگا کہ تم ایک ایسی چیز ہو، جو بے صرف ہے۔ بے کار

ہے۔ ان کی Scheme of work میں اس کے لیے کبھی بھی کوئی جگہ نہیں ہے؟"

"نہا کچھ ایسا نہیں کہتا ہے؟"

”انہی مردود صورت کی شادی نہ ہوتی اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ اس کی زندگی برباد ہوگئی۔ اگر واقعی یہ سمجھ لیا جائے کہ شادی ہو جانے کا مطلب ہے کہ آپ کی زندگی بے کار نہیں ہے اور آپ کی زندگی برباد بھی نہیں ہوئی تو پھر حلال نہیں کیوں ہوتی ہیں۔ بہت سے لوگوں کے شوہر اور بھائیوں کیوں مر جاتی ہیں۔ اس کے بعد ان میں سے بہت سے دوسری شادی نہیں کرتے، کیا ان کی زندگی برباد ہوگئی یا بے کار ہے۔ زندگی کے بے کار ہونے کا تعلق صرف شادی سے نہیں ہوتا۔ میں کہیں ایسے سو لوگوں سے سنا کرتی ہوں جن کا خیال ہے کہ شادی نے ان کی زندگی چوکڑ کر دی، زندگی کی بربادی کا تعلق صرف شادی سے نہیں ہوتا۔ اللہ نے صرف شادیاں کروانے کے لیے انسانوں کو پیدا نہیں کیا ہوگا۔ ان شخص میں خوبیاں اور خامیاں دونوں مخصوص تعداد میں ڈال دی ہوں گی۔“

فطرت اس کا پیرا دو کچرہ ہی تھی۔ رسید بہت زیادہ پیچیدہ ہو چکی تھی۔

”اس کے بعد اللہ ہر انسان کو زندگی پر بھیج دیتا ہے اور کہتا ہے کہ یہ تمہاری آزمائشیں ہیں اور یہ تمہاری عمر کی حد ہے، تم کو اتنے سال زمین پر اس طرف کے حالات کے ساتھ رہنا ہے، یہ یہ سب کچھ ہیں جو تمہاری زندگی میں پیش آئیں گے۔ اب رو کر ان کا سامنا کرو یا نہیں کر ان کا عمل سوچنے کی کوشش کرو یا ان پر اور اپنی زندگی پر ماتم کرنا شروع کر دو۔ یہ سب تمہارے ہاتھ میں ہے، اب ہر حال تم کو ان سب کا سامنا تو کرنا ہی ہے۔ جن لوگوں کی شادی ہو جاتی ہے۔ ان کے لیے آزمائشیں اور طرح کی ہوتی ہیں۔ ہر زندگی کے استحقاق کرے میں جتنے کچھ پیش سے موت تک مختلف قسم کے ٹیسٹ دینے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں کر رہے ہوتے، ہر ٹیسٹ کا دورانیہ الگ ہوتا ہے، اس کی تاپ الگ ہوتی ہے۔ بعض کو سوال: مذہب آسان مل جاتے ہیں، بعض کو خاصا مشکل، بعض کا سواں ذمہ سنبھالنا پڑتا ہے، بعض کا مختصر جوابات مانگنا ہے بعض کا طویل، بعض بچہ زرخیز بہ صورت چنڈا رکھنا ہے، بعض میں کرتے ہیں، بعض بہت ٹھنڈی سونٹی میں کرتے ہیں۔ مگر ایک بات تو طے ہے کہ ہم سب دے بچہ زرخیز رہے ہیں اور یہ بچہ زرخیز بھی کیوں نہ ہوں، ان کا دور کر ایک ہی ہوتا ہے، اس کے پاس اٹھارہ گھنٹہ ہوتا ہے ہمارے ہمارے کو اٹھ گھنٹے ہیں۔ ہر ضرورت اور ہر ضرورت کی خبر ہوتی ہے ہمارے ہمارے میں اور دو میرٹ پر پوری دیانت کے ساتھ ہمیں مارکس دے دیتا ہے۔ اور وہ دیکھتا ہے۔“

کرنا اور استحقاق میں آنے کے بعد یہ شور مچانے کے بجائے کہ فلاں کا بچہ آسان ہے، فلاں کو فلاں نقل کروا رہا ہے۔ فلاں کو کم سوال میں کرنے سے لیے دیئے گئے ہیں، فلاں کو زیادہ وقت دیا جا رہا ہے۔ فلاں کو زیادہ ٹیسٹ دے دی گئی ہیں۔ فلاں کا بچہ کوئی اور مل کر رہا ہے۔ فلاں کوئی جاننے والی ٹیسٹ اور رقم مجھ سے بہتر ہے۔ فلاں کو پانی اور دوسری سہولیات دی جا رہی ہیں۔ فلاں کو ٹیکنگ لیٹر استعمال کرنے کی اجازت دی جا رہی ہے۔ فلاں نے کتاب کھولی ہوئی ہے۔ کیا بہتر نہیں ہے کہ ہم صرف اور صرف اپنے کو نرسنگ بچہ پر توجہ دیں۔ اس کو مل کرین یہ دیکھیں کہ اس میں سے کتنے سوال ہیں آتے ہیں اور کتنے نہیں۔ جو سوال آتے ہیں، ان کا جواب ہم سبھی اچھی طرح دے سکتے ہیں اور جو نہیں آتے ان کا جواب گھنٹے کے لیے ہمیں کیا کرنا چاہیے۔ اگر ہمیں بچہ کرنے کے لیے رقم نہیں ملتا تو ہم اور کیا چھ استمال کر سکتے ہیں، پینسل سے کر لیتے ہیں، اوکلا استعمال کر لیتے ہیں، یا پھر اپنے خون سے کر لیتے ہیں، اپنی نہیں دیا گیا تو پھر اس میں بیٹا بنا دیا کرتے ہوتے بھی اپنا دھیان بچہ پر ہی رکھنا ہے۔ جتنی دیر ہم بیٹا بنا دیا کرتے ہیں ہم کو کوئی ہے۔ مگر بچہ خالی نہیں چھوڑنا۔

خانی بچہ: کچھ کر کوئی نہیں مارکس لکھیں۔ کجا اور نہ ہی ہمارا یہ نذر مانا جائے گا کہ قلم نہیں تھا۔ بیٹا لگ رہی تھی۔ وغیرہ وغیرہ یہ بچہ تو کہہ رہا ہے کہ شادی کر لیتیں جہاں تمہارا نہ گھر والے چاہتے تھے، کم از کم پھر تمہیں کچھ چیزوں کے بارے میں حکایت نہ ہوتی۔“

قلم نے رانی کرنا دیکھا۔

”میں نے کوئی بچہ نہ دیا۔ خواب نہیں دیکھے شادی کے بارے میں، خواہوں اور خواہوں کی کوئی فہرست نہیں بنائی۔ مجھے اپنی خامیاں کا بہت اچھی طرح پتا تھا، اگر مجھے یہ توقع ہوتی کہ جس شخص کے ساتھ میری شادی کر رہے ہیں، وہ مجھے



زندگی اور دولت کی طرف سے ہوتی ہے۔ میں نے زندگی میں کسی کسی سے یہ نہیں سنا کہ کوئی مجھ سے محبت کرتا ہے یا کسی کو میں پسند ہوں۔ میں نے یہ سنا ہے کہ زندگی میں کسی سے محبت کرنے کی مراد کو تو چھوڑیں، میں نے بھی اپنے ماں باپ سے ایسا نہیں سنا، مگر کے کسی شخص سے یہ سنا ہے کہ وہ زندگی میں کسی سے محبت کرتا ہے۔ یہ سنا ہے کہ اس نے مجھ پر احسان کیا ہے شادی کرنے کے لیے کسی کوئی ہے۔ وہ بھی کبھی مجھ سے یہ نہیں کہتا کہ اسے مجھ سے محبت ہے۔"

ان کی آواز سے ایک بار ہوا آتے ہوئے گئے۔  
 آپ کو احسان نہیں ہے، جیسا کہ یہ سچ ہے بلکہ صرف کھانے کے لیے نہیں تھی، بعض دفعہ لنگھوں کے لیے بھی تھی ہے ان کے لیے ہے۔ اس لیے بھی تھی ہے کہ مجھے تم سے محبت ہے آپ کو ہاں ہے، لڑکیاں کیوں گھروں سے بھاگ جاتی ہیں، وہ اس لیے ان کے لیے ہے۔ صرف اس لیے کہ وہ انہوں نے اپنے گھر میں بھی کسی سے یہ محبت نہیں سنا ہوتا۔  
 یہ مجھے کے لیے بھاگ جاتی ہیں۔ صرف اس لیے کہ وہ ان سے محبت کرتے ہیں، کسی کو ان کی ضرورت ہے۔ ان میں ماں باپ، سب سے بڑی، کوئی بھی ان سے یہ نہیں کہتا کہ وہ ان سے محبت کرتے ہیں، کسی کو ان کی ضرورت ہے۔ ان میں تو زندگی ہے جو انہیں اچھی تھی ہے۔ جب ساری عمر انسان خود پر اٹھایا اٹھتے دیکھتا ہے تو پھر ایک کو وہ آتا ہے جب وہ وہاں سے جاتا ہے۔ ایک وقت ایسا ہوتا ہے جب آپ سے کچھ بھی برداشت نہیں ہوتا۔ وہ بے حد تھکی ہوئی نظر آتی ہے۔

"مگر میں فریٹ ہونے کا یہ مطلب ہے کہ آپ اپنی اولاد سے کبھی یہ بھی نہ کہیں کہ آپ کو اس سے محبت ہے۔ میرے نزدیک بہن کی ایک گورنہ کاغذ جیسی بھی اہمیت نہیں ہے۔ میں نے اپنی بیس سالہ زندگی میں خون کو پانی پینے دیکھا ہے۔ ماں باپ میں کوئی بھی یہ سب لکھتے تھے۔ رشتے نہیں لگتے۔ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو کیا میں خود کو ایسا بناتی۔

وہ آپ کو کوئی بھی یہ سب لکھتے تھے۔ رشتے نہیں لگتے۔ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو کیا میں خود کو ایسا بناتی۔  
 میرے اختیار میں ہوتا تو میں تو خود کو بناتی ہی ہوں، مجھ کو اگر یہ اختیار مل جاتا کہ میں خود کو جیسا چاہوں بنا لوں تو میں تو اب بھی خود کو بناتی۔ مگر سے دنیا میں آنے کے بعد مجھے احساس ہوتا ہے کہ میں تو کبھی گھر میں تھی ہی نہیں، میں تو پہلے بھی کچھ لوگوں کے ساتھ ہی کسی ایک جگہ رہی تھی۔ آپ بہت خوش قسمت ہیں۔ آپ کی ماں معذور تھیں مگر انہوں نے آپ کو جینا سکھایا، دھرم کا ہاتھ پکڑ کر ان کی مدد کرنا، انہیں چلانا سکھایا۔ میری ماں معذور نہیں تھیں، میں معذور تھی۔ مگر میری ماں نے تو مجھے کچھ بھی نہیں سکھایا، زمین پر ہر ایک جمانے نہیں سکھائے۔

ہی کرتی ہے تاہم سب کچھ، وہ اولاد کو سکھاتی ہے کہ وہ اپنی خامیوں کے ساتھ زندگی کو کس طرح بہتر طریقے سے

کرے۔

میرے پاس چھین یا جرنی کی ایسی کوئی یاد نہیں ہے جو مجھے خوشی دیتی ہو۔ یقیناً کریں وہ میرے پاس کچھ بھی نہیں ہے۔ مجھ سے آج تک کسی نے اس طرح بھی بات نہیں کی جس طرح آپ نے کی ہے۔ جو لوگ ہمیں کڑے اور سخت نظر آتے ہیں ان کے اندر بھی مٹاؤں ہوتی ہے۔ مجھے لگتا ہے میں زندگی میں کبھی کبھی نہیں کر سکتی۔ شبیر کو ایذا پہنچانے کے بعد بھی مجھے بے خوف تھا کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتی۔ آپ کو ہاں ہے، میں اس بچے سے ڈرتی ہوں، مجھے لگتا ہے کہ کل کو یہ بھی مجھ سے فریٹ کرنے لگے گا۔ اگر اس نے مجھ سے اپنی وہی جھگڑا دی تو۔"

میرے پاس کچھ نہیں تھا۔

"تیسرا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ تم زندگی کو وہاں سے شروع کرو۔ تم میں ایسی کوئی خامی، کوئی برائی نہیں ہے جس کو تم ختم نہ کر سکتی ہو۔ اس سے تم سب کو اس سے بھول جاؤ۔ اپنی اچھائیوں کو دیکھو، اپنے اسٹریٹنگ پوائنٹس کو دیکھو۔"

"کیا میرے اندر کوئی اچھائی ہے؟" اس نے مجھ سے انداز میں پوچھا۔

"تم سے پوچھو، تم خود اپنے آپ کو دریافت کرو، دیکھو تمہارے اندر کیا کیا ہے۔ میں تم کو کیوں بتاؤں کہ تم میں کیا کیا اچھائی ہے تم کو؟ تمہارے اندر کون کون سی خوبی ہے۔ دیکھو کتنوں والا ایک درخت ہوتا ہے۔ اس کے کانٹے سب کو

ہیٹے ہیں۔ کاغذ کوئی استعمال نہیں کرتا۔ مگر اس وقت میں صرف کائے ہی تو نہیں ہوتے تھے ہیں، پھل سے ہے، پھل ہوتے ہیں، ان کی جڑیں ہوتی ہیں، پتا ہوتا ہے، کھڑی ہوتی ہے، کائے نقصان دہ ہوتے ہیں مگر باقی چیزیں تو نہیں۔ تم دیکھو تمہارے اندر کیا ہے۔ فطرتی ان کی شخصیت کے صرف ہر ایک پہلو تو نہیں ہوں گے۔ دنیا میں کسی انسان کو صرف خوبیاں یا صرف خامیوں کے ساتھ پیدا نہیں کیا گیا۔ ہر شخص میں دونوں چیزیں ہوتی ہیں۔ مگر جس طرح کوئی اپنے دل میں باخوبی کا زیادہ استعمال کرتا ہے اور کوئی باخوبی کا تھک، اسی طرح کسی کی خامیوں اس کی پرستاشی پر غالب آجاتی ہیں۔ اور کسی کی خوبیوں۔

”رہیدہ! کیا آپ میں خامیاں ہیں؟“

”رہیدہ اس کے سوال پر بے اختیار کہی۔“

”تم میری سانس سے پوچھو۔ وہ تمہیں میرے بارے میں اصل معلومات دے گی۔“

”وہ تو آپ کے بارے میں جان بوجھ کر ایسا باتیں کہتی ہے۔ وہ آپ کو پسند نہیں کرتی اس لیے مگر کیا آپ میں خامیاں ہیں؟“

”نہیں بھئی، سانس بڑی بھاری چیز ہوتی ہے، ہر بات تو وہ نکال دیتی ہے۔ کچھ ایسی خامیاں ہیں مجھ میں، جن کی وہ نشان دہی کرتی ہیں اور وہ تب بالکل ٹھیک ہوتی ہیں۔ تم مراد سے پوچھو، وہ میری خامیوں کی ایک ٹہنی فہرست تمہارے سامنے رکھ دے گا۔“

وہ اپنے شوہر کا نام نہ لے رہی تھی، فطرت نے اس کی آنکھوں میں چمک دیکھی۔

”تم میرے بچوں سے پوچھو۔ تو وہ تمہیں میری خامیوں کے بارے میں بتائیں گے۔ دنیا میں کوئی شخص صرف خوبیوں کا مجموعہ نہیں آتا۔ لیکن اگر تم یہ چاہو کہ میں اپنی خامیوں تمہیں کھانا شروع کروں تو وہ تمہیں کبھی نہیں کروں گی۔ میں اپنی کمزوریوں تمہارے ساتھ میں کیوں قسم وہاں اور یاد رکھو مجھے اپنے آپ سے پیار ہے۔ میں یہ تو کہتی ہوں کہ مجھ میں خامیاں ہیں مگر وہ تمہیں کہتی۔ بالکل ایسے ہی جیسے میں یہ کہتی ہوں کہ مراد میں خامیاں ہیں مگر مجھے اس سے پیار ہے، میں ان خامیوں کو تمہیں نہیں کہتی۔ بالکل ویسے ہی جیسے مجھے اپنے بچوں سے پیار ہے اور میں ان کی خامیوں نہیں مٹوا سکتی یا جیسے مجھے اپنی سانس سے پیار ہے اور یہ کہنے کے باوجود کہ ان میں خامیاں ہیں۔ میں ان کی خامیاں نہیں مٹوا سکتی۔“

فطرت کا چہرہ دیکھتی رہی، اس کے چہرے پر بے تحاشا سکون اور اطمینان تھا۔

”لوگوں کے سامنے اپنی غلطیاں ضرور تسلیم کر لو۔ اور معذرت بھی کر لو۔ اس میں بھی کوئی حرج نہیں مگر ان کے سامنے اپنی خوبیوں یا خامیوں کو کھانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ان کو خود اپنے بارے میں اندازہ لگانے اور اپنے آپ پر کتنے اور۔“

فطرت ایک دم سگڑاؤی۔ ”آپ بہت، بہت عجیب ہیں۔“ رہیدہ کچھ ہراسے دیکھتی رہی۔

”میں تمہیں بتاؤں فطرت! کچھ دنوں جب میں نے تمہیں دیکھا تو مجھے تم بھی بہت عجیب، بہت مختلف لگیں۔ تم میں بھی کوئی چیز کوئی بات ایسی ہے جو اسرار تک کرتی ہے، میں ہر ایک کو اس طرح پکڑ پکڑ کر سمجھانے نہیں چاہتی مگر تم۔ تم میں بھی کچھ بے ضرور۔ یہ جو اتنی بھاری ذمہ داری تم نے اپنے کندھوں پر لی ہے، یہ ہر کوئی نہیں لیتا اور کم از کم اتنی فرسٹریشن یا ڈپریشن میں نہیں، جتنی میں تم نے اس سے کھینچ کر لیا۔ اس کا مطلب ہے کہ تم نے ابھی خواب دیکھنے چھوڑے نہیں ہیں زندگی کو گزارنے کی انگلی تمہارے اندر۔ اور یہ ہر انسان میں نہیں ہوتی۔ بوسے پیلے کرنے سے پہلے بہت زیادہ سوچنا چاہیے اور جب ایک بار فیصلہ کر لیں تو اس پر جم جانا چاہیے پھر پیچھے مڑ کر نہیں دیکھنا چاہیے۔ ایک دن مگر میں جتنے کر اپنی زندگی کا تجربہ کرنا اپنے لیے مقاصد کرنا، اپنی خامیوں کے ساتھ کھمبہ کرنا کہ ہاں ٹھیک ہے اس چیز میں میں پیچھے ہوں یا یہ چیز میرے پاس نہیں ہے۔ اپنی خامیوں کا جائزہ لینا انسان عاقلوں سے فوراً چھینا چھڑا لینا جو تمہاری شخصیت کو سب کر رہی ہیں۔ مگر جہاں تک چھوٹی موٹی خامیوں کی بات ہے تو ٹھیک ہے کوئی مسئلہ نہیں۔“

”تمہیں قصداً آتا ہے، اہل ذہن ہی ہے۔ کوئی پریشانی والی بات نہیں اگر صبح بات پر آتا ہے مگر اگر ہر بات پر آتا ہے تو پتہ نہ پتہ ہے۔ لوگوں سے تم کو غرت ہے، یہ غرت تمہیں کم کرتی ہوگی۔ لوگ صرف برے ہی نہیں اچھے بھی ہوتے ہیں۔ مستقبل

صرف تھوڑے لمبے ہی ٹنگسب کے لیے ایک سولہ لٹکان ہوتا ہے۔ اس لیے اس کے بارے میں پریشان اور خوفزدہ ہونا چھوڑو۔  
 ۱۰۔ انگریزوں نے کہا ہے جو لوگ مزدور کیا اس پر پھینکتا نہیں است، جو آٹے ۱۶ ہے، اس کے بارے میں پریشان نہ ہوں۔ صرف  
 ان کے بارے میں سمجھیں، جس میں آپ تھی رہے ہیں۔ میں ایک ۱۱ دن تک کراچی واپس چلی جاؤں گی۔ دو بارہ لاہور آنا  
 آپ کے بارے میں کڑی بات ہے، پیش کروں گی تم سے ۱۱ بارہ طوں، یہ بھی ممکن ہے، دو بارہ کی ملاقات نہ ہو، مگر تم میری باتوں پر غور  
 نہ ہو، میں نہیں بانی، پیش کروں گی تم سے ۱۱ بارہ طوں، یہ بھی ممکن ہے، دو بارہ کی ملاقات نہ ہو، مگر تم میری باتوں پر غور  
 غور کرنا۔ میرے دل میں ہیں تمہیں جب بھی کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو تم ان کے پاس آ سکتی ہو۔ چاہو تو مجھ سے رابطہ  
 بھی کر سکتی ہو۔ تم پر غور یاد رکھنا کہ اپنی زندگی کے راستے تمہیں خود ہی طے کرنے ہیں۔ لوگ تمہیں رست دکھا سکتے ہیں مگر تمہارا  
 ہاتھ پیرا کھڑا ہر کوئی نہیں لے کر جائے گا۔ تم سے بہت ساری باتیں ہوئیں۔ اب بس آخری بات یہ کہ ہم الگ ہو رہے ہیں،  
 ہر ایک ہونے سے پہلے ایک دوسرے کے بارے میں اچھی باتیں کہنی چاہئیں۔ میں نہیں جانتی کہ ان چند ملاقاتوں میں تم نے  
 کچھ کچھ کیا ہے یا نہیں، تم میں نے تم سے بہت کچھ سیکھا ہے۔

فاطمہ کے چہرے پر جراتی اور زنگی۔ "مجھ سے؟"

"ہاں تم سے، اوپنا میں صرف اسکالرز سے نہیں سیکھا ہوا، ہر شخص سے آپ کو کچھ نہ کچھ سیکھتے ہیں۔ اگر آپ سیکھنا چاہتے  
 ہیں تو... اور... میں بیٹھ لوگوں سے سیکھنا چاہتی ہوں۔ میں نے اور کٹاپ میں تمہارا کام دیکھا۔ تمہارا فائنل ورک بہت  
 زیادہ دور اور اچھا ہے۔ تمہاری پنڈ رائٹنگ بہت اچھی ہے۔ تم بیٹھتے چڑھاتی ہو اور ان کے حوالے سے تمہاری  
 Presentation بہت اچھی تھی۔ اگر تم اپنے پروفیشن کو پروفیشن طریقے سے لے لو تو تم اس میں بہت آگے جا سکتی ہو۔" فاطمہ  
 فاطمہ حیرت کے ساتھ ان کا تجربہ سن رہی۔

"پتہ تو ہوگی پروفیشن سائنڈ، اب ذاتی حوالے پر آ جاؤ۔ شہیر کے بارے میں تم بہت کچھ کہتے ہو اور کٹاپ میں بھی تم اس  
 میں اچھے طریقے سے چنڈل کرتی رہیں، لاکھ حسابیں بننے پانے یا سنبھالنے کا کوئی لہذا ہوا تجربہ نہیں ہے۔ پھر جب تم نے مجھ  
 سے اپنے بارے میں بات کی تو سب کچھ بتا دیا۔ کوئی کئی کئی نہیں رہی۔ تم خود دار نہ ہو۔ بہت کم لوگوں میں یہ خوبی پائی جاتی ہے۔  
 اور اب تم نے اپنے لیے جو فوائد خود دیا، تمہیں اس سے بہت متاثر ہوئی۔ میں بھی اس جیسا فوٹو اپنے لیے بناؤں گی اور جب  
 فاطمہ کے بارے میں پوچھے گا تو میں اسے بتاؤں گی کہ یہ میں نے فاطمہ جلد سے سیکھا، ان کو کچھ کیا۔"

وہ بے چارے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"لو تم جیسے اچھے پڑوسی نہیں کہ تم ساری سلائی خود کرتی ہو۔ اور میں اور کٹاپ میں بھی تمہارے کپڑے دیکھتی رہی، اور  
 اتنے اچھے کپڑے ہوتے ہیں کہ مجھے تم پر رشک آیا۔ اگر میری اسی زندگی ہو تو میں اور اس وقت یہاں نہ ہوتی تو وہ اس بات پر مجھے  
 جانتے اور کٹے۔ وہ مجھے تمہاری مثالیں دیتا، ہر لڑکی تو سیکھ نہیں ہوتی اور جیسے بھول تم نے اپنی قمیص پر کاڑھے ہوئے ہیں۔ میں  
 ہائی سوسائٹی سسل سیکھے پر بھی کاڑھ نہیں کھتی۔ تمہارے ہر کام میں، میں نے بہت نفاست اور نزاکت دیکھی ہے، تمہاری زبان  
 سلیکٹ ہو سکتی ہے مگر تمہارے کام میں کوئی کمی نہیں ہے۔"

وہ نے بہت نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"لو تم سے، اگر آج تک کسی نے نہیں کہا تو کوئی بات نہیں، میں تم سے کہتی ہوں، مجھے پیار ہے تم سے۔ میں محبت کرتی  
 ہوں تم سے، اس نے فاطمہ کا ہاتھ چومنا اور پھر اپنے دونوں ہاتھوں میں لے لیا۔

شہیر بیزکرتا ہے تم سے۔ آج یہ جملہ میں کہہ رہی ہوں، کل دو تم سے کہے گا۔"

فاطمہ کی آنکھیں ایک بار پھر پانی سے بھرنے لگیں، مگر اس بار اسے یوں لگ رہا تھا جیسے وہ پانی اندر سے بہت سا زہر بہا  
 رہا ہے۔ اس کو زندگی میں پہلی بار اپنا وجود بہت بگاڑا لگا تھا۔

☆☆☆

"وہ بے چارے کھٹوہ کرنے کا سب سے اچھا طریقہ یہ ہے کہ اسے سنے کی شکل میں تبدیل کر لیا جائے۔"

میزو شانہ کو اپنی سونے کی تیس جی چوڑیاں دکھاتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

”تیس تو بچی کرتی ہوں، جب کچھ روپے اکٹھے ہوتے ہیں، میں فوراً زیورات خریدتی ہوں، اور وہ ویسے بھی روانی ہی ہے کہ روپے کے بجائے زیورات بخائے جائیں۔“

شانہ خا سے رشک آہر باثرات کے ساتھ میزو کی چیزوں کو دیکھ رہی تھی خود ان کے پاس بھی زیورات کی کمی نہیں تھی، مگر جس روایتی اور فراوانی کے ساتھ میزو زیورات کی خریداری کرتی تھی۔ وہ شانہ کے لیے قابل رشک تھا، ہر بار پاکستان آنے پر وہ مکمل طور پر نئے زیورات کے ساتھ تھکری لائیں۔ اس بار بھی ایسا ہی ہوا تھا۔

اگر اور صبح کا کالج بہت دھوم دھام سے کر دیا گیا تھا اور میزو اور منصور بھی واپس نہیں گئے تھے۔

”بہت زیادہ زیورات بنانے پر ایک سلسلہ یہ ہو جاتا ہے کہ زکوٰۃ بہت لگتی پڑتی ہے اور پھر ہر سال، بس میں تو اسی سب سے زیادہ زیورات نہیں بخواتی۔“ شانہ نے چوڑیاں انہیں دکھائی کرتے ہوئے ایک تاویل پیش کی۔

”لو کتنی زکوٰۃ دینی پڑ سکتی ہے۔ میں تو تیس یہ کرتی ہوں کہ ہر سال کچھ مخصوص رقم دے دیتی ہوں۔ اب سارے زیورات پر باقاعدہ حساب لگا کر زکوٰۃ نکالیں تو وہ تو ہزاروں میں چلی جائے گی۔ اتنے پیسے بن جائیں گے کہ اس سے خریدی گئی تو لے سنا خریدنا ہاں سکا ہے۔ نہیں بھی، میں یہ تو نہیں کر سکتی۔ تو زکوٰۃ بہت رقم ہے جو ہر سال دے دیتے ہیں۔ اور ویسے بھی سارا سال تو زکوٰۃ ہی دیتے ہی رہتے ہیں۔ وہ زکوٰۃ ہی ہوئی؟“

میزو نے زکوٰۃ کو ایک نیا مظہم پہنایا۔

”ہاں، یہ تو آپ فیک ہی کہتی ہیں۔ سارا سال دینی جانے وان رقم اکٹھی کر لیں تو وہ شاید زکوٰۃ سے بھی زیادہ ہو جائے، اب دیکھیں، کھڑکوں کی کئی دفعہ مدد کرنی پڑتی ہے، پھر غریب رشتے دار ہیں، ان کو تو زکوٰۃ بہت دینا پڑتا ہے، مسعود ٹیکسٹری میں در کر کی بار مدد کر دیتے ہیں، وہ بھی تو زکوٰۃ ہی ہوئی؟“

”اور کیا۔ ویسے منصور اب سوچ رہے ہیں کہ کچھ سالوں تک پاکستان شفٹ ہو جائیں۔“ میزو نے بات کا موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

”ہاں، انہوں نے پیسے بھی ذکر کیا تھا۔“

”ابھی فوراً تو ہجرتوں، شفٹ نہیں ہوں گے۔ ٹیکسٹری میں جائے، ٹھیک سے پلٹے گئے پھر ہم اوجھرا آ جائیں گے۔ منصور سوچ رہے ہیں اس بار جانے سے پہلے کوئی پلاٹ خرید لیں۔“

”پلاٹ کس لیے؟“ شانہ نے پوچھا۔

”ظاہر ہے گھر کے لیے، مگر بھی تو ہونا ہے۔“ میزو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”لیکن گھر بنانے کی کیا ضرورت ہے، یہ گھر تو بے کما یہاں آ کر رہیں، بہت جگہ ہے یہاں۔“ شانہ نے فوراً پینکشن کی۔

میزو مسکرانے لگی۔ ”ہاں، جگہ تو بہت ہے مگر اب بیٹیوں کے سسرال میں تو نہیں رہ سکتے۔“

”لو بیٹیوں کا سسرال کیا ہوا، تم لوگوں کا اور کوئی رشتہ نہیں ہے ہم سے۔“

”ہے مگر پھر بھی زمانہ مناسب لگتا ہے۔ چند دنوں یا ہفتوں کے لیے تو ٹھیک ہے، مگر مستقل تو یہاں نہیں رہا جا سکتا ویسے بھی کبھی نہ کبھی اپنا گھر تو بنانا ہی ہے۔“

”ٹھیک ہے، مگر تو ہانا ہے مگر تب تک تو یہاں رہ سکتے ہیں جب تک گھر نہیں بنوا لیتے۔“

”مگر بننے میں بھی بہت وقت لگ جائے گا۔ اتنا لبا عرصہ آپ کے ساتھ کیسے رہیں۔ منصور نے تو گھر کے لیے لمبی چوڑی پلاننگ کی ہے، سال یا دو سال تو لگے گا گھر کو بننے ہوئے۔ پھر جس کی آرائش کا سوچی رہے ہیں وہ..... چھ ماہ اور نکل گئے۔ اب دو سال آپ کے گھر پر تو چھ نہیں رہ سکتے۔“

جزو نے فر سے اپنے شوہر کے منصوبے دیکھ کر ہنس کر کہا۔

”مسعود نے گھر میں پچھلے سال ایک گھر خریدا تھا بہت اچھا ہے۔ تم لوگ ادھر رہو لیں۔“

”ہاں یہ ہو سکتا ہے۔“ میزہ نے فوراً ہی بھری۔

”وہیے مسعود کا کب تک ارادہ ہے گھر شروع کرنے کا؟“

”وہی چار پانچ سال تو ہیں، پہلے تو فیکٹری کا ہی سوچ رہے ہیں جو مسعود بھائی کے ساتھ لگائی ہے۔ جب فیکٹری اچھے

طرح سے چلیش ہو جائے گی تو پھر پاکستان آئیں گے اور پھر سال چھ مہینے کے بعد گھر کا کام شروع کریں گے۔“

”اور امیر اور صدف کی رخصتی کب کرو گے؟“ شانہ نے گفتگو سے کہا۔

”تو ابھی خاصی دور کی بات ہے، مگر جویشن کے بعد، ابھی تو بہت چھوٹی ہیں دونوں اور پھر طح اور اسرار بھی تو پڑھنے

کے لیے باہر جائیں گے۔ ابھی تو انہیں بھی اپنا کیریئر بنانا ہے۔“

”مگر میں سوچ رہی تھی کہ ان دونوں کو باہر بھیجے سے پہلے رخصتی کروالوں، بہتر ہے امیر اور صدف ان کے ساتھ ہی

جائیں۔“ شانہ نے تجویز پیش کی۔

”اس میں بھی بڑا وقت ہے بھائی! جب وقت آنے کا تب دیکھیں گے۔ میں تو وہ آپ ہی کی امانت..... چند سال پہلے

باہر سے تو کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ میزہ نے خوش دلی سے کہا۔

”میرے ہاؤس تو اس دن سے زمین پر نہیں پڑ رہے جب سے یہ رشتہ ہوا ہے۔“ شانہ نے ڈرامے کا پہلا سین پیش کیا۔

”ہاں آپ کو تو جو خوشی ہے خوشی ہے۔ مگر میرے جذبات کا تو آپ پوچھنے ہی نا۔“ میزہ نے جوانی پر فخر منس دیتے

ہوئے کہا۔

”پہرے خانہ ان میں سب سے زیادہ خوبصورت نہیں ہوں گی میرے بیٹوں کی۔“

شانہ نے اپنی ایکنگ میں کچھ اور کھار لاتے ہوئے کہا۔

”میری بیٹیوں کے شوہر بھی تو سب سے زیادہ خوبصورت ہوں گے۔ چاند اور سورج کی جوتی ہے دونوں کی۔“

میزہ نے بھی اپنی لٹائی بڑھائی، پھر دونوں خوش دلی اور گفتگو سے ہنسنے لگیں۔ دونوں کا خیال تھا کہ وہ ایک دوسرے کو

دیکھتیں اور چہرے کے تاثرات سے متاثر کرنے میں کامیاب رہی ہیں۔

☆☆☆☆

مسعود اور مسعودان دونوں فیکٹری کے ہیچر ورک میں مصروف تھے، اس دن وہ دونوں اپنے وکیلوں کے ساتھ فیکٹری کے

ٹیزز میں اپنے حصے کی تعمیرات طے کر رہے تھے، مسعود کی خواہش تھی کہ فیکٹری میں وہ فنٹزی پرست کا شریک ہو۔

”دیکھو مسعود! ٹیک سے فیکٹری میں تمہارا سرمایہ لگے گا مگر تم تو صرف سلپنگ پارٹنر ہو، ورکنگ پارٹنر تو میں ہوں گا، اور

تمی ادھر چھپ کر رہتی ہے۔ کسی جگہ نئے برنس کو شروع کرنے میں، اس کا اندازہ تو تم لگا ہی سکتے ہو، اس لیے میرا مطالبہ کوئی

بہتر نام نہیں ہے۔“ مسعود اسے قائل کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔

”آپ کی بات ٹھیک ہے بھائی جان لیکن..... ہمیشہ کے لیے تو میں سلپنگ پارٹنر نہیں رہوں گا۔ واہس پاکستان آنے

کے بعد میں ہی فیکٹری کو سنبھالوں گا، اور یہ صرف چار پانچ سال کی بات ہے۔ پھر یہ تو نہیں ہو سکتا نا کہ میں اپنا سارا برنس

ابھی ختم کر کے واہس آ جاؤں اور یہاں ایک فیکٹری میں آدھے شیئرز لے لوں، مجھے تو پھر یہ پروجیکٹ ہی نہیں کرنا۔ یہ بہتر نہیں

ہے کہ میں چار پانچ سال اس پروجیکٹ کو ہتھی کر دوں اور پھر جب پاکستان آؤں تب خود یہ سب کچھ شروع کروں۔“

مسعود انہیں گھونٹنے لگے، انہیں اپنے چھوٹے بھائی سے اتنی صاف کوئی کی توقع نہیں تھی۔

”مگر تم یہ بھی تو دیکھو کہ جس میں فیکٹری کو اسٹیلش کرتے کرتے کتنے سال لگ جائیں گے اور.....“

”بھائی جان! جتنے ہی سال لگیں، کم از کم فیکٹری مکمل طور پر تو میری ہوگی۔ آخر مجھے بھی تو اپنے بیٹے کے لیے کچھ دینا

ہوگا۔“

”بھائی جان! جتنے ہی سال لگیں، کم از کم فیکٹری مکمل طور پر تو میری ہوگی۔ آخر مجھے بھی تو اپنے بیٹے کے لیے کچھ دینا

ہوگا۔“

”بھائی جان! جتنے ہی سال لگیں، کم از کم فیکٹری مکمل طور پر تو میری ہوگی۔ آخر مجھے بھی تو اپنے بیٹے کے لیے کچھ دینا

ہوگا۔“

”بھائی جان! جتنے ہی سال لگیں، کم از کم فیکٹری مکمل طور پر تو میری ہوگی۔ آخر مجھے بھی تو اپنے بیٹے کے لیے کچھ دینا

ہے۔" منصور نے ان کی بات کا نکتہ ہونے کہا۔  
 "پھر تم کیا آفر کرتے ہو؟" مسود نے ان سے کہا۔  
 "میں پرسنٹ۔" مسود کو جیسے ایک جھٹکا گیا۔  
 "میں پرسنٹ، کیا کہہ رہے ہو تم، یہ تو کوئی ڈیل نہ ہوئی۔ اب اس قدر فرجی رشتہ داری کے بعد بھی۔"  
 منصور کچھ دیر ان کا چہرہ دیکھتے رہے اور پھر انہوں نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔  
 "بھائی جان! بجز بے ہم کاروبار میں کسی رشتہ داری کو نہ لائیں، کیا آپ نے اس سے رشتہ کیا تو کہ۔"  
 مسود نے جدلی سے ان کی بات کاٹ دی۔ "کیسی بات کر رہے ہو منصور! میں نے تو ویسے ہی کہا ہے۔ تم نہ مٹا مطلب  
 مت لو۔"

"بہتر ہے کہ ہم دوبارہ اس رشتہ داری کے بارے میں بات نہ کریں۔ تم ازم کاروبار کے بارے میں بات کرتے  
 ہوئے، یہ فیکٹری میں روشن کے لیے لگا رہا ہوں۔ اور میں بیٹے کی چیز بنیوں کی خاطر تو کسی کو نہیں دے سکتا۔ میں آپ کو آفر کر  
 رہا ہوں، ٹھیک ہے جس جسٹس میں مگر اس سے زیادہ نہیں۔ اگر آپ کو یہ قبول ہے تو ٹھیک ہے، اگر نہیں تو پھر اس پر وجیٹ کو چھوڑیں  
 اور اس پر وجیٹ کی جگہ سے اگر کوئی رشتہ suffer کرتا ہے تو کرنے دیں۔ ٹھیک ہے میں نے امیر اور صلہ کا کچھ کر دیا ہے۔  
 لیکن ان کے لیے آج بھی رشتوں کی کوئی کمی نہیں ہے، مجھے ٹھیک کے بجائے ہن رشتے مل جائیں گے۔ اور خاندان سے ہی۔"  
 مسود کے ہاتھ ہی پھولنے لگے، انہوں نے منصور کو بھی اس موڈ میں نہیں دیکھا تھا، وہ ہمیشہ ہی بڑے بوب اور لٹاٹ سے  
 ان سے بات کرتے تھے اور شاید اسی لیے انہیں نہ ٹھنکی ہوئی تھی کہ وہ بڑی آسانی سے اسے اپنی مرضی کے مطابق چلا سکتے ہیں،  
 مگر یہ نہیں آتا ہے چاکر کہ وہ بزنس کے معاملے میں خاصے بے لٹاٹ واقع ہوتے ہیں اور شاید بزنس میں ان کی شاندار کامیابی کی  
 وجہ بھی یہی تھی، اب وہ اپنے سامنے منصور کی ایک نیا روپ دیکھ رہے تھے۔  
 "نہیں، نہیں ٹھیک ہے۔ رشتوں کی تو بات ہی اٹھ ہے۔ ان کا بزنس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ ان کو چھوڑ دو۔ کیا تم اپنی  
 آفر یا معاملہ سکتے۔ 40-60؟" مسود نے اس سے کہا۔

"70-30" منصور نے بے اثر چہرے کے ساتھ حتمی نکتہ میں کہا۔

مسود کچھ دیر سوچتے رہے، "ٹھیک ہے۔" 70-30 انہوں نے ایک گہری سانس لے کر کہا۔ منصور کے چہرے پر  
 مسکراہٹ بھیل گئی۔

☆☆☆

ربیعہ کے ساتھ ہونے والی یہ فاطمہ کی آخری ملاقات ثابت ہوئی، وہ اس سے دوبارہ کبھی نہیں ملی، مگر اس کے ساتھ  
 ہونے والی چند ملاقاتوں نے اس کی زندگی کو ایک نئی سمت ضرور دکھائی تھی۔  
 زندگی میں پہلی بار فاطمہ بخار نے اپنے آپ کو احساس کمتری کے اس تاملت سے باہر نکال کر دیکھا تھا، جس میں پچھلے  
 تیس سال سے اس نے خود کو بند کر رکھا تھا۔ اور اسے خوشگوار حیرت ہوئی جب اسے احساس ہوا کہ سب کچھ واقعی اتنا چاہا حال نہیں  
 ہے۔ جتنا اس کا خیال تھا۔

اس کے پاس بہت کچھ ایسا تھا جس کو اس نے کبھی استعمال ہی نہیں کیا تھا۔ اس کے پاس بہت کچھ ایسا تھا جو بہت سے  
 دوسروں کے پاس نہیں تھا یا کم از کم ان لوگوں کے پاس نہیں تھا جو اس کے ارد گرد تھے۔  
 ربیعہ سے ملاقات کے بعد اگلے چند ہفتوں میں اس نے پہلی بار اپنی زندگی کو چلانے کا ارادہ کیا، پہلی بار اس نے اپنے لیے مقاصد  
 طے پت کیے۔ مگر آنے والے دنوں میں اس کے لیے کچھ اور تھا۔

☆☆☆

.. وہ ان کے ساتھ تھا۔ آگلی۔ بارہن بے حد خاموش تھا۔ اس نے ہمارے اس کے ساتھ کوئی بات نہیں کی۔ شائد کہ

نور و آواز کا ہوا ٹھیک نہیں ہے، مگر موڈ خراب ہونے کی وجہ کیا ہے۔ یہ وہ نہیں جانتی تھی، اس نے بارون سے گاڑی  
 لے کر دیا تھا کہ ان کا موڈ ٹھیک نہیں ہے، خود بھی اس وقت کوئی بات نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔

میں کچھ بھی پوچھنے کی کوشش نہیں کی، وہ خود بھی اس وقت کوئی بات نہیں کرنا چاہ رہی تھی۔  
 ڈورینگ میں سبزے تبدیل کرنے کے بعد وہ جب وہاں بیٹھ رہی تو اس نے بارون کو کمرے میں مہلت پایا۔ وہ بیٹر  
 ڈورینگ میں بیٹھے ہوئے اس کے پلے رہا تھا، اس کا کوٹ بے ترتیبی سے صوف پر پڑا ہوا تھا جب کہ اس کی ہانکی ڈھیلے  
 کا بیٹہ تین لمبے بیٹھے ہوئے اس کے پلے رہا تھا، وہ دونوں کی نظریں ایک دوسرے سے ٹپس اور پھر شائستہ اپنے بیٹے پر جا کر لپٹ گئی، پھر  
 امانے کے ملازم کے سامنے ہی اسی طرح کمرے میں ٹپس رہا تھا، وہ اپنے چہرے کو صاف کرنے کے بعد ایک کریم کے ساتھ مساج  
 بارون ابھی بھی اسی طرح کمرے میں ٹپس رہا تھا، وہ اپنے چہرے کو صاف کرنے کے بعد ایک کریم کے ساتھ مساج  
 کرنے لگی۔ ڈورینگ نگیل کے شے میں خود کو دیکھتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ بارون بھی وہی نونو تھا اس پر نظریں دوڑا رہا ہے۔ وہ

اپنے کام میں مصروف رہی۔  
 کچھ دیر بعد دو ایک دم اس کی پشت پر آ کر کھڑا ہوا اور اس نے بڑی نرمی سے اس کی خوزی کے نیچے ہاتھ رکھتے ہوئے  
 ان کا چہرہ دیکھ کر امانے کے ملازم کی نظریں ٹپس۔

”کیا کرنا چاہتی ہو شائستہ تم؟“ اس نے نرمی سے پوچھا۔  
 شائستہ اس کے سوال پر حیران ہوئی، وہ اس کا چہرہ ابھی بھی اسی طرح اٹھائے ہوئے تھا۔

”کیا کرنا چاہتی ہوں میں؟... میں نارٹس ہونا چاہتی ہوں، ڈپریشن سے نجات حاصل کرنا چاہتی ہوں۔ اسی لیے ڈاکٹر  
 دوا کے پاس گئی تھی۔ وہاں جا کر مجھے سکون ملا ہے۔“

وہ اسی طرح گردن اوپر کیے اسے بتاتی رہی، بارون کا چہرہ بے اثر تھا۔  
 ”میں ڈاکٹر سے دوا کی بات نہیں کر رہا۔“

”تو پھر اور کیا ہے؟“ وہ ابھی۔  
 ”تم رولینڈ کی گئی تھی؟“

وہ ہانکی ساکت ہوئی پھر اس نے بارون کا ہاتھ بنا دیا مگر وہ اب بھی اس سے اپنا چہرہ نہیں چھپا سکتی تھی، وہ اب اس کی  
 پشت پر کھڑا آجینے میں اسے دیکھ رہا تھا وہ ڈورینگ نگیل سے نشوونے لے کر اپنا چہرہ پوچھنے لگی، کوئی اور چیز اس وقت اسے اس سے  
 زیادہ بھروسہ نہیں ہوئی۔

”تم نے تم سے کچھ پوچھا ہے؟“ وہ وہیں تھا۔  
 ”میں نہیں گئی۔“ وہ اس سے نظریں ملائے بغیر اپنا چہرہ پوچھتی رہی..... ”اچھا.....“ وہ ہنسا۔  
 ”اگر تم جانتے ہو کہ میں وہاں گئی تو پھر پوچھنے کی کیا ضرورت ہے؟“ وہ اس کی ہنسی پر برہم ہوئی۔  
 ”میں جانا چاہتا ہوں کہ تم وہاں کیوں گئی تھی؟ میں نے تمہیں متع کیا تھا۔“

وہ خاموش رہی۔  
 ”تمہارے پاس میرے کسی سوال کا کوئی جواب نہیں ہے؟“

”تم ہر سوال کا جواب خود جانتے ہو۔ مجھ سے کچھ مت پوچھو۔“ وہ اب اپنے ہاتھ صاف کرنے لگی۔ وہ ایک دم اس کے  
 سامنے آ کر ڈورینگ نگیل پر بیٹھ گیا۔  
 ”تم نے جانا چاہتا ہوں کہ تمہیں میرے ساتھ رہنا ہے یا نہیں رہنا؟“ اس کی آواز بلند نہیں تھی مگر صراحت تھی۔  
 وہ اسے دیکھنے لگی۔

”میں تم نے سچا ہے کہ میں تمہیں کہاں لے جانے کی کوشش کر رہا ہوں اور تم۔ تم اپنے ساتھ کیا کر رہی ہو؟ کیا کرنا  
 چاہتی ہو تمہاری زندگی کے ساتھ؟“

"ہاں! میں بہت پریشان ہوں آج اور تم سے کڑا جانتی ہوں۔ نہ تو کسی کلمہ کا جانتی ہوں۔" اس نے تڑپ سے کہا۔

"تم پریشانی تم نے تھوڑا سا لی ہے۔"

"ٹانڈے سے کڑا کر رہا ہوں۔ کھل کر بیٹھا ہوں۔"

"تم کو کون سا کلمہ یاد ہے؟"

"میں نے توئی کے ساتھ اسے دیکھ کر یاد کیا۔"

"میں یادوں سے بات نہیں کر رہا ہوں۔ اس بار یادوں نے بیٹھا ڈالا ہے۔"

"مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ تم تمہاری بات نہیں سکتی ہوں۔"

"تمہاری بات صرف سوخت بھنگے کی کوشش ہے۔ چار سال ہونے والے ہیں عادی شادی کو، چار سال کافی عرصہ ہے، ایک دوسرے کو بھنگے کے لیے۔ مگر ہمیں دیکھو اسے جتنا ہم سے کم اور ہمیں دو انگ انگ دیکھو اسے عقل رکھتے ہیں۔"

"تیرا حال، تمہاری بات سے پتہ چلتا ہے کہ تم نے جہاد کے لیے اس کے ساتھ ساتھ ساتھ کیا ہے۔"

"نہیں۔" وہ دیکھا کرتی۔

"ہاں، ہوں تمہاری فطرت سے اس قدر کہ تمہاری فطرت سے تمہارا ہے۔ میں ٹانڈا اور اسیلہ جیسا وہاں رہنے لگیں۔"

"جہاد وہاں ہونے سے آپ کو اپنی کرنے کی کوشش ہے اور جب تک ہو جائے تو وہاں آ جاتا ہے مگر وہاں آنے سے پہلے سب کو ٹانڈے کے آواز اور آواز میں ہوا کو تمہیں نہیں رکھتی تو پھر میرے پاس وہاں آنے کے لئے جانے اپنے والدین کے پاس جا کر جانا۔" وہ آخری بات سے لہرقند۔

"تمہیں اس سے جانتی ہوں، میں بائبل دہاں ہوں۔" اس بار ٹانڈا کھجور کڑوا رہا۔

"تمہیں نے تم سے راتے راتے کہا، میں نہیں صرف تمہارا ہوں کہ نہیں کیا کرتا ہے۔" اس نے انگلی اٹھا کر ٹانڈے سے کہا۔

"مجھے اس کے نہیں جانا۔ اور تم مجھے تو جانتی ہو۔ تمہیں نہیں سمجھتے۔" ٹانڈے نے یک دم بیٹھا ڈالا ہے کہ وہاں سے بہت تیزی سے وہاں پہنچنے سے اس کی گردن پر کرنا کرنا کرنا کرنا۔

"مجھے وہاں تمہاری نہیں سمجھتی۔ تم اگر کوئی بہت جلد کرنا لینڈی جانتی ہو تو میری نہیں سمجھتی اس کے بھی بگڑا ہوا ہے۔ ہاں کمال کے ساتھ ساتھ بولا اور اسے دھکا دیا۔ آج اس نے کہا۔ تم کو وہاں بھی کرنے کی کوشش مت کرنا۔"

"وہ کیسے بھنگے کے ساتھ اسے کھل کر رکھنے سے انہماک کرنا۔ ٹانڈا اور بیک بھنگے کے آئیے میں خود کو بھنگے گی اس کی گردن پر ہاں ہی انہی کے کلمات تھے وہ ایک دم بارے میں نہیں سمجھتی۔" اس نے اپنی گردن پر ان کلمات کو پھونکا۔ انہوں نے اسے ایسے تیار کرنا۔

"میں نے اسے بھنگے کے ساتھ دیکھا۔"

"ہاں۔"

"تمہارے اس کے ساتھ جاتی ہو؟"

"ہاں۔"

"انگلی سے ٹانڈے کے ساتھ پر ایک زور اور تھپتھپاؤ۔"

"وہ اپنا کلب سے شہر انسان ہے اور تم اس سے زیادہ بہتر ہو۔ میں خود اپنی کمال بھنی کہو، پہنچتی ہوں۔"

"میں نے اسے بھنگے کے ساتھ دیکھا۔" اس نے کہا۔ اس نے اسے شہر نہیں آئی اور اس کی سمجھتی کے ساتھ لے جاتا ہے۔ اور تم کو تمہارے اس کی گردن پر بھنگے گی۔" اس کی گردن پر بار بار آواز آتا ہے اور وہاں جاتا۔

"تھوڑا سا آج۔"

"چھ بھنگے ہر تھوڑا سا شادی کی صورت سے کر رہی ہے۔"

"ہاں! میں نے اسے بھنگے کے ساتھ دیکھا۔"

"میں نے اسے بھنگے کے ساتھ دیکھا۔"

"میں نے اسے بھنگے کے ساتھ دیکھا۔"

"میں نے اسے بھنگے کے ساتھ دیکھا۔"

"میں نے اسے بھنگے کے ساتھ دیکھا۔"

"میں نے اسے بھنگے کے ساتھ دیکھا۔"

"میں نے اسے بھنگے کے ساتھ دیکھا۔"

"میں نے اسے بھنگے کے ساتھ دیکھا۔"

"میں نے اسے بھنگے کے ساتھ دیکھا۔"

"میں نے اسے بھنگے کے ساتھ دیکھا۔"

"میں نے اسے بھنگے کے ساتھ دیکھا۔"

"میں نے اسے بھنگے کے ساتھ دیکھا۔"

"میں نے اسے بھنگے کے ساتھ دیکھا۔"

"میں نے اسے بھنگے کے ساتھ دیکھا۔"

"میں نے اسے بھنگے کے ساتھ دیکھا۔"

"میں نے اسے بھنگے کے ساتھ دیکھا۔"

"میں نے اسے بھنگے کے ساتھ دیکھا۔"

"میں نے اسے بھنگے کے ساتھ دیکھا۔"

"میں نے اسے بھنگے کے ساتھ دیکھا۔"

"میں نے اسے بھنگے کے ساتھ دیکھا۔"

"میں نے اسے بھنگے کے ساتھ دیکھا۔"

























سے بہت جلدتے ہے۔  
 "تم نے اس مینٹ کا ثبوت گواہ اپنے ہاں اپنا ہے۔ مگر سچ کر دیا ہے۔ مگر اب میرے ہاں اب یہ کہہ رہی ہوں  
 نہیں دانتے گے۔"  
 "نہا ہے۔ ہاں اب یہ تہداری بات نہ دانتے۔ میں اس پر یقین نہیں کر سکتی۔ تہا سے مگر سب کو تہداری مرضی  
 سے ہوتا ہے اور اتھ صوبلی مارا مہران سے نہیں کر دانتے۔" سے اہدوں کی بات پر فطرتاً ہی  
 "تم تہداری میں سے اہدوں پر بحث کرنا نہیں چاہتا کہ میں کن سا کام اپنے ہاں سے کر دانتے ہوں اور تم  
 نہیں اگر تم اپنے ہاں اپنا ہوتے کہ اہدوں سے بیخبر نہیں کر سکتی تو سب کو طرہاً ہی چاہئے۔ وہ جب وہاں جا نہیں  
 شانتے ہے اس کی بات کا دل۔ اس اب وہاں اتھ غلط نہیں کر سکتی۔  
 "کیوں؟ ہمیں کی چیز کی جلدی ہے۔ مجھے تو جلدی نہیں ہے، نہ ہی میں نہیں پریشا کر رہا ہوں۔"  
 شانتے اس کی بات سے جہاں میں غماض ہو گئی۔  
 "جلدی ہے مجھے۔" اس نے کچھ اور بھری ہوئی آواز میں کہا۔  
 "کیوں تو جو رہا رہا، اس کی چیز کی جلدی ہے۔"  
 وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ "ہاؤن اسی پر بحث ہوں۔" وہ چہرے سے کچھ نال نہیں سا، صرف ٹیکس جھپکاتے نظروں کا  
 پیرا ہی تھا۔  
 شانتے نے اس سے پھر سے اس کی اندرونی کلیات کا اندازہ لگانے کی کوشش کی، لیکن بری طرح کا کامیابی اس کا  
 پیرا ہی نہ تھا۔

شانتے نے ایک گرماسی اپنے ہوتے شانتے کے چہرے سے نظر ہٹائی، شانتے اب بھی اسے دیکھ رہی تھی۔  
 "تو مجھے ۱۰ سے ۱۱ سے تم سے امید کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی آواز سے مدد ہو گئی۔  
 "ہاں۔"

وہ جب وہاں شانتے کو دیکھتا ہوا ہونے لگا۔  
 "سب کچھ بہت جلدی ہو رہا ہے۔" وہ بڑا ڈراوا تھا۔  
 "پھر اپنے ہی، او کو کب سمجھ گئے۔" وہ اس کے سوال پر ایک بار پھر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔  
 "میں نہیں سمجھتا چکا ہوں، پر کام مجھے نہیں سمجھتا کہ ہے۔ اس کا جواب اب میری مرضی ہی  
 "اہدوں اصرار سے ہے۔ میں نہیں سمجھتا۔" اس نے بے بسی سے کہا۔  
 "تو تہداری سے جب میں کو تہداری کر لیتا۔" اہدوں نے اطمینان سے اس کو آواز دیا۔  
 "مگر سے اہدوں اور تہداری میں ہے۔ کیا تم میں سے اہدوں میں ہے۔ مگر میں پر بحث ہوں۔" اس نے تیرا آواز میں اہدوں  
 سے کہا۔

"مگر تو پر بحث ہوا تو تہداری مسئلہ ہے۔" مگر وہ آواز میں اہدوں سے سوز سے لگے ہوئے اس جملے نے کچھ اور کے لیے  
 اسے ساکت کر دیا۔ اسے کچھ شانتے اس نے اہدوں کی بات سننے میں غلطی کی ہے۔  
 "تم نے کیا کیا ہاؤن؟" اس نے کسی خوش حالی کے تحت ہی کہا۔  
 "میں نے کیا کیا تم پر بحث ہوا تو تہداری مسئلہ ہے۔" اہدوں نے اس بار بہت غصہ کر لیا ایک ایک لفظ پر زور دیتے  
 اس سے وہی کچھ اور ہوا، مگر اہدوں نے اس کا جواب دیا۔ "خوش حالی یا غصہ یا کسی اور بھی۔ شانتے کو اپنا غلط ٹھیک ۱۰۲۸  
 مہمان ہوا۔

"میں پر بحث ہوا تو صرف ہر مسئلہ ہے۔ تہداری مسئلہ میں ہے۔"

میں پر بحث ہوا تو صرف ہر مسئلہ ہے۔ میں اس کا اندازہ نہیں ہوں۔" شانتے کی یہ دم سوسنے سے اٹھ کھڑی ہوئی اور اس  
 نے چاہتے ہوئے کہا۔  
 "میں پر بحث ہوا تو تہداری مسئلہ میں ہے، یہ صرف ہر مسئلہ ہے۔ کیا میں تہداری ہی نہیں ہوں؟ کیا تم نے مجھ  
 سے نہیں سمجھا۔" اس کا چہرہ اور ہوا تھا۔  
 "تم جہاں جاتی ہو، میں نے تم سے تہداری کی کسی چیز نہیں سمجھی۔ تہداری اور ہوا کا اعلان نہ کیا جائے۔ اب  
 ہر جہاں سے اہدوں کے لیے جہاں سے میں اس کے ہاں پہنچاں آ رہی ہے تو اس کی ذمہ دار صرف تم ہی نہیں ہوں۔ اور اس پر اہدوں کو دل میں  
 تہداری کو اس کی بات کا دل۔ اس اب وہاں اتھ غلط نہیں کر سکتی۔  
 "کیوں؟ ہمیں کی چیز کی جلدی ہے۔ مجھے تو جلدی نہیں ہے، نہ ہی میں نہیں پریشا کر رہا ہوں۔"  
 شانتے اس کی بات سے جہاں میں غماض ہو گئی۔  
 "جلدی ہے مجھے۔" اس نے کچھ اور بھری ہوئی آواز میں کہا۔  
 "کیوں تو جو رہا رہا، اس کی چیز کی جلدی ہے۔"  
 وہ اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ "ہاؤن اسی پر بحث ہوں۔" وہ چہرے سے کچھ نال نہیں سا، صرف ٹیکس جھپکاتے نظروں کا  
 پیرا ہی تھا۔  
 شانتے نے اس سے پھر سے اس کی اندرونی کلیات کا اندازہ لگانے کی کوشش کی، لیکن بری طرح کا کامیابی اس کا  
 پیرا ہی نہ تھا۔

شانتے نے ایک گرماسی اپنے ہوتے شانتے کے چہرے سے نظر ہٹائی، شانتے اب بھی اسے دیکھ رہی تھی۔  
 "تو مجھے ۱۰ سے ۱۱ سے تم سے امید کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی آواز سے مدد ہو گئی۔  
 "ہاں۔"

وہ جب وہاں شانتے کو دیکھتا ہوا ہونے لگا۔  
 "سب کچھ بہت جلدی ہو رہا ہے۔" وہ بڑا ڈراوا تھا۔  
 "پھر اپنے ہی، او کو کب سمجھ گئے۔" وہ اس کے سوال پر ایک بار پھر اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔  
 "میں نہیں سمجھتا چکا ہوں، پر کام مجھے نہیں سمجھتا کہ ہے۔ اس کا جواب اب میری مرضی ہی  
 "اہدوں اصرار سے ہے۔ میں نہیں سمجھتا۔" اس نے بے بسی سے کہا۔  
 "تو تہداری سے جب میں کو تہداری کر لیتا۔" اہدوں نے اطمینان سے اس کو آواز دیا۔  
 "مگر سے اہدوں اور تہداری میں ہے۔ کیا تم میں سے اہدوں میں ہے۔ مگر میں پر بحث ہوں۔" اس نے تیرا آواز میں اہدوں  
 سے کہا۔

"مگر تو پر بحث ہوا تو تہداری مسئلہ ہے۔" مگر وہ آواز میں اہدوں سے سوز سے لگے ہوئے اس جملے نے کچھ اور کے لیے  
 اسے ساکت کر دیا۔ اسے کچھ شانتے اس نے اہدوں کی بات سننے میں غلطی کی ہے۔  
 "تم نے کیا کیا ہاؤن؟" اس نے کسی خوش حالی کے تحت ہی کہا۔  
 "میں نے کیا کیا تم پر بحث ہوا تو تہداری مسئلہ ہے۔" اہدوں نے اس بار بہت غصہ کر لیا ایک ایک لفظ پر زور دیتے  
 اس سے وہی کچھ اور ہوا، مگر اہدوں نے اس کا جواب دیا۔ "خوش حالی یا غصہ یا کسی اور بھی۔ شانتے کو اپنا غلط ٹھیک ۱۰۲۸  
 مہمان ہوا۔

"میں پر بحث ہوا تو صرف ہر مسئلہ ہے۔ تہداری مسئلہ میں ہے۔"

اسے اپنا ہوا، اور ایک دم چکاڑی کی طرح لگنے لگا۔ جس کے لیے اندر اندر اندر ہوا سے نہ تو کسی روشنی، اس نے  
 مسنے اور ہنگ سے ہانگ کر کے اپنے اس جہاں سے اہدوں کو دیکھا جو آج بھی اس سے بہت کا دعویٰ کر رہا تھا۔ اس نے سرفراہی اس کو  
 اہدوں کو دیکھا، وہاں لگے ہانگ اور کھانا۔ چہاں پہلے کچھ سے سب کچھ اس کے لیے بہت اہم تھا وہ اپنی مرضی سے اس وقت  
 کے اندر آئی تھی۔ جنت کے اندر ہو کر اپنی مرضی سے ہی آئی ہے۔ ہاؤن ہوا سے جہاں لوگ زبردستی بھیجے جاتے ہیں مگر وہ

اپنی مرضی سے دوزخ میں آگئی تھی۔

چو کوکر کا چوتھا کونا ”پرفیکشن“ کے عذاب کو بھگتنے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ آگے پیچھے، دائیں بائیں۔ ہر طرف ایک ایسا بونہا تھا جس پر ایک قدم اسے کسی ایسے شکنجے میں گرفتار کر دیتا جس سے وہ ساری عمر آزاد نہیں ہو سکتی تھی۔ اسے ایسا لگ رہا تھا۔ اسے خوش نہیں تھی۔ وہ اب بھی جس جگہ کھڑی تھی۔ وہ اسی جال کی زد میں تھی۔

سانے بیٹھا ہوا شخص اب بھی اتنا ہی خوبصورت تھا۔ جتنا اسے پہلے دن لگا تھا۔ اس کے پھولوں کی مہک اب بھی اتنی ہی مہکور کن تھی۔ اس کا ذہن اب بھی ماؤف تھا۔ روشنی..... روشنی کہاں تھی؟ اندھیرا..... اندھیرا کہاں تھا؟

ہے لو زندگی، زندگی نور ہے

مگر اس میں جلنے کا دستور ہے

روایت ہے کہ زندگی گہنا ہے

یہ ہیرا ہے اور چانتے رہتا ہے

کوئی کہتا ہے اس کو باد صبا جو سب کچھ اڑادے

یہ ہے وہ ہوا، اجالے اگلتی ہوئی سحر ہے۔

یہ تن کو نگھتی ہوئی لہر ہے

ہے لو زندگی، یہ سبزہ جگاتا ہوا آب ہے

یہ پچھلے پہر کا کوئی خواب ہے۔

ہے لو زندگی، ہے لو زندگی

## پانچواں باب

صیغہ کا دوہنی کے ساتھ یہ اس کی آغوش ملاقات تھی، جس میں اس نے اس سے اپنی محبت کا اظہار کیا۔ رومل کم از کم اس کے لیے انتہائی حیران کن تھا۔ وہ اس کے جھلنے پر ٹھکڑا کر ہنس پڑی اور پھر دیر تک ہنستی رہی۔ اسے کچھ جگ کا احساس ہوا لیکن سامنے بیٹھی ہوئی عورت کے گالوں میں پڑتے ہوئے ڈھیل، لمبی گردن سے نکلنے والی ہنسی اور گالوں کے آویزے اور چہرے کی سرخ ہوتی ہوئی رنگت نے اس احساس کو گہرا ہونے نہیں دیا۔

وہ صرف ایک طویل سانس لے کر رو گیا۔ وہ دونوں اس وقت ایک قانعہ اشارہ ہونے کے ڈانٹک ہال میں بیٹھے ہوئے

تھے۔

”باتوں میں تمہارا کوئی جواب نہیں ہے۔“ صیغہ نے اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

وہ اب اپنے پرس سے ایک چھوٹا سا آئینہ نکال کر اپنی لپ اسٹیک ٹیک کر رہی تھی۔

”اس میں اس طرح ہنسنے والی تو کوئی بات نہیں تھی۔ میں نے تم سے حقیقت کا اعتراف کیا ہے۔“

وہ اس کی بات پر مسکراتے ہوئے اپنے پرس کو بند کرنے لگی۔

”تمہیں یہ سب کچھ صرف باتیں کیوں لگتا ہے؟“ اس نے کچھ حیلے لہجے میں اس سے پوچھا۔

”کیونکہ مجھ سے ملنے والا ہر مرد مجھ سے یہی کہتا ہے جو تم نے چند لمحے پہلے کہا اور تقریباً ان ہی لفظوں میں جن میں تم نے

کہا۔ بعض دفعہ مجھے لگتا ہے، اس دنیا میں مرد کو محبت کرنے کے علاوہ اور کوئی کام ہی نہیں ہے۔ اور وہ بھی صیغہ کا دوہنی سے۔“ وہ

ایک بار بھر ہنسنے لگی۔

”شاید آج تم ہر بات کو مذاق میں اڑانے کے سوا کچھ نہیں ہو؟“ وہ سنجیدہ ہو گیا۔

”ضروری تو نہیں ہے کہ ہر مرد تم سے جھوٹ ہی بولتا ہو۔“

”مرد محبت کر ہی نہیں سکتا صاحب۔۔۔ یہ چیز اس کے خیر میں نہیں ہیں محبت صرف عورت کی صفت ہے۔ وہی کرتی

ہے۔ وہی کر سکتی ہے۔“

صیغہ کا دوہنی کے چہرے سے ایک دم مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔ وہ اب اپنے دائیں ہاتھ میں جام پکڑے اس میں موجود

شراب کے پلکے پلکے سب لے رہی تھی۔

”پھر قبہ لگانے کو دل کیوں نہ پائے۔“

”اتنی خود پسندی اچھی نہیں ہے۔“ اس نے کرسی کی پشت سے ہلکے لگاتے ہوئے کہا۔ ”بقول تمہارے مرد محبت نہیں کر سکتا

تو تاج گل کیوں بنا دیتا ہے۔“ اس نے کچھ چپچپے ہوئے لہجے میں صیغہ سے پوچھا۔

”تاج گل بنا دیا اس نے۔۔۔ تاج تو نہیں چھوڑا۔۔۔ حرم بھی آباد رکھا۔۔۔ کہا بادشاہ اور کیا اس کی محبت۔“

”چلو بادشاہ کی بات نہیں کرتے تم رومانی داستانوں پر آ جاؤ۔۔۔ یہ فریاد، بھون، رانچھا کون تھے یہ سب یہ مرد

نہیں تھے؟

"یہ بھی کہتے ہو کہ کہانی ہے پھر یہ بھی کہتے ہو کہ حقیقت مان لوں۔ مرد کو محبت کا ثبوت دینے کے لیے کہنا ہوا ہے  
حوالے دینے کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ عورت تو کہانیوں کے حوالے نہیں دیتی۔ وہ بیٹا لہنا بات کرتی ہے۔ کسی بھی  
سوانحی کو بیچ میں نہیں لاتی۔" میسر اس کے چہرے پر نظریں جمائے کبہری تھی۔  
"میں پھر بھی یہ کہتا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے۔ تم میری زندگی میں آنے والی سب ترین عورت ہو۔" اس نے  
اسرار کیا۔ وہ کچھ دیر خاموشی سے سکرانی رہی۔

"پلو پلو دیکھتے ہیں کہ تم میرے لیے کیا کر سکتے ہو۔"

"ہاں ضرور۔ آڑنا، چاہتی ہو تو ضرور آڑنا۔ کچھ بھی مانگ لو۔ اگر وہ جی اس دنیا میں ہے تو میں تمہارے لیے سب  
آؤں گا، ہاں شرط صرف یہ ہے وہ میری دستزن میں ہو۔"

"واقعی؟"

"ہاں بالکل۔ تم کہہ کر تو دیکھو۔" میسر کی سکرانہٹ گہری ہو گئی۔

"ٹھیک ہے پلو دیکھ لینے ہیں آج، کہ مرد واقعی محبت کر سکتا ہے یا نہیں۔" وہ اب نخیل پر چڑھا ہوا وہی جام انگریزی تھی۔  
جام میں چڑھا ہوا پانی ماندہ شراب اس نے پئے ایمینٹان کے ساتھ دوسرے جام سے میں انڈیل دیا۔  
وہ حیرانی سے اس کی حرکات دیکھ رہا تھا۔ وہ اب جام کے اوپری کناروں کو نخیل کے ایک کونے سے ٹکراتے ہوئے تیز  
رہی تھی۔

"یہ کبہری ہو تم؟" وہ چپ نہیں رہ سکا۔ وہ اب کنارے تو زبجی تھی۔

"کچھ نہیں۔ میں اس فونے ہوئے جام سے تمہارے میز پر رکھے ہوئے ہاتھ پر ایک وار کروں گی۔ اگر تم نے اپنا ہاتھ  
میں سے نہیں اٹھایا تو میں تمہاری محبت پر ایمان لے آؤں گی۔"

وہ نورا ہوا جام ہاتھ میں لیے کبہری تھی۔



اس وہ پھر پہلی بار اپنے گھر میں داخل ہوتے ہوئے وہ غائب ومانی کے عالم میں تھی۔ پہلی دفعہ اسے اس گھر سے غرت  
ہو رہی تھی جہاں وہ پیدھا ہوئی تھی۔ پہلی بار وہاں موجود سارے لوگ اسے اپنے دشمن لگ رہے تھے۔ پہلی بار اسے احساس ہو رہا تھا  
کہ اس نے خود کو چوک میں مڑا کر دیا ہے۔ عافیت کہاں تھی۔ ایمان کہاں تھی؟ ہاروں کے پاس؟ اپنے گھر میں؟ کہاں...؟  
ہاروں کے چتر تھنے پیلے کپے گئے لٹقا، اسے حقیقت کی خاردار داوی میں لے آئے تھے اور اب پہلی بار وہ اپنے بیروں  
کے نیچے آنے والے کانٹوں کی چھین کو محسوس کر رہی تھی۔

چند گھنٹوں کے اندر اندر اس کے لیے زندگی کا منہم بدل گیا تھا، سب کچھ بدل گیا تھا۔ اسے اپنے گھر میں نظر آنے  
والے کسی چہرے سے کوئی انس محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ ماں، بھائی، بھانجی، بھتیجے، بھتیجیاں، اسے ہر رشتہ کٹر میں پہنچا ہوا لگ رہا تھا۔  
"میرنی طبیعت خراب ہے اور میں سوچ چاہتی ہوں۔"

اس نے گھر آتے ہی بیوی ترشی سے امی سے کہا۔ اور سیدی می اپنے کمرے میں چلی گئی، سارا دن اپنے کمرے میں بند  
رہی۔

ایک دن دوکان کا بی بھی نہیں گئی۔

"تصیبن آخرا ب نیا پویشنی ہے؟ پہلے تو ہاروں سے شادی کا مسئلہ تھا۔ اب تو وہ بھی مل ہو گیا ہے۔ ہم نے تمہاری بات  
مان لی ہے۔ پھر تم اس طرف مت سر پلینٹ کر سارا سارا دن کمرے میں کیوں پڑی رہتی ہو؟"

وہ ان کے بعد اس کی امی کو تشویش ہوئی تو انہوں نے پوچھا اسے ان کی چھان بین کر رہی تھی۔

”آپ نے میری بات مان کر مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا۔ یہ میرا حق تھا جسے آپ نے مانا ہے۔ اور کیا خاص کیا ہے آپ نے؟“ اس کی امی جرنی سے اس کا منہ دیکھنے لگیں۔

”تمہارے نزدیک ہمارا رشتہ ہو جانا کوئی خاص بات ہی نہیں ہے؟“

”نہیں، میرے نزدیک یہ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ آپ کون سا خوشی اور آسانی سے اس رشتہ پر رضامند ہو گئے ہیں۔ کسی ماہ سے آپ نے مجھے مذہب میں جھلا کیے رکھا ہے اور اب تک آپ مجھے مسلسل تکلیف ہی دے رہے ہیں۔“

”کیا تکلیف دے رہے ہیں ہم جنس؟“

”مجھ سے مت پرہیز، اپنے آپ سے پرہیز۔ تمنا بنا کر رکھ دیا ہے آپ نے میری پوری زندگی کو۔“ وہ ایک دم بلند آواز میں بولنے لگی۔

”ہم نے تمنا بنا لیا ہے جنس؟“ اس کی امی بکا بکا ہو کر اسے دیکھنے لگیں۔ ”یا پھر تم نے تمنا بنا لیا ہے جنس؟“

”آپ نے تمنا بنا لیا ہے مجھے۔ آپ کی ضد نے، آپ کے جھوٹے اصولوں نے۔ آپ لوگوں کی نام نہاد پارٹائی نے۔ آپ کے مذہب کے ذمہ داروں نے۔ آپ لوگ ساری عمر اپنی اولاد کو اپنی منگی میں رکھنا چاہتے ہیں۔ اولاد اپنی مرضی سے بکری نہ کرے، بیٹہ وہی کرتی رہے جو آپ کی خواہش ہو۔ اپنی اخلاقیات کی سلیب پر مضبوط کر دیتے ہیں اپنی اولاد کو۔“ وہ لاشعوری طور پر وہی کچھ کہہ رہی تھی جو ہارون نے اس سے کہا تھا۔

”وہ لاشعوری طور پر اپنے ماں باپ کو اپنی نظر سے دیکھ رہی تھی، جس نظر سے ہارون اسے دکھانا چاہتا تھا۔ وہ اپنے ہر اقدام کی ذمہ داری کی ہٹ دھرمی اور ضد کو ظہور میں لگاتی تھی۔“

کی ذمہ داری کی ہٹ دھرمی اور ضد کو ظہور میں لگاتی تھی۔ نہ میں اس سے کورٹ میرج کرتی اور اس مصیبت میں نہ آپ لوگ ہارون کے پر پوزل کو اس طرح بار بار ٹھکراتے، نہ میں اس سے کورٹ میرج کرتی اور اس مصیبت میں نہ آپ لوگ ہارون کے خراب رویے کی وجہ سے ہارون اب اپنے ماں باپ کو میرے گھر بھیجنے سے کترا رہا ہے۔ صرف ان کے رویے کی وجہ سے۔ وہ بھی ٹھیک کر رہا ہے، آخر وہ بھی انسان ہے، اسے بھی تو قصہ آ رہا ہوگا اور پھر انکل کی بڑ سے بھائی ہونے کے باوجود میرے بابا نے بھی عزت نہیں کی۔ وہ اتنی بار میرے پر پوزل کے لیے یہاں آئے۔ ہر بار بابا نے اپنی سیدھی باتیں کہیں۔ اب اگر وہ یہاں آئے پر تیار نہیں ہیں تو ٹھیک ہی ہے۔ آخر وہ بھی کب تک بے عزتی کراتے۔ وہ دل ہی دل میں ہارون کی ہر بات سے اتفاق کر رہی تھیں اور اس وقت اپنی ماں سے گفتگو کرتے ہوئے بھی اس کے ذہن میں یہی باتیں گردش کر رہی تھیں۔

”تمہاری بات مان تو لی ہے ہم نے۔۔۔۔۔ کہہ تو رہے ہیں کہ تم ہارون سے کہو وہ اپنے ماں باپ کو بھیجے۔ ہم جنسی جلدی جنس یہاں سے رخصت کر دیں گے، ہمیں اتنی ہی خوشی ہوگی۔“ اس کی امی نے کھنی سے کہا۔

”ہارون کے گھر والے اب یہاں آنے کو تیار نہیں ہیں۔“

”کیا۔۔۔؟“ اس کی امی بکا بکا رہ گئیں۔

”ہاں، اب وہ یہاں آنے پر رضامند نہیں ہیں۔“

”اگر وہ یہاں آنے پر رضامند نہیں تھے تو پھر ہارون کو اس طرح تمہارے پیچھے چڑنے کی کیا ضرورت تھی۔ کیا اسے اس میں نہیں تھا کہ وہ ایک لٹلا کام کر رہا ہے؟“

”اس نے کوئی لٹلا کام نہیں کیا۔“

”اس نے تمہاری مٹھی تڑوا دی اور اب وہ اپنے ماں باپ کو یہاں بھیجنے پر بھی تیار نہیں ہے اور تم کہہ رہی ہو کہ اس نے کوئی لٹلا کام نہیں کیا۔ میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا، یہ شخص قائل اعتبار نہیں ہے۔“

”وہ شخص قائل اعتبار ہے۔ وہ اب بھی مجھ سے شادی کرنا چاہتا ہے مگر وہ یہ چاہتا ہے کہ اب آپ لوگ اس کے گھر جائیں اور رشتہ کی بات کریں۔“

”تہذیب و تمدن تو خراب نہیں ہو گیا۔“ امی بھڑک اٹھی۔

”تہذیب و تمدن بالکل ٹھیک ہے۔“

”بھی لڑکی والے لڑکے والوں کے گھر اس طرح پر پوزل لے کر جاتے ہیں۔“

”مجھے اس میں کوئی برائی نظر نہیں آتی۔“

”تم ان کے ہاتھوں کا ہتھیار بن چکی ہو۔“

”میں کسی کے ہاتھوں کا ہتھیار نہیں بنی، میں وہی کہہ رہی ہوں جو صحیح ہے، اگر وہ اتنی ہار ہمارے یہاں آ سکتے ہیں تو آپ

بھی وہاں جا سکتے ہیں۔“

”ہم وہاں تمہارا پر پوزل لے کر جائیں اور وہ کہیں کہ اب انہیں ہمارا پر پوزل قبول نہیں ہے تو کیا عزت وہ جانے گی

تھاری۔“

”میں نہیں ہوگا۔“

”ایسا کیوں نہیں ہوگا؟“

”ہاروں نے مجھے یقین دلایا ہے کہ آپ لوگ پر پوزل لے کر جائیں گے تو وہ پر پوزل قبول کر لیں گے۔“

”نہیں ہاروں پر یقین ہوگا، مجھے نہیں ہے۔ وہ اتنا تو بڑا اعتماد ہوتا تو تم سے یہ مطالبہ نہ کرتا۔“

”یہ مطالبہ اس نے نہیں کیا، اس کے والدین نے کیا ہے۔“

”وہ اپنے والدین کو سمجھا سکتا ہے۔ انہیں مجبور کر سکتا ہے۔“

”کیا میں آپ کو سمجھا سکتی ہوں۔ آپ کو مجبور کر سکتی ہوں؟ اگر یہ کام میں نہیں کر سکتی تو وہ کیسے کر سکتا ہے؟“

”تم نے مجبور تو کیا ہے، میں، تمہاری منگنی کا توڑا جانا اور ہاروں کے پر پوزل پر اعتراض نہ کرنا، کیا اس بات کا ثبوت

نہیں ہے کہ ہم تمہاری ہجرت سے مجبور ہوئے ہیں۔ پھر ہاروں اپنے ماں باپ کو یہاں آنے پر مجبور کیوں نہیں کر سکتا۔ تم لڑکی ہو کہ یہ

سب کر سکتی ہو تو وہ مرد ہو کر یہ سب کیوں نہیں کر سکتا۔“

”وہ مجبور ہے، اس کے ماں باپ اس کی بات نہیں مان رہے۔“

”پھر ایسے مجبور مرد سے شادی کرنے کی کیا ضرورت ہے۔ ابھی بھی ہم تمہارے لیے ہاروں سے بہتر شخص تلاش کر سکتے

ہیں۔“

”میرے لیے اب کوئی شخص بھی ہاروں سے بہتر نہیں ہو سکتا۔ نہ ہی میں اس کے علاوہ کسی دوسرے سے شادی کروں

گی۔“

”ٹھیک ہے تو پھر اس سے کہو وہ اپنے ماں باپ کو بھیجے۔“

”اس کے ماں باپ یہاں آنے پر رضامند....“ اس کی امی نے تجنی سے اس کی بات کاٹ دی۔

”اس کے ماں باپ یہاں آنے پر رضامند ہیں یا نہیں بہر حال ہم وہاں نہیں جائیں گے۔ میں کس منہ سے تمہارے

دہ سے یہ بات کہوں گی کہ وہ اپنی بیٹی کا رشتہ لے کر خود اس بیٹائی کے گھر جائیں، جسے وہ ساری عمر ہاپنڈ کرتے رہے ہیں۔ اور

خود میں کیسے تمہاری تائی کا سامنا کروں گی، جو پہلے ہی مجھے میری اولاد کی تربیت کے حوالے سے طعنے دے چکی ہے۔“

”آپ تو میری پروا نہیں ہے۔ نہ میری زندگی کی۔ نہ میری خوشی کی۔ آپ کو صرف اپنی عزت کی چڑی ہوئی

ہے۔“ وہ ان کی بات پر ہر طرف غصہ مچا رہی۔

”میری بدقسمتی یہ ہے کہ میں تمہاری ماں ہوں، چاہوں بھی تو اس رشتے سے انکار نہیں کر سکتی اور نہ ہی لوگ اس رشتے کو

ذرا ہٹا سکیں گے، کچھ میں چڑنے والا تمہارا ہر قدم چھینوں تو میرے دامن تک لے کر آئے گا۔ میں بچنے کی کوشش کروں بھی

نہ بھی نہیں ہی پاؤں گی۔ یہ سب چیزیں تم تب سمجھو گی جب تم خود ماں بنو گی اور اپنے بیٹے کی اولاد کا سامنا کرو گی۔“



”میں اپنی ملاوٹی زندگی آپ کی طرح بھی جنم نہیں ہاؤں گی۔ میں انہیں اپنی مرضی کے مطابق چلانے کی کوشش نہیں کروں گی۔ میں انہیں حق دوس کی کہ وہ جہاں چاہیں شادی کریں۔ میں آپ کی طرح ان کی گزروں میں اپنی ہند یا ہند کا ٹون نہیں اٹھوں گی۔“

اس کی امی اس کا منہ دیکھ کر رو گئی۔ شائستہ کے لہجے میں کہیں بھی انہیں اپنے لیے اپنا تیت یا شائستہ کی کوئی جھک نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہ مکمل طور پر ان سے بدگمان ہو چکی تھی۔

اس کی امی کچھ دیر تک خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہیں مگر کچھ کہے بغیر اٹھ کر اس کے کمرے سے چلی گئی۔

☆☆☆

اگلے تین دن وہ دونوں بچے اسی ہسپتال کے ایک ہی بیلر میں رہے۔ فاطمہ اسکول سے فارغ ہو کر ان کے پاس چلی جاتی۔ شہیر بھی ان کے ساتھ ہوتا وہ کچھ دیر وہاں گزارتی پھر واپس آ جاتی۔ اپنے پاس موجود رقم میں سے وہ ہسپتال کے بل ادا کر رہی تھی۔

پاپیس کے چند لوگوں نے بس اسی رات ہسپتال میں آ کر ان بچوں کے بارے میں کچھ پوچھ بچھ کی جس رات وہ انہیں وہاں لے کر آئی تھی۔ ”بہنسی“ کا معلوم عورت کے خلاف ایف آئی آر درج کرنے کے بعد وہ وہاں سے رخصت ہو گئے تھے۔

وہاں لے کر آئی تھی۔ ”جب یہ ٹھیک ہو جائیں تو دوبارہ ہم سے رابطہ قائم کریں۔“ فاطمہ سے خاصی لمبی چوڑی گفتگو کے بعد انہوں نے اسے

”جانتی ہے کہ وہ دوسرا بنا کر دے گی۔“

وہ ان بچوں کے پاس کچھ سمجھنے گزارنے کے بعد جب گھر آتی تو بھی اس کا ذہن ان ہی میں لٹکا ہوا ہوتا۔ مکملے میں سے اب پور کوئی ان بچوں کے پاس ہسپتال نہیں جاتا تھا۔ مگر مکھلے کی عورتوں کا تجسس ختم نہیں ہوا تھا۔

فاطمہ کے گھر واپس آنے کے بعد نیکے بعد دیگرے عورتیں مزید معلومات کے لیے اس کے پاس آتی رہیں۔

”ابھی زندہ ہیں؟“ وہ مایوسی سے کہتی ہوئی چلی جاتیں۔

فاطمہ حیرت سے انہیں جاتا ہوا دیکھتی رہتی، اسے اندازہ نہیں تھا کہ ان دونوں بچوں کا ”ابھی تک“ زندہ رہنا دوسرے لوگوں کے لیے کتنا شاکنگ تھا۔ وہ خود بھی ان کی زندگی کی خواہش مند نہیں تھی لیکن اس نے ان کے لیے موت کی دعا بھی نہیں کی تھی۔

(اس نے اپنے علاوہ زندگی میں کبھی کسی کے لیے موت کی دعا نہیں کی تھی اپنی تمام بدچراہی کے باوجود)

دوسروں سے بھی صرف یہی چاہتی تھی کہ اگر کوئی ان کے لیے زندگی کی دعا نہیں کر رہا تو موت کی دعا بھی نہ کرے۔ ان کی زندگی یا موت کا فیصلہ اللہ پر چھوڑ دیا جائے۔

عورتوں کی بہت سی باتیں اسے ناگوار لگتی تھیں، بعض باتیں اسے حیران کرتی تھیں تو بعض بیزار..... اور بعض سے اسے تمہن آتی تھی۔ اس کے باوجود وہ بڑی خندہ پیشانی کے ساتھ ان سب کو برداشت کر رہی تھی۔ اسے ساری عمر اب ہی مکھلے میں ان ہی لوگوں کے ساتھ رہنا تھا اور وہ وہاں ایک نارمل زندگی گزارنا چاہتی تھی، پہلے جیسی زندگی گزارنا نہیں چاہتی تھی۔ زندگی میں کبھی عمو کرین انسان کو گرتا نہیں کھڑا ہونا سکھاتی ہیں اور وہ بھی اب زندگی میں ایسی ہی عمو کروں کا سامنا کر رہی تھی۔

دبید مراد سے ملاقات نے جس عمل کا آغاز کیا تھا، وہ آہستہ آہستہ کسی گھر اس کے اندر بہت سی تبدیلیاں لا رہا تھا اور تبدیلیاں کا یہ سلسلہ دبید مراد کے جانے کے بعد بھی ختم نہیں ہوا۔ ان دو بچوں کا واقعہ اور اس کے بعد مکھلے کی باقی عورتوں کے ساتھ ہونے والے میل جول نے اسے زندگی کے ایسے پہلوؤں سے روشناس کر دیا شروع کیا تھا جن سے وہ پہلے واقف نہیں تھی۔

☆☆☆

سید کا ہاتھ اب انعام میں بلند ہو چکا تھا اس نے بے اختیار میز پر رکھے ہوئے اپنے دونوں ہاتھ اٹھا لیے۔ سید کا ہاتھ

پوری حالت سے نیچے آیا اور پھر اس نے بڑے پرسکون انداز میں وہ نوحہ بوجا جام نہیں پر رکھ دیا۔

"یہ ہے مرد کی محبت، اور اس کی حقیقت۔" وہ سرخ چہرے کے ساتھ اسے دیکھتا رہا، گفت اور شرمندگی کے علاوہ وہ اس وقت کچھ بھی محسوس نہیں کر رہا تھا۔

صبراً ایک بار پھر اپنی پلٹنک ٹھیک کر رہی تھی، اس کے چہرے پر کمال کا اطمینان تھا۔ وہ کئی اکھیوں سے جھک رہی تھی اس کی ٹھیلو پر بیٹھے لوگوں کو دیکھتا رہا شاید وہ دیکھنا چاہتا تھا کہ کوئی ان کی طرف متوجہ تو نہیں تھا۔ یہ دیکھ کر وہ قدرے پرسکون ہو گیا کہ اردگرد کی ٹھیلو پر بیٹھے لوگوں میں سے کوئی بھی ان کی طرف متوجہ نہیں تھا۔

"تم پاگل ہو۔" اس نے باخراہی گفت مٹانے کے لیے کہا۔ صبراً نے پلٹنک لگاتے ہوئے ایک لمحے کے لیے اپنا ہاتھ رد کیا۔

"پہلے میں صرف خوبصورت تھی۔ اب بقول تمہارے پاگل بھی ہوں۔ عورت اگر خوبصورت ہونے کے ساتھ پاگل بھی ہو تو اس سے محبت نہیں ہو جاتا ہے۔ تم حقیق ہو میری اس بات سے۔"

وہ جواب دینے کے بجائے صرف اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ اس کے ہونٹوں پر درقصاں مسکراہٹ قائل تھی۔ قائل مسکراہٹ کس کو کہتے تھے، وہ اس شام صبراً کا وہابی کے چہرے کو دیکھ کر جانا تھا۔

"کس نے کہا ہے یہ تم سے؟" صبراً کی بات کا جواب دینے کے بجائے اس نے ان اس سے سوال کیا۔

"جہاں نے۔" صبراً نے اپنے شوہر کا نام لیا وہ کچھ دیر اسے دیکھتا رہا پھر اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

"ٹھیک کہا اس نے۔" وہ اب اپنے جام میں پڑے شراب کا گھونٹ لے رہا تھا۔ چہرے کے تاثرات کو چھپانے کے لیے اسے اس وقت اس سے بتر کام اور کوئی نظر نہیں آیا تھا اور سامنے بیٹھی ہوئی عورت اس کی حالت سے محفوظ ہو رہی تھی۔

وہ اب ایک بار پھر اپنے ہونٹوں پر پلٹنک کی ایک اور تہ چڑھانے میں مصروف تھی یا کم از کم مصروف نظر آنے کی کوشش ضرور کر رہی تھی۔

"مرد کی محبت کو پرکھنے کا یہ ایک انتہائی بے ہودہ طریقہ ہے۔" اس نے ہاتھ میں چڑھا جام ٹھیل پر رکھے ہوئے کہا۔

"ہاں بے ہودہ ہے مگر اس سے زیادہ اچھا طریقہ اور کوئی نہیں۔" وہ پلٹنک بند کرتے ہوئے بولی۔

"جہاں کی محبت کو بھی کیا اسی طرح پرکھا قائم نے۔ اس سے شادی کرتے ہوئے۔" اس کے لہجے میں اس بار لاشعوری طور پر کچھ بھی اور گھڑا تھا۔

"نہیں۔" صبراً کا اطمینان ہنوز قائم تھا۔ "اس کی محبت کو پرکھنے کی ضرورت ہی نہیں پڑی۔"

"کیونکہ؟"

"کیونکہ اس نے کبھی مجھ سے محبت کا دعویٰ ہی نہیں کیا۔" سامنے بیٹھی ہوئی عورت خود عمل سے پیدل تھی یا اسے عمل سے پیدل کر دینا چاہتی تھی۔ وہ اندازہ نہیں کر سکا۔

"اسے محبت نہیں ہے تم سے؟"

"نہیں۔" جس روایتی سے پوچھا گیا، اسی برقی رفتار سے جواب آیا۔

"پھر تمہیں محبت ہوگی اس سے؟"

"نہیں۔"

"نہ تمہیں اس سے محبت ہے نہ اسے تم سے۔" کئی لمحوں تک بات ہے کہ تمہارے جیسی عورت کو ایسے عمل کے ساتھ زندگی گزارنی پڑے جسے تم سے محبت ہے نہ تم اس سے محبت کرتی ہو۔ اسے کیا کہنا چاہیے۔ بد قسمتی؟" نہیں حقیقت پسندی۔ "اس بار وہ اس کی بات پر بے اختیار بنا۔ اس کا تہہ صبراً کا وہابی کے اطمینان میں رتی بفرق نہیں لایا۔"

"عورت اور حقیقت پسندی؟ کیا مذاق ہے۔" میں نے اپنی حقیقت پسندی کی بات کی ہے۔" صبیحہ نے اسے دیکھتے ہوئے  
"میں نے عورت کو حقیقت پسند نہیں کہا۔ میں نے اپنی حقیقت پسندی کی بات کی ہے۔" صبیحہ نے اسے دیکھتے ہوئے

کہہ "کیوں۔ کیا تم عورت نہیں ہو؟"  
"کیسی ہوئی تھی۔ اب نہیں ہوں۔"

"اب کیا ہو؟"

"صبیحہ کا روٹی۔" اس نے ایک گہرا سانس لیا۔  
"ساتنے بیٹی ہوئی عورت کے بارے میں اگر یہ کہا جاتا تھا کہ وہ کچھ میں نہ آنے والی چیز ہے تو ٹھیک ہی کہا جاتا تھا۔ اور  
کچھ میں نہ آنے کے باوجود اسے ہاتھ کی پھٹی پر رکھ لینے کو دل چاہتا تھا۔  
"جدون نے شادی حقیقت پسندی کیسے ہوئی؟" وہ پھر پہلے موضوع پر آ گیا۔  
"ہم دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت تھی۔ مجھے ایک شوہر کی۔ ایک نام کی جو مجھے مستر کر دے۔ جدون کو ایک  
خبر عورت ہوئی چاہیے تھی جسے وہ سہانگی میں استعمال کر سکے۔ اس لیے ہم دونوں نے ایک دوسرے کے ساتھ شادی کر لی۔  
اسے حقیقت پسندی کے علاوہ اور کیا کہا جاسکتا ہے۔" وہ مسکراتے ہوئے اسے بتا رہی تھی۔  
"کوئی زیادہ مناسب ذیل نہیں کی تم نے..... جدون تمہاری منزل نہیں ہو سکتا۔" اس نے شروب کے گھونٹ لیتے ہوئے

کہا۔ "منزل کس کو چاہیے۔ یہ تو جس زندگی گزارنے کا سامان ہے۔ جدون، تم، یا کوئی بھی اور۔" وہ جام ہونٹوں کے  
پانی تلے ڈالتے رک گیا۔ وہ عورت سٹاکی کی حد تک صاف گونجی۔  
"میں بھی۔" اسے جیسے یقین نہیں آیا کہ صبیحہ کا دوانی نے اس تبصرے میں اس کو شامل کیا تھا۔  
"بہت کم عورتیں تھیں جنہوں نے اس کی مردانگی کو اس طرح غٹیس پہنچائی تھی، جس طرح ساتنے بیٹی ہوئی عورت پہنچا رہی  
تھی۔ اور وہ انداز نہیں کر پار ہاتھ کر اسے یہ سب برا لگ رہا تھا یا اچھا۔  
"ہاں تم بھی۔ آخر تم میں ایسی کیا خاص بات ہے کہ تم اس فہرست میں شامل نہیں ہو سکتے۔" وہ اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

پھر اس کے چہرے پر ایک مسکراہٹ نمودار ہوئی، یوں جیسے وہ اس کی بات سے محفوظ ہوا ہو۔

"مجھے تم جیسی عورتیں اچھی لگتی ہیں۔" اس نے گہری مسکراہٹ کے ساتھ جام کو ایک بار پھر ہونٹوں سے لگا لیا۔

"عورتیں۔؟" صبیحہ کا دوانی نے بڑے معنی خیز انداز میں نظر پر زور دیتے ہوئے دہرایا۔ اس کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔

جام بچل پر رکھتے ہوئے اس نے صبیحہ سے کہا۔

"عورت۔۔۔"

"گن ہی عورت۔۔۔؟ وہ جو تمہاری بیوی ہے؟" صبیحہ نے کچھ انجان بنتے ہوئے کہا، وہ کچھ سوچنے لگا۔

"ہاں اور بھی۔۔۔" صبیحہ نے اس بار اس کی بات کا ٹ دیا۔

"اچھی بات کر رہے تھے تم مرد اور عورت کی محبت کی۔ یہی فرق ہوتا ہے دونوں میں۔ عورت کی محبت میں کوئی "بھی" نہیں  
ہے۔ مرد کی محبت میں بہت سارے "بھی" ہوتے ہیں۔" اس بار پہلی بار اس نے صبیحہ کی آواز میں ہلکی سی ترشی اور کئی محسوس کی۔  
"چند لوگوں کے لیے کچھ بول نہیں سکا، کسی ایسے شخص کے ساتھ بات کرنا بہت مشکل ہوتا ہے جو کسی کو بھی چنگیوں میں  
ڈالنے کے نئے سے واقف ہو اور اس نے اپنے دل میں اعتراف کیا کہ ساتنے بیٹی ہوئی عورت اس فن میں خالق تھی۔  
"تجربہ کچھ میں یہ بات نہیں آتی کہ مرد در بات میں محبت کہاں سے لے آتا ہے۔" وہ بول رہی تھی۔ "ابھی خاصے تم

اور میں بیٹے انجوائے کر رہے ہیں۔ ایک شاندار ہوئی کا شاندار کھانا، خوبصورت ماحول، دل کو چھونے والی موسیقی۔ اب محبت کہاں سے آئی یہاں۔ مگر مرد ضرور کہے گا "مجھے تم سے محبت ہے۔ تم میں کوئی خاص بات ہے۔ تم ایک مختلف عورت ہو۔" اب فقط آوازوں میں مختلف بیٹے دہرا رہی تھی۔

"تم دو دنیا کی سب سے خوبصورت عورت ہو۔ میں نہیں پہلی نظر دیکھتے ہی تمہاری محبت میں گرفتار ہو گیا تھا۔ تمہارے جسم میں تمہارے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ تم میری زندگی ہو۔ میں تمہیں پہلی نظر دیکھتے ہی تمہاری محبت میں گرفتار ہو گیا تھا۔ تمہارے جسم میں دہرا کوئی بھی نہیں ہے۔ میری زندگی میں بھی تم جیسی عورت نہیں آئی۔ وغیرہ۔۔۔ وغیرہ۔۔۔ کسی عورت سے تصقات بڑھانے کا کس قدر فخر و کمان طریقہ ہے یہ کہ اسے محبت کا جھاندا دینا شروع کر دیا جائے۔"

وہ بالکل ساکت بیٹھا اسے سن رہا تھا۔ میوہ کا دوانی کو دوسروں کے بیٹے اور بھرنے میں کمال حاصل تھا۔ پہلے اس نے یہ بات دوسروں سے سنی تھی۔ آج وہ اپنے سامنے دیکھ رہا تھا۔

"اس ساری "بکواس" کے بغیر بھی تو عورت اور مرد اکٹھے بیٹھ کر کھانا کھا سکتے ہیں۔۔۔ کبھی کبھی ہیں۔ ظلم و کجی سے ہیں۔ فون پر بات کر سکتے ہیں۔۔۔ کون تمہارا کیا خیال ہے؟" وہ اب بڑی معصومیت اور ملاکت کے ساتھ اس سے بات چینی کر رہی تھی۔

وہ اپنا کوئی خیال تاننے کے قابل نہیں رہا تھا۔ کچھ دیر خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتے رہنے کے بعد اس نے اپنا کھانا صاف کرتے ہوئے کہا۔

"تم واقعی میری رائے جانتا چاہتی ہو؟"

"ہاں، میں واقعی تمہاری رائے جانتا چاہتی ہوں۔"

"تم فطرت سے جگ کر رہی ہو۔"

"فطرت۔۔۔؟" اس کی بات پر میوہ کا دوانی نے طہریہ انداز میں اپنے اہم دہرا چکاتے ہوئے کہا۔

"فطرت۔۔۔ میں لذت سمجھتی ہوں فطرت پر۔" وہ اب لا پرواہی سے اپنی ایک لٹ کے ساتھ کھیل رہی تھی۔

"تو پھر ہم دونوں یہاں کون بیٹھے ہیں۔ تم اپنے شوہر کے ساتھ۔۔۔ اور میں اپنی بیوی کے ساتھ کون نہیں ہوں؟" اس نے کچھ ہوا میں ہوتے ہوئے میوہ سے کہا۔

"تم واقعی اپنے اس سوال کا جواب چاہتے ہو؟" میوہ نے بڑی ادا کے ساتھ کہا۔

"سوال جواب حاصل کرنے کے لیے ہی کیے جاتے ہیں۔"

"تو پھر سنو۔۔۔" وہ ایک دم اپنے بالوں کی لٹ چھوڑ کر نیکل پر کھپکھپا رکھ کر کچھ آگے بڑھ آئی۔ "تمہیں اور مجھے اپنا اپنی ضرورتیں اس نیکل پر ملے آئی ہیں۔ میں تم سے تھوڑی دیر پہلے کہہ رہی تھی تاکہ میری اور جدون کی شادی ضرورت کی شادی ہے۔۔۔ اسی طرح اس نیکل پر تمہارا اور میرا کھانا بیٹھا بھی ویسا ہی تعلق ہے۔ ہم کچھ چیزوں کا تبادلہ کرنے بیٹھے ہیں۔ کچھ تمہارا کچھ میرا۔ اس سے زیادہ کیا ہے ہمارے درمیان۔ اور تم اس سوادے میں پیر استعمال کرنے کے بجائے محبت کے لفظوں کا ذخیرہ پیش کر رہے ہو۔ بازار میں کھڑے ہو کر سسوں کے بجائے لفظوں سے اپنی پسند کی چیز خریدنا چاہتے ہو۔۔۔ تم اس قدر نامور بزنس من ہیں۔ میں یہ تو نہیں کہوں گی کہ تمہیں بزنس کرنا نہیں آتا۔ ہاں مگر یہ ضرور کہوں گی کہ تم غلط جگہ پر غلط شخص کے ساتھ غلط لین دین کر رہے ہو۔ میرے ساتھ تصقات بڑھانے کے لیے تمہیں مجھے اپنی محبت کا یقین دلانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ایسے لفظوں کے بغیر بھی میں تمہارے ساتھ کسی بھی وقت ایسی کسی جگہ کھانا کھانے اور آنے کو تیار ہوں۔"

"تمہیں بڑھانے کا اگر میں تم سے محبت کا اظہار کروں گا؟" اس نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

"ہا۔۔۔؟" وہ ہنس کر آئی ہے ایسے مردوں سے جو ہر دوسری عورت کے ساتھ اظہار محبت کر رہے ہوتے ہیں۔

"جدون سے تم نہیں کہیں آئی تمہیں؟" وہ بھی ہر دوسری عورت سے اظہار محبت کرتا پھرتا ہے۔ اس نے کچھ برامان کر کہا۔

"جس دن وہ مجھ سے انکھار محبت کرے گا، اس دن مجھے اس سے بھی من آنے لگے گی۔"

"سب کچھ جو تم مجھ سے کہہ رہی ہو، سبھی جہاں سے کہا ہے؟"

"شرارت نہیں پڑی۔" وہ اپنے سامنے رکھے ہوئے کینڈل اشینڈ پر نظریں جمائے ہوئی۔

"سیدھو کا روانی اچھے سے شادی کرو گی؟" وہ ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے بولا۔

"وہ چوٹے انڈر سے دیکھنے کی ایک نظر اس پر ڈال کر وہ ایک بار پھر اسی کینڈل اشینڈ کی طرف متوجہ ہو گئیں

"تم سے کچھ بچھا ہے میں نے؟" اس کی خاموشی اسے ناگوار گزری۔

"تم میں ایسا کیا ہے کہ تم سے شادی کی جائے؟" اس بار سیدھو کے لہجے میں خشکی تھی۔ اس نے ایک طویل سانس لیا۔

"تم پہلی عورت ہو جسے میں کچھ بھی نظر نہیں آ رہا۔"

"اور یہ جتنی پریشان کر رہی ہے۔ تمہارے جذبات مجروح ہوئے ہوں گے۔ میں شریف عورت نہیں ہوں۔ مگر

"میں بھی بچھنے والی عورت بھی نہیں ہوں اور یہ جہاز تم سے برداشت نہیں ہو رہی۔" وہ اس کی بات پر ہنسا۔

"میں پھر کہوں گا کہ مجھے تم سے محبت ہے تو تمہیں مجھ سے گمن آنے لگے گی اور شاہد ملی بھی۔ مگر کج بی ہے کہ مجھے تم

"سیدھو نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کاٹنی۔

"میں مجھ پر عورت سے تمہیں محبت ہو جائے، اسے پر پوز کرنا تو تم اپنا فرض سمجھتے ہو۔۔۔۔۔ بانی دادے ایک دن میں یہ

کام اتنی دلد کرتے ہو؟"

"اس کا انکھار اس بات پر ہے کہ میں سیدھو کا روانی سے سختی پار ملتا ہوں۔" اس نے بر جھکی سے کہا۔

"میں چھا اور جہاں کا کیا کروں؟" سیدھو نے مظلوم ہوتے ہوئے کہا۔

"اس سے طلاق لے لو۔" اس نے ہنسی بھاتے ہی صل پیش کیا۔

"تم جانتے ہو، ایک ہفتے میں کتنے مرد مجھے پر پوز کرتے ہیں؟" سیدھو نے اسے جھٹاتے ہوئے کہا۔

"مگر تم میں کتنا کمال نہیں ہو گا۔" وہ مسکرایا۔

☆☆☆

پرتیب جوتے اور ساتویں دن ان بچوں کی حالت بہتر ہونا شروع ہو گئی اور اس نے پہلی بار انہیں آنکھیں کھولے اپنے

ہاتھوں کو دیکھنے کی کوشش کرتے دیکھا۔ نحیف و نزار وجود کے ساتھ وہ اپنی بڑی بڑی سیاہ آنکھوں کو پوری طرح کھولے اپنے ارد گرد

پتا نہیں کیا جہاں تلاش کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ قاطرہ انکی میز کے پاس کھڑی بہت دیر انہیں دیکھتی رہی۔ اسے ترس آ رہا تھا۔

پھر وہی ہو رہی تھی؟ آنسوں سے پورا ہوا تھا؟ یا تکلیف ہو رہی تھی۔ وہ یہ اندازہ کرنے سے قاصر تھی مگر وہ کچھ جب سے احساسات سے

وہ چار ضرور ہو رہی تھی۔

"اپنی اولاد کو کوڑے کے ڈمیر پر پھینک دینے کے لیے بہت بہت کی ضرورت ہوتی ہے اور وہ بھی اس صورت میں جب

وہ اولاد نہ ہوگی۔"

قاطرہ کو اپنا وجود کبھی بھی محسوس نہیں لگا تھا۔ وہ اپنے بارے میں جب بھی سوچتی، اسے اپنی خاموشی کے علاوہ کچھ بھی دکھائی

نہیں دیتا اور یہ خاموشی اور کیفی اس کے اندر دھواں بھر دیتی تھی۔

"مجھے دیا گیا ہے اللہ نے۔۔۔۔۔؟ سیاہ رنگت، کوئلے جیسی سیاہ رنگت۔" وہ کڑھنا شروع ہو جاتی۔ "چھوٹا۔۔۔۔۔ بھدے

نوش۔۔۔۔۔ بد صورت آنکھیں۔۔۔۔۔ نیز سے میز سے وائٹ، اور ہاتھ کی مفذوری۔" اس کی آنکھوں میں آنسو آنے لگتے۔ "ہر بری

چہن کر میرے مقدر میں لکھ دی اور اس کے بعد مجھے غربت اور بھوک بھی دے دی۔ مجھے اس گھر میں اتار دیا جہاں میرے لیے

مدتی ہی نہیں تھا۔ جہاں میری ضرورت تک نہیں تھی۔ ایک بوجھ بنا کر مجھے لوگوں پر مسلط کر دیا۔ تاکہ میں ان کی چھٹی نظروں کا

نشان بنوں، ان کی فحاشت آ میر ہنسی کی آواز ہمیشہ میرے کانوں کو چھیدتی رہے، ان کے طفر اور طعنوں کے نشتر ہمیشہ میرے وجود

زندگی نرتے رہیں۔ ان کا وجود جتنے تک۔  
 "مجھے بتاتے ہوئے خدا کو مجھ پر رحم نہیں آیا ہوگا۔ اگر آتا تو وہ خامیوں اور کمیوں کا موقع بنا کر زمین پر نہا کرتا۔" آپ نے  
 انہ نے یہ سب میرے ساتھ ہی کیوں کیا ہے۔ اوروں کے ساتھ کیوں نہیں کیا۔ لوگ آخر مجھ پر کیوں نہ نہیں، اہم سمجھتا ہے کہ  
 خودی مجھ پر بنتا ہو۔" وہ الکی ہاتھ مچھنے پر آتی تو سوتھی ہی چلی جاتی اور پھر اس کی فرسٹیشن اور ڈپریشن کے ایک سنگے سے  
 آواز دہرا۔

ان وقت ان بچوں کی سفید رچت، جیسے خوش، خوبصورت آنکھیں اور ہر لحاظ سے مکمل وجود پر نظر دہراتے ہوئے سوتھی  
 رہی تھی کہ ان میں الکی کن سی کی تھی جو انہیں ایک نرم اور آرام دہ سبز اور ماں کی گود کے بجائے زندگی کے ڈبیر پر لے آئی تھی۔  
 "کم از کم مجھے گڑے پر نہیں پھینکا گیا تھا۔ کم از کم میرے عقو میں گڑے کے ڈبیر پر پڑا ہونا نہیں تھا۔ اپنی ساری برصورتی اور  
 خامیوں کے باوجود مجھے ایک گھر میں پیدا کیا گیا۔ ماں باپ کے نام اور وجود کے ساتھ۔ ایک صحت کے لیے۔  
 کسی نے مجھے ان بچوں کی طرح۔" وہ سوتھی جا رہی تھی۔

"اور اب جب ان کی حالت ٹھیک ہو رہی ہے اور یہ آہستہ آہستہ بالکل صحت یاب ہو جائیں گے تو کیا ہوگا یہ بچوں  
 جائیں گے؟ کسی تجربے خانے میں بہت سے دوسرے بچوں کے ساتھ۔ ان ہی کی طرح کے بہت سے دوسرے بچوں کے  
 ساتھ۔ کبھی زندگی نہیں گئے۔ ہاپنے مکمل وجود اور ہر خوبی کے ساتھ۔ عروا، ذلت اور محتاجی کی۔۔۔ کھڑے وطنوں اور  
 حکارت کی۔ بہت سے عروا کی۔ یا ہرجے سے عروا کی۔ ایک دو گھنٹے کے لیے نہیں۔ دن کے لیے نہیں۔ بہتوں کے لیے نہیں۔  
 مہینوں کے لیے نہیں۔ ماٹوں کے لیے نہیں، ساری زندگی کے لیے۔ ایک ایک لمحے کے لیے، ایک ایک ساعت کے لیے۔

آئی

آئی

آئی

ایک سوال

میں بھلا کون ہوں؟

کیا ہے میرا جواز؟

یاد رکھتا ہے کیا؟

بھول جاتا ہے کیا؟

کون بتائے گا؟

کس سے مانگن جواب؟

دھندلی گھڑاں میں کھوئی رہوں کب تک؟

پچھے دیکھوں یا آگے میں بڑھتی رہوں؟

ہے کہاں روشنی؟

ہے کہاں روشنی؟

آئی!

آئی!

آئی!

سہ ماہی خوش قسمتی تھی، اسے حلقہ نہیں ملی تھی۔ صرف یہ ہوا تھا کہ غنیمت نے مصباح کی پیدائش کے دو ماہ کے بعد دوسری

شادی کر لی تھی۔۔۔ نکتہ سے تہہ و بالا کیا تھا کہ وہ اپنے ماں باپ کے مہر ہی رہے اور اپنی بیٹیوں کو بھی اپنے پاؤں رکھے کیونکہ کلمہ

ایک وقت میں صرف ایک بیٹی اور مہر کے اطرافات چلا سکتا تھا۔ اور وہ بیٹی وہ اپنے مہر کا چکا تھا۔

ساتھ اب بیٹی نہیں رہی تھی۔ وہ اب صرف چار بیٹیوں کی ماں تھی۔ چار بیٹیوں کی ماں یعنی تو کیا انہی دفعہ عورت بھی نہیں رہتی۔۔۔ نکتہ کی عورت نہیں رہی تھی۔

انہی پر صرف یہ حیثیت کی تھی کہ اسے علاقہ نہیں دئی گئی تھی۔ یہ ایسا انسان تھا جسے وہ ساری عمر نہیں اتار سکتی تھی۔

نکتہ کی "ملا طرفی" اور "مہم" کی اس سے بڑی مثال اور ثبوت کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔

عورت کو کھانے کے لیے خوراک، پینے کے لیے لبان، سر پر تھمت اور دوسری ضروریات کے لیے بیٹیوں کی ضرورت

کہاں ہوتی ہے۔ اس کے لیے تو اس کو اپنی کافی ہے کہ اس کے نام کے ساتھ اس مرد کا ہر منسلک رہے جس کو اس کا ٹھیکہ دیا

گیا ہے۔ ساتھ کوئی بس یہی نکتہ دے دی گئی تھی۔

گیا ہے۔ ساتھ کوئی بس یہی نکتہ دے دی گئی تھی۔

چاہوں بیٹیوں اور اپنے لیے کسی "مقدور" کو اسے خود تلاش کرنا تھا اور یہ تلاش اسے کائنات کے جنگل میں لے جانے والی

تھی۔ جو اسے لڑائی، دولت، مظلوم، خوار، اور وہ جانتی تھی اسے ہر چیز سے گزرتا ہے۔

اسے صبا سے نگر تھی۔ آخر چرچائی بیٹی سے نگر تھی۔ اور وہ کیا کیا جاسکتا تھا۔

کیا اس کے بجائے اللہ مجھے ایک بیٹا نہیں دے سکتا تھا۔ اور بیٹا نہ دیتا تو تم از کم اسے زندہ ہی نہ رکھتا۔ مجھے ایک

اور موقع مل جاتا۔ اس کا انہوں کسی طرح تمہوں سے ہی نہیں آ رہا تھا۔

تور: ساتھ

تور: ساتھ

تور: ساتھ

تور: ساتھ

تور: ساتھ

تور: ساتھ

تور: ساتھ

قہر زار زنی کو ان دو عورتوں کی قسمت پر رشک آیا بلکہ اس پر رشک حسد میں توہین ہونے لگا۔ وہ عورت اس کی بات پر ہنس رہی تھی اور ہنسنے ہنسنے میں نے اسے لگاتار اور بے تکلفی کے ساتھ میں میں اور لڑیہ عورتوں سے کال کو چھوڑا۔

قہر زار زنی کو اپنے دل کی دھڑکن بتائی ہوئی محسوس ہوئی اسے حسرت ہوئی کہ اس عورت کے ساتھ اس کی قہر زار عورت نے کیا کیا ہوگا۔

”یہ عورت میرے ساتھ ان طرف نہیں گوری ہو اور اس طرف نہیں تھمتے تو میں اس کو فریادی دینا سے رخصت ہو جاؤں گا۔“ اور پھر پڑ گیا۔

ان کی تحریز اب بھی ان کی دونوں پر مبنی ہوئی تھی۔ دانش غور پر کچھ اور جوڑے بھی تھمتے تھے عورتوں کی طرف پر مبنی تھی وہی عورت پر موزوں تھی۔

”تم لوگوں کو پتہ چلے گا۔“ اس نے دل سے دل میں اس کے روزانہ کو سراہا۔ خواہ عورتی کے ساتھ اس عورت میں اور بھی تھی۔ قہر زار زنی نے ان کی فکر کا اندازہ لگانے کی کوشش کی مگر ناکام رہا۔ اسے اپنا ہر اندازہ غلط لگ رہا تھا۔

ان وقت اس کا بھروسہ ان کے پاس آیا۔ قہر زار زنی اس عورت کو دیکھنے میں اس قدر محو تھی کہ اس نے شہان کو اپنے قریب آتے نہیں دیکھا۔

شہان نے قہر زار زنی سے قریب آتے ہی اس کی نظروں کا تعاقب کیا اور پھر ایک مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیل گئی۔ قہر زار زنی کی طرف اس کی توجہ اس لیے گمان تھی کہ وہ اسے دیکھ رہی تھی۔

قہر زار زنی نے جواب دیا تو اسے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ قہر زار زنی نے کچھ چونک کر شہان کو دیکھا جو سبق اپنے نظروں سے اٹھا رہا تھا۔ اس کی طرف شہان کی نگاہ دیکھنے لگی تھی۔ اس عورت کے بارے میں پوچھا۔

”تمہاری بات ہے کہ اتنا سوشل ہونے کے باوجود ابھی تک میرا اور اس کا سامنا نہیں ہوا نہیں۔“ اس کا تعارف سننے کے بعد قہر زار زنی نے جانتا ہوا ہے۔

”میرا سہارا یہ ہے کہ میرے عروسی حاس ہونا ہو کہ آپ دونوں یہاں ایک دوسرے سے ہیں۔“ شہان نے ہنسنے لگا۔

شہان نے آج بیک میں کہا۔ قہر زار زنی نے اس کی بات کا جواب ایک مسکراہٹ سے دیا اور ایک بار پھر ہاتھ میں پلا اسٹراب پینے لگا۔

وہ دونوں حکومت کا ایک اہم وزیر تھے اور ہر دو پر کی طرف اس کی سرگرمیوں اور تقریبات کی خبر سے خاصی حوصلہ تھی۔ اس کا تعلق عدالت سے تھا اور یہی بعد وہ رہے۔ وہ اب تک پانچ شادیوں کر چکا تھا۔ تین بیویاں اور دو طلاقی دے چکا تھا۔ جب کہ وہ پانچ بیویاں بھی ان کے ساتھ تھیں۔ اپنی تین حوائی کے خاٹے سے اس کا خاص شہرت رکھتا تھا اور اسے اس شہرت پر کوئی شرمندگی نہیں تھی۔

وہ خود بھی خاصی متاثر کن شخصیت تھا۔ نہ کہ وہ صرف ہونے میں خاصا مقبول تھا۔ اس کی یہ مقبولیت بہت سے دوسرے لوگوں کے ساتھ میں پتہ چلا رہی تھی۔ اس نے وہاں سے میں کہا جاتا تھا کہ جو عورت کسی کو بھی گھاس نہ ڈالتی ہو۔ وہ بھی قہر زار زنی سے محبت ہی نہیں کرتی تھی۔ اسے ہی بھی عورت اور شہرت میں اتارنے میں چند منٹ لگتے تھے اور اس کی پانچ شادیوں اور دو طلاقوں کا ذکر وہ بلا در باہمی ہی نہیں کرتی تھی۔ اس میں قہر زار زنی کو کبھی لے لیا۔ اور اس کی واحد سہارا اس کا مہرہ اور اس وقت تک بھی اس کے پاس یہاں کا وہاں کے لوگوں میں اس کی خاصی مہارت تھی۔

اس نے وہاں سے میں ایک جوان کی بات یہ بھی تھی کہ وہ ان میں عورتوں اور اس نے طلاق دینی تھی یا جن عورتوں کے ساتھ وہ اپنے مہرہ پر فخر کرتے رہے۔ بعد میں کچھ اور وہ ان میں سے بھی بھی گئی تھی۔ اس نے کہا۔ میں میں پہلے میں پانچ بیویاں سے سامنے میں بات نہیں کرتی تھی۔ وہ ان وقت سے وہاں کے جوانی میں پہلی باتیں دیکھ رہی تھیں۔ ان کے سامنے اس کے سامنے اور ابھی کسی



ہوئے۔ ان کو انسا نہ، قریشی زنی تھے، وہ سے میں چوہنہ پر بچھڑ گیا بھی تو وہ، قریشی زنی کی طرف رسنے سے وہ وہاں نہ  
 رہیں تھی تھیں۔ ان وقت ان سے بات کرنے سے وہ ان کو انسا نہ کہ وہ کسی شخص سے وہاں میں نہیں تھیں۔ وہ حدت سے باہر تھے۔

تو ہونے کے بعد بھی قریشی زنی کی محبت میں ہی طرف تھی تھیں جس طرف پیسے تھیں۔  
 نیک طرف ہونے کے بعد جو باقر شیخ زنی کا لکلا، اخلاقیات بہت جرب تھیں۔ وہ ان تمام عورتوں کی بہت عزت کرتا تھا  
 جس سے ان کی شادی تھی اور جتنے عرصہ یہ شادی رہتی وہ انہیں ساتھ ساتھ ان پر بھلے وقت ہر جب ان کی زندگی میں کوئی  
 اور بہت عزت آنے تھی تو وہ بڑے جذبات انداز میں پہلی عزت سے بیکھر کر اختیار کر لیتا۔ عورتوں سے کسی زمانے میں معمولی سی  
 بات سنانے کے لئے وہی کوئی بھی عزت سچی بھی اسے وہ اسے لیے پکارتی، وہ کسی خیر کے بغیر ان کی مدد نہ کرتا۔ چاہے یہ شادی چند  
 تھوڑی سی کی تھی نہ ہو۔

جس میں بیویوں کو وہ علاقوں سے پکا تو وہ ان میں سے وہ دوسری شادی کر چکی تھیں۔ اور ان کے باوجود وہ ان عورتوں سے  
 اپنے میں رہتے تھے۔ یہ صرف اس کا ان سے رابطہ تو بہت حد تک بہت پارہی ان دونوں بیویوں کے شوہروں کی جو مشکل میں وہ  
 کی تھی۔ یہ بھی کہ جس کی عزت ہوتے ہوئے کسی جنگ یا تو جین کے احساس سے وہ چار نہیں ہوتی تھی۔  
 عزت بھی باقر شیخ زنی سے الگ ہوتے ہوئے کسی جنگ یا تو جین کے احساس سے وہ چار نہیں ہوتی تھی۔

اور ان وقت سامنے آنے پر تھیں کہ وہی خوبصورت عورت اس کی مرکز نکالی تھی۔  
 "اس طرف کرواؤ ہوں آپ دونوں کا۔" شہان نے یہ دم ڈانس فور کی طرف بلا کرنے کی کوشش کی۔ باقر شیخ زنی نے  
 اس طرف ہنس کر وہاں سے ایک ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔

جس پر ہنس کر وہاں سے ایک ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا۔  
 "یہ عورت تم سے مٹھوٹا ہو رہی ہے۔ اسے مٹھوٹا ہونے دو۔ میں اس کی تفریح کا فخر نہیں کرتا چاہتا۔ میں  
 اندر کر سکتا ہوں۔" شہان نے موٹی سے ہنسنے میں لیا۔

"جے ہر میں آپ کو کچھ اور لوگوں سے ملواتا ہوں۔ جب تک یہ دونوں ڈانس فور سے بچے اتر آئیں گے۔" شہان نے

ان سے کہا۔  
 باقر شیخ زنی نے پاس سے گزرتے ہوئے ڈیڑھی ٹوے میں خالی جگاس دیکھتے ہوئے کہا "ہاں یہ ٹھیک ہے۔ جب تک  
 ہفت کوئی طرف گزارا نہ چاہیے۔" وہ اس کے ساتھ کچھ فاصلے پر کھڑے لوگوں کے ایک گروپ کی طرف دیکھتے ہوئے بولا۔

\*\*\*

کچھ چند دن گھر میں یہ ہوتا رہا، وہ اندازہ نہیں کر سکی مگر گھر کی نڈ میں تو ذرا بڑھ چکا تھا۔ اس کی شادی شدہ و بیکس گھر آئی  
 تھی تھی۔ عورتوں کو ہلکے کے کہ میں ان لوگوں کا اجتناب ہوتا۔ وہ کیا لے کر بے سے یا کرنے کی کوشش کر رہے تھے۔ وہ نہیں  
 ہوتی۔ مگر یہ ضرور اندازہ لگا سکتی تھی کہ اس سارے بحث و مباحثے اور غور و فکر کا تعلق اس کی ذات سے ہے اور شائستہ و ان کی  
 پریشانی کی رہی مگر وہ نہیں تھی۔

چند دن بعد ایک دن امی نے اسے بتایا کہ وہ اور اس کے باپ اس شام بارون کے گھر جا رہے ہیں۔ ان کا دل بیہوش  
 پھینکا، ہنس نہیں ہو چکا تھا۔ وہ چند منٹ کے اندر اپنی ساری پریشانی بھول چکی تھی۔

ان کے والدین اس شام بارون کے گھر گئے اور وہاں پر اسے یہ پتا چل گیا تھا کہ بارون کے گھر والوں نے پر پول  
 فون لیا تھا۔ شائستہ نے سکون کا سانس لیا۔ وہ بے چینی اور اضطراب کے اس بخور سے باہر آ چکی تھی جس نے بچھے کچھ دنوں  
 سے اسے اپنے گرفت میں لیا ہوا تھا۔

ان رات بارون نے اسے فون کیا اور وہی بار شائستہ نے کسی خوف کے بغیر اس سے بات کی۔ وہ بے حد خوشوار ہو کر  
 فونوں سے معذرت کر رہا تھا۔ وہ معذرت نہ بھی کرتا، جب بھی شائستہ کے دل میں اس کے لیے کوئی برہمائی نہیں تھی۔ وہ  
 ان بہت زیادتیوں کے ساتھ خوشوار رہے۔ پھر جب اس نے فون بند کیا تو امی نے اس سے کہا "تم صرف

پندرہ دن تک میرا جو پندرہ دن کے بعد قرآن کے گھر چلی ہوئی۔ ان پندرہ دنوں میں ان گھر میں ہی روایات تو لکھ کر نہ  
 پڑھ کر نہ لکھ کر ہی ہے اب اور کتابت کروا پندرہ دن سے کہ اب پندرہ دن میں جس میں قرآن نہ  
 کرے۔ ان دنوں میں تو قرآن پندرہ دن کے گھر میں پڑھ کر کوئی اور شخص اس سے بات کرنے نہیں دے گا۔  
 اس نے خاموشی کے ساتھ اپنی امی کی بات کی اور ماں نے اس میں کسم کی سرشاری میں جتا بھی اس میں اس کو پتہ بھی ماں  
 کی تھی۔

نیک پندرہ دن کے بعد جانی سادگی کے ساتھ ہارون کے ساتھ ان کی شادی ہوئی۔ ہارون کے گھر والوں نے ذمہ  
 نبی چڑھی تقریبات کا اہتمام کیا تو۔ گھر شائستہ کے گھر والوں نے شادی کے علاوہ کسی تقریب کا اہتمام نہیں کیا اور شادی میں بھی  
 انہوں نے بہت زیادہ دنوں کو نہ گھس گیا۔

شائستہ کو اس بات کی زیادہ پروا نہیں تھی ان کے لیے اتنی ہی کافی تھی کہ وہ اس گھر سے نجات پانے میں کامیاب ہوئی  
 تھی۔ وہ ان احوال سے فرار حاصل کرنے میں کامیاب ہوئی تھی۔ وہ ہدائی کے ان بھنڈے خود آج پانے میں کامیاب ہوئی  
 تھی۔ جو اسے اپنی ہیبت میں بیٹے آیا تو۔

وہ دن کے ساتھ ان کے گھر میں منتقل ہوئی تھی۔ برج چھوٹے اپنے ماں میں آئی تھی۔ ہر شے اتنی ہی خوبصورت  
 تھی جتنی ان سے سوچا تو وہ ان کے گھر میں اتنی ہی منتقل ہوئی جتنی پہلے تھی۔ اس کی آنکھوں میں ان کے لیے وہی عینت تھی جو  
 پہلے تھی۔ اسے ہارون کے لیے اسی طور پر اہم کرنے والی بدگمانیوں پر ہنسی آنے لگی۔

”ہارون یقیناً بجز تین انسان ہے۔“ وہ سوچتی۔

بڑا بڑا بڑا

”اب آپ ان بچوں کو یہاں سے لے کر جاتی ہیں۔ یہ وہ بچے ہیں۔ تمہارے بہت ملان کی ضرورت ہے انہیں۔ لیکن  
 وہ آپ انہیں گھر لے کر نہیں کرنا سکتی ہیں۔“ پندرہ دن بعد انہوں نے فطرت سے کہا اور وہ اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔  
 ”میں گھر پر گھر آپ جانتے ہیں یہ میرے بچے نہیں ہیں۔“ وہ بھانٹی۔

”تو پھر آپ انہیں کسی غیر خانے کے حوالے کریں۔“ انہوں نے بڑے پریشانی سے کہا۔ ”انہیں نہ لے کر نہیں کسی جہازیت کے بغیر کہا۔  
 ”چونکہ آپ ہی انہیں یہاں لے کر آئی تھیں اور آپ ہی روزانہ ان کا حال احوال پوچھنے آ رہی ہیں، اس لیے مجھے آپ کو  
 ہی یہ سب بتانا تھا۔“

”غیر خانے؟“ وہ پوچھنے لگی۔

”یہ آپ ایسا کرتی کہ پاپس کو اطلاع کریں۔ وہ خود ہی انہیں اپنی سزا میں لے کر نہیں لے سکتیں بھجوا دیں گے۔“  
 ”انہوں نے ان کی دلچسپی دیکھتے ہوئے اسے مشورہ دیا۔

وہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی پھر اس کے جانے کے بعد ان نے ایک بار پھر اپنی نگران بچوں پر مرکز کرنی جو اب  
 بڑی بڑی انداز میں انہیں کھانے کی فہم کر رہے تھے۔ اس کے پاس گھڑا شہیر بھی اس کی طرف مسموم ہو کر ان دونوں بچوں کو  
 اپنے میں ممدانی تھا۔ ان دونوں بچوں کی نکات فہم سے زیادہ ان کے لیے دلچسپی کا باعث تھیں اور وہ روز بڑے شوق کے  
 ساتھ ان کو دیکھتا۔

”ہاں خڑے گا، انہیں دیکھتے ہوئے وہ تو قلمی زبان میں اس سے ان کے بارے میں بہت کچھ پوچھتا رہتا۔“ وہ اس گھر  
 کے ساتھ بھی ان کے پاس وہ مضمون وہی دنوں میں ہوتے۔ وہ وہ پارسی کی کسی طرف ان کا ذکر کرتا رہتا اور یہ سلسلہ  
 اتنے تک نہ جاتی رہتا۔ وہ شہیر کی ان بچوں میں دلچسپی کچھ تھی گھر والوں کے مستقبل کے بارے میں شش و پنج کا کار تھی۔  
 شہیر کی طرف دلچسپی ان دنوں سے وہیں ہو چکی تھی مگر یہ انہیں اب شہیر سے دوچار کر رہا تھا۔

”یہ میں انہیں دیکھنے میں لگاؤں؟“ یہاں انہیں پاپس نے کہا۔ ”کون؟“ کیا؟ کیا میں انہیں

ہاں میں نہیں اپنے پاس کیسے رکھ سکتی ہوں؟" میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے۔ تمہیں بچوں کی پرورش میں اپنے بچوں کی پرورش میں اور پرہیزگار بننے کے لیے بچوں کی پرورش تو میرے لیے نہیں شہیر خانے میں بھی دیکھا ہے۔ مگر پرہیزگاروں کی پرورش

ہو گی اور وہ بچے نہ بچے کا کھائی۔

وہ بچے اب مسکرا رہے تھے۔ اچھے اچھے سے بچوں نہ بچتے ہوتے۔ بچوں بچتے ہوتے۔ ان کے لیے فیصلہ مشکل نہ تھی

ہوئے ان کے لیے فیصلہ آسان کرتے ہوئے۔ اس کی انکی کو اپنے ہاتھوں کی گرفت میں لیے ہوئے۔ سب سے آواز نہ نکالتے

تو بچے کی جانتے ہوئے اپنی چنگ اور آٹھوں سے اپنی فوجی اسے سمجھوتے ہوئے، کیا مصیبت تھی کیا آسانی تھی

شہر میں عورتوں کو تو۔ وہ عمل طور پر افسر پر کاٹھڑی۔

کیا کرنا چاہیے؟ یہ نہیں کرنا چاہیے، زندگی میں واقعی کچھ نہیں نہ پانے کے باوجود کرنے پاتے ہیں۔ کچھ میں ہی نہیں

آتا ہے، لیکن اور کیسے ہر کسی نہیں اور مسئلے کا حل نہیں جانتے ہیں۔ پھر ہی چاہتے آئے، کچھ نہ بچے وہوں صورتوں میں کھڑی

تے ہوئے کا ہر بار سے ساتھ سمجھتی چلا آتا ہے۔ اس نے فیصلہ کر لیا تھا۔

☆ ☆ ☆

"میں انکس اپنے پاس رکھوں گی۔"

"آپ بہت اچھا تعز کرتی ہیں۔" آدمی مجھے بعد شہان نے ان عورت کے ہاتھ غور سے اترنے کے بعد

باقر شیرازی کا اس سے تعریف کر دیا۔

باقر شیرازی کو ایک لمبے لمبے کے بعد ایک عورت کے ساتھ کھڑا ہوا بہت مشکل لگ رہا تھا۔ دو دو ہاتھ غور پر جس

قد و صورت لگ رہی تھی۔ اب وہ قدم کے فاصلے پر کھڑی اس سے کہیں زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔

شہان تعریف کر رہا تھا۔ باقر شیرازی نے ایک گہرا سانس لے کر اپنے حواس پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے

اس سے کہا۔

"جنگ ہو۔" اس نے بہت مختصر جواب دیا، ایک دم باقر شیرازی کو احساس ہوا کہ یہ عورت اپنے محرور صنف مخالف

پہننے والے اس کے اثر سے بہت اچھی طرف متاثر تھی۔

"اس سے زیادہ اہم بات اور کوئی نہیں ہو سکتی اگر میں آپ سے یہ کہوں کہ آپ بہت خوبصورت ہیں۔ یقیناً اس

سے آپ کی مصیبتوں میں کوئی امداد نہیں ہو گی؟" وہ عورت قدرے حیرانی سے اسے دیکھنے لگی۔

"میں آپ سے صرف یہ کہنا چاہ رہا تھا کہ آپ ایسی تقریباً میں شرکت نہ کریں، جہاں میرے جیسے کھڑا دل اور

اصحاب کے اطمینان موجود ہوں۔" باقر شیرازی نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

ان عورت نے غور سے باقر شیرازی کو دیکھا اور پھر ایک بہرہ منگول کر رہی، یقیناً وہ اس کی بات سے محظوظ ہوئی تھی۔

باقر شیرازی نے ایک گہرا سانس لیا۔ "آپ اس طرف نہیں کی تو زندگی کچھ اور مشکل بنا دیں گی۔ میرے جیسے لوگوں

کے لیے۔ اس کی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

"باقر شیرازی صاحب۔" ان عورت نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر باقر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"باقر شیرازی صاحب۔؟ آپ مجھے صرف باقر کہہ سکتی ہیں۔"

"اوکے باقر! آپ کھڑا دل کے مالک ہیں نہ کھڑا اعضاء کے، کوئی فخر ان دو خصوصیات کے ساتھ اس

منفردی آجاتے، مجھے طریقے سے نہیں چلا سکتا جیسے آپ چلا رہے ہیں۔"

"منفردی سنا کر اس بات سے کسی خوبصورت عورت کا سامنا کرنا اور بات یقیناً جانے اور اس کا زیادہ مشکل ہے۔"

باقر شیرازی نے سچو سچو کی گئی تھی۔

"مہلی ہر کی خوبصورت عورت کا سامنا کر رہے ہیں؟" اس نے ایک مہری اور چمکی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”نہیں! قرنی عورت میں نہیں بکت، میں نے یہ ۱۱۰۱ء تک یہاں اس طرف نماز ادا کر رکھی ہے۔ وہ یہ کہتا ہے۔“  
 ”نہیں! باقر شیرازی میں آپ تک اسے لپٹی محسوس ہونے لگی۔“  
 ”آپ میرے نامور بھائی کے خوار و معذب کا، کہ تو نہیں ہوسکتا کہ ایسے خوبصورت عورت کا سامنا کرے۔“ اس نے ہنسنے لگا۔

”مگر تو صرف نام کے نامور ہیں، اسلئے تم کو تو آپ میں ہے۔“ وہ اسے بہت غور سے دیکھنے لگی۔

”اب میں آپ سے یہ نہیں پوچھوں گی کہ مجھ میں کیا سماں ہے۔“

”آپ اگر یہ سوال کرتی تو میں مایوس ہوتا۔“ باقر شیرازی نے اسی برق رفتاری سے کہا۔

”تو مجھے دلچسپ آتی ہیں آپ۔“

”صرف دلچسپ؟“

”آپ کا یہ خیال ہے، مجھے کیا کہنا چاہیے تو؟“

”ایک کام میں زندگی میں بھی نہیں کرتا۔“

”دو دن؟“

”میں خوبصورت عورت اور مشورہ بھی نہیں دیتا۔“ وہ ہنسنے لگا۔ ”اسے حرمت سے دیکھتی رہی اور پھر میں پڑی۔“

”تو مجھے ذہین آتی ہیں آپ۔“

”یہ میری ادا ہے، قرنی نہیں ہے۔“

”اچھا! ان کے علاوہ اور کیا خوبیاں ہیں آپ میں؟“

”بہتر ہے، آپ خود دریافت کریں۔“

”ان کام کے لیے تو آپ کے ساتھ خاصا وقت گزارنا پڑے گا۔“

”میں آپ کو یقین دلانا ہوں کہ تمہارے وقت میں ہی آپ یہ کام کر لیں گی، اور آپ کا وقت ضائع بھی نہیں ہوگا۔“

”میں حیران ہوں، سیاست دان ذہین کب سے ہونے لگے ہیں؟“

”خوبصورت عورت کو دیکھ کر کوئی بھی ذہین ہو سکتا ہے۔“

”خوبصورت عورت کو دیکھ کر یہ صرف مجھے دیکھ کر۔“

”مشکل سوال ہے۔“

”ذہین آدمی کے لیے کوئی سوال مشکل نہیں ہوتا۔“ اس نے بڑبڑاتا کہا۔ باقر شیرازی نے بے اختیار اپنی کان کی لٹو لٹو ہموار ماننے اور عورت ہلائی کا ضرر جواب دیا۔

”آپ کے منہ سے یہ سوال مشکل لگتا ہے۔“

”مجھ سے منہ سے یہ خوبصورت عورت کے منہ سے۔“ اس نے کہا اور اس بار دونوں بے اختیار ہنسے۔

”آپ سے مل کر خاصی خوشی ہو رہی ہے مجھے۔“

”مگر مجھے آپ کو دیکھ کر خوشی ہو رہی ہے۔“ باقر شیرازی نے روانی سے کہا۔ وہ ایک بار پھر ہنسی۔

”یہاں میں آپ کو کئی رات ڈگری رکھ دے سکتا ہوں؟“ باقر شیرازی نے بے اختیار پوچھا۔

”نہیں۔“

”میں کئی رات ان فرائض سے امداد چاہتی ہوں۔“

”تو۔“ باقر شیرازی کو یہی ہونی۔

تو وہ اس آواز

"سرید میں کہاں ٹھہریں گی آپ؟" اس نے اپنا ایڈریس دہرایا۔  
 "وہاں سے واپس آئیں کب آئیں گی؟" وہ چہرہ سوچ میں پڑ گئی۔

"وہاں سے واپس آئیں گی بھی یا نہیں؟" باقر نے چہرہ مسکرا کر کہا۔

"واپس آئیں گی آپ ہی پڑے گا۔" وہ زریب بڑ بڑائی۔ باقر شیرازمی نے یک دم اس کے چہرے پر چہرہ اضطراب دیکھا۔

"آؤں گی آپ ہی پڑے گا۔" اس نے باقر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس کے چہرے پر اب بہت مصنوعی سی مسکراہٹ  
 "اب مجھے واپس جانا ہے۔" اس نے باقر کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس کے چہرے پر اب بہت مصنوعی سی مسکراہٹ

"مجھے آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی شائستہ کمال۔"

باقر نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "مجھے آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی شائستہ کمال۔"  
 باقر نے اس کا ہاتھ تھام لیا۔ "مجھے آپ سے مل کر بے حد خوشی ہوئی شائستہ کمال۔"

☆☆☆

## چھٹا باب

جہاز کو اپنی پرواز شروع کیے ابھی تو ہوازی عرصہ گزرا تھا جب ایسا ایئر ہوشن شائستہ تعال کے پاس آئی۔ شائستہ اس وقت ایک میگزین کی ورق گردانی کر رہی تھی جبکہ ساتھ دانی سیٹ پر بیٹھی آیا اسد کو فیکہ کر دانے میں مصروف تھی۔

”میڈم! اگر آپ چاہیں تو آپ کو بزنس کلاس میں شفٹ کیا جاسکتا ہے؟“ ایئر ہوشن نے مسکراتے ہوئے شائستہ سے

کہا۔

شائستہ نے حیرانی سے اس کی آفر کو سن کر بزنس کلاس میں؟ کیوں؟“

”صرف آپ کی مہلت (سیٹ) کے لیے بزنس کلاس کی کچھ سیٹیں خالی ہیں اور ہم کچھ مسافروں کو وہاں لے جانے کے لیے شفٹ کرنا چاہتے ہیں تاکہ وہ وہاں ایئر لائن کی طرف سے مہلت کی طرف سے مہلت کی ہونے والی نئی سہولیات کو دیکھیں اور اگلی بار بزنس کلاس میں سفر کریں۔“ ایئر ہوشن نے ہنسے ہوئے لہجے کے انداز میں کہا۔

”a promotional campaign“ (اشتہاری مہم) شائستہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ایئر ہوشن نے جواباً ہنسنے کے بجائے صرف مسکرائے پراکتفا کیا۔

”نہیں مجھے تو وہ ہوشن کی ضرورت ہے میرا بیٹا اور اس کی آیا بھی ساتھ ہے۔“

”میڈم! ہم آپ کو ایک ہی سیٹ آفر کر سکتے ہیں۔ یہ سب سے بہتر ہے۔ میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میں اس کے بارے میں آپ کو مکمل طور پر informed (باخبر) رکھوں گی۔“ ایئر ہوشن نے کہا۔

شائستہ تعال ایک لمحے کے لیے سوچی میں چڑی اور پھر وہ اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ اسد کے بارے میں فکر نہ نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی۔ آیا اس کی ابھی طرہ دیکھ بھال کر سکتی ہے۔

ایئر ہوشن اسے اپنے ساتھ بزنس کلاس میں لے آئی۔ وہ خالی سیٹوں کی طرف ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے اس نے شائستہ تعال کو اس کی سیٹ دکھائی۔

”یہ تو دونوں سیٹیں خالی ہیں۔“ شائستہ نے کہا۔

”نہیں۔ دونوں سیٹیں خالی نہیں ہیں، صرف ایک سیٹ خالی ہے۔“ ایئر ہوشن نے اس کے استفسار پر کہا۔

شائستہ نے سب نیازی سے کندھے اچکائے اور اپنی سیٹ کی طرف بڑھ گئی۔

”آپ کچھ چاہنا پسند کریں گی؟“ ایئر ہوشن نے جانتے جانتے اس سے پوچھا۔

”ابھی نہیں، کچھ دیر بعد۔“ شائستہ نے ہاتھ کے اشارے سے اس کو منع کیا۔

اپنی سیٹ پر بیٹھنے کے بعد اس نے اہٹا پر اس دوسری سیٹ پر لاہر والی سے رکھ دیا۔

وہ دوسری سیٹ سے اپنے ہاتھ سنوار رہی تھی، جب قدموں کی جلیبی سیٹ چا پ اس کے پاس ابھری۔ ہاتھ سنوارتے سنوارتے اس نے ہاتھ والی سے ٹھٹھکی اور ہاتھ والی کے لیے اس کا ہاتھ سناٹا دیا۔

ہوئی آوازوں کے کانوں میں پڑی۔ وہ اب اس کے قریب سیٹ پر بیٹھ رہے تھے۔  
 "good to see you again shaista kumal" (آپ سے دوبارہ مل کر خوشی ہوئی) باقر شیرازی نے چہیتی

شائستہ کمال نے ایک گہرا سانس لیا اور باقر شیرازی سے نظریں ہٹائے بغیر ایک بار پھر اپنے بالوں میں برش کرنے لگی۔  
 ان نے باقر شیرازی کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ اسے صرف خاموشی سے گھور رہی تھی۔

"کیا عجیب اتفاق ہے کہ ابھی کل آپ سے ملاقات ہوئی اور آج ہم دونوں اکٹھے سفر کر رہے ہیں۔" باقر شیرازی نے  
 نشست سنبھالتے ہی ایک بار پھر گفتگو شروع کر دی۔

"اتفاق نہیں ہے باقر شیرازی صاحب!"  
 شائستہ نے اپنے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ وہ اب پھر برش اپنے بیک میں رکھ رہی تھی جو اس نے  
 باقر شیرازی کو دیکھتے ہوئے ان دوسری سیٹ سے اٹھایا تھا۔

"آپ سے کلمے ہو اتھاکل؟" باقر شیرازی نے اس سے کہا۔

"شائستہ کلمہ حیران ہوئی۔" کلمے ہو اتھاکل؟

"جی کی آپ مجھے باقر کہیں گی۔" باقر شیرازی نے اسے یاد کروایا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ میں کہہ رہی تھی کہ یہ اتفاق نہیں ہے۔"

"کیا اتفاق نہیں ہے؟" باقر شیرازی نے قدرے بے نیازی سے پوچھا۔

"ہم دونوں کا آج اس وقت اس چین پر اکٹھے ہونا۔" شائستہ کمال نے جتنا تے ہوئے کہا۔

"یہ آپ کیسے کہہ سکتی ہیں؟"

"کل رات تک تو آپ کا امریکہ جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔" شائستہ نے اسے یاد کروایا۔

"ہاں، آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ کل رات تک نہیں تھا۔ آج صبح ہو گیا، ایک فیسٹر کو بھی کوئی بھی کام پڑ سکتا ہے اور اس  
 کام کے لیے اسے کس بھی جانا پڑ سکتا ہے۔" باقر شیرازی نے اچانک سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

"official" (سرکاری؟) شائستہ نے سوالیہ انداز میں کہا۔

"unofficial" (غیر سرکاری) اسی رفتار سے جواب آیا۔

وہ ایک لمحہ کے لیے اسے دیکھ کر دنگی اور پھر دونوں بے اختیار ہنس پڑے۔

"یہ پرنس کھان میں بھی یقیناً آپ کی عنایت کی وجہ سے ہی موجود ہوں۔" شائستہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میری عنایت؟ کیا بات کر رہی ہیں آپ؟ میں اور آپ پر عنایت کروں گا؟" باقر شیرازی یک دم سنجیدہ ہو گیا۔

"اچھا۔ تو پھر یہاں کیوں بلوایا گیا ہے مجھے؟"

"اورے۔ کیا یہ ممکن تھا کہ میں اس چین پر سفر کرتا جس....." شائستہ دلچسپی سے اس کی بات سننے لگی۔

"جس پر شائستہ کمال سوار ہو اور میں بہترین عورت کو بہترین جگہ پر نہ رکھتا۔"

"آپ ایک بہت ہی عجیب انسان ہیں باقر۔" شائستہ نے اس کے جیسے سے ملاحظہ ہوتے ہوئے کہا۔

"آپ نے کہا ہے تو ٹھیک ہی ہوگا۔" اس نے باقر شیرازی کی بات پر اپنی منوں اچکاتے ہوئے کہا۔

"بڑی آسانی سے متعلق ہو گئے، آپ میری بات سے۔"

"میں خوبصورت عورت کی رائے سے بڑی جلدی متعلق ہو جاتا ہوں۔ اندھا اعتماد ہے مجھے خوبصورت عورت کی رائے

ہے۔"

"اچھا..... حیرانی کی بات ہے۔ آپ پہلے فیصل لے ہیں مجھے جو خوبصورت عورت کی رائے پر اعتماد بھی نہیں اندھا

اعتماد رکھتا ہے۔"

"میں صرف پہلا ہی نہیں اسی شخص بھی ہوں گا۔" ہاتھ شیرازی نے برہنہی سے کہا۔ "وہ ان کی بات پر کھسکا رہا۔"

پڑی۔

"آپ نہیں رہی ہیں؟ میرا خیال تھا آپ ناراض ہوں گی۔"

"مجھے ہارے میں اتنی جلدی مارنے کا اعجاب نہ کریں۔ جو وقت میں۔ اور یہی طاقت میں اُترے۔ وہ سب کچھ آپ کی رائے کی وجہ سے ہوئے گی تو مجھے نہ کسی شرمندگی ہوگی۔" شائستہ نے ایک خوبصورت اور پراثر ہنسنا سہکتے ہوئے کہا۔

ہاتھ شیرازی نے جواب میں ہنسنے کے بجائے صرف مسکرا کر انکار کیا۔

"آپ کا بیٹا بہت خوبصورت ہے۔" انہوں نے بار بار گانے سے بعد کہا۔

"اگر وہ اسد۔ آپ ان کے ہارے میں بھی جانتے ہیں۔" وہ حیران ہوئی۔

"ان میں اتنی حیران کن بات ہے۔ وہ اسی تین پر سفر کر رہا ہے۔ اسے ہاں مشکل تو نہیں تھی۔" ہاتھ شیرازی نے

کہا۔

"ایسے یہ جان سکتا ہوں کہ امریکہ کس لیے جا رہی ہیں؟"

"میرا اصرار ہے۔" شائستہ نے کہتے ہوئے ان کے چہرے سے ٹھہریں بنا دیں۔

"وہ۔۔۔ لیکن اپنے شوہر کے بغیر؟"

"بارہن بہت مصروف ہیں آج کل، ان لیے ساتھ نہیں آسکتے۔" ان نے جھوٹ بولا۔

"کتا عرصہ رہیں گی وہاں؟"

"پانچ برس۔" شائستہ نے کہتے ہوئے جواب دیا۔ "آپ کتنا عرصہ رہیں گے وہاں؟"

"پانچ برس۔" ہاتھ شیرازی نے کہا۔

"یہ کیا بات ہوئی۔ آپ آخر کتنا عرصہ ملک سے دور رہ سکتے ہیں؟"

"یہ تو آپ کے قیام پر منحصر ہے۔"

شائستہ ان بارہن کو کہنے کے بجائے خاموش رہی۔

"کیا آپ مجھے یہ اجازت دے سکتی ہیں کہ میں امریکہ میں آپ کو سمجھتی دوں؟" ہاتھ شیرازی نے پوچھا۔

شائستہ نے ہنسنے کے لیے سر کھولا۔ مگر ہاتھ شیرازی نے اس سے پیسے ہی کہا۔

"میں آپ کو یقین دلاتا ہوں، آپ میری سہیلی کو انجوائے کریں گی۔"

شائستہ ہنسنے کے بجائے کہنے لگی۔ ایئر ہوسٹس اب ہاتھ شیرازی کو مشروب سرو کر رہی تھی۔

ایئر ہوسٹس کے جانے کے بعد شائستہ نے کہا۔ "میں سوچوں گی۔"

"اور اس کے لیے کتنا وقت نہیں کی آپ؟"

شائستہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ "یہ بھی نہیں جانتی۔"

شائستہ کمال نے اس بارہن کی پشت سے لپک لپکے لپکے آٹھیں بند کر لیں۔ ہاتھ شیرازی نے سیاہ ساڑھی میں

بندوں میں خوبصورت حرکت ڈال دیکھا۔ وہ آٹھیں کھولنے جتنی خوبصورت نظر آ رہی تھی، آٹھیں بند کرنے کے بعد اس سے زیادہ

خوبصورت نظر آنے لگی تھی۔ پلاسٹک آف ایئر سے بنے ہوئے ایک خوبصورت ٹیبلٹ کی طرف۔ وہ بہت دیر نہیں چھوٹے پتھر

اسے دیکھا، باوجود اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

شائستہ کمال دیکھا کا خوش قسمت ترین شخص ہے۔"

اس نے مسکراتے ہوئے ہاتھ شیرازی کی توجہ مبذول نہ کی۔ وہ اب اپنے سامنے رکھے ٹیبلٹ میں جھانک رہا تھا۔ شائستہ کو

بہت سے فکراں آئے۔ ہاتھ شیرازی اب اپنے رگڑ کو بوجھا، ہاتھ۔ شائستہ نے اس سے اس تہہ کی ہچکچاہٹیں پوچھی۔



میں نے ایک بار پھر اٹھی آتھیں بند کرئیں۔  
 "ایک سال چھوٹا تم سے شانت؟" اس نے آنکھیں بند کیے ہاتھ شیرازی کو آپ سے تم پر اترتے تھے۔ اسے اعتراض

نہیں ہوں۔ "میں نے ہی طرف آنکھیں بند کیے ہوئے کہا۔  
 ان کے ہاتھوں پر ایک ہی میسکراہٹ تھی۔ وہ ہاتھ شیرازی سے منہ سے کسی اور طرف جھٹکی کی شکل تھی کسی اور کاش  
 اوستہ پوری تھی۔ "وہ پانچ تھی۔" اس طرف آنکھیں بند کیے دوسروں پر کیا کیا قیامت اٹھایا کرتی ہے اور وہ ہر جھٹے اور ہر  
 فریغ سے بچا ہوا کرتی تھی۔ وہ بٹنا چاہتی تھی ہاتھ شیرازی اسے "اگر کس طرف سرا ہے گا اور کیا سوال کرے گا؟" وہ  
 مدنی اندر مٹھوٹا ہوئی۔  
 "ترے اپنے پیٹے ہے وہ تیرے خائے تیرے بھگوانیہ؟ کیا وہ بارہا ان کا بچہ نہیں تھا؟"

ہاتھ شیرازی کی آواز میں بے حد سکون تھا۔  
 شانت کمال آنکھیں نہیں کھول سکی۔ ہاتھ شیرازی نے اس کے سروں کے نیچے سے ایک دم زمین کھینچی تھی۔ ہاتھ  
 شیرازی نے ہی صفت کی جہ سے جاہ جاتا تھا۔

\*\*\*

"منصور! آپ میری بات سن رہے ہیں یا نہیں؟" میزہ نے ہارنٹی سے منصور کو تیسری دفعہ مخاطب کیا۔  
 "ہاں کل سن رہا ہوں لیکن اس پر غور نہیں کر رہا۔" منصور علی نے اپنی ساری توجہ اخبار پر مرکوز رکھتے ہوئے کہا۔  
 "لیکن غور نہیں کر رہے؟" میزہ نے شہسو کیا۔  
 "کیونکہ آپ کا مطالبہ خاصا مناسب ہے۔"

"میں میں مناسب واپی کیا بات ہے؟"  
 منصور علی نے اس بار اس کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اخبار چمکتے رہے۔  
 "میں آپ سے بات کر رہی ہوں۔" میزہ نے اس بار بلند آواز میں کہا۔

"میں جانتا ہوں، آپ مجھ سے بات کر رہی ہیں، اس طرح کی باتیں آپ صرف مجھ ہی سے کرتی ہیں۔"  
 منصور علی نے اس بار بھی اخبار سے نظریں نہیں اٹھائیں۔ میزہ نے ایک دم اٹھ کر اخبار ان کے ہاتھ سے کھینچ لیا۔  
 "کمال ہے، میں آپ سے اتنی اہم بات کر رہی ہوں اور آپ جیسا کہ آپ کو اخبار سے ہی فرصت نہیں۔"  
 میزہ نے اخبار ایک طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ منصور علی نے ایک گہرا سانس لیا۔ "ویسے میزہ! تمہیں شاپنگ کرنے اور  
 زیورات بخرانے کے علاوہ دنیا میں کسی اور چیز سے دلچسپی ہے؟" وہ اب عمل طور پر میزہ کی طرف توجہ ہو چکے تھے۔  
 "فی الحال تو نہیں۔" میزہ نے بڑے اطمینان سے جواب دیا۔

"آپ مجھے بتائیں پھر آپ مجھے کب سٹاک پور لے کر جا رہے ہیں؟"

"تمیں اوپیلے میں تمہیں وہاں لے کر گیا تھا۔ اب پھر تمہارے مطالبات شروع ہو گئے ہیں۔"

"تمیں اوپیلے نوے دن ہوتے ہیں، کچھ اندازہ ہے آپ کو؟" میزہ نے بڑی ادا سے کہا۔

"تم ایک بہت فضول خرچ عورت ہو۔" منصور علی نے اس بار کچھ جمیدگی سے کہا۔

"ہاں ہوں۔ آپ کے پاس روپے ہیں تو خرچ کرتی ہوں نا۔" میزہ نے دھڑلے سے کہا۔

"اور ایک وقت دو آئے گا جب تم میرے پاس موجود سارا روپیہ خرچ کر دو گی۔"

"لیکن ایسا وقت کبھی نہیں آئے گا۔" میزہ نے کہا "اور آپ بات کو نالے کی کوشش مت کریں۔ مجھے یہ بتائیں کہ

مجھے سٹاک پور لے کر جا رہے ہیں؟"

"مگر ذرا کہو آئیے، اور تو اٹھا کر دو اپنی کچھ مصروفیت سے فوراً ہو جاؤں تو تمہیں لے جاؤں گا اور پھر تمہیں لے جاؤں گا۔" منصور علی نے بڑی فرمائشی سے پیش کش کی۔  
 "غیر، میں اسکی ہے بوقت تو نہیں ہوں۔ اسکی پہلی جاؤں۔ آپ کے بچے تو میں شہ پکڑ سکتی ہی نہیں ہوں۔" میرا نے فوراً انکار کرتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں، میں آپ کا کرینٹ کارڈ ہوں۔ میرے بغیر شہ پکڑ کیسے کر سکتی ہیں آپ؟ بھڑ ہے، نہ ہی کھو رہا ہے نہ ہی پتہ دھیان دیا کریں۔ بہت قاراعے بیچنا۔"  
 "میں بھلا کھرا دیکھا ہوا ہے سب کچھ ٹھیک تو ہے۔" میرا نے فوراً کہا۔  
 "ہاں، سب کچھ اچھا تو ٹھیک ہے۔ ان میں آپ کا کوئی کمانڈر نہیں۔ کیوں بڑی بوری ہیں۔ تھوڑی تو چھان چھان کر لیں۔"

"تو ہے منصور، آپ تو ان طرح کہہ رہے ہیں جیسے بہت بڑی ہوئی ہیں بیچیاں۔ ابھی چھوٹی ہی ہیں۔" میرا نے کہا۔  
 "اوہ اس میں تمہیں بتانا بھول گیا۔ بڑی صاحب کا فون آیا تھا مگر۔" منصور علی کو بات کرتے کرتے اپنے کھدے یاد آئے۔  
 "منصور بڑی کا؟" میرا نے پوچھا۔  
 "ہاں، مسز بڑی کا۔"

"اچھا، کوئی خاص بات ہے؟"  
 "اوہ کوئی راز تو نہ بتا رہے تھے۔ اگلے ملتے ہے۔ تم فون کر لینا، اس دن۔"  
 "اچھا میں کروں گی۔ آپ صحت سے بچو کھانے کی بھجوا دیتے۔ شائع بڑی پر سون وانس پاکستان جا رہے ہیں۔ یہ سزا ہے۔"

"تم خودی صحت سے لے کچھ تحائف فریو لو۔ میں تو کچھ نقد رقم بھیجنے کا سوچ رہا ہوں۔ علی میڈیک میں میا ہے۔ مگر ہنہ ہوں، اسے کچھ رقم بھجواؤں گا کہ وہ اپنی مرضی سے جو بھی چاہے خرید لے۔" منصور علی نے کہا۔  
 "اویسے منصور! آپ نے یہ فرما دینے کا سلسلہ شروع کر کے کچھ اچھا نہیں کیا۔"  
 "کیوں...؟"

"مجھے کچھ سالوں میں آپ سچی ہی فرم دے چکے ہیں۔ اب تو نہیں احسان بھی نہیں لگتا یہ۔" میرا نے کہا۔  
 "تو یہ احسان ہے کئی کہاں میں جو بھی دیتا ہوں، اپنے اہلکاروں کی دیتا ہوں۔ اور پھر کھانے میں دی جانے والی احسان کے ذمے میں کہاں آتی ہے۔" منصور علی نے فوراً ٹوکا۔

"ٹھیک ہے، تمہارا احسان نہیں ہوتا مگر تھوڑی سی شکر گزاری تو ہونی چاہیے، اور ہی طرف۔ یا تم ازم بندہ تعریف کے ہوا کا ہی بول دے۔ مگر شان بھائی تو ہر وقت کسی تیرے شخص کی تعریف میں مصروف رہتی ہیں جس نے اپنے اہلکار کے لیے کوئی دنیا سے باہر کی چیز خرید کر بھیجی وہی ہے۔ حالانکہ سارا سال ہم کچھ نہ کچھ بھجواتے رہتے ہیں پھر بھی بھائی شان کی یہ تعریف اور یہ شکر میں ختم ہونے میں نہیں آتیں۔ یہ تعریف ہی ہے مطالبات کا۔ کچھ کچھ بھی نہیں اور سب کچھ کہہ بھی دیا۔"  
 میرا نے شان بھائی کا رویہ یاد آنے لگا۔

"یہ رشتے آپ کے اصرار ہی ہوئے تھے۔ اب آپ کو اچانک اتنے شخص کیوں نظر آنے لگے ہیں میرے بھائی کے ذہان میں؟" منصور علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے کوئی شک نہیں ہے۔ میں تو کھوس کر رہی ہوں، وہی بتا رہی ہوں۔" میرا نے فوراً وہی انداز اختیار کیا۔  
 "تمہیں شان بھائی کے بارے میں پتہ چلنا ہے، اس کی ضرورت نہیں۔ میں ویسے بھی اپنی بیٹیوں کو جو کچھ دے کر بھگتا

توڑا سا آسمان میں آج تک کوئی اپنی نظیروں کو سے۔ کا ہے نہ وہ۔ گئے گا۔ شان بھانگی کے اعتراضات غروی ختم ہو گئے۔

منصور جی نے جانی ب لہری سے کہا۔ میزرو نے جانی مہنت سے اپنے شوہر کو روک لیا۔

میں نے یہ تو سچی بات فریڈ نے پر اعتراض نہیں ہو آپ کو اور میری باتی آتے تو "میزرو نے بات احمدی

کہا۔ "خدا کا خوف کرو میزرو! تمہیں سب کسی بات سے انکار کرنا ہوں۔"

"میں نے جیسے اسے بتایا۔" منصور جی نے غوری بات تو مت کر وہ تم اس پر بھی تو رضامند ہو گیا ہوں اور میرے کے تمہیں نظروں میں سے اٹھیں۔

پتہ آ رہا ہے۔ تمہیں میرے جیسا شوہر ملا ہے۔ اور نہ تمہارا کیا ہوتا؟" منصور جی نے پتہ سکر ماتے ہوئے کہا۔

"اور اگر آپ کو میرے جیسی بیوی نہ ملتی تو آپ کا کیا ہوتا؟" میزرو نے دوہرا دیا۔

وطن دونوں بچوں کو اپنے گھر لے آئی۔ محلے میں چھ مہینوں کا ایک نیا سلسلہ شروع ہو گیا۔ ان کے لیے فاطمہ کا یہ

نہ ایک جیب بات تھی۔ ڈھکے چھپے نفلوں میں اسے اپنے فیصلے کے مضمرات سے آگاہ کرنے کی کوشش بھی کی تھی۔ فاطمہ کے

پان بڑے کے جواب میں خاموشی کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ وہ چپ چاپ ہر ایک کی بات سنتی رہتی جب اس کے سامنے واکل

کا میرا ہیو جا تا تو وہ صرف ایک ہی بات کہتی۔

"میں ان کی مدد کرنا چاہتی ہوں اور پتہ نہیں۔"

ان کا جواب بٹھ و ایک نیا میزرو نہ دیتا۔

"مدد کے اور بھی طریقے ہوتے ہیں انہیں کسی غلامی ادارے میں بھجوا دو۔ پولیس کے حوالے کر دو۔" اس سے کہا

پتہ۔

"مدد کا ایک طریقہ یہ بھی تو ہے۔ میں انہیں اپنے پاس رکھ لوں۔"

"پاس گھر۔ اس طرح تو تمہارے لیے بڑی مشکل ہو جائے گی۔ تمہارا تو اچھا بچہ چھوٹا ہے۔ تم بیوہ ہو۔ ملازمت

کرتی ہو۔ کرائے کے گھر میں رہتی ہو۔ رشتہ دار تمہارا کوئی نہیں ہے اور اس کے ساتھ ساتھ تمہارے بچوں کی ذمہ داری لے

رہی ہو۔ ایک ہی گھر کے دو بچے اور دو بھی ایسے حالات میں۔ کیسے سنبھالو گی انہیں؟ کس کے پاس چھوڑ کر جاؤ گی؟

گل کو سن کر ضروریات کہاں سے پوری کرو گی۔ اور پھر تمہارا اچھا بچہ وہ کیا محسوس کرے گا۔"

اس کے سامنے ایک ایک کر کے ساری وجوہات پیش کی جاتیں۔ اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ ان تمام باتوں کے

دوسے میں ان بچوں کو اپنانے کا فیصلہ کرنے سے پہلے ہی سوچ چکی تھی۔ کسی نہ کسی حد تک اس کے پاس ان تمام مسائل کا حل

موجود تھا اور باتوں کا حل دو سوچتی رہتی تھی۔

لوگوں کی فطرت بہت عجیب ہوتی ہے۔ وہ اپنے ارد گرد موجود دوسرے لوگوں کو صرف ان کے مسائل سے آگاہ کرتے

ہیں۔ کسی حل میں مددگار نہیں بنتے۔ دس ٹوٹ۔ اگر کسی شخص کو اس کے دس مسائل سے آگاہ کرنے کے بجائے مل کر صرف دو مسائل

کا حل پیش کر دیں تو اس شخص کے لیے آسانوں کا دروازہ اگر کھل طور پر نہ کسی گھر کھل ضرور جاتا ہے۔ فاطمہ کے ساتھ بھی یہی ہو

رہا تھا ہر ایک اسے اس کے فیصلے سے پیدا ہونے والا ایک نیا مسئلہ بنا رہا تھا۔ کوئی بھی یہ کوشش نہیں کر رہا تھا کہ وہ ان کے حل میں

مددگار بنے لیکن جب کوئی شخص ابھی ہوئی اور کے ڈھیر میں سے اس کا سراغ تلاش کر لیتا ہے تو پھر برآدی اسے ابھی ہوئی اور کو

سکھنے میں دوپہے کتا ہے۔ تاکہ ان وقت ہر کی ضرورت ہائی کس ہوتی۔ اور دیکھنے کے بعد ہر شخص ان کا بیٹا بنا دینے کی خوش کرتا ہے۔

فاطمہ نے ایک چھوٹی لڑکی کو ملازمہ رکھا لیا۔ شہیر سمیت تینوں بچوں کو وہ اس کے پاس چھوڑ جاتی۔ پہلے وہ شہیر کو اپنے پاس اسکل میں رکھتی تھی اور وہیں موجود کام دانی مگر تیس دن کا خیال رکھتی تھیں۔ لیکن فاطمہ کو پھر بھی وہاں شہیر کے بغیر نہیں رہنے کا حکم کرتے تھے۔ اب اس کی وہ ملازمہ داری ختم ہوئی تھی۔ وہ بہت پر سکون انداز میں اسکل میں اپنا کام کرتی۔

دن بھر پر اگر اس پر ملازمہ کی صورت میں ایک اضافی پانچواں پڑا تھا۔ مگر اس نے اس کو جو کوہم کرنے سے نہ اپنے میں موجود کچھ بچوں کو شہیر کی نیشن پڑھانا شروع کر دیا۔

اسکل سے واپسی پر وہ کھانے سے فارغ ہو کر ان بچوں کو لے کر بیٹھ جاتی۔ آہستہ آہستہ اس کے پاس آنے والے بچوں کی تعداد میں اضافہ ہونے لگا۔ اس کے اور کچھے والوں کے تعلقات کے ایسے تھے اور کا آواز بھر پڑا تھا۔ کچھے والوں نے ساتھ اب اس کے راہنما کی نوعیت بدل دی تھی۔ وہ خود کچھے کے گھروں میں نہیں جاتی تھی مگر جن گھروں کے بچے اس سے ہاؤ رہتے تھے۔ ان گھروں سے اکثر اوقات کوئی نہ کوئی عورت اس کے پاس آتی رہتی۔

ان کے نئے رول نے ان بچوں کی قبولیت کو بھی بڑھا دیا تھا۔ اس کے پاس آنے والی عورتیں اب ان بچوں میں نہیں رہیں تھیں۔ ان کا حال احوال دریافت کرتیں۔ ان کی بھاری کے دوران اپنے شکوک سے بھی نوازتیں اور بعض اوقات ان سے لے پھرنے سونے کچھے بھی بھوائے جاتے۔

فاطمہ بعض چیزوں کے سماعے میں بہت واضح نظریات رکھتی تھی۔ وہ ہر کچھے کو کسی نہ کسی جوتی کچھے سے بدل دیتی تھی اور ان بچوں کے گھروالوں سے کوئی کچھے قبول نہیں کرتی تھی جنہیں وہ گھر پر پڑھاتی تھی۔

”آپ میری کس وقت پر ادا کر دیتے ہیں بیٹی کافی ہے۔ اس کے بعد میں آپ پر آیا آپ کے پیچے پر کوئی حق نہیں رکھتی۔ آپ سہرا کر رہیں گے۔ میں تمہارے لوگوں کی نہیں پھر میں آپ سے نہیں نہیں لوں گی۔“

ان کا رویہ پیسے کیسب سمجھا جا رہا تھا۔ پھر آہستہ آہستہ بہت سے ڈکھے چھپے امتزاعات کے بعد اسے اس کی ایک خوشی مان لیا گیا۔

وہ عام طور پر ان دونوں بچوں کے لیے بھیجا جانے والا کوئی تمہ نہیں لواتی تھی مگر اس کچھے کے جواب میں وہ کسی ہی کوئی چیز اس گھر میں ضرور لگا دیتی۔ صرف شروع میں چند بار اس نے کچھ لوگوں کی مائی ہوئی کچھ چیزوں کو واپس کر دیا۔

”کچھے آپ کے غصوں پر کوئی شک نہیں ہے مگر میں ان بچوں کو اترا نہ پہنا نہیں چاہتی۔ آپ ان بچوں کے لیے ایسے بہت سے پرانے کپڑوں کے بجائے صرف ایک نیا لباس لے آئیں تو مجھے خوشی ہوتی اور میں اسے ضرور رکھتی۔ مگر ان کپڑوں کو نہیں۔“

اس نے کچھے کی ایک عورت کو وہ بہت سارے کپڑے واپس کرتے ہوئے کہا تھا جو ان بچوں کو گھرنے کے چند دن بعد ہی اپنے بچوں کے دلچسپی حالت میں موجود بہت سے پرانے کپڑوں کو فاطمہ کے پاس لے آئی تھی۔ فاطمہ جانتی تھی کہ وہ کپڑے نہ صرف ایک لمبے عورت تک ان دونوں بچوں کے لباس کی ضروریات کو پورا کریں گے بلکہ اس کے خاصے پیسے بھی بچا دیں گے۔

ان سے ہر دو روز خود کو پرانے کپڑوں کو لینے پر آدو نہیں کر سکتی تھی۔

”میں انہیں صرف دو سوٹوں کی گھر دو ان کے اپنے ہوں گے۔ میں شہیر کی طرف انہیں بھی ”اپنی حکیت“ کا لڑاؤں گی۔“ ان کپڑوں کو واپس کرتے ہوئے اس نے سوچا۔

”مگر ایک بار یہ اترا نہ پہنا سیکھ گئے تو ساری عمر یہ اترا نہ ہی پہنیں۔ پس گے۔ پچاند زود کسی گھرا پہنے“ ذاتی ”لباس کے لڑے سے یہ ہمیشہ ناشی رہیں گے۔“

تو وہ کوئی ہی چلی جاتی۔ فاطمہ تب تک فارغ ہو چکی ہوتی۔ وہ اس کے بعد ان تینوں کو خود سنبھالتی۔ شہیر ان دونوں



زندگی گزارنے پر مجبور تھی۔ اس کی ہر عمر بہت سی زندگیوں کی شاہدیاں آپ بوری تھیں اور وہ اپنے مقصد کو حیرت اور غم سے بھر پور سمجھتی تھیں۔ کہاں یہ سب بلکہ تو جس کے لیے میں دنیا میں آئی تھی۔ بس اسکی ہی زندگی تھی جو مجھے گزارنی تھی۔

کے سوا ان کے جواب میں ان کے اپنے ہاں تھے نہ دوسروں کے ہاں ان کے ہاں باپ باہمی اس کی وہ بیٹوں کی شاہدیاں نہیں کر پائے تھے جنہیں بیٹوں کی انہوں نے شاہدیاں نہیں دی تھیں۔ دوسرے ماہ کوئی نہ کوئی مسئلے کے لئے ان کے ہاں موجود نہیں۔ کسی کے شوہر کا کوئی نام سنا لیا ہوتا۔ کسی کو سوال دیا۔

ان کو گھر سے نکال دینے کوئی شوہر کی ماہیت کی علامت کے لئے ان کے ہاں چھٹی ہوتی۔ یہ سب بلکہ وہاں ان محلے اور ان کا اس کی زندگی کا ایک حصہ تھا۔ اس کے ہاں باپ ان بیٹوں سے زیادہ پریشان نہیں تھے۔ باہر انہوں نے ان پر بیٹنی کو وہاں کے بہت سے دوسرے لوگوں کی طرح اپنے مقصد کا ایک حصہ مان لیا تھا۔ ان سائنس کی پر بیٹنی ان کے لیے کچھ سونوں میں مصیبت بن گئی تھی۔

تین کروڑ کے گھر میں جہاں پہلے ہی سائنس کی دو بیٹیاں، ماں باپ ایک شادی شدہ بھائی، اس کی چالی اور وہ ہیں رہے تھے وہیں سائنس اور اس کی چاروں بیٹیوں کے لیے کتنی جہد لگ سکتی تھی اور کب تک

گھر میں اگر جوتوں رکھا بھی لیا جاتا تو اس کے اخراجات کا اضافی بوجھ کون اٹھاتا۔ وہ لوگ پہلے ہی جوتی حلقے سے سفید پائی کا لہرے کے ہوئے تھے۔ اب تک دم پانچ افراد کا تیار ہوا۔

عقربانی بیٹوں کو کسی طور پہنچنے پر تیار نہیں تھا۔ "وہ اسے اپنے ہاں رکھے باپ ہے نہیں دے آئے گھر مجھے لڑکیاں نہیں چاہئیں۔" دوسری اولاد ہی نہیں۔ ان نے بہت ساری اور واضح الفاظ میں پہلے دن ہی کہہ دیا تھا اور تب سے وہی بات پر اڑا ہوا تھا وہ نہ صرف ایسی

کھتے پر تیار نہیں تھا بلکہ ان کے اخراجات کے لیے بھی کچھ دینے پر رضامند نہیں تھا۔ سائنس چھوڑ دو تو کسی نہ کسی طرح گھر میں گزارو کرنی رہی بلکہ اس نے سہم بیٹوں والے اس کا رخانے میں کام کرنا شروع کر دیا۔

اس کی زندگی میں اس کی طرح کی اور بہت سی عورتیں تھیں۔ شادی شدہ وہ وہ مطلقہ، خاندان کی چھوڑی ہوئی، بھولے شادی شدہ۔ ان میں اور وہاں موجود عورتوں میں بس ایک فرق تھا۔ وہاں موجود عورتوں میں سے کوئی بھی اس جیسے حسرت کی مالک نہ تھی۔ بعض عورتوں کو اس کے مقصد پر حیرانی بھی ہوتی۔ وہ ان سے کیا کہتی اسے خود بھی اپنے مقصد پر حیرانی ہوتی تھی۔

جون جون وقت گزر رہا تھا اس کے اپنے گھر میں اس کی موجودگی سے ہونے والی کتنی بڑھتی تھی۔ بڑھتی ہوئی کتنی کتنی کی علامت ہوتی تو کئی ان کی بیٹیوں کی پریشانی کا شہود ہوتا۔ بھائی کو نظر کی بے حس اور سرد مہربانی پر حسرت آتا۔

"یہ من چاہوں تو ابھی کن کن نہیں چھوڑ آتی۔ وہ اسے نہیں رکھتا۔ اپنی اولاد کو تو رکھے۔ ہم آفرس جرم کی سزا میں من چاہوں تو نہیں۔"

وہ اپنے من چاہے لگ جاتا۔ شادی شدہ بیٹوں کو اعتراض ہوتا۔ "تو اسے سوال دینا ہے، ایک من کو تو چار بیٹوں کے ساتھ مستقل گھر میں رکھا ہوا ہے۔ تمہیں چاہوں کے لیے من نہیں رکھتا۔"

نئی شادی شدہ بیٹوں کو اعتراض ہوتا۔ "پہلے ہی رشتے میں آ رہے تھے اب اور بھی نہیں آئیں گے۔ لوگ بھی نہیں گے۔ ایک من اپنے گھر میں بسا کی تو دوسری جیسے بسا نہیں گئی۔"

ان باپ کو اب بیٹوں میں یہ غم رہتا کہ گھر میں اب کہیں جہدی نہیں رہی اور جو معمولی جمع پونجی وہ بیٹوں نے جمع کیا ہے۔ اب گھر میں کسی کی فرقی ہو رہی تھی۔

مذہب کے ذہنی دہانہ میں دن بدن اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ وہ نہ چاروں بچوں پر دھیان دے۔ چار ہی تھی نہ ہی کسی اور بچے پر۔ چیتری سے دھنک آکر وہ بھری کی طرف گھر کے کاموں میں مصروف رہتی ایک نہت سے رہے۔ لہجے سے بچا آ رہا۔ اس وقت چاروں بچوں کی طرف سے دہانہ چار رہا تھا۔ اس کام کے بدلے دوسرے صرف ایک نہت ہاتی رہنے کی خواہش مند تھی اور یہ کہ وہی دن دن مشکل ہوتی جا رہا تھا۔

وہ بچی دن دن کے لیے ترس مچتی تھی۔ چیتری سے لے کر والی روزانہ کی اجرت روزانہ ہی غریبی ہو جاتی۔ بچوں کے دودھ ان کے پھلنے سے لے کر ہزار ہا ہوتے۔ وہ بڑی روزوں بچوں کو اسکول بھیجتا بھی بند کر چکی تھی مگر حالات اس کے باوجود ان سے غراب تر ہوتے جا رہے تھے۔

وہ آج بھی اسی وہی منظر اب کا دکھا رہی جب ساتھ کام کرنے والی عورت کے ایک سوال پر وہ بری طرف تھما رہی۔

”خوش قسمت لڑکی وہ ہوتی ہے جس کا شادی نہ ہو یا جس کے ہاں کوئی لڑکی نہ پیدا ہو۔“ وہ عورت اب اس کے ہنسنے کو زبردستی دہرائی تھی۔

”میں نہیں ایک بات بتاؤں صافاً“ وہ اب اس سے مخاطب تھی۔ ”عورت خوش قسمت ہو ہی نہیں سکتی۔“ وہ کسی عورت کی ہر قسم کی شکل کی ہو۔ اس کے گھر لڑکیاں پیدا ہو رہی ہوں یا لڑکے۔ یا وہ ہانچو ہو۔ امیر گھرانے میں رہتی ہو۔ یا غریب میں۔ چڑھی کھسی ہو یا بھری طرف جاہل۔ عورت خوش قسمت ہو ہی نہیں سکتی۔“

”صاف نے کھل پار اس کے ہاتھوں کی رفتار کو آہستہ ہوتے دیکھا۔“ عورت بس بد قسمت ہوتی ہے۔ کبھی اچھا ہے۔ کبھی ماں باپ کی وجہ سے۔ کبھی شوہر کی وجہ سے۔ کبھی اولاد کی وجہ سے۔ خوش قسمتی اس کے ہنسنے میں کبھی نہیں آتی۔“

وہی موجود باقی عورتوں نے کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ وہ سب سر جھکائے موم بیوں کے پلٹتے ہانے میں مصروف رہیں مگر صاف نے۔

”تم بھی بس اسی۔ بڑی عجیب باتیں کرتی ہو۔ ظفر کی دوسری بیوی خوش قسمت نہیں ہے۔؟ شادی کے پہلے مال ہی بنا ہو گیا۔ میں آٹھ سال اس کو جینا نہیں دے سکی۔ وہ اس کے گھر پر رات کر رہی ہے۔ میں ماں باپ کے گھر پر بوجھ بنی بیچ ہوں۔ اس کے لیے نیا گھر بنوا رہا ہے۔ میں یہاں در بدر کی شوگر کریں کھا رہی ہوں۔ ہوتی ہیں، کیوں نہیں جوتیں عورتیں خوش قسمت۔ دوسری بیوی بننے والی تو ضرور ہوتی ہے۔ بیٹیوں کی مائیں تو ضرور ہوتی ہیں۔“

اس نے چادر سے آنکھوں میں آنے والی نمی کو پونچھا اور ایک بار پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

”تو تم بھی کسی کی دوسری بیوی بن جاؤ۔ چھوڑو تو تمہارے شوہر نے دیا ہی ہے۔ طلاق لے کر کسی دوسرے کے ساتھ شادی کر لو۔“

”چار بچوں کی ماں سے کون شادی کرے گا۔“

”بہاں کو دفع کرو۔ تم کرو شادی۔“

”ہاں دفع کروں۔ یہی کام تو ہو نہیں سکتا۔“

”صرف تمہاری اولاد ہی تو نہیں ہے۔ ظفر کی بھی تو ہے۔ اس کے پاس بھوکا دو۔“

”لڑکیاں صرف ماں کی اولاد ہوتی ہیں۔ باپ کی کہاں ہوتی ہیں۔“

صاف نے ایک بار پھر روک کر تلخ لہجے میں کہا۔ وہ بوزمی عورت خاموشی سے اسے دیکھ کر رہ گئی۔

اس دن کام ختم ہونے کے بعد وہاں سے جاتے ہوئے اس بوزمی عورت نے اسے روک لیا۔ سب عورتوں کے ہانے کے بعد اس نے صاف سے کہا۔

”تھوڑے سال کی تھی میں جب میرے شوہر نے تمیں بچوں کے ساتھ مجھے گھر سے نکال کر دوسری شادی کر لی۔ لوگ کہتے

تین، میں بھی بڑی خواہش تھی میں نے جان کے لیے خود کو بیٹے کی مارا تیس سال کہاں گئے۔ مجھے پتہ ہی نہیں ہوا ہے تو میں یہاں قیصری میں بیٹھی سوہ بیاں بنا رہی ہوں۔ یہ نہ ہواؤں تو میں وقت کا کتا بھی نہیں گناہوں گی " رضیہ جہاڑیہ۔ ان کے سر میں روٹھنک تھی۔ ایک چٹا تو وہ اور اس کی پائی بھی جیسے ہشکل رکھ رہے ہیں اور کبھی بہت مس نے نہیں کیا۔ میں ابھی حیرت ہوتی تو ان کا پاس مجھے ضرور بھالنا یا کوئی دوسرا آدمی بھالنا۔

"اور حیرت کی آنکھوں کے ساتھ بڑھاری تھی۔"

"تیس سال میں نے ۱۹۸۷ کے لیے سوچی روٹی کھائی آنکھوں میں سرسبز نہیں لگا گیا۔ اور اولاد کو گنتا ہے میں بھی ابھی اجرت نہیں تم جبری طور نہ کرنا تم زندگی کو برباد نہ کرنا۔ شرافت، پاکیزگی، پارسائی سب کچھ ہاتھ میں ہے میں بھی نگرانی اجرت کی کوئی قیمت نہیں ہوتی کوئی مول نہیں لگاتا۔ زندگی میں جیسے کوئی موقع ملے تو سناٹا نہ کرنا سچا نہ لگاؤ کا صرف اپنا سچا صرف یہ سچا کہ زندگی صرف ایک پارٹھی ہے اور کسی قیصری میں مہم قیماں ہار دینے اور بہو کے ہاتھوں بے عزت ہو کر نہیں گزارا جاسکتی۔"

"اور حیرت راس لے بغیر مسلسل بولتی جا رہی تھی۔ سادھ جیسے جھکائے بغیر اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"جیسے دیکھتی ہوں تو مجھے اپنی جوانی یاد آ جاتی ہے۔ تمہاری ہاتھ سننی ہوں تو اپنا نامی سامنے آ جاتا ہے۔ جس نے کچھ

یونہی بچھاؤ گا۔"

"تیس نے بھی کچھ نہیں بچھاؤ گا۔" سادھ نے رنجیدہ سے کہا۔

"تو تم دوسروں کا کاٹ لو۔ مگر ہاتھ پر ہاتھ رکھتے نہیں رہو۔"

اجرت کی آنکھوں میں ایک جیب سا ہنسا تھا۔ سادھ کچھ لمبے چپ چاپ اسے دیکھتی رہی اور پھر قیصری کے ادا سے چہرہ نکال آئی۔

قیصری سے گھر تک نوٹی ٹیبل کو کھینچنے اس دن پہلی بار وہ اس عورت کی باتوں پر غور کرتی رہی۔

"دنیا واقعی بڑی جیب ہے۔" اس نے ایک گہری سانس لے کر سوچا "کسے کیسے جیب لوگ ہوتے ہیں۔ کبھی کبھی جیب ہاتھ کھینچتے ہیں۔"

وہ سڑک پر ٹھہر کر مٹائے جتے ہوئے سوچتی رہی۔

"بھلا میں یہ سب کیسے کر سکتی ہوں جیسے اماں کہہ رہی تھی۔ میں تو ایسی عورت ہوں ہی نہیں۔ اور پھر اماں بھی میں۔" وہ کھٹی سے سوچتی رہی۔ "کیسے کہہ دیا کہ کسی دوسرے کا بویا کاٹ لوں؟" وہ چلتی رہی۔ "اور اب میں کیا آوارہ عورت بن جاؤں۔ اور میری بیٹیاں ان کا کیا ہوگا۔ اور پھر خود میرے گھر والے۔ مگر میں آوارہ عورت بنوں کیوں؟ اور میں کیوں ان کی باتوں پر سوچ رہی ہوں۔"

اس نے جیسے اپنی سوچوں کو گام دینے کی کوشش کی پھر اس نے ذہن سے اماں کی آواز کو جھٹک دیا۔

گھر وہ اپنے مقدمے کے کچھ نوٹس سوچنے کی طرح نہیں جھٹک سکی۔ اگلا دن اس کے لیے کچھ ایسی بے عزتی لے کر شروع ہونے والا تھا جس کے گرداب سے اسے ماری عمر نہیں ابھرنا تھا۔ نہ اسے۔ نہ اس کی اولاد کو۔



صیبرا کا ادنیٰ نے ایک گہرا سانس لے کر کرسی کی پشت سے لپک لگالی۔

"کیا ہوا؟" اس نے اپنی جیب بات تو نہیں کی۔ "ہاروں نے اس کے چہرے کے یک دم بدلتے ہوئے تاثرات کو دیکھتے ہوئے کہا۔"

"اب جیب بات تو نہیں ہے یہ۔ کم از کم میرے لیے تو جیب نہیں ہے۔" وہ جیسے بڑھائی۔



"میرے لیے یہ سب کچھ ہے۔" صبیحہ نے ہنسنے کی بجائے کہنے لگی۔  
 "میں تم سے ہوں ہاروں۔۔۔۔۔ شائستہ کمال تھی ہی کے ہوتے ہئے تم مجھ سے شادی کی خواہش کا اظہار کر رہے  
 ہیں۔" صبیحہ نے شرمیلی لہجے میں کہا۔  
 "میں میں مجھ پر ہی وہی کیا بات ہے؟" ہارون نے شراب کے گھونٹ لینا جاری رکھا۔  
 صبیحہ کا وہی اپنا جام اٹھاتے ہوئے مسکرائی۔  
 "You know my husband is all praise for your wife."

(میرا شوہر تمہاری بیوی کا دین ہے)

اس نے اپنے ایک ایک قطرہ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ "اس کے اختیار میں ہو تو وہ شائستہ کو آئی سی پریزن کر دے۔"  
 صبیحہ نے ہارون کے چہرے پر نظر کی بجائے ہوئے کہا جو بالکل بے تاثر تھا۔  
 "تمہارا شوہر ہی نہیں اس شوہر کے آدمے مرد شائستہ کمال کو پریزن کرنے کی حسرت لیے بیٹھے ہیں۔" ہارون نے بیوی  
 پر ہنسی سے اپنے جام میں موجود برف کے ٹکڑوں کو ہلکی سی جنبش دیتے ہوئے کہا۔  
 "آدمے کیوں۔۔۔۔۔ مارے کیوں نہیں، باقی آدموں کو کیا ہوا؟" صبیحہ نے اس کی بات پر لہجہ نشی انداز میں کہا۔

"باقی آدمے صبیحہ کا وہی کی صورتوں میں شامل ہیں۔"

ہارون نے بیوی شبیحہ کی صورت پر جھٹکی سے کہا۔ صبیحہ کے منہ سے بے اختیار ایک قہقہہ نکلا۔  
 "تم کون سے لوگوں میں شامل ہو؟" اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے چند لمحوں کے بعد اس نے ہارون سے پوچھا۔  
 "میں لوگوں میں ہی ہوں۔۔۔۔۔ شائستہ کو پاچکا ہوں۔۔۔۔۔ صبیحہ کو پانا چاہتا ہوں۔" ہارون نے کہا۔  
 "وہ ایک دم شبیحہ نظر آنے لگی۔"

"شائستہ جانتی ہے یہ سب کچھ؟"

"کیا؟" ہارون نے لا پرواہی سے کہا۔  
 "کہ تم مجھ سے شادی کرنا چاہتے ہو؟"  
 "نہیں۔۔۔۔۔" ہارون نے کسی توقف کے بغیر کہا۔  
 "کیوں۔۔۔۔۔؟"

"تم سے شادی میں کرنا چاہتا ہوں، وہ نہیں۔"  
 اس کو لاپرواہی سے اس سے پوچھا۔

"ہاں۔۔۔۔۔"

"مگر وہ جان گئی تو اس کا رد عمل کیا ہوگا؟"

"میں نے اس کے بارے میں سوچنے کی کوشش نہیں کی۔"

"تو پہلے یہ سوچ لو۔۔۔۔۔ اس کے بعد پھر اس طرح کی گفتگو کرنا۔" اس کی آواز میں اچانک سرد مہری جھلکنے لگی۔

"مجھے شائستہ کے کسی رد عمل کی پروا نہیں ہے۔" ہارون نے اچانک کہا۔

"کیوں کیا وہ تمہاری بیوی نہیں ہے؟" صبیحہ نے جیستی ہوئی آواز میں کہا۔

"ہے۔۔۔۔۔"

"کیا تم اس سے محبت نہیں کرتے؟"

"وہ کیوں کرتا ہوں۔"

"میں لوگوں جتنی کے باوجود تم اسے بے خبری کی مار دینا چاہتے ہو۔ ویری ہور۔"



”تم نے نہیں بتایا ہے کہ مجھے تم سے محبت ہے اور“  
 ”جس نے ہاتھ کے اشارے سے اس کی بات کائی۔“  
 ”تم نے تم سے کہا ہے مجھ سے محبت کی بات مت کرو۔ کون سا مرد ہے جو مجھے دیکھے اور میری محبت میں گرفتار نہ ہو۔“  
 ”تم نے ہمارے کہیں مجھ سے محبت ہوگئی ہے تو اس میں لہنگی خاص بات کیا ہے۔“ اس نے سکرینٹ کا ایک لمبا بخش لگاتے ہوئے

”خاص بات تو یہ ہو اگر مجھے بھی تم سے محبت ہو جائے۔“

”تو یہ مجھ کو بھوکا؟“ ہارون مسکرایا۔

”نہیں، مجھ کو بھوکا نہیں، تم مجھ سے کیسے متاواؤں کہ مجھ کو بھوکا؟“

”جس میں مجھ میں بالکل ہی کوئی دلچسپی نہیں ہے تو پچھلے تین ماہ سے کیوں مل رہی ہو مجھ سے؟“

”دلچسپی تو ہے تم میں اسی لیے مل رہی ہوں۔“

”تو اس دلچسپی کی وجہ کیا ہے؟ میں؟ میری دولت؟“ ہارون کمال نے کچھ چپچپے ہوئے انداز میں کہا۔ صیغہ

نے جسے اطمینان سے غلے میں سر ہلایا۔

”تو یہ...؟“

”پتا شیرازی۔“ وہ صیغہ کا منہ دیکھنے لگا۔ وہ اب... سکرینٹ سٹار رہی تھی۔ مگر اس کے ساتھ اس نے میز پر ایک اور

چیز بھی رکھ دی تھی۔ ہارون نے ایک نظر میز کو دیکھا پھر صیغہ کو دیکھا۔ زندگی میں پہلی بار اسے اپنا آپ کسی جال میں پھنسا ہوا

لگس ہوا۔ پہلی بار اس نے اپنے آپ کو کسی کے ہاتھ میں پکڑے تاش کے ہاؤن چوں میں سے ایک پتا پایا اور پہلی بار اسے

اساں جاساں نے غرت کرنے کے لیے اس بار ایک نلکا عورت کا انتخاب کیا۔

☆☆☆

صاف اس دن ہیزی لانے کے لیے گھر سے قریبی مارکیٹ گئی تھی۔ اس کی چھوٹی بیٹی بھی اس کے ساتھ تھی۔ وہ ہیزی

فری رہی تھی جب اس نے کسی کو اپنا نام بکارتے دیکھا۔ صاف نے مڑ کر دیکھا۔

”واہ اعظم تھا۔“ اس کارخانہ کا منیجر جہاں وہ کام کرتی تھی۔ وہ ہمیشہ ہی صاف کے ساتھ بہت قریبی سے پیش آتا تھا۔

صاف اکثر اس کی نظریں اپنے اوپر جمی ہوئی محسوس کرتی اور بعض دفعہ وہ جان بوجھ کر کسی نہ کسی بہانے اس سے مخاطب ہوتا رہتا۔

گلی دفعہ وہ صاف کو اس کی روزانہ کی اجرت سے کچھ زیادہ پیسے بھی دے دیتا اور صاف کے پوچھنے پر ہیزی لاپرواہی سے کہہ دیتا۔

”کوئی بات نہیں۔ رکھ لو، جس میں ضرورت ہوگی۔ اپنے لیے کوئی چیز خرید لیں۔“

صاف نے چاہے ہوئے بھی وہ پیسے لے لیتی۔ اپنے لیے تو وہ خیر کیا چیز خریدتی مگر وہ اس کا قدرے آرام سے گزار

بات۔

وہ گھر کے گھر میں ہوتی تو شاید کسی دوسرے مرد کی ایسی کسی ”عنایت“ پر ”طیش“ میں آجاتی۔ شاید خود پر پڑنے والی ایسی

”کلی“ نظر اس کے چہرے کا رنگ سرخ کر دیتی۔ شاید اپنے ساتھ گھنگو کی کوشش کرنے والے پر وہ غرائقی بھی۔۔۔

مگر اب اپنے اور اپنے بچوں کا جسم چھپانے اور پیٹ بھرنے کے لیے وہ جس رزق اور لباس کی تلاش میں اپنے گھر سے

بہرہ گیری تھی اس نے اسے ایسی کسی بھی نظر سے بے پروا کر دیا تھا۔ اس نے بہت عرصہ ہوا چہرے کا رنگ سرخ کرنا چھوڑ دیا تھا۔

نئی وقت کے کمانے نے اس کے اشتعال کو سمندر کا جھاگ بنا دیا تھا۔ اس کی ساری غرائقیں بھی گونگی ہو گئی تھیں۔

اعظم اس سے کچھ قائلے پر ہی ہیزی کی دکان کی طرف آ رہا تھا۔

”تم ہیزی لینے آئی ہو؟“ اس نے رمی سلام دعا کے بعد صاف سے پوچھا۔ اس سے پہلے کہ صاف کچھ کہتی اس کی نظر

اس کے ساتھ سجدہ پورا سالہ رشتہ پر پڑی۔

"یہ کون ہے؟" اعظم نے پوچھا۔

"بھری بیٹی ہے۔"

"بڑی بھاری بیٹی ہے۔" اعظم نے رخشہ کا گل چسپاتے ہوئے کہا۔

صاف نے ہنسی کی سکرابت کے ساتھ سر ہلا دیا۔

اعظم خود بھی بڑی خریدنے کے لیے ہی وہاں آیا تھا۔ صاف کے انکار کرنے کے باوجود اس نے اپنی بیٹی کے ساتھ اس کی خریدی ہوئی بڑی کی قیمت بھی ادا کر دی اور زبردستی کچھ پھل بھی خرید کر اسے چھوا دیئے۔

صاف جب وہاں سے پھرتی تو وہ بھی ان کے ساتھ چلتے گئے۔

"تھرا گھر یہاں کس پانسی ہے؟"

"ہاں۔" صاف سے اپنے گھر کا محل وقوع بتانے لگی۔

اعظم نے ان کے گھر کا پتہ نہیں جاننے کے بعد اسے اپنے گھر کا پتہ نہیں بتایا۔

وہ دونوں ساتھ چلتے ہوئے ابھی یہ گفتگو کر رہے تھے جب صاف نے اچانک سامنے سے قطر کو آتے دیکھا۔ وہ قدموں کے ساتھ ان ہی دونوں کی طرف آ رہا تھا۔

صاف اچانک عصب کر رہا تھا۔ قطر کے چہرے کے تاثرات نے اسے خوفزدہ کر دیا تھا۔

"کیا ہوا تم رگ کون تھی ہو؟" اعظم نے اچانک پوچھا۔ اسے اگلی سڑک سے اپنے گھر کی طرف مڑنا تھا۔

صاف کے چہرے پر رہنے پر ان نے صاف کی گھر کا تعاقب کیا اور قطر کو دیکھ لیا جو اب چند قدموں کے واسطے ہر قدم کے چہرے پر موجود تاثرات نے جیتھا سے بھی چونکا دیا تھا اور وہ یہ جان گیا تھا کہ وہ صاف سے کوئی نہ کوئی رشتہ ضرور رکھتا ہے۔

قطر نے قریب آنے ہی صاف کے منہ پر زور دیا تو صاف مارا۔ اعظم اگر اس کی اس حرکت پر ہکا بکا رہ گیا تھا تو صاف جیسے

زمین میں گڑھی تھی۔ اس پانسی پتے ہوئے ٹوک رگ رگ کر انہیں دیکھنے لگے۔

"جسکے ماں باپ کے گھر ان لیے بھجوا ہے کہ تم یہاں رنگ رلیاں مٹاتی پھر؟"

قطر نے صاف کے گل پہری آواز سے چلاتے ہوئے کہا۔ اپنے کال پر ہاتھ رکھے صاف قہقہے کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی جبکہ رخشہ خوف کے عالم میں ماں کی ہاتھوں کے ساتھ چپک گئی تھی۔ باپ ان سب بیٹوں کے لیے ہمیشہ ایک جہاز

رہا تھا اور اب ایک بار پھر

"تجسس ہوئی صاحب! آپ کو کوئی اطلاع ملی ہوئی ہے۔"

اعظم نے اپنے گھر صاف کرتے ہوئے اچانک سچ پھاڑ کر اٹھنے کی کوشش کی۔ قطر نے اسے بات پہری کرنے نہیں دینی۔ پان کی پیک کو سڑک پر توڑتے ہوئے اس نے اعظم اور صاف دونوں کو کالیاں دینا شروع کر دیں۔ ان کے ارد گرد لوگوں کا مجمع

بڑھنے لگا۔

اس کی کانٹوں نے اعظم کو بھی مشتعل کر دیا۔ اس نے بھی جواب میں ویسی ہی زبان کا استعمال کرنا شروع کر دیا۔ صاف نے جیسے جان پہنچائی۔ اس نے قطر کے سامنے وضاحتیں اور صفائی پیش کرنے کی کوشش کی۔ مگر قطر نے اس کے چہرے پر

پہنچنے والے اور پھر اسے ہاتھ سے پکڑ کر تقریباً کھینچنے ہوئے اس کی گل میں لے آیا۔ اس کے پیچھے اس "بلا ٹکن ٹائٹ" سے لٹکھوٹے ہوئے اگلے لوگوں کا جھرمٹا۔

"فیثرت منہ شوہر نے اپنی آواز بھی وہ اس کے "آٹھا" کے ساتھ "دیکھے ہاتھوں" پکڑ لیا تھا اور معاشرے کے جس طبقے سے وہ تھی۔ کتنے تھے وہاں مردوں کے علاوہ کسی بھی بات یا جنسی غیرت نہیں آتی تھی۔ یہ کسی ایک فرد کی نہیں ہرے طبقے

کی غیرت کا مسئلہ تھا۔

صاف اب ملنے لگی تھی۔ کیف سے زیادہ یہ ہرے بھلے کے سامنے بے عزتی کا احساس تھا جس سے اسے شہ

خود سنا آج

وہ بے خبری تھی۔ ماں اور بے باپ کو اس طرح پہنچتے چلاتے دیکھ کر رشک و بھی روری تھی دو ساتھی کی نہیں کا دامن بکڑے  
ان کے ساتھ وقت رہی تھی۔  
ساتھ کے مگر پہنچتے تک اس کے مگر والوں تک اس پار سے واپس کی اطلاع پہنچی تھی تھی اور وہ بھی گل میں نکل آئے

تھ۔  
ساتھ کے مگر کے سامنے جا کر اسے دور دھکیل دیا۔ وہ اپنے مگر کی دلہیز پر مگر۔ قہر اب ساتھ کے تمام مگر  
دامن کو برا بھلا کہہ رہا تھا۔ ساتھ کی دونوں چھوٹی بڑیاں بھی خوف کے ماتم میں ماں اور باپ کے ساتھ ساتھ وہاں کھڑے  
ہے۔ کلام کو بکڑی تھی۔  
ساتھ کو بکڑی ہوئی مگر کے اندر داخل ہوئی۔  
اس صورت کو اپنے مگر میں بسانے کے لیے بھجور کر رہے ہو تم لوگ۔“ قہر بلند آواز میں ساتھ کی ماں پر چلا رہا تھا

جس کے چہرے پر ہوا نہیں اڑ رہی تھی۔  
”پڑا اھو آ کر بات کرو۔ آخر ہوا کیا ہے تم اندر آ کر آرام سے بتاؤ۔“  
”میں لعنت بھیجتی ہوں اس مگر اور اندر آنے پر۔“ قہر نے کمر پر ہاتھ رکھے اس طرح وعظمتے ہوئے کہا۔  
قہر کی دوسری بیٹی روتے ہوئے دلہیز کے باہر کمرے ہوئے تو ان میں سبزی اور پھل ڈالنے میں مصروف تھی جو وہ  
خمرے ہوئے تھے۔

”خمرے ہوئی! آپ اندر آئیں۔ اس طرح گل میں شور کرنے کا کیا فائدہ ہے۔“  
ساتھ کا چہرہ بھائی اسے پہنچتے ہوئے مگر کے اندر لے آیا۔ بچی گھروانے بھی اندر آ گئے اور انہوں نے بیرونی دروازہ  
بند کر دیا۔  
”تمہاری بیٹی کی من ہی حرکتوں کی وجہ سے میں نے اسے اپنے مگر سے نکال دیا ہے مگر یہاں آ کر بھی اس نے اپنی  
دستیاں نہیں چھوڑیں۔“ قہر نے اندر آتے ہی کہا۔

”آخر ہوا کیا ہے جو تم اس طرح شور مچا رہے ہو؟“ اس بار ساتھ کے باپ نے جھک آ کر کہا۔  
قہر نے پار سے واپس کو سرخی سالہ کے ساتھ ان سب کے سامنے پیش کر دیا۔ ساتھ کی وضاحتیں، وضاحتوں اس کے  
نئی کام نکل آئیں۔ باپ اور بھائیوں کی نظروں میں اس کے لیے اپنی تک ہی حقیر، تذلیل، جگ، شک اور پتا نہیں کیا کیا  
جیسے نکالتا۔  
قہر آدھ منہ وہاں رک کر اس طرح بکتے بکتے وہاں سے یہ کہتے ہوئے نکل گیا کہ دو ساتھ کو جلد ہی غلاق بھگوا دے

گا۔ اس کے جانے کے بعد ساتھ کو نئے سرے سے سب کی لعنت و ملامت کا سامنا کرنا پڑا۔  
پلے برا بھلا کہنے والا اگر شور مچا تو اب یہ فریضہ اس کے باپ اور بھائیوں نے سنبھال لیا تھا۔ جتنی پرتیل چھڑکنے کا کام  
اس کی بھائی اہمام دے رہی تھی۔

اس رات اس نے کھانا کھایا نہ اس کی بچیوں نے۔ دو ساری رات روٹی رہی۔  
اگلے دو دن وہ مگر میں بند رہی اور ان دو بہتوں نے اس کی زندگی کا شاہد اخلاق بدل دیا تھا۔ اس تبدیلی کا احساس اس  
نے طواہ کی کو نہیں ہوا تھا۔

گھر والے کب تک اسے مگر میں بٹھا کر کھلا سکتے تھے۔ دو بہتوں کے بعد اس نے باپ اور بھائیوں کے سامنے اپنے  
اس ”سناٹا عظیم“ کی سنانی مانگی اور کام پر جانے کی اہٹا کی۔  
”میں صبح تک نہ کر کام پر جایا کروں گی۔ کوئی سڑک پر میرا چہرہ تک نہیں دیکھ سے گا۔ آپ کو مجھ سے وہاں بھی نہ بھیت  
نہیں ہوگی۔ میں کسی مرد کو دیکھوں گی بھی نہیں۔“

اسے بد وقت اس نے انہیں کوزہ کھنسی میںین دیا پائیاں کروائی تھیں۔ کیا کیا وعدہ کیا وعدہ کیے تھے۔

اس کے باپ اور بھائیوں کو اس پر پھرتا ہوا دیکھا گیا انہیں۔ انہوں نے اسے کام پر جانے کی اجازت دے دی۔ وہ اس کے  
 اخراجات پورے نہیں کر سکتے تھے۔ نہ اس کے نہ اس کے بچوں کے۔ مرد کی غیرت کی بھی کچھ حد اور حدود ہوتی ہیں۔ نہ  
 طور پر اس کے طبقے کے مردوں کی غیرت کی

صاف کسی سے کیا جانے والا وعدہ بھی نہیں توڑتی تھی۔ وہ بہتوں کے دوران پہلی بار اس نے کچھ وعدہ سے اپنے ساتھی  
 کیے اور اس نے پھر ساری زندگی ان وعدوں کو نبھایا۔ نہ صرف ان وعدوں کو بلکہ ان تمام وعدوں کو جو اس نے اپنے باپ پر  
 نبھانے کے ساتھ کیے تھے۔

"میں بیٹھ برقع پہن کر کام پر جاؤں گی۔"

وہ بیٹھ برقع پہن کر اپنے کام پر جاتی رہی۔

"کوئی سڑک پر میرا چرواہا دیکھے گا۔"

"سڑک پر اس نے بھی کسی کو اپنا "چرواہا" نہیں دکھایا۔

"میں بھی کسی مرد کو دیکھوں گی بھی نہیں۔"

اس نے ان وعدے کو بھی حرف بہ حرف نبھایا اس نے مردوں کو دیکھنا "چھوڑ دیا۔ اس نے ان سے "خدا" شروع کر دیا۔  
 "آپ کو مجھ سے بھی دوبارہ شکایت نہیں ہوگی۔" یہ اس کا آخری وعدہ تھا۔

ان نے اس وعدہ کو بھی نبھایا۔

وہ وہ بے پردہ اپنی بیچوں سمیت کرائے کے ایک مکان میں منتقل ہو گئی تھی۔ وہ اب موم بیویوں کے اس کارخانے میں  
 محنتوں سے حصے کی پروا نہ رکھتی۔

حکمران سے اسے طلاق نہیں بھجوائی۔ اپنے گھروالوں کے ساتھ اس کے تعلقات بہت اتنے ہو گئے تھے۔ پہلے گھروالوں نے  
 ان کا زہر پلے کر دیا تھا۔ اب وہ گھروالوں کی بی بی اور کورتی تھی۔

روپے میں بڑی طاقت ہوتی ہے۔ یہ وہ سارا ہے جو بچت شروع ہو تو ہر شخص کو اپنے پر مجبور کر دیتا ہے۔ پھر یہ لوگوں کی  
 ساری اخلاقیات اور اصولوں کو بدل کر رکھ دیتا ہے۔ معاشرہ اس سانپ کی طرح ہوتا ہے جو اس سارے زمین پر نہ صرف جھونے  
 گھٹا ہے بلکہ یہ اس کا سارا زہر بھی مار کر رکھ دیتا ہے۔

ساز جتنا بند ہو تو معاشرہ ایک بار پھر اپنا چمن اٹھا کر کھڑا ہوتا ہے۔ اخلاقیات اور اصولوں کے خزانے کا کھولنا  
 ان کا زہر پلے کر دیتا ہے۔ اس کی پھلکار بڑھتی جاتی ہے۔ اس کی چستی اور لپک میں اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ گھر  
 پھر ساز پلے جتنے گھٹا ہے۔ سانپ پھر جھونے گھٹا ہے۔ اخلاقیات اور اصول پھر بدلتے جاتے ہیں۔

صاف زندگی کے ان چند سالوں میں صرف یہ "ساز" بھانا سیکھ لیا تھا پھر اس "ساز" نے اس کی ساری زندگی بدل کر  
 رکھی۔

نہ صرف اس کی بلکہ اس کی بیٹیوں کی بھی اور جدلی کا یہ عمل صرف اس کی بیٹیوں تک محدود نہیں رہتا تھا۔ اس عمل کو  
 آگے کاڑھی کرتا تھا۔ ایک طبقے سے دوسرے طبقے تک۔ دوسرے سے تیسرے طبقے تک۔

یہ خاندان سے دوسرے خاندان تک۔ دوسرے سے تیسرے خاندان تک۔

انہیں مہر کرنے کی ریس جاری تھی۔ صاف اور اس کی بیٹیاں بھی اس ریس میں شامل تھیں۔ اپنے تمام ہتھیاروں کے  
 ساتھ جہاں جگہ جگہ کی جگہ "عزت" کی جگہ "عزت" کی جگہ۔ اس "عزت" کی جگہ معاشرہ "عزت" رکھتا ہے۔ وہ  
 ہی جگہ؟ رہی تھی۔

فاطر اس شام شہیر کو ہم روک کر روادی تھی جب اس نے محسوس کیا کہ شہیر ن توجہ دینی ہوئی ہے۔ وہ اگرچہ اس کے کہنے پر بار بار کہانی پڑھی تھی مگر جیسے ہی اس کی توجہ شہیر سے نفی ہوئی وہ کام کرنا بند کر دیا اور اپنے سے کچھ زیادہ بڑے ٹیچر کو بلانے کے لیے شہیر کا ان دونوں کی طرف بار بار توجہ ہونا کوئی نئی بات نہیں تھی مگر آج پہلی بار اس نے محسوس کیا کہ شہیر نے اسے توجہ دینی ہوئی ہے۔ وہ نہ انہیں دیکھ کر مسکرا رہا تھا نہ ہی انہیں مخاطب کر رہا تھا۔ صرف اسے دیکھ کر اسے ہنسنا تھا اور پھر تب تک دیکھنا رہتا جب تک فاطر اسے اس کے کام کی طرف توجہ نہ کرتی۔

فاطر کو اس کا یہ انداز بہت عجیب لگا۔

شہیر! کیا بات ہے؟  
شہیر بہت غور سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ فاطر کے اس طرح مخاطب کرنے پر ایک دم گزبیا گیا اور ایک بار پھر اپنی کہانی کی طرف توجہ دینا۔

شہیر... بیٹا! میں کچھ پوچھ رہی ہوں۔ کیا بات ہے؟ فاطر نے ایک بار پھر شہیر کو مخاطب کیا۔

کچھ نہیں۔ میں کام کر رہا ہوں۔ شہیر نے سر جھکائے اسی طرح کام کرتے ہوئے کہا۔

فاطر کچھ اور اسے دیکھتی رہی پھر اپنی کہانیاں چیک کرنے میں مصروف ہو گئی۔

ایسی... کچھ اور بعد اس نے فاطر کو مخاطب کیا۔ وہ پنسل کا پھینکا اپنے منہ میں ڈالنے فاطر کی طرف دیکھ رہا تھا۔

ایسی... کیا شہیر اور مانی کو ہم نے کوزے کے ڈبے سے اٹھایا تھا؟

فاطر چند لمحوں کے لیے سانس لینا بھی بھول گئی۔ بے حس و حرکت تھیں جھپکائے بغیر وہ اسے دیکھتی رہی۔ پانچ سالہ

شہیر کے منہ سے نکلنے والا جھڑا اسے اس وقت دنیا کا سب سے مشکل اور تکلیف دہ سوال لگا تھا۔

وہ ابھی بھی کسی غلاظت کی طرح منہ میں پنسل ڈالنے فاطر کے جواب کا منتظر تھا۔ فاطر نے اپنے حواس بحال کرتے

ہوئے اپنے شک سے تڑپا گیا۔

یہ تم نے کیا تم سے؟

وہ... وہ جاوید کہہ رہا تھا۔ شہیر نے کچھ سوچتے ہوئے اس سے نوٹس چڑھنے کے لیے آنے والے ایک بچے کا نام

لیا۔

جاوید نے کہا؟ فاطر کو جیسے یقین نہیں آیا۔ وہ ایک بڑا کم گو اور شرمیلا سا بچہ تھا اور کبھی کسی شرارت میں بھی ملوث نہیں

ہوتا تھا اب ایک دم شہیر کا یہ کہنا کہ اس نے اس سے ایسی کوئی بات کہی تھی۔

اس نے اور کیا کہا تم سے؟ اس نے غم و غصے کی کیفیت میں اس سے پوچھا۔

وہ کہہ رہا تھا کہ شہیر اور مانی میرے بہن بھائی نہیں ہیں۔ شہیر اب سوچ سوچ کر بول رہا تھا۔

وہ کہہ رہا تھا کہ تمہاری مانی نے انہیں کوزے کے ڈبے سے نکالا تھا۔ ایسی باتیں کیا؟ کیا آپ نے انہیں کوزے کے

ڈبے سے نکالا تھا؟ وہ ایک دم صراہ کرنے لگا۔

فوری طور پر فاطر کو کوئی جواب نہیں آیا۔ اسے جیسے ساپ سوگھ گیا تھا۔ مگر جب شہیر بار بار اپنا سوال دہرانے لگا تو اس

نے شہیر کو کھینچ کر اپنی گود میں بٹھالیا۔

آپ تا کی ہیں۔ کیا وہ میرے بہن بھائی نہیں ہیں؟ اس نے فاطر کی ٹھوڑی پھرتے ہوئے پوچھا۔

جاوید جھٹ بولتا ہے۔ فاطر نے اپنے حواس کو بحال کرتے ہوئے کہا۔ ہلا کوزے کے ڈبے میں سے بچے کیسے

نکالے جاسکتے ہیں؟ اس نے شہیر کا گال قبضہ کرتے ہوئے کہا۔

”تم بتاؤ۔ کیا تم نے کبھی کوزے کے ڈبے میں بیج دیکھے ہیں؟“ فاطمہ نے شہیرے سے پوچھا۔ اس نے سوچتے ہوئے ہی سر ہلا دیا۔

”اور پھر ان دونوں کو دیکھو۔۔۔ کیا اتنے پیارے بیج کبھی کوزے کے ڈبے سے ملتے ہیں؟“

اس نے ہانی اور فرکی طرف اشارا کرتے ہوئے کہا۔ شہیرے نے ایک نظر ان دونوں کی طرف دیکھا اور ایک بار پھر ہانی میں سر ہلا دیا۔

”اور پھر بھلا ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم کوزے کے ڈبے سے بیج لائیں۔“

”مگر پھر وہ ایسا کیوں کہتا ہے؟“ شہیرہ شاید ابھی بھی کسی شش و پنج کا شکار تھا۔

”وہ جھوٹ بولا ہے۔۔۔ جھٹ بیج بہت جھوٹ بولتے ہیں۔“

وہ ایک دم شہیرہ کو اٹھا کر ہانی اور فرکی کے پاس لے گئی۔

”تم دو دیکھو۔ یہ تمہارے جیسے کتے ہیں نا؟“ وہ شہیرہ کو ان کی طرف متوجہ کرتے ہوئے بولی۔

شہیرے نے بڑے غور سے انہیں دیکھا اور پھر اثبات میں سر ہلا دیا۔

”اگر یہ تمہارے بہن بھائی نہیں ہیں تو پھر ان کی شکل تمہارے جیسی کیوں ہے؟“ وہ نرم آواز میں اس سے پوچھنے لگی۔

پچھتاہٹ کسی بھی بات کی دلیل نہیں دے سکتا تھا۔ فاطمہ نے اس سے ایک سوال کیا اس نے فری اور ہانی پر ایک نظر دوڑائی اور فاطمہ کی ہاں میں ہاں ملا دی۔

فاطمہ کو اندازہ نہیں تھا کہ کچھ عرصہ پہلے ہاسپل میں ان دونوں کے اینٹ مٹ ہونے اور پھر وہاں سے گھرتے آئے کا واقعہ اسے یاد تو پانچیس ورہہ سے ہی کا حوالہ دیتی۔

”اگلی بار جاوے یا کوئی بھی ایسی بات کہے تو آپ اس کی بات بالکل نہ سنا۔“ اس نے شہیرہ کو ہدایت دی۔

”میں کہہ دوں گا کہ آپ جھوٹ بول رہے ہو۔“ شہیرے نے فوراً لاکھڑھل مٹے کیا۔

”ہاں بالکل۔۔۔ اور آپ کہہ دینا کہ وہ دونوں آپ کے ہی بہن بھائی ہیں۔“

فاطمہ نے فریہ برداریات دیں۔ شہیرے نے سر ہلا دیا۔ وہ اب بالکل مطمئن اور پرسکون نظر آ رہا تھا۔ ایک بار پھر وہ ہانی اور فرکی کو دیکھ کر سسرانے لگا اور ان کے منہ سے نکلنے والی آوازوں کے جواب میں خود بھی آوازیں نکالنے لگا۔

مگر فاطمہ مطمئن نہیں ہوئی تھی۔ اس کا سارا اطمینان یک دم رخصت ہو گیا تھا۔ اس محلے میں ہر کوئی جانتا تھا کہ فری اور ہانی کو کوزے سے اٹھایا گیا تھا اور پتھینا ہر گھر میں اب بھی کبھی کبھار ان کی بات ہوتی ہوگی اور یہ ساری گفتگو بچوں کے سامنے ہی ہوتی تھی۔۔۔ بیج کسی بھی صورت میں اپنے جھس کا اظہار کئے بغیر نہیں رہ سکتے تھے۔ اس کا ایک مظاہرہ تو وہ ابھی جاوے کے

”انکشاف“ کی صورت میں دیکھ چکی تھی اور شاید یہ صرف ابتدا تھی۔

ابھی یہ سوال شہیرہ کی زبان پر آیا تھا جس دن یہ سوال ہانی اور فرکی زبان پر آیا، اس دن کیا ہوگا؟۔۔۔ وہ انہیں کیسے سمجھائے گی؟۔۔۔ ان سے کیسے چھپا پائے گی؟۔۔۔ یہ انکشاف انہیں کس طرح کی فتنی اور جذباتی تکلیف سے دوچار کرے گا؟

وقت گزرنے کے ساتھ انہیں اور کیا کیا برداشت کرنا پڑے گا؟۔۔۔ پھر ان دونوں اور شہیرہ کے تعلقات کی نوعیت کیا رہ جائے گی؟۔۔۔ اور ہانی۔۔۔ ہانی کا مستقبل کیا ہوگا؟۔۔۔ اس بیک گراؤ کے ساتھ معاشرے کا کون سا گھر اس کے لیے اپنے

وہاں سے کھلے گا؟ فری سے کون رشتہ جوڑا جائے گا؟۔۔۔ اور ان دونوں کے اس باطن کی وجہ سے شہیرہ پر کیا اثرات ہوں گے؟

پھر خود اس کے ساتھ ان کے تعلقات کی نوعیت کیا رہ جائے گی یہ جاننے کے بعد کہ وہ ان کی ماں نہیں ہے۔۔۔ اور۔۔۔ اور۔۔۔ اور۔۔۔ شہیرہ نے بھی اس کے ساتھ اپنے تعلق کے بارے میں ٹھک کرنا شروع کر دیا تو؟۔۔۔ خاص طور پر اس صورت میں جب وہ

اسے۔۔۔ اس کے باپ کے بارے میں کوئی معلومات دے سکتی ہے نہ اس کے خاندان کے بارے میں کوئی ثبوت۔۔۔

سوچات کا ایک حکم تھا جو اس کے دماغ میں اتر رہا تھا۔



اس لمحے میں لوگ اس کی عزت کرتے تھے۔ صرف عزت اس کے لیے کافی نہیں تھی۔ اسے رازداری اور اس عزت کی پاس داری بھی چاہیے تھی۔ وہ وہاں ممکن نہیں تھی۔ لوگ اس کے سامنے ان دونوں کے بارے میں بات نہ کرتے۔ مگر اس کی ہر سوچ کی میں انہیں بات کرنے سے کون روک سکتا تھا۔ وہ لوگوں سے درخواست کر سکتی تھی انہیں مجبور نہیں کر سکتی تھی۔ اور وہ کسی کس کو یہ راز چھپانے کا نہ سکتی۔

”مجھے یہ غلط چھوڑنا ہوگا۔ بیٹھ کے لیے۔۔۔ ان لوگوں کو اپنا اتنا پتائے بغیر۔۔۔“ اس نے اس شام وہیں بیٹھے بیٹھے کچھ لکھنے کیے۔ پورے دو بارہ بجے یہاں نہیں آنا نہ ہی اس محلے کے کسی فرد سے میل جول رکھتا ہے۔ یہ سب کیے بغیر میں اس راز کو بھی راز نہیں رکھ سکتی۔ کسی دوسری جگہ پر مجھے اس حقیقت کے انکشاف کا خوف نہیں رہے گا۔ نہ ہی اس راز کو راز رکھنے کے لیے کوئی جتنو کرنی پڑے گی۔ پہلے میں یہ غلط چھوڑوں گی اور پھر یہ شہر۔۔۔ مجھے ایک بار پھر اپنی ٹرانسفر کسی دوسرے شہر میں کر دینی پڑے گی۔ زندگی ایک بار پھر درہم برہم ہو جائے گی۔ مگر اس کے بغیر کوئی چارہ نہیں ہے۔ ایک بار پھر مجھے کچھ تکلیف اور دقت کا سامنا کرنا پڑے گا مگر پھر۔۔۔ پھر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔“ وہ خود کو تسلیم دے رہی تھی۔

تین ماہ کے بعد اس نے وہ غلط چھوڑ دیا۔ لوگ کچھ عرصہ اسے یاد کرتے رہے۔ پھر آہستہ آہستہ سب قاطع اور ان دونوں بچوں کو بھولنے لگے کیونکہ قاطع سے وہاں کے کسی فرد کا دوبارہ کبھی رابطہ نہیں ہوا۔ وہ ایک دم کہاں نامب ہوئی تھی لوگ قیاس آرائیوں کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکے۔

☆☆☆

”کافی جیتی ہیں آپ؟“ باقر شیرازی بڑے پرسکون انداز میں کہہ رہا تھا۔ ”کون سی کافی جیتی ہیں؟۔۔۔ کولڈ کافی؟۔۔۔“

انشٹ“

شائستہ نے ایک دم آنکھیں کھول دیں۔ ساتھ بیٹھے ہوئے شخص سے اسے پہلی بار خوف محسوس ہوا۔ وہ آخر اس کے بارے میں کیا کیا اور کس حد تک جانتا تھا۔

”پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے شائستہ کمال! میں آپ کا دوست ہوں۔“

باقر شیرازی نے اس کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے کہا۔ دو ہلکیس جھپکائے بغیر اسے دیکھتی رہی۔

”سرا آپ کو کچھ چاہیے؟“ ایئر ہوش نے اچانک آ کر ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو میں مداخلت کی۔

”ہاں، میں کافی پیوں گا۔“ باقر شیرازی نے ایئر ہوش سے کہا۔

”آپ کافی پینا پسند کریں گی؟“ وہ اب مسکراتے ہوئے شائستہ کمال سے پوچھ رہا تھا۔

اس کے سوال کا جواب دینے بغیر وہ صرف اسے گھورتی رہی۔

”میرا خیال ہے۔ یہ بھی کافی پسند کریں گی۔ آپ ہم دونوں کے لیے کافی لے آئیں۔“ باقر شیرازی نے ایک دم گردن

مڑتے ہوئے ایئر ہوش سے کہا۔

”رائٹ سر۔“ وہ نہایت مستعدی سے واپس چلی گئی۔

”آپ مجھے اس طرح کیوں دیکھ رہی ہیں شائستہ؟“

ایئر ہوش کے جانے کے بعد باقر شیرازی نے بڑے اطمینان سے پوچھا۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر اس نے ایک

گہرا سانس لے کر کہا۔

”میں آپ کو سمجھنے کی کوشش کر رہی ہوں۔“

باقر شیرازی نے اس کی بات پر ایک ہلکا سا تہہ لگایا۔

”پھر تو یقیناً میں بہت خوش قسمت ہوں جسے شائستہ کمال جیسی عورت سمجھنے کی کوشش کر رہی ہے۔“

اس کے قہقہے اور تہرے نے بھی شائستہ کمال کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں کی۔ وہ اسی طرح اسے دیکھتی رہی۔

"مجھے محسوس ہو رہا ہے۔ میرے سوال نے آپ کو پریشان کر دیا ہے۔" باقر شیرازی نے یک دم سنجیدہ لہجے میں کہا۔ "اگر ایسا ہے تو میں اس کے لیے آپ سے معذرت چاہتا ہوں۔"

"معذرت کرنے کے بجائے آپ مجھے صرف یہ بتادیں کہ آپ یہ سب کچھ کیسے جانتے ہیں؟" شائستہ نے اس کے سوال کی تردید کرنے کی کوشش کیے بغیر اس سے دو ٹوک بات کرنے کا فیصلہ کیا۔ جو شخص اس سے اتنا ذاتی اور ڈائریکٹ سوال پوچھ سکتا تھا، اس کے پاس یقیناً معلومات کے کچھ ایسے ذرائع ضرور ہوں گے جو بہت قابل وثوق ہوں گے۔ وہ اس کی بات کو جھٹلانے کی کوشش کرنا نہیں چاہتی تھی۔ باقر شیرازی یقیناً اس کی ایسی کسی تردید کو کوئی اہمیت نہ دیتا۔

"جو لوگ اچھے سمجھتے ہوں، ان کے بارے میں سب کچھ جان لینے کو دل چاہتا ہے۔" باقر شیرازی نے بہت ذرا سی بات کی۔

"وہ باتیں بھی جو نہیں جانتی چاہئیں؟"

شائستہ نے اسے کچھ ملاحتی نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ باقر شیرازی کچھ سوچ میں پڑ گیا۔

"کیا آپ کو یہ محسوس ہو رہا ہے کہ میں آپ کا کوئی راز جاننے کے بعد اسے آپ کے خلاف استعمال کروں گا یا آپ ایک میل کروں گا؟"

اس نے سنجیدگی سے شائستہ سے پوچھا۔ شائستہ نے کوئی جواب نہیں دیا۔

"اگر آپ یہ سوچی رہی ہیں تو تھوڑا سوچ رہی ہیں۔" چند لمبے اس کے جواب کا انتظار کرنے کے بعد اس نے شائستہ سے کہا۔ "آپ باقر شیرازی کو بہت سی غلط کچھ رہی ہیں۔ میں ایسا کبھی نہیں کروں گا۔"

وہ ایک دم چپ ہو گیا۔ شائستہ نے اس کے چہرے سے نظریں ہٹائیں۔

"اگر آپ کو میرا سوال برا لگا تو آپ کو پورا حق ہے کہ آپ اس کا جواب نہ دیں۔"

"میں آپ سے پوچھ رہی تھی کہ آپ کو میرے بارے میں اس طرح کی معلومات کس نے دی ہیں؟" شائستہ نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"میرے اپنے ذرائع ہیں۔"

"اور آپ نے میرے بارے میں اس طرح کی معلومات انہیں کیوں کی ہیں، اگر بقول آپ کے آپ مجھے کوئی نقصان پہنچانے کا ارادہ نہیں رکھتے تو؟"

"اسے صرف ایک اتفاق سمجھیں۔" باقر شیرازی نے کچھ نہ انھانہ انداز میں کہا۔

"اتفاق؟" شائستہ نے سچ لہجے میں کہا۔ وہ اب اپنا کھ گئے والے اس شاگ سے باہر نکل آئی تھی۔

"میرے اور آپ کے درمیان کتنی شناسائی ہے کہ آپ اس بے تکلفی سے مجھ سے اس قسم کا ذاتی سوال پوچھ رہے ہیں؟" وہ کچھ متحسین ہوئی۔ "اور کیا سوچی کرتا ہے میرے بارے میں اس طرح کی معلومات انہیں کی ہیں۔ آخر چاہئے کیا ہیں آپ؟"

اس سے پہلے کہ باقر شیرازی کچھ کہتا، ایڈیٹر ہوش کافی لے کر وہاں آ گئی۔

وہ جتنی دیر کافی سرد کرتی رہی۔ باقر اور شائستہ خاموش بیٹھے رہے۔ اس کے جانے کے بعد باقر نے کافی کا کپ الٹا دیا۔

شائستہ سے کہا۔

"یہ کچھ ہے کہ ہم پہلے کافی لپیٹیں۔ اس کے بعد اس معاملے میں بات کریں گے۔"

"مجھے آپ کی کافی میں کوئی دھنک نہیں ہے۔ میں صرف اپنے بارے میں آپ کا اراحدہ معلومات جاننا چاہتی ہوں۔"

اس نے رضامندی سے کہا۔

"شائستہ! میں اپنے اس سوال کے لیے آپ سے دلگھلایا کرتا ہوں۔ میں نے واقعی آپ کے ذاتی معاملات میں

”معاذ کی ہے۔“  
”میں نے آپ سے معذرت کے لیے نہیں کہا، میں صرف یہ جانتا چاہتی ہوں کہ آپ کو میرے بارے میں یہ ساری

مطلوبات کس نے دی ہیں؟“ وہ اس کی معذرت سے متاثر ہوئے بغیر بولی۔

”مزید معلومات۔“ ہاتھ شیرازی نے مسکراتے ہوئے اس کا جملہ دہرایا۔

”کسی سیاست دان سے اس کے معلومات کے ذرائع پوچھ رہی ہیں۔ کمال کر رہی ہیں۔“ وہ جیسے اس کی بات سے لطف

انداز میں بولتا تھا۔

”مجھے یہاں سے چلے جانا چاہیے۔“

”آخر آپ کو اتنا قصہ کس بات پر آ رہا ہے میں آپ سے معذرت تو کر چکا ہوں۔“ ہاتھ شیرازی نے ایک بار پھر

مجبور ہوتے ہوئے کہا۔

”مگر آپ میرے سوال کا جواب نہیں دے رہے۔“

”یہ ممکن ہی نہیں ہے۔۔۔ چلیں، آپ یہ سمجھ لیں کہ میں نے آپ کے بارے میں معلومات کے لیے کسی ایجنسی کو استعمال

کیا ہے۔“

”کیوں؟“

”مجھ سے غلطی ہو گئی۔“ ہاتھ شیرازی نے ہلکے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

وہ اسے دیکھتی رہی اس کا اشتعال آہستہ آہستہ دم توڑ رہا تھا۔ چند منٹ پہلے تک وہ ہاتھ شیرازی کے سامنے جس احساس

بڑی کو لیے ہوئے تھی، وہ یک دم ہی کہیں غائب ہو گیا تھا۔ ہارون کے ملاوہ وہ دوسرا شخص تو جو اس حقیقت سے -

اس نے ایک بار پھر سیٹ کی پشت سے ٹپک دکائی مگر اس بار اس کے چہرے پر مسکین نمایاں تھی۔

اس کی آنکھیں بند تھیں، اس بار وہ اپنی آنکھوں کے تاثرات کو چھپا چاہتی تھی۔۔۔ چہرے کو وہ چھپا نہیں سکتی تھی۔

”اگر ہاتھ شیرازی یہ سب جان سکتا ہے تو پھر کوئی بھی جان سکتا ہے۔۔۔ کیا مجھے ہارون سے اس سلسلے میں بات کرنی

چاہیے؟“ وہ سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

”تو راکر۔۔۔“

”شائستہ!“ ہاتھ شیرازی کی آواز نے اچانک اس کی سوچوں کا تسلسل توڑ دیا۔ ”آپ مجھے اپنا دوست سمجھ سکتی ہیں۔“

شائستہ نے ایک نظر اسے دیکھا۔ ”میں کوشش کر رہی ہوں۔“

”میں آپ کو کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔“

”آپ مجھے کبھی کوئی نقصان پہنچا بھی نہیں سکتے۔ میں اپنی حفاظت کرنا جانتی ہوں۔“

شائستہ نے پراہم انداز میں کہا۔ مگر پراہم نظر آنے کی کوشش اس وقت اسے سختی تکلیف دہ محسوس ہو رہی تھی یہ اس کے

ملاوہ اور کوئی نہیں جانتا تھا۔

کچھ دیر ان دونوں کے درمیان خاموشی کا ایک وقفہ حائل رہا۔ پھر کوئی خیال بکلی کی طرح شائستہ کے ذہن میں گوندا تھا۔

ایک بار پھر بے چینی اور اضطراب اس کے چہرے پر جھلکنے لگا۔

”اگر ہاتھ شیرازی یہ جانتا ہے کہ میں نے اپنے کسی بچے کو کسی تنہا خانے میں بھجوا دیا تو وہ یقیناً یہ بھی جانتا ہو گا کہ وہ

پچ کہاں ہے۔“ وہ سوچ رہی تھی۔ ”مجھے اس سے پوچھنا چاہیے۔ ہو سکتا ہے جو کام میں نہیں کر سکی وہ یہ کر دے۔ یا یہ بھی ممکن

ہے ہاتھ شیرازی سے میری ملاقات اس کام کے لیے ہوئی ہو۔“

وہ اپنے خیالوں اور سوچوں میں فرق تھی اور اس بات کو مکمل طور پر نظر انداز کیے ہوئے تھی کہ ہاتھ شیرازی وقت فوقتہ اس

کے چہرے پر غمخیز دوزخاتے ہوئے اس کے تاثرات کو پڑھنے کی کوشش میں مصروف تھا۔

"کیا آپ جانتے ہیں کہ وہ بچہ کہاں ہے؟" شائستہ نے ایک دم کسی قہید کے بغیر ہاتھ شیریازی کو کھلب کیا۔  
 "آپ کا بچہ؟" ہاتھ شیریازی نے "آپ" پر زور دیتے ہوئے کہا۔  
 "ہاں ہر اچھے؟" اس کے بچے میں اس ہار کھلت خور کی لٹاپاں تھی۔ "وہ اس عظیم خانہ میں نہیں ہے جہاں اسے بھیجا گیا۔"

ہاتھ شیریازی نے کچھ جھرتی سے اسے دیکھا۔ "ہاں وہ وہاں نہیں ہے۔"

"کیا آپ جانتے ہیں، وہ کہاں ہے؟"

"نہیں۔"

شائستہ نے قدرے بے چینی سے اسے دیکھا۔ "یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کو پتا نہ ہو۔ آپ اگر یہ سب جان سکتے ہیں تو اس کے بارے میں مزید بھی جانتے ہوں گے۔"

"میں اس کے بارے میں اتنا ہی جانتا ہوں جتنا آپ جانتی ہیں۔" ہاتھ شیریازی نے عجیبوہ لہجے میں کہا۔ "میں کسی عملی نے لیا تھا۔ اس عملی کا ایک حادثے میں انتقال ہو گیا۔ اور بس بچہ کہاں ہے کسی کو پتا نہیں کیونکہ وہ عملی پاکستان میں نہیں رہی گف جلی گئی۔"

شائستہ کے چہرے پر ایک دم ایسی چھا گئی۔ "بس اس بچے کے بارے میں آپ اتنا ہی جانتے ہیں؟"

"ہاں، میں اتنا ہی جانتا ہوں لیکن۔" ہاتھ شیریازی ایک لمحوے کے لیے رکا۔ "لیکن میں اس کے بارے میں آپ کو اس سے زیادہ معلومات دے سکتا ہوں۔ میں آپ کے لیے یہ کام کر داسکتا ہوں۔" اس نے پیشکش کی۔

"فیک ہے، آپ مجھے اس کے بارے میں معلومات کراویں میں اس بچے کو ڈھونڈنا چاہتی ہوں اگر آپ اس مسئلے میں مدد کر سکتے تو؟"

ہاتھ شیریازی نے شائستہ کی بات کاٹ دی۔

"میں آپ کی مدد کر سکتا نہیں۔ میں آپ کی مدد کروں گا۔"

"فیک ہے۔" شائستہ نے تفکر کے احساس کے ساتھ کہا۔

"اس کی ضرورت نہیں۔ دوستوں میں شکر یہ نہیں ہوتا۔"

ہاتھ شیریازی نے ایک جلیبی مسکراہٹ کے ساتھ اپنا کافی کا کپ رکھتے ہوئے کہا۔ "اب دوسرا کار ساگر رہا تھا۔ شائستہ کھڑی کر وہ اب اس سے کوئی سوال کرے گا مگر اس نے نہیں کیا۔ کچھ دیر اسے دیکھتے رہنے کے بعد شائستہ نے

اپنا کپ بہ۔

"کیا آپ اپنے سوال کا جواب نہیں چاہتے؟"

ہاتھ شیریازی چونکا "کون سے سوال کا؟"

"اسی سوال کا جس سے یہ مکث شروع ہوئی تھی۔"

"آپ ناراض ہوئی تھیں اس سوال کا جواب نہیں دینا چاہتی تھی، اس لیے مجھے جواب کی خواہش نہیں ہے۔" ہاتھ شیریازی نے۔ گا۔ کا کپل پیتے ہوئے پچھلے شہتہ انداز میں کہا۔

"میں آپ کی ناراضی انداز نہیں کر سکتا۔"

"اور اگر اب میں خود اتنا چاہوں؟"

"یہ آپ کا قصہ ہے مگر یہ یاد رکھیں کہ میں اتنا سوال دہرا نہیں دہرا ہوں۔" ہاتھ شیریازی نے کہا۔

شائستہ دھونے کے لیے اسے دیکھتی رہی۔ وہ ایک دم اسے بہت اچھا لگا تھا۔ اپنے سے دلگہرا کرنے کے باوجود وہی اسے اپنے لہجے سے دیکھتا رہتا تھا۔ ہاتھ شیریازی میں ایک خاص قسم کی گرم جوشی تھی۔

تھوڑا سا آہاں

بے تکلف تھا مگر کچھ حد و قیود کے ساتھ..... وہ بے باک تھا مگر یہ بے باکی ان دو لمحاتوں میں کہیں بھی اس کے لیے تکلیف دہ نہیں بنتی تھی۔ اس نے باقر شیرازی سے ملنے سے پہلے اس کا بہت نام اور شہرہ سن رکھا تھا۔ مگر اس وقت اس کے ساتھ بیٹھے ہوئے دو محسوس کر رہی تھی کہ باقر شیرازی اس سے کہیں زیادہ ڈانٹنا تک پرستیشی رکھتا تھا۔

”میں آپ کے سوال کا جواب دینا چاہتی ہوں۔“

باقر شیرازی نے کچھ نہیں کہا۔

”I want to feel light-hearted.“ (میں اپنا دل ہلکا کرنا چاہتی ہوں)

باقر شیرازی اسے دیکھتا رہا۔

”آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ آپ ہارون کے بعد وہ پہلے شخص ہیں جن سے میں اس بارے میں بات کر رہی ہوں۔“

اس نے ایک گہرا سانس لے کر اپنی سیٹ کی پشت کے ساتھ ٹیک لگائی۔

”اگر ہارون کو یہ پتا چل جائے تو وہ.....“ شائستہ نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”Are you having strained relations with you husband?“ (کیا آپ اپنے شوہر کے

دباؤ میں ہیں)

باقر نے اچانک پوچھا۔ شائستہ نے سر موڑ کر اسے غور سے دیکھا۔

”Strained.....No..... May be..... yes“ (دباؤ.....نہیں.....شاید ہاں)

باقر شیرازی شائستہ کے فوری انکار اور پھر اقرار پر مسکرایا۔ ان دونوں کے درمیان خاموشی کا ایک اور وقفہ آیا۔ شائستہ اب

باضی میں اتر رہی تھی۔ احساسِ جرم کی دلدل ایک بار پھر اس کے پیروں سے لپٹنے لگی تھی۔

## ساتواں باب

وہ شادی کے اگلے پختے ہارون کے ساتھ ہلی سون کے لیے انگینڈ چلی گئی۔ وہاں آنے کی خواہش ہارون کی تھی۔ وہ چاہتا تھا۔ وہ دونوں چند پختے وہاں گزاریں۔

شائستہ اس کے ساتھ ساتویں آسمان پر پہنچی ہوئی تھی۔ وہ اس کے لیے سراپا محبت تھا۔ شائستہ کو اپنے انتخاب پر فخر ہوا تھا۔ وہ اگر کسی زندگی کے خواب دیکھتی تھی تو ایسی ہی زندگی کے۔ کسی پابندی کے بغیر۔ آزادی کی زندگی۔ اور اب اسے آزادی حاصل تھی۔

وہ اس برقعہ کی گرفت سے باہر آ چکی تھی جو وہ اپنے ماں باپ کے گھروں سے لے کر تھی۔ زندگی اس کے لیے ایک ہانگے سے مٹی لے کر آئی تھی۔

انگینڈ آنے کے دوسرے دن لٹچ پر ہارون نے اس سے کہا۔

”آج ہم ڈاکٹر کے پاس جا رہے ہیں۔“

”کس لیے؟“ شائستہ اس کے منہ سے یہ غلاف توقع جملہ سن کر حیران ہوئی۔

”تمہارے لیے۔“

”میرے لیے؟“ مجھے کیا ہوا؟ میں بالکل ٹھیک تھا۔“ شائستہ نے کہا۔

”ہاں لیکن ہم پھر بھی ڈاکٹر کے پاس جا رہے ہیں۔ میں آپ کو کھٹ لے چکا ہوں۔“

”ٹھیک ہے، چلے جائیں گے۔“

شائستہ نے بڑے سرسری انداز میں کہا۔ اس کا خیال تھا۔ ہارون اس کا مکمل چیک اپ کروانا چاہتا تھا۔ شام کے وقت وہ ہارون کے ساتھ ہسپتال چلی گئی۔

ہارون ڈاکٹر کے ساتھ بڑے نارمل انداز میں گفتگو کر رہا تھا۔

”میں ان کا چیک اپ کر لیتی ہوں، اس کے بعد میں آپ کو اپارٹمنٹ کے لیے ڈیٹ دے دوں گی۔“

شائستہ کو کچھ اسے ڈاکٹر کی بات سننے اور سمجھنے میں کوئی غلطی ہوئی ہے۔

”آپ نے کیا کہا؟“ اس نے اپنی منہ جی دور کرنے کے لیے آنکھیں میں ڈاکٹر سے پوچھا۔

ڈاکٹر نے ایک بار پھر مسکراتے ہوئے اپنی بات دہرائی۔

”اپارٹمنٹ؟“ اس نے فحش رنگت کے ساتھ ہارون کو دیکھا، اس کا چہرہ ہانگے بے تاثر تھا۔

”یہ کیا کہہ رہی ہے ہارون؟“ اس نے اس بار ہارون سے پوچھا۔ ڈاکٹر اب خاموش ہو گئی تھی۔ شاہ شائستہ کے چہرے کے تاثرات نے اسے کچھ سمجھ کر دیا تھا۔

ان سے پہلے کہ ہارون اس کی بات کا جواب دے، ڈاکٹر نے اس سے پوچھا۔

”نہا آپ کی جانی یہ نہیں جانتی کیا آپ بچے کا اہارٹن کروا چاہتے ہیں؟“  
 وہ جانتی ہے لیکن وہ ابھی بھی کچھ سٹیڈیز ہے۔ میں اس سے بات کروں گا۔ آپ اس کا چیک اپ کریں۔“ ہارون  
 نے سترے ہوئے اور تڑوٹلی دی۔  
 ”بس۔ مجھے چیک اپ نہیں کروانا۔ ڈاکٹر سے بات کرنے سے پہلے تم مجھ سے بات کرو۔“ شائستہ غم و حسرت کی حالت  
 میں اپنی جیب سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

ہارون نے سر اٹھانے سے اسے دیکھا اور پھر ڈاکٹر سے کہا۔  
 ”تیرا خیال ہے، میں یہ چیک اپ آج ہی کرنا چاہتا ہوں۔“  
 جانی ایک بار پھر خوف زدہ ہو رہی ہے۔  
 اس نے آخری جزدہ سے حواجیہ انداز میں کہا اور پھر ڈاکٹر سے ہاتھ ملاتے ہوئے باہر آ گیا۔ شائستہ تب تک پیسے ہی  
 ترے سے باہر نکل چکی تھی۔

”تم کیا کرنا چاہتے ہو میرے ساتھ؟“ شائستہ نے اس سے باہر نکلنے ہی تقریباً چلاتے ہوئے اس سے پوچھا۔ ہارون  
 نے صبحی انداز میں ہنسی اٹھا کر بے ہوش آواز میں اس سے کہا۔  
 ”میں تمہارا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جو بھی بات ہے۔ ہم فیصلہ پر والیس جا کر کریں گے۔“ وہ شائستہ کا انتظار  
 کیے بغیر کھڑے ہو کر پورے کرنے لگا۔ شائستہ نے سرٹا چہرے کے ساتھ اس کی سی دی کی۔  
 والیس کا پر اسرار وہ جیسی میں خاموش رہے۔ شائستہ بری طرح بھڑکی ہوئی تھی اور اس کے لیے خاموش بیٹھے رہنے مشکل  
 ہو رہا تھا۔ شائستہ نے ہارون اس سے راستہ میں کوئی بات کر کے گناہ نہ کیا۔

قلبت کا روزانہ کھول کر اندر آتے ہی اس نے اپنا بیگ دور دوچار پر ڈال دیا تھا۔ ہارون نے ایک اپنی ہی نظر اس بیگ  
 پر ڈال کر روزانہ کو لاک کرتے ہوئے صوفیہ کی طرف بڑھ گیا۔

”تم مجھے بیان اس لیے لائے ہو؟“ شائستہ نے تیز آواز اور سرٹا چہرے کے ساتھ اس سے پوچھا۔

”میں کام کے لیے“ بھی ”لے کر آیا ہوں۔“ ہارون نے پرسکون انداز میں صوفیہ پر بیٹھے ہوئے کہا۔

وہ دونوں ہاتھ کر پر رکھے ہلکی جھپکائی بغیر بے ترتیب سانس کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔ ”اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم مجھے  
 ہاتھ کی بھی بنا کر رکھو گے تو یہ تمہاری بھول ہے۔ اگر تم یہ سمجھتے ہو کہ تم مجھے جو کچھ ہو گے میں آنکھیں بند کر کے کرنے پر تیار ہو  
 جاؤں گی تو یہ بھی تمہاری بھول ہے۔“

”میں کسی بھول میں رہنے والا نہیں ہوں۔ تم کیا کر سکتی ہو۔ کیا نہیں۔ یہ کوئی مجھ سے بہتر نہیں جان سکتا۔“

ہارون کے لہجے میں کیا چھپا تھا وہ انداز نہیں کر سکی۔ اس نے اندازہ کرنے کی کوشش بھی نہیں کی۔

”میں کسی صورت بھی اہارٹن نہیں کرواؤں گی۔“ اس نے دونوں انداز میں کہا۔ ”میرے آخراہارٹن کیوں کرواؤں

اب جب میں تم سے ہا کاہد و طور پر شادی کر چکی ہوں تو اہارٹن کی ضرورت کہاں رہتی ہے۔“

”تمہارا خیال ہے، چھ ماہ کے بعد جب یہ بچہ پیدا ہو تو میں سب سے یہ کہوں کہ مجھ سے یہ بالکل نہ پوچھیں کہ شادی کے

پچھلے ماہ میرے پاس اولاد کیسے ہو گئی ہے۔ صرف یہ کافی ہے کہ میں اور شائستہ شادی شدہ ہیں اور اسے وہ رہے ہیں۔ وغیرہ

وغیرہ۔“ اس بار اس کی آواز میں طنز تھا۔

شائستہ چند لمحوں کے لیے کچھ نہیں بول سکی۔ ”ہم۔ ہم۔“ کہہ سکتے ہیں کہ بچہ پری کچھ ہے۔ اس نے کچھ دیر بعد

اچھے ہوئے کہا۔

”میرے ملاوہ کس کس کو حمل سے پھیل سمجھتی ہو تم؟“ ہارون نے سچ آواز میں کہا۔

”پچھلے ماہ پیدا ہونے والا بچہ زندہ رہ پاتا ہے؟“ اور زندہ رہی جائے تو اس کی حالت کیسی ہوتی ہے اس کا اندازہ

جے نہیں "اب منتقل ہو کر صوفی سے اٹھ گیا۔

"تم چاہتی ہو، لوگ ہمارے ہمارے میں اٹھیں اٹھیں۔ وہ اپنے انداز سے پیش کرتی۔ تمہاری اور میری شادی ہو  
 دونوں کی ضد پر ہوئی ہے۔ یہ ہمارا خاندان چاہتا ہے۔ لوگوں کو یہ سوچ نہ دو کہ وہ اس کی وجوہات نہیں آؤت گئے ہیں  
 چاہیں۔"

"تم کو خاندان کی قرب سے ہونے لگی جسیں لوگوں کی اٹھیں سب سے پریشان کرنے لگیں تم بھی جی اسے  
 قدامت پرست اور روایتی سوچ کے مانگ تو نہیں تھے۔"

"میں قدامت پرست ہوں، نہ روایتی سوچ کا مانگ ہوں لیکن مجھے خاندان کی پروا ہے۔" بارون نے اگھر لکھے میں یہ  
 "تمہاری اور میری کوٹ میری کسی کو پتا نہیں ہے نہ تمہارے گھر والوں کو نہ میرے گھر والوں کو اور میں ان  
 بیچ کے معاملے سے ایسی کسی چیز نہیں چاہتا جو میرے ماں باپ یا بہن بھائیوں کے لیے کسی شرمندگی کا باعث  
 بنیں۔"

وہ اس کا منہ دیکھنے لگی۔ بارون کوئی کا ایک نیا چہرہ اس کے سامنے تھا۔

"ہر ایک سچی کلمے کا کرشنوی سے پیسے ہم دونوں کے تعلقات تھے اگر ہم نے کوٹ میری کا تا بھی واپس بھی  
 کوئی اس بات پر یقین نہیں کرے گا۔" اس نے مٹی سے کہا۔ "میں اپنے ماں باپ کا سب سے بڑا بیٹا ہوں میرے حوالے سے کسی  
 ہانے اپنی ایک کوئی قیاس آرائی میرے ماں باپ کو صرف خاندان میں ہی نہیں بلکہ میرے بہن بھائیوں کے سامنے بھی ہر  
 اٹھنے کے قابل نہیں رکھے گی۔ اور پھر میری دونوں بیٹیں، وہ کیا سوچیں گی میرے بارے میں اور کل کو اس بیچ کے  
 ہونے ہوں گا۔" اس نے غصی لہجے میں کہا۔

"جسیں اپنے خاندان کی پروا ہے جسیں اپنے ماں باپ کی قرب سے جسیں اپنے بہن بھائیوں کا فخر کھانے چاہتا  
 ہے اگر جسیں کسی کی رتی برابر بھی پروا نہیں ہے تو وہ میں ہوں۔" شائستہ نے نشتعل ہوتے ہوئے کہا۔  
 "مجھے تمہاری پروا ہے۔ یہ جو کچھ میں کرو رہا ہوں۔ یہ تمہارے اور اپنے لیے ہی کر رہا ہوں۔"  
 "نہیں، میرے لیے تم جو کچھ کر رہے۔ تم جو کچھ بھی کر رہے ہو۔ صرف اپنے اور اپنے خاندان کے لیے کر رہے ہو  
 ان کی عزت کی قرب ہے جسیں۔ جسیں خوف ہے کہ۔۔۔ خاندان والے تمہارے گھر والوں کو برا بھلا کہیں گے جسیں لعنت طاعت  
 کریں گے۔"

"جسیں بھی تو کریں گے۔ تمہارے گھر والوں کو بھی تو شرمندگی کا سامنا کرنا پڑے گا اس سے زیادہ شرمندگی کا جتنا  
 میرے گھر والوں کو کتنا پڑے گا۔" بارون نے اسی تندہ و تیز آواز میں کہا۔ "تم سامنا کر سکو گی اپنے گھر والوں کا۔ اس بیچ کے  
 ساتھ؟ تم ان کے سوالوں کا جواب دے سکو گی۔"

وہ ہنست بھینچے اسے دیکھتی رہی ہر ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"تمہاری خواہش تھی کوٹ میری۔ تم مجھے لے کر جاتے رہے تھے اپنے گھر۔ اس وقت سوچنا چاہیے تھا جسیں۔  
 سب ہنر اپنے گھر والوں کا۔ میرے گھر والوں کا۔ اپنا میرا۔" وہ ہنسی بھری انداز میں چلانے لگی۔  
 "میں یہاں سوچتا میں نے جسیں بچا کر کے تم سے کوٹ میری کی تھی نہ گن ہاؤس پر جسیں اپنے گھر لے جاتا  
 ہوا تھا۔ تم اپنی مرضی سے میرے ساتھ جاتی رہی ہو۔" بارون نے جڑ سے روکے جسیں کوٹھے سے بھٹکتے ہوئے کہا۔  
 "نہیں۔ ماں باپ فیلد کہتے تھے۔ مجھے تم سے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی تم تم تم انسان ہو ہی نہیں  
 انسان کی نہیں تم تمہارا عقل ہے ہی نہیں۔" وہ آسٹ سے سر ہلاتے ہوئے بولی۔



باققر شیرازی نے اپنے لیے اسے کواچھ اپنا منفس کے لیے کی جانے والی درخواستوں کی تصدیقات دہرانے کے لیے کہا۔ وہ پہنچنے والے پتے کی اطلاعوں کا شیڈول بنوا رہا تھا۔

لیا اے باری باری مختلف لوگوں کے نام اور پتے کی نویت سے اسے آگاہ کر رہا تھا۔ وہ بعض توں سے فروری اپنا منفس کے لیے روہا تھا۔ بعض کو پتے کا کہہ رہا تھا اور بعض سے پتے سے انکار کر رہا تھا۔

پھر لیا اے نے کسی طرح کی طرح رنے رنے انداز میں دوسرے لوگوں کی طرف سے ۱۱۱۱ نام بھی دہرائے۔

باققر شیرازی اپنی ریلوے چیز جلاتے جلاتے ایک لکھ کے لیے رک گیا۔ ”زرقا اور شمشاد بیگم“ اس نے حیرانی سے کہا۔

”ہاں سر۔ زرقا اور شمشاد بیگم۔“ لیا اے جانتا تھا کہ وہ دونوں نام باقر شیرازی کے لیے ابھی نہیں تھے۔ ایک سال پہلے ہی اس نے باقر شیرازی کے ساتھ من کی بچھ اپنا منفس طے کی تھی۔

”وہوں کیوں ملتا چاہتی ہیں؟“ باقر شیرازی نے پوچھا۔

”کسی نئی کام کے لیے ملتا چاہتی ہیں۔“ لیا اے نے سوہ انداز میں کہا۔

”تم نے پوچھا نہیں کہ وہ نئی کام کیا ہے؟“

”میں نے پوچھا تھا مگر نہیں نے بتانے سے انکار کر دیا۔ وہ کہتے ہیں کہ باقر صاحب ہمیں ابھی طرف جانتے ہیں۔ آپ ان کو تار نام بتادیں۔“ ضرور ہمیں ملاقات کے لیے وقت دے دیں گے۔“ لیا اے نے ان دونوں کا بیان دہرایا۔

”تھک ہے، انہیں اپنا منفس دے دو۔“ باقر شیرازی نے اپنی سیٹ کی پشت سے تکیہ لگا کر کہا۔

”سر، اس دن کی اپنا منفس دوں؟“

”کھل کی۔“

”کھل؟“ لیا اے نے حیرانی سے سر اٹھا کر دیکھا۔ ”مگر سر، کھل تو آپ کی بہت ضروری اور اہم اپنا منفس ہیں یہ اپنا منفس کیسے ایڈجسٹ کر سکتا ہوں اتنے بڑی شیڈول میں۔“

”ہائیں۔ مجھے ان سے کل ہی ملتا ہے فروری۔“ باقر شیرازی نے محضم آواز میں کہا۔

”لیا اے نے ایک لمحہ کے لیے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر سر جھکا لیا۔ ”تھک ہے سر۔“ اس کے من سے نکلے۔

”آپ من سے کہاں ملیں گے؟“ اس نے اٹھا سوال پوچھا۔

”ان سے پوچھیے وہ مجھ سے کہاں ملتا چاہتی ہیں؟“ باقر شیرازی نے کہا۔

”لیا اے نے ایک بار پھر سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ وہ لاہر والی سے اپنی ریلوے چیز سمجھاتے ہوئے کسی سوچ میں مگن تھا۔

”کتنے منٹ دوں سر؟“ اس نے چند لمحوں بعد نوٹ بک پر کچھ نوٹ کرتے ہوئے پوچھا۔

”یہ بھی آپ من ہی سے پوچھیں۔“ باقر شیرازی نے کہا۔ لیا اے نے عجیب سی نگہوں سے اسے دیکھا۔

اگلے ہی لمحہ وہ نوٹ بک پر جھکا اور برق رفتاری سے اس میں کچھ نوٹ کرنے لگا۔ باقر شیرازی اب بھی بڑے اطمینان اور سکون کے عالم میں اپنی ریلوے چیز جلاتے جلاتے میں مصروف تھا۔

☆☆☆

”اب آپ لوگوں کی باری ہے۔ آپ لوگ اندر چلے جائیں۔“ باقر شیرازی کے لیے اس نے نوٹرز روم میں آتے ہوئے کہا۔ جہاں زرقا اور شمشاد بیگم بھی تھیں۔ لیا اے انہیں اطلاع دے کر باہر نکل گیا۔

زرقا نے اپنا پرس کھول کر جلدی سے اس میں سے فیس پاؤڈر نکال لیا اور اسے کھول کر اپنے چہرے پر پاؤڈر کی تہہ تہہ سے جمانے لگی۔ اس کی ماں شمشاد بیگم کمرے ہو کر اپنی سازشی کو تھیک کرنے میں مصروف تھی۔

فیس پاؤڈر لگانے کے بعد زرقا نے ایک تیز سرخ رنگ کی لپ اسٹک نکال اور اسے ایک بار پھر ہونٹوں پر بھیجے۔

پہلے اس کے ہونٹوں پر پہلے سے موجود لب اسٹک میں کوئی تھری نہیں لائی۔ وہ پہلے بھی اتنی ہی گہری اور تیز تھری تھی۔ شمشاد تیسرا اب اپنی گھاٹی میں ڈالی ہوئی تھی کا منہ کھولنے میں اس سے پان کی ایک تھی گہری نکال کر اپنے منہ کی طرف کے گال میں دبا رہی تھی۔ گہری منہ میں دہانے کے بعد انہوں نے زبان کی نوک کو ذرا سا باہر نکالتے ہوئے اٹھیں تو پہلے، زرقہ بھی اب کھڑی ہو چکی تھی اور سادھی کے بلاؤ کو ٹھیک کرنے اور پھونکنے سے پہلے ہی صرف تھی۔

نئی اس نے ایک بار پھر کمرے میں جھانک کر دیکھا۔  
 ”آپ آج آئے۔ شیرازی صاحب آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔“ اس بار شمشاد بیگم اور زرقہ حریف وقت ضائع کیے تھے اور زرقہ سے گلے تھے۔

”آج میں جناب! میں آپ ہی کا انتظار کر رہا تھا۔“  
 ان دونوں کے کمرے میں داخل ہوتے ہی باقر شیرازی نے کہا۔ ”وہ اپنی کرسی سے اٹھ کر کمرے کے وسط میں آ گیا۔ میں نے بیوقوفی سے زرقہ سے ہاتھ ملایا اور پھر بیڑی بے تکلفی سے اس کے کندھے کے گرد بازو پھیلانے کمرے کے ایک کونے میں موجود صوفی کی طرف آ گیا۔  
 شمشاد تیسرا اور زرقہ کونوں کی اس گرم جوشی نے کچھ اور زردی کیا شاید وہ اس کی توقع نہیں کر رہی تھیں۔  
 ان دونوں صوفی پر بٹھاتے ہوئے اس نے پوچھا۔  
 ”پیسے تو یہ تہ کیے جناب کہ آپ کیا چاہتا پسند کریں گی؟ کافی، چائے، صوف ڈرنک؟“ اس نے زرقہ کو گلاب کرتے ہوئے کہا۔

”کچھ بھی جو آپ تمہیں۔“ وہ کچھ گڑبڑا کر بولی۔  
 ”اے ہم تمہیں کریں؟“ بھیجی آپ تمہیں کریں، مہمان آپ ہیں۔ مہمان آپ ہیں۔“  
 ”چائے ہی ٹھیک رہے گی شیرازی صاحب۔“ شمشاد بیگم نے خوشامدانہ مسکراہٹ کے ساتھ مداخلت کی۔  
 ”ٹھیک ہے۔ چائے چائے دیتے ہیں۔“  
 باقر شیرازی نے خوش دلی سے کہا اور اپنی آفس نچل کی طرف بڑھ گیا۔ کمرے کے کمرے اس نے انٹرا کام پر لوازمات کے ساتھ چائے لانے کی برائت دی اور پھر مسکراتا ہوا وہ اس کی طرف پلٹ آیا۔  
 زرقہ کے پاس صوفی پر بیٹھے ہی اس نے زرقہ سے پوچھا۔  
 ”کوئی بڑھ سال ہو گیا۔ آپ نے ایسے فراموش کیا جس کی کوئی رابطہ ہی نہیں رکھا۔ ایسی کیا خطا کر بیٹھے ہم؟“  
 ”شیرازی صاحب! کون گناہگار کر رہے ہیں ایسے۔ ہم کیا اور ہماری بساط کیا کہ آپ کو فراموش کریں۔“ زرقہ نے بے اختیار کہا۔

”تو پھر نہ ب کہاں تھیں آپ؟“  
 ”میں شیرازی صاحب! رابطہ ہم نے تو نہ؟ رابطہ تو آپ نے تو نہ۔ ملا جلا تو آپ نے ختم کیا۔ ہم تو آج تک اس طرح یہ وہ اول فرش راہ کیے بیٹھے ہیں۔“ شمشاد بیگم نے پان چباتے ہوئے مسکرا کر کہا۔  
 ”تھیں ایسے سے ہی نکلا ہوئی۔ مگر آپ نے بھی تو رابطہ میں رہنے کی کوشش نہیں کی۔“  
 باقر شیرازی نے نظرا کر کہا۔ اس سے پہلے کہ شمشاد بیگم کچھ کہتی۔ ایک جیڑھی چائے کی لٹولی کے ساتھ وہ اترتا ہوا کہ اٹھ اٹھ ہو گیا۔ باقر شیرازی کی توجہ فوری طور پر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔  
 تھی اس لٹولی ان کے پاس پہنچانے کے بعد باقر شیرازی کے کنبے پر ہاتھ رکھا۔

زرقہ نے خود بخود ہی پائے پلانے کی ذمہ داری لے لی۔  
 "جی، ہم تو آپ کی آواز سننے کو ترس گئے ہیں۔" باقر شیرازی نے زرقہ سے پائے کا سب لیتے ہوئے کہا۔ "ایک ہی  
 آواز پہنچی تھی، ہمیں اور آپ نے ہمیں اس سے بھی مراد کر دیا۔ کیا علم کیا۔"  
 "ہاں، حق بہ مجھوں پر، جسبت ہے عذاری کی  
 جو چاہے، سو آپ کرے ہیں ہم کو صفت بنام کیا  
 زرقہ نے بے اختیار ایک شعر پڑھا اور باقر شیرازی نے بے اختیار قبضہ لگایا۔  
 "ہمیں تو ساری عمر آپ کے قدموں میں بیٹھنے کو تیار تھی۔ یہ تو بس آپ نے ہی کر نہیں کیا۔" زرقہ نے ٹھوہ کرتے ہوئے

کہا۔ "ہم تو آپ اپنی سی بات پر ناراض ہو گئیں۔" باقر شیرازی نے پائے کا ٹکڑا کھرا۔  
 "اتنی سی بات؟ کیا کہنے جناب کے۔۔۔ آپ کے لیے تو ہر بات ہی اتنی سی بات ہے مگر میرے جیسے خاک نشینوں کے  
 لیے یہ اتنی سی بات نہیں تھی۔" اس نے جیسے کچھ بتایا۔  
 "ہمیں۔۔۔ ہاشی کو چھوڑیں۔ ہم بھی گڑے سروے اٹھانے بیٹھ گئے ہیں۔ یہ بتائیے کہ ہمیں خدمت کا موقع کیسے دیا؟"  
 باقر شیرازی نے اسے خوبصورت انداز میں گلے لگا کر سوچنے پر مجبور کیا۔  
 "ہمیں سرکار کیا بات کر دی آپ نے۔۔۔ خدمت کا موقع؟ ہم تو آپ کی نوازش کے طلبگار ہیں۔ درخواست  
 لے کر آئے ہیں آپ کے پاس۔" شمشاد بیگم نے خوشامیختگی سے پوچھی تھی۔  
 "درخواست نہیں۔۔۔ آپ حکم کریں۔" باقر شیرازی نے اس کی بات کا نکتہ ہونے سکرا کر کہا۔  
 "ہمیں تو آپ جانتے ہی ہیں، موسیقی سے کتنا نگاؤ ہے۔" شمشاد بیگم نے زرقہ کی طرف ہاتھ کے اشارے سے کہا۔ "آواز  
 سے بھی آپ واقف ہیں۔ لاکھوں میں نہیں۔ ہزاروں میں تو ایک ہے۔"  
 "بے شک۔" باقر شیرازی نے تائید کی۔

"تا ہے، حکومت بیرون ملک نقلی طائفے بھیج رہی ہے، وگرنے والوں کو بھی بھجوا رہی ہے۔ بچی کو بھی شوق ہے۔ آپ  
 کرم کریں تو اسے بھی موقع مل سکتا ہے۔ ملک کی خدمت کا۔ کچھ نام ہو جائے گا۔ کچھ پہچان بن جائے گی اور چار پچیس بھی  
 آجائیں گے۔ مجھ سے ضد کر رہی تھی تو میں نے کہا کہ شیرازی صاحب کے علاوہ اور ہمارا جانتے والا صرف یہ ہے کون چلو  
 ان ہی کے پاس چلتے ہیں۔" شمشاد بیگم نے خوشامیختگی سے پوچھی تھی۔  
 "کس طائفے کے ساتھ جانا چاہتی ہیں؟" باقر شیرازی نے پرسوں انداز میں کہا۔  
 "کسی بھی طائفے کے ساتھ بھجوا دیں۔" شمشاد بیگم نے جلدی سے کہا۔  
 "آپ جس طائفے کے ساتھ کہیں گی، اس کے ساتھ بھجواؤں گا۔" باقر شیرازی نے پائے کا کپ واہیں ٹرائی میں رکھتے  
 ہوئے کہا۔

باقر شیرازی نے اپنی آفس ٹیبل کے قریب جا کر ایئر کام پراپنے لی اے سے رابطہ کیا۔  
 "آفس ٹیبل کے ڈائریکٹر جنرل سے بات کروائیں یا ٹھہریں، بات نہ کروائیں۔ ان سے پوچھیں کہ اس سال  
 پاکستان کے کتنے ٹیبل گروپ باہر جا رہے ہیں اور کہاں کہاں جا رہے ہیں۔ مجھے ابھی دس منٹ کے اندر تصدیقات چاہئیں۔"  
 اس نے ایئر کام بند کر دیا۔  
 ٹیبل دس منٹ کے بعد لی اے اس کے آفس میں داخل ہوا اور چند ہی منٹوں کے ہاتھ میں حمزہ بیگم۔ باقر شیرازی نے  
 اس کے جانے کے بعد ان بیچر پر نگر دوڑانا شروع کر دی پھر اس نے باری باری ان ٹیبل کی تصدیقات سے انہیں آگاہ کرنا  
 شروع کر دیا۔

"مجھے روں بچو اور۔۔۔" زردقا نے ساری تھیلیاں سننے کے بعد کہا۔

"آل رانٹ۔۔۔" ہاتھ شیرازی نے اپنی اسے ڈانٹ کر کام پر آفس کونسل کے ڈائریکٹر جنرل سے رابطہ کرنے سے منع کیا۔

"سنسری آف مگر میں بس بات کروں گا۔ آپ ایک گھنٹے کے اندر اندر زردقا بیگم کے احکام کے تحت ہائی اسکول کے آفس پہنچو اور۔۔۔ ان کا پاسپورٹ اور ویزے کے لیے دوسرے بھیج زمین گل تک آپ کو بچھا دوں گا۔"

ہاتھ شیرازی نے فون پر ہت فتم کر کے زردقا کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

فیک ایک گھنٹے کے بعد زردقا نے ہاتھ شیرازی کے آفس میں وہ تلفاز وصول کیا تھا جس میں اسے اس ٹائٹل میں پیش کیے جانے سے آگاہ کیا گیا تھا۔

زردقا کے لیے یہ سب ناقابل یقین تھا۔ ہاتھ شیرازی کا رویہ اگر اس کے لیے حیران کن تھا تو اس کی مدد سے بھی زیادہ ناقابل فراموش۔

وہ دونوں کوشش کے باوجود اپنے چہروں پر چھستی خوشی پر قابو پانے میں ناکام ہو رہی تھیں۔

"یہ دروازہ ہمیشہ آپ کے لیے کھلا ہے گا زردقا جی۔۔۔ جب تکی چاہے آجائیں۔۔۔ اور جب تکی چاہے ہمیں اپنا ٹھکانہ

کا موقع دیں۔" وہ اپنے آفس کے دروازے تک انہیں چھوڑنے آیا۔ زردقا کی ممنونیت اور احسان مندی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

ہاتھ شیرازی نے شہرت کی یزیدی پر چڑھنے کے لیے اسے پہلا پائیدار فراہم کر دیا تھا۔ وہ پائیدار ان جس کی تلاش اسے

بہت سالوں سے تھی۔



"میرے ہاں باپ ٹھیک کہتے تھے۔ تم سے شادی نہیں کرنی چاہیے تھی۔ تم۔۔۔ تم، انسان ہو ہی نہیں سکتے۔ انسانوں

کی قبیل سے تمہارا تعلق ہے ہی نہیں۔" وہ تاسف سے سر ہلاتے ہوئے بولی۔

ہارون نے ہونٹ پیچھے ہوئے اسے دیکھا۔

"اگر تمہیں اپنے ماں باپ کی تمہیں اتنی یاد آ رہی ہیں تو بہتر ہے، تم ان ہی کے پاس واپس چلی جاؤ۔ میرا تعلق انسانوں

سے نہیں ہے تو تمہیں میرے ساتھ نہیں رہنا چاہیے، کسی انسان کے ساتھ رہنا چاہیے۔" وہ زہریلے انداز میں ہنسا۔ "تمہارا

پاسپورٹ تمہارے پاس ہے۔ فون کر کے سیٹ بک کرواؤ اور واپس چلی جاؤ، چاہو تو یہ کام تمہارے لیے میں کر دیتا ہوں۔"

وہ دم ساڑھے اس کو دیکھتی رہی۔ ہارون نے سگریٹ سٹکیا۔ اس کے چہرے پر کسی پریشانی کے آثار نہیں تھے۔ شائستہ

نے خود کو بے بسی کی انتہا پر پہنچا تھا۔ بھئی آنکھوں کے ساتھ ہونٹ کاٹنے ہوئے وہ اسے دیکھی رہ گئی جس کے چہرے اور آنکھوں

میں اس کے لیے سر زہری اور بے نیازی کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔

"تم جانتے ہو، ہماری شادی کو کتنے دن ہوئے، وہیں؟"

"بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔"

"اور تم مجھے اس طرح واپس جانے کے لیے کہہ رہے ہو؟" شائستہ نے جیسے بے چینی سے کہا۔

"تو مجھے تم سے اور کیا کہا چاہیے؟"

"تمہیں اندازہ ہے کہ میں نے تمہارے لیے کیا کیا ہے؟"

"میں نے بھی بہت کچھ کیا ہے تمہارے لیے۔" ہارون نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

شائستہ نے اس کی بات کو غور انداز کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔

"شادی کو چند ہفتے نہیں ہوئے اور تم مجھے واپس بھیج رہے ہو، یہ محبت ہے تمہاری؟ میرے ساتھ یہ سب کچھ کرنے کے

لیے شادی کی قسم تم نے۔" اس نے دل گرفتگی سے کہا۔

"تم مجھ سے شادی کرتے، پچھتاری ہو اس لیے واپس جانے کا کہہ رہا ہوں۔"

شائستہ نے ان کی بات پر دھیان نہیں دیا۔ "کس منہ سے چلتی ہوں میں اپنے ماں باپ کے پاس۔ تمہارے لیے میں  
 جان سے قربانی ہی ہوں۔ تمہارے لیے میں نے انہیں ہار دیا۔ خاندان میں من کی سبھی کروائی، اپنی سبھی تک تو زوی اور "۔  
 جین سے آئی تھی۔

ادوان نے برسی سے اس کی بات کاٹ دی۔  
 "تمہارے لیے تم نے کیا کیا؟ اس کی فہرست میرے سامنے پیش نہ کرو، سستی پار بھج پر احسان جناؤ گی تم؟  
 مجھ سے دو بارہو گی۔ یہ کہتا کرتے میرے لیے کچھ کیا ہے۔ تمہیں بھی مجھ میں اتنی ہی دلچسپی تھی جتنی مجھے، اگر ایمان نہ ہوتا  
 تو زنجی میرے ساتھ کورٹ مریج پر تیار نہ ہوتی۔ جو کام تم نے اپنی خواہش پر کیا ہے، اس کا احسان تم میرے سر پر کیوں رکھ  
 رہی ہو؟" وہ برسی طرح مشتعل ہو گیا تھا۔  
 "میرے لیے یہ کیا، میرے لیے وہ کیا، قسم کرو اس کہانی کو۔ میں تمہاری ان سروسز پر تمہیں دکھتے یہ کس نہیں پیش  
 کر سکتا۔"

اس نے سگریٹ الٹا نرے میں پھینکا۔  
 "بہتر ہوتا تم میرے لیے کچھ بھی نہ کرتیں۔ آرام سے مجھے صاف صاف بتا دیتیں کہ تم مجھ سے شادی انور نہیں کر سکتیں  
 اور ساتھ یہ بھی بتا دیتیں کہ ساری محرم اسی طرح مجھ پر احسان جناؤ گی تو میں تم سے شادی پر کبھی غور نہ کرتا تم نے تو ہر چیز کو تاشا  
 بنا کر رکھ دیا ہے۔" اس نے ایک اور سگریٹ سٹاکایا۔  
 "یہ آزادی اور یہ زندگی، تمہاری خواہش تھی۔ تمہیں ہی برا لگتا تھا، اپنے باپ کے گھر کا ماحول۔ ان کی پابندیاں،  
 جتنے۔"

وہ استہزائیہ انداز میں مسکرایا۔ "تمہیں ہی رشک آیا کرتا تھا ہمارے گھر کے ماحول پر، ہمارے طرز زندگی پر۔ تمہاری  
 آزادی پر پھر اگر تم نے اپنی ان ساری خواہشات کو پورا کرنے کے لیے مجھ سے شادی کی ہے اور اپنے ماں باپ کو ناراض کیا ہے  
 تو اس کا احسان مجھ پر کیوں رکھ رہی ہو۔ ہر چیز کا ذمہ دار مجھے کیوں ٹھہرا رہی ہو۔ میرے لیے لڑکیوں کی کوئی کمی نہیں تھی۔  
 بڑا دل نہیں۔" اس نے بڑبڑاری سے ہاتھ جھٹکا۔ شائستہ دم سادھے اس کو دیکھ رہی تھی۔  
 "میرے لیے کوئی بھی لڑکی یہ سب کچھ کرنے کو تیار ہو جاتی جو تم نے کیا۔ اور وہ تمہاری طرح کبھی مجھ پر احسان بھی نہ  
 جتانی۔"

ادوان کی آواز اب پہلے سے بلند تھی۔  
 "میرے ماں باپ نے بھی مجھ سے کہا تھا کہ میں تمہارا خیال دل سے نکال دوں، کیونکہ تم میرے لیے سوزوں نہیں  
 تھیں۔ مگر میں نے ان کی بات نہیں مانی، میں نے ان کی ناراضی سولی اور زبردستی انہیں تمہارے گھر بھیج کر ان کی بے عزتی بھی  
 کرنا چاہا۔ مگر میں نے تو تم پر کبھی کوئی الزام عائد نہیں کیا نہ ہی یہ بتایا کہ تمہاری وجہ سے مجھے کیا کیا برداشت کرنا پڑا ہے۔  
 مالا کہ تمہاری طرح مجھے بھی یہی سب کچھ بہت پہلے کہہ دینا چاہیے تھا یا پھر مجھے بھی تمہاری طرح کہا جاتا چاہیے کہ میں نے اپنے  
 ماں باپ کی بات نہ مان کر تظلمی کی ہے۔" اس کے لہجے میں تھنک تھی۔  
 "میں نے شادی سے پہلے ہی تمہیں واضح طور پر بتا دیا تھا کہ مجھے کسی بیوی چاہیے، میں ایک پروگریسو اور لبرل عورت  
 چاہتا تھا۔ اور میں نے اس خواہش کو کبھی تم سے نہیں چھپایا۔"

وہ سگریٹ کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے لے رہا تھا۔  
 "میں پاکستان، کسی مشرقی۔۔۔ جتی اور تاحم کی عورت سے شادی کی خواہش لے کر نہیں آیا تھا۔۔۔ نہ ہی ایسی عورت مجھے  
 سوت کرتی ہے اور تم بھی یہ بات اچھی طرح جانتی تھیں اور اب تم اس طرح تاشا کر رہی ہو جیسے میں نے تمہیں ہر چیز کے بارے  
 میں اصرار اور فریب دے کر شادی کی ہے۔" اس نے چپتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"تم یوں ظاہر کر رہی ہو جیسے میں نے ہرج تم سے چھوٹی ہے۔ اس قسم کی جھگڑا سکر اور امتیاز صورت سے شہابی نے ہاتھ توڑا۔ وہ اپنے ماں باپ سے کہتا کہ وہ میرے لیے ایک مردانگی تلاش کریں۔ پھر میں تمہارے لئے آتی ہے جتنی حد ممکن کرتا۔" شادی سے پہلے تمہیں میری اس سوچی یا ذہینیت پر کوئی اعتراض نہیں تھا۔ تم تو جاسرا کرتی تھیں جیسے میری جی بے سوچی کو اب وہی تمہیں سب سے زیادہ قابل اعتراض لگ رہی ہے۔"

شانت نے ایک لمبے وقت کے بعد اس سے کہہ کئے کی کوشش کی مگر باران نے باقاعدہ کر سہا کے ساتھ اس سے کہا۔

"ابھی میں بات نہ رہا ہوں۔ ابھی تم صرف میری سٹو پلر میں قبریں ہی بن لوں گا۔"

"یہ تمہاری اور میری زندگی کا آغاز ہے اور ہم دونوں کسی رٹا میرج کے فنول پتھر میں گرفتار نہیں ہیں، جس سے بچنا نہیں اور نہ چاہتے ہوئے بھی ہم دونوں کو زندگی ایک ساتھ گزارنی پڑے۔" وہ اب دوڑک اٹھا اور اس بات کو رہا تو۔ "تم کو اپنے بھی زندگی میں قرار دینا ہے اور میرا دماغ کرنے پر یقین نہیں رکھتا۔ مجھے زندگی صرف ایک دفعہ ملتی ہے اور میں اسے دوبارہ گزار سکتا ہوں نہ وہ رہے تو میں اس میں بدعت کی اجازت دے سکتا ہوں۔"

وہ جیسے بھکا۔ پھر اسے دیکھ رہی تھی۔

"جیسا کہ میرے ذہن انسان پر اعتراض ہے یا میرے جیسے برے کتنے کے ہیں تو ان سب چیزوں کے بارے میں ابھی سوچ لو، میں یہ ہوں اور یہی رہوں گا چاہے جس میں چمکے یا نہ لگے۔ وہ جو کر اور کرنا چھوڑ کر زندگی ساتھ گزارنے کے بجائے بھڑے ہم ابھی ایک ہو جائیں، ابھی ہمارے پاس وقت ہے کہ ہم دوبارہ نئے سرے سے اپنی زندگی شروع کر سکتے ہیں۔ کچھ سال کے بعد یہ بات سن کر ہو جائے گا۔ تم وہاں جا کر اپنے ماں باپ سے معافی مانگ لیتا۔ وہ یقیناً تمہیں معاف کر دینے کے لئے اس قدر خوبصورت ہو کہ دوسری شادی تمہارے لیے کوئی مسئلہ نہیں بنی۔"

وہ بہت لاپرواہی سے کہہ رہا تھا۔ "دوسری صورت میں اگر تم میرے ساتھ رہنے پر اصرار کرو گی تو پھر تمہیں اسی مرنے چھوڑنا پڑے گا جس پر میں چل رہا ہوں۔" وہ اس پر نظر نہیں دئے ہوئے غمگین ہو کر بول رہا تھا۔

"میں اس بچے کو کوئی صورت نہیں اپنے ہاں گا، اگر میں اپنے ماں باپ کو اپنی کورٹ میرج کا تاج چکا ہوتا تو اور بات بھی کر اس وقت بھی یہ تمہارا اصرار تھا کہ اس کورٹ میرج کے بارے میں کسی کو کچھ نہ بتایا جائے لیکن اب میں چاہوں گی تو تمہیں پریشانی کا مسئلہ کہ میں تم سے کسی پہلے ہی کورٹ میرج کر چکا تھا۔ وہ بھی اس پر یقین نہیں کریں گے اگر انہوں نے یقین کر بھی لیا تو خاندان کے باقی لوگ قطعاً نہیں مانیں گے۔ وہ اسے ہم دونوں کا ایک فریب ہی سمجھیں گے۔ تمہیں سو رہا کی سطحی کامیابی نہیں ہے۔ تم جیسے ہے۔ میری لیکن کی سطحی ہو چکی ہے خاندان میں ایسے کسی ایجنڈل سے میں اور میرے گھر والے کسی کے سامنے سر اٹھا کر بات نہیں کر سکتی۔"

وہ اس لیول اور بلاناگوار شخص کا پائنت آف ایجوڈی دلچسپی سے سن رہی تھی۔

"تمہیں اپارشن کرنا ہی پڑے گا اور تمہارے لیے آخر پر ایلم کیا ہے۔ تم اگر اسے مہرک اپنے گھر والوں سے اپنی ہونگسسی چھپا سکتی ہو تو اب اس اپارشن کو چھپا بھی کوئی ذی بات نہیں ہے۔ ہم یہاں ہیں۔ اپارشن کے بعد بھی ہنگامہ دینا ہے۔ ایک ڈیڑھ ماہ کے بعد ایمپان سے واپس چلے جائیں گے سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔"

وہ نے ایمپان سے اتے بھرا ہوا تھا۔

"باران! تمہیں اپنی اولاد کو اس طرح مارتے ہوئے کوئی شرم نہ کی۔ کوئی خوف، کوئی بچہ، کوئی نہیں ہو رہا۔ تمہیں اپنے بچے کے لیے کسی قسم کی کوئی جنت نہیں ہو رہی۔"

مختل ہو گیا۔

اس نے بے چینی سے ہارون سے کہا۔ وہ اس کی بات پر یک دم مشتعل ہو گیا۔  
 "مجھے ایسا فعلیہ بلک میں کرنے کی کوشش مت کرو۔ یہ فخر و کاکاس قسمی ڈانٹنا گز مجھے سزا نہیں کر سکتے۔ خوف، بچھڑا،  
 شرم نہ گی۔ میں آفر کھیا رہا ہوں کہ میں ایسا کچھ محسوس کروں اور کون سی محبت کی بات کر رہی ہوں۔ کس اولاد کا ذکر کر رہی  
 ہوں۔ کس کا رشتہ ہے۔ یہ سب فضولیات۔ کس صدی میں رو رہی ہوں۔ اگر بے توفوں کے سر پر بیگ ہوتے تو تمہارا سر  
 بیگ سے بھرا ہوتا۔ شائستہ کمال! مجھ سے پرکھیکال اپرو حق کے ساتھ بات کرو۔ مخصوص صورتوں والے حربے استعمال مت کرو۔  
 مجھے یہ پچھنیس چاہیے تو میں نہیں چاہیے۔"

اس کے بچے اور انداز میں نقد کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

"تو ابھی طرح اس مسئلے کے بارے میں سوچ لو۔ تمہارے اعتراضات بھر بھی برقرار رہیں تو پھر راستہ میں ہمیں تاجکا  
 سے۔" وہ حیرت سے بغیر انہو کر اندر بیٹھ رہا۔

شائستہ کمال تھے۔ انہوں نے ہارون سے سو نہ پر بیٹھ گئی۔ اسے اپنے سر میں یک دم بہت تیز درد محسوس ہونے لگا۔ ہارون نے  
 اس کے سامنے دو راستے رکھ دیئے تھے مگر اس نے اسے انتخاب کے قابل نہیں سمجھنا تھا۔ اس نے بہت عرصہ پہلے اپنی مرضی سے  
 اس کے بچے زمین کے بجائے ایک تہی تہی ہوئی ڈور کا انتخاب کیا تھا اور اب اس ڈور پر قدم آگے بڑھا لینے کے بعد وہ سڑک  
 پر چلے نہیں جاسکتی تھی۔ آگے جانے کے علاوہ اس کے پاس کوئی اور راستہ نہیں تھا۔ وہ ہارون کی محبت میں اب بھی اسی طرح گرفتار  
 تھی جس طرح پہلے تھی۔ کسی نیا وہ بچے کے لیے ہارون سے دستبرداری اس کے لیے ناممکنات میں سے تھی۔ وہ ممتا کے کسی  
 جذب سے اس حد تک مجبور بھی نہیں ہوئی تھی کہ اس بچے کی محبت میں آنکھیں بند کر کے وہ کسی آگ میں کود جاتی۔ اس کی  
 خوبشات ابھی بھی اپنی جگہ برقرار تھیں اسے ہارون کے ساتھ وہی زندگی گزارنی تھی جسے دیکھ کر وہ متن طیس کی طرح سنبھلی ہوئی  
 اس کی طرف آئی تھی۔ اب بھی اسے نہ اپنے ماں باپ اور اپنا گھر چھوڑنے پر کوئی بچھڑا ہوا تھا نہ چھوڑ کر آنے والی زندگی میں  
 اسے کوئی دلچسپی پیدا ہوئی تھی۔ ہارون کو چھوڑنے کی صورت میں تکلیف اور پریشانی کے جس لیے سلسلے کا آغاز ہوتا۔ وہ اس  
 سے خوف زدہ بھی تھی، اس کے لیے دو راستوں سے ایک کے انتخاب کا سوال نہیں تھا۔ اسے ہر صورت میں وہی ایک راستہ چننا  
 تو جو ہارون چاہتا تھا، یہ اس کی بقا کا معاملہ تھا۔ وہ اس پر جوا نہیں کھیل سکتی تھی۔

شاک اور خوف اور شاید کسی حد تک مایوسی اسے صرف ہارون کے رویے پر ہوئی تھی۔ وہ کس حد تک اس پر حکومت چاہتا  
 تھا، اس کے ہر فیصلے پر کس حد تک اثر انداز ہونا چاہتا تھا اور اس کے نزدیک اس کی اہمیت یا وقعت کتنی تھی، اپنے بہت اندر کہیں  
 اس نے بے لڑائی اور تذلیل بھی محسوس کی تھی اور وہ برٹ ہوئی تھی، ہارون کمال کی شخصیت کا ایک تاریخ اس کے سامنے آیا  
 تھا۔ وہ خود غرض تھا، یہ اس کے لیے حیران کن نہیں تھا۔ وہ بہت پہلے اس کا اندازہ لگا چکی تھی۔ مگر وہ جس سفاکی کی حد تک  
 خود غرض تھا۔ یہ اس کے لیے ناقابل یقین تھا۔ شاید یہ سب اس کے لیے اتنا ناقابل یقین نہ ہوتا اگر ہارون کمال اس سے اپنی  
 محبت کا اظہار نہ کرتا رہتا ہوتا یا اس طرح کے دعوے نہ کر چکا ہوتا جس کا وہ عادی تھا۔ اب اس کی حسوں  
 حریفی اسے پریشان کر رہی تھی۔

فیصلہ کرنے میں اسے کوئی تامل نہیں ہوا تھا۔ وہ ہارون کے علاوہ کسی بھی شے سے دستبردار ہو سکتی تھی اور اس نے ہارون کو  
 اس بات سے آگاہ کرنے میں ڈرا دہر نہیں کی۔ ہارون کے چہرے اور آنکھوں کی سرد مہری پلک جھپکتے میں غائب ہو گئی تھی۔  
 شائستہ کمال کو اس کے چہرے پر پھیلی پرانی گرم جوش مسکراہٹ دیکھ کر تسلی ہوئی۔ وہ اب بھی اس کا تھا۔ وہ اب بھی اس سے محبت  
 کرتا تھا۔ شاید وہ لہجہ کہتا تھا۔ میں ہی ہمیں چیزوں کے بارے میں زیادہ جذباتی ہونے لگتی ہوں۔ مجھے زیادہ حقیقت پسند ہو کر  
 رہنا چاہیے۔ اس نے ہارون کو دیکھتے ہوئے سہا۔

☆☆☆

اگلے دن وہ ہارون کے ساتھ ڈاکٹر کے پاس گئی تھی ڈاکٹر کے ہر سوال کا اس نے مسکرا کر جواب دیا اور اسے

امینان کے ساتھ ڈاکٹر کے تمام شہادت کو فتح کر دیا لیکن اس کی آزمائش ابھی ختم نہیں ہوئی تھی۔

اگلے چند دن میں ہونے والے ٹیسٹوں کے بعد ڈاکٹر نے اسے اور ہارون کو اپارٹنمنٹ نہ کروانے کا مشورہ دیا تھا۔

”پرنسپل ایڈوائسڈ اسٹیجس میں ہے۔ بہتر ہے آپ اب اپارٹنمنٹ نہ کروائیں، یہ آپ کی وائف کے لیے خاصا خطرناک بات ہو سکتا ہے۔“

ڈاکٹر نے انہیں میڈیکل فرسٹ اس اسٹیج پر ہونے والے اپارٹنمنٹ کے نقصانات پر خاصا لبا لبا بگھرایا، وہ دونوں سرفی کمس پڑ گئے۔

گھر واپس آنے کے بعد ان دونوں کے درمیان ایسے بار پھر خاصی لمبی چوڑی بات ہوئی۔ ہارون نے ایک بار پھر اسے اپارٹنمنٹ کے لیے ذہنی طور پر تیار کرنے کی کوشش کی۔

”میں اپنی زندگی کو خطرے میں نہیں ڈال سکتی۔“ اس نے انکار کر دیا۔

اس بار ہارون نے بھی زیادہ اصرار نہیں کیا۔ شاید اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ اب اس معاملے میں اس کے اصرار پر شائد اس سے بدعنوان ہو جائے گی یا پھر ڈاکٹر کی اس وارننگ نے اسے کچھ حقا کر دیا تھا کہ یقین ممکن ہے، کوئی وجہ یہی ہو جائے کہ وہ دوبارہ ماں نہ بن سکے۔

”پھر اس مسئلے کا واحد حل یہی ہے کہ اس بچے کی پیدائش کے بعد ہم اسے کسی ادارے میں داخل کروادیں۔“

ہارون نے کچھ دیر کی بحث کے بعد بلاخبر کسی فیصلے پر پہنچے ہوئے کہا، ”تمہیں اس بچے کی پیدائش تک سیکرٹ ایجنڈ میں رہنا پڑے گا۔ اس کی پیدائش کو چھپانے کے لیے اس کے علاوہ اور کوئی راستہ نہیں ہے۔“

”لیکن ہم اتنا لبا لبا عرض یہاں ایجنڈ میں کیسے رہیں گے؟“ شائستہ کو تامل ہوا۔

”میں نہیں صرف تم رہو گی، میں واپس پاکستان چلا جاؤں گا اور یہ کہہ دوں گا کہ تم کچھ عرصے کے لیے یہاں رہنا چاہتی تھیں۔“

وہ کھلتے کے ساتھ اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ ”میں تمہارے بغیر اکیلے یہاں کیسے رہ سکتی ہوں؟“

”تمہیں رہنا پڑے گا۔ بھڑکی ہے، ہمارے پاس دوسرا کوئی راستہ نہیں ہے۔“ ہارون نے نرمی سے کہا۔

”ہارون! تم کس طرح کی بات کر رہے ہو، میں یہاں اکیلے کیسے رہ سکتی ہوں۔ تم پاکستان میں، میں ایجنڈ میں دو بی اکیلے۔ یہ ممکن نہیں ہے۔“ اس نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔

”میں پاکستان سے تمہارے پاس آتا جاتا رہوں گا اور تم سے رابطہ رکھوں گا۔“

”پھر بھی میں اتنے اکیلے یہاں نہیں رہ سکتی، تم میرے ساتھ رہو۔“

”میں بزنس چھوڑ کر اتنے دن تک یہاں مستقل قیام کیسے کر سکتا ہوں۔“

”انگل ہیں وہاں، وہ سب کچھ دیکھ سکتے ہیں۔“

”اتفاقانہ باتیں مت کرو۔ میرے اور ان کے کام کرنے کے طریق کار میں بہت فرق ہے اور پھر وہ اپنی ٹیکسٹری سنیالیس کے یا میری، ویسے بھی میں یہاں مستقل طور پر تمہارے ساتھ ہے کاررو کردقت ضائع کرنے کے علاوہ اور کیا کر سکتا ہوں۔ تمہیں اس بات کا احساس ہونا چاہیے۔“

”پھر تم مجھے بھی پاکستان لے جاؤ۔“

”یہ ممکن نہیں ہے۔ میں نہیں چاہتا، یہ سب کچھ کسی کو پتا چلے۔“

”میں کسی سے نہیں خوں گی۔ گھر کے اندر رہوں گی۔“ شائستہ نے اسے یقین دلایا۔

”تم بچوں بھی باتیں کرتی ہو۔ کبھی بھی کوئی بھی ہمارے گھر آ سکتا ہے۔ تم کسی سے لٹنے نہ بھی جاؤ تو بھی کوئی فرق نہیں پڑتا۔ تم وہاں سب سے کٹ کر نہیں رہ سکتیں اور پھر ملازم ہیں اگر ان میں سے کسی نے اس بارے میں کسی سے کچھ کہ دیا تو ہم کیا



تو یہ ہے۔ میں کوئی رسک نہیں لے سکتا۔  
 ہارون نے اس کی بات کو عمل طور پر رد کرتے ہوئے کہا۔  
 "تم مجھے اپنے گھر کے بجائے نکلیں اور وہاں کرائے پر کچھ عرصہ کے لیے گھر لے لیتے ہیں۔ تم سب سے یہی کہا کہ میں  
 انگینہ میں ہی رہوں۔"  
 شائستہ نے کچھ سوچنے کے بعد کہا۔ "وہ اس کی تجویز پر سوچ میں پڑ گیا۔"

☆☆☆

وہ ہارون کے ساتھ واپس پاکستان آ گئی۔ ہارون کے گھروالوں میں سے کسی واپس کی واپسی کی خبر نہیں تھی، ہارون واپس  
 آنے سے پہلے ہی شہر کے ایک ہوش ملائے میں ایک گھر کرائے پر لے چکا تھا۔ وہ دونوں سیدھے وہیں آئے تھے۔ ہارون نے  
 محلے بھونڈ میں گھر کے لیے چند ملازمین کا بندوبست کرایا۔  
 پھر وہ خود اپنے گھر چلا گیا۔ گھروالوں کو اس نے یہی بتایا تھا کہ شائستہ کچھ بیمار تھی، اس لیے فوری طور پر واپس نہیں  
 آ سکی۔ وہ چونکہ پہلے ہی اپنے ماں باپ سے علیحدہ ایک گھر میں رہ رہا تھا، اس لیے اس کے ماں باپ یا بہن بھائیوں کو اس کی  
 بیٹھکان میں اطلاع نہیں تھی جس طرح کسی جو انٹرنیشنل میں ہوتا ہے۔ دوسری وجہ شاید شائستہ کا اکبر کی بیٹی ہونا اور دونوں  
 تازہ دہنوں کے درمیان شادی سے پہلے اتنے بہت سے اختلافات کا ہونا بھی تھا۔ جس نے ہارون کے گھروالوں کی نظر میں شائستہ  
 کی اہمیت کو بڑی حد تک ختم کر دیا تھا، یہی وجہ تھی کہ وہ کسی سے استفسار کے بعد کسی نے بھی شائستہ کے بارے میں زیادہ گھر مندی کا  
 اہم نہیں کیا۔ خود شائستہ کے گھروالے بھی شادی کے بعد سے اس سے مکمل طور پر قطع تعلق کیے بیٹھے تھے۔  
 اگرچہ انہوں نے باقاعدہ طور پر شائستہ سے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ وہاں بھی ان کے گھر آئے نہ ہی وہ اس کے گھر آئیں  
 گے مگر شادی پر ہارون اور اس کے ساتھ برتی جانے والی سردمہری نے شائستہ کو پہلے ہی آگاہ کر دیا تھا کہ اب اس کے ماں  
 باپ کے گھر میں اس کا خوش دلی سے استقبال نہیں کیا جائے گا۔ یہی وجہ تھی کہ شادی کے بعد شائستہ نے خود بھی ہارون کے ساتھ  
 یا اس کے بھیرے ایک بار بھی اپنے والدین کے گھر جانے کی کوشش نہیں کی۔  
 شاید وہ خود بھی انہیں یہ جناد دینا چاہتی تھی کہ اسے اب ان کی ضرورت نہیں رہی اور ان کے بغیر بھی وہ صرف ہارون اور  
 اس کے گھروالوں کے سہارے بڑے اطمینان سے رہ سکتی ہے۔  
 اس کے انگینہ جانے سے پہلے اور بعد میں بھی اس کا اپنے گھروالوں کے ساتھ کوئی رابطہ نہیں ہوا اور ہارون اور اس کے  
 لیے یہ بھی اچھی بات ہی ثابت ہوئی۔

ہارون رات کو فیکٹری سے واپسی پر کچھ دیر کے لیے اپنے گھر آتا اور پھر کپڑے بدل کر ملازمین کو چھٹیات دے کر وہ  
 شائستہ کے پاس چلا جاتا اور رات وہیں گزارتا سبکی بار وہ رات شائستہ کے پاس گزارنے کے بجائے اپنے گھر گزارتا خاص طور پر  
 تب جب اس کے گھروالوں کو اس کے پاس آتا ہوتا یا پھر اسے ان کی طرف جانا ہوتا یا فیکٹری سے اس کی واپسی بہت دیر سے  
 ہوتی تو وہ شائستہ کی طرف جانے کے بجائے اپنے گھر چلا جاتا اور فون پر شائستہ کو اس کی اطلاع دے دیتا۔  
 آہستہ آہستہ ہارون کی مصروفیات میں اضافہ ہوتا گیا، وہ فیکٹری کے ایک حصے کی تعمیر کروا رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ  
 اس کی کچھ دوسری سرگرمیاں بھی بڑھ گئی تھیں۔ شائستہ کے پاس جانے کی باقاعدگی ختم ہونا شروع ہو گئی۔ وہ اب زیادہ تر اپنے گھر  
 ہی رہتا یا پھر رات گئے تک ان پارٹیز میں مصروف رہتا جن میں وہ شادی سے پہلے بھی بڑے شوق سے شرکت کیا کرتا تھا۔  
 شائستہ کے پاس جانے میں کسی کی ایک نیا دوی وجہ شائستہ کا رویہ بھی تھا۔ وہ مکمل طور پر گھر میں بند رہتی تھی اور وہ چند ماہ  
 شائستہ کی زندگی کا بدترین عرصہ تھا۔ وہ ذہنی طور پر بری طرح اتھری کا شکار ہو چکی تھی۔ وہ گھر سے باہر اس لیے نہیں نکل سکتی تھی  
 تاکہ کسی کسی کی نظر میں نہ آجائے اور اس کے پاکستان میں ہونے کا راز افشاء نہ ہو جائے۔ وہ کسی دوست یا رشتہ دار سے کسی اور  
 طرح بھی رابطہ نہیں کر سکتی تھی، پھر شادہ و ضمیر کی چھین اور احساس جرم کا بھی شکار تھی جب وہ یہ سوچتی کہ اسے اس نئے کوچھوڑ دینا

برہادر ہارون کے آنے پر وہ چھوٹی چھوٹی ہاتوں پر اس سے الجھ پڑتی۔ اسے برہادر ہارون سے شکایت کرنے کی جی تھی اور وہ بری طرح اس پر شک بھی کرتی تھی اسے ہارون کی بے توجہی کا بھی گھر تو اور وہ ہارون کو اپنی اس حالت اور آواز تکہ کہنے پہنچنے والے جرم کی ذمہ دار بھی گردانتی تھی اور ہارون اس کے اس رویے سے بری طرح بیخود ہوا تھا تو دونوں میں جھگڑا ہوا تھا۔ وہ جہاں گئے تھے وہاں سے چلا آتا اور بعد میں پچھتائی حریم پریشان ہوتی۔ اسے یہ خوف ہوتا کہ وہ اسے پہنچ نہ دے اور اسے پہنچنے کی جگہ نہ دہرانے کا فیصلہ کرتی۔

وہ ہارون آتا۔ دونوں کے درمیان وہ ہارون کی منظرہ برپا ہوتی۔ اس کے اس رویے سے کھٹ آ کر ہارون اس سے پتہ نہ آنے لگا شاید یہ اس کے نزدیک سے کاٹ لیا اور یہ جس شاکت کے لیے تا تو اہل قبول تھا۔ وہ ان دنوں قیصرانی فون کرتی اور وہاں چاہتا یا ٹیکسٹوری سے ہوا کرتی۔ وہ ٹیکسٹوری میں موجود نہیں ہے۔ اس سلسلے میں ہارون کو فون کرتی وہاں سے بھی اسے کئی کہلوایا ہوا تھا۔ وہ جہاں اپنا حوالہ نہیں دے سکتی تھی۔ مگر وہاں جہاں ہارون کی عدم موجودگی کا سن کر اس کا شک حریم پر ہوتا تھا۔ خاص طور پر جب جب اور ات کو بھی دونوں جہاں پر موجود نہیں ہوتے تو۔

وہ ہارون سے اس بار سے مس ہوت کرتی تو ہارون مشتعل ہو جاتا۔ اس کا خیال تھا وہ اس کی زندگی میں ضرورت سے زیادہ اہل اندازی کر رہی تھی دونوں میں پھر جھگڑا ہوا۔ شاکت کو یوں لگتا تھا جیسے ہارون اسے جان بوجھ کر نظر انداز کر رہا ہے اسے یہ خوف بھی تھا کہ اس میں ہارون کی دلچسپی ختم ہوتی جا رہی تھی وہ برہادر ہارون سے ایسی خدشے میں مبتلا رہتی کہ ہارون ضرور کبھی کبھی دوسری عورت میں دلچسپی لے رہا ہے اور یہ خدشہ اس کی راتوں کی نیند اڑانے لگا تھا۔

وہ ہارون کو بہت اچھی طرح سے جان گئی تھی۔ خوب سمجھتی اس کی کمزوری تھی اور وہ بنیادی طور پر عورت تھا۔ شاکت نے شادی کے شروع میں اس کی اس عادت سے کوئی خوف محسوس نہیں ہوا۔ اسے لگتا تھا کہ ہارون پوری طرح اس کے مشق میں مبتلا ہے اور وہ کسی دوسری عورت کو اپنی زندگی میں نہیں لاسکتا۔ شاید اسے یہ یقین اور خوش فہمی بھی تھی کہ اس کی خوبصورتی سے آئے کوئی دوسری عورت کہاں ٹھہر سکتی ہے۔ عراب ہارون کے بدلے ہوئے تھے اور اسے خوفزدہ کرنے لگتے تھے۔ اسے اپنا آپ کھلی طور پر کسی کھڑکی کے جال میں پھنسا ہوا محسوس ہوتا یا پھر وہ خود کو ہارون کے ہاتھوں میں ایک کٹہے میں محسوس کرتی جو کبھی کبھی اسے کسی بھی طرح استعمال کرتا تھا اور اب جب اس نے اس کٹہے کو چھانے والی ڈوریوں اپنے ہاتھوں کی انگلیوں سے الگ کر دی تھیں تو وہ اپنی زندگی اور وجود کا کوئی مصرف ہی نہیں پا رہی تھی۔ وہ سارا دن اکیلے مہر بیٹھے اپنے اور ہارون کے مستقبل کے بارے میں سوچتی رہتی، ہر لمحہ اس کے ذہنی غلط فہمی میں اضافہ کرتا رہتا۔ اس کے ذہن میں اور اور فرسٹیشن میں اضافہ ہوا تھا۔ اسے ہر ایک کے بارے میں سوچ کر ہوا آتا۔ اسے یوں ہی محسوس ہوتا جیسے کوئی بھی اس کے ساتھ گفتگو نہیں رہتا۔ ہارون، نہ اس کے اپنے گھر والے۔ وہ اپنی اس حالت کا اندازہ ہارون اور اپنے گھر والوں کو نہیں ہوتی۔ اسے کبھی یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ شاید اس سے خود بھی چند خطیاں ہوئی۔ ہیں وہ عمل طور پر خود تری اور خود رچی کا دکھار ہو چکی تھی اور ایسی حالت میں غیر جانب دار ہو کر صورتحال کا تجزیہ کرنا اس کے بس کی بات نہیں رہی تھی۔

ایک پانچ منٹ ٹیکسٹ میں اس کے ہاں ایک بچے کی پیدائش ہوئی تھی جسے پیدائش کے چند گھنٹے بعد ہی اسی ٹیکسٹ کے کسی آدمی کے ذریعے ایک ادارے میں پہنچا دیا گیا تھا۔ ہارون اس وقت وہیں تھا اور یہ کام اسی نے سرانجام دیا تھا۔ شاکت نے اس بچے کو نہیں دیکھا تھا۔ ہارون کا رویہ اس کے ساتھ بہت عرصہ کے بعد بہت نرم اور گرم جوش تھا۔ وہ اس پر بہت توجہ دے رہا تھا اور شاکت نے اپنے اس وقت اتنی ہی کافی تھا۔ ہارون نے کئی خیال ذہن میں آنے پر وہ بری طرح اسے غلطی رہائی۔

چند ہفتوں کے بعد وہ وہاں ہارون کے ساتھ اس کے گھر چلی گئی۔ زندگی پھر معمول پر آگئی تھی۔ ہارون ایک بڑی سوشل زندگی گزار رہا تھا۔ شاکت بھی اس بچے کے کا منتہا منتی جا رہی تھی مگر وہ بچہ اور اس کے خاں سے ہونے والا احساس جرم اس کے ذہن سے چھپ نہ سکا۔

اس بچے کی پیدائش کے چھ ماہ بعد اس نے بارون سے چوری چھپے اس ٹینک سے رابطہ کر کے اس بچے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کی کوشش کی۔ ذہنی بی بی رقم خرچ کرنے کے بعد اسے اس بچے کے بارے میں جاننا چاہا تھا۔

بارون نے اسے اسی شہر میں رکھنے کے بجائے راولپنڈی کے ایک ادارے میں بھجوا دیا تھا۔ شائستہ کی خواہش تھی وہ اہلی طور پر اس بچے کو سہولت کرنے اور پھر کسی ہاسٹل میں داخل کروا دے۔ مگر اس کی یہ کوشش کامیاب نہیں رہی۔ بارون کو یہ جاننا چاہا تھا کہ وہ اس بچے کے بارے میں معلومات حاصل کر رہی ہے شاید اسے پہلے ہی یہ نہ شکتا کہ شائستہ ایسا تو ضرور کرے گا اور وہ اس معاملے کے بارے میں پہلے سے ہی جانتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ شائستہ کی ایسی سرگرمیوں فرانس کی نگرانی میں آگئی تھی۔

اس کے اور بارون کے درمیان ایک بار پھر جھڑا ہوا تھا۔ بارون نے ایک بار پھر استغراق کی دھمکی دی تھی۔ شائستہ نے ایک بار پھر ہار مانتے ہوئے اس بچے سے رابطہ کی کوشش ختم کر دی۔

وہ ان دونوں شہر کی اہلیت نکالنے کا ایک نمایاں اور ممتاز نام بن چکی تھی۔ بارون کمال کی طرح اس کی خوش نامی اور فہمور تھی بھی اس کا شناخت بن چکی تھی اور اس شناخت نے جہاں شہر کے سوشل سرگال میں اسے ایک نئی پہچان دی تھی، وہاں بارون کے پرنس کو بھی ایک نیا Impetus دیا تھا۔ ایک خوبصورت اور سوشل بی بی ایک ایسی جادوئی چھتری کی حیثیت رکھتی ہے جو پگ پیچھے میں نامکنت کو نامکنت میں تبدیل کر دیتی ہے۔ جس کی ایک مسکراہٹ کسی بھی شخص کو کھنکھنے کیلئے پر مجبور کر سکتی ہے۔ چاہے وہ کوئی سیاست دان ہو یا کوئی پرنس مین یا پھر کوئی صنعتی اہلکار۔

ان دونوں کا پہل شہر میں مختلف مواقع پر منتقل کی جانے والی اپنی تعریفات کے لیے مشہور تھا۔ وہ ہر لحاظ سے ایک قابل رنگ زندگی گزار رہی تھی۔ اس بچے کی پیدائش کے اگلے سال میں اس کی صورت میں اس کے ہاں ایک اور بیبا آچکا تھا۔ مگر اس سب کے باوجود وہ اس بچے کو اپنے ذہن سے محو نہیں کر پائی تھی۔ اس کی پیدائش کے کچھ عرصہ کے بعد اس نے ایک بار پھر اس بچے کو دیکھنے کی کوشش کی تھی اور اس بار وہ بری طرح ناکام رہی تھی۔ اس بچے کو کسی نے ایذا پہنچا کر لیا تھا اور ایذا پہنچانے والوں کو کوشش کے باوجود وہ نہیں آؤت نہیں کر سکی۔

دوسری طرف اس کی ان کوششوں کے بارے میں ایک بار پھر بارون کو پتہ چل گیا تھا جس کے نتیجے میں وہ اس وقت ان بلین پر موجود تھی۔

☆☆☆

ہاتھ شیرازی نے ایک گہرا سانس لیا۔

”کیا تمہیں واقعی بارون سے محبت ہے؟“ ان دونوں کے درمیان اب اتنی بے تکلفی ہو چکی تھی کہ اسے اب حریہ آپ جاب کے طرز خطاب کی ضرورت نہیں رہی تھی۔

”ہاں؟“ شائستہ نے بلا توقف کہا۔

”وہ مسکرایا“ اس سب کے باوجود بھی؟“

”ہاں، اس سب کے باوجود بھی، میں اس کے بارے میں بہت پوزیٹو ہوں۔“ اس نے بلا تامل اعتراف کیا۔

”تو شاید وہ بھی؟“ ہاتھ شیرازی نے اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

”ہاں وہ بھی۔“ شائستہ نے بڑے احمق کے ساتھ جواب دیا۔ اس نے شاید کا کھٹا استہلال نہیں کیا تھا۔

”آپ تائیم، آپ میرے لیے کیا کر سکتے ہیں؟“ اس نے سوزنا بدلتے ہوئے کہا۔

”وہ سب کچھ جو تم چاہو گی۔“

”اس بچے کو تلاش کروا سکتے ہیں آپ؟“

”میں اپنی پوری کوشش کروں گا۔“ ہاتھ شیرازی نے عہدگی سے کہا۔

"اور اس کوشش میں اتنے وقت کئے؟"

"اُس بار سے میں میں کچھ نہیں کر سکتا، یہ مجھ سے اس سے سوئی تلاش کرنے کے مترادف ہے۔"

باقر شیرازی نے کندھے اچکا کر کہا۔

شائستہ غاسٹھی سے اس کا چہرہ دستخطی رہی۔

"میں توقع رکھتی ہوں کہ اس بار سے میں ہونے والی تمام ممکنہ صورتیں میرے اور آپ کے درمیان رہے گی۔ بہت تک یہ بات نہیں پہنچے گی۔"

باقر شیرازی خوبصورت انداز میں بٹا۔ "ہارون تک کچھ بھی نہیں پہنچے گا۔ میں اپنی طرف سے اس کی گارنٹی دے سکتا ہوں مگر کیا وہ اپنی طرف سے آپ کو یہ گارنٹی دے سکتا ہے۔ خاصا باخبر رہنے کی کوشش کرتے ہیں یہ شخص۔ میں باخبر کے بھانے ایک اور تھکاہٹ استیصال کرنے چاہتا ہوں مگر شاید اس پر تمہیں اعتراض ہو۔" شائستہ اس کے تبصرے پر مسکرائی۔

۵۴۴۵۴۵

"تو پھر...؟" صبیحہ نے سگریٹ کے کش لگاتے ہوئے اس کا جملہ دہرایا۔ "تس چاہتی ہوں تم شائستہ کو طلاق دے۔"

ہارون نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں اسے طلاق نہیں دے سکتا۔"

وہ دکا اس نے صبیحہ کو فوراً سے دیکھا اور کہا۔

"حیرانی کی بات نہیں ہے۔ تمہیں مجھ میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مگر تمہیں اس بات میں دلچسپی ہے کہ میں شائستہ کو طلاق دے دوں۔ کیوں؟"

"مجھے دلچسپی نہیں ہے۔" صبیحہ نے مسکراتے ہوئے اس پر واپسی سے کہا۔

"تو پھر... کے دلچسپی ہے؟"

"باقر شیرازی کو۔"

وہ صبیحہ کا منہ دیکھنے لگا۔ وہ اب ایک نیا سگریٹ سگا رہی تھی اور اس کے ساتھ اس نے میز پر ایک اور چیز بھی رکھ دی تھی۔

ہارون نے ایک نخر میز کو دیکھا پھر صبیحہ کو دیکھا۔ زندگی میں پہلی بار اسے اپنا آپ کسی جاہل میں پھنسا ہوا محسوس ہوا۔ پہلی بار اس نے اپنے آپ کو کسی کے ہاتھ میں پکڑے جوش کے دن جن میں اس سے ایک پتا پایا۔ اور پہلی بار اسے احساس ہوا کہ اس نے غمٹ کرنے کے لیے اس بار ایک نیا عورت کا انتخاب کیا تھا۔

بہت دیر تک وہ سانس نہیں لے سکا۔ اس کے چہرے کا رنگ کھل طور پر فق ہو چکا تھا۔ صبیحہ ٹھیکل پر دونوں کبلیاں رکھے۔ اسے اس سے مسکراتے ہوئے سگریٹ کے کش لگانے میں مصروف تھی۔

دوران کی میز کی طرف آ رہا تھا۔ ہارون نے اپنے حواس بحال کرتے ہوئے میز پر چڑی ہوئی ان فٹنوگرافس کو پتہ دیا۔ "کچھ دیر بعد، ابھی نہیں۔" اس نے دیکھ کر واپس بھیجا۔

"ارے کیا ہوا۔" تصویریں پتہ نہیں آئیں؟" صبیحہ نے معنوی حیرت کے ساتھ پوچھا۔ "اور بھئی، ان کو پتہ کیوں دیا؟"

اس نے ان تصویروں سے ہارون کا ہاتھ بنانے کی کوشش کی جس میں وہ ناکام رہی ہارون نے وہ تصویریں اس کے سامنے سے اٹھائیں۔ صبیحہ نے اسے روکنے کی کوشش کی وہ اس بار بھی ناکام رہی۔

"پلو ملی بات نہیں۔ یہ تم لے لو۔ میں اور بھائیوں کی۔" اس نے ایک چائے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

تو اس وقت اس نے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے نہیں دیکھا، پہلے اس کے ساتھ ہونے والی اپنی اپنی ملاقات کو یاد کیا۔ سیدہ کا دروازی  
 باران نے لے لیا نہیں تھا۔ اس کا شوہر جہاں ایک سرکاری افسر تھا اور سٹیشن سرکل میں دو خروا کا مشہور رئیس تھا جتنا اس کی  
 جان تھی۔

ایک بارانی میں سیدہ خروا کی طرف آئی تھی۔ باران اس سے مل کر واقعی حیرت زدہ ہو گیا تھا۔ دو خوبصورت تو جہاں تھی، سچی  
 گزرتی میں خوبصورتی سے بڑھ کر بھی بگم تھا۔ باران چند لمحوں میں اس کا اسیر ہو گیا تھا۔ ہر خوبصورت عورت اس کے ہوش حواس  
 تو ابھی متوجہ کر رہا کرتی تھی۔  
 اس پر بھی باران کو یہ اندازہ نہیں ہوا تھا کہ سیدہ بھی دوسری بہت سی عورتوں کی طرح اس کی وجہت کا شکار ہو کر اس کی  
 طرف آئی ہے۔ ان دونوں کے درمیان میل جول کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، شائستہ ان دنوں اس کے شہ گئی۔ باران کمال سیدہ کے  
 ساتھ ملنے کے لیے عمل آزار تھا۔

اگر شائستہ پاکستان میں بھی ہوتی تب بھی باران کو اس قسم کی راہ اور دم بدمانے پر کوئی خوف محسوس نہ ہوتا۔ دونوں ایک  
 دوسرے کے ذہنی معاملات میں کم سے کم مداخلت کرتے تھے اور ذہنی معاملات میں ان دونوں کی ایسی دوستیاں بھی آ جاتی  
 تھیں۔ باران نے بھی شائستہ کے ”دوسرے سرواں کے ساتھ تعلقات پر اعتراض کیا تھا نہ ہی شائستہ نے بھی باران کے ان  
 نظروں کو اچھنڈ کیا تھا۔

مگر باران سیدہ کے ساتھ ضرورت سے زیادہ سنجیدہ رہتا جا رہا تھا، شائستہ کی موجودگی یقیناً اس کی اس سنجیدگی میں کچھ کمی  
 لے آتی اور وہ اس کی صورت سیدہ کو شادی کا پرہیزل دینے کی حماقت نہ کرتا۔

اور اب سیدہ کا دروازی اس کے سامنے میز پر اپنے ساتھ گزارے ہوئے ایسے ہی کچھ تھیں اور عکسین لکات کی تصویریں  
 لگے ہوئے تھی۔ وہ زندگی میں بھی راتے باغوں نہیں بکرا گیا تھا اور اسے اس بات پر فخر بھی تھا۔ لیکن اس وقت سیدہ کے  
 ہر نوعی تصویریں دیکھ کر وہ اسی احساس کا شکار ہو رہا تھا۔ نہ صرف سیدہ کے نقش کا بھوت اس کے سر سے اتر گیا تھا، بلکہ وہ  
 بہت سے نشانات کا بھی شکار تھا سیدہ کے منہ سے نکلنے والے جملوں اور ان تصویروں نے ایک بات تو اس پر واضح کر دی تھی۔  
 سیدہ ان کا شکار ہو کر اس کی طرف نہیں آئی تھی۔ وہ یقیناً باقاعدہ منصوبے کے تحت اس کی طرف آئی تھی۔

”تہہ دار یہ خیال ہے کہ میں ان تصویروں سے خوفزدہ ہو جاؤں گا تو یہ تمہاری بھول ہے۔“ باران نے ایک لمبی  
 ذمہ داری کے ہوا پنے حواس پر قابو پاتے ہوئے سخت لہجے میں اس سے کہا۔

”مگر کیا بات کرو ہے ہوتم؟ خوفزدہ کون کرنا چاہتا ہے تمہیں؟ سیدہ نے حیرت کی لہر ہوا ہانگ کر کہنے ہوئے کہا۔  
 ”میں تو صرف اس لیے یہ تصویریں لے کر آئی ہوں تاکہ تمہیں یہ دکھا کر تمہیں کہ یہ کیسی آئی ہیں؟“ وہ اس بار صاف فخر انداز  
 میں بولی۔

”کہاں مت کرو۔۔۔ جو بات کہنا چاہتی ہو، کہو۔“ باران نے درشتی سے اسے ٹوکا۔  
 ”جو مجھے کہنا ہے اور جو میں چاہتی ہوں وہ تمہیں نہیں پہلے ہی بتا چکی ہوں۔ اب تمہیں صرف یہ فیصلہ کرنا ہے کہ تم  
 شائستہ کو ملنا کب دے گے؟“ سیدہ یک دم سنجیدہ ہو گئی۔

”بات شیرازی یہ کیوں چاہتا ہے کہ میں اسے مطلق دے دوں۔“  
 ”وہ خود شادی کرنا چاہتا ہے تمہاری بیوی سے، یہ تو بڑی سیدگی سی بات ہے کوئی ساتھی عار سنا تو نہیں ہے جسے تم سمجھ نہ  
 سکو۔“

”اور کیا شائستہ بھی یہی چاہتی ہے؟“  
 ”یہ تو تم شائستہ سے پوچھو، میری ذاتی رائے یہی ہے کہ اس میں اس کی خواہش بھی شامل ہوگی۔ بات شیرازی کو  
 نوبت میں تمہاری بیوی دکھائی نہیں دی ہوگی۔ یقیناً وہ دونوں کے درمیان ابھی خاصی شناسائی ہوگی۔“

"اور اگر میں اسے طلاق نہیں دیتا تو تم کیا کرو گی یہ تصویریں میری بیوی کو دکھاؤ گی۔"

"نہیں... اخبار میں چھپا دوں گی؟"

بارون نے ایک لمحہ کے لیے اسے دیکھا پھر ٹھکسلا کر ہنس پڑا۔

"کیسی باتیں کر رہی ہو... ان تصویروں میں صرف میں ہی نہیں تم بھی ہو۔ ان کے شائع ہونے کی صورت میں تو لوگوں کے سامنے آنے کے قابل نہیں رہو گی۔ میرا کیا ہے۔ ٹو، دو چار دن باتیں کریں گے پھر بھول جائیں گے مگر تم یہ تو جاؤ گی۔"

یقیناً میری بات اگر میں کوئی خاندانی عزت دار عورت ہوتی۔"

صیغے نے بھی اسی طرح قبضہ لگا کر کہا۔ بارون کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔

"خوش قسمتی سے یا بد قسمتی سے میں نہ خاندانی ہوں نہ عزت دار۔ اس لیے مجھے کوئی خوف نہیں ہے، البتہ تم معاشرے کے تمام اصول و ضوابط کے مطابق خاندانی بھی ہو اور عزت دار بھی، جس میں تو خوف کھانا ہی چاہیے ان تصویروں کی اشاعت سے۔"

"میں شائستہ سے بات کرنا چاہتا ہوں، اس سارے معاملے کے بارے میں۔ اس کے بعد ہی۔"

صیغے نے بارون کو اپنی بات مکمل نہیں کرنے دی۔

"نہیں صاحب! یہ ممکن نہیں ہے، یہ تصویریں آپ کو اس لیے نہیں دکھائی گئیں کہ آپ شائستہ کو ان کے بارے میں بتائیں۔ آپ تو برجی اور مقررہ کتے میں ماہر ہیں پھر ان تصویروں کے بارے میں کیوں بات کرنا چاہتے ہیں شائستہ سے، جہاں آپ کے آپ عزت کی انگی پڑ کر چلنے والے مردوں میں سے نہیں ہیں پھر اس صلابت و مشورے کی کیا ضرورت آن پڑی۔"

صیغے کی مسکراہٹ چھٹی ہوئی تھی اور اس کی آنکھوں میں بارون کے لیے ہنس چکی تھی۔

"تصور یہ تصویریں تو ابھی اتنا ہیں، آگے آگے دیکھتے ہوتے ہیں۔ باقر شیرازی خاصا لبا چوڑا پروگرام بنائے ہوئے ہے اور آپ شائستہ کو طلاق نہیں دیتے تو۔"

وہ اسے سرد آنکھوں کے ساتھ دیکھتا رہا۔

"تمہارے لیے بھڑے کہ تم اسے طلاق دے دو۔ اگر زور دین اور زمین میں سے کسی کو چھوڑنا پڑے تو زین کو چھوڑ دینا چاہیے، کیونکہ یہ وہ چیز ہے جسے کبھی بھی حاصل کیا جاسکتا ہے اگر پاس زور اور زمین ہو تو۔ لیکن اگر یہ دونوں چیزیں چلی جائیں تو پھر ان کو واپس حاصل کرنے کے لیے زمین آسمان ایک کرنے پڑتے ہیں۔ تم تو ویسے بھی بہت مشکل مند ہو۔"

"میں باقر شیرازی سے ملنا چاہتا ہوں۔"

"وہ شاید تم سے متاثر نہ کرے، جس میں کوئی پیغام بھجوواتا ہے تو میں موجود ہوں، میرے ہاتھ بھجوا سکتے ہو۔"

بارون نے جواب میں کچھ کہنے کے بجائے ایک مسکراہٹ کے ساتھ، ہاتھ کے اشارے کے ساتھ دو کھڑے ایجنٹوں کی طرف بلا دیا۔

"پھر میں باقر شیرازی کو کیا پیغام دوں؟"

وہ جیسے ہنپکائے بغیر صیغے کو دیکھتا رہا۔

☆☆☆

شائستہ اور باقر شیرازی کے درمیان ایک ہفتہ سے کوئی رابطہ نہیں ہوا تھا۔ عام طور پر وہ ہی اسے فون کیا کرتا تھا۔ شائستہ سے ایف اے کی خاصی لمبی پڑائی ٹکھ ہوتی تھی۔ پچھلے ہفتے اس نے فون پر شائستہ کو اس کے بیٹے کی تلاش کے بارے میں کچھ معلومات فراہم کی تھیں۔

"اس بیٹے کی پہلی نذر ہے ایف بی کی نے ایف اے کیا ہے۔ ایف او دن تک میں اس لابی کو نہیں آؤں گے کہ ان لوگوں کو جہیں ان کے بارے میں سب کچھ جاننا چاہئے گا۔"

ان نے پہلی بار شائستہ کو فون پر اطلاع دی تھی۔  
 اور اس کے بعد جب تک اس کی طرف سے کوئی فون کال نہیں آئی تھی۔ شائستہ بے چینی سے اس کی کال کا انتظار کرتی  
 رہی مگر جب انتظار کو ایک ہفتہ گزر گیا تو اس نے ہاتھ خود کال کرنے کا فیصلہ کیا۔  
 اس نے ہاتھ شیرازی کے آفس کال کیا تھا۔ جہاں اس کے پی اے نے کال رینیوئی۔  
 "ہاتھ شیرازی صاحب کے انتقال کو آج تیسرا دن ہے۔"  
 وہ سنا کر رو گئی۔

☆☆☆☆

ہارون کمال ایک بار میسجور کا روٹی کے سامنے بیٹھا ہوا تھا۔ اس بار دونوں کے چہروں پر موجود اثرات مختلف تھے۔ مسیو  
 کراچو پیکا اور بے روش لگ رہا تھا جبکہ ہارون بہت پراگندہ مسکراہٹ کے ساتھ ہانچ پر ہانچ رکھے مسکرت پینے میں مصروف  
 فزکریٹ کا آخری سلس لگاتے ہوئے اس نے سامنے چڑی ہوئی نیپل پر موجود اینٹوں کے سامنے مسکرت ہوا دیا۔  
 "تم واقعی بہت لگی ہو ہارون کمال۔" مسیو نے تصویروں اور کلیپ کا ایک لفافہ اس کے سامنے رکھتے ہوئے کہا۔  
 "ہاتھ شیرازی کو ہارٹ ایک نہ ہو جاتا تو آج سب کچھ مختلف ہوتا۔ بہرحال میری اور تمہاری کوئی ذاتی لڑائی نہیں  
 ہے۔ میں اس لیے نہیں یہ سب کچھ واپس کر رہی ہوں "We are friends again."  
 اس نے ایک خوش دلا نہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

"Of course we are" ہارون نے اس لفافے کو کھولتے ہوئے اندر موجود تصویروں پر ایک نظر دوڑائی۔  
 "کیا میں یہ یقین کر لوں کہ تمہارے پاس کوئی اور تصویر اور تمہیں موجود ہے؟"  
 "ہاں میں نے نہیں بتایا ہے، یہ تمہاری اور میری ذاتی لڑائی نہیں تھی۔ اس لیے میں ان چیزوں کو پاس رکھ کر کیا کروں  
 کہ مسیو نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا۔  
 "انجی بات ہے میں یقین کر لیتا ہوں، لیکن ایک بات تمہیں بتا دوں۔ میں قسمت پر انحصار کرتے ہوئے ہاتھ پر ہاتھ رکھ  
 کر چہنچہا نہیں نہیں ہوں۔"  
 "اگر تم لگی نہ ہوتے تو اپنے اس سپر انٹ کے ساتھ تم پہلے کسی بڑی مصیبت میں پھنس چکے ہوتے، ان لوگوں کی  
 ہوتی۔"

ہارون نے ایک قہقہہ لگایا۔ مسیو اپنا شاندار بیگ لے کر کھڑی ہو چکی تھی۔ ہارون نے کمرے سے ہٹے اپنا ہاتھ اس  
 کی طرف بڑھایا۔ مسیو نے اس سے ہاتھ ملایا، مگر ہارون نے ہاتھ ملانے کے بعد اس کا ہاتھ چھوڑنے کے بجائے تھامے ہوئے  
 رکھا۔  
 "تمہارے ساتھ بہت اچھا وقت گزرا اور شاید کچھ اور گزرتا، اگر تم یہ حقاقت نہ کرتیں۔ بہرحال جو بھی تم اچھا وقت  
 گزارو۔"

اس نے ایک گہرا سانس لے کر اس کا ہاتھ چھوڑ دیا۔  
 "یہ بھرتی نہیں ہے کہ ہم باہمی کو بھول جائیں، ہاتھ شیرازی کی موت کے ساتھ ہی سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ ہم اب بھی  
 بہت سا اچھا وقت ساتھ گزار سکتے ہیں۔"  
 مسیو نے ہانے سے پہلے اس سے کہا۔ ہارون نے کچھ کہنے کے بجائے صرف ایک جیب سی مسکراہٹ سے ساتھ اسے  
 دیکھا، چہنچہا خاموش رہنے کے بعد کہا۔  
 "تھامنا۔" مسیو نے کھم سے اپکاٹے ہوئے سر ہلکا اور پھر لاؤنچ سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆☆

اگلے دن سچ ہشتے کی میز پر بارون کمال اخبار کے ایک پیج پر موجود ایک خبر کو بڑی دلچسپی کے ساتھ پڑھ رہا تھا۔  
 ”سرکاری افسر کی بیوی کا دن دہانے سے قتل۔ گل دوپہر شہر کی ایک مصروف سڑک پر ایک سرکاری افسر کی بیوی سمیٹ کر مارا گیا۔  
 دو کار چوری کرنے کی واردات کے دوران بے رحمی سے قتل کر دیا گیا۔ پولیس حریف تفتیش میں مصروف ہے۔“

Some say the world will end in fire.

(کچھ لوگ کہتے ہیں دنیا آگ سے ختم ہوگی)

Some say in ice

(کچھ کہتے ہیں برف سے)

What I've tasted of desire

(جہاں تک میں خواہش کو جان سکا ہوں)

I hold with those who favour fire

(تو میں ان لوگوں کے ساتھ ہوں جو آگ کا کہتے ہیں)

But if it had to perish twice

(لیکن اگر دنیا کو دوسری بار بھی ختم ہونا پڑے)

I think I know Enough of hate

(تو خرت کو ابھی طرے جان لینے کے بعد میرا خیال ہے)

To say that for destruction

(میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ جہی کے لیے)

Ice is also great

(برف بھی زبردست ہے)

And would suffice

(اور کافی رہے گی)

☆☆☆

## بارہ سال کے بعد

منصور جی نے امیر کو کانچ کے گیٹ سے باہر آتے دیکھا تو انہوں نے گاڑی کو اشارت کر لیا۔

امیر اب حلاشی نگرہوں سے لاہر ادھر دیکھ رہی تھی۔ منصور ملی کی گاڑی دیکھ کر وہ ان کی طرف آ گئی۔

منصور جی نے اپنے ساتھ والی سیٹ کے دروازے کا لاک کھول دیا۔

”یہ پوچھا؟“ امیر نے دروازہ کھول کر اپنا بیگ بچھل سیٹ پر رکھتے ہوئے کہا۔ منصور مسکرا کر کار سڑک پر لے آئے۔

”وہاں میں پہلا دن کیسا رہا؟“ انہوں نے جھگمگ سے کار نکالتے ہوئے اس سے پوچھا۔

”بس ٹھیک سی تھا۔“ اس نے اپنے بالوں کو جھٹکتے ہوئے بڑی لاہر والی سے کہا اور گلوکھپار فٹ کھول کر بیبر برش نکالنے

منصور نے گردن موڑ کر اسے دیکھا ”ٹھیک سی تھا یعنی اچھا نہیں گزرا؟“

”ابھی تو شروع سے دن ہیں پچا ایڈجسٹ ہوتے ہوئے کچھ دیر تو لگے گی۔“ اس نے بالوں میں برش کرتے ہوئے



"سہیہ وغیرہ سے ملاقات ہوئی تھی۔ انہوں نے اپنی بیوی بچن کی بیٹی کا نام لیتے ہوئے پوچھا۔  
 "ہاں، میں نے سارا دن سہیہ اور تانکی کے ساتھ ہی گزارا۔" اپنے آپکس میں کہتے ہوئے ہانوں کو ایک جھکے سے  
 بچے کرتے ہوئے اس نے بھروسہ دوبارہ گونگیا۔ لٹ میں دکھ دیا۔ اور اس میں سے بی بی کے ایک اسٹک نکال لی۔  
 "پاپا، مجھے تو آپ آپ گاڑی لے دیں۔ میں خودی گاڑی چلی جا کر اس کی۔" اس نے بی بی کے منہ میں ڈالتے ہوئے

فریاد کی۔  
 "جی، یہ تمہاری ہی تو گاڑی ہے۔" منصور علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کی نہیں، میں اپنی ذاتی گاڑی کی بات کر رہی ہوں۔" اس نے "واقعی" پر زور دیتے ہوئے کہا۔  
 "بھری برج تمہاری ذاتی ہی ہے۔" منصور علی نے پیار سے کہا۔

"Now don't try to flatter me papa"  
 (مجھے بہلانے کی کوشش نہ کریں پاپا!) امیر نے اپنا سر جھکتے ہوئے ضدی انداز میں کہا۔ "مجھے واقعی ایک گاڑی

ہو چکی۔"  
 "بھالے دون گا۔" منصور علی نے اس بار بھی اس کے سامنے جھنجھار ڈالتے ہوئے کہا۔

"لے دوں گا نہیں، ابھی لے کر دیں۔" ابھی لے کر جاؤں مجھے کی ضرورت میں۔ ابھی گاڑی بک کر دوں گی۔" اس

نے سٹیوٹ پر موجود ان کے ہاتھ کو ہلاتے ہوئے کہا۔  
 "امیر... پاپا، میں نے کہا ہے، ہاں میں تمہیں لے دوں گا۔ بک میں تمہیں تمہاری برتھو ڈے پر گاڑی منٹ کر دوں گا۔  
 جی ڈی مگر پیار ہے جی۔" انہوں نے اس سے کہا۔

"برتھو ڈے پر...؟ پاپا، آپ کو پتا ہے بھری برتھو ڈے سخی دور ہے۔ آپ بس مجھے ہال رہے ہیں۔ آپ مجھے گاڑی  
 لے کر وہاں ہی نہیں چاہتے۔" اس نے یک دم منصور کے ہاتھ سے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ وہ اب بہت عجیب و غریب آ رہی تھی۔  
 "امیر، میں..." منصور نے ہاتھ کھینچنے کی کوشش کی مگر امیر نے انہیں ٹوک دیا۔

"سہا ب بکو بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ مجھے گاڑی نہیں چاہیے۔" امیر نے قطعی انداز میں کہا۔

"پہ کیا بات ہوئی جب میں تم سے وعدہ کر رہا ہوں کہ میں تمہیں گاڑی لے دوں گا تو... امیر..."

"نہیں مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے گاڑی کی، اس طرف میں کر کے کوئی چیز لینے کا کیا فائدہ، آپ کو اگر مجھ سے واقعی  
 لینا ہوئی تو آپ مجھے بس ایک بار کہنے پر ہی گاڑی لے دیتے۔ آپ چاہتے ہیں میں بار بار آپ سے کہوں۔ پاپا، آپ کو  
 ہر اکٹھا احساس نہیں ہے۔" وہ اب واضح طور پر ناراض نظر آ رہی تھی۔

"لیک ہے... میں ابھی تمہارے لیے گاڑی بک کر دوں گا۔" منصور علی نے یک دم گاڑی کا رخ موڑتے ہوئے  
 کہا۔ امیر کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ نمودار ہو گئی۔

"تم مجھے اب کبھی بیک میل نہ کیا کرو۔" منصور علی نے اس کے چہرے پر مسکراہٹ نمودار ہونے دیکھ کر کہا۔

"کیوں نہ کروں... اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بھالیک ہے پاپا، جو چاہے کرو۔ مگر یہ گاڑی کا بھوت یک دم تمہارے سر پر کیسے سوار ہو گیا؟" انہوں نے پوچھا۔

"میں ایسے ہی میرا دل چاہا کہ میں کالج خود آ جا جا کر اس کی۔" اس نے بی بی کو ہانوں سے کہا۔

"وہی تمہارا کبھی دل نہیں چاہا یہ سب کرنے کو۔"

"وہاں کی بات اور تمہی ایک تو وہاں ابھی میرا انٹرنس نہیں بن سکتا تھا اور دوسرے میرا دل ہی نہیں چاہا۔ میں اب میرا  
 انٹرنس ہی سکتا ہے اور میرا دل ہی چاہا ہے۔ بس اتنی ہی بات ہے۔ اس نے گاڑی کی کھڑکی سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

"تو ان تک کے لیے گاڑی کا بھوت سوار رہے گا۔ تمہارے سر پر..." منصور علی نے جڑے پیار سے اسے جھپٹتے

ہوئے کہا۔ وہ اپنی بیٹی کی حضورِ اسلامی سے انہی طرف متوجہ تھی۔

"یہ تو ٹھیک تھا مگر آپ کو اس سے کیا۔ آپ مجھے بس گاڑی لے دیں۔" اس نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

"اچھے رش میں ڈرائیج کرونگی؟"

"کراؤں گی۔ پاپا! آپ مجھے جاننے نہیں ہیں۔" اس نے فوراً کہا۔ "وہ نہ یہ سوال نہ پوچھتے۔"

"میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں، اسی لیے یہ سوال پوچھ رہا ہوں۔" منصور علی نے فوراً کہا۔

"میرے لیے ڈرائیجنگ کوئی مسئلہ نہیں ہے۔"

"تمہارا ٹھکانہ ایسا ہے کہ تم کسی بھی چیز کو مسئلہ بنا سکتی ہو۔" منصور علی نے لہجہ دیا۔

"آپ کو کیسے پتا؟"

"مجھے پتا ہے۔"

"مگر پاپا ڈرائیجنگ کا ٹھکانہ سے کیا تعلق ہے؟" اس نے بحث والے انداز میں کہا۔

"بہت گہرا تعلق ہے۔ تم بہت غیر متحرک طریقے سے ہر کام کرنے کی عادی ہو اور ڈرائیجنگ بہت احتیاطاً طلب کام ہے خاص طور پر یہاں کی سڑکوں پر۔"

"میں احتیاط کروں گی۔ ریش ڈرائیجنگ نہیں کروں گی۔" اس نے فوراً پاپا سے وعدہ کر لیا۔

"یہ خاصی قابل یقین بات ہے مگر خیر، اب میں اور یہ نصیحت کر سکتا ہوں تمہیں۔" منصور علی نے کچھ بے چارگی سے اپنے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

"آپ کو مجھ پر اعتبار کرنا چاہیے پاپا!" اس نے ان کے انداز کا فوٹس لیتے ہوئے کہا۔

"میں اعتبار کرتا ہوں، اس لیے اسی وقت ہم شوروم جا رہے ہیں مگر تمہیں نصیحت کرنا میرا فرض ہے۔" انہوں نے اس سے کہا۔

"اس کو کیا کہا چاہیے پاپا؟ جینٹلمین گیپ؟" امیر نے اچانک شرارتی انداز میں باپ کو مخاطب کیا۔

"اب آپ کو بھی پتا خرمیختوں کا شوق ہو گیا ہے؟"

"تم پر میری نصیحتوں کا کیا اثر ہوا ہے۔ تمہارے لیے تو سب کچھ بے کاری ہے۔ تم ہر بات ایک کان سے سن کر

دوسرے کان سے اڑا دینے کی عادی ہو۔" منصور علی نے خوش دلی سے ہنسنے ہوئے کہا۔

"پاپا! آپ پر نصیحتیں سوت نہیں کرتیں، میری آپ سے اسی لیے دوستی ہے کیونکہ آپ وہ نصیحتوں کی عادت نہیں تھی مگر اب

مجھے لگتا ہے، آہستہ آہستہ آپ بھی اس عادت کا شکار ہو جائیں گے۔ پھر میری اور آپ کی اندر اسٹینڈنگ ختم ہو جائے گی۔" اس نے ہنسے ہوئے ڈرائیجنگ کی کوشش کی۔

"فضول باتیں مت کرو امیر۔" منصور علی نے معنوی نکتے سے اسے جھڑکا۔

"ہائیکس، اب آپ مجھے پورا ڈانٹ رہے ہیں۔" امیر نے انہیں جھڑپا۔

"اچھا ہا! نہیں! ڈانٹنا تمہیں۔ اب یہ تاڈ گاڑی کی سی چاہیے؟" منصور علی نے بات کا موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"یہ تو میں شوروم میں ہا کر ہی تاڈوں کی۔ یہاں بیٹھے بیٹھے کیسے تاڈوں۔ ہو سکتا ہے، میں آپ کو کسی گاڑی کا نام بتاؤں

مگر شرم میں جا کر مجھے کوئی اور پسند آجائے۔ اس لیے کیا یہ بھڑکنے ہے کہ میں ادھر جا کر ہی آپ کو گاڑی کے بارے میں

بتاؤں۔ ہاں، ایسا بات میں ضرور آپ کو بتا دیتی ہوں۔ میں شوروم میں موجود سب سے سستی گاڑی لوں گی۔" اس نے بڑے لادا

سے منصور علی سے کہا۔

"میں گاڑی کی قیمت کی بات نہیں کر رہا، تم ایک کے جھانے دو لے لیتا۔" منصور علی نے لاپرواہی سے کہا۔

"دو لیا کروں گی میں مجھے تو ایک ہی چاہیے۔ سب اس سے دل بھر جائے گا تب دوسری لے لوں گی۔ ٹھیک ہے

پلٹا۔ اس نے ایک بار پھر شرارتی انداز میں منصور علی سے کہا۔  
 "تھیں بھئی تو بہت دم ہو جائے گی؟" منصور علی نے خمیہ گی سے کہا۔

"کیوں دم ہو جائے گی؟" وہ چونکی۔  
 "بھئی، جب تک تو ہم تمہیں گلہ کے گھر جھوٹے ہوں گے۔ وہاں تمہیں ڈرائیور سمیت گاڑی مل جائے گی۔" منصور علی نے اپنی مسکراہٹ وہاں سے ہٹائے کہا۔

"پاپا، آپ گلہ کو ڈرائیور کہہ رہے ہیں؟" دو خوراہن کی بات سمجھ گئی۔ "کتنی بڑی بات ہے۔ مگر اسے تاؤں کی جب دو آج مل کر آئے گا۔" اس نے انہیں دھکی دلی۔

"بھئی، سب سے پہلے وہ میرا۔ میں جو چاہے اسے بہہ سکتا ہوں۔ تم دیکھ لینا، اسے ہانک بھی برائیس گئے گا۔" انہوں نے گاڑی ڈرائیج کرتے ہوئے گفتگو سے کہا۔

"صرف سبھی تو نہیں ہے پاپا؟" امبر نے فوراً نہیں یاد دلایا۔ "آپ کا والد بھی ہے۔ اگر برائیاں کیا تو؟"

"تمہارے دادا نے پر برائیاں مانا تو میرے ڈرائیور بننے پر کہے برائیاں سکتا ہے۔"

"پاپا، آپ بالکل سچ کہہ رہے ہیں، مگر اسے کبھی بھی نہیں ڈانٹنا۔" وہ تاراض ہو گئی۔

"تم نے اگر اسے کبھی نہیں ڈانٹا تو پھر وہ مجھ سے شکایت کیوں کر رہا تھا؟" منصور نے بیانی خمیہ گی سے کہا۔  
 "گلہ نے آپ سے میری شکایت کی؟" امبر نے بے یقینی سے کہا۔

"ہاں۔"

"کیا کہا اس نے؟"

"بھئی، یہ تو میں نہیں بتا سکتا۔ اس نے مجھے متع کیا ہے۔" منصور علی نے انکار میں سر لٹاتے ہوئے کہا۔

"پاپا، پلیز، مجھے بتائیں، اس نے آپ کو کیا کہا ہے؟" وہ ضد کرنے لگی۔

"بھئی میں نے اس سے وعدہ کیا ہے۔" منصور علی نے کہا۔

"مجھے نہیں پتا۔ آپ نے وعدہ کیا ہے یا نہیں، بس آپ مجھے بتائیں، اس نے میرے بارے میں آپ سے کیا کہا ہے؟" وہ ان کا بازو پکڑنے لگی۔

منصور علی بے اختیار ہنسی۔ "تمہیں بتا دیا تو تم کیا کرو گی؟"

"میں۔۔۔ آپ۔۔۔ دیکھئے گا میں اس کا کیا مشر کروں گی جھوٹ بولنے پر۔"

"میں مذاق کر رہا تھا۔ اس نے مجھ سے کچھ بھی نہیں کہا۔"

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔" امبر نے بے یقینی سے کہا۔

"نہیں بول رہا اب نیچے اترو اگر گاڑی چاہے تو۔"

انہوں نے گاڑی روکتے ہوئے کہا، امبر کچھ ہچکچاتے ہوئے ان کے ساتھ اترا آئی۔

☆☆☆

"اچھا، مجھے ڈرا دو والا جوتا نکال کر دکھائیں۔" منیزہ نے شوکیس میں لگے ہوئے ایک اور جوتے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سلاخ میں سے کہا۔ سلاخ میں برق رفتاری کے ساتھ اس شوکیس کی طرف گیا اور شے پر ہاتھ رکھ کر ان سے پوچھنے لگا۔

"اس جوتے کے بارے میں کہہ رہی ہیں آپ؟"

"نہیں یہ نہیں، اگلے والا دو بلیک اسٹرپس والا" منیزہ نے اس کی رہنمائی کی۔

"ہاں کیا والا۔" سلاخ میں نے ان کے مظلوم جوتے پر ہاتھ رکھا تو انہوں نے کہا۔ سلاخ میں اپنے ساتھی سلاخ میں کو جوتے کا نام اور نمبر اور سائز بتانے لگا تاکہ وہ اندازے سے وہ جوتے لے آئے۔

"جنتی دیر میں وہ جوتا لٹاتا ہے، تم ذرا میرا مل بھاؤ" میزہ نے میلازمین سے کہا۔

"نہیں۔ ابھی تو میں نے آپ کو اور بھی بہت سے جوتے دکھانے ہیں۔" میلازمین نے خوشامدی انداز میں کہا۔  
پاکستان مستقل طور پر واپس آ جانے کے چند ماہ میں ہی لاہور کی بڑی بڑی مارکیٹوں میں تجھے والے ان کے پتھر، اور  
بے تحاشا خریداری نے دکھانوں اور میلازمینوں کو ان کے چہرے سے خاصا شامسا کر دیا تھا۔  
میزہ شاپنگ کرتے ہوئے جنت کی عدلی ٹیس تھیں۔ انیس لگی اس کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔ کیونکہ انیس لگی اونٹ  
چڑھ گئی تھی۔ خاص طور پر وہ چیز جو انیس پسند آ جاتی اور دکھانارے لیے ایسا گاہک خدا کی خاص نعمت ہوتا ہے  
دوکانوں پر انیس خاص اہمیت دی جاتی، دکھانار ان کے سامنے بچھ بچھ جاتے اور میزہ دھڑا دھڑان کی دھکی دھکی  
چڑھی مٹا گئے داسوں خریدتی جاتیں۔

شاپنگ کے خبط کا شکار وہ منصور علی سے شادی کے بعد ہوئی تھیں اور یہ خبط دن بدن بڑھتا ہی گیا تھا۔ بچھنے کی مالاوں  
سے انیس جتنا سکون اور خوشی بازاروں میں پلرتے ہوئے جنتی تھی اتنا سکھ اور تھیں نہیں مٹتا تھا۔  
برہم سے تیرے دن دو کی نہ کی ماریت میں موجود ہوتیں اور پلر پلر کی ضرورت کے دھڑا دھڑا چڑھی فریاد  
جاتیں۔

پاکستان آنے کے بعد بھی اس جنون میں کوئی کمی نہیں آتی تھی۔ بلکہ اضافہ ہو گیا تھا، انیس دوعنی کی نسبت پاکستان سے  
بگا تھا۔ یہاں انیس ایک اور سموت بھی حاصل تھی وہ اپنی نئی شاپنگ کو شو آف کے لیے بھی استعمال کر سکتی تھیں کیونکہ ان کے  
سارے رشتہ دار یہیں تھے جب کہ دوعنی میں جن گھروں میں ان کا آتا جاتا تو دو سب ہی بہت ویل آف تھے اور ان کی گھر میں  
بھی ان کی طرف روپیہ اڑانے پر یقین رکھتی تھیں اور وہاں کسی کو تنہا نہیں کر سکتی تھیں۔

پاکستان میں معاملہ دوسرا تھا۔ یہاں پر وہ خاندان کے چند امیر ترین گھرانوں میں سے ایک کا حصہ تھیں اور پیسے کو بے  
مقصد خرچ کرنے میں انیس کمال حاصل تھا خاندان میں دوسری کوئی عورت ان کی طرف پیسہ خرچ نہیں کرتی تھی شاید کری نہیں  
سکتی تھی۔

خاندان کی عورتوں کو میزہ پر رشک آتا تھا۔ خاندان میں ہونے والی کسی بھی تقریب میں انہوں نے کبھی ایسا نہ ہو سکی  
پہنہ تو جو وہ اس سے پہلے پہن چکی ہوتیں جو تے اور کپڑے تو خبر بہت ہی معمولی چیزوں میں آتے تھے۔ ہرے خاندان کو  
بجس رہتا آفران کے پاس کتنے سونا اور زیورات تھے جو ختم ہونے میں ہی نہیں آتے تھے ہر ایک کو یہ حیرت ہی تھی کہ کبھی وہ  
میزہ کو کوئی ایسا زیور پہنے دیکھے جس جو دوسری بار پہنا گیا ہو۔ میزہ نے کسی کو ایسا موقع ہی نہیں دیا وہ اس معاملے میں ضرورت  
سے زیادہ محتاط تھیں۔

آخر چہان سے شادی سے پہلے بھی منصور علی کا بزنس بہت اچھا تھا مگر ان سے شادی کے بعد تو جیسے پیسہ برسنے لگا تھا۔  
میں سالوں میں ان کے بزنس نے انیس کتنے کا تھیں پہنچا دیا تھا اور منصور علی اس سب کو میزہ کی طرف اس کی خوش قسمتیاں کا اہواز  
کھینچتے تھے نہ صرف وہ بلکہ ہر خاندان بھی۔

میں سالوں میں ان سے ہاں چار بیٹوں اور ایک بیٹی کی پیدائش ہوئی تھی۔ روشان کے بعد ان کے ہاں دو اور بیٹیوں کی  
پیدائش ہوئی اور ان دو بیٹیوں کی پیدائش نے روشان کی اہمیت کو اور زیادہ کر دیا، وہ ان کا اکھوتا بیٹا تھا اور اکھوتا بیٹا جتنا اہم ہو سکتا  
تھا وہ بھی تو آخر چہان کے پاس بات کا حق تھا کہ ان کا صرف ایک بیٹا تھا اور روشان کے حوالے سے اکھران کے دل میں بہت  
سے ضدشات بھی پید ہوتے رہتے تھے۔ پھر وہ یہ سوچ کر خود کو تسلی دے لیتیں کہ کم از کم ان کا ایک بیٹا تو ہے وہ اس عدم حوصلہ کا شکار  
نہیں تھیں جن کا وہ ۱۹۸۰ء میں ہوتی ہیں جن کا کوئی بیٹا نہیں ہوتا۔

وہ ان عورتوں میں سے تھیں جس میں کی ساری توجہ کا مرکز گھر ہوتا ہے یا پھر بولادی تعلیم و تربیت یہ دونوں چیزیں  
ان کے لیے توجہ کی نعمت میں خاص تھیں۔

”ہاں، اگر کچھ زیادہ بڑی نفس ہوگی تو پھر شاید ان کا زیادہ تر وقت کیوں اور نام نہاد سوشل ورک یا پارٹیز میں گزارا۔ فرخیز نے انہیں ان آسائشوں سے کراہ کر دیا۔ اب انکا زیادہ وقت شاہجگ میں گزارنا تھا یا پھر مختلف رشتہ داروں کے پاس آنے جانے

تھا۔ جب وہ وہیں میں تھیں تو اس وقت بھی ان کی روٹھن ایسی ہی تھی وہاں رشتہ داروں کی بجائے وہ آس پاس کے گھروں میں ضروری کے دوستوں کی مجالوں کے ساتھ مصروف رہتیں، پاکستان میں ان کی ان مصروفیات میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ آج بھی وہ اسی قسم کی ایک بے مقصد شاہجگ کر رہی تھیں۔ اور پچھلے دو تھنوں سے مختلف دکانوں سے کچھ نہ کچھ خریدتی پوری تھیں۔ ان کے ساتھ ان کی ایک ملازمہ بھی تھی جو بر دکان سے اکٹھے کیے جانے والے شاہجگ کے اجیر سنبھالنے میں مصروف تھی۔

سلازمین بلا فرج لے آیا تھا۔ خیزہ نے بڑے انداز سے اپنا پاؤں آگے کر دیا اور سلازمین ان کے پاؤں میں جوتا پیمانے گا۔ جوتا پیمانے کے بعد اس نے حسب عادت جوتے کی تعریف میں زمین و آسمان کے قلابے طاق شروع کر دیے خیزہ نے ہاتھ نظر میں سے ہی میں پینے ہوئے جوتے کو دیکھا۔ ان کے پاؤں خوبصورت تھے مگر ان کے جسم کی طرف توجہ تھی اور وہ ہارڈ ایک اسٹیرینس والا جوتا ان کے پاؤں میں پہنا ہوا کچھ عجیب سی نگ رہا تو مگر انہوں نے اپنی قوت بصارت پر یقین کرنے کے بجائے اپنی ملازمہ سے رائے لینا ضروری سمجھا۔

”کیا لگ رہا ہے سرین؟“ انہوں نے اپنے پاؤں کو تھوڑا سا سرین کے آگے کرتے ہوئے کہا۔

”میت اچھا لگ رہا ہے۔ نیگم صاحبہ“ سرین نے سلازمین کی ہاں میں ہاں ملائی۔ وہ جانتی تھی اس سے اسی رائے کی لیے رائے مانگی گئی ہے۔

”فرخیز لگی ہوں مگر۔“ خیزہ کو جیسے کچھ اور نقلی ہوئی۔

سلازمین کی سکراہٹ کچھ اور گہری ہو گئی۔ اس نے اس جوتے اور ان کے پاؤں کے لیے کچھ اور خوشبودی لگوات کبے۔ خیزہ کے رنگ اور رخ میں کچھ اور اضافہ ہوا۔

مل جمانے کے بعد پائی لا پروائی کے ساتھ انہوں نے مطلوبہ رقم نکال کر کاؤنٹر پر رکھی اور دکان سے باہر نکل گئیں۔ ملازمہ شاہجگ کے پیلے ڈبیر کے ساتھ ان سے شاہجگ کو کچھ سنبھالے ہوئے تھی جب وہ دکان سے باہر نکلے تب تک خیزہ سبز مٹیوں کی تریکی تھیں اور اب کچھ حلائی نظروں سے اور اور دیکھ رہی تھیں۔ جب ملازمہ ان کے پاس پہنچی تو خیزہ نے کہا۔

”میرا خیال ہے اب جتنا چاہیے۔ میں آج شاہجگ کی طرف جانے کا سوچ رہی ہوں۔ وہاں سے ہوتے ہوئے وہاں بھی گئے۔“

انہوں نے ملازمہ کو اپنا آئینہ دکھا کر گرام بتاتے ہوئے قدم آگے بڑھا دیے۔ ملازمہ نے دل میں ہی میں خدا کا شکر ادا کیا۔ شاہجگ کے خیزہ راجو سے بچ گئی تھیں۔

پانگ میں موجود گاڑی میں بیٹھ کر خیزہ نے ڈرائیور سے کہا۔

”سیہا مگر نہیں جانا، پہلے مسودہ بھائی کی طرف جانا ہے۔“ ڈرائیور نے بڑے سوداگن انداز میں ان کی جہاںات سنیں اور گاڑی کو مڑھ پھرتے پر اٹھ دیا۔

وہ جس وقت شاہجگ کے پاس پہنچیں اس وقت سپر کے دو بج رہے تھے، شاہجگ نے بڑی خوش دلی کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔

”میں شاہجگ کے لیے نقلی تھی راتے میں میرا دل چاہا آپ کی طرف آنے کو۔ اور میں اور نکل آئی۔“ خیزہ نے ڈرائیور کو دیکھ کر کہا۔

”بھائی کاتم آگئیں۔ میں بھی کچھ اور پہلے تھیں ہی یاد کر رہی تھی۔ خاناساں سے آج میں نے کچھ نئی ڈشٹری بوائی ہیں۔“

میں سوچ رہی تھی کہ تمہیں بجاؤں مگر اب دیکھو۔ تم خودی آگئی ہو۔" شبانہ جانتی تھی، نیزہ اچھے کھانے کی شوقین تھی۔  
نیزہ ان کی بات پر حسب توقع خوش ہوئی۔

"اس کا مطلب ہے، میں نے ادھر آ کر واقعی اچھا کیا کھانے کا میرا سود تو نہیں مگر اب اگر آپ نے کوئی نہیں بدلتا  
بڑائی میں تو میں کھائے بغیر تو نہیں رہ سکتی۔" نیزہ نے صوف پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"آپ کا خاناں تو ویسے بھی کمال کے کھانے پکاتا ہے۔ میں تو منصور سے کہہ رہی تھی کہ مسود بھائی کو کہہ کر وہی  
خاناں کو اپنے ہاں لے آئیں۔ ہمارا خاناں تو بالکل بھی اچھا نہیں ہے۔" نیزہ نے فوراً کہا۔

"بھئی میں تو سو بار سے تمہارے ہاں بیچنے کو تیار ہوں مگر وہ پچھلے پندرہ سال سے ہمارے یہاں ہے یہاں سے جانے  
تیار ہی نہیں ہوتا۔ ابھی پچھنے بنتے رضی بھائی آئے ہوئے تھے، اسے اپنے ساتھ کوڑ پانے کے لیے کہہ رہے تھے اس نے انکار  
دیا حالانکہ وہ اسے جس ٹکڑا کا کہہ رہے تھے، وہ تو اس کی موجودہ تنخواہ سے تقریباً دو گنی مگر وہ جانے پر تیار نہیں ہوا۔" شبانہ نے  
بڑے فخریہ انداز میں کہا۔

"بس بھئی! آپ ہیں ہی خوش قسمت، ورنہ آج کل اس طرح کے ملازم۔۔۔ اور خاص طور پر خاناں کہاں کہہ لے  
ہیں۔" نیزہ نے کہا۔

"میں تو بس خاناں کی حد تک ہی خوش قسمت ہوں۔ تم تو ہر لحاظ سے خوش قسمت ہو۔ یہ تاؤ شاپنگ کیا کی ہے؟  
شبانہ نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"کوئی خاص نہیں۔ بس کچھ کپڑے لیے ہیں کچھ جوتے لیے ہیں۔ بچوں کی کچھ چیزیں لی ہیں۔" نیزہ انہیں تحصیل  
تائے گئیں۔ "کچھ گھر کے لیے ڈیکوریشن چہر لیے ہیں بس یہی کچھ ہے۔"

"یہ تو خاصی لمبی چیزیں شاپنگ ہوگی۔" شبانہ نے کہا۔  
"کہاں بھاگی! لمبی چیزیں کہاں، بس دو گھنٹے ہی لگے ان سب چیزوں کو لیتے ہوئے لمبی چیزیں شاپنگ ہوتی تو کم در کم  
سات آٹھ گھنٹے لگتے۔" نیزہ نے جتانے والے انداز میں کہا۔

"بس تمہاری اور ہماری شاپنگ میں یہی تو فرق ہوتا ہے تم جتنے وقت میں معمولی سی شاپنگ کرتی ہو ہم اتنی دور میں تمام  
شاپنگ کر لیتے ہیں۔" شبانہ نے اس سے کہا "تمہارے مسود بھائی تو اتنی بری طرح جاتے ہیں شاپنگ کے ذکر پر جس کی کوئی  
حد نہیں۔ تو بس منصور ہی ہے جو مانتے پر ایک گھنٹہ لائے بغیر تم لوگوں کو پھرتا رہتا ہے۔" نیزہ ان کی بات پر ہنس کر  
"بھئی! یہ بات آپ ذرا منصور کے سامنے کہیں تو پھر آپ کو پتا چلے۔ وہ کتنی خوش دلی سے شاپنگ کرواتے ہیں۔

انہیں بھی دن دہد کہا پتا ہے۔ تب کہیں جا کر وہ ساتھ چلنے پر تیار ہوتے ہیں۔" وہ بھی اس دعوہ پر کہ ایک آدھ گھنٹہ سے زیادہ  
نہیں لگے گا۔ آپ ہی تاؤں ایک آدھ گھنٹہ میں کیا شاپنگ ہو سکتی ہے میں تو ایک آدھ گھنٹہ ایک شاپ پر چیزیں نکلاؤتے ہوئے  
لگا رہتی ہوں اور منصور ہر بار ہمارا ہنر ہو کر کہتے ہیں کہ وہ آدھ گھنٹہ مجھے شاپنگ کے لیے نہیں لے جائیں گے۔"

"پندرہ وقت کے بارے میں ہی ہمارا ہنر ہوتا ہے، وہ پھر فریج کرنے پر تو نہیں آتا۔ ایک مسود ہیں وہ تو میرے شاپنگ  
کرنے پر ہی روک ٹوک کرتے رہے ہیں۔" ابھی پچھلے پختے تو گئی تھی تم، اب ایسی کیا ایمر جنسی آن چڑی "ان کی زبان پر ہر  
وقت بس یہی ایک جملہ ہوتا ہے۔"

شبانہ نے کچھ گئی سے کہا۔ "اب بندہ انہیں کیا تائے کہ اب ایک ہنڈا کر کوئی شاپنگ کے لیے چلا گیا ہے تو یہ کوئی سچ  
جاننے کے حروف تو نہیں ہو گیا کہ اب بس ہانگے سال ہی جایا جائے اگلے پختے نہیں۔ میں تو انہیں بھی منصور کی مثال دیتی رہتی  
ہوں کہ کچھ چھوٹے بھائی سے ہی سیکھ لیں۔ جو یہی اور بچوں کو ہنڈا کر رہا ہے مسود تو بس پابندیوں ہی لگاتے رہے ہیں۔"

"نہیں بھئی! مسود بھائی بڑے اچھے ہیں۔ اتنے بڑے بھی نہیں ہیں۔" نیزہ نے مسود علی کا دفاع کرنے کی کوشش  
کی۔ شبانہ ہنڈا نہیں ہوئی۔

مگر منصور جیسے نہیں ہیں۔ منصور تو خاندان میں اپنی مثال آپ ہے کوئی دوسرا آدمی نہ اس جیسا بیٹا ثابت ہوا، نہ شوہر، نہ

۳۱۔ "شانہ نے ایک بار پھر منصور کی تعریف کی۔  
 "آپ تم کو خود امبر کو اس نے ایک بار کہنے پر گاڑی دلا دی۔ وہ بھی اتنی بھیگی۔ دوسری طرف میں نے مسود سے طوطے کے  
 دت کی تو وہ کہنے لگے کہ طوطے کو بھی گاڑی بدلنے کی کیا ضرورت ہے، وہی پرانی گاڑی ہی ٹھیک ہے۔" شانہ نے شکایتی انداز میں  
 کہا۔ "اب وہ سال پرانی گاڑی چلانے ہوئے وہ کتنا برا محسوس کرتا ہے، یہ تو صرف میں ہی جانتی ہوں امبر کے سامنے بھی  
 شرمندگی محسوس کرتا ہے مگر مسود، ان کو ہلاکون سمجھائے؟ ان سے بات کرو تو وہ گھر میں موجود گاڑیاں گنوانے بیٹھ جاتے ہیں۔  
 میں نے تو اس پر فیصلہ کیا ہے کہ جو بھی ہو، میں بھی طوطے کوئی گاڑی دلاؤں گی چاہے مجھے اپنا زور ہی کیوں نہ بیٹھا پڑے۔" شانہ

نے کہا۔  
 "یہی بات کر رہی ہیں بھابھی؟" میزہ نے فوراً انہیں ٹوکا۔ "بھلا زور بیچ کر آپ کو طوطے کے لیے نئی گاڑی لینے کی کیا  
 ضرورت ہے امبر نے جو گاڑی لی ہے، وہ طوطے کی تو ہے۔ آپ کا گھر مکمل ہو جائے تو بس امبر کی رعایتی کر دیں گے اور سات  
 آٹھ ماہ ہی تو ہیں پھر وہ گاڑی طوطے لے لے۔"  
 میزہ کی بات پر شانہ نے عجیب سی نظروں سے انہیں دیکھا۔

"طوطے کو پرانی چیزیں استعمال کرنے کی عادت نہیں ہے۔ چیز وہی ہوتی ہے جو اپنی ہو اور ویسے بھی سات آٹھ ماہ وہ  
 گاڑی استعمال ہوئی تو پھر اس میں رو کیا جائے گا۔ تم وہ گاڑی رہنے ہی دینا۔ ہمارے گھر میں چار گاڑیاں ہیں۔ ضرورت ہی کیا  
 ہے گاڑی دینے کی۔ بلکہ میں طوطے سے کہوں گی کہ وہ شادی پر امبر کو گاڑی تحفے میں دے۔" شانہ نے چپتے ہوئے انداز میں بظاہر  
 بتتے ہوئے کہا۔

"خاندان میں ایک نئی روایت قائم ہوگی بنی والے گاڑی دیتے ہیں ہم بیٹے والے ہو کر دیں گے۔ چلو اچھا ہے نا، خوب  
 چور ہے گا۔"

میزہ کو ان کی بات بری لگی۔

"نہیں۔ ایسی نئی روایتیں قائم کرنے کی ضرورت نہیں ہے ہم امبر کو شادی پر نئی گاڑی لے دیں گے منصور ابھی اس کو  
 گاڑی لے کر دے سکتے ہیں تو تب بھلا کیوں نہیں لے کر دیں گے۔"

میزہ نے بھی بڑے گھروڑے انداز میں جواب دیا شانہ کا لہجہ اچانک ہی تبدیل ہو گیا۔  
 "ہم دونوں نے بھی کیا باتیں شروع کر دیں۔ آخر دونوں خاندان ایک ہی ہیں۔ ادھر کی چیز لودھ جائے یا ادھر کی ادھر  
 آنے کی بات پڑتی ہے۔"

"میں نے تم سے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ تم کیا بیوگی۔" ان کے لہجے میں یک دم بڑی خشکی آگئی تھی مگر میزہ کو اپنے لہجے کی  
 گل چھپانے کے لیے خاصی محنت کرنی پڑی۔

"نہیں، کوئی ضرورت نہیں، مجھے خاصی دیر ہو رہی ہے۔ بہتر ہے میں گھر چلوں ویسے بھی بچے تو گھر آئی گئے ہوں  
 گے۔" انہوں نے کاک پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

مسود یہ کیا بات ہوئی، میں تمہیں کھانا کھلانے کا سوچ رہی ہوں اور تم جانے پر تلی ہوئی ہو۔" شانہ نے خشکی سے کہا۔  
 "نہیں، کھانا پھر کبھی کھائوں گی۔" میزہ نے انکار کیا ان کا مسود اب خاصا آف ہو گیا تھا اور ان کے مسود میں آنے والی  
 وہ تہیلا شانہ سے پرشیدہ نہیں تھی۔

"پھر کبھی بھی کھانا کھا کر آج تو میں تمہیں کھانا کھلا کر ہی بیجوں گی۔ بتایا تو ہے تمہیں تمہارے لیے ڈشز بھوانے کا سہے  
 بیچ کی تم میں اور تم ہو کر اب آنے کے بعد ہوا کے کھوڑے پر سوار ہو۔" شانہ نے بڑی اہمیت سے میزہ سے کہا۔

نور امبر ان کا اسرار اتنا شہ چھو گیا کہ میزہ کو رکھنے کے علاوہ اور کوئی چارہ نہ رہا۔

کہا واقعی بہت لذیذ تھا اور شانہ کے بچے میں ان کے لیے اس قدر محبت اور اہمیت تھی کہ ان کا کبڑا ہوا سوا بہت آہستہ لٹک ہوتا گیا۔ کہا قسم ہونے تک دونوں ایک بار پھر بڑے خوشگوار انداز میں ایک دوسرے کے ساتھ مکالمہ میں مصروف تھے۔

نیز وہ نے واپس مگر جانے سے پہلے شانہ کو اپنی خریدی ہوئی تمام چیزیں بھی دھائی شانہ تقریباً کر رہی تھی مگر وہ کی بقت پر اس کے چہرے کے بدلے ہوئے رنگ نیز وہ کو بہت لطف دے رہے تھے۔

شام چار بجے جب وہ شانہ کے یہاں سے واپس آئیں تو خاصے خوشگوار موزا میں تھیں۔

۲۰۲

صند اس وقت لاؤنج میں بیٹھی فی وی دیکھ رہی تھیں جب اسامہ لاؤنج میں داخل ہوا، صند فوری طور پر اسے پہچان کر پائی، فی وی کا دلیرا لہجہ تھا اور وہ خاصے ایشیاک سے پروگرام دیکھنے میں مصروف تھی، اسامہ نے ایک بار اسے لپکا مگر اس نے حیرت نہ ہونے پر وہ وہیں کھڑائی وی اسکرین اور اس پر وہ فوٹو گھرنے لگا اور اتار رہا۔

تقریباً آدھ گھنٹہ کے بعد پروگرام ختم ہوا تو صند نے صوفہ پر پڑا ہوا بیگٹ اٹھا کر پھینک کر شروٹ کی اور اسی وقت اس کی نگر اسامہ پر پڑی جو کہیں طرف پڑے ہوئے ایک صوفہ پر بیٹھا ہوا تھا، وہ یکدم مڑ رہی تھی۔

”آپ کب آئے؟“ اس نے صوفہ کے سامنے رکھی ہوئی میز پر رکھے اپنے دوڑوں پاؤں برق رفتاری کے ساتھ لپکے رکھے ہوئے کہا۔

اسامہ نے ایک نگر لکٹی پر بندھی ہوئی غزنی پر دوڑائی اور کہا۔

”مجھے آدھا گھنٹہ ہو گیا ہے۔“

صند نے کچھ بے چینی سے اسے دیکھا۔ ”آپ آدھ گھنٹہ سے یہاں بیٹھے ہیں؟“

”ان میں اتنی ناقابل یقین بات کیا ہے؟“ اسامہ اس کے اثرات سے متکھوٹا ہوا۔ ”میں واقعی آدھ گھنٹہ سے یہاں بیٹھ ہوں۔“

صند کی شرمندگی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔ ”مجھے پتا ہی نہیں چلا۔“ اس نے سرخ چہرے کے ساتھ ایک چھینٹی ہوئی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ فی وی پر اس قدر جذبہ بنتی سینا آ رہا تھا اور اتار دونا دھونا شامل تھا کہ خواتین کے لیے فی وی اسکرین سے نظریں ہٹانا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ ویسے بھی خواتین کے لیے اس سے زیادہ دلچسپ سینا تو کوئی ہو ہی نہیں سکتے کہ شوہر دوسری شادنی کر لے، یا بیوی کو طلاق دے دے۔“ اسامہ بیٹی دلچسپی سے بہ رہا تھا۔

”یا پھر ساس بہو کو کوئی جھڑا ہو۔ وغیرہ وغیرہ۔ اور تم بہر حال اپنی جنس کی ساری خصوصیات رکھتی ہو۔“ اسامہ نے اسے چھیڑا حالانکہ وہ جانتا تھا وہ اس کی بات پر مشتعل ہوگی نہ ہی کسی بات پر اعتراض کرے گی۔

صند کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ”آپ مجھے اپنی طرف متوجہ کر لیتے۔“

”میں نے تمہیں ایک بار آواز دی تھی۔ مگر پھر تمہارا ایشیاک دیکھ کر میں خاموشی سے بیٹھ گیا۔“ اسامہ نے کہا۔

”آپ کیا نہیں گے، چائے کافی، سافٹ ڈرنک“ صند نے ہنسنا شروع کر دیا۔

”کچھ بھی۔“ اسامہ نے انتحاب اس پر چھوڑتے ہوئے کہا۔

”میں چند منٹوں میں آتی ہوں۔“ وہ اٹھ کر لاؤنج سے باہر نکل گئی اسامہ سامنے میز پر چڑا ہوا ایک میگزین اٹھا کر دیکھنے لگا۔

وہ چند منٹوں کے بعد دوبارہ لاؤنج میں آگئی۔ اسامہ نے اسے آواز دی کہ اپنے ہاتھوں میں پکڑا ہوا میگزین ایک بار پھر

نچھلنا پڑا رکھ دیا۔



"تمہاری اصلاح کی جارہی ہے" اس کے صوف پر بیٹھنے ہی اسار نے پوچھا۔  
 "اب تک جارہی تھا۔" صہ نے بیٹھ کی طرح ٹھکر جواب دیا۔  
 "کئی مہینے اٹھتے ہو گئے ہوں تم؟"

"ہاں۔"  
 "تمہاری پہلی ہی جہاز تو آٹھ بجے ہو جاؤ گی۔" اسار نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ تو خیر ایک اچھا کالج ہے براہی  
 جہاز بھی تمہارا جواب کی طرح کا ہوا۔ تمہارے جیسے انسان کو کہیں بھی اٹھ جنت منت پر پہلو نہیں ہوتی۔ تم بہت کھرو  
 ہو گئے ہو۔" اسار نے بڑے کلمے دل سے اس کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ "مجھے تمہاری یہ کالمی بہت پسند ہے لوگوں میں یہ  
 ہرگز نہ ہو۔" اسار نے جواب دہی جارہی ہے۔ "اس نے مزہ کہا۔"

"وہاں بہت تازہ ہوئی جارہی ہے۔" صہ نے اپنے آپ کو نہیں سمجھے آنے کے لیے کہا تھا۔ کل فون کیا تھا کہ ری جس کوئی کام ہے۔ "اسار  
 میں خیرہ اپنی سے ملنے آیا تھا نہیں ہوں مجھے آنے کے لیے کہا تھا۔ کل فون کیا تھا کہ ری جس کوئی کام ہے۔" اسار  
 نے ہلکے بہتے ہوئے کہا۔ "مگر یہاں آیا ہوں تو پتا چلا ہے کہ وہ گھر پر نہیں ہیں۔ میں نے سوچا تم سے ملتا جاؤں۔۔۔ خیرہ  
 کئی کئی گئے ہیں۔"

"نئے ٹیک سے پتا چلا ہے کیونکہ وہ جس وقت گئی تھی۔ میں اس وقت سو رہی تھی۔ میرا خیال ہے وہ ابھر کے ساتھ نہیں  
 گئی تھی۔" صہ نے اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔  
 "خیرہ ابھر چوکی طرف۔" صہ نے اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔  
 "خیرہ ابھر چوکی طرف تو نہیں گئی۔ وہ تو ہماری طرف آئی ہیں۔ ابھی بھی وہیں نہیں جب میں گھر سے آیا ہوں۔"

اسار نے سہانے ہوئے کہا۔  
 "ابھر کل کہہ رہی تھی۔" صہ نے تیار تو اسار اس کی بات پر مسکرائے گا۔  
 "ابھر بوسا ہے وہ شہک کے لیے مٹی ہوں۔ ابھر کل کہہ رہی تھی۔" صہ نے تیار تو اسار اس کی بات پر مسکرائے گا۔  
 "ہاں یہ بہت زیادہ قابل یقین ہے۔ وہ یقیناً شہک کے لیے ہی نہیں گئی ہوں گی جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ مجھے  
 نہ کا نظر نہیں کرنا چاہیے۔" اسار نے ایک بار پھر اپنی گھڑی پر نظر دوڑاتے ہوئے کھنگلی سے کہا۔ صہ اس کی بات پر کوئی  
 جواب کرنے کے بجائے صرف مسکرائی۔

خیرہ پھانے کی ٹرائی لے کر لاؤنج میں داخل ہو رہا تھا۔ صہ نے آگے بڑھ کر پھانے کی ٹرائی لے لی اور پھانے کاٹنے لگی۔  
 "تم ہماری طرف کب آؤ گی؟ ابھر ہفتے میں دو تین بار آتی ہے اور تم دو تین ہفتوں سے نہیں آئیں کل ای بھی مجھ سے  
 پوچھی تھی تمہارے بارے میں۔" اسار نے خجندی کے کہہ "ان کا خیال ہے میرے ساتھ تمہارا کوئی جھڑا ہو گیا ہے۔"  
 صہ اس کی بات پر مسکرائے گی۔

"میں نے انہیں یقین دلایا کہ ابھی کوئی بات نہیں ہے۔"

"آئی نے ایسا کیوں سوچا؟" صہ نے چائے کا سپ لیتے ہوئے کہا۔

"ابھر اور طو کا خاصا جھڑا ہوتا رہتا ہے آپس میں تو ای کا خیال ہے کہ ہم دونوں بھی ان ہی کے نقش قدم پر نہیں  
 لگے۔" اسار نے اس بار کچھ کھنگلی سے کہا۔

"میرے منگنی نیست ہو رہے ہیں میں اسی لیے نہیں آئی اور ابھر۔ آپ جانتے ہیں، وہ اپنے وقت کا استعمال بڑی خوبی  
 سے کرتی ہے۔" صہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"تمہارے نیست کب ختم ہوں گے؟" اسار نے پوچھا۔

"میں ایک رو گیا ہے، پرسوں۔"

"اس کا مطلب ہے، پرسوں تم ہماری طرف آرہی ہو۔"

"پرسوں تو نہیں آسکوں گی۔" وہ کچھ ہنسنے لگی۔

"کیوں نہیں، پرسوں کیوں نہیں آسکوں گی؟" اسار نے پوچھا۔

”بھری بھو فرزند آئی کی کاغ سے میرے ساتھ، ایک چھوٹی سی گینت نوکید ہے، ہری۔“ صہد نے بتایا۔

”اچھا ہوں نہیں تو اس سے اگلے دن۔“ اسامہ نے فوراً تجویز پیش کی۔

”میں گی سے پوچھوں پھر آپ کو بتاؤں گی۔“ صہد نے کہا۔

”تم فون پر مجھے بتادینا۔۔۔ بلکہ اگر تم چاہو تو میں خود تمہیں لے جاؤں گا اور پھر واپس فوراً ہی آؤں گا۔“ سمہد نے کہا۔

آخر کرتے ہوئے کہا۔

”میں امیر کے ساتھ آ جاؤں گی۔“ صہد نے کچھ ہی دیر میں دہرایا کرتے ہوئے کہا۔

”فیک ہے، تم امیر کے ساتھ آ جانا مگر ٹھوڑا اسلام آباد گیا ہوا ہے۔ امیر تو ہماری طرف شاید ہی آئے۔“ اسامہ نے ہاتھ

کرتے کرتے اچانک یاد آیا۔

”اگر وہ نہیں آئی تو پھر میں ہی کے ساتھ آ جاؤں گی۔“

”چلو ایسا کر لینا، اور جب نیزہ چچی آئیں تو انہیں میرے بارے میں بتادینا، ان سے کہنا کہ مجھ سے فون پر بات کر نہیں

مکرات فوجی کے بعد۔ کیونکہ میں اس وقت تک گھر پر نہیں ہوں گا۔“

اسامہ نے چائے کا کپ نچل پر رکھتے ہوئے کہا اور اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”آپ جا رہے ہیں؟“ صہد نے اسے اٹھتے ہوئے دیکھ کر پوچھا۔

”ہاں مجھے ایک کام یاد آ گیا ہے۔ چائے بہت اچھی لگی۔“ وہ لاؤنج سے نکلے ہوئے مسکرایا۔

☆☆☆

”اب اسامہ آگے کیا کرنا چاہتا ہے۔“ منصور علی نے سعود علی سے پوچھا وہ اس وقت ان کے آفس میں بیٹھے ہوئے تھے

”وہ ایسا ہی اے کرنا چاہتا ہے۔“ سعود علی نے کہا۔

”بی بی اے کافی تھا۔ اسے لگتا کہ وہ بھی فیکٹری کو جو ان کر لے، بزنس کو سنبھالنا اب ہم تینوں کے لیے مشکل ہو گا

ہے۔ وہ بھی آ جائے گا تو کچھ آسانی ہو جائے گی۔“ منصور علی نے کہا۔

”یہ بات تو میں نے اس سے کہی ہے مگر وہ ابھی بزنس میں آنے پر تیار نہیں ہے۔“ سعود علی نے کہا۔ ”اب تم کہہ رہے

ہو تو میں ایک بار پھر اس سے بات کروں گا بلکہ اصرار کروں گا۔“

”نہیں، آپ اسے مجبور نہ کریں، نہ ہی میں ایسا چاہتا ہوں، آپ بس اس سے ویسے ہی بات کریں اگر پھر بھی وہ اپنی

خود پر قائم رہے تو فیک ہے۔ اسے ایم پی اے کر لینے دیں اس کا شوق بھی پورا ہو جائے گا اور ابیس بھی چند سال بعد ایک اور

قابل متحمل جائے گا۔“ منصور علی نے گفتگو سے کہا۔

”میں بھی اس کا شوق دیکھ کر ہی چپ ہو گیا تھا مگر اب تو تمہیں پتا ہے، اسے زیادہ دلچسپی نہیں تھی اسٹڈیز میں اس لیے بی

بی اے کرنے کے بعد وہ خود ہی فیکٹری کی طرف آ گیا مجھے کہتا ہی نہیں پڑا مگر اسامہ کو کچھ زیادہ ہی شوق ہے ایم پی اے کا۔

حالانکہ میں نے اور شبانہ نے تو اس سے کہا بھی کہ آگے پڑھنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے دو سال بعد بھی اسے یہی فیکٹری سنبھالنی

ہے تو ابھی کیوں نہیں، مگر تمہیں اسامہ کی ضد کا تو پتہ ہی ہے اگر ایک بار کوئی چیز ذہن میں آ جائے تو بس پھر لاکھ سرگلیں، دو اپنی

کرتے چھوڑتا ہے میں نے بھی اس کا شوق دیکھ کر اسے ایڈمیشن لینے دیا ہے دو تین سال کی ہی تو بات ہے پھر وہ بھی بصری

آ جا۔ گا۔“ منصور علی نے تفصیل سے بتایا۔

”میں تو اکثر سنا ہوں اگر آپ اور طلحہ نہ ہوتے تو میں اچھے بڑے بزنس کو کسی سنبھال رویشان کو بڑا ہوتے تو ابھی کی

سال نہیں گئے اور جب تک میں تو کام کے بوجھ سے ہی مارا جاتا۔“ منصور علی نے بڑے تفکرانہ انداز میں کہا۔

”بھئی، ہم کون سے فیئر ہیں تمہارا۔ اپنے ہیں اور رویشان بھی، ان سا کیلا بنے طلحہ اور اسامہ تو ہیں ہی۔ تم بھی کچھ

نہ کہہ سکتا۔ تین بیٹے ہیں۔“ منصور علی نے کہا۔

توڑنا آنا... یہ تو میں پہلے ہی مجھ چکا ہوں اور نہ انکا مطمئن اور پرسکون نظر کیوں آتا اور مٹھنے تو ویسے بھی بچھے 11 سال سے جا رہے تھے۔

میں نے کہا: "مصور علی نے اپنے بچے سے ہماری تعریف کرتے ہوئے کہا۔"

میں نے کہا: "مصور علی نے اپنے بچے سے ہماری تعریف کرتے ہوئے کہا۔"

میں نے کہا: "مصور علی نے اپنے بچے سے ہماری تعریف کرتے ہوئے کہا۔"

میں نے کہا: "مصور علی نے اپنے بچے سے ہماری تعریف کرتے ہوئے کہا۔"

میں نے کہا: "مصور علی نے اپنے بچے سے ہماری تعریف کرتے ہوئے کہا۔"

میں نے کہا: "مصور علی نے اپنے بچے سے ہماری تعریف کرتے ہوئے کہا۔"

میں نے کہا: "مصور علی نے اپنے بچے سے ہماری تعریف کرتے ہوئے کہا۔"

میں نے کہا: "مصور علی نے اپنے بچے سے ہماری تعریف کرتے ہوئے کہا۔"

میں نے کہا: "مصور علی نے اپنے بچے سے ہماری تعریف کرتے ہوئے کہا۔"

میں نے کہا: "مصور علی نے اپنے بچے سے ہماری تعریف کرتے ہوئے کہا۔"

میں نے کہا: "مصور علی نے اپنے بچے سے ہماری تعریف کرتے ہوئے کہا۔"

Yes, I'm proud to be his son. - ایسا کہیں ہوتا ہے۔ وہ تو بڑے فخریہ انداز میں کہتا ہے۔

in his (ہاں مجھے ان کا نام ہونے پر فخر ہے) اور تم کہتے ہو وہ شرمندہ ہو کر خاموش ہو جاتا ہوگا۔ "مصور علی نے خوشدلی سے کہا۔

"مجھے یہ بتائیں کہ آپ کا گھر مکمل ہونے میں اور کتنا وقت لگے گا؟" مصور علی نے ایک دم کچھ عجیبہ ہوتے ہوئے کہا۔

"بہن! تو کچھ ماہ ہیں انکس مکمل نہیں ہوئی اور بھی چھوٹا موٹا خاصا کام ہے کیوں تمہیں اچانک گھر کا خیال کیسے آ گیا؟"

"مجھے تو ہمیشہ آپ کے گھر کا خیال رہتا ہے گھر مکمل ہوگا، آپ وہاں شفٹ ہوں گے تب ہی تو میں امبر کی رخصتی کر سوں گا میں اور نیزہ کم از کم ایک ڈسٹر واری سے سبکدوش ہونا چاہتے ہیں پھر انشاء اللہ دو سال کے بعد صہ کی رخصتی بھی کر دیں گے۔"

"مصور علی نے انہیں اپنے پلان سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔

"تم سے زیادہ تو مجھے اور شانہ کو جلدی ہے بہو گھر لانے کی ہم تو چاہتے تھے، اسے رخصت کر کے اسی گھر میں لے آئیں گے۔"

میں نے کہا: "مصور علی نے اپنے بچے سے ہماری تعریف کرتے ہوئے کہا۔"

☆☆☆

وہ کالج کے گراؤنڈ میں اپنی کچھ فرینڈز کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ ماریہ اپنی حال میں ہی ہونے والی مصیبت کی تصویریں بنا رہی تھی اور وہ چاروں بڑی دلچسپی سے تصویریں دیکھتے ہوئے ان پر تبصرے کرنے میں مصروف تھیں۔ چونکہ وہ خود بھی مصیبت زدہ تقریب میں شرکت کر چکی تھی اس لیے ہر تصویر پر زیادہ سی غور کیا جا رہا تھا ایک دوسرے کی تصویروں کا مذاق بھی اڑا رہا تھا۔ ماریہ نے کہا "یہ بات تو کسی شے کے بغیر کہی جا سکتی ہے کہ سب سے اچھی تصویریں امبر کی آئی ہیں۔"

سمید نے اپنے ہاتھ میں پتھر اہم بند کرتے ہوئے کہا امبر نے ان کے تبصرے کے جواب میں ہاتھ میں پتھر اٹھائے ایک گھونٹ لیا اسکی تعریفیں اور تبصرے اس کے لیے نئے نہیں تھے، وہ بچپن سے اس طرح کی باتیں سنتی آئی تھی۔ اور اب سے بڑی تصویریں یعنی امبری آئی ہیں۔ "نرو نے بہت افسردگی کے عالم میں اپنی ایک تصویر کو دیکھتے ہوئے کہا "آفرڈوگر افرجے بیٹھ اتنے بڑے طریقے سے ہی کیوں Capture کرتا ہے۔" ان کے شکوے شروع ہو گئے تھے۔ "بھلا، اسکی آن سی بری تصویر آگئی ہے جو تم سے برداشت نہیں ہو رہی۔" امبر نے ہاتھ پڑھا کر اس سے اہم سے اہم۔ "غیب تو ہے اب اسکی بری بھی نہیں۔ بس تمہاری آنکھیں چار نظر آ رہی ہیں۔" امبر نے بڑی جھجکی سے اسے دیکھا۔

"ماں گدھ تین آئی چائیس۔" ماریہ نے بھی اسی جھجکی کے ساتھ اضافہ کیا۔ "اور تمہارے محبتی رنگ بقیہ ادا صائی آئی چائیس۔" ہنگو نے کہا۔ "نرو اس کے تبصرے پر بری طرح مشتعل ہو گئی۔" "بھئی، کامران کی بات کیوں کرتی ہو، تم میری بات کرو۔" ماریہ نے بس کر اس کا فخر ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ "میرے تو یہی کچھ میں نہیں آ رہا کہ تمہارے فونوگر افر نے میرے کپڑوں کے ٹیکل ٹکر کو "وٹنن کیسے کر دیا۔" وہ ہوتی ہے بر بات کی۔" سوزنا اپنی تصویر لیے بیٹھی تھی۔

"تم فونوگر افر بدل لو ماریہ! تمہاری برتھ ڈے پر بھی اسی شخص نے تصویروں کا بیڑا افرق کیا تھا اب پھر اس نے وہی گدھ کھائے ہیں۔"

"آفر امبر کی یا میری تصویریں کیوں خراب نہیں ہوتیں صرف تم لوگوں ہی کی کیوں خراب آئی ہیں۔" ماریہ نے فونوگر افر کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔ "اس کا ساف مطلب تو یہی ہے کہ فونوگر افر میں کوئی خرابی نہیں ہے یہ صرف تم۔" سمید نے ان کی بات کاٹ دی۔

"مختصر آہ تو جسے "چیف گیٹ" آپ سے ان کو لینی تھی پے منٹ، آپ کی تصویریں خراب کر کے اس نے خواہ مخواہ کی مصیبت مول لینی تھی اور امبر لیا بی کی آن تک بھی تصویر خراب نہیں آئی مگر اس کو ہم پر توجہ دینی چاہیے تھی مہمانوں پر۔" سمید نے کہا۔

"اچھا غیب ہے، میں اگلی بار آڈر سے کہوں گی وہ کسی اور فونوگر افر کا بندوبست کروے اور اس سے یہ بھی کہوں گی کہ میری تصویریں اچھی آئیں یا نہ آئیں، میری فرینڈز کی تصویریں ضرور اچھی آئی چائیس۔ بس اب مارا منگی فتم۔" ماریہ نے جین کا ایک ٹاپکٹ کھولتے ہوئے کہا۔

"سوئی کب ملے گی۔" سمید کو اچانک یاد آیا۔

"چائیس۔ آڈر کو میں نے کہا تو تم نے بنا کر۔" ماریہ اٹھ بٹختے۔ "ماریہ نے بتایا۔

"اس کی کچھ ایکسٹرا کاہن لینی تھیں۔ ایک تو مجھے چاہیے۔" نرو نے کہا۔

"ہاں، میں نے آڈر سے کہا تھا کہ وہ اس بارہ کا بیڑا خالے۔" سمید دے اس کی ایک۔" ماریہ نے کہا۔



”خوبصورتی میری کمزوری ہے جو توجہ ہی ہو بلکہ میری اور امیرنی مشق کی کمزوری ہے۔“ سمیرہ نے کہا۔ ”آؤ میں کوئی خوبصورت چیز نظر آئے گی تو ہم اس کی تعریف تو ضرور کریں گے اور شاید آؤت آؤت آؤت آؤت جا کر، اب تو کیا جاسکتا ہے نا۔“ امیرؑ

سمیرہ نے امیرؑ کو قابو کرتے ہوئے کہا جو بڑے اطمینان سے مسکراتے ہوئے ان کی منتظر بننے کے ساتھ جیسے امیرؑ کو اپنے سر سے مٹا رہی تھی۔

”بلکہ خوبصورتی میری کمزوری ہے۔ سب کی ہی ہوتی ہے۔ ابھی کوئی ایسے آدمی بھی ہو سکتا ہے جسے خوبصورتی اچھی لگے۔“ ان نے جیسے کاغذی پست بچھتے ہوئے کہا۔

”امیرؑ! تم سمیرہؑ کی طرف سے کوئی خوبصورت چیز دیکھ کر اپنے ہوش گم نہیں کرتے۔“ فرزانے ان کی بات سے جواب میں کہا۔

”یہ تو صحیح ہے کہ خوبصورتی سامنے سے شکل میں آتی ہے۔“ امیرؑ نے ان کی بات کی تائید یا تردید کیے بغیر سمیرہؑ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں، میں پھر بھی یہ دیکھنے کو تیار نہیں ہوں کہ تم ابھی سمیرہ جیسا رویہ رکھ سکتی ہو۔“ فرزانہ ابھی بھی اپنی بات پر قائم تھی۔ اب اس کی بات سے ہی ان کے کان میں یہ بات کے بے گناہ ہونے کے بارے میں دیکھ لیا۔ اس نے ہلکا سا ہنسی سے ان کا دماغ چھوئے۔ ”ان کی بات سے ان کے پیچھے پرانے کان کے ٹوکڑے میں پھرتی رہی۔ حتیٰ کہ اس کی کوئی اور بھی اندازہ ہو سکتا کہ یہ ان کا دلچسپ رویہ ہے۔ اتنی شرمندگی اور ہیبت تھی جیسے کہ اس نے یہ ہمارا اسٹیڈیو تو نہیں ہے۔“ فرزانے کہا۔

”یہ اس کی بات ہے۔ ان کی بات سے ہی تم خوبصورت سیو ہو رہے ہو۔ اسکی اور اتنی ہیبت تھی کہ جس نے سمیرہؑ کو یہ باتیں یاد دلانی چاہی ہیں۔“

سمیرہ نے ہلکا سا ہنسی سے کہا۔

”میرؑ! تمہاری کمزوری یہ ہے کہ ابھی وہاں نہیں اٹھتے تھے۔ ابھی کسی کی آنکھوں کے پیچھے پائی ہوئی تھی جو ابھی کسی کا رنگ نہیں، بلکہ میں جتنا کرنا ہے، ابھی کسی کا قد، تمہارا یا اپنے کا سمیرہؑ؟“ وہ یہ نے ملاحظت کرتے ہوئے کہا۔

”ان کا ابھی کوئی قصور نہیں ہے۔ ایسا تو یہ حسنِ پاست ہے، اور۔۔۔ ان نے فائن آرٹس کی بات کی ہے۔ وہاں کا Fatal Combination (مہلت) ہے۔“ سمیرہؑ نے سمیرہؑ کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

”آخر سب میرے ہی پیچھے ہاتھ جوڑ کر رکھیں پانے کے ہیں، کوئی بہتر نہ ہو گا۔“ امیرؑ کو اب ان کی باتوں کا اعتراف ہوا۔

”جیسے بتایا تو ہے۔ امیرؑ تمہاری طرف سے اپنے ہوش گم نہیں کر سکتی۔“ فرزانے اسے ہلکا سا ہنسنے سے کہا۔

”تم لوگوں کا Aesthetic Sense (حسنِ ثبیل) بہت خراب ہے، اس لیے خوبصورتی جیسے متاثر نہیں کرتی اور۔۔۔“

”نہیں، ابھی جیسے نہ کہتے ہیں جو خوبصورتی کو سراہتے ہیں۔“ سمیرہؑ نے کہا۔

”تمہاری ہنسی، ایک کوئی بات جیسے ہے، خوبصورتی کو سراہنا آتا ہے، میں۔ ابھی پندرہ پہلے امیرؑ کی تعریف نہیں کر رہے تھے، ہم بعد اظہار کرتے ہیں اور کیا تمہاری تعریف نہیں کرتے یا اور سے لوگوں کی تعریف کرتے مگر سب ہاتھ ہمیں رو کر کرتے ہیں تمہاری طرف سے دماغ ہوا نہیں کر لیتے۔“

فرزانے ایک بار پھر اسے آؤت۔ ہاتھوں لیتے ہوں نے کہا۔

”پھر دوسرے دن تم ہمیں کوئی نہ کوئی بڑی دیکھانے چل پڑتی ہو، ابھی جیسے کافی کے گینت پہ کوئی لڑکا پنہ آجاتا ہے۔“ آخر وہ ہنسی سے مسن پختی کی تھی۔ ”کہا یہ نے فرزانہ کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

”تعمیر ہے۔ میں آجکھو تم لوگوں کو ابھی کسی کو دکھانے بھی نہیں لے جاؤں گی، صرف امیرؑ کو ہی لے جاؤں گی۔“ سمیرہؑ

تہذیب کی بات کا برہمناختہ ہوئے کہا۔  
 "یہ نام ثابت ہوگی ہم پر بلکہ احسان ہوگا۔" مادہ نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا وہ اس کی ناراضی سے متاثر نہیں  
 ہوتی تھی۔ کیونکہ یہ بات انہی طرح جاتی تھی کہ سمیٹ اپنے کسی دوسرے اور اعلان پر عمل درآمد نہیں کر سکتی۔

"اے یہ کیا ہے بہتر نہیں ہے کہ تم امیر کو بھی نہ لے جایا کرو۔" مادہ نے کہا۔  
 "میں تو ضرور ہاؤس کی، سمیٹ ہاؤس ٹھیک سمجھتی ہے تم لوگوں کا Aesthetic sense (حسن جمال) واقعی  
 خوب ہو گیا ہے مگر کم از کم میرا نمیت ابھی تک بگڑا نہیں ہے۔" امیر نے فریاد زدہ کی بات کا نکتہ ہوئے کہا۔  
 "ظہور یاد اسٹاپ ہو جائے گا تمہاری اس حسن پرستی سے بے چارہ! تم تو اس کے سامنے دوسرے مردوں کی تعریفیں کر کر کے  
 اسے مار دو گی۔" مادہ نے اسے چبھرتے ہوئے کہا۔

"میں۔۔۔ ظہور کوئی پرائیلم نہیں ہے وہ تو خود بھی تعریف کرتا ہے ہر خوبصورت لڑکی کی۔" امیر نے بیڑی زاپہ والی سے  
 کہہ کر پکارتے ہوئے کہا۔  
 "اور تم برداشت کر لیتی ہو؟" سمیٹ نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"برداشت کرنے والی کیا بات ہے اس میں۔ خوب صورت اور اونچی چیز ہر ایک کو انزیکٹ کرتی ہے اور اس  
 پر اپنے میں کیا حرج ہے اس میں برہمناختہ یا برداشت نہ کرنے والی کیا بات ہے۔" امیر نے سہمکتا ہوئے کہا۔  
 "جب تمہاری شادی ہو جائے گی اور تب وہ دوسری عورتوں کی تعریف کیا کرے گا۔۔۔ پھر میں تم سے پوچھوں گی کہ اس  
 میں برہمناختہ والی کوئی بات ہے یا نہیں۔" فریاد نے تنگدلی سے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے تب بھی ایسی باتوں پر کوئی اعتراض نہیں ہوگا، میں بیڑی خوش دلی سے یہ سب قبول کروں گی۔" امیر نے بیڑی  
 تنبیہ کی سے کہا۔

"ایسا بھی نہیں ہوگا، یہ ممکن ہی نہیں ہے۔" مادہ نے اپنا سر نچی میں بدلتے ہوئے کہا۔

"کیوں ممکن نہیں ہے، میں بہت بچھو رسوق کی مالک ہوں۔" امیر نے وہ یہ کی بات کے جواب میں کہا۔

"بات بچھوئی کی نہیں ہے بات ٹھیکو کی ہے، ہم لڑکیاں بھی اتنی لبرل اور براڈ مائنڈ نہیں ہو سکتیں کہ اپنے شوہر کے من  
 سے دوسری لڑکیوں کی تعریفیں سنیں اور بڑی خوشدلی کے ساتھ سر ہلاتے ہوئے ان کی تائید کریں ایسے تو مغرب کی عورت بھی نہیں  
 کئی دم تو بھر مشرق سے متعلق رکھتی ہیں۔"

فریاد نے بیڑی تنبیہ کی کے ساتھ امیر سے اختلاف کرتے ہوئے کہا۔

"تم لبرل ہو یا نہیں۔۔۔ میں اس کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتی مگر میں لبرل ہوں۔ مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں  
 پڑتا کہ میرا شوہر مزک پر سامنے گزرنے والی کسی عورت کی تعریف میرے سامنے کر رہا ہے، نہ ہی مجھے کسی جگہ کا احساس ہوتا  
 ہے نہ ہی کوئی خوف محسوس ہوتا ہے۔" امیر نے ایک بار پھر پہلے کی طرح کدھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"تم کس خوف کی بات کر رہی ہو؟" فریاد نے سراسیمہ کر اس سے پوچھا

"لڑکیوں کو اپنے شوہروں یا معیتروں کے من سے کسی دوسری خوبصورت لڑکی کی تعریف اس لیے بری محسوس ہے کیونکہ  
 لہذا یہ خوف ہوتا ہے کہ تمہیں ان کا شوہر اس دوسری لڑکی کی محبت میں گم کردار نہ ہو جائے۔" امیر نے کسی گلی لپٹی کے بغیر کہا۔

"اگر تم ان۔۔۔ تم کس طرح کی لوجک پیش کر رہی ہو، ایسا نہیں ہوتا۔" مادہ نے کچھ برہمی کے ساتھ اپنا ہاتھ جھکتے  
 ہوئے کہا۔ فریاد اور سمیٹ کے چہرے سے صاف عیاں تھا کہ وہ امیر کی بات سے متعلق نہیں تھیں۔

"تم اس سے اتفاق کرنا نہ کرو مگر بہر حال سچ یہی ہے۔۔۔ اگر ہم میں یہ خوف نہ ہو تو ہمیں کسی دوسرے کی تعریف بھی  
 ہونی چاہئے۔ یہ شاید ہمارے اندر کی Insecurity (عدم حوصلہ) اور Inferiority Complex (احساس کمتری) ہوتا  
 ہے جو ہماری ساری اہلی عمرنی قسم کر دیتا ہے۔ ہم یہ تسلیم کرنے پر تیار ہی نہیں ہوتے کہ کوئی دوسرا واقعی کسی ایسی خوبی یا

خصوصیت کا حامل ہو سکتا ہے جو تعریف کے قابل ہو۔" امبر نے اس بار پہلے سے زیادہ سنجیدگی کے ساتھ کہا۔  
 "بر فیئر فٹری ری ایکشن کے پیچھے کوئی نہ کوئی خوف یا کینکس ہوتا ہے۔"

"مگر سوال یہ ہے کہ آپ فٹری اور بر فیئر فٹری ری ایکشن کا فیصلہ کیسے کریں گے۔ یہ کون سے کسے گا کسی دوسری صورت کی تعریف پر بیوی کا رد عمل فٹری ہے یا بر فیئر فٹری ہے۔ اب تم کو یہ بر فیئر فٹری لگ رہا ہے جبکہ مجھے فٹری لگ رہا ہے کیونکہ بات Possession کی ہے، کسی حد تک Loyalty (وفا داری) کی بھی۔" ماریہ کی سنجیدگی میں کوئی فرق نہیں نکلا آیا۔  
 "اب کسی دوسری صورت یا مرد کی تعریف کر دینے سے ایک پانڈز کی دوسری کے ساتھ Loyalty (وفا داری) پر عمل نہیں اٹھانا چاہئے۔ ورنہ پھر تو کسی دوسری صورت یا مرد کو دیکھنے پر بھی سوالیہ نشان لگ جائے گا۔" امبر نے ماریہ سے کہا۔  
 "سوالیہ نشان لگ جائے گا سے تمہارا کیا مطلب ہے سوالیہ نشان لگ چکا ہے۔ ہم میں سے کتنے مرد اور عورتیں یہ بند کرتے ہیں کہ ان کا لائف پانڈز کی دوسری صورت یا مرد کو دیکھتا رہے اور وہ بھی سناٹگی نظروں سے۔" مریہ نے امبر کی بات کے جواب میں کہا۔

"اپنا اپنا پیمانہ آف دیو ہے، میں نے جہیں بتایا کہ اگر کوئی خوف نہ ہو تو بندے کو یہ باتیں پڑھیں نہیں کرتی کہ شوہر کی صورت کو دیکھ رہا ہے یا کسی کی تعریف کر رہا ہے۔"

امبر نے ایک بار پھر کندھے اچکاتے ہوئے کہا وہ اپنی اصل فخر کر چکی تھی۔

"مجھے ظہور خود پر احماد ہے میں جانتی ہوں ظہور کسی دوسری صورت کی محبت میں گرفتار نہیں ہو سکتا اس لیے مجھے کیا تعریف پڑھنا نہیں کرتی۔" اس کے تبصرے پر وہ چاروں کچھ جھنجھٹائی گئیں۔

"تمہارا مطلب ہے کہ ہمیں اپنے مگیسٹرو وغیرہ پر احماد نہیں ہے اور ہم خوف کا شکار ہیں، اس لیے ہمیں دوسری لڑکیوں کی تعریف برنی چنی ہے؟" ماریہ نے کچھ چیختے ہوئے انداز میں کہا۔

"میں نے تم لوگوں کا نام نہیں لیا۔۔۔ میں ایک جنرل سی بات کر رہی ہوں۔" امبر نے بات کو قدرے گول کرتے ہوئے کہا۔ اسے اپنا ک احساس ہوا تھا کہ وہ چاروں اس کے تبصرے سے کچھ برہت ہوئی تھیں۔

"ہم بھی کسی خوف کا شکار نہیں ہیں مگر اس کے باوجود اگر کامران کسی دوسری صورت کی تعریف کرے گا تو مجھے برا لگے گا اور مجھے اپنا ہی ری ایکشن قطعاً بر فیئر فٹری محسوس نہیں ہوگا، انسان کسی حد تک ہی لبرل ہو سکتا ہے ہر چیز کے بارے میں نہیں۔" ماریہ نے قدرے سختی سے کہا۔

"سوہنی۔۔۔ مجھے لگتا ہے جہیں بری بات بری لگی۔"

"بری کتنے والی بات تھی اس لیے بری لگی۔۔۔ جہیں پہلے ہی اس کا اندازہ ہونا چاہیے تھا۔" ماریہ نے اپنی اہوا اپنے بیک میں ڈالتے ہوئے کچھ سرد مہری سے کہا۔

"اور تمہارے لبرل ازم کا جہاں تک تعلق ہے تو یہ تو میں تم سے تمہاری شادی کے چند سال بعد ہی پوچھوں گی کہ ظہور کی تعریف اب جہیں کس حد تک اچھی لگتی ہے۔۔۔ اور یہ بھی تمہیں بتا دوں کہ ظہور صاحب کو بھی تمہارے سہ سے کسی مرد کی تعریف اچھی نہیں لگے گی چاہے اسے تم پر بہت احماد ہی کیوں نہ ہو۔" ماریہ نے کہا۔

"اپنے مجھے بیٹھے، دونوں باتیں کر رہے تھے۔ بس تم لوگوں نے ہمیشہ کی طرح کچھ اس شروع کر دی۔۔۔ آخر یہ بحث کا سلسلہ ختم کیوں نہیں کر دیتے تم لوگ۔ سنا یا کوئی کی بر فیئر فٹری کو سمجھنا پڑا کس کرنا ہوتا ہے جہیں۔" سونیا نے یک دم اپنا خاموشی توڑتے ہوئے کہا۔

"بات کہاں سے شروع ہوئی تھی اور کہاں پر ختم ہو رہی ہے۔ امبر اور ماریہ کو تو پتا نہیں بحث کرنے میں کیا حرج آتا ہے۔ کچھ ہم معنی کی تصویریں دیکھ رہے تھے اور بحث دیکھو ہم کس پار رہے ہیں۔" مریہ نے بھی دونوں کو ادا کھتے ہوئے کہا۔

"میں نے کب بات شروع کی تھی؟" امبر نے حافلانہ انداز میں کہا۔



”دیسے بھٹ کرنے میں اتنی برائی نہیں ہے جتنی تم لوگوں کو نظر آ رہی ہے۔۔۔ حروہ آ رہا تھا ہم دونوں کو اس موضوع پر

بات کرتے ہوئے تم لوگوں نے غولہ توڑا روک دیا۔“ امبر نے کچھ شرارتی انداز میں کہا ماریہ بھی اس کی بات پر مسکرانے لگی۔

”مجھے پتا ہے بتا حروہ آ رہا تھا تم لوگوں کو اس گفتگو میں، ابھی اس نے اٹھ کر یہاں سے چلے جانا تھا۔۔۔ سالانہ تو وہ

بہت سی رہی تھی۔“ سمید نے ماریہ کے ابھرنے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں جوت۔۔۔ میں تو یہاں سے ہانگ نہیں جا رہی تھی۔ آخر میں کیوں جاتی پہلے بھی میں کوئی بھٹ اس طرح

پہن کر گئی ہوں۔“ ماریہ نے فوراً سمید کی بات کی تردید کرتے ہوئے کہا۔

”مگر تم نہیں جانتی تو امبر چلی جاتی، بیٹھ بیٹھ ہی تو ہوتا ہے۔“ ماریہ نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

”جوت کی کوئی حد ہوتی ہے۔۔۔ آخر میں سچی بار اس طرح بھٹ کو ادھر ادھر چھوڑ کر گئی ہوں، ایک بار بھی نہیں۔“ امبر نے

سمید کی بات کا رخ ہونے کہا۔

”اب ہم تم لوگوں کو ٹائٹس دے کر شرمندہ نہیں کریں گے اور نہ ہی مزید وقت ضائع کریں گے۔ ماریہ! تم یہ بتاؤ کہ کچھ

کے لیے کب لے کر جا رہی ہو تمہیں؟“ سونانے ایک بار پھر موضوع بدلنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”ابھی چلو۔“ ماریہ نے فوراً آفر کی۔

”نہیں ابھی تو نہیں۔۔۔ کل چلنے ہیں دو دن سے میں پہلے ہی بنگ کر رہی ہوں، آج بھی ایسا کرنا نہیں چاہتی۔۔۔ بہت

مرا کم اکٹھا ہو جائے گا۔“ سمید نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”تو یہ تو چھوڑنا ہی ضرورت نہیں ہے کوئی لیا، آرام سے ساتھ چلو اور نہ سینے چھوڑ جائیں گے نہیں، پھر تم اپنی کلاسز

لی رہنا، وہ ہم آرام سے لپٹی میں کچھ کریں گے۔“ ماریہ نے اسے دھمکاتے ہوئے کہا۔

”بہت فضول ہو تم۔“ سمید نے اپنی کتابیں سینٹے ہوئے کہا۔ واضح طور پر اس نے ہتھیار پھینک دیے تھے۔

”مگر ابھی تو دن گیارہ بج رہے ہیں۔“ ٹیکس کے ایسے؟“ ماریہ نے کہا۔

”تم لوگوں کا پرائیوٹ نہیں ہے میرا پرائیوٹ ہے، تم لوگ بس اب اٹھ جاؤ اگر واقعی کچھ کرنا چاہتے ہو تو۔“ ماریہ نے کھڑے

ہوتے ہوئے کہا۔

”کانا کا گیت بھلا لگ کر جائیں گے؟“ امبر نے شرارتی انداز میں کہا۔

”نہیں۔ ہم دیر بھلا لگ کر جائیں گے۔“ ماریہ نے بھی اسی انداز میں جواب دیا۔

☆☆☆

”مزیہ کہاں ہے؟“ منصور علی شام چوبیچ کے قریب گھر آتے تھے۔ صبح اس وقت باہر لان میں بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ

گازلی سے اتارے ہی سیدھے اس کی طرف گئے۔

”کی تو گھر پر نہیں ہیں۔“ صبح نے کہا۔

”کہاں گئی ہے وہ؟“ منصور علی نے ایک کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھنے ہوئے کہا۔

”وہ امبر کے ساتھ کہیں گئی ہیں۔“ صبح نے کہا۔

”بھئی، کیا تو پوچھ رہا ہوں، وہ کہاں گئی ہے؟“ منصور علی نے کہا۔

”شاہہ ڈیسٹ کے پاس۔“ صبح نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”شاہہ سے کیا مراد ہے، جاننے سے پہلے بتاؤ نہیں؟“ منصور علی نے کہا۔

”میں نے اس نے پوچھا نہیں، وہ دونوں آپس میں بات کر رہی تھیں۔ امبر کے دانت میں درد تھا مجھے لگتا ہے وہ ڈیسٹ

سے پاس ہی گئی ہوں گی۔“ صبح نے ایک بار پھر اندازہ لگاتے ہوئے کہا۔

”کتنے بے گئی تھیں وہ دونوں؟“ منصور علی نے اپنا سوال اٹھاتے ہوئے کہا۔

”اُمحالی تین بیچ، مجھے صبح وقت کا پتا نہیں ہے آپ کے لیے چائے بناؤں۔“ صہد کو اٹھا کر خبیال آیا۔  
 ”نہیں، میں بس ایک فنکشن پر جا رہا ہوں... امیر کو زیادہ تکلیف دینی؟“ منصور علی نے کہا ان کے چہرے ہنس رہے تھے۔  
 ”ہاں، کچھ زیادہ سی رو رہا۔ کالج سے صُرا آ کر اس نے کھانا بھی نہیں کھایا۔ اس لیے تو کسی اسے فوراً لے گئے۔“  
 ”مجھے فون کر دینی خیزہ۔ میں خود اسے لے جاتا۔“ منصور علی بڑبڑائے۔ صہد امیر کے لیے صحن کی مینت سے بچتا رہا۔  
 واقف تھی۔

”میرا خیال ہے مجھے بھی ڈیسکٹ کے پاس جانا چاہیے۔“ منصور علی نے یک دم اٹھے ہوئے کہا۔  
 ”مگر پاپا! اب تو کافی وقت گزار چکا ہے، وہ دونوں وہاں سے نکل گئی ہوں گی۔“ صہد نے کہا۔  
 منصور علی نے ایک نوٹے لیے گھڑی پر نظر دوڑائی اور پھر صہد سے کہا: ”خیزہ کا موبائل اس کے پاس ہے؟“  
 ”نہیں موبائل تو ان کے پاس نہیں ہے۔ وہ تو بیڈروم میں ہی پڑا ہے۔ ڈیسکٹ کو رنگ کر کے ان کے پاس منہ پوچھ لیں۔“ صہد نے انہیں مشورہ دیا۔  
 ”ہاں بھئی ہے کہ میں ڈیسکٹ کو رنگ کر لوں اور شان کہاں ہے؟“ منصور علی نے اندر جانے کے لیے ایک ذرہ بڑھایا اور پھر رگ گئے۔

”وہ نونہ سے پڑھ رہا ہے۔“ منصور علی ان کی بات پر سر ہلاتے پٹے گئے۔ صہد جانتی تھی کہ اب وہ اپنی بڑھاپا پر صبر و استقامت نہ تک بھول جائیں گے جب تک انہیں امیر کی خیریت کے بارے میں پتا نہیں چل جاتا۔  
 امیر کے ساتھ ان کا یہ خاص لگاؤ کسی سے بچے بھی جھرتی کا پٹھ نہیں تھا۔ سب لوگ اب اس کے عادی ہو چکے تھے۔ صہد بھی۔

☆☆☆

”بیٹو آئی امیں امیر ہوں۔“ شبانہ نے فون کا ریسیور اٹھاتے ہی دوسری طرف سے امیر کی آواز سنی۔

”ظہور کہاں ہے۔ میری اس سے بات کروادیں۔“ کسی دعا سلام کے بغیر اس نے کہا۔

”ظہور تو گھر پر نہیں ہے۔“ شبانہ نے اسے بتایا۔

”مگر اس وقت تو وہ گھر پر ہی ہوتا ہے۔“ امیر نے قدرے حجت سے کہا۔

”ہاں، عام طور پر تو اس وقت گھر پر ہی ہوتا ہے مگر آج ابھی تک نہیں آیا۔“ شبانہ نے سامنے والے کاک پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

”آپ کو اندازہ ہے، وہ اس وقت کہاں ہوگا؟“ امیر نے پوچھا۔

”جینٹری میں ہی ہوگا۔ اور کہاں ہو سکتا ہے۔“ شبانہ نے لاپرواہی سے کہا۔

”جینٹری جینٹری میں نہیں ہے۔ میں نے وہاں فون کیا تھا، وہاں سے وہ نکل چکا ہے۔“ امیر نے انہیں اطلاع دی۔

”ہو سکتا ہے ابھی رستے میں ہی ہوتے موبائل پر کال کر ڈے“ شبانہ نے اسے مشورہ دیا۔

”میں نے موبائل پر رنگ کیا تھا مگر اس کا موبائل آف ہے، اس لیے تو مجھے یہاں اور جینٹری فون کرنا چاہیے۔“ امیر نے لہجے میں اب پتہ نہ پتہ تھی۔

”اچھا، پتا نہیں وہاں کون آف کر دیا اس نے، جہیں کوئی ضروری کام ہے؟“ شبانہ نے بات کرتے ہوئے پوچھا۔

”آئی! اس نے مجھ سے ساتھ ڈنر کا پروگرام بنایا تھا۔ اب میں ایک گھنٹے سے اس کے انتظار میں بیٹھی ہوں اور اس کا

نہیں آتا پتا نہیں ہے۔“ امیر نے لہجے میں ناراضگی تھی۔

”تھرا۔ ساتھ آکر اس نے ڈنر کا پروگرام بنایا ہے تو یہ تو جینٹری تمہاری طرف ہی گیا ہوگا۔“ شبانہ نے کہا۔

آجی راجہ تخت ہو گیا ہے اسے لیکری سے لٹے، ابھی تک وہ یہاں نہیں پہنچا۔ اگر میرے گمراہ بکرا تو اب تک پتلی

گیا ہے۔" امیر نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

"جو سکا ہے کسی ضروری کام میں نہیں گیا ہو؟" شبانہ نے خیال ظاہر کیا۔

"ضروری کام میں نہیں گیا تھا، جب بھی اسے مجھے فون پر اظہارِ مودت کرنا چاہیے تھا، میں اہتوں کی طرح اس کا انتظار کر

دی ہوں۔" امیر نے شبانہ کے ماتھے کو جھکن آلود کر دیا۔ چند لمحوں کے لیے وہ کچھ نہیں بول سکی۔

اس کے بچے کی ترقی نے شبانہ کے ماتھے کو جھکن آلود کر دیا۔ چند لمحوں کے لیے وہ کچھ نہیں بول سکی۔

مہربان میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ سوائے اس کے کہ جیسے ہی وہ آتا ہے میں اسے تمہاری طرف بگوانتی ہوں۔" انہوں نے

چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اپنے بچے کو کچی الامکان مارل رکھتے ہوئے کہا۔

مہربان میں کیا کہہ سکتی ہوں۔ سوائے اس کے کہ جیسے ہی وہ آتا ہے میں اسے تمہاری طرف بگوانتی ہوں۔" انہوں نے

فرغ کے بے متعدد انتظار کے بعد میں اس کے ساتھ نہیں جاؤں گی۔ غیر ذمہ داری کی حد ہوتی ہے۔" امیر واقعی ناراض تھی۔

اس سے پہلے کہ شبانہ اس کی بات کے جواب میں کچھ کہیں انہیں باہر چھوڑنے کی گارنٹی کا بارن سنائی دیا۔

"وہ ظور آ گیا ہے، تم خود ہی اس سے بات کرو اور پوچھ لو کہ ابھی تک وہ تمہاری طرف کیوں نہیں آیا۔" شبانہ نے امیر کو

اطلاعات دی۔

"تھیک ہے۔ آپ اس سے بات کرو اور میں۔" امیر نے اسی ناراضی کے ساتھ کہا۔

شبانہ نے ریسپر ایک طرف رکھ دیا اور ملازم کو طلب کرنے کے لیے کہا۔

"اس سے کہو امیر کا فون ہے، وہ جلد ہی آئے۔"

شبانہ نے کہا اور دوبارہ فون اٹھانے کے بجائے لاؤنج کے ایک صوفے پر بیٹھی اپنی زندگی طرف بڑھ گئیں جو خاموشی سے

ان کی امیر کیساتھ ہونے والی گفتگو سن رہی تھیں۔

"امیر کا فون تو؟" ان کی تندہ زور نے جانتے ہوئے بھی جیسے تصدیق چاہی۔

"ہاں امیر کا ہی فون تھا۔ ظور نے اسے ڈنر پر لے جاتا تھا اور ابھی تک من کی طرف نہیں گیا وہ اسی کے بارے میں پوچھ

رہی تھی۔" وہ کہتے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

اسی وقت ظور تیز قدموں کے ساتھ لاؤنج میں داخل ہوا۔

"سلام بیک۔" اس نے ماں اور پھوپھو دونوں کو سلام کیا، مگر سلام کرتے ہوئے بھی رکائیں سیدھا فون کی طرف گیا۔

"پلو۔" اس کے پہلو کہتے ہی دوسری طرف سے امیر و حازمی۔

"نہیں شرم آئی چاہیے ظور۔"

"کیا ہوا۔ تم اتنے فٹے میں کیوں ہو۔" اس نے بڑے نارل انداز میں پوچھا۔

"یہ تم اپنے آپ سے پوچھو کہ میں اتنے فٹے میں کیوں ہوں؟" اس نے تیز آواز میں کہا۔

"آئی امیر دہری سوری۔" ظور نے کچھ کہا جاہا مگر امیر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"تم اپنی ایکسکس ز اپنے پاس رکھو۔ میں اب دوبارہ کبھی تمہارے ساتھ کبھی نہیں جاؤں گی۔ یہ بات تو طے ہے۔"

"اناکس۔" ظور نے اسے جیسے بھلانے کی کوشش کی۔ "پہلے تم مجھے وضاحت کا موقع تو دو۔"

"مجھے تمہارے Name Excuses (بخذ رنگ) میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔" امیر نے اسی طرح دو ٹوک انداز میں کہا۔

"تم اچھالی بھولے اور غیر ذمہ دار انسان ہو دو بارہ کبھی مجھے کس ڈنر کے لیے پختے کے لیے مت کہنا۔" امیر کا فون اس

کی خدمت پر کچھ اور زیادہ ہو گیا تھا۔

"بہتری امیر میرے ساتھ واقعی ایک امیر جنس ہو گئی تھی، اسی لیے مجھے ابر ہو گئی۔ میں بس کپڑے بدل کر پانچ منٹ

میں تمہارے یہاں پہنچتا ہوں۔" طلحہ کا لہجہ معذرت خواہانہ تھا۔

"تمہارے ساتھ بیٹا امیر خسیز ہوتی رہتی ہیں۔ یہ زندگی میں پہلی بار تو نہیں ہوا جب بھی تم نے جھوٹ بیان ہوتا ہے کسی امیر خسیزی کی بات کرتے ہو۔"

"میں جی کہہ رہا ہوں امیر...! کم از کم اس بار جھوٹ نہیں بول رہا۔" طلحہ نے جلدی سے کہا۔

"بہتر ہے تم اس بار بھی جھوٹ ہی بولو اور وہ بارہ بھی مجھے اپنی شکل بھی نہ دکھاؤ۔" امیر نے ترشی لادھی سے کہا۔

"امیر! میں ایکسکچوژ تو کر رہا ہوں۔" طلحہ کی جان پر بین آئی۔ امیر کا فصد خاصا مشہور تھا۔

"میں نہیں بتا چکی ہوں، تمہارے ایکسکچوژ کی ضرورت نہیں ہے مجھے۔ تم انہیں اپنے پاس رکھو۔" امیر نے تلخ سے فون پیچ دیا طلحہ نے کچھ مایوسی سے ریسیور کو دیکھا اور پھر اسے رکھ دیا۔

دو صوف پر بیٹھی ہوئی شبانہ اور منورہ اس کی امیر کے ساتھ ہونے والی منگھو سخی رہی تھیں۔ طلحہ کو اس طرف مایوسی سے وہ میں ریسیور رکھے دیکھ کر شبانہ نے اس سے پوچھا۔

"کیا ہوا۔ امیر سے جھڑا ہو گیا ہے؟" شبانہ کے سوال پر وہ منورہ کی طرف دیکھتے ہوئے کچھ جھینپے ہوئے انداز میں مسکرایا۔

"تم آخر تھے کہاں... جب تم نے اس کو ڈرنے کے لیے ساتھ لے جانے کا کہا تھا تو پھر وقت پر اس کے پی پی چے جاتے۔" شبانہ نے اس سے کہا۔

"میں تو وقت پر ہی قیشری سے نکلا تھا پہلے رستے میں ایک دوست سے ملاقات ہو گئی۔ اس سے باتوں میں کچھ بات نہایت ہو اور جب وہاں سے آنے لگا تو ایک برنس پارٹنر نے فون کر کے بلوایا۔ باہر سے کوئی پارٹی آئی تھی اور مجھے امیر خسیزی میں

وہاں جانا پڑا۔ کیونکہ وہ آج کی فلائٹ سے جا رہے تھے۔ امیر سے یہ سب کہتا تو دو زیادہ ناراض ہوتی۔ مجھے خود بھی اتنی ہی تھک تھا کہ اتنی دیر ہو جائے گی۔ میرا اندازہ تھا کہ زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹہ لگے گا۔ اسی لیے میں نے امیر کو فون نہیں کیا۔ بیٹنگ مڑ رہی نہیں چلا۔" طلحہ نے ماں کو وضاحت دی۔

"تم کپڑے تبدیل کر کے اس کے ہاں چلے جاؤ۔ اسے بتا دینا یہ سب کچھ۔" شبانہ نے اس سے کہا۔

"ہاں اب تو میں وہیں رہا ہوں کہ وہ جس حد تک ناراض ہے مجھے تو مشکل ہی لگتا ہے آج اس کا ماننا۔" طلحہ نے ہنسنے سے ہنکتے ہوئے کہا۔

"تم دونوں ماں بیٹے اسے ضرورت سے کچھ زیادہ ہی سر پر نہیں چڑھا رہے؟"

طلحہ کے لاؤنج سے نکلتے ہی منورہ نے شبانہ سے کہا۔ وہ بہت ناگواری سے دیکھنے آدھ گھنٹہ سے فون پر امیر کی شبانہ اور منورہ کے ساتھ ہونے والی منگھو سخی رہی تھیں۔

"ابھی تو وہ اس گھر میں آئی بھی نہیں اور تم دونوں پر اس کے رعب کا یہ عالم ہے تو یہاں آ جانے کے بعد کیا ہو گا؟" شبانہ نے کچھ حسرت آمیز انداز میں شبانہ سے کہا۔

"بہراؤگوں نے اسے کیا سہا چڑھا ہے۔ یہ سب تو منصور کا کمال ہے۔ اس نے اسے لالہ بیار میں اس کی پرورش کی ہے کہ وہ اب یہ ایک ڈانڈا جاگ رہے ہیں۔" شبانہ نے منورہ کی بات کے جواب میں کہا۔

"منصور نے لالہ بیار سے اس کی پرورش کی ہے تو اسے وہیں تک رہنے دو۔ تم لوگ بھی اس طرح گھنٹے چمکتے پھرو گے تو یہاں آنے کے بعد بالکل ہی گھٹا نہیں اگلے کی تھیں۔" منورہ نے جیسے شبانہ کو وارننگ دی۔

"گھٹا تو فونے وہ اب بھی نہیں اگتی مگر آخر کیا کیا جائے۔" شبانہ نے کہا۔

"نہا کیا جائے۔" منورہ نے حیرت سے شبانہ کو دیکھا۔ "تم اس کی ساس ہو اور تم کچھ رہی ہو کہ کیا کیا جائے۔" میں اس کی ساس نہ ہوں۔ ان معاملات میں مجھے کوئی اختیار حاصل نہیں ہے۔" شبانہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

منورہ نے جھوٹ ہے کہا۔

"میں احتیاج حاصل نہیں ہے۔" منورہ نے جھوٹ ہے کہا۔  
 آپ کے برائی نے کھلی آہٹیں دے رکھی ہے بیٹے اور بیٹی کو۔۔۔ ان کا فرمان ہے کہ میں امیر سے کسی معاملے میں کوئی  
 بات ہی نہ کروں۔ میں اگر اس کے بارے میں کہہ دوں گی تو ظلو اور مسودہ دونوں کو برا لگتا ہے، دونوں ہاتھ دھو کر میرے  
 اٹی بہتی بات نہ کروں۔ منورہ نے جیسے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔

پھر میں آفریقا کہہ سکتی ہوں۔" شیانہ نے جیسے اپنی بے بسی کا اظہار کیا۔  
 بیٹے سوچتے ہیں۔ پھر میں آفریقا ہی باتوں پر تو مجھے ہنس آتا ہے، منصور کے ساتھ برنس کیا کر رہا ہے اس کا غلام بنا کر رہ گیا ہے۔  
 میں مسودہ کی من ہی باتوں پر تو مجھے ہنس آتا ہے، منصور نے بلند آواز میں مسودہ کے لیے اپنی

باتوں کا اظہار کیا۔  
 منصور کے غلطی میں کر رہے ہیں۔ منصور نے ہرج مرج اپنے ہاتھ میں رکھی ہوئی ہے۔ مسودہ اور  
 برنس کی کیا کر رہے ہیں۔

"شیانہ کو دل کی بھڑاس اٹھانے کا موقع مل رہا تھا۔  
 برنس نے ان کو صرف لازم کے طور پر ہی رکھا ہے۔" شیانہ کو دل کی بھڑاس اٹھانے کا موقع مل رہا تھا۔  
 مسودہ اور منصور کے ساتھ برنس کرنا ہی نہیں چاہیے تھا چھوڑنا چاہتا تھا۔ خواجہ کو کا شوق تھا منصور کے ساتھ  
 ہم کرنے کا۔ چھوڑ دینا نہیں چاہتا اس کی پارٹنرشپ۔ اب شروع کر لے اپنا برنس۔" منورہ نے فرمایا۔

"یہ بات آپ مجھ سے کہہ رہی ہیں، ابھی ان سے کہہ کر دیکھیں۔ سو اب میں سنا نہیں گے آپ کو۔ ان کے دماغ پر تو منصور  
 کی جنت کا جوت ہوا ہے۔ آپ سے پہلے ہزاروں دلوں میں ان سے یہی سب کہہ کر چکی ہوں، مگر ان کا جواب ہمیشہ یہی ہوتا  
 ہے تم پتلی ہو میں اپنے بھائی کو اکیلا چھوڑ دوں۔ اس کا سہارا نہ ہوں، اجنبی عورت اتن مجھے اپنی بھائی سے الگ کر دیتا چاہتا  
 ہے۔" شیانہ نے جگہ ہالٹا مہتری کرتے ہوئے منورہ کی ہمدردیاں وصول کرنے کی کوشش کی۔

موسا میں حافض والی کیا بات ہے منصور کو آفریقا کے سہاروں کی کیا ضرورت ہے۔ بیٹا ہے اس کا، ابھی چھوٹا ہے  
 تو کیا بدل گیا ہو جائے گا۔ مسودہ تو خواجہ کو اس کی ہمدردی اور محبت میں مر رہا ہے۔ جب منصور کا بیٹا ہو گا تو تم دیکھ لینا،  
 وہ خود ہمارے دونوں کو اپنے برنس سے الگا کر پارٹنرشپ دے گا۔" منورہ نے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا۔

"آپ ہی آفریقا کہہ سکتی ہیں۔ یہ سارے مسودہ کے فیصلے ہیں اور آپ کو تو چاہیے، وہ فیصلہ کرتے ہوئے کسی سے کہہ  
 دیتے ہیں، انہی کی سنتے ہیں۔ ان باتوں کا احساس تو انہیں خود ہونا چاہیے۔" شیانہ نے ایک بار پھر سارا الزام مسودہ کے کندھوں  
 پر رکھتے ہوئے کہا۔

محبوب تو ایسے بھی وہ کہتے رہتے ہیں کہ منصور کے ساتھ ان کا دور اور تہرا رشتہ ہے۔ اب تو نہیں اور زیادہ مگر ہوتی  
 رہتی ہے منصور کی۔" شیانہ نے کچھ بڑا انداز میں کہا۔

"یہ دوسرے اور تہرے رشتے بھی تم لوگوں نے کسی سے پوچھے بغیر جوڑ لیے تھے قریب کے لوگ تم کو نظر آئے ہی نہیں اور  
 تم نے ان لوگوں کی باتوں سے اپنے بیٹوں کے رشتے کر لیے۔" منورہ نے کچھ چیخے ہوئے انداز میں کہا۔

"آپ ہی مسودہ کی فیصلہ تھا۔ مجھ سے کہاں کسی نے کچھ پوچھا تھا۔ مجھے تو خود مسودہ نے تب بتایا جب وہ منصور سے  
 الٹے بیٹا کر چکے تھے۔" شیانہ نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا "میں نے تو بہت اعتراض کیا تھا مگر ان دنوں تو مسودہ کے سر  
 ہاتھ کا ہوا ہر چیز کو بل رہا تھا بلکہ آج تک یہی ما ہے۔"

منصور انہیں اس کے پیسے کا چارہ بول رہا تھا۔ مسودہ منصور کے ساتھ برنس کرنے کا جو فیصلہ سوار ہو گیا تھا۔ اسی لیے تو  
 تہراں اور منصور اور بیٹوں کے ساتھ ان دنوں کوئی نظری نہیں آتا تھا۔

منصور کی صفائی کوئی شیانہ کے ہاتھ پر چھوڑ دے گئے۔

"آپ! میں ان کے ساتھ برنس کرنے کا شوق نہیں تھا، یہ شوق منصور کو تھا، اسی نے امریکا کی مسودہ کی اس کے ساتھ  
 شیانہ میں بہت بہت امریکا کو مسودہ کو اس کی بات ماننا چاہی اور میں نے تو کسی موقع پر بھی اس چیز کو پسند نہیں کیا  
 تھا۔ میں نے انہیں کہہ دیا ہے کہ ساتھ چھوڑ دے شیانہ کے ہاتھ پر چھوڑ دے، میں تو آج تک مسودہ کو بھرتی آری

"خیر جو بھی ہو اگر اب ان دونوں کو ان کی حد میں رکھو۔ منصور اور نیزیہ نے اگر انہیں بگاڑا ہوا ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ تم بھی انہیں آسان پر بخاؤ اور اپنے بیٹوں سے بھی کہا کرو کہ اتنی خوشامد میں مت کیا کریں ان کی۔ یہاں کے بچے بس بچے ہی بنے جاتے ہیں۔ کچھ تو سوچیں، شوہر ہیں وہ ان کے۔" منورہ نے بات کا موضوع پھر تبدیل کرتے ہوئے کہا۔

"کل گودوں یہاں آ جائیں گی تو تمہارے بیٹے تو سلام دعا سے بھی جائیں گے۔ پھر کیا کرو گی۔ سر ہاتھ دکھ کر دینا کی۔ مگر کیا فائدہ۔ بہتر ہے، آج ہی ان دونوں کو ان کی اوقات میں رکھو۔" منورہ نے بڑے بھروسہ اور اعتماد میں شانہ کو طرفہ دیتے ہوئے کہا۔

"اور یہ ذرا غیروہ کا کیا سہہ شروع کر رہا ہے دونوں نے۔ منع کرو تم طلحہ کو، اس طرح ساتھ لیے کیوں پھرتا ہے، یہی وہ کون سی رخصت ہو کر یہاں آئی ہے؟" انہیں اب ڈنر پر اعتراض ہونے لگا۔

"آپا! دونوں سے دور کے بیٹے ہیں۔ میری کہاں سنتے ہیں۔ میں طلحہ سے کہوں تو وہ برامان جاتا ہے کہتا ہے جب منصور بچا پھر نیزیہ چلی تو امیر کے ساتھ جانے پر اعتراض نہیں ہے تو مجھے کیوں ہے۔ اگر وہ لڑکی کے ماں باپ ہو کر اتنے لبرل ہوتے ہیں تو میں بڑے کی ماں ہو کر اتنی گلہ خنک کیوں ہوں اب آپ خود ہی بتائیں میں کیا کہوں۔ آئے دن تو وہ خود بھی یہاں موجود ہوتی ہے اور آئے تو مسودہ خود فون کرتے جواتے رہتے ہیں پھر میں کس کوسبھاؤں اور کیسے۔" شانہ نے بڑے بیزارانہ انداز میں کہا۔

"منصور اور نیزیہ نے تو امریزوں کی طرف تربیت کی ہے اولاد کی۔ کسی قابل نہیں چھوڑا۔ اب جو لباس پہنے پھرتی ہیں ان کی بیٹیاں، خاندان میں کوئی دوسرا ہمکن لے تو بنگلہ سچ جائے مگر اس کی بیٹیوں پر کسی کو اعتراض نہیں ہوتا۔" منورہ کو ایک اور موضوع مل گیا۔

"سہ یہ مجھے بتا رہی تھی کہ جب سے منصور نے اسے اپنی گاڑی لے دی ہے وہ سارا دن اپنی دوستوں کے ساتھ قاب رہتی ہے۔ کئی بار تو مہمن نے بھی اسے ہوٹل میں دیکھا ہے۔"

"آپا! میں اس کے بارے میں کیا کہوں۔ میں تو پہلے ہی آپ کو بتا رہی ہوں کہ یہ سب نیزیہ اور منصور کی لٹلی ہے۔ انہوں نے لڑاؤ کی اچھی تربیت نہیں کی، اب گل کھاں کو اگر میں اسے کسی بات پر روکوں گی تو سب کہیں گے کہ میں ساں ہوں، ہا نہیں سہرے دل میں کیا ہے جو میں اس پر پابندیاں لگا رہی ہوں یہ سب کچھ تو خود نیزیہ اور منصور کو ہی سوچنا ہو گا۔"

انہوں نے ایک دم پھر زور داری کا پلندہ ان دونوں کے کندھوں پر منتقل کیا۔

"کو۔ تم خود انہیں کچھ نہیں کہہ سکتیں تو طلحہ اور اسامہ کو کہا کرو۔ وہی سمجھائیں انہیں کم از کم لباس تو ڈھنگ کا پہنیں۔ یہ جو ہر وقت جھوٹے حاشے پھرتی ہے اس سے تو چھٹکارا ملے۔" منورہ نے کہا۔

"آپ کو کیا پتا، میں گی بلو طلحہ کو کہہ چکی ہوں مگر امیر اس کی کہاں سنتی ہے۔ اسے تو یہی خوف رہتا ہے کہ وہ کچھ کہے گا تو امیر ناراض ہو جائے گی اور منصور یا مسودہ اس کی شکایت کرے گی۔"

"اگہ فونز وہ ہے تمہارا بیٹا اس سے؟" منورہ نے کچھ طنز یہ انداز میں کہا۔

"بات خود فونز ہونے کی نہیں ہے۔ وہ جانتا ہے، اسکی شکایت پر منصور اور مسودہ فوراً اسے ہی لعن طعن کرنے بیٹھ جائیں گے۔ آپ خود سوچیں، جب آپ لورڈیا کو اس کے لباس پر اعتراض نہیں ہوتا تو پھر طلحہ کا اعتراض کیا معنی رکھتا ہے۔" شانہ نے اپنے بیٹے کا دفاع کرتے ہوئے کہا۔

"یہ تو کہہ رہی ہوں میں کہ تم سب لوگوں نے ل کر اسے بہت چھوٹ دے رکھی ہے اب مجھے گھرانے کی لڑکیوں کے یہ طور طریقے تو نہیں ہوتے جہاں نیزیہ اور سارا دن ہانڈیوں میں پھرتی رہتی ہے۔ اسی طرح اس کی بیٹیاں بھی پھرتی رہتی ہیں، ان کی ماں کو کھ میں کوئی دیکھی ہے نہ بیٹیوں کو، تو کروں کے سر ہر گھر چھوڑا ہوا ہے اس صورت نے۔ مجھے تو منصور کی کم مٹلی کا



میں جاتے ہوئے وہ کہہ کر گئی ہے، ہم میں سے کوئی تمہارے آنے پر اسے بلانے کے لیے اس کے کمرے میں نہ آئے۔" امیر نے اسے بتایا۔

"طلو بھائی! میں اسے بلا کر لاتی ہوں۔" صدف نے میز و کی ہات ختم ہوتے ہی اٹھنے ہوئے کہا۔  
 صوف کے چہرے پر ہلکی ہار کچھ اطمینان نظر آیا۔ "تھیک ہے صدف۔"  
 "کوئی بات نہیں۔"

صدف نے لاؤنج سے نکلنے ہوئے کہا وہ امیر کے حواض کو جاتی تھی اور اسے یہ بھی سمجھتا تھا کہ اس وقت امیر کو باہر پوزیشنوں پر کونوں کا کام تھا مگر وہ کھوکھوں میں شرمندہ اور پریشان نہیں دیکھ پائی تھی۔ وہ یہ بھی جانتی تھی کہ میز و امیر کو ملانے کے لیے کوشش کر رہی تھی۔

"امیر! صوف بھئی آئے ہیں۔" اس نے امیر کے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔ جواب اپنے کپڑے تھوڑے تھوڑے ایک فی شرٹ اور جھڑپینے بیڈ پر بھی اپنے ہاتھوں پر کیٹکس لگانے میں مصروف تھی۔ صدف کے اندر داخل ہونے پر اس نے تیز نظر اٹھ کر اسے دیکھا۔

"آپ بے توجہ ہیں یہ کس کی طرف؟" وہ وہ بارہ کیٹکس لگانے میں مصروف ہو گئی۔  
 "اب ناراضی چھوڑ دو۔ اور چلی جاؤ۔ وہ کہہ رہے ہیں، کوئی ایرجنسی تھی۔۔۔ امیر! ہو جاتا ہے ایسا۔" صدف نے زور آواز میں بات کرتے ہوئے امیر کے ہاتھوں سے کیٹکس لینے کی کوشش کی مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئی۔  
 "نہیں کیا تکلیف ہے خواہ کچھ اور آگئی ہو۔ میں نے کہا ہے تاکہ میں اس کی شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔" امیر نے درمیان سے کہا۔

"تھی بری بات ہے امیر۔۔۔ اب وہ نیچے آئے بیٹھے ہیں اور معذرت بھی کر رہے ہیں۔ معاف کرو انہیں اور جہان کے ساتھ۔" صدف نے امیر کا ہنر خندا کرتے ہوئے کہا۔

"کیوں آکر بیٹھا ہے نیچے، جب میں نے فون پر اس سے کہہ دیا تھا کہ اسے یہاں آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے تو وہ کیوں آیا ہے۔" وہ اس کے لہجے سے متاثر ہوئے بغیر بولی۔  
 "امیر! اب اٹھ جاؤ۔۔۔ کافی ناراضی ہو گئی۔ اب بس ختم کرو یہ سب۔۔۔ وہ ہر سے آئے ہیں مگر آ تو گئے ہیں۔" صدف نے آپ بار بھر کہا۔

"نہیں اتنی بھڑکی کیوں ہے اس سے تم کیوں۔" غارش کر رہی ہو اس کی یہ میرا اور اس کا معاملہ ہے۔ تم وضع ہو جاؤ یہاں سے۔" امیر نے کیٹکس کی پیشکش اٹھا کر دور پھینک دی۔

"امیر! کچھ نہیں گستاخ۔ وہ بے چارے کیا سوچیں گے۔ تم ان سے بات کر کے دیکھو۔ ان سے پوچھو تو کہ ان کو کیا ایرجنسی ہوئی تھی۔" صدف نے کہا۔

"میں نے تم سے کہا ہے تاکہ تم یہاں سے وضع ہو جاؤ۔ پھر تم یہاں کیوں کھڑی ہو۔" امیر پر اس کی کسی بات کا کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔

صدف اگلے کئی منٹ اسے ستانے کی کوشش کرتی رہی مگر کامیاب نہیں ہوئی۔ بالآخر وہ کہہ کر وہ اس کے کمرے سے باہر نکل آئی۔

صوف نے صدف کو کیلے لاؤنج میں آتے دیکھا۔ اس کے چہرے پر ایک کھلی مسکراہٹ تھی۔  
 "دونوں آئی، آپ خود اس سے بات کر لیں۔"  
 صوف ایک کئی منٹ بیٹھے ہوئے صدف سے اٹھ کر باہر آ گیا۔ "تھیک ہے میں خود ہی اس سے بات کرتا ہوں۔" وہ لاؤنج سے نکل آیا۔



موت سے بچنے کے لئے اسے اندر داخل ہونا اور ایک بیگن دیکھنے میں مصروف تھی۔ اس نے صرف ایک نظر ڈالا تو اسے ایک اور بیگن دیکھنے میں مصروف ہو گئی۔  
"آئی ایک سوڑی آئی ایک سوڑی۔ مگر مجھے کام ہی ایسا چاہیہا تھا کہ میں اس وقت پر نہیں آسکا۔" مٹو نے معذرت

کہنے لگا۔ "موت سے بچنے میں مصروف رہی اس کا پورا کھل طور پر ہے ہاؤس۔  
"اب بیگن دیکھنے میں مصروف رہی اس کا پورا کھل طور پر ہے ہاؤس۔ جس سے تمہاری ناراضی ختم ہو جائے۔" مٹو نے کہا۔  
"مجھے پتا تو ہے کہ میں تمہیں مٹانے کے لئے کیا کروں۔۔۔ جس سے تمہاری ناراضی ختم ہو جائے۔" مٹو نے کہا۔  
"تمہیں اس سے بچنے چاہئے۔ میری ناراضی ختم ہو جائے گی۔" اس نے ایک دم بیگن سے نظر اٹھا کر اس سے کہا۔  
"یہ تمہیں کرسکتا۔ فری ناراضی کی وجہ سے ہے۔ میں نے تم سے ایکسکس ز کیا ہے۔ مجھے واقعی کوئی اور چسپی تھی۔"

موت نے کہا۔ "مجھے کسی ایکسکس ز میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔۔۔ میں تمہاری ملازمت نہیں ہوں کہ وہ مجھے تمہارا انتھار کرتی رہوں۔۔۔ اور  
"مجھے کسی ایکسکس ز میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔۔۔ میں تمہاری ملازمت نہیں ہوں کہ وہ مجھے تمہارا انتھار کرتی رہوں۔۔۔ اور  
"اب ہاؤس سے اٹھنے آ جاؤ۔" امبر نے بیگن کو ایک طرف اچھال دیا۔  
"ماتا ہوں۔ میری نظمی ہے۔ اور میں اسی لئے ایکسکس ز کر رہا ہوں۔" مٹو نے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔  
"مجھے دلچسپی نہیں ہے تمہارے ایکسکس ز میں۔۔۔ میں اب تمہارے ساتھ نہیں جی نہیں جانا چاہتی۔ تم اپنے گھر جاؤ۔  
"ماتا ہوں۔ میری نظمی ہے۔ اور میں اسی لئے ایکسکس ز کر رہا ہوں۔" مٹو نے دونوں ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔

تمہارے ساتھ رہنا۔ وہ اسی گلی کے ساتھ رہی۔  
تمہارے ساتھ رہنا کے سوا کے ساتھ میں کچھ اور کرسکتا ہوں؟ اور تم سونے کی بات کر رہی ہو۔"  
مٹو نے کچھ ہی لمحوں کے ساتھ کہا۔۔۔ امبر کو مٹا دینا کسب سے مشکل کام تھا۔ یہ کام وہ اپنی پارٹنر کر رہا تھا۔  
"میں اب بھی اسی طرح ہوتی تو تم اس طرح مجھے بھلا کر دیتے۔" امبر اس کے بچے سے حاشا ہوئے بغیر بولی۔  
"میں نے جانی بوجھ کر تمہیں انتھار نہیں کر دیا۔ جس دیر ہو گئی۔"  
"تم مجھے فون کر سکتے تھے۔"

"اب اس سے عملی ہوئی، مجھے فون ضرور کر دینا چاہیے تو مگر میں میرے ذہن سے ہی نکل گیا۔" مٹو نے اعتراف کیا۔  
"یہ ذہن ہے میری تمہاری زندگی میں کہ تمہیں مجھے فون تک کرنا پڑے گا۔" امبر اس کی بات پر اور مشتعل ہوئی۔  
"ممبر۔۔۔ میں۔۔۔" مٹو نے اس طرح گڑبگڑایا۔

"میں۔۔۔ تمہارے فون کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اس میں تم یہاں سے دفن ہو جاؤ۔" وہ اس پر دھاڑی۔  
"میں تم سے ایکسکس ز کرتا ہوں اور وہ دہرا کرتا ہوں کہ آکھو ایسا کبھی نہیں ہوگا۔" مٹو نے اس کا طرہ طرہ کرنے کی ایک

نہایت

"آکھو۔ آکھو۔ امبر میں تمہارے ساتھ جاؤں گی تب نا۔۔۔" امبر پر اس کی معذرت کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ "مجھے بہت  
پتا ہے کہ میں اس وقت جو تمہاری طرف نظر لگاؤں گا۔ ایکسکس ز کرتے رہے ہیں۔ جو بندہ جتنی زیادہ ایکسکس ز کرتا ہے، وہ اتنا  
زیادہ پتا ہے۔"

اس کی بات پر چند لمحوں کے لئے کچھ بھی نہیں بولی سکا۔ وہ واقعی ایکسکس ز سے کبھی بھی مطمئن ہوتی تھی نہ ہی  
مطمئن رہنے کا طرہ طرہ کرتے تھے۔  
"بھابھا، تمہیں کبھی نہیں پتا ہے۔ میں ایکسکس ز نہیں کرتا کہ وہ دہرا کرتا ہوگا کہ وہ بارہ ایسا کبھی نہیں کروں گا۔" مٹو نے چند لمحوں کے

بہت

"مجھے پتا ہے کہ میں اس وقت جو تمہاری طرف نظر لگاؤں گا۔ ایکسکس ز کرتے رہے ہیں۔ جو بندہ جتنی زیادہ ایکسکس ز کرتا ہے، وہ اتنا  
زیادہ پتا ہے۔" اس کی بات پر اور مشتعل ہوئی۔

"اچھا تو مجھے تاؤ پھر آخر میں کیا کروں، تمہاری ناراضی ختم ہو جائے۔" ظونے بے بسی سے کہا۔

"میں نے تمہیں پہلی ہی کہا تھا۔ تم یہاں سے چنے جاؤ۔ تو میرا طعنه ختم ہو جائے گا۔" وہ اسی طرح بولی۔

"It's not fair" (یہ سچ نہیں ہے) ظونے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کہا۔ اس کا سرخ چہرہ اس کی غصہ مٹی میں اضافہ کر رہا تھا۔ "تم جانتی ہو میں تمہیں اس طرح چھوڑ کر نہیں جا سکتا۔"

"تو پھر کس طرح چا سکتے ہو؟" وہ اسی طرح بولی۔

وہ چہلے چپ چاپ اسے دیکھ رہا۔ پھر اس نے کہا "تو جوڑوں تمہارے سامنے؟"

"تم پاؤں بھی پڑوے تو جی میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گی۔"

ظونے سے ٹھوکا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ کچھ دیر اسے دیکھ رہا پھر کمرے سے نکل گیا۔

"آئی! میں جا رہا ہوں۔" لاؤنج میں آ کر اس نے میزرو سے کہا اور پھر مزید کوئی بات کیے بغیر ابھی خدا حافظ سمجھ کر باہر نکل گیا۔

"جی! امبر کو ساتھ چے جانا چاہیے تو۔ اتنا ٹھک تو نہیں کرتا چاہیے۔" صہبہ نے ظونے کو دیکھ کر کہا۔

"یہ بات تو ظونے کو سوجھی چاہیے۔ لعلی تو اسی کی ہے تمہارے سامنے امبر نے کتنا انتقاد کیا ہے اس کا۔" میزرو حاضری ہوئے

غیر ہوئیں۔

"پھر جی جی! ظونے کو سزا دینا ضرور ہے۔ اسے۔ ایکسپسز بھی کیا انہوں نے۔۔۔ آپ کو امبر کو کھانا چاہیے تھا۔"

"میرے بچنے سے جی جی ہوا تھا جو اب ہوا ہے، آخر تم جی تو سمجھانے ہی تھیں۔ کیا تمہاری بات اس نے مان لی؟" میزرو نے کچھ ناراضی کے ساتھ صہبہ کو دیکھا۔ صہبہ ایک گہری سانس لے کر ایک بار پھر فی دہی دیکھنے لگی۔



امبر بی بی! آپ سے ایک بات کرنا ہے۔" صابروہ امبر کے کمرے کی صفائی کر رہی تھی اور امبر ڈرائنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھی اپنے بالوں میں برش کر رہی تھی۔ جب صابروہ کچھ ہنگامے ہوئے اس کے پیچھے آ کر کھڑی ہو گئی۔

"ہاں بولو، کیا بات کرنی ہے؟" امبر نے ڈرائنگ ٹیبل کے آئینے سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"میری شہی کی شادی ہو رہی ہے اگلے ہفتے۔" اس نے کچھ ہنگامے ہوئے بات کا آغاز کیا۔

"اچھا۔۔۔" امبر مسکرائی۔ "کہاں ہو رہی ہے؟"

"اس کے بچے کے بیٹے سے۔"

امبر اپنے بالوں میں برش کرتی رہی۔

"کیا کرتا ہے وہ؟"

"مائی ہے ایک بٹلے پر۔" صابروہ نے بتایا۔

"مجھے آپ سے ایک درخواست کرنی تھی۔۔۔" اس نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"کہی کچھ۔ کیا کہنا ہے۔" امبر نے اپنا برش ڈرائنگ ٹیبل پر رکھ دیا۔

"مگر آپ اپنے کچھ پرانے کپڑے اور جوتے دے دیتیں تو بڑی مہربانی ہوتی جی آپ کی۔"

"بس اتنی سی بات ہے۔۔۔ آؤ۔ میں تمہیں ابھی نکال دیتی ہوں۔" وہ بڑی لادرواہی سے کتھی اسے ساتھ لے کر اپنے ڈرائنگ روم میں آگ اور اپنی وارڈ روم کھول کر کھڑی ہو گئی۔ ایک نظر انداز رکھے ہوئے کپڑوں پر ڈالتے ہوئے اس نے بڑی سہ نظاری کے ساتھ کچے بھد دیکھے بہت سارے سوٹ نکال کر کارپٹ پر رکھ دیے۔ پھر اسی طرح ہاری ہاری جوتوں کے کئی جوڑے بھی نکال کر رکھ دیے۔

ڈرائنگ کے فرش پر کپڑوں اور جوتوں کا ایک اٹھارنگ گیا تھا۔ صابروہ کا چہرہ اس کی خوشی کو پوری طرح نمایاں کر رہا تھا۔

ابرنے کیڑوں اور جڑوں کے بعد کچھ چند ٹیک بھی نکال کر باہر رکھ دیے۔  
"آؤ میں بھی ایک آپ کا کچھ سامان بھی دیتی ہوں۔" وہ کہتی ہوئی دو بارہ اپنے بندہ میں داخل ہوئی اور اپنے  
ایک تھیلے پر ۲۰۰ روپے اور دوسرے کا سٹیکس کے سامان سے اس نے بہت سی چیزیں نکال کر الگ کر دیں اور پھر

دیکھ کر اٹھنے کے لیے کہا۔  
"جی ہاں صاحبان چیزوں کو لاتی، دو اپنے بندے کے دراز میں سے کچھ روپے نکال چکی تھی۔  
"تو کچھ ہزار روپے تین سو بیسری طرف سے اپنی بیٹی کو دے دینا۔"

اس نے صاحبہ کی طرف دو روپے دو حصے اور ایک بار پھر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے بیٹھ کر اپنے ہاتھوں میں برش کرنے  
کی صورت لے کر اس وقت کسی اور قسم اور توہ اس کی دعا میں نہیں سن رہی تھی۔  
☆ ☆ ☆

"تمہارے جیسا اصل سے پیدل میں نے کبھی نہیں دیکھا۔" میزوا ابرا کے سر پر گھڑی اس پانچواں تھی۔  
"جی! کیوں خود بخود شور کر رہی ہیں؟" ابرنے نے ہنسی سے کہا۔

"شوہر نہ کروں تو اور کیا کروں، تمہارے ہاتھوں میں جو تو تم تو سارا گھراؤ کر باہر ف پتھر پر رکھ دو۔" میزوا اس کی بات  
پر ہنسنے لگی۔  
"جو چاہے جیسا ہے خوف بنا سکتا ہے۔"

ابرا پر وہی سے ہنسنے لگی رہی۔ "آپ چھوٹی سی بات پر اتنا ہنگامہ کر رہی ہیں۔" اس نے اٹھ کے چھٹے اتارے  
"مجھے کوئی بے خوف نہیں بنا سکتا۔ آپ چھوٹی سی بات پر اتنا ہنگامہ کر رہی ہیں۔" اس نے اٹھ کے چھٹے اتارے  
سے اطمینان سے کہا۔

"میں ہنگامہ کر رہی ہوں۔ تم نے صاحبہ کو ایک نہ دو پورے پانچ ہزار روپے دینے اور میں اسے چھوٹی سی بات  
بجائے کپڑوں اور جڑوں کی تو پتلو کوئی بات نہیں مگر اتنے روپے کیوں دینے تم نے؟"  
"اس کی بیٹی کی شادی ہے گی۔" ابرنے اس اطمینان کے ساتھ کہا۔  
"اس کی بیٹی کی شادی ہے تو پھر ہم کیا کریں۔ اس فراخ عورت نے مجھ سے پیسے لیے اور پھر تم سے بھی اسی طرح پیسے

منگے۔"  
"آپ نے اسے کتنے پیسے دیئے۔؟" ابرنے اپنا ہاتھ روکتے ہوئے کہا۔  
"ایک ہزار دو سو روپے۔" میزوا نے کہا ابرا بے اطمینان تھی۔

"آپ بھی کمال کرتی ہیں گی۔! ایک ہزار دو سو روپے دے رہی ہیں پھر تو اچھا سی بوا میں نے اسے کچھ روپے دے  
دینے۔ وہ ایک ہزار روپے چھینے گی۔"

"تو اور اتنے دیتی اسے۔۔۔ ایک ماہ کی تنخواہ بھی ایڈوانس دی ہے اسے اب تمہاری طرف سے گھر کی چوبیس تو نہیں بچتا  
تھی تم۔" میزوا اس کی بات پر حیرت منشا ہوئی۔ "اور اس فراخ عورت کو دیکھو۔ مجھ سے اس نے روپے لیے اور ساتھ تم سے  
میں نے لے لیے۔ آج آئے تو ذرا۔"

"گیا اس نے مجھ سے پیسے نہیں مانگے تھے میں نے خود اسے دیئے۔"  
"تم نے کیوں دیئے؟" میزوا نے سختی سے کہا۔

"میں ہر ماہ لیا ہوا اس لیے دے رہا ہوں اب آپ اتنی چھوٹی سی بات پر اتنا ہنگامہ کرنا نہ کریں۔" ابرنے نے ہنسی سے  
کہا۔

تمہارے لیے ہر بات چھوٹی ہوتی ہے آج ایک نوکر کو اس طرح دیئے ہیں کل دوسرا نوکر آ کر کھڑا ہو جائے گا  
یعنی یہ تمام آدمے سے زیادہ بگڑے اور جوتے اٹھا کر دے دیتی ہو۔ کیسا گنگا ہو گا تمہیں جب بھی نوکر انہاں تمہارے

کپڑے پہنے بھرتی ہیں۔" میزوانے فرماتے ہوئے کہا۔

امیر کے اطمینان میں مدنی بھر فرق نہیں آیا اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا میرے کپڑے، مگر وہ امیر نہیں مین جاتیں، نہ انہیں کپڑے دے اپنے سے ستر  
 نوکرائی میں جاتی ہوں۔۔۔ آپ تو بس ہر وقت۔۔۔ میری کچھ میں نہیں آتا آپ اگر کسی کو کچھ دے دیا ہے تو پھر کیا ہو گیا  
 آپ اتنا ہنگامہ چلائی رہتی ہیں مجھے آپ کی یہ عادت بہت برائی لگتی ہے جس میں کافر فرق پڑ جاتا ہے کسی کو توڑا بہت  
 دے دینے سے۔۔۔ اور میں آپ کو تارسی ہوں، آپ صابرو سے کوئی بات نہیں کریں گی، نہ اسے لاشتمال کی نہ ہی کچھ اور  
 کی۔ ورنہ میں اس کو اور روپے دوں گی اور اپنی وارڈ روپ کے باقی سارے کپڑے اور جوتے بھی الٹا کر دے دوں گی۔"  
 "and I really mean it"

وہ بڑی عجیبگی سے کہتے ہوئے میز سے اٹھ گئی۔ میزوا خون کے گھونٹ پی کر رہ گئیں۔ وہ جانتی تھیں۔ مہربانی نہ کرے  
 گی۔ وہ چند لمبے منہ ہی میں کچھ بڑبڑاتی رہیں پھر وہ خود بھی ڈانٹنگ ٹینل سے اٹھ گئیں۔ ان کی جھوک فتح ہو چکی تھی۔  
 صرف صندھی جہاں اور امین کے درمیان ہونے والی گفتگو میں کسی قسم کی مداخلت کیے بغیر خاموشی اور اطمینان کے  
 ساتھ ہاتھ کرتی رہی۔ وہ اور امین کے درمیان ہونے والی یہ گفتگو اس کے لیے نیا نہیں تھی۔

ہونا بیٹا ہوا

"تو میں نے تو آپ بہت دنوں کے بعد آئی ہیں۔" میزوانے خوشیوں کے ساتھ منورہ کا استقبال کرتے ہوئے کہا۔  
 "نہیں، نئے دنوں سے آنا چاہ رہی تھی، مگر کوئی نہ کوئی مصروفیت آئے آ جاتی تھی۔" منورہ نے ان کی سکرابٹ کا  
 جواب سکرابٹ سے دیا۔

"میرے مہر آتے ہوئے تو آپ تو ہمیشہ ہی کوئی نہ کوئی مصروفیت روک لیتی ہے۔ حالانکہ جس محبت سے میں آپ کو  
 بلاتی ہوں، آپ اسے جانتی ہی ہیں۔" میزوانے مصنوعی ناراضی سے کہا۔

منورہ نے ڈانٹ کے سونے پر بیٹھ چکی تھیں، ان کی سکرابٹ اور میری ہوئی۔ "بھئی میں جانتی ہوں تم مجھے بہت محبت  
 سے بلاتی ہو اور اسی لیے تو تمہاری طرف چلی آتی ہوں۔ ہاں کسی جھجک کے۔" منورہ نے میزوا کی بات کے جواب میں کہا۔  
 "جھجک ہوئی بھی نہیں چاہیے آپ کو، یہ آپ کے بھائی کا گھر ہے اور بھئیوں کے گھر آتے ہوئے بیٹوں کو وہی جھجک  
 نہیں ہونی چاہیے۔" میزوانے ان کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا۔ "اور وہ بھی چھوٹے بھائی کے گھر۔"

"تمہاری بچی خوش حرائق اور اخلاق ہے جس کی وجہ سے تمہارے ہاں ہمارے آئے کوئی چاہتا ہے۔ ورنہ تم جانتی ہو میں  
 کہاں گھر سے نکلتی ہوں، سارا دن صبح ہی پڑی رہتی ہوں۔" منورہ نے کہا۔

"خیر خوش حرائق تو آپ بھی کب نہیں ہیں۔" میزوانے جوابی تعریف کا فریضہ انجام دیا۔  
 "مگر میں کہاں خوش حرائق ہوں۔ بلڈ پریشر نے ساری خوش حرائق ختم کر دی ہے میری، اوپر سے شوگر یہ دونوں  
 بیماریاں میری توجہ جان کے لگ رہی چھوڑیں گی۔" منورہ نے اپنا پتھر بوجھ سا دکھایا۔

"اب آپ ان طرف تو نہ کہا کریں، بعض دلدل سے نقلی ہوئی بات چوری ہو جاتی ہے اللہ کرے آپ کو کون دونوں  
 بیماریوں سے نجات مل جائے۔" میزوانے انہیں ٹوک کر کہا۔

"یہ دیکھوں بیماریاں جان چھوڑنے والی بیماریاں نہیں ہیں۔ یہ تو تم بھی اچھی طرح جانتی ہو۔" منورہ نے میزوا کی بات  
 سے جواب میں کہا۔

"آپ آج مجھے یہ بتائیں کہ کیا مٹھکواؤں آپ کے لیے؟ چائے لیکر رہے گی یا پھر سوٹ ڈرک؟" میزوانے بات کا  
 موضوع بدلا دیا جو منورہ نے ان لوگوں میں سے نہیں تھیں جو پریشر پر یقین رکھتے ہیں۔

"بھئی جو مرضی ہو مٹھکواؤ۔" منورہ نے بے آرام سے اٹھاپ ڈالنے ان پر چھوڑتے ہوئے کہا۔

میزو نے زور دیا ہے اور کل نہیں اور کئی میں ملازم کو کچھ ہدایات دے کر واپس لاؤنج میں آئیں۔  
پچھلے نہیں آ رہے۔ ان کی لاؤنج میں داخل ہوتے ہی منورہ نے پوچھا۔  
تو صرف ہی چناب، منورہ اور امیر تو کمرہ نہیں ہیں، باقی نذر کے پاس چلا رہے ہیں ابھی کچھ دیر میں فارغ ہو

زبان نہ کھینچے۔  
منورہ نے کچھ جس سے پوچھا۔  
منورہ نے ایک دوست کی رتھو سے پارٹی پر گئی ہے، امیر سوئٹنگ کے لیے کلب گئی ہے۔ "میزو نے انہیں بتایا۔  
تو جب آپ وہاں کی دونوں؟" منورہ نے ان سے پوچھا۔  
تو وہی وہاں کی۔ شاکر رات آئے بیٹھے تھے، کیونکہ امیر وہاں سے مسعود بھائی کی طرف جانے لگی۔ "میزو نے

منورہ نے کہا۔  
منورہ کے چہرے پر کچھ مایوسی چھلکی۔

منورہ نے ان کی بات کے جواب میں کہا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے اپنا پروگرام بتاتے ہوئے کہا۔  
منورہ نے انہیں گھبراہٹ میں پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔

منورہ نے ان کی بات کے جواب میں کہا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔

منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔

منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔

منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔

منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔

منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔

منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔

منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔  
منورہ نے ان سے پوچھا۔

”آپ سے کس نے کہا کہ کام سارا مسودہ بھائی اور ان کے بیٹوں نے سنبھالا ہوا ہے اور مسودہ پتو نہیں کرنے۔“

ان کی بات بری تھی۔  
”میں چند دن پہلے شبانہ کی طرف گئی ہوئی تھی وہی بتا رہی تھی اپنے شوہر اور بیٹوں کی مصروفیت کے بارے میں۔  
منورہ نے جی لا پرواہی سے کہا۔

”کہہ رہی تھی کہ وہ سب تو تمہیں پکڑ بین گئے ہیں۔“ قینتری مسودہ کی بے فکر کام سارا مسودہ اور اس کے بیٹوں نے سنبھالا ہوا ہے اور مسودہ کو تو ابھی تک بلانی نہیں پڑتی۔ اسی لیے تو میں تمہارے ساتھ سے مسودہ کی مصروفیت کا سن کر حیرت منہ بولی۔“

میزو چہلے کچھ نہیں بول سکی پھر انہوں نے منورہ سے کہا۔ ”شبانہ نے اور کیا کہا آپ سے؟“

”اب ضرور تو ذمہ داروں باتیں تھیں۔ میں کیا کیا تھیں بتاؤں۔ تم چھوڑو ان سب باتوں کو۔“ منورہ نے کہا۔

”نہیں آپ! آپ بتائیں تو کسی اس نے اور کیا کہا ہے؟“ میزو نے اصرار کیا۔

”بھئی میں نہیں جانتی خواہ کتنا اصرار کی بات اور کر کے تمہارے دل کو کبھی کروں۔“ انہوں نے کہا۔

”میں دل کو کبھی کرنے والی کیا بات ہے، آپ تو صحیح بات بتا کر ایک اچھا کام کریں گی۔“ میزو نے ان سے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

”پھر بھی یہ مناسب نہیں لگتا۔“ منورہ نے پھر بچھڑا ہوا دیکھا۔

اسی وقت ملازم چائے کی ٹرائی لے کر لاؤنج میں داخل ہوا اور میزو اور منورہ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو گئے ملازمین دونوں کے لیے چائے بنا کر سردی اور پھر لاؤنج سے باہر نکل گیا اس کے باہر جاتے ہی میزو نے منورہ سے کہا۔

”میں اس سے کیا پوچھوں، مجھے تو خود اندازہ ہے کہ وہ کام تو کرتا ہی ہوگا اور میں نے شبانہ سے کہا بھی کہ ضرور کچھ بھی کام دوسروں پر چھوڑنے والا نہیں ہے فارغ بیٹھنا تو اس کی طبیعت میں ہی نہیں ہے۔“ منورہ نے چائے کا ایک سپ لٹے ہوئے کہا۔

”پھر اس نے کیا کہا؟“ میزو نے بھی اپنی چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے کہا۔

”کہنا کیا تھا تو تو ناراض ہی ہو گئی۔ میں نے بھی پروا نہیں کی۔ اس نے بھی مجھ سے یہی کہا کہ مسودے تو میں خود اس سے پوچھ لوں کہ قینتری کی کتنی ذمہ داریاں ہیں اس کے کندھوں پر اور مسودہ تو صرف سلیپنگ پارٹنر ہے۔“ منورہ نے ہنس ماس سے انداز میں کہا۔

”سلیپنگ پارٹنر... میں نے مسودہ سے پہلے ہی کہا تھا کہ بہتر ہو اگر وہ اپنے بھائی اور بیٹیوں کو اس قینتری میں شامل نہ کرتا۔ وہ جتنا بھی کام کرے ہر ایک کے ذہن میں یہی بات رہے گی کہ سارا کام مسودہ بھائی اور ان کے بیٹوں نے کرتا ہے۔“ میزو نے کچھ اور ناراض ہوتے ہوئے کہا۔

”تم بھی وہی بات کہہ رہی ہو جو شبانہ کہہ رہی تھی۔“

”کیا کہہ رہی تھی؟“ میزو نے کچھ چونک کر کہا۔

”کہہ رہی تھی کہ اس نے مسودہ کو بہت منع کیا تھا کہ وہ مسودہ کے ساتھ یہ قینتری شروع نہ کرے خواہ کتنا ہی محنت ہے۔“

”اور اس کے بچوں کے ہاتھ کچھ بھی نہیں آئے گا۔“

”ہاتھ کچھ بھی نہیں آئے گا؟ سب کچھ تو ان ہی بیٹوں کے ہاتھ میں ہے۔“ شبانہ کو اور کیا چاہیے اب کیا پھر قینتری اس سے ہم لگھوڑا۔“ میزو اس بات پر ہلکا ہلکا ہنس۔

”ہاں یہ بھی شکایت کہہ رہی تھی کہ اتنی محنت کا صلہ کیا ہے جب قینتری میں ان کے معمولی سے شیئرز ہیں اس سے تو میزو تو کہ مسودہ کی قینتری کا فائدہ کرتے۔“ منورہ نے چائے پیچے ہوئے ایک اور اطلاع دی۔

”انہیں اور اتنی شکایتیں ہیں تو اب تک وہ جاگیں قینتری سے یا پہلے ہی ہو جاتے۔ ہم نے کوئی ذمہ داری تو نہیں اپنے ساتھ



میزو نے ٹیک کی پلٹ ان کے سامنے کرتے ہوئے کہا۔

”چھوڑو تم کیوں پریشان ہوتی ہو شہانہ کی تو عادت ہی خراب ہے۔ میں بھلا اسے جانتی نہیں۔“ منورہ نے میزو کو چہرے پر دینے کی کوشش کی۔

”وہ تو خراب ہے تو میں کیا کروں، ان کی خرابی، دھس برداشت کرنے کے لیے کیا ہم لوگ ہی دو گئے تیرے۔“ منورہ نے ناگواری سے کہا۔

”میں تو بعض دفعہ حیران ہوتی ہوں کہ شہانہ کو جاننے کے باوجود تم لوگوں نے امیر اور صہبہ کی شادی اس کے خلاف نہ کرنے کا فیصلہ کیوں کیا؟“ منورہ نے کہا۔

”اب ہمیں اندازہ تو نہیں تھا کہ شہانہ بعد میں اس طرح نیچلی بن لے گی۔ پہلے تو اور طرح کی قسمی یا توڑ توڑی طرح کی قسمی تھی۔ اتنی خوش اخلاق اور مہنگا المراج، میں نے اور منورہ نے یہی سوچا کہ مسود بھائی اور منورہ کی بیٹیوں کو اچھی طرح رکھیں گے بس یہی سوچا کہ ہم نے یہ رشتے طے کر دیے۔“ میزو نے کہا۔

”میں نے کہا تھا کہ شہانہ کی شادی ہو جائے گی۔“

”تم دونوں نے بھی تو کسی سے مشورہ نہیں کیا۔ ایک دم ہی اس کے بیٹوں سے رشتے کر دیے ابھی تو امیر اور صہبہ ان سے کھڑے تھے۔“

”آپ سے کچھ کہا ہے؟“ میزو نے کچھ ٹھنک کر پوچھا۔

”مجھے ہی کیا، ہر ایک کو کبھی جانتی ہے۔“ منورہ نے بے ساختہ کہا۔

”آپ سے یہ کیا ہے اس نے؟“ میزو نے، حق پریشانی سے پوچھا۔

”کوئی ایک بات ہو تو اتنا، کہہ رہی تھی کہ تم نے امیر اور صہبہ کی بھی تربیت نہیں کی۔ انہیں کوئی ادب آداب نہیں سیکھے۔“ منورہ نے چائے کا کپ رکھتے ہوئے کہا۔

میزو کے ماتھے سے شہانہ اور منورہ کے دو گئے۔

”میں نے تو کہہ دیا اس سے کہ وہ خدا کا شکر ادا کرے کہ خاندان کی سب سے خوبصورت اور صہبہ لڑکیاں اس کے آری ہیں۔“

”میں نے تو کہہ دیا اس سے کہ وہ خدا کا شکر ادا کرے کہ خاندان کی سب سے خوبصورت اور صہبہ لڑکیاں اس کے آری ہیں۔“

”میں نے تو کہہ دیا اس سے کہ وہ خدا کا شکر ادا کرے کہ خاندان کی سب سے خوبصورت اور صہبہ لڑکیاں اس کے آری ہیں۔“

”میں نے تو کہہ دیا اس سے کہ وہ خدا کا شکر ادا کرے کہ خاندان کی سب سے خوبصورت اور صہبہ لڑکیاں اس کے آری ہیں۔“

”میں نے تو کہہ دیا اس سے کہ وہ خدا کا شکر ادا کرے کہ خاندان کی سب سے خوبصورت اور صہبہ لڑکیاں اس کے آری ہیں۔“

”میں نے تو کہہ دیا اس سے کہ وہ خدا کا شکر ادا کرے کہ خاندان کی سب سے خوبصورت اور صہبہ لڑکیاں اس کے آری ہیں۔“

”میں نے تو کہہ دیا اس سے کہ وہ خدا کا شکر ادا کرے کہ خاندان کی سب سے خوبصورت اور صہبہ لڑکیاں اس کے آری ہیں۔“



نہو سا آہیں

گھر کوئی اس کی پاں میں پاں ملا رہتا ہے۔ کسی کو تہوار اور قہار سے پاں کا احساس ہوا تو تم تک۔ ساری باتیں  
میں تو سب اس لیے تھاری ہوں تاکہ تم ابھی بھی ان رشتوں کے بارے میں سوچو اور کچھ نہیں شانہ کی  
منورہ نے کہا۔

منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں  
منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں  
منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں

منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں  
منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں  
منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں

منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں  
منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں  
منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں

منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں  
منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں  
منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں

منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں  
منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں  
منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں

منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں  
منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں  
منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں

منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں  
منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں  
منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں

منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں  
منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں  
منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں

منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں  
منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں  
منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں

منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں  
منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں  
منورہ نے کہا۔ مجھے تو بعض دلوں

"میری بیٹیاں ابھی اس کے گھر میں تھی مگر میں نے ان کے لباس ان کے اگلے پہننے پر اعتراض ہونے کا  
 اسے دو دنوں ابھی نہیں لکھیں تو صاف آ کر ہم سے بات کرے اس طرح اصرار ہوا ہاتھیں کس کرتی بھرتی ہے اب  
 لباس پر اعتراض ہوتا ہے اسے کبھی بات کرنے پر میری بیٹیاں ہیں جب مجھے اور منصور کو ان کی کسی بات پر اعتراض نہ  
 ہے تو وہ اعتراض کرنے والی کون ہوتی ہے میرے صبر پر ہیں وہ دونوں جو چاہے ہمیں شائد کو کیا اب اس نے شائد  
 اپنی بیٹیوں کی زندگی جبر بنا دوں۔" خیزہ بند آواز میں بولتی رہیں۔ "آپ خود بتائیں آپ! آپ کے سامنے تین بیٹی  
 بیٹیاں آپ کو کوئی خامی نظر آتی ہے دونوں میں۔ یا ان کی کسی بات پر اعتراض ہے۔" خیزہ نے کہا۔

"میں ہاتھیں کرتی ہو خیزہ! مجھے دونوں میں کیا خامی نظر آئے گی۔ میں نے تو شائد سے کہا مگر کبھی تو بہت خیزہ  
 اپنی بیٹیوں کی کی ہے، پورے خاندان میں وہی نہیں کر سکا۔ اس کی بیٹیاں خاندان میں سب سے الگ ہی نظر آتی تینا غڑ  
 قسمت ہو گا وہ گھر جہاں وہ بڑھتی۔ مگر وہ تو میری باتوں پر تھلکانے لگی کہنے لگی کہ آپ آپ کی تو عادت ہے آپ نے بیو  
 خیزہ اور اس کی اولاد کی طرف وارنی کی ہے۔ کبھی مجھے صحیح نہیں سمجھا۔ آپ کو تو ان میں کوئی خامی نظر آئی نہیں سمجھتی  
 محنت کی بیشک اتاریں تو پھر آپ کو ہوتا ہے۔ میں اسی لیے آپ سے اپنے دل کی بات نہیں کرتی کہ آپ میری بات کو سمجھتی  
 نہیں ہیں۔" منورہ ایک ہی سانس میں کہتی تھیں۔

"میں نے کبھی کہہ دیا میں سے کہ تم اپنی اسکا دل کی باتیں اپنے پاس ہی رکھو۔ خواہ وہ دوسروں پر بہتان بگاتی بھرتی  
 ہو۔ خدا کا شکر وہ نہیں کرتی کہ خیزہ اور منصور نے تمہارے خاندان کے ساتھ رشتہ جوڑا ہے ورنہ تمہارے بیٹوں میں کون سے  
 نہ خراب سے پانچے ہوئے ہیں۔"

"آپ دیکھیے آج منصور آئیں تو میں ان سے یہ ساری باتیں کہوں گی انہیں بھی تو ہاتھ پلے کہ ان کی بوجھ اور بددلی  
 ہر سے ہرے میں کیا سوچتے رہتے ہیں بلکہ آپ خود انہیں یہ سب کچھ بتائیے گا۔" خیزہ نے منورہ سے کہا۔

"میں نے تم سے پہلے ہی کہا ہے میں ایسے کسی جھڑے میں پڑنا نہیں چاہتی۔ خواہ وہ میری جہ سے آپس میں دل  
 کھنے ہوں گے اور تمہیں تو میں نے پہلے ہی کہا ہے کہ میرا نام لے کر بات مت کرنا، بلکہ منصور کے سامنے بھی یہ مت کہنا کہ یہ  
 سب میں نے کہا ہے۔ بس اس سے بچنے کہتے کہ تمہیں نہیں سے پتا چلا ہے بلکہ میں تو یہ بھی کہتی ہوں کہ منصور سے بات کرنے کی  
 بھی آخر کیا ضرورت ہے۔ ابھی اسے حکومت ہڈاؤ۔ دیکھو کہ شائد آگے اور کیا کہتی ہے۔" منورہ نے جلدی سے کہا۔

"نہیں خیر منصور کو تو میں ضرور بتاؤں گی۔ میں اب انتظار کرتی رہوں گی کہ کوئی اور مجھے یہ سب کچھ بتائے تو میں بڑ  
 بات کروں۔ آپ اگر چاہتی ہیں کہ میں آپ کا نام نہ لوں تو ٹھیک ہے میں آپ کا نام نہیں لیتی لیکن منصور کو ان سب باتوں کا  
 پتا ہونا چاہیے۔ اور اب آپ دیکھیے گا کہ میں کس طرف اصرار اور صبر کو اس کے گھر جانے سے روکتی ہوں۔ اسے کبھی ہاتھ  
 کہ اس نے کس کے خلاف ہاتھیں کی ہیں۔ میں تو صبر اور اسامہ کو بھی یہاں نہیں آنے دوں گی۔" خیزہ ہنسنے میں بولتی رہیں۔

"دیکھو خیزہ میرا نام کہیں نہ آئے۔ تمہاری محبت میں میں نے اگر تمہیں کچھ بتا دیا ہے تو تم آگے کسی کو میرا حال مت  
 دینا۔ میں نہیں چاہتی تم دونوں خاندانوں کے درمیان بازو ہوا، خردوں میں میرے ہی بھائی ہیں۔ مگر بس شائد کی باتوں پر صبر  
 آ گیا مجھے اس لیے تمہیں یہ سب کچھ بتا بیٹھی اب مجھے افسوس ہو رہا ہے کہ میری وجہ سے تم لوگوں کے درمیان کوئی جھڑانہ ہو  
 جائے۔" منورہ اس سے کہتی تھیں۔

"کچھ نہیں ہو گا آیا آپ گھرنہ کریں، تم تم آپ کی وجہ سے تو کچھ بھی نہیں ہو گا۔ جھڑے کے ہارے میں بھی آپ  
 پریشان نہ ہوں، میں کوئی جھڑا نہیں کروں گی مگر اس کو پتا چلنا چاہیے کہ وہ کتنی فضول اور نامناسب باتیں کر رہی ہے۔ اب نئی  
 والے ہونے کا مطلب یہ تو نہیں ہے کہ ہم پہلے ہی ان کے ہیروں میں جا بیٹھیں۔" خیزہ نے منورہ کو نکل دیتے ہوئے کہا۔

"ہاں وہ تو میں چاہتی ہوں تمہارا حراج اور طرح کا ہے۔ تم رانی کا پہاڑ نہیں بتاتیں۔ ورنہ میں تم سے کہاں بات  
 کرتی۔" یہ بھی ایسے ہی مجھے اندیشہ ہو رہا تھا کہ میرا نام آئے گا تو ہر کوئی بھی سمجھے گا کہ میں نے جان بوجھ کر تم لوگوں کے

نور داسا آہی۔ نیرج ہوگا دیکھا جائے گا تم تاؤ روشن کیا ہے جس نے اسے نہیں دیکھا۔ انہوں نے ملہن  
 پر سر ہنوع بدل دیا۔

☆☆☆

مید باہر لان میں بیٹھی ہوئی تھی جب اس نے طلحہ کی گاڑی کو اندر آتے دیکھا۔ وہ جتنی دیر میں پارٹی میں گاڑی کھڑی  
 تہ۔ مید اٹھ کر اس کی طرف آگئی۔

”کیا سوز ہے تمہاری بیٹی کا؟“ وہی سلام دعا کے بعد اس نے مید سے پوچھا۔

”جی تو اچھی ہے اب آپ کو دیکھ کر خراب ہو جائے تو میں وہو کہہ نہیں سکتی۔“ مید نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”نور داسا کو کرموز خراب نہ ہو۔“ طلحہ نے جس کراہدہ جاتے ہوئے کہا۔

”بہن! ٹھیک ہے میں مید باہر لان میں بیٹھ کر دعا کرتی ہوں، آپ اندر جا کر اس سے بات کریں اور اپنی قسمت آزاد کریں وہ  
 چلے گا اور بیٹی بھی ہے۔“ مید نے لان کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

طلحہ نے اس کی آواز اس کے لیے خاص میں سا  
 ہو سکتے ہوئے اندر چلا گیا۔ امبر کو پہلے ہی اس کی آمد کا پتا چل چکا تھا۔ بدن کی آواز اس کے لیے خاص میں سا  
 ہوئی تھی۔

طلحہ کے قدموں کی چاپ پر اس نے گردن سوز کر سرسری نظروں سے اسے دیکھ اور آہیں بار پھر نئی دہی دیکھنے لگی۔ اس  
 کے ہاتھ میں بیوت تھا جس سے وہ جھیل بدل رہی تھی۔

”بہن۔“ طلحہ نے اس کے سامنے آتے ہوئے اسے مخاطب کیا۔

”پلو۔“ یہ اٹھنا جواب آیا۔ اس کی جھیل سرنگ جاری رہی۔

”میں بیٹھ جاؤں؟“ طلحہ نے ایک بار پھر اسے مخاطب کرنے کے لیے کہا۔

”تم ہر کام میری مرضی سے تو نہیں کرتے۔ دل چاہے تو بیٹھ جاؤ۔“ نال چاہے تو بیٹھو۔“ امبر نے ہی خشک انداز  
 میں جواب دیا۔ طلحہ مسکراتا ہوا دوسرے صوف پر بیٹھ گیا۔

”تمہارا ضمیر ہو گیا؟“ اس نے ایک بار پھر امبر کو مخاطب کیا۔ وہ جواب دینے کے بجائے ایک نھرات دیکھ کر نئی دہی  
 دیکھنے لگی۔

”اب میں ضمیر کرو۔“ کافی تک کر چکی ہو تم مجھے۔“ طلحہ نے جیسے اسے ڈانتے ہوئے کہا۔ ”چلو باہر بیٹھو۔“ امبر نے ہی خشک انداز  
 میں جواب دیا۔ وہ اس کی بات پر وہی صبر دے بغیر ہی طرح نیوی دیکھتی رہی۔

”میں تم سے بات کر رہا ہوں امبر۔“ طلحہ نے بلند آواز میں کہا۔

”میں جانتی ہوں کہ تم مجھ سے بات کر رہے ہو، مگر اتنا چلانے کی ضرورت نہیں ہے۔“ امبر نے نیوی اسکرین سے  
 ٹکرتے ہاتھ اس سے کہا۔

”سوہی۔۔۔ اب نہیں چلاؤں گا۔۔۔ باہر چلیں؟“ طلحہ نے فوراً کہا۔

”قائدہ؟“ امبر نے ہی ترشی سے کہا۔

”قائدہ۔۔۔ کیا اتنے وقت گزارنا کوئی بڑا قائدہ نہیں ہے۔۔۔ میرے نزدیک تو ہے۔“ طلحہ نے کہا۔

”بہن! تم کو لگا کہ طلحہ۔۔۔ تمہارے نزدیک اگر میرے ساتھ وقت گزارنے کی کوئی اہمیت ہوتی تو ہم دونوں کے  
 دہن پر کھڑا کی نہ ہوتا۔۔۔ کیونکہ تم بھی اس طرح مجھے انتقاد نہ کروا تے۔ اور اب تم مجھے قائدہ کہتا ہے۔ ہاں دونوں  
 کے ساتھ رہنے کے۔“ اس نے ریوٹ سے نیوی آف کرتے ہوئے کہا۔

”تمہارا ضمیر کے لیے مفرت کر چکا ہوں۔ تم چاہو تو دوبارہ کرنے پر تیار ہوں۔ ایسا دوبارہ بھی نہیں ہوگا۔“ طلحہ  
 نے کہا۔

امبر اسے گھورتی رہی۔ "میں انتھارہ پر یقین نہیں رکھتی ہوں میں انتھارہ کری نہیں سکتی اس سے زیادہ اہمیت تھی اور کسی چیز سے نہیں ہے اور تم یہ بہت اچھی طرح جانتے ہو۔"

"میں جانتا ہوں اور میں معذرت کر "امبر نے اس کی بات کاٹ دی۔"

"معذرت کا کوئی فائدہ نہیں ہوتا اتفاقاً کام ہوتا ہے یہ۔"

"تو پھر تم بتاؤ میں کیا کروں؟" گلہ نے کچھ بے بسی سے کہا۔

"میں صرف یہ چاہتی ہوں گلہ کہ اگر تم میرے لیے دنیا میں سب سے اہم آدمی ہو تو تمہارے لیے بھی مجھے سب سے اہم ہونا چاہیے۔" امبر نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"تم میرے لیے بہت اہم ہو امبر۔" گلہ نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

"بہت اہم نہیں سب سے اہم "امبر نے اس کے ہنسنے میں صحیحی۔"

"سب سے اہم۔" گلہ نے اس کا صحیح شدہ جملہ دہرایا۔

"میں تمہارے لیے کچھ بھی چھوڑ سکتی ہوں کچھ بھی کسی دوسری شے کو اہمیت نہیں دیتی میں تمہارے سامنے؛

صبر بھی تو ہیں تو نہ پوچھیے۔"

"تجربے میں "نہ دہن دار ہوں گا۔ اب چلیں۔" گلہ نے کہا۔

موت نے اڑن گھنٹے کے بعد صبر اور امبر کو باہر نکلنے دیکھا۔ امبر گلہ کی کسی بات پر نہیں رہی تھی۔ بلکہ صبر اور صبر میں ملنے لگتے تھے۔ ان میں بہت سے نئے نئے ہونے خوبصورت چمکدار بالوں کو جھکتے پانچ فٹ سات انچ کی ہائیت کے ساتھ ان کے پورے بدن میں موجود ہر خوبصورت شے کو دھندلا دیا تھا۔ ان کے گالوں میں چڑنے والے ڈھنگ اور اس کے کانوں میں موجود چھوٹے چھوٹے ایئر ٹیگز ایک دوسرے کو پوری طرح مات دینے کی کوشش میں مصروف تھے۔ دونوں کی ہنسنے اور خوبصورت بے مثال تھی۔

صبر نے امبر کو رشک بھری نظروں سے دیکھا۔ وہ واقعی اس قابل تھی کہ اس طرح چاہا اور سراہا جاتا۔ اسے امبر کی پسینہ ہونے پر غر محسوس ہوتا تھا۔ خاص طور پر جب وہ اس کے ساتھ کہیں جاتی اور لوگ اس کو نہ جانتے کے باوجود بھی اس پر غر مزہ مڑا کرتے۔ پھر جہاں جہاں وہ جاتی۔ وہ نظریں اس کا تھقب کرتی رہتیں سروشیاں کی جاتیں اور کئی بار صبر کو سروشیاں تک بھی جتی۔

امبر پر واقعی سب کچھ جاتا تھا۔ فخر و غر۔ ہر چیز۔ اس پر کچھ بھی برا نہیں لگتا تھا۔ وہ اپنی خوبصورتی کو ایک Casual تھی جس کی بعض دفعہ صبر کو حسرت ہوتی۔ بہت سی دوسری خوبصورت لڑکیوں کی طرح وہ ہر وقت اپنے آپ کے اندر کو متلاشی نہیں رہتی تھی۔ اگرچہ وہ اپنی ہر شے پر حسرت سے زیادہ دھیان دیتی تھی مگر اس کی وہ اپنی خوبصورتی کا احساس ہونے سے زیادہ اس کا نظری طور پر پینٹسٹ ہوتا تھا۔ وہ ہر چیز میں غیر معمولی تھی اور اس حقیقت سے واقف ہونے کے باوجود وہ کسی خفا کا شکار نہیں ہوتی تھی۔

صبر نے دونوں کو گزرتی میں بیٹھ کر باہر جاتے دیکھا اور اس کے چہرے پر ایک اطمینان بھری مسکراہٹ چمکی تھی۔ "جانتی تھی وہ بھی پر امبر کا سوا بہت اچھا ہوگا۔"

☆ ☆ ☆

صبر و صبر کے ہندو امبر کے باوجود کھانے تک کے لیے نہیں رہیں اور ایک سمٹنے وہاں گزارنے کے بعد وہاں سے چلی گئی مگر ان سے جاننے کے بعد صبر و صبر کا سوا انتہائی غراب ہو چکا تھا۔ منصور علی نے آئے تب وہ یہاں یہاں سے لوگوں کو دلتا دلتا پتہ امبر کی رہیں اور جیسے منصور علی آئے۔ انہوں نے فوراً منورہ کا نام لے لیا بغیر ان کی بتائی ہوئی تمام باتوں ان سے کون سا نہ نہ۔ منصور کو ان کی بات پر یقین نہیں آیا۔

تھی جس میں، چند برائی لکھی گئی تھیں۔ یہ ضرور کسی نے جھوٹ دیا ہے۔" انہوں نے خیزو سے کہا۔  
 "تو یہ سب کچھ جھوٹ ہے تو میں کسی سے سب کچھ آپ تک نہ پہنچاتی مگر یہ جھوٹ نہیں ہے۔" خیزو نے کہا۔  
 "مگر یہ تو میرے ساتھ ہے، اور خاص طور پر اب جب، نصیحتی ہونے والی ہے۔"

خیزو نے کہا: "مگر خاص طور پر اب جب، نصیحتی ہونے والی ہے۔" خیزو نے کہا۔  
 "تو یہ سب کچھ کی جنت ہے، آپ کا سب سے ساروں میں ان کے حوائج اور نصرت کا تو اعزاز ہو ہی گیا ہو گا۔"

خیزو نے کہا: "تو یہ سب کچھ کی جنت ہے، آپ کا سب سے ساروں میں ان کے حوائج اور نصرت کا تو اعزاز ہو ہی گیا ہو گا۔"

خیزو نے کہا: "تو یہ سب کچھ کی جنت ہے، آپ کا سب سے ساروں میں ان کے حوائج اور نصرت کا تو اعزاز ہو ہی گیا ہو گا۔"

خیزو نے کہا: "تو یہ سب کچھ کی جنت ہے، آپ کا سب سے ساروں میں ان کے حوائج اور نصرت کا تو اعزاز ہو ہی گیا ہو گا۔"

خیزو نے کہا: "تو یہ سب کچھ کی جنت ہے، آپ کا سب سے ساروں میں ان کے حوائج اور نصرت کا تو اعزاز ہو ہی گیا ہو گا۔"

خیزو نے کہا: "تو یہ سب کچھ کی جنت ہے، آپ کا سب سے ساروں میں ان کے حوائج اور نصرت کا تو اعزاز ہو ہی گیا ہو گا۔"

خیزو نے کہا: "تو یہ سب کچھ کی جنت ہے، آپ کا سب سے ساروں میں ان کے حوائج اور نصرت کا تو اعزاز ہو ہی گیا ہو گا۔"

خیزو نے کہا: "تو یہ سب کچھ کی جنت ہے، آپ کا سب سے ساروں میں ان کے حوائج اور نصرت کا تو اعزاز ہو ہی گیا ہو گا۔"

خیزو نے کہا: "تو یہ سب کچھ کی جنت ہے، آپ کا سب سے ساروں میں ان کے حوائج اور نصرت کا تو اعزاز ہو ہی گیا ہو گا۔"

"بھری بیٹیاں انہیں اتنی بری لگتی ہیں تو فتح کرویں یہ دہشتے... اس ڈھونگ کی کیا ضرورت ہے۔" بھونکی بیٹی نے لے رشتوں کی کہ نہیں ہے، اس گھر میں تو میں انہیں کبھی نہیں سمجھوں گا جہاں ان کے بارے میں پہلے ہی اس طرف سے سنا گیا ہے۔

"میں نے آپ کو یہ سب اس لیے بتایا ہے کہ آپ ان لوگوں سے بات کریں۔" خیزہ نے منصور علی سے کہا۔  
"میں کبھی شبانہ بھانگی سے بات کرتا ہوں۔" دیکھنا ہوں، وہ کیا کہتی ہیں۔" منصور علی نے کہا مگر چہرہ پر ہنسندگی کے عالم میں سر ہٹایا۔

"خیزہ نے حضور سے کہا۔" خیزہ نے حضور سے کہا۔" خیزہ نے حضور سے کہا۔" خیزہ نے حضور سے کہا۔" خیزہ نے حضور سے کہا۔

"مسعود بھائی سے میں بعد میں بات کروں گا۔ پہلے تو شبانہ بھانگی سے ہی بات کرنی چاہیے۔"  
"اور اگر شبانہ نے صرف انکار کر دیا کہ اس نے ایسی کوئی بات کہی ہی نہیں اور میں خود بھی بھولی ہے تو؟" خیزہ نے پھر یہ انداز میں کہا۔

"اگر انہوں نے ان تمام باتوں سے انکار کر دیا تو میں انہیں آپ کا حوالہ دوں گا بلکہ آپ سے آگے سنا سکتا کروں گا۔" پھر تو وہ بات نہیں کر سکی۔" منصور علی نے قدرے جوش سے کہا۔

"اب خدا کے بے آپ کا نام تو ان کے سامنے مت لیں۔ آپ نے مجھے خاص طور پر منع کیا ہے، میں کا خیال ہے کہ یہ طرف بات نہ ہو جائے گی اور وہ بات بلا حاشیہ نہیں چاہئیں۔ وہ کبہر ہی نہیں کہ شبانہ پہلے ہی ہر وقت ان سے یہ شکایت کرتی ہے کہ وہ بھری اور بھری بیٹیوں کی صحبت کرتی ہیں اب اسے یہ چاہیے کہ میں نے کوئی بات تم لوگوں تک پہنچائی ہے تو شبانہ ناراض ہوگی۔" خیزہ نے تعظیم بتائی۔

"آپاؤ خود بخود ہونے کی کیا ضرورت ہے۔ شبانہ بھانگی ناراض ہوتی ہیں تو ہو جائیں۔" منصور علی نے لاپرواہی سے کہا۔  
"انہیں صرف یہ غصہ ہے کہ ہم دونوں لیمیلو کے درمیان ان کی وجہ سے اختلاف پیدا ہو جائے، وہ کبھی ہنسی، سارے خاندان میں ان کے بارے میں بھی شبانہ باتیں کرتی پھرے۔" خیزہ نے کہا تو منصور علی نے ان کی بات مانے ہوئے کہا۔

"نیک ہے، میں آپ کا نام نہیں لیتا مگر بات تو میں شبانہ بھانگی سے ہی کروں گا۔"  
"آپ آفر مسعود بھائی سے بات کرتے ہوئے اتنا ڈر کیوں رہے ہیں؟" خیزہ نے کہہ چڑ کر کہا۔ "آپ مسعود علی سے بات کریں اگر آپ ان سے بات نہیں کریں گے تو میں خود کروں گی۔"

"نیک ہے، میں مسعود بھائی سے ہی بات کر لیتا ہوں۔" کہو وہر کی خاموشی کے بعد منصور علی نے خیزہ سے کہا۔  
"اور تم سب کو ہر ہر روزوں کو صبح کو 10:00 نہ تو حلو اور اسامہ سے میں نہ ہی ان کے فون ریسیو کریں۔" منصور علی نے سخت لہجے میں خیزہ سے کہا۔ "اور تم ان دنوں کو یہاں بھی مت آنے دو۔"

"آپ کے کہنے سے پہلے ہی میں سب کو ہر روز اور ہر سے اس سلسلے میں بات کرتی ہوں... مگر تو خود بہت ناراض ہوئی تھی۔" خیزہ نے منصور علی سے کہا۔ "اور تو خود شبانہ بھانگی سے بات کرنا چاہتی تھی مگر میں نے منع کر دیا کہ خود کو کوئی اور جگہ نہ جانا اور ہانے آپ شبانہ بھانگی کی لگائی بھانگی والی بات کو تو ابھی طرف سے جانتے ہیں۔"

"پہلے تو شبانہ بھانگی نے کہا تھا مگر اب بہت اچھی طرح جان گیا ہوں۔" منصور علی بڑبڑا۔



"تو خیزہ نے حضور مجھے ان تمام باتوں کے بارے میں بتا دیا تھا۔"  
منصور علی نے اچھے اچھے لہجے میں کہا ہاتھ ہی مسعود علی سے اس سلسلے میں بات کی تھی اور شبانہ کی بھی ہوتی ہاتھ ان سے



”آپ سے کس نے کہا کہ میں پریشان ہوں۔ میں بالکل بھی پریشان نہیں ہوں۔۔۔ پریشان تو میں جب ہوں گا تب آپ کے گھر میری بیویاں چلی جائیں گی۔ ابھی تو وہ اپنے باپ کے گھر میں ہیں۔ میں کوری ہیں۔ ابھی مجھے کیا پریشان ہے۔“ منصور نے ان کی بات کاٹ کر بہت تیز اور بلند آواز میں کہا۔ مسعود علی کچھ دیر کچھ بھی نہیں بول سکے مگر وہ ایک دم اٹھ کر کمرے ہو گئے۔

”میں گھر جا رہا ہوں۔ ابھی شبانہ سے بات کرتا ہوں۔ پوچھتا ہوں اس سے کہ اس نے ایسی کجیاں کیوں کی ہے اور تم سے میں بہت معذرت چاہتا ہوں۔“

”بھائی جان! آپ کی معذرت سے کیا ہوگا۔ آپ نے کچھ کہا نہیں تو آپ معذرت کیوں کر رہے ہیں۔ اور میں ویسے بھی معذرتوں پر یقین رکھنے والا آدمی نہیں ہوں۔ یا تو بندہ غلط کام کرے یا اور اگر کرے تو پھر اپنی عقلی تقسیم کرے اور معافیاں مانگنے کے بجائے آئندہ وہ غلطی بھی نہ دہرائے مگر چونکہ صرف معافیاں مانگتے رہتے ہیں۔ وہ اپنی غلطیاں دہرا رہے ہیں۔ بارہ بھی دہراتے ہیں، اس لیے آپ معافی وغیرہ نہ مانگیں صرف شبانہ کو ابھی کہہ کے لیے ایسی باتوں سے منع کر دیں۔ کیونکہ آئندہ میں نے ایک بھی ایسی بات کسی کے منہ سے سنی تو میں یہ تمام معاذ ختم کرنے میں دیر نہیں لگاؤں گا مجھے اپنی اولاد بہت پیاری ہے اور یہ بات آپ کو معصوم ہوتی چاہیے۔“

اس بار منصور بھی نے قدرے لفظے انداز میں بات کی مگر ان کے لہجے میں وہی سرد مہری تھی۔ مسعود علی نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا بلکہ کسی قدر برہمی کے عالم میں کمرے سے نکل گئے۔

☆ ☆ ☆

”تم اپنی زبان پر آخر قہر کیوں نہیں رکھ سکتیں؟“ مسعود علی دھما رہے تھے۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی آفس سے آئے تھے طوفان کے ساتھ تھا اور وہ دونوں باپ بیٹے خاصے فٹے میں تھے۔

”تمہاری وجہ سے چھوٹے بھائی کے ہاتھوں آج میری سچی بے لوثی ہوئی ہے۔ تمہیں اس کا احساس ہے۔“ شبانہ کے حواس صاف طور پر مظنون ہو رہے تھے۔ ان کا رنگ بھی اڑا ہوا تھا کیونکہ مسعود علی نے آکر انہیں جو باتیں بتائی تھیں ان میں سے کچھ باتیں وہ اگرچہ منصور بھی کے گھر والوں اور امیر اور صہبہ کے بارے میں کہتی رہی تھیں مگر زیادہ باتیں ایسی تھیں جن کا انہیں کچھ پتا نہیں تھا جس نے بھی ان کی باتوں کو آگے پہنچایا تھا، اس نے ہر بات کو بڑھا چڑھا کر بتایا تھا اور اب شوہر اور بیٹے کے تہہ انہیں پریشان کر رہے تھے تو ساتھ ساتھ یہ سوچ کر بھی ان کی مٹی تم ہو رہی تھی کہ یہ تمام باتیں خیزہ اور منصور تک پہنچی چکی ہیں۔

”منصور! مجھے تو سر سے پتا ہی نہیں کہ یہ باتیں خیزہ اور منصور تک کس نے پہنچائی ہیں، میں نے ایسا کبھی کچھ بھی نہیں کہا۔“ وہ ہلکاتے ہوئے اپنی منہ پائیاں دینے کی کوری تھیں۔

”بھوت مت ڈرو، کبھی بار تو تم نے میرے سامنے خیزہ اور امیر کے بارے میں ایسی باتیں کی ہیں اور میں نے جسے سنا بھی یہ ہے۔“ مسعود علی نے درختی سے کہا۔

”جو بھی کہتا ہے آپ سے کہتا ہے مگر یقین کریں، میں نے کسی دوسرے سے آج تک کچھ نہیں کہا اور میں آخر ایسا کچھ نہ بولوں گی، میں بے خوف تو نہیں ہوں۔“

”بے خوف ہو جائیں مگر تم نے میرے لیے خاصی مشکلات کھڑی کر دی ہیں۔ منصور تو اسنے فٹے میں تھا کہ دو رشتہ ختم کرنے کا حکم ہوا تھا۔“ مسعود نے غمی سے کہا۔

”پاپا! یہ باتیں نہیں سننے ان لوگوں نے ہمارے میں کی ہیں، وہ کوئی بھی سننے کا تو اہل منصور کی طرح ہی رہی ایک کمرے کا۔“ اور پھر نے منہ میں ہر اہل کی۔





تہاڑی ماں کے انتہائی اسے، جو تہاڑی ماں کی فطرت وہی ذکیہ کی فطرت اسے تو اس طرف کی بات کی کہ چنانچہ  
بڑی خوشی ہوئی ہوگی۔ "مسوہی نے اس بار بکھرے انداز میں کہا۔

"آپ لوگ جتنی بے لڑائی بھری کرنا چاہتے ہیں کر لیں پہلے میں آپ کو ہر ایک وہی قسمی اب بھاری غصے سے کہنے کی۔  
"شبانہ نے پوچھتے ہوئے کہا۔

"بہن چاہے لڑائی کریں گے تہاڑی، بے لڑائی تو وہ ہے جو مسوہی نے بھری کی ہے۔ تم کر سکتی ہو مسوہی کا 700  
مسوہی نے کہا۔

"ہاں کر سکتی ہوں ان کا سامنا جب میں نے کوئی بات ہی نہیں کی تو مجھے کوئی خوف بھی نہیں ہے۔" شبانہ  
بڑے دھڑلے سے کہا۔

"تم جانتی ہو اگر مسوہی نے تہاڑی جو سے یہ دونوں رشتے ختم کر دیے تو کیا ہوگا؟"  
"کیا ہوگا؟"

"میں اور تہاڑی نے جینے جینوں سڑک پر چڑے ہوں گے۔ وہ صحن سے پانی کی طرف نکال کر میں جھینگی سے پانی  
وہ گاؤں کے ساتھ ہی یہ سارے پیش بھی ختم ہو جائیں گے۔ پھر تم اپنی چنگی کی طرح چھنے والی زبان کا ٹیڑھا ٹیڑھا ٹیڑھا  
کی سر نہروے رہو ساتھ ساتھ ہم بھی جھینگیں گے۔" مسوہی نے غصے سے کہا اس بار شبانہ چپ رہیں۔

"اکی نو ان بات کی کچھ ہوا۔ اور رات خراب ہو ان کی بات سے ان کے لیے تو بس اتنی ہی کافی ہے کہ خبر  
نے وہیوں کی ہے لڑائی کرنی تھی وہ کرنی۔" گلشن نے باپ کی بات میں تھم دیا۔

"ہاں تو ابھی بھی تمہارے ہاتھوں نے جو کچھ ہوا ہے تمہیں شرم نہیں آئے گی؟"  
"تو اب تو ابھی تو ابھی باتیں کرتے ہوئے شرم آتی چاہیے کہ جس پر بعد میں معافی مانگنے کی فریفت آئے۔" گلشن نے  
پرتک کہا۔

"تم پر پہلے ہی ابھی اور ان کی ماں کا اتنا ٹرپے تو بعد میں خیر کرنا گئے۔ مجھے تو اچھے دے کر گھر سے نکال دیا۔  
شبانہ نے جینے پر گلشن۔

"آپ نے سنا پایا یہ باہل وہی بات ہے جو مسوہی نے آپ کو ان کے ہونے سے بتائی تھی کہ اکی نو ان کی خبر  
اور شبانہ نے میرے جہاں کو ابھی بھی میں کر رکھا ہے وہ ان کی بات سنتے ہی نہیں اور پھر بھی اسی بار بار یہ کہہ رہی ہیں کہ  
میں نے اکی نو کی بات کی ہی نہیں۔" گلشن نے باپ کی طرف اشارے سے ہنستے ہوئے کہا۔ "پھر میں ابھی مجھ  
کہوں تو اور کیا کہوں۔" شبانہ اس کی بات پر ہنسنے لگی۔

"تم دونوں آفراب مجھ سے پوچھتے کیا ہو؟" انہوں نے ہنسنے سے انہی کے ماں میں ان سے کہا۔

"تم پوچھتے ہیں وہ پوچھنے ہی تاکتے ہیں۔ میرے ساتھ مسوہی نے گھر چلا اور اس سے معذرت کرو۔" مسوہی نے  
شبانہ کی طرف سے کہا۔ "یہ پھر میں یہ رشتے ختم کرو جائوں۔ میں تو اب مسوہی کا سامنا نہیں کر سکتی۔"

"اب پوچھتے ہیں آپ یہ رشتہ ختم کریں دیں۔ اکی نو اس طرف کی باتوں کے بعد باقی تو پھر وہی نہیں چاہتے  
میں وہیوں کی ماں میں زبان لالی۔

"شبانہ نے پوچھا تھا۔ یہ میری نہیں سب بھوکا ہے ہاتھ سے اٹھا ہوا محسوس ہونے لگا۔ ہرے خانہ میں  
میں نے اس سے ان کی ایسا سا ہنسی کی تھی، انہیں وہ لڑائی ہوئی نظر آنے لگی۔ اور مسوہی سرف سرف سا کہتی تھی تو ابھی  
پھر وہی اپنا ہاتھوں سے اور وہ پوچھتا تھا کہ آنے کا جو سہرا اور ابھر کے ہنسنے کی صورت میں ان کے گھر کی زینت بنے اور  
فریب سے انہیں دیکھتا تھا۔

"میں نے انہیں دیکھا ہے، تو میں مسوہی نے تمہارے ہاتھوں سے کہا۔" شبانہ نے بھوکا ہونے کی خاموشی سے یہ

تبدیل خبر کرتے ہوئے کہا۔ "صبر وہاں جانا ہی نہیں، جسبب معذرت بھی کرنی ہے۔" مسعود علی نے انہیں یاد دلایا۔

"صبر وہاں جانا ہی نہیں، جسبب معذرت بھی کر لوں گی۔ حالانکہ میں نے۔۔۔" طلحہ نے ان کی بات کاٹ دی۔

"جب چاہی ہوں تو معذرت بھی کر لوں گی۔ بس اتنا ہی کافی ہے کہ آپ وہاں جا کر ان سے اپنے رویے اور

"ہی! اب آپ پھر وہی راہ لانا شروع مت کریں، بس اتنا ہی کافی ہے کہ آپ وہاں جا کر ان سے اپنے رویے اور

ہاں کے لیے معذرت کریں اور آئندہ کسی شکایت کا موقع نہ دینے کے بارے میں یقین دہانی کروادیں۔" طلحہ نے ماں کی

بات گتے ہوئے بے روی سے کہا۔

صبر میری آپ سے درخواست ہے کہ آئندہ آپ ایسی کوئی بات نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ اگر مجھے اپنی بیوی کی کسی

صبر میری آپ سے درخواست ہے کہ آئندہ آپ ایسی کوئی بات نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ اگر مجھے اپنی بیوی کی کسی

بات نہ ہو تو اعتراض نہیں ہے تو آپ اعتراض کرنے والی کون ہوتی ہیں دو چیز چھینے یا شوار نہیں یہ میرا اس کا مسد ہے

آپ ان میں داخل انداز ہی کیوں کر رہی ہیں اور اگر ہم دونوں مل رہے ہیں تو بھی یہ ہمارا مسد ہے آپ کو اس کے پارے میں

پہنچانے کی ضرورت نہیں۔"

صبر میری آپ سے درخواست ہے کہ آئندہ آپ ایسی کوئی بات نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ اگر مجھے اپنی بیوی کی کسی

صبر میری آپ سے درخواست ہے کہ آئندہ آپ ایسی کوئی بات نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ اگر مجھے اپنی بیوی کی کسی

صبر میری آپ سے درخواست ہے کہ آئندہ آپ ایسی کوئی بات نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ اگر مجھے اپنی بیوی کی کسی

صبر میری آپ سے درخواست ہے کہ آئندہ آپ ایسی کوئی بات نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ اگر مجھے اپنی بیوی کی کسی

صبر میری آپ سے درخواست ہے کہ آئندہ آپ ایسی کوئی بات نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ اگر مجھے اپنی بیوی کی کسی

صبر میری آپ سے درخواست ہے کہ آئندہ آپ ایسی کوئی بات نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ اگر مجھے اپنی بیوی کی کسی

صبر میری آپ سے درخواست ہے کہ آئندہ آپ ایسی کوئی بات نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ اگر مجھے اپنی بیوی کی کسی

صبر میری آپ سے درخواست ہے کہ آئندہ آپ ایسی کوئی بات نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ اگر مجھے اپنی بیوی کی کسی

صبر میری آپ سے درخواست ہے کہ آئندہ آپ ایسی کوئی بات نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ اگر مجھے اپنی بیوی کی کسی

صبر میری آپ سے درخواست ہے کہ آئندہ آپ ایسی کوئی بات نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ اگر مجھے اپنی بیوی کی کسی

صبر میری آپ سے درخواست ہے کہ آئندہ آپ ایسی کوئی بات نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ اگر مجھے اپنی بیوی کی کسی

صبر میری آپ سے درخواست ہے کہ آئندہ آپ ایسی کوئی بات نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ اگر مجھے اپنی بیوی کی کسی

صبر میری آپ سے درخواست ہے کہ آئندہ آپ ایسی کوئی بات نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ اگر مجھے اپنی بیوی کی کسی

صبر میری آپ سے درخواست ہے کہ آئندہ آپ ایسی کوئی بات نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ اگر مجھے اپنی بیوی کی کسی

صبر میری آپ سے درخواست ہے کہ آئندہ آپ ایسی کوئی بات نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ اگر مجھے اپنی بیوی کی کسی

صبر میری آپ سے درخواست ہے کہ آئندہ آپ ایسی کوئی بات نہ ہی کریں تو بہتر ہے۔ اگر مجھے اپنی بیوی کی کسی

## آٹھواں باب

کالج میں ہونے والے سالانہ وراثتی پروگرام کی تیاری اپنے عروج پر تھی۔۔۔ مختلف آئٹمز کے لیے آڈیشن شروع ہوئے۔

تھے۔

امبر بھی اس دن اپنی فرینڈز کے ساتھ اس فیشن شو کے لیے آڈیشن دینے آئی تھی جو ان آن لائنز میں سے ایک تھا۔

”یہ تو طے ہے کہ تمہیں رکھ لیا جائے گا۔“ سونیا نے امبر کے ساتھ چلتے ہوئے تبصرہ کیا۔

”یہ تمہیں کیسے پتا؟“ امبر نے کہا۔ ”تمہیں نہیں رکھیں گے تو اور کسے رکھیں گے۔۔۔ یہ تو اوپن سیکرٹ ہے۔“ عذرا نے

سونیا کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

”ماڈلنگ Looks کے علاوہ اور بے کیا اور بات اگر Looks کی آئے گی تو پھر کم از کم اس فیشن شو میں تمہارا حصہ

کوئی نہیں کر سکتا۔“

اس بار اس کی کزن سعدیہ نے تبصرہ کیا۔ وہ سب بڑے اطمینان سے چہل قدمی کرتے ہوئے اپنے مطلوبہ کرے کی

طرف چاری تھیں۔

”بات صرف Looks کی نہیں ہے۔ کیت واک کا مسئلہ ہے، سب کے سامنے کیت واک کرنا بہت مشکل ہے۔“ امبر

نے کہا۔

”جو اس مت کرو، سستی منتوں سے تمہیں لے کر آئے ہیں اور اب تم یہاں آ کر پھر حماقت کا مظاہرہ کر رہی ہو۔“ عذرا

نے اسے ڈانٹا۔

”میں تمہیں اتنا بزدل نہیں سمجھتی تھی امبر۔۔۔! میرا خیال تھا تم میں اتنا اعتماد ہے کہ تم۔۔۔“

امبر نے کچھ چرتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔ ”بار بار اعتماد پر کیوں آجاتے ہو تم لوگ۔۔۔ یا پھر بزدلی کا راگ ادا ہے

گتے ہو، اب اعتماد بت کرنے کا واحد طریقہ یہی ہے کہ میں کیت واک کروں۔“

”تمہیک ہے اعتماد کی بات نہیں کرتے۔۔۔ تمہارا تم سارا پروگرام خراب مت کرنا۔ جب طے کیا ہے کہ سارا گروپ ان

فیشن شو کے لیے آڈیشن دے گا تو پھر سارا گروپ ہی دے گا۔“ عذرا نے مداخلت کی۔

”اور آڈیشن میں جب دھڑا دھڑا ٹیل ہوں گے تو جتنی بے عزتی ہوگی اس کے بارے میں بھی کچھ سوچا ہے۔“ امبر

کالج کی لڑکیاں نہیں گی کہ بڑا ٹیٹھی تمہیں ماڈل بننے۔“ امبر نے اپنے خدشہ کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”ٹیل اگر کوئی ہوگا تو ہم میں سے ہوگا۔ تم دیکھ لین تمہیں مسز علوی کہنے آرام سے سلیکٹ کر لیں گی۔“ سونیا نے بے

اسے تسلی دی۔

”بھری کوئی رشتہ دار تو ہیں نہیں وہ کہ بڑے آرام سے رکھ لیں اور سوچو انہوں نے رکھ بھی لیا تو فکشن والے دن تنگی

شرمندہ ہوں گی وہ جب میں دن دے پر بے ہوش ہو جاؤں گی۔“ امبر نے کہا۔



"مگر میں۔" امبر نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر سونانے اس کی بات کاٹ دی۔

"سزہ عائف سے نئے میں کیا ہرنا ہے پلے کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ تم بعد میں بھی کر سکتی ہو۔"

اس سے پہلے کہ امبر حزیہ کچھ کچی ہلنے نے سزہ عائف سے کہا۔ "کیا اب ہم چہ کچھ ہیں؟"

"ہاں بالکل۔" سزہ عائف نے اس سے کہا۔

"امبر کچھ ناراضی کے عالم میں ان کے ساتھ ہال سے باہر نکل آئی۔

"یہ فیشن شکی حد تک تو ٹھیک ہے مگر اینٹنگ میرے اس کی بات نہیں ہے کوئی ٹینٹ کا ڈیزائن نہیں چاہتا تھا۔"

جسے تم سب لوگ باہر نکلنے کی کوشش کر رہے ہو۔" وہ اب غامبی ناراض نظر آ رہی تھی۔

"تم بہت ناگہری ہو۔" سونانے جیسے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"جس میں کیسے کیسے گولڈن چائسل مل رہے ہیں کالنگ میں مشہور ہونے کے اور تم امتوں کی طرف نہیں غور رہی ہو۔"

"سزہ عائف سے نئے میں تو کوئی حرج نہیں، آخر دیکھنا تو چاہیے کہ رول ہے کیا۔"

"ٹھیک ہے جتنے ہیں، سزہ عائف کے پاس مگر میں تمہیں صاف صاف بتا دوں کہ مجھے اینٹنگ نہیں کرنی پس ہاؤس تک ہی بات ٹھیک ہے۔"

کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد امبر نے ہائی بھرتے ہوئے کہا۔

وہ سب ہال سے نکل کر ایک قریبی کمرے میں چلی گئیں، جہاں سزہ عائف ایک ڈرامے کے لیے آڈیشن لینے میں مصروف تھی۔

"میرا نام امبر منصور می ہے۔ سزہ عائف نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے۔" امبر نے سزہ عائف کے پاس جا کر اپنا تعارف کر دیا۔

سزہ عائف کے چہرے پر ایک مسکراہٹ ابھری۔ "سزہ عائف کا انتخاب بالکل ٹھیک ہے، اس خواہو اور پریٹن ہو رہی تھی۔"

سزہ عائف جہاں میں اور کچھ نہیں نے بڑے بے تکلفانہ انداز میں امبر سے کہا۔

"تم میرے ڈرامے کے ڈرامین کیریئرز میں سے ایک کا رول کر رہی ہو۔"

"مگر میڈم۔۔۔ میں اس تو ویسے ہی آئی تھی۔" امبر یک دم کچھ نرم ہو گئی۔

"تم ویسے آئی ہو یا ایسے آئی ہو، جو بھی ہے اب جس تم میرے پلے میں یہ رول کر رہی ہو۔" انہوں نے ایک اسکرپٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"میڈم! مجھے اینٹنگ۔۔۔" امبر نے کچھ کہا جا چکا مگر ہلنے نے سزہ عائف سے وہ اسکرپٹ پکڑ لیا۔ "ٹھیک ہے تمہیں۔"

"کل ٹیکل ریپورٹل ہے۔۔۔ تم دس بجے یہاں پہنچی جاؤ۔" سزہ عائف نے کہا۔

اس سے پہلے کہ امبر کچھ اور کچھ اس کی فریڈز سے تقریباً کہنے ہوئے وہاں سے لے آئیں۔ وہ سب کمرے کے دروازے سے قریب پہنچی گئی تھی جب انہوں نے دو لڑکیوں کو کمرے کے اندر داخل ہوتے دیکھا۔

ان میں سے ایک لڑکی بہت عاصفہ تھی۔ عاصفہ تو ہونے کے علاوہ بہت خوبصورت بھی تھی۔ امبر اور اس کا گروپ چند لمحوں سے بے لطف کیا تھا، ان دونوں لڑکیوں کی نظر بھی امبر پر تھی چند لمحوں تک ایک دوسرے کو دیکھتے رہنے کے بعد وہ دونوں لڑکیاں امبر کے دائیں طرف سے ہوتی ہوئی سزہ عائف کی طرف چلی گئیں۔ امبر اور اس کی تمام فریڈز نے لاشعوری طور پر

مگن موز کر رہی، دونوں کا تعلق کیا پھر وہ سب کمرے سے نکل گئیں۔

امبر کی آنکھوں میں دلچسپی اور ہلچل ہوئی تھی۔ کمرے سے باہر نکلنے ہی اس نے سونانے سے کہا۔

"یہ تو تھی؟"

خوبصورت

بے بسی ہنسی اور ہلکا سا ہنسی ہوں۔ "سونیا کی آواز میں بھی سناٹا تھا۔  
 لگتی تھی بہت خوبصورت تھی، میں نے بہت لمبے کے بعد اس طرف کی خوبصورتی دیکھی ہے یا اب تک تو اس نے  
 ابھی ابھی گراہاں پہنچے ہوئے کھلے دل سے اس کی تعریف کی۔  
 ابھی ابھی گراہاں پہنچے ہوئے گراہاں کی۔ "ہص نے امیر کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔  
 سونیا نے ہنسی سے سنا لیا، واقعی اس قابل نہیں ہے کہ آدھ گھنٹہ اس کے بارے میں بات کی جائے۔" امیر نے  
 صدمہ پایا۔

ایسا کہنے والی بات ہے۔ لڑکی واقعی بڑی خوبصورت تھی۔ میں تو خود اس سے نظریں نہیں جٹاتا تھی۔  
 ہونا میرے لفظ کرتے ہوئے کہا۔  
 سونیا نے ہنسی سے کہا۔ "اس کی کمر دیکھی تھی، امیر اخیال ہے میری کمر سے بھی ایک لمبی تھی ہوگی۔" امیر نے کہا۔  
 "ابھی ابھی اس کمرہٹ کو بھی دیکھ نہیں، جو اندر سے لے کر آئے تیرا۔" سونیا نے مدالیت کرتے ہوئے کہا۔  
 وہ اس سے اس کمرہٹ کو بھول گئے تھے۔  
 "ابھی ابھی اس کمرہٹ کو بھول گئے تھے۔" امیر نے ایک بار پھر شروع کرنے کی کوشش کی۔  
 "ابھی ابھی اس کمرہٹ کو بھول گئے تھے۔" امیر نے ایک بار پھر شروع کرنے کی کوشش کی۔  
 "ابھی ابھی اس کمرہٹ کو بھول گئے تھے۔" امیر نے ایک بار پھر شروع کرنے کی کوشش کی۔

تیرے پاس...  
 تیرے پاس میں ابھی تک ہنس رہا ہے بلکہ ابھی کہتا جا رہا ہے کہ کھوہا پیمانہ اور نکلا چوہا۔" سونیا نے اپنی ہنسی پر توراہ پاتا  
 سونیا نے ہنسی سے کہا۔ "ابھی ابھی اس کمرہٹ کو بھول گئے تھے۔" امیر نے ایک بار پھر شروع کرنے کی کوشش کی۔  
 "ابھی ابھی اس کمرہٹ کو بھول گئے تھے۔" امیر نے ایک بار پھر شروع کرنے کی کوشش کی۔  
 "ابھی ابھی اس کمرہٹ کو بھول گئے تھے۔" امیر نے ایک بار پھر شروع کرنے کی کوشش کی۔

ابھی ابھی اس کمرہٹ کو بھول گئے تھے۔  
 "ابھی ابھی اس کمرہٹ کو بھول گئے تھے۔" امیر نے ایک بار پھر شروع کرنے کی کوشش کی۔  
 "ابھی ابھی اس کمرہٹ کو بھول گئے تھے۔" امیر نے ایک بار پھر شروع کرنے کی کوشش کی۔  
 "ابھی ابھی اس کمرہٹ کو بھول گئے تھے۔" امیر نے ایک بار پھر شروع کرنے کی کوشش کی۔

ابھی ابھی اس کمرہٹ کو بھول گئے تھے۔  
 "ابھی ابھی اس کمرہٹ کو بھول گئے تھے۔" امیر نے ایک بار پھر شروع کرنے کی کوشش کی۔  
 "ابھی ابھی اس کمرہٹ کو بھول گئے تھے۔" امیر نے ایک بار پھر شروع کرنے کی کوشش کی۔  
 "ابھی ابھی اس کمرہٹ کو بھول گئے تھے۔" امیر نے ایک بار پھر شروع کرنے کی کوشش کی۔

"تو پھر وہ لڑکی کون سا رول کرے گی؟" امبر نے پھر سوچے ہوئے کہا۔

"سنووائٹ سے کم کا تو کوئی رول Deserve نہیں کرتی۔"

"مگر سنووائٹ کا رول تو سزا کا کف تم سے کروانا چاہتی ہیں۔" سونیا نے اسے یاد کروایا۔

"ہو سکتا ہے، جب تک انہوں نے اس لڑکی کو دیکھا ہی نہ ہو اور اسے دیکھنے کے بعد اب وہ اچھا چاہسے یا بچہ جی ہوں۔ تم نے دیکھا ہے وہ لڑکی میرے بعد گئی تھی۔" امبر نے اپنا خیال ظاہر کرتے ہوئے کہا۔

"تم بلا لنگ وغیرہ کو چھوڑو، تم یہ پنے کرو۔ میری پھنسی جس کبر رہی ہے کہ یہ پنے بہت کا سیلاب ہو گا۔"

سعدیہ نے امبر کو مشورہ دیا۔ "ہاں میرا بھی یہی خیال ہے۔ بعض وقت اس طرح کی سیدگی سادی جتنی آؤ پھر بہت اچھا تاثر چھوڑتی ہیں۔ بلا لنگ کو چھوڑو، تم یہ پنے ہی کرو۔" حصار نے سعدیہ کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"جیب لوٹ ہو تم۔ کبھی مجھے ایک جج کے لیے تیار کرتے ہو کبھی دوسری کے لیے۔" امبر نے برلاٹے ہوئے کہا۔

"میں فیشن شو کو چھوڑوں گی تو سز سٹولی سنتا ہر ارض ہوں گی۔"

"سز سٹولی کی بات چھوڑو، وہ ہر ارض ہوں گی پھر خود ہی ٹھیک ہو جائیں گی۔" سونیا نے مسئلہ کا حل پیش کرتے ہوئے کہا۔

"تم انہیں بتا دیا کہ تم دو آئٹمز پر توجہ دے کر فکس نہیں کر سکتیں۔ دو تمہارا مسئلہ سمجھ جائیں گی، آخر انہوں نے خود ہی تمہیں اس

رول کے لیے بھجوا تھا۔"

وہ سب اس سرے کے باہر کورینڈور میں کھڑی تھیں اور بلند آواز میں گفتگو کر رہی تھیں۔ اس دوران کمرے سے وہی دونوں لڑکیاں باہر نکل آئی تھیں۔ ایک بار پھر ان سب میں نظروں کا تبادلہ ہوا پھر وہ کورینڈور سے نکلے ہوئے وہاں سے چلی گئیں۔

"مجھے سنا ہے، اسے کوئی رول نہیں ملے۔" امبر کی توجہ بنت گئی۔

"تمہیں کیسے پتا؟" سونیا نے کہا۔

"اس کے ہاتھ میں اسکرپٹ کی کوئی کاپی نہیں تھی۔" امبر نے کہا۔

"ملتا چاہے تھا اسے رول۔ یاد اسے ملنا چاہیے تھا۔" امبر کو جیسے انہوں ہوا تھا۔

"تمہیں اس سے اتنی بھدروں کیوں محسوس ہو رہی ہے۔ اپنے رول پر تم دور رہی ہو اور اس کے لیے تمہارے دل میں بھدروں کے طوفان اٹھ رہے ہیں۔" سونیا کو امراض ہوا۔

"خوبصورتی ہمیشہ اسے متاثر کرتی ہے۔"

حصار نے امبر کو دیکھتے ہوئے مسکراتے ہوئے کہا۔ "یہ بھدروں بھی اسی وجہ سے ہے۔"

"تم جو چاہے کہو، میں اس لڑکی سے متاثر ہوئی ہوں اور میں یہ بات کیوں چھپاؤں۔" امبر نے بے دھڑک انداز میں کہا۔

"ہو سکتا ہے وہ بھی تمہیں دیکھ کر اسی طرح متاثر ہوئی ہو۔" سونیا نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "تمہاری طرح وہ بھی اپنی

نظر نہ تمہارے چہرے سے ہٹا نہیں پار رہی تھی۔"

امبر کچھ کہنے کے بجائے ٹھٹھکا کر ہنس پڑی۔

"اچھا چہرہ اب یہاں کھڑے ہو کر زمانے کے قصبے پڑھنے کے بجائے کوئی کلاس لے لی جائے تو بہتر ہے۔" سعدیہ

نے ان کی گفتگو کے دوران مداخلت کی۔

"اب کلاس لینے کا کیا فائدہ۔ سز نیلوفر کا ہی بیٹا شروع ہو چکا ہے اور کلاس میں آ جانے کے بعد وہ کسی کو اندر آنے نہیں

دیتا۔" حصار نے اپنی لڑکی پر ایک نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

"چاہے خود وہ آدمی کھڑے لیٹ آئیں مگر کسی اسٹوڈنٹ کا پانچ منٹ بھی لیٹ آنا گوارا نہیں کر سکتیں۔ منقذت کی

ہے یہ جگہ۔" امبر نے پتہ خاطر سے کہا۔



"ان بچے تو میری بارہ ماہ کا جو جم تک کریں گے۔" سعد نے جیسے اعلان کیا۔  
 "کئی فرق تو کیا ہے؟" اس کی کلاس میں چلے جانے سے کون سا ادارے علم میں کوئی قابل قدر اضافہ ہو گا ہے

منہ جانے سے نفرت آجائے گی۔" سعد نے کہا۔  
 "وہ تو کوئی دوسرا نہیں لگا سکتا۔" سعد نے جیسے یاد دہانی کروائی۔  
 "مگر ایڈمیشن میں تو فرق ہے؟" اس کی کلاس کی باقی نیچے زنی پر وہ نہیں ہے قصہ۔ صرف سز  
 "ختم کی ۲۰۱۱ اسٹانٹ ہو۔ جس میں تو بیٹھ کر رہتی ہے، ان کی کلاس کی باقی نیچے زنی پر وہ نہیں ہے قصہ۔ صرف سز  
 "یاد دہانی یاد دہانی ہی نہیں۔" سونیا نے کچھ مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔ سعد نے جواب دینے کے بجائے اس کے  
 لہجے پر مہارت سے ہنسنے اور اس سے چٹا شروع کر دیا۔ باقی سب نے اس کی ہنسی کی۔

☆☆☆

میرا دوسرا دن نہ چاہے ہوئے بھی ریفریل کے لیے پہنچی تھی تھی اور وہاں جاتے ہی ایک بار پھر اس کا سامنا ہی تھی  
 سے۔ وہ آج اس سے پہلے وہاں موجود تھی اور ایک اسکرپٹ ہاتھ میں لیے ایک کونے میں بیٹھی ڈیپلائنگ ڈیوائس میں مصروف  
 تھی۔ میرے ساتھ صرف سونیا تھی اور میرے کلاس کی وہاں موجود پاکر ہاتھوں طور پر خوشی ہوئی تھی۔

"ایک بار تو اپنا رول دیکھو۔ ڈیپلائنگ تو نہیں اب یاد ہوں گے۔ چند وقت کے بعد ریفریل شروع کرنے کی ہے۔"  
 سزما نے میرے دیکھنے ہی کہا۔ میرے سر ہلا دیا۔

سزما نے اسکرپٹ کے صفحات نکالنے ہوئے اپنا رول چمکا شروع کر دیا۔ گا ہے باجے وہ اپنی نظروں سے اس لڑکی کو  
 دیکھنے لگا۔ اسے اس میں ہر بات کا وہ لڑکی بھی دیکھا تھا اسے دیکھ رہی تھی۔

"تو پتا میرا رول چمکا ہے اس لڑکی سے بات کرنے کے لیے۔" میرے اچانک سونیا سے کہا۔

"اس لڑکی سے بات کرنے کے لیے۔" میرے اچانک سونیا سے کہا۔  
 "اس لڑکی سے بات کرنے کے لیے۔" میرے اچانک سونیا سے کہا۔

"تھیک ہے، آؤ پھر اس کے پاس بیٹھی۔" میرے یکدم قدم بڑھا دیا۔

وہ لڑکی انہیں اپنی طرف آتے دیکھ کر کچھ حیران نظر آئی تھی مگر میرا اور سونیا کے چہرے پر ہنس بھری مسکراہٹ دیکھ کر وہ  
 کچھ حیرت انداز میں مسکرائی۔

"سزما۔" میرے اس کے قریب جا کر اپنا ہاتھ اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس لڑکی نے میرا اور سونیا سے باری باری ہاتھ

"میرا نام میرا نام ہے۔ یہ میری دوست سونیا اور وہی ہیں۔" میرے اپنا اور سونیا کا تعارف کر دیا۔

"میرا نام کونسی ہے؟" اس لڑکی نے جواب کیا۔

"میرا نام کونسی ہے؟" اس لڑکی نے جواب کیا۔  
 "میرا نام کونسی ہے؟" اس لڑکی نے جواب کیا۔

"میرا نام کونسی ہے؟" اس لڑکی نے جواب کیا۔

"میرا نام کونسی ہے؟" اس لڑکی نے جواب کیا۔

"میرا نام کونسی ہے؟" اس لڑکی نے جواب کیا۔

"میرا نام کونسی ہے؟" اس لڑکی نے جواب کیا۔

"میرا نام کونسی ہے؟" اس لڑکی نے جواب کیا۔

"میرا نام کونسی ہے؟" اس لڑکی نے جواب کیا۔

"اور کل میں سوچ رہی تھی کہ شاید تمہیں کوئی رول نہیں ملا۔" امبر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"میری سلیکشن تو پہلے دن ہی ہو گئی تھی۔ کل تو میں ریہرسل کا شیڈول جاننے کے لیے آئی تھی۔" ریشی نے اس سے کہا۔

"اچھا۔ کیا رول کر رہی ہو؟" امبر نے کچھ غصے سے اس سے پوچھا۔

"ٹھیکہ۔" ریشی نے بتایا۔ امبر نے اس کی بات پر بے اعتدال قبضہ لگایا۔

"سنووائٹ کی اسٹیپ مارکا؟"

"ہاں۔" ریشی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

"تمہیں پتا ہے سنووائٹ کا رول کون کر رہا ہے؟" امبر نے اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"ہاں، میں جانتی ہوں سنووائٹ کا رول آپ کر رہی ہیں، کل مجھے پتا چل گیا تھا۔" ریشی نے مسکراتے ہوئے امبر سے

بتایا۔

"یعنی تم میری اسٹیپ مارکا رول کر رہی ہو۔" امبر ملاحظہ ہوتے ہوئے بولی۔

پھر توجہ آئے گا تمہارے ساتھ کام کرتے ہوئے۔"

"مجھے بھی آپ کے ساتھ کام کرنا چاہئے گا۔" ریشی نے کہا۔

"یہ کیا فرق مجھے آپ آپ کر رہی ہو۔ تم کہو۔" امبر نے اس سے کہا۔

"ٹھیک ہے، اب تم ہی ہوں گی۔"

"پہلے کبھی اچھٹک کی ہے تم نے؟" امبر نے اس سے پوچھا۔

"ہاں میں اسٹار ایجنسی جی ڈاں میں حصہ لیتی رہی ہوں۔ یہ وہی بار نہیں ہے تم اس سے پہلے ایسی چیزوں میں حصہ

رہی ہو؟" ریشی نے اب امبر سے پوچھا۔

"کہاں یہ۔" مجھے تو زبردستی میری فرینڈز نے پھنسا دیا ہے۔ ورنہ میں نے تو کبھی ایسے کسی کام میں حصہ لیں

جس میں مجھے اسٹیج پر چھٹا پڑے۔" امبر نے بے تکلفی سے اسے بتایا۔

"حالانکہ تم وہی ایجنسی جی ڈاں میں حصہ لینا چاہیے۔" ریشی نے سناٹھی لہجے میں کہا۔

"اب نے تو لیا ہے۔ دیکھیں آگے کیا ہوتا ہے۔" امبر نے اس کے تبرے پر کہا۔

"کچھ نہیں ہوگا۔ تم دیکھ لینا۔ تمہارے رول کو آؤش کتنا سراہے گی۔" ریشی نے جیسے اسے نقلی دی۔

"میں بھی اسے یہی بتا رہی ہوں۔ مگر اسے تو یہی خوف ہے کہ اسٹیج پر آتے ہی اس کی ٹانگیں کا پھانسا شروع ہو جائیں گی

اور یہ بے ہوش ہو جائے گی۔" سونیا نے امبر کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔

"خیر، میری لگتا تو نہیں کہ تم میں احماد کی کمی ہے۔ میں جب اس کالج میں آئی ہوں، تم کو کئی بار دیکھا ہے۔" بلکہ

دیکھنے سے زیادہ تمہارے بارے میں سنا ہے۔" ریشی اب اسے بتا رہی تھی۔ "تمہیں دیکھ کر تو کبھی ایسا محسوس بھی نہیں ہوا کہ تم

اسٹیج پر چڑھ کر بے ہوش ہو جاؤ گی۔"

"یہ تو تمہیں اسٹیج پر ہی پتا چلے گا۔ تم اب چری ہو گی۔" امبر نے مسکراتے ہوئے ریشی سے کہا۔

"کوئی بات نہیں تم اگر بے ہوش ہو بھی گئیں تو تمہارا آدمی مارول تو بے ہوشی کا ہی ہے۔ تم اہلیان سے بے ہوش

جانا۔" ریشی نے بڑھتی ہوئی سے کہا۔ "میں ہوں نا، ہر چیز کو دیکھنے کے لیے۔"

امبر اس کی بات پر ہنس پڑی۔

"یہ تو خاصی آسانی ہو گی مجھے۔ پنڈھیک ہے۔ اب مجھے زیادہ فکر نہیں ہے۔" امبر نے خوش دلی سے سر ہلایا۔

پھر وہ سنا اور اپنے سر پہنکوا دیکھ لو۔ سزا مالک ریہرسل شروع کرنے کے لیے سب کو اکٹھا کر رہی تھی۔

سونیا نے اچانک امبر سے کہا۔ ریشی اور امبر نے ایک دم پلٹ کر دیکھا۔ سزا مالک واقعی سب کو اکٹھا کر چلا رہی تھی۔

نور: سارا میں  
 ہمیں ہونی ایک غمزدگی کی لہا ہے اسکو بہت کم اور نہ مجھے تو اس وقت تک رہا ہے کہ مجھے سب کچھ بھلا ہوا ہے۔"  
 نور نے اسکو بہت کم سے پتے کی جگہ روشنی پہلے ہی اسکو بہت کم دیکھ دی تھی۔ ایک سرسبز سی نظر اسکو بہت پر ڈالنے کے  
 ہوتے تھے اسکو بہت کم سے پتے کی جگہ روشنی پہلے ہی اسکو بہت کم دیکھ دی تھی۔ ایک سرسبز سی نظر اسکو بہت پر ڈالنے کے  
 ہوتے تھے اسکو بہت کم سے پتے کی جگہ روشنی پہلے ہی اسکو بہت کم دیکھ دی تھی۔ ایک سرسبز سی نظر اسکو بہت پر ڈالنے کے

☆ ☆ ☆

نور کی بات سے اسکو تو کوئی تکلیف پہنچی ہو تو میں اس کے لیے بہت زیادہ افسردہ مہذرت کرتی ہوں۔"  
 جس وقت اس وقت کے ساتھ پہلا شانہ نے ہوا کیا تھا۔ وہ صرف وہی جانتی تھی۔ وہ اس وقت مسعود کے ساتھ  
 حضور نے ٹرے ہاؤس میں پہنچی ہوئی تھی اور ان کے علاوہ حضور اور منیز، ابھی وہاں موجود تھے۔ جس وقت وہ آتے تھے اس  
 وقت ان کا ہوا خاصا غراب تھا غراب کچھ وقت گزارنے کے بعد آہستہ آہستہ وہ ڈائل ہو گئے تھے۔ خاص طور پر ان کی افسردہ  
 تھی۔

نور نے فریاد کیا۔ میں تو یہاں بھی یہ توقع ہی نہیں کر رہا تھا کہ آپ میری بیٹیوں کے بارے میں ایسی کوئی بات کریں  
 گئے۔ حضور نے بے ہوشی سے کہا "مجھے چاہئے سے میں نے آپ لوگوں کے پاس اپنی بیٹیوں سے رشتے کیسے تھے اور اب  
 "حضور نے بات دہرائی پھوڑ دی اور اپنی کافی میں کچھ اور کریم شامل کی۔  
 "کہہ آپ نے یہ باتیں کیں کیں اور ہرے لوگوں کے سامنے... اگر آپ کو امیر یا سفید پر کوئی اعتراض تھا یا ہم سے کوئی  
 شکایت تھی تو آپ ہم سے انٹریکٹ آ کر بات کرتیں۔" ان کے لہجے میں واضح غم تھا۔

نور نے فریاد کیا۔ میں تو یہاں بھی یہ توقع ہی نہیں کر رہا تھا کہ آپ میری بیٹیوں کے بارے میں ایسی کوئی بات کریں  
 گئے۔ حضور نے بے ہوشی سے کہا "مجھے چاہئے سے میں نے آپ لوگوں کے پاس اپنی بیٹیوں سے رشتے کیسے تھے اور اب  
 "حضور نے بات دہرائی پھوڑ دی اور اپنی کافی میں کچھ اور کریم شامل کی۔  
 "کہہ آپ نے یہ باتیں کیں کیں اور ہرے لوگوں کے سامنے... اگر آپ کو امیر یا سفید پر کوئی اعتراض تھا یا ہم سے کوئی  
 شکایت تھی تو آپ ہم سے انٹریکٹ آ کر بات کرتیں۔" ان کے لہجے میں واضح غم تھا۔

نور نے فریاد کیا۔ میں تو یہاں بھی یہ توقع ہی نہیں کر رہا تھا کہ آپ میری بیٹیوں کے بارے میں ایسی کوئی بات کریں  
 گئے۔ حضور نے بے ہوشی سے کہا "مجھے چاہئے سے میں نے آپ لوگوں کے پاس اپنی بیٹیوں سے رشتے کیسے تھے اور اب  
 "حضور نے بات دہرائی پھوڑ دی اور اپنی کافی میں کچھ اور کریم شامل کی۔  
 "کہہ آپ نے یہ باتیں کیں کیں اور ہرے لوگوں کے سامنے... اگر آپ کو امیر یا سفید پر کوئی اعتراض تھا یا ہم سے کوئی  
 شکایت تھی تو آپ ہم سے انٹریکٹ آ کر بات کرتیں۔" ان کے لہجے میں واضح غم تھا۔

نور نے فریاد کیا۔ میں تو یہاں بھی یہ توقع ہی نہیں کر رہا تھا کہ آپ میری بیٹیوں کے بارے میں ایسی کوئی بات کریں  
 گئے۔ حضور نے بے ہوشی سے کہا "مجھے چاہئے سے میں نے آپ لوگوں کے پاس اپنی بیٹیوں سے رشتے کیسے تھے اور اب  
 "حضور نے بات دہرائی پھوڑ دی اور اپنی کافی میں کچھ اور کریم شامل کی۔  
 "کہہ آپ نے یہ باتیں کیں کیں اور ہرے لوگوں کے سامنے... اگر آپ کو امیر یا سفید پر کوئی اعتراض تھا یا ہم سے کوئی  
 شکایت تھی تو آپ ہم سے انٹریکٹ آ کر بات کرتیں۔" ان کے لہجے میں واضح غم تھا۔

مسعود اس کی بات پر سونہ پر پہلو بدول کر رہے۔

"میں ایسے ہی ڈراؤنگ اور صاف بات کرنے کا عادی ہوں۔ فضول باتیں نہ کرتا ہوں نہ سنتا ہوں۔" حضور نے اسی  
 انداز میں اپنی بات جاری رکھی۔ "دو روزہ جی کے بیٹوں کا باپ نہ کھنے کا مجھے جو صرف بیٹیوں کی وجہ سے اپنے کندھے اور  
 رہنے کے وقت ہے اور ہر فضول بات برداشت کرتا ہے۔ نہ مسعود یہ کہوں گا نہ ہی میں نے اپنی بیٹیوں کو ایسی تربیت دی ہے۔  
 میں نے رشتے بہانوں کی بنیاد پر قائم کیے ہیں اور اگر یہ بدامنی نہیں رہے گی تو رشتے بھی نہیں رہیں گے۔" منیز نے مسکراتے  
 ہونے کے انداز سے شانہ کو دیکھا جس کا رنگ کچھ اور چمکا ہوا تھا۔

"آپ تو اگر اندھا مہاں کی گائے باپ کی بھونیک چاہئیں تو اس کی بھی پاکستان میں کی نہیں ہے، مجھ سے کہنے دو آپ کو نہیں بھی ایسی لڑکیاں مل سکتی ہیں۔ بہتر ہے، یہ انتخاب آپ دیکھتی سے پیسے ہی کریں۔ میں نہیں چاہتا ہوں میں آپ کو کسی بچت دیا ہوں نہیں بھی۔" مسعود نے کندھے اچکاتے ہوئے بڑی لاپرواہی سے ان سے کہا۔

"مسعود - یہ اہم نہیں کہ وہ ہے میں تمہیں بتا تو رہا ہوں کہ آئندہ ہماری طرف سے تمہیں کوئی 10 لاکھ نہیں ہوگی۔" مسعود نے آہ باریکدانت کرتے ہوئے کہا۔ "اور شہ نہ تو تم سے عذر تھی کر چکی ہے اب تم بھی اپنے اولاد صاف کرو۔"

"میرا دل صاف ہی ہے مسعود بھائی۔ اس لیے تو میں آپ لوگوں کو ان رشتوں پر دوبارہ سوچنے کا موقع دے رہی ہوں۔" مسعود نے جیسے پر سکون انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"دل میں میل ہوتا تو اس وقت آپ دونوں سے یہ طاقت نہ ہماری ہوتی کچھ اور ہو رہا ہوتا۔"

"مسعود! یقین کرو انکی کوئی بات نہیں ہے۔۔۔ امیر اور صہ جتنی تمہیں عزیز ہیں مجھے بھی کمر عزیز نہیں، بلکہ میری اولاد بھی ہے تو میں عذر ت کرتی ہوں۔ آئندہ تم ایسی کوئی بات نہیں سنو گے۔" شبانہ نے اس بار قدرے صبر رائے ہوئے انداز میں کہا۔

"بندہ تم آکر کہتے ہو تو میں امیر اور صہ سے بھی عذر ت کر لیتی ہوں۔ تاکہ ان کے دل بھی صاف ہو جائیں۔"

"نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ آپ نے ہم دونوں سے عذر ت کرنی یہی کافی ہے۔" مسعود کو ان پر جیسے ترس آیا تھا وہ جلا کر خیزو نے ان وقت رے، زار ملی سے دیکھا تھا۔

"جیسے چھڑیں، اب آپ چائے پیئیں۔" مسعود نے گھٹکھو کا موضوع بدلنے ہوئے کہا۔ "یا پھر آپ کے لیے بھی کافی مشوروں؟"

☆☆☆

"میں تم لوگوں کو مجھے ذلیل کرنے کا شوق تو دوہرا ہو گیا۔" شبانہ مسعود کے گھر سے واپسی پر اپنے لاؤنج میں بیٹھی بیٹی کی طرح حتمی طور پر کہتی تھی۔ صبر اور اسامہ بھی وہیں موجود تھے۔

"اس میں ذلیل کرنے والی تو کوئی بات ہی نہیں ہے؟ آپ نے بے جا بات کی تھی۔ اس لیے آپ کو عذر ت نہ پڑی ہو اور اپنی غلطی پر عذر ت کرنا کوئی ذلیل کرنا یا ذلیل ہونا نہیں ہوتا۔"

شبانہ بیٹے کی بات پر ہلکا حتمی ہوئیں "اپنا بندہ کھو تم۔ تمہیں تو ان لوگوں کی کسی بات سے کوئی بے عزتی بھی نہیں ہوتی ہی نہیں۔ تمہاری آنکھوں پر تو امیر کے حتمی کی پٹی بندھی ہوئی ہے۔"

ظہور نے احتجاجی نعروں سے باپ کو دیکھا۔ "آپ سن رہے ہیں۔ کس طرف کی باتیں کر رہی ہیں امی۔! انہیں کچھ بھی احساس نہیں ہوتا۔"

"بیکل ہی طرف جس طرح تم ماں کے لیے کچھ محسوس نہیں کرتے۔۔۔ سب کچھ امیر اور اس کا خاندان ہی ہو گیا ہے تمہارے لیے۔"

"آپ بہت زیادتی کر رہی ہیں امی! آپ نے خود میرا نکاح اس سے کیا ہے، مجھے تو صحیح معنوں میں صلہ بھی نہیں تھی جب، اب آپ کو اعتراض ہو رہا ہے۔" ظہور نے کہا۔

"اب بھی تمہیں نہیں ہے تمہیں۔ اور میں نے تو اپنی زندگی کی سب سے بڑی غلطی کی ہے وہاں تم دونوں کا نکاح کرتے۔ پھر خاندان بھرا ہوا تھا لڑکیوں سے، وہ کون سی عورتیں تھیں جن کے علاوہ ہمیں کوئی اور نہ ملتا۔"

"آپ مجھے کیوں نکاح میں لے کر آ رہی ہیں۔ بات کرنی ہے تو ظہور امیر کی کریں۔ میری اور صہ کی کیا کر رہی ہیں۔" مسعود نے کھلی پارہائی خاموشی توڑتے ہوئے کہا۔

"کیوں تمہاری صہ کی بات کیوں نہ کروں؟"

میں نے تو آپ کی کمی دولت پر اعتراض نہیں کیا  
 مگر تو نے تم کو ادا کرنے تو نہیں ہو سکتے تھے  
 جو تم کو ادا کرنے تو نہیں تھا جس میں آپ کے ہم دونوں ان ہی کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔" اسامہ نے ترقی پر

زنی کو جواب دیا۔ "جس وقت کہنا۔" آپ نے دیکھا کس طرح یہ دونوں تھکن کر رہے ہیں۔ کوئی ادب اور احترام  
 جتنا اسامہ کی بات پر کھڑک رہا تھا۔ "جس وقت کہنا۔" اسامہ نے اپنے ہاتھوں میں ہاتھ رکھے۔ "جس وقت کہنا۔" اسامہ نے اپنے ہاتھوں میں ہاتھ رکھے۔  
 وہ بھی کچھ نہیں کہے۔

جس وقت کہنا۔" اسامہ نے اپنے ہاتھوں میں ہاتھ رکھے۔ "جس وقت کہنا۔" اسامہ نے اپنے ہاتھوں میں ہاتھ رکھے۔  
 اس وقت کہنا۔" اسامہ نے اپنے ہاتھوں میں ہاتھ رکھے۔ "جس وقت کہنا۔" اسامہ نے اپنے ہاتھوں میں ہاتھ رکھے۔  
 اس وقت کہنا۔" اسامہ نے اپنے ہاتھوں میں ہاتھ رکھے۔ "جس وقت کہنا۔" اسامہ نے اپنے ہاتھوں میں ہاتھ رکھے۔

اس وقت کہنا۔" اسامہ نے اپنے ہاتھوں میں ہاتھ رکھے۔ "جس وقت کہنا۔" اسامہ نے اپنے ہاتھوں میں ہاتھ رکھے۔  
 اس وقت کہنا۔" اسامہ نے اپنے ہاتھوں میں ہاتھ رکھے۔ "جس وقت کہنا۔" اسامہ نے اپنے ہاتھوں میں ہاتھ رکھے۔  
 اس وقت کہنا۔" اسامہ نے اپنے ہاتھوں میں ہاتھ رکھے۔ "جس وقت کہنا۔" اسامہ نے اپنے ہاتھوں میں ہاتھ رکھے۔

اس وقت کہنا۔" اسامہ نے اپنے ہاتھوں میں ہاتھ رکھے۔ "جس وقت کہنا۔" اسامہ نے اپنے ہاتھوں میں ہاتھ رکھے۔  
 اس وقت کہنا۔" اسامہ نے اپنے ہاتھوں میں ہاتھ رکھے۔ "جس وقت کہنا۔" اسامہ نے اپنے ہاتھوں میں ہاتھ رکھے۔

"آپ نے خیرہ کو دیکھا تو وہ اس طرح بار بار ستراری تھی۔"

"اگر وہ ستراری تو نہیں بلکہ اعتراض ہے کہ وہ ایک بار بھی نہیں ستراری... مگر کبھی نہیں۔" مسود نے ان کی

تہنہ لگاتے ہوئے کہا۔ "جس وقت کہنا۔" اسامہ نے اپنے ہاتھوں میں ہاتھ رکھے۔ "جس وقت کہنا۔" اسامہ نے اپنے ہاتھوں میں ہاتھ رکھے۔  
 اس وقت کہنا۔" اسامہ نے اپنے ہاتھوں میں ہاتھ رکھے۔ "جس وقت کہنا۔" اسامہ نے اپنے ہاتھوں میں ہاتھ رکھے۔

اس وقت کہنا۔" اسامہ نے اپنے ہاتھوں میں ہاتھ رکھے۔ "جس وقت کہنا۔" اسامہ نے اپنے ہاتھوں میں ہاتھ رکھے۔  
 اس وقت کہنا۔" اسامہ نے اپنے ہاتھوں میں ہاتھ رکھے۔ "جس وقت کہنا۔" اسامہ نے اپنے ہاتھوں میں ہاتھ رکھے۔

"میں تو اپنے کمرے میں جا رہی ہوں۔ اسی کو سمجھانے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔" طلحہ نے ماں کی بات پر ہلکا سا تہاوار اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

"میں بھی چتا ہوں۔ مجھے بھی کچھ کام ہے۔" اسارا بھی اس کے ساتھ ہی کھڑا ہو گیا۔  
 "آپ دیکھ رہے ہیں ان دونوں کو؟" اسارا اور طلحہ کو اس طرح بے اعتنائی سے جاتے دیکھ کر شبانہ کو صدمہ ہوا۔  
 "مجھے بھی سونے کے لیے جانا ہے۔ تم تو اپنی ان باتوں کو بھی غم نہیں کرو گی۔" مسعود بھی اٹھ کر کھڑے ہو گیا۔  
 "تمہارے لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ نیچے اب بڑے ہو چکے ہیں، ان کے سامنے اپنی عزت قائم رکھو۔ اس طرح کی باتوں کو فرسوں کے ذریعے اسے مت گواؤ۔ ورنہ وہ خاموش نہیں رہیں گے۔ چاہے ان کے سسرال میں میزبانی ہو یا کوئی اور۔" مسعود نے اپنی طرف سے شبانہ کو سمجھانے کی آخری کوشش کرتے ہوئے کہا۔

شبانہ نے منتقل ہو کر شوہر کو دیکھا جو اب لاؤنج سے باہر نکل رہے تھے۔ میزبانہ اور ان کی بیٹیوں کے لیے یہ پہلی عادت تھی جو بیٹیوں نے باقاعدہ طور پر اپنے دل میں پائی تھی۔ "میں بھی میزبانہ اور اس کی بیٹیوں کو اسی طرح ڈیلیل کروں گی۔ انہوں نے عزت بے عزت کروں گی۔ کبھی نہ کبھی تو مجھے بھی موقع ملے گا اور پھر میں دیکھوں گی۔ اس گھر میں میزبانہ اور اس کی بیٹیوں سے کتنے بدمرز رہے ہیں۔" انہوں نے اہل بیٹھے بیٹھے جیسے اپنے آپ سے وعدہ کیا تھا۔

☆☆☆☆

اگلا ایک دن امیر اور ریشمی باقاعدگی سے ریپرسل کے لیے جاتی رہیں اور ان کی یہ ملاقاتیں صرف ریپرسل تک ہی محدود نہیں رہی تھیں۔ ریشمی اب کانٹا میں امیر کے ساتھ ہی رہا کرتی۔ اگرچہ امیر کی دوستوں کو اپنے گروپ میں ریشمی کی شمولیت پر اعتراض ہوا تھا۔ وہ سب ریشمی کی خوبصورتی کو سراہتی تھیں مگر اس سے اس حد تک متاثر نہیں ہوتی تھیں کہ ریشمی کو اس طرح اپنے گروپ میں شامل کر لیں۔ جس طرح امیر نے کیا تھا۔ سونیا نے خاص طور پر ریشمی کی اپنے گروپ میں شمولیت پر اعتراض کیا تھا اور دوسروں کی طرح اس نے ڈھکے چھپے لفظوں میں یہ اعتراض نہیں کیا تھا بلکہ دو ٹوک الفاظ میں امیر سے ریشمی کی اپنے گروپ میں شمولیت کے خلاف اپہند یہی کہا تھا۔

"میں تمہیں کچھ نہیں پائی امیر! تم ہر کسی کو ہلکا کر دوست بنا لیتی ہو۔ نہ اس کا فیصلی بیک گراؤنڈ دیکھتی ہو نہ ہی تم اور۔۔۔ جس کوئی بندو تمہیں اچھا لگتا ہے۔"

سونیا چند دن تو ریشمی کو اس کے ساتھ ملنے دیکھتی رہی مگر پھر جب یہ دونیں بن گئی تو اس نے ایک دن امیر سے رانی صاف بات کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ اس دن ریشمی نہیں آئی تھی۔

"ریشمی اچھی لڑکی ہے۔" امیر نے دو ٹوک انداز میں کہا۔  
 "ریشمی اچھی لڑکی ہے کیونکہ اس کا گھر تمہیں پسند ہے۔ اس کی آنکھیں بڑی خوبصورت ہیں۔ اس کے خوش مزاجی سے ہیں۔" سونیا نے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔ "مگر وہ سچی کرنے کے لیے اور بھی بہت چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔"  
 "اس میں اور بھی بہت ساری خصوصیات ہیں۔ تم اپنے تعصب و ایک طرف رکھ کر دیکھو تو تمہیں نظر آئے گی۔" اس بات پر امیر نے ہلکا سا ہنسنے سے گریز کیا۔

"معدرت کے ساتھ مگر مجھے اس میں کوئی ایسی خاص خوبی نظر نہیں آئی کہ تم اس طرح اسے ذمہ کی طرح لگے میں کا۔" سونیا نے اسی انداز میں کہا۔

"وہ اپنی اچھی لڑکی ہے۔" امیر نے کہا۔  
 "تم آج امیر! جو آج وہ دن ہوئے ہیں تمہیں اس سے بچے ہوئے اور تمہیں اس کی نیچر کا بھی پتا چل گیا ہے۔" سونیا نے انداز سے مذاق ہونے لگی تھی۔

خود سے نہیں

تھیں اس میں کیا برائی نظر آتی ہے؟" امیر نے سلیج کی سے کہا۔

"نوشہ کی ہے" وہ اس میں ہاں ملانے والی۔  
"میں وہ ایسا نہیں ہے" امیر نے اس کی بات کاٹ دی۔  
"تھیں اس کی یہ تو خوبی لگ رہی ہوگی کہ وہ تہجد ہی تو اس میں ہاں ملاتی ہے۔"

"سچ تو یہ ہے کہ..." امیر نے اسے ٹوکا۔  
"میں نے اس میں کیا برائی دیکھی ہے؟" امیر نے اس سے کہا۔

اس نے اس کی بات کو نظر انداز کیا۔  
"میں نے اس میں کیا برائی دیکھی ہے؟" امیر نے اس سے کہا۔  
"میں نے اس میں کیا برائی دیکھی ہے؟" امیر نے اس سے کہا۔  
"میں نے اس میں کیا برائی دیکھی ہے؟" امیر نے اس سے کہا۔  
"میں نے اس میں کیا برائی دیکھی ہے؟" امیر نے اس سے کہا۔

برائے نہ کہ وہ اس کا... امیر نے اس سے کہا۔

اس کی بات کی یہاں کیا تکلف تھی؟" امیر نے کہا۔  
"میں نے اس میں کیا برائی دیکھی ہے؟" امیر نے اس سے کہا۔  
"میں نے اس میں کیا برائی دیکھی ہے؟" امیر نے اس سے کہا۔

اس نے اس کی بات کو نظر انداز کیا۔  
"میں نے اس میں کیا برائی دیکھی ہے؟" امیر نے اس سے کہا۔

اس نے اس کی بات کو نظر انداز کیا۔  
"میں نے اس میں کیا برائی دیکھی ہے؟" امیر نے اس سے کہا۔

اس نے اس کی بات کو نظر انداز کیا۔  
"میں نے اس میں کیا برائی دیکھی ہے؟" امیر نے اس سے کہا۔

اس نے اس کی بات کو نظر انداز کیا۔  
"میں نے اس میں کیا برائی دیکھی ہے؟" امیر نے اس سے کہا۔

اس نے اس کی بات کو نظر انداز کیا۔  
"میں نے اس میں کیا برائی دیکھی ہے؟" امیر نے اس سے کہا۔

اس نے اس کی بات کو نظر انداز کیا۔  
"میں نے اس میں کیا برائی دیکھی ہے؟" امیر نے اس سے کہا۔

اس نے اس کی بات کو نظر انداز کیا۔  
"میں نے اس میں کیا برائی دیکھی ہے؟" امیر نے اس سے کہا۔

اس نے اس کی بات کو نظر انداز کیا۔  
"میں نے اس میں کیا برائی دیکھی ہے؟" امیر نے اس سے کہا۔

"کیوں برا لگے گا، بالکل برا نہیں لگے گا، تم جسے چاہے لے آؤ۔ میں بڑی خوشی سے اسے دیکھ لوں گی۔" اور تمہارا  
 طرح اس کا اور اس کی جلی کا پوست مار کر نہیں بنوں گی۔" امبر نے اس بار قدرے خوشگوار انداز میں سونیا کا ذوق اندازہ  
 "فیک ہے میں بھی کسی کو اسی طرح چڑھ کر لے آؤں گی اور کیوں کی کہ یہ لڑکی مجھے بہت اچھی لگتی ہے۔" اس نے بھی  
 رشتی دھلا اٹھیں ملنا چاہیے۔" سونیا نے پیسے اسے دھکا دیا۔  
 "خیر رشتی دھلا اٹھیں تو اسے نہیں دیا جاسکتا مگر یہ وہ ضرور کرتی ہوں کہ اسے اس سے زیادہ عزت دے کی جتنی تمہاری  
 کو دے رہی ہو۔"

"یعنی اسے کوئی عزت نہیں ملے گی کیونکہ میں تو رشتی کو ذرا برا ہی عزت نہیں دے رہی۔" سونیا نے کچھ پیچھے ہٹ کر  
 انداز میں کہا۔  
 "میں نہیں جانتی تھی سونیا کہ تم اتنی جلیس ہو گی۔ بچوں کی طرح ایک فضول بات پر بحث کر رہی ہو مجھ کو اسے ان  
 اور بات کریں۔"

اس بار امبر نے جگا سا قبیلہ لگاتے ہوئے سونیا کے کندھے کو زنی سے تھپکا۔ سونیا پر اس کی بات کا کوئی اثر ہوا نہیں  
 امبر کو اندازہ نہیں ہوا۔ مگر یہ ضرور ہوا کہ سونیا اس وقت بحث ختم کر کے خاموش ہو گئی۔  
 اپنی دوستوں کے برعکس امبر کو رشتی بہت دلچسپ لگتی تھی۔ وہ بہت خوش مزاج تھی۔ امبر کو اس کی اور اپنی بہت ہی  
 عادتیں ایک جیسی لگیں۔ رشتی بہت کڑیہ کڑیہ کر ہر بات پوچھا کرتی تھی اور امبر بہت لاپرواہی کے ساتھ اسے اس سے سزا  
 جواب دے دیا کرتی تھی۔ رشتی کے برعکس وہ خود زیادہ سوال کرنے کی عادی نہیں تھی۔

\*\*\*

"میرے ساتھ میرے گھر چلو؟" رشتی سے چند ملاقاتوں کے بعد ہی ایک دن امبر نے بڑی بے تکلفی سے اسے اپنے  
 ساتھ گھر پہنچنے کی دعوت دی۔

"تمہارے گھر؟" رشتی ان کی دعوت پر جیسے تڑپ اٹتی۔

"ہاں جی میرے گھر۔" امبر ان کی تیزباہت سے محظوظ ہوئی۔ "تمہیں اپنے گھر والوں سے حواہن کی اپنے  
 بھائیوں سے اپنے ہی گھر سے۔"

"مگر میں نے تو اس بارے میں سوچا نہیں ہے۔" رشتی ابھی بھی متامل تھی۔

"میں بارے میں؟" امبر نے کچھ حیرت سے اسے دیکھا۔

"تمہارے گھر پہنچنے کے بارے میں۔"

"اس میں سوچنے والی کیا بات ہے۔ ہم فریڈز ہیں، ایک دوسرے کے گھر تو آنا چاہیے۔ اگر تم مجھے اپنے گھر میں  
 بلاؤ تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں بھی تمہیں اپنے گھر نہیں جاؤں گی۔" امبر نے کہا۔

"نہیں، ایسا کیا نہیں ہے۔ میں تو خود بھی تمہیں اپنے گھر آنے کی دعوت دینا چاہتی تھی مگر پھر مجھے خیال آیا کہ شاہہ نام  
 آؤ۔" رشتی نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

"کیوں تمہیں یہ خیال کیوں آیا؟" امبر نے فوراً اس سے کہا۔

"نہیں ایسی ہی۔۔۔ ابھی کچھ دن ہی تو ہوئے ہیں ہماری دوستی کو۔ اس لیے میں نے سوچا کہ شاہہ تمہیں اعتراض ہو۔"

"مجھے کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔ بہر حال اب تو میں نے پہلے تمہیں دعوت دے دی ہے۔ اب تم میرے گھر چلو۔"

"ہاں میں چلوں گی، مگر ابھی نہیں۔" رشتی کچھ حذب تھی۔

"کیوں ابھی نہیں؟" امبر نے فوراً پوچھا۔

"میں نے ابھی اپنی اہلی سے پوچھا نہیں؟"





مرد کے باول کے برعکس اپنے لباس اور وضع قطع سے بہت ڈرن نگر آ رہی تھی۔ جسے طرز کے لباس اور کتے ہر۔ وہ  
 کے ساتھ وہ اپنی کم عمری دہی تھی کہ امیر کے لیے یہ یقین کرنا قدرے مشکل ہو گیا کہ وہ خوشی کی امی ہیں۔ خوشی نے نہ  
 ہونے والی محنگو کے بعد اس کا اندازہ کیا تھا کہ اس کی امی زیادہ ڈرن نہیں ہوں گی بلکہ انہیں ان کی سوئی نہیں تو نہ  
 پرست بھی کئی تھی مگر اب خوشی کی امی کی وضع قطع دیکھنے کے بعد اسے اس بات پر حیرت ہو رہی تھی کہ وہ خوشی والی لڑکی ہے۔  
 ہاں آنے جانے سے روکی ہوں گی۔

”خوشی نے بہت بار تہہ راز کر لیا ہے بلکہ کئی تو یہ بت کر آج کل یہ بد وقت تمہارا ہی ذکر کرتی رہتی ہے۔“  
 امی نے ڈرننگ روم میں امیر کو بٹھاتے ہوئے کہا۔ یہ تمہاری اپنی تقریبیں کرنی رہتی تھی کہ میرا قول چاہئے گا تو فرستے  
 کو اچھا ہی ہوا۔ تم خود یہاں آئیں اور اب تمہیں دیکھ کر مجھے خوشی کی باتوں پر یقین آ گیا ہے۔ وہ پیسے میں کبھی نہ  
 جرہات کو بڑھاتی چڑھاتی رہتی ہے۔ اس لیے تمہارے بارے میں بھی جرہات پر چھاپنا ضرور کر رہی ہے۔  
 میرے سگڑا کر خوشی کو دیکھا اور پھر اس کی امی سے کہا۔

”اگر آپ میری امی سے میں کی تو وہ بھی آپ کو نہیں بتائیں گی کہ میں بھی پچھلے چند دنوں سے خوشی کی بہن بنی  
 رہتی ہوں مجھے لگتا ہے یہ دوسرے کے بارے میں ہم دونوں کی نسبتاً ایک جیسی ہیں۔“ اس کی امی اس بات پر حیرت  
 آئی اس آہ سے اس بات کی اجازت لینے کے لیے یہاں آئی ہوں۔“ امیر نے فوراً ہی کہا۔

”میں خوشی کو اپنے گھر جانا چاہتی ہوں مگر خوشی بتا رہی تھی کہ آپ اس بات کو پسند نہیں کریں گی۔ امی کے لیے صرف  
 اس کے ساتھ یہاں آئی ہوں تاکہ آپ سے اجازت لے سوں۔“

”خوشی زیادہ نہیں آتی چوٹی نہیں ہے۔ آج کل وہاں بہت خراب ہے۔ چاہ نہیں چتا کہ کون کہا ہوا ہے میں  
 اپنے بچوں کو تمہیں آنے جانے سے روکتی ہوں۔“ خوشی نے امی کے قدموں کی خدمت کرنے والے انداز میں کہا۔

”مگر اتنی میرے گھر آنے سے تو نہ روکتی آپ نے تو مجھے دیکھ ہی لیا ہے۔ بعد آپ چاہیں تو خود بھی  
 کے ساتھ آ جائیں۔ ڈرنائیج آپ لوگوں کو پسند اور ڈرن کوہ کا۔“ امیر نے بیانیہ غیظ نہ پیش کرتے ہوئے کہا۔  
 ”نہیں خیر، ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ میں خوشی کو تمہارے یہاں جانے سے نہیں روکتی۔“ اس کی امی نے سگڑا کر  
 امیر ان کی بات پر ہاتھ مسکرائی۔

”مگر یہ بت کر کوئی فکشن ہو آتا جاتا ہے، پھر کسی فکشن کے ہی سے گھر جانا چاہو زیادہ مناسب معلوم  
 ہوتا۔“ اس کی امی کے اگلے جیسے نے امیر کی مسکراہٹ کو دیکھ کر دیا۔

”مگر اتنی اگر کوئی فکشن نہ ہو تو پھر بندہ کیا کرے۔ میری فیملی تو فکشن کے بغیر ہی میرے گھر آتی رہتی ہیں اور وہ  
 میں بھی ان سے گھر چلتی رہتی ہوں۔ اگر فکشن کا ہتھیار لیا جائے تو پھر تو شاید امی کو یہ ایک دوسرے کے گھر آنا چاہنا نہیں ہوئے  
 گا۔“ امیر نے ہنسنے سے کہا۔ ”لیکن اگر آپ کی یہی شرط ہے تو میں خوشی کے لیے کوئی فکشن کھینچتی ہوں اپنے گھر  
 تم آپ استنہرے گھر آئے وہیں گی۔“

امیر کی بات پر خوشی اور اس کی امی دونوں مسکرائیں۔

”تم قرمت کرو، میں فکشن کے بغیر ہی تمہارے گھر آؤں گی۔ اب تم چاہتے تو چلو۔“ خوشی نے قہر سے دینے والے  
 انداز میں امیر سے کہا اور چائے کی اس ذیلی کو اپنی طرف کھینچ لیا جس کی بچن نے زیادہ دماغ ہوا تھی۔

وہ بعد خوشی کا دل سے امیر کے گھر آگئی تھی اور پھر یہ آنا چاہتا جیسے ایسے معمول بن گیا تھا۔ وہ امیر کے ساتھ ہی گاڑی سے  
 گھر چلی آئی اور پھر شاہ واہر است اس کے گھر اور اپنا رہتا۔ وہ دونوں ایک گھر پر بھی اس ڈرامہ کی ریسرچل کرتی رہیں۔

اور جی جی کی توجہ اور انہوں نے اس کی تشریح کی تھی تو دوسری طرف میزہ کی رائے روشنی کے معاملے

میں پچھلے دنوں ہی سب ابھرنے لگے اور کمرانی تھی انہوں نے روشنی سے اس کے خاندان کے بارے میں پوچھنا شروع کر دیا۔  
"ہاں، جی جی، ابھی سے اس کے بارے میں پوچھنا شروع ہو گیا ہے۔ ان کی حالی حالت یہی ہے۔ ان کا گھر کھانا ہے۔ ان میں سے کسی سوال  
اور ابھی میزہ اور میا بیٹی لاقا جس سے میزہ گفتگو میں خوش ہو جاتی تھی۔ ابھر کے برعکس وہ کاکا اور بیٹی کا نہیں تھیں۔ وہ  
زبان سے ہی اپنے جان کا اپنے جان کے ساتھ میل ملاپ پسند نہیں کرتی تھیں جن کے خاندانوں کی بانی حیثیت ان سے کم  
تھی۔ ان کے قوم کے اور ان کی اس بات پر زور دیتی رہی تھیں کہ ان کے بچوں کی کھیتی "اچھی" ہو۔ اور ان کے  
بچے بڑے ہوئے تو وہ عید ابھر ہوا تھا۔ اپنے اور بچے کے جان سے نہیں کسی کوئی شکایت تھی۔ وہ تو اس سے  
بڑے بچے کو اس کا وہ عید ابھر ہوا تھا۔ وہ شروع ہی سے اس کے برعکس اپنے معاملات میں خاصی اپنے باپ  
نہایت توجہ دیتی تھی جس سے ابھر سے ہوتی تھی۔ وہ شروع ہی سے اس کے برعکس اپنے معاملات میں خاصی اپنے باپ  
نہایت توجہ دیتی تھی جس سے ابھر سے ہوتی تھی۔ وہ شروع ہی سے اس کے برعکس اپنے معاملات میں خاصی اپنے باپ  
نہایت توجہ دیتی تھی جس سے ابھر سے ہوتی تھی۔ وہ شروع ہی سے اس کے برعکس اپنے معاملات میں خاصی اپنے باپ

ہوئے اور بچوں کی بارہا سوال پوچھا تھی اور وہ اس بات سے خائف رہتی تھیں کیونکہ وہ ابھر کے ذریعے حضور سے اپنی  
ہوئے اور بچوں کی بارہا سوال پوچھا تھی اور وہ اس بات سے خائف رہتی تھیں کیونکہ وہ ابھر کے ذریعے حضور سے اپنی  
ہوئے اور بچوں کی بارہا سوال پوچھا تھی اور وہ اس بات سے خائف رہتی تھیں کیونکہ وہ ابھر کے ذریعے حضور سے اپنی

ہوئے اور بچوں کی بارہا سوال پوچھا تھی اور وہ اس بات سے خائف رہتی تھیں کیونکہ وہ ابھر کے ذریعے حضور سے اپنی  
ہوئے اور بچوں کی بارہا سوال پوچھا تھی اور وہ اس بات سے خائف رہتی تھیں کیونکہ وہ ابھر کے ذریعے حضور سے اپنی  
ہوئے اور بچوں کی بارہا سوال پوچھا تھی اور وہ اس بات سے خائف رہتی تھیں کیونکہ وہ ابھر کے ذریعے حضور سے اپنی

ہوئے اور بچوں کی بارہا سوال پوچھا تھی اور وہ اس بات سے خائف رہتی تھیں کیونکہ وہ ابھر کے ذریعے حضور سے اپنی  
ہوئے اور بچوں کی بارہا سوال پوچھا تھی اور وہ اس بات سے خائف رہتی تھیں کیونکہ وہ ابھر کے ذریعے حضور سے اپنی  
ہوئے اور بچوں کی بارہا سوال پوچھا تھی اور وہ اس بات سے خائف رہتی تھیں کیونکہ وہ ابھر کے ذریعے حضور سے اپنی

ہوئے اور بچوں کی بارہا سوال پوچھا تھی اور وہ اس بات سے خائف رہتی تھیں کیونکہ وہ ابھر کے ذریعے حضور سے اپنی  
ہوئے اور بچوں کی بارہا سوال پوچھا تھی اور وہ اس بات سے خائف رہتی تھیں کیونکہ وہ ابھر کے ذریعے حضور سے اپنی  
ہوئے اور بچوں کی بارہا سوال پوچھا تھی اور وہ اس بات سے خائف رہتی تھیں کیونکہ وہ ابھر کے ذریعے حضور سے اپنی

ہوئے اور بچوں کی بارہا سوال پوچھا تھی اور وہ اس بات سے خائف رہتی تھیں کیونکہ وہ ابھر کے ذریعے حضور سے اپنی  
ہوئے اور بچوں کی بارہا سوال پوچھا تھی اور وہ اس بات سے خائف رہتی تھیں کیونکہ وہ ابھر کے ذریعے حضور سے اپنی  
ہوئے اور بچوں کی بارہا سوال پوچھا تھی اور وہ اس بات سے خائف رہتی تھیں کیونکہ وہ ابھر کے ذریعے حضور سے اپنی

ہوئے اور بچوں کی بارہا سوال پوچھا تھی اور وہ اس بات سے خائف رہتی تھیں کیونکہ وہ ابھر کے ذریعے حضور سے اپنی  
ہوئے اور بچوں کی بارہا سوال پوچھا تھی اور وہ اس بات سے خائف رہتی تھیں کیونکہ وہ ابھر کے ذریعے حضور سے اپنی  
ہوئے اور بچوں کی بارہا سوال پوچھا تھی اور وہ اس بات سے خائف رہتی تھیں کیونکہ وہ ابھر کے ذریعے حضور سے اپنی

ظہان کی بات پر ہنسا۔ "تو تم کہہ رہی ہو کہ وہ خامے کڑواؤ گھرانے سے تعلق رکھتی ہے۔" کڑواؤ ٹیلیو میں کہاں سے آ گیا۔"

"یہ مجھے نہیں چاہیے آ گیا مگر بہر حال وہ دوست اور سہ کرتی ہے۔ ہم سب تو اسے دیکھتے ہی ہنس پڑتے۔" ظہان نے سہ کو ہنس دیکھا۔ "اور ہاں۔" "پتے پتے اپنا کچھ یاد آئے۔" "تم بہت پسند آئے ہو اسے۔"

"ہاں تم اس میں اتنا حیران ہونے والی کیا بات ہے؟" "مگر مجھے کیسے چاہتی ہے وہ؟"

"کیا بے ڈھائی کی باتیں کرتے ہو تم؟" امیر نے جیسے اس کی عقل پر ہنسوں کیا۔ "میں نے بتا دیا ہے اسے تمہارے بارے میں۔" "مگر وہ مجھ سے مل کر کیا کرے گی؟" "ظہان نے اس بار قدر سے بڑھاری سے کہا۔"

"کیا کرے گی تم بھی آنا مجھ سے باتیں کرنے سے ہوئے ہو۔ میری دوست ہے اس لیے تم سے ملنا چاہتی ہے۔" "تم میں اس کی دلچسپی کی سبب واحد وجہ ہے۔"

"تم آنا امیر! دوست کو مجھ سے ملوانے نہ نکل کر ہی ہوا کرو۔ ایک تو تمہارا سوشل سرکل خاصا وسیع ہے، وہاں سے تو پھر یہ فرض ہے کہ تم جہاں جاتے والے یا وہاں کو مجھ سے ملوانا چاہتی ہو۔ اس بات سے قطعاً گھر کے کسی سے منہ چانتا ہوں۔"

"تم کیوں نہیں ملنا چاہتے میرے جاننے والوں سے۔" اس بار امیر نے قدر سے ناگواری سے کہا۔ "ظہان کچھ کرنے کو گھر نے کہا ہے۔ ملنے کو ہی تو کہا ہے، اور ویسے پہلے تو کبھی تم نے میری فریڈز کے لئے کبھی نا پسندیدگی نہیں جتائی۔ اب رشتی کی بار کیا ہو گیا ہے۔ کبھی کسی کی طرف تم کو بھی کلاس فویا نہیں ہو گیا۔" امیر نے قدر سے ہنسنے میں اس سے کہا۔

"کیا کلاس فویا...؟ اگر ہو بھی گیا ہو تو تم کو اس سے کیا... تم ان چیزوں کی پروا کہاں کرتی ہو۔ چاہے میں نہیں سمجھاؤں یا کوئی اور۔ ظہان میں کوئی چیز پسند آتی چاہیے۔ چاہے وہ کسی کو نہیں میں پڑی ہوگی۔ تم اسے نکال کر جھاڑو لگاؤ۔ اپنے گھر کی سب سے بہترین جگہ پر جھاڑو لگاؤ۔" امیر نے پروا ہی سے اس کی باتیں سنتی رہی۔

"ظہان اب کہاں کھاتے ہوئے سگھرا ہاتھا۔" مسز ظہان مسودا ہم سب بھی کرتے ہیں۔ جو چیز ہمیں اچھی لگتی ہے، ہم اسے اپنی زندگی میں سب سے اہم جگہ دے دیتے ہیں۔ اس چیز کی Roots کی کھدائی شروع نہیں کر دیتے۔"

"ہو سکتا ہے، مگر جس طرح کے معیار تمہارے ہیں اس طرح کے معیار بہت کم لوگوں کے ہیں۔ خردت کے ساتھ ساتھ تمہارے یہ معیار بدل جائیں گے۔"

"شاید آخری۔" بس ایسے ہی تمہاری فریڈز سے مل کر آخر میں کروں گا کیا؟" ظہان کے لہجے میں بھی بڑھاری آگئی۔ یہ جملہ اس طرح کہنا چاہیے کہ وقت کے ساتھ ساتھ تم میرے معیار بدل گے۔" امیر نے کھانا کھاتے کھاتے رک کر کہا۔ "ہاں میں خوش ضرور کروں گا۔"

"تم اس خوشی میں بری طرح نا کام رہو گے۔ میں کبھی کسی کلاس فویا کا ذکر نہیں ہوں گی۔ زندگی میں جب بھی مجھے



اسے اور ریشمی کو بے حس و شاد اول رہی تھی... ریشمی کی طرح وہ بھی اپنے سبز سے لہلہ کے ساتھ کر رہی تھی اور ایٹاک ڈیلوری کمال کی تھی اور ہائی کی اس کی خوبصورت آواز اور چہرے نے پوری کر دی تھی اس کا دل بڑھ گیا اور وہ اس وقت ریشمی کا سین چل رہا ہوتا اور جب ریشمی ایک آنکھ پر ہوتی تو اس وقت وہ آنکھ پر ہوتی اس لیے ڈرامے کے دوران ایک آنکھ دونوں کا کوئی آہٹا سامنا نہیں ہوا تھا۔ اور پھر آنکھ پر اس کا اور ریشمی کا پیلا سین آ گیا۔ وہ پیلا سین جس میں دونوں آنکھیں تھیں اور جس میں دونوں اپنے

کمل کا سینوم میں ایک دوسرے کے سامنے آئیں۔ باقی سبز میں ریشمی کی جڑی عورت کے روپ میں اپنا طبع بدل کر اپنے سامنے آتی اور وہ بھی ایک شہزادی کے لباس کی بجائے سادہ سے کپڑوں میں لباس ہوتی صرف ان ہی دونوں سبز میں بدل گئی تھی اور ایک دوسرے کا سامنا کرتی تھیں۔ ایک اور سنوانت وہ سین ڈرامے کے پھر ابتدائی سبز کے بعد آئے تو سبز آئینہ میں دیکھنے کے بعد ایک سنوانت کو خود دیکھتی ہے اور اس سین میں ریشمی نے اس کے چہروں کے نیچے سے زینت زیب پر لٹکتی نا تھی ہال میں ہمیں ہاتھیں خاموشی تھی جاہد سکتے اور ریشمی کے ایک پھر شہزادہ کو دیکھتے ہوئے امیر نے ہلکی بار اپنا چہرہ شروع کر دیا۔ وہ واقعی ایک حد تک ری تھی شاہانہ اور سحر تمیز انداز اور پرفورمنس کسی سکرین کے بغیر دیکھ کر بھوکے بغیر ریشمی اس کو دیکھتی رہی تھی اور امیر اپنے ڈانکار بھول گئی ریشمی نے کمال احمد کے ساتھ اپنے ڈانکار دہرائے تھے اور امیر ہونٹوں کی طرح اس کا چہرہ دیکھتی رہی ہال میں ابھی بھی خاموشی تھی ایک آنکھ سے امیر کو کوئی کی مگر امیر کی نظریں ریشمی پر جمی ہوئی تھیں اور اس کا ذہن بالکل خالی تھا۔

ریشمی نے ایک بار پھر اپنے ڈانکار کو دہرائے۔ امیر اس بار بھی اس کا چہرہ خاموشی سے دیکھتی رہی حاضرین کو بھی بھی اندازہ نہیں ہوا کہ وہ اپنے ڈانکار بھول چکی تھی وہ اسے بھی ڈرامے کا ایک حصہ سمجھتے رہے۔ امیر کو ایک آنکھ سے ایک بار کچھ دنی تھی ایک بار دوبار اور پھر امیر کو جیسے ہوش آیا چہرہ تڑپتے ہوئے اس نے ایک قدم پیچھے لیا۔ حاضرین کو دیکھ کر ایک آنکھ سے ایک بار پھر کچھ دنی گئی اور اس بار امیر نے کچھ Pick کر لیا۔ ریشمی نے اسے سخت لہجے میں اپنے ڈانکار بولے اور Exit کر گئی ہال اب تانیوں سے گونج رہا تھا اور ان کے سین کے لیے پردہ گر رہا تھا۔ آنکھ پر وہی کھڑے۔ امیر کو اندازہ تھا کہ وہ تالیان کس کے لیے بنا رہی تھیں پردہ کرنے کے بعد وہ ایک آنکھ پر چلی گئی۔

اکھا سین ریشمی کا تھا اور اس کے بیک آنکھ جاتے ہی ریشمی اپنے سین کے لیے آنکھ پر آ گئی۔ امیر نے ایک بار ہا سکرینٹ پکڑ لیا۔ وہ اب فکر مند تھی اپنے ان کے کسی سین میں ریشمی کا سامنا کرتے ہوئے وہ ڈانکار بھول گیا تھا۔ ریشمی اور ایسا ہی ہوا تھا۔ ریشمی کے ساتھ اپنے ان کے سین میں وہ ڈانکار بھول گیا تھا۔ امیر کو اندازہ نہیں آتا تھا۔ اور ڈرامے کے آخری سین تک وہ اسی طرح اپنا پہلی پکڑا تھا۔

آخری سین ایک بار پھر ریشمی کے ساتھ تھا اور آخری سین میں ایک بار پھر ان دونوں کو شادی جوسات میں ایک دوسرے کا سامنا کرتے تھے سنوانت شہزادوں کے ساتھ وہاں میں اپنے ہاٹ اور ملک کا سامنا کر رہی تھی اور یہ آخری سین تھا جس نے امیر کے ذہن میں آخری کیل کا کام کیا تھا۔ وہ ایک بار پھر ریشمی کے سامنے اپنے ڈانکار بھول گئی تھی اور اس بار یہ بات ہال میں موجود حاضرین سے بھی نہیں روکی۔ ایک آنکھ سے سنے والی کو بھی اس بار اس کے کام نہیں آئیں۔ وہ عمل طور پر اپنے ڈانکار بھول چکی تھی اور اپنے آپ کے ساتھ بولنے والے ڈانکار کے جہانے وہ اچھے ہوئے چند چھوٹے چھوٹے ہلے ہلے گئی۔ وہ سکرینٹ کا مضبوط ترین حصہ تھا۔ جو اسے اپنے آپ کے سامنے ادا کرتا تھا اور اس کے علاوہ باقی سب کچھ سہارت کے ساتھ اپنے اپنے ڈانکار ہوا کرتے تھے جبکہ وہ خود سے سنی سنی ہوئی کر رہا تھا۔ وہ ریشمی اور بیٹیہ وہ ڈانکار ہوا۔ اب اپنے ہاتھ سے ہال میں وہ اسے طاقتور نہیں تھے کہ ریشمی اور ہاٹ ہائے۔ نے ہائے جہاں کا مقابلہ کر سکتے ڈرامے کا سکرینٹ ہال اور جہاں نہیں رکھا گیا تھا ان میں بہت سی تبدیلیاں کر دی گئی تھیں اور ان تبدیلیوں میں وہ لہجے لہجے ڈانکار بھی تھے جو سنوانت اور ہاٹ ہائے وہ آخری سین میں لدا کرتے تھے اور ریشمی کو اس نے لدا کے ہائے پر چیلے پھر ہر دو ملی تھی۔



ہوئے ٹھوکن کے درمیان امیر کا عکس تھا۔۔۔ اسی سفید بیکسی میں۔۔۔ کھلے ٹھنڈے ہالے ہالوں پر مختلف رنگوں کے پہلوں سے ۲۴ خوبصورت چہرے۔۔۔ دعوں میں بھری کڑواہٹ اس کی آنکھوں میں نمی لانے لگی۔

mirror mirror on the wall

"I know who is the fairest of us all"

☆☆☆

"پاپا اگر میں بادشاہ کی جگہ ہوتی تو میں کوئین کے بجائے سناوائٹ کا گھا دبا دیتی۔۔۔ اتنی ذاتی ڈفرانڈل سنوائٹ۔۔۔ شکل کے علاوہ اس میں کچھ اچھائی نہیں۔"

صہب امیر کا مذاق اڑا رہی تھی۔۔۔ وہ بھی نینزہ اور اپنی دوسری بہنوں کے ساتھ امیر کا اڑا رس دیکھنے لگی تھی۔ حضور علیؑ انہیں واپسی پر لینے آئے تھے اور واپسی کا پورا سفر اس ڈرامے کی باتوں میں ہی کٹا تھا اور یہ باتیں گھر آنے پر بھی غم نہیں ہوئی تھیں۔

"تم صحیح کہہ رہی ہو۔۔۔ دل تو میرا بھی یہی چاہ رہا تھا۔" امیر نے ایک گہرا سانس لے کر صہب کی ہاں میں ہاں ملائی۔  
"Rakhsi is simply stunning" اس نے ایک بار پھر رششی کی تعریف کی۔

"اتنی تعریفیں کرنے کی ضرورت نہیں ہے اس کی۔۔۔ وہ کوئی آسمان سے اتری ہوئی مخلوق نہیں ہے۔۔۔ امیر کے سامنے تو کچھ بھی نہیں لگ رہی تھی۔" نینزہ کو امیر اور صہب دونوں کی باتیں بری لگیں۔۔۔ انہیں ڈرامے کے دوران ہاں میں رششی کے لیے بیچے والی تالیاں بھی بری لگی تھیں۔۔۔ ان تالیوں کو برداشت کرنا ان کی جینوری تھی مگر اب یہاں بھی رششی کی تعریفیں سنتا۔  
"خیر می ایہ تو آپ زیادتی کر رہی ہیں۔۔۔ رششی واقعی خوبصورت لگ رہی تھی۔" صہب نے کہا۔

"بھئی مجھے تو اپنی بیٹی کے علاوہ اور کوئی خوبصورت لگتا ہی نہیں۔۔۔ بلکہ اور کوئی خوبصورت ہو ہی نہیں سکتا۔" منصور علی نے بڑے پیار سے امیر سے کہا۔

وہ مسکراتی ہوئی اٹھ کر ان کے پاس صوف پر آگئی اور ان کے ساتھ بیٹھ کر اس نے ان کے بازو میں بازو ڈالتے ہوئے بڑے لالچ سے ان کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

"پاپا۔۔۔ رششی واقعی بڑی خوبصورت لگ رہی تھی۔۔۔" اس نے منمناتے ہوئے کہا۔  
"میری تو یہ کچھ میں نہیں آتا امیر کہ تم اپنے ڈائلاگز کیوں بھول گئیں۔۔۔ آخری سین میں تو تم نے ستیاناس کر دیا ہے ڈرامے کا۔" صہب کو افسوس ہو رہا تھا۔

"میں اس کے چہرے اور ایک پھریشز کو دیکھتے ہوئے سب کچھ بھول گئی تھی۔۔۔ کچھ دیر کو تو مجھے لگا کہ وہ واقعی کوئین ہے اور میں کسی دربار میں کھڑی ہوں۔۔۔ اتنی طاقتور تھی اس کی موجودگی کہ میں آپ کو بتا نہیں سکتی پاپا۔۔۔! آپ جب ویڈیو دیکھیں گے تو آپ کو پتا چلے گا کہ میں نہیں کوئی بھی ہوتا وہ رششی کے سامنے اسٹیج پر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔" امیر منصور علی کو بتاتی تھی اور اس کی ہر تعریف نینزہ کے ماتھے کی تیوریوں میں اضافہ کر رہی تھی۔

"ایک تو منصور میں آپ کی اس لالچی بیٹی کی حرکتوں سے تنگ ہوں۔۔۔ اپنے علاوہ اسے ہر کوئی اچھا لگتا ہے۔ وہاں سب لوگ اس کی تعریفیں کر رہے تھے اور یہ یہاں بیٹھی رششی کی تعریفیں کر رہی ہے۔۔۔ میں نے تو نظر بھر کر اسے نہیں دیکھا کہ میری نظریں نہ لگ جائے اسے۔۔۔ ماشاء اللہ یہ لگ ہی اتنی پیاری رہی تھی مگر میں نے کئی لڑکیوں کو خود اس کی تعریفیں کرتے سنا ہے۔ یہ وہاں بھی ہر ایک کو پکڑ پکڑ کر بیٹی کہتی پھر رہی تھی کہ رششی بہت اچھی لگ رہی ہے، رششی نے کمال کی ایجنٹ کی۔"

نینزہ نے آخری جھلے میں اس کی نقل کی۔

"ایک تو پاپا۔۔۔ امی کی کچھ کچھ میں نہیں آتا۔۔۔ ہاں نہیں رششی سے کیوں اتنا چلتی ہیں، اب کوئی اچھا کام کرے گا تو میں کہوں گی کہ اچھا کام کیا ہے۔ پھر میں ہی نہیں سب یہی کہہ رہے تھے کہ رششی نے کمال کی ایجنٹ کی ہے اور میں جو دو دلہ



اپنا ترجمہ کرنا اب کیا اپنے من سے اپنی تعریفیں کرتی ہوں۔ مگر کی تو کمال کرتی ہیں۔" اس بار امیر نے کچھ چکر کہا۔  
 میں دیکھ لوں گی تو آپ خود کچھ لکھنے کا کہہ دوں میں سے کس نے ابھی اچھک کی ہے مگر آپ میں کراہ  
 ہوتی ہے۔ میں بالکل مشفقانہ رائے دوں گا۔ اب تم مجھے یہ بتاؤ کہ تم ہم سب کو اس ڈرامے کی کامیابی میں  
 کب پارٹی دے رہی ہو۔

اب پارٹی دے رہی ہوں۔ اتنی بے عزتی ہوئی ہے میری اور آپ کہہ رہے ہیں کہ ڈرامے کی  
 کامیابی۔ "میرے من کے کندھے پر ہلکا سا ننگا مارتے ہوئے احتجاجاً کہا۔  
 صرف تمہاری نہیں ہماری بھی بے عزتی ہوئی۔ خود سوچو تم تو اسٹیج پر تھیں اور ہم وہاں بال میں بیٹھے ہوئے تھے۔ کون  
 یہاں شرمندہ ہوا گا۔" صہد نے شرارتی انداز میں کہا۔  
 "میرا چلو ڈرامے کی ناکامی کی خوشی میں ہی تم ایک پارٹی کا انتظام کرو۔ آخر تم نے ڈرامے میں کام تو کیا ہے چاہے  
 برائی کیا۔" منصور علی نے امیر سے کہا۔  
 "میرا کم مجھے تو نہیں ہو سکتی۔ آپ کو ہوئی ہے تو آپ ہی پارٹی دے دیں۔" امیر  
 نے ایک بار منصور علی کے کندھے پر سر رکھتے ہوئے کہا۔  
 "تیک سے میں دے دیتا ہوں۔ کب دوں۔ کہاں دوں۔"

"پاپا آپ تو واقعی مجھے شرمندہ کرنا چاہتے ہیں پہلے اگر وہ لوگوں کو اس کا پتا ہے تو اب سو لوگوں کو پتا چل جائے گا۔"  
 "تو پھر کیا ہوا۔" یعنی تم کوئی پروڈیشن ایکٹریس تو ہو نہیں۔ یہ بس ایک ایکٹیوٹیٹی تھی۔ تفریح کے لیے۔ کون اس  
 پر حریف کرے گا اور پھر یہ کون سا پینٹل نیٹ ورک کا کوئی ڈرامہ تھا کہ تم شرمندہ ہوتی پھر دو۔" منصور علی نے اس کی شرمندگی کو  
 بڑھانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔  
 "ابھی تو غلط بھائی پوچھیں گے کہ آپ نے کیا کارنامہ کیا ہے ڈرامے میں۔ انہیں کیا بتاؤ گی؟" صہد نے جیسے

اسے اذیت دیا۔

"تو نہیں کہوں گی۔"  
 "میں اس کے سامنے بھی کہیں رخصتی کی تعریفیں کرنے مت بیٹھو جاؤ۔" میزبہ کو اچانک خیال آیا۔  
 "نہیں ہی ہاں اس کے سامنے تو میں اپنی تعریفیں کروں گی اور اتنی تعریفیں کروں گی کہ وہ ہاتھ جوڑ کر چپ کروائے گا۔"  
 یہ بڑی تو نہیں ہے اسے فوراً پتا چل جائے گا کہ میں جھوٹ بول رہی ہوں۔ آپ بھی بس شرمندہ ہی کروانا چاہتی ہیں۔" امیر  
 نے کچھ ہنسی کے عالم میں میزبہ کو دیکھ کر کہا۔  
 "وہی ہے جی۔ یہ تو ویڈیو بھی دکھائے گی غلط بھائی کو۔ پھر جھوٹ کی گنجائش کہاں رہ جائے گی۔ کیوں امیر؟" صہد  
 نے ایک بار پھر اس سے کہا۔

"ہاں ویڈیو تو ضرور دکھاؤں گی۔ بلکہ سونانے تو خود بھی سووی بنائی ہے۔ وہ تو کل ہی مل جائے گی۔"  
 "خبردار تم نے غلط کو ویڈیو دکھایا۔ مجال ہے تم میں ذرا بھی عقل ہو۔ میں تمہیں رخصتی کی تعریف سے منع کر رہی ہوں اور  
 تو ویڈیو سے دکھانے کی پانگ کر رہی ہو۔" میزبہ نے کچھ ناراضی کے عالم میں امیر سے کہا۔  
 "میں رخصتی کے لیے تعویذی اسے سووی دکھاؤں گی اپنے لیے دکھا رہی ہوں ایک تو می آپ بھی۔" امیر نے ناگواری  
 سے کہا۔

"تو نہیں کہوں گی کیا اس میں؟"

"آپ کا کیا مطلب ہے وہ میرے بھائے رخصتی کو دیکھتا رہے گا، کمال کرتی ہیں می آپ بھی۔" امیر کی ہنسی میں کچھ

”امبر! تم ایسا کرو کہ ویڈیو کی ایڈیٹنگ کرواؤ اور رخصی کے تمام سینز کٹوا دو۔ کم از کم می کو اس طرح تسلی تو ہو جائے گی کہ ظہر بھائی کی نظر اس پر نہیں پڑے گی۔“ صبغہ نے ہنستے ہوئے امبر کو مشورہ دیا۔

”ہاں مجھے بھی لگتا ہے کہ یہی کروانا پڑے گا..... ورنہ می تو.....“ امبر نے مسکراتے ہوئے بات ادھوری چھوڑ دی۔ منصور علی خوشگوار سے ان کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہے تھے..... انہوں نے خاصے لمبے وقفے کے بعد ایک بار پھر گفتگو میں مداخلت کی۔

”بھئی اب ختم کرو اس سارے جھگڑے کو..... امبر نے اچھا کام کیا ہے اور رخصی نے بھی..... معاملہ ختم۔“

”آپ بھی پاپا.....! آپ نے کبھی رخصی کو دیکھا تک تو ہے نہیں.....“ امبر باپ کی بات پر ہنسی۔

”اچھا بھئی دیکھ لیں گے..... یہاں تو آتی جاتی رہتی ہے وہ۔“ منصور علی نے خوشگوار انداز میں کہا۔

”ہاں ضرورت سے کچھ زیادہ ہی آتی جاتی رہتی ہے۔“ نیزہ ایک بار پھر بڑبڑائیں۔ اس سے پہلے کہ امبر کچھ کہتی فون کی گھنٹی بجنے لگی۔

”یہ طلحہ کا فون ہوگا..... میں ذرا اس سے بات کر لوں۔“ امبر کو یک دم یاد آیا اور وہ اٹھ کر فون کی طرف بڑھ گئی۔

## ذہن باب

پارٹی اپنے پورے عروج پر تھی۔ بلال وحیدی کی ہر پارٹی کی طرح یہ پارٹی بھی اپنی مثال آپ تھی۔ پورے شہر کی توجہ اس پارٹی پر تھی۔ بلال وحیدی شہر میں اپنی پارٹیز کی وجہ سے ہی جانا جاتا تھا۔ یہ پارٹیز ایلیٹ کلاس کو جہاں سوشلائز کرنے کے لیے توجہ دے رہے تھے۔

توجہ دینا ہی کافی نہیں ہوتا۔ بلال وحیدی کی پارٹی میں زیادہ تر فیملیوں کو مدعو کیا گیا تھا اور اس بار بلال وحیدی نے گیٹ لسٹ میں مدعو کیا گیا تھا۔ وہاں پر اس کی پارٹی میں کپلو ہی بلوائے جاتے تھے اس پارٹی میں روایت کے برعکس فیملیوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ بلال وحیدی کی تیسری پارٹی تھی جس میں منصور علی شریک کر رہے تھے۔ اس سے پہلے وہ پارٹیز میں اکیلے ہی شرکت کر چکے تھے۔ پارٹیز میں میزبانی اور زیادہ تر پارٹیز میں مدعو کیا گیا تھا۔ بلال وحیدی کی پارٹی میں مدعو کیا گیا تھا۔ بلال وحیدی کی پارٹی میں مدعو کیا گیا تھا۔ بلال وحیدی کی پارٹی میں مدعو کیا گیا تھا۔

بلال وحیدی نے اپنے ذہن کا خاصی شدت سے احساس ہوتا۔ ان کے برعکس منصور علی نے اپنے آپ کو بالکل فٹ رکھا ہوا تھا۔ ان کے ذہن میں بارگاہ کھیلے جاتے تھے اور بعض دفعہ سوئنگ بھی کرتے۔

بلال وحیدی نے اپنے ذہن کو کم کرنے کی کوشش کی تھی اور بعض دفعہ سوئنگ بھی کرتے۔ ان کے ذہن میں بارگاہ کھیلے جاتے تھے اور بعض دفعہ سوئنگ بھی کرتے۔

بلال وحیدی نے اپنے ذہن کو کم کرنے کی کوشش کی تھی اور بعض دفعہ سوئنگ بھی کرتے۔ ان کے ذہن میں بارگاہ کھیلے جاتے تھے اور بعض دفعہ سوئنگ بھی کرتے۔

بلال وحیدی نے اپنے ذہن کو کم کرنے کی کوشش کی تھی اور بعض دفعہ سوئنگ بھی کرتے۔ ان کے ذہن میں بارگاہ کھیلے جاتے تھے اور بعض دفعہ سوئنگ بھی کرتے۔

”مسور علی... مسور علی کے بڑے بھائی ہیں۔ جینری تو ان ہی کی ہے مگر چونکہ یہ ہارون ملک تھے تو مسور علی نے جینری کا انتظام سنبھال لیا ہے۔ اب یہ وہاں آگئے تو جینری کا انتظام بھی انہوں نے خود سنبھال لیا ہے۔“ ہارون نے وضاحت کرتے ہوئے کہا۔

”تو مسور علی صاحب نے جینری چھوڑ دی؟“ اسی شخص نے کچھ تجسس آمیز انداز میں کہا۔

”جی نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ وہ بھی وہیں ہیں، میں بھی وہیں ہوں، ان کے بھی کچھ شیئرز ہیں جینری میں۔“ ہارون نے خود بتایا۔

”اب ہارون ملک کیا کرتے تھے؟“

”مگر نئی کی آپ سچھانچ کا کام تھا میرا۔“ مسور علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اور یہ ہارون کمال ہیں... ان سے ملوانے کے لیے لے کر آیا ہوں میں آپ اس دن پوچھ رہے تھے۔“

اس بار ہارون وحیدی نے ایک اور آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا جو ٹراؤرز کی ایک جیب میں ایک ہاتھ والے دوسرے میں شروب کا گھٹن پکڑے بڑی لاپرواہی اور بے نیازی کے ساتھ مسکراتے ہوئے مسور علی اور وہاں موجود ہائی ٹیم لوگوں کے درمیان ہونے والی گفتگوں رہا تھا۔ ہارون وحیدی کے تعارف کروانے پر اس نے ٹراؤرز کی جیب سے اپنا ہاتھ باہر نکال کر گھاس اس میں منتقل کیا اور دوسرا ہاتھ مسور علی کی طرف بڑھا دیا۔ جسے مسور علی نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ تھما۔

”اچھا تو یہ ہارون کمال ہیں... میں نے خاصا شہرہ سنا ہے شہر میں آپ کا...“ حمیرہ میں بھی خاصی باتیں ہوتی ہیں آپ کی...“ مسور علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آپ کے بارے میں بھی خاصا کچھ سنا ہے میں نے ہارون وحیدی سے۔“ ہارون کمال نے جواباً مسکراتے ہوئے من سے کہا۔

”ہارون وحیدی کو عبادت ہے ہر ایک کے بارے میں کچھ نہ کچھ سنا رہے کی۔“

وہاں موجود ایک اور شخص نے قدرے بلند آواز میں کہا۔ جس پر ایک ہلکا سا فہمائشی قہقہہ لگا ہارون وحیدی کا اپنا قہقہہ سب سے اتر چکا تھا۔

”مسور علی اس بار حمیرہ کے ایکشن میں کھڑے ہو رہے ہیں سیکریٹری کے لیے...“ ہارون وحیدی نے مسور علی کے بارے میں جیسے انکشاف کیا۔

”اور یقیناً آپ کے گروپ کی طرف سے ہی کھڑے ہو رہے ہوں گے۔“ ہارون کمال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ظاہر ہے دوسرے گروپ والے اتنے فراخ دل کہاں ہیں کہ اس طرح کے مواقع دیتے پھریں، نئے لوگوں کو۔ یہ ہمارا گروپ ہی ہے جس کا منو ہے۔“

”Lets back up the new blood“ ہارون وحیدی نے بڑے فخریہ انداز میں کہا۔

”اور آپ کا ہر نیا امیدوار 45 سے کم کا نہیں ہوگا... کیا مذاق ہے۔“ اس بار ایک اور شخص نے تمبرہ کیا ایک اور فہمائشی قہقہہ لگا۔

”دوسرا گروپ تو 60 سے کم کے کسی امیدوار کو دیکھتا ہی نہیں ہے، ہم تو پھر بھی 45 کے لوگ میدان میں اتار رہے ہیں۔“

45 اور 60 کا فرق دیکھیں اظہار صاحب... اور ہمیں ووٹ دیں۔“ ہارون وحیدی نے خوشگوار انداز میں اس شخص سے کہا۔

”آپ کو یہ بات کہنے سے پہلے یہ سوچ لینا چاہیے تھا کہ میں خود 65 سال کا ہوں۔“ اظہار سعید نے اسی بر جستگی سے کہا۔ ایک اور قہقہہ لگا۔

”بہر حال اس بار میں ہارون وحیدی نے گروپ کو ہی ووٹ دوں گا۔ اتنی پارٹیز اینڈ کرنے کے بعد یہ مجھ پر فرض ہو گیا ہے۔ کیوں ہارون وحیدی صاحب؟“ اظہار سعید نے مسکراتے ہوئے ہارون وحیدی سے کہا۔

”فخر پارٹیز میں تو آپ کو تب بھی انوائیٹ کرتا رہا ہوں جب آپ ”دوسروں“ کے...“

ووٹ تھے۔ پارٹیز کو سچ میں نہی لائیں تو بہتر ہے۔ یہ تو صرف میل ملاپ کے لیے ہوتی ہیں۔“ ہارون وحیدی نے اظہار سعید کی بات کے جواب میں کہا۔

”نہ تو آپ کو قزاقی دینی اچھا صاحب! پارلیمنٹ کی بات کیے بغیر ہی ووٹ دے دینا اور نہ دوسرے حصے سے بلکہ پھر جرات کاٹنے لگیں۔“ بلال وحیدی نے سنی فخر اعجاز میں کہا۔

آپ نے اس بار میڈیا ہی ایسے کڑے کر دیے ہیں کہ مجھے انکار کرنا ہی مشکل ہو گیا ہے سارا جگ بگڑے آئے ہو جنہیں ابورے چھٹی کی پارلوں کو آزمانا تھا۔“ اچھا سعید نے کہا۔

”اگلی بار۔۔۔ آپ جیوں کو نہیں آپ کو ہی آزمانا گا۔ آپ پہلے ووٹر تو نہیں پھر امیدوار بن جائیں گے۔“ ایک اور فریٹنگی تھپ۔ گا۔

”آج سے بات کاٹنا تو کوئی بلال وحیدی سے چکھے۔“ اچھا سعید نے قدرے ملاحظہ ہوتے ہوئے بلال وحیدی کے

لہجے کے جواب میں کہا۔

بادن کمال پڑی دلچسپی سے وہاں ہونے والی گفتگوں رہا تھا اور گفتگو سننے کے ساتھ وہ ادھر ادھر اچھتی نظر میں بھی دوڑا رہا۔

بادن کمال سے گمگمے سے پندرہوں اور گورنوں کے ایک گروپ کے ساتھ کھڑی باتوں میں مصروف تھی۔ بادن کمال فوری طور پر اس گروپ کا گھاس ہونٹوں تک لے جاتے جاتے رک گیا۔ ایک سٹائٹنگ

نے یہ سٹاکس پر اعلیٰ بڑیک دم وہ ہاتھ میں پکڑا مشروب کا گھاس ہونٹوں تک لے جاتے جاتے رک گیا۔ ایک سٹائٹنگ

تشریح اس کے ہونٹوں پر ابھری تھی۔ اس کی توجہ مکمل طور پر ان لوگوں سے ہٹ گئی تھی جن کے ساتھ وہ کھڑا تھا۔

اس کی توجہ کامر کرنے والی لڑکی سفید سلینے میں لباس میں لپٹیں تھی اس کے لباس پر سفید موتیوں کا کام تھا اور اسی طرح

نے سٹاکس کی ایک ماگ میں پینے ہوئے تھی۔ کانوں میں ٹفٹے والے آڈیز سے بھی ایسے ہی ایک ایک موتی پر مشتمل تھے۔

یہیں سے تھوڑے لمبے تک ٹفٹے والے گھنے سلکی ہالوں کو وہ بار بار گردوں کے ایک جھٹکے کے ساتھ پرے کر رہی تھی۔ اس کی سفید

رنگت اور سفید لباس اس حد تک مماثلت رکھتے تھے کہ ہاروں کمال کے لیے یہ اندازہ لگانا مشکل ہو رہا تھا کہ اس کا لباس کہاں ختم

ہو رہا تھا اور اس کی جگہ کہاں سے شروع ہو رہی تھی۔ وہ چند لڑکیوں کے ساتھ مشروب کا گھاس ہاتھ میں لیے کھڑی تھی۔ اور کچھ دیر

بعد اس کی بات پر فہمی تھی۔

بادن کمال نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔ بہت عرصے کے بعد اس نے اس طرح کا حسن دیکھا تھا۔ شائستگی کے

برعکاس۔۔۔ وہ لڑکی اس سلینے میں لباس میں دوپٹے کے بغیر تھی اور اس کا وجود کسی خوبصورت جھمکے کی طرح لگ رہا تھا ایک نظر

لگا دیکھنے پر بادن کمال کو احساس ہو گیا تھا کہ وہ اس پر نظریں جمانے والا واحد آدمی نہیں تھا۔ آس پاس کھڑے اور بھی

بہت سے مرد اور لڑکیاں ہی کو دیکھنے میں مصروف تھے۔ اور ان تمام نظروں میں سٹائٹنگ اور مصروفیت تھی۔

بادن کمال بے اختیار اس کے پاس جانا چاہتا تھا۔ جو دور سے اس قدر خوبصورت لگ رہی تھی وہ قریب سے کیا قیامت

اٹھائی ہوگی۔ مگر اس کے قریب جانے کے لیے اس کے پاس کیا جواز تھا۔ اس نے ہاتھ میں پکڑے ہوئے گھاس میں موجود

مشروب کے چند اور گھنٹ لیے۔

”آپ کی کیا رائے ہے کمال صاحب؟“ بلال وحیدی نے اچانک اسے مخاطب کیا۔

بادن کمال یک دم گڑبڑا گیا۔ اس کی نظر اس لڑکی پر سے ہٹ گئی۔ وہ کچھ نہیں پائی بلال وحیدی نے کس چیز کے بارے

میں ان کی رائے مانگی ہے۔

”صرفی میں آپ کی بات نہیں سن سکا۔“ بادن کمال نے معذرت کی۔ ”آپ کس چیز کے بارے میں پھری رائے

اپہے ہے جی؟“ اس نے بلال وحیدی سے کہا۔

”میں استحقاق۔“ بلال وحیدی کا جملہ استحقاق صدیقی نے کاٹ دیا۔

اس نے اس کے درمیان ٹوک جھونک ہونے لگی۔ بادن کمال نے چند منٹوں کے بعد گردن موڑ کر ایک بار پھر اس طرف

دیکھا مگر وہ لڑکی موجود تھی۔ وہ لب وہاں نہیں تھی۔

کہا اس کو کیا جانچا تھا سائینڈ میں گئی ہوئی ایک نخیل سے پلیٹ اٹھانے کے لیے وہ آگے بڑھی اس سے پہلے کہ وہ  
الٹائی ایک مردانہ ہاتھ نے پلیٹ اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دی۔ اس لڑکی نے کچھ ہنسنے کی گے وہ قدم کے کاٹنے پر  
اس آدی کو دیکھا جو اپنے ہاتھ میں بھری دو پلیٹوں میں سے ایک اس کی طرف بڑھا رہا تھا۔

”چالیس بیسٹھ کس سال کا وہ دراز قدم شخص غیر معمولی طور پر دلکش تھا اس نے ہمیدگی سے ایک ناقص نظر اس پر اٹھ کر  
پھر اس کے پڑھتے ہوئے ہاتھ کو نظر انداز کرتے ہوئے میز پر موجود پلیٹوں میں سے ایک پلیٹ اٹھائی۔ اس آدی کے منہ سے  
کچھ دیر پہلے موجود سکرابت یک دم غائب ہو گئی قدرے خفیف ہو کر اس نے پلیٹ واپس نخیل پر رکھ دی۔ اس سے پہلے کہ  
اسے مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے آگے بڑھ جاتی۔ اس آدی نے اسے مخاطب کیا۔

”شاید آپ کو میرا پلیٹ دینا اچھا نہیں لگا؟“ اس نے کہا۔

اس لڑکی نے آگے بڑھایا ہوا قدم پیچھے کر لیا۔

”یقیناً مجھے آپ کا پلیٹ دینا اچھا نہیں لگا۔“ اس نے مستحکم آواز میں اسی کے انداز میں جواب دیا۔

”میں مدد کرنا چاہ رہا تھا آپ کی۔“ اس نے جیسے وضاحت کی۔

”مدد کس لیے کرتا چاہ رہے تھے آپ؟“ اس لڑکی نے قدرے ترشی سے کہا۔ وہ اس کے اس جملے پر کچھ گڑبڑائی۔

”مدد کیوں کرتا چاہ رہا تھا.....؟ اس کا کیا جواب دوں مدد کس لیے کی جاتی ہے۔“ اس نے جواباً سوال کیا۔

”سنا کر کرنے کے لیے۔“ اسی روانی سے جواب آیا۔

”کیا آپ ہر پارٹی میں اسی طرح پلیٹیں سرو کرتے پھرتے ہیں لڑکیوں کو؟“

اس آدی کے چہرے پر ایک لٹکے کے لیے ایک رنگ آ کر گزر گیا۔ لڑکی کی بات کا جواب دینے کے بجائے اس نے کہا

”میرا نام ہارون کمال ہے؟“

”اچھا پھر.....؟“ لڑکی نے اسی تندی و تیزی کے ساتھ کہا۔

”پھر کچھ نہیں۔“ اس بار ہارون اس کے انداز پر نرس پڑا وہ اس کے سننے پر کچھ جریز ہوئی۔

”وزیٹنگ کارڈ نہیں دیں گے آپ مجھے اصولی طور پر تو یہ آپ کا اکھا اسٹیپ ہونا چاہیے۔“ ہارون اس بار اس کی بات پر

سکرایا۔

”نہیں میں آپ کو وزیٹنگ کارڈ نہیں دوں گا۔ مگر آپ کا وزیٹنگ کارڈ ضرور لینا چاہوں گا۔“ ہارون نے اپنی بات کے

جواب میں اسے سرد مہری سے اپنے آپ کو سر سے پاؤں تک دیکھتے دیکھا اور پھر کچھ کہے بغیر وہ آگے بڑھ گئی۔

ہارون کمال وہیں کھڑا اے جاتا دیکھتا رہا۔ کسی معمول اور مسکور کی طرح۔ وہ بے حد مرعوب تھا اس لڑکی کے ہر انداز میں

عجیب قسم کی محنت اور بے نیازی تھی۔ پلیٹ بڑھانے کی وہ منارت یقیناً اس کے لئے نئی نہیں تھی۔ وہ ایسی نوآبادیات کی ماٹھی

ری ہو گئی اسی لیے وہ فوری طور پر اس قدر برہم ہو گئی تھی مگر اس کی برہمی نے ہارون کو کچھ اور مرعوب کیا تھا۔ وہ اسے سنتے ہوئے

دیکھ چکا تھا اور اب اس نے اسے غصے میں بھی دیکھا لیکن وہ ہر حال میں بیروں کے بچے سے زمین سمجھ لینے والا انداز رکھتی تھی۔

وہ اسے دور جاتے ہوئے دیکھتا رہا اس کے کندھوں سے کچھ نیچے تک پھیلے ہوئے گھنے سیدھے اور سگی بال اس کے

قدموں کی ہر حرکت کے ساتھ ہلکے سے لے رہے تھے۔ دائیں بائیں اوپر نیچے ہارون کمال نظر ہٹا نہیں پار رہا تھا۔ ہر لٹکے کے

ساتھ اس کا دل کسی ان دیکھی گرفت کا شکار ہو رہا تھا یہ وہی جاہلو تھا جو سرچھ کر یوں تھا یہ وہی جاہلو تھا جس کے لیے امیر منصور علی

مشہور تھی۔

☆☆☆

منصور علی نے حیرت بھری سکرابت کے ساتھ اپنے سامنے کھڑے ہارون کمال کو دیکھا کچھ دیر پہلے انہوں نے بال  
ویدی کے تعارف کے بعد ہارون کمال کے انداز و اطوار سے اس کے بارے میں جو اندازہ لگایا تھا وہ ایک دم انہیں لگتا محسوس ہوا



"ابراہیم اور منورہ جی صرف میرے پاس ہوتی چاہیے اور نورہ ہوتی چاہیے۔" اور ہر جگہ کے راستے میں اس قسم کی باتیں کہیں تو صرف اس جگہ کے بارے میں ہوتی تھیں جو اسے ضرورت سے بگم نہ زیادہ اچھی لگتی تھیں اور آئی کی راحت سے ہم سب کو اچھی لگتی تھی۔

اور ہارون کمال وقت ضائع کرنے کا قابل نہیں تھا۔ وہ رسک لینے سے بھی نہیں ڈرتا تھا۔ جس سالانہ میں زندگی نہ بڑھی ہو وہ ان ہی دو خوبیوں کی وجہ سے سب سے اوپر جا کر رہا تھا۔

منصور علی اپنے ساتھ چلتے ہوئے ہارون کمال کے بارے میں سوچ رہے تھے آخر اس شخص کے پاس وہ کون سا کام کرے گی یہ کبھی نہ کام نہیں ہوتا جس چیز کو وہ ہاتھ لگائے وہ سونامی جاتی ہے۔ وہ ان باتوں کے بارے میں سوچ رہے تھے کہ وہ کچھ باتوں میں وہ ہارون کمال کی بزنس اسٹریٹیجی (حکمت عملی) کے بارے میں اس سے کہنے والے تھے۔ ہارون کمال ان کے ساتھ چلتے ہوئے ابھی بھی ابرہ منصور علی ہی کو دیکھ رہا تھا۔

"میں آپ کی وائف سے ملنا چاہوں گا۔" وہ منصور علی کی بات پر چونکا۔ انہوں نے ہانک اچانک عیا سے چھب پور کیا؟

"میں آپ کی وائف سے ملنا چاہوں گا۔ کیا وہ آپ کے ساتھ آئی ہیں؟" منصور علی نے ایک بار پھر اچانک ہاتھ اٹھانے کے ساتھ دہرائی ہارون کمال نے بہت گہری نظروں کے ساتھ منصور علی کو دیکھا اور مسکرایا۔ جیسب سے انہوں نے کہا۔

"ہاں وہ یہاں آئی ہیں۔ آپ سے نہیں ملیں گی تو کس سے ملیں گی۔" منصور علی نے ہارون کمال کی بات سنی اور دیکھا۔

"ہارون کمال واقعی بہت بہ مذاق انسان ہے۔" انہوں نے سوچا۔



"فخریت تو ہے آج تمہارا" "سایہ" تمہارا ساتھ نظر نہیں آ رہا؟" سونامی نے ابرہ کو اکیلے اپنی طرف آتے دیکھ کر کہا۔ ابرہ نے نام کواری سے اس کی طرف دیکھا۔ اسے اندازہ ہو گیا کہ وہ روشنی کی طرف اشارہ کر رہی ہے۔

"اکیلے اس نے تمہیں چھوڑے دیے۔ وہ تو تمہیں بھی اکیلا نہیں چھوڑتی خاص طور پر ہم لوگوں کے پاس آتے ہوئے۔" سونامی نے طنز کرنا جاری رکھا۔

"تم اپنا فضول ہاتھ بندھ نہیں کر سکتیں؟" ابرہ نے روشنی سے کہا۔

"تمہارا مطلب ہے کہ میں اپنا منہ بند کر لوں؟"

"ہاں جی ابھی مطلب ہے۔"

"جہاں کہ تم روشنی کے بارے میں کوئی ایسی بات نہ کرو۔ جس سے اس کی شان میں فرق آتا ہو اور جو تمہیں نامور کرنے ہے؟" سونامی نے اسی انداز میں بات جاری رکھی۔ "پہلو ٹھیک ہے کہ جتنی ہوں منہ بند تم بھی کیا یا کرو گی۔" وہ ایسے تمہیں آگے لے کر آ رہی ہو؟"

وہ سنا بھی نہیں تھی۔ روشنی کاغذ میں پورا وقت ابرہ کے ساتھ ہوتی تھی اور شاہزادہ نور علی اسے بھی اکیلا چھوڑتی تھی۔

"روشنی آج کان نہیں آئی۔" ابرہ نے اسے بتایا۔

"ابو تب ہی میں بھی کہوں گا کہ کاغذ میں تو وہ تمہیں اس طرح اکیلا نہیں چھوڑ سکتی۔" سونامی نے سینی جھاننے کے انداز میں ہونٹ سوزاتے ہوئے۔ مگر اس بار ابرہ نے اس کے تہرے پر کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا۔ بلکہ اس نے قدرے چھپوگی سے کہا۔

"نہ نہیں وہ آئی تھی میں اس طرف وہ اچانک تو پھینکی بھی بھی نہیں کرتی۔ اور پھر وہ تمہیں تو اس کا کوئی ارادہ بھی نہیں تھا۔"



میں نے بتی رہی۔ "وہ اب جانے اور اندازے لگانے میں مصروف تھی۔  
 کوئی بات نہیں اب، مشورہ ملی، اگر ایک دن وہ دانتاے کانچ سے غیر ماضی ہوں ہے تو یہ کوئی بہت بڑی بات نہیں ہے۔  
 ملی آج ہن سر بہ نہیں ٹوٹ پڑا۔ آپ خاطر جمع رکھیں۔ وہ کل ٹھیک لے آئیں گی۔ اس بار حصہ نے سونیا والے انداز میں

اس سے کیا تھا۔  
 اس کے بارے میں بھی اس طرح پریشانی کا اظہار کر دیا کریں، جس طرح آپ ان سحر کے بارے میں پریشانی  
 کا اظہار فرمادی ہیں۔ "ابیر کو ہنسا آ گیا۔

ابیر نے کہا: "کیا مطلب ہے تمہارا؟ کیا تمہارے ذہن نے آج پر نہیں پوچھتی میں؟"  
 "مگر اس طرح تو مجھے نہیں پوچھیں، جس طرح اس کے بارے میں پوچھ رہی ہو۔" حصہ نے ترکی پر ترکی جواب دینے

کہنے لگا۔  
 "تم تو کون نے اگر اس طرح کی باتیں جاری رکھیں تو میں یہاں سے چلی جاؤں گی۔" ابیر نے انہیں دھمکایا۔  
 "مگر جا کر فون کر کے پوچھ لینا اس سے کہ وہ کیوں نہیں آئی۔" حصہ نے اس کی دھمکی پر ایک دم بات بدلنے ہوئے

کہا۔  
 "ہاں سچی کرنے کا سوچ رہی ہوں میں۔" ابیر نے اس کے مشورے کے جواب میں کہا۔  
 "مگر ساتھ اسے یہ بھی بتا دینا کہ سارا دن تم اس کے بلیر ہو کھلائی پھرتی رہی ہو۔" سونیا نے ایک بار پھر پہلے والے لہجے

میں کہا۔  
 "ابیر نے ایک ٹھنڈی سانس لے کر سونیا کو دیکھا۔ وہ جانتی تھی حصہ کے برعکس اس پر اس کے فتنے کا کوئی اثر نہیں ہوگا۔  
 "رشتی اس طرح نہ آنے پر واقعی قدرے حیران و پریشان تھی جو اس کے لیے خلاف معمول بات تھی۔ شاید اب

اسے رشتی کے ساتھ رہنے کی عادت ہو گئی تھی اسی وجہ سے اس نے اس کی ایک دم غیر ماضی کو اتنا محسوس کیا تھا۔  
 مگر جا کر اس نے رشتی کو فون کیا تھا مگر اس کا فون اٹھتا تھا پھر دھونے دھونے سے اس نے کئی بار اسے کال کی مگر ہر بار اس  
 کا نمبر اچھی سی ۵۔ پتا خراس نے ٹھک آ کر فون رکھ دیا۔

☆☆☆

رشتی اگلے دن بھی کانچ نہیں آئی تھی۔ ابیر نے اگلے دن ایک بار پھر گھر آ کر بار بار فون پر اس سے رابطہ کرنے کی  
 کوشش کی مگر اس دن بھی وہ اس سے فون پر بات نہیں کر سکی۔  
 تیسرے دن بھی رشتی کانچ نہیں آئی اور اس دن ابیر نے رشتی کی ایک پرانی دوست کو ڈھونڈ کر اس کے بارے میں

پوچھا وہ اس کے محلے میں رہتی تھی۔

گائزہ نے ابیر کے استفسار پر حیرت سے اس کی شکل دیکھا۔

"آپ کو نہیں پتا۔"

"کس بات کا؟"

"رشتی کی بڑی بہن مرگئی ہے اسی لیے وہ کانچ نہیں آ رہی۔"

"کھا۔۔۔؟" ابیر کو جیسے ایک شاک سا لگا۔

"ہاں کی بہن مر گئی ہے۔ کیسے؟"

"اس کے شوہر نے اسے قتل کر دیا گا گھونٹ کر۔" ابیر کا سانس رک گیا۔

"شوہر نے قتل کر دیا؟" اس نے بے چینی کے عالم میں اس کا جملہ دہرایا۔

"ہاں اس کے شوہر نے قتل کر دیا۔" گائزہ نے قدرے افسوس بھرے انداز میں کہا۔

”مگر کیوں؟“ امبر نے شانک لہجے میں پوچھا۔  
 ”بس ان کے دماغ بہت سے اخلاقیات تھے اس لیے۔“  
 ”کسے اخلاقیات؟“

”مجھے تفصیل سے تو بتائیں ہے مگر میں نے سنا تھا کہ وہ پہلے بھی اکوڑا رہتا تھا۔ اے۔۔۔ ہوگی بولی بگڑی ہوئی۔  
 لڑائی اور اس نے فٹے میں اس کا گھبرا دیا۔“ قانزہ نے اسے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ ”آپ کو بتانا نہیں رہتی ہے۔“  
 ”نہیں۔۔۔“ وہ تائے بغیر جھنی پر چلی گئی۔ میں پچھلے ”دن سے فون کر رہی ہوں مگر فون اٹکتا ہے۔“ سمجھ رہا ہوں  
 ”بس جی جی اس کے گرجب مجھے پتا چلا۔ تو وہ سب بہت پریشان تھے۔“ قانزہ نے کہا۔  
 ”پولیس نے اس آدمی کو گرفتار کیا؟“

”نہیں۔۔۔ تو توجہ گاہ گیا ہے کہیں پولیس نے ایف آئی آر درج کر لی ہے مگر وہ پکڑا نہیں پاسکا۔ پکڑو۔۔۔ ہو گیا ہے  
 ہیں کہ پولیس کو اس کا پتا ہے کہ وہ کہاں ہے مگر وہ اسے پکڑا نہیں چاہتے کیونکہ اس نے پولیس کو بگڑا دیا۔ وہ اسے دلی سب کا تار  
 رہی جی“ ویسے بھی اگر وہ پکڑا بھی گیا تو بھی کیا ہوگا۔ اس کی بین تو زندہ نہیں ہو سکتی۔“  
 ”ہاں وہ تو زندہ نہیں ہو سکتی مگر اس کو سزا تو ملنی چاہیے۔ اس طرح کھلا کیسے پھر سکتا ہے۔“ امبر نے قانزہ سے کہا۔  
 ”پکڑو۔۔۔ وہ اسی طرح قانزہ سے تنگلو میں مصروف رہی اس کے بعد وہ اسے خدا حافظ کہتے ہوئے گاڑے آئی مگر یہ  
 گرجب نے کے بجائے اس نے ڈرائیور کو رشتی کے گھر کی طرف گاڑی موڑنے کے لیے کہا۔“

☆☆☆

رشتی سے گھر کے دروازے پر دستک دینے پر دروازہ رشتی نے ہی کھولا تھا۔ امبر کو دروازہ بون بند دیکھ کر حیرت ہوئی۔  
 کا خیال تھا اس کے گھر آج بھی تعزیت کرنے والے خاصے لوگ موجود ہوں گے مگر ایسا نہیں تھا۔ گھر رشتی کے اپنے غم  
 کے علاوہ اور کوئی بھی نہیں تھا۔

رشتی امبر کو اپنے دروازے پر دیکھ کر حیران ہوئی تھی اس کا چہرہ سنا ہوا تھا اور اس کی آنکھوں سے اندازہ ہو رہا تھا۔  
 بیٹیا روتی رہی تھی امبر نے کئی بار اسے میک اپ کے بغیر دیکھ رہی تھی اور میک اپ کے بغیر اتارے ہوئے چہرے کے ساتھ کئی  
 بے حد خوبصورت نخر آ رہی تھی۔

دلوں کے درمیان دروازے پر صرف سلام دعا ہوئی امبر کی سمجھ میں نہیں آیا وہ فوری طور پر اس سے کیا کہے اور نہ  
 رشتی نے اس سے کوئی بات کی۔ وہ میں اسے اپنے ساتھ لے کر اندر اپنے کمرے میں آ گئی۔  
 ”مجھے تمہاری بین کے بارے میں جان کر بہت دکھ ہوا ہے۔“ امبر نے اس کے کمرے میں آ کر بیٹنے کے بعد رشتی سے  
 بات شروع کی۔ رشتی نے چمک کر اسے دیکھا۔  
 ”جس میں کیسے پتا چلا؟“

”تم تم ان سے کالج نہیں آ رہی تھیں۔ میں بہت پریشان تھی میں نے جس میں بہت دفعہ رنگ بھی کیا مگر ات  
 ہوئی۔ پھر آج میں قانزہ سے ملی اس سے پتا چلا۔“ امبر نے تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔ رشتی جب چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔  
 ”مجھے تم سے بہت زیادہ فطرت ہے۔ تم نے مجھے اندازہ کرنا تک ضروری نہیں سمجھا۔ اگر قانزہ سے میری بات نہ ہوتی تو  
 مجھے پتا تک نہ چلا۔ دست اس طرح تو نہیں کرتے۔“ امبر نے ٹھہر کر کہے۔

”بس سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ ہم لوگوں کو کسی چیز کا ہوش نہیں رہا۔ پھر فون بھی غراب تھا۔ وہ نہ شاید میں جس میں  
 اے سی دیتی۔“ رشتی نے مجھے ٹھہرے انداز میں کہا تھا۔  
 ”یہ سب کچھ کیسے ہوا؟“ امبر نے موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

"پائیس کیسے ہوا۔ میں تو خود کچھ پائیس ہے کہ یہ سب کچھ کیسے ہوا؟"

"تھارے بہنوں نے انہیں مل کر دیا؟" امبر نے کچھ سمجھنے ہوئے کہا۔

"ریشی نے بظہر جواب دیا۔"

"ہاں؟"

"کیوں کیا ان لوگوں کا کوئی جھگڑا تھا؟"

"میں کوئی جھگڑا نہیں تھا بس معمولی قسم کے اختلافات تھے ویسے ہی اختلافات چھ برس گزر گئے ہیں پھر یکدم

ی ٹی دن پہلے یہ حادثہ ہو گیا۔"

"میں نے اسے گرفتار کیا ہے؟"

"میں نے اسے گرفتار نہیں کیا مگر وہ اسے ڈھونڈ رہے ہیں۔" اس نے دھمکے انداز میں کہا۔

"تھیں اس سلسلے میں اگر میری مدد کی ضرورت ہو تو مجھے بتاؤ۔" امبر نے اسے فراخ دلانہ نیشیں ملنے کی۔

"میں انی المال تو تمہاری مدد کی ضرورت نہیں۔" ریشی نے کہا۔

"جیسے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں تمہاری دوست ہوں۔"

"میں میں جب تک نہیں رہی ہوں مجھے واقعی تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر ہوگی تو میں تمہیں ضرور بتاؤں گی۔"

ریشی نے کہا۔

"میرے پاپا کی پولیس میں خاصی جان بچان ہے وہ اس شخص کی گرفتاری میں مدد سے سکتے ہیں۔"

"میں ابھی اس کی ضرورت نہیں ہے۔ پولیس اسے ڈھونڈ رہی ہے تم اپنے پاپا سے اس سلسلے میں بات مت کرنا۔ جب

مجھے ضرورت ہوگی تو میں خود تم سے کہوں گی۔" ریشی نے ایک بار پھر اسی لہجے میں انکار کرتے ہوئے کہا۔

"تمہاری سب سے بڑی بہن تھیں؟"

"میں دوسرے نمبر پر تھیں۔ ایک بہن اس سے بھی بڑی ہے۔"

"وہ بھی شادی شدہ ہے؟"

"ہاں۔"

"اس بہن کی شادی کو کتنا عرصہ ہوا تھا؟"

"آٹھ ماہ۔"

"صرف آٹھ ماہ؟" اس کی آواز میں بے یقینی تھی۔

"ہاں صرف آٹھ ماہ" ریشی نے سستے ہوئے چہرے کے ساتھ کہا امبر کی سمجھ میں نہیں آیا وہ اس سے مزید کیا بات

کرے۔

"تم کون کسب آؤ گی؟" اس نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی کچھ پائیس۔"

"تو ن فراب ہے تمہارا؟"

"ہاں شاید۔"

"میں تمہاری امی سے ملنا چاہتی ہوں۔" امبر نے اس سے کہا۔

ریشی جواب میں کچھ کہنے کے بجائے اسے اپنے ساتھ لے کر دوسرے کمرے میں آ گئی۔ جہاں امبر نے ریشی کی امی

کے پاس اس کی سب سے بڑی بہن کو دیکھا۔ تعارف کے بعد وہ کچھ دیر ان کے پاس بیٹھی رہی پھر وہاں سے اٹھ کر واپس آ گئی۔

جس وقت وہ اپنے گھر میں داخل ہوئی اس وقت چار بج رہے تھے۔ نیزہ سے اس کی ملاقات لاؤنج میں ہی ہو گئی۔

آج اتنی دیر سے کانچ سے آئی ہو۔" نیزہ نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"نیک میں رشتی کے گھر چلی گئی تھی۔" امبر نے تھکے تھکے انداز میں سو فیہ پڑھنا ایک رکھتے ہوئے کہا۔  
 "ایک تو میں تمہاری رشتی کے ساتھ اس دوستی سے ٹھک آ گئی ہوں۔ روز کی وہ یہاں ہوتی ہے کبھی تمہارے دوستی ہوئی ہو۔" نیزیو نے کچھ بظاہری سے کہا۔  
 "میں اس رشتی کی بہن کو اس کے شوہر نے قتل کر دیا ہے۔" امبر نے ان کی بات کے جواب میں کہا۔  
 "کیا.....؟" نیزیو ایک دم حیران ہوئیں۔  
 "وہ دو تین دن سے کانٹا نہیں آ رہی تھی۔ آج مجھے اس کی ایک دوست فائزہ سے پتا چلا تو میں اس کے گھر گئی۔"  
 "کیوں قتل کیا؟"  
 "یہ تو ان لوگوں کو بھی نہیں پتا جس وہ بتا رہی تھی کہ کچھ اختلافات تھے مگر وہ اس حد تک جا سکتا تھا اس کا انہیں مزاحمت تھا۔" امبر نے انہیں بتایا۔  
 "معمولی اختلافات پر کوئی شوہر بیوی کو قتل نہیں کرتا۔" نیزیو نے سر ہلاتے ہوئے کچھ پرسوچی انداز میں کہا۔  
 "کیا مطلب؟"  
 "کوئی نہ کوئی بات تو ہوگی کہ اس نے اپنی بیوی کو اس طرف قتل کر دیا۔ یقیناً وہ تم سے کچھ چھپا رہی ہے اس نے تمہیں اصل وجہ نہیں بتائی ہوگی۔"  
 "امبر نے ناگوار سے نیزیو کو دیکھا۔ "بڑی سے بڑی وجہ بھی ہو تو بھی اس طرف کسی دوسرے کو قتل کر دینا وہ بھی اپنی بیوی کو جب کہ بھی شرف کو صرف آٹھ... ہونے ہیں... وہ واقعی بہت بُرا آدمی ہوگا۔" اس نے دو ٹوک انداز میں نیزیو سے کہا۔  
 "مگر رشتی تو چھپ چھپ کر اس سے تو اس میں قابل اعتراض بات کیا ہے اسے حق ہے کہ وہ اگر کوئی بات دوسروں کو بتا دے تو چھپ چھپ کر نہ بتائے۔ پھر نہ تو شوہر یا اس کے معاملات کے بارے میں۔" اس کی ہمدردیاں مکمل طور پر رشتی کے ساتھ تھیں۔  
 "میں نے نہیں پہلے ہی رشتی سے ساتھ دو سچی فحش کرنے کے لیے کہا تھا۔ اسی وجہ سے کیونکہ مجھے اس کا چلی بیک گراؤ پسند نہیں آتا تھا۔ کیا فائدہ ان ہے جہاں بیٹھتی ہیں وہاں قتل کر دیتا ہے۔ بس تم فحش کرو اس سے متناجنا۔" نیزیو نے اس کی بات پتہ پتہ پسندیدگی سے کہا۔  
 "بعض دفعہ آپ بہت سبب پاش کرتی ہیں مہی۔" امبر رومانوں کی بات بہت نرمی لگی۔ "اگر اس کے بیٹھنے نے اس کی بہن کو قتل کر دیا ہے تو اس میں رشتی کا کیا قصور ہے۔ یا اس کی چلی کی کیا غلطی ہے۔ کوئی بھی کسی کو کسی بھی وقت مار سکتا ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ ہم بجائے ایسے لوگوں سے ہموردی رکھنے کے ان سے ملنا جتنا چھوڑ دیں۔ یہ سوچ کر کہ یہ نمے لوگ ہیں۔  
 "والت مان نہیں۔" اس نے سر جھکتے ہوئے کہا۔  
 "ایسے ہی کوئی اتھ کر کسی کو نہیں مار دیتا۔ کوئی نہ کوئی وجہ ہوتی ہے اور میں ان ہی وجوہات کی بنیاد پر جنہیں اس سے قتل قتل کرنے کا کہہ رہی ہوں ایسے لوگوں کے معاملات سے الگ رہنا ہی بہتری ہوتی ہے۔" نیزیو ابھی بھی اپنی بات پر اڑتی ہوئی تھیں۔  
 "معاملات سے الگ رہنا کیا مطلب ہے آپ کا۔ میں اس کے کون سے معاملات کے ساتھ شلک ہو رہی ہوں میں پہلے ہی اس کے معاملات سے الگ ہوں۔ مگر جہاں تک اس سے دوستی کا تعلق ہے میں اس سے دوستی ختم نہیں کر سکتی۔" اس نے دو ٹوک انداز میں کہا۔ نیزیو نے فحش کے ساتھ اسے دیکھا۔  
 "پتہ نہیں تمہیں عقل کب آئے گی۔"  
 "جس قسم کی عقل آپ مجھے سکھانا چاہتی ہیں ایسی عقل تو کبھی نہیں آئے گی۔" اس نے ناراضی سے اپنا بیک سوڑے اور کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔  
 "میرا خیال تھا کہ آپ کو اس کی بہن کی موت پر افسوس ہوگا مگر آپ تو اس پر تنقید کرنے بیٹھ گئی ہیں۔"  
 "نہ جان نہ پچان... خواہوا کا افسوس... اور تمہیں یہ جو امتحان عادت ہے ناں ہر ایک سے ہموردی جمانے کی۔"

تو اس وقت سے انہوں نے اب رہنے میں کسی نئی چیز کو اپنا کرنا شروع نہیں کیا۔ اس وقت سے انہوں نے اپنے گھر میں کسی نئی چیز کو اپنا کرنا شروع نہیں کیا۔ اس وقت سے انہوں نے اپنے گھر میں کسی نئی چیز کو اپنا کرنا شروع نہیں کیا۔

☆ ☆ ☆

موت کے بعد اس وقت اپنے ماں باپ کا گھر چھوڑ کر ایک رہائش گاہ اختیار کی تھی۔ اس وقت اس کی سب سے چھوٹی بیٹی دو سال کی تھی۔

وہ ایک چھ ماہ کی تھی۔ اس وقت اس کی سب سے چھوٹی بیٹی دو سال کی تھی۔

تو اس کے ساتھ وہ اپنے اہل خانہ سے دور ہو کر رہنے لگی۔ اس وقت اس کی سب سے چھوٹی بیٹی دو سال کی تھی۔

اس وقت اس کی سب سے چھوٹی بیٹی دو سال کی تھی۔ اس وقت اس کی سب سے چھوٹی بیٹی دو سال کی تھی۔

اس وقت اس کی سب سے چھوٹی بیٹی دو سال کی تھی۔ اس وقت اس کی سب سے چھوٹی بیٹی دو سال کی تھی۔

اس وقت اس کی سب سے چھوٹی بیٹی دو سال کی تھی۔ اس وقت اس کی سب سے چھوٹی بیٹی دو سال کی تھی۔

اس وقت اس کی سب سے چھوٹی بیٹی دو سال کی تھی۔ اس وقت اس کی سب سے چھوٹی بیٹی دو سال کی تھی۔

اس وقت اس کی سب سے چھوٹی بیٹی دو سال کی تھی۔ اس وقت اس کی سب سے چھوٹی بیٹی دو سال کی تھی۔

اس وقت اس کی سب سے چھوٹی بیٹی دو سال کی تھی۔ اس وقت اس کی سب سے چھوٹی بیٹی دو سال کی تھی۔

اس وقت اس کی سب سے چھوٹی بیٹی دو سال کی تھی۔ اس وقت اس کی سب سے چھوٹی بیٹی دو سال کی تھی۔

اس وقت اس کی سب سے چھوٹی بیٹی دو سال کی تھی۔ اس وقت اس کی سب سے چھوٹی بیٹی دو سال کی تھی۔

اس وقت اس کی سب سے چھوٹی بیٹی دو سال کی تھی۔ اس وقت اس کی سب سے چھوٹی بیٹی دو سال کی تھی۔

اس وقت اس کی سب سے چھوٹی بیٹی دو سال کی تھی۔ اس وقت اس کی سب سے چھوٹی بیٹی دو سال کی تھی۔

دو اعزازوں کا سکا تھا کہ صافقہ کے ذرائع آمدنی کس طرح کے ہو سکتے تھے اور اس کے گھرانے پر ہونے والے اخراجات سے اس کے تعلقات کی نوعیت کیا ہو سکتی تھی مگر اس کے باوجود اس نے کبوتر کی طرح اپنی آنکھیں بند کر لی تھیں۔ وہ اپنے ہونے والے عقیدہ کرتا اور صافقہ کو برا بھلا بھی کہتا مگر اس کے باوجود اس نے صافقہ کے گھر آنا چھوڑا اور نہ ہی اس سے آگے قدم بڑھایا۔

صافقہ نے اسے ایک احوال کی طرح استعمال کیا۔ وہ اسے کبھی کبھار پیسے دیتا رہی۔ شادی شدہ عورت کا گھمبہ گارٹ کے لیے یہ ضروری تھا اور یہ گھمبہ اسے کم از کم معاشرے میں عزت و احترام دیتا جہاں وہ رہ رہی تھی۔ اور یہ اس کی بیٹیوں کے لیے بھی خاص مفید تھا۔ کم از کم گھمبہ کی حد تک اس کے پاس شوہر اور اس کی بیٹیوں کے پاس باپ کا ہونا تھا۔

یہی اس کی سب سے بڑی بچی تھی۔ صافقہ کی طرح ایک درجن لاکھڑے کے بعد اس نے صافقہ کی مرضی کے خلاف اپنے لڑکے سے شادی کر لی۔ اس لڑکے نے بھی سے اپنے گھر والوں کی مرضی کے بغیر شادی کی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اس نے اپنے لڑکوں نے اسے گھر سے نکال دیا۔ وہ دونوں الگ رہنے لگے۔ اپنے پاس موجود کچھ سرمائے سے اور کچھ رقم صافقہ سے۔

اس نے کچھ بعد دوسرے مختلف گھم کے پرنس میں لگانے کی کوشش کی۔ مگر نا تجربہ کاری کی وجہ سے ہر بار اس کا سرمایہ ضائع ہونے لگا۔ یہی اس کی ہونے کا اثر بھی اور اعتبار کی فحش زندگی پر بھی پڑا۔ ان دنوں کے درمیان بھڑکے رہنے لگے۔ اگھار ہتھ فوٹو کے صافقہ کے پاس بصرہ مانگنے کے لیے بھیجا۔ صافقہ کو بھینچا رہا اپنا مکان چھوڑ دیا۔

ایک بار بھڑکے کو سب کرائے کے مکان میں رہنے لگے۔ مگر اگھار کے مطالبات اب بھی کم نہیں ہوئے۔ یہی گھم اس نے اپنے بچے تھے مگر اس سے باوجود گھر کے اخراجات کے لیے یہی کو صافقہ کی مدد کی ضرورت پڑتی۔ بعض دفعہ تک آجانے پر صافقہ نے یہی کو اگھار کو چھوڑنے کے لیے بھی کہا مگر یہی اس پر تیار نہیں تھی۔ شاید اس کے لاشعور میں کہیں وہ زندگی سوجھتی تھی صافقہ اور عقرب کی بیٹیوں کے بعد صافقہ نے گزارا بھی یا پھر شاید اسے ابھی بھی اگھار سے محبت تھی جو بھی تھا اس نے صافقہ کے لیے مشکلات میں اور امداد کیا۔

مگر بھڑکے کو سب کرائے کے مکان میں رہنے لگے۔ مگر اگھار کے مطالبات اب بھی کم نہیں ہوئے۔ یہی گھم اس نے اپنے بچے تھے مگر اس سے باوجود گھر کے اخراجات کے لیے یہی کو صافقہ کی مدد کی ضرورت پڑتی۔ بعض دفعہ تک آجانے پر صافقہ نے یہی کو اگھار کو چھوڑنے کے لیے بھی کہا مگر یہی اس پر تیار نہیں تھی۔ شاید اس کے لاشعور میں کہیں وہ زندگی سوجھتی تھی صافقہ اور عقرب کی بیٹیوں کے بعد صافقہ نے گزارا بھی یا پھر شاید اسے ابھی بھی اگھار سے محبت تھی جو بھی تھا اس نے صافقہ کے لیے مشکلات میں اور امداد کیا۔

مگر زخمی کے ساتھ ساتھ اس کی ذمہ داری بھی کم ہوتی جا رہی تھی۔ وہ ابھی بھی بہت خوبصورت اور اپنی عمر سے کئی فیملی پر دو بہر حال جوان نہیں رہی تھی۔ اس سے راہ دورم بڑھانے والے مردوں کی دلچسپی کا مرکز اب اس کی بیٹیاں تھیں۔ پہلے اس کے بعد روانہ اور اب ریشمی۔

ماں کی طرح ان کے بھی رشتے کے بہت سے انکل اور بھائی تھے جو ان پر اپنی منیات کی بارش کرتے رہتے تھے۔ وہ بھی صافقہ کے قتل قدم پر چلتے ہوئے "جس سے جتنا مل سکتا ہے" بنوڑ لو پر عمل پیرا تھیں۔ انہیں اس خوبصورتی کا بہت اچھی نظرنا احساس تھا جس سے وہ مالا مال تھیں اور جس ماحول میں وہ رہ رہی تھیں وہاں کے اعتبار سے وہ غیر معمولی حد تک خوبصورت تھیں۔ محلے میں اس گھرانے کو ناپسند کیے جانے اور ان کے بارے میں چہ میگوئیاں کیے جانے کے باوجود یہ بات حلیم کہنے میں کسی کو عارض نہیں تھا کہ وہ تمام ماں بیٹیاں بہت خوبصورت تھیں اور نہ صرف خوبصورت بلکہ خوش اخلاق بھی۔

رومانہ نے اپنی بڑی بہن یہی کے قتل قدم پر چلتے ہوئے اپنے ہی محلے کے ایک دولت مند خاندان کے لڑکے معروف سے شادی کر لی۔ معروف نے رومانہ کو ایک بار گڑگڑکانے کے گیت پر اس وقت دیکھا تھا جب وہ اپنی بہن کو وہاں ڈراما کرنے گیا تھا اور ایک ہی نظر وہ اس حد تک اس پر فریفت ہو گیا کہ اس نے اپنے گھر والوں سے چھپ کر صافقہ کے گھر آنا چاہنا شروع کر دیا۔ صافقہ کو شروع میں اس کے اور رومانہ کے تعلقات پر کچھ اعتراض ہوا کیونکہ معروف کے خاندان کو ابھی طرح جانی گئی تھی ان کے اثر و رسوخ سے بھی واقف تھی اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ اس کے محلے میں رہتے تھے۔

صافقہ نے اپنی ساری زندگی میں کبھی اس محلے میں کوئی لاکھڑے نہیں چلایا تھا جہاں اس نے رہائش اختیار کی تھی حالانکہ یہ محلے میں اسے بہت سے ایسے لوگ ملتے رہے جو اس کے لیے دیہہ و دل فرس راہ کیے بیٹھے ہوتے تھے مگر وہ یہی انہیں نظر انداز کرتی رہی۔ اپنے ہی محلے میں ایسے کسی لاکھڑے کے حضرات سے وہ ابھی طرح واقف تھی۔ یہی بات اس نے رومانہ کو بھی سمجھانے کی کوشش کی مگر وہ اس میں ناکام رہی۔ معروف کو سمجھانے کا بھی کوئی اثر نہیں ہوا۔

معاذ اللہ! یہاں کا لکھنا دیکھتا تھا اور اس کی تمنہیں نہیں تھی۔ وہ روزانہ سے شادی کرنا چاہتا تھا اور اس معاملے میں خاصا اہم تھا۔ وہ شادی کرنا چاہتا تھا کہ وہ اپنے والدین کا انتقال دیکھتا تھا کہ وہ کسی بھی طور اس کی فرمائش اور خدا کو رو نہیں کریں گے۔ اسے یہ خوف تھا کہ شادی کی فریضہ کی بھی پروا نہیں تھی۔ ایک ہی محلے میں رہنے کی وجہ سے وہ ان سب باتوں سے ابھی طرح متاثر نہیں ہوا تھا۔

یہاں نے اپنے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہفت روزہ صاف صاف تھا۔ ہفت روزہ کے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہفت روزہ کے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہفت روزہ کے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔

معاذ اللہ! یہاں نے اپنے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہفت روزہ کے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہفت روزہ کے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہفت روزہ کے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہفت روزہ کے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔

معاذ اللہ! یہاں نے اپنے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہفت روزہ کے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہفت روزہ کے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہفت روزہ کے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہفت روزہ کے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔

معاذ اللہ! یہاں نے اپنے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہفت روزہ کے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہفت روزہ کے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہفت روزہ کے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہفت روزہ کے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔

معاذ اللہ! یہاں نے اپنے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہفت روزہ کے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہفت روزہ کے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہفت روزہ کے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہفت روزہ کے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔

معاذ اللہ! یہاں نے اپنے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہفت روزہ کے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہفت روزہ کے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہفت روزہ کے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہفت روزہ کے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔

معاذ اللہ! یہاں نے اپنے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہفت روزہ کے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہفت روزہ کے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہفت روزہ کے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔ ہفت روزہ کے گھر میں روزانہ کے لیے جانے کے لیے تیار نہیں تھے۔

کے دروازے پر نہیں آ سکتی تھی۔ وہ فون ریسیور کر سکتی تھی نہ ہی خود کسی کو فون کر سکتی تھی۔ وہ گھبرا گیا کیونکہ اس نے اس کی بات پر غصہ کیا۔  
 کہیں جانا ہوتا تو معروف کے ساتھ اور وہ بھی عمل طور پر بڑھ میں۔  
 وہ ان پابندیوں کی عادی نہیں تھی مگر وہ گھر میں تقاشا کھڑا نہیں کرنا چاہتی تھی اس لیے وہ ان پابندیوں کو برداشت نہ کرنا تھا اور پھر روانہ کی بے عزتی کرتا۔

ایک دو بار روانہ تک آ کر گھر چھوڑ کر مسافت کے گھر چلی آئی مگر وہ اسے مٹانے کے لیے چند گھنٹوں بعد ہی وہیں پہنچا۔  
 وہ اس کی منت سہابت پر مجبور ہو کر وہ بارہ اس کے ساتھ چلی گئی مگر وہاں جانے کے بعد بھی معروف اور اس کے گھر والوں کے رویے میں کوئی تبدیلی نہ آئی۔ چند دن معروف صبح رہتا مگر اس کے بعد پھر وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر اس سے الجھنے لگا۔  
 حالات اس وقت زیادہ خراب ہوتے شروع ہو گئے جب اس نے روانہ پر ہاتھ بھی اٹھانا شروع کر دیا۔ روانہ کی اولاد بالائے خالق رکھتے ہوئے اس سے اور اس کے گھر والوں سے زبان درازی کرتی۔  
 معروف کے گھر والوں نے معروف کی ضد پر مجبور ہو کر روانہ کے ساتھ اس کی شادی تو کر دی تھی مگر انہوں نے نہ شادی کو دل سے قبول نہیں یہ تو پہلے ان کا خیال تھا کہ روانہ اتنی پابندیوں کو قبول نہیں کر سکے گی اور خود ہی معروف سے طلاق لے لے گی مگر جب وہ ان سب پابندیوں کے ساتھ بھی ان کے گھر رہتی رہی تو پھر معروف کی امی اور بہنوں نے بڑی سہمت کے ساتھ معروف کے ذہن میں روانہ کے لیے ٹھگ کے بیٹے شروع کر دیے۔ روانہ کی پرانی شہرت اور مسافت کے کردار وہ سے یہ کام بہت آسان تھا۔ دوسری طرف معروف بہت زیادہ جذباتی اور پوزیٹو تھا۔

اس کی امی اور بہنیں ہر دوسرے دن اسے روانہ کے فون پر کسی سے ٹھٹھکو کرنے کا تاثر دے دیتے وہ پوچھتا تو صاف انکار کر دیتی۔ معروف چراغ پا ہو جاتا اسے یقین نہیں آتا کہ اس کی امی یا بہنیں جھوٹ بول سکتی ہیں اسے یہ یگانہ رو بہت جھوٹ بول رہی تھی۔  
 وہ وقت بے وقت گھر فون کرتا۔ فون اٹھتا اور بار بار بھیج دیتا۔ وہ گھر آ کر اپنی امی اور بہنوں سے پوچھتا کہ کوئی ٹھٹھکو کرنے سے صاف انکار کر دیتی۔ اور یہ نتیجہ کہ روانہ کسی سے فون پر بات کر رہی تھی۔ وہ روانہ سے پوچھتا اور پھر انکار دیتی۔ وہ جیش میں آ کر اسے پیٹ ڈالے۔ اس نے فون کو لاک لگا دیا مگر گھر میں ٹھٹھکو کا لڑا آنے لگیں۔ انکو لڑائی کی موجودگی میں آتے۔ وہ فون اٹھاتا تو دوسری طرف سے فون بند کر دیا جاتا۔ اس کا اشتعال اور بدستاب جانا روانہ کے پاس میں اس کے ٹھٹھکو میں اور اضافہ ہوتا گیا۔

اس کے گھر والوں نے معروف کو روانہ کو طلاق دینے پر مجبور کرنا شروع کر دیا مگر وہ اس کو طلاق دینے پر تیار نہیں تھا۔ اسے اپنی بے عزتی سمجھ رہا تھا۔ ایسے ہی ایک جھڑپے میں اس نے روانہ کو چھوڑا تو وہ غصہ کے عالم میں گھر چھوڑ کر جانے لگی تھی۔ معروف اور غصہ میں آ گیا اور اس نے اس کا گھنگھونٹ دیا۔ اس کے گھر والوں کو تو قہر نہیں تھی کہ معروف سے یہ حرکت بڑبڑا سکتی ہے لیکن اب وہ اسے قہر سے قہر کر چکا تھا انہوں نے اسے وہاں سے بھاگا دیا۔  
 ان کے بس میں ہوتا تو شاید وہ اس پوری واردات کو کوئی نیارنگ دینے کی کوشش کرتے مگر ان کے گھر میں اس جھڑپے میں ہونے والی جھگڑا پھر پھر کے باہر نکلے سے کچھ لوگ جمع ہو گئے تھے اور جب معروف اپنی امی اور بہنوں کے کہنے پر گھر آیا تو گھر کا دروازہ کھول کر وہاں سے چلا گیا تو ان میں سے کچھ لوگ اٹھ آ گئے اور اس لیے یہ بات راز میں نہ رہی جا سکی کہ روانہ کو معروف سے قہر کر دیا۔

معروف کے گھر والے اگرچہ یہ بات نہیں سمجھا سکے تھے مگر انہوں نے یہ دیکھا شروع کر دیا کہ روانہ کو کوئی آشنا گھر آنا تھا اور معروف اپنا کھانا وقت گھر چلا آیا جس پر وہ آدمی چلا گیا تھا مگر روانہ اس آدمی کے پاس سے معروف کو مطمئن نہیں کر سکی۔ اور نئے سے عالم میں معروف نے اس کا ٹھٹھکا دیا۔ روانہ اور مسافت کی شہرت اتنی بڑی تھی کہ ہر سے جھٹلے سے آنے والے بند معروف کے گھر والے اگرچہ یہ بات نہیں سمجھا سکے تھے مگر انہوں نے یہ دیکھا شروع کر دیا کہ روانہ کو کوئی آشنا گھر آنا تھا اور معروف اپنا کھانا وقت گھر چلا آیا جس پر وہ آدمی چلا گیا تھا مگر روانہ اس آدمی کے پاس سے معروف کو مطمئن نہیں کر سکی۔ اور نئے سے عالم میں معروف نے اس کا ٹھٹھکا دیا۔ روانہ اور مسافت کی شہرت اتنی بڑی تھی کہ ہر سے جھٹلے سے آنے والے بند



زکے ان ایام پر یعنی کر لیا۔ سب کی ہمدردیاں صرف اور اس کے گمراہوں کے ساتھ تھیں جو ساتھ اور اس کی بیٹی کی وہ

ہے ایک سیتے میں کر لیا ہو گئے تھے۔

ساتھ کو دھکا دیا گیا کہ وہ چپ چاپ اپنی بیٹی کی لاش وصول کر کے اسے دفن دے۔ اگر اس نے اس معاملے کو جاننے

کا باعث کی تو نہ صرف اسے اس محلے سے نکال دیا جائے گا بلکہ اس کی بیٹیوں کو بھی انوار کر لیا جائے گا۔ ساتھ صرف کے گمراہوں کی بیٹیوں کی بیٹیوں سے ہفت تھیں۔ وہ بچھڑا وہی کرنے پر بچھڑا ہو گئی جو وہ چاہتے تھے۔ اپنی بیٹی کی لاش گمراہانے کے بعد اس نے

دو تین رات اسے اپنے پندرہ تری رشتہ داروں کی موجودگی میں خاموشی سے دفن دیا۔ محلے کے گمراہوں میں سے کوئی ان کے گمراہ نہیں

آتا تھا۔

وہ سب اس شخص سے دور رہنا چاہتے تھے ان لوگوں کو خوف تھا کہ اس کے گمراہانے کا جان کر صرف کے گمراہوں کے

دائے میں لوگوں سے قطع تعلق کر لینے اور صرف کے اثر و رسوخ والے خاندان سے تعلقات ان کے لیے بہت اہمیت رکھتے

تھے ساتھ ہی خاندان کا کیا تھا ایسے خاندان کون سا ایک جہ تھے اور پھر ان کے خیال میں زمانہ کے ساتھ جو کچھ ہوا تھا

انہوں کی اپنی عقلی کی وجہ سے ہوا تھا۔ صرف کی جگہ کوئی بھی "غیرت مند" مردان حالات میں سنبھلی کرتا۔

خود ساختا کا شوہر پھر بھی ساتھ کو ہی ان حالات کا ذمہ دار قرار دے رہا تھا اس کے ہاتھ جیسے تھپ کا پتہ لگ گیا تھا جسے

دہائی جہلی اور بیٹیوں کی گمراہی تھکنے کے لیے استعمال کر سکتا تھا۔

تو کچھ نہیں سمجھتا تھا یہ اور ت اپنی بیٹیوں کو چاہ کر کے گی۔ "وہ اپنے خاندان کے ہر شخص سے کہنے والے سے کہتا۔

اسی لیے تو میں نے ان لوگوں سے ملنا جتنا چھوڑ رکھا ہے۔" خاندان کے لوگ اس کی باتوں پر اور یقین کرنے لگے۔

واقعی ایسی صورتوں کے ساتھ گزارا کیسے کیا جاسکتا ہے۔ کم از کم کوئی غیرت مند مرد تو نہیں کر سکتا۔ ظفر بولتا رہتا۔ جو

ایک اور دن کچھ زمانہ کو صرف نے نہیں ساتھ نے گھاٹھٹ کر بنا دیا تھا۔

☆☆☆

مطرح سے ایک کام ہے مجھے۔ "ابیر طوطے سے فن پر بات کر رہی تھی، چکر کی سی گفتگو کرنے کے بعد وہ اپنے اصل

موضوع پر آئی۔

"ابن کبوتر۔"

"تھیں کبوتر کے ساتھ چلتا ہے۔"

"کہاں؟"

"ریشی کے گمراہ۔" وہ اس کی بات پر قدرے جڑ جڑا ہوا۔

"ریشی کے گمراہ کیسے لیے؟"

"ریشی کے ساتھ بہت نرا ہوا ہے۔"

"کیا ہوا ہے؟" وہ چڑھا۔

"اس کے بیٹوں نے اس کی سکن کو قتل کر دیا ہے۔"

"توہ کی بیٹی۔" طوطے کو ہنس ہنس ہوا۔

"زہرا کی بات تو یہ ہے کہ پاپیس نے اس شخص کو گمراہ کر رکھا ہے۔"

"کیوں؟ انہوں نے ایف آئی آر تو درج کروائی ہوگی۔"

"تھیں آئی آر تو درج کرانے سے کیا ہوتا ہے۔ اس آدمی نے شاید چکر رقم وے دی ہے پاپیس کو۔ میں اس کی مدد کرنا

چاہتا ہوں اس آدمی کو سزا ملنی چاہیے۔"

"مگر میں اس معاملے میں کیا کر سکتا ہوں۔ میرا اس معاملے سے کیا تعلق ہے۔" طوطے نے کہا۔

”میں جانتی ہوں تم اپنے تعلقات استعمال کرو اور اس آدمی کو گرفتار کرو اور۔۔۔“ امبر نے کہا۔

”مگر امبر یہ ہمارا معاملہ یا مسئلہ تو نہیں ہے، ریشی کا مسئلہ ہے اور اس کی جیملی خودی اسے چیلنج کر رہی ہے۔“

”وہ نہیں کر سکتے۔ میں جانتی ہوں وہ نہیں کر سکتے۔ اسے اثر و رسوخ والے نہیں ہیں۔۔۔“

”کیا ریشی نے تم سے مدد مانگی ہے۔“

”نہیں اس نے مدد تو نہیں مانگی۔ مگر شاید وہ جھگڑی ہے میں بس آج ایک پتھر کا کر آئی ہوں اس سے کہہ دو کہ آؤ۔“

میں بہت نہیں کر سکی۔ تعلیمات پر پھینے کی طرح کل ہم دونوں چلیں گے۔ تم ریشی کی امی سے سب کچھ معلوم کر لینا اور پھر دیکھنا کہ تم کس حد تک ان کی مدد کر سکتے ہو۔“ امبر نے کہا۔

”تم اس کی امی سے میری بات فون پر کرو اور۔۔۔“ مٹھو نے کچھ تامل کرتے ہوئے کہا۔

”کیوں نہیں وہاں جاتے ہوئے کیا ہو رہا ہے۔“ امبر کو اس کی بات پر اعتراض تھا۔

”کچھ نہیں ہو رہا۔ ویسے ہی کہہ رہا ہوں میرا وقت بچ جائے گا۔“

”جس میں اپنے وقت کی بہت پروا ہے۔ میری پروا نہیں ہے بس مجھے نہیں پتا تم کل میرے ساتھ چل رہے ہو۔“ امبر نے کچھ ناراضی سے ضد کرتے ہوئے کہا۔

”میں پاپا سے بھی یہ کام کہہ سکتی تھی مگر امی کو میرے اور ریشی کے سیل ملاپ پر بڑے اعتراضات ہیں انہیں یہ پتا ہے کہ پاپا اس کی مدد کر رہے ہیں تو وہ اور ناراض ہوں گی اس لیے مجھے تمہاری مدد لینا پڑ رہی ہے۔ اگر تم رضامند نہیں ہو تو میں بھی کچھ اعتراض ہے تو ٹھیک ہے پھر میں پاپا سے کہہ دو تو ہوں۔“

”تم آؤ امبر! تم کتنی جلدی ناراض ہوتی ہو۔ میں نے کب کہا ہے کہ مجھے کوئی اعتراض ہے۔ آج سے پہلے بھی تم نے تمہاری کوئی بات روکی ہے جو آئی کروں گا۔ میں چلوں گا تمہارے ساتھ کل ریشی کے گھر اور اس مسئلے میں جو کچھ ہوگا کروں گا۔“ مٹھو نے کہا۔

”اور میزبانی کو اس بارے میں کچھ مت بتانا اور نہ وہ پھر دوا بلا شروع کرو گی۔“ امبر نے اس سے کہا۔

”ٹھیک ہے میں انہیں نہیں بتاؤں گا۔ کوئی اور کھو؟“

”نہیں بس یہی کہنا تھا۔“ امبر اس سے انداز پر مسکرائی۔ ”مجھے پتا تھا تم میری بات مان لو گے ایسا کبھی ہو ہی نہیں سکتا کہ تم میری بات نہ مانو۔“ اس نے کچھ فخریہ انداز میں صومٹے کہا جو دوسری طرف اس کے جنتے پر مسکرا دیا۔

☆☆☆

ریشی کے لیے اس کی پوری زندگی ایک شاک، ایک قاتلاری تھی۔ ساری زندگی اس نے اپنی ماں اور اپنی تمام بہنوں کی عزت نفس کو اتنی بری طرح سے پامال ہوتے دیکھا تھا کہ اس نے عزت نفس جیسی کوئی پیاری پالنے کی کوشش نہیں کی۔ ترقی کے لیے سب سے بڑا ہتھیار خود فرضی ہوتی ہے۔ اور اس نے بہت پہلے یہ ہتھیار حاصل کر لیا تھا۔

رومانہ کی اس طرح کی موت نے اس کی اخلاقیات کے تقاضوں میں جیسے آخری کیل ٹھونک دی۔ وہ لوگ مجرم نہیں تھے مگر انہیں مجرموں کی طرح سرجھکا اور سچپا کر اپنی جین کو ڈن کرنا پڑا اور جو مجرم تھا وہ آزاد تھا۔

رومانہ جب دوسری بار مصروف سے لڑ کر مسافت کے پاس آئی تھی تب ایک دن ریشی کے پاس بیٹھ کر اس نے کہا تھا۔

”ہم جیسی لڑکیوں کا کوئی مستقبل کوئی حال نہیں ہوتا سب کچھ ہمارا منی ہی ہوتا ہے۔ کتنی ہی قربانیاں کتنی ہی مہر کیوں نہ کر لیں۔ دنیا کے پاس ہمارے لیے کچھ نہیں ہوتا۔ نہ بریلی زبان کے سوا لوگ ہمہ صورت کو کبھی چاہو نہیں دیں گے۔ مگر اگلی اگلا کہہ یہ کہتے تھے بھی نہیں تھے جس کے کہہ رہے تھے اور وہ خود چاہا اور اٹھ لے تو وہ کہتے ہیں کہ وہ ہمہ ”تھی“ کبھی یہ نہیں کہتا ہے کہ اس نے اپنے آپ کو احباب لیا ہے۔“



ذہبی نظر آنے والے لوگوں کے لہارے کے نیچے چھپے ہوئے مکروہ انسان بھی ان کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہے تھے۔ جن کے ہونٹوں پر مین اور مین ہوتا تھا ان کی نظروں میں کیا ہوتا تھا یہ کوئی صاعقتہ اور رخصتی کے گھرانے سے زیادہ اچھی طرح نہیں جان سکتا تھا۔ اپنے گھروں کے باہر دیگوں کی قطاریں خیرات کرنے والے کس ”دوسری چیز“ پر سب سے زیادہ روپہ فرنی کرتے تھے یہ بھی صرف صاعقتہ اور رخصتی جیسی عورتیں ہی جانتی تھیں۔

”نہ مجھے رومان نہ بنا ہے نہ یہی..... مجھے کسی کا کوئی لحاظ، کوئی مروت نہیں کرنی۔ دنیا تم پہ تھو کے تو تم اس پر تھو کہو۔ اور میں جس مرد سے شادی کروں گی میں اسے دوسرے ہر رشتے سے کاٹ دوں گی۔ یہ نہیں کروں گی تو کبھی نہ کبھی یہ رشتے مجھے کاٹ دیں گے۔ اگر میرے خاندان پر کبھی کسی نے رحم نہیں کیا تو میں بھی کسی پر رحم نہیں کروں گی۔ اگر مجھے ہر چیز کی قیمت پتا، پڑی ہے تو دوسرے بھی چکا میں گے۔“

رخصتی نے رومان کی موت کے تیسرے دن ظفر سے جھگڑنے کے بعد صاعقتہ سے کہا تھا۔

”ان کیوں کے لڑوں سے چکر نہیں چلانے مجھے یہی اور رومانہ کی طرح ان دونوں کی طرح خوار نہیں ہونا۔ مجھے کبھی اور جانا ہے۔ اور اس کے بعد میں اس محلے میں واپس آؤں گی۔ پھر میں دیکھوں گی یہاں کون ہے جو مجھ سے نظریں جو کا کر بات نہیں کرتے جو مجھ پر انکی اٹھانے کی جرات کرتا ہے۔ اور میں دیکھوں گی کہ معروف اور اس کا خاندان کب تک یہاں اس طرح محفوظ رہتے ہیں مجھے صرف ایک سال چاہیے۔ صرف ایک سال.....“

صاعقتہ نے متورم آنکھوں کے ساتھ اپنی تیسری بیٹی کو دیکھا جو خالی آنکھوں کے ساتھ دیوار پر لگی ہوئی کالج کے ڈرامے کے دوران ٹی ٹی اپنی اس تصویر کو دیکھ رہی تھی جس میں وہ اور امبر دونوں ایک دوسرے کے ساتھ کھڑے تھے۔ صاعقتہ نے تصویر کو دیکھا۔ رخصتی بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ نظر لگ جانے کی حد تک خوبصورت..... رخصتی اکثر اس تصویر کو دیکھتی رہتی تھی۔ اسی طرف جس طرف وہ آج دیکھ رہی تھی۔ صاعقتہ نے تصویر سے نظریں ہٹا کر ایک بار پھر رخصتی کو دیکھا جو اب کچھ بڑبڑا رہی تھی۔ زمین پر دیوار سے ٹیک لگائے سیاہ لباس میں کھلے بالوں کے ساتھ وہ اسی تصویر پر نظریں جمائے کچھ بڑبڑا رہی تھی۔ صاعقتہ کو چند لمحوں کے لیے یوں لگی جیسے رخصتی کا ذہنی توازن خراب ہو گیا تھا۔ ورنہ یوں اپنی تصویر کو دیکھتے رہنا اور پھر اچانک اس نے چونک کر ایک بار پھر رخصتی کی نظروں کے تعاقب میں اس تصویر کو دیکھا۔ آج رخصتی اپنے آپ کو نہیں دیکھ رہی تھی۔ آج وہ امبر کو دیکھ رہی تھی۔

”سنووائٹ کو..... جو اپنے سر پر پہنا پھولوں کا تاج سنبھال رہی تھی۔“



”ابھارتریف کی تھی۔۔۔ اس کی بڑی تو خاصی ہوگی عورت ہے مجھے تو خاصی امتس گی۔“ شائستہ نے کہا۔  
 ”خیر مجھے تو ہوگی نہیں کی ابھی کچھ وار عورت ہے ہاں میں زیادہ پر جمی گھسی نہیں ہے بلکہ میرا خیال ہے نہ پورا ہوا  
 بھی نہیں ہے۔“ ہارون نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔  
 ”ہاں وہ تو اس کے صبر سے ہی لگ رہا تھا کہ وہ زیادہ سوشل نہیں ہے۔ خاصی نرمی لگ رہی تھی وہاں پہ۔“ شائستہ  
 نے تبصرہ کیا۔

”مجھے تو اس بات پر حیرانی ہو رہی ہے کہ تم اس شخص کی کس بات سے متاثر ہوئے ہو۔؟ تم آسانی سے جذبہ  
 والے لوگوں میں سے تو نہیں۔“

ہارون اس کی بات پر مسکرایا۔ ”نہیں خیر میں متاثر تو نہیں ہوا ہوں۔“  
 ”تو پھر اس طرح ڈائریکٹ اسے پوری ٹیلی سمیت گھر بلانے کی کیا وجہ ہے؟“  
 ”میں نے بتایا۔۔۔ بزنس کانٹیکٹس۔“

”نہیں خیر۔ تم صرف بزنس کانٹیکٹس کے لیے تو کسی کو اس طرح سر پر چڑھانے والے نہیں۔“  
 شائستہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ وہ واقعی ہارون کمال کے منصور علی کے بارے میں روپے سے کچھ جان نہ  
 ہارون کا آپ نہ اتنی آسانی سے بے تکلف ہونے والے لوگوں میں سے تھا نہ ہی جلد دست نکالنا کرتا تھا اور کسی کو گھر پر دعوت نہ ملنا  
 اور وہ بھی ٹیلی سمیت تو بہت دور کی بات تھی مگر منصور علی کے ساتھ اس کا رویہ اسے کچھ اعتبار مل گیا رہا تھا۔  
 ”بعض دفعہ تمہیں سمجھتا بہت مشکل ہو جاتا ہے ہارون۔“

شائستہ نے برش کو ڈریسنگ ٹیبل پر رکھتے ہوئے ایک گہرا سانس لیا۔ ہارون اس کی بات پر ایک بار بھر مسکرایا۔  
 ”ابھارتریف کیا کیوں ہے؟“  
 ”یہ تو تمہیں پتا ہوگا کہ ایسا کیوں ہے۔۔۔ کچھ میں تم نہیں آتے میں تو نہیں۔“ شائستہ نے کچھ جتانے والے انداز میں  
 کہا۔

”تمہارے منہ سے یہ بات سن کر کچھ حیرانی ہوئی ہے مجھے۔۔۔ بلکہ قدرے مایوسی بھی۔۔۔ کیونکہ میں یہ سوچ بھی نہیں سکتا  
 کہ تمہاری میرے بارے میں شادی کے اتنے سالوں کے بعد بھی یہ رائے ہوگی۔“ ہارون نے کہا۔  
 ”حالانکہ میرا خیال ہے کہ تم جان بوجھ کر بہت سی چیزوں کے بارے میں مجھے لاطم رکھتے ہو۔“ شائستہ نے اس کی بات  
 پر کچھ چپینے والے انداز میں کہا۔ ”اور جہاں تک بڑی کا تعلق ہے تو میں یقین نہیں کر سکتی کہ تم ایسی معمولی بات پر ہنس سکتے  
 ہو۔ میرا تو خیال ہے کہ تم میری بات پر خامسے خوش ہوئے ہو گے۔“ شائستہ نے استنول سے اٹختے ہوئے کہا۔  
 ”یہ تو تمہارا اندازہ یا خیال ہے۔۔۔ میں تو اس سے متعلق نہیں۔“ ہارون کمال نے ایس ٹری سے مسکرت کو بجنے  
 ہوئے کہا۔

”تم متعلق ہو یا نہ ہو میں اپنی بات میں کوئی تبدیلی نہیں کروں گی۔“ شائستہ نے بیڑ پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ہارون نے گردن  
 موڑ کر دوسری طرف بالخصوص شائستہ کمال کو دیکھا۔ اسے اعتراف کرنا پڑا۔ وہ آج بھی اتنی ہی خوبصورت تھی جتنی اسے اس وقت لگی  
 تھی جب اس نے پہلی بار اسے دیکھا تھا بلکہ دو پچھلے سے زیادہ خوبصورت ہو گئی تھی۔۔۔ اور اب اس کا ۱۹۵۱ آسان کو چھوڑنا تھا۔  
 ہارون کمال نے پچھلے دس پندرہ سالوں میں اسے مکمل طور پر بدل کر رکھ دیا تھا۔۔۔ وہ اتنی بدل گئی تھی کہ اب ہارون کمال کو کبھی  
 بعض دفعہ بہت متحالا ہو کر اس سے بات کرنا پڑتی تھی۔۔۔ وہ شادی کے وقت کی ڈری بھی شائستہ نہیں رہی تھی جیسے ہر وقت یہ  
 خوف ستاتا رہتا کہ اگر ہارون نے اسے چھوڑ دیا تو کیا ہوگا۔۔۔ اس کے والدین اسے قبول کریں گے یا نہیں۔ وہ زندہ کیے رہے  
 گی بلکہ دور رہے گی کہاں۔۔۔ بہت عرصہ ہوا۔ وہ ان سوالوں کی گرفت سے نکل آئی تھی۔ اب ان میں سے کچھ سوال ہارون  
 کمال کو پریشان کرتے تھے مثلاً یہ کہ اگر شائستہ کمال نے اسے چھوڑ دیا تو کیا ہوگا۔۔۔ اس کے بزنس پر پڑنے والے اثر کو

؟ وغیرہ وغیرہ۔

پتہ نہ پڑے گا۔ اس کے سوشل کانسٹیکس کا کیا ہے؟

پتہ نہ پڑے گا۔ اس کے سوشل کانسٹیکس کا کیا ہے؟

پتہ نہ پڑے گا۔ اس کے سوشل کانسٹیکس کا کیا ہے؟

پتہ نہ پڑے گا۔ اس کے سوشل کانسٹیکس کا کیا ہے؟

پتہ نہ پڑے گا۔ اس کے سوشل کانسٹیکس کا کیا ہے؟

پتہ نہ پڑے گا۔ اس کے سوشل کانسٹیکس کا کیا ہے؟

پتہ نہ پڑے گا۔ اس کے سوشل کانسٹیکس کا کیا ہے؟

پتہ نہ پڑے گا۔ اس کے سوشل کانسٹیکس کا کیا ہے؟

شاہت کے لیے اپنے رول میں سب سے بڑی دلچسپی اور تعریف اور تحائف تھے جو اسے لوگوں سے ملنے لگے۔ ہر طرح جانتی تھی کہ جس سوسائٹی میں وہ اور ہارون رہتے تھے وہاں ٹیکہ مای اور جہانی کا کوئی تصور موجود نہیں تھا۔ وہاں لوگوں کو زیادہ مشہور و زیادہ جانا جاتا تھا۔ بس وہی اچھا تھا۔ اسے ملنے والی شہرت کی وجہ پر کوئی غور کرنے کی ذمیت نہیں کرتی تھی۔ اس کے بارے میں لوگوں کے حوالے سے لکھنے والی تقریریں سن سن کر ساتویں آسمان پر بردھمان ہو چکی تھی۔ اس کے اور ہارون کے بارے میں کہا جاتا تھا کہ وہ دونوں فطرت تھے اور اس بات میں کسی کو کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں ہوتا۔

شاہت کے زیادہ تر انجمنز ہارون کے لیے مراعات کے حصول کے لیے تھے جبکہ ہارون میں کسی کو کسی قسم کا کوئی شبہ نہیں ہوتا۔ اس کے بارے میں انجمنز وقت گزارنے کی کوشش تھی اور وہ دونوں اپنے تمام انجمنز کے بارے میں ٹیکہ تو زیادہ تر کے بارے میں شہرت جانتے تھے اور ان دونوں کو بھی ایک دوسرے کی حرکات پر اعتراض نہیں ہوا تھا۔ شاہت کو ہارون کے انجمنز پریشان نہیں کرتے تھے کیونکہ وہ جانتی تھی کہ وہ صرف انجمنز ہی تھے وہ بھی ان میں سے کسی کے ساتھ شادی نہیں کرے گا اور ہارون شاہت کے انجمنز کے بارے میں پریشان نہیں ہوتا تھا اور نہ ہی اس سے اس سلسلے میں بات کرتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ اگر وہ اپنے کسی گزراؤں کے لیے کرتی تھی کوئی اعتراض بھی نہیں ہوتا تھا۔ ان کی سوسائٹی میں اس طرح کے انجمنز ہر دور سے موجود تھے۔ زندگی کا حصہ تھے۔ بعض دفعہ تو یہ انجمنز گھر کے نوکر کوں ڈرا بیور اور آفس ورکرز تک کے ساتھ چائے جاتے تھے اور کوئی اس کے بارے میں کوئی نہیں کر سکتا تھا۔ صرف یہ ہوتا تھا کہ دل بھرنے کے بعد اس عازم کو بلازمت سے نکال دیا جاتا تھا۔ اگر اس لیے انجمنز میں اس طرح کی نقل و حرکت نہیں ہوتی تھی کبھی کسی عام گھرانے میں ہو سکتی تھی۔

شاہت نے وقت گزارنے کے ساتھ ساتھ ہارون سماں کی بہت سی جائیداد اپنے نام کر والی تھی۔ اس کی فیصلج میں بیٹی تھا اور اس کے شہساز بھی موجود تھے۔ شروع میں ہارون نے اس کے ان مطالبات پر اعتراض کیا اور اسے سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر اس نے شاہت سے کہا تھا۔

”جائیداد میرے نام ہو یہ تمہارے نام اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ہم دونوں ایک ایک تو نہیں ہیں۔“

شاہت نے اس کے جیسے پڑنے غور اور سمجھنے سے اسے دیکھا اور کہا۔ ”اگر یہ بات ہے تو پھر تم کچھ حصے کے بجائے اپنی ساری جائیداد میرے نام لکھو اور آخر جائیداد میرے نام ہو یا تمہارے نام اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ ہم دونوں ایک ایک تو نہیں ہیں۔“

شاہت کے جواب نے اس قدر شرمندہ بنایا تھا کہ اس کی گفت اور شہنڈگی اسے اس مطالبے کو پورا کرنے سے نہیں روکتی تھی جو شاہت نے کیا تھا۔ وہ اگر شاہت کو استعمال کر رہا تھا تو شاہت نے اس کے پڑنے اور ہر جائیداد میں اپنا حصہ لکھا تھا۔ چاہے وہ گھر ہو یا فیصلجی پلاٹ ہوں یا اسٹاک یا کچھ بچے کے شہساز۔ یا پھر بینک اکاؤنٹس۔ ہارون نہ چاہے ہوئے بھی شاہت کو اپنے حصے دار بنانے پر مجبور ہو گیا تھا۔

شاہت اس ساری دنیا پر نگہ کرنے میں اپنے رول کو بخوبی جانتی تھی۔ اور وہ اپنی اہمیت سے بھی واقف تھی۔ وہ جانتی تھی اس کے بغیر ہارون کی یہ دنیا زمین پر آ کر سب کی اور وہ ہارون کے ساتھ یہ کارروائی کرتی رہتی تھی۔ اسے جتنی دینی تھی کہ اسے وہ اس کی زندگی میں نہ آتی تو ہارون کمال کہاں کھڑا ہوتا۔ کیا کرتا۔ ہارون کمال بھی خوش ولی سے اس کی بات کو تسلیم کرتا اور بھی مجبوراً

ان دونوں کے دو بیٹے تھے۔ بیٹے اور ایک بیٹی۔ ہارون بیٹی سے تنگ اپنی زندگی سے مطمئن تھا۔ اسے کسی اس بیٹے کا خیال نہیں آیا تھا جسے اس نے بی سال پہلے چھوڑ دیا تھا۔ وہ اپنے دونوں بچوں سے مطمئن تھا۔ اگرچہ وہ کوئی فیصلی میں نہیں تھا۔ اور نہ ہی وہ بہت خیال رکھتا تھا اور ہر باپ کا قصہ اس نے ہر جہاں کسی نہ کسی حد تک فیصلی لائف کی اس کی زندگی میں اہمیت تھی۔



دہری طرف شائستہ بھی بہت سال پہلے ہونے والے احساسِ جرم اور بچپن کی گرفت سے آزاد ہو چکی تھی۔ اسے اس کی اپنے خیال کا خیال آتا بھی تو وہ اسے ذہن سے جنگ دیتی یا پھر یہ سچ کر مطمئن ہو جاتی کہ یہ اس بچے کا مقدر تھا کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ ہونے کے بجائے نکلا اور چلتا اور پھر وہ بھی سوچتی کہ ہو سکتا ہے اسے اپنے اپنا کرنے والے والدین کے ساتھ ہونے کے لیے تصور وار غمراہ اور ملامت کا ترک کر دیا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ اس

کی ماں بھی کی طرح اس نے ہارون کو اس جرم کے لیے تصور وار غمراہ اور ملامت کا ترک کر دیا تھا۔ اور اپنے کردار کا احساس ہوتے ہی شعوری اور لاشعوری نے اپنے جرم کی خود اپنے رول پر کی جانے والی نین طعن و بھی وادیا تھا۔

اور ہارون اس بار سے وہ سب بچہ ہلانے کی کوشش کرتی اور اس میں کامیاب رہتی۔ پہلے کی طرح اسے سناؤ اور جھٹ اور وہ اپنے ذہن سے وہ سب بچہ ہلانے کی کوشش کرتی اور اس میں کامیاب رہتی۔ پہلے کی طرح اسے سناؤ اور جھٹ اور ہارون کے پاس نہیں بھاگتا پڑتا تھا۔ وہ ویسے بھی جس حد تک خود کو سہل کر چکی تھی اس کے لیے جھوٹے موٹے پریشانی کے پاس نہیں بھاگتا پڑتا تھا۔

پہلے ہی اور ہارون کے ساتھ شائستہ کا رابطہ وقت گزارنے کے ساتھ ساتھ کم سے کم ہوتا گیا تھا اور اب تو یہ نہ ہونے کے برابر رہ گیا تھا۔ اس کے اور ہارون کے خیال میں اس کا گھر آنا آج بھی چہرے کے زمانے میں ہی رہا تھا۔ کچھ نظری اور بہت پھرتی تھی۔ شائستہ کے ساتھ پہلے صرف ہارون اس کے خاندان کے نظریات سے چڑتا تھا پھر آہستہ آہستہ وہ بھی چڑنے کی روایت کرنے کے ساتھ ساتھ یہ بیزار ہی غرت میں تبدیل ہو گئی تھی۔ وہ دونوں شائستہ کے خاندان کا مذاق اڑاتے

ان کے خیال میں وہ اخلاقیات جو شائستہ کا خاندان لے کر پھر رہا تھا وہ بازار میں کوئی دو روپے کے عوض بھی خریدنے پر تیار نہ تھے۔ ان کا خیال تھا کہ ایسی اخلاقیات کو بچھنے زمانے کے ساتھ ہی دفن کر دینا چاہیے تھا۔ ایسی اخلاقیات جو اس حد پر دور خاندان کے خاندان کی ذمہ داری کرے اسے معذور کر دے۔ وہ آخر شائستہ جیسی عورت اور ہارون جیسے مرد کے لیے کس کام کی تھی۔

☆☆☆

امیر چہون کے بعد ایک دن طلوع کے ساتھ رشتی کے گھر گئی۔ دروازہ رشتی نے ہی کھولا۔ امیر کے ساتھ طلوع بود کچھ کر وہ کچھ کچھ گئے۔ طلوع کا چہرہ اس کے لیے ناشائسا نہیں تھا۔ وہ اسے ان بہت ساری تصویروں میں دیکھ چکی تھی جو امیر نے اسے سناؤ اور کئی کئی تصویروں میں دیکھنے اور حقیقی زندگی میں دیکھنے میں بہت فرق ہوتا ہے اور پھر اس صور پر اس شخص کو پہنچے میں جسے اپنے سامنے پانے کی آپ بھی توقع ہی نہ کر رہے ہوں۔ رشتی بھی اسی کیفیت کا شکار ہوئی تھی۔ امیر نے اسے

خون ہر ہوتے دیکھ کر طلوع سے حصارف کرانے کا فریضہ سرانجام دیا۔

رشتی اپنے طلوع سے تم تو اسے جانتی ہی ہو۔ میں نے بہت بار ذکر کیا ہے اس کا تم سے اور تصویریں بھی تو

بجائے تم نے۔

ہاں میں جانتی ہوں۔ رشتی یک دم کچھ سنبھلی۔ "آپ اندر آ جائیں۔" وہ دروازے کے سامنے سے ہنستے ہوئے بولی۔

رشتی سلام دعا کے بعد طلوع اور امیر دونوں اس کے پیچھے پیچھے ڈرانگ روم میں چلے آئے۔

آپ نہیں۔ میں اہلی کو آپ لوگوں کے بارے میں بتا کر آتی ہوں۔

رشتی نے ڈرانگ روم سے نکلنے ہوئے کہا۔ امیر نے اس کی بات پر سر ہلا دیا۔ وہ اور طلوع ایک صوف پر بیٹھ گئے۔ رشتی

سنا رہا ہے ہی امیر نے اس سے ہرچہ۔

تم نے دیکھ رشتی کو کیسی ہے وہ؟ اس کے لہجے میں کچھ اشتیاق تھا۔

طلوہ کی بات پر مسکرایا۔ "وہی سی ہے جیسی تم سے سنتا رہا تھا۔"

"ہے؟ خوبصورت؟" امبر نے قدرے فخریہ انداز میں کہا۔

"ہاں بہت خوبصورت ہے۔" عمو نے اعتراف کیا۔

رشتی پر باہر روانہ ہونے سے ایک نظر ڈالتے ہی عمو بلاشبہ سرعوب ہو گیا تھا۔ اگر امبر اس کی ہر وقت تعریف کرتی، جو چیزیں رشتی کو دیکھ کر ٹھوکر پھینکتا، اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ تعریف ہے جائیں گی۔ رشتی واقعی ایسی تھی کہ کوئی بھی اس کو دیکھ کر اس کے حسن سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا تھا۔

رشتی کچھ دیر کے بعد دوبارہ ڈرائنگ میں داخل ہوئی تو اس بار اس کے ساتھ ایک عورت بھی تھی۔ عمو کو اس عورت کو دیکھ کر اندازہ ہو گیا کہ وہ رشتی کی والدہ ہوں گی کیونکہ ان دونوں کے چہروں میں بہت زیادہ مشابہت تھی حالانکہ صاحبہ ہرگز اسماہت تھی کہ اسے دیکھ کر فوری طور پر یہ اندازہ مشکل ہو جاتا تھا کہ وہ رشتی کی ماں ہو سکتی تھی۔

امبر اور طوہ نے رشتی کی امی سے سلام دعا کی۔ رشتی اور صاحبہ کچھ دیر کے بعد ایک دوسرے صوفے پر بیٹھ گئیں۔ عمو کا ہاتھ صاف ہی نے کیا تھا۔

"رشتی نے مجھے بتایا کہ امبر اپنے شوہر کے ساتھ آئی ہے۔" صاحبہ نے کچھ افسردہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

امبر ان کی بات کے جواب میں مسکرائی۔ مگر اس نے جواب میں کچھ کہا نہیں۔

"آئی! امبر نے مجھ سے آپ کے ساتھ ہونے والے حادثے کا ذکر کیا تھا۔ مجھے بہت افسوس ہوا۔ امبر اپنے لیے رشتی کا بہت ذکر کرتی ہے تو میں آپ لوگوں کے خاندان سے مابنائے طور پر تو پہلے ہی متعارف ہوں مگر پھر اس حادثے کا کہنا کے بعد میں نے ضروری سمجھا کہ میں امبر کے ساتھ آپ لوگوں کے پاس آؤں۔"

اس نے بے پنے سے لفظوں میں اپنی بات کا آغاز کرتے ہوئے کہا۔

"بیٹا! تمہاری بہت مہربانی ہے۔" صاحبہ نے کہا۔

"نہیں۔ اس میں مہربانی والی کوئی بات نہیں ہے۔ آپ مجھے شرمندہ کر رہی ہیں۔" طوہ نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔

"امبر کے آنے سے بہت حوصلہ ملتا ہے رشتی کو بھی اور مجھے بھی۔" صاحبہ نے امبر کو دیکھتے ہوئے کہا۔

"میرے آنے کا ایک مقصد اور بھی تھا۔" چہرہوں کی خاموشی کے بعد طوہ نے ایک بار پھر کہا۔

رشتی اور صاحبہ سمجھ گئی کہ اس کا چہرہ دیکھنے لگیں۔

"میں اور امبر چاہتے تھے کہ آپ لوگوں کی مدد کریں۔ جس آدنی نے یہ جرم کیا ہے اسے سزا ملنی چاہیے۔"

طوہ نے فحش لہجے میں کہا۔ "میں اس سلسلے میں آپ سے نصیحتات جانا چاہتا ہوں اور یہ بھی جانا چاہتا ہوں کہ میں آپ

کی کیا مدد کر سکتا ہوں۔" طوہ نے محسوس کیا کہ رشتی اور صاحبہ یک دم قدرے پریشان اور ضرورت سے زیادہ عجیبہ و غریب آئے گی۔

"میرے پاپس میں ایسے تعقلات ہیں میں اس کیس کی ذاتی طور پر مدد کر دوں گا اور اس شخص کی گرفتاری اور سزاؤں

یقینی طوروں گا۔"

طوہ نے ان کو خاموش دیکھ کر اپنی بات کی وضاحت کی۔ "میں جانتا ہوں کہ آپ اس سلسلے میں مجھے تمام نصیحتات سے

آگاہ کر دیں تاکہ میں ان نصیحتات کو آگے پہنچا سکوں۔ میں آپ کو پاپس کے ایک دو آفسرز سے بھی حوالہ چاہتا ہوں تاکہ

آپ کا براہ راست بھی ان سے رابطہ ہو جائے۔"

صاحبہ نے اس کی بات کا ردی۔

"بیٹا! تم یقیناً بہت ایسے انسان ہو جو ہماری اس طرف مدد کرنا چاہتے ہو مگر ہمیں مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم نے

مذخوری اس شخص کو سزا دے دے گا۔"

مذخوری نے ہنسنے لگا۔ "آپ کی بات بالکل درست ہے اور آپ یقیناً بہت ادا طرف ہیں جو اس طرح سوچ رہی ہیں مگر میں ذرا مختلف

مذخوری نے جرم کیا ہے اسے سزا دینی چاہیے۔ اگر ہر کاروانہ پر ہی پھونڈے جائیں تو ہر دہائی میں

مذخوری نے ہنسنے لگا۔ "مذخوری نے اس کی بات کے

مذخوری نے ہنسنے لگا۔ "اس بار امیر نے مداخلت کی۔" اور آپ کو خوفزدہ کر

مذخوری نے ہنسنے لگا۔ "مذخوری نے اس کی بات کے

مذخوری نے ہنسنے لگا۔ "مذخوری نے اس کی بات کے

مذخوری نے ہنسنے لگا۔ "مذخوری نے اس کی بات کے

مذخوری نے ہنسنے لگا۔ "مذخوری نے اس کی بات کے

مذخوری نے ہنسنے لگا۔ "مذخوری نے اس کی بات کے

مذخوری نے ہنسنے لگا۔ "مذخوری نے اس کی بات کے

مذخوری نے ہنسنے لگا۔ "مذخوری نے اس کی بات کے

مذخوری نے ہنسنے لگا۔ "مذخوری نے اس کی بات کے

مذخوری نے ہنسنے لگا۔ "مذخوری نے اس کی بات کے

مذخوری نے ہنسنے لگا۔ "مذخوری نے اس کی بات کے

مذخوری نے ہنسنے لگا۔ "مذخوری نے اس کی بات کے

مذخوری نے ہنسنے لگا۔ "مذخوری نے اس کی بات کے

اس لیے اسے اپنے ساتھ لے کر آئی ہوں۔"

ابرنے اسے تسل دی مگر ریشی اس کی تسل اور بیٹین وہابی سے قائل نہیں ہوئی۔

"نہیں ابرا پولیس نے اگر کچھ کرنا ہوتا تو اب تک کر چکی ہوتی۔ انہیں اگر اسے کلاخ تو وہ اسے اپنے ساتھ لے جاتا۔ مارا زمانہ جانا ہے کہ یہاں قتل ہوا ہے مگر پھر بھی اگر پولیس اس پر چپ ہے تو وہ واضح طور پر قاری بننا چاہتا ہے۔ ہر دوایاں کس کے ساتھ ہیں۔"

ابرنے بہت دیر ریشی اور صاحب کو پولیس کی مدد لینے پر زور دیا مگر وہ دونوں قائل نہیں ہوئے۔ وہ ابرا کی نظر ہر دوایاں منہ ہونے کے باوجود اس شخص کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کرنا چاہتی تھی۔

ابرا کے برعکس ظون نے شروع میں ہی جانے والی کچھ گفتگو کے بعد مکمل خاموشی اختیار کر لی تھی۔ وہ صرف ابرا کو مخاطب کر کے اپنے لگی تو دروازے سے نکلے ہوئے ظون نے ایک بار پھر مزہ کر ریشی سے اور صاحب سے کہا۔

"آپ کو اگر کسی بھی معاملے میں میری مدد کی ضرورت پڑے تو پلیز کسی جھجک کے بغیر مجھے بتائیے گا۔ مجھے آپ کی مدد کے خوشی ہوگی۔"

ریشی اس کی بات پر سر ہلاتے ہوئے مسکرائی جبکہ صاحب نے کہا۔

"تمہارا بہت شکر یہ جیٹا۔۔۔۔۔ ہم لوگوں کو جب بھی مدد کی ضرورت پڑی ہم تم سے ضرور کہیں گے۔"

☆☆☆

وہاں پر گاڑی میں ابرا خاصی دلیرداشتہ نظر آ رہی تھی۔

"مجھے یقین نہیں آ رہا کہ ریشی میری اس بے غرضی پیشکش کو اس طرح ٹھکرا دے گی۔۔۔ آخر وہ اس طرح کی حماقت نہ کر رہی ہے۔ اس آدمی کو کیوں بچا جانے کا موقع دے رہی ہے؟" اس نے کچھ جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

"ریشی کوئی حماقت نہیں کر رہی۔۔۔۔۔ وہ اور اس کی امی دونوں بڑی سمجھ داری کا ثبوت دے رہی ہیں۔" ظون نے کہنے چلائے ہوئے کہا۔

"وہ لوگ کورٹ میں جانا نہیں چاہتے۔۔۔۔۔ پولیس کی مدد لینا نہیں چاہتے۔۔۔۔۔ صرف اس لیے کیونکہ وہ خوفزدہ ہیں اور کہہ رہے ہو کہ وہ دونوں ٹھیک کر رہی ہیں۔"

ابرا نے ناراضی سے کہا۔

"ابرا! تم ہر چیز کے بارے میں بہت جذباتی ہو جاتی ہو۔ میں تمہارے مقابلے میں قدرے زیادہ حقیقت پسند ہوں۔۔۔ اور جن ماں بیٹی سے ہم لوگ مل کر آئے ہیں وہ دونوں مجھ سے بھی زیادہ حقیقت پسند ہیں۔" ظون نے گہرے سانس لے کر کہا۔

"وہ اپنی پیشکش اور پراہلو کو ہم سے زیادہ اچھی طرح سمجھتی ہیں۔۔۔۔۔"

"ظون! تم دراصل اس کی مدد کر رہی نہیں چاہتے۔۔۔۔۔ تم بالکل میری طرح ہو۔۔۔۔۔ تم تو اس کے گھر بھی جانا نہیں چاہتے دو بھی میں تمہیں زبردستی لے کر گئی۔۔۔۔۔ اور تم نے تو ریشی اور اتنی کے انکار پر شکر کیا ہو گا کہ تمہاری جان چھوٹی۔"

"اچھا مان لو۔ تم کسی نہ کسی طرح انہیں کورٹ میں جانے پر تیار کر لیتی ہو۔ پھر کیا ہو گا؟" ظون نے کہا۔

"کیس چلے گا اور کیا ہو گا؟"

"گواد کہاں سے آئیں گے؟"

"آجائیں گے لوگ ابھی اتنے بھی بے خمیر نہیں ہوئے کہ سامنے قتل ہوتا دیکھ کر بھی چپ ہو جائیں۔ اور موت کو بھوت نہ کہیں۔"

ظون نے بے اختیار قبضہ لگایا "تم کس دنیا میں رہتی ہو مائی ڈیو۔ میں تمہیں یقین دلاتا ہوں کہ جس دنیا میں ہم رہتے

تو کون میں ضمیر ہوتا تو وہ تمہاری دوست کے گمراہوں کا اپنا کٹ  
 بنانے کے بجائے اس خاندان کا اپنا کٹ کرتے جس کی وجہ سے ریشی کا گمراہ اس مصیبت کا شکار ہوا۔ پھر ریشی اور اس کے

زبان سے منہ نہ کھولتے تو وہ بھوکے اور پیاسے ہوتے۔ "امیر نے اس کی بات سے ہلکے ہوئے بغیر کہا۔

"مگر پتہ تو نہیں آئی ہے تو بھوکے اور پیاسے کیوں توڑ سکتے ہیں۔" امیر نے اس کی بات سے ہلکے ہوئے بغیر کہا۔  
 "جس میں پتہ ہے کہ ایسے کیمو پراکٹور یہ فریج ہوتا ہے؟ اور کتنے سال نہیں کے کوئی نہیں کہہ سکتا۔"

کوئی بات نہیں۔ لاکھوں روپے لگیں گے۔ کروڑوں تو نہیں لگیں گے۔ اور کتنے سال لگیں گے۔ سو سال لگیں گے۔

کہہ جانے والا۔

ظہر نے امیر کو اس طرح دیکھا جیسے اسے اس کی ذہنی حالت پر شبہ ہو۔

"اور اگر وہ یہ اور وقت ضائع کرنے کے بعد بھی ریشی کے گمراہوں کے کیمو پراکٹور ہے تو؟"

"میں تم سے کہا ہے ہاں۔ یہ سب بعد کی باتیں ہیں۔ کیمو کا فیصلہ کیا ہوتا ہے اور کس کے حق میں ہوتا ہے

اس کے بارے میں پٹیشن ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔" امیر نے ایک بار پھر لاپرواہی سے کہا۔

"بعض دفعہ تم..." ظہر نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر امیر نے اس کی بات کاٹ دی۔

"بعض دفعہ میں حالت کی انتہا کر دیتی ہوں۔۔۔ بلکہ میں ظاہر کرتی ہوں جیسے میں عقل سے عقل طور پر پیدل ہوں۔ تم

کی کچھ پانچ ہوتے؟" امیر نے اطمینان سے کہا۔

"نہیں میں یہ تو نہیں کہا جانتا تھا مگر اب تم نے خود اپنے بارے میں یہ سب کچھ کہہ دیا ہے تو میں اختلاف نہیں کروں

میں۔" ظہر نے ہلکے ہلکے ہنسی سے کہا۔ "میری کچھ میں یہ نہیں آتا کہ تم خود کو دوسروں کے مسئلوں میں کیوں الجھاتی ہو؟"

"میرا ہونا بڑی عجیبی کی ہے کہا۔" امیر نے کچھ کہہ رہے ہو؟" امیر نے بھی اسی انداز میں کہا۔ "مجھے

میرا ہونا بڑی عجیبی کی ہے کہا۔" امیر نے کچھ کہہ رہے ہو؟" امیر نے بھی اسی انداز میں کہا۔ "مجھے

میرا ہونا بڑی عجیبی کی ہے کہا۔" امیر نے کچھ کہہ رہے ہو؟" امیر نے بھی اسی انداز میں کہا۔ "مجھے

میرا ہونا بڑی عجیبی کی ہے کہا۔" امیر نے کچھ کہہ رہے ہو؟" امیر نے بھی اسی انداز میں کہا۔ "مجھے

میرا ہونا بڑی عجیبی کی ہے کہا۔" امیر نے کچھ کہہ رہے ہو؟" امیر نے بھی اسی انداز میں کہا۔ "مجھے

میرا ہونا بڑی عجیبی کی ہے کہا۔" امیر نے کچھ کہہ رہے ہو؟" امیر نے بھی اسی انداز میں کہا۔ "مجھے

میرا ہونا بڑی عجیبی کی ہے کہا۔" امیر نے کچھ کہہ رہے ہو؟" امیر نے بھی اسی انداز میں کہا۔ "مجھے

میرا ہونا بڑی عجیبی کی ہے کہا۔" امیر نے کچھ کہہ رہے ہو؟" امیر نے بھی اسی انداز میں کہا۔ "مجھے

میرا ہونا بڑی عجیبی کی ہے کہا۔" امیر نے کچھ کہہ رہے ہو؟" امیر نے بھی اسی انداز میں کہا۔ "مجھے

میرا ہونا بڑی عجیبی کی ہے کہا۔" امیر نے کچھ کہہ رہے ہو؟" امیر نے بھی اسی انداز میں کہا۔ "مجھے

میرا ہونا بڑی عجیبی کی ہے کہا۔" امیر نے کچھ کہہ رہے ہو؟" امیر نے بھی اسی انداز میں کہا۔ "مجھے

میرا ہونا بڑی عجیبی کی ہے کہا۔" امیر نے کچھ کہہ رہے ہو؟" امیر نے بھی اسی انداز میں کہا۔ "مجھے

میرا ہونا بڑی عجیبی کی ہے کہا۔" امیر نے کچھ کہہ رہے ہو؟" امیر نے بھی اسی انداز میں کہا۔ "مجھے

میرا ہونا بڑی عجیبی کی ہے کہا۔" امیر نے کچھ کہہ رہے ہو؟" امیر نے بھی اسی انداز میں کہا۔ "مجھے

میرا ہونا بڑی عجیبی کی ہے کہا۔" امیر نے کچھ کہہ رہے ہو؟" امیر نے بھی اسی انداز میں کہا۔ "مجھے

”بہتر صرف ریشی کی بات کیوں کرتی ہو۔ سوشل ورک شروع کرو۔ دولت تمہارے پاس ہے تمہا سے تم ان لوگوں  
 کا اس کے مسائل حل کرنے چاہو۔“  
 میں نے پوری گلاس کی بات نہیں کی، میں نے صرف ریشی کی بات کی ہے۔“ امبر نے اس بار کچھ نہ لکھا، لکھا میں نے  
 اور وہ بھی اس لیے کیونکہ وہ میری دوست ہے۔ میری بہترین دوست۔“  
 امبر نے اپنی بات پر زور دیا۔ غلط فہم نہ ہو۔ ”اوہ کم آن امبر تم حد کرو دینی ہو۔ چار آٹھ ماہ میں وہ تمہاری دوست نہیں  
 بہترین دوست بن گئی ہے۔ مجھے حیرانی ہو رہی ہے۔“  
 خوبصورتی کے علاوہ اس میں اور کون سی خوبی ہے جس نے تمہیں اس کی طرف متوجہ کیا۔“ مھو نے ذوق اڑانے والے  
 انداز میں کہا۔

”خوبصورتی کے علاوہ اور کون سی بات ہے جس نے تمہیں میری طرف متوجہ کرنے اور مجھ سے محبت کا دعویٰ کرنے کا  
 مجبور کیا۔؟“

امبر نے اسی انداز میں پوچھا۔ مھو کچھ لمحوں کے لیے کچھ نہیں کہہ سکا۔ ”تمہیں یاد رکھنا چاہیے کہ ہم دونوں کا تعلق  
 وقت ہو چکا تھا جب ہم خوبصورتی کے تصور سے بھی واقف نہیں تھے۔“ چند لمحوں کے بعد اس نے کہا۔  
 ”تم میں خوبصورتی کے علاوہ اور بھی بہت سی گولٹیلو چیزیں۔“  
 ”ریشی میں بھی خوبصورتی کے علاوہ اور بہت سی گولٹیلو چیزیں۔“ امبر نے اسی انداز میں جملہ دہراتے ہوئے کہا۔  
 ”میرے ریشی کی وجہ سے آئیہ فضول بحث میں الجھے ہوئے ہیں۔“ مھو نے جیسے تک آ کر کہا۔  
 ”نہو سہے مہر یہ بحث میں نے شروع نہیں کی۔“

”تمہیک ہے جس نے شروع کی ہے۔ میں ہی ختم کر دیتا ہوں۔“ مھو نے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔ ”میں ریشی  
 بارے میں اپنے تمام اندازہ واپس لیتا ہوں۔ کیا یہ کافی ہے؟“ مھو نے پوچھا۔  
 امبر نے اس کی بات کا جواب نہیں دیا، وہ صرف مسکرائی۔

\*\*\*

اس رات بارون اور شائستہ نے منصور علیٰ رضیہ، ذروشان اور صہبہ کو پورچ میں رہا سہا کیا تھا، بارون کمال کو فوراً ہی امبر کی  
 مدد سے جوڑی کا احساس ہو گیا تھا اور اس کے چہرے پر کچھ مایوسی نمودار ہوئی تھی۔

”میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ ساری ٹیلی کوئلے کر آئیں گے مگر آپ سب کو لے کر نہیں آئے۔“ بارون نے منصور  
 علیٰ کے ساتھ ہاتھ ملاتے ہوئے لکھو کہا۔

”میں نے تو بہت کوشش کی تھی کہ میں سب کو لاسکوں مگر امبر آتا نہیں چاہ رہی تھی اور باقی دونوں بچیاں اپنے ایک ٹیبلٹ  
 کی تیاری میں مصروف تھیں۔“ منصور علیٰ نے کچھ معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

”جو بھی ہو مجھے بہت مایوسی ہوئی ہے۔“ بارون کمال نے کہا۔

”میرا وہ وہ ہے۔ کہ آگے بار ایسا نہیں ہوگا۔“ منصور علیٰ نے کہا۔

”اچھا ذرا اپنے بچوں سے تعارف کروادیں۔“

بارون مسکرا کر، روشان اور صہبہ کی طرف بڑھا۔

”یہ سب ایسا ہے، روشان منصور علیٰ۔ اور یہ میری بیٹی صہبہ منصور علیٰ۔“ منصور علیٰ نے ان دونوں سے شائستہ اور بارون

کا تعارف کروایا۔ بارون نے بارنی، ہارنی دونوں سے ہاتھ ملایا، جب کہ شائستہ نے ان دونوں کے کمال کیجے۔

لکھانے کی بجائے بارون نے منصور علیٰ کا تعارف اپنے دونوں بچوں کے ساتھ بھی کروایا۔ امبر کے نہ آنے سے بارون کو  
 جو مایوسی ہوئی تھی اس نے اس کی صفائی کرنے کے لیے صاف کرنے کی سہا پر امبر کا ذکر نہیں دیا تھا۔



”نہیں خیر کل آتا تو ممکن نہیں ہے، ہمیں یوں کرتے ہیں کہ اگلا ایک ایذا آپ کے ساتھ کوڑا سے تین دنوں تک نہ گمانے۔“

”مگر شرط ہماری بھی یہی ہے کہ آپ اپنی ہماری جیلی کے ساتھ آئیں گے۔“ منصور علی نے کہا۔  
 ”ہاں کل میں اپنی ہماری جیلی کے ساتھ آؤں گا۔“ وہ نہیں کروں گا جو آپ نے کیا کہ وہی جیلی کو کھڑا کرتے ہیں۔  
 کمال نے بڑھت کہا۔  
 ”یعنی میں حضرت تو کر چکا ہوں اس نعلی کے لیے آپ کے ہاں اگلی بار ہماری جیلی کے ساتھ آؤں گا کھڑا نہ ہو۔“  
 تو کالی رے گا۔ ”منصور علی نے گفتگو سے کہا۔  
 ”ہاں کل ضرور کیوں نہیں۔“ ہارون نے بڑھت تائیدی کی۔

☆☆☆

”دعشی! تم آخر اس قدر خوفزدہ کس بات سے ہو؟“ امبر اس دن گھر آنے کے بعد بھی فون پر دعشی سے بات کرتی رہی۔  
 وہ ایک بار پھر کوشش کر رہی تھی کہ دعشی اپنے بیٹوں کے خلاف کارروائی کے لیے رضامند ہو جائے۔  
 ”امبر! تم میرے سناں نہیں سمجھ سکتیں۔“ دعشی نے کچھ بے چارگی کے عالم میں کہا۔  
 ”امبر! میں جس محلے میں رہتی ہوں اسے اور میراں کے لوگوں کو میں تم سے زیادہ بہتر جانتی ہوں۔ انہیں نہیں پھینچو۔“  
 ہم کو حیرت نصیب ہوئی۔

”تم اپنا کھلے کیوں نہیں تبدیل کر لیتے۔“ امبر نے جیسے مسئلے کا حل پیش کیا۔  
 ”ہم یہ کمر چھوڑ دیں تو اور کہاں جائیں گے۔ گھر ملنا کوئی آسان کام تو نہیں ہوتا۔“ دعشی نے کہا۔  
 ”میں دلوادوں کی جھبیں گھر۔“ امبر نے فوراً کہا۔  
 ”تم کیسے دلوادوں کی؟“

”میں اپنے پاپا سے کہہ کر دلوادوں گی۔“ دعشی خاموش رہی۔  
 ”پھر کیا میں گھر کی تبدیلی کے لیے پاپا سے بات کروں؟“  
 ”ابھی غصہ جاؤ۔ ابھی مجھے امی سے بات کر لینے دو پھر میں جھبیں بتاؤں گی۔“ دعشی نے کچھ سوچتے ہوئے اس سے کہا۔

☆☆☆

دعشی نے چند دن بعد شام کو اسے خود رنگ کیا تھا۔  
 ”امبر! میں نے امی سے بات کی ہے۔“  
 ”اچھا پھر آئی کیا کہہ رہی ہیں؟“  
 ”دو ماں گئی ہیں کہ ہمیں گھر شفٹ کر لینا چاہیے۔“ دوسری طرف سے دعشی نے کہا۔  
 ”دیری گند۔“ امبر بے اختیار خوش ہوئی۔  
 ”تم اٹکل سے بات کرو گے کہ ہمیں پتا چلے کہ وہ ہمارے لیے کوئی گھر رائج کر سکتے ہیں یا پھر ہمیں خودی دلوادوں چاہئے گا۔“

”جھبیں گھر دلوادوں کی قطعاً ضرورت نہیں۔۔۔۔۔ یہ کام میرے پاپا خود کر لیں گے۔“ امبر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔  
 ”میری کچھ میں نہیں آتا امبر! میں کس طرح تمہارا شکر یہ ادا کروں؟“ دعشی نے چند لمبے خاموش رہنے کے بعد اس نے کہا۔  
 ”جھبیں شکر یہ ادا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ دوستوں میں اس طرح کے تکلفات نہیں ہوتے۔“ امبر نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”پھر بھی ہر گزرتے دن کے ساتھ مجھ پر تمہارے احسانات بڑھتے ہی جا رہے ہیں۔ میری کچھ میں نہیں آتا کہ میں





”وہ تو ہوا ہی تھا۔ ہارون کمال کوئی چھوٹا موٹا پرنس میں نہیں ہے۔“ منصور علی نے لاپرواہی سے کہا۔  
 ”مجھے تو سب سے زیادہ اس کی بیوی شائستہ پر رشک آ رہا تھا۔ اگر میں اس کے بچے خود اپنی آنکھوں سے نہ دیکھ لیتی تو

مجھے کبھی یہ یقین نہ آتا کہ وہ اتنے بڑے بچوں کی ماں ہے۔“ اس نے خود کو بہت اچھی طرح میں نہیں کیا ہوا ہے۔ ہارون  
 ”بھئی ساری بات خود کو میں نہیں رکھنے کی ہوتی ہے۔۔۔۔۔ اس نے خود کو بہت اچھی طرح میں نہیں کیا ہوا ہے۔ ہارون  
 کمال کے ساتھ ساتھ اس کی بیوی بھی پرنس کے حلقوں میں بہت شہرت اور پسندیدگی رکھتی ہے۔ اسی لیے تو میں تم سے کہتا رہتا  
 ہوں کہ تم بھی اپنا وزن کم کرو۔ اور خود کو کچھ فٹ اور اسٹارٹ رکھنے کی کوشش کرو۔۔۔۔۔ ورنہ میرے ساتھ پارٹیز میں جاؤ گی تو مجھے  
 بڑی شرمندگی ہوگی۔“

”میں اسی لیے آپ کے ساتھ کسی پارٹی میں نہیں جاتی تاکہ آپ کو شرمندگی نہ ہو۔ کم از کم میری وجہ سے اور جہاں تک  
 وزن کم کرنے کا سوال ہے تو یہ کام میرے بس کا نہیں۔ ویسے بھی ہمارے پورے خاندان میں کوئی ایک بھی ایسا ہے جو بہت فٹ  
 اور اسٹارٹ ہو۔ کم از کم عورتوں میں تو آپ کوئی ایک نام بھی نہیں لے سکتے۔“ منیزہ نے قدرے ناراضی سے کہا۔

”تو یہ کوئی بڑے اعزاز کی بات نہیں ہے۔ تم دیکھو میں نے بھی تو اپنے وزن کو کنٹرول رکھا ہوا ہے۔ اچھی صحت کے لیے  
 یہ بہت ضروری ہے۔ تم چاہتی ہو کہ چند سال بعد تم مختلف بیماریوں کا شکار ہو جاؤ۔“ منصور علی نے اسے نرمی سے سمجھایا۔  
 ”پلیز منصور! اب مجھے کم وزن اور اچھی صحت کے بارے میں کوئی لیکچر دینا مت شروع کر دینا میں اس وقت بہت تھک  
 چکی ہوں۔ اور کوئی لیکچر سننے کے موڈ میں نہیں ہوں۔“

”ٹھیک ہے میں تمہیں کوئی لیکچر نہیں دیتا۔ میں چاہتا ہوں کہ اگلے ہفتے جو ڈنر ہم ہارون کمال کو رو رہے ہیں وہ اتنا اچھا  
 ہو کہ ہارون کمال متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکے۔“ منصور علی نے بات بدلتے ہوئے کہا۔

”تو یہ کون سی بڑی بات ہے ہم بہت اچھا ڈنر دیں گے انہیں۔“ منیزہ منصور علی کی بات کے جواب میں لاپرواہی سے بولی۔  
 ”مجھے تو ویسے بھی وہ دونوں بہت اچھے لگے ہیں۔ خاص طور پر شائستہ۔۔۔۔۔ آپ نے دیکھا وہ میرے ڈائمنڈ کے سیٹ  
 سے اتنی متاثر ہوئی تھی۔“

”خیر شائستہ اور ہارون کمال کے لیے یہ ڈائمنڈ سیٹ کوئی بہت بڑی بات نہیں ہیں۔ تم نے دیکھا نہیں تھا وہ خود بھی  
 ڈائمنڈ ہی پہنے ہوئے تھی۔“ منصور علی نے بتایا۔

”ہاں پہنے ہوئے تھی۔ مگر میری جیولری اس سے بہت زیادہ قیمتی اور خوبصورت تھی اور شائستہ نے میری جیولری کی تعریف  
 بھی کی تھی۔“ منیزہ اپنی بات پر اڑی رہی۔  
 منصور علی جواب میں صرف مسکرایا تھا۔

## گیارہواں باب

”تمہارے گھر میں نے کل بھی پیغام بھیجا تھا مگر تم کل آئے ہی نہیں۔“ عبدالکریم پیٹرنے سامنے کھڑے اس چودہ پندرہ سالہ سرخ و سفید خوبصورت دلہے پتلے لڑکے سے کہا جس کی سیس ابھی بھگی رہی تھیں۔

”کل میں کچھ مصروف تھا۔ آپ کا پیغام ملا تھا مگر اس وقت میں گھر پر نہیں تھا۔ اس لیے نہیں آ سکا۔“ لڑکے نے بڑے مؤدب انداز میں کہا۔

”چلو خیر کوئی بات نہیں۔۔۔ میں نے اس لیے کل پیغام دے دیا تھا کہ کچھ ارجنٹ کام آن پڑا تھا۔ تم کل آ جاتے تو کام کچھ جلدی ہو جاتا۔“ عبدالکریم نے پینٹ کے ڈبے کو کھولتے ہوئے کہا۔

”میں آپ کا ارجنٹ کام سب سے پہلے کر دوں گا۔ آپ کو وقت سے پہلے کام مل جائے گا۔“ لڑکے نے اطمینان دلایا۔

”ہاں وہ تو مجھے پتا ہے۔۔۔ کام تو تم فوراً کر دو گے۔ مگر میں تو تمہاری سہولت کے لیے ہی کہہ رہا تھا۔ جلد کام پر پہنچ جاتا تو تمہیں ہی آسانی ہوتی۔ اتنی افراتفری میں کام نہ کرنا پڑتا۔“

وہ لڑکا جواب میں کچھ کہنے کے بجائے دکان کے اندر داخل ہو گیا۔

”اس الماری میں دیکھو۔ چارٹ اور کتابیں پڑی ہوئی ہیں۔“ عبدالکریم نے اسے اندر جاتے دیکھ کر پیچھے سے آواز لگائی۔ وہ لڑکا سیدھا اس الماری کی طرف چلا گیا۔ الماری میں کچھ چارٹ اور کتابیں پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے ان کتابوں کے نشان زدہ صفحات کو کھول کر دیکھا۔ کچھ دیر وہ انہیں دیکھتا رہا پھر عبدالکریم کی طرف آ گیا۔

”یہی صفحات ہیں؟“ اس نے باری باری عبدالکریم کو وہ کتابیں کھول کر دکھائیں۔

”ہاں یہی ہیں۔۔۔ ویسے میں نے ایک کانڈ پر ان صفحات اور ان چیزوں کے نام بھی لکھ دیے ہیں جنہیں تمہیں چارٹ پر اتارنا ہے۔۔۔ تم ایک دفعہ اس کانڈ کو بھی پڑھ لو اور دیکھ لو کہ یہ وہی صفحات ہیں۔“ عبدالکریم اسے ایک کانڈ تھمائے ہوئے کہا۔

لڑکے نے کانڈ پر نظریں دوڑائیں۔

”یہ سارے صفحات ہیں۔“ اس نے کانڈ کو جیب میں ڈالتے ہوئے کہا۔

”یہ پرسوں چاہیے۔“ عبدالکریم نے بتایا۔

”میں وٹس کروں گا کہ کل ہی آپ کو بتا کر دے دوں۔“ لڑکے نے ایک شاپر میں ان کتابوں کو ڈالتے ہوئے کہا۔

”کل دے دو تو اور اچھا ہے۔“ عبدالکریم نے کہا۔

”مجھے مار کر دے دیں۔“ لڑکے کو اچانک خیال آیا۔

”دیکھ لو وہاں سامنے پڑے ہیں۔“ عبدالکریم نے اپنی جگہ سے ہلے بغیر کہا۔

وہ لڑکا بڑے مانوس انداز میں الماری کے اس حصے کی طرف بڑھ گیا جہاں بہت سے مارکرز اور مختلف قسم کے رنگ اور

برش پڑے ہوئے تھے۔ اس نے باری باری دو تین بار کڑکوا ایک کانڈ پر چلا کر چپک کیا اور پھر نہیں بھی اس شاہرہ میں ڈال لیا جس میں اس نے ان کتابوں اور چادرئیں کو ڈالا تھا۔

”پھر میں جاؤں؟“ لڑکے نے باہر نکلتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں تم جاؤ۔۔۔“ عبدالکریم نے اس سے کہا۔ مگر پھر آواز دے کر اسے روک لیا۔

”میں سوچ رہا ہوں کہ تم سے اب چیز کھوانا بھی شروع کروں۔۔۔ بہت کام آ رہا ہے آج کل میرے پاس اور میں وقت پر کر ہی نہیں پارا۔“ عبدالکریم نے ایک ڈبے میں تاربین کا تھیل اٹھینے ہوئے کہا۔ ”تم نے سوچا ہے کئی چیز لکھنے کا؟“

”نہیں سوچا تو کبھی نہیں۔۔۔ مگر میں نے اس طرح کے رنگ بھی استعمال نہیں کیے جو بیڑ پر استعمال ہوتے ہیں۔ اس لیے مجھے کوئی اندازہ نہیں ہے کہ میں اچھا بیڑ لکھ سکوں گا یا اسے خراب کروں گا۔“ لڑکے نے کچھ جھگڑتے ہوئے کہا۔

”اس بارے میں تم غور نہ نہ ہو۔۔۔ میں ہوں نا۔۔۔ تمہیں سب سکھا دوں گا۔۔۔ دو چار بیڑ لکھو گے تو خود ہی ہاتھ صاف ہو جائے گا۔ اور پھر بیڑ کے تو پیسے بھی زیادہ ملیں گے۔ چارٹ کے تو کچھ بھی نہیں ملتے۔ چھٹی کے دو چار دن میرے پاس آ جاؤ۔ میں تمہیں ساری بنیادی باتیں سکھا دوں گا۔۔۔ تم ماشاء اللہ ویسے بھی ہر کام بڑی جلدی سیکھتے ہو۔“

عبدالکریم نے اس کی تعریف کی لڑکے کے ہوتوں پر مسکراہٹ نمودار ہوئی تھی۔

”ٹھیک ہے۔ میں امی سے بات کر کے آپ کو بتاؤں گا۔۔۔“ اس نے عبدالکریم سے کہا۔ وہ دکان سے نکل کر اپنی اس سائیکل کے پاس جا کھڑا ہوا جسے مختلف رنگوں کے نقش و نگار سے چٹنٹ کیا گیا تھا یقیناً یہ اس لڑکے کا اپنا ہی کمال تھا۔ وہ سائیکل کے ہینڈل پر شاہرہ لٹکا رہا تھا جب عبدالکریم نے ایک بار پھر اسے پیچھے سے آواز دی۔

”اپنے بھائی کو ڈراما میرے پاس بھجوانا۔“ لڑکے نے مڑ کر عبدالکریم کو دیکھا۔

”اچھا میں مگر جا کر نہیں بتا دوں گا۔ وہ شام کو ڈراما میرے آتے ہیں۔ آپ دکان پر ہی ہوں گے؟“

”ہاں سات بجے تک تو میں دکان پر ہی رہوں گا۔۔۔ اگر سات بجے تک وہ آسکے تو ٹھیک ہے ورنہ پھر اس سے کہنا کہ کل مجھ سے مل لے۔“ عبدالکریم نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ جی اچھا۔ میں کہہ دوں گا۔ لڑکے نے بڑی فرمائندہ روی کے ساتھ کہا اور سائیکل پر سوار ہو گیا۔

عبدالکریم لاشعوری طور پر اسے دور جاتے دیکھتا رہا۔ اس کی نظروں میں اس لڑکے کے لیے سناٹا ہی۔

☆☆☆

”مجھے یاد ہے بھی۔۔۔ میں نہیں بتاؤں گا کسی کو بھی۔“ منصور علی نے خوشگوار لہجے میں کہا۔ ”ویسے اگر تمہاری گی کو بتا بھی لگی جائے تو اس سے کوئی خاص فرق نہیں پڑے گا۔ وہ خاصی اچھی خاتون ہیں۔“

”ہاں۔ مجھے پتا ہے وہ بہت اچھی خاتون ہیں۔۔۔ اور آپ کو پتا ہونا چاہیے کہ وہ خوشی کو پسند نہیں کرتیں۔“ امیر نے لادجائی میں داخل ہوتے ہوئے انہیں یاد دلایا۔

”آج کوئی خاص بات ہے۔ باپ نبی باہر سے ہی آسکے آ رہے ہیں۔“ خیزہ نے ان دونوں پر نظر اٹاتے ہوئے کچھ تجسس کے عالم میں کہا۔

”روحان کہاں ہے؟“ منصور علی نے خیزہ کی بات کے جواب میں الٹا سوال کر دیا۔

”اچھے ایک دوست کی طرف گیا ہے۔“

”اس وقت؟“ منصور علی نے قدرے تشویش سے مٹڑی پر نظر ڈال لیا۔

”سبکل آیا تھا لیکن۔۔۔ ان دونوں کو کسی تیسرے دوست کی طرف جانا تھا۔۔۔ خیزہ نے روحان کے دوست کا نام لیکن

ہوئے کہا۔

”پھر کئی مہینوں روک روک کرنی چاہیے۔ اسے۔۔۔ شام کے وقت اس کا باہر نکالنا مناسب نہیں ہے۔ ابھی وہ آگیا نہیں

ہوا۔" منصور علی نے اسی انداز میں کہا۔

"یہ تو نہیں ہوا۔۔۔ مگر بڑا ہوتا رہا ہے۔ اب اس عمر میں بچوں کو بانٹ کر رکھنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ میں تو کئی راتیں ہوں اسے۔۔۔ مگر آپ کو پتا ہے وہ کتنا ضدی ہے۔ امیر کی طرح آپ نے اسے کئی سرچے حایا ہوا ہے مگر وہ میری بات کب سے گئے۔"

خیزو نے کہا۔

امیر نے ان کی بات پر گمان کو ایک جھٹکا دیا۔ "بس می کو پتا نہیں۔ کیوں ہر بات میں میرا نظریں دینا ضروری ہوتا ہے۔۔۔ بات کسی کی بھی ہو رہی ہو۔۔۔ می فوراً مجھ پر پہنچ جائیں گی۔ اور پاپا اگر روشاں باہر چلا بھی جاتا ہے تو کیا برائی ہے۔۔۔ سیکل اس کا اتنا چھوڑتے دوست ہے اور پھر اب روشاں اتنا چھوڑا بھی نہیں ہے جتنا آپ اس کو سمجھتے ہیں۔۔۔ اچھا ہے کچھ باہر نکلے گا تو اس میں کا ٹینڈنس آنے گا۔"

"آپ اس معاملے میں زیادہ ہی محتاط ہو رہے ہیں۔"

پہلے تو آپ کے پاس یہ بلا جگ بھی کہ اتنا ملک نہیں ہے۔ پتا نہیں کیسے لوگ ہوں اس کے فرزند کے کمرہ والے۔۔۔ اگر کچھ نقصان پہنچ گیا تو۔۔۔ مگر اب تو آپ اپنے ملک میں ہیں اس کے سارے فرزند اور ان کے گھر والوں کو جانتے ہیں۔ پھر آپ اتنا پریشان کیوں ہوتے ہیں۔ آپ دیکھیں کہ اس کے دوست بھی تو اس کی عمر کے ہیں مگر وہ کئی آزادلی سے لوہا بھر کھڑے پھرتے ہیں اور روشاں وہ بے چارہ ہر وقت مجھ سے شکایت ہی کرتا رہتا ہے۔" امیر نے اس کی حمایت کرتے ہوئے ایک نئی تقریر کر ڈالی۔

"آپ اس کی بیوٹ۔۔۔ دوسرے تمہارے جیسی نہیں کی۔۔۔ پھر میری وہ کہاں سننے والا ہے۔۔۔ میں نے اسی لیے اس کے معاملات میں دخل دینا چھوڑ دیا ہے۔" اس سے پہلے کہ امیر کی بات کے جواب میں منصور کچھ کہنے۔۔۔ خیزو بول اٹھی۔ "پھر آپ کہتے رہتے ہیں کہ میں اسے سمجھوں۔ اس پر چیک رکھوں۔"

"اچھا اب تم روشاں کے قصے کو کہنے دو۔ بچے ہئے وہ مجھے صرف اس لیے کچھ ٹکر ہوئی ہے۔۔۔ ورنہ ایسا کوئی برائی نہیں ہے اس میں۔"

منصور علی نے فوراً پتہ جان بڑھتے ہوئے کہا۔ "اب تم ایسا کرو کہ مجھے چائے چاؤ۔"

"چائے تو ابھی آ جاتی ہے۔ میں نے ملازم سے کہہ دیا تھا آپ کی گاڑی کا پارکنگ سن کر۔۔۔ وہ ابھی لا رہی ہوگی۔" خیزو نے ایک بار پھر مٹی کی کوالی بلند کرتے ہوئے منصور سے کہا۔ امیر اپنی جگہ سے اٹھ گئی۔

"پتہ ٹھیک۔۔۔ تم میرے ساتھ چائے ہی پی لو۔" منصور علی نے بڑی محبت سے اسے دیکھا۔

"نہیں پاپا کام ہے۔۔۔ پہلے بھی میں نے اتنا انتظار کیا آپ کا۔" اس نے جاتے ہوئے سفدت خواہانہ انداز میں کہا۔

☆☆☆

منصور علی سے بات کرنے کے بعد امیر نے ریشمی کو کال کی۔ "ریشمی! میں نے پاپا سے بات کر لی ہے۔"

"ہا۔۔۔۔۔ وہ کیا کہہ رہے ہیں؟"

"وہ کہہ رہے ہیں کہ وہ کوئی نہ کوئی انتظام کروں گے۔ مگر چند دن لگ جائیں گے۔"

"مجھے اندازہ ہے مکان کا مسئلہ اتنا آسان کام نہیں ہے۔" ریشمی نے سنجیدگی سے کہا۔

"میں ٹھیک ہے مجھے ویسے ہی خیال آ رہا تھا کہ شاید تم جلدی شفٹ ہونا چاہو۔" امیر نے کچھ مطمئن ہوتے ہوئے کہا۔

"اب مجھے یہ پتا کہ تم کالج کب سے آ رہی ہو؟" امیر نے اس سے پوچھا۔

"میرا ایسا اپنی اسٹڈی چھوڑنے کا سوچ رہی ہوں۔" دوسری طرف سے ریشمی کی بات پر وہ کچھ چونک گئی۔

"بے خوف مت ہو۔ کم از کم کچھ نہیں تو کر لو۔ اب اتنا عرصہ تم نے پڑھا ہے۔ تو اب کچھ درسیان میں ہی چھوڑ

دیگی۔" امیر نے اسے کچھ دماغی ہوئے کی۔

”مجھے پتا ہے مگر..... امبر! میں کوئی جاب کرنا چاہتی ہوں۔“ رخصتی نے اسی کا کہا۔

”جاب..... کیسی جاب؟“ امبر اس کی بات پر حیران ہوئی۔ ”اتنی کم کوالیفیکیشن کے ساتھ تمہیں کوئی اچھی جاب کیسے مل سکتی ہے۔“

”مجھے پتا ہے کہ اتنی کوالیفیکیشن کے ساتھ مجھ کوئی اچھی جاب نہیں مل سکتی، مگر میں کسی اچھی جاب کی تو بات کر بھی نہیں رہی۔ مجھے تو صرف جاب چاہیے، ایک اسی جاب جو مجھے اس قابل کر دے کہ میں اپنے ہی دنوں پر کمزری ہو کر اپنے گھر کو سہولت کر سکوں۔“ رخصتی نے کہا۔

”ہاں کل تک میرا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ مگر اب ارادہ ہے۔“

”رخصتی! تم کم از کم گریجویٹیشن تو کر لو..... اس کے بعد تمہارے پاس بہتر آپشنز ہوں گے۔“ امبر نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”کتنے بہتر آپشن..... گریجویٹیشن کر کے بھی میں آخر کون سے بڑے کارنامے کروں گی..... ملے گی تو مجھے کوئی بہتر مولٹی جاب ہی۔“ رخصتی نے قدرے سختی سے کہا۔

”مگر رخصتی! میرا کیا ہوگا..... میں تو تمہیں بہت مس کروں گی۔ اتنے دن سے تم کاٹ نہیں آ رہی ہو تو میری بھی اسٹڈیز میں دلچسپی ختم ہو رہی ہے اور جب تم مستقل طور پر نہیں آؤ گی۔ تو سوچو میں کیا کروں گی۔“

”میں بھی تمہیں بہت مس کروں گی..... مگر امبر میں بھنڈر ہوں۔ اور سوچ کر تم بھی تو ساری زندگی کاٹ میں نہیں رہو گی..... اور کچھ عرصہ کے بعد ویسے بھی تمہاری رخصتی ہو جائے گی..... تم تو کاٹ ویسے ہی چھوڑ دو گی۔“

”وہ تو بعد کی بات ہے..... میں تو ابھی کی بات کر رہی ہوں..... ابھی تو رخصتی نہیں ہوئی میری۔“ امبر نے اس کی بات سن کر انہی کی کرتے ہوئے کہا۔

”سوچنے کی بات نہیں ہے..... بس تم اپنا فیصلہ بدل لو..... اور میں تمہیں یقین دلاتی ہوں کہ جب تم گریجویٹیشن کرو گی تو میں تمہیں بہت اچھی جگہ جاب دلا دوں گی۔ تمہیں اس بارے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“ امبر نے فوراً کہا۔

”تم میرے لیے کیا کیا کرو گی امبر.....؟ کتنے احسان لگتی پھروں گی میں تمہارے۔ مگر تم دلو تو گی۔ جاب تم دلاؤ گی۔ میں.....“ امبر نے رخصتی کو بات کھل نہیں کرنے دی۔

”اب تم جذباتی ہو رہی ہو۔ اس لیے میں فون بند کر رہی ہوں..... کل بات کروں گی۔“ اس نے خدا حافظ کہہ کر فون رکھ دیا۔

☆☆☆

29.19 سال کا وہ لڑکا بڑی مستعدی کے ساتھ اس میڈیکل اسٹور میں گا بکوں کو بھٹکانے میں مصروف تھا۔ رات کے اس پورٹیفولیو بیکل اسٹور پر آنے والے لوگوں کی تعداد خاصی زیادہ تھی۔

اس لڑکے کو دیکھ کر یہ اندازہ لگانا بہت مشکل تھا کہ وہ وہاں سلا میں تھا۔ اگرچہ وہ بہت سا وہی بیٹا اور پی ٹی ٹی میں بیٹوس تھا مگر اپنی شکل و صورت کے لحاظ سے وہ وہاں موجود دوسرے بچوں سے بہت مختلف نظر آ رہا تھا۔ نہ صرف اس کی غیر معمولی شکل و صورت نے اسے دوسروں سے الگ کر دیا تھا بلکہ اس کا بات کرنے کا طریقہ بھی یہ واضح کر رہا تھا کہ وہ معمولی بچہ تھا کتنا نہیں۔ اس کے بال بڑے پلٹے کے ساتھ بنے ہوئے تھے اور رات کے اس وقت بھی وہ بہت اچھے بنے میں تھے۔

اس وقت اس کے سامنے سفاری سوٹ میں بیٹوس ایک آدمی ایک نونو لے کر آیا تھا۔ اس نے ایک نظر اس نونو پر ڈالی اور وہ تمام اشیاء نکال کر اس آدمی کے سامنے کاؤنٹر پر رکھ دیں اور پھر ایک کیشیو پر ان تمام میڈیکل سٹور کا کل بٹا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔

”آپ کاؤنٹر پر جا کر مل پتہ کر دیں۔ میں ان میڈیکل سٹور کو بیک کر دیتا ہوں۔“ وہ ان میڈیکل سٹور کو ایک خانے میں ڈالا

ہوا خود بھی کاؤنٹر پر چٹا آیا۔  
 "سر امیری شفٹ ختم ہو رہی ہے۔" اس لڑکے نے وہاں کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھے ہوئے مانگ سے کہا اس نے سر اٹھا کر

وہاں کاک پر نظر ڈالی اور ہلکے سہلے مسکرایا۔

"شفٹ تو تمہاری ایک گھنٹہ پہلے ختم ہو چکی تھی۔"

"سر ارش بہت تھا اس لیے میں نہیں گیا۔" اس لڑکے نے جڑبا کہا۔

"ختم مرلی سے واہیں آ گیا ہے۔" اس نے لڑکے کو مسکراتے ہوئے اطلاع دی۔

"اچھا... کب آیا ہے؟" وہ لڑکا بھی جڑبا مسکرایا۔

"کئی رات کو آئے ہیں وہ سب لوگ۔ مجھ سے کہہ رہا تھا کہ میں تم سے پوچھوں کہ تم دوبارہ کب آ رہے ہو اسے

پڑھانے کے لیے۔"

"آپ آج مجھے بتا دیجئے تو میں آج چلا جاتا... کل سے آ جایا کروں گا۔" اس لڑکے نے کہا۔

"نہیں... نہیں آج تم آج ہی جاتے تو وہ پڑھ نہیں سکتا تھا... بہت تھکا ہوا تھا۔ کل سے نہیں تم پرسوں سے آ جاؤ۔"

اس آوی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"ختم کہہ رہا تھا کہ وہ پڑھ لے گا، کچھ توجہ لے کر دانا چاہتا ہے۔ مگر میں نے اس سے کہا کہ یہ مناسب نہیں ہے۔ کیونکہ تمہیں یہاں

بھی آنا ہے۔" مانگ کے چلنے پر اس لڑکے کے چہرے پر ایک مٹون مسکراہٹ ابھری۔

"مجھ سے کہہ رہا تھا کہ تمہیں فون کرے گا یہاں اسٹور پر... مگر مجھے لگتا ہے اس نے کیا نہیں۔"

"ختم صاحب کا فون آیا تھا۔ میں نے ریسیو کیا تھا اس وقت تم ساتھ والے میز تک اسٹور پر گئے ہوئے تھے۔" پیچھے

کڑے سٹور میں نے لڑکے سے کہا۔

"دیکھا... میں بھی حیران ہو رہا تھا کہ ختم شہر پہنچ گیا ہو اور تمہیں اطلاع دینے کی کوشش نہ کرے۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا

ہے۔" کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے آوی نے کچھ مسکراتے ہوئے کہا۔ "تم جاؤ... تمہیں دیر ہو رہی ہوگی۔ میں بھی خواتین اور تمہارا وقت

ضائع کر رہا ہوں۔"

"تمہیں سر کوئی بات نہیں۔" اس لڑکے نے کہا اور خدا حافظ کہتے ہوئے کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل گیا۔ وہ اب اپنے سر پر

ایک لپی کیپ پہن رہا تھا۔ کاؤنٹر کے عقب میں بیٹھا ہوا آوی بہت دیر تک اسٹور کے شیشوں سے اس لڑکے پر نظریں جھانے رہا۔

"اس بچے کی تربیت بہت اچھی ہوئی ہے... پتا چلتا ہے کہ نیک ماں باپ کی اولاد ہے۔ بہت آگے جانے لگا ہے۔"

چہرے بھر خود کوکھی کے انداز میں بولا تھا۔

☆☆☆

"کیا آج ہمارے گھر کوں آ رہا ہے؟" امبر نے کانٹے سے آنے پر گھر میں خاص چیل چیل دیکھی۔ ملازم بڑے جوش و

خروش کے عالم میں ڈسٹنگ مٹا مصروف تھے جبکہ مگن میں بہت سی ڈسٹن تیار کی جا رہی تھیں۔

"ہاں... دو بار ہے پچھلے پختے ہم تمہارے پاپا کے جس دوست کے گھر گئے تھے۔ آج وہی اپنی فیملی کے ساتھ رات

کے کمانے پر آ رہے ہیں۔" میزبان نے بتایا۔

"پاپا کے یہ ایسے کون سے خاص دوست ہیں جن کی آمد پر اتنا اہتمام ہو رہا ہے؟" امبر کو کچھ حیرت ہوئی کیونکہ جس

انداز سے تیاریاں ہو رہی تھیں یوں لگ رہا تھا جیسے کوئی بہت ہی خاص الگ خاص مہمان آ رہا ہو۔۔۔

"صرف دوست نہیں ہیں۔ تمہارے پاپا کے بزنس پارٹنر بھی بننے والے ہیں۔" میزبان نے انکشاف کیا۔

"اچھا... یہ بزنس ڈنر ہے۔" امبر نے ایک گہرا سانس لیا۔

"مجھے بھی حیرت ہو رہی تھی کہ پاپا عام طور پر تو اپنے بہت بہانے اور کمرے دوستوں کی آمد پر بھی اتنا اہتمام نہیں کرتے

جانک ہے۔ خاصاً نیا سہان اور دوست ہے۔۔۔ پاپا اسے برنس کے لیے ہی اہمیت دے رہے ہوں گے۔" امبر اپنے باپ کو جانتی تھی۔  
 "ہاں اہمیت تو برنس کی وجہ سے ہی دے رہے ہیں۔ مگر امبرا کھلی بہت اچھی ہے۔۔۔ خاص طور پر اس شخص کی جی سی  
 اس ملک کے چند بڑے خاندانوں میں شمار ہوتا ہے ان کا۔" خیزو نے بڑے جوش سے کہا مگر امبرا حیرت نہیں ہوئی۔  
 "ہوں گے۔ ہمیں کیا۔۔۔ میں تو بھدمات کا کھانا اپنے کمرے میں ہی کھاؤں گی۔" اس نے اعلان کیا۔  
 "نہیں۔ کھانا ب ان کے ساتھ ہی کھائیں گے۔ تمہارے پاپا نے خاص طور پر تاکید کی ہے۔" خیزو نے کہا۔  
 "مگر می آپ اچھی طرح جانتی ہیں کہ میں ایسے برنس ڈنرز میں کبھی بھی نہیں آتی۔ اچھا مصنوعی ماحول ہوتا ہے۔ میں  
 رہنے کمرے میں ہی ٹھیک ہوں۔"

"میں نے تمہیں بتایا تھا کہ آج کے ڈنر کے بارے میں خاص طور پر تمہارے پاپا نے ہدایت کی ہے کہ سب کھانا اگلے  
 ہی کھائیں گے۔ یہ کوئی عام عملی نہیں ہے۔" انہوں نے ایک بار پھر امبرا کو بتایا۔  
 "پاپا سے میں خود بات کر لوں گی۔ وہ کچھ نہیں کہیں گے۔" امبر نے لاپرواہی سے کہا۔  
 "کھلی بار جب انہوں نے بلایا تھا تو تم تب بھی ان کے ہاں نہیں گئیں۔۔۔ اب آج اگر تم پھر نہیں ہوئیں تو نہیں کتنا  
 لگے گا۔"

"میں اکوئی نہ انہیں لگے گا۔ آپ کوئی بھی بہانا بنا دیں۔۔۔ ایسے لوگ بہت زیادہ پرانہ نہیں کرتے کسی کی۔۔۔ ویسے بھی  
 پاپا سب تو نکل پر ہوں گے ہی۔۔۔ بس میں نہیں ہوں گی۔ تو انہیں کیا فرق پڑے گا۔ پاپا میری عادتوں کو جانتے جیسا وہ کوئی  
 متزاش نہیں کریں گے۔"

خیزو نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا تھا مگر اس کے بات کرنے سے پہلے ہی امبر نے اس کی بات مکمل کر دی۔ اور پھر  
 حیرت کے بغیر اپنا بیک اٹھا کر اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

☆☆☆

ہارون کمال کو اس رات ایک بار پھر مایوسی کا سامنا کرنا پڑا تھا۔ منصور علی کے سارے بچے وہاں موجود تھے ماسوائے امبر  
 منصور علی کے۔۔۔ اس کے استفسار پر خیزو نے کہا کہ اس کی طبیعت خراب ہے۔ اس لیے وہ سو رہی ہے۔ ہارون کمال نے اس  
 کے بارے میں دوبارہ دریافت کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ مگر اس کی مایوسی اپنی انتہا کو چھو رہی تھی۔ وہ جتنا اس سے لٹنے کی کوشش کر  
 رہا تھا اتنی ہی ناکام ہو رہا تھا۔

منصور علی ایک بہت اچھا میزبان تھا اور اس نے یقیناً اس کی خاطر مدارت کے لیے بہت بہترین انتظامات کر رکھے تھے  
 مگر امبر کی وہاں غیر موجودگی نے ہارون کمال کے تمام اشتیاق پر پانی بھیر دیا تھا وہ اپنی اندرونی کیفیات اور جذبات کو چھپاتے  
 ہوئے بظاہر سگھرتے ہوئے منصور علی اور اس کے خاندان سے ہاتھیں کرتا رہا۔ خود شائستہ بھی منصور علی کے مگر اور شاید مگر سے  
 زیادہ اپنی آواز بھگت سے سنا رہی تھی۔

وہ لوگ جا رہے تھے جب امبر کسی کام سے اپنے کمرے سے نکلی تھی اور اس نے جاتے جاتے ہارون کمال کو دیکھ لیا تو جو  
 منصور علی کے ساتھ باہر نکل رہا تھا۔ امبر نے کسی توقف کے بغیر اسے پہچان لیا تھا وہ وہی آدمی تھا جو چند ہفتے پہلے اس دعوت میں  
 اسے اپنا کارڈ دے رہا تھا۔۔۔ وہ ہارون کمال کو یہاں اپنے گھر میں دیکھ کر عجیب سے متذبذب کا شکار ہو گئی تھی۔

اسے اندازہ نہیں تھا کہ ہارون کمال اس حقیقت سے واقف تھا یا نہیں کہ منصور علی امبر کا باپ تھا۔ اس نے چند ہفتے پہلے  
 اس پاداشی میں پہلی ہی نظر میں ہارون کمال کو پہنچا دیا تھا۔۔۔ وہ بہت چمڑم آدمی تھا مگر امبر کو وہ اچھا نہیں لگا تھا اور یہاں لا شعوری  
 طور پر ہوا تھا اور اب اس آدمی کو ایک خاص سہان کے طور پر اپنے گھر میں دیکھ کر وہ کچھ عجیب سی کیفیات کا شکار ہو رہی تھی۔  
 کچھ اور بعد منصور علی اور خیزو باہر سے اندر آئے تو امبر وہیں کھڑی تھی۔ روشن صند وغیرہ کے ساتھ پہلے ہی اپنے بیٹے  
 پر ہنس پڑا تھا۔



"اب آنے کا کیا فائدہ؟ وہ لوگ تو چلے گئے۔" خیزہ نے اسے وہاں کھڑے دیکھ کر یہ سمجھا کہ شاید وہ ان بہانوں سے لٹنے کے لیے وہاں آئی تھی۔

"ہاں مجھے پتا ہے کہ وہ چلے گئے ہیں۔ میں اسی لیے تو یہاں آئی ہوں۔" امبر نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔  
 "اچھا ہوا تم بھی ان سے مل لیتیں۔۔۔ تمہارے بارے میں پوچھ رہے تھے وہ دونوں۔" خیزہ نے کہا حضور علی اپنے کمرے میں چلے گئے تھے۔

"ان کی بیوی پوچھ رہی تھی میرے بارے میں؟" امبر نے انکا سوال کیا۔  
 "نہیں، یعنی وہ خود بھی پوچھ رہے تھے بلکہ سب سے پہلے تو انہوں نے ہی تمہارا ذکر کیا۔" امبر کو ابھی ہوئی نظر میں سے نہیں دیکھنے لگی۔

"میں! پاپا کے یہ دوست تھے پرانے ہیں؟"  
 "زیادہ پرانے نہیں ہیں۔ چند نئے پہلے ہی ان کی دوستی ہوئی ہے حضور سے۔" خیزہ نے صوف پر بیٹھنے ہوئے کہا۔  
 "پاپا ان کے ساتھ کیا بزنس کرنا چاہتے ہیں؟"  
 "یہ اسٹے بزنس کرنے کا آئیڈیا کس کا تھا؟ ہارون کمال کا؟" امبر نے خیزہ سے پوچھا۔

"نہیں بنیادی طور پر تو یہ تمہارے پاپا کا ہی ارادہ ہے۔ ہارون کمال سے تو ابھی سرسری سی بات ہوئی ہے۔۔۔ کئی حسابات طے نہیں ہوئے۔۔۔ صرف یہ ہے کہ اس کا رویہ بہت پوزیٹو تھا۔" خیزہ نے کہا۔

"دیکھی ہے؟ کچھ رنگ نہیں ہے۔۔۔ میرا مطلب ہے کہ ایک ایسے آدمی کے ساتھ بزنس شروع کرنا۔۔۔ جسے پاپا بیک طرح سے جانتے بھی نہیں۔" اس نے اٹھتے ہوئے انداز میں کہا۔ "پاپا تو اتنی جلدی کسی پر اعتبار نہیں کرتے اور بزنس کہ تو بہت دور کی بات ہے پھر ہارون کمال کے بارے میں وہ کچھ ضرورت سے زیادہ گرم جوشی نہیں دکھا رہے۔"

"تمہیں ہارون کمال کے بارے میں پتا نہیں ہے۔ وہ کوئی معمولی آدمی نہیں ہے۔ اس ملک کے چند بڑے انڈسٹریلسٹس میں سے ایک ہے وہ۔ اس کے ساتھ اگر وہ پانڈنٹ بننے ہیں تو اس میں ہارون سے زیادہ ہمارا ہی فائدہ ہے۔ ہارون کمال کو تو یہاں کسی تعارف کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ اس کی بہت اچھی ساکھ ہے۔۔۔ مگر حضور کو اس کے ساتھ کام کرنے بہت فائدہ ہوگا۔" خیزہ نے مراب سے انداز میں کہا۔

"میں! اگر ہارون کمال کے پاس سب کچھ ہے تو میری کجھ میں نہیں آ رہا کہ اسے پاپا کے ساتھ بزنس کرنے کی کیا ضرورت ہے۔۔۔ آپ خود ہی کہہ رہی ہیں کہ وہ چند بڑے انڈسٹریلسٹس میں سے ایک ہے۔ پھر آخر اسے کیا ضرورت آئی گی کہ وہ پاپا جیسے ایک نئے آدمی کے ساتھ بزنس پانڈنٹ کرنے کا سوچ رہا ہے۔۔۔ ایسے لوگ تو سولو کلائنٹ پر یقین رکھتے ہیں۔" امبر اب بھی مطمئن نہیں ہوئی۔

"اب اس طرح کی باتیں تو ہارون کمال سے پوچھی نہیں جا سکتیں یقیناً اسے بھی کوئی نہ کوئی فائدہ ضرور نظر آیا ہوگا۔۔۔ وہ سوشل ورک کے طور پر تو یہ کام نہیں کرنا چاہتا ہوگا۔"  
 "اس کی وائف تو خاصی فراموسرت ہے۔" امبر نے شائستگی کی تعریف کی وہ جاتے جاتے اسے دیکھ بھی نہیں اور اس سے واقعی حشر ہوئی تھی۔

"ہاں شائستگی واقعی بہت فراموسرت ہے۔ مجھے تو خود بہت اچھی لگی ہے اور اخلاق بھی بہت اچھا ہے اس کا۔" خیزہ اسے کھلے دل سے شائستگی کی تعریف کی۔

"دیکھیے مجھے حیرت ہو رہی ہے کہ تم ان کے بارے میں اتنا کہیں پوچھ رہی ہو۔ اس سے پہلے تو تم نے بھی اپنے پاپا کے کسی دوست یا ان کے خاندان میں اتنی دلچسپی نہیں لی؟"  
 "اس سے پہلے پاپا نے بھی تو مجھے اپنے کسی دوست کو ہارون کمال اور اس کی فیملی جتنی اہمیت نہیں دی۔" اس نے نزکی۔

زنی جواب دیا۔  
 خیر وہ اس بار کچھ نہیں کہا۔ وہ اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔ جبکہ امبریز میاں چمٹے ہوئے بھی ہارون کمال

کے بارے میں سوچتی رہی۔  
 اپنی خواہشوں کی وجہ سے وہ ہمیشہ لوگوں کی خاص توجہ کا مرکز بنتی رہی تھی اور اسی وجہ سے وہ چھوٹی موٹی باتیں اگور بھی کر

دیا کرتی تھی۔۔۔ ہارون کمال کے بارے میں اسے واحد تشویش یہ تھی کہ وہ اس سے ہونے والی ملاقات کے چند ہفتوں بعد ہی

ایک خاص مہمان کے طور پر اس کے گھر پر موجود تھا۔۔۔۔۔

وہ آدمی بہت بے تکلف تھا مگر امبر کو لاشعوری طور پر اس کے لیے عجیب سی ناپسندیدگی محسوس ہو رہی تھی۔۔۔ وہ اس

ناپسندیدگی کی کوئی بھی وجہ تلاش کرنے میں ناکام ہو رہی تھی۔۔۔ صرف یہ تھا کہ جب بھی وہ ہارون کمال کا تصور کرتی اس کے

ہاتھ پر غیر محسوس طور پر کچھ ٹل کودار ہو جاتے تھے۔ وہ لاشعوری طور پر اس سے تحفظ محسوس کر رہی تھی اور یہی اس کے ساتھ بہت کم

ہونا تھا مگر اس بار ایسا ہوا تھا۔

☆☆☆

”آپ نے گانا کیوں چھوڑ دیا؟“ اس شخص سے قدر و قیمت والے اخبار نویس نے ٹیک کو اپنی ناک پر نئے سرے سے

جانے ہوئے انگا سوال پوچھا۔ سامنے بیٹھی ہوئی عورت سکرانی۔ اخبار نویس نے اعتراف کیا کہ اس کی سکرہٹ آج بھی اتنی ہی

فردوس تھی جتنی بیس سال پہلے۔۔۔۔۔ جب وہ اس کے پروگرامز میں اسے سننے جایا کرتا تھا۔

”چھوڑا کہاں۔۔۔۔۔ چھڑوا دیا گیا۔“ اس نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔

”کس نے چھڑوا دیا؟“ اخبار نویس نے غروراً پوچھا۔

”گھر واری نے چھڑوا دیا۔“ اس نے جلا تو فٹ کہا۔

”یہ تو بڑا عظیم کیا آپ نے اپنے سننے والوں پر۔“

”سننے والوں سے زیادہ اپنے اوپر عظیم کیا۔۔۔۔۔ مگر آخر صاحب کچھ بھنڈیاں بھی ہوتی ہیں۔“ اس نے ایک گہرا سانس لیا۔

”کے بھنڈیوں کو چھوڑیں۔۔۔۔۔ بہت ساری گلوکارائیں گھر واری بھی کرتی ہیں اور انہوں نے گانا بھی نہیں چھوڑا۔“

”وہ خوش قسمت ہوتی ہیں۔“

”خوش قسمت تو آپ بھی تھیں۔ مگر آپ نے خود ہی اپنی آواز اور سننے والوں کے ساتھ زیادتی کی۔۔۔۔۔ بلکہ میں تو کہتا

ہوں تو م کو ایک اچھی آواز بلکہ موسیقی کے ایک قیمتی اثاثہ سے محروم کر دیا۔“ اخبار نویس نے وہ جملہ بولا جو وہ ایسے اکثر ویز کے

ادمان جڑوں ہا ریل چکا تھا۔

”بس اب تو وقت گزر گیا اب کیا ہو سکتا ہے۔“ اس نے اپنی بڑھئی چمک دار ساڑھی کے پلوکانے گور لپٹتے ہوئے کہا۔

”کیوں نہیں ہو سکتا جناب! اب بھی بہت کچھ ہو سکتا ہے۔ میں تو کہتا ہوں آپ آج سو سٹیج کی دنیا میں اپنی دانسی کا

اعلان کر دیں تو تھلکے کچ جانے گا۔“ اخبار نویس نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ ڈسٹری سے انصاف کرتے ہوئے کہا۔

”بڑی بڑی گلوکارائوں کے بیروں سے زمین نکل جانے کی۔۔۔۔۔ آپ ایک دفعہ آنے کا اعلان تو کریں۔“

”چھوڑیں آخر صاحب! اب تو وقت گزر گیا۔۔۔۔۔ ہم تو بہت پرانے ہو گئے۔“

”ارے بھئی آپ نے وہ کہات سنی ہے۔ تمہی پٹی کسی مگر پٹی تو ہے Old is gold۔۔۔۔۔ آپ بھی آدرازیں تو منول

ہوتی ہیں جناب جب آدمی سستا ہے سمور ہو جاتا ہے۔“ اخبار نویس نے ایک اور ڈسٹری اٹھاتے ہوئے کہا۔ اس کا چہرہ اس کی بات

کا پگھلنے لگا۔

”یہ تو آپ کی ذرا نوٹاری ہے کہ آپ نے اب تک یاد رکھا ہوا ہے آخر صاحب۔۔۔۔۔“

”ہم نے کیا یاد رکھا ہے۔۔۔۔۔ اچھی آواز اور اچھا چہرہ خود اپنے آپ کو یاد رکھواتے ہیں۔ اور آپ تو ماشا، اٹھ دوٹوں



تریف کی۔ "خیزہ اگر سوشل ہونے کی کوشش کرے بھی تو بھی وہ شائستہ بھانگی جیسی ہر دل مزاج نہیں ہو سکتی۔"

"اس پر ٹیک سے شائستہ واقعی بہت ایکسٹرا ڈائری قسم کی عورت ہے مگر خیزہ بھانگی اس جیسی سوشل نہ ہوں تھوڑا بہت ہی باہر آجاتا شروع کریں تو بھی تمہارے بزنس پر برا اثر بدست اثر ہو سکتا ہے۔"

"اردن شائستہ بھانگی تو اسٹارٹ بھی بہت ہیں۔ انہوں نے اپنے آپ کو یمن نہیں کیا ہوا ہے۔ خیزہ تو اس معاملے میں بھی بہت لا پر وا ہے۔" منصور علی نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"ہاں۔ بھانگی کو اپنے آپ کو کچھ کھنٹ تو کرنا ہی پڑے گا۔۔۔۔۔ حالانکہ وہ جتنی خوبصورت ہیں وزن کم کر کے وہ بہت کم عمر اور ایئر کیٹنگ کتنی ہیں۔" اردن کمال نے خاصی بے تکلفی سے کہا۔ کچھ یورڈوں خاصوش چنے رہے پھر اردن نے کہا۔

"یا پھر تمہارے لیے ایک اور آپشن ہو سکتا ہے۔"

"کیا آپشن؟"

"تم اپنی کوئی سیکرٹری رکھو۔۔۔۔۔ کوئی کم عمر خوبصورت سی لڑکی۔۔۔۔۔ اس کو پارٹنر میں لے جایا کرو۔۔۔۔۔ کئی لوگ میرا بھی کرتے ہیں بلکہ میں نے خود بھی ایک سیکرٹری رکھی ہوئی ہے۔ کئی بار وہ میرے لیے بہت سی آسانیاں پیدا کرتی ہے۔" اس نے منصور علی کو مشورہ دیا۔

"میں نے بھی سیکرٹری نہیں رکھی۔۔۔۔۔ میرا مطلب ہے۔۔۔۔۔ کوئی خاتون سیکرٹری۔" منصور علی کچھ ہنچکا ہوا۔

"نہی تو میرے لیے حیران کن بات ہے کہ تم کسی لڑکی کو اپنی سیکرٹری کیوں نہیں رکھتے۔" تم اس قدر ریلٹنڈ ہو۔۔۔۔۔ چہرہ بھی ہے تمہارے پاس۔۔۔۔۔ تمہیں دو چھ دو چار کرنا بھی آتا ہے مگر واحد چیز جو تمہاری ترقی میں رکاوٹ بنے گی وہ کاروباری رونا ہوا اور تعلقات کی کمی ہے۔ سنی ایجنٹ کا بزنس اور طرح کا ہوتا ہے وہاں اتنے سوشل نہ بھی ہوں تب بھی اگر ساکھ اچھی ہے تو کام چل جاتا ہے مگر ٹیکسٹ چلانا ایک بالکل مختلف چیز ہے اس میں زیادہ سے زیادہ سہاراؤں کی ضرورت پڑتی ہے اور ایک اچھی خوبصورت سیکرٹری ان سہاراؤں میں سے سب سے مضبوط سہارا ثابت ہوتی ہے۔ تمہیں اگر یقین نہ ہو تو تم آزماؤ۔" اردن نے بڑے شوق کے ساتھ کہا۔

"میں سوچوں گا اس بارے میں۔"

"اچھی چیزوں کے بارے میں زیادہ سوچنا نہیں چاہیے۔ خاص طور پر اچھے مشورے کے بارے میں۔ اور اس بات کی گارنٹی نہیں میں دیتا ہوں کہ یہ مشورہ اچھا ہے۔" اردن کمال نے اس بار سکراتے ہوئے کہا۔

"مجھے اصل میں اس معاملے کے بارے میں خیزہ سے بھی بات کرنی پڑے گی۔" منصور علی نے کچھ ہنچکاتے ہوئے کہا۔

"وہ کیوں؟" اردن کمال نے حیرت ظاہر کی۔

"میں کی رضامندی کے بغیر تو میں کسی عورت کو سیکرٹری نہیں رکھ سکتا اور پھر سیکرٹری بھی وہ جسے میں پارٹنر میں لے جایا کروں گا۔" منصور علی نے کہا۔ اردن کمال نے اس کی بات پر تہتہ لگا دیا۔

"کو کے پھر میری بات گھلو کہ بھانگی نہیں بھی سیکرٹری رکھنے کی اجازت نہیں دیں گی۔۔۔۔۔ کبھی بیوی سے پوچھ کر کوئی سیکرٹری رکھتا ہے اور وہ بھی یہ تاکر کہ وہ تمہارے ساتھ پارٹنر میں جایا کرے گی۔۔۔۔۔ کم آن منصور۔" اردن کمال نے اس کا مذاق لایا۔ "میں نے جب سیکرٹری رکھی تھی تو میں نے شائستہ سے پوچھا تو ایک طرف اسے اتنا تک ضروری نہیں سمجھا تھا۔ اور اسے جب بتا چلتا تو اس نے کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا تھا اس نے اسے بڑے معمول کی چیز کے طور پر لیا تھا۔"

"شائستہ بھانگی اور خیزہ میں بہت فرق ہے۔" منصور علی نے سمجیدگی سے کہا۔ "شائستہ بھانگی کچھ اور طرح کی عورت ہیں اور خیزہ کچھ اور طرح کی۔۔۔۔۔ جو بات شائستہ بھانگی کیلئے قابل اعتراض نہیں ہوتی وہ خیزہ کے لیے بہت زیادہ قابل اعتراض ہو سکتی ہے۔"

"اسی لیے میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ تم بھانگی کو اس بارے میں مت تاؤ۔ بعد میں انہیں پتا چلے گا تو وہ کچھ نہیں کر سکیں





سے وہ اس قسم کو اور چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ وقت گزار دی کے لیے انہوں نے اس ڈرامے کو دیکھنے کا فیصلہ کر لیا۔

اسکرین پر اس وقت امبر کا ایک سین چل رہا تھا۔ انہوں نے مسکراتے ہوئے کچھ پدرانہ شفقت سے امبر کو دیکھا اور امبر مووی کو برا ماننے لگا۔

ان کے چہرے پر ابھی بھی مسکراہٹ تھی۔ وہ صبح امبر کو اس فلم کے بارے میں اپنی رائے سے آگاہ کرنا چاہتے تھے اور جانتے تھے کہ وہ یہ جان کر بہت خوش ہوگی کہ انہوں نے اس کے ڈرامے کو برا دیکھا ہے۔

سنووائٹ شروع ہو گیا تھا۔ رقصی اسکرین پر نمودار ہوئی۔ لائٹ سٹاٹ سے ڈسٹاٹ اور پھر ڈسٹاٹ سے گونڈا پ منور علی سکرین کا کھل لگانا بھول گئے۔ رات کے پچھنے پہر اس تہائی اور خاموشی میں اسکرین پر ابھرنے والے اس چہرے کو دیکھ کر وہ بالکل عجز و رورہ گئے تھے۔ امبر ٹھیک کبھی تھی وہ واقعی خوبصورت تھی۔ انہوں نے اس سے پہلے دو چار بار کالج یونیورسٹی میں امبر کے ساتھ اسے دیکھا تھا۔ لیکن کبھی اتنی توجہ سے نہیں دیکھا تھا۔ اور پھر تب امبر بھی ان کے ساتھ ہوتی تھی اور وہ اس کے ساتھ باتوں میں اتنا مصروف ہوتے تھے کہ رقصی کی طرف بھی دھیان ہی نہیں دیا تھا۔

مگر آج سب کچھ غیر معمولی انداز میں نظر آ رہا تھا۔ آج رقصی کالج یونیورسٹی میں نہیں تھی۔ ایک ٹکڑے کے رول میں ٹکڑے کیے ہوئے تھی۔ اور آج وہاں امبر نہیں تھی جو ان سے باتیں کرتے ہوئے ان کی توجہ اپنی طرف مبذول کر لیتی۔ رقصی کے جسم پر موجود لباس بے حد خوبصورت تھا اور اس کے جسم کے خدو خدائے بے حد نمایاں ہو رہے تھے۔ جس آدمی نے اس پر ڈراما کو تھاپا تو یقیناً وہ بھی منصور علی کی طرح رقصی کے حسن پر فدا ہوا تھا وہ بار بار رقصی کے چہرے کا گونڈا پ پیش کر رہا تھا۔

منصور علی نے اچانک اپنے دائیں ہاتھ کو جھکا۔ سکرین سٹپتے سٹپتے اب ان کی انگلیوں کو جلانے لگا تھا اور یہ جھنکا احساس ہی تھا جس نے ان کی کھویت ختم کر دی تھی۔ انہوں نے جھک کر نیچے کارپٹ پر پڑا ہوا اسکرین اٹھایا اور اسے سینئر ٹیلی پزے ہوئے اسٹیل ٹرے میں پھینک دیا۔

وہ جب وہ بارہ اسکرین کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس وقت رقصی وہاں سے غائب ہو چکی تھی۔ اس وقت امبر وہیں موجود تھی۔ منصور علی نے ایک عجیب سا نظریہ اور بے قراری محسوس کی۔ کیرو سین رقصی کی طرح امبر کے چہرے کو بھی گونڈا پ میں پیش کر رہا تھا۔ مگر وہ منصور علی کی بیٹی تھی۔ پدرانہ شفقت کے علاوہ اس کے لیے وہ اور کچھ محسوس ہی نہیں کر سکتے تھے۔ رقصی ان کی بیٹی کی دست تھی مگر ان کی بیٹی نہیں تھی۔۔۔۔۔ وہ اسے اس طرف نہیں دیکھ رہے تھے جس طرح وہ امبر کو دیکھ رہے تھے۔

انہوں نے سینئر ٹیلی پزے اٹھوا کر موٹی اٹھا کر مووی کو ایک بار پھر برا ماننے لگا۔ وہ ایک بار پھر رقصی کو دیکھنا چاہتے تھے۔ چند سینکڑوں کے بعد رقصی ایک بار پھر اسکرین پر موجود تھی۔ منصور علی کے چہرے پر ایک اطمینان بھری مسکراہٹ ابھری۔ سونے کی پشت سے ٹک لگاتے ہوئے ٹانگ پر ٹانگ رکھے وہ ایک بار پھر اسکرین پر ابھرنے والے چہرے کو کھویت سے دیکھنے لگے۔ جو اس وقت آجیے کے سامنے کھڑی اس سے پوچھ رہی تھی۔

"Mirror Mirror! on the wall

Tell me who is the fairest of us all"

("آجیے مجھے بتاؤ ہم میں سب سے خوبصورت کون ہے")

منصور علی نے بے اختیار خود کو بتاتے ہوئے پایا۔ آئینہ ٹکڑے سے کیا کہہ رہا تھا۔ انہوں نے نہیں سنا۔۔۔۔۔ جو کچھ ان کے ہوتوں سے نکل رہا تھا۔ وہ تجربی سن رہے تھے۔

"You only you are the fairest of them all"

(تم صرف تم سب سے زیادہ خوبصورت ہو)

وہ رقصی کے چہرے پر نغموں سمائے بے اختیار عالم میں کہہ رہے تھے۔

تم کب ختم ہوئی۔ انہوں نے کب اور کبھی بارہا سے برا ماننے لگا۔ کتنے سکرین پزے۔۔۔۔۔ انہیں یاد نہیں۔۔۔۔۔ وہ صرف اس

مٹانے کے لئے تھے یہ انہوں نے لڑکی اذان کی آواز سنی تھی... ان کے سرکیت کا بکٹ خالی ہو چکا تھا۔ ایش لڑے  
 تھے انہوں نے لڑکی کو ہائی تھی۔ اور انہیں اپنی آنکھوں میں جھپکے محسوس ہونے لگی تھی۔ انہوں نے ٹی وی کو بند کر دیا اور  
 اٹھ اٹھ کر بیٹھے ہوئے انہیں حکیم اپنی حالت کا احساس ہوا تھا اور وہ روشنی کو اپنے ذہن سے نکالنے کی کوششوں

تہ پہنچے۔ مگر میں اس کے بارے میں اس طرح کیوں سوچ رہا ہوں... وہ امیر کی دوست  
 بہن تھی۔۔۔ میں اس کا دھماکا ایک دم ٹوٹا۔ "اور پھر بہت سی کم عمری... کبھی فضول حرکت کرتا رہا ہوں  
 میں نے کبھی کبھی غم بیز میں کو اتنے ذوق و شوق سے نہیں دیکھا جس طرح اس کو دیکھ رہا تھا۔ واقعی میں ساتھ کا نہیں ہوا  
 کوئی ایسا ملنے کی طرح ہی طبعاً رہا ہوں۔" اپنے بندہ روم میں داخل ہوتے ہوئے انہوں نے کچھ ندامت اور رقت آمیز  
 غم کے ساتھ کہا "میں اس طرح کی سرگرمیوں میں تو نواہت ہوتا۔"  
 غم کے ساتھ کہا "میں اس طرح کی سرگرمیوں میں تو نواہت ہوتا۔" وہ بھی خاموشی سے جا کر اپنے بند  
 ہونے کے خیال سے آگے بڑھ کر گریں۔ نیند بھر غائب ہو چکی تھی۔ اس بار وہاں "وہ تھی۔"



"کیا تم کہہ سکتے ہو آپ سے علم کیا آپ نے اپنے سننے والوں اور چاہنے والوں پر۔"  
 وہ ہنس کر ایک ایک قطرہ پر زور دیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ذرقات کے چہرے کی جھلک میں آہستہ آہستہ اضافہ ہو رہا

تھا۔ آپ نے گانے والوں کی جس کلاس سے تعلق رکھتی تھی۔ انہیں واقعی گانا آتا تھا۔۔۔ دیکھے تھے گانے گانے تھے۔ سر  
 دہا ہوا تھا۔ "چائے کا پلے ہوئے اس نے پڑ جوش انداز میں کہا۔ "ساز اور آواز کے تعلق کی بات کیوں کو جاننے  
 نے لڑکی کو اس کے ذوق سے آشنا تھے۔ راگوں کا استعمال گانے کی طرح کرتے تھے۔ ذرا اونچے گانے ہوئی تو خود بھی  
 گانے لگا لگا کر اس سے زیادہ۔ اس نے رک کر ایک اور ڈسٹری انٹیلی۔ "اب آج کے گانے والوں کو دیکھ لیں کیا گارے  
 پورے گارے ہیں۔ راگوں کو طوطا کر دیکھو چمڑا ہے۔ جب چاہتا پانی چاہا ڈال لیا۔ مطلق سے تو اتنی ہی چائے گا۔" ذرقات  
 ذرا غم بیز ہوئی گئی وہ اس کی گھٹکوں سے مٹھو سے ہو رہی تھی۔ نئی نسل کی برائیاں سن کر بھلی نسل کے اکثر لوگوں کی طرح  
 غم بیز ہوئی تھی۔

"آپ ٹیکہ کہہ رہے ہیں آخر صاحب۔" اس نے اپنی ساڑھی کے پلو کو گل دیتے ہوئے کہا۔ "مگر آپ سننے والوں  
 خاندان کی ذہنی تھیں۔ وہ کیا سب کچھ کر رہے ہیں۔ کیا سب کچھ سنا چاہتے ہیں۔"

"تس نہیں سنا چاہتے ہیں جناب؟" آخر صاحب بڑا کہے۔ "بھیندوی ہے ان کی... جب آپ جیسے فن کو جاننے  
 سیکھ سیکھ کر پھر جائیں گے تو پھر خالی جگہ پر جھکی آئے گا۔ اسے ہی سنا پڑے گا۔... اسی لیے تو کہہ رہا ہوں کہ آپ  
 سنا سنا کر لڑنا لڑنا سب کچھ پھر کر۔" آخر صاحب نے چائے کا کپ خالی کر کے میز پر رکھا ذرقات نے ایک گہری سانس  
 لیا۔

"آپ نے... تو سب کچھ اور طرح کا تھا... احوال ہی دوسرا تھا... کیت علیت ایک طرف آپ لوگوں کو  
 سب سے واقف سے آشنا تھی۔ اپنے بچنے کے لوہ آداب سے واقف تھے۔ بات کرنے کا سلیقہ تھا عزت کرنا اور کروانا  
 سنا سنا کر صاحب نے رک کر کپ میں اور چائے اٹھ لی۔

جنابوں کے تمام امور سب سے واقف تھے... پتا تھا کہ کس سے کس طرح کا سلوک کرنا ہے... اب آج کل کے  
 خزانہ خزانہ کیت اپنا ہے نہ تنہا وہ وہاں بات کا... کالی بیگ لگا کر اندر آدے رہے ہوتے ہیں... اسے بھی... کسی







"میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ آپ اپنے پاؤں ایک طرف کر لیں۔ میں یہاں بیٹھا چاہتا ہوں۔"

اس بار لڑکے نے پہلے سے قدرے بلند آواز میں اس کو مخاطب کیا۔ لڑکی اب بھی اسی طرف بے نیازی سے پلٹ رہی۔  
ہوئے کتاب پر چمٹی رہی۔

"اچھا آپ اپنے پاؤں ایک طرف کر لیں۔ مجھے رستہ دیں۔ میں لو پر چمت پر جا رہا ہوں۔"

اس بار لڑکے نے اپنی درخواست میں کچھ ترمیم کی۔ وہ سیزمی کے درمیان میں بیٹھی ہوئی تھی اور سیزمی اپنی طرف سے جب تک وہ ایک طرف نہ ہٹ جاتی۔ کوئی آسانی سے وہاں سے نہیں گزر سکتا ہے۔ مگر وہ بات ابھی طرح جانتی تھی کہ وہاں سے گزر سکتا ہے اسی لیے اس کی درخواست پر توجہ نہیں دی۔ وہ اسی سلیڈ کی اور اشہاک کے ساتھ مطالعے میں مصروف رہی۔ وہ لڑکا کچھ دیر اس کے سامنے کھڑا اس کے رد عمل کا انتظار کرتا رہا مگر جب وہ اسی طرح لاہر والی اور بے نیازی کا مطالعہ کرتی رہی تو اس نے ان چار پانچ سیزمیوں کی ہٹی ہوئی جگہ پر اپنے پیروں کو نکالتے ہوئے اس کے پاس سے گزرنے کی کوشش کی۔ وہ گزرتے ہوئے منہ سے اس طرف کی آوازیں نکال رہا تھا جیسے وہ سیزمی نہیں کوہ ہالی کی کوئی چوٹی تھی جس پر وہ چڑھ چکا ہے اسے بے حد دقت اور تکلیف ہو رہی ہو جن چار پانچ سیزمیوں کو وہ دیکھنے میں مصروف کر سکتا تھا۔ انہیں مہر کرنے میں اس نے جان بوجھ کر دیر نہ کی۔ وہ اوپر والی سیزمی کی جگہ پر پاؤں رکھتا مہر نیچے اٹھ لیتا۔ مہر اوپر چڑھنے کی کوشش کرتا مہر نیچے آ جاتا۔ لڑکی اس کی تمام سرگرمی کے دوران اس سے کس ہوئے بغیر سیزمیوں میں نیم دراز اس کتاب کا مطالعہ کرتی رہی۔ مگر اس کے باوجود وہ اصل طور پر اس لڑکے کی طرف توجہ تھی۔ لیکن اس کے چہرے پر لکھ بھر کے نیچے بھی کوئی عیباً بڑ نہیں ابھرتا جس سے اندازہ ہوتا کہ وہ اس لڑکے کی کسی سرگرمی سے متاثر ہوئی ہے۔

"شکر ہے اللہ کا۔ اوپر پہنچ گیا ہوں۔ اللہ راست بنانے والا ہے۔" لڑکے نے اس سیزمی پر پہنچتے ہوئے کہا جس سے وہ لڑکی ٹیک لگائے ہوئے تھی۔ وہ کچھ دیر تک اس طرح گہرے سانس لیتا رہا جیسے واقعی کوئی پہاڑ سر کر کے آیا ہو۔ اور مہر اوپر چمت پر جانے کے بجائے ایک سیزمی اوپر سیزمیوں میں بیٹھ گیا۔ لڑکی نے اسے اپنے عقب میں بیٹھے محسوس کر لیا تھا۔  
"ادھر ہی بیٹھ جاتا ہوں۔ اوپر جانے کی تو اب ہمت نہیں رہی۔" وہ اب تھکے ہوئے انداز میں کہہ رہا تھا۔ اس لڑکی نے نگرین کتاب پر ہی دیکھ کر اس کی چمٹی اس سے بار بار متنبہ کر رہی تھی۔

"جانی اور وہ چار ہوتے ہیں نا۔" لڑکے نے بڑی مصسویت سے پوچھا۔ جانی نے نگرین کتاب سے نہیں اٹھا۔  
"میں اس لیے پوچھ رہا ہوں کہ آپ کا تیسرا چمٹس اچھا ہے۔"

لڑکی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تو اس نے ایک بار پھر اپنی بات دہرائی۔

کچھ دیر خاموشی رہی اس کے بعد اچانک ایک ہاتھ کی پھیلی جانی کی کتاب کے اوپر آ گئی۔

"آپ بولنا نہیں چاہتیں تو لکھ کر بتا دیں پلیز۔" اس نے اپنے ہاتھ کی پھیلی پر لکھا ہوا تھا۔

جانی اسی خاموشی سے اس کا ہاتھ جھک کر سیزمیوں سے اٹھ گئی۔ وہ جانتی تھی کہ وہ صرف اسے ٹک کرنے کے لیے آیا ہے اور اب وہاں بیٹھا اسی طرح ٹک کرتا رہے گا۔

وہ سیزمیوں سے اٹھ کر تیز قدموں کے ساتھ کھن میں موجود تخت پر آ کر بیٹھ گئی۔ لڑکا بھی پیچھے ہی چلا آیا اور اس کے پاس تخت پر آ کر بیٹھ گیا۔

"ہاں تو پھر وہ اور وہ چاری ہوتے ہیں؟"

اس نے بڑے اطمینان کے ساتھ اس طرح سوال کیا جیسے جانی اسے خود وہی جواب دینے کے لیے لے کر آئی ہو۔ جانی نے اپنے ہونٹ ہلکے لیے اور تخت سے اٹھ کر کھن میں موجود کرسی پر جا کر بیٹھ گئی۔

"اس کا مطلب ہے کہ چار نہیں ہوتے۔ پانچ ہوتے ہیں؟ اس نے کرسی کے گرد پھرنے کے لیے پوچھا۔ جانی اٹھ کر تخت کی طرف چلی گئی۔ وہ بھی اس کے پیچھے آیا۔

قلم سے ہوا۔ وہ تھی اور چلے گی میں نے تم سے کہا ہے میں آکھو نہیں کروں گا کبھی نہیں  
 پہلے پہل سے اس کی طرف دیکھا اور پوری اوت سے اس کے ہاتھ پر رکھا۔  
 نے، چونکہ اس نے اس کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ "وہ غرائی۔  
 میں نے ذوق کیا تھا۔ "میں کو مذاق کیا تھا۔" اس نے فور سے لڑت سے کہا۔  
 "میں کو کیا تھا۔" میں نے جسیں تھی بار کہا ہے مجھ سے اپنے فضول مذاق نہ کیا کرو۔"  
 "میں کو کیا تھا۔" وہ دہر کر رہی ہیں اب نہیں کروں گا۔" لڑکے نے کان پکڑ کر کہا۔  
 "میں کو کیا تھا۔" میں نے اس سے بات نہیں کروں گی۔ مجھے تمہارے کسی اور سے پر اعتبار نہیں ہے۔ تم مجھ سے کبھی بات مت  
 نہ کرو۔" میں نے وہاں کتاب کو لے کر کہا۔ "جاؤ یہاں سے تم میرا وقت ضائع کر رہے ہو۔"  
 "میں کو کیا تھا۔" میں نے اس طرف تمہارا وقت ضائع کر رہی ہیں گا۔" مانی نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا اور پھر بلند

نہ نہ ہو۔ وہ بھی یہی ہی تک کر رہا ہے۔ چہنہ نہیں دے۔ ہا۔۔۔ بد تیزی بھی کر رہا ہے۔"

کہا۔۔۔ وہ بھی یہی ہی بڑی کتاب کو لے کر اس پر نظریں جمائیں۔  
 لڑنے لڑائی سے اپنے ہاتھ میں بڑی کتاب کو لے کر اس پر نظریں جمائیں۔  
 "پوسٹ ہے تم لوگوں کے ساتھ۔۔۔ کیوں تک کر رہے ہو اسے؟" شہیر نے اپنے کمرے کے دروازے سے باہر  
 آ کر کہا۔ "میں نے اسے چھوڑ دیا۔۔۔ اور تم بھی جا کر چھو۔"

میں نے اس کے ہاتھ سے اس وقت دینا دیکھا ہے ہے خبر دیکھنی دے رہا تھا۔ شہیر کی ڈانٹ پر بھی اس نے سر اٹھا کر  
 نہ دیا۔ "میں نے اسے بات کا جواب دیا۔  
 "میں نے اسے اس بات کا کوئی رد عمل نہ دیکھ کر ایک بار پھر تنہی انداز میں اسے پکارا۔ شہیر یک دم غر بڑا یا اور اس نے  
 سر اٹھا کر کہا۔ "میں نے اسے اس بات کا کوئی رد عمل نہ دیکھا۔"

"میں نے اسے اس بات کا کوئی رد عمل نہ دیکھا۔" شہیر نے کہا۔  
 "میں نے اسے اس بات کا کوئی رد عمل نہ دیکھا۔" شہیر نے کہا۔

"میں نے اسے اس بات کا کوئی رد عمل نہ دیکھا۔" شہیر نے کہا۔  
 "میں نے اسے اس بات کا کوئی رد عمل نہ دیکھا۔" شہیر نے کہا۔

"میں نے اسے اس بات کا کوئی رد عمل نہ دیکھا۔" شہیر نے کہا۔  
 "میں نے اسے اس بات کا کوئی رد عمل نہ دیکھا۔" شہیر نے کہا۔

"میں نے اسے اس بات کا کوئی رد عمل نہ دیکھا۔" شہیر نے کہا۔  
 "میں نے اسے اس بات کا کوئی رد عمل نہ دیکھا۔" شہیر نے کہا۔

"میں نے اسے اس بات کا کوئی رد عمل نہ دیکھا۔" شہیر نے کہا۔  
 "میں نے اسے اس بات کا کوئی رد عمل نہ دیکھا۔" شہیر نے کہا۔

"میں نے اسے اس بات کا کوئی رد عمل نہ دیکھا۔" شہیر نے کہا۔  
 "میں نے اسے اس بات کا کوئی رد عمل نہ دیکھا۔" شہیر نے کہا۔

ہانی نے بڑبڑوں پر بیٹھے شہر اور شہر کے درمیان ہونے والی منگھڑ سے لگی تھی۔ اس نے بے اختیار اطمینان کا سامنا کیا۔ اس بار اس نے والی یہ طے کر لیا تھا کہ شہر سے کبھی بات نہیں کرے گی۔ جو حرکت اس نے سنا لی تھی۔ اس کے بعد یہ سنا کہ وہ کجا معمول کے مطابق اسٹول لگی تھی۔ فرسٹ ویڈیو میں نیچر کے آجانے کے بعد اس نے کتاب کھانٹنے کے لئے ہاتھ پرکھا تو ایک مینڈک اچھل کر اس کے ہاتھ سے ٹکرایا۔ البتہ کتاب اس کے ہاتھ سے چھوٹی اور ایک ہیج مار کر وہ اٹھ کر گئی۔

والی ہیج اس کے ساتھ واپس کر لی پر بیٹھی۔ بعد کے طبق سے لگی تھی۔ جس کی گود میں مینڈک نے چھلانگ لگانے کی اور بڑبڑوں کا یہ سلسلہ طویل ہوتا گیا۔ فوری طور پر کوئی بھی اس مینڈک کو بچکانہ نہیں رہا تھا۔ تاکہ اس کے جسم کو کھٹکے۔ لیکن اسے ۴:۰۰ گھنٹے اور یہ اس سارے وقت کی تحقیق کو نہ بچانے کا نتیجہ تھا جس نے ان سب کی برعکاسی میں حزیہ لٹا دینا کیا تھا۔

کلاس نیچر کو ان بڑبڑوں سے کوئی تعلق نہیں ہوئی۔ وہ پہلے ہی کلاس میں چھپ گیا یا بھڑ آ جانے پر اس طرف سے کوئی ملاحظہ نہ کیا۔ لیکن اس نے وہاں ہاروائی اور کول اتھو کے ساتھ سٹوڈنٹس کو جھڑکتے ہوئے اور اس جگہ کی طرف ہی جھکی تھی اور اس بار ہیچ خواہان کے طبق سے لگی تھی۔ من کا سر اور ہاتھ دونوں میں ناب ہو گیا تھا۔ ڈیسک پر بیٹھی اس سترگی طرف سے ان پر چھلانگ لگانے کی اور اترتی رہتی رہتی سے پیچھے نہ ہٹتے تو وہ یقیناً ان پر گرتی اور اس کی چھلانگ سے نہ ہا۔ ان کی ہانگ کے ساتھ وہاں کے سے سنسک ایک کاٹہ تھا جس نے ان سے اسیان میں ان کر دیے تھے۔ وہ تحقیق یقیناً حضرات پریش کی کسی غیر اہم وقت شدہ اہم میں سے نہیں تھی جن کی دریافت کا سبب اس کلاس کے سر بننا تھا۔

"یہ تو مینڈک ہے کسی نے اس کو چھٹ کر دیا ہے۔" انہوں نے اب زمین پر موجود اس مینڈک کو دیکھتے ہوئے کہا۔ کلاس میں جب تک بڑبڑوں کی آواز سن کر اسٹول کا چڑھائی آچکا تھا۔

"شکور اس کو بچاؤ۔ اس کی ہانگ کے ساتھ بندھا ہوا کاٹہ اتارو۔" نیچر نے اس سے کہا۔ کلاس میں ہر کوئی پہلے آنے والی بڑبڑوں کا طوق ان اب کھینچی نہیں میں تبدیل ہو چکا تھا۔

"یہ آیا کہاں سے قرۃ العین! آپ تائیں۔"

"انہوں نے ہانی سے پوچھا جسے انہوں نے سب سے پہلے کھڑا ہونے اور بیٹھے دیکھا تھا۔

"یہ میرے بیک میں تھا۔" ہانی نے قہقہے سے ہنسی کر کے ساتھ بتایا۔ وہ اب اچھی طرف سے کھینچی تھی کہ اس مینڈک کو بیک میں کون رکھ سکتا ہے۔ مینڈک کے جسم پر موجود رنگ درخشاں صرف ایک ہی شخص کا کمال ہو سکتا تھا اور وہ اس شخص کو اچھی طرف جانتی تھی۔

"آپ کے بیک میں۔ آپ کے بیک میں کیسے آیا؟" ٹانا خاموش رہی۔ شہر تب تک ایک ہانی سے ایک دو ال لے کر اس مینڈک کو بچا چکا تھا اور اب وہ کاٹہ اس کے پاؤں سے الگ کر رہا تھا۔

"وگھا ڈرا۔" نیچر نے کہا۔

"مینڈک ہی ہے جی۔ بس کسی نے رنگ کیے ہوئے ہیں۔" شہر نے تبصرہ کیا۔ نیچر نے کچھ ہانسی سے سر کو ہلایا۔ اور پھر اس کاٹہ کو بچا لیا جو شہر نے ان کی طرف بڑھا دیا تھا۔

"میں اگرچہ گلے سے مینڈک لگتا ہوں مگر میں مینڈک نہیں ہوں میں ایک کتلی کیزا ہوں اور میں ہانی کے بیک میں رہتا ہوں اگر کبھی میں کسی کو لکھیں اور طوں تو پلیز مجھے ہانی کے بیک میں داپس پہنچا دے۔ میں اور ہانی آپ کے تہ دل سے شکور ہوں گے۔"

فرقہ دار

پہلے سے اس سکرٹ کو روک رہی اور انہوں نے کاغذ کو دو پارہ تہ کر دیا۔  
 آپ نے کیا کیا ہے؟ اس کے گرد گڑھے استوائش نے ان کے چہرے پر نمودار ہوئی سکرٹ  
 میں نے اپنی جیب سے ایک بلی کی طرف اشارہ کیا۔  
 آپ سب لوگ اپنی اپنی سیڑیوں پر جائیں۔ نیچے نے اپنی جیب کی طرف اشارہ کیا۔ اور  
 اس نے بہت تھکا گیا ہے۔ میں نے آپ لوگوں سے  
 اس طرح کی حرکت کرینی گی۔

اس بار قدرے ہراسی سے اس کو مخاطب کیا۔  
 آپ نے اس کے پیچھے گڑھے سے اشارہ کیا۔  
 اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔

میں نے اس کو مخاطب کیا۔ اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔  
 اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔  
 اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔

اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔  
 اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔  
 اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔  
 اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔

اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔  
 اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔  
 اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔

اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔  
 اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔  
 اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔  
 اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔

اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔  
 اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔  
 اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔  
 اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔

اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔  
 اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔  
 اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔  
 اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔

اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔  
 اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔  
 اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔  
 اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔

اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔  
 اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔  
 اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔  
 اس نے ایک لمحہ میں ہی سکرٹ میں چھپ گیا۔



سورہ کے دن سارے وقت جھنری میں مصروف رہے۔ رات کو وہ سے سونے کی وجہ سے وہ بارہ ایک بجے کے

تہہ پہنچا۔ اس وقت جھنری میں ان کے لیے اس دن بہت زیادہ کام تھے اور ان کا سونے کا سون کو بنایا۔

تہہ پہنچا۔ اس وقت جھنری میں ان کے لیے اس دن بہت زیادہ کام تھے اور ان کا سونے کا سون کو بنایا۔

تہہ پہنچا۔ اس وقت جھنری میں ان کے لیے اس دن بہت زیادہ کام تھے اور ان کا سونے کا سون کو بنایا۔

تہہ پہنچا۔ اس وقت جھنری میں ان کے لیے اس دن بہت زیادہ کام تھے اور ان کا سونے کا سون کو بنایا۔

تہہ پہنچا۔ اس وقت جھنری میں ان کے لیے اس دن بہت زیادہ کام تھے اور ان کا سونے کا سون کو بنایا۔

Mirror Mirror on the wall

Tell me who is the fairest of us all!

تہہ پہنچا۔ اس وقت جھنری میں ان کے لیے اس دن بہت زیادہ کام تھے اور ان کا سونے کا سون کو بنایا۔

تہہ پہنچا۔ اس وقت جھنری میں ان کے لیے اس دن بہت زیادہ کام تھے اور ان کا سونے کا سون کو بنایا۔

تہہ پہنچا۔ اس وقت جھنری میں ان کے لیے اس دن بہت زیادہ کام تھے اور ان کا سونے کا سون کو بنایا۔

تہہ پہنچا۔ اس وقت جھنری میں ان کے لیے اس دن بہت زیادہ کام تھے اور ان کا سونے کا سون کو بنایا۔

تہہ پہنچا۔ اس وقت جھنری میں ان کے لیے اس دن بہت زیادہ کام تھے اور ان کا سونے کا سون کو بنایا۔

تہہ پہنچا۔ اس وقت جھنری میں ان کے لیے اس دن بہت زیادہ کام تھے اور ان کا سونے کا سون کو بنایا۔

تہہ پہنچا۔ اس وقت جھنری میں ان کے لیے اس دن بہت زیادہ کام تھے اور ان کا سونے کا سون کو بنایا۔

تہہ پہنچا۔ اس وقت جھنری میں ان کے لیے اس دن بہت زیادہ کام تھے اور ان کا سونے کا سون کو بنایا۔



پاؤں کے لیے ہے۔ انسان پر کیا غضب ڈھاتا ہوگا۔

منصور علی نے سگراتے ہوئے ٹی وی آن کیا۔ پھر وہ نیچے نیچے مور دی سی ٹی کے اندر موجود فہم اور عیاش خانہ کن چہل قدمی کے لیے وہ سیدھے نہیں ہو سکے۔ وی سی ٹی میں فہم موجود نہیں تھی۔ کوئی تپتے سگراس میں پانی کا بھرا ہوا گلاس ان کے شک ہوتے۔ ان کے سامنے ریت پر انڈیل گیا تھا۔ ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ نیچے کارپٹ پر بچوں کے گل بیٹھے ہوئے انہوں نے سہانگی اور اضطراب کے عالم میں وہاں موجود ساری دفعہ میسز کو ہاری ہاری الٹ پلٹ کر دیکھا۔ وہ فہم وہاں نہیں تھی وہ فہم کہاں تھی؟ وہ ایک بار پھر زمین پر آ پئے تھے۔



رشی نے غلو کا موبائل نمبر ڈائل کیا۔ غلو کا وزینٹک کارڈ اس کے ہاتھ میں تھا جو وہ امیر کے ساتھ اس کے گھر آئے، اسے دے کر گیا تھا۔ چند لمحوں تک بھلی ہوئی ری پھر کسی نے کال ریسیو کی۔

"ہیلو" "موت کی آواز تھی۔ رشی گزبڑا گئی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ کال کوئی عورت ریسیو کرے گی۔

"موت نے ایک بار پھر کہا۔

"غلو سے بات کر سکتی ہوں؟" رشی نے سنبھلتے ہوئے کہا۔ دوسری طرف خاموشی چھا گئی۔

"آپ کون ہیں؟" شبانہ نے پوچھا۔ غلو کچھ دیر پہلے ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ وہاں پھر وہ غلو کو چلا گیا۔ اتفاق سے اس کا موبائل بھلی پر چڑا رہا گیا۔ اس وقت رات کے دس بج رہے تھے۔ اسی لیے کچھ جس کے عالم میں انہوں نے رشی سے اس کا نام پوچھا تھا۔

"میں... میں ان کی فرینڈ ہوں۔" رشی کو اس سوال کی توقع نہیں تھی۔

"نام کیا ہے آپ کا؟" شبانہ کو اس کے جواب سے تسلی نہیں ہوئی۔

"میرا نام... رشی ہے۔" اس نے کچھ توقف کے بعد کہا۔

"میں بات کر رہی ہوں۔" شبانہ نے کہا اور موبائل لے کر غلو کے کمرے کی طرف چلی آئیں۔

"تمہاری دوست کا فون ہے۔" غلو کے کمرے میں داخل ہو کر انہوں نے کہا۔ وہ ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھا۔

"بھری دوست؟"

"ہاں رشی۔" شبانہ نے موبائل اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

"کون رشی؟" اسے فوری طور پر رشی یاد نہیں آئی۔ رشی دوسری طرف ساری آوازیں سن رہی تھی۔

"ہیلو" غلو نے فون لے کر کہا۔

"ہیلو... غلو! میں رشی بات کر رہی ہوں۔ امیر کی دوست۔" اس نے پہلے پہلے میں ہی اپنا تعارف کر دیا۔

"ہو رشی... کبھی ہیں آپ؟" غلو نے حیرت کے جھٹکے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ اس کی نظریں بے اختیار وہاں کا کاک کی طرف گئی تھیں۔

"میں ٹھیک ہوں۔۔۔ آپ کو اس وقت ڈسٹرب کرنے پر معذرت چاہتی ہوں۔"

"بھئی کوئی بات نہیں۔۔۔" غلو نے شبانہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اس کے قریب ہی کھڑی تھی اور شاید یہ ان کا تیسرا دن تھا۔

"کیا آپ کل میرے گھر آ سکتے ہیں؟" رشی نے کہا۔

"کل؟" وہ چونکا۔

"ہاں۔۔۔ مجھے آپ سے کچھ بات کرنا ہے بلکہ میری امی کو... ہمیں آپ کی کچھ مدد کی ضرورت ہے۔" میں فون

بہت زچہ ہیں۔ فرخ پوچھ رہے کہ آپ ہمارے گمراہ تھیں۔ اگر آپ کو دست نہ ہو تو وہ میری اور امی آپ کے پاس رہیں گی۔ امی نے کہا۔

یہ لڑکا ہے، یہ لڑکی نہیں آ رہا کہ میں آپ کا گھر یہ کیسے ہوا کروں۔ "ریشی نے بڑے ممنون انداز میں کہا۔  
"میرا نام ضرورت نہیں ہے۔ میں کل نہیں چاہے آ جاؤں گا۔" وہی الوداعی کلمات کہہ کر اس نے فون بند کر دیا۔  
"پانچ بجے" اس کے فون بند کرنے ہی شانہ نے پوچھا انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے ساری گفتگو سنی تھی۔  
"پہر کی دوست ہے۔" طو نے فی وی کا راہم دوبارہ تیز کر دیا۔  
"پہر کی دوست ہے۔ تو اس نے تمہیں کیوں فون کیا ہے؟" شانہ نے کہا۔ "اور تمہیں گھر کیوں بلا رہی ہے؟"

اس نے ہلکے ہلکے کی ضرورت ہے۔ "طو نے معلقہ کہا۔  
"کیسی مادی؟" شانہ نے پوچھا۔  
"میں کی سکن کو بلانے پر ایلے اس کے بیوی نے قتل کر دیا ہے۔ اسی سلسلے میں۔" طو نے بتایا۔  
"میرا نام ضرورت نہیں ہے۔" شانہ کے ماتھے پر ہل پڑ گئے۔  
"میرا نام ضرورت نہیں ہے۔" شانہ نے کہا۔ "اس نے کول سول انداز میں جواب دیا۔  
"میرا نام ضرورت نہیں ہے۔" شانہ نے کہا۔ "یہ ہمارا مسئلہ تو نہیں۔" شانہ نے اس بار قدرے تیز

کہا تھا۔  
"میرا نام ضرورت نہیں ہے۔" شانہ نے کہا۔ "اس نے کول سول انداز میں جواب دیا۔  
"میرا نام ضرورت نہیں ہے۔" شانہ نے کہا۔ "یہ ہمارا مسئلہ تو نہیں۔" شانہ نے اس بار قدرے تیز

میرا نام ضرورت نہیں ہے۔" شانہ نے کہا۔ "اس نے کول سول انداز میں جواب دیا۔  
"میرا نام ضرورت نہیں ہے۔" شانہ نے کہا۔ "یہ ہمارا مسئلہ تو نہیں۔" شانہ نے اس بار قدرے تیز

میرا نام ضرورت نہیں ہے۔" شانہ نے کہا۔ "اس نے کول سول انداز میں جواب دیا۔  
"میرا نام ضرورت نہیں ہے۔" شانہ نے کہا۔ "یہ ہمارا مسئلہ تو نہیں۔" شانہ نے اس بار قدرے تیز

میرا نام ضرورت نہیں ہے۔" شانہ نے کہا۔ "اس نے کول سول انداز میں جواب دیا۔  
"میرا نام ضرورت نہیں ہے۔" شانہ نے کہا۔ "یہ ہمارا مسئلہ تو نہیں۔" شانہ نے اس بار قدرے تیز

میرا نام ضرورت نہیں ہے۔" شانہ نے کہا۔ "اس نے کول سول انداز میں جواب دیا۔  
"میرا نام ضرورت نہیں ہے۔" شانہ نے کہا۔ "یہ ہمارا مسئلہ تو نہیں۔" شانہ نے اس بار قدرے تیز



میرا نام ضرورت نہیں ہے۔" شانہ نے کہا۔ "اس نے کول سول انداز میں جواب دیا۔  
"میرا نام ضرورت نہیں ہے۔" شانہ نے کہا۔ "یہ ہمارا مسئلہ تو نہیں۔" شانہ نے اس بار قدرے تیز

کے لیے ظہور اس طرح کے معاملات میں بھی انوار ہونے کے لیے تیار ہے حالانکہ وہ قدرتی طور پر ہی عطا طبیعت رکھتا ہے اور ہم لڑکی کے معاملات میں کودے۔ اور اس پر امبر کی یہ ہدایت کہ اس معاملے کے بارے میں کسی کو بتایا نہ جائے۔ اور اب اس طرح کی صورتوں کو لاؤنچ میں آگئیں۔ وقت ضائع کیے بغیر انہوں نے نیزہ کا نمبر ڈائل کیا۔ فون نیزہ نے ہی اٹھایا تھا۔ "ہیلو کیسی می نیزہ!" انہوں نے نیزہ کی آواز سنتے ہی اپنے لہجے اور آواز میں مقدور بھر شیرینی پیدا کی۔

"میں ٹھیک ہوں۔۔۔۔۔ آپ کیسی ہیں۔۔۔۔۔ بڑے دنوں کے بعد فون کیا آپ نے؟" نیزہ نے بھی لہجے میں شانہ و ہنر غلوں سے گفت بھرتے ہوئے کہا۔

"بس روز سوچتی تھی کہ فون کروں مگر آج کل کچھ مصروف تھی اس لیے نہیں کر سکی۔۔۔۔۔ مگر آج تو ایک ہی مسئلہ آنا ہے کہ میں رو نہیں سکی۔" شانہ نے کہا۔

"کیا مسئلہ آنا پڑا؟" نیزہ نے پوچھا۔

"بس امبر کا ہی ایک مسئلہ ہے۔" نیزہ کے ماتھے پر ہنس پڑ گئے۔

"کیوں امبر کا کیا مسئلہ ہے؟" اس بار نیزہ کی آواز میں کچھ دیر پہلے جھنجکنے والی گرم جوشی غالب ہو گئی تھی۔

"آج اس کی ایک دوست رخصتی نے ظہور کو فون کیا تھا۔"

نیزہ چونک گئی۔ "رخصتی نے؟" بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔ "کس لیے؟"

"مجھے تحصیل کا تو پتا نہیں۔" شانہ نے جواب دیا۔ "ظہور کہہ رہا تھا کہ اسے کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہے۔" نیزہ کے ماتھے کے تلک ایک دم گہرے ہو گئے۔

"مگر فون کیا تھا۔"

"ابھی کچھ دیر پہلے۔" شانہ نے کہا۔ "اور وہ بھی ظہور کے سوا بل پر۔"

"آپ نے ظہور سے پوچھا کہ اسے کس قسم کی مدد کی ضرورت ہے؟"

"ہاں۔۔۔۔۔ وہ کہہ رہا تھا کہ اس کی بین کے کٹل کے سلسلے میں شاید پولیس کا درروائی کے سلسلے میں اسے کچھ مدد دیا جائے۔"

شانہ نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔

"ظہور نے کیا کہا۔" نیزہ کے لہجے میں اب ناگواری نمایاں تھی۔

"اس لڑکی نے کل کو اپنے گھر بلا دیا ہے۔"

"کیوں؟"

"پتا نہیں شاید اس مدد کے سلسلے میں ہی کوئی بات چیت کرنا ہے۔"

"ایک تو میں اس لڑکی سے ٹھگ آگئی ہوں۔۔۔۔۔ جان کو آگئی ہے یہ ہمارے۔" نیزہ نے بلند آواز میں کہا۔ اسے اس

وقت رخصتی پر بے تحاشا فضا آ رہا تھا۔

"ظہور جیسے بتا رہا تھا کہ امبر نے اسے رخصتی کی مدد کرنے کے لیے کہا ہے۔"

"امبر کا دماغ خراب ہے اور کچھ نہیں۔" نیزہ نے کہا۔

"ظہور نے بھی کہہ رہا تھا کہ امبر نے اس سے کہا ہے کہ وہ اس بارے میں تمہیں یا کسی بھی دوسرے شخص کو نہ بتائے۔"

میں نے ہی لہجے میں فون کیا ہے۔" شانہ نے کہا۔ "مجھے تو یہ بات ابھی نہیں گئی کہ ایک لڑکی جس کی ظہور سے کوئی جان بچان

سکتا ہے۔ وہ اتنی بے تحاشی سے اپنی رات کو اس کے سوا بل پر کال کرے اور پھر اس سے اس طرح مدد مانگے۔۔۔۔۔ اسے کمر آنے

کی دعوت دے۔" شانہ جان گئی تھی کہ نیزہ جیسے میں تھی اور یہ فضا امبر کے خلاف تھا۔ اس لیے وہ بڑی صاف گوئی سے کسی

شرف کے بغیر اٹھا دی کیفیت کا اعہار کرتی گئیں۔



امبرائے خاصا کچھ دینی دلاتی ہوگی۔؟“ شہانہ نے پوچھا۔

”مجھے کیا پتا۔ مجھ سے کون سا ہر کام پوچھ کر کرتی ہے۔ مگر ایسی لڑکیاں بظہر کچھ لے اپنے تو دوستی رکھنے اور نہیں سمجھتی۔  
جزوہ سخت مشتعل تھی۔

”جو امبر کے شوہر تک مدد کے لیے پہنچی تھی ہے۔ وہ امبر سے بھلا کیا کچھ نہیں لیتی ہوگی۔ امبر کونہ بھی اپنی دینی سبب پوچھ  
ایسی لڑکیاں مانگ لیا کرتی ہیں۔“

”اسے بیٹھ سے بچی عادت ہے۔ اسے بالکل احساس نہیں ہوتا کہ ہم کس طبقے سے تعلق رکھتے ہیں اور اسے کون اور  
سے دوستی رکھنی چاہیے۔ بس اسے ایک بار کوئی اچھا لگنا چاہیے۔“  
”تو تم اسے سمجھا پا کر۔“

”کیا سمجھاؤں میں اسے... منصور نے لاڈ پیار سے اس کا دماغ خراب کر دیا ہے۔ میری باتیں اس پر اثر نہیں کرتی  
ہیں۔ میں سمجھاتی ہوں تو وہ فراموش پھلا کر بیٹھ جاتی ہے اور پھر منصور... آپ کو تو ان کے مزاج کا پتہ ہی ہے باقی کچھ اور کچھ  
بچاڑا ہوا ہے مگر اس پر تو ان کا خاصا کرم ہے۔ اس میں تو انہوں نے ایک اچھی عادت نہیں آنے دی۔“ جزوہ بھول تھی مگر  
شہانہ سے امبر کا کیا رشتہ ہے وہ کسی لحاظ کے بغیر بولتی جا رہی تھی۔

”میں تو بعض دن سوچ سوچ کر پریشان ہوتی رہتی ہوں کہ آگے چل کر اس کا کیا ہوگا؟“  
”خیر اب آگے کی تو تم غم نہ کرو۔ جب گھر واپسی میں چڑے گی تو ٹھیک ہو جائے گی۔ اور پھر غصے تو تم واقف ہی ہو۔  
وہ خود ہی اس کی ایسی عادتیں چمڑا دے گا۔“ شہانہ نے جزوہ کو تسلی دینے کی کوشش کی۔

”نصفہ کرے کہ وہ اس کی عادتیں سدھا دے اور نہ مجھے تو خدشہ یہ ہے کہ تمہیں وہ بھی اسی طرح کی حد تک نہ کرنے لے۔  
جزوہ نے شہانہ کی بات کے جواب میں کہا۔

”نہیں... اب غلطو اتنا بے خوف بھی نہیں ہے۔ بہت کچھ وار ہے۔ اچھا میں اب فون بند کرتی ہوں پھر بات ہوگی تو  
سے۔“ شہانہ کو اچانک احساس ہوا کہ کھٹکھٹا خاصا طویل ہو گئی ہے۔

”آپ بھابھی کسی دن آئیں تا میری طرف۔ اس بار تو بہت دن ہو گئے آپ کو پتہ لگائے۔“ جزوہ کو اچانک خیال آیا۔  
”ہاں... ہاں کیوں نہیں نہیں ضرور آؤں گی۔ میں تو خود سوچ رہی تھی تمہاری طرف آنے کا۔“ شہانہ کو اس کی دہمت پر  
خوشی ہوئی۔

”تو بس پھر آپ پتہ لگائیں میری طرف... پھر باقی باتیں سب ہی ہوں گی۔“ جزوہ نے ان سے کہا۔

☆☆☆

”تم نے دشمنی کو غلطی کا فون نمبر دیا تھا؟“ جزوہ شہانہ سے بات کرنے کے فوراً بعد امبر کے کمرے میں پہنچی تھی۔ وہ ایک  
کتاب پڑھنے میں مصروف تھی۔ جزوہ کے توجہ کو لہجہ دیکھ کر اسے اس کے فیسے کا اندازہ ہو گیا تھا۔  
”اتنی رات کو اس وقت اچانک آپ کو دشمنی اور غلطی کی یاد آگئی؟“ کتاب ایک طرف رکھتے ہوئے اس نے توہمے  
لہرا دئیے سے جزوہ سے پوچھا۔

”میں تم سے جو پوچھ رہی ہوں مجھے اس کا جواب دو۔ مجھ سے سوال مت کر دو۔“ جزوہ نے کچھ اور تیزی سے کہا۔

”ہاں میں نے دیا تھا مگر آپ کیوں پوچھ رہی ہیں مگر؟“ امبر نے کہا۔

”تو تم نے غصے کہا تھا کہ وہ دشمنی کی حد کرے۔“ اس بار امبر خاموش رہی وہ جہاں تھی جزوہ تک یہ بات کون پہنچا  
سکتا تھا۔

”کہاں؟“

”سب آپ کو پتا ہے تو پھر کیوں پوچھ رہی ہیں؟“ اس بار وہ عجیبہ ہو گئی۔

تو اس نے کہا کہ ہاں اس کے بارے میں نہ بتائے۔" امیر خاموش رہی خیزہ کے اشتعال میں اضافہ ہوا۔

تو اس نے کہا کہ ہاں اس کے بارے میں نہ بتائے۔" امیر خاموش رہی خیزہ کے اشتعال میں اضافہ ہوا۔

تو اس نے کہا کہ ہاں اس کے بارے میں نہ بتائے۔" امیر خاموش رہی خیزہ کے اشتعال میں اضافہ ہوا۔

تو اس نے کہا کہ ہاں اس کے بارے میں نہ بتائے۔" امیر خاموش رہی خیزہ کے اشتعال میں اضافہ ہوا۔

تو اس نے کہا کہ ہاں اس کے بارے میں نہ بتائے۔" امیر خاموش رہی خیزہ کے اشتعال میں اضافہ ہوا۔

تو اس نے کہا کہ ہاں اس کے بارے میں نہ بتائے۔" امیر خاموش رہی خیزہ کے اشتعال میں اضافہ ہوا۔

تو اس نے کہا کہ ہاں اس کے بارے میں نہ بتائے۔" امیر خاموش رہی خیزہ کے اشتعال میں اضافہ ہوا۔

تو اس نے کہا کہ ہاں اس کے بارے میں نہ بتائے۔" امیر خاموش رہی خیزہ کے اشتعال میں اضافہ ہوا۔

تو اس نے کہا کہ ہاں اس کے بارے میں نہ بتائے۔" امیر خاموش رہی خیزہ کے اشتعال میں اضافہ ہوا۔

ساتھ اس کا میل جول ہو گا تو اس سے تمہیں ہی نقصان ہو گا۔ ایسی لڑکیاں مردوں کو جڑی آسانی کے ساتھ ہی جیتنے دیتی ہیں۔  
خیزہ نے اس بار کچھ عمل سے اسے بھاننے کی کوشش کی۔ "اور وہ اس قدر خوبصورت ہے اسے تو یہ کام کون کون جیتا کرتا ہے۔  
ابھی جیسے اور جس طرح کے لڑے آتے ہیں وہ تم جیسی لڑکیوں کو نہیں آتے بعد میں تم جیت کر وہ لڑکیوں کو جیتا کرتا ہے۔"

"آپ بہت عجیب باتیں کرتی ہیں گی ابھی ہی عجیب۔ عجیب طرح کا ٹھک رہتا ہے آپ کو ہر ایک پر۔ عجیب  
پورا احوال ہے۔ وہ اس طرح کا آدمی نہیں ہے جیسا آپ اسے ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔  
اور مجھے رشتی پر بھی پورا احوال ہے وہ بھی ایسی لڑکی نہیں ہے اور ہر چہ سنیے کے بعد میری رشتی وہ جانتا ہے۔"

طرح کے خدشے آپ فرماؤ وہ پائے بھی ہیں۔ "اس نے لاہور والی سے کہا۔  
اور بالخصوص یہ کچھ ہو بھی گیا تو اس سے کوئی نقصان ہو گا تو صرف مجھے ہی ہو گا۔ آپ سنا سے کسی کا کھنڈ  
مگر سے گا پھر آپ فرماؤ کہیں مگر نہ ہو رہی ہیں۔"

"اتنے اندھے احمد کے ساتھ زندگی گزارنے والے بیٹا کسے کتوں میں کرتے ہیں۔ خیزہ نے قہقہے سے کہا۔  
"کچھ نہیں ہو گا گی! کچھ بھی نہیں ہو گا۔ آپ کیوں فرماتے ہیں اس طرح کی باتیں سوچتی رہتی ہیں اور ہر لڑکی۔ کتے  
کون سی دماغ لہ ہے۔ ہو سکتا ہے اسے مدد کی ضرورت ہی نہ پڑے۔" اس نے کہا۔

"رشتی نے طلحہ سے کون سی دماغ لہ ہے؟ ابھی کچھ دیر پہلے اس نے فون کر کے طلحہ کو گل اپنے کمرے پر کہا ہے۔  
نے کہا تو کچھ دیر کے لیے ابھر خاموش رہ گئی۔  
"تمہیں اس نے بتایا ہے یہ؟" خیزہ نے اس سے پوچھا۔

"نہیں۔ مجھے نہیں بتایا مگر تارے گی۔ ابھی تو اس نے طلحہ سے بات کی ہے اور طلحہ کون سا اس کے کمرے پر گیا ہے تم  
اب بھی اسی طرح مطمئن تھی۔

"وہ کل جا رہا ہے اس کے کمرے... تم اسے مع کرو۔ بلکہ رشتی سے پوچھو کہ اس نے اس طرح تمہیں بتائے ہیں  
کیوں بڑایا ہے۔"

"مگی! میں نے فون اس سے کہا تھا کہ اسے جب بھی مدد کی ضرورت ہو وہ طلحہ کو فون کر لے۔ اب اگر اس نے کمرے پر  
ہے تو مجھے پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے۔" ابھرنے کہا۔

"رکھ لو۔ ابھی تک طلحہ نے بھی تمہیں فون کر کے رشتی کے اس رابطے کے بارے میں اطلاع نہیں ملے۔ ہونے  
دے گا۔"

"مگی! آپ کو ان کے اس رابطے کے بارے میں شبانہ آئی نے بتایا ہے۔"  
خیزہ اس کی بات پر ایک دم چپ ہو گئی اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ وہ اس طرح فوری طور پر شبانہ کا نام لے لے۔  
"مجھے پہلے ہی تو قہقہے کی یہ ان ہی کی حرکت ہو گی۔ ورنہ طلحہ بھی ایسا نہیں کر سکتا کہ میں اسے کوئی بات چھپانے  
لیے کیوں اور وہ عمل نہ کرے۔"

لیکن شبانہ آئی کو بھی آپ کی طرح فرماؤ کہ وہ سمجھ رہے ہیں۔ جب میں آپ سے کہہ رہی ہوں کہ کونسی جھانڈ  
آپ اطمینان رکھیں کہ کچھ نہیں ہو گا۔ بلکہ شبانہ آئی سے بھی کہیں کہ وہ اس طرح رائی کا پھاڑ جانے کی عادت پھوڑ دی۔ وہ  
نے ہاگوری کے عالم میں کتاب لگاتے ہوئے کہا۔

"تم حضور کو آنے دو آئی میں ان سے تمہارے بارے میں بات کروں گی۔" خیزہ نے کچھ بے چارگی کے ساتھ  
کہا۔  
"ضرور کریں بلکہ میں بھی بڑا سے بات کروں گی۔ آخر آپ کیوں اس طرح ہاتھ دھو کر میرے اور رشتی کے بیچے ہانڈ

جس نے انہوں نے انہوں سے کتاب قبول لی۔ صورتی وہی ہر تقریباً پاؤں چلتے ہوئے وہاں سے نکل گئی۔ ہاتے جاتے اس نے  
خیزو کو دیکھنے کے عالم میں اسے صورتی وہی ہر تقریباً پاؤں چلتے ہوئے وہاں سے نکل گئی۔ ہاتے جاتے اس نے  
پہاڑیوں سے اس کے کمرے کا رخ ہوا اور وہاں گیا تھا۔

☆☆☆

صورتی آپ جانتے ہیں میرے کیا کیا ہے؟" رات دیر چلے منصور علی چیٹری سے واپس آئے تو خیزو نے آتے ہی  
وہ سے بہرہ کی حالت شروع کر دی تھی وہ ابھی تک بری طرح ہلکتے ہیں تھی۔  
"کیا کیا ہے؟" منصور علی نے بڑے جمل انداز میں اپنی ہائی کولتے ہوئے کہا۔ وہ خیزو کی ان شکایتوں کے بارہی ہو  
جانتے ہیں۔ "ریشی ڈھولکے نیرا ہے اور اسے ریشی کی مدد کرنے کے لیے کہا ہے۔" منصور علی ہائی کولتے کھولتے اپنا ک

ریشی ڈھولکے  
"ریشی ڈھولکے میں کے ہلے میں۔ پتا تو ہو گا آپ کو اس کی بین کو قتل کرو یا تھا اس کے شوہر نے... ان معاشے میں  
نے تو کو اس کی مدد کرنے کے لیے کہا ہے۔" خیزو نے کچھ بیرو انداز میں کہا۔ منصور علی وہ بارہی ہائی کولتے گئے۔  
میں میں ابھی پریشانی کی کیا بات ہے۔" انہوں نے بے حد نام سے انداز میں کہا۔  
"پریشانی کی بات یہ ہے کہ ریشی نے ابھی چند گھنٹے پہلے ڈھولکے کو فون کر کے اپنے گھر بلا دیا ہے۔"

آؤ

صورتی آپ کے والد اور سچے صاحب فرما اس کے گھر جانے کو تیار ہو گئے۔"

میرا "اب بھی ہمارے تھے۔"

میرے طور سے یہ بھی کہا ہے کہ مجھے اس بارے میں کچھ نہ بتائے۔"

اس بارہی صورتی نے سکوائے وہ خیزو کو تیار نہیں کھتے تھے کہ جس بات کے لیے وہ ڈھولکے پر ہم بوری ہے۔ وہ بات امیران  
ہے گی کہ کبھی کبھی صرف مدد کی ذمیت تلف تھی مگر ماہداری کی شرط وہاں بھی تھی۔  
تو ہے آپ کہ قدر مطمئن ہیں۔" خیزو نے کچھ جمل کر کہا۔

تو اس میں پریشان ہونے والی بات ہی کیا ہے۔ ریشی اس کی دوست ہے اگر امیران کی مدد کرنا چاہتی ہے تو مجھے تو  
تو نہ کوئی قابل اعتراض بات نظر نہیں آتی۔" منصور علی اب بیڑ پر بیٹھ کر اپنے جوتے اتار رہے تھے۔  
آپ کو آج تک اپنی بیٹی کے کسی کام میں کوئی قابل اعتراض بات نظر نہیں آتی۔ آج کیا نظر آئے گی۔ مجھے یہ لڑکی  
بڑی ایک آگے بڑھی۔" خیزو حیرت منگول ہو گئی۔

جب اس میں ریشی کا نہیں تھا اور صورتی ہے۔ اگر اعلیٰ طرفی کا مظاہرہ کر دو تو امیر کی طرح تم بھی اسے پسند کرنے لگو گی۔ وہ  
لگتی ہے۔"

"میرے طرف بیٹی مانتی تھی اب باپ بھی مانتی ہیں کیا ہے اس کا۔ وہ لڑکی بہت خیر طرار اور مکار ہے اور ہر بار سے جتنے  
سے لگتی تھی کہ کبھی لوہا آپ ہیں کہ میری بات سمجھنے کے بجائے مجھے بھگا رہے ہیں۔" خیزو نے کہا۔

سکوائی طرفی کو اب تم رہنے ہی دو۔ یہ ایک ذہین انسان کی خوبیاں ہوتی ہیں اور آج کل کے زمانے میں ان خوبیوں  
کے بغیر انسان زندگی کے کسی میدان میں بھی کامیاب نہیں ہو سکتا۔" منصور علی نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

صورتی تم اس طرح فضول باتوں میں وقت ضائع مت کیا کرو۔ امیر کچھ وار ہے بلکہ تم سے زیادہ کچھ وار ہے وہ جانتی ہے  
نہ اسے مجھے لوگوں سے دوستی رکھنی چاہیے۔ یہ معاملہ اگر تم اس پر ہی چھوڑ دو تو بہتر ہے۔ خواہ لوگوں کی مدد سے تمہیں زہر و جی



ہے نہ ہی نہیں کرتی ہے۔"

وہ لاہور والی سے کہتے ہوئے ہاتھ روہم میں چلے گئے۔ نیرہ کچھ بے چینی کے عالم میں منصور علی کو دیکھتی ہوئی کہ۔  
☆ ☆ ☆

"بیوہ" اب رہنے سوپ پینے پینے سرفا کر دیکھا اور سوپ کا کچھ نیچے پالے میں رکھ دیا۔ لا شعوری طور پر وہ اپنے ہاتھ میں لے کر بیٹھ گئی اس کے چہرے پر سو جو کچھ وہ پہلے کی مسکراہٹ کی دم غالب ہو گئی تھی جب کہ نعل سے کہہ دے۔  
کمزے بارون کمال کے ہونٹوں پر سو جو مسکراہٹ اور گہری ہنسی تھی۔  
وہ ڈنڈا کرنے ایک دوست کے ساتھ وہاں اس ہونٹوں میں آیا تھا اور ہونٹوں کے بال میں داخل ہوتے ہی اس نے دوست

ایک نعل پر سو جو ابہر اور غلو کو دیکھا نہ بے اختیار بارون کمال کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ وہ اتنی دور سے بھی اس کو کھنکھانے رہا تھا جو وہ اپنے اور گرو کی مچروں پر بیٹھے ہوئے سرووں پر پھونک رہی تھی۔ وہ اندازہ کر سکتا تھا کہ اس کی طرف تھکتے ہوئے۔  
وقت اس کے بالفاظ میں بیٹھے ہوئے غلو منصور علی سے حسد محسوس کر رہے ہوں گے۔  
اس کا دل کسی بچے کی طرح اس کے پاس جانے کو چلا۔ اپنے ساتھ موجود کاروباری دوست ایک دم اسے بہت زیادتی

لگا۔ وہ بظاہر بڑے معمول کے انداز میں اسے ساتھ لے کر اس ہال سے گزر کر ساتھ والے ڈانگنگ ہال میں آ گیا۔  
ایک نعل پر بیٹھے ہوئے اس نے شفقت سعید سے کہا "آپ مینوسٹیکٹ کریں ایک دوست نظر آ گیا ہے۔ میں اس سے مل کر ابھی آیا۔" اس نے ہاتھ میں پکڑا مینو کارڈ نیچے نعل پر رکھ کر مسکراتے ہوئے شفقت سعید سے مصدقہ کی گواہی  
کمزرا ہو گیا۔  
"جلدی آ جائیے گا۔ یہ نہ ہو کہ میں اتنا ہی کرتا رہ جاؤں۔" شفقت سعید نے اس کی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا۔

"نہیں۔۔۔ نہیں ایسا نہیں ہو گا۔ میں چند منٹ میں واپس آ جاتا ہوں۔"

اور اب وہ ان دونوں کے سر پر کھڑا تھا۔ غلو اس سے بہت اونچی طرف واقف تھا۔ وہ تین مرتبہ منصور علی کے ساتھ  
قیصری آیا تھا اور جس گرم جوش کے ساتھ غلو سے ملا تھا۔ اس نے غلو کو خاصا حیران کیا تھا۔  
بارون کمال کاروباری صورتوں میں کوئی بہت باعلاق آدمی نہیں سمجھا جاتا تھا۔ مگر جو حیثیت وہ کاروباری صورتوں میں ہونے لگا  
کر چکا تھا کسی کو بھی اس کی یہ بد اخلاقی بُری نہیں لگتی تھی۔۔۔ اسے اس کی شخصیت کا ایک حصہ سمجھا جاتا تھا۔ غلو یہ بات بھی  
اچھی طرح جانتا تھا کہ منصور علی بارون کمال کے ساتھ کوئی نئی قیصری شروع کرنے کا ارادہ رکھتے تھے۔

بارون کمال کے ساتھ کاروباری شراکت کیا معنی رکھتی تھی وہ اس سے اچھی طرح واقف تھا۔ اس نے کمزے ہو کر بارون  
کمال کے ساتھ بڑی گرم جوش سے مصافحہ کیا۔ بارون کمال ابہر کو دیکھ رہا تھا۔  
وہ سیاہ نل باٹم پہنے ہوئے تھی۔ آدمی آستین کی سیاہ شرٹ میں اس کی سفید رحمت کچھ اور نمایاں ہو رہی تھی۔ اس کے  
مکے میں موجود سونے کی کھن میں کھٹے والے نیپٹ لٹاکٹ پر وہ غلو اور اس کا نام کندہ دیکھ سکتا تھا۔ اسے کبھی کسی عورت کے  
ہونٹوں پر بھی ہوئی سرخ لب اسٹک نے اس طرح متاثر نہیں کیا تھا۔ جس طرف اسی وقت اس کے کھلے ہوئے تراشیدہ سکا ہونٹوں  
بڑی لاہور والی سے اس کے کندھوں اور پشت پر ٹکڑے ہوئے تھے۔ کچھ تیس اس کے گالوں کو چھوری تھیں جو اس کے جسم کی  
حرکت سے آگے پیچھے جاری تھیں وہ سوپ کے پیالے پر جھکی اس کی آواز پر سیدھی ہوئی تھی اور بارون کمال نے اس کے چہرے  
کی مسکراہٹ کو پلک بچھکتے میں غالب ہوتے دیکھا۔

وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ اپنے دونوں ہاتھوں کو میز پر رکھے۔ غلو کو بارون کمال کے ساتھ مصافحہ کرنے کے ذمہ  
رہی۔ اس نے محسوس کیا کہ بارون کی نظر اس مسلسل اس پر جمی ہوئی تھی۔  
"بیوہ" بارون نے غلو سے مصافحہ کرنے کے بعد اس سے کہا۔

"ہاں نے محسوس کیا کہ بارون کی نظر اس پر جمی ہوئی تھی۔  
"بیوہ" بارون نے غلو سے مصافحہ کرنے کے بعد اس سے کہا۔



امبر نے اس کی بات سن کر دی۔ وہ بھی سے سوپ کے چھوٹے چھوٹے سپ لیکھا رہی اس کی ٹھکر سپ نے چالے پر مرکوز تھی اور اس کا سوا بے حد آف تھا۔ وہ یقیناً وہاں بارون کمال کے ساتھ اتر کر نے تھیں آئی تھیں۔ ہاتھ نہ لگے۔  
 طلبہ دیگر نو ہدایات دے کر بارون کمال کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔ بارون کمال نے ایک بار پھر اسی طرف اٹھا سوال دہرایا۔

"خاموش رہنا آپ کی عادت ہے یا صرف اس وقت خاموش ہیں؟"  
 امبر اس بار بھی خاموشی سے اسے نظر انداز کرتے ہوئے سوپ چینی کر چلوئے صورت حال کو بروقت سمجھا۔  
 "نہیں امبر اتنی خاموش تو نہیں رہتی... اچھی خاصی باتیں کرتی ہے۔ صرف اس وقت خاموش ہے وہ بھی صرف اس لیے کیونکہ سوپ پلا رہی ہے۔" چلوئے خوش مزاجی سے کہا۔

"یہ خاموشی سوپ کی وجہ سے ہے؟" بارون کمال نے اس بار اپنی نظر چلو کی طرف منتقل کی۔ "میں سمجھتا تھا کہ یہاں بیٹھنے کی وجہ سے اچانک خاموش ہو گئی ہیں یہ۔"

"نہیں نہیں۔۔۔ اسکی تو کوئی بات نہیں ہے۔" چلوئے جلدی سے کہا۔ "آپ کو تو خود دعوت دی ہے ہم نے اپنے روتے بیٹھنے کی۔ کیوں امبر؟" چلوئے نے امبر کی خاموشی توڑنے کی غرض سے کہا۔

"ہاں آپ کو تو ہم نے خود دعوت دی ہے۔" امبر نے عجیب سے انداز میں چلو کی بات دہراتے ہوئے بارون کو دیکھا۔  
 "پلیس۔۔۔ میں مان لیتا ہوں کہ ایسا ہی ہے آپ کی بائیز کیا ہیں؟" بارون کمال اتنی جلدی بات ختم کرنے والا آدمی نہیں تھا اس نے فوراً اگلے سوال کیا تھا۔

"میری کوئی بائیز نہیں ہیں۔" امبر نے مختصر کہا۔  
 "یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کوئی نہ کوئی پائی تو ہوتی ہے ہر ایک کی۔" بارون کی نظریں بدستور اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔  
 "میری نہیں ہیں۔" امبر نے اسی انداز میں کہا۔ اور ایک بار پھر سوپ پینے میں مصروف ہو گئی۔

"خاصی عجیب بات ہے یہ۔۔۔ میں اس کی توقع نہیں کر رہا تھا۔" بارون کمال نے کہا۔  
 "اس میں عجیب بات کیا ہے اور آپ اس کی توقع کیوں نہیں کر رہے تھے۔" امبر نے سوپ کے چالے کے پکڑ نظریں جلاتے ہوئے کہا۔

"آپ جیسی ڈانٹاک لڑکی کا کوئی پائی نہ رکھنا فیہر توقع ہی ہوتا ہے۔"  
 "آپ کو کیسے پتا کہ میں ڈانٹاک ہوں؟" اس نے سرد لہجہ میں کہا۔  
 "منصوبہ علی کی بیٹی کے بارے میں کوئی بھی یہی کہے گا۔" بارون کمال کا انداز کچھ مدافعتانہ ہو گیا تھا۔ "وہ خود بہت ڈانٹاک شخصیت کے مالک ہیں۔"

"یہ ضروری نہیں ہے کہ اگر پاپا ڈانٹاک ہیں تو میں بھی ڈانٹاک ہوں گی۔"  
 "توقع تو کی جا سکتی ہے۔"

"میں پاپا کے ہانکے برٹس ہوں۔ آپ کو اب تو اندازہ ہو گیا ہو گا۔" اس کا لہجہ قدرے سخت ہو گیا۔ چلوئے نے امبر کے نیچے میں اترتی ناراض محسوس کرتی تھی اور وہ خوفزدہ ہو رہا تھا کہ کبھی یہ ناراضی بارون کمال نے بھی محسوس نہ کر لی ہو۔ کرنی اللہ اللہ بارون کمال کے چہرے کی مسکراہٹ ظاہر کر رہی تھی کہ وہ ناراض نہیں تھا پھر اسے اپنی کیفیات چھپانے میں کمال حاصل تھا۔  
 امبر اپنا سوپ ختم کر چکی تھی اور اب نیکیوں سے مزین صاف کر رہی تھی۔ کمانے سے اس کی دلچسپی یک دم ختم ہو گئی تھی۔ وہ وہاں کم از کم بارون کمال کے ساتھ بیٹھ کر لہذا چہرہ اتر نہیں کرنا چاہتی تھی۔ وہ آدھی اس کے لئے ناقابل برداشت تھا حالانکہ اس نے اب تک ایسی کوئی حرکت یا بات نہیں کی تھی جو نامناسب ہوتی لیکن اس کے اوجہ امبر کو اس کا وہاں بیٹھنا بری طرح کٹک



اجتناب اس کی ہر بات پر انداز اچھا لگ رہا تھا۔

”کیا میں اس لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو رہا ہوں؟“ ہارون کمال نے غیر محسوس انداز میں اپنے سر کو مسختے ہوئے دیکھا اور سوچا۔ ”اور اس عمر میں اور اس لڑکی سے۔ یا پھر یہ سبھی ایک اور دلچسپی ہے۔“

”خود سے سوال کرتے ہوئے ادھر ادھر بے نیازی سے نظریں دوڑاتی ہوئی امبر کو دیکھ رہا تھا۔ اس کی نظریں تازہ خوبصورت گردن کے گرد لپٹی ہوئی اس جینس پر جس پر جو ایک لاکٹ کی شکل میں طوطا اور اس کا کام لے کے ہونے لگی۔ ہارون کمال نے سوچتے ہی پتے طوطا کو دیکھا۔ بے اختیار اس کے اندر سے حسد اور نفرت کی ایک لہر اٹھی۔“

”یہ شخص امبر جیسی لڑکی کے لائق نہیں۔“ ہارون کمال نے بے اختیار سوچا۔ ”یہ میڈیا کر آئی امبر کے قابل نہیں ہے کم از کم ایسے آدمی کو امبر کے ساتھ نہیں چاہئے۔“ اس نے چمچو رکھ دیا۔

”جینگ یاد دہری کج۔ سوپ واقعی بہت اچھا تھا۔“ طوطا نے چونک کر ہارون کمال کو دیکھا جو اس سے طالب تو بہتر اب چلنا ہوں میرا دوست میرا انتظار کر رہا ہوگا۔“ ہارون کمال کھڑا ہو گیا۔

”مگر آپ نے تو ہمارے ساتھ ڈنکر کا تھا۔“ طوطا نے اٹھتے ہوئے جیسے اسے یاد دلایا۔

”بالکل کرتا تھا۔ اگر میرا دوست ساتھ نہ ہوتا تو۔۔۔ بہر حال آج کیلئے سوپ ہی کافی ہے۔“

”امبر کو بے اختیار خوشی ہوئی۔ اس نے سکون کا سانس لیا۔ ہارون کمال نے طوطا کی طرف ہاتھ دھارتے ہوئے کھد کے ساتھ ہاتھ کرتے ہوئے ڈنکر کھتی تھی اسے ایک باز پھر بھوک لگنے لگی۔“

”گنڈا باندے۔۔۔ سی بوسون۔“ ہارون کمال امبر سے طالب ہوا۔ امبر نے سر کی ہلکی سی جنبش کے ساتھ اس کے رسمی کلمات کا جواب دیا۔

”تم بھی حد کر دو جی ہو امبر! اتارے طریقے سے فریٹ کرتے ہیں کسی مہمان کو۔“ اس کے جانتے ہی طوطا نے امبر سے کہنا ”مہمان۔۔۔؟ یہ ہمارا مہمان کیسے ہو گیا۔ میرے لیے وہ ایک Intruder تھا۔“ امبر نے ہر بات سے کھد

”وہ بالکل منصور علی کا بہت اچھا دوست ہے۔“ طوطا نے اسے بتایا۔

”میرا کچھ ماہ کا اچھا دوست۔۔۔ وہ بھی کاروباری دوست۔۔۔“ امبر نے رکھائی سے تبصرہ کیا۔

”بالکل منصور اس کے ساتھ بہت سے منصوبے بنا رہے ہیں۔۔۔ بہت لمبی چلانگ کر رہے ہیں اور جسیں انعام دی نہیں ہے کہ ہارون کمال کو پرنس سرکل میں کیا سمجھا جاتا ہے۔“ طوطا نے اسے حائر کرنے کے لیے کہا۔

”مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ اسے پرنس سرکل میں کیا سمجھا جاتا ہے۔“ امبر پر دتی براہ اثر نہ ہوا اور جہاں تک پاپا سے اس کی دوستی کی بات ہے تو یہ اس کا لٹا ہی تھا کہ اس نے اسے اپنی نیل پر نہ صرف بیٹھے دیا۔ بلکہ سوپ بھی پیئے دیا۔ وہ نہ میں کسی کو اس طرح متاٹھا کر یہاں بیٹھنے دیتی۔؟“

”اس کے ساتھ ڈنکر کرنے کے لیے بڑے بڑے لوگ مرتے ہیں۔“

”میں ان لوگوں میں شامل ہوں اور نہ ہی جس میں شامل ہونا چاہئے۔ ہر دوسرے بندے سے تم حائر ہو جاتے ہو۔“

”امبر نے اس بار کچھ ناراضی سے اسے جھڑکا۔

”بات حائر ہونے کی نہیں ہے۔۔۔ جو شخص جیسا ہو اس کے بارے میں وہی کہا جاتا ہے۔ ہارون کمال پرنس کی دنیا کا ایک بہت بڑا نام ہے۔“

”تو بھئی۔ میں کیا کروں اگر وہ بہت بڑا نام ہے تو۔۔۔ میرا اور تمہارا کیا تعلق ہے اس سے۔ یا میں اس سے کیا لینا ہے کہ ہم اس کے سامنے بچہ بچہ جائیں یا اسے ریڈ کارپنڈ ریسیپشن دیں۔“ امبر نے ناگوارگی سے کہا۔ ”اس کو ویسے بھی بالکل

نورسماں نے کہا۔ میں اگر اس طرح کا رویہ نہ رکھتی تو وہ اس وقت بھی ہماری نیکلی پر بیٹھا ہوا وقت  
 اپنے اہلخانہ جسم کے سوا کچھ اور انہوں سے۔۔۔  
 "مطلو نے کہا۔"

یہ بات تم ابھی طرح جانتے ہو اس لیے کوئی اور  
 پہلے ہی ہمارا خاصا وقت ضائع ہو چکا ہے تمہارے اس ہارون کمال کی وجہ سے۔۔۔" امیر

مطلو نے میز کارڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ امیر نے میز کارڈ اٹھایا۔  
 "مطلو نے کہا۔" امیر نے کہا۔ "مطلو نے کہا۔" امیر نے کہا۔

آپ کا کیا ہوا کیا جا چکا ہے۔۔۔  
 "مطلو نے کہا۔"  
 "مطلو نے کہا۔"  
 "مطلو نے کہا۔"  
 "مطلو نے کہا۔"

☆☆☆

مطلو نے نماز ادا کر کے سلام پیرا اور پھر کمران سوز کر جانی اور فریاد کیجئے گی۔ وہ دونوں کمرے کے ایک کونے میں  
 چلے گئے۔ ایک پر بیٹھے ایک دوسرے سے سرگوشیوں میں باتیں کرنے میں مصروف تھے۔۔۔ اور ہر چند صحت کے بعد کئی بات  
 پوچھی رہے تھے۔۔۔ مطلو کے پاس ہونے کی وجہ سے وہ اپنی آوازوں کو حتی المقدور کم رکھے ہوئے تھے مگر اس کے باوجود جب  
 وہ اپنی اپنی آوازوں میں ہنسنا شروع ہوتے تو نماز کے دوران مطلو کی توجہ بٹ جاتی۔

مطلو نے سلام پیرا کرنے کے بعد کچھ تپتی نظروں سے انہیں گھورا۔ انہوں نے مطلو کو اپنی طرف متوجہ ہوتے دیکھا تو  
 یہ ہم باہل سیدھے ہو کر اپنی گود میں رکھی ہوئی کتابوں کی طرف متوجہ ہو گئے۔ ان کے چہروں پر سوجھ چھ لہے پہلے کی  
 شگرت تاجب ہو گئی۔ شربا تاجبہ کچھ بلند آواز سے کتاب میں سے کچھ پڑھنے لگا جب کہ جانی بھی کتاب پر نظر سے بھٹکے  
 ہوئے تھے اس وقت کوئی انہیں دیکھتا تو اسے یقین نہ آتا کہ وہ انہی کچھ بیکٹرز پہلے قہقہہ کار رہے تھے۔

"تم دونوں اٹھ کر باہر گن میں چلے جاؤ۔" مطلو نے کہا۔ وہ جانتی تھی کہ جیسے ہی وہ دوبارہ نماز پڑھنے لگے گی ان دونوں  
 کی سرگوشیوں اور قہقہوں دوبارہ شروع ہو جائیں گے۔ وہ دونوں کچھ بھی کہے بغیر اپنی اپنی کتاب اٹھا کر سونڈا بانا اعمال میں باہر نکل  
 گئے۔ مطلو انہیں تب تک دیکھتی رہی جب تک وہ کمرے کے دروازے سے باہر نہیں نکل گئے۔ اس سے پہلے کہ وہ دوبارہ نماز  
 شروع کرتی۔ اس کے کانوں میں ایک ہارمیران کی ٹھٹھکیا انہوں کی آوازیں آنے لگی تھیں۔ اس بار بے اختیار مطلو کے ہونٹوں  
 پر شگرت نمودار ہوئی۔ کن کہ سکتا تھا کہ وہ دونوں میزک کے اسٹوڈنٹس تھے کون کہ سکتا تھا کہ آپس میں اس طرح شہرہ شکر وہ  
 باتوں کی آپس میں جھگڑا بھی سکتے تھے۔

"بچپن سے ان کی اسی طرح کی حرکتوں کی عادی تھی وہ دونوں Identical twins تھے مگر ان کی عادتیں ایک  
 دوسرے سے بہت مختلف تھیں۔ شربت زیادہ شہرہ تھی تھا۔ وہ جسمانی طور پر کمزور ہونے کے باوجود نکلا بیٹھے والا نہیں تھا وہ بچپن  
 سے ہی پہلی سولی چادریوں کا نظارہ بنا رہتا تھا مگر ان چادریوں نے بھی کبھی اس کی صحت نہیں توڑی تھی۔ وہ ہر وقت جانی کو تنگ  
 کرتا تھا۔ اس کے شیطانی ذہن میں ہر لمحے جانی کو تنگ کرنے کے لیے نئے نئے منصوبے جنم لیتے رہتے تھے مگر اس کی شرارتوں

کا دائرہ کار صرف ثانی سے شروع ہو کر ہی پر ختم ہو جاتا تھا۔ محلے میں باسکول میں کسی کسی کو اس سے ملاکت نہیں ہوتی تھی۔ صرف اس سے نہیں بلکہ ان تینوں سے کسی کو ملاکت نہیں ہوتی تھی۔ اس کے برعکس ثانی زیادہ مجید اور کچھ دھاری۔

کچھ دن بعد ہی ان دونوں میں مصالحت ہو جاتی تھی۔ اس کو اگر شر پر طرہ آتا تھا اور وہ اس کی حرکتوں سے چلتی تھی تو اس کی سب سے زیادہ دوستی بھی شر کے ساتھ ہی تھی۔ دونوں ایک دوسرے کے دل کی کیفیت صرف چہرہ دکھ کر جان لیا کرتے تھے۔ اور اکثر ان دونوں کو ایک دوسرے کو اپنا مسئلہ بتاتا نہیں پڑتا تھا۔ دونوں اپنا ہر بات ایک دوسرے سے سبزی کرتے تھے۔ اسکول سے آنے کے بعد ان کا زیادہ وقت ایک دوسرے کے ساتھ ہی گزارتا تھا۔ پڑھا۔ کھلیا۔ کھا۔ اور تینوں ایک دوسرے کے ساتھ ہی کرتے تھے اور یہ روشن اب سے ایسی نہیں تھی۔ بچپن سے ہی تھی۔

ثانی پڑھائی میں بہت اچھی تھی۔ شر پڑھائی میں اوسط درجہ کا تھا۔ دو محنت کرتا تو اچھے نمبر لے لیتا۔ ذہنی طور پر اس کی ڈرائنگ بہت اچھی تھی اور رنگ اس کے لیے ہمیشہ ہی ایک بہت بڑے کشش چیز رہے تھے۔ اس کے پاس سوچو کوئی فن ایسی نہیں تھی جسے اس نے رنگوں سے نہ سجایا ہو۔ اس کی پینڈرائنگ بھی بہت خوبصورت تھی۔ یہ واحد چیز نہیں تھی جس میں اسے دلچسپی تھی۔ وہ ہر طرح کی آوازیں نکال لیا کرتا تھا۔ ہر ایک کی نقاب اٹارنے میں ماہر تھا۔ بلکہ یہ اس کے اہم ترین کھیل تھا۔ گھر میں ہونے والا اسی فیصد مرمت کے کام وہ کیا کرتا تھا۔ گھر میں ہونے والے رنگ روغن سے لے کر مکان اور سوکے پورے ٹھیک کرنے تک۔ ہر چیز وہی کیا کرتا تھا۔ واحد چیز جس سے اس کی جان جاتی تھی وہ پڑھائی تھی اور یہ بارہ چیز تھی جس پر کوئی اسے بخینے کو تیار نہیں تھا۔

اس کے برعکس پڑھائی ثانی کی پہلی ترجیح تھی۔ پڑھائی کے سامنے اس کے نزدیک ہر دوسری چیز ثانوی حیثیت رکھتی تھی۔ وہ شہیر کی طرح شاندار تھکی ریکارڈ رکھتی تھی اور وہ آئینہ لازم بھی شہیر کو ہی کرتی تھی۔ شہیر کی طرف اسے مگی سبوت میں بہت دلچسپی تھی۔ بلکہ اسے ہر اس چیز میں دلچسپی تھی جس میں شہیر کو دلچسپی تھی۔ جو چیز شہیر کو پسند تھی وہ اسے بھی پسند تھی۔ شہیر کو نا پسند تھی وہ اسے بھی نا پسند تھی۔ اس کی شکل و صورت اگر شر سے ملتی تھی تو اس کی عادات شہیر کی طرح تھیں۔ اپنی تھکی کا سامنا ہوں کا آدھا کریڈٹ وہ شہیر کو دیتی تھی۔ اور اس میں کوئی مبالغہ بھی نہیں تھا۔ بچپن میں اگرچہ قاطری ان دونوں کو پڑھایا کرتی تھی مگر بعد میں یہ شہیر تھا جس نے اس کام کی ذمہ داری اپنے سر لے لی تھی۔ وہ شہیر کی طرح ہر کام میں بہت آرمگناؤز اور Calculated تھی۔ جو جزا تک اور خاصت شہیر کی زندگی اور شخصیت کا حصہ تھی وہ لاشعوری طور پر کسی اور سے کی طرح ثانی میں بھی آئی تھی۔

شر ان دونوں کے برعکس بہت لاپرواہی تھا۔ وہ خاصا لا پرواہ بھی تھا۔ اگرچہ وہ شہیر اور ثانی کی طرح بہت آرمگناؤز نہیں تھا مگر ہر چیز اس کے موڈ پر منحصر تھی۔ اس کا موڈ ہوتا تو وہ ہر چیز کو طریقے اور طریقے سے رکھتا۔ موڈ نہ ہوتا تو اس کی لاپرواہی نمودار ہو جاتی۔

تینوں میں بہت سارے تضادات ہونے کے باوجود چند چیزیں مشترک تھیں۔ ان کی زندگی صرف اپنے گھر تک محدود تھی۔ یہ چیز ان تینوں نے قاطر سے لی تھی۔ مسکراہٹ اور سلام دعا۔ ان دونوں کے علاوہ کوئی تیسری اضافی بات وہ تینوں ہی کرنے کے عادی نہیں تھے۔ محلے کے باقی گھروں کے برعکس ان کے گھر کا دروازہ ہمیشہ بند رہتا تھا۔ صرف ضرورت کے وقت ان کے گھر کوئی آتا یا وہ خود کسی کے گھر جاتے۔ قاطر کو محلے کی دوسری عورتوں کی طرح محسوس نہیں کرتے تھے۔ ہاتھ کی عادت نہیں تھی۔ اس محلے میں آنے کے بعد شروع شروع میں محلے کی خواتین نے شام کو اس کی واہسی کے بعد اس کے پاس بھی دیر تک بیٹھنے اور اور دھری باتیں کرنے کی کوشش کی تھی مگر آہستہ آہستہ انہوں نے خود ہی یہ کوشش چھوڑ دی۔ وہ مقررہ کیا کرتی تھی اور اسے محلے کی سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔





لے پتھر پر لیکر ہوتی ہے۔ اور اس نے خاص طور پر مجھے رشتی کی مدد کرنے کے لیے کہا ہے۔  
منصور علی نے اس بار رشتی کی طرف دیکھا جو ان کی بات پر مسکرائی۔

"اب آپ لوگ مجھے بتائیں کہ آپ کو کیسا گھر چاہیے۔ اور کس علاقے میں چاہیے۔" انہوں نے اٹھ سونے پر۔  
"اس سطلے میں تو آپ سی ہاری رہنا ہی فرمائیں تو اچھا ہے۔ ہمیں تو اتنا زیادہ پتہ نہیں ہے۔ بس ہم یہ جانتے ہیں۔  
کہ جو بھی علاقہ ہو۔ وہ اچھا ہو۔ یہ سون ہو۔ اور گھر کا کرایہ بہت زیادہ نہ ہو۔" منصور علی کے سوال پر۔  
جواب میں کہا۔

"اگر آپ لوگ میرے ساتھ کسی دن کسی پر اپنی ذیل کے پاس چلیں تو یہ بجز رہے گا۔ آپ ذیلی طور پر اسے  
ضروریات بتا دیں گی تو اس کے اور آپ کے دونوں کے لیے آسانی ہو جائے گی۔" منصور علی نے سڑے کہا۔  
"آپ جب کہیں ہم چلتے ہیں۔" منصور علی نے کہا۔

"اگر آپ کے لیے ممکن ہو تو کل کا دن رکھ لیں۔" منصور علی نے تجویز پیش کی۔  
"کیوں نہیں۔ کل ہی چلتے ہیں۔ جتنی جلدی یہ کام ہو جائے ہمارے لیے اتنا بجز ہے۔" منصور علی نے فوراً طر  
پر کہا۔

"تو ٹھیک ہے پھر میں کل آپ لوگوں کو اپنے ساتھ لے چلوں گا۔" منصور علی کی نظریں رشتی کے چہرے پر جمیں۔  
"اسی تو نہیں جا سکیں گی میں آپ کے ساتھ چلوں گی۔" رشتی جلدی سے بولی۔  
"ہاں بہتر ہے رشتی چلی جائے۔ یہ زیادہ اچھے طریقے سے گھر دیکھ لے گی۔" منصور علی نے رشتی کی جانب کی۔  
رشتی کے گھراتے ہوئے منصور علی نے ہانک کر یہ نہیں سوچا تھا کہ انہیں اس طرح رشتی کے ساتھ اکیلے کہیں جانے کا موقع  
نے گا اور وہ مکمل طور پر حیرت زدہ تھے۔ مگر اس حیرت نے اس خوشی کو ختم نہیں کیا تھا جو یک دم ان کے اندر پیدا ہوئی تھی۔  
"ٹھیک ہے جس طرح آپ لوگ بجز بھیجیں۔" انہوں نے بظاہر معمول کے انداز میں کہا اور اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔  
"میرے آپ اتنی جلدی اٹھ گئے۔ میں تو چائے تیار کر رہی ہوں آپ کے لیے۔" منصور علی کو ایلچہ دیکھ  
کر کہا۔

"جائے پھر بھی سہی۔۔۔۔۔ ابھی تو مجھے بہت ضروری کام ہے۔" منصور علی نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔  
"مگر زیادہ وقت نہیں لگے گا۔" رشتی نے اس بار مداخلت کی۔ "آپ پلینڈو بنا جائیں۔۔۔۔۔ چائے ہانک تیار ہی ہے۔"  
منصور علی اس بار انکار نہیں کر سکے۔ منصور علی نے اپنے لیے ڈرائنگ روم سے نکل گئی۔ رشتی اور منصور علی اب  
ڈرائنگ روم میں اکیلے تھے۔

"امبر آپ کا بہت ذکر کرتی رہتی ہے۔" رشتی نے اس خاموشی کو توڑنے میں پہل کی۔  
منصور علی کے چہرے پر ایک مسکراہٹ پھیل گئی۔ "امبر تو آپ کا بھی بہت ذکر کرتی ہے۔" اس بار مسکرانے کی باری رشتی  
کی تھی۔

"ہاں امبر مجھ سے بہت محبت کرتی ہے۔"  
"آج کل اپنی فریڈ ز میں سے وہ صرف آپ کا ہی ذکر کرتی ہے۔" منصور علی نے کہا۔  
"وہ بہت اچھی ہے۔"

"ہاں اس میں کوئی شک نہیں۔۔۔۔۔ میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں۔۔۔۔۔ اپنی اولاد میں سب سے زیادہ میں اس سے  
قریب ہوں۔"

منصور علی نے کہا۔ رشتی نے اس بار کچھ نہیں کہا۔ لاشعوری طور پر منصور علی کو احساس ہوا کہ بات کرنے کے لیے امبر کا  
موضوع کچھ مناسب تھا۔۔۔۔۔ کم از کم اس وقت۔

میں نے کہا میں سونے والے اور ان کی پروگرام کی فلم دیکھی۔"

منور علی نے اچانک موضوع تبدیل کر دیا۔ رشمن نے قدرے چونک کر اسے دیکھا۔ منور علی کے منہ سے سوادی کا ذکر

یاد بہ یاد آتا ہے۔

"آپ نے بہت اچھی اینٹنگ کی۔" منور علی نے پوچھتے ہوئے تعریف کی۔ رشمن کے لیے یہ اور حیرانی کی بات تھی۔

منور علی سے اس سے پہلے اس کی جتنی بھی ملاقات تھی ہوا تھی اس میں وہ بڑے بڑے پرواز رہے تھے۔ ان تمام مواقع پر امیرین کے

ساتھ وہ ہوتی تھی اور امیر کی موجودگی میں منور علی کی توجہ مکمل طور پر اس پر ہوتی تھی۔ حال احوال اور سلام دعا کے علاوہ ان

سے وہ کئی بات نہیں ہوتی تھی۔ آج پہلی بار اسے منور علی کا لہجہ کچھ بدلا ہوا محسوس ہو رہا تھا۔

"سکرٹی۔ کمرے میں۔ اتنی اچھی اینٹنگ تو نہیں کی تھی۔ یہ تو بس ایسے ہی ایک ایڈو پور تھا۔"

"یاد رہتا تھا جو کئی تھا۔ مجھے بہر حال بہت اچھی لگی آپ کی اینٹنگ۔" منور علی کو اس کی مسکراہٹ سے جیسے کچھ

مہربان سے کہہ رہی تھی کہ آپ بہت خوبصورت لگ رہی تھیں اس رول میں۔ میں کچھ رہا تھا ایسے ہی تعریف کر

تا تھا آپ کی تعریفیں وہ اکثر کرتی رہتی ہے۔ لیکن وہ بچے دیکھ کر میں واقعی بہت متاثر ہوا۔"

اس بار منور علی نے مکمل کر اس کی تعریف کی۔ رشمن کی مسکراہٹ گہری ہو گئی۔ "یہ تو آپ شاید میرا رول رکھنے کے لیے

کہہ رہے ہیں۔۔۔ ہنہ امیر نے اس میں مجھ سے زیادہ اچھا رول کیا تھا اور وہ زیادہ خوبصورت نظر آئی تھی۔۔۔ میں تو اس کے

رہنے کو بھی نہیں لگ رہی تھی۔"

منور علی نے کہا کہ رشمن لگ رہی تھی مگر آپ بھی اتنی ہی خوبصورت لگ رہی تھیں اور جہاں تک اینٹنگ کا تعلق ہے

آپ نے امیر سے زیادہ اچھی اینٹنگ کی ہے۔" منور علی نے اس بار کچھ اور بے تکلفی سے کہا۔

"اب اس پر میں آپ کا شکر یہ لدا کہ کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کہوں گی۔۔۔ آپ کی یہ رائے ہے۔۔۔ تو پھر ایسا ہی ہو

کر توڑنے لگا۔ آپ کی رائے میرے لیے بہت اہمیت رکھتی ہے۔"

اس سے پہلے کہ منور علی کچھ اور کہتے ساتھ چائے کی ٹرالی اندر لے آئی۔

منور علی کچھ کتے کتے خاموش ہو گئے۔ مگر کچھ دیر پہلے وہیں موجود تکلف کا ماحول یک دم ختم ہو گیا تھا۔ چائے جوے

بے تکلف ماحول میں لپی لگی۔ ساتھ اور رشمن کے ساتھ بڑے خوشگوار ماحول میں بات چیت ہوتی رہی پھر وہ دونوں انہیں

گلاس تک پہنچانے لگی تھیں۔ جب وہ روزانے پر پہنچے تو منور علی نے کہا۔

"مجھے غصے ہے کہ آج میں آپ کے ہاں خالی ہاتھ آیا۔۔۔ بس کچھ جلدی میں آیا تھا۔۔۔ اگلی بار میرا نہیں ہو گا۔"

منور علی اگلی کوئی بات نہیں۔۔۔ آپ ہمارے ہاں آئے ہیں آپ کی سہرا تھی ہے۔" ساتھ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پھر بھی۔۔۔ کی کے گھر جاتے ہوئے کم از کم میں خالی ہاتھ نہیں جایا کرتا۔" منور علی نے کہا۔

"یہ کئی کا گھر نہیں ہے۔۔۔ امیر کے حوالے سے یہ آپ کا ہی گھر ہے اور آپ ہمارے لیے کوئی فیر نہیں ہیں۔ پھر

منور علی تو ایسے نکلاٹ نہیں ہوتے۔" اس بار رشمن نے کہا۔

"مگر یہ اپنا گھر ہے تو پھر تو مجھے خالی ہاتھ آنے پر زیادہ شرمندگی ہے۔ کیونکہ اپنے گھر تو میں کبھی بھی خالی ہاتھ نہیں

منور علی نے بڑھکتی سے کہا۔ ساتھ اور رشمن نے ان کی بات پر ایک تہنہ لگایا۔

"اگل آپ تمہیں بے تیار رہے گا۔۔۔ میں آپ کو پک کر لوں گا۔" منور علی نے رشمن کو یاد دلایا۔

"آپ گھر نہ کریں۔۔۔ اسے یاد نہ بھی رہا تو مجھے یاد ہے گا۔۔۔ یہ تیار ہے گی۔" ساتھ نے رشمن کے کچھ کہنے سے

پکاکہ منور علی نے امانت کہنے ہوئے گھر سے نکل گئے۔

اس لگی سے نکل کر کچھ ساٹلے پر موجود اپنی گاڑی میں بیٹھ کر وہ بہت دیر تک اس ملاقات کے بارے میں سوچتے رہے۔  
 حیران کن طور پر ان کا موڈ ہے۔ وہ خوشگوار تھا اور ریشمی اور صاف کے ساتھ گزارا ہوا کچھ وقت انہیں اس دن کا سب سے بھاری  
 وقت لگ رہا تھا۔ انہوں نے صاف اور ریشمی سے بھر آؤجر کے سلاٹ نہیں کیے تھے۔ اگرچہ انہیں من کے گھر ریشمی کے اندر  
 اس کی بہن کے ساٹلے کے بارے میں تجسس تھا مگر اس تجسس کا اظہار انہوں نے پہلی سی ملاقات میں نہیں کیا۔ ریشمی نے  
 آتے وقت انہیں بالکل بھی یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہاں انہیں اس قدر بے تکلف ماحول ملے گا۔ مگر وہ بے تکلفانہ ماحول انہیں کی  
 بھی طرح برا نہیں لگا تھا بلکہ بہت عرصے کے بعد انہیں کسی کے گھر بیٹھ کر اتنی اچھی فیکس کا احساس ہوا تھا شاید اس کی وجہ ریشمی کی  
 ..... یا پھر شاید یہ اس ڈپریشن سے آزادی کا نتیجہ تھا جس کا شکار وہ اس رات سے تھے جس رات انہوں نے ریشمی کو اس سوال میں  
 دیکھا تھا..... اس کے بعد اگلے کئی دن وہ ایک عجیب سے اضطراب کا شکار رہے تھے۔ ریشمی کی طرح بھی ان کے ذہن سے  
 نکل رہی تھی اور آج وہ بے اختیار کسی معمول کی طرح اس کے گھر چلے آئے تھے۔ اس بات کی پروا کیے بغیر کہ وہ ان کی اس طرح  
 اچانک آمد کو کیا مفہوم پہناتے تھے یا کتنے مناسب سمجھے گی..... ان کے لیے اتنی ہی کافی تھا کہ وہ ایک بار پھر اس کا چہرہ دیکھیں  
 گے..... اور اس بات نے ان کی مسرت میں اضافہ کیا تھا کہ ریشمی نے وہاں ان کی اس طرح اچانک آمد پر کسی حیرت کی اظہار کیا  
 تھا نہ ہی کسی ایسے رد عمل کا جس پر ان کو شرمندگی یا پچھتوا محسوس ہوتا۔

وہ غیر معمولی طور پر سرد تھے اور بہت دیر تک وہ گاڑی اسٹارٹ کیے بغیر وہیں بیٹھے رہے..... پھر بہت دیر بعد جب  
 گہری سانس لے کر انہوں نے گاڑی اسٹارٹ کی۔

”یہ منصور علی کیسے آدی ہیں؟“ منصور علی کے جانے کے بعد صاف نے پلٹ کر ریشمی سے پوچھا۔ اس کے لہجے میں  
 وہ تجسس تھا۔

”آپ کو کیسے لگے ہیں؟“ ریشمی نے اپنے کمرے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔  
 ”مجھے تو بہت اچھے لگے ہیں۔“ صاف نے اپنی رائے دی..... وہ زندگی میں پہلی بار منصور علی کی حیثیت کے آدی سے  
 ملی تھی..... ان کا لباس ان کے اندازہ اطوار ان کی نشست و برخاست ہر چیز ان کے خاندانی رنجس ہونے کا مت پرنا ثبوت تھی  
 ..... صاف آج تک جن آدمیوں سے میل جول رکھے ہوئے تھے وہ سب نو دولتیا کلاس تھے..... ان میں اور منصور علی میں زمین و  
 آسمان کا فرق تھا اور یہ فرق پہلی ہی نظر میں صاف جیسی عورت نے بھانپ لیا تھا۔

”ہاں۔ آپ کا خیال ٹھیک ہے..... بہت اچھے آدی ہیں۔“  
 ”تم سے پہلے بھی لگی ان کی ملاقات یا بات چیت ہوئی ہے؟“ صاف نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔  
 ”ہاں ملاقات تو لگی بار ہوئی ہے..... ایک دو بار امبر کے ساتھ کانٹے سے وہاں پر مجھے ڈراپ کرنے آئے تھے اور چند  
 بار ان کے کمرے میں سے ملاقات ہوئی تھی مگر بات چیت اور اس طرح کی بات چیت جس طرح آج ہوئی ہے وہ پہلے بھی نہیں  
 ہوئی تھی ان جیسے آدی ہر ایک کے ساتھ تفصیلی گفتگو نہیں کیا کرتے۔“ ریشمی نے عجیب سے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔  
 ”تو پھر آج یہ ہمارے گھر کیسے آئے اور وہ بھی اس طرح آ کیے..... کیا صرف امبر کے کہنے پر۔“ صاف نے کہا۔ ریشمی  
 ان کی بات کا جواب دینے کے بجائے کچھ سوچنے لگی۔

”یہ تو ابھی مجھے دیکھنا ہے کہ یہ بے تکلفی اور اپنائیت امبر کا کمال ہے یا پھر.....“ وہ کچھ کہتے کہتے رکی۔  
 ”یا پھر؟“ صاف نے اس کے دھمورے ہنسنے کو بردہرایا۔

”یا پھر..... کوئی اور بات ہے۔“  
 ”کوئی اور بات؟“

”کانٹے کے اس پردہ گرام میں نئی مہری فلم دیکھی ہے انہوں نے..... اور مجھ سے کہہ رہے تھے کہ میں نے اس کیل میں  
 بہت اچھا کام کیا ہے۔“ ریشمی نے عجیب سے انداز میں کہا۔

میں جرات نہیں، ضروری جیسا آدمی ایک قسم . اور وہ بھی میری قسم کے لیے وقت کیسے نکال پاتا ہے اور ہر تعریف  
 دینے والی ہوتی ہے۔ اس بار ساتھ اس کے بچنے پر مسکرائی۔  
 ترے بچے آدمی تھا۔ . . . دوسرے مردوں سے مختلف ہیں۔ کم از کم ان مردوں سے جن سے ہم ملتے ہیں۔ " ساتھ

نیک . . . یہی فرق ہے۔ . . اس میں کوئی شبہ نہیں۔ . . مگر کتنے مختلف ہیں۔ اس کا اندازہ تو ان سے چند بار اور مل کر ہی ہو گا۔"

پڑا ہی کوئی سچا ٹاپ نہ لگی تھی۔  
 "تم نے تو کونوں کا خانا وہ آیا نہیں؟" ساتھ نے اچانک اسے یاد دلایا۔  
 "ہاں چند دن گزر گئے ہیں وہ نہیں آیا۔ . . میں اس کو دوبارہ فون کروں گی۔ . . دیکھوں گی کیا مسئلہ ہے۔" رشی کو بھی

پانک پڑا۔  
 "تم سے تو اس نے اگلے ہی دن آنے کا وعدہ کیا تھا۔" ساتھ نے کہا۔  
 "ہم کیا۔ . . اور تم سے کیا کیا وعدہ کیا۔ . . رشی مسکرائی۔ "میں اب تو نہیں ہوں امی۔" ساتھ کچھ دیر اسے دیکھتی  
 رہی پھر اسے سے مل گئی۔

☆☆☆

"چوہہ میری ہے۔" شائستہ نے ابہر کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ابہر بے اختیار کچھ حیرانی کے عالم میں ٹھک کر رہ  
 گیا۔ اس کے اگلا میں کچھ نگہا بہت تھی۔ اسے توقع نہیں تھی شائستہ اس طرح یہاں مل جائے گی اور اسے مخاطب بھی کرے گی۔  
 "ہاں ہنت ایک شاہک آرکائیڈ میں کھڑی تھی۔ سب اس سے کچھ فاصلے پر سیک اپ کی کچھ چیزیں دیکھنے میں مصروف تھی جبکہ وہ  
 تو بالکل خود کھڑی تھی جب اچانک شائستہ نے اس کے قریب آ کر اسے مخاطب کیا۔

"وہ تو آپ کبھی ہیں؟" اس نے اس جھکے سے نکتے ہوئے کہا۔  
 "میں تو ابھی تک ہوں۔ شاہک کے لئے آئی ہو؟" شائستہ نے ایک بہت سرسری سا جملہ بولا۔

"کھانا۔"

"میں کے ساتھ آئی ہو؟ کیا خیزہ بھی ساتھ ہیں؟"

"میں کی نہیں آئی، میں سب سے ساتھ آئی ہے وہ وہاں کا سٹیکس دیکھ رہی ہے۔"  
 اس نے کچھ دور کھڑی سبکی طرف اشارا کیا جو ان کی طرف پشت کیے کھڑی تھی۔ شائستہ نے ایک لمحے کے لیے گردن  
 موڑ کر دیکھا اور پھر ابہر کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"آج کل کیا مصروفیات ہیں؟"

"کوئی خاص مصروفیات نہیں ہیں۔"

"سب لوگ دو چار پارٹنر لوگوں کے ہیں گئے ہیں مگر تم سے ملاقات ہی نہیں ہو سکی۔ اس پارٹی میں ملاقات کے بعد آج ہی  
 ذات ہو رہی ہے اور وہ بھی ایک شاہک آرکائیڈ میں۔" شائستہ نے خوشگوار لہجے میں کہا "تم آؤ نا کسی دن ہماری طرف۔"

"لوگے۔ کی آئی گی تو میں بھی ان کے ساتھ آ جاؤں گی۔"

"خیزہ تو تم نے انویٹ کیا ہوا ہے۔ . . کہہ رہی تھیں کہ جلد ہی میری طرف آئیں گی۔" شائستہ نے کہا۔

"مگر آپ کا خاصا ذکر کرتی ہیں انہوں نے آپ سے وعدہ کیا ہے تو پھر بہت جلد آپ کی طرف آئیں گی۔" ابہر نے

کہا۔

"خیزہ خود بہت ابھی ہیں۔ خیرم شاہک کو تم میں نے فرمائو، وہیں اسٹرب کیا۔"

شائستہ نے مسکراتے ہوئے اس سے الوداعی کلمات کہے اور پھر ایک طرف چلی گئی۔ سب نے شائستہ کو ابہر سے ہاتھ

کرتے دکھایا تھا مگر وہ ان کی طرف نہیں آئی۔ جب امبر سہد کی طرف گئی تو اس نے امبر سے کہا۔  
"سز کمال جسما یہ؟"

"ہاں وی نہیں۔" امبر نے لا پرواہی سے سر ہلایا۔  
"ابھی خاتون ہیں۔" سہد نے تبہرو کیا۔ "بہت کانسٹری ہیں۔"  
"نہ صرف کانسٹری بلکہ بہت گریس فل اور گھیرس بھی ہیں۔" امبر نے اضافہ کیا۔ "وہوں اب شاہجہ آدکینے کے ہاں

والے حصے کی طرف جا رہی ہیں۔  
"ہاں گریس فل اور گھیرس تو ان کے شوہر بھی ہیں۔" سہد نے تبہرو کیا۔  
"ہوں گے مگر مجھے وہ پسند نہیں ہیں۔" امبر نے ناگواری سے کہا۔  
سہد نے قدرے حیرانی سے اسے دیکھا۔ "تھیں وہ پسند نہیں ہیں؟ تم کب ملی ہو ان سے؟" مگر یہ تو وہ جینی بارگی

آئے ہیں تمہاری ان سے ملاقات نہیں ہوئی۔" سہد نے کہا۔  
"ایک ملاقات تو اسی پارٹی میں ہوئی تھی جہاں پاپا کی بیٹی بارون کی فیملی سے متعارف ہوئے تھے۔ اور دوسری ملاقات چھ دن پہلے ایک میں ہوئی جہاں میں اور طلحہ کھانا کھانے کے لیے گئے تھے۔"  
سہد خاصی دلچسپی کے ساتھ سن رہی تھی۔  
"وہ خود ہماری ٹیم پر آگئے۔ طلحہ نے انہیں اپنے ساتھ کھانے کی آفر دی اور تم انہیں دیکھو۔" امبر نے تخر سے کہا۔  
"انہوں نے فوراً آفر قبول کر لی بلکہ بیٹھ گئے اسی وقت ہمارے ساتھ کھانا کھانے۔ مجھے تو بے حد ہراس آیا ان پر بھی اور خصوصاً پاپا

نہ یہ آفر کرتا۔ یہ ہمیں چپکتے۔"  
"کیا فرق پڑتا ہے اگر انہوں نے تمہارے ساتھ ڈنر کر لیا۔" سہد نے نرمی سے کہا۔ "طلحہ بھائی نے انہیں اس لیے انوائٹ کیا ہو گا کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ پاپا ان کے ساتھ کوئی جوائنٹ ڈنر کرنے والے ہیں بلکہ میرا خیال ہے یہ پاپا کے ساتھ چند بار کیشری بھی گئے ہیں۔"  
"تمہاری ان کے ساتھ اتنی بے تکلفی یا شناسائی تو نہیں تھی کہ وہ ایک رسمی دعوت نامہ اس طرح فوراً قبول کر لیتے۔ وہ بھی اس صورت میں جب وہ دیکھ رہے تھے کہ وہاں صرف میں اور طلحہ بیٹھے ہوئے ہیں وہ تو ہمارے رشتے سے بھی واقف ہوں گے پھر اس طرح مت اٹھا کر وہاں آکر بیٹھ جانا۔ حیرت ہے۔ وہ اتنے کامیاب کیسے ہیں جب اتنی چھوٹی چھوٹی باتوں کی بھی تیز نہیں ہے۔"

اور اس پر بھی یہ کہ وہ بات سے بات نکالنے کی کوشش کر رہے تھے۔ ضرورت سے زیادہ بے تکلفی کا مظاہرہ کر رہے تھے۔  
میں نے بھی سٹاکس صورت کے ظاہر کر دی دیا کہ مجھے ان کا وہاں بیٹھنا پسند ہے۔ آخر اٹھ کر چلے گئے۔" امبر نے کہا۔  
"وہ وہوں اب شاہجہ آدکینے کے اوپر والے حصے میں پہنچ چکی ہیں۔"  
"پاپا کی ان کے ساتھ بہت دوستی ہے۔ اگر انہوں نے پاپا سے شکایت کر دی تو؟ پاپا کتنا ناراض ہوں گے۔" سہد نے اس سے کہا۔  
"میں نہیں سمجھتی کہ وہ پاپا سے شکایت کریں گے۔ ویسے جسہیں یاد رکھنا چاہیے کہ پاپا ایک دوست کے لیے کبھی مجھے نہیں ڈانٹ سکتے۔" امبر نے قدرے غمزہ انداز میں کہا۔  
"ہاں میں جانتی ہوں لیکن اگر تمہارے رویے کی وجہ سے انہوں نے پاپا کے ساتھ بزنس ڈیلز ختم کر دیں تو پاپا کو کتنی

بیزسی اور نقصان ہوگا۔ جسہیں اس کا اندازہ ہونا چاہیے۔"  
"پاپا کا بزنس ان کا معراج نہیں ہے۔ ویسے بھی بارون کمال ہی پاپا کے ساتھ مل کر بزنس کر رہا چاہ رہے ہیں۔ پاپا نے ان سے ایسی کوئی خواہش ظاہر نہیں کی۔" امبر نے اسی انداز میں کہا۔



کر سیدھے گھر آ جائیں گے۔" وہ جوش سے پورا پروگرام سینٹ کر رہی تھی۔

"مگر میں نے تمہیں بتایا ہے ہاں آج میں بہت مصروف ہوں۔ مجھے بہت سے کام کرنے ہیں۔" شہیر نے ات سبھانے کی کوشش کی۔

"پلیز پلیز پلیز بھائی لے جائیں؟" اس بار اس نے منت سے کہا۔

"اچھا ٹھیک ہے۔ تم پکڑے تبدیل کرو چننے ہیں۔" شہیر نے اپنے بوٹ پیچھے رکھتے ہوئے کہا۔

"ہاں بے اختیار خوش ہو گئی۔ اور سخت سے اٹھ کر اپنی کتابیں سینٹے ہوئے کمرے میں چلی گئی۔

"ہی اس بھائی کے ساتھ آگس کریم کھانے جا رہی ہوں۔" اس نے قاطر سے کہا جو اٹھ کر سے ایک ٹیبلرین تڑپائی کرنے میں مصروف تھی۔

"مگر شہیر کو تو آج بہت کام کرنا تھا۔" قاطر نے اپنا ہاتھ روک کر کہا۔

"نہیں! نہیں تو کوئی کام نہیں ہے ہم ویسے بھی جلدی آ جائیں گے۔ وہ پندرہ منٹ میں۔" ہانی نے گول مول انداز میں بات کرتے ہوئے کہا۔

"اگر وہ پندرہ منٹ کی بات ہے تو پلے جاؤ مگر وہ پندرہ منٹ ہی گنتے چائیں۔ ایک دو گھنٹے نہیں۔" قاطر کو ان کا وہ شہیر کا پتا تھا۔

"نہیں امی! ایک دو گھنٹے نہیں گئیں گے۔ ہم واقعی جلدی آ جائیں گے۔" ہانی نے قاطر کو تسلی دی۔

"آپ تو می کو کیا تمہیں گی کہ میں کہاں گئی ہوں۔" اسے پکڑے نکالتے ہوئے اچانک خیال آیا۔

"کچھ نہ کچھ کہہ دوں گی۔"

"آپ اسے تمہیں کہ میں آگس کریم کھانے گئی ہوں تاکہ اس کو ذرا پتا چلے۔ بہت دکھ ہو گا اسے اور میرے تو کچھ نہ جانے گا جب میں واپس آؤں گی۔" ہانی کو اندازہ تھا۔

"نہیں میں اس سے یہ تو نہیں کہوں گی میں ویسے ہی کہوں گی کہ تم مارکٹ گئی ہو۔" قاطر نے ہی انداز میں کہا۔



"ہانی! قاطر نے اسے مخاطب کیا۔ وہ اس سے کچھ قاصرے پر ایک کتاب پڑھنے میں مصروف تھی۔ شر اور شہیر دوسرا کمرے میں تھے۔ دو دونوں دینا سوتے تھے جبکہ ہانی قاطر کے ساتھ اس کمرے میں سوئی تھی۔

"جی امی! وہ قاطر کی طرف متوجہ ہو گئی۔

"اس طرح شہیر کے ساتھ بیٹھتا اور اس کے گلے میں بائیس ڈالنا اب تم چھوڑ دو۔"

"کیوں امی؟" اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ "اب تم بڑی ہو گئی ہو اس طرح بچوں کی طرح ساتھ بیٹھنا مناسب بات نہیں ہے۔" قاطر نے نرمی سے کہا۔

"مگر امی! وہ میرے بھائی ہیں۔"

"وہ تمہارا بڑا بھائی ہے ہی لیے سبھاری ہوں۔ یہ بالکل مناسب نہیں لگتا کوئی دیکھے تو کیا سمجھے اور خود شہیر کو سختی شرمندگی ہوگی۔"

"مجھے پتا ہے امی۔ مگر وہ مجھے اتنے اتنے کہتے ہیں۔ اتنے اتھے کہتے تیرا کہ میرا خود بخود دل چاہتا ہے ان کے پاس بچنے کو۔ ان سے باتیں کرنے کو۔"

قاطر عجیب سے انداز میں اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

"میں جانتی ہوں وہ تمہارا بڑا بھائی ہے۔ پھر بھی اب تمہیں سیدھی اختیار کرنا چاہیے۔ کل کو وہ نہیں جھڑک دے تو تمہیں اتنا نہ لگے گا۔"





کوئی اونچی بات نہیں تھی۔ وہ جانتی تھی اس میں اتنی کشش تھی کہ وہ کسی کو بھی اپنی طرف متوجہ کر سکتی تھی۔

”میں سمجھ رہا تھا کہ میں جلدی پہنچ گیا مجھے انتظار کرنا پڑے گا۔“ منصور علی نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”میں انتظار کیوں کرنا پڑا۔۔۔ آپ وقت پر آئے ہیں۔“ رخصتی نے خواہمورت مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”بہت کم لڑکیاں ہی وقت کی پابندی کرتی ہیں۔“

”میں ان کم لڑکیوں میں سے ہوں۔“ رخصتی نے اسی برجستگی سے کہا۔

”ہاں رخصتی تو جہاں ہے کہ کسی بھی کام سے ایک منٹ کے لیے بھی لیٹ ہو جائے۔“ مسافرنے جھکی پارہن کی باتوں

میں مداخلت کی۔ ”یہ تو ہمیشہ ہر کام وقت پر کرتی ہے۔“

”اچھا کرتی ہیں۔“ منصور علی نے سراہا۔ ”بھری بھی ایسی ہی عادت ہے۔“

”جانا کجا امیرک عادت تو بالکل مختلف ہے۔“ مسافرنے کہا اور بے اختیار ہچکچاتی وہ موقع امیر کو یاد دلائے کہ انہوں نے

منصور علی کو کچھ گڑبڑائے۔ ان کی سمجھ میں نہیں آیا۔ وہ مسافرنے سے اس تہرے پر کیا کہیں۔ اس بار رخصتی ان کی مدد کو آئی۔

”مٹلے ہیں۔“ وہ یہ بوری ہے۔“ اس نے قدم آگے بڑھاتے ہوئے کہا۔ منصور علی نے اسے باہر نکلنے کے لیے راستہ دیا۔

اپنی گاڑی کے اندر بیٹھنے کے بعد انہوں نے رخصتی کے لیے فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھولا تھا۔ رخصتی باجھک اندر چڑھی۔ اس

کے انداز میں بے پناہ احمق تھا۔

گاڑی کو مین روڈ پر لانے کے بعد منصور علی نے باقاعدہ اس کے ساتھ مصحف کا آغاز کیا۔

”میں نے چند ایک پر اپنی ڈیٹرز کے ساتھ بات کی ہے۔ ان میں سے ایک مجھے کچھ زیادہ بہتر لگا۔ میں آپ کو اس کے

پاس لے کر جا رہا ہوں۔“ منصور علی نے کہا۔

وہ نہیں جانتے تھے کیوں مگر اس وقت اپنے برابر بیٹھی ہوئی رخصتی انہیں بہت اچھی لگ رہی تھی۔ وہ بہت سالوں کے بعد

ایک عجیب احساس سے دوچار ہو رہے تھے۔ حیزہ اور رخصتی کی رفاقت میں بہت فرق تھا۔ حیزہ کے سامنے وہ کم مرتبے تھے اور

رخصتی ان سے کم مرتبی۔ وہ شاید کبھی ان چیزوں پر غور کرنے کی عادت میں جھلا نہ ہوتے۔ یہ پاروں کمال کے ساتھ تفکرات

استوار کرنے کے بعد ہوا تھا کہ انہوں نے سنجیدگی سے ان معاملات کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا تھا۔ وہ عورتوں کی پاروں

کمال کے لیے پسندیدگی سے واقف تھے اور انہیں اس معاملے میں پاروں پر رشک بھی آتا تھا مگر اس وقت ساتھ چلی اپنی بیٹی کی

بہ عورتوں کی اس گاڑی میں موجودگی ان کے لیے آسمان کی سیر کے برابر تھی۔ ایک عجیب سی خوشی اور سکون کا احساس ہوا تھا۔

رخصتی نے ان کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا وہ صرف آہستہ سے مسکرا دی۔

”آپ کے گھر کا مسئلہ تو حل ہو جائے گا اس کے لیے آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“ منصور علی نے کہا۔

”مگر میں چاہتا ہوں کہ آپ بھی میرا ایک مسئلہ حل کرویں۔“

رخصتی ان کی بات پر حیران ہوئی۔ ”آپ کا مسئلہ۔۔۔ میں آپ کا کوئی مسئلہ کیسے حل کر سکتی ہوں؟“

منصور علی خوشگوار انداز میں مسکرائے۔ ”امیر نے مجھ سے کہا تھا کہ آپ چاب کرنا چاہتی ہیں۔ اتفاق دیکھیں کہ مجھے بھی

وہی کچھ عرصے سے اپنے آفس کے لیے بیکریز کی ضرورت ہے۔“

رخصتی گردن موزے انہیں دیکھتی رہی۔ اس کا دل اس وقت سوہیل فی مہندی کی رفتار سے تھڑک رہا تھا۔ شاید زندگی میں

پہلی بار اسے ایک کام کے لیے۔ بالکل ہی کوئی جدوجہد نہیں کرنی پڑی تھی۔ سب کچھ خود بخود ہی اس کی جھولی میں گر رہا تھا۔

”آپ سے بہتر یہ کام کوئی نہیں کر سکتا۔ میں نے ابھی امیر کو تو یہ بات نہیں بتائی کہ مجھے خود اپنے لیے بیکریز کی

ضرورت ہے۔ اور میں آپ کو یہ چاب آفر کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں مگر میں نے سوچا میں پہلے اس سلسلے میں آپ سے خود بات

کروں۔“

منصور علی شش لہجے میں اسے بتاتے ہوئے۔ رخصتی نے اپنے چہرے کو حتی المقدور بے تاثر رکھا۔

دلچسپ بات کرتے ہوئے کہتا ہے۔ "آپ کی نظر کی بہت بڑی ہے اور ہر ذاتی طور پر خود آپ کے لیے کام کرنا یہ تو بہت پہلے جنگ ہے۔ میں ایسا جانتا ہوں کہ آپ کو باب کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ اس کے باوجود میں آپ کو یہ باب آفر کر رہا ہوں تو اس کی کوئی تفسیر نہیں ہے۔" منصور علی نے کہا۔

اب اس کے بعد کرنے پر مجھے یہ باب آفر کر رہے ہیں میں جانتی ہوں مگر میں یہ نہیں جانتی کہ بھری جوتے آپ کو اس بات پر کوئی توجہ ہے کہ آپ میرے لیے کسی اور جگہ باب لے کر لیں۔ "رشی نے اسی انداز میں کہا۔

اب اس کے بعد کرنے پر مجھے یہ باب آفر نہیں کر رہا ہوں میں نے آپ سے کہا تھا کہ آپ میں بہت ٹیلنٹ ہے۔ تو رشی نے آپ کو فٹن لاس اور گورڈ میں اور خوبصورت بھی ہیں اور سیکرٹری کی جاب کے لیے انہیں چیخوں کی ضرورت ہے۔ یہ جاب آپ سے صرف جاب سے صرف جاب کا تعلق ہے تو آپ اس کے لیے باقاعدہ ٹریننگ دلائی جائے گی۔ آپ اپنی ٹیلنٹ کو بہتر بنانے کے لیے۔" منصور علی نے جیسے اسے یقین دلایا۔

"نیک ہے۔ آپ کا اسرار کر رہے ہیں تو میں انکار تو نہیں کر سکتی۔ مجھے بڑی خوشی ہوگی۔ بلکہ یہ میرے لیے اعزاز کی بات ہے کہ میں آپ کے ساتھ کام کروں گی۔" رشی نے بلاخر اپنی بھری۔

"میں آپ کو بہت اچھا لگتا ہوں گا۔ بہت زیادہ۔" منصور علی نے کہا۔ "بلکہ میں اس بات پر یقین بھی نہیں کرتی تھی کہ میں آپ کے ساتھ کام کروں گی۔ باقی چیخیں میرے لیے سب سے زیادہ اعزاز اور بوس لیا گیا ہے کہ میں آپ کے ساتھ آپ کے لیے کام کروں گی۔ باقی چیخیں بہت سمجھتی ہیں۔" رشی نے ان کی بات کے جواب میں چہرے پر جمیدگی لاتے ہوئے کہا۔ منصور علی اس کی بات پر خوش ہو گیا۔

ان کے درمیان منگھٹو کا سلسلہ جاری رہا۔ منصور علی نے زندگی میں کبھی کسی انجینی اور وہ بھی ایک لڑکی کے ساتھ اتنی باتیں نہیں کی تھی انہوں نے اس شام رشی کے ساتھ کین وہ بہت اچھی ساتھی تھی۔ دوسرے کی بات میں سختی تھی جیسے اس سے زیادہ دلچسپ بات اس نے پہلے کی تھی۔

پہلی دن کے اس جاننے کے بعد منصور علی نے اسے ڈنر کی دعوت دہی جسے رشی نے قبول کر لیا اس کے بعد بھی وہ رات بھر تک اناج اناج کرتے رہے۔ منصور علی نے ہر جگہ پر رشی کو توجہ کا مرکز بننے دیکھا تھا لوگوں کی نظروں میں اس کے لیے حائل کبھی تھی اور انہیں عجیب سے فخر کا احساس ہوا تھا۔ آخر وہ ان کے ساتھ تھی۔ اس رات رشی کے ساتھ کھوجے ہوئے انہیں امانت نکلی کی باتوں پر یقین آ گیا تھا۔ خوبصورت عورت کی انہوں میں واقعی جادو ہوتا ہے۔ ایسا جادو جو سچے ہر جگہ ہے۔ یہ وہ لڑکی ہے جو ہر جگہ میں پیش کر دہی جاسکتی ہے۔ اور اس کرنسی کی قیمت ہر جگہ میں ایک ہوتی ہے۔ رشی کے ساتھ ہر جگہ ہونے انہیں امانت اور ہاتھ کا اگر ان کے لیے رشی کے سامنے عزت کا مشکل اور ہاتھ تو باقی لوگوں کے لیے پیام کا مشکل ہوگا۔ اور انہیں یہ یقین بھی ہو گیا تھا کہ سیکرٹری کے طور پر وہ سوئٹل اور بزنس سرگھو میں انہیں بہت آگے لے جانے والی تھی۔ وہاں سے کہیں آگے جتنا انہوں نے سوجانا تھا۔

انہیں یہ احساس بھی ہو چکا تھا کہ رشی کا خاندان کوئی زیادہ اچھا نہیں تھا۔ رشی کا احمد اور احمد اس کی عمر کی لڑکیوں سے بہت زیادہ تھا اور ایسا محروم اور ایسا محروم اس طرح اور کس طبقے کی لڑکیوں میں ہوتا تھا کہ انہیں منصور علی اتنے بے خوف نہیں تھے کہ وہ جہاں پاتے اس کے باوجود عزت انگیز بات تھی کہ ان کے دل میں رشی کے لیے ہاؤسنگ کی نہیں تھی نہ ہی انہوں نے اس

کے مہرانے کے بارے میں کچھ جاننے کی کوشش کی اور شاید سب سے عجیب بات یہ تھی کہ ان کے دل میں رخصتی صورتی کی جیلی کے لیے کوئی اختیار کے جذبات بھی پیدا نہیں ہوئے تھے۔ رات ساڑھے دس بجے انہوں نے رخصتی کو اس کے گھر ڈراپ کیا۔ اور پیدل گھومنے سے گزرتے ہوئے ان کے مہرانے اندر اس کے ساتھ گئے۔

”اتنی دیر... میں تو پریشان ہو گئی تھی۔“ صاعقہ نے انہیں دیکھتے ہی قدم سے تلویش کے عالم میں کہا۔  
 ”بس امی... گھر دیکھنے چلے گئے تھے ہم۔“ رخصتی نے حزلے سے جھوٹ بولا۔ ”بھر وقت کا چای نہیں پیا۔ ضرور علی کو کچھ کہنے کی ضرورت نہیں پڑی۔“

”مجھے اندازہ تو تھا کہ اس کام میں خاصی دیر لگے گی۔ مگر پھر بھی مجھے پریشانی ہو رہی تھی۔ منصور صاحب! آپ آئیے! کھانا کھا کر واپس جائیں۔ آپ نے تو آج ہمارے لیے بہت وقت ضائع کیا۔“ صاعقہ نے اس بار منصور علی کو قہر سے مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں منصور صاحب! آپ آئیں۔“ رخصتی نے بھی صاعقہ کی بات میں ہلکا سا دھڑکنے کا نشانہ دیا۔

”نہیں کھانے کی ضرورت نہیں ہے۔“ منصور علی نے کہا۔

”امی! کھانا تو منصور صاحب نے مجھے کھلا دیا۔“ رخصتی نے منصور کی تائیدی کی۔

”بہت سی اچھے آدمی ہیں منصور صاحب۔“ آج واقعی ہمارے لیے انہوں نے اپنا بہت سا وقت ضائع کیا۔“ رخصتی نے معذرت خواہانہ نظروں سے منصور علی کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”کوئی بات نہیں۔۔۔ بار بار اس بات کا ذکر کر کے مجھے شرمندہ نہ کریں۔۔۔ میں ضرور کھانا کھاتا اگر پہلے کھانا نہ کھا پاتا۔۔۔ لیکن اب مجھے گھر جانا ہے۔ بہت دیر ہو رہی ہے۔“ منصور علی نے گھڑی دیکھتے ہوئے کہا۔

”پہنچے پانے تو ضرور لپی جائیں۔“ رخصتی نے اصرار کیا اور منصور علی اس بار کچھ نہیں کہ سکے۔ وہ ان کے ساتھ اتار چلے گئے۔ آدھ گھنٹہ حزیہ وہاں بیٹھنے کے بعد جب وہ سوا گیارہ بجے کے قریب وہاں سے باہر نکلے تو انہیں عجیب سی کیفیات کا سامنا تھا۔ وہ ان کی زندگی کی سب سے اچھی شاموں میں سے ایک تھی اس بات میں انہیں کوئی شبہ نہیں تھا اور ان کا سوا اس وقت بے حد خوشگوار تھا۔ مگر تلویش کی بات ان کے لیے یہ تھی کہ ان کا دل صاعقہ کے گھر سے آنے کو نہیں چاہتا تھا۔ وہ وہاں اور چھینٹا چاہتے تھے وہاں سے باہر نکلنے کے بعد ایک دم بہت سالوں کے بعد انہیں پہلی بار بے تحاشا تمہائی کا احساس ہوا۔

☆☆☆

”جاب کی آفر کی ہے منصور علی نے مجھے۔“ اس رات منصور علی کے جاننے کے بعد رخصتی نے صاعقہ سے کہا۔  
 ”اچھا۔۔۔ تم نے کیا کہا؟“ صاعقہ سکرانی۔

”میں نے قبول کر لی۔ جب کی تلاش تو مجھے پہلے ہی تھی۔“ رخصتی نے اپنے جوتے کے اسٹریپس کھولتے ہوئے کہا۔

”کچھ زیادہ سی جلدی آفر نہیں کر دی اس نے؟“ صاعقہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”ہاں میں خود بھی حیران ہوئی تھی۔ مجھے تو قہر نہیں تھی کہ وہ اتنی جلدی یہ آفر کریں گے۔ مگر مجھے لگا ہے وہ کچھ زیادہ سی دلچسپی لینے لگے ہیں مجھ میں۔“ رخصتی نے تبصرہ کیا۔

”اور یہ یقیناً امبر کی وجہ سے تو نہیں ہوگی۔“

”نہیں! یہ امبر کی وجہ سے تو نہیں ہو سکتی۔۔۔ صرف امبر کے کہنے پر تو منصور جیسے معروف آدمی اس طرح مجھے لے چکے ہوتے۔“  
 ”نہیں پھر سکتے۔ آخر میرا اور ان کا تعلق ہی کیا ہے۔ اور منصور علی کوئی اتنے مہربان اور خوش اخلاق آدمی بھی نہیں کہ ہر ایک کا اتنا خیال کریں۔ مجھے اندازہ ہو گیا ہے وہ مجھ میں دلچسپی لے رہے ہیں اور۔۔۔ شاید سکرٹری کی یہ وجہ بھی انہوں نے اسی دلچسپی کے پیش نظر میرے لیے رکھی ہے۔“ رخصتی نے اس بار قدم سے جھجکے ہوئے کہا۔



### بارہواں باب

”تم میرا کروہری طرف آ جاؤ۔ یہاں سے اگلنے ہی تو تڑو کی برتھ ڈے پر بیٹھ گے۔ پیلے کھوتہ رتھو گزرن گے۔ سچ تم میرے گھر پر ہی کرنا۔ اس کے بعد شام کو تڑو کی طرف بیٹھ گے۔ بعد میں میں تمہیں ڈراپ گراؤں گی۔ تم نے فون پر تمام پروگرام طے کرتے ہوئے رخصتی سے کہا۔ ”وہ بے بسی کافی دن ہو گئے تیرا میں اگلنے ہوئے۔“

”پلو ٹھیک ہے میں آ جاؤں گی۔“ رخصتی رخصتہ ہو گئی۔

”میں دس بیچے ڈراؤں گے۔ کوئی گھوڑا دوں؟“

”دس بیچے...؟ اتنی جلدی میں آ کر کیا کروں گی؟ تمہیں تم بارہ بیچے کے قریب بھجوانا۔“

”کوئی نہیں۔ میں اس بیچے کے قریب ہی بھجوا رہی ہوں۔ تم بس تپو رہنا۔“ سہرنے اس کی بات نہ کرنے سے نہ ہوا۔

”سہرا! جھٹی کا دن ہے۔ میں تو سوری ہوں گی اس وقت۔“ رخصتی نے کھما حجاج کرنے کی کوشش کی۔

”تم میری طرف آ کر سو جاؤ اور نہ بھی سوؤ گی تو کیا فرق پڑے گا جانتی ہو کہ ہم اگلنے کا انجانے کرنے لے رہے

نے کہا۔

”سہرا چلیک ہے۔ میں آ جاؤں گی۔ کوئی اور علم؟“ رخصتی نے معنوی جھید کی کے ساتھ پوچھا۔

”سہرا اس کی بات پر ہنسی۔ ”تمہیں اور کوئی حکم نہیں تم نہ تو تمہاری جاب کسی جاری ہے۔“

”جاب تو بس ٹھیک ہی جاری ہے۔ ابھی تو شروع کی ہے۔ بیکٹا پڑ رہا ہے سب جگہ۔“ رخصتی نے کہا۔

”پاپا تو بڑی تعریف کر رہے ہیں تمہارے کام کی۔“ سہرنے کہا۔

”تمہارے پاپا ویسے ہی بہت حوصلہ افزائی کرتے رہتے ہیں کوئی اور پاس ہوتے تو میں تو شاید کام دیکھ کر ہوا کی بجائے

مگر تمہارے پاپا بہت گائیڈ کر رہے ہیں۔“ رخصتی نے کہا۔

”نہیں۔ تم جیتے اپنا کام کر رہی ہو گی یا تمہارے کام میں پارک ہو گا۔ ہونہ پاپا کام کے معاملے میں لاکھ دن آ رہی ہیں تو۔ نہ ہی بڑا ایک کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں۔“ سہرنے کہا۔ ”اور تو اس معاملے میں ضرور سہرا کی طرف

بٹھتے ہیں۔“

”پھر یہ تمہاری وجہ سے ہو گا۔ آخر انہوں نے مجھے تمہارے رطرس سے چاہ دی ہے۔“

”اب تم بار بار یہ یاد دلانے کی کوشش نہ کرو۔۔۔ کہ انہوں نے تمہیں میرے کہنے پر چاہ دی ہے۔ انہوں نے کہا کہ

”کو تو رکنا تھا اور تم سے بہتر چاہس ان کے لیے اور کیا ہو سکتی تھی۔ کوئی اور ان کے لیے اتنی محنت سے کام کی نہیں کرتا۔“

”تمہیں کیا پتا کہ میں محنت سے کام کر رہی ہوں؟“ رخصتی نے مذاق کیا۔

”مجھے پتا ہے تم محنت سے ہی کام کر رہی ہو گی۔ میں تم کو ابھی طرح جانتی ہوں۔“ سہرنے نے اسے پیش سے کہا۔

”وہیے بھی پاپا سے تمہارے بارے میں پوچھتی رہتی ہوں۔ اگر تم میرا کام نہ کر رہی ہو تو مجھے خرابی لگتی کہ میرا

نہادی دوست اور کہ کہ صحبت کا اظہار ہو گیا ہوں۔ وہ تو کوئی کام ہی نہیں کرتی۔ عرضوں نے تو مہیا پتہ نہیں کہا۔ اور میں نے نہیں بتایا ہے اور تمہاری تعریف کرتے رہتے ہیں۔" امبر نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔  
"وہ خود بہت اچھے ہیں۔ تم بہت لگی ہو کہ وہ تمہارے قادر ہیں۔"

امبر نے قدرے فخر سے کہا۔

"اس میں تو فخر کوئی شک کی بات نہیں ہے میں واقعی بہت لگی ہوں کہ میں ان کی بیٹی ہوں مگر وہ بھی بہت لگی ہیں کہ وہ مجھے قادر ہیں۔" رخصتی نے اس بار قدر سے بے تاثر لہجے میں اس کا جملہ دہرایا۔  
چونتہ اور بات کرنے کے بعد امبر نے فون بند کر دیا وہ بے حد غمگین اور سوڈا میں تھی۔

☆☆☆

امبر نے ٹیکہ دہن بیچے اور اٹھ کر اسے لینے کے لیے بھجوا دیا تھا۔ وہ جب گھر پہنچی تو امبر کچھ دیر پہلے ہی سو کر اٹھی تھی۔  
"خود ہی سو کر اٹھی ہو اور مجھے تو سنے نہیں دیا۔" رخصتی نے اس کا طرہ دیکھتے ہوئے کہا۔  
"خود ہی تو تمہارے لیے ہی اتنی جلدی اٹھ گئی ہوں اور تم جانتی ہو میں اتنی جلدی تو نہیں اٹھ سکتی۔" امبر نے کسی خدمت کے بغیر کہا۔ وہ بجائی لے رہی تھی۔

"تم جنوں میں صرف وہی منت میں شاہد لے کر آتی ہوں۔" امبر نے اس سے کہا۔

وہ منت کے بعد وہ واقعی وہاں کر کے مس تھی۔ رخصتی کے بعد دیکرے سیکرین دیکھ رہی تھی۔ امبر کو باہر نکلے دیکھ کر اس نے بیگن رکھ دیا۔ امبر نے ناشتا اپنے کمرے میں ہی منگوا لیا۔

شام چار پانچ بجے تک وہ دونوں دین کر کے میں بیٹھی باتیں کرتی رہیں پھر امبر تازہ کی برتنوں سے پانی میں حرکت کرنے کے لئے تیار ہونے لگی۔ اس نے باری باری اپنی ہار اور روپ سے کپڑے نکال کر رخصتی کو دکھانے شروع کر دیے۔  
"کون سا سوٹ پہننا چاہیے مجھے؟"

رخصتی نے ساتھی ٹکڑوں سے اس کے کپڑوں کو دیکھا۔ امبر اگر من میں سے کوئی ایک لباس پہننے میں ناکام ہو رہی تھی تو یہ کئی جہوں کی بات نہیں تھی وہ لمبھسات کسی کو بھی اس الجھن کا اظہار کر سکتے تھے۔  
"یہ اچھا ہے یہ مہن لو۔" رخصتی نے کچھ دیر ان کپڑوں کا جائزہ لینے کے بعد ایک خوبصورت سیاہ سوٹ اٹھا کر کہا۔

"ہاں۔ مجھے خود بھی یہ بجز رنگ رہا تھا۔ یہ کچھ دنوں پہلے ہی خریدا ہے میں نے۔۔۔ ابھی تک پہنا بھی نہیں ہے۔ امبر نے ایک نظر اس سوٹ پر ڈالے ہوئے کہا۔  
رخصتی اب اپنی سوٹ باری باری اٹھا کر وہاں روپ میں دکھا رہی تھی۔ ایک سی گرین سوٹ کو اٹھاتے ہوئے وہ بے اختیار

کہا۔ "وہ بہت خوبصورت سوٹ تھا۔ اتنا خوبصورت کہ وہ اس پر سے اپنی نظریں ہٹا نہیں پائی۔" وہ ڈریگ بھیل کے سامنے اس سوٹ اپنے جسم کے ساتھ لگا کر دیکھنے لگی۔  
"ہاں۔ اتنا اچھا لگ رہا ہے تم پر۔" امبر کہتے ہوئے خود بھی ڈریگ بھیل کے قریب آ گئی۔

"پہنا بہت خوبصورت ہے مگر بھی اور فکر ایڈوری بھی۔" رخصتی نے آئینے میں خود کو دیکھتے ہوئے کہا۔  
"تم کو یہ کون؟" امبر نے اس سے کہا۔

"مطلب یہ کہ تم یہ کون؟" رخصتی نے پوچھا۔ "تمہارے پر جانے کے لیے۔"

متم بھی مدد کرنا ہو۔۔۔ میں تو تیار ہو کر آئی ہوں۔ یہ دیکھ نہیں رہیں۔" رخصتی نے قدر سے مزید کہا کہ سوٹ اپنے جسم سے لگتا ہے اتنا اچھا ہے جتنا۔۔۔ اس سے بھی پرس کر رہی ہوں۔" امبر نے اس سے سوٹ بھول کر

"نہیں امبروہ نے... اس کی ضرورت نہیں ہے۔" رخصتی نے اس سے کہا۔

"ضرورت ہے... بس تم چپ رہو۔" وہ ایک بار بھرا اپنے بند روہ کا دوا دوا کھول کر ملازمہ کو دیکھنے لگی۔ رخصتی اب اختیار یہ سوچ کر خوشی ہوئی کہ کچھ دیر بعد وہ لباس اس کے جسم پر ہو گا۔ اسے واقعی وہ بہت پسند آیا تھا۔

"تہہ دار انا سوت تھا تم نے خواہ مخواہ..." امبروہ کے واپس اتر آئے پر اس نے ایک بار بھرا کہنا چاہا مگر امبروہ قدرے لاپرواہی سے اس کی بات کاٹ دی۔

"کچھ نہیں ہوتا میرے پاس کپڑوں کا انبار لگا ہوا ہے۔ مجھے تو بعض دفعہ نئے کپڑے خریدنے یا سوانے کے بھری پٹی یاد نہیں رہتا کہ میں نے انہیں پہنا ہے یا نہیں... اور کئی بار تو کپڑے اس طرح کئی کئی ماہ پڑے رہ چکے ہیں۔"

رخصتی نے اس کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ خاموشی سے دوپہر اور دوپہر میں کپڑے لٹکانے لگی۔ تقریباً پون گھنٹہ کے بعد وہ دونوں تیار ہو کر لاؤنج میں آ گئی تھیں۔ امبروہ اچانک کوئی کام یاد آ گیا۔

"تم بیٹھو میں صرف چند منٹوں میں آتی ہوں۔" وہ اس سے کہتے ہوئے خود وہاں اپنے کمرے میں جا گئی۔ جس وقت وہ لاؤنج سے سے نکل رہی تھی اس وقت میزبانہ اندر داخل ہوئیں۔ وہ شاہک سے واپس آئی تھیں۔ ہارٹھیم کے پیچھے شاہزادہ اٹھائے ہوئے تھا۔ رخصتی انہیں دیکھ کر صوفے سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ میزبانہ کے چہرے پر اسے دیکھ کر بے حد دلچسپی سے تاثرات آئے تھے۔ انہوں نے ایک نظر میں ہی اس کے جسم پر موجود سوٹ کو پہچان لیا تھا اور اس بات نے ایک ماہرین کی نظر میں اضافہ کیا تھا۔ وہ سوٹ ایک بہتر پہنے ہی وہ امبروہ کے لیے خرید کر لائی تھیں۔ انہیں پتا تھا کہ امبروہ نے ایک ماہرین کی نظر میں سوٹ کو نہیں پہنا اور اس لیے اسے رخصتی کے جسم پر دیکھ کر انہیں فضا آنا فطری بات تھی۔ انہیں نہ صرف رخصتی پر فضا باقی تھی بلکہ ہر پر بھی فضا آیا تھا۔ رخصتی نے انہیں سلام کیا۔ جس کا جواب میزبانہ نے بڑی نخوت سے دیا۔ جواب دیتے ہی وہ ڈراماٹک طور پر شاہزادہ کے کمرے میں رکھنے کے لیے کہنے لگیں۔

رخصتی کی نروس نہیں میں اضافہ ہو گیا۔ میزبانہ کے سامنے وہ بیٹھ اسی طرح نروس ہو جاتی تھی۔ میزبانہ کی نظروں میں بیٹھی بہت چھپتی ہوئی ہوتی تھیں اور ان کی گفتگو بھی اسی طرح کی ہوتی تھی۔ رخصتی اتنی بے وقوف نہیں تھی کہ وہ یہ بات سمجھ نہ سکتی کہ میزبانہ اسے پسند کرتی تھیں اور اس احساس نے اس کے دل میں بھی میزبانہ کے لیے ناپسندیدگی کو جنم دیا تھا۔ وہ اس وقت بھی یہ سمجھ نہیں پا رہی تھی کہ اسے صوفے پر بیٹھ جانا چاہیے یا اس طرح کھڑے رہنا چاہیے۔ کیونکہ میزبانہ نے اسے بیٹھنے کے لیے مجبور کیا تھا اور خود بھی میزبانہ بھی کھڑی تھیں۔

میزبانہ اب صوفے پر بیٹھ گئی تھیں۔ "بیٹھو... تم سے مجھے کچھ باتیں کرنی ہیں۔"

انہوں نے رخصتی سے کہا۔ وہ ان کی بات پر کچھ حیران... اور... شاید کسی حد تک حیران بھی ہو گئی۔ کیا وہ منصور علی حوالے سے اس سے کوئی بات کرنا چاہتی تھیں یا پھر اس کی جا ب کے حوالے سے؟ اس نے اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

"کچھ ہفتے پہلے تم نے ظلو کو فون کر کے اپنے گھر بلایا تھا۔ کیوں؟"

رخصتی اس سوال کا کوئی جواب نہیں دے سکی۔ وہ اس سوال کی توقع نہیں کر رہی تھی۔ میزبانہ کا لہجہ بہت ترش اور ان کے چہرے کے تاثرات بہت عجیب تھے۔

"نہیں... مجھے کچھ مدد کی ضرورت تھی۔" وہ بے اختیار آئی۔ وہ نہیں جانتی تھی کہ میزبانہ کو ظلو سے رابطے کے بارے میں کس نے بتایا تھا۔ جس نے بھی بتایا تھا اس نے اس وقت رخصتی کے لیے بہت زیادہ پریشانی کھڑی کر دی تھی۔

"کس طرح کی مدد کی ضرورت تھی؟ مالی مدد کی؟" رخصتی کا چہرہ سرخ ہوا۔ میزبانہ کا انداز بے حد جنگ آہن تھا۔

"اگر مالی مدد کی ضرورت تھی تو تم امبروہ سے کہتیں۔ یا مجھ سے کہتیں... مگر... اس طرح ظلو تک پہنچنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"نہیں آنٹی! مجھے مالی مدد کی ضرورت نہیں تھی۔"

تو سنا ہوا

تو سنا ہوا یہی نہیں ہے۔ میری بہن! یہ تو سنا ہوا ہے۔ "ریشی بول نہیں سکی۔ خیزہ کو دوسروں کو ڈھیل کرنے کے لئے یہ سنا ہوا ہے۔" خیزہ نے کہا۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ میں نے سنا ہے کہ تم نے اس کو کھانا کھانے کے لئے کہا ہے۔" خیزہ نے کہا۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ میں نے سنا ہے کہ تم نے اس کو کھانا کھانے کے لئے کہا ہے۔"

خیزہ نے کہا۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ میں نے سنا ہے کہ تم نے اس کو کھانا کھانے کے لئے کہا ہے۔" خیزہ نے کہا۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ میں نے سنا ہے کہ تم نے اس کو کھانا کھانے کے لئے کہا ہے۔"

خیزہ نے کہا۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ میں نے سنا ہے کہ تم نے اس کو کھانا کھانے کے لئے کہا ہے۔" خیزہ نے کہا۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ میں نے سنا ہے کہ تم نے اس کو کھانا کھانے کے لئے کہا ہے۔"

خیزہ نے کہا۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ میں نے سنا ہے کہ تم نے اس کو کھانا کھانے کے لئے کہا ہے۔" خیزہ نے کہا۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ میں نے سنا ہے کہ تم نے اس کو کھانا کھانے کے لئے کہا ہے۔"

خیزہ نے کہا۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ میں نے سنا ہے کہ تم نے اس کو کھانا کھانے کے لئے کہا ہے۔" خیزہ نے کہا۔ "میرا مطلب یہ ہے کہ میں نے سنا ہے کہ تم نے اس کو کھانا کھانے کے لئے کہا ہے۔"



ابرو کو اس کے انکار سے تسلی نہیں ہوئی چاہئیں کیوں اس کی چھٹی حس کہہ رہی تھی کہ رخصتی اور خیزو کے ملاپ کا دلچسپ ضرور ہوئی تھی۔

”وہ مجھ سے میرا حال چال پوچھ رہی تھیں۔“ رخصتی نے عجب سے لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا۔ ”اس سوٹ کی نمونہ کر رہی تھیں کہ یہ مجھ پر بہت اچھا لگ رہا ہے۔“

”اے یہ مکی نے کہا؟“ ابرو اپنی حیرت چھپائیں گی۔ ”میں تو سمجھ رہی تھی کہ وہ ناراض ہوں گی۔ انہیں نے کچھ نہ ضرور لیا ہوگا اس سوٹ کو۔“

”ہاں انہوں نے بچکانہ یہ تو مگر وہ ناراض نہیں ہوئیں بلکہ خوش ہوئی تھیں۔ تمہاری مکی بہت صبرانہ تھی۔“ ابرو دیکھتے ہوئے عجب سے انداز میں کہا۔

”اور ایسے صبرانہ لوگ بہت کم ہوتے ہیں۔“

”ہاں مکی اچھی تھی۔ میں کبھی کبھی ذرا عجیب باتیں کر دیتی تھی مگر وہ واقعی بہت کانتہ تھی۔“ ابرو نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کی تائید کی اس نے رخصتی کے چہرے کے جھڑکے پر غور کیا یا تو وہ اس پر باہر پورے میں مٹری گاڑنی میں بیٹھ رہی تھیں۔

ملاقات

”آپ آج کل کچھ پریٹن ہیں؟“ خیزو نے اس رات منصور علی سے پوچھا۔ وہ سونے کی تیاری کر رہے تھے۔ بات پر اچانک چونک گئے۔

”نہیں۔۔۔ کیوں؟ تم کیوں پوچھ رہی ہو؟“

”ویسے ہی مجھے لگ رہا ہے کہ آپ آج کل بہت پریٹن ہیں۔“ خیزو نے اطمینان سے کہا۔

”میں پریٹن نہیں ہوں صرف معروف ہوں۔“ منصور علی نے قدوے لہجے سے انداز میں کہا۔

”نہیں کوئی نہ کوئی بات تو ہے۔۔۔ جو آپ مجھے نہیں بتا رہے۔“ خیزو مصر ہو گئیں۔

”تمہارا کیا خیال ہے۔۔۔ کیا بات ہے جو میں تمہیں نہیں بتا رہا۔“ منصور علی نے اس بار بہت سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”مکی تو میں آپ سے چنانچہ پوری ہوں۔ خود مجھے کیسے پتا چل سکتا ہے کہ آپ کو کیا پریٹن ہے۔“

”تم جانتی ہو میں نئی قینٹری لگانے کے لیے بیچے ورک کر رہا ہوں۔ کچھ اپنی قینٹری کی مصروفیات ہیں اب ذرا خیزو نے اسے ساتھ ساتھ یہ مصروفیات بتائیں گی۔ تم نہیں ہوں گی۔“ منصور علی نے کہا۔

”مگر آپ اب رات و دہشت ہی دیر سے آنے لگے ہیں ایسا ہر رات ہی ہو رہا ہے۔“ خیزو نے اعتراض کیا۔

”جس میں بتایا تو ہے میں نے کتنی قینٹری کے سلسلے میں بہت مصروف ہوں۔“

”مگر آپ ضرور اور ہم سب کو بھی بہت خراب انداز کرنے لگے ہیں۔ بائبل وقت ہی نہیں دیتے ہمیں۔“ خیزو نے تباہ لہجہ میں کہا۔

”تم خود مگر کو وقت دیتی ہو۔؟“ اس بار وہ بے اختیار چلے۔ ”تم خود سارا دن ادھر سے ادھر بائبل لہو لٹاؤ گے سینٹرو میں پھرتی رہتی ہو۔ پھر تمہیں میرے گھر پر توجہ دینے کا خیال کیسے آ گیا؟“

خیزو جرمانی سے منصور علی کا چہرہ دیکھنے لگیں۔ ”منصور آپ کس طرح کی بات کر رہے ہیں؟“

”کس طرح کی بات۔۔۔؟ جو سچ ہے وہی کہہ رہا ہوں۔ تمہیں واقعی گھر سے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور تم مجھ سے ان طرہ بات کر رہی ہو جیسے گھر کے علاوہ تمہیں کسی اور چیز کی پروا ہی نہیں ہے۔“ وہ جیسے پھٹ چلے تھے۔ ”میں نے آنا نہ کیا تم سے یہ نہیں کہا کہ تم بائبلوں میں پھرنا اور رشتہ داروں کے گھروں کے پکڑ لگانے کم کرو۔ کچھ توجہ گھر پر دو۔۔۔ مجھ پر۔۔۔“

تو سنا ہوا

زادہ ہو سب کچھ کہہ رہی تھی۔ چہ بخت میں اپنے کاموں میں مصروف کیا ہو گیا۔ تم اس طرح دکھائوں کے دفتر کھول  
 زندگی گزارنا ہے کہ میں سارا دن ساری رات تم لوگوں کے لیے غور ہوتا ہوا ہوتا ہوں۔ صرف دکھائیں اور  
 میں نے آج ہی نہیں۔ "خیزو صاحبہ یہ گھر اور یہ پیش و آرام میری اسی طعن رات کی محنت کی وجہ سے ہی آپ کو  
 "خیزو صاحبہ یہ گھر اور یہ پیش و آرام میری اسی طعن رات کی محنت کی وجہ سے ہی آپ کو  
 "خیزو صاحبہ یہ گھر اور یہ پیش و آرام میری اسی طعن رات کی محنت کی وجہ سے ہی آپ کو

فریاد اور بھی بہت سے ہوتے ہیں۔ صرف میرا دماغ چٹائی ہی تیار سے فریاد میں  
 فریاد اور بھی بہت سے ہوتے ہیں۔ صرف میرا دماغ چٹائی ہی تیار سے فریاد میں

خیزو صاحبہ! "خیزو صاحبہ یہ گھر اور یہ پیش و آرام میری اسی طعن رات کی محنت کی وجہ سے ہی آپ کو  
 "خیزو صاحبہ یہ گھر اور یہ پیش و آرام میری اسی طعن رات کی محنت کی وجہ سے ہی آپ کو  
 "خیزو صاحبہ یہ گھر اور یہ پیش و آرام میری اسی طعن رات کی محنت کی وجہ سے ہی آپ کو

خیزو صاحبہ! "خیزو صاحبہ یہ گھر اور یہ پیش و آرام میری اسی طعن رات کی محنت کی وجہ سے ہی آپ کو  
 "خیزو صاحبہ یہ گھر اور یہ پیش و آرام میری اسی طعن رات کی محنت کی وجہ سے ہی آپ کو  
 "خیزو صاحبہ یہ گھر اور یہ پیش و آرام میری اسی طعن رات کی محنت کی وجہ سے ہی آپ کو

خیزو صاحبہ! "خیزو صاحبہ یہ گھر اور یہ پیش و آرام میری اسی طعن رات کی محنت کی وجہ سے ہی آپ کو  
 "خیزو صاحبہ یہ گھر اور یہ پیش و آرام میری اسی طعن رات کی محنت کی وجہ سے ہی آپ کو  
 "خیزو صاحبہ یہ گھر اور یہ پیش و آرام میری اسی طعن رات کی محنت کی وجہ سے ہی آپ کو

خیزو صاحبہ! "خیزو صاحبہ یہ گھر اور یہ پیش و آرام میری اسی طعن رات کی محنت کی وجہ سے ہی آپ کو  
 "خیزو صاحبہ یہ گھر اور یہ پیش و آرام میری اسی طعن رات کی محنت کی وجہ سے ہی آپ کو  
 "خیزو صاحبہ یہ گھر اور یہ پیش و آرام میری اسی طعن رات کی محنت کی وجہ سے ہی آپ کو

خیزو صاحبہ! "خیزو صاحبہ یہ گھر اور یہ پیش و آرام میری اسی طعن رات کی محنت کی وجہ سے ہی آپ کو  
 "خیزو صاحبہ یہ گھر اور یہ پیش و آرام میری اسی طعن رات کی محنت کی وجہ سے ہی آپ کو  
 "خیزو صاحبہ یہ گھر اور یہ پیش و آرام میری اسی طعن رات کی محنت کی وجہ سے ہی آپ کو

خیزو صاحبہ! "خیزو صاحبہ یہ گھر اور یہ پیش و آرام میری اسی طعن رات کی محنت کی وجہ سے ہی آپ کو  
 "خیزو صاحبہ یہ گھر اور یہ پیش و آرام میری اسی طعن رات کی محنت کی وجہ سے ہی آپ کو  
 "خیزو صاحبہ یہ گھر اور یہ پیش و آرام میری اسی طعن رات کی محنت کی وجہ سے ہی آپ کو

خیزو صاحبہ! "خیزو صاحبہ یہ گھر اور یہ پیش و آرام میری اسی طعن رات کی محنت کی وجہ سے ہی آپ کو  
 "خیزو صاحبہ یہ گھر اور یہ پیش و آرام میری اسی طعن رات کی محنت کی وجہ سے ہی آپ کو  
 "خیزو صاحبہ یہ گھر اور یہ پیش و آرام میری اسی طعن رات کی محنت کی وجہ سے ہی آپ کو

اس بار منصور علی نے کچھ نہیں کہا۔ وہ اٹھ کر کمرے ہوئے اور بیڈ کا سائینڈ پیس الٹی کر کر کے سے نکل گئے۔ جیوہا  
چرے کے ساتھ انہیں... کمرے سے نکلے ہوئے دیکھتی رہیں۔

☆☆☆

سڑک پر ٹریفک نہ ہونے کے برابر تھی۔ یہ ایک ذیلی سڑک تھی اور چانی اور ٹوٹی تھوڑی دیہ پیلے سی سڑک سے سرحد  
کے لیے اس پر سڑے تھے۔ سڑک کے دونوں اطراف 2 سے 2 کے گھروں کی ایک لمبی قطار تھی۔ اور ان کے آگے ٹھہرے  
لوہے کے اونچے درخت بھی تھے جن کی شاخوں نے سڑک کو جگہ جگہ سے اچانک ہوا تھا۔ گرمی کے موسم میں یہ سڑک سڑک  
ہارے راستے میں ان کے بچے آسودگی کی واحد جگہ تھی۔

ٹوٹی اس سڑک پر پھرتے ہوئے چارمن کے درختوں سے گھرنے والی جامنوں کو اٹھا کر لیتا۔ وہیں کسی گھر کے درخت  
ہوئے سبزے میں موجود گل سے انہیں دھونے اور پھر پانی کا راستہ وہ چارمن کھاتے ہوئے طے کرتے۔

آج بھی وہ جی کر رہے تھے۔ ٹوٹی سائیکل پر دونوں بیک رکھے سائیکل کا ہینڈل پکڑے پیدل گل رہا تو درخت  
وٹھے سے اس قدرے میں موجود جامنیں بھی کھا رہا تھا جو اس نے کچھ دیر پہلے اکٹھی کر کے چانی کو کھائی تھی۔

"ایک بات تو طے ہے میں بڑا ہو کر جامن کا ایک باغ ضرور خریدوں گا۔" ٹوٹی نے اپنے منہ سے ایک جھمکی کاٹے  
ہوئے اسے پارٹی طاقت سے دور پھینکا۔ "اس میں کم از کم جامن کے سو درخت ضرور ہوں گے۔ اب مجھے یہ یاد آ رہا ہے کہ  
درخت کافی ہیں یا نہیں۔ چنی! سو درختوں کے ایک ہاش کے بے تھی زمین چاہیے؟" اس نے اچانک چانی سے پوچھا۔

"مجھے نہیں پتا میں نے کبھی جامن کا باغ نہیں لگایا۔" چانی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔  
"میرا خیال ہے ایک مرتب کافی ہے۔ اگر تم پر مٹی تو اور خرید لوں گا اور اگر زیادہ ہو مٹی تو..."

"تو سچ دینا۔" چانی نے اس کی بات کاٹتے ہوئے مشورہ دیا۔  
"نہیں بچوں گا تو نہیں۔ میں بانی زمین پر آم کا ہوں گا۔" ٹوٹی نے اسی انداز میں کہا۔ "میں دنیا کی ہر جگہ دوڑتی  
جامن وہاں پر اگاؤں گا۔ اور گریس کے سیزن میں صرف جامن ہی کھایا کروں گا۔ جامن کے درخت کی عمر کیا ہوتی ہے؟"

اس نے پھر چانی سے پوچھا۔  
"میں نہیں جانتی۔"  
"اچھا سنی دیر میں پس دینے مٹا ہے؟"  
"یہ بھی نہیں پتا۔"

"یہ تو پتا ہو گا کہ ایک درخت سے تقریباً تھی جامن اتاری جا سکتی ہیں؟"  
"میرا خیال ہے چند وہیں بزار تو اتاری ہوں گی۔"

چانی کی پیشانی پر ہلکا سا ہنسنے لگا۔ "کس قدر بے وقوف آدمی ہو! کبھی جامن گھن کر خریدی ہیں تم نے؟"  
"تمہارا مطلب ہے مقدار ہوتی ہے۔ ہاں ٹھیک ہے ایک سیزن میں ایک درخت سے دو چارمن تو اتارے ہی جاتے  
تینا دیر ہی گتہ۔" ٹوٹی نے سر ہلایا۔ "سو درخت ہوں اور ہر درخت سے دو چارمن جا میں اتارے جا میں تو۔"

"ٹوٹی! تم سچ چلی بننے کی کوشش مت کرو۔" چانی نے بہت جمل سے اس کو ٹوکا۔ "سڑک کے کنارے سبزے پر جان کا  
ڈھیر چڑا ہوا ہے۔ ہر روز گرتی اور ضائع ہوتی ہیں۔ شاید ہمارے ملاوہ کوئی انہیں دیکھتا تک نہیں تو جس چیز کو خریدنے کے لیے  
چند روپوں کی ضرورت بھی نہ پڑے اس کے لیے باغ لگانا۔"

"تھراہی! ذلتی چیز کھانے کا تو مزہ ہی اور ہوتا ہے۔" ٹوٹی نے کہا۔

"تو ٹھیک ہے بازار سے خریدی جا سکتی ہیں۔"

"پھر بھی۔ تم جو چاہو کچھ جامن کا پان لگانے کا ارادہ میں نے ترک نہیں کیا۔" ٹوٹی نے جیسے اعلان کیا۔

ہو سکتا تھا کہ تم کرتے رہتے ہو۔ جو حج تم کھاتے ہو کبھی تم اس کا ہاتھ نہ شروع کر دیتے ہو کبھی کبھی یا پھر تم اس  
 زنجیر توڑ دیتے ہو۔ آؤ تم زمین پر کیوں نہیں رہتے۔ پھر خیالی پلاؤ تم کھاتے

وہی نے اس کی بات کاٹ دی۔  
 پھر پھر تم شروع کرنا یہ کوئی اسکول کا اسٹیج نہیں ہے کہ میں حاضر ہو کر چھبیں لڑائی قصاؤں کا اور چھبیں کیا ہے  
 زمین پر تم کوئی کبھی لگاتے ہو۔ اس نے ٹھک کر کہا۔ "تم جیلس ہوتی ہو میری ترقی ہے؟"

زمین پر ترقی؟ کون سی ترقی۔ کہاں ہے ترقی؟ خیالوں میں کہاں سے کہاں پہنچ جاتے ہو تم۔"  
 اہل کو بے اختیار بھی آئی۔ "ترقی۔ کون سی ترقی۔" ٹومی نے سنجیدگی سے کہا۔  
 ترقی ترقی پہلے ذیل ہوتی ہے۔ "ٹومی نے دوبارہ کہا۔  
 مگر وہ نہیں سہل۔ "ٹومی نے دوبارہ کہا۔

"کہاں آئیں گے۔ اور اقبل کا خواب نہیں تھا۔"  
 "کہاں آئیں گے۔" تم بھی بس۔۔۔ چھبیں سبھانے کا کوئی نام نہ نہیں ہے۔"  
 "خدا کا نام لے کر۔" تم بھی نہیں ہے۔" ٹومی نے برائے ہونے کہا۔  
 "خدا آپ کو یہ کام کرنے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔" ٹومی نے برائے ہونے کہا۔  
 "یہ کبھی یہ پتہ ہے کہ پھر پھر جنکس تم کھاتے رہتے ہو ان پر عمل کرنے کے لیے کتنا پیسہ چاہیے؟"  
 "پانچ ہوں۔"

آؤ آؤ کہاں سے لاؤ گے؟"  
 "بہ دو سو پانچ کا تو پیرا جانے گا میرے پاس۔" ٹومی نے بڑے پر یقین انداز میں کہا۔  
 "تم دس سو پتھے ہو ٹومی؟"

تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔  
 "تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔  
 "تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔  
 "تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔

تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔  
 "تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔  
 "تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔  
 "تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔

تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔  
 "تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔  
 "تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔  
 "تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔

تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔  
 "تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔  
 "تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔  
 "تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔

تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔  
 "تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔  
 "تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔  
 "تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔

تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔  
 "تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔  
 "تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔  
 "تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔

تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔  
 "تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔  
 "تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔  
 "تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔

تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔  
 "تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔  
 "تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔  
 "تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔

تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔  
 "تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔  
 "تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔  
 "تم آؤ گے۔ اور سہل ہمدکی بات کر رہا ہوں۔" ٹومی نے اسی انداز میں کہا۔

"میں ایسے ہی نہیں کچھ اور کرنا چاہتا ہوں۔"

"بھلا کیا؟" اس نے کچھ تشویش سے اپنے جرداں بھرتی کو دیکھا۔

"کچھ بھی کوئی بھی ایسی چیز جس میں بہت شہرت ہو۔" جانی نے ایک گہرا سانس لیا۔

"میری تم دولت کی بات کر رہے تھے اب تم شہرت پر آ گئے ہو تمہارا بنے گا کیا؟"

"میں سمجھتا ہوں جانی! میں واقعی کچھ ایسا کرنا چاہتا ہوں جس میں مجھے بہت شہرت ملے۔" اس نے اپنے ہاتھوں ہانڈ

دیتے ہوئے کہا۔

"تم کیونکہ آف دی ورلڈ ریکارڈ کے لیے کوالیفائی کر سکتے ہو سب سے زیادہ خیال بلاؤ پکارتے کے لیے۔" جانی نے

ایک بار پھر اس کا مذاق اڑایا۔

"تمہارا دل نہیں چاہتا کہ تم مشہور ہو؟" ٹومی نے اپنا کتہ اس سے پوچھا۔

"نہیں۔" جانی نے غصی لہجے میں کہا۔

"پھر تم اجازت ہو۔" ٹومی نے بے اختیار کہا۔

"چرا فرض کرو تم مشہور ہو جاتے ہو پھر اس سے کیا فرق پڑے گا۔ ایسے کون سے مرنوب کے پرگہ پڑے گا

جسبہ۔"

"جسبہ چاہی نہیں ہے شہرت کی اور یہی بات ہوتی ہے۔ اب جیسے میں اور تم یہاں مل رہے ہیں یہاں تو کئی لوگ بھی

سے گزریں تو ہر ایک نظر اٹا پھرنے لگیں گے اور اگر ہم مشہور ہوں تو یہ سب پڑھیں اس طرف توجہ دینے لگیں گے اور کئی لوگ

بھیڑ لگ جائے گی۔"

جانی بے اختیار ہنسی۔ "بھلا چلے دیکھ کر یا چارمن کھاتے دیکھ کر نہیں یا منی مٹھاتے دیکھ کر۔" اس نے مذاق میں

والے انداز میں کہا۔

"آخر تم میری بات کو سمجھتی سے کیوں نہیں لیتیں۔" وہ بے اختیار جھلایا۔

"اس لیے کہ تمہاری باتیں بے حد عجیب ہیں۔ صرف سڑک پر بھیڑ کھانے کے لیے تم مشہور ہونا چاہتے ہو۔ آخر تمہارے

اس بار جانی نے اسے ڈانٹا۔

"انسان ایک بار مشہور ہو جائے تو پھر اس کے پاس سب کچھ آ جاتا ہے۔ عزت، دولت، محبت سب کچھ تمہارا مقصد

کرواؤ گی زندگی کا۔" فون پر فون آ رہے ہیں اخباروں میں تمہاری تصویریں اور اسٹریٹ مشاہیر ہو رہے ہیں۔" وہ ایک بار

پھر جڑی جمیدگی سے جانی کو پکڑ کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ "تو تم سے آؤ گراف لے رہے ہیں۔ تمہارے ساتھ تصویر

کھینچنا چاہتے ہیں۔ جیسے اپنی تقریبات میں بلا رہے ہیں۔ جیسے ہر جگہ وہ آئی پی ٹی ٹریٹمنٹ دینا چاہا ہے۔"

جانی یک دم چلے چلے رک گئی۔

"کیا ہو؟" ٹومی نے اسے ٹھک کر دیکھا۔

"تم ایکٹرز بننا چاہتے ہو؟"

"آگے تم دودھ کر کے تم کسی کو بتاؤ گی نہیں تو میں اس سوال کا جواب دے سکتا ہوں۔" ٹومی نے کہا۔

"مجھے تمہارا جواب نہیں چاہیے میں جانتی ہوں تم بھی بننا چاہتے ہو۔" جانی غرائی۔ "اور جیسے شرم آئی چاہیے۔"

"اس میں شرم کھلی کیا بات ہے۔ کیا ایکٹرز انسان نہیں ہوتے۔" ٹومی نے بحث کی۔

"سوتے ہوں گے ہر حال تم اپنی اصلاح پر دھیان دو تو زیادہ بہتر ہے۔ میٹرک ابھی تم سے ہوا نہیں ہے اور تم مشہور

ہونے کے خواہش دیکھا شروع ہو گئے ہو اور وہ بھی ایکٹرز کی فضول چیز۔"

"میری تو عمرات جیسے فضول گئی ہے۔ جب میں مشہور ہو جاؤں گا تو ہر ایک کو فخر سے بتایا کرو گی کہ یہ میرا بیٹا ہے





پھر وہاں کی محنتیں گزارتے۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا۔ رخصتی کی جہلی کے ساتھ من کی سب سے نکستی اور ذہنی آزادی۔ رخصتی کے لیے ان کے دل میں کیسے جذبات تھے شروع میں انہیں خود یہ کہن مشکل تھا۔ وہ خود کو یہ تسلیم نہیں کرتے کہ وہ صرف اس کی خوبصورتی سے متاثر ہوئے تھے پھر انہوں نے خود کو یہ سمجھایا کہ وہ اس کو صرف اس لیے چاہتے ہیں۔ اس لیے کہ وہ اس کی خوبصورتی سے متاثر ہوئے تھے۔ اس لیے کہ وہ اس کی خوبصورتی سے متاثر ہوئے تھے۔ اس لیے کہ وہ اس کی خوبصورتی سے متاثر ہوئے تھے۔

پھر جب انہوں نے رخصتی کو اپنے ساتھ ڈنڈ پر اور پارٹیز میں لے جانا شروع کیا تو انہوں نے ایک بار پھر یہ توجیہ دینی کی کہ وہ ویسے بھی ان کی سیکرٹری ہے، سارا دن ان کے ساتھ ہوتی ہے، وہ کئی بار اسے بزنس ڈنڈ پر اور میٹنگز میں لے کر گئے ہیں، اگر وہ اسے یوں ہی کہیں لے جاتے ہیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اکیلے باہر کھانا کھانے سے رخصتی کی جہلی لاکھ لاکھ سے بہ ہے بلکہ رخصتی کی کھینچا میز کو کھینچی ہے، وہ کم از کم ہر وقت اپنے مطالبات سے ان کا سامنا تو نہیں ہوتی تھی۔

پھر جب انہوں نے رخصتی کے ساتھ ہر بات شیئر کرنی شروع کی تو انہوں نے ایک بار پھر خود کی وضاحت پیش کی۔ میری دوست ہے، وہ مجھ اور بے ذہین ہے، خوبصورت ہے، دقاوار ہے، میری پروا کرتی ہے، میرا خیال رکھتی ہے، میری بات کو سنا دیتی ہے، اچھا دوست ایسا ہی ہوتا ہے، پھر اس میں قابل اعتراض کیا بات ہے، وہ صرف میری دوست ہے، نہایت سے لوگوں سے بہت سے دوست ہوتے ہیں، ان میں عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں، پھر میں غیر معمولی بات کیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے، وہ عورتیں مجھ سے بہت چھوٹی ہے، مگر اس کے باوجود ہم دونوں میں بہت انڈراٹینڈنگ ہے، وہ میری دوست ہے۔

اگلے مرحلے منصور علی اور رخصتی کے لیے بہت آسان تھے۔ مرد اور عورت کے درمیان اس طرز قائم ہونے والی دوستی ہی طرح اختلافات کی دھجیاں اڑانے کے لئے قائم کی جاتی ہے۔

رخصتی منصور علی کے برعکس جانتی تھی اسے کون سی چیز سمجھنے کی ضرورت تھی، منصور علی کی طرف لے کر آئی تھی۔ دولت اور خاندان۔ منصور علی کے پاس وہ میزگی تھی۔ جس کے ذریعے کوئی بھی آسان تک پہنچ سکتا تھا اور رخصتی اس میزگی پر چڑھنا چاہتی تھی۔ اس قسم کی عورت دولت کے لیے کبھی بھی کچھ بھی کر سکتی ہے۔ بے عزتی اور رسوائی کا طوق بھی اسے گلے میں لٹکا پڑے تو وہ لٹکتی ہے۔ دنیا اس پر تھوڑے پانے۔ اسے پروا نہیں ہوتی کیونکہ وہ جانتی ہے کہ ایک بار اس کے ہاتھ میں دولت آگئی تو پھر کوئی یہ دونوں کام اس کے سامنے کبھی نہیں کر سکتا۔ دولت سے خریدی جانے والی آسائشوں کے لیے وہ کسی بھی حد تک جا سکتی ہے۔

تعلقات کی آخری حدوں کو پھلانگنے کے بعد منصور علی نے پہلی بار اعتراض کیا تھا۔ یہ کوئی ہمردی کوئی دوستی تھا، شامائی نہیں تھی۔ رخصتی ان کی زندگی کا حصہ بن چکی ہے۔

انہیں رخصتی کی ضرورت تھی صرف رخصتی کی..... میز وہ آؤٹ ڈیٹڈ چیز تھی وہ بہت عرصہ پہلے ان کے دل سے نکل چکی تھی۔ وہ اس کے ساتھ جتنی بھی نہیں تھی۔

گھر اور بیچے ان کی ترجیح نہیں رہے تھے۔ مرد گھر اور بچوں کے لیے کبھی بھی اپنے فحش کی قربانی نہیں دیتا۔ منصور علی بھی جیسا دے سکتے تھے۔

”میں اپنا ساری زندگی اپنے گھر بچوں اور بیوی کے لیے تو ضائع نہیں کر سکتا۔ یہ میری زندگی ہے میں مجھے چاہوں



پھر وہاں کی محنتیں گزارتے۔ جوں جوں وقت گزر رہا تھا۔ رخصتی کی جہلی کے ساتھ من کی سب سے نکلی اور انہیں ۲۰۰۰ روپیہ ملی۔ رخصتی کے لیے ان کے دل میں کیسے جذبات تھے شروع میں انہیں خود یہ کہن مشکل تھا۔ وہ خود کو یہ تسلیم نہیں کرتے تھے کہ وہ صرف اس کی خوبصورتی سے متاثر ہوئے تھے پھر انہوں نے خود کو یہ سمجھایا کہ وہ اس کو صرف اس لیے باہر لے رہے تھے کیونکہ انہیں ایک خوبصورت بیکرنری کی ضرورت تھی اور رخصتی خوبصورت تھی۔ اسے مگر نے کوئی دوسرا نام نہیں دیا۔ اسے اپنے دل کی بات کہہ کر گھج گھج کیا کہ وہ اس کی مدد صرف اس لیے کر رہے تھے کیونکہ وہ اس کی دوست تھی اور انہوں نے ایک بار ان کی مدد کرنے کے لیے کہا تھا اور وہ تو ویسے بھی لوگوں کی بہت مدد کیا کرتے تھے۔ انہوں نے اسے ہی لوگوں کی مدد کرنے کی تلقین کی۔ یہ بھی ایسی ہی ایک مدد تھی۔ انہیں یقین آ ہی گیا کہ واقعی ان کی اس مدد کے پیچھے اور کچھ بھی نہیں تھا صرف یہی وجہ تھی۔ پھر جب انہوں نے اس کے گھر جانا شروع کیا تو انہوں نے ایک بار پھر وضاحت پیش کی کہ وہ صرف اس لیے اس سے حیرت ایک بار پھر مطمئن ہوا۔

پھر جب انہوں نے رخصتی کو اپنے ساتھ ڈنڈ پر اور پارٹیز میں لے جانا شروع کیا تو انہوں نے ایک بار پھر یہ توجیہ دینی لگی کہ وہ ویسے بھی ان کی بیکرنری ہے سارا دن ان کے ساتھ ہوتی ہے وہ کئی بار اسے بزنس ڈنڈ پر اور میٹنگز میں لے کر گئے تھے مگر وہ اسے یوں ہی کہیں لے جاتے ہیں تو اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ اکیلے باہر کھانا کھانے سے رخصتی کی جہلی لاکھ لاکھ سے بہ ہے بلکہ رخصتی کی کھینچا میز وہ کی کھینچی ہے۔ وہ کم از کم ہر وقت اپنے مطالبات سے ان کا سامنا تو نہیں ہوتی تھی۔ پھر جب انہوں نے رخصتی کے ساتھ ہر بات شیئر کرنی شروع کی تو انہوں نے ایک بار پھر خود کی وضاحت پیش کی۔ میری دوست ہے وہ کچھ اور ہے وہ ذہین ہے خوبصورت ہے وہ دق دار ہے میری پروا کرتی ہے میرا خیال رکھتی ہے میری بات کو بہت دینی ہے اچھا دوست ایسا ہی ہوتا ہے پھر اس میں قابل اعتراض کیا بات ہے وہ صرف میری دوست ہے نہایت سے لوگوں کے بہت سے دوست ہوتے ہیں ان میں عورتیں بھی شامل ہوتی ہیں پھر میں غیر معمولی بات کیا ہے۔ یہ ٹھیک ہے وہ عورتیں کچھ سے اچھے مرطے منصور علی اور رخصتی کے لیے بہت آسان تھے۔ مرد اور عورت کے درمیان اس طرف قائم ہونے والی دوستی اس طرح اغماقیات کی دجیماں اڑانے کے لئے قائم کی جاتی ہے۔

رخصتی منصور علی کے برعکس جانتی تھی اسے کون سی چیز سمجھنے کی ضرورت تھی۔ وہ کون سی چیز سمجھنے کی طرف لے کر آئی تھی۔ دولت اور خاندان۔ منصور علی کے پاس وہ میزگی تھی۔ جس کے ذریعے کوئی بھی آسان تک پہنچ سکتا تھا اور رخصتی اس میزگی پر چڑھنا چاہتی تھی۔ اس قسم کی عورت دولت کے لیے کبھی بھی کچھ بھی کر سکتی ہے۔ بے عزتی اور رسوائی کا طوق بھی اسے گلے میں لٹکا پڑے تو وہ لٹکتی ہے۔ دنیا اس پر تمور کے پانے۔ اسے پروا نہیں ہوتی کیونکہ وہ جانتی ہے کہ ایک بار اس کے ہاتھ میں دولت آگئی تو پھر کوئی یہ دونوں کام اس کے سامنے کبھی نہیں کر سکتا۔ دولت سے خریدی جانے والی آسائشوں کے لیے وہ کسی بھی حد تک جا سکتی ہے۔

تعلقات کی آخری حدوں کو پھلانگنے کے بعد منصور علی نے پہلی بار اعتراض کیا تھا۔ یہ کوئی ہمدردی کوئی دوستی تھا۔ شامائی نہیں تھی۔ رخصتی ان کی زندگی کا حصہ بن چکی ہے۔ انہیں رخصتی کی ضرورت تھی صرف رخصتی کی..... میز وہ آؤٹ ڈیٹڈ چیز تھی وہ بہت عرصہ پہلے ان کے دل سے نکل چکی تھی۔ وہ اس کے ساتھ جتنی بھی نہیں تھی۔

گھر اور بیچے ان کی ترجیح نہیں رہے تھے۔ مرد گھر اور بچوں کے لیے کبھی بھی اپنے فکس کی قربانی نہیں دیتا۔ منصور علی بھی جیسا دے سکتے تھے۔

”میں اپنا ساری زندگی اپنے گھر بچوں اور بیوی کے لیے تو ضائع نہیں کر سکتا۔ یہ میری زندگی ہے میں مجھے چاہوں

فردوس احمد

نورانیہ، اگرچہ ریشی کے ساتھ راجتی رکنا چاہتا ہوں تو رکوں گا۔ مجھے پروا نہیں ہے کہ میرے گھر والے میرے پاس کے لئے کچھ نہیں چاہتے۔ یا یہ جاتا ہے یا نہیں ہے۔ جب ریشی کو کوئی لڑکی نہیں ہے۔ تو میں تو ہر ایک مردوں۔ آفس میں کبھی

میں نے اس کے ساتھ کوئی مسئلہ نہیں پیش نہیں کرتی تھی۔ نہ ہی اسے اس کی ضرورت تھی۔ وہ اس اسٹیج تک پہنچنے کے لئے اس کی ضرورت نہیں تھی۔ اور وہ خوش تھی۔ ساتھ ساتھ میری عمر بھی سب بیکہ کرنے کے بعد بھی اپنے لیے ایک گھر تک نہیں چاہتی تھی۔ میری زندگی کے لئے اس کے لئے گھر کو اپنے نام کروا چکی تھی۔ اس کا لاک اسٹاک تبدیل ہو چکا تھا۔ اس کے گھر میں اب اس کی ہر سائیکل سوزی تھی۔ مگر یہ سب کافی تھیں تھا۔ یہ سرف اس کے سزا کا آغاز تھا اور اس کو اس سفر میں کہیں بھی رکنا



"I really like this girl"

بارون کمال نے اس دن ریشی کو منصور علی کے آفس سے باہر نکلنے دیکھا تو تجھ کے ساتھ روکا۔ منصور علی اس کے جواب پر ریشی کو دیکھا۔ بیٹھا اچھا ہوتا ہے مگر اتنا اچھا ہو گا۔ اس کا مجھے یقین نہیں تھا۔" بارون کمال نے اپنے لیے اتنا دیکھا کہ تھرا اکتاب بیٹھا اچھا ہوتا ہے۔

پہلی بار میں ریشی کے "ہاں" سے خاصا حائر تھا اور دیکھتا تو ریشی کی تعریفیں منصور علی کے کانوں تک پہنچا رہتا تھا اور گہری نکل جیسا اعلیٰ ریشی کی تعریف کر رہا تھا تو اس کا واقعی یہی مطلب تھا کہ ریشی کچھ خاص صلاحیتیں ضرور رکھتی تھی۔ منصور علی کے دل میں ریشی کے لیے پہلے سے موجود گوشے کو اور نرم کرنے میں بارون کمال کی ان تعریفوں نے خاصا اہم کردار ادا کیا۔

یہ وہی اگرچہ وہ کچھ سال تھا کہ ساتھ رہی تو تھرا بے یارنس کو کہیں سے کہیں لے جائے گی۔ یہ بات یاد رکھنا" بارون کمال نے ریشی کے بارے میں ٹھنڈا گوئی کی۔

اس میں تو خود مجھے بھی کوئی شبہ نہیں ہے۔ یہ وہی وقتوں میں بہت ماہر ہے۔ اور سب سے بڑی بات یہ ہے کہ بہت جلدی ہے۔ ہم نے اسے اس میں۔" منصور علی نے اپنے لیے کوئی حتمی اور مقدور ناپ رکھنے کی کوشش کی۔

میں لوگوں سے تھرا کی بیکری کی تعریفیں سن رہا ہوں۔ اور اگر تعریفوں کا یہ دائرہ پھیلتا گیا تو پھر یہ بہت عرصہ تک چلے گی۔ ایک ایسی بیکری کی ضرورت ہر ایک کو ہر وقت ہوتی ہے۔" بارون کمال نے بے حد سنجیدہ لہجے میں کہا۔

منصور علی اس کی بات پر ہنسے۔ "نہیں اس معاملے میں مجھے پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ مجھے چھوڑ کر نہیں بنے گی۔ میرا مطلب ہے میرے آفس کو۔۔۔" انہوں نے اپنے جملے میں کچھ تبدیلی کرتے ہوئے کہا۔

"منصور علی اس بات کا اتنا یقین کیوں ہے؟" بارون کمال نے قدرے خفکے انداز میں کہا۔

میں نے بتایا تھا کہ یہ اس کی بہت اچھی دوست ہے۔ میں نے اسی کے نظریں سے اس کو دکھا ہے۔ یہ اس طرح کبھی بھڑکنے یا کبھی۔" منصور علی نے کہا۔

منصور پر اس میں دو چیزیں تھیں اور ترقی دہتی ہیں وہ اب پروفیشنل فیلڈ میں آ چکی ہے۔ صرف اس سے اس کی ترقی کے لئے تو اس کی ترقی کے ساتھ وہ بہت تھرا رہے گی۔ اور پھر ہر ایک کو آگے بڑھنے کا۔۔۔ ترقی کرنے کا حق ہے اگر اسے کہیں اور سے ترقی دہانی ہو کر اسے ترقی دہانی ہے تو وہ نہیں اور تھرا ہے آفس کو چھوڑ کر چلی جائے گی۔ اس بات کی پروا کیے بغیر کہ وہ اس کی بہت سے باتیں۔۔۔ اور اسے چھوڑ کر چلا گیا جانا چاہیے۔" بارون کمال نے بڑی لا پرواہی سے کہا۔

انگرم ہالی معاملات کی بات کر رہے ہو تو میں مستحکم ان میں اضافہ کرتا رہوں گا۔ میں جانتا ہوں ایک اچھے دور کو کس





لے تو میرا سب سے قیمتی مشورہ بھی ہے کہ تم اگر اپنی بیوی کو تبدیل نہیں کر سکتے تو کم از کم ایک اور بیوی اپنے پاس ضرور رکھنی چاہیے۔ تمہیں رشتی جیسی عورت کی اشد ضرورت ہے۔ اس کے بغیر تم اس سرکل میں اس طرح سے کامیاب نہیں ہو سکتے جس طرح میں یا دوسرے لوگ کامیاب ہیں۔" ہارون کمال اب بے بسیہ نظر آ رہا تھا۔

"میں... میں... اس... ہمارے میں سوچوں گا۔" منصور علی نے بے اختیار ہلکاتے ہوئے کہا۔

"ضرور سوچو... اور جتنی جلدی ہو سوچو لو... یہ تمہاری زندگی کا سب سے اچھا فیصلہ ثابت ہو گا۔" ہارون کمال نے ہارون کو ایش ٹرے میں پیچک کر لٹھے ہوئے کہا۔ منصور علی بھی اس کے ساتھ اٹھ کھڑے ہوئے۔ دو دونوں ساتھ چلے گئے۔

"میں نہیں چاہتا کہ تم رشتی کو اس آنگ پر کھو دو۔ وہ ہماری اس یکٹری کو اٹھیلش کرنے میں بہت بڑا کردار کھائی گی۔" منصور علی نے اس کی بات پر کچھ سوچتے ہوئے سر ہلا دیا۔

☆☆☆

"ہیلو۔" امبر بے اختیار ہلچی۔ اس نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا وہ ہارون کمال تھا۔

اس نے ہیلو کہا اور ہاتھ میں قہارے ڈیگر دو پارہ اسٹینڈر پر لٹکانے لگی۔

وہ اس بوٹیک پر کافی دیر سے آئی ہوئی تھی اور یہ اتفاق ہی تھا کہ وہ اکیلا تھی۔ اور یہ بھی ایک اتفاق ہی تھا کہ ہاتھ کمال بھی اکیلا اسی وقت یہاں آیا تھا اس نے امبر کو بوٹیک میں داخل ہوتے دیکھا تھا اور اس کا دل جیسے بیوں اچھلنے لگا تھا۔ وہ اب دو دونوں ایک دوسرے کے مقابل کھڑے تھے۔

"میں نے شاید آپ کو ڈرا دیا۔" ہارون نے اس کے تاثرات کو پیمان لیا تھا۔

"آپ ہمیشہ مجھے ڈرا دیتے ہیں۔" امبر نے قدرے تھکے انداز میں کہا۔

ہارون ایک لمبے کے لیے کچھ نہیں کہہ سکا۔

"اگر ایسا ہے تو میں اس کے لیے ایکسکسج ز کرتا ہوں۔ آپ یہاں شاپنگ کر رہی ہیں؟" اس نے بات بدلنے ہوئے کہا۔

"کوشش کر رہی ہوں اگر کامیاب ہو سکی تو؟" امبر اسی طرح کپڑوں پر نظریں دوڑاتی رہی۔

"آپ یقیناً اپنی وائف کے لیے یہاں سے کچھ لینے آئے ہوں گے۔ یا پھر خود آپ کی وائف آپ کے ساتھ ہیں۔" امبر نے اچانک کہا۔

"نہیں میں اکیلا ہوں۔" شائستہ کے ذکر پر وہ قدرے خفیف سا ہو گیا۔ "میں بھی یہاں اپنے لیے شاپنگ کرنے آیا ہوں۔"

"میں کبھی تمہاری وائف کی وائف آپ کی وائف ہوں گی اسی لیے آپ اس حصے کی طرف آگئے ہیں۔" اس دن ہارون نے آپ نے کھانے کا بل ادا کر دیا۔ بڑے Obligated (ممنون) ہوئے ہم دونوں... میں فوراً طلبہ... ذکر تو کیا ہو گا طوفان آپ سے۔" امبر نے ایک دم گردن موڑ کر اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

"اس میں Obligated ہونے والی کیا بات ہے۔ یہ تو ایک good will gesture (خیر سالی کا قدم) تھا آپ نے ضرورت سے کچھ زیادہ ہی سیر سلی لیا اسے۔" ہارون کمال نے شائستہ سے کہا۔

"لینا بھی چاہیے تھا۔"

میں انکی مہربانیاں پسند نہیں کرتی۔"

امبر بے حد عجیبہ تھی۔

"It wasn't a favour at all" (میں ہر ایک پہ مہربانی نہیں کرتا) ہارون نے اس کی بات کالی۔

"تو پھر یہ کیا تھا؟ کیا آپ ہر ایک کا بل ادا کرتے پھرتے ہیں؟" امبر نے اسی انداز میں کہا۔

"کیا میں ہر ایک کا بل ادا کرنے والا آدمی نظر آتا ہوں؟" ہارون نے جواباً سوال کیا۔



”آپ سے ناراض؟...؟... بیٹھ...؟ کس طرح کی بات کر رہے ہیں؟ میں آپ سے ناراض کیوں ہوں کہ میرا آپ سے ایسا تو کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ میرے باپا کے دوست ہیں آپ... وہ بھی ایسے جنہیں میں ٹھیک طرح پہنانتا نہیں اور آپ بات کر رہے ہیں کہ میں آپ سے بیٹھ کیوں ناراض رہتی ہوں۔“ وہ ایک ہی سانس میں کئی جملے کہتی تھی۔

”آپ کیا جانا چاہتی ہیں میرے ہارے میں؟“ ہارون نے بے حد مل سے کہا۔

”کیا مطلب؟“ وہ حیرت سے دیکھنے لگی۔

”آپ نے کہا ہے تاکہ آپ مجھے ٹھیک طرح سے جانتی تھک نہیں... اور مجھے واقعی ایسا ہی لگتا ہے کہ آپ مجھے بڑے طرح سے جانتی تھیں۔ بلکہ شاید سرے سے ہی نہیں جانتیں اور نہ میرے ساتھ اس طرح کا سلوک تو نہ کرتیں۔“

”کیا سلوک؟“

”میں آپ کو تپا چکا ہوں... مجھے لگتا ہے آپ مجھے ہاپنڈ کرتی ہیں۔“ امبر نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔

”ہاں آپ بالکل ٹھیک کہے ہیں... میں واقعی آپ کو تپا ہنڈ کرتی ہوں۔“ اس نے صاف گوئی کی انتہا کر دی تھی۔

”کیوں؟“ ہارون کے چہرے کا رنگ یکدم تبدیل ہو گیا۔

”کیوں...؟ یہ میں نہیں جانتی۔“ امبر نے کندھے اچکائے پھر اس نے ایک بیچر میں گلے ہوئے لباس کی طرف اشارہ کیا۔

”اب وہ لباس مجھے اچھا نہیں لگتا۔ میں اسے ہاپنڈ کرتی ہوں۔ آپ پوچھیں گے کیوں؟ تو میں کیا بتاؤں گی۔ مزہ یہی تاکہ مجھے وہ اچھا نہیں لگتا۔“

”میں جانتی ہوں میں نے ایک مثال دی ہے۔ کیونکہ آپ ضرورت سے زیادہ سوال کرتے ہیں۔“ امبر نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

”میں بیچر میں ٹکا ہوا لباس نہیں ہوں۔“ ہارون کو پوری گفتگو میں پہلی بار صحیح معنوں میں تڑپ لیل کا احساس ہوا۔

”میں جانتی ہوں میں نے ایک مثال دی ہے۔ کیونکہ آپ ضرورت سے زیادہ سوال کرتے ہیں۔“ امبر نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔

”میں ضرورت سے زیادہ سوال اس لیے کرتا ہوں کیونکہ مجھے آپ کو جاننے میں دلچسپی ہے۔“

”کیوں...؟“ اس نے پگیس بھجوائے بغیر کہا۔

”کیونکہ آپ مجھے اچھی لگتی ہیں۔“ امبر کے چہرے کا رنگ خنجر ہو گیا۔

”کیوں...؟“

”یہ مجھے نہیں پتا۔“ ہارون نے کندھے اچکائے اور پھر اسی بیچر کی طرف اشارہ کیا۔

”اب یہ لباس مجھے اچھا لگتا ہے... آپ پوچھیں گی کیوں؟ تو میں وجہ تو نہیں بتا سکوں گا۔ صرف یہ ہی کہوں گا کہ یہ مجھے اچھا لگتا ہے۔“

اس بار امبر کے چہرے کے ساتھ ساتھ اس کے کانوں کی ٹونیس بھی سرخ ہوئی تھیں۔ وہ خستہ تھی۔ ہارون کمال جانتا تھا۔ اسی لیے وہ وہاں رکنا نہیں تھا۔ مگر جانے سے پہلے وہ جلتی پر کچھ اور تیل چھڑک گیا۔

”ظلم جیسا آدمی آپ کے قتل نہیں ہے۔“ امبر منصور علی کو کسی بہتر شخص کی زندگی میں ہونا چاہیے۔ وہ جب تک اس کی بات پر غور کرتی وہ جانتا تھا۔

☆☆☆

”یہ منصور بھائی ہیں؟“ شانہ نے کمزری سے کچھ دور کمزری ایک کار کی طرف اشارہ کیا۔

”وہ مسودہ کے ساتھ کچھ دیر پہلے ہی اپنی نند کے ہاں سے واپس آئی تھی جب گھر کی طرف جاتے ہوئے اپنا کمان کا

وہاں پہنچ کر کھانے کا من کیا اور وہ اس ہوٹل میں کھانے کے بعد واپس گاڑی میں بیٹھ رہے تھے جب شیانہ کی نظر پڑی تو ایک دوسری گاڑی پر پڑی۔ جس میں منصور علی ایک لڑکی کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے۔ کار بچہ دیر پہلے ہی وہاں آ گیا۔ منصور ہی ہے۔ وہ انکار کرتے تو شیانہ بچہ اور حلوک ہو گئی۔ ان کے جیس کو بچہ اور ہوا لٹی۔

شیانہ نے منصور سے کہا: "میں سوچ رہا ہوں کہ ڈراما جلدی جلدی کھانا کھانے آیا کریں۔" منصور علی نے موضوع بدلنے کی کوشش کی اور کہا: "مگر شیانہ کی نظر میں منصور اور اس لڑکی پر غمی ہوئی تھی اور ان دونوں کے اندر

بہت تنگ دلی محسوس ہوتی ہے۔" منصور کے ساتھ کون لڑکی تھی؟ "شیانہ نے پوچھا۔

سو علی نے گاڑی پر تنگ سے نکال کچے تھے۔ "یہ منصور کے ساتھ کون لڑکی تھی؟" شیانہ نے پوچھا۔

سو علی نے لاپرواہی کا مظاہرہ کیا۔ "میں تو اس کے ساتھ کون سی لڑکی ہے۔ مجھے تو کوئی اچھی

پہچان نہیں ہے۔ اور منصور کو تو ہمیں کبھی سے تعلق سے واقفیت کا رہا تھا۔ اس کے ساتھ۔" شیانہ نے کہا۔

"میں تو اس کے ساتھ ایک گھڑا سانس لیتے ہوئے تھا۔" منصور نے بیکٹری کی سے رکھی؟ اور ابھی تو آپ کہہ رہے تھے کہ آپ کو اس

بیکٹری؟ "شیانہ نے اظہارِ حیرت سے کہا۔ "منصور نے بیکٹری میں کہا کر رہا ہے؟" شیانہ نے کیے بعد دیگرے سوالوں

کا آغاز کیا۔ سو علی نے جواب دیا کہ وہ اس کے ساتھ یہاں نہیں کہا کر رہا ہے۔ "شیانہ نے کیے بعد دیگرے سوالوں

کا آغاز کیا۔ سو علی نے جواب دیا کہ وہ اس کے ساتھ یہاں نہیں کہا کر رہا ہے۔ "شیانہ نے کیے بعد دیگرے سوالوں

کا آغاز کیا۔ سو علی نے جواب دیا کہ وہ اس کے ساتھ یہاں نہیں کہا کر رہا ہے۔ "شیانہ نے کیے بعد دیگرے سوالوں

کا آغاز کیا۔ سو علی نے جواب دیا کہ وہ اس کے ساتھ یہاں نہیں کہا کر رہا ہے۔ "شیانہ نے کیے بعد دیگرے سوالوں

کا آغاز کیا۔ سو علی نے جواب دیا کہ وہ اس کے ساتھ یہاں نہیں کہا کر رہا ہے۔ "شیانہ نے کیے بعد دیگرے سوالوں

کا آغاز کیا۔ سو علی نے جواب دیا کہ وہ اس کے ساتھ یہاں نہیں کہا کر رہا ہے۔ "شیانہ نے کیے بعد دیگرے سوالوں

کا آغاز کیا۔ سو علی نے جواب دیا کہ وہ اس کے ساتھ یہاں نہیں کہا کر رہا ہے۔ "شیانہ نے کیے بعد دیگرے سوالوں

کا آغاز کیا۔ سو علی نے جواب دیا کہ وہ اس کے ساتھ یہاں نہیں کہا کر رہا ہے۔ "شیانہ نے کیے بعد دیگرے سوالوں



”یہ امبر کی دوست ہے۔“ منصور نے بتایا۔

”خوشی!“ بے اختیار شبانہ کے منہ سے نکلا۔ مسعود علی حیران ہوئے۔  
”تم جانتی ہو اسے؟“

”چہرے سے واقف نہیں، نام سے واقف ہوں۔ اسے امبر نے منصور کے پاس رکھوایا ہے۔“

”ہاں! امبر کی سفارش پر ہی منصور نے رکھا ہے۔ اب تم جان ہی گئی ہو تو آگے کسی کو مت بتانا۔“ مسعود علی نے کہا۔  
”مگر منصور اس کو لے کر یہاں ہوٹل میں کیوں پھر رہا ہے۔ رات کے اس وقت اور پھر اتنی بے تکلفی.....“

”یہ سب منصور کے مسائل ہیں تمہارے اور ہمارے نہیں..... اگر وہ فکر مند نہیں تو ہم کیوں ہوں۔ تم اس موضوع کو اب

بند کر دو خاصے سوال کر چکی ہو تم۔“ مسعود علی نے اس بار کچھ اکتا کر کہا۔  
شبانہ نے اس بار جواب میں کچھ نہیں کہا۔ مگر وہ کسی گہری سوچ میں گم تھیں۔



## تیرہواں باب

وہ دونوں آداری میں بیٹھے ہوئے تھے، رخصتی سلور گرے سلک کی ساڑھی باندھے ہوئے تھی، اس کے کھلے بال جسم کی

ذات کے ساتھ اس کے سلیس بلاؤز سے نظر آنے والے بازوؤں پر گرتے تو وہ کبھی ہاتھ کبھی سر اور گردن کے جھٹکے سے انہیں پیچھے دیکھ دیتی۔ منصور علی اس پر سے نظریں نہیں ہٹا پارہے تھے۔ وہ دونوں سارا دن آفس میں ساتھ ہوتے تھے۔ منصور علی سارا دن

سے دیکھتے رہتے، اس سے باتیں کرتے رہتے، اس کے باوجود وہ جب بھی رات کو اس کے ساتھ ڈنر کے لیے کہیں جاتے، رخصتی کی تیاریوں میں سراسر کردار کرتی تھی۔ منصور علی کے لیے ہر بار اسے بنا سنورا دیکھ کر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا تھا کہ وہ کھل زیادہ اچھی لگ رہی تھی یا آج.....

منصور علی سے زیادہ پرکشش اور حسین لگتی تھی اور منصور علی خود کو ہر بار پہلے سے زیادہ مجبور اور بے بس پاتے تھے۔ انہیں یہ جہیز پہلے سے زیادہ پرکشش اور محسوس نہیں ہوتا تھا کہ رخصتی دنیا کی سب سے حسین لڑکی ہے۔

جنت کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوتا تھا کہ رخصتی دنیا کی سب سے حسین لڑکی ہے۔ رخصتی نے اپنے بالوں کو ہاتھ سے پیچھے کرتے ہوئے

منصور علی کو یاد دلائی۔ وہ دونوں ابھی کچھ دیر پہلے ہی وہاں آ کر بیٹھے تھے اور منصور علی نے دو ہیر میں ڈنر کا پروگرام طے کرتے ہوئے کہا تھا۔

”آج مجھے تم سے ایک خاص بات کرنی ہے۔“

رخصتی نے ان کے آفس میں بیٹھی تھی۔ اس نے منصور علی کے چہرے کو غور سے دیکھا اور مسکرا دی۔

”ابھی بھی کیا خاص بات ہے؟“

”میں کوئی خاص بات..... میں چاہتا ہوں، تم آج بہت اچھی طرح تیار ہو، میرے ساتھ ڈنر پر باہر جانے کے لیے۔“

رخصتی نے اس کی بات پر کھٹکا کر ہنس پڑی۔ ”میں آپ کے ساتھ جانے کے لیے ہر بار ہی خاص طور پر تیار ہوتی ہوں۔“

”ہاں آپ کے ساتھ ڈنر پر جانا کوئی عام واقعہ نہیں ہوتا۔“

”میں چاہتا ہوں آج تم ساڑھی پہنو۔ تم پر ساڑھی بہت اچھی لگتی ہے۔“ منصور علی نے ایک اور فرمائش کی۔

”مجھے بھی ساڑھی بہت اچھی لگتی ہے۔ مگر وہ خاص بات کیا ہے آپ یہاں نہیں بتا سکتے۔ مجھے تو بہت تجسس ہو رہا ہے۔“

رخصتی نے ذرا انداز سے کہا۔

”ابھی وہ خاص بات میں یہاں نہیں بتا سکتا۔ یہ جگہ ایسی باتوں کے لیے مناسب نہیں ہے۔“ منصور نے بھی اسی انداز

میں کہا۔

”تو ٹھیک ہے ہر ڈنر کا انتظار کرنا پڑے گا۔“

ابواب ۱۱ منصور علی کو وہ گفتگو یاد دلا رہی تھی۔

”اور اس میں تم سے بات کرنے کے لیے مناسب الفاظ تلاش کر رہا ہوں، میں بہت دنوں سے تم سے ایک بات چاہتا تھا مگر ہر بار میری ہمت جواب دے جاتی تھی۔ آج بہر حال میں نے یہ طے کر لیا کہ جو بھی ہو مجھے آج تم سے یہ بات دینا ہے۔“ منصور علی بڑی سنجیدگی کے ساتھ منھنکو کر رہے تھے، جب کہ رخصتی بے نیازی سے شروب پینے میں مصروف تھا۔

”رخصتی میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ منصور علی کا خیال تھا کہ رخصتی ایک دم جبران ہو جائے گی۔ خروس ہوگی، کہے گی میں اسکی بات کی توقع ہی نہیں کرنا چاہتا۔ بے چینی سے انہیں دیکھے گی۔ لیکن ان کی کوئی توقع پوری نہیں ہوئی۔ رخصتی کے چہرے پر حیرت آئی نہ بے چینی۔ شاک غمناک نہ اس کا رنگ بدلا۔ نہ اس کے ہونٹ سچکپائے۔

اس نے ان کی بات ان کے چہرے پر نظریں بنا کر سنی اور پھر بخیل سے شروب کا گلاس دوبارہ اٹھنے ہونے لگا۔ اطمینان سے کہا۔ ”کیوں؟“ منصور علی اس سوال کی توقع نہیں کر رہے تھے اور شاید اس رد عمل کی بھی۔

”کیوں؟“ کے بارے میں تو میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ صرف یہ جانتا ہوں کہ مجھے تم سے محبت ہے اور میں تم سے نیند کرنا چاہتا ہوں۔“ منصور علی نے کہا۔ رخصتی نے شروب کا ایک اور گھونٹ لیا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے گلاس کو پیچھے رکھا۔ ”میں جانتی ہوں آپ کو مجھ سے محبت ہے اور یقیناً آپ کو بھی پتا ہوگا کہ مجھے بھی آپ سے محبت ہے۔“ رخصتی نے رک گئی۔

”تم نے بات اور حوری کیوں چھوڑ دی؟“ منصور علی کچھ بے چین ہوئے۔ ”میں نے آپ کے ساتھ شادی کے بارے میں کبھی نہیں سوچا۔“ رخصتی نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔ ”کیوں؟“ منصور علی کو جسے شاک لگا۔ ”کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ کو کسی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے۔“

”آپ کے گھر والے؟“ رخصتی نے ایک بار پھر بات اور حوری چھوڑ دی۔ ”رخصتی! میرے گھر والے میرا مسئلہ ہیں۔ تمہیں ان سے کسی قسم کا خدشہ نہیں ہونا چاہیے۔“ منصور علی نے فوراً کہا۔ ”مجھے ان سے اپنے بارے میں کوئی خدشہ نہیں ہے، میں آپ کے بارے میں پریشان ہوں میں نہیں چاہتی آپ کو پریشان کا شکار ہوں۔“ ”تم فکر مند مت ہو، میں اس صورت حال کو ہینڈل کر لوں گا۔ میں اس سارے معاملے پر غور کر چکا ہوں اور پھر فریضہ طور پر تو اس شادی کے بارے میں میرے اور تمہارے علاوہ کسی اور کو پتا نہیں چلے گا۔ تم اسی طرح آفس آئی رہو گی۔“ منصور علی نے کہا۔

”میں خفیہ شادی پر یقین نہیں رکھتی۔“ رخصتی نے بہت سنجیدگی سے کہا۔ ”نہ ہی میرے گھر والے مجھے ایسی کوئی شادی کرنے دیں گے۔“ منصور علی کی جان جیسے مٹن میں ایک گئی۔ رخصتی نے اپنی بات جاری رکھی۔ ”پھر شادی سے کیا فرق پڑتا ہے۔“ مجھے آپ سے محبت ہے اور میں آپ کے ساتھ شادی کے بغیر بھی بہت اچھی زندگی گزار رہی ہوں۔ پھر ضروری تو نہیں کہ اس تعلق کو کسی رشتے کا نام دیا جائے۔ میں جانتی ہوں کہ آپ سے محبت کر کے میں نے ایک نطفی کی ہے اور شاید اس سے بھی بڑی نطفی ہی زندگی، جو آپ کے ساتھ گزارا ہے مگر میرے پاس اور کوئی راستہ نہیں ہے۔“ رخصتی کے چہرے پر اب لہری نظر آ رہی تھی۔ منصور علی کی بے چینی میں اضافہ ہونے لگا۔ ”میں بہت پہلے ہی یہ بات اچھی طرح جانتی تھی کہ آپ مجھ سے شادی نہیں کر سکیں گے۔ اعلان یہ شادی۔ اور میں نے



روشنی کی تو اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ میں اس کی کوئی بات رو کروں گا بھی نہیں۔ "منصور علی نے کہا۔  
 ریشی کو کچھ دیر خاموش بیٹھی رہی، منصور علی نے ایسا تک ایک انگریزی نکال کر بیٹو پر ریشی کے سامنے دکھا دی۔ ریشی کی نظریں اس انگریزی پر جم گئیں۔ اس کی آنکھوں میں پسندیدگی تھی، کچھ دیر تک انگریزی کو دیکھتے رہنے کے بعد اس نے انگریزی لکھنے کی بجائے اپنا ہاتھ منصور علی کی طرف بڑھا دیا۔ منصور علی کے چہرے پر چمک آگئی۔ ریشی کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لپٹے ہوئے منصور علی نے دوسرے ہاتھ سے انگریزی ریشی کی انگلی میں پینا دی۔



"یہ بہت بڑا فیصلہ ہے۔"

"شادی کا فیصلہ ہمیشہ ہی بڑا ہوتا ہے۔" ریشی اپنے زیورات اتارتے ہوئے لاپرواہی سے بولی۔  
 "مگر منصور علی کے ساتھ دوسری شادی؟ کیا تم نے واقعی اس کے بارے میں اچھی طرح سوچ لیا ہے؟" توشیح میں جھٹکتی۔

"بہت اچھی طرح بلکہ ضرورت سے زیادہ اچھی طرح۔" ریشی کے انداز میں اب بھی لاپرواہی تھی۔ "شادی سادگی زندگی کا معاملہ ہوتا ہے۔" ریشی، صافقت کی بات پر بے اختیار ہنسی۔  
 "ہی! یہ کسی عام لڑکی کے لیے پوری عمر کا معاملہ ہوتا ہوگا۔ ہم جیوسوں کے لیے نہیں۔ شادی کر رہی ہوں اگر تمہیں یہ تو بہت اچھی بات ہے۔ نہ رہی تو دوبارہ کسی اور سے کی جاسکتی ہے۔ تڑپ کے پتے اس وقت تک میرے ہاتھ میں ہیں، جب تک میرے چہرے پر جھرمچاں نہیں آجائیں اور آپ جانتی ہیں ابھی میرے چہرے پر جھرمچاں آتے بہت سال گئیں گے۔ وہ اب صافقت کی طرف عمل طور پر متوجہ تھی۔

"پھر بھی۔۔۔ دوسری شادی مجھے کچھ بہتر نہیں لگ رہی۔ کیا منصور اپنی بیوی کو طلاق دے دے گا؟"  
 "نہیں، وہ اپنی پہلی بیوی کو کچھ بھی نہیں بتائے گا۔"

"یعنی وہ تمہیں بھی رکھے گا اور پہلی بیوی کو بھی؟"

"ہاں! فی الحال تو یہی ہے، آگے چل کر کیا ہوگا، یہ دیکھا جائے گا۔"

"انہی شادیاں ہمیشہ کام رکتی ہیں۔" صافقت نے کہا۔

"شادی سے زیادہ دوغلا، جھوٹا، ناکام اور نقصان دہ اور کوئی ہے ہی نہیں۔ مجھے شادی کی ناکامی سے خوف نہیں آتا۔۔۔" ریشی کے لہجے میں بے پناہ خوشی عکس کر آئی۔ "میں نے آپ کی "کامیاب شادی" دیکھی ہے۔" ریشی نے کہا۔  
 "منصور علی کی "کامیاب شادی" دیکھی ہے۔" ریشی نے کہا۔ "اپنی بیویوں کی "کامیاب شادی" دیکھی ہے۔" منصور علی نے کہا۔  
 "منصور علی نے کہا۔" ریشی نے کہا۔ "دو اب اپنے بند پر پڑی ہوئی سازشی کو دیکھ رہی تھی جو اس نے کچھ دیر پہلے کہی ہوئی تھی۔

"منصور علی اگر شادی کرنا ہی چاہتا ہے تو تم اس سے کہو کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دے دے۔"  
 "مہر وہ کہے گا میں نہیں دوں گا تو۔۔۔؟" ریشی نے تڑکی بہ تڑکی کہا۔

"تو تمہیک ہے پھر تم اس سے شادی مت کرنا۔"

"پھر کیا کروں۔ آپ اس گھر سے دو بارہ پانے گھر جانا پسند کریں گی؟ گاڑی کے بجائے دیکھوں کے دیکھنے کھانا پینا کی؟ اس عدم تحفظ کے ساتھ زندگی گزارنا چاہیں جس عدم تحفظ کے ساتھ پہلے گزار رہی تھیں؟ اگر آپ کا جواب ہاں میں ہے تو میں منصور علی کو نہ میں جواب دے دیتی ہوں۔" صافقت خاموش رہی، ریشی نے یک گہرا سانس لیا۔  
 "زندگی میں ہر سوراہا اپنی قیمت پر نہیں ہوتا۔" بعض سووے گا بک کی مرضی سے کہتا پڑتے ہیں۔ اس کی شرائط پر۔ اس کی

مٹائی ہوئی قیمت پر۔ منصور علی اچھا آدمی ہے۔ دوسری بیوی کے طور پر بھی رہتا برا نہیں ہے۔ اگر وہ سب کو اس شادی کے بارے میں بتا دے۔۔۔ اور وہ کہہ رہا ہے کہ وہ اس کے بارے میں بتا دے گا۔" ریشی اب سازشی کو تہہ کرنے لگی۔



"اچھا... تم کہہ رہی ہو کہ وہ مصروف ہے تو میں یقین کر لیتی ہوں اور نہ پرسوں تو میں نے اسے میرا تفریق کتنا دیکھا ہے۔" شیانہ نے بگٹن اٹھاتے ہوئے کہا۔

"میرا تفریق کرتے ہوئے؟ آپ نے کہاں دیکھا ہے اسے؟" حیزوہ کے ماتھے پر ہل آگئے۔  
"میں اور مسعودات کو باہر نکلے ہوئے تھے، ایک ہوٹل میں، میں نے مسعود کو دیکھا تھا۔"

"ہاں وہ گئے ہوں گے وہاں کسی بزنس ڈنر کے سلسلے میں... آپ کو بتایا کہ آج کل تو وہ اتنے مصروف ہوتے ہیں کہ کتا بھی ہم لوگوں کے ساتھ گھر نہیں کھاتا۔" حیزوہ نے اطمینان کا سانس لینے ہوئے کہا۔  
"بزنس ڈنر تو نہیں تھا۔ اس کے ساتھ کوئی لڑکی تھی۔" حیزوہ کے جیروں کے پیچھے سے زمین نکل گئی۔  
"لڑکی؟"

"ہاں لڑکی تھی۔ تم جانتی ہو اسے اچھی طرح۔" شیانہ نے مسکراتے ہوئے تارل انداز میں کہا۔ "وہ امریکی دہشت گرد ہے، رشتی! جس کا ذکر بھی کیا تھا، کچھ عرصہ پہلے میں نے تم سے وہی جس نے ظلو کو نوٹ کیا تھا۔ وہی اس کے ساتھ تھی۔" حیزوہ بے چینی کے عالم میں دم مارے شیانہ کو دیکھتی رہیں۔ شیانہ نے اٹھنا بات جاری رکھی۔  
"وہوں نے اتنے سوڈ میں تھے۔ وہ لڑکی خاصی سنی سنوری ہوئی تھی۔ خود مسعود بھی بڑا خوش نظر آ رہا تھا۔ میں نے تو بڑے عرصے کے بعد اسے اس طرح قہقہے لگاتے دیکھا ہے۔" شیانہ حیزوہ کی کیفیات سے محکوم ہوتے ہوئے اٹھنا بات بند کر کے ہوئے تھیں۔

"پہلے تو میں بہت پریشان ہو گئی کہ یہ آخر مسعود کے ساتھ کیسے آگئی اور پھر رات کے اس وقت ہوئی میں... مگر پھر سوچنے لگے بتایا کہ وہ مسعود کی سیکرٹری ہے۔ مسعود نے کچھ عرصہ پہلے ہی اسے پابند کیا ہے۔" حیزوہ کے جیسے کان تو نہیں بند تھے۔  
"میں نے مسعود سے کہا کہ آخر مسعود کو کسی لڑکی کو سیکرٹری رکھنے کی کیا ضرورت تھی آگئی ہے، اس سے پہلے ہی تو وہ سیکرٹری کے بغیر ہی بزنس کرتا رہا ہے، پھر اب ایسا کیا قیامت نوٹ پڑی تھی کہ اسے سیکرٹری رکھنی پڑی۔ مگر مسعود کہہ رہے تھے کہ یہ مسعود کا اپنا فیصلہ ہے اور وہ اس سے اس معاملے پر کچھ نہیں کہہ سکتے تھے۔ انہوں نے مجھے بھی سختی سے منع کیا کہ میں تم کو مسعود کی سیکرٹری کے بارے میں نہ بتاؤں مگر میں رو نہیں سکی۔"

اس بار شیانہ کے لہجے میں بڑی بھرپور تھی۔ سنا جتنا بھر دی۔

"میں تو اس لڑکی کو دیکھ کر پریشان ہو گئی تھی۔ خاص طور پر مسعود کے ساتھ اس کی اتنی بے تکلفی دیکھ کر وہ لڑکی اتنی خوبصورت ہے کہ اچھے سے اچھے آدمی کی نیت خراب ہو سکتی ہے اور ایسی لڑکیاں تو بس موقع کے انتظار میں ہوتی ہیں۔ میں نے سوچا کہ میں نہیں اس بارے میں بتاؤں تاکہ تم مسعود سے بات تو کرو اور اس لڑکی کے سلسلے میں... آخر مسعود کو ضرورت کیا ہے اس عمری لڑکی کو سیکرٹری کے طور پر رکھنے کی۔"

حیزوہ کی بے یقینی اور شاک اب فتنے میں تبدیل ہو چکا تھا، ان کا خون ہری طرح کھول رہا تھا۔  
"مجھے پہلے ہی شک تھا کہ یہ آج کل کسی لڑکی میں دیکھتا لے رہے ہیں۔ ورنہ اس طرح کی باتیں پہلے تو بھی نہیں کرتے تھے جیسے اب کرتے ہیں۔ نہ ہی اس طرح جھگڑتے تھے جیسے اب جھگڑتے ہیں۔" وہ پھنکا رہا۔  
"مسعود جھگڑتا ہے؟" شیانہ نے چونکنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ "وہ تو بڑے شخصہ سے مزاج کا آدمی تھا۔ اسے کیا ہوا؟"

"آپ جان تو گئی ہیں کہ انہیں کیا ہوا ہے؟ مجھے تو حیرت ہے کہ انہوں نے اس طرح مجھے دھوکا دے کر اس لڑکی کو سیکرٹری رکھا اور وہ لڑکی اس کا تو میں دو حشر کروں گی کہ وہ یاد رکھے گی۔"

"حیزوہ! دیکھو تم میرا نام کسی کے سامنے مت لینا ورنہ مسعود، ظلو اور اسامہ میرا بھی حشر کر دیں گے جنہیں میں نے بتایا ہے کہ مسعود مجھے جنہیں کچھ بھی بتانے سے منع کر رہے تھے۔ وہ بھی یہ نہیں چاہتے کہ مسعود ان سے جھگڑا کرے۔" شیانہ کو اچانک اپنی

آپ نے بہت اچھا کیا کہ مجھے یہ سب کچھ  
 نہ بتا دیا۔ اب یہ سب کچھ کہیں تک نہ سے بچاوا سکا تھا۔ منصور ساری عمر مجھے اندھیرے میں نہیں دکھ سکتے  
 تھے۔ اب یہ سب کچھ بتا دیا تو کسی اور سے بچاوا مل جاتا۔ "خیزو نے عیب دہی سے کہا۔

خیزو نے کہا کہ "ابن ہارن سے آرام سے بیٹھ کر کوئی بات نہیں کر سکتی۔ اس بارن سے بات اسی طرح ہوگی جس طرح  
 آپ نے ابھی کی تو بارن چاہے کہ وہ اپنی بیوی کو اس طرح دھوکا نہیں دے سکتے۔ میں ایکس سال کی شادی کے بعد  
 نے نہ تھا۔ اب بہت فتنے کے عالم میں مسلسل کہہ رہی تھی۔ مجھے بھی تو انہیں بتانا چاہئے کہ ساری خامیاں خود  
 ہی کا منہ پر مارنے لگی ہیں اور شہانہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ انہیں کس طرح غصہ کریں۔ اب انہیں  
 خیزو نے بتا کر بھری ہوئی تھی اور شہانہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ انہیں کس طرح غصہ کریں۔ اب انہیں  
 خیزو نے بتا کر بھری ہوئی تھی اور شہانہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ انہیں کس طرح غصہ کریں۔ اب انہیں

خیزو نے بتا کر بھری ہوئی تھی اور شہانہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ انہیں کس طرح غصہ کریں۔ اب انہیں  
 خیزو نے بتا کر بھری ہوئی تھی اور شہانہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ انہیں کس طرح غصہ کریں۔ اب انہیں  
 خیزو نے بتا کر بھری ہوئی تھی اور شہانہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ انہیں کس طرح غصہ کریں۔ اب انہیں  
 خیزو نے بتا کر بھری ہوئی تھی اور شہانہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ انہیں کس طرح غصہ کریں۔ اب انہیں

خیزو نے بتا کر بھری ہوئی تھی اور شہانہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ انہیں کس طرح غصہ کریں۔ اب انہیں  
 خیزو نے بتا کر بھری ہوئی تھی اور شہانہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ انہیں کس طرح غصہ کریں۔ اب انہیں  
 خیزو نے بتا کر بھری ہوئی تھی اور شہانہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ انہیں کس طرح غصہ کریں۔ اب انہیں  
 خیزو نے بتا کر بھری ہوئی تھی اور شہانہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ انہیں کس طرح غصہ کریں۔ اب انہیں

خیزو نے بتا کر بھری ہوئی تھی اور شہانہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ انہیں کس طرح غصہ کریں۔ اب انہیں  
 خیزو نے بتا کر بھری ہوئی تھی اور شہانہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ انہیں کس طرح غصہ کریں۔ اب انہیں  
 خیزو نے بتا کر بھری ہوئی تھی اور شہانہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ انہیں کس طرح غصہ کریں۔ اب انہیں  
 خیزو نے بتا کر بھری ہوئی تھی اور شہانہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ انہیں کس طرح غصہ کریں۔ اب انہیں

خیزو نے بتا کر بھری ہوئی تھی اور شہانہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ انہیں کس طرح غصہ کریں۔ اب انہیں  
 خیزو نے بتا کر بھری ہوئی تھی اور شہانہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ انہیں کس طرح غصہ کریں۔ اب انہیں  
 خیزو نے بتا کر بھری ہوئی تھی اور شہانہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ انہیں کس طرح غصہ کریں۔ اب انہیں  
 خیزو نے بتا کر بھری ہوئی تھی اور شہانہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ انہیں کس طرح غصہ کریں۔ اب انہیں



جائے اسے منصور کے پاس سیکرٹری رکھوا دیا؟

"مہی! اسے جانب کی ضرورت تھی۔" امبر منتائی۔

"بھڑا میں جائے وہ اور اس کی ضرورت تم نے ساری دنیا کا ٹھیکہ لیا ہوا ہے؟ ساری دنیا کی لاکھوں کوہنہ ضرورت ہے کی تو تم ابھی منصور کے پاس رکھو دو گی تاکہ وہ اور منصور میں کرتے پھریں؟"

"مہی! آپ کس طرح کی فضول بات کر رہی ہیں؟" امبر نے بے اختیار بلند آواز میں کہا۔ "آپ کو کھلا پھر دیکھئے۔ بارے میں اس طرح کی باتیں کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے۔ جانب کرنا کوئی برا کام نہیں ہے۔"

"تم اپنی کجواں بند کرو۔ میں تمہاری کافی بک بک سن چکی ہوں۔ تمہاری دوستی دوست تمہارے آپ کے ساتھ ہوئے۔ ڈنڈ کرتی پھر رہی ہے اور تم مجھے بتا رہی ہو کہ جانب کرنا بہت اچھا کام ہے۔ کل کو تمہارا باپ اسے اس گھر میں لے آئے تھے۔ اسے ساری کر لے گا۔ تم جب بھی یہی کہنا کہ جانب کرنا بہت اچھی بات ہے۔" امبر بے چینی سے حیزہ کو دیکھنے لگی۔

"آپ کیا کر رہی ہیں؟ آپ کو کوئی تلافی ہوئی ہے۔" اس کے ملنے سے ہنسل نکلا۔

"مجھے تلافی ہوئی ہے، مجھے؟ شائد تا کر گئی ہیں مجھے، ایک رات انہوں نے منصور اور رخصتی کو کسی ہوئی میں دیکھا ہے اور منصور پچھلے کئی ہفتوں سے جو کچھ گھر کر رہے ہیں تم اچھی طرح جانتی ہو اور تم مجھ سے کہہ رہی ہو کہ مجھے تلافی چاہئے ہے۔ حیزہ اس کے ہاتھ مل گزری ہے اختیار اشتعال اور رخصتی کے عالم میں بند آواز میں بول رہی تھیں۔

"تمہارا باپ اس لڑکی کے ساتھ گھوم رہا ہے، اسی لیے اسے اب اس گھر میں کچھ بھی اچھا نہیں لگ رہا۔ نہ میں، نہ طرف اشارہ کر رہی تھیں۔

ٹوک۔ اور تم۔۔۔۔۔ تم۔۔۔۔۔ سب تمہاری بھورویوں کی جہ سے ہو رہا ہے۔ تمہاری ذہنیاتی کی جہ سے۔" وہ اب اگلے سے انہی طرف اشارہ کر رہی تھیں۔

"پاپا۔۔۔۔۔ پاپا۔۔۔۔۔ اس طرح کے نہیں ہیں مہی۔ اور رخصتی۔۔۔۔۔ رخصتی تو ان کی تینوں کے برابر ہے۔ امبر کی زبان اب ٹکڑھا رہی تھی۔

"تینوں کے برابر ہونا ہوتی بات ہے۔ جینی ہونا دوسری بات ہے تمہاری عمر کی ہر لڑکی تمہارے باپ کو اپنی جانے لیسے گی۔" حیزہ نے بے حد سچ بچھے میں کہا۔

"مہی! میں پاپا سے کہتی ہوں کہ وہ رخصتی کو کہیں اور جانب دلا دیں۔ اپنے پاس سیکرٹری کے طور پر نہ رکھیں۔ پھر وہ آپ کے سارے خدشات ختم ہو جائیں گے۔"

"نہیں یہ سب تم نہیں کیوں گی۔ اب یہ سب میں کہوں گی۔ منصور علی سے اور رخصتی سے اس زبان میں بات کہاں کی جو وہ سمجھتی ہے، اور تم۔۔۔۔۔ مجھے اگر وہ بارہ رخصتی سے تمہارے رابطے کا پتا چلا تو میں۔۔۔۔۔ میں تمہیں بھی ٹھیک کر دوں گی۔ اب دفعہ ہوا جاؤ یہاں سے۔"

امبر کچھ دیر وہاں کھڑی حیزہ سے کچھ کہنے کی کوشش کرتی رہی مگر پھر یہ کام ہو کر قدرے الجھن اور اضطراب کے عالم میں وہاں سے چلی آئی۔



حیزہ اس رات دیر تک منصور علی کا انتظار کرتی رہی مگر منصور علی نہیں آئے پھر انہوں نے ان کے سواہل پر فون کیا سواہل آف تھا۔ حیزہ نے باری باری قیصری اور آفس کے تمام نمبر ڈائل کیے۔ رات کے بارہ بجے وہاں اس کی کال آئی۔ سچ کہہ سکتا تھا۔

حیزہ نے اس کے بعد غلو کو فون کیا۔ وہ گھر پر تھا۔ "منصور بچکا کا مجھے پتا نہیں۔ وہ دوسرے آفس میں ہوتے ہیں۔ میں نہیں جانتا وہ کب وہاں سے نکلتے ہیں۔" اس نے حیزہ کی انکار مزی پر کہا۔

"منصور بھائی کو پتا ہے وہ کتنے بجے نکلتے ہیں؟" حیزہ نے اپنے لہجے کو ناول رکھتے ہوئے کہا۔

میں نے آپ کو بتایا، بالکل دوسری کیفیت میں ہوتے ہیں۔ یہ  
 طے کرنے کی چاہیے کہ آپ کو بتایا گیا ہے۔ "میرا ہرگز وہاں سے ہنسی  
 نہیں آتی ہے۔" وہ کپڑے تبدیل کرنے کی چاہیے کہ بے تھے، میرا ہرگز وہاں سے ہنسی  
 نہیں آتی ہے۔

میرا ہرگز وہاں سے ہنسی نہیں آتی ہے۔ "میرا ہرگز وہاں سے ہنسی  
 نہیں آتی ہے۔" میرا ہرگز وہاں سے ہنسی نہیں آتی ہے۔

میرا ہرگز وہاں سے ہنسی نہیں آتی ہے۔ "میرا ہرگز وہاں سے ہنسی  
 نہیں آتی ہے۔" میرا ہرگز وہاں سے ہنسی نہیں آتی ہے۔

میرا ہرگز وہاں سے ہنسی نہیں آتی ہے۔ "میرا ہرگز وہاں سے ہنسی  
 نہیں آتی ہے۔" میرا ہرگز وہاں سے ہنسی نہیں آتی ہے۔

میرا ہرگز وہاں سے ہنسی نہیں آتی ہے۔ "میرا ہرگز وہاں سے ہنسی  
 نہیں آتی ہے۔" میرا ہرگز وہاں سے ہنسی نہیں آتی ہے۔

میرا ہرگز وہاں سے ہنسی نہیں آتی ہے۔ "میرا ہرگز وہاں سے ہنسی  
 نہیں آتی ہے۔" میرا ہرگز وہاں سے ہنسی نہیں آتی ہے۔

میرا ہرگز وہاں سے ہنسی نہیں آتی ہے۔ "میرا ہرگز وہاں سے ہنسی  
 نہیں آتی ہے۔" میرا ہرگز وہاں سے ہنسی نہیں آتی ہے۔

میرا ہرگز وہاں سے ہنسی نہیں آتی ہے۔ "میرا ہرگز وہاں سے ہنسی  
 نہیں آتی ہے۔" میرا ہرگز وہاں سے ہنسی نہیں آتی ہے۔

”یہ نہیں ہو سکتا میں اسے جا ب پ روکھ کر نکال نہیں سکتا۔“

”کیوں نہیں نکال سکتے۔ اگر تم نے اسے صرف امیر کے کہنے پر روکھا ہے تو امیر کے لیے ہی نکال دو۔“

”نہیں۔ امیر کے لیے تب بھی نہیں۔ یہ کوئی مذاق نہیں ہے کہ میں آج ایک شخص کو جا ب پ روکوں اور اسے کہہ دوں۔“

”مخلص کو نہیں، لڑکی کو مخلص کی تو بات ہی نہ کرو۔ تم منصور علی، تم ایک تیسرے درجے کے اچھی اچھی خاتون ہو۔“

”تم اپنی مرد کو۔ اپنے بچوں کو دیکھو۔“ اس سے پہلے کہ وہ بچوں اور بچہیں منصور علی نے خیزہ کے چہرے پر چڑھائی تھی۔

”خیزہ اتنا زور دار نہیں تھا جتنا اس بات کا مدد تھا کہ انہیں یہ خیزہ منصور علی نے ملا تھا۔ میں سالہ انصاف کی زندگی میں

منصور علی نے خیزہ تو ایک طرف بھی ان سے اونگھی آواز میں بات بھی نہیں کی تھی۔ وہ بیس سال تک آئینہ میں شوہر کے چہرے میں

پورے اتنے تھے اور اب چند ہفتوں میں خیزہ نے ان کی شخصیت کے کچھ نئے رخ دیکھے تھے۔ کچھ اور پریشان، کچھ اور پتلا

اور سب سے باریک سب سے سیاہ ترین پہنو یہ تھا جو وہ اب اس وقت دیکھ رہی تھی۔

گال پر ہاتھ رکھے وہ بے یقینی سے اپنے سامنے چلاتے اس مرد کو دیکھتی رہیں جس کے ساتھ انہوں نے زندگی کے ستر

سال گزارے تھے، اور وہ کہہ رہے تھے۔

”بند کرو۔۔۔ اپنی بے ہودہ منگھٹو۔۔۔ بند کرو۔۔۔ بچوں کا ذکر میری عمر کا ذکر نہ کرو۔۔۔ میں تنگ آ گیا ہوں تمہاری ان

باتوں سے۔ تمہارے پاس منگھڑے کے علاوہ اور کچھ ہے؟ طنز کے علاوہ کچھ اور کہہ سکتی ہو تم؟“ منصور علی اب جلد آواز میں

دعا زور رہے تھے۔

”میری زندگی کی سب سے بڑی غلطی یہ ہے کہ میں نے تم سے شادی کی۔ بلکہ شادی کی کیا، شادی ہو گئی۔ تم نے میری

زندگی کو جہنم بنا کر رکھا ہے۔ میں تنگ آ گیا ہوں جہنم سے۔ تم سے۔ تمہاری اولاد سے۔“

”میری اولاد سے۔ اب یہ صرف میری اولاد ہے؟“

”ہاں یہ صرف تمہاری اولاد ہے، تم جیسی، تمہاری اولاد۔۔۔ میری حماقت یہ ہے کہ میں اس گھر میں آ جا تا ہوں مجھے تو اس

گھر میں بھی نہیں آنا چاہیے۔“

”تو پھر کہاں رہنا چاہیے۔ رخصتی کے گھر؟“

”ہاں رخصتی کے گھر۔۔۔ وہ ہر لحاظ سے تم سے بہتر ہے۔ ہر لحاظ سے۔“ منصور علی کہتے ہوئے ڈرانگ روم میں پنے گئے۔

خیزہ بھی ان کے پیچھے ڈرانگ روم میں چلی آئیں۔ ”اگر وہ ہر لحاظ سے بہتر ہے تو تم یہاں کیوں آئے ہو۔ جاؤ۔

اس کے پاس پلے جاؤ۔ دفع ہو جاؤ اس کے پاس۔“ وہ بذیاتی انداز میں گال پر ہاتھ رکھ کر چلا گئیں۔

”چلا جاؤں گا اس کے پاس۔ تمہارا یہ شوق بھی پورا کروں گا۔“

”اور اس کے بعد تم دیکھنا میں پورے خاندان کو اکٹھا کر کے تمہیں کتنا ذلیل کروں گی۔“ خیزہ اب خلق کے ملی چواری

تھیں۔

”مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ روتی رو رہا بھی فرق نہیں پڑے گا۔“

”وقت بتائے گا۔“

”نہیں۔ یہ میں بتاؤں گا۔ تم دیکھ لو گی۔ لوگ میرے سامنے گونگے ہو جائیں گے، کوئی مجھے میرے من پر ایک لٹکا بھی نہیں

کہے گا۔“

”میرا خاندان تمہیں زندہ نہیں چھوڑے گا۔“

خود تہ ذرا غصہ، یعنی نفرت، تم لوگ ہو کیا میرے سامنے۔ اتنا مان ہے نصیبیں اپنے خاندان پر۔ تو یہاں کیوں

مخبرہ ہوا۔ اس نے غصہ کے پاس سے ایک بار روشنی سے شادی تو کرو۔ پھر دیکھتا میں دو بارہ تہداری شکل دیکھتا تک پسند  
یہ تو نہیں تھا۔ جس وقت کہ اس کے سامنے اس کے ساتھ لے جاؤں گی۔  
مخبرہ ہوا۔ اس نے غصہ کے پاس سے ایک بار روشنی سے شادی تو کرو۔ پھر دیکھتا میں دو بارہ تہداری شکل دیکھتا تک پسند  
یہ تو نہیں تھا۔ جس وقت کہ اس کے سامنے اس کے ساتھ لے جاؤں گی۔

زیر پوش چلے گئے۔ نیزہ کی طرح اسے بھی منصور کا انتظار تھا اور وہ بھی۔ جہاں تکھی تھی کہ منصور کو نہیں آئے۔  
ہر دو ہفتہ ہوا۔ اس نے غصہ کے پاس سے ایک بار روشنی سے شادی تو کرو۔ پھر دیکھتا میں دو بارہ تہداری شکل دیکھتا تک پسند  
یہ تو نہیں تھا۔ جس وقت کہ اس کے سامنے اس کے ساتھ لے جاؤں گی۔

منصور نے غصہ کے پاس سے ایک بار روشنی سے شادی تو کرو۔ پھر دیکھتا میں دو بارہ تہداری شکل دیکھتا تک پسند  
یہ تو نہیں تھا۔ جس وقت کہ اس کے سامنے اس کے ساتھ لے جاؤں گی۔

منصور نے غصہ کے پاس سے ایک بار روشنی سے شادی تو کرو۔ پھر دیکھتا میں دو بارہ تہداری شکل دیکھتا تک پسند  
یہ تو نہیں تھا۔ جس وقت کہ اس کے سامنے اس کے ساتھ لے جاؤں گی۔



منصور نے غصہ کے پاس سے ایک بار روشنی سے شادی تو کرو۔ پھر دیکھتا میں دو بارہ تہداری شکل دیکھتا تک پسند  
یہ تو نہیں تھا۔ جس وقت کہ اس کے سامنے اس کے ساتھ لے جاؤں گی۔

"ابھر کو یاد نہیں کہ اس سے پہلے سامعہ کے لہجے میں یہ احتیاط نظر آئی تھی یا نہیں شاید اس سے پہلے اس نے کئی دفعہ کہا تھا۔ آج ہیکلی بارہ دو دوسروں کے لہجوں پر غور کر رہی تھی۔

"اوہ ہاں ابھر... کیسی ہو؟" ابھر کوشش کے باوجود سامعہ کے لہجے میں کوئی گرم جوشی نہیں آسکتی تھی۔

جوشی سے دوستی کے آغاز میں اس کے لہجے میں جھلکتی تھی۔

"میں ریشی سے بات کرنا چاہتی ہوں۔" ابھر نے سامعہ کے سوال کا جواب ویسے بغیر کہا۔

"ریشی تو گھر پر نہیں ہے۔" سامعہ نے کہا۔

"پھر کہاں ہے؟ آفس میں ہے؟" ابھر کا انداز بہت دو ٹوک تھا۔

"نہیں آفس میں تو نہیں ہے۔ وہاں سے تو اس وقت تک آ جاتی ہے۔ وہ اہل میں بازار بھی ہے۔ کچھ شاہد کے لیے۔"

"سامعہ اب قدر سے روٹنی سے بول رہی تھی۔

"تجسس کوئی پیغام دینا ہے تو تم مجھے بتا دو۔ میں دے دوں گی۔"

"میں اس سے خود بات کرنا چاہتی ہوں میں دو بارہ خون کر لوں گی۔" اس نے کچھ کے بغیر ہی میسر رکھ دیا۔

اسے اپنی سینوں میں درد محسوس ہو رہا تھا۔ ریشی کا نام ہتھوڑے کی طرح برسی رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر کمرے کے پورے گوشے شروع کر دیے ریشی کو دیکھ کر وہ جان گئی تھی، احسان فراموشی کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ کم از کم بعض لوگوں کے لیے ہے۔ یہ ان کی بد قسمتی تھی کہ ریشی ان بعض لوگوں میں شامل تھی۔

اس سے بھی زیادہ وہ بد قسمتی یہ تھی کہ اس کی دوست تھی۔ وہ دوست جس کی طرف دوستی کا ہاتھ اس نے جوڑنا تھا۔ جس پر اس کے احسانوں کا کوئی شمار نہیں تھا۔ اس نے زندگی میں کبھی احسانوں کو شمار کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ اسے اس کی ضرورت ہی نہیں پڑی تھی۔ مگر وہ آج زندگی میں ہیکلی بارہ کسی پر اپنے کے لئے احسانوں کو یاد کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ وہ تمام نئے جو وہ دیکھتا تھا اسے یاد کرتی تھی۔ نئے نئے دوستی پر وہ ان کے بغیر اسے یاد نہیں، اس نے کئی بار ریشی کی مدد کی تھی۔ کئی بار اس کی مختلف فرمائشیں پوری کی تھیں۔ وہ جسے بے تکلفی اور گہری دوستی کے اظہار کے طور پر لیتے تھی۔ وہ کوئی دوستی تھی نہ بے تکلفی۔ وہ صرف اس کا استعمال تھا۔ اس کے پاس موجود چیزوں کا استعمال تھا۔

وہ ہیکلی بارہ ریشی کے نزدیک اپنی اہمیت، اپنا رول سمجھنے کی کوشش کر رہی تھی۔ اس کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس کا اصل

صرف ایک Provider کا تھا۔

ابھر منصور علی کی اہمیت صرف یہ تھی کہ وہ ایک اونٹنے خاندان کی امیر لڑکی تھی۔ اس میں کوئی ایسی خوبی نہیں تھی جس کی بناء پر ریشی جیسی لڑکی اس کی دوستی کو اہمیت دینے پر مجبور ہوتی۔ یا شاید ریشی کی زندگی کے فریم ورک میں پیرا ایچ ایم ہو گیا تھا کہ وہ ان بنیادی انسانی صفات سے محروم ہو گئی تھی۔ جس سے کسی دوسرے شخص کو خوبیوں کو جانچتے ہوئے اس کی وقعت کا اندازہ کیا جاسکے۔ پیرا ایچ ایم اسے سمجھنے کے لیے کہا تھا۔ اس سے زیادہ پیرا ایچ ایم کو سمجھنے کی طرف لے گیا تھا، کسی تیسرے شخص کے پاس اس سے زیادہ پیرا ایچ ایم تو وہ اس کی طرف چلی جاتی۔

کمرے میں چلتے ہوئے ابھر منصور علی ہیکلی بارہ اپنی نظریوں کا اعتراف کر رہی تھی۔ ریشی کے بارے میں مختلف اوقات میں مختلف لوگوں کی تسخیر اسے یاد آ رہی تھی۔

اس نے ہر ایک کی بات کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیا تھا۔ بہت لاپرواہی اور بے فکری کے ساتھ۔ اسے ریشی سے کبھی کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا تھا۔ مگر ایک دم ہی لاپرواہی اور بے فکری کا وہ دور ختم ہو گیا تھا اور اس کیجہ وہ لڑکی تھی جسے وہ اپنا بہترین دوست سمجھتی تھی۔

"ایسے واقعات اور حادثات زندگی میں سستی سکھانے کے لیے پیش آتے ہیں اور میں نے بھی ریشی سے سستی سیکھا ہے۔ کم از کم زندگی میں دو بارہ کبھی میں آنکھیں بند کر کے کسی پر بھروسہ نہیں کروں گی۔" اس نے اپنے اعصاب پر سوار ہوئی اینٹیشن کو

اس نے ہر ایک کی بات کو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیا تھا۔ بہت لاپرواہی اور بے فکری کے ساتھ۔ اسے ریشی سے کبھی کوئی خطرہ محسوس نہیں ہوا تھا۔ مگر ایک دم ہی لاپرواہی اور بے فکری کا وہ دور ختم ہو گیا تھا اور اس کیجہ وہ لڑکی تھی جسے وہ اپنا بہترین دوست سمجھتی تھی۔





”جی ہاں، یہ ضرور کہتا چاہیے کہ اگر تم سے بات کرنا چاہو رہی ہے اور اسے اس بات سے بھی خبردار کروانا چاہیے کہ یہ باتیں سن کر وہ ضرور ہی ہنستا رہتا ہے اور خود وہ بھی اسی طور پر اپنی جلی کا سامنا کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔“ سائق نے ہنس کر کہا۔

”میں ضرور ہی سے بات نہیں کروں گی، میں اس سے کوئی مشورہ نہیں لوں گی۔ میں اب اس سے بات کروں گی دیکھوں تو کیا نہ ہو مجھے یہ کہنا چاہتی ہے۔ ضرور ہی کو بعد میں بھی سب کچھ بتایا جاسکتا ہے۔“

”مگر تم جیسا کہ تمہارے سب کچھ چھپا رہے۔ کیا کہو گی۔“ سائق نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

”مگر تمہاری روشنی کچھ ہے اب اس سے سب کچھ چھپا رہی ہے اگر وہ کسی ٹک کا اعتبار کرے گی تو میں اس کی تصدیق کروں گی۔“

”تمہاری روشنی کچھ ہے اب اس سے سب کچھ چھپا رہی ہے۔“ روشنی نے لاپرواہی سے کہہ کر اسے اچکائے اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کچھ بتائی فون کی طرف بولتی ہوئی۔

”پہلے ایک بار پھر سوچ لو یہ نہ ہو کہ بعد میں تم پچھتاؤ۔“ سائق نے روشنی کو فون کی طرف دیکھا۔

”میں کچھ نہیں دیکھتی، اگر اب اسے بے چین ہو رہی ہے مجھ سے بات کرنے کے لیے تو مجھے اس سے بات کرنے کی ضرورت ہے۔“ اس نے سائق سے حریفانہ کچھ کہے بغیر فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”اب اس بار روشنی کی آواز سن کر کچھ دیر کے لیے کچھ نہیں بول پائی۔ وہ توقع کر رہی تھی کہ پہلے کی طرح وہ بھی سائق فون اٹھائے گی۔“

”میں اب بول رہی ہوں۔“ چند لمحوں کے بعد اس نے کہا روشنی نے جی کرم جوشی سے کہا۔

”ہی اب اس کی بات؟ اسی نے مجھے تمہارے فون کے بارے میں بتایا تھا میں اصل میں کچھ دیر کے لیے اب اس سے بات کرنے کی ضرورت تھی۔“

”میں اب بھی نہیں کال کرنے کی ضرورت ہے اب اس سے کال کر رہی ہوں۔ میں ابھی نہیں کال کرنے کی ضرورت ہے اب اس سے کال کر رہی ہوں۔“

”اب اس کے لیے تمہارے کال کرنے کا انتخاب کرتی رہی، بات کا آغاز کرتا اس کے لیے مشکل ثابت ہو رہا تھا۔“

”میں اب اس سے تمہارے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں۔“

”میں اب اس سے تمہارے بارے میں؟“ روشنی نے حیرت ظاہر کی۔ اب اس کو اس بے تکلفی نے تکلیف پہنچائی جس بے تکلفی سے اس نے ضرور ہی کا نام لیا تھا۔

”اب اس کی طرف روشنی کے دل کی دھڑکن چند لمحوں کے لیے بے ترتیب ہوئی سائق کا اندازہ ٹھیک نکلا تھا۔ اب اس سے اس کے بارے میں بات کرنا چاہتی تھی، تمہاری اور جلی سائق بھی اس کے سانس سے ٹکٹے والا جلسا بن کر کچھ چمک گیا۔“

”میں اب اس سے تمہارے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں، تمہارے بارے میں سب جان گئی ہے ایک دوست اور اپنے باپ کے اہلکار کے بارے میں بات کرنا۔ اس وقت اس کے لیے زندگی کا مشکل ترین کام ثابت ہو رہا تھا۔“

”میں اب اس سے تمہارے بارے میں؟“ روشنی نے اطمینان سے سوال کیا۔

”میں اب اس سے تمہارے بارے میں بات کرنا چاہتی ہوں، تمہارے بارے میں سب جان گئی ہے ایک دوست اور اپنے باپ کے اہلکار کے بارے میں بات کرنا۔ اس وقت اس کے لیے زندگی کا مشکل ترین کام ثابت ہو رہا تھا۔“

”میں اب اس سے تمہارے بارے میں؟“ روشنی نے اطمینان سے سوال کیا۔



”تم تم سے اس کی وجہات پر بحث کرنا نہیں چاہتی، صرف یہ چاہتی ہوں کہ تم یہ جاب چھوڑ دو۔“

”یہ جاب چھوڑ دو تو کیا کروں؟“ رشی نے جیب سے لہجے میں کہا۔

”دو تہارا مسئلہ ہے۔ تم اتنی کچھ دانا ہو چکی ہو کہ تمیں اور جاب ڈھونڈ سکو۔ تمیں اب کسی کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔“

”اگر تم نے انکا مسئلہ میں دو نوک لہجے میں کہا۔“

”اسی لیے تو میں یہ جاب چھوڑنا نہیں چاہتی۔ ابھی تم نے کچھ دلدی کی بات کی ہے تو میری کچھ دلدی تو تم سے کیا ہو رہی ہے کہ میں یہ جاب نہ چھوڑوں۔ منصور علی کے ساتھ کام کرنا مجھے بہت اچھا لگ رہا ہے۔“ رشی نے کہا۔

”مگر تمہارا پاپا کے ساتھ کام کرنا مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔“ امبر فرمایا۔

”تم نے خود مجھے منصور علی کے پاس جاب دلوائی تھی۔“

”میں نے تمیں پاپا کے پاس جاب نہیں دلوائی تھی۔ میں نے صرف پاپا کو جاب دلوانے کے لیے تمہاری مدد کرتے کہا تھا۔ میں نہیں جانتی تھی کہ تم پاپا کے پاس ہی جاب کرنے کو گی۔“

”تم نے منصور علی سے میری ستارش کی۔ منصور علی نے مجھے رکھ لیا۔ انیس سیرفری کی ضرورت تھی، مجھے جاب کی۔“

”اگر میری ہی ستارش پر تمیں انہوں نے جاب دی تھی تو پھر اب میں یہی چاہتی ہوں کہ تم ان کے پاس کام نہ کرو۔“

”تو امبر! یہ بات تم لفظ آدمی سے نہیں کہہ رہیں؟ تمیں یہ سب منصور علی سے کہنا چاہیے۔ انہوں نے مجھے جاب پہنچا دیا، وہی مجھے جاب سے نکال سکتے ہیں۔“

”دوسرے لفظوں میں تم مجھ سے یہ کہہ رہی ہو کہ تم جاب نہیں چھوڑو گی۔“

”دوسرے لفظوں میں؟ میرا خیال ہے کہ میں بہت صاف لفظوں میں تمیں یہی بتا رہی ہوں کہ میں جاب نہیں چھوڑوں گی۔“ رشی نے چند لمحوں کے لیے توقف کیا۔ پھر بولی ”تم وجہ بتانے پر تیار نہیں میں جاب کیوں چھوڑوں تو پھر میں تمہاری یہ فضول سی ضد نما خواہش پر اپنی جاب تو نہیں چھوڑ سکتی۔“

”وجہ! وجہ جانا چاہتی ہو تم؟ نہیں رشی! تم وجہ جانا نہیں چاہتی تم اتنی معصوم نہیں ہو کہ وجہ نہ جانتی ہو۔“

”معصوم تو کوئی بھی نہیں ہوتا۔ آج کی دنیا میں اگر کوئی معصوم تمیں نظر آئے تو مجھے ضرور دکھانا۔ معصوم تو تم ہی ہو۔“ رشی کے لہجے کی سرد مہری اب عروج پر تھی۔

”میں۔ میں معصوم نہیں ہوں۔ میں بے وقوف ہوں۔ دنیا کی سب سے بڑی بے وقوف۔ میں نے اپنی آٹھ سوڑے جیسا سانپ پال لیا۔“ امبر کو اس کے الفاظ نے بڑی طرح مشتعل کیا۔

”تو کیا میں نے تمیں کاٹ لیا؟“ رشی کو امبر کی بات نے جیسے محظوظ کیا۔ ”میں نے تمیں نہیں کاٹا امبر؟ تم میرا بیڑا فریڈ ہو۔“ اس کا لہجہ تھمڑے ہوئے تھا۔

”نام مت لینا دوستی کا اپنی زبان سے۔ تم جیسی لڑکیاں اس لفظ کا مطلب نہیں جانتیں۔“

”اوکے۔۔۔۔۔ مجھ جیسی لڑکیاں اس لفظ کا مطلب بھی نہیں جانتیں۔۔۔۔۔ بس تم نے یہی بتانے کے لیے مجھے فون کیا؟“

”مجھے شرم آ رہی ہے تم سے یہ کہنے ہوئے کہ تم نے میرے پاپا کو ٹریپ کر لیا ہے۔ تم ان کے ساتھ مل کر جاؤ۔ صرف چند ماہ کی چیزوں کے لیے تم تم انہیں بے وقوف بنا رہی ہو۔“ امبر نے غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

”یہ سب کچھ تمیں کس نے بتایا ہے؟“ رشی نے اپنے اعصاب پر قابو رکھنے ہوئے کہا۔

”یہ مت پوچھو کہ یہ سب کچھ کس نے بتایا ہے۔ تم نے دنیا کو اندھا سمجھ لیا ہو گا مگر دنیا اتنی اندھی نہیں ہے۔ جی۔۔۔۔۔ تمہارا ہاتھ اچھوٹا ہی تھا۔“

”امبر کا فنی لعنت علامت ہو چکی ہے اب بس کرو۔ تم چونکہ فقے میں ہو اور تم کچھ نہیں پارتی کہ تم کیا کہنا چاہتی ہو کیا کہہ رہی ہو۔ اس لیے میں برا نہیں مان رہی ورنہ جو کچھ تم کہہ رہی ہو اس کے بعد مجھے تمہاری شکل تک نہیں دکھانی چاہی۔“

بے قرار نہ ہونے کی بات ہے۔  
 تم میری کل نہیں دیکھ کر رشتی! میں خود تمہاری کل دیکھنا نہیں چاہتی۔ تم سے دو اتنی میری زندگی کی سب سے بھیا تک  
 ہر روز۔ کئی ہے۔ سب سے خوشگام۔ کئی لوگ کئی کئی تم اس قابل نہیں تھیں کہ تمہارے ساتھ خوش رکھا جائے۔  
 تم خود تمہاری کل کے فرمان۔ "رشتی نہیں۔"

میں نہیں خبردار کر رہی ہوں۔"

رشتی! میرے پاپا کا بچا چھوڑ دو وہ تمہارا بہت برا مشر ہوگا۔ میں نہیں خبردار کر رہی ہوں۔  
 ہر بات ایک بار بار غلط آدمی سے اپنی بات کر رہی ہو۔ میرا خیال ہے۔ یہ درخواست بھی نہیں منظور علی کے سامنے ہی  
 نہیں کرنی چاہیے میں اس خطے میں بھی تمہاری کوئی مدد نہیں کر سکتی۔"

رشتی! تم نے میرے پاپا کو زہر کر لیا ہے، انہیں بے حقوق بنا رہی ہو تم۔"

میں نے تمہارے پاپا کو تو کتنے جیتے ہیں۔ انہیں مجھ سے محبت ہے۔ "ابہر کچھ اور اس کی بات کے جواب میں کچھ بول  
 کر تمہارے پاپا کو کتنے جیتے ہیں۔ انہیں مجھ سے محبت ہے۔" ابہر کچھ اور اس کی بات کے جواب میں کچھ بول  
 کر تمہارے پاپا کو کتنے جیتے ہیں۔ انہیں مجھ سے محبت ہے۔" ابہر کچھ اور اس کی بات کے جواب میں کچھ بول

رشتی! میں طرح منظور علی کی بات کو سمجھ کر ادا ہر اس کی۔ اسے اندازہ نہیں تھا۔  
 ابہر تمہارا اصلی چہرہ دیکھنے میں وہ نہیں لگے گی اور جب وہ تمہارا اصلی چہرہ دیکھ لیں گے تو وہ نہیں دیکھے مار کر نکال  
 دینگے۔"

میں نے رشتی نے بے حد انجان بے کر کہا۔ اپنے آفس سے؟ اپنے دل سے؟ یا پھر اپنے گھر سے؟ "ابہر کے عشق  
 تو مجھے کئی نے وہ دنوں انہوں سے بکڑ لیا۔"

میں نے رشتی نے بے حد انجان بے کر کہا۔ اپنے آفس سے؟ اپنے دل سے؟ یا پھر اپنے گھر سے؟ "ابہر کے عشق  
 تو مجھے کئی نے وہ دنوں انہوں سے بکڑ لیا۔"

میں نے رشتی نے بے حد انجان بے کر کہا۔ اپنے آفس سے؟ اپنے دل سے؟ یا پھر اپنے گھر سے؟ "ابہر کے عشق  
 تو مجھے کئی نے وہ دنوں انہوں سے بکڑ لیا۔"

میں نے رشتی نے بے حد انجان بے کر کہا۔ اپنے آفس سے؟ اپنے دل سے؟ یا پھر اپنے گھر سے؟ "ابہر کے عشق  
 تو مجھے کئی نے وہ دنوں انہوں سے بکڑ لیا۔"

میں نے رشتی نے بے حد انجان بے کر کہا۔ اپنے آفس سے؟ اپنے دل سے؟ یا پھر اپنے گھر سے؟ "ابہر کے عشق  
 تو مجھے کئی نے وہ دنوں انہوں سے بکڑ لیا۔"

میں نے رشتی نے بے حد انجان بے کر کہا۔ اپنے آفس سے؟ اپنے دل سے؟ یا پھر اپنے گھر سے؟ "ابہر کے عشق  
 تو مجھے کئی نے وہ دنوں انہوں سے بکڑ لیا۔"

میں نے رشتی نے بے حد انجان بے کر کہا۔ اپنے آفس سے؟ اپنے دل سے؟ یا پھر اپنے گھر سے؟ "ابہر کے عشق  
 تو مجھے کئی نے وہ دنوں انہوں سے بکڑ لیا۔"

میں نے رشتی نے بے حد انجان بے کر کہا۔ اپنے آفس سے؟ اپنے دل سے؟ یا پھر اپنے گھر سے؟ "ابہر کے عشق  
 تو مجھے کئی نے وہ دنوں انہوں سے بکڑ لیا۔"

"کیونکہ وہ مجھ سے شادی کیوں نہیں کر سکتے... اگر وہ میرے ساتھ اٹھ کر چلا سکتے ہیں اور تم کم از کم اٹھ کر کے اس میں تو یہ نہیں کہہ سکتیں کہ وہ بھی میرا کھڑا ہوا بھوت ہے تو پھر وہ مجھ سے شادی کیوں نہیں کر سکتے۔" رضی نے مذاق خواتین سے انداز میں کہا۔

"پاپا کو تم سے شادی کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ ایک خوشگوار شادی شدہ زندگی گزار رہے ہیں۔" امیر نے اپنے اصحاب پر قہر پاتے ہوئے کہا۔ جواب میں رضی بے اختیار ہلکے سا کھنکھسا کر ہنسی، اتنی بری طرح کہ گوشوں کے اوپر وہ اگلے کی پینٹلڈ رنگت ہی پر کنٹرول نہیں کر پائی۔

"اف... مائی گاڈ! تم نے مجھے بہت ہنسایا ہے امیر! میں نہیں جانتی تھی تمہارا سنس آف ہیراٹا جیسا ہے۔ تمہاری زندگی۔ خوشگوار شادی شدہ زندگی۔" اس نے ایک بار پھر جستا شروع کر دیا۔

"تم اپنی ہی اور ان کی نیچر کو تو بہت اچھی طرح جانتی ہو۔ تم ہی مجھے بتاؤ... کیا ان کے ساتھ کوئی مداخلت ہو سکتی ہے۔"

"مداخلت آپ!؟" رضی نے امیر کو تری بہ تری جواب دیتے ہوئے کہا۔ "میں اب تک تمہارا لحاظ کر رہی تھی اور اب وہ تمہارے اور میرے درمیان لحاظ کا رشتہ ضرور قائم رہے ورنہ آگے چل کر بڑی مشکل ہو جائے گی۔" رضی نے اس بار ہر سنجیدگی سے کہا۔

آگے چل کر؟ کون سا آگے رضی! تم، تم تمہارا نہ کوئی آگے ہے نہ پیچھے۔ اوکے تم نے پاپا کے ساتھ شادی کرنی چاہی۔ مگر کتنے دنوں کے لیے؟ یہ زندگی بھر کا رشتہ تو ہو نہیں سکتا۔ اس کے بعد تم کیا کر گئی؟ کہاں جاؤ گی؟"

"یہ تمہاری بد قسمتی ہے امیر! پاپا پر منصور علی کی خوش قسمتی کہ میں نے ان کے ساتھ ساری عمر رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ پہلے ہی یہ جان کر خوشی ہوئی کہ تمہیں بڑی جلدی میری بات پر اہتمام آ گیا ہے ورنہ کچھ دیر پہلے تو تم یہ ماننے پر تیار ہی نہیں تھے کہ منصور علی نے مجھ سے شادی کرنی ہے۔" رضی نے مسخرا میزا انداز میں کہا۔

"تم نے پاپا سے ان کی جائیداد ان کے پیسے کے لیے شادی کی ہے اور یہ بنیاد تو نہیں رہے گی۔"

"ہر رشتے کی بنیاد میں کتنی نہ کتنی چیز ضرور آتا ہے پھر کیا ہے۔ مان لیا میں نے منصور علی سے پیسے کے لیے شادی ہے۔ تو کیا برائی ہے اس میں۔ ہر آدمی میں کچھ نہ کچھ تو دیکھا جاتا ہے میں نے منصور میں چیر دیکھ لیا کیا فرق پڑتا ہے۔"

"ہاں۔ تمہارے بیسے لڑکیوں کو تو نہیں پڑتا۔ وہ تو ان کو پڑتا ہے جن کا کوئی خاندان ہو۔ حسب نسب ہو۔ تم جیوں تو فرق پڑتا ہوگا۔"

"ویسے منصور علی نے مجھ سے محبت کی شادی کی ہے اگر تمہارے خیال میں رشتے یا تعلق کی بنیاد محبت پر ہونی چاہیے تو منصور علی کی طرف سے اس بنیاد میں محبت ہی شامل ہے۔" وہ اب بھی مذاق اڑانے والے سوز میں تھی۔

"مجھے اب اندازہ ہوا رضی! تمہاری بین کو کیوں قتل کیا گیا تھا... اس نے بھی یہی کچھ کیا ہوگا۔" امیر نے کہا۔

ریسیور پر رضی کے ہاتھ کی گرفت سخت ہو گئی... اس کے ہونٹ بھیجھک گئے... جلی بار اس کے چہرے سے گزرتا ہوا مسکراہٹ غائب ہوئی تھی جو اس پوری گفتگو کے دوران اس کے چہرے پر تھی۔

"میری بین کا نام مت لو۔" دو غرائی۔

"کیوں نہ لوں۔ میں لوں گی اس کا نام تم تمہاری امی تمہاری بیٹی سب ایک جیسی ہو یہی سب کچھ کرتی ہو گی۔" لے لے تو تمہارے قادر نے چھوڑ دیا تمہیں۔ اسی لیے تمہارے محلے والوں نے تم لوگوں کو سپورٹ نہیں کیا۔ کیونکہ وہ تم لوگوں کو تمہارے حریفوں اور جھگڑندوں کو اچھی طرح جانتے تھے، صرف میں امتحان تھی جو تمہیں اور تمہاری اہلیت کو نہیں جانتے تھے۔

"میں دیکھوں گی۔ تم پاپا کے ساتھ کیسے رہتی ہو۔ میں تمہیں پاپا کی زندگی، ان کے گھر، ان کے دل ہر جگہ سے لگاؤں۔"

فردوسِ آسمان

میرا نہ توہاں ہے۔ پتلا بھری بات کہی نہیں جا سکتے اور مجھے نہیں ان کی زندگی سے باہر نکلنے کے لیے اپنی جان بھی دینی پڑتی ہے۔" ابراہیم نے کہا۔

ابراہیم نے کہا: "میرے دل میں ہے کہ تم نے اس چیز کو ترجیح دی ہے جس کی توجیہ صرف اللہ ہی کر سکتا ہے۔" ابراہیم نے کہا: "میرے دل میں ہے کہ تم نے اس چیز کو ترجیح دی ہے جس کی توجیہ صرف اللہ ہی کر سکتا ہے۔"

ابراہیم نے کہا: "میرے دل میں ہے کہ تم نے اس چیز کو ترجیح دی ہے جس کی توجیہ صرف اللہ ہی کر سکتا ہے۔" ابراہیم نے کہا: "میرے دل میں ہے کہ تم نے اس چیز کو ترجیح دی ہے جس کی توجیہ صرف اللہ ہی کر سکتا ہے۔"

ابراہیم نے کہا: "میرے دل میں ہے کہ تم نے اس چیز کو ترجیح دی ہے جس کی توجیہ صرف اللہ ہی کر سکتا ہے۔" ابراہیم نے کہا: "میرے دل میں ہے کہ تم نے اس چیز کو ترجیح دی ہے جس کی توجیہ صرف اللہ ہی کر سکتا ہے۔"

ابراہیم نے کہا: "میرے دل میں ہے کہ تم نے اس چیز کو ترجیح دی ہے جس کی توجیہ صرف اللہ ہی کر سکتا ہے۔" ابراہیم نے کہا: "میرے دل میں ہے کہ تم نے اس چیز کو ترجیح دی ہے جس کی توجیہ صرف اللہ ہی کر سکتا ہے۔"



ابراہیم نے کہا: "میرے دل میں ہے کہ تم نے اس چیز کو ترجیح دی ہے جس کی توجیہ صرف اللہ ہی کر سکتا ہے۔" ابراہیم نے کہا: "میرے دل میں ہے کہ تم نے اس چیز کو ترجیح دی ہے جس کی توجیہ صرف اللہ ہی کر سکتا ہے۔"

ابراہیم نے کہا: "میرے دل میں ہے کہ تم نے اس چیز کو ترجیح دی ہے جس کی توجیہ صرف اللہ ہی کر سکتا ہے۔" ابراہیم نے کہا: "میرے دل میں ہے کہ تم نے اس چیز کو ترجیح دی ہے جس کی توجیہ صرف اللہ ہی کر سکتا ہے۔"

ابراہیم نے کہا: "میرے دل میں ہے کہ تم نے اس چیز کو ترجیح دی ہے جس کی توجیہ صرف اللہ ہی کر سکتا ہے۔" ابراہیم نے کہا: "میرے دل میں ہے کہ تم نے اس چیز کو ترجیح دی ہے جس کی توجیہ صرف اللہ ہی کر سکتا ہے۔"

ابراہیم نے کہا: "میرے دل میں ہے کہ تم نے اس چیز کو ترجیح دی ہے جس کی توجیہ صرف اللہ ہی کر سکتا ہے۔" ابراہیم نے کہا: "میرے دل میں ہے کہ تم نے اس چیز کو ترجیح دی ہے جس کی توجیہ صرف اللہ ہی کر سکتا ہے۔"

ابراہیم نے کہا: "میرے دل میں ہے کہ تم نے اس چیز کو ترجیح دی ہے جس کی توجیہ صرف اللہ ہی کر سکتا ہے۔" ابراہیم نے کہا: "میرے دل میں ہے کہ تم نے اس چیز کو ترجیح دی ہے جس کی توجیہ صرف اللہ ہی کر سکتا ہے۔"

”کیا مجھے سکون ملے گا... میری تسلی ہوگی۔ آپ... آپ کسی باتیں کر رہی ہیں۔“ وہ بے اختیار ہونے لگی۔  
 ”میں، میں کسی باتیں کرتی ہوں۔ میں ایسی ہی باتیں کرتی ہوں جیسا کہ کبھی دیکھی ہوگی تم سے اور تم نے اسے سمجھنا  
 مگر کو چاہ کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ تم نے آگ لگا دی ہے اپنے گھر کو“  
 ”میں نے آگ لگائی ہے؟ میں ہی جھاڑوں کی۔ آپ دیکھ لیجئے گا، میں پاپا سے اس کو حلاق دلاواؤں گی۔ میں نے  
 ہی پاپا سے اس کو طلاق دلاواؤں گی۔“

”اس کے بعد کیا ہوگا۔ تمہارے باپ اور میرے درمیان جو تعلق تھا، وہ ختم ہو گیا۔ اس شخص نے میرے میں ہلاک  
 ساتھ کو منتوں میں پس پشت ڈال دیا۔ میں اس شخص کو دشمنی کے ساتھ خوش رہنے دوں گی نہ اس گھر میں، میں اس کی زندگی بچاؤ  
 ہاؤں گی۔“ منیزہ اب بھی بری طرح چلا رہی تھی۔  
 ”وہ کہتا ہے کہ میں نے اس کی زندگی کو جہنم بنا دیا ہے میں اسے بتاؤں گی جہنم ہوتا کیا ہے۔“ حیدرہ کہنے لگی  
 دروازے کو پوری طاقت سے بچ کر باہر چلی گئیں۔

امبر دوتے ہوئے اٹھ کر ان کے پیچھے ہی نیچے چلی آئی۔ منصور علی ابھی تک گھر نہیں آئے تھے۔ امبر کو ان میں بیٹے  
 بجائے باہر پورنگیوں میں آ کر منصور علی کا انتظار کرنے لگی۔

ایک گھنٹے کے اس انتظار میں اس نے کئی بار منصور علی کے موبائل پر اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی۔ منصور علی  
 موبائل پر بار آف بنا رہا۔ امبر کو لگ رہا تھا جیسے کوئی اس کے دل کو ختمی میں لے کر مسل رہا تھا۔ منصور علی اور ریشمی نے  
 اکٹھے ہونے کا تصور اسے پاگل کیے دے رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ منصور علی اس طرح چندی چھے اپنی بیٹی کو  
 ایک بڑی کے ساتھ شادی کر سکتے ہیں اور لڑکی بھی وہ جوان کی بیٹی کی بہترین دوست تھی۔

ایک گھنٹے کے بعد اسے گیت پر منصور علی کی کار کے ہارن کی آواز سنائی دی۔ منصور علی نے گیت کھلتے ہی وہ پورنگی  
 کھڑی امبر کو دیکھ لیا تھا۔ ان کی چھٹی حس خبردار کرنے لگی تھی۔ وہ پہلے بھی اسٹر فرمائشوں کے لیے اس طرح پورنگیوں میں آتا تھا  
 کرتی رہتی تھی مگر پچھلے چند ماہ سے منصور علی اور امبر کے درمیان بھی ایک نامعلوم کچھ آؤ تھا۔ وہ تو قہ نہیں کر رہے تھے کہ وہ ان  
 وہاں کسی فرمائش کے لیے کھڑی ہوگی۔ خاص طور پر منیزہ کے ساتھ ایک دن پہلے ان کے ہونے والے شجرے کے بعد۔

گازنی روک کر وہ نیچے اترے اور پھر امبر کے سترے ہوئے چہرے اور وجود کو نظر انداز کرتے ہوئے اندر چھٹی کی طرف  
 چلے گئے۔ امبر کے دل کو جیسے دھکا سا لگا۔ منصور علی نے آج تک کبھی اس کو اس طرح نظر انداز نہیں کیا تھا اور اب وہ اس کو کچھ  
 کے بھی روادار نہیں تھے۔ وہ ان کے پیچھے ہی لاؤنچ میں چلی آئی۔ منصور علی نے اپنے پیچھے اس کے قدموں کی آواز کی گونج  
 رکھے نہیں۔

”مجھے آپ سے بات کرنی ہے۔“ وہ لاؤنچ سے گزر جانے والے تھے جب امبر نے انہیں روک دیا۔ منصور علی نے ہن  
 کر اسے دیکھا۔

”میں صبح بات کروں گا، اس وقت میں تھکا ہوا ہوں۔ سونا چاہتا ہوں۔“  
 انہوں نے بے حد سنجیدگی کے ساتھ امبر سے کہا۔

”آپ تھکے ہوئے ہیں، آپ سونا چاہتے ہیں اور ہم سب کیا کرنا چاہتے ہیں۔ اس کی پروا ہے آپ کو؟“ منصور علی نے  
 تھملائی۔

”تیز سے بات کرو امبر! میں اس لہجے کا عادی نہیں ہوں۔“ منصور علی نے زندگی میں پہلی بار اسے لڑا۔  
 ”کیوں تیز سے بات کروں میں آپ سے، آپ نے جس بری طرح ہم سب کو Let Down کیا ہے اس سے  
 بھی میں آپ سے تیز سے بات کروں۔“

”کیا کیا ہے میں نے؟“ وہ بلند آواز میں دھماکے سے۔

لڑنا آنا

”پہنچتے تو آپ نے کیا کہا ہے۔ آپ کا کیا خیال تھا۔ ریشی کے ساتھ آپ کی شادی کا مجھے پتہ نہیں چلے گا۔“

پہلے ہی حضور ریشی کی طرح جس طرح حرکت کر رہے ہیں۔ ریشی سے اپنی شادی کا اعلان اب اس کے دل سے من کر کے کرنا چاہتا تھا اور آپ نے اس کے لیے جھگڑا کیا تھا۔

”مجھے شادی ہی ہے کہ آپ میرے آپ تو۔ میں نے اسے آپ کے پاس جا ب کے لیے جھگڑا کیا تھا اور آپ نے اس کے لیے شادی ہی ہے کہ آپ کا آپ کو ہے۔ یہی ہے، پتہ تو آپ کی اپنے نظروں کی شادی ہونے والی ہے۔“

”میرے دل کے لیے اور دوسرے لوگ کیسے کیسے مذاق اڑائیں گے ہمارا آپ کا اس عمر میں آکر دوسری شادی۔ پاپا آپ کو شادی سے تیار کرنا چاہتا ہے۔“

”نہ تو شادی سے تیار کوئی لطف ہے۔ یہ تمہارا سنت ہے۔ اس کے بارے میں تم ایک خط لکھ بھی مت کہنا۔“ حضور نے کہا۔

”یہ سچ تو ہے اور بے حد سزا دلچسپی میں اب اس سے کہا۔“

”میں نے کہا، کیا میرا مسئلہ نہیں ہے آپ کی شادی بہت بڑی ہے اور کرے گی۔ کیا سوچ کر آپ نے اسے شادی کی ہے اس میں خود غرض اور بہت پرست لڑکی ہے۔ یہ اتنا نانی حسب نسب کی بات کرتے تھے۔ آپ اب اپنے شادی کرتے ہوئے وہ خاندانی حسب نسب کہاں گیا۔ اب آپ کو یہ نہیں رہا کہ ریشی کا کوئی خاندان نہیں ہے۔“

”یہ تو ہے۔“

”مجھے تمہاری تقریریں اور طبیعتوں کی ضرورت نہیں ہے اگر میں یہ سمجھتی ہے کہ وہ نہیں سمجھتا۔“

”میں نے اس کی بھول ہے۔“ حضور علی فرمائے۔

”کیا اس کی؟“ ”کیا اس کی؟“ ”یہ تو میں جانتی تھی جس نے آپ کو اور ریشی کو قویب ہونے کا سہارا دیا۔“

”میں نے اس کی ایک نہیں سنی، حالانکہ وہ صحیح کہہ رہی تھی۔“

”میں اب تم سے اور کچھ نہیں چاہتا۔“ ”وہ سچ ہو جاؤ یہاں سے۔“

”میں اب تم سے کچھ نہیں چاہتا۔“ ”وہ سچ ہو جاؤ یہاں سے۔“

”میں اب تم سے کچھ نہیں چاہتا۔“ ”وہ سچ ہو جاؤ یہاں سے۔“

”دوسری نقلی تھی۔ میں نے جسیں سر پر چھایا، خود سنا دیا۔ آج اسی لیے تو تم مجھ سے زبان درازی کر رہی ہو۔“  
 ”آپ نے اپنے اور ہمارے درمیان ایک دو ٹکے کی لڑکی کو لاکر کھڑا کر دیا ہے اور آپ آپ کھڑے ہیں کہ ہم پہلے بھی نہ احتجاج بھی نہ کریں۔“

”نہن صاحبہ! کیا ہے میں نے دوسری شادی کر کے۔ بہت سارے لوگ کرتے ہیں۔ کیا ہر ایک کی وہ دوسری زبان درازی پر اتر آئی ہے۔“  
 ”آپ کو دوسری شادی کرنی تھی تو بہت سال پہلے کرتے یا اپنی عمر کی کسی عورت سے کرتے۔ میری دوست سے شادی کی آپ نے آپ کو شرم تک محسوس نہیں ہوئی۔“

”شٹ اپ، جسٹ شٹ اپ۔ یہ سب چیزوں کی تربیت ہے۔ اس نے تم لوگوں کو میرے سامنے ہرگز نہیں کھڑا کر دیا ہے کہ جسیں بات کرنے کی تیز تک نہیں رہی اگر بات کرنے کا طریقہ اور طریقہ دیکھنا ہے تو جا کر رخصتی سے بھگو دیکھو، ہاگہ۔“  
 ”تھی تہذیب ہے۔“

”میں رخصتی سے جا کر تہذیب سیکھوں جو لڑکی دوسروں کے گھروں کو اجازتی ہے۔ دوسروں کے پاس پہنچنے سے پہلے ہے۔ میں اس سے جا کر بات کرنے کا طریقہ اور طریقہ سیکھوں تاکہ میں بھی دوسروں کے گھر اجازتاً سیکھ جاؤں دوسروں سے۔“  
 ”ساتھ فلٹ کرنے میں مجھے بھی آسانی ہو۔“

منصور علی نے پوری قوت کے ساتھ کھینچ کر تھپڑا مبر کے منہ پر مارا۔ امبرہم بخود دوڑ گئی۔  
 ”رخصتی تمہارے بارے میں جو کہتی ہے۔ ٹھیک کہتی ہے۔ بالکل ٹھیک بیچا ہے۔ اس نے جس میں۔“  
 ”کیا کہتی ہے وہ میرے بارے میں؟ یہ کہ میں بے وقوف ہوں، پاگل ہوں، اجنبی ہوں میں نے اپنے ہاتھوں پہ آپ کبھاری مار لی ہے۔“ امبرہم رو رہی تھی۔

”آپ نے کیا! ہم سب کو ڈبو دیا۔ میں آپ کو کیا سمجھتی تھی اور آپ کیا نکلے ہیں۔ بہت سی ام سے انسان، ایمان انسان جس کی کوئی اغراضات نہیں ہے۔ رخصتی کا تصور نہیں ہے۔ وہ تو اسی کام کے لیے نقلی تھی۔ تصور آپ کا ہے جس نے اپنے آپ کو اس کا نشانہ بننے دیا جو اپنی بیٹی کے علاوہ کسی دوسری لڑکی کو بیٹی نہیں سمجھ سکتا۔“

”امبرہم! اپنا منہ بند کرو ورنہ۔“ منصور علی کی آنکھوں میں خون اتر آیا تھا۔  
 ”ورنہ کیا کر لیں گے آپ۔۔۔ مار ڈالیں گے مجھے بس یا کچھ اور بھی۔ یہ جو تکلیف ابھی پہنچائی ہے آپ نے، یہ تکلیف سے بڑی ہے، موت سے بھی۔ ایک ہفت آئے گا جب آپ بہت پچھتا میں گے۔ اپنے اس ٹیلے پر بہت پچھتا میں گے آپ۔“ وہ بڑی طرح رو رہی تھی۔

”اس وقت آپ کے اس پچھتاوے کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔۔۔ وقت آپ کے ہاتھ سے نکل چکا ہوگا۔ رخصتی آپ کو کھڑا دے گی پھر آپ کو پتہ چلے گا آپ نے اپنا گھر ایک نلا عورت کے ہاتھوں تباہ کیا۔ پھر آپ پچھتا میں گے کہ جب ہم تم سے مل گے آپ کے پاس۔۔۔ آپ کے پاس کچھ بھی نہیں ہوگا، کچھ بھی نہیں۔“  
 وہ روئے ہوئے لڑائی کی سیز حیاں تیزی سے چڑھ گئی۔ منصور علی کا پارہ اس وقت آسمان سے ہاتھیں کر رہا تھا اور اپنے بیڈروم میں جانے کے بجائے وہ وہاں پور ٹیکو میں آگئے۔

اپنی گاڑی خود ڈرائیج کرتے ہوئے وہ اگلے پندرہ منٹ میں رخصتی کے گھر پر تھے۔ رخصتی ابھی سونے کی تیاری کر رہی تھی۔  
 ”اپنے بیڈروم میں تھی۔ اس نے منصور علی کا استقبال بڑی خوش دلی سے کیا۔ مگر منصور علی کے چہرے کو دیکھتے ہی اسے اندازہ ہو گیا تاکہ منصور علی بہت اشتعال میں ہیں۔“

”آج امبرہم نے فون کیا تھا مجھے۔“ رخصتی نے بااثر تہذیب منصور علی کو بتانا شروع کر دیا۔ منصور علی کے ماتھے پر پڑے ہوئے ٹی

نہیں سنا

میرا دل بکھرتا ہے۔  
جیسے زہر لگ کر رہی ہے یہ جو میں سارا دن ہی میں اس کو Anid کرنے کی کوشش کرتی رہی مگر ایک اجڑے  
دل کے لئے اس سے بات کرنے ہی چاہی۔ "رخصی نے میرے ہر جھوٹے لالچے کو مٹا دیا۔"

میں نے جو کہہ دیا وہ اس میں اپنی زبان پر نہیں لانا چاہتی۔ اس نے بے حد عجز کی ہے میری اسے ہماری شادی کا  
بانی نہ ہے۔ اسے بھی میری آپ کی پہلی بیاہی تو تھی اور وہ مجھے دھکیلا دے رہی تھی۔  
تھا جتن دن کہ میں اس شادی کے بارے میں کہے پڑھا۔ کون ہے جو نہیں بتا سکتا ہے۔ "منصور علی پوچھائے۔  
میں نے بے حد ہنسنا شروع کیا کہ آپ خود ہی تو بتا رہے تھے کہ بچھلے بچھلے سے آپ وہاں کے اور میان بھڑکے  
ہوئے رہے ہیں۔ ہر قسم سے بیزاری سے آپ کی پاسی کر دالی ہو۔"

جی ہاں میں بھی موت سے بچ رہا تھا۔ "منصور علی نے سچ لہجے میں کہا۔  
میرا آپ کی بیاہی؟ تو آپ کے لیے بہت سے مسائل کھڑے کر دیں گے۔ خاص طور پر آپ کا خاندان  
میرا آپ کی بیاہی کی کہہ رہی تھی کہ وہ آپ سے ابھی اور ہی اتنی بھئی خالق دلوادے گی۔ "رخصی نے پریشان نظر آنے کی پوری  
کوشش کی۔

میں نے میرے ہی آ رہا ہوں۔ بہت باغیڑی کی ہے اس نے میرے ساتھ بھی۔ لیکن میں اسے صاف صاف بتا آیا  
میں کبھی نہیں خالق نہیں وہاں گا چاہے بچھلے ہو جائے۔"

میرا آپ کی بیاہی۔ "رخصی نے دانستہ طور پر بات اور ہی چھوڑی۔  
"مجھے اس کی کوئی پروا نہیں ہے، وہ جو چاہے کرتی رہے۔ خاندان اکٹھا کرنا چاہتی ہے تو خاندان اکٹھا کر لے۔" منصور  
نے بے حد ہنسنا شروع کیا۔

"سب بچھلے ہیں جو سے ہوا ہے منصور۔ اگر میں آپ کی زندگی میں نہ آتی تو... میں اسی لیے آپ سے شادی سے  
بھاگ رہی تھی۔ میں اس سب سے بچانا چاہتی تھی آپ کو۔ مگر آپ نے میری کسی بات پر غور نہیں کیا۔"

"مجھے تمہارے ساتھ اپنی شادی کے فیصلے پر کوئی بچھتا نہیں ہے اور نہ ہی یہ سب بچھتا ہی ہے جو رہا ہے۔ میں  
یہ کہہ رہی تھی کہ زندگی گزار رہا تھا... اسے برکت پر قسم ہوتی تھا۔ تم میری زندگی میں نہ آتے تو کوئی اور آ جاتا۔"

"میں نے اور آ جاتا لیکن میں تو نہ آتی، تم اگر مجھے یہ بچھتا تو نہ ہوتا جو اس وقت ہو رہا ہے۔" رخصی نے اپنے لہجے کی  
تغزیب میں بکھانا دیا۔

میں نے نہیں بتا رہا ہوں رخصی اس میں تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ میں خوش قسمت ہوں کہ میری زندگی میں تم آئی ہو اور  
تمہاری کہہ رہے ہیں جسے جند بابر پر اپنے گمراہوں کو بتانا ہی تھا۔ کچھ زیادہ جلدی پڑ جائے گی۔ مگر ٹھیک ہے جو  
ہو گیا ہے۔"

میں نے تو میرے ہی جھوٹ بولنے کی بہت کوشش کی تھی مگر اسے سب بچھتا تھا اس نے میری کسی بات کو مانا ہی  
نہیں۔ مجھے انکار دینا چاہیے کہ "رخصی نے توقف کیا۔  
"وہاں ہے اپنی ماں کے ہاتھوں میں کھیل رہی ہے۔ تم اس کی پروا مت کرو۔"

"میں نے اس سے کہا کہ وہ اپنی وجوہات پر غور کرنے کی کوشش کرے جن کی وجہ سے منصور علی دوسری شادی کر چکے  
تھے۔ مگر وہ کھٹے پر تھاری نہیں تھی۔ اس کی زبان پر بس ایک ہی بات تھی کہ میں نے اسے دھوکا دیا اور اب میرے لیے یہ  
فدائی ہو گیا ہے کہ میں آپ کو چھوڑ دوں، آپ سے طلاق حاصل کروں۔" رخصی بڑی حسرت سے سب بچھتا رہی تھی۔



”ہیں نے کہا کہ اس نے مجھے آپ کے پاس جا بک کے لیے بھیجا ہے اب میں اس کے کہنے کا جا بک کرتا ہوں۔“

”میں نے کہا وہ پاگل ہے۔ تمہیں اس سے کہنا چاہیے تھا کہ تم بھی مجھے نہیں سمجھو دو گی، چاہے وہ کیوں بھی کر۔“

منصور علی نے مدافعت کی۔

”میں نے اس سے ایسا ہی کہا۔ میں نے اسے بتا دیا کہ میں نے منصور علی سے محبت کی وجہ سے شادی کی ہے۔ اس سے بددردی ہے کیونکہ وہ ایک اچھی زندگی نہیں گزار رہے تھے، میں نہیں دو بارہ کسی تکلیف میں بھی نہیں داخل ہوا۔“

”مگر جواب میں وہ تو مجھے دھمکیاں دینے لگی۔ کہنے لگی کہ میرا خاندان خراب ہے اور میرے ساتھ بھی وہی ہوگا۔ میری بہن کے ساتھ ہوا۔ مجھے تو لگ ہی نہیں رہا تھا کہ وہ ابھی کل تک میری دوست تھی۔ اسی خود غرض دوست۔“

”یہ سب اس کی ماں کا تصور ہے۔ اس کے منہ میں اپنی ماں کی زبان ہے۔“

”وہ چھوٹی بچی تو نہیں ہے کہ خود سے کسی چیز کے بارے میں کوئی فیصلہ ہی نہ کر سکے۔ ٹھیک سے سنیو اس کے کہنا ہی ہوگی مگر اسے ان احسانات کو تو یاد رکھنا چاہیے جو آپ اس پر کرتے رہے۔ ۱۹۱۱ء میں اس قدر طوطا چٹنی، میں تو جین ہو گیا ہوں۔“

”رکشی کو کچھ اور نہ برا لگنے کا موقع مل رہا تھا۔ وہ یہ موقع کیسے ضائع کرتی۔“

”میں سوچتی ہوں، آپ کے لیے امیر کی محبت اب کہاں آئی جس کا وہ بیٹھنا دیکھنا چاہتی تھی۔ میں آپ باتوں تکٹے لگ رہے ہیں تو انہوں نے شور مچا دیا ہے کیونکہ انہیں یہ بھی تو اندیشہ ہے کہ آپ کی دوسری شادی کی صورت میں ان کے ہاتھ سے آپ کی جائیداد بھی چلی جائے گی۔“

”ہاں جانتا ہوں، انہیں اس وقت کیا کیا اندیشے ستار رہے ہیں۔ میں نے صرف اسی وجہ سے تم سے شادی کی ہے کیونکہ میں اس گھر کے ماحول سے تنگ آ گیا تھا۔“

”مگر اپنی عادتوں اور حرکات پر تو کبھی غور نہیں کریں گے یہ لوگ۔ سارا الزام آپ کے اندر میرے سر ہے۔“

”رکشی نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے رنجیدہ لہجے میں کہا۔

”میں کسی الزام تراشی سے نہیں ڈرتا۔ نہ ہی تمہیں ڈرنا چاہیے۔ میں دیکھ لوں گا، سنیو کیا کرتی ہے۔ میں نے سنیو کی ہے۔ مذہبی اخلاقی، قانونی معاشرتی۔۔۔ ہر لحاظ سے جائز کام ہے۔۔۔ مگر مجھے یا تمہیں شرمسار ہونے کی کیا ضرورت ہے۔“

”میں اب اس گھر میں نہیں جاؤں گا۔۔۔ جب تک کہ ان سب کو اپنے رویے کے لحاظ ہونے کا احساس نہیں ہو جاتا۔“

”ان سے کوئی رابطہ نہیں رکھوں گا۔“ منصور علی نے تہیہ کیا۔

”اور آپ وہاں نہیں جائیں گے تو وہ لوگ یہاں آ جائیں گے۔“

”کیسے آ جائیں گے، انہیں اس گھر کا انڈر میں کیسے پتہ چل سکتا ہے۔“

”اگر انہیں آپ کی شادی کا پتہ چل سکتا ہے تو پھر اس گھر کا معلوم کرنا کیا مشکل ہے۔۔۔ ابھی تک تو امیر ہی سمجھتی رہی ہے کہ یہ فون نمبر پرانے گھر میں ہی ہے لیکن اگر اب انہوں نے شک ہونے پر فون کے نمبر سنبھالنے کا پتہ کر لیا تو انہیں پتہ آسانی یہاں کا نمبر مل جائے گا۔“

”رکشی نے بڑی چالاکی کے ساتھ بات کرتے ہوئے کہا۔“ اور اگر وہ لوگ یہیں آ گئے تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں۔ آپ کی بیوی کس طرح کی باتیں کرے گی اور میں، میں اس بار کچھ بھی برداشت نہیں کروں گی۔“

”تم چوکیدار سے کہہ دینا وہ کسی کو اندر ہی نہیں آنے دے گا نہ کوئی اندر آئے گا، نہ تمہیں کسی کا سامنا کرنا پڑے گا۔“

منصور علی نے اپنی طرف سے مسئلے کا حل نکالتے ہوئے کہا۔

خدا کا نام

خدا کا نام لے کر ہنسنے کے بعد ایک بار بار امیر کے کمرے میں چلی آئیں۔ امیر اپنے بیٹے پر اوندھے منہ لٹیل رو رہی تھی۔

مصور نے کہا "خیزو نے آتے ہی پوچھا۔"

"خیزو نے کہا کہ تم نے کہا تھا۔" امیر نے اپنی جگہ سے اٹھ کر کہا۔

"خیزو نے کہا کہ تم نے کہا تھا۔" امیر نے کہا کہ جو اب نہیں دیا، وہ اسی طرح روتی رہی۔

"خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔" خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔

"خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔" خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔

"خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔" خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔

"خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔" خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔

"خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔" خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔

"خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔" خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔

"خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔" خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔

"خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔" خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔

"خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔" خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔

"خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔" خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔

"خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔" خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔

"خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔" خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔

"خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔" خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔

"خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔" خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔

"خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔" خیزو نے اس بار بلند آواز میں کہا۔

"تم کیوں اب اس سے بات کرو گی جو کچھ تم نے کرتا تھا، وہ تو تم کر چکی ہو۔" ہنسی سے کہنے لگی۔ "میں نے کونسی کو نہیں سنا کہ اس نے یہ بات کہی ہے اب اس سے بات کرنے کی۔" میزبوانہ سہرا ہنسنے لگی۔

"کی! آپ بھی مجھے ہی الزام دے رہی ہیں۔" امیرا سب پارہا پارہ شروع ہو گئی۔

"یہ سب کچھ پاپا نے کیا ہے۔ پاپا ایسے نہ ہوتے تو رخصتی ہوتی یا کوئی بھی ہوتی۔" سب کچھ بھیجیں ہوتی تو غلط پٹیا کی ہے۔ وہ رخصتی سے شادی نہ کرتے تو کسی اور کے ساتھ کر لیتے۔"

"میرا شہزادہ اور اولاد دونوں میرے دشمن نکلے ہیں۔ میں تو دونوں کو ہی الزام دوں گی جس میں بھی اسے بھی اور مجھ کو بھی رخصتی کے گھر جانے کا تعلق ہے۔ تم نہیں جانتے تھے کہ باؤ میں چاہوں گی میں اس سے بات کروں گی اگر اس نے پاپا کو نہیں تو مجھ سے اس کو دیکھ دے کہ وہاں سے نکلا دوں گی جگہ میں چاہوں گی کہ رخصتی اور اس کے تمام گھر والوں کو گھر سے نکال دے گی۔" میزبانہ کہتے ہوئے اٹھ کر کمرے سے باہر جانے لگی۔

"آپ کے وہاں جانے کا کیا فائدہ ہوگا۔ آپ سمجھتی ہیں۔ رخصتی آپ سے خوفزداد ہو جائے گی۔" امیرا آپ کی بات تک نہیں سننے لگی۔

"یہ تمہاری زندگی ہے تم دیکھو، میں اسے کس طرف منسوب سے ایک کرتی ہوں۔ منصور کا خیال ہے۔ میں کچھ بھی نہیں کر سکتی اس نے شادی کر لی ہے تو میں اسے قسمت کا کھیل کہہ کر قبول کر لوں گی۔ میں تو اسے سنبھال سکتا ہوں گی اسے بھی نہ اس کی اس نئی ذیلی دلہن کو بھی۔"

"آپ کو جو بات بھی کہنی ہے امیرا! آپ کو پاپا سے کہنی چاہیے۔ رخصتی سے کچھ بھی کہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے، وہ آپ سے بھی وہی سب کچھ کہے گی جو اس نے مجھ سے کہا ہے۔ اس نے اگر میری لعنت ملامت کی پر وہ نہیں کی تو آپ کی لعنت ملامت کی کیا پروا کرے گی۔"

"تم نے اسے پیسے کی آفر نہیں کی ہوگی۔ میں اسے چہرے کی آفر کروں گی۔ اس سے کہوں گی کہ وہ میرے لئے اور منصور کی زندگی سے نکل جائے۔"

"پیسے کی آفر۔۔۔۔۔" امیرا نے استہزاء سے انداز میں کہا۔ "آپ اسے کتنا پیسہ دے سکتی ہیں پاپا سے زیادہ پیسہ دے سکتی ہیں؟ نہیں دے سکتیں۔۔۔۔۔ پاپا اس کی منگی میں ہیں۔ دو ہتھارہ پیسہ چاہے ان سے نکلا سکتی ہے۔ پھر وہ احمق تو نہیں ہے کہ آپ کی چند لاکھ کی آفر کو قبول کر لے۔ اسے رہنے دیں امیرا! اس سے بات کرنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بات کرنے سے تو پاپا سے کہیں بگڑا ہوں سے کہیں، وہ پاپا سے بات کریں، انکل مسعود سے کہیں وہ پھر بھی کسی نہ کسی حد تک پاپا پر اثر انداز ہو سکتے ہیں۔ ان کی بات سنیں گے۔ وہ انکل ہانگل سرے سے رو نہیں کر سکتے۔"

"تم اپنے مشورے اپنے پاس رکھو۔۔۔۔۔ میں جو کرنا چاہتی ہوں، کروں گی تم اتنی محنت مند اور بھگداز ہو نہیں تو یہ سب کچھ نہ ہوتا۔۔۔۔۔ اب تمہیں ماں کو محنت سکھانا یاد آ گیا ہے۔" میزبانہ نے ہنسی سے لہجے میں اس سے کہا۔

"آپ ٹھیک کہتی ہیں۔ میں بے خوف اور احمق ہوں۔ میں تو اس بات پر بحث کر رہی نہیں رہی ویسے بھی ماں رہی ہوں کہ میں بے خوف ہوں۔ آپ بار بار کیوں جتا رہی ہیں مجھے۔" امیرا نے بھرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"بار بار جتا رہی ہوں کیونکہ میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔" میزبانہ بڑبڑاتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

☆☆☆

"اوہ میزبانہ بھابھی کو تمہاری شادی کا پتہ چل گیا۔" ہارون کمال نے چونکنے کی لڑاکاری کی۔ "حیرت ہے کیسے پتہ نہیں؟"

منصور علی اگلے دن صبح سیدھا ہارون کمال کے آفس آئے تھے اور انہوں نے آتے ہی ہارون کمال کو بچھلے چہرہ ان میں

تو اسانا آہیں

ماتے تو وہ وقت کے بارے میں بتاویں۔ ہارون کمال کا رد عمل منصور علی کے لیے غیر متوقع نہیں تھا، وہ حیران ہوا تھا۔  
 "پتا نہیں چلا کر اسے کہے پتہ چلا کر اسے پتہ چل گیا ہے۔" منصور علی نے کہا۔  
 ہارون تو بے چارے کے خاموش رہا۔ اسے یہ اندازہ لگانے میں کوئی مشکل پیش نہیں آئی کہ میزوارنگ یہ خبر پہچاننے کا ذریعہ  
 یہ ہے۔... منصور علی سے بھی زیادہ بہتر جانتا تھا۔  
 محبت رہا ہوا۔"

"جہاں بہت برا ہوا اگر یہ تو بھی نہ بھی ہو ہی تو۔"  
 میزوارنگ بھی پتا بہر نے اگر تمہارے ساتھ جھڑا کیا ہے تو وہ تو تمہارے لیے غیر متوقع نہیں ہوگا۔ نگاہ رہے یہ اتنا بڑا  
 ذرہ ہے کہ وہ بھی آسانی سے قوائے قہر لٹول نہیں کر سکتیں۔ "ہارون کمال نے کہا۔  
 "پتہ نہیں میں کہ وہ سب کو اتنی آسانی سے قہر لٹول نہیں کر سکتیں مگر انہوں نے جو جو مجھ سے کہا ہے۔ میں اس کی  
 وجہ سے کہتا ہوں۔ میرا خون کھول رہا ہے۔" منصور علی نے غصے کا اظہار کیا۔  
 "اب تو آگے کی سہارا آگے کیا ہونے والا ہے تمہارے ساتھ۔"  
 میں پتہ نہیں ہر جگہ کے لیے۔" منصور علی نے کندھے جھٹکے۔  
 میزوارنگ نے اب تو اسے یہی مطالبہ کرنا ہے کہ تو خوشی، طلاق دے دو۔"  
 "پتہ نہیں کہ نہیں ہے۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں۔ یہ مطالبہ امیر کے ذریعے کر چکی ہے مگر میں دشمنی کو طلاق نہیں دوں گا،  
 نفرت ہی نہیں۔"  
 "تو کچھ تو آگے چل کر تمہارے مسائل میں اور اضافہ ہوگا۔"

میں سے زیادہ کیا اضافہ ہوگا۔"  
 ہارون نے فریخ کو طلاق نہ دئی تو میزوارنگ بھی اپنے لئے طلاق کا مطالبہ کر سکتی ہیں۔ ضروری تو نہیں ہے کہ اب وہ  
 نہایت ساتھ رہنے پر رضامند ہوں۔"  
 ہارون نے طلاق کا مطالبہ کیا تو میں بڑی خوشی کے ساتھ اس کا یہ مطالبہ پورا کر دوں گا۔ مجھے بھی کوئی شوق نہیں ہے  
 ان کو اپنے ساتھ رکھنے کا۔"

"تو تمہارے بچن کا کیا ہوگا... ان کے بارے میں سوچا ہے کہ تم نے؟"

میرا ہر صدمہ کی تو شادی ہو جائے گی۔۔۔ بانی تھیں بچے چاہیں تو اسی گھر میں میرے پاس رہ سکتے ہیں یا پھر اپنی ماں  
 کے پاس چلے جائیں۔" منصور علی نے دوسرے دوسری سے کہتے گئے۔  
 "لیکن میں نہیں سمجھتا۔ طلاق تک نوبت آئے گی۔ میزوارنگ یہ آرام و آسائش بھی نہیں چھوڑ سکتی۔۔۔ طلاق لے کر وہ  
 کہاں جائے گی، بھائی رہیں گے اسے، ہونہ۔" منصور علی نے حکارت سے کہا۔  
 "سوچ لو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تمہارے خاندان والے مارے اگلے ہو کر تمہیں دشمنی کو طلاق دینے پر مجبور کر دیں۔ آخر  
 تندی دیا کہ کتا بل کر کوئی آسان کام تو نہیں ہے۔" ہارون کمال نے کہا۔

"خاندان؟ کون سا خاندان؟ مسود بھائی تو اس سلسلے میں مجھ سے بات کرنے کی جرات بھی نہیں کریں گے۔ اور اگر  
 نہیں لے گی تو میں انہیں جھڑک دوں گا اور جہاں تک میزوارنگ کے خاندان کا تعلق ہے۔ تو میں ان کو ذرہ برابر بھی اہمیت  
 نہیں دیتا۔ مجھ کو ان کی تو بات دوسری ہے۔ آخر میں لینا کیا ہوں ان سے کہ میں ان کی بات ماننے پر مجبور ہو جاؤں۔ نہیں  
 ہارون کمال! تمہارے خاندان میں سے کوئی مجھے سمجھانے کے لیے آگے آنے کی حثیت نہیں کرے گا جگر کے گا، وہ سزا کی  
 کمانگ۔"

اب دیکھ تم نے فیصلہ کر لیا ہے تو میں تمہیں کیا کہہ سکتا ہوں۔۔۔ صرف دعائی کر سکتا ہوں تمہارے حق میں اور دوست

کے طور پر تو تم ہمیشہ مجھے اپنے ساتھ پاؤ گے۔“ ہارون کمال نے انہیں یقین دلایا۔

”اگر میں یہ نہ جانتا کہ رخصتی کے ساتھ تمہاری بہت اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہے تو شاید میں بھی تمہارے فیصلے پر کھو جاتا ہوتا مگر رخصتی بہت اچھی لڑکی ہے اور اس سے بھی بڑھ کر اچھی بیوی ہے۔ میں سمجھتا ہوں اگر منیزہ بھابھی سے تمہاری طلاق ہو جاتی ہے، تب بھی تم رخصتی کے ساتھ بہت اچھی زندگی گزار سکتے ہو۔“

ہارون کمال نے ایک ہمدرد دوست کا کردار نبھاتے ہوئے کہا۔ منصور علی نے اسے ممنون انداز میں دیکھا۔



## چودھواں باب

”بیگم صاحب، باہر ایک عورت آئی ہے۔ کہہ رہی ہے کہ انہیں آپ سے ملنا ہے۔“ چوکیدار نے امداد کر رکھی کو بتایا۔  
 ”نام پوچھ کر آؤ اس عورت کا۔“ رشتی نے چوکیدار سے کہا۔

”نام نہیں بتا رہی وہ..... بہت بد تمیزی سے بات کر رہی ہے۔ میں نے اس سے بار بار اس کا نام پوچھنے کی کوشش کی ہے مگر اس کی ایک ہی ضد ہے کہ آپ اس کا نام کیا اس کو بھی اچھی طرح جانتی ہیں۔“ رشتی کا ہاتھ بے اختیار ٹٹکا۔  
 ”کیا طیلہ ہے اس عورت کا؟“ اس نے چوکیدار سے پوچھا۔ وہ لادائج میں بیٹھی ایک بیگم کی دوق گردانی کر رہی تھی۔  
 چوکیدار نے جواب اس عورت کا طیلہ اسے بتانا شروع کر دیا۔ رشتی کا اندازہ صحیح ثابت ہوا تھا، وہ خیزہ ہی تھی۔  
 رشتی کچھ دیر تک ہالک بے حس و حرکت بیٹھی رہی۔ وہ توقع نہیں کر رہی تھی کہ کبھی رات کی گفتگو کے بعد خیزہ اگلے ہی دن اس طرح اچانک اس کے گھر آن پہنچیں گی..... منظور علی اس وقت آفس جا چکے تھے اور یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ رشتی نے اس دن آفس نہ جانے کا فیصلہ کیا تھا..... مگر اب وہ بے اختیار بچھتاؤں۔

”تم اس سے کہہ دو کہ میں گھر نہیں ہوں۔“ رشتی نے کچھ دیر سوچنے کے بعد کہا۔

”مگر میں تو انہیں بتا چکا ہوں کہ آپ گھر پر ہی ہیں۔“ چوکیدار نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

”کوئی فرق نہیں پڑتا اس سے۔“ رشتی نے حکیمانہ انداز میں کہا۔ ”بس تم جا کر اس سے کہہ دو کہ میں گھر نہیں ہوں اگر وہ پھر بھی نلے پر اصرار کرے تو تم اس سے کہہ دو کہ میں اس سے ملنا نہیں چاہتی۔“ رشتی نے ایک بار پھر بیگم کو اٹھانے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے جی..... میں جا کر کہہ دیتا ہوں۔“ چوکیدار کہتا ہوا باہر نکل گیا۔ رشتی گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ اس کے لیے خیزہ کا وہاں آنا غیر متوقع نہیں تھا۔ صرف اس وقت فوری طور پر آ جانا غیر متوقع ثابت ہوا تھا۔

”بیگم صاحب! وہ عورت بہت شور مچا رہی ہے جانے پر تیار ہی نہیں ہے..... وہ آپ کو بھی اجہر سڑک پر کھڑے ہو کر گالیاں بک رہی ہے..... بہتر ہے آپ اس سے خود بات کر لیں۔“ چوکیدار نے دوبارہ امداد کر بے چارگی کے انداز میں کہا ماحض نے لادائج میں آتے ہوئے چوکیدار کی بات سن لی۔

”کس عورت کی بات کر رہا ہے، یہ کون عورت آئی ہے؟“

”خیزہ۔“

”تو پھر؟“

”تو پھر یہ کہ وہ باہر کھڑی مجھ سے ملنے کے لیے اصرار کر رہی ہے۔ میرے دلے پر وہ شور کر رہی ہے۔“ رشتی نے کہا۔

”تو تم اس کو اندر بلوا کر بات کر لو..... زیادہ سے زیادہ جھگڑا ہی کرے گی۔“

”بس..... میں کہ اور تو کسی قیمت پر نہیں بلادیں گی۔ میں نے یہاں اپنے گھر میں لادائج کے سامنے کھڑا نہیں

تورزاسا آسمان نے درخشی نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

”جو بھرتم کیا کرو گی۔ وہ تم سے بات کیے بغیر تو نہیں گئے گی۔“

”میں اس سے احتیاط پر بات کر لیجی ہوں۔ تم جاؤ جا کر اس سے کہو کہ وہ مجھ سے احتیاط پر بات کر لے۔“ درخشی نے آخری جملہ چوکیدار سے کہا۔ وہ سر ہلاتے ہوئے باہر نکل گیا۔

”آپ بھی بعض دفعہ حد کر دیتی ہیں اسی لیے مجھے اس کو اندر بلوانے کے لیے کہہ رہی تھیں۔ آپ جانتی ہیں اس مہرت کی اس عورت نے کبھی زبان استعمال کرتی تھی میرے اور منصور کے بارے میں اور ملازم پرہی کالونی میں سب کچھ بتا دیتے۔ کیا عزت رہتی میری یہاں۔“ چوکیدار کے باہر نکلنے ہی درخشی مہرت سے الجھنے لگی۔

مہرت نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ وہ کچھ منکر ہو کر اس کے قریب صوف پر بیٹھ گئی۔ درخشی اٹھ کر احتیاط پر بات کر کے اس نے ریسیور اٹھایا۔ گینت پر خیزہ کی آواز اس کے کانوں میں آنے لگی۔ وہ چوکیدار کے ساتھ لا رہی تھی۔

”کس لیے آئی ہو تم یہاں پر۔“ درخشی نے احتیاط پر خیزہ کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”میں تمہارا سامعہ درست کرنے آئی ہوں۔“ خیزہ نے جواباً فرما کر اس سے کہا۔ ”ایک بار دو بارہ کھول کر تم مجھے صاف آنے دو۔ پھر میں تمہیں بتاؤں گی کہ یہاں کس لیے آئی ہوں۔“

”یہ میرا گھر ہے۔ میں جس کو چاہوں، اندر آنے دوں جس کو چاہوں نہ آنے دوں۔ تم کون ہوتی ہو مجھے معلوم کھولنے پر مجبور کرنے والی۔“

”اپنا گھر۔۔۔ کھل دو کھنی ہے تم نے اپنی اپنا گھر؟ کبھی خواب میں بھی تم نے اور تمہاری ماں نے ایسا گھر دیکھا ہے جسے تم اپنا گھر کہہ رہی ہو۔“

”اپنی کچھ اس بند کر دو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔“ درخشی نے غصے سے کہا۔

”تمہارے جیسی طاقت سے ملنے کا مجھے کوئی شوق نہیں ہے۔ میں تم سے صرف یہ کہنے آئی ہوں کہ تمہیں جتنی رقم چاہیے تمہارے گھر سے لیا اور میرے شوہر کا بیچا چھوڑ دو۔“

”تمہارا شوہر صرف تمہارا نہیں میرا بھی شوہر ہے۔“ درخشی نے کہا۔

”تم جیسا کہ ایسے بے شمار شوہر ہوتے ہیں۔ تم اس کی جگہ کسی اور کو چھان لینا، جلد یا بدیر تم نے اس کو چھوڑنا ہے۔“

”تم چھوڑ دو اس کو تم کیوں نہیں چھوڑ دیتیں اسے۔“ درخشی نے سلگ کر کہا۔

”میں نہیں چھوڑ سکتی اسے، میرے پانچ بچوں کا باپ ہے۔ وہ پورے خاندان کے ساتھ علی الاعلان بیوا کر لیا ہے مجھے خاندانی بیکاری ہوں میں اس کی۔ تمہاری طرح چوری مچھے والا کس طرح نہیں کیا اس نے میرے ساتھ۔“ خیزہ کے لہجے کی حرکت بڑھتی جا رہی تھی۔

”میں اس کو نہیں چھوڑوں گی۔ تم اپنے شوہر سے جا کر کہو کہ وہ مجھے چھوڑ دے۔“

”تم مجھے اٹھانے دو، میں اٹھ آ کر تم سے بات کرنا چاہتی ہوں۔“

”میں تم سے اب اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی، یہاں سے چلی جاؤ۔“ درخشی نے کہا۔

”تم احسان فرمائیں اور درخشی! جانور سے بھی بدتر ہو۔ میری بیٹی سے بیگ لٹی رہی ہو۔ اس کی اتھن سنبھالی ہو کبھی

”اب اتھن سنبھالی ہو تمہارے پاس سے تم پر کیے تھے۔“ خیزہ اور تھلائی۔

”اب اتھن سنبھالی رہی ہوں پہلے تمہاری بیٹی کی۔۔۔ اب تمہاری بہن کی ہے۔ عادت ہو گئی ہے مجھے احسان لینے کی۔ اب

اور احسان لے لیا ہے میں نے اپنے سر۔ جاؤ دفع ہو جاؤ۔“ اب درخشی نے سرخ چہرے کے ساتھ کہتے ہوئے احتیاط پر خیزہ

”میرا دل چاہ رہا ہے۔ میں گینت پر جا کر اس عورت کا گلا ہادوں۔“ درخشی نے دائیں سامعہ کے پاس آتے ہوئے کہا۔

”اپنے آپ پر قابو رکھو۔ اتنا فٹے میں آنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ صاعقہ نے رشتی کا ہمدردانہ لہجہ استعمال کرتے ہوئے کہا۔

خودزانی کے اپنے ہاتھوں کو توڑنے اور اڑے ہوئے تھے۔  
 ”آپ کو تو پتہ ہی نہیں ہے یہ عورت کس طرح کی زبان استعمال کرتی ہے۔ آپ اس عورت کی زبان سن لیتیں تو آپ کو بھی اس پر ہماری ہی طرح بلکہ مجھ سے زیادہ کڑھ آتا۔“ رشتی کہتی ہوئی ایک بار پھر صاعقہ کے پاس بیٹھ گئی۔  
 اس سے پہلے کہ وہ صاعقہ سے کچھ کہتی، چوکیدار تقریباً بھاگتا ہوا اندر آیا۔ وہ بہت گھبرایا ہوا تھا۔  
 ”کیا بات ہے؟“

”بیگم صاحبہ! اس عورت نے سڑک پر لوگوں کو اکٹھا کیا ہوا ہے۔ آس پاس کے گھروں سے ڈر کر نکل کر گیت پر آئے ہیں۔ وہ آپ کے اور صاحب کے بارے میں بہت بری بری باتیں کر رہی ہے۔“ چوکیدار نے سہ چارگی سے کہا۔  
 ”کرنے دو، تم گیت پر مت جاؤ، اندر ہی رہو۔“ رشتی نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

”وہ گیت کو زور زور سے بجا رہی ہے آپ باہر نکل کر دیکھیں، کتنا پتنگا مہ پڑا ہوا ہے اس نے بیگم صاحبہ! بہتر ہے کہ اسے اندر بلا کر آپ اس سے بات کر لیں ورنہ وہ کہہ رہی ہے کہ وہ یہاں سے نہیں جائے گی۔“ چوکیدار نے رشتی کو مشورہ دیا۔

رشتی اس کے مشورے پر عمل کرنے کے بجائے اٹھ کر لاؤنج کا دروازہ کھول کر باہر آ گئی۔ پھر نیکی میں آتے ہی اسے اندازہ ہو گیا کہ چوکیدار غلط نہیں کہہ رہا تھا۔ نیزہ نے واقعی باہر طوفان اٹھایا ہوا تھا، وہ بند آواز میں بول رہی تھی۔  
 ”گیت کی جھریوں میں سے بہت دور سے بھی اسے نیزہ اور اس سے کچھ فاصلے پر کھڑے لوگ نظر آ رہے تھے، نیزہ نے بھی گیت کی جھریوں میں سے اسے دیکھ لیا تھا۔ اب اس نے طیش کے عالم میں دروازہ پھینکا شروع کر دیا تھا۔ وہ رشتی کو بلند آواز میں گایاں دے رہی تھی رشتی کو صاعقہ کو، ان کے خاندان کو۔“

رشتی کی آنکھوں میں خون اترنے لگا تھا۔ وہ شہر کے ایک گوشے میں رہتی تھی۔ ایسا علاقہ جہاں لوگوں کو ایک گھر میں رہنے کی اجازت نہیں ہے یا ایک دوسرے کے معاملات میں مداخلت کا شوق نہیں ہوتا مگر نیزہ نے اس کے گیت کے باہر شہر پھینکا ہوا تھا کہ آس پاس کی چند کوشیوں کے ٹیرس، کھڑکیوں اور بالکونیاں میں گھر کی خواتین اور مرد آگئے تھے۔ بعض میں گھر میں موجود لوگ کھڑے تھے۔

رشتی گیت سے اندر کچھ فاصلے پر کھڑی ان نظروں کی تعجب اور حقیر کو اپنے وجود میں سویوں کی طرح چہمتا محسوس کر رہی تھی۔ نیزہ نے جیسے سر بازار سے برہنہ کر دیا تھا۔

اسے بہت سال پہلے اپنی گلی میں صاعقہ کی ظفر کے ہاتھوں ہونے والی پٹائی یاد آئی۔ بڑیاں اور پھل پورنی گلی میں پھیل گئے تھے۔ وہ دوتے ہوئے بڑیوں کو، پھلوں کو شاپ میں ڈال رہی تھی۔ لوگوں کی نظریں ہنسی۔ حسن ظن تعجب وہ پھر پانچ سال کی رشتی بن گئی تھی۔ ہاں کو باپ کی پٹائی سے نہ بچا سکتے والی رشتی، بڑیوں اور پھلوں کو اکٹھا کرتے روٹی ہوئی رشتی۔

”رشتی! اندر آ جاؤ۔۔۔۔۔۔ یہاں کھڑے رہنے کا کوئی فائدہ نہیں۔“ صاعقہ نے اس کا ہازد بکڑاؤ رشتی نے جھکے کے ساتھ اپنا ہاتھ پھیرا اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔

”جیسا مجھے یہاں سے نہیں جانا۔ مجھے دیکھنا ہے، یہ مجھے اور کیا کہے گی اور کیا کرے گی۔“

”تم دفع کرنا۔“ صاعقہ نے کہا۔  
 ”جیسا، میں اسے دفع نہیں کروں گی میں صاعقہ نہیں ہوں امی! میں صاعقہ نہیں بنوں گی، میں کبھی صاعقہ نہیں بنوں گی۔“ وہ بکڑا رہی تھی۔

”اس عورت کو ہر چیز کی قیمت چکانی پڑے گی۔ ہر چیز کی، اپنی زبان سے نکلے ہوئے ہر لفظ کی۔ میں اسے اس طرح دھکیں گی کہ وہ ہمارے اٹھ نہیں سکے گی۔ اس ہار میں، میں صرف بڑیاں اور پھل پچاتی نہیں بھروں گی۔ میں بڑیاں اور پھل اکٹھے نہیں کروں گی، میں ہاتھ بکڑوں گی۔“



سامنے کو تو اس کی کسی بات کی سمجھ نہیں آئی۔

ریشی تیز قدموں سے بچتے ہوئے تک دم نر کر اندر چلی گئی۔ سامعہ نے بھی سکون کا سانس لیچے ہوئے اس کی بڑی کی، ورنہ اسے وہاں کھڑے اس طرح غصیاں سمجھنے اور بیڑا تے دکھ کر وہ پریشان ہونے لگی تھی۔

ریشی نے لاؤنج میں جا کر بے حد غصے کے عالم میں منصور کا نمبر لٹایا۔ سامعہ نے کوئی مداخلت نہیں کی۔ وہ ٹانوسٹی سے مومن پر بیٹھ کر اسے دیکھتی رہی جو کارڈ لیس پر منصور کا نمبر ملا کر اب کان سے فون لگائے لاؤنج کے چکر کاٹ رہی تھی۔ وہ بالکل بھوک ٹیرنی لگ رہی تھی۔ سامعہ نے اس سے پہلے ریشی کو بھی اتنے فطے میں نہیں دیکھا تھا۔

چند لمحوں کے بعد منصور علی نے اپنے موبائل پر ریشی کی کال ریسیو کر لی۔ وہ ہیٹ کی طرح بڑے خوشگوار سوز میں تھے۔ ریشی جب بھی آئیں نہ جاتی، مگر وہ انہیں یا پھر منصور علی سے فون کرتے رہتے۔ وہ اس وقت بھی اس فون کو اسی نوعیت کا سمجھتے تھے۔

”آپ فوراً گھر پر آ جائیں۔“ ریشی نے کسی دعا سلام کے بغیر منصور علی کی آواز سننے ہی کہا۔ منصور یک دم جھیند ہو گئے۔

”کیا ہوا؟“

”آپ یہاں آئیں، آپ کو پتا چل جائے گا کہ کیا ہوا“ ریشی نے ان سے کہا۔

”ریشی اچھے صاف صاف بتاؤ، کیا ہوا ہے؟“ منصور علی اب پریشان ہو رہے تھے۔ اس نے ریشی کا یہ آواز ابھی لہجہ چلی

پر تھا تھا۔

”آپ کی بھئی یہاں آئی ہوئی ہے۔“ ریشی نے تقریباً چلا تے ہوئے کہا۔

”کون، خیزو؟“ منصور علی کو اپنی ناصت پر شہ ہوا۔ ”وہ یہاں کیسے آ سکتی ہے۔ اسے گھر کا پتا کیسے چل سکتا ہے۔“ منصور

علی کے مطلق سے بے شکل نکلا۔

”گھر کا پتا۔۔۔؟ اس عورت نے پہری کالونی کو گیت پر اکٹھا کیا ہوا ہے اور آپ کہہ رہے ہیں کہ اسے یہاں کا پتا کیسے چلا۔“ ریشی کی آواز بے حد بلند تھی۔ ”میں نے گیت بند کر لیا ہے اور وہ عورت گیت پر کوزی خرافات تک رہی ہے۔ منصور آپ فوراً یہاں آئیں، فوراً۔“ منصور علی دوسری طرف دم سادھے اس کی آواز سن رہے تھے۔ ان کے دہم دنگان میں بھی نہیں تھا کہ وہ خیزو اس طرح کی حرکت کر سکتی ہے۔

”تم نے اسے ہانے کے لیے کہا تھا۔“

”کسے ہانا ہوتا تو وہ یہاں آئی کیوں۔ وہ صرف مجھے ذلیل کرنے کے لیے یہاں آئی ہے۔“

”تم اسے احمق بلا لو۔“

”میں اسے احمق بلا لوں۔ اس عورت کو گیت کھول کر اندر بلا لوں؟“ ریشی کے اشتعال میں اضافہ ہوا۔ ”کیوں بلاؤں گی اسے، یہ کس کا گھر ہے؟ اس کا۔۔۔ یا میرا۔۔۔؟“

”ریشی اتم صورت حال کی نزاکت کو سمجھو۔“ منصور علی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”بھلا میں ہانے صورت حال اور اس کی نزاکت۔“ ریشی نے اس کی بات کا نچے ہوئے کہا۔ ”میں صرف یہ چاہتی ہوں، آپ یہاں آئیں اور اس عورت کو یہاں سے لے جائیں، ورنہ میں اسے گول مار دوں گی۔“

”ریشی! میں وہاں آؤں گا تو وہ اور تھاشا کرے گی۔ میں کیسے لے کر جاؤں گا اسے۔ تم اس کی زبان کو نہیں جانتی۔“

”مسلے ہر آئے تو پتا نہیں کیا کیا کہہ دیتی ہے۔“

”اتنا اڑتے ہیں، آپ اس سے اتنا خوفزدہ ہیں۔ میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی۔“

”میں کسی سے نہیں ڈرتا ہوں۔“ منصور علی نے کچھ ہارٹس ہو کر اس کی بات کالی۔ ”مگر وہاں جہاد سے گھر کے صاف سے ہر جا کر میں اس سے لڑوں گا تو تمہارے ساتھ ساتھ میری بھی بدنامی ہوگی۔“

”میرے ساتھ ساتھ آپ کی بدنامی ہوگی۔“ ریشی نے جواب دیا۔ ”یہ کہیں سن جاتی ہے کہ یہ وہم و خیال نہیں

رہے ہیں۔ من کاٹا ہوگا تو دونوں کا ہوگا، دونوں کا ہی ہونا چاہیے۔"

"میں نے تم سے شادی کی ہے، یاد رکھنا چاہیے تمہیں۔" منصور کو اس کے جملے پر اشتعال آیا۔

"آپ کو بھی یاد رکھنا چاہیے کہ آپ نے مجھ سے شادی کی ہے۔ میرے کچھ حقوق ہیں آپ پر۔ آپ کی پہلی بیوی میرے ہی گھر کے گیٹ پر جو کچھ میرے اور آپ کے بارے میں کہہ رہی ہے وہ....."

منصور نے اس کی بات کاٹنی۔ "وہ پاگل ہے، اسے چھوڑو..... میں اسے دیکھ لوں گا۔"

"نہیں، وہ پاگل نہیں ہے۔ وہ بے حد سمجھدار ہے۔ پاگل میں ہوں جو چوروں کی طرح اس کا جبک میں چسپ کر چکی ہوں۔ سنا جا چکے ہیں، وہ عورت کیا کچھ کہہ رہی ہے آپ کے بارے میں، میرے بارے میں، سٹس۔" وہ برہمی کے عالم میں اسٹرکام کی طرف گئی اور اس نے کارڈ لیس کو اسٹرکام کے ریسیور کے پاس کر دیا۔ اسٹرکام گیٹ پر نیزہ کا شور اور گیٹ پر ہاتھ مارنے کی آوازیں منصور علی تک پہنچانے لگی۔

"منصور علی ان آوازوں کو سنتے ہوئے یہ تو نہیں جان پارہے تھے کہ وہ کیا کہہ رہی ہے کیونکہ نیزہ کے صوب میں اور بہت سی آوازیں کا شور بھی تھا مگر یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ نیزہ نے واقعی وہاں ایک بنگلہ برپا کر دیا تھا۔ زندگی میں اس سے پہلے انہوں نے نیزہ کے لیے اتنی نفرت محسوس نہیں کی جتنی اس وقت کی تھی۔ رشتی اگر اس وقت اسے شوٹ کر دینے کی خواہش رکھتی تھی تو شاید وہ خود وہاں ہوتے تب بھی بھیجی کرتے۔"

"رشتی! تم قتل اور برداشت سے کام لو..... میں اس عورت کو سستی سکھاؤں گا۔ ایسا سبق کہ یہ ہمیشہ یاد رکھے گی۔"

رشتی نے اسٹرکام کارڈ لیس اور دوبارہ رکھ دیا۔ "اس سے زیادہ قتل اور برداشت اور کیا ہو سکتی ہے کہ میں گیٹ پر اس عورت کی دو بد نہیں کھڑی، یہاں اندر بیٹھی ہوں۔" رشتی غرالی۔

"تم اندر ہی رہو، وہ کتنی دیر گیٹ بجائے گی اور اس طرح شور شرابا کرے گی۔ خود ہی تھک کر چلے آ کر چلی جائے گی۔" منصور علی نے کہا۔

"اور اگر وہ نہ گئی تو.....؟"

"چلی جائے گی، یہاں کتنی دیر رہے گی۔"

"اور تب تک میں اس گیٹ سے دوبارہ کبھی باہر نکلنے کے قابل نہیں رہ سکوں گی، اس کا لونی میں کسی کو نہ نہیں دکھا سکوں گی۔ منصور علی صاحب! آپ کو ابھی اور اتنی وقت یہاں آنا ہے، یہاں آ کر لوگوں کو بتانا ہے کہ میں آپ کی کون ہوں۔" رشتی کے لہجے کی تندی بڑھ گئی۔

"رشتی! میرا اس وقت وہاں آنا مناسب نہیں ہوگا۔ آخر تم اس بات کو سمجھتی کیوں نہیں۔"

"آپ مجھے مشکل وقت میں اکیلا چھوڑ رہے ہیں؟" رشتی کے غضب میں کچھ اور اضافہ ہوا۔

"کون چھوڑ رہا ہے تمہیں مشکل میں؟"

"آپ کو مجھے لوگوں کے سامنے بیوی ماننے میں عار ہے۔"

"رشتی! مجھے غلامت سمجھو۔"

"کیا حیثیت ہے آپ کی زندگی میں میری؟" وہ بلند آواز میں چلائی۔

"رشتی پلیز! میری بات سنو۔"

"نہیں۔ مجھے اس وقت وضاحتوں کی ضرورت نہیں ہے۔" رشتی نے اسی انداز میں اس کی بات کاٹنی "مجھے اپنے گیٹ کے باہر منصور علی کی ضرورت ہے جو اس عورت کے منہ پر تھپڑ مار کر اس کا منہ بند کر دے۔"

منصور کچھ ہل نہیں سکے، ان کے پیروں کے نیچے سے جیسے زمین اگل رہی تھی۔

"آپ سن رہے ہیں میری بات؟"

"رہنمائی! میں تمہیں کچھ دیر بعد دوبارہ فون کرتا ہوں، ابھی تم غصے میں ہو، میری بات نہیں سمجھو گی۔"

منصور علی نے سوہاگل آف کر دیا۔ رہنمائی بے چینی کے عالم میں ہاتھ میں پکڑے ہوئے فون کو دیکھنے لگی۔ اس کے ہاتھ کمان میں بھی نہیں تھا کہ منصور علی اس طرح اس سے بات کرنے، اس کی بات سننے کے بجائے فون بڑھ کر دیا۔ اس کے ہاتھ میں فون کے عالم میں دوبارہ کال ملانے کی کوشش کی، منصور کا سوہاگل آف تھا۔ انہوں نے تھکا ہوا صورت پر اپنے سوہاگل آف کیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ رہنمائی دوبارہ فون کرنے کی کوشش کرے گی۔ رہنمائی کا فہر اور بڑھ گیا۔ اس نے کیے بعد وہ اس کے آفس کے نمبر ملانے شروع کر دیے۔ آپریٹر نے اسے منصور علی کے آفس میں نہ ہونے کے بارے میں بتایا۔ رہنمائی کو اس کی بات پر یقین نہیں آیا۔ منصور علی اب اسے نظر انداز کر رہے تھے۔ وہاں ہوتے ہوئے بھی اس سے بات نہیں کر رہے تھے۔ اس سے چھپنے کی کوشش کر رہا تھا۔ وہ اگلے کئی منٹ آپریٹر کے ساتھ الجھتی رہی پھر اس نے یک دم جیسے آگ بجلا ہوتے ہوئے پہلی قوت سے فون کو دوبارہ پر دے مارا۔

"رہنمائی خود پر قابو رکھو۔" سماعت نے یک دم اٹھ کر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔ وہ منصور علی کے ساتھ ہونے والی ساری گفتگو سن چکی تھی اور اسے اندازہ تھا کہ منصور اگر اس وقت وہاں آجاتے تو یہ صورت حال کو زیادہ خراب کرتا۔ رہنمائی جیسے نئے سے پاگل ہو رہی تھی۔ اس نے کچھ جواب دینے کے بجائے ڈرائنگ روم میں موجود جی میں اٹھا اٹھا کر توڑنا شروع کر دیا۔ سماعت کے ہاتھ پیر پھولنے لگے۔ "رہنمائی..... رہنمائی..... کیا ہو گیا ہے تمہیں، کیا کر رہی ہو تم؟"

"میں..... میں پاگل ہو گئی ہوں۔" اس نے کڑھل کا ایک گلدان پوری قوت سے کھڑکی کی شیشے پر دھرتے ہوئے کہا۔ "کیوں تو زری ہو چیزوں کو، اتنی قیمتی چیزوں کو۔" سماعت پریشان ہو گئی۔ "کیا قیمت ہے ان چیزوں کی..... امی! کیا قیمت ہے؟" وہ یک دم ایک اور ڈیکوریشن میں اٹھاتے اٹھاتے دکھی۔ "میری عزت سے زیادہ قیمتی ہے یہاں کی کوئی چیز؟" اس کا سانس فیر ہوا تھا۔ "ہاں..... یہ..... کیا ہے؟" کون سی لکچر ہے جو میری عزت سے زیادہ قیمتی ہے؟ میں نے اس آدمی سے شادی کی ہے..... اور یہ آدمی..... یہ آدمی وقت آنے پر چھلکا کر طرح منہ چھپا کر بیٹھ گیا ہے۔" وہ بری طرح چلا رہی تھی۔ "؟؟ بزدل..... کیسے..... ذلیل....."

"میں نے تمہیں اس شادی سے منع کیا تھا۔" سماعت نے دبے ہوئے لہجہ میں کہا۔ "ہاں کیا تمنا ہے۔" وہ ایک بار پھر چلائی۔ "تمہیں مانی میں نے آپ کی بات..... پھر..... ٹھیک کیا میں نے جو کہا۔ کوئی بچھتاوا نہیں ہے مجھے۔"

"تو پھر اب چلا کیوں رہی ہو، کیوں چیزیں توڑ رہی ہو؟ آرام سے بیٹھ جاؤ۔" سماعت نے اس بار قدرے بلند آواز میں کہا۔

"میں یہاں کی ہر چیز توڑ دوں گی، ہر چیز..... منصور علی کو چاہتا چاہیے کہ..... کہ....." وہ ایک بار پھر قہقہے سے آپ سے باہر ہوتے ہوئے وہاں پڑی باقی چیزوں کو اٹھا کر پھینکتے گی۔ "آپ دیکھنا ایک دن میں، میں اس شخص کو کس طرح خواہ کروں گی۔" وہ چیزیں پھینکتے پھینکتے پھر ایک کڑھلے کی۔ "یہ..... یہ آدمی میری حفاظت کرنے کے بجائے ہاتھوں میں چوڑیاں پہن کر بیٹھ گیا ہے۔ میں..... میں..... تمہیں..... اسے ایک دن اس طرح چھوڑوں گی کہ..... کہ یہ ہاتھ پیر بھی نہیں ہلا سکے گا۔ مہذو اور محتاج کروں گی میں اسے، آپ دیکھو..... رہنمائی کے جھلسوں میں اب فٹے کی جہ سے بے رہی تھی۔"

"تم منصور کی مجبوری بھی تو سمجھو۔" سماعت نے رہنمائی کا فہر ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔ "منصور کی مجبوری؟..... وہ مجبور ہے؟ وہ مجبور ہے؟" وہ ایک بار پھر چلانے لگی۔ "شادی کرتے وقت مجبور نہیں تھا، پھر چلاتے ہوئے مجبور نہیں تھا، اپنی بیوی کی حفاظت کرتے وقت مجبور ہو گیا ہے۔"

"رہنمائی! وہ یہاں آنے کا تو دائمی خیرو اور ہنگامہ کھڑا کرے گی، وہ گیت پر کھڑے جہم کے سامنے اسے کیا کہے گی؟"



”میں... میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔“

”جھوٹ مت بولو، شانہ آئی نے می کو پاپا اور ریشمی کے تعلقات کے بارے میں بتایا اور تم کہہ رہے ہو کہ تمہیں کچھ پتا نہیں۔“

”امبر! میں جھوٹ نہیں بول رہا۔ میں کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ منصور چچا اس عمر میں اس طرح کی حرکت کر سکتے ہیں۔ اور وہ بھی تمہاری دوست کے ساتھ شادی... جب مجھے شک ہی نہیں تھا تو میں منصور چچا اور ریشمی کی آپس میں بے تکلفی کے بارے میں تمہیں کیا بتاتا۔“ وہ اب سنجیدگی سے کہہ رہا تھا۔

”اور فرض کرو، میں بتا بھی دیتا تو کیا تمہیں کبھی یقین آتا، کبھی نہیں آتا۔ تم ریشمی کے بارے میں کچھ بھی سننے پر تیار نہیں ہوتی۔“

”پلیز غلط کام از کم تم تو اس طرح کی بات نہ کرو۔ می پہلے ہی اس ساری صورت حال کا ذمہ دار مجھے ظہر رہی ہیں۔“

”وہ اور کیا کریں، کس کو ذمہ دار ظہرا کریں۔“

”میں نے پاپا کو ریشمی کو اپنے پاس بیکریٹری رکھنے کے لیے نہیں کہا تھا۔“

”مگر تم نے اس کی سفارش تو کی تھی۔“ غلطیہ کہہ رہا تھا۔ ”مجھے وہ لڑکی شروع سے ہی کبھی اچھی نہیں لگی۔ میں نے تم سے کہا بھی تھا کہ ایسا لڑکیوں سے زیادہ میل جول بڑھاانا ٹھیک نہیں ہے مگر تب تم نے میری بات نہیں سنی۔ تمہیں لگتا تھا میں اس کی فریت کی وجہ سے اسے ناپسند کر رہا ہوں اور نہ وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔“

”پلیز غلطیہ اس کو وہ اب بس کرو۔ میں می سے بھی دن رات کیسا سختی رہتی ہوں، تمہیں میں نے اس لیے تو نون نہیں کیا کہ تم بھی مجھے ذلیل کرنا شروع کرو۔“

”میں تمہیں ذلیل نہیں کر رہا۔ میں تو صرف حقیقت بتا رہا ہوں۔ بہر حال اب بتاؤ کہ آگے کیا کرنا ہے۔“

”میں چاہتی ہوں تم مسودہ انگل سے بات کرو، انہیں یہ سب کچھ بتاؤ، ان سے کہو کہ وہ پاپا سے بات کریں اور ریشمی سے ہماری جان چھرا لیں۔“

”امبر! منصور چچا تم سے بڑی محبت کرتے ہیں، تمہاری بات وہ کبھی نہیں مانتے۔“ غلطیہ کو اچانک خیال آیا۔ ”تم کیوں اس سلسلے میں ان سے بات نہیں کرتی۔“

”وہ... میری بات ماننے پر تیار نہیں ہیں، تم نہیں جانتے غلطیہ! انہوں نے زندگی میں پہلی بار مجھ پر ہاتھ اٹھایا۔ اور ریشمی کے خلاف ایک لفظ بھی سننے کو تیار نہیں ہیں۔“ امبر کی آواز بھرا گئی۔

”منصور چچا آؤ خڑکیا ہو گیا ہے۔ لوگوں کو پتا چلے گا تو کیا عزت رہ جائے گی ہماری فیملی کی۔“ غلطیہ گواہی سے بڑبڑایا۔

”تم مسودہ انگل سے کہو، وہ پاپا کو سمجھائیں۔“

”امبر نے اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔“

”میں تمہارا بیٹا پاپا کو دے دوں گا مگر اس کا کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔“ غلطیہ نے سنجیدگی سے کہا۔

”منصور چچا اگر تمہاری بات نہیں مان رہے تو پاپا کی کیسے مانیں گے۔“

”وہ ان کے بیٹے بھائی ہیں۔“

”تم ان کی بیٹی ہو۔“

”بیٹی اور بیٹے بھائی میں بہت فرق ہوتا ہے۔“

”منصور چچا نے کبھی پاپا کو بہت اہمیت نہیں دی، یہ ایک اتفاق ہی ہے۔ پاپا ان کے بیٹے بھائی ہیں۔“ غلطیہ نے کہا۔

”مگر کبھی... وہ ان کے ساتھ اس طرح پیش نہیں آسکتے جس طرح ہمارے ساتھ وہ یہ رکھتے ہیں۔“

"میں پاپا سے بات کروں گا، یہ عجیب مصیبت آن پڑی ہے۔ تمہاری رخصتی کے بجائے منصور چچا کو ایسا پڑا ہوا ہے۔"  
ابراہیم نے ہلکے ہلکے پر کچھ بول نہیں سکی۔

"خیر تم پریشان مت ہو، میں پاپا سے بات کرنا ہوں اور کل ہی کو تمہارے ہاں آنے کو کہوں گا۔"  
"نہیں، آپس میں آنے کو مت کہنا۔" ابراہیم نے فوراً کہا۔ "مئی پہلے ہی بہت اڑسرب ہیں، ان کے آنے پر اور اڑسرب ہوں گی۔"

"ٹھیک ہے جیسا تم کہو مگر بہتر یہی ہے کہ تم منصور چچا سے ایک بار خود دوبارہ بات کرو۔" طلحہ نے مشورہ دیا۔  
"ابھی کسی کو ان کی شادی کا پتا نہیں ہے، وہ رخصتی کو طلاق دے دیں تو بات میں کساد ہو سکتی ہے، ورنہ یہ تو ایک بہت بڑا ایکسٹرنل بن جائے گا۔ تم کو رخصتی سے بھی تو بات کرنی چاہیے تھی، اسے کچھ شرم دلاتی تھی۔"

"کر چکی ہوں میں اس سے بات۔" ابراہیم نے مردہ دلی سے کہا۔ "وہ پاپا کو کبھی نہیں چھوڑے گی۔ اس کے ہاتھ تو سونے کی کان آگئی ہے۔ وہ اتنی احمق تو نہیں ہے کہ سونے کی اس کان کی ملکیت کو میرے جیسی بے ذوق دوست کے کہنے پر چھوڑ دے۔ پاپا نے اسے گھر بھی لے دیا ہے، اس کے نام کر دیا ہے۔"

"یہ تم سے کس نے کہا؟"

"اس نے خود بتایا۔"

"ہاں نوازشات تو منصور چچا شروع سے ہی اس پر بہت کرتے رہے ہیں۔ ہم لوگ یہ سمجھتے رہے کہ وہ تمہاری دوست ہے، اس لیے وہ اسے یہ ایکنل ٹریٹمنٹ دے رہے ہیں۔"

"مسعود انگل کو تو پتا تھا کہ پاپا اور رخصتی کا انخیز چل رہا ہے، شبانہ آنتی نے خود می کو بتایا پھر انہوں نے شروع میں ہی کیوں ہمیں نہیں بتا دیا۔"

"مجھے نہیں پتا کہ پاپا کو اس بارے میں کتنی معلومات تھیں اور اگر وہ اس سارے معاملے کو جاننے سے تو انہوں نے کیوں تم لوگوں کو نہیں بتایا مگر ابراہیم پھر بھی یہ کہنے پر مجبور ہوں کہ یہ سب کچھ تمہاری حماقت کی وجہ سے ہوا۔ تمہیں رخصتی بھی لڑی تو منصور چچا تک نہیں پہنچانا چاہیے تھا۔" ابراہیم خاموش رہی، اس نے اس بار طلحہ کو ٹوکنے کی کوشش نہیں کی۔

"ایسی لڑکیاں کیا سب کچھ کرنے کے لیے موقع کی تاک میں ہوتی ہیں۔ پتا نہیں کیسے پھانسا ہے اس نے منصور چچا کو۔"  
"یہ سب پاپا کا قصور ہے، وہ اچھے ہوتے تو کچھ بھی نہ ہوتا۔ رخصتی لگنی بنی کی عمر ہی تھی۔ وہ اسے بنی سمجھتے تو کچھ بھی نہ ہوتا مگر وہ..... وہ خود اچھے انسان نہیں تھے ہوتے تو رخصتی لاکھ کوشش کرتی، وہ اس کے جال میں نہ چھنتے۔"

"تم رخصتی جیسی لڑکیوں کے چکروں اور فریبوں کو نہیں جانتیں۔"

"مجھے جاننے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ میں صرف یہ جانتی تھی کہ میرا باپ میرا آئیڈیل تھا۔ میں ان کو جو سمجھتی تھی وہ سب لٹا تھا۔ وہ بھی ایک بہت عام سے آدمی تھے، بہت عامیانہ سوچ اور ذہنیت رکھنے والے آدمی۔" وہ بات کرتے کرتے رونے لگی پھر اس نے کریڈل دبا کر رابطہ منقطع کر دیا۔

☆☆☆

"منصور چچا نے رخصتی کے ساتھ دوسری شادی کر لی ہے۔" طلحہ نے شبانہ کو اطلاع دیتے ہوئے کہا وہ ابھی گھر آیا تھا۔

"کیا کہہ رہے ہو۔" شبانہ کا دل بیوں اچھلا۔

"ابراہیم نے اطلاع دی ہے مجھے، میں نے پاپا کو بولوا دیا ہے، وہ گھر آتے ہیں تو میں یہ معاملہ ان کے ساتھ دیکھ سکتی ہوں۔"

"دیکھو ذرا تم منصور کو..... یہ عرصہ ہی اس کی شادی کی، خاندان کی تاک کڑا دی اس نے۔" شبانہ نے اپنی اندرونی مسرت کو چھپاتے ہوئے کہا۔ یہ تصور کہ سیزہ کی راجدھانی اس سے چھن گئی ہے، ان کو محظوظ کر رہا تھا مگر طلحہ کے سامنے وہ اس خوشی کا اظہار نہیں کر سکتی تھی۔

"مجھے تو اسی دن تک ہو گیا تھا جب میں نے منصور کو اس لڑکی کے ساتھ دیکھا تھا۔" شبانہ نے اگلی بات جانی تھی۔  
 "جو بے تکلفی دو دو دیکھ رہی تھی، وہ ایسے ہی نہیں دکھائی جاتی۔ ارے خود بتاؤ کوئی ٹیکر بڑی کے ساتھ اس طرح کھنکھولہ لڑاتی ہے۔  
 ہے۔" شبانہ بولتی رہیں۔

"اور آپ نے فوراً میزوار چچی کو سب کچھ بتا دیا۔" عطا نے ہارشی سے ماں کو دیکھا۔  
 "تو اور کیا کرتی، میں نے کچھ نلکہ تو نہیں کیا۔"

"اور اب امیر اور میزوار چچی بھڑھی ہیں کہ تم نے سب کچھ جانتے ہوئے بھی ان سے سب کچھ چھپایا۔"  
 "لو اس میں بھلا ہمارا کیا قصور ہے۔ ہم پہلے انہیں کچھ بتاتے، تب بھی برا بنتے۔ اب بتایا ہے تو اب بھی برا ہی ہے۔"  
 "شبانہ ناراض ہو گئی۔" میزوار کو تو اپنے شوہر کو اصرام دینا چاہیے، اس تمام معاملے کے لیے یا بھرا امیر کو۔ جس نے عطا کو  
 منصور کے ہاں ملازمت دلائی، ہمارا اس میں کیا قصور۔"

"یہ تو آپ کہہ رہی ہیں اور دیکھیں آپ کو ضرورت کیا تھی میزوار چچی سے اتنی بھڑادی جتانے کی۔ آپ انہیں کھنکھولہ  
 تو کہہ کر ہم کچھ سمجھتے تھے کہ میں اس معاملے کا کچھ پتا نہیں مگر آپ نے انہیں سب کچھ بتانے کے ساتھ ساتھ چچی کو بھرا  
 پیمانے آپ کو کچھ بھی میزوار چچی کو بتانے سے منع کیا ہے۔" عطا نے بھلا کر کہا۔

"کب تم یہ سب کچھ اپنے باپ کو بتانے مت بیٹھو جانا۔" شبانہ یک دم خائف ہو گئی۔  
 "انہوں نے مجھے میزوار کو کچھ بھی بتانے سے منع کیا تھا۔"

"خیر پاپا کو تو اب سب کچھ بتا ہی پڑے گا۔" عطا نے صاف کوئی سے کہا۔ "آپ یا میں نہیں بتائیں گے تو میزوار چچی  
 دین گی، بھڑھے ہم بیٹے ہی انہیں اپنی طور پر اس کے لیے تیار کر دیں۔"

"بھڑھی تو کچھ شے نہیں آ رہا کہ اب آگے کیا ہوگا۔ منصور نے شادی تو کر لی ہے مگر اب جائیداد کا کیا ہوگا، کبھی اس نے  
 رشتی کے نام جائیداد کر دی تو۔" شبانہ کو فکروں سے بھری ہوئی تھی۔

"اس کا نام کا آغاز دو کر چکے ہیں۔ امیر تارہی تھی کہ انہوں نے کوئی گھرا سے خرید کر دیا ہے۔" عطا نے بتایا۔  
 "اس کے نام کر دیا ہے؟"

"یہ تو میں نے اس سے نہیں پوچھا۔"

"نہیں اگر خرید کر دیا ہے تو نام کر دیا ہوگا۔ رشتی بی بی تیز لڑکی ہے، کچھ نہ کچھ تو اس شادی کے عوض اس نے لیا ہی  
 ہوگا۔"

"اور اگر اس نے تین تری بھی اس کے نام کر دی تو۔" شبانہ اور ڈریں۔

"خیر منصور بچا اتنے بے خوف نہیں ہیں کہ تین تری اس کے نام کر دیں۔"

"سب بھڑھی کا حق مت کہو، عقل آتے دیر لگتی ہے، جانتے نہیں۔ فرض کرو، کبھی کو وہ تین تری بھی اس کے نام کر دیتا ہے تو ہم  
 تو اس کا کیا ہوگا۔"

"پاپا کو پتا ہے، وہ منصور بچا سے بات کریں کہ وہ رشتی کو حلاق دے دیں۔"

"جائیں، کب کو اگر اس کے ہاں کوئی اولاد اور وہ بھی بیٹا ہو گیا تو مسئلہ ہو جائے گا۔" شبانہ نے کہا۔

"آپ اور پاپا دونوں اس سلسلے میں منصور بچا سے بات کریں۔" عطا نے کہا۔

"میں ایک بات تمہیں صاف صاف بتا رہی ہوں، اگر منصور نے جائیداد کے معاملے میں اس طرح کی کوئی حرکت کی تو  
 میں اس کی بیٹیوں کو اس گھر میں نہیں لائوں گی۔ یہ تم کان کھول کر سن لو۔" عطا خاموشی سے ماں کو دیکھتا رہا۔

☆☆☆

منصور علی نے سواہل آئی کر دیا اور سواہل آئی کرنے کے ساتھ ہی انہوں نے اعتراف کر دیا کہ سواہل آئی کر دیا ہے۔

”جس کا بھی خون آئے، تم بتا دیا کہ میں آفس میں نہیں ہوں۔ چاہے رشتی ہی کا خون کیوں نہ ہو۔“

”آپرینڈ اور آفس کے لوگ اگرچہ اس بات سے واقف نہیں تھے کہ منصور علی رشتی سے شادی کر چکے ہیں مگر وہ رشتی اور منصور کے تعلقات کی ”خصوصی نوعیت“ کو ضرور جانتے تھے۔ اب اس وقت منصور کی یہ اچانک آنے والی ہجرت ان کے لیے حیرت کا باعث بنی تھی۔

”لو کے سرا“ آپرینڈ نے مستعدی سے جواب دیا اور اگلے ہی کچھ لمحوں کے بعد جب اس نے کیے بعد دیگرے بار بار رشتی کی کاٹرائینڈ کیں تو اسے معاملے کی نزاکت کا احساس ہونے لگا۔

منصور علی خود اپنے آفس میں کسی بھوکے شریکِ طرح... چکر کاٹ رہے تھے ان کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ انہیں رشتی سے بے حد محبت تھی۔ کم از کم یہ وہ بات تھی جس میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ اسے دلیر نہیں تھے کہ وہ رشتی کے پیچھے پر نیزہ سے انہیں کس طرح کی گنگو سنی پڑ سکتی تھی۔ ان کی جگہ کوئی بھی پچیس سال کا آدمی ہوتا تو شاید رشتی کے لیے دل میں اس طرح کے جذبات کی موجودگی میں بے خوف و خطر اندھا دھند اس کی کال مٹنے پر جمل پڑتا مگر پچیس سال کی عمر میں انسان کی عقل ہر وقت اس کے پاس رہنے لگتی ہے اور دل کے معاملات بھی اس کی دسترس سے باہر نہیں رہتے، اسی لیے منصور علی بھی رشتی کے گھر کے بجائے اپنے آفس میں بیٹھے ہوئے تھے۔

وہ کمرے کے چکر لگاتے ہوئے بار بار اپنی ایک ہاتھ کی منجھی کو دوسرے ہاتھ پر مار رہے تھے۔ وہ اندازہ کر سکتے تھے کہ رشتی ان کے اس طرح فون بند کر دینے پر کس طرح کی کیفیات سے دوچار ہوئی ہوگی اور اس وقت ان کے ہارے میں کیا سوچ رہی ہوگی اور وہ تصور کی آنکھ سے اپنے آپ کو معذرتیں کرتے بھی دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے ان لفظوں کی تلاش بھی شروع کر دی تھی جو انہیں رشتی کے پاس پہنچنے پر آج اس کے سامنے بولنے تھے۔

اور پھر اچانک اس طرح اضطراب اور بے چینی کے عالم میں ٹپٹے ٹپٹے انہیں ہارون کمال کا خیال آیا، وہ دک کر اپنے سوبائے کی طرف گئے اور ہارون کے سوبائل پر اسے کال کرنے لگے۔ ہارون نے ان کی کال گاڑی میں ہی سمی تھی۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی وہاں سے نکل کر اپنے آفس کی طرف جا رہا تھا۔

”ہاں منصور... کیا بات ہے۔“ ہارون نے منصور کی آواز سنتے ہی پوچھا۔ منصور نے مختصر الفاظ میں اپنا مسئلہ بیان کیا۔ ہارون کمال کے چہرے پر بے اختیار مسکراہٹ ابھر آئی تو وہ ذرا مد شروع ہو چکا تھا جس کا اسے انتہاء تھا۔

اپنی مسکراہٹ وہ باتے ہوئے اس نے بے حد تشویش کا اظہار کیا۔

”دیر ہی بیڈ! میں نیزہ بھابھی سے اس طرح کی حرکت کی توقع نہیں کرتا تھا۔“

”اب تمہیں اندازہ ہوا ہوگا، یہ کس طرح کی جاہل عورت ہے جس کے ساتھ میں نے اپنی ساری زندگی ضائع کر دی۔“

منصور علی کو اپنے غصے کا اظہار کا موقع مل گیا۔

”ہاں، میں اچھی طرح اندازہ لگا سکتا ہوں۔ شائستہ ایسی حرکت کرے تو میں تو۔۔۔“

”شائستہ بھابھی اور نیزہ میں زمین آسمان کا فرق ہے۔ شائستہ بھابھی اس جیسی چھجھوری حرکتیں بھی نہیں کر سکتی، وہ کبھی اس طرح کی گھٹیا زبان بھی نہیں بول سکتیں جیسی یہ عورت استعمال کر رہی ہے مگر تم مجھے بتاؤ کہ اب میں کیا کروں۔“

”دیکھو، رشتی کا قصہ ہانگل ٹھیک ہے۔ نیزہ بھابھی نے اس کی پوزیشن بے حد آکورڈ کر دی ہے۔“ ہارون کمال نے گاڑی کی پچھلی سیٹ کی پشت سے ٹپک لگائی وہ حزیہ مطمئن ہو گیا تھا۔

”دوسری شادی کوئی جرم تو نہیں کہ اس پر اس طرح کے ری ایکشن کا اظہار کیا جائے اور پھر نیزہ بھابھی کو جو بات کرنی ہے، وہ تم سے کرتیں۔ رشتی بے چاری کا اس سارے معاملے میں کیا تصور ہے۔ اس نے تو ہتھارے کہنے پر تم سے شادی کی ہے، اور نہ تو رضامند ہی نہیں تھی۔“



”میں جانتا ہوں، وہ ضرور کرنے میں حق بجانب ہے لیکن وہ میری صورت حال کو بھی تو سمجھنے کی کوشش کرے۔“ منصور علی نے بے چینی کے عالم میں اس کی بات کاٹنے ہوئے کہا۔ میں اس وقت اگر وہاں جاؤں گا تو نیزیہ میرے ساتھ بھی اسی طرح کا مزہ ڈکڑے گی، تم کو اس کے حراج کا اندازہ نہیں ہے۔“

”نہیں، خراب تو مجھے اچھی طرح اندازہ ہو چکا ہے۔“

”اے تو ریشی کے گھر وہ بارہ نہیں آتا، نہ ہی اس کا لونی میں رہتا ہے مگر مجھے تو وہیں جانا ہے، بار بار۔۔۔ مجھے وہاں کے لوگوں، ان کی نظروں، ان کی باتوں کا سامنا کرنا ہے اور میں جانتا ہوں وہ یہ سب کچھ اسی لیے کر رہی ہے تاکہ میں اور ریشی وہاں نہ رہ سکتے۔“

”خیر، یہ تو بچکانہ سوچ ہے۔ ظاہر ہے ریشی کا لونی طور پر تمہاری بیوی ہے، تم اسے اس طرح کے ردِ عمل سے گھبرا کر چھڑاؤ نہیں سکتے۔“ ہارون کمال نے جیسے کچھ اندازہ لگانے کی کوشش کی۔

”میں اسے چھوڑنے کا سوچ بھی نہیں رہا۔“ منصور نے فوراً کہا۔ ”میں صرف تم سے یہ سب کچھ ڈسکس کرنا چاہتا تھا کہ مجھے اب کیا کرنا چاہیے، ان تمام حالات میں۔“

”نی اللال! تو تم نے جو کیا ہے، ٹھیک ہی کیا ہے۔ وہاں اس وقت تمہارا جانا مناسب نہیں ہے۔“ ہارون کمال نے اپنی مسکراہٹ دہاتے ہوئے بظاہر بھروسہ انداز میں ان سے کہا۔ کچھ دیر بعد جب وہ بھی وہاں سے چلے جائیں تو تم ریشی کے پاس جانا اور اس سے معذرت کر لینا۔“

”یہ تو میں کروں گا ہی مگر میں اس سسٹے کا کوئی عمل نکالنا چاہتا ہوں۔ نیزیہ تو اب روز روز وہاں آ جایا کرے گی۔“

”اس مسئلے کا حل تو صرف تم ہی نکال سکتے ہو اور یہ حل کوئی اتنا مشکل نہیں ہے۔“ ہارون کمال نے اس بار بے حد سنجیدگی سے دو ٹوک انداز میں کہا۔

”تم بھابھی سے اس معاملے میں بات کرو۔ ان سے کہو کہ وہ ریشی کو قبول کر لیں اور اگر وہ ایسا کرنے کے لیے تیار نہیں ہیں تو پھر۔۔۔“ وہ دانتا رکھا۔

”تو پھر کیا؟“

”تو پھر تم انہیں طلاق دے دو، تمہاری ویسے بھی ان کے ساتھ اثرر اسٹینڈنگ نہیں ہے۔“ فوری طور پر منصور، ہارون کی تجویز پر کچھ نہیں کہہ سکے۔

ہارون نے ان کی خاموشی کو فوراً محسوس کر لیا۔

”میں جانتا ہوں، یہ مشکل فیصلہ ہے مگر تمہیں اپنی زندگی کے سکون اور آرام کے لیے یہ قدم اٹھانا ہی پڑے گا، ورنہ اس طرح تمہاری زندگی کیسے گزرے گی۔“ ہارون کمال کی آواز میں بھرپور کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی۔

”اور ریشی کو تو تم جانتے ہو وہ پہلے ہی اس شادی پر تیار نہیں تھی۔ اسی وجہ سے۔۔۔ اب روز روز یہ قماش ہونے لگا تو تمہیں چھوڑ کر چلے جانے کی۔“

”ایسا کبھی نہیں ہوگا۔“ منصور نے بے اختیار کہا۔

”یہ تمہارا خیال ہے، وہ کیا کرے گی، یہ تم نہیں کہہ سکتے۔ بہر حال میری تو یہی خواہش ہے کہ تمہارا معاملہ خوش اسلوبی سے منٹ جائے اور تمہیں نیزیہ بھابھی کو نہ چھوڑنا پڑے لیکن اگر صورت حال ایسی بن جاتی ہے کہ نیزیہ بھابھی کو طلاق دینے کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ نظر نہیں آتا تو پھر تمہیں اس قدم کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔“ ہارون کمال نے کہا۔ ”اور ویسے بھی تم طلاق سے پہلے نیزیہ بھابھی کو یہ آپشن دے رہے ہو کہ وہ ریشی کو قبول کر لیں۔ اب اگر وہ قبول نہیں کرتیں اور تم انہیں طلاق دیتے ہو تو یہ سراسر ان کی معافیت ہے، کم از کم اس فیصلے کی ذمہ داری تم پر نہیں ہو سکتی۔ میری بات سمجھ رہے ہو؟“ ہارون نے کہتے کہتے پوچھا۔

”ہاں..... ہاں..... میں بہت اچھی طرح سمجھ رہا ہوں مگر مجھے صرف بچوں.....“ ہارون نے اس کی بات کاٹ دی۔

”منصور! بچوں اور اپنی زندگی میں سے ایک کا انتخاب کر لو، وہ کل کو بڑے ہوں گے، شادیوں کریں گے اور اپنی اپنی زندگی بسر کریں گے، ان میں سے کوئی تمہارے بارے میں سوچے گا بھی نہیں اور تم ان کے لیے اپنی زندگی کو قربان کرنے پر تے ہو اور ویسے بھی ان پر جتنا اثر پڑتا تھا، وہ تمہاری اس شادی سے پڑ چکا ہے، اب طلاق دینے سے ان کو اور کچھ نہیں ہوگا۔ عام بات ہے طلاق..... آج کل کے بچے اس سے اتنا متاثر نہیں ہوتے اور تمہارے بچے تو بہت چھوٹے بھی نہیں ہیں۔“

وہ ان کی برین واشنگ کرنے میں مصروف ہو گیا۔

”ہاں، اگر کوئی اور راستہ نہیں نکلتا تو پھر شاید مجھے یہی قدم اٹھانا پڑے گا۔“ منصور اس کی بات سننے سے بڑبڑائے۔

”تم آج ہی منیزہ بھابھی کو اس بارے میں صاف صاف بتا دینا تاکہ وہ دوبارہ کبھی رشتی کے گھرنے جا سکیں۔“ ہارون کمال نے انہیں ایک اور ہدایت دی۔

منصور نے کچھ دیر اور اس سے بات کرتے رہنے کے بعد فون بند کر دیا۔

”انہوں نے اگلے چند گھنٹے اسی طرح اپنے آفس میں ٹھپتے ہوئے گزارے پھر انہوں نے اپنے مگر فون کیا۔ فون ملازم نے اٹھایا۔

”منیزہ گھر پر ہے؟“ منصور علی نے پوچھا۔

”نہیں صاحب! بیگم صاحبہ تو گھر پر نہیں ہیں۔ امیر بی بی ہیں، ان سے بات کرواؤں۔“

”نہیں، ان سے بات کروانے کی ضرورت نہیں ہے۔“ منصور علی نے فوراً کہا۔

”رجیم! جب منیزہ گھر آ جائے تو تم میرے آفس فون کر کے مجھے بتاؤ اور دیکھو، منیزہ کو اس کا پتا نہیں چلنا چاہیے۔“ ملازم حیران ہوا۔

”تمہیک ہے صاحب جی! میں آپ کو بتا دوں گا۔“ اس نے حافی بھری۔

منصور نے فون رکھ دیا۔ انہیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔ صرف دس منٹ کے بعد ہی آپرٹرنے انہیں ملازم کا پیغام پہنچا دیا۔ منصور علی نے سکون کا سانس لیا، اپنا کوٹ اٹھاتے ہوئے وہ اپنے آفس سے نکل گئے۔ انہیں اب رشتی کی ناراضی دور کرنا بھی اور اس نقصان کی تلافی کرنی تھی جو منیزہ کر چکی تھی۔ اپنی گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ دل ہی دل میں ایک بار پھر ان جملوں کو دہرانے لگے جو وہ پچھلے کئی گھنٹوں میں تصور میں اس سے کہہ رہے تھے۔

رشتی کے گھر پہنچنے پر چوکیدار نے گیٹ کھولتے ہوئے انہیں کچھ بتانے کی کوشش کی۔ منصور ہاتھ کے اشارے سے اسے خاموش رہنے کا اشارہ کرتے ہوئے گاڑی اندر لے گئے۔ رشتی پہلے گھر پر موجود ہونے کی صورت میں گاڑی کی آواز پر لاؤنج کے دروازے پر ان کا استقبال کرتی تھی۔ آج وہ باہر نہیں آئی تھی۔ منصور علی ایسے ہی رد عمل توقع کر رہے تھے۔ گھر میں مکمل خاموشی تھی۔

وہ گاڑی میں سے اتر کر پورج میں سے ہوتے ہوئے لاؤنج میں داخل ہو گئے اور کچھ دیر تک وہ اپنی جگہ سے لی نہیں گئے۔ لاؤنج میں صوفوں اور میزوں کے علاوہ کوئی چیز سلامت نظر نہیں آ رہی تھی۔ وہاں کوئی نہیں تھا۔ البتہ فرش ڈاکٹریشن و سٹر کے ٹکڑوں سے بھرا ہوا تھا۔ کمزریوں کے شیشے بھی ٹوٹے ہوئے تھے۔ ان کا دروازہ کھولنے لگا۔ فوری طور پر ان کا ذہن منیزہ کی طرف گیا۔ کیا وہ اندر آئی تھی اور یہ سب کچھ اس نے کیا تھا اور اگر یہ سب کچھ اس نے کیا تھا تو پھر رشتی کے ساتھ اس نے کیا کیا ہوگا؟

”یک دم گھبرا گئے، انہوں نے بلند آواز میں رشتی کو آواز دی۔

”رشتی! رشتی!“ جواب میں مکمل خاموشی رہی اپنا کوٹ لاؤنج کے صوفے پر پھینکتے ہوئے وہ تیزی سے کمرے میں آئے

”میں اپنے بیچروم کی طرف بڑھے، لیکن میں موجود ملازم باہر آ گئی۔ وہ شاید ان کی آواز سن کر ہی باہر آئی تھی۔

”سلام صاحب“  
”رشتی کہاں ہے؟“ منصور نے اس کے سلام کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔  
”بیگم صاحبہ اپنے بیٹے رام میں ہیں۔“ منصور کی بے اختیار جان میں جان آئی۔  
”لاؤ بیٹے میں کیا ہوا؟“ منصور علی نے پوچھا۔

”بیگم صاحبہ ہفتے میں جس، انہوں نے چیزیں توڑ دیں۔“  
”کون؟“ منصور کے ذہن میں اب بھی میزوی آئی۔ ”رشتی نے؟“  
”جی رشتی بیگم صاحبہ نے“ منصور ایک دم کچھ خائف سے ہو گئے۔

”ٹھیک ہے، تم جا کر لاؤ بیٹے کو صاف کرو۔“ وہ آگے بڑھ گئے انہیں یہ توقع تھی کہ رشتی بہت ہفتے میں ہو گی مگر یہ توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی توڑ پھوڑ کرے گی۔ بیٹے رام طرف جاتے ہوئے بھی انہیں اسی قسم کے متحکم کی توقع تھی مگر وہاں ایک اور متحکم کا شکر تھا۔

بیٹے رام کا دروازہ کھولتے ہی ان کا دل اچھل کر مطلق میں آ گیا۔ بیٹے پر ایک سوٹ کس کھلا ہوا تھا اور رشتی اس میں کھڑے دیکھنے میں مصروف تھی۔ اس نے دروازہ کھولنے کی آواز پر بھی منصور علی کی طرف یا دروازے کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں کی۔ مکمل طور پر اپنے کام میں مگن تھی۔ اس کے چہرے پر تازہ تھا اور اس کے ماتھے پر گلئیں تھیں۔ مگر وہ پھر بھی بے حد سکون اور اطمینان سے اپنا سامان بیک کرنے میں مصروف تھی۔ منصور علی نے ایک ہی نظر میں اس کے چہرے کا تفصیلی جائزہ لے لیا تو۔۔۔ کچھ دیر ہم بک کی تصویر بنے دروازے میں کھڑے رہے پھر انہوں نے جیسے اپنے اوسان بحال کرنے کی کوشش کی۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟“ انہوں نے بے حد کمزور لہجے میں کمرے کے دروازے کو بند کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہوئے کہا۔ رشتی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اپنے کام میں مصروف رہی۔  
”یہ کیا کر رہی ہو تم رشتی؟“ منصور نے ایک بار پھر کہا۔

رشتی نے سوٹ کس بند کر دیا۔ اس کی بیکنگ بیٹینا کھل ہو چکی تھی، وہ اب زپ بند کرنے لگی تھی جب منصور نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روکنے کی کوشش کی۔ وہ جیسے کرنٹ کھا کر پیچھے ہٹتی۔ بجلی کی سی تیز رفتاری کے ساتھ ہی اس نے اپنا ہاتھ ہٹا لیا۔

”تم گھر چھوڑ کر کیوں جا رہی ہو؟“ وہ چپ چاپ منصور علی کو دھورتی رہی پلکیں جھپکائے بغیر۔ بے حس و حرکت۔ منصور علی کو اس کی نظروں سے اٹھنے ہوئے تھے۔ وہ اب بے چین ہو رہے تھے۔ اس کی خاموشی انہیں کھل رہی تھی۔  
”رشتی! میں جانتا ہوں۔ تم ناراض ہو۔ تم کو ناراض ہونے کا حق ہے لیکن اس طرح گھر چھوڑ کر جانا اپنا گھر چھوڑ کر جا۔۔۔“

رشتی نے سرد لہجے میں ان کی بات کاٹ دی۔ ”یہ گھر ہوتا تو میں کبھی چھوڑ کر نہ جاتی یہ گھر نہیں ہے۔“  
”تو پھر کیا ہے؟“

”آپ کو پتا ہوگا یہ کیا ہے۔“ اس نے منصور علی کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔  
”یہ میرا اور تمہارا گھر ہے۔“ منصور علی نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔  
”میرا اور تمہارا؟ وہ نہ ہرے لے انداز میں ہنس۔“ میرا اور تمہارا گھر ہے اور میں اور آپ ہیں کون؟“  
”کیا یہ تمہیں پوچھنے کی ضرورت ہے؟“

”ہاں، یہ مجھے پوچھنے کی ضرورت ہے۔ بہت ساری باتیں خود سے پتا نہیں چلتیں۔ جب کسی دوسرے سے پتا نہ ملے تو۔۔۔“

”تم دونوں میاں بیوی تیرے۔“ وہ ایک بار پھر ہنس کر اس بار اس کا انداز پہلے سے بھی زیادہ جھپٹا ہوا تھا۔

"یہ میں چند لمحے پہلے سمجھتی تھی۔ مجھے غلطی تھی۔ آپ بتائیں اسے کیا کہیں گے غلطی یا خوش تھی؟ میں سمجھتی تھی کہ ہم دونوں واقعی شادی شدہ ہیں اور یہ میرا گھر ہے۔ میں غلط تھی۔ یہ میرا گھر تھا نہ ہی آپ سے میرا کوئی تعلق تھا۔"

"ریشی! میں" منصور علی نے کچھ کہنے کی کوشش کی ریشی نے تیزی سے ان کی بات کاٹی۔

"تعلق ہوتا منصور صاحب تو آپ اس وقت گھٹ پر ہوتے جب آپ کی بیوی، ہرول عزیز بنی، میری عزت کے چھڑے اڑا رہی تھی۔"

"میں" منصور نے پھر کچھ کہنے کی کوشش کی ریشی نے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کر دیا۔

"سنئے اس وقت صرف میری سنئے۔ اس وقت کوئی وضاحت کوئی جھوٹ نہیں سنوں گی میں۔ اس وقت آپ صرف میری سنیں۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ منصور نے پہلی بار اسے اتنے غصے میں دیکھا تھا اور وہ خاموش ہو گئے تھے۔

"مجھے آپ کی ضرورت پڑی اور آپ۔ آپ چھپ گئے۔ گھر، میاں بیوی، شوہر کیا ہوتا ہے۔ جانتے ہیں۔" وہ اب جیسے ایسے چیخ کر رہی تھی۔

"میں نے آپ سے صرف اس لیے شادی کی تھی کہ آپ مجھے تحفظ دیں گے ورنہ کیا تھا آپ میں؟" منصور علی دم مارے سن رہے تھے۔

"میرے باپ کی عمر ہے آپ کی۔ میں نے سوچا، جانے دو عمر سے کیا ہوتا ہے۔ مجھے دیکھیں اور اپنے آپ کو دیکھیں۔ شکل و صورت میں کبھی آپ میرے برابر آتے ہیں۔" منصور علی کے چہرے کا رنگ بدلتے جا۔

"میں نے کہا دفع کر دو۔ شکل و صورت سے کیا ہوتا ہے۔ میں غیر شادی شدہ تھی۔ آپ پانچ بچوں کے باپ۔" منصور علی بے حس و حرکت تھے۔

"میں نے کہا چھوڑو۔ یہ فرق بھی کیا معنی رکھتا ہے۔ کس نے نہیں روکا مجھے اس شادی سے۔ کس نے نہیں سمجھا یا مجھے۔ سب نے۔ ہر ایک نے۔ میں نے کسی کی نہیں سنی۔ میں نے سوچا کہ مجھے آپ سے تحفظ ملے گا۔" وہ بول رہی تھی۔

"دیوار بنا کر کھڑے ہوں گے آپ میرے آگے۔ حماقت کی انتہا دیکھیے۔ دیوار؟" وہ دم بھر کورکی۔ "آپ کے لیے ساری دنیا کی ذلت میں نے جان بوجھ کر مول لی۔ ساری دنیا کی۔ بے خوف تھی میں۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"بڑے جو کہتے ہیں ٹھیک کہتے ہیں میری عمر کا شوہر ہوتا اور مجھ سے محبت کرتا تو کسی میں ہمت نہیں ہو سکتی تھی کہ اس گھٹ پر کھڑے ہو کر میرے بارے میں کچھ کہہ دے۔" منصور علی کی ہمت جواب دے رہی تھی۔ اب وہ پچھتا رہے تھے کہ وہ کیوں اس وقت وہاں نہیں آ گئے۔ ان کی سمجھداری اب ان کے گلے کی ہڈی ثابت ہو رہی تھی۔

"اور آپ۔ آپ نے فون بند کر دیا۔ میری بات تک سننے سے انکار کر دیا۔ صرف اپنے آپ کو اپنی عزت کو بچا یا۔ میرا نہیں سوچا۔ منصور صاحب پھر بہتر ہے کہ میں ابھی اپنی خوش فہمیوں سے باہر آ جاؤں۔" یہاں سے لنگوں کی توبت ہاتھ پکڑنے والے مل جائیں گے۔ ایسے آدی جو میری ایک آواز پر میری مدد کو دوڑیں گے۔ آپ کی طرح نہیں کریں گے۔" منصور علی کا دل ڈوب رہا تھا۔

"آپ جائیں اپنی بیوی کے پاس۔ آپ اسی کے قابل ہیں۔" وہ سوٹ کیس اٹھانے کے لیے تھی۔

"مجھے ایک موقع دو۔ صرف ایک موقع ریشی! جنہیں دوبارہ مجھ سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوگی۔" منصور علی نے پتلا خر اپنی خاموشی توڑ دی۔ ان کے لہجے میں بے حد لجاجت تھی۔

"زندگی میں کوئی کسی کو موقع بھی نہیں دیتا۔ جو دیتا ہے وہ بے خوف ہوتا ہے۔" وہ بڑبڑائی۔

"میں تم سے بے پناہ محبت کرتا ہوں میں تم پر ثابت کر دوں گا۔"

"کیا کروں گی میں ایسی محبت کا جو میرے کام نہیں آ سکتی۔ لنگوں کے علاوہ کچھ اور ہے آپ کے پاس؟" وہ فریادی۔

"نہیں کچھ نہیں ہے آپ کے پاس۔ کچھ بھی نہیں۔ مجھے بے خوف بہت بنا لیا آپ نے۔ مزید نہیں سنوں گی۔ کسی اور کو

”ہائے اب۔“  
 ”رشتہ پنیر۔ مجھے چھوڑ کر مت جاؤ میں۔ میں مر جاؤں گا۔“  
 ”وہی کسی کے بغیر نہیں مرنے۔ آپ میرے لیے نہیں مریں گے تو پھر میرے بغیر بھی نہیں مریں گے۔“ اس نے بے رٹی سے کہا وہ اب سوٹ کیس کھینچ کر بیٹھنے سے بچنے اتار رہی تھی۔  
 ”میں تمہیں یہاں سے جانے نہیں دوں گا۔“ منصور علی نے سوٹ کیس اس کے ہاتھ سے کھینچ لیا۔  
 ”کیسے رہیں گے آپ مجھے؟ کس طرح روک سکتے ہیں؟“

”روک سکتا ہوں۔ میں تمہارا شوہر ہوں؟“  
 ”میں یہاں سے وکیل کے پاس جاؤں گی اور یہ کاغذی رشتہ ختم ہو جائے گا۔“  
 ”تم یہاں کیسے کر سکتی ہو تم کو مجھ سے محبت ہے۔“ منصور علی نے بے یقینی سے کہا۔  
 ”کبھی تھی اب نہیں ہے۔“ وہ پھر فریاد اور اس نے سوٹ کیس کھینچنے کی کوشش کی۔

”اگر میں ہاتھ جوڑوں تو کیا تم مجھے معاف کر دو گی؟“  
 ”ضرورت نہیں ہے اس کی۔ آپ اپنے گھر جائیں۔ اچھا بھلا سے معافی مانگیں جس کے ساتھ آپ کو زندگی گزارنی ہے۔ پھر اور آپ کا رشتہ تو ختم ہو گیا ہے۔“  
 ”وہ میری بچی نہیں ہے۔“ منصور علی بے اختیار جھلائے۔ ”میں نفرت کرتا ہوں اس عورت سے۔ تم مجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتی۔“

”بہت اچھی طرح سمجھ چکی ہوں میں سب کو۔ نفرت کرتے ہیں آپ اس عورت سے؟“ وہ پتلیج کرنے والے انداز میں بولی۔

”ہاں نفرت کرتا ہوں اس سے؟“  
 ”طلاق دے سکتے ہیں اسے۔ ابھی۔ اسی وقت؟“ منصور علی کچھ بول نہیں سکے۔ وہ جھنجھ سے سرکائی۔  
 ”نہیں دے سکتے۔ نفرت کرتے ہیں۔“ اس نے منصور علی سے سوٹ کیس کھینچ لیا۔

”رشتہ وہ۔ وہ اگر دوبارہ ایسی حرکت کرے گی تو میں۔ میں اسے طلاق دے دوں گا۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔“  
 ”نہیں۔ ایسی حرکت ایک بار ہی کافی ہے۔ آپ اگر یہ چاہتے ہیں کہ میں اس گھر میں رہوں تو آپ کو اس عورت کا طلاق دینی ہوگی۔ میں اب دوسری بیوی بن کر اس گھر میں نہیں رہوں گی۔“ وہ کہہ رہی تھی۔  
 ”میں اگر آپ کے ساتھ رہوں گی تو اس گھر میں۔ اس گھر میں جہاں آپ رہتے ہیں۔ جسے ساری دنیا آپ کے گھر کے حوالے سے پہچانتی ہے۔ آپ کی واحد بیوی کے طور پر۔ دوسری یا تیسری بیوی کے طور پر نہیں۔“  
 ”مجھے کچھ وقت دو۔ میں اسے طلاق دے دوں گا۔ میں تم سے وعدہ کرتا ہوں۔“ منصور علی نے گلست خروہ انداز میں کہا۔

”بہت وقت چاہیں لے لیں۔ پھر جب فیصلہ کر لیں تو میرے پاس آ جائیں تب میں آپ کے پاس ملی آؤں گی۔“  
 ”تم اس گھر میں رہو۔“

”نہیں میں یہاں نہیں رہوں گی۔“ اس کا لہجہ تھمی تھا۔  
 ”تم کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟“

”نہیں۔ مجھے آپ پر اعتبار نہیں ہے۔ جڑھا وہ آپ نے چہرہ کھینچنے پہلے ختم کر دیا۔“

”میں اچھا پوزیشن میگزین کر سکتا ہوں تم مجھے وضاحت کا موقع تو دو۔“  
 ”میں نہیں دوں گی اور مجھے اس بات میں بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ آپ کی پوزیشن تکبیر ہوئی ہے یا نہیں۔ میں اس گھر

سے جارہی ہوں۔“  
 ”رکشی پلیز۔ رک جاؤ۔“  
 ”رک سکتے کا طریقہ میں آپ کو بتا چکی ہوں۔ اس کے علاوہ دوسرا کوئی طریقہ نہیں ہے۔ میزہ کو طلاق دے دیں، اگر آپ سے چاہتے ہیں کہ رکشی آپ سے طلاق نہ لے۔“  
 ”میں تمہیں کبھی طلاق نہیں دوں گا۔ کبھی نہیں۔ یہ تم اچھی طرح جانتی ہو۔“  
 ”میں آپ سے طلاق لے لوں گی، یہ آپ بھی جانتے ہیں۔“  
 ”میں نے تم سے کچھ وقت مانگا ہے۔“  
 ”میں نے آپ کو وقت دے دیا ہے۔“  
 ”مگر تم پھر گھر چھوڑ کر کیوں جارہی ہو؟“  
 ”یہ میرا گھر نہیں ہے۔ بتا چکی ہوں آپ کو۔ جہاں رہنا چاہتی ہوں، اس کے بارے میں بھی بتا چکی ہوں۔“  
 ”میں تم سے محبت کرتا ہوں۔“  
 ”مجھے اس کا ثبوت چاہیے۔“  
 ”تم جانتی ہو۔ یہ بات۔ آج سے پہلے تو تمہیں کبھی ثبوت کی ضرورت نہیں پڑی۔“  
 ”آج سے پہلے میزہ کبھی میرے دروازے پر بھی نہیں آئی۔“  
 ”وہ دوبارہ کبھی نہیں آئے گی۔“  
 ”آبھی جائے تو میں اسے یہاں ملوں گی نہیں۔“  
 ”وہ بے وقوف عورت ہے۔“  
 ”نہیں میں، میں بے وقوف عورت ہوں۔“  
 ”رکشی پلیز، ایک موقع۔“  
 ”نہیں ایک موقع بھی نہیں۔ میں جارہی ہوں۔“  
 ”ٹھیک ہے میں اسے طلاق دے دیتا ہوں۔“  
 ”ابھی اور اسی وقت۔“  
 ”ہاں ابھی اور اسی وقت۔“ رکشی دروازے کے پاس جاتے ہوئے رک گئی۔ فاتحانہ نظروں سے اس نے گلست خوردہ

منصور علی کو دیکھا۔

## پندرہواں باب

”آپ کو وہاں نہیں جانا چاہیے تھامی!“ امبر نے جھکے ہوئے انداز میں کہا۔

”آپ کو یہ سب کچھ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ یہ سب کچھ کرنے سے کیا حاصل ہوا۔ صرف بے عزتی۔“ نیزہ اس کی بات پر بھڑک اٹھی۔

”بے عزتی۔ بے عزتی تو میں اس کی کر کے آئی ہوں اور ایسی کر کے آئی ہوں کہ وہ ساری عمر یاد رکھے گی۔“  
 ”وہ سب کچھ پایا کو بتا دے گی۔“ امبر نے اپنے خدشے کا اظہار کیا۔

”میں منصور سے ڈرتی نہیں ہوں۔ مجھے کوئی پروا نہیں ہے کہ وہ منصور کو سب کچھ بتا دیتی ہے۔ اچھا ہے وہ منصور کو سب کچھ بتائے۔ سب کچھ۔ تاکہ اسے پتا چلے کہ اب میں اس کے ساتھ کیا کرنے والی ہوں۔ نیزہ بولتی جا رہی تھی۔  
 ”اسے پتہ چلنا چاہیے کہ میں اب اسے جین سے جینے نہیں دوں گی۔ نہ اس کو۔ نہ اس کی اس بیوی کو۔“

نیزہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی واپس آئی تھیں اور اب وہ امبر کے ساتھ لاڈلج میں بیٹھی ہوئی تھیں۔ امبر نے رختی کے گھر جانے سے پہلے بھی نیزہ کو بہت روکنے کی کوشش کی تھی، مگر نیزہ نے اس کی ایک نہیں سنی اور اب اس کی واپسی پر بھی وہ نیزہ کی اس حرکت پر اپنی ناپسندیدگی کا اظہار کر رہی تھی۔ جبکہ نیزہ حسب معمول اسے جھڑکنے میں مصروف تھیں کہ یہ سب کچھ اس کی وجہ سے ہوا تھا۔

”میں ابھی کچھ دیر میں نکلیں بھائی کے پاس جاؤں گی سب کچھ بتا دوں گی انہیں، پھر دیکھنا تم وہ کرتے کیا ہیں تمہارے باپ کے ساتھ۔“ نیزہ نے اپنے بھائی کا نام ایسے ہی بولے۔

اور تب ہی نیزہ نے منصور علی کی گاڑی کی آواز سنی۔ امبر اور اس کے درمیان نظروں کا تبادلہ ہوا نیزہ کے چہرے پر ایک فاتحانہ مسکراہٹ ابھری۔

”دیکھا کیسے دوڑا چلا آیا ہے اپنی اس چڑیل کی تکلیف پر۔ ورنہ اس وقت گھر آنے کے لیے پہلے بھی اس کے پاس وقت ہی نہیں رہا۔“

”امبر نے نیزہ کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا اس کے چہرے پر تشویش تھی۔ وہ ماں اور باپ کے درمیان ایک اور جھگڑے کی توقع کر رہی تھی۔ کیونکہ نیزہ جھڑنے کے موڈ میں تھیں اور منصور علی کا اس وقت اس طرح بے وقت آنا ظاہر کر رہا تھا کہ رختی نے انہیں اس معاملے کی اطلاع دے دی ہوگی۔ اس نے نیزہ اور منصور علی کے درمیان زندگی میں پہلے بھی جھگڑے ہوتے نہیں دیکھے تھے اور اب جب اچانک اس کے سامنے جھگڑے ہونے لگے تھے تو وہ شدید قسم کے ڈپریشن کا شکار ہو رہی تھی اور یہ جھگڑے اب جو نوعیت اختیار کر گئے تھے۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ بہت جلد نروس بریک ڈاؤن کا شکار ہو جائے گی۔

نیزہ کی بات کے جواب میں امبر نے کچھ نہیں کہا۔ وہ صرف دھڑکتے دل کے ساتھ منصور علی کے اندر آنے کا انتظار کرتی رہی، اور چند لمحوں میں منصور علی کا لاڈلج میں نمودار ہونے والا چہرہ اس کی بدترین خدشات کی تصدیق کر رہا تھا۔ ان کے

چہرے اور آنکھوں میں نمٹنے کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں تھا۔

امبر کو توقع تھی کہ وہ آتے ہی چیخنے چلانے لگیں گے مگر ایسا نہیں ہوا تھا وہ اندر آ کر سونے پر بیٹھی ہوئی میزہ کے ہاتھوں سے کوزے ہو گئے اور انہوں نے درشت لہجے میں امبر سے کہا۔

”یہاں سے دفع ہو جاؤ۔“ امبر حیرانی سے ان کا چہرہ دیکھتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ منصور نے اسی سانس میں میزہ سے کہا۔

”تم اپنا سامان بیک کر دو اور یہاں سے نکل جاؤ۔ ابھی اور اسی وقت۔“ امبر وہاں سے جاتے جاتے رک گئی۔

”یہ میرا گھر ہے۔ کوئی مجھے یہاں سے نہیں نکال سکتا۔ سمجھے تم۔“

میزہ نے بلند آواز میں کہا۔

”تمہارا گھر؟ کیسا گھر؟ کہاں سے لائی تمیں یہ گھر؟ باپ نے دیا تھا؟ بھائیوں نے دیا تھا؟ کس نے دیا تھا؟“ منصور علی ایک دم چلانے لگے۔

”یہ میرا گھر ہے۔ صرف میرا۔ اور میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ تم ابھی اور اسی وقت اس گھر سے نکل جاؤ؟“

”میں یہاں سے نکل جاؤں، تاکہ تم اس عورت کو یہاں لاکر بیٹھ کر دو۔“ میزہ نے بھی اسی طرح چلاتے ہوئے کہا۔

”وہ عورت میری بیوی ہے۔“

”میں بیوی ہوں تمہاری۔“

”بیوی تمیں اب نہیں ہو۔ میرا وکیل طلاق کے کاغذات تیار کر رہا ہے اور میں تمہیں زبانی طور پر ابھی اور اسی وقت تمیں بار طلاق دیتا ہوں۔ اب یہاں سے چلی جاؤ۔“ میزہ کا رنگ یک دم سفید ہو گیا جبکہ امبر بے چینی کے عالم میں منصور علی کا چہرہ دیکھنے لگی۔

”سنا نہیں تم نے۔ میں نے تمہیں طلاق دے دی ہے۔ یہاں سے چلی جاؤ۔“ منصور علی ایک بار پھر بلند آواز میں چلائے۔

”تم۔ تم۔ اس طرح مجھے طلاق کیسے دے سکتے ہو؟“ میزہ کی آواز اور انداز دونوں میں لڑکھڑاہٹ تھی۔

”کیوں نہیں دے سکتا۔ دے چکا ہوں تمہیں میں طلاق۔“

”میں۔ میں اس گھر سے نہیں جاؤں گی۔ کبھی نہیں جاؤں گی۔“ میزہ یک دم ہڈیانی انداز میں چلانے لگیں۔

”یہ میرا گھر ہے۔ میرا گھر ہے یہ۔ تمہارے کہنے پر نہیں جاؤں گی میں یہاں سے۔“

اس بار منصور علی نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ انہوں نے میزہ کو بازو سے پکڑ لیا اور تھپتھپے ہوئے انہیں وہاں سے لے جانے لگے۔ امبر یک دم جیسے ہوش میں آ گئی۔ میزہ مزاحمت کر رہی تھیں۔

”پاپا۔ پاپا۔ مئی کو چھوڑ دیں۔ مت نکالیں انہیں گھر سے۔ آپ پاگل ہو گئے ہیں۔“ امبر بھاگتی ہوئی ان دونوں کے پیچھے آ گئی۔

”ہاں پاگل ہو گیا ہوں۔“ منصور بلند آواز میں دھاڑے۔

”پاگل کر دیا ہے تم لوگوں نے مجھے۔“ وہ اسے مسلسل باہر کی طرف تھپتھپے ہوئے کہہ رہے تھے۔

”اس پاگل پن سے ہی تو چمکھارا چاہتا ہوں۔“

”یہ گھر ہمارا ہے۔ آپ میری مئی کو یہاں سے نہیں نکال سکتے۔ رخصتی کے لیے آپ ہمارے ساتھ یہ سب کر رہے ہیں۔“ امبر نے میزہ کے بازو کو اس سے چھروانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں میں اس کے لیے یہ سب کچھ کر رہا ہوں، کیونکہ وہ میری واحد بی بی ہے۔ تم لوگوں سے میرا ہر رشتہ ختم ہو چکا ہے۔ تمہیں اس عورت سے ہر رومی ہو رہی ہے تو تم بھی اس عورت کے ساتھ یہاں سے نکل جاؤ اور دوبارہ مجھے اپنی شکل دکھانے کی



کوشش مت کرنا۔ پلی جاؤ تم بھی اس عورت کے ساتھ۔“  
منصور اب اس پر بھی دھاڑ رہے تھے وہ نیزہ کو سمجھتے ہوئے لاڈ لچ سے باہر پورچ میں لے آئے تھے۔ دن کے اجالے میں گھر کے اندر لاہر باہر کام کرنے والے ملازمین گم مگم یہ تماشادیکھ رہے تھے۔ نیزہ اب بھی خود کو چھڑانے کی کوشش کر رہی تھیں، مگر ان کی مزاحمت اب پہلے کی نسبت زیادہ بے سود ہو رہی تھی۔ امبر روتے ہوئے مسلسل نیزہ کے بازو کو منصور علی سے چھڑانے کی کوشش کر رہی تھی۔ مگر منصور علی کے سامنے اس کی یہ کوشش بھی ناکام ثابت ہو رہی تھی۔

”پلیز۔ پلیز۔ پلیز۔ اس طرح تماشائے بنائیں ہمارا۔“ پلیز وہ روتے ہوئے منصور کی منت سماجت کرنے لگی۔  
”تماشا۔ عورت دوسروں کا تماشائے کرنے کا لہن جانتی ہے تو اسے بھی تو اس تماشے کا ایک حصہ بننا چاہیے یہ کیوں مگنی تھی ریشی کے گھر؟ کیوں مگنی تھی وہاں؟“

منصور علی اس بات کی پروا کیے بغیر چلا رہے تھے کہ اب ان کی آواز باہر کام کرنے والے ملازمین تک بھی پہنچ رہی تھی۔  
”کیوں بے عزتی کی اس نے اس کی؟ کیوں گالیاں کہیں اس نے اسے؟“

”پاپا! آپ انہیں معاف کر دیں، ان سے نظلی ہو گئی، وہ دوبارہ وہاں نہیں جائیں گی۔ وہ دوبارہ کبھی ایسا کچھ نہیں کریں گی۔“ امبر اب بری طرح رو رہی تھی۔

”آپ کو ہم سے کوئی شکایت نہیں ہوگی۔ مگی کو اور ہمیں رہنے دیں، اس گھر میں۔۔۔ اس طرح باہر نہ نکالیں۔“  
”میں ہزار بار جاؤں گی اس عورت کے گھر۔۔۔ بار بار اس کی اسی طرح بے عزتی کروں گی۔۔۔ تم کیسے روک لو گے مجھے۔ اس گھر سے نکال دو گے، تب بھی وہاں جاؤں گی۔“

نیزہ چلائی۔ منصور نے پوری قوت سے ان کے چہرے پر تھپڑ مارا۔

”تم وہاں جاؤ گی تو میں تمہیں قتل کروا دوں گا۔“

”ساری عمر تمہاری جیل میں گزار جائے گی۔“

”گزر جائے مگر تم سے تو چہن چھوٹ جائے گی میری۔“

”پلیز۔ پلیز۔۔۔ یہ مت کریں۔“ امبر نے روتے ہوئے مداخلت کی۔

”تم اندر پلی جاؤ، میں تمہیں یہاں سے نہیں نکال رہا مگر اس عورت کو میں نہیں رکھوں گا۔“

”میں مگی کو نہیں چھوڑ سکتی۔ میں انہیں نہیں چھوڑ سکتی۔“

”پھر جاؤ ماں کے ساتھ، دھکے کھاؤ، چوکیدار گیت کھولو۔“ منصور نے زہر آلود انداز میں اس سے کہتے ہوئے چوکیدار سے کہا۔

چوکیدار جو گھبراہٹ کے عالم میں یہ سب کچھ دیکھ رہا تھا اس نے قدم سے ہڑبڑاتے ہوئے گیت کو کھول دیا۔

امبر نے نیزہ کے پیچھے بھاگنے کی کوشش کی۔ منصور نے اس کا بازو پکڑ لیا۔ وہ گیت کے درمیان میں کھڑا تھا۔

”میرنی بات سنو امبر! اس گیت کو پار کر کے اس عورت کے ساتھ جاؤ گی تو دوبارہ یہ گیت تمہارے لیے بھی نہیں کھلے گا، کبھی نہیں۔ اس عورت کو رہنے دو تم واپس اندر چلی جاؤ۔“ منصور علی نے بے حد سرد اور تنہی انداز میں امبر سے کہا۔

”اندھ کیا ہے؟“ امبر نے روتے ہوئے گیت کے اندرونی جانب اپنے گھر کی طرف اشارہ کیا۔

”کچھ رو گیا ہے اندھ؟ میرا تو ہاپ تک نہیں ہو گا وہاں پھر کیا کرنا ہے مجھے وہاں رو کر۔ آپ کو اس گیت کو کھولنے کے بارے میں کبھی سوچنے کی ضرورت نہیں پڑے گی۔۔۔ میں اب سر کر بھی یہاں نہیں آؤں گی۔“ اس نے اپنے بازو کو چھڑاتے ہوئے کہا۔

”سب کچھ ختم کر دیا آپ نے۔۔۔ سب کچھ۔۔۔ سب کچھ مٹی کر کے رکھ دیا آپ نے۔۔۔ اور میں نے اس مٹی میں آپ کے ساتھ جرنے والا ہر شے دھنسا دیا۔ بہت چھوٹے آدمی تھے آپ۔۔۔“ وہ اب اگلے قدموں گیت کو کراس کر رہی تھی۔

”گیت بند کرو۔“ منصور علی بلند آواز میں چلائے اور پلٹ کر اندر جانے لگے۔

”کھلا رہنے دیں اسے۔“ چوکیدار تیز رفتاری سے گیت کو بند کرنے کی کوشش کرنے لگا۔ امبر ہی طرح جیسے جاتی ہوئی

پھر چلائی۔

”کھلا رہنے دیں اسے.... میں اندر نہیں آؤں گی.... مکی اندر نہیں آئیں گی.... کوئی نہیں آئے گا آپ کے کمرے میں.... کوئی نہیں۔“ وہ اب جیسے پاگلوں کی طرح چلا رہی تھی۔

”نا آپ نے.... سنا آپ نے؟.... آپ سن لیں.... کان کھول کر سن لیں.... امبر کی شکل اب دوبارہ نہیں دیکھیں گے آپ امبر کمرے میں نہیں۔“

منیزہ گیت کے سامنے اسی جگہ پر بیٹھی رو رہی تھیں۔ انہوں نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ گیت اب بند ہو رہا تھا، بہت دور تیز تیز قدموں کے ساتھ منصور علی اندر جا رہے تھے۔ بند ہوتے ہوئے گیت سے منیزہ نے برتی آنکھوں کے ساتھ اس شخص کی پشت کو دیکھا تھا۔ وہ شخص چند لمحے پہلے اس کا پورا جہاں تھا۔ بند ہوتے ہوئے گیت نے زمین پر پہلی بار کسی کے آسمان اور جہاں کو نظروں سے اوجھل کر دیا تھا۔

صہبہ پانچ دن کے لیے اپنے کالج کے اسٹوڈنٹس کے ساتھ مری ٹرپ پر مچی ہوئی تھی۔ وہ منصور اور منیزہ کے درمیان ہونے والی چپقلش اور سچ کلامی سے واقف تھی اور وہ اس پر فخر مند بھی تھی مگر اس نے کبھی یہ تصور نہیں کیا تھا کہ منصور دوسری شادی جیسا قدم اٹھا سکتے تھے اور وہ بھی رشتی جیسی لڑکی سے۔

وہ اسی دن ٹرپ سے رات کو واپس آئی جس دن منصور نے منیزہ کو طلاق دے کر گھر سے نکال دیا تھا۔ اس نے سہ پہر کے قریب منصور علی کو واپسی کے سفر کے دوران ایک دوست کے موبائل سے فون کیا۔ منصور کا لہجہ اور انداز اسے خلاف معمول بہت ترش اور اکڑا ہوا لگا، وہ کچھ حیران ہوئی۔

”پاپا.... میں صہبہ بول رہی ہوں۔“ اس نے ایک بار پھر اپنا نام دہرایا۔ ایک لمحے کے لیے اسے اندیشہ ہوا کہ شاید منصور نے اس کی آواز پہچانی نہیں، اس لیے وہ اس سے اتنی کئی سے بول رہے ہیں۔

”جاننا ہوں کہ تم صہبہ بول رہی ہو۔“ منصور کے لہجے میں اب ترشی کے ساتھ ساتھ مضجعات بھی تھی۔

”میں نے آپ کو بتانا تھا، ہم نوبے کالج پہنچ رہے ہیں۔ آپ گاڑی بھجوا دیں گے یا پھر میں اپنی فرینڈ کے ساتھ

آ جاؤں۔ وہ مجھے آفر کر رہی ہے کہ اس کا ڈرائیور مجھے ڈراپ کر دے گا۔“ صہبہ نے منصور کے لہجے پر قدرے غصا ہوتے ہوئے

اپنی فرینڈ کی آفر دہرائی۔

”فرینڈ سے کہا وہی تمہیں اپنی گاڑی پر ڈراپ کر دے گی۔“ منصور نے کسی سلام دعا کے بغیر روکے انداز میں کہتے

ہوئے فون بند کر دیا۔

صہبہ بے چینی کے عالم میں اپنے موبائل کو دیکھتی رہی۔ منصور علی کبھی اس طرح بات نہیں کرتے تھے جس طرح انہوں نے

اب کی تھی۔ پچھلے کچھ ماہ میں اگرچہ منیزہ سے ان کے جھڑپے ہوتے رہے تھے اور وہ بچوں کو بھی نظر انداز کرتے رہے تھے مگر اس

کے باوجود وہ ان سے کبھی اس طرح پیش نہیں آئے تھے جس طرح اب.... صہبہ کو بہت عجیب سا احساس ہوا۔

”ہو سکتا ہے پاپا کسی وجہ سے پریشان ہوں یا پھر معروف ہوں اور میں نے انہیں اچانک فون کر کے پریشان کر دیا ہو،

اس لیے وہ اس طرح بات کر رہے ہوں۔“ اس نے اپنے آپ کو تسلی دینے کی کوشش کی۔

مری جانے کے فوراً بعد اس نے دوبارہ فون کر کے منیزہ سے بات کی تھی، جب تک منیزہ اور امبر کو منصور کی دوسری

شادی کا پتا نہیں چلا تھا، ورنہ منیزہ صہبہ تک یہ خبر پہنچانے میں کوئی تامل نہ کرتیں۔ بعد میں صہبہ اور منیزہ کا آپس میں کوئی رابطہ

نہیں ہوا، وہ گھر میں ہونے والے واقعات سے مکمل طور پر بے خبر تھی۔

رات ساڑھے نو بجے جب لاہور پہنچنے کے بعد اس کی فریڈ نے اسے اس کے گیت پر ڈرامپ کیا تو تب تک اس کے ذہن سے یہ سہرہ منور کے ساتھ ہونے والی گفتگو کا اثر غالب ہو چکا تھا۔ وہ بہت خوشگوار سوز میں تھی، گاڑی سے اترنے کے بعد اپنا بیگ سنبھالتی ہوئی وہ آگے بڑھی اور اس نے ایک بار بھر گیت پر نکل دی۔ وہ کچھ حیران تھی کہ اس کی فریڈ کی کار کے ہارن کی آواز سن کر بھی چوکیدار نے گیت نہیں کھولا تھا۔

تل دینے کے چند منٹ بعد بھی اسے انتظار کرنا پڑا۔ چوکیدار نے ہارن کی آواز پر گیت کے اندر سے صہ کو دیکھ لیا تھا مگر گیت کھولنے کے بجائے وہ اتر کام پر منور علی کو صہ کے بارے میں بتانے اور اس کے لیے گیت کھولنے کے لیے اجازت لینے میں مصروف ہو گیا۔ صہ تب تک تل بجاتی رہی۔ منور کے اجازت دینے پر چوکیدار نے اپنے کہیں سے باہر آ کر گیت کھول دیا۔

”انتظار... گیت کیوں نہیں کھول رہے تھے آپ۔ کم از کم دیکھ تو لیتے کہ میں کھڑی ہوں یا نہ۔“ صہ نے اسے دیکھ کر کچھ ناراضی سے کہا اور پھر بیڑی کی طرف اشارہ کیا۔ ”میرا سامان لے آئیں۔“ وہ خود گیت کر اس کر گئی۔ چوکیدار نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ اس نے آگے بڑھ کر گیت کے باہر پڑے ہوئے بیگ اٹھائے۔ صہ تب تک تیز قدموں سے ڈرائیو سے گزرتے ہوئے پھر بیڑی کی طرف جا رہی تھی۔ اس کا سامان اٹھائے اس کے پیچھے اندر آتے ہوئے چند لمحوں کے لیے چوکیدار کے دل میں آیا کہ وہ صہ کو دہرہ ہونے والے واقعات کے بارے میں بتا دے۔ صہ کے انداز سے اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ وہ ان تمام واقعات کے بارے میں خبر تھی مگر اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس کی اطلاع پر کس طرح کے رد عمل کا اظہار کرتی۔

منور علی اس وقت گھر پر ہی موجود تھے، وہ کچھ دیر پہلے ہی رشتی کو وہاں لے کر آئے تھے، اگرچہ وہ رشتی کو اتنی جلدی وہاں لانا نہیں چاہتے تھے مگر رشتی کی ضد اور اصرار پر وہ مجبور ہو گئے تھے۔

روشان کو اسکول سے واپس آنے پر گھر ہونے والے واقعات کے بارے میں پتا چلا تھا۔ منور اس وقت گھر پر نہیں تھے۔ روشان اور اس کی چھوٹی دونوں بہنیں شاکہ تھیں۔ وہ طلاق کے بارے میں نہیں جانتی تھیں، ان کے لیے صرف اتنا ہی کافی تھا کہ نیزہ کو منور نے گھر سے نکال دیا تھا۔ لڑائیوں سے یہ جان کر کہ منور علی نے نیزہ کو طلاق دے دی ہے روشان کے بھروسے سے زمین ٹھل گئی۔ اس نے فوری طور پر نیزہ کے کیسے فون کر کے اس کے بارے میں جاننے کی کوشش کی۔ نیزہ اور امیر وقتیا پر تھیں۔ نیزہ نے اسے بھی گھر چھوڑ آنے کے لیے کہا لیکن جب روشان نے وہاں سے نکلنے کی کوشش کی تو۔ چوکیدار نے اسے گھر سے نکلنے نہیں دیا۔

”منور صاحب کہہ گئے ہیں کہ ان کے آنے تک آپ کہیں نہیں جاسکتے۔“

چوکیدار نے روشان سے کہا تھا۔ روشان نے واپس آ کر منور علی سے اس کے موبائل پر رابطہ کرنے کی کوشش کی، وہ ناکام رہا۔ منور علی نے کال رد کی تھی۔ انہیں اندازہ تھا کہ گھر سے اس وقت آنے والی یہ کال روشان ہی کی ہو سکتی تھی اور وہ روشان سے فون کے بجائے آنے سامنے بات کرنا چاہتے تھے۔ انہیں یقین تھا کہ جو کچھ وہ امیر کو نہیں سمجھا سکے، وہ روشان کو سمجھا لیں گے۔

رشتی کے ساتھ گھر پہنچنے پر انہوں نے روشان اور اس سے چھوٹی اپنی دونوں بیٹیوں کو لاؤنج میں انتظار کرتے پایا۔ روشان نے رشتی پر نظر نہیں ڈالی تھی۔ اس کے بس میں ہوتا تو وہ اس کی گردن مروڑ دیتا۔

”تم اٹھ جاؤ، میں روشان سے بات کر کے آتا ہوں۔“ منور علی نے روشان کے کچھ کہنے سے پہلے ہی رشتی کو اندر جانے کا اشارہ کیا۔

”یہ یہاں کیوں آئی ہے؟“ روشان نے تند و تیز لہجے میں منور سے کہا۔

”تم اس کے بارے میں نیزہ سے بات کرو، وہ میری بیٹی ہے اور یہ میرا گھر ہے، میں جسے چاہوں یہاں لاسکتا ہوں۔“

”لو کے..... آپ اگر اسے لے آئے ہیں تو پھر ہم لوگوں کو یہاں سے جانے دیں، میں یہاں نہیں رہنا چاہتا۔“ روشاں نے اسی انداز میں کہا۔ ”جب آپ نے می اور امبر کو نکال دیا ہے تو ہمیں یہاں کیوں رکھ رہے ہیں۔“

”میں نے ان دونوں کو یہاں سے نہیں نکالا..... یہ ان کا اپنا انتخاب تھا۔“

”آپ نے می کو طلاق دے دی ہے۔“

”وہ اسی قابل تھی۔ یہ کام جو میں نے آج کیا ہے، یہ مجھے کئی سال پہلے کر لینا چاہیے تھا۔“ منصور نے بھی اسی کے انداز میں کہا۔ ”میرے اور حیزہ کے جھگڑے میں تم لوگوں کو انوالونٹس ہونا چاہیے۔ امبر اپنی مرضی سے حیزہ کے ساتھ گئی ہے۔“

”ہم بھی اپنی مرضی سے یہاں سے جانا چاہتے ہیں۔“

”وہ عورت کیا دے سکتی ہے تمہیں، وہ خود بھی خوار ہوگی اور تمہیں بھی کرے گی۔“

”خوار کرنے کا سلسلہ تو آپ نے شروع کیا ہے پھر اب آپ کو ہماری کیوں ضروری ہے۔ آپ چند منٹوں میں اپنی جی پٹی اس گھر میں لے آئے ہیں، اس سے زیادہ کیا کریں گے۔“

”اپنا منہ بند رکھو، یہ مت بھولو کہ تم کس سے بات کر رہے ہو۔“ منصور بھی کوفہ آ گیا۔ ”میں نہیں چاہتا کہ تم اس عورت کے پاس جا کر اپنی زندگی برباد کرو۔“

”وہ عورت میری مکی ہیں۔“

”وہ ایک بے وقوف عورت ہے، بے وقوف اور خندی..... اور جس عورت میں یہ دونوں خصوصیات ہوں، وہ عورت کوئی رشتہ نہیں بھا سکتی۔“ منصور نے خنجر سے کہا۔

”آپ تو بے وقوف نہیں تھے، آپ نے رشتے نبھالیے؟“ منصور چند لمحوں کے لیے کچھ نہیں کہہ سکتے۔

”وہ اپنی تباہی کی خود ذمہ دار ہے۔“ انہوں نے کچھ دیر کے بعد کہا۔ ”میں نے دوسری شادی کر کے کوئی منہ نہیں کیا تھا کہ وہ اس پر اس طرح ہنگامہ برپا کر دیتی۔ میں ایک چھوڑ کر تین شادیاں اور کرۃ، اسے کیا تکلیف تھی۔“

منصور اب روشاں کو لاشعوری طور پر وضاحتیں دینے میں مصروف تھے۔

”اس عورت نے ساری زندگی مجھے استعمال کیا، گھر کو جنم بنا کر رکھ دیا، تمہیں اندازہ ہی نہیں کہ میں اس کے ساتھ کتنی مشکل زندگی گزار رہا تھا، صرف تم لوگوں کی وجہ سے۔“

روشاں بے یقینی سے باپ کو جھوٹ بولتے دیکھ رہا تھا۔ چند ماہ پہلے اس نے منصور بھی کبھی حیزہ سے خوش نہیں دیکھا تھا، کبھی نہیں..... اور اب یک دم وہ اسے اپنے اس ذہنی سکون کے بارے میں بتا رہے تھے جس سے وہ محروم تھے۔ منصور اب روشاں کو حیزہ کے رشتے کے گھر جانے کے بارے میں بتا رہے تھے۔ روشاں بے تاثر چہرے اور مزہمیری کے ساتھ منصور کی دیکھ رہا تھا۔ وہ خود حیزہ کی جگہ ہوتا تو یہی کرتا۔ اس نے دل میں اعتراف کیا مگر باپ سے یہ نہیں کہا۔

”تم اس کے پاس چلے جاؤ گے تو وہ تمہیں کہاں رکھے گی، تمہارے اخراجات کہاں سے پورے کرے گی۔ میں تو اسے کچھ نہیں دوں گا، ایک پیسہ تک نہیں۔ اگر تم امبر کی طرح یہ گھر چھوڑ کر چلے جاتے ہو تو میں تمہیں دوبارہ کبھی یہاں آنے نہیں دوں گا۔ میں تمہیں اپنی جائیداد میں سے کوئی حصہ تک نہیں دوں گا۔ جس اسکول میں تم پڑھ رہے ہو، اس کی فیس حیزہ تو انورڈ نہیں کر سکتی۔“

”مجھے صرف چند ماہ اسکول میں گزارنے ہیں پھر مجھے کسی فیس کی ضرورت نہیں پڑے گی۔“ روشاں نے باپ کو یہ دو باتیں کر دوائی۔

”اولیہ پڑھ لو گے تو کیا کرو گے.....؟ دنیا سڑک پر تمہارے استقبال کے لیے کھڑی نہیں ہوگی کہ تم اس اسکول سے اولیہ پڑھ کر کے نکلو اور تمہیں کسی بڑے مہدے پر قائل کر دیا جائے۔“ منصور نے طنز یہ لہجے میں کہا۔

"کروں گا کچھ نہ کچھ، آپ کو اس کے بارے میں کوئی پریشانی نہیں ہونی چاہیے۔" روشن نے اگڑے ہوئے لہجے میں بولا۔ "آپ کو میری پرہیزگاری تو آپ سے سب سے زیادہ ہے۔" منصور نے کہا۔

"جو میں نے کیا ہے، اس کا تعلق میری زندگی سے ہے، تمہاری زندگی سے نہیں۔" منصور نے کہا۔

"میں یہاں سے چلا چاہتا ہوں، آپ مجھے یہاں سے جانے دیں۔" منصور کی بات کا جواب دینے کی بجائے روشن نے سر ہرکایا۔

"میں تمہیں بتا چکا ہوں، میں تمہیں یہاں سے جانے نہیں دوں گا۔" منصور علی نے اسی دو ٹوک انداز میں کہا۔ "تم میرے اگلے بیٹے ہو، مجھے تم سے کتنی محبت ہے، تم جانے ہو۔ تم میری تمام جائیداد کے وارث ہو، میں تمہیں سڑکوں پر دھکے کھانے یا رشتہ داروں کے گھروں پر ان کے گلوں پر پلٹنے کے لیے نہیں چھوڑ سکتا۔" منصور نے کہا۔

"آپ صرف اپنی فکر کریں۔" اس نے حقیرانہ لہجے میں گورینڈور کی طرف ہاتھ کا اشارہ کیا۔ "یا پھر اپنی اس نئی بیوی کی فکر کریں جسے آپ یہاں لے کر آئے ہیں۔"

منصور اس کی بات پر مشتعل ہو گئے۔

"اپنی زبان پر قابو رکھو، میری محبت سے ناجائز فائدہ نہ اٹھاؤ۔ اب اور کچھ کہنے کی ضرورت نہیں، اپنے کمرے میں جاؤ، میں کل دوبارہ تم سے بات کروں گا۔"

منصور علی پاؤں بیٹھے ہوئے اپنے کمرے کی طرف چلے گئے۔

وہ اپنے کمرے میں گئے ہی تھے جب چوکیدار نے انہیں صبح کی آمد کا بتایا۔ وہ ان سے پوچھ رہا تھا کہ کیا اسے صبح کو اندر آنے دینا چاہیے۔ منصور روشنی کے تیروں کو نظر انداز کرتے ہوئے ایک بار پھر ان ہی قدموں سے واپس لاؤنج میں آئے۔

روشن اور ان کی چھوٹی دونوں بیٹیاں ابھی بھی لاؤنج میں ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ منصور کا ہنڈ پریشانی ہونے لگا۔ روشن انہیں دیکھ کر ایک بار پھر کھڑا ہو گیا۔ "بہنیں یہاں سے جانا ہے۔" اس نے کھڑے ہوتے ہوئے اسی اگڑے انداز میں کہا۔

"صبر آ رہی ہے، میں اس سے بات کرنے کے لیے آیا ہوں۔" منصور نے حکمانہ انداز میں کہا۔

"آپ کیا سمجھتے ہیں کہ وہ آپ کے کہنے پر یہاں رہنے کے لیے تیار ہو جائے گی۔"

"ان میں سے کوئی بھی اگر یہاں رہنا نہیں چاہتا تو نہ رہے، میں زبردستی نہیں کروں گا مگر روشن تمہاری بات دہری ہے۔ جس میں اپنی ماں کی طرف سے غلط فہمی کا مظاہرہ کرنے کی بجائے میرا نقطہ نظر بھی سمجھنا چاہیے، ابھی تم چھوٹے ہو۔" منصور علی کا انداز بہت صاف تھا۔ "چند سالوں بعد جب تم بڑے ہو جاؤ گے تو میری بیٹیوں کو زیادہ اچھی طرح سمجھ سکو گے۔"

روشان نے اس بار کچھ نہیں کہا، وہ فروغی انداز میں لاؤنج کے دروازے پر نظریں جمائے کھڑا رہا۔ واضح طور پر وہ صبح کے اندر آنے کا انتظار کر رہا تھا۔

"تمہارے پاس موجود ہر آسائش صرف میری وجہ سے ہے، میں نہ ہوں تو تم لوگوں کے پاس کچھ بھی نہ رہے۔" منصور کے لہجے کی نرمی لٹکے ہوئے تھی۔ "اور تم لوگ مجھے اس کا صلہ دے رہے ہو۔ نیزہ نے کیا کیا ہے تمہارے لیے، کچھ بھی نہیں۔ تم لوگوں کو میرا ذہن برابر خیال نہیں ہے، تم لوگوں کو صرف نیزہ سے بھردی ہے۔"

"جو کچھ آپ نے ان کے ساتھ کیا ہے، اس کے بعد صرف ہمیں ہی نہیں، ہر ایک کو انہیں کے ساتھ بھردی ہوگی۔"

روشان ان کی گفتگو سے متاثر ہوئے بغیر بولا۔

"دوسری شادی کوئی جرم نہیں ہے۔" منصور نے دماغانہ لہجے میں کہا۔

"میں تو کسی کے سامنے شرم سے سر جھکی نہیں اٹھا سکتا، جب کوئی مجھ سے آپ کی اس عمر میں شادی کے بارے میں

سوال کرے گا۔

”چھاپڑا اس بات کو، اگر تم میری شادی پر اتنے ہی شرمسار ہو۔“

”میں چھاپڑاں گا اور سب کچھ چھپا رہے گا۔“ روشن یکدم چھاپڑا۔ ”پہری کالونی کے سامنے آپ نے می کو دیکھے دے کر مگر سے نکلا ہے، کوئی لحاظ کیے بغیر اور آپ مجھ سے کہہ رہے ہیں کہ میں اس خبر کو چھپا لوں۔ اندھن اور بہروں کے شہر میں رہتا ہوں میں؟“

”جیسا اہلی ماں کی تکلیف اور بے عزتی کا احساس ہو رہا ہے، مگر اس تکلیف اور بے عزتی کا احساس نہیں ہے جس سے اس نے مجھے اور ریشی کو دو چار کیا ہے، اس نے ریشی کے گھر کے باہر اسی طرح کا بنگلہ کیا تھا پہری کالونی کے سامنے۔“

”ریشی کی اگر بے عزتی ہوئی ہے تو آپ کی ہجرت سے ہوئی ہے۔ آپ نے اس سے کیوں خفیہ شادی کر رکھی تھی اور میں میرا تو دل چاہتا ہے کہ اسے شوٹ کر دوں۔ یہ امیر کی دوست بن کر یہاں آئی اور اس نے ہمارے گھر پر قبضہ کر لیا۔“

روشان کے لہجے میں ریشی کے لیے بے پناہ نفرت تھی۔ ”مگی تو صرف اس کی بے عزتی کر کے آئی تھی، میں ہوتا تو میں وہاں اسے شوٹ کر کے آتا۔“

”یہ سارا زہر تمہاری ماں نے تم لوگوں کے اندر اٹھلے رکھا ہے، میں نے بہت اچھا کیا اس عورت کو طلاق دے دی، مجھے کوئی شرمندگی نہیں ہے۔ وہ اور کچھ سال یہاں اس گھر میں میرے ساتھ رہ جاتی تو پتا نہیں اور کتنا زہر تم لوگوں کے اندر بھرتی۔“ منصور علی ایک بار پھر مشتعل ہو گئے۔

صہبہ اسی وقت لاؤنج میں داخل ہوئی۔ ”السلام میکے پاپا؟“ اس نے اندر داخل ہوتے ہی منصور کو دیکھتے ہوئے کہا۔ منصور کے جذبات پر اس نے بعد میں غور کیا تھا۔ منصور نے جواب دینے کے بجائے اس سے نظریں چرائی تھیں۔

انگلے لمبے صہبہ نے روشن اور اپنی چھوٹی دونوں بہنوں کو دیکھ اور پھر لاؤنج کے صوفوں کے پاس پڑے بیگز کو پھر اس نے روشن اور اپنی چھوٹی دونوں بہنوں کے چہروں کو دیکھ جوتے ہوئے تھے، وہ کچھ حیران ہوئی۔

”کیا ہوا، آپ لوگ کبھی جا رہے ہیں؟“ اس نے روشن اور منصور کے چہروں پر باری باری نظریں دوڑاتے ہوئے کہا۔ روشن چند قدم آگے بڑھ آیا۔

”پاپا نے می کو طلاق دے کر امیر کے ساتھ گھر سے نکال دیا ہے۔“ اس نے صہبہ سے کہا۔ صہبہ کا رنگ اڑ گیا۔ چونک کر اب اندر آ کر بیگ اس کے پاس رکھ کر باہر جا رہا تھا۔

صہبہ بے چینی کے عالم میں روشن اور منصور کو دیکھنے لگی۔

”کیا کہہ رہے ہو تم؟“ اس نے بے شکل کہا۔ ”ہم لوگ بھی گھر چھوڑ کر جا رہے ہیں آپ بھی جیسی۔“ روشن نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ صہبہ اب منصور علی کو دیکھ رہی تھی۔ جو اپنے دونوں ہاتھ سر پر رکھے کھڑے تھے۔

”آپ..... پاپا آپ..... آپ نے می کو طلاق دے دی ہے؟ آپ نے انہیں گھر سے نکال دیا ہے؟“ وہ بے اختیار منصور کی طرف آئی۔

”ہاں۔ میں نے اسے طلاق دے کر گھر سے نکال دیا ہے۔“ منصور نے تلخی سے کہا۔

”کیوں؟..... کیوں؟..... آپ نے ایسا کیوں کیا ہے؟ می نے کیا کیا تھا؟ ان کا کیا قصور تھا.....؟“ صہبہ یکدم رونے لگی۔

”تم لوگ یہاں سے جانا چاہتے ہو..... دفع ہو جاؤ اور دوہرا رو کبھی مجھے اپنی شکل نہ دکھاؤ؟.....“ منصور علی یک دم چلانے لگی۔

”گور تم.....“ منصور علی..... صہبہ کی طرف متوجہ ہوئے۔ ”تم بھی جانا چاہتی ہو چلی جاؤ۔ جو اس وقت مجھے چھوڑ کر میزہ کے پاس جاسے گا وہ پھر ہمیشہ کے لیے میزہ کے پاس ہی رہے گا۔ میں تم لوگوں کو اپنی جانیدار سے عاق کر دوں گا ایک چھوٹی

کڑی تک نہیں دوں گا۔" وہ اسی طرح چلاتے ہوئے لادراؤج سے نکل گئے۔

"ہوں۔۔۔ چائیداد میں سے حق۔۔۔" روشان نے نخوت سے کہا "ہمیں ضرورت نہیں ہے ان کی جائیداد کی۔۔۔ نہ ہی اس مگر کی تم بھی اپنا بیگ تیار کرو اور چلو ہمارے ساتھ۔" روشان نے صہبہ سے کہا۔

"تم نے پاپا کی بات سنی ہے۔ وہ کہہ رہے ہیں کہ ہم یہاں سے چلے گئے تو یہ ہمیشہ کے لیے ہو گا۔" صہبہ نے اپنے آنسو پونچھے ہوئے کہا۔

"میں یہاں نہیں رہ سکتا۔ میں اس کو اس مگر میں اپنی می کے کمرے میں رہے ہوئے تو نہیں دیکھ سکتا۔"

"میں می سے بات کرتی ہوں۔" صہبہ نے ایک دم اٹھ کر فون کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ "کیا انکل مسود کو پتا ہے کہ پاپا نے می کو مگر سے نکال دیا ہے؟" صہبہ نے کال کے لیے نمبر ڈائل کرتے ہوئے روشان سے پوچھا۔

☆☆☆

"منصور نے نیزہ کو طلاق دے دی ہے۔" مسود علی نے ظلمہ کے کمرے میں داخل ہوئے ہوئے کہا۔ وہ اس وقت ٹیکری میں ہی تھی۔

"کیا۔۔۔؟ منصور بچپانے۔۔۔ مائی گاڈ۔۔۔" ظلمہ ایک دم پریشان ہو گیا۔ مسود علی اب کرسی پر بیٹھ رہے تھے۔

"مگر آپ کو یہ سب کس نے بتایا ہے؟"

"نیزہ کے بھائی نے مجھے فون کیا تھا۔ نیزہ امبر کے ساتھ اپنے میکے چلی گئی ہے۔ منصور نے ان دونوں کو مگر سے نکال دیا ہے۔"

"مگر کیوں؟ امبر کو کیوں؟" ظلمہ بے چین ہوا۔

"نیزہ نے رشتی کے مگر جا کر اس سے جھگڑا کیا تھا اور منصور نے اسی بات پر غصے میں آ کر اسے طلاق دے دی۔ امبر بھی نیزہ کے ساتھ ہی مگر چھوڑ کر چلی گئی۔ تم جانتے ہو وہ بالکل عقل سے پیدل ہے۔ اس سے اور توقع بھی کیا کی جاسکتی ہے۔"

مسود علی نے تبصرہ کیا۔

"میلے اس نے یہ رشتی والا مسئلہ کھڑا کیا اور اب۔۔۔" مسود علی نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

"لیکن اب ہو گا کیا؟" ظلمہ بڑبڑایا۔

"نیزہ کا بھائی چاہتا ہے کہ میں منصور سے مصالحت کی بات کروں۔"

"مصالحت کی بات۔۔۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے آپ خود ہی تو کہہ رہے ہیں کہ منصور بچپانے انہیں طلاق دے دی ہے۔"

"میں اس کا بھائی کہہ رہا تھا۔ ابھی منصور نے زبانی طلاق دی ہے، تحریری طور پر طلاق نہیں دی۔ اگر میں اسے مجبور کروں تو وہ پاس رکھتا ہے گا۔ جس میں نیزہ کے حراج کا تو اندازہ ہی ہے۔ وہ ہر جگہ کیسے ایڈجسٹ ہو سکتی ہے اور پھر ان حالات میں۔"

"آپ نے ان سے کیا کہا؟"

"میں نے اس سے صاف صاف کہہ دیا کہ میں اس معاملے میں کوئی مداخلت نہیں کر سکتا۔ طلاق نہ ہوئی ہوتی تو میں منصور کو سمجھانے کی کوشش کرتا لیکن اب۔۔۔ اب بہت دیر ہو چکی ہے، ویسے بھی یہ ضروری نہیں ہے کہ منصور میری ہر بات مانے۔"

منصور بچپانے کے حراج کا واقف نہیں ہوتا۔ لیکن یہ سب کچھ بہت برا ہوا ہے آخر منصور بچپانے کو کیا ضرورت تھی اس طرح نیزہ بچپانے کو طلاق دینے کی۔ شادی کر لی تھی تو ٹھیک ہے۔ سب کچھ اسی طرح چٹا رہنے دیتے۔

"میں میں نیزہ کی بھی بے قدرتی ہے۔ اسے کس نے مشورہ دیا تھا کہ وہ رشتی کے مگر بچپانے جائے۔"

"نیزہ بچپانے کی تو خیر آپ بات ہی نہ کریں۔ آپ جانتے ہی ہیں ان کی عادتوں کو۔ وہ اپنے آپ کو ضرورت سے زیادہ"

عقل مند سمجھتی ہیں۔“ طلحہ نے تبصرہ کیا۔ ”مگر مجھے تو اب یہ پریشانی ہو رہی ہے کہ منصور چچا کا مدینہ پہنچنے میں ہمارے ساتھ کیا ہوا ہے؟“

”کیوں ہمارے ساتھ اس کے رویے کو کیا ہوگا جب ہم کسی معاملے میں مداخلت ہی نہیں کر رہے تو وہ ہمارے ساتھ اپنا رویہ کیوں تبدیل کرے گا۔“ مسعود نے کہا۔

”امبر کی اس طرح کی حمایت کو وہ کیا معنی دیں گے؟“

”پران کا اپنا سلسلہ ہے۔ وہ ہمیں اس میں کیوں انواؤ کریں گے۔“

”رکشی کی وجہ سے اگر وہ نیزہ چچی کو طلاق دے سکتے ہیں تو امبر کی ان کے نزدیک کیا اہمیت ہو سکتی ہے۔“

”اور کچھ امبر خود بھی تو اجس ہے اگر اس کی کچھ اہمیت ہے بھی تو وہ اسے ختم کر لے گی۔“ مسعود نے فکر مندی سے کہا۔

”امبر مجھ سے بھی یقیناً رابطہ کرے گی کہ میں آپ کو منصور چچا سے بات کرنے کے لیے کہوں؟“ طلحہ کو اپنی فکر ہونے لگی۔

”تم اس سے صاف صاف کہہ دینا کہ میں اس معاملے میں مداخلت نہیں کر سکتا۔ میں منصور کا بڑا بھائی ضرور ہوں مگر منصور ہر معاملے میں مجھ سے مشورہ کرنے کا عادی نہیں ہے اور اب تو ویسے بھی طلاق ہو چکی ہے۔ بلکہ بہتر تو یہ ہے کہ تم فی الحال امبر سے گریز کرو۔ اس سے اس مسئلے کے بارے میں بات ہی نہ کرو۔“

”گریز کیسے کروں گا میں اس سے۔۔۔۔۔ وہ کبھی بھی فون پر مجھ سے رابطہ کر سکتی ہے۔“

”تم اسے کسی بھی طرح ہال دینا۔ بہتر یہ ہے کہ کچھ دن کے لیے کسی دوسرے شہر چلے جاؤ۔“

☆☆☆

”روشان سے کیا کہہ رہے تھے آپ؟“ منصور علی کے بیڈروم میں آتے ہی رکشی نے ان سے پوچھا۔ اس نے روشان اور ان کے درمیان ہونے والی ساری گفتگو کو کو ریڈور میں کھڑے ہو کر چھپ کر سنی تھی اور اس گفتگو نے اسے تشویش میں مبتلا کر دیا تھا۔

”کیا کہہ رہا تھا میں روشان سے؟“ منصور علی نے جواباً پوچھا۔ وہ اس وقت ذہنی طور پر بری طرح الجھے ہوئے تھے۔

”اگر روشان یہاں نہیں رہتا چاہتا تو آپ اسے زبردستی یہاں کیوں رکھ رہے ہیں؟“

”وہ میرا لکھوٹا بیٹا ہے رکشی۔“ سگریٹ کا ایک کش لے کر انہوں نے رکشی سے کہا۔

”تو۔۔۔۔۔؟“ رکشی نے ماتھے پر چند ٹل ڈالتے ہوئے کہا۔

”میں اسے اس کی ماں کے پاس نہیں بھیج سکتا۔“

”اس کی مرضی کے بغیر آپ اسے یہاں کیسے رکھ سکتے ہیں؟“

”کیوں نہیں رکھ سکتا۔۔۔۔۔ میں اس کا باپ ہوں۔“

”اور نیزہ اس کی ماں ہے اور وہ اسی کے پاس رہنا چاہتا ہے۔“

”وہ اجس ہے۔“ منصور علی نے ہاتھ کو جھمکتے ہوئے کہا۔

”جب آپ نے طلاق دے کر اس سے تمام تعلقات ختم کر لیے تو پھر بچوں کو زبردستی اپنے پاس رکھنے کا کیا مطلب ہے۔۔۔۔۔ انہیں کبھی اس کے پاس بھیجیں۔“

”میرا تعلق نیزہ کے ساتھ ختم ہوا ہے۔ بچوں کے ساتھ نہیں۔ میں ان کا باپ ہوں۔“ منصور علی نے پتہ نہیں کس ذہنی اور

میں آ کر کہا۔

”جن بچوں کو آپ کی پرواہ نہیں ہے، آپ ان کی پرواہ کیوں کر رہے ہیں؟“

”وہ ابھی بے خوف ہیں۔ بہت سے حقائق کو نہیں سمجھتے۔ میرے پاس رہیں گے تو بہت کچھ سمجھنے لگیں گے۔“



"نور اس رویے کے ساتھ وہ یہاں رہیں گے تو میرا کیا ہوگا۔" رخصتی نے کہا۔

"کیا مطلب...؟ تمہارا کیا ہوگا؟"

"جو سلوگ آپ کی بیوی نے میرے گھر کے ٹینٹ پر میرے ساتھ کیا، وہی سب کچھ آپ کے بچے گھر کے اندر میرے

ساتھ کریں گے۔"

"وہ کچھ نہیں کریں گے۔"

"کچھ نہیں کریں گے؟ آپ نے اپنے بیٹے کی باتیں سنی ہیں۔ صرف گالیوں کی کی تھی ورنہ اور تو سب کچھ کہہ دیا ہے اس

نے میرے بارے میں۔"

"تم نے اس کی باتیں سن لیں؟"

"نہیں سنی چاہیے تھیں؟" رخصتی نے شرمندہ ہوئے بغیر جواب دیا۔

"وہ ابھی غصے میں تھا اس لیے اس طرح کی باتیں کر رہا تھا ورنہ وہ اس طرح کا بچہ نہیں ہے۔" منصور علی نے اسے

الہینان دلانے کی کوشش کی۔

"منصور! اس طرح کے ماحول میں نہیں رہ سکتی۔ یہ آپ اچھی طرح جانتے ہیں۔"

"میں ہی نے تو تمہیں اس گھر میں نہیں لارہا تھا۔ تمہارے لیے وہی گھر بہتر تھا۔" منصور نے کہا۔

رخصتی اس کی بات پر مستحضر ہوئی۔ "کیوں بہتر تھا میرے لیے وہ گھر... میں اس گھر میں رہنا چاہتی ہوں۔ آپ اپنے

بچوں کو اس گھر میں بھیج دیں۔" اس نے تھک کر کہا۔

"وہ گھر تمہارے نام ہے۔ یہ جانتی ہو تم... پھر انہیں وہاں کیسے بھیج سکتا ہوں اور پھر یہ اکیلے وہاں کیسے رہ سکتے ہیں۔"

"میں اکیلا رہ سکتی تھی تو یہ بھی رہ سکتے ہیں۔ چھوٹے بچے تو نہیں ہیں۔ اور اگر آپ کو ان کی اتنی ہی فکر ہے تو آپ انہیں

میزو کے پاس بھجوا دیں۔ وہ جیسے چاہے انہیں رکھے۔ کم از کم آپ کو تو ان کی پریشانی نہیں ہوگی۔"

"میں نہیں کو اس کے پاس بھجوا سکتا ہوں مگر بیٹے کو نہیں یہ بات تو طے ہے۔" منصور نے دونوں کے انداز میں کہا۔

"کیوں روشن کو نہیں بھجوا سکتے۔"

"میں تو پ کا تھا اس اجتن عورت کے ہاتھ میں نہیں دے سکتا... اور تم بھی کچھ عقل سے کام لو... روشن میزو کے

پاس چلا گیا تو کچھ مہینے جانیہ اور کا ایک بڑا حصہ اس کے پاس چلا جائے گا۔ آج نہیں تو کل وہ کورٹ میں اسے میرے خلاف

لے جائے گی۔ تب میں کیا کروں گا؟" منصور علی نے سگریٹ کا بچا ہوا ٹکڑا انہیں ترے میں پھینکتے ہوئے کہا۔

"اور پھر میں اپنے اکلوتے بیٹے سے ہاتھ دھونا نہیں چاہتا۔ میں اسے اپنے پاس رکھنا چاہتا ہوں۔ کل کو وہ میری جگہ اس

قیدی کو سنبھالے گا۔ وہ میرے ہاتھ سے نکل گیا تو سب نکل جائے گا۔ مجھے زبردستی کرنی پڑے تب بھی میں اسے اس گھر میں

سے نہیں جانے دوں گا۔"

"اور جواب آپ اسے کہہ کر آئے تینا کہ وہ جانا چاہتا ہے تو چلا جائے۔"

"چوکیدار اسے عرصے تک نہیں دے گا، وہ زیادہ سے زیادہ گینت تک ہی جا سکتا ہے۔" منصور علی نے ایک اور سگریٹ

سلاکے ہوئے کہا۔ رخصتی کچھ دیر خاموشی سے جینھی منصور علی کو دیکھتی رہی پھر اس نے منصور سے کہا۔

"آپ روشن اور گھر میں رکھنے کے بجائے کسی ہاسٹل میں داخل کروادیں۔" منصور نے چونک کر اسے دیکھا۔

"تھوڑا سا خیال کیوں آیا ہے؟"

"وہ بہت اچھے بیرو ہو رہا ہے۔ مجھے اس سے خوف آ رہا ہے۔" رخصتی نے بے حد جمیدگی سے کہا۔

"بچوں جیسی باتیں مت کرو۔" منصور علی نے کہا۔ "تھوڑا بہت عرصہ تو اسے آنا ہی تھا۔ کچھ دن گزار جائیں گے تو وہ خود

ی داخل ہو جائے گا۔"

”خرا سے ہاتل میں داخل کروانے پر آپ کو کیا اعتراض ہے۔ کیا چٹس مکٹے اسے اپنی نگوں کے سامنے رہن ضروری ہے آپ کے لیے؟“ رخشی بری طرح چڑھی۔

”یہ بعد کی بات ہے۔“

رخشی نے اس بار کچھ نہیں کہا۔ وہ اٹھ نرے میں پڑے ہوئے سکرین کے ٹوٹے کر دیکھ رہی تھی۔ جس میں سے ہلکا ہلکا دھواں اٹھ رہا تھا۔ وہ ان چیزوں اور کاموں کے بارے میں سوچ رہی تھی جو اب اسے آنکھوں سے چکانے تھے۔ اسے بہت سارے کام کرنے تھے۔ بہت سارے معاملات نمٹانے تھے۔ کچھ حساب وہ چکا چکی تھی۔ جو حساب راستے سے ہٹ گئی تھی۔ لیکن اس گھر میں پہنچنے کے بعد اسے پتا چلا تھا کہ منصور علی کی ایک اور رکاوٹ بھی تھی جس کا اسے سامنا تھا۔ منصور علی کا اکلوتا بیٹا روشن وہ اب بہت سے معاملات کے بارے میں نئے سرے سے سوچ رہی تھی۔ ”جانیداد کا وارث“ منصور کا جملہ اس کے ذہن میں گونج رہا تھا۔ اس کے ماتھے پر پڑے ہوئے بالوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ منصور علی اب تیسرا سکرین بنا رہے تھے۔ رخشی ”تیسرے رستے“ کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

☆☆☆

”چلیں پھر....؟“ روشن نے صبح کے فون رکھتے ہوئے کہا۔ جو بہت ابھی ہوئی اور سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

”روشان! ہم فی الحال کہیں نہیں جا رہے۔“ صبح نے اپنے چہرے کے اپنے ہاتھوں سے رگڑتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب؟“ روشن کے ماتھے پر ہل آ گئے۔

”پاپا بہت ضدی ہیں۔ وہ وہی کریں گے جو انہوں نے کہا ہے۔ ہم خالی ہاتھ کچھ نہیں آسکیں گے۔ ہمارے ایجنڈے

ہونے والے ہیں، ہم انکل کے گھر کیسے رہیں گے؟“

”تھیں یہاں رہتا ہے رہو.... میں یہاں نہیں رہوں گا۔“

”یہ ہمارا گھر ہے روشن....“

”یہ ہمارا گھر نہیں ہے۔ یہ پاپا کا گھر ہے۔ یہ ان کی نئی بیوی کا گھر ہے۔“

”پاپا نے جو کچھ کہا ہے لفظ کیا ہے مگر ہم اس گھر کو چھوڑ کر بھی نکل کر رہیں گے۔ رخشی تو یہی چاہے گی کہ ہم ان گھروں پر

کر پلے جائیں۔ اس کے لیے راستہ صاف کر دیں۔ مگر ایسا کیوں کریں۔ ابھی تو پاپا ہم سے رکنے کے لیے کہہ رہے ہیں۔ مگر

چھوڑ دیں گے تو یہاں واپس نہیں آسکیں گے۔“ روشن نے اس بار کچھ ابھی ہوئی نظروں سے صبح کو دیکھا۔

”ہمیں یہیں رہنا چاہیے روشن! اس گھر کو چھوڑ کر نہیں جانا چاہیے۔ ٹھیک ہے، پاپا نے ہی کو طلاق دے دی ہے۔ مگر یہ

سکتا ہے کچھ عرصہ کے بعد ہم انہیں بھجور کر دیں کہ وہ کم از کم ہی کو اس گھر میں ہمارے پان رہنے دیں۔ اور خود اپنی بیٹی کے

ساتھ دوسرے گھر میں چلے جائیں۔ ہو سکتا ہے وہ ہماری بات مان جائیں۔“

وہ اب اسے سمجھا رہی تھی۔

”انکل کا گھر تو ہمارا نہیں ہوگا۔ وہاں ہم کتنے دن رہ سکیں گے۔ کون سپورٹ کرے گا ہمیں؟ یہ ساری زندگی کی بات

ہے۔ ایک دو دن کا معاملہ تو نہیں ہے۔“

”تم مسودہ انکل سے بات کرو.... ان سے کہو کہ وہ پاپا سے بات کریں۔“ روشن نے اس پر دھمکے لگے میں صبح سے

کہا۔

”وہ بات نہیں کریں گے۔ انہیں بات کرنی ہوتی تو وہ اب تک کر چکے ہوتے۔ کوئی بھی ہماری مدد نہیں کرے گا۔ تم دو گم

خود کو نقصان پہنچنے کی صورت میں تو کبھی نہیں۔ تمہیں یہ بات ابھی طرح کچھ بتانا ہے۔ ہمیں جو بھی کرنا ہے خود ہی کرنا ہے۔“

روشان کچھ بھنجھلایا ہوا اس کے پاس آ کر بیٹھا گیا۔

"یہ سب کچھ امیر کی وجہ سے ہوا ہے۔ یہ مصیبت اسی کی لائی ہوئی ہے۔"

"میں کو کیا پتا تھا، روشن کر دینی یہ سب کچھ کرے گی۔" صہ نے اس کا غصہ خٹکا کرنے کی کوشش کی۔

"مجھے کبھی بھی ریشی اچھی نہیں لگی۔ اس کی شکل دیکھ کر مجھے غصہ آتا تھا۔ مجھے پتا ہوتا کہ وہ کبھی یہ سب کچھ کرے گی تو

میں... میں... روشن کا چہرہ ایک بار پھر ہنسنے سے سرخ ہونے لگا۔

"صرف ریشی کا تصور نہیں ہے۔ پاپا کا بھی تصور ہے۔ پاپا نے بھی تو خود ریشی کی حد کر دی ہے۔" صہ نے اپنی پہلی

دوڑوں جنوں کو دیکھتے ہوئے کہا، وہ اب وہیں صوف پر سوئی ہوئی تھی۔

"یہ سب ہمارے ساتھ کیوں ہوا ہے۔ دنیا میں اتنے لوگ ہیں آخر ہمارے ساتھ ہی یہ سب کچھ کیوں ہوا ہے۔" روشن

نے اس بار کچھ بے بسی سے کہا۔

"مجھے تو یقین نہیں آرہا کہ یہ سب کچھ ہو چکا ہے۔ میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں لپ سے واپس آؤں گی

تو... ریشی نے می کی تمام چیزوں پر قبضہ کر لیا ہوگا۔ ان کی جیلری، ان کی تمام چیزوں پر۔"

"میں صبح می کے کمرے میں جا کر وہاں سے می کی تمام چیزیں لے آؤں گا۔" روشن کو یک دم خیال آیا۔

"ریشی بھلا کھرا کر دے گی۔"

"مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ وہ بھونگی ہے تو بھونگی رہے۔" روشن نے نظرت سے کہا۔

"پاپا اس کی سائینڈ لیس گے، تمہاری نہیں۔ تمہیں کیا ضرورت ہے می کی جیلری اور دوسری چیزوں کی۔" صہ نے اس

سے کہا۔ "پاپا کو خیال ہوگا تو وہ خود بے ساری چیزیں ہمیں دے دیں گے۔ یا پھر ریشی سے کہہ دیں گے کہ وہ انہیں ہاتھ نہ لگائے۔"

"پاپا کچھ بھی نہیں کہیں گے... جو کچھ اب تک وہ کر رہے ہیں، ریشی کے کہنے پر ہی کر رہے ہیں اور تمہارا خیال ہے کہ

وہ ریشی وان چیزوں کو استعمال کرنے سے روک دیں گے۔"

"روشان! ہم فی الحال ریشی سے یا کسی سے بھی کوئی جھڑا انورڈ نہیں کر سکتے۔ می نے بھی ایک بار جھڑا کرنے کی کوشش

کی تھی تم تجھ کو دیکھ رہے ہو۔" وہ اب بے حد عجیبہ تھی۔ "میں نہیں چاہتی ہمارے ساتھ بھی یہی ہو۔ پاپا ہمیں بھی اسی طرح دیکھ

دے کہ گھر سے نکال دیں۔"

"تو نکال دیں۔ مجھے تو پروا نہیں ہے۔"

"مفتضوں باتیں مت کرو۔ جو میں سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں۔ وہ سمجھو۔" صہ نے اس بار اسے ڈانٹا۔

"تمہیں ریشی سے کس قسم کا کوئی جھڑا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تو چاہتی ہی یہی ہوگی کہ تم اس سے کوئی جھڑا

کرو۔ اور اسے پاپا کے کان ہمارے خلاف بھرنے کا موقع ملے۔ وہ بے حد چالاک ہے۔ بلکہ حکار اور خود غرض کہا جاوے۔ تم دعا

کہو کوئی تصفیہ ہو جائے۔"

"مجھے تو نہیں لگتا ریشی بھی می کے ساتھ کوئی تصفیہ ہونے دے گی۔ اسے ایسا کرنا ہوتا تو وہ می کو گھر سے لٹکا کر اس طرح

ہمارے گھر پر قبضہ بھی نہ کرتی۔" اس کے لہجے میں بے انتہا مایوسی تھی۔

اس رات وہ دونوں وہیں لاؤنج میں چپ چاپ بیٹھے رہے۔ انہوں نے ساری رات جانتے ہوئے گزار لی تھی۔ زندگی

یک دم اچھا ایک عجیب سوز بے آئی تھی۔ اندھی گلی شاید اسے ہی کہتے تھے۔

صہ کا حراجت امیر سے بہت مختلف تھا۔ رونے دھرنے کے بعد اب وہ اس صورت حال پر غصے سے دل دوانا سے نور کو

رہی تھی۔

مختصر مٹی کو ان کی عدم موجودگی وان کے چلے جانے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا۔ وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ اس وقت ہی

کے لیے ریشی ہی کافی تھی۔ پانی کس ریشی کی ضرورت نہیں رہی تھی انہیں۔ مگر خود وہ سب ہر لحاظ سے جب تک مختصر مٹی کے حراج

تھے۔ روشن کو سمجھنا اس کے لیے مشکل نہیں تھا اس کی روشن سے بہت اندر اسٹینڈنگ تھی۔ ہائی تمام جنوں کی نسبت روشن

اسی سے زیادہ قریب تھا اور وہ جانتی تھی کہ شدید غصے میں ہونے کے باوجود وہ صبح کو اکیلا منصور علی کے گھر پر چھوڑ کر نہیں جائے گی۔ مگر رشتی اسے خوفزدہ کر رہی تھی جس نے نیزہ کو طلاق دلوانے کے چند گھنٹے بعد ہی اس کے گھر پر قبضہ کر لیا تھا۔ وہ اور کیا کیا کر سکتی تھی۔ کم از کم صبح یہ اندازہ نہیں لگا سکتی تھی مگر وہ یہ ضرور جانتی تھی کہ وہ ان سب کو وہاں نہیں دیکھنا چاہتی ہوگی اور اسی لیے مہلے نے وہیں ٹھہرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

☆☆☆

”تم نے یہ فیصلہ کرنے میں کچھ جلد بازی کی۔ مگر اچھا فیصلہ کیا۔“ منصور اگلے دن آفس میں ہارون کمال سے کہہ رہا تھا۔  
 ”مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم اتنی بہادری کا مظاہرہ کرو گے۔ میں تو سمجھتا تھا تم ابھی سوچنے میں بہت دیر لگاؤ گے اور شاید کبھی بھی اپنی بیوی کو طلاق نہ دے سکو، لیکن تم نے مجھے حیران کر دیا۔“  
 ”صرف تمہیں ہی نہیں اس بار میں نے بہت سے لوگوں کو حیران کیا ہے۔ لوگوں کو حیران کرتے رہنا چاہیے۔“ منصور علی نے تشکیلی کا مظاہرہ کرنے کی کوشش کی۔ ہارون کمال جدوجہد کر کے مسکرایا۔  
 ”وہیے تمہیں امیر کو گھر سے نکالنا نہیں چاہیے تھا۔“ ہارون نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا۔  
 ”میں نے اسے گھر سے نہیں نکالا، اس نے خود میرے گھر پر رہنے کے بجائے نیزہ کے ساتھ جانے کو ترجیح دی۔“ منصور علی نے وضاحت کی۔

”بھریگی۔۔۔ وہ تمہاری بیٹی تھی۔ تمہیں اس کا خیال کرنا چاہیے تھا۔ بیٹی کے ساتھ اس طرح کا رویہ مناسب نہیں تھا۔“ ہارون کمال نے ایک بار پھر بہادری کا اعہار کیا۔

”مناسب تھا یا نہیں۔۔۔ اس نے ہر چیز کا انتخاب خود کیا۔ ورنہ باقی سارے بچے بھی تو میرے ہی گھر پر ہیں۔ وہ کیوں نہیں اس طرح اپنی ماں کے پیچھے بھاگے گئے۔“ منصور علی نے سپاٹ لہجے میں کہا۔  
 ہارون کمال خاموش رہا پھر کچھ دیر کے بعد اس نے کہا۔  
 ”تم نے مسعود علی اور اس کے بیٹوں کے بارے میں کیا سوچا ہے؟“ یک دم پوچھے جانے والے اس سوال نے منصور علی کو حیران کیا۔

”مسعود بھائی اور ان کے بیٹوں کے بارے میں کیا سوچتا ہے۔ مجھے؟“  
 ”انہیں اپنے بزنس سے الگ کر دو۔“ ہارون کمال نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔  
 ”کیا۔۔۔؟“ منصور نے بے اختیار کیا۔  
 ”ہاں۔۔۔ انہیں اپنے بزنس سے الگ کر دو۔“  
 ”لیکن کیوں۔۔۔ اس کی کیا ضرورت ہے؟“ منصور نے اعتراض کیا۔  
 ”جسٹیس آئٹن کے سانپ نہیں پالنے چاہئیں۔ مسعود علی اور اس کے بیٹے رشتی سے تمہاری شادی کو دل سے قبول نہیں کریں گے۔“

”انہیں نے ابھی تک تو کسی رد عمل کا اعہار نہیں کیا اور میرا خیال ہے کہ وہ کسی رد عمل کا اظہار کریں گے بھی نہیں۔“ منصور نے کہا۔

”ہاں۔۔۔ ہو سکتا ہے ظاہری طور پر وہ تم سے کچھ نہ کہیں، لیکن امدد سے ان کی ہمدردیاں تمہارے ساتھ تو کبھی نہیں ہوں گی۔“ ہارون کمال نے کہا۔ ”تمہیں اچھی طرح یہ بات سمجھ لینی چاہیے کہ وہ تمہارے بارے میں ہر قسم کی افکار میں تمہاری سابقہ بیوی کو بھولتے رہیں گے اور وہ اسے تمہارے خلاف استعمال کر سکتی ہے۔“  
 ”لیکن۔۔۔“ ہارون کمال نے اس کی بات کاٹ دی۔  
 ”مسعود علی امیر اور صبح سے اپنے بیٹوں کی شادی ہو جانے کے بعد یہ سوچ رہا ہوگا کہ تمہاری اس جیٹری پر اس کا مکمل

تقد ہو جائے گا۔ لیکن رخصتی سے دوسری شادی کر کے تم نے ان کی امیدوں پر پانی پھیر دیا ہے۔ وہ یہ سب کچھ آسانی سے تو نہیں بولیں گے۔"

ہارون کمال بڑی چالاکی کے ساتھ کہہ رہا تھا۔ "امبر اور صہد کی ان دونوں کے ساتھ رخصتی ہو جائے گی اور یہ دونوں اس قیصری کو چلاتے رہیں گے تو سب سے زیادہ اپنی بیٹیوں کے ذریعے ان دونوں کو استعمال کرتی رہے گی۔ بلکہ یہ سب لڑکیاں اسٹاپ کریں گے اور آہستہ آہستہ یہ قیصری تم سے چھین لیں گے۔ تم اپنی بیوی سے تو اچھی طرح واقف ہی ہو، وہ کیا کر سکتی ہے۔ یہ بھی پانتے ہی ہو گے۔"

منصور علی اس کی بات پر یک دم پریشان ہو گئے۔

"تو پھر... مجھے کیا کرنا چاہیے۔" انہوں نے ہارون سے پوچھا۔

"تمہارے پاس دو راستے ہیں۔"

"کون سے دو راستے؟"

"یا تو تم امبر اور صہد کی شادی طوطہ اور اسامہ سے نہ کرو۔"

"یہ تو ناممکن ہے۔ ان کے نکاح ہو چکے ہیں، اور اب... اب میں کیا کہہ کر یہ طلاق کروا سکتا ہوں اور پھر دونوں کو..."

منصور علی نے فحشی میں سر ہلایا۔

"ہاں میں جانتا تھا... یہ بہت مشکل ہے۔ اسی لیے میں نے پہلے اس آپشن کی بات نہیں کی۔" ہارون کمال نے سنجیدگی سے کہا "صرف دوسرے آپشن کی بات کی ہے۔"

"یعنی طوطہ اور اسامہ کو قیصری سے نکال دوں۔" منصور علی نے سمجھتے ہوئے کہا۔

"وہ کوئی تمہارے ملازم تو نہیں ہیں کہ تم انہیں قیصری سے نکالو گے۔" ہارون نے کہا۔

"تم صرف ان کے ساتھ اپنا کاتریک فٹم کرو۔ ان سے کہہ دو کہ تم ان کے ساتھ اب مزید آگے بڑھ نہیں کر سکتے کیونکہ تم یہ قیصری مجھے سچ رہے ہو۔"

منصور نے چونک کر اسے دیکھا۔ "جسہیں سچ رہا ہوں؟"

ہارون ہنسا۔ "صرف ذہنی طور پر بعد میں تم قیصری کو چلاتے رہنا اور یہ تو تم نے کاتریک میں بھی کھوایا ہے کہ تم انہیں ان کے شیئرز کی قیمت دے کر بھیجی بھی ان سے تعلق ختم کر سکتے ہو۔" ہارون کمال نے انہیں یاد دلایا۔ منصور علی جیسے کسی سونے میں پڑ گئے۔

"تم زندگی میں ہمیشہ سولو کلائنٹ کر کے چیتے رہے ہو۔ اب بھی اسی طرح سے کامیاب رہو گے۔" ہارون کمال نے انہیں سوچنے دیکھ کر کہا۔

"منصور علی! پاس کے بیٹے تمہاری قیصری کے لیے کوئی ایسا کام نہیں کر رہے جو کوئی اور نہیں کر سکا۔ وہ تم پر ایک بوجھ سے زیادہ کچھ نہیں۔ جسہیں ان کی ضرورت تھی کیونکہ تم باہر تھے اور اب تم یہاں ہو... اپنی قیصری کو خود کچھ سنبھالو، بلکہ دیکھ رہے ہو۔" ہارون کمال کہہ رہا تھا۔

"لیکن مسودہ بھائی اس تمام معاملے پر بہت شور کریں گے۔" انہوں نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا۔

"مگر نہ۔۔۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جسہیں فکر نہیں ہونی چاہیے۔"

"مجھے فکر نہیں ہے۔ لیکن اگر انہوں نے امبر اور صہد کو طلاق دے دی تو...؟" منصور علی نے بلا غراپنے غصے کا اظہار کیا۔

"تو یہ ان کا مسئلہ ہے۔ امبر تمہارے پاس نہیں ہے۔ جسہیں اس کی پروا نہیں ہوتی چاہے اور صہد کے لیے رشتوں کی کوئی کمی نہیں ہوگی۔ جسہیں اسامہ اور طوطہ سے اچھے داماد مل جائیں گے۔" ہارون کمال نے انہیں یقین دلایا۔

منصور علی کچھ کہنے کے بجائے خاموش رہے، ہارون کمال ان سے جو کچھ کہہ رہا تھا اس کے بارے میں انہوں نے ابھی تک سوچا ہی نہیں تھا۔

”تم خاموش کیوں ہو گئے ہو؟“

”کچھ نہیں، میں تمہاری بات کے بارے میں سوچ رہا ہوں۔“ منصور علی نے کچھ لے والے انداز میں کہا۔

”بہت زیادہ سوچ و بچار کوئی اچھی عادت نہیں ہے۔“ ہارون کمال نے جتانے والے انداز میں کہا۔ ”اور تم تو ویسے بھی فوری فیصلہ کرنے کی صلاحیت رکھتے ہو۔ فوری اور اچھا فیصلہ کرنے کی۔“

”لیکن ہر فیصلہ اتنی جلدی اور آسانی سے نہیں کیا جاسکتا۔“ منصور علی اپنی کرسی سے اٹھ کر کمرے میں بیٹھنے لگے تھے۔

”کچھ فیصلے سوچ و بچار مانگتے ہیں۔“

”میں فیصلے میں ایسی کون سی چیز ہے جو تمہیں سوچنے پر مجبور کر رہی ہے؟“ ہارون کمال نے اپنی ہانوں اچکا کر کہا۔

”شادی کے یا طلاق کے فیصلے سے زیادہ مشکل اور اہم تو نہیں ہے یہ فیصلہ۔“

”میں پوری دنیا کو یک دم اپنے خلاف نہیں کر سکتا۔“ منصور علی نے مزکر اس کی طرف دیکھا۔

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ ابھی خاندان میں میری اس شادی اور منیزہ کو ودی جانے والی طلاق کی وجہ سے بہت ہنگامہ برپا ہوگا۔ اب اگر اس کے ساتھ ساتھ میں اپنے بھائی اور بھتیجیوں کے خلاف کوئی قدم اٹھاؤں گا تو اس ہنگامے کو اور ہولنے گی۔ میں نہیں چاہتا کہ منیزہ کے اپنے خاندان کے ساتھ میرا خاندان بھی ان کے ساتھ جا کھڑا ہو۔“ منصور علی نے سنجیدگی سے کہا۔

”تو.....؟“ ہارون کمال کے ماتھے پر کچھ ٹپ آئے۔

”تو یہ کہ اس وقت فوری طور پر اس طرح کا کوئی قدم اٹھانے سے بہتر ہے کہ میں کچھ دیر انتظار کروں۔“ منصور علی نے سنجیدگی سے کہا۔

”کچھ وقت گزرے گا تو میرے اس طرح کے کسی اقدام پر اتنا ہنگامہ برپا نہیں ہوگا جتنا اب ہو رہا ہے۔“

”اور یہ انتظار کتنا لمبا ہوگا؟“ ہارون کمال میز پر قدرے آگے جھکتے ہوئے بولا۔

”میں نہیں جانتا۔“ منصور علی نے کندھے اچکائے۔ ”آگے چل کر حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں، یا کر سکتے ہیں اس کے بارے میں ابھی کچھ کہنا تو بہت مشکل ہے۔“

”اور اس عرصے کے دوران تمہارے بھائی اور بھتیجیوں کو کھلی چھٹی ملی رہے؟“ ہارون کمال نے سرد مہری سے کہا۔

”کیسی کھلی چھٹی؟“

”سب کچھ کرنے کی کھلی چھٹی..... جب تک تم انہیں ٹھانکے کا فیصلہ یا ارادہ کرو گے۔ وہ سب کچھ سمیٹ چکے ہوں گے۔“

منصور علی بے اختیار ہنستے۔ ”کیا سمیٹ چکے ہوں گے، اتنے اختیارات نہیں ہیں ان کے پاس۔“

”جو لوگ نقصان پہنچانا چاہیں، وہ یہ نہیں دیکھتے کہ ان کے پاس اختیارات کتنے ہیں۔ وہ صرف نقصان پہنچاتے ہیں اور اس کے لیے وہ سوراٹے نکال سکتے ہیں۔ پچاس راتے تو میں بھی ابھی بیٹھے بٹھائے تمہیں بتا سکتا ہوں۔“ ہارون کمال مسلسل بول رہا تھا۔

”ہارون! وہ مجھے نقصان کیوں پہنچائیں گے؟“

”تمہاری شادی کی وجہ سے۔“

”میرے شادی کا ان سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“

”یہ صرف تمہارا خیال ہے۔“ ہارون کمال نے کہا۔ ”منیزہ کو طلاق دے کر اور امیر کو گھر سے نکال کر تم نے ان کے حوالے کے نیچے سے زمین کھنچ لی ہے۔ تم کیا سمجھتے ہو کہ تمہارے بھائی اور بیٹی اپنے مستقبل کے بارے میں اندیشوں کا شکار نہیں

ہورے ہوں گے۔"

"میں ان سے بات کر کے ان کو مطمئن کروں گا۔" منصور نے کہا۔

"اور وہ تمہارے کہنے سے مطمئن ہو جائیں گے؟" ہارون کمال نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔

"ان کا تعلق مجھ سے ہے۔ نیزہ سے نہیں۔" منصور علی نے جواب دیا۔

"نیزہ سے نہیں۔ ابیر سے تو ہے۔" ہارون کمال نے کہا۔

"اور میں اس لیے بے فکر ہوں، وہ اتنے احمق تو نہیں ہیں کہ برنس میں مجھے نقصان پہنچا کر اپنے لیے مسائل کو مزے کر

لیں۔"

"ان کو کیا مسئلہ درپیش آ سکتا ہے؟" ہارون نے چیختے ہوئے انداز میں کہا۔ "میں ایسی صورت میں ابیر اور نیزہ کا رشتہ

ان کے ساتھ ختم کروں گا۔" منصور علی نے کہا۔

"ابیر اپنی ماں کے لیے تمہیں چھوڑ گئی ہے، تم سمجھتے ہو کہ وہ تمہارے لیے، تمہارے نقصان کی خاطر اپنے شوہر کو چھوڑ

دے گی۔"

"مبذ تو چھوڑ دے گی۔ وہ تو میرے گھر رہی ہے۔"

ہارون کمال کو بے اعتبار نظر آیا۔ وہ کہنا چاہتا تھا کہ اسے صبح کی پروا ہے نہ اس میں دلچسپی۔ اسے صرف ابیر کی پروا

تھی اور وہ اسے اپنے ہاتھ سے فتنی ہوئی محسوس ہو رہی تھی۔

"ایک دفعہ وہ تمہیں مالی طور پر نقصان پہنچانے میں کامیاب ہو گئے تو انہیں اس بات کی کوئی پروا نہیں ہوگی کہ تمہاری

پڑیاں ان کے گھر آتی ہیں یا نہیں۔" ہارون کمال نے کہا "تمہاری دوسری شادی کے بعد انہیں ویسے ہی تمہاری بیٹیوں میں کٹا

دلچسپی نہیں رہے گی اور تم نے رشتہ کے نام اپنی کچھ جائیداد کو دی تو یہ دلچسپی اور بھی کم ہو جائے گی۔"

"نی الحال یہ مفروضے ہیں۔" منصور علی نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"میں مفروضوں پر یقین رکھنے والا آدمی ہوں، منصور۔" ہارون کمال نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ "میں تمہاری طرح

انتظار نہیں کرتا ہوں کہ پہلے کوئی مجھے خبر دے کہ تمہارے تو بچر میں اسے ٹھوکا ماروں۔ ایک تھپڑ کھانے کے بعد سو ٹھوکریاں مارنے کے بعد

مجھے نقصان پہنچا ہوتا ہے، نہ تکلیف، اور تم اس وقت تھپڑ کھانے کا انتظار کر رہے ہو۔ بہتر ہے کہ اس معاملے کو رشتہ کے ساتھ

ڈسکس کرو۔ وہ بہت کھجدار لڑکی ہے۔ تمہیں اچھا مشورہ دے گی اور تمہیں اس کے مشورے پر عمل کرنا چاہیے۔" ہارون کمال نے

جیسے انہیں راستہ دکھایا۔

"تم میرے برنس پانڈر ہو۔ تمہیں نقصان پہنچے گا تو مجھے بھی نقصان پہنچے گا۔ مارکیٹ میں میری ساک خراب ہوگی اور یہ

میں برداشت نہیں کروں گا۔"

اس بار ہنگامی بار منصور علی نے بڑی سنجیدگی سے ہارون کے لہجے پر غور کیا۔ وہ انہیں مشورہ نہیں دے رہا تھا، وہ انہیں دکھانا

تھا۔

"میں تمہارے رشتہ داروں کے لیے اپنے برنس اور ساک کو نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ برنس میں ویسے ہی رشتہ دار ہیں انہیں

چشمہ۔ جہاں تم نے باقی سب کچھ سے ہٹکارا حاصل کیا ہے۔ اپنے بھائی اور اس کے بیٹوں سے بھی ہٹکارا حاصل کیا۔ یہ

انسان ایک اچھے فیصلے کے فوراً بعد دوسرا اچھا فیصلہ نہ کرے لوگ اسے بھی احمق کہتے ہیں۔"

منصور علی کو لگ رہا تھا، وہ اب کج طور پر مصیبت میں پھنسے ہیں۔

☆☆☆

"میں نے تمہیں سہارا دینے کے لیے فون کیا ہے۔" ہارون کمال نے سناٹائی انداز میں کہا۔ "مجھے اندازہ نہیں تو کہ تم

اتنی جلدی اس گھر میں پہنچ کر منصور علی کی بیوی کو وہاں سے ٹھکرا دو گی۔"

”میں میں مجھ سے زیادہ منصور کی بیوی کا اپنا قصور تھا۔“ رخشی نے جواب کہا۔

”جو بھی ہوا۔ بہر حال اچھا ہوا، منصور علی کے ساتھ تمہارے جیسی لڑکی ہی ہونی چاہیے۔“ ہارون نے کہا، رخشی اس کے بچے پر مسکرائی۔

”اب تمہارے ساتھ اتنی بے تکلفی ہے کہ میں تمہیں بھابھی وغیرہ کہنے کا تو تکلف نہیں کروں گا۔“

”اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔“ رخشی نے فوراً کہا۔ منصور کے ساتھ بیکریٹری کے طور پر کام کرتے ہوئے وہ ہارون کے ساتھ بھی بہت بے تکلف ہو چکی تھی۔ اگرچہ نہ تو وہ ہارون کے منصوبوں سے واقف تھی اور نہ ہی ہارون اس کے ارادوں سے۔ لیکن اس کے باوجود ان دونوں کے درمیان بڑی اچھی مصلحت تھی۔

”میری آج منصور سے بات ہو رہی تھی۔“ ہارون کمال نے شروع کے چند جملوں کے بعد اپنے اصل موضوع پر آتے ہوئے کہا۔

”کس بارے میں؟“ رخشی کچھ حیران ہوئی۔ ہارون کمال اور منصور علی کے درمیان روزی بہت سی باتیں ہوتی تھیں۔ پھر ہارون کس بات کا خاص طور پر ذکر کر رہا تھا۔

”میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں، رخشی۔“ اس کے اگلے جملے نے رخشی کو کچھ اور حیران کیا۔ ”کیونکہ تم میری طرح بہت آگے کی سوچ رکھنے والی لڑکی ہو۔ چنانچہ قبول کرتی ہو لیکن امتحان نہ رسک نہیں لیتیں۔“

رخشی نے اپنی آنکھیں سکیڑتے ہوئے ہارون کمال کے تعریفی الفاظ دیکھنے کی کوشش کی۔ وہ اتنی احمق نہیں تھی کہ یہ سمجھتی کہ ہارون واقعی اس سے یا اس کی مصلحتوں سے بہت متاثر تھا۔

”منصور اچھا ہے۔“ ہارون کہہ رہا تھا۔ ”مگر وہ تمہارا سے جتنا ذہین نہیں ہے۔ یا پھر یہ کہتا چاہے کہ بعض دفعہ بڑی بزدلی کا مظاہرہ کرتا ہے۔“

”میں جانتی ہوں۔“ رخشی نے بے اختیار کہا۔ اسے کچھ یاد آ گیا تھا۔

”اور ایک کامیاب بزنس من بزدل کبھی نہیں ہوتا، کم از کم اتنا بزدل نہیں جتنا کبھی کبھی منصور ہو جاتا ہے۔“ ہارون نے اسی نمیبلی سے اپنی بات جاری رکھی۔ ”میں چاہتا ہوں، کہ تم منصور کی صحیح وقت پر صحیح فیصلہ کرنے میں مدد کرو۔“ اس نے زنگ کر کہا۔

”میں نے آج اس سے اس کے بھائی اور بھتیجیوں کی بات کی ہے۔“

رخشی کے کان کھڑے ہو گئے۔

”اگر اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے تو یہ بہتر ہے کہ وہ اب اپنے بھائی اور بھتیجیوں کو اپنی فیکٹری سے بھی الگ کر دے۔“

رخشی کی ایک لبر رخشی کے امداد تھی۔ ہارون کمال اور وہ دونوں ایک ہی ایک ٹیچ پر سوچ رہے تھے۔ یہ اس دن رخشی کے لیے سب سے اچھی خبر تھی۔

”منصور نے اس بارے میں آپ سے کیا کہا؟“ رخشی نے بڑے محتاط انداز میں اپنی خوشی کو چھپاتے ہوئے کہا۔

”اس نے کہا ہے کہ وہ ابھی اس بارے میں سوچے گا؟“ ہارون کمال نے اپنے لہجے میں مایوسی کے عنصر کو نمایاں کرتے ہوئے کہا۔ ”سوچے گا اور انتظار کرے گا۔ اور تب تک بہت دیر ہو جائے گی۔“

”میں اس سلسلے میں کیا کر سکتی ہوں؟“

”تم بہت کچھ کر سکتی ہو۔“ ہارون نے کہا۔ ”میں نے منصور سے کہا ہے کہ وہ اس سلسلے میں تم سے مشورہ کرے۔“ ہارون نے جیسے آشکاف کیا۔ ”اور میں چاہتا ہوں کہ اگر وہ تم سے مشورہ کرے تو تم اسے مجبور کرو کہ وہ اپنے بھائی اور اس کے بچوں کو فیکٹری سے نکال دے۔“

”ضروری تو نہیں کہ منصور اس سلسلے میں مجھ سے بات کریں۔“ رخشی نے بڑے نپے تھے انداز میں کہا۔



"وہ تم سے بات ضرور کرے گا۔ کیونکہ میں نے آج اس بارے میں کافی صاف گوئی ہے اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے اور اگر وہ تم سے خود بات نہیں کرنا تو تم خود اس سے بات کرو۔"

"میں خود کسی طرح ان سے بات کر سکتی ہوں۔" ریشی نے تامل کا اظہار کیا۔

"کیوں نہیں کر سکتیں۔ تم اس کی بیوی ہو اور تمہیں اس کے ٹانگے یا نقصان کی پروا کرنی چاہیے۔" ہارون نے فرمایا۔

"مگر اسے کہیں سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہو تو تمہیں وقت سے پہلے اسے خبردار کرنا چاہیے۔"

"میں نہیں چاہتی کہ میری ایسی کسی بات سے وہ مجھے خود غرض سمجھیں یا یہ سوچ لیں کہ میں ان کے بچوں کو نقصان پہنچانا چاہتی ہوں۔" ریشی نے اپنے ذہن میں ابھرنے والے واقعہ ادا بیٹے کا اظہار کیا۔

"آپ جانتے ہیں، وہ صرف ان کے نتیجے نہیں ہیں، اماں بھی ہیں۔۔۔ انہیں فیکٹری سے نکالا جائے گا تو پھر امیر اور صہبہ کے رشتوں پر اثر پڑ سکتا ہے۔"

"ریشی! ان کے رشتوں پر بہتا اثر پڑ سکتا تھا، تمہارے ساتھ منصور کی شادی سے پہلے ہی پڑ چکا ہے۔" ہارون کمال نے بڑی صاف گوئی سے کہا۔ "منصور کے نتیجے پہلے ہی جان بچے ہیں کہ اب منصور کی جائیداد پر پہلے کی طرح ان کا کنٹرول نہیں رہے گا۔ میں اسی لیے چاہتا ہوں کہ اس سے پہلے کہ وہ منصور کو کوئی نقصان پہنچانے کا فیصلہ کریں۔ منصور انہیں بزنس سے الگ کرے۔"

ریشی بڑی عجیبی سی اس کی بات سن رہی تھی۔

"وہ جب تک بزنس میں رہتے ہیں تمہارے لیے خطرہ بنے رہیں گے۔"

"اگر امیر اور صہبہ کے ساتھ ان کا رشتہ ختم ہوتا ہے تو یہ کم از کم تمہارے لیے بہت اچھا رہے گا۔ ورنہ وہ فیکٹری آج نہیں تو کل منصور اور تمہارے ہاتھ سے نکل جائے گی۔ امیر اور صہبہ تمہیں کبھی معاف نہیں کریں گی اور وہ مسلسل اپنے شوہر کے ذریعے تمہارے اور منصور ہی کے لیے پراپلر کمزری کرتی رہیں گی۔"

ہارون ایک لمحے کے لیے رکا۔

"چند سالوں کے بعد جب منصور کا بیٹا جوان ہو جائے گا تو تمہاری پریشانیوں میں اور اضافہ ہو جائے گا۔ منصور آؤ فزک ٹیک ان کا مقابلہ کرے گا۔"

ریشی نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔ ہارون کمال اسے اب پریشان کر رہا تھا۔

"مجھے کیا کرنا چاہیے؟" وہ پوچھنے پر مجبور ہو گئی۔

"تمہیں اپنی پریشانی کو کھنڈ کرنا چاہیے۔ منصور کو مجبور کر دو کہ وہ غلطی اور اساتذہ کو فیکٹری سے الگ کر دے۔ وہ ابھی تمہاری ناک کھیل نہیں سکتا۔ لیکن جگہ وقت گزر جائے گا تو پھر اس کے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جائے گا۔"

ریشی ہارون کی بات کو بہت عجیبی سی سن رہی تھی اور فون رکھنے کے بعد اسے اعزاز ہونے لگا تھا کہ ہارون کی صورت میں اس وقت اس کے پاس ایک ایسا لہجہ کارڈ آ گیا تھا جسے صحیح طور پر استعمال کرنے کی صورت میں وہ اپنے راستے کے بہت سے کاٹنوں کو ایک جھکے سے نکالنے میں کامیاب ہو سکتی تھی اور وہ یہ موقع ضائع نہیں کر سکتی تھی۔

☆☆☆

روشن اسکول کے گیٹ سے باہر نکلا، ڈرائیور اس کا منتظر تھا۔ اس نے روشن کا بیگ اٹھا لیا۔ روشن چپ چاپ گاڑی کی طرف بیٹھ گیا۔ کچھل سیٹ پر صہبہ بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ ہی راجہ اور زارا بھی تھیں۔ روشن فرنٹ سیٹ کا دروازہ کھول کر ڈرائیور کے پاس بیٹھ گیا۔ ڈرائیور چپچپے ڈوکی میں اس کا بیگ رکھ رہا تھا چاروں لیکن ہاتھوں میں کوئی بات نہیں ہوئی۔ ایک پلٹے گھر پر رہنے کے بعد وہ چاروں آج پہلے دن اسکول گئے تھے، اور یہ بھی صہبہ کی وجہ سے تھا، ورنہ وہ سب اپنی بیوی لڑکا سے اپ سیٹ تھے کہ اسکول دور دور تک ان کے ذہن میں نہیں ابھر رہا تھا اور اب جب وہ اسکول سے اور صہبہ کا

سے واہنیاں آگئی تھی جب بھی ان کے چہروں پر تحریر پریشانی ہی طرح برقرار تھی، پہلے کی طرح ان کے درمیان کسی گپ شپ کا چلنا تو ایک طرف..... سلام دعا تک نہیں ہوتی تھی۔

ڈرائیور واہنیاں اپنی سیٹ پر آکر بیٹھ گیا اور اس نے گاڑی اشارت کی تو روشن نے اس سے حکمانہ انداز میں کہا۔  
"صنڈرائنگل کے گھر چلو۔" اس نے اپنے اکلوتے ماموں کا نام لیا۔

ڈرائیور قدرے بے بسی سے روشن کو دیکھنے لگا جب کہ صند نے بھی چونک کر روشن کو دیکھا، ڈرائیور اب خاموشی سے گاڑی ریش سے نکال رہا تھا۔

"صنڈرائنگل کے گھر جانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ گھر چلیں۔" صند نے مداخلت کی۔

"کیوں ضرورت نہیں ہے میں می کے پاس جانا چاہتا ہوں۔" روشن نے آخر لہجے میں کہا۔

"اور میں نے تمہیں سمجھایا تھا کہ ہم می کے پاس نہیں جائیں گے۔" صند نے کہا۔

"میں ان سے ملنا چاہتا ہوں۔" روشن نے اسی انداز میں کہا۔

"اس کی ضرورت بھی نہیں ہے۔ تم ان سے فون پر بات کرتے رہے ہو، وہی کافی ہے۔"

"تمہارے لیے کافی ہوگا، میرے لیے کافی نہیں ہے، می مجھ سے ملنا چاہتی ہیں۔" روشن نے ناراضی سے کہا اور پھر

ایک بار پھر ڈرائیور سے مخاطب ہوا۔

"تم صنڈرائنگل کی طرف چلو۔"

"میں ادھر نہیں جا سکتا تھی۔" ڈرائیور نے کہا۔

"کیوں..... کیوں..... نہیں جا سکتے تم؟" روشن یک دم مشتعل ہوا۔

"بڑے صاحب نے منع کیا ہے۔" ڈرائیور نے اپنی مجبوری بتائی۔ "انہوں نے کہا تھا کہ آپ کو اسٹول سے سیدھا گھر

لے کر آؤں۔"

"مجھے پروا نہیں ہے کہ انہوں نے کیا کہا ہے، میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ تم صنڈرائنگل کی طرف چو تو تم بس چلو....."

روشان جھنجھلایا۔

"میں نہیں جا سکتا۔ روشن صاحب۔" ڈرائیور نے ایک بار پھر کہا۔

"بس ٹھیک ہے، آپ گھر چلیں۔ ہمیں گھر ہی جانا ہے۔" صند نے ایک بار پھر مداخلت کی۔

"تمہیں گھر جانا ہوگا، مگر مجھے می کے پاس جانا ہے۔ تم وہاں چلو جہاں میں کہہ رہا ہوں۔" روشن نے صند سے کہتے

کہتے آخری جملہ ڈرائیور سے کہا۔

"وہ صنڈرائنگل کے ہاں تمہیں لے کر نہیں جا سکتے روشن؟"

"کیوں نہیں لے جا سکتے۔"

"پاپا نے انہیں منع کیا ہے۔ تم اپنے ساتھ ساتھ ان کے لیے بھی مصیبت کھڑی کرنے کی کوشش مت کرو۔" صند نے

اس بار سے ڈانٹا۔

"ضروری تو نہیں ہے کہ یہ گھر جا کر بتائیں۔ ہم کچھ دیر می کے پاس رہیں گے پھر واہنیاں آ جائیں گے۔ پاپا کو بتا نہیں

پتے گا۔"

"روشان صاحب! ان کو پتا چل گیا تو وہ مجھے ایک منٹ میں نوکری سے نکال دیں گے، وہ اب پہلے والے صاحب نہیں

رہے ہیں۔ ہانگل بدل گئے ہیں۔" ڈرائیور نے منٹا تے ہوئے کہا۔

"جاننا ہوں وہ بدل گئے ہیں۔ لیکن تم سے جو میں نے کہا ہے تم وہی کرو۔" روشن نے ان ہی کڑے تیروں کے ساتھ

اس سے کہا۔

”روشان! احاطت مت کرو۔ پایا کو پتا چل گیا تو وہ ہم سب کو گھر سے نکال دیں گے۔“ صہ نے اسے اٹکا۔

”نکال دیں، مجھے ان کے نکالنے کی پروا نہیں ہے۔“

”بہر حال، میں تمہیں وہاں نہیں جانے دوں گی۔ تم اپنے ساتھ ساتھ ہمارا بھی نقصان کرو گے۔“ صہ نے حتیٰ کہ جیسی

کہا۔

”گازی روکو۔۔۔“ روشان نے اچانک ڈرائیور سے کہا۔ ڈرائیور گاڑی چلا رہا۔

”میں کہہ رہا ہوں گاڑی روکو، ورنہ میں چلتی گاڑی سے کود جاؤں گا۔“ روشان نے دروازے کے پینڈل پر ہاتھ رکھ

ہوئے اسے دھکیلا۔

”پائل ہو گئے ہو روشان۔۔۔! کیوں روکنا چاہتے ہو گاڑی۔“

تھکی بیٹ پر ہنسی ہوئی صہ نے قدرے گھبرا کر اس کے بازو پر ہاتھ رکھا، دوسری طرف ڈرائیور نے برقی رفتار کی گاڑی سڑک کے کنارے روک دی۔

”میں یہاں اترا کر اکیلائی کے پاس جاؤں گا۔ تم لوگ گھر چلے جاؤ۔“ روشان نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

صہ بھی اپنی سائیڈ کا دروازہ کھول کر باہر نکل آئی۔

”بچو مجھی حرکت مت کرو روشان! تمہاری جگہ سے پایا ہم سے بھی بہت براسلوک کریں گے۔“

”میں تھوڑی دیر میں خود ہی واپس گمراہ جاؤں گا۔ ضروری تو نہیں کہ پایا کو کچھ پتا بھی چلے۔“ روشان نے کہا۔

”پایا کو پتا چل جائے گا۔ ہو سکتا ہے، وہ اس وقت گھر پہنچے ہمارا انتظار کر رہے ہوں۔ یا اچانک آ جائیں۔“ صہ نے

اسے اڑایا۔

”یہ بھی ممکن ہے کہ خوشی انہیں تمہارے نہ آنے کے بارے میں بتا دے۔ یا پھر ڈرائیور ہی۔“

”صہ! میں کسی سے ملنا چاہتا ہوں، اگر پایا کو پتا چلتا ہے تو چل جائے۔ مجھے پروا نہیں ہے۔ پایا کے پاس رہنے کا یہ

مطلب تو نہیں ہے کہ ہمیں کسی کو مکمل طور پر بھلا دینا ہوگا۔“

”اس وقت کسی کے پاس جانا مناسب نہیں ہے۔ کچھ دن گزار جائیں، معاملات کچھ بہتر ہو جائیں۔ پھر ہم سب کی

پاس جائیں گے۔“ صہ نے اس سے کہا۔

”پورا اگر حالات اس سے زیادہ خراب ہو گئے تو۔۔۔؟“ روشان نے پہنچنے کرنے والے اعزاز میں کہا۔

”ضروری تو نہیں ہے کہ ایسا ہی ہو جو تم کہہ رہے ہو۔ ہو سکتا ہے، پایا کو ہم پر اور کسی پر ترس آ جائے اور وہ ہمیں اٹھتے

رہنے دیں۔“

”پایا کو ہم پر ترس نہیں آئے گا صہ! انہیں ترس آتا ہوتا تو اب تک آچکا ہوتا۔ تم اس طرح کی باتیں مت سوچو۔“

”مگر پایا کو اس طرح مکمل طور پر ناراض کر دینے سے بھی تو ہمارے مسائل حل نہیں ہوں گے۔“ صہ نے زنی سے اس

کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”کی اورا ہر صنفہ ہنگل کے گھر خوش نہیں ہیں۔ نہ ہی صنفہ ہنگل خوش ہیں۔ اگر پایا نے ہم سب کو نکال دیا تو ہمیں بھی

صنفہ ہنگل کے پاس جانا پڑے گا۔ پھر کیا ہوگا۔ تم نے سوچا ہے۔ کی اورا ہر کی پریشانی میں اور اضافہ ہوگا۔“ صہ نے سنجیدگی سے

سجھایا۔

”میں صرف اس خوف سے تو انہیں نہیں چھوڑ سکتا کہ پایا ہمیں نکال دیں گے۔“ روشان نے ٹھنڈے اعزاز میں کہا۔

”روشان! صورت حال کی نزاکت کو سمجھنا چاہیے تمہیں۔ ہمارے پاس اس وقت پایا کی بات ماننے کے علاوہ اور کوئی

دروازہ کھولنا مشکل ہو جائے گا۔“ وہ اب اسے اور زنی سے سجھا رہی تھی۔ ”میں کسی کے پاس جا کر ان سے ملنے سے نفی اٹھا رہا

ہوں۔“

کوئی مسئلہ نہیں ہوگا بلکہ ہم ان کی اور اپنی پریشانی کو اور بڑھا دیں گے۔ یہ وقت گزر جانے دو۔ پھر ہم لوگ ہی کے پاس زیادہ آسانی سے چاہیں گے۔“

روحان جواب میں کچھ کہنے کے بجائے غصے میں دھنسا ہوا گاڑی کی طرف گیا اور فرنت سیٹ کا دستاورد کھول کر اندر بیٹھ گیا۔ اس کا انداز جتنی بھی ناراضی لیے ہوئے تھا بہر حال اس نے سید کی بات مان لی تھی۔ وہ خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے خود بھی گاڑی کا پیچھا دروازہ کھول کر اندر بیٹھ گیا۔

”تو پھر ہم ہی کے پاس جا رہے ہیں؟“ اس کے اندر بیٹھے ہی زمانے سید کا بازو تھام کر کہا۔

”نہیں۔ ہم ہی کے پاس نہیں جا رہے ہیں۔ آپ گھر چلیں۔“ سید نے آخری جملہ ڈراما سے کہا تھا جواب ڈی بھرتی سے گاڑی کو اسٹارٹ کر رہا تھا۔

☆☆☆

”منصور نے آپ سے کوئی بات کی ہے؟“ شبانہ نے اس رات مسود علی سے پوچھا جو سونے کی تہری کر رہے تھے۔

”نہیں کوئی بات نہیں ہوئی۔“ مسود علی نے بیڈ کے کراؤن سے ٹپک ٹپک گاتے ہوئے کہا۔

”کیوں کیا اس کا آپ سے سامنا نہیں ہوا؟“ شبانہ کو تجسس ہوا۔

”نہیں۔ سامنا تو روز ہی ہوتا ہے لیکن صرف رکی ہی سلام دعا ہی ہوتی ہے۔ یا پھر فیکٹری کے معاملات کے بارے میں بات ہوتی ہے۔“ مسود علی نے بتایا۔

”اس نے اپنی شادی یا نسیزہ کی طلاق کے بارے میں آپ سے بات نہیں کی؟“

”نہیں۔ اس نے اس سلسلے میں کوئی بات نہیں کی اور نہ ہی میں نے کی ہے۔“

”آپ کو تو خیر میں منع نہ کرتی تو آپ ضرور بات کرتے۔“

”اتنا بے وقوف تو میں نہیں ہوں کہ مجھوں کے چہرے میں خود ہاتھ دوں۔ اور پھر میں رخصتی کے بارے میں اب اس سے کہ بھی کیا لیتا۔“ مسود علی نے کہا۔

”رخصتی اب بھی آفس آ رہی ہے؟“ شبانہ کو اب یک دم رخصتی میں دلچسپی پیدا ہوئی۔

”نہیں۔ میں نے سنا ہے کہ وہ اب آفس نہیں آ رہی۔ تمہیں پتا ہے، وہ منصور کے دوسرے آفس میں منتقلی تھی۔ اس لیے میں فیکٹری طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا کہ اس نے واقعی آنا چھوڑ دیا ہے یا نہیں۔“ مسود علی نے کہا۔

”منصور کے روپے میں کوئی تبدیلی آئی ہے؟“ شبانہ نے اگلا سوال کیا۔

”اتنی جلدی کیا تبدیلی آئے گی فی الحال تو وہ پہلے جیسا ہی ہے۔“ مسود علی نے تبصرہ کیا۔ ”وہی تم کس طرح کی تبدیلی کی بات کر رہی ہو؟“ مسود کو خیال آیا۔

”میں اس کے روپے کی بات کر رہی ہوں۔ اصولی طور پر تو نسیزہ کو طلاق دینے اور امیر کو گھر سے نکال دینے کے بعد اسے آپ لوگوں سے بھی کچھ بچھڑنا چاہیے۔“

”نہیں۔ میں نے اس کے روپے میں ایسی کوئی چیز ابھی تک محسوس نہیں کی۔“

”ظہر کے بارے میں اس نے پوچھا نہیں کہ وہ کہاں ہے؟“

”پوچھا تھا۔ میں نے بتا دیا کہ کچھ دوستوں کے ساتھ کراچی گیا ہے، ایک ڈیڑھ مہینے میں آ جائے گا۔“

”اور جب تک اس کی اور نسیزہ کی عمل طور پر علیحدگی ہو چکی ہوگی۔ تم از کم پھر نسیزہ کے یا امیر کی طرف سے کسی مصالحت کے لیے دباؤ نہیں ہوگا۔“ شبانہ نے کہا۔

”طلاق کے کاغذات تو اس کے وکیل نے پہلے ہی نسیزہ کو بھجوا دیے ہیں۔“

”میں نے سنا ہے کہ اس نے نسیزہ کو حق مہر کے نام پر کچھ بھی نہیں دیا۔“

”خیزو کا حق صرف پانچ ہزار روپے تھا۔ وہ تو اس نے دے دیا ہے۔ ہاں، اس کے علاوہ اس نے خیزو کو کچھ نہیں دیا۔“ مسود علی نے اطلاع دی۔

”خیزو کے نام کوئی جائیداد نہیں تھی؟“

”نہیں..... ساری جائیداد مسود علی کے اپنے ہی نام پر ہے۔ ہوتی بھی تو مسود اسے کبھی وہ جائیداد نہ دیتا۔ اس نے تو خیزو کا زریعہ رکھا اسے نہیں دیا۔“

”خیزو نے جائیداد زریعہ کے لیے مقدمہ کر دیا تو؟“ شبانہ نے پوچھا۔ ”آخر وہ اس کے پانچ بچوں کی ماں ہے۔ خاص طور پر روشن کے حوالے سے۔“

”امیر کے علاوہ خیزو کے پاس اور ہے کون...؟ روشن کو تو مسود نے اپنے پاس ہی رکھا ہے اور باقی تینوں بیٹیاں بھی اسی کے پاس ہیں۔ خیزو اکیلی کیا کر سکتی ہے۔“

”اور اگرگی کو یہ چاندوں بچے بھی خیزو کے پاس ملے آئے تو؟“

”تب بھی مقدمہ کرنے کے لیے اور اسے لڑنے کے لیے خیزو کو بہت زیادہ پیسے کی ضرورت ہوگی۔ مسود علی کا اثر و رسوخ اتنا زیادہ ہے کہ خیزو کے لیے یہ مقدمہ جیتنا ناممکن ہو جائے گا۔ ہاں زیادہ سے زیادہ یہ ہو سکتا ہے کہ وہ کورٹ سے بچوں کے لیے نام وقفہ حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے مگر جائیداد کا حصول بہت مشکل ہے۔“

مسود علی نے غمی میں سر جلاتے ہوئے کہا۔

”جیسے کبھی میں اسوں لگ سکتے ہیں اور خیزو کا بھائی تو مجھے ابھی سے ساری صورت حال سے بہت بیزار اور اکترا ہوا لگ رہا ہے۔ اس کے ہارے کے بغیر خیزو مقدمہ نہیں لڑ سکتی۔ اور وہ مجھے ہارادینے والوں میں سے نہیں لگ رہا۔“

”امیر اور صہد... ان دونوں کی رخصتی کا کیا ہوگا؟“ شبانہ نے جھکی بار اسلی موضوع کی طرف آتے ہوئے کہا۔ وہ اس بار بے حد عجیب و غریب تھی۔

”میں کیا کہہ سکتا ہوں اس بارے میں؟“ مسود علی نے کہا۔

”میں جانتا چاہتی ہوں کہ مسود علی ان دونوں کے بارے میں اب کیا سوچ رہا ہے۔ خاص طور پر امیر کو مگر سے نکال دینے کے بعد۔“

”ہو سکتا ہے، اس نے امیر کو قحبی طور پر مگر سے نکالا ہو اور وہ بعد میں اسے اپنے گھر آنے دے۔“ مسود علی نے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

”میں یہ جانتا چاہتی ہوں کہ وہ اگر امیر اور صہد دونوں کو اپنے پاس رکھ بھی لیتا ہے تو ان کی رخصتی کب کرانے کا وہ صرف رخصتی ہی نہیں، میں یہ بھی جانتا چاہتی ہوں کہ وہ جائیداد میں سے انہیں کتنا حصہ دے گا۔“ شبانہ نے مکمل گراہی نیت کا اظہار کیا۔

”میں اس کے بارے میں بھی کچھ نہیں جانتا۔“

”آپ کہ مسود علی سے اس مسئلے میں بات کرنی چاہیے۔“

”یہ کہ وہ اپنی بیٹیوں کو جائیداد میں کتنا حصہ دے گا...؟ حد کرتی ہو تم..... میں اس وقت اس سے اس طرح کی بات کیسے کر سکتا ہوں۔“ مسود علی بڑبڑائے۔

”میں جائیداد کی بات نہیں کر رہی، میں رخصتی کی بات کر رہی ہوں۔“ شبانہ نے کہا۔ ”جائیداد کے بارے میں تو رخصتی کے موقع پر بھی بات کی جا سکتی ہے۔“

”ہاں۔ رخصتی کے بارے میں بات کی جا سکتی ہے۔“ مسود علی کو کچھ اطمینان ہوا۔

”تو پھر آپ اس سے اس بارے میں بات کریں۔“ شبانہ نے کہا۔

”صرف امبر اور طلحہ کے بارے میں؟“  
 ”ہائیں، صید اور اسامہ بارے میں بھی کریں۔“ شبانہ نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ اب وہ دونوں کی انٹرویو کی رخصتی کر دے گا۔ خاص طور پر اس طرح کے حالات میں۔“  
 ”بہتر ہے کہ میں طلحہ اور اسامہ سے بھی اس سلسلے میں بات کروں۔“ مسعود کو خیال آیا۔  
 ”وہ کیا کہیں گے، ان کو کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔“ شبانہ نے کہا۔  
 ”اعتراض کی بات نہیں ہے، بات کرنا تو پھر بھی ضروری ہے۔“ مسعود ہی نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ ”کچھ دن ٹھہر جاؤ، طلحہ کراچی سے آ جائے، میں اس سے بات کروں تو پھر منصور سے بات کرتا ہوں۔“  
 ”آپ جب تک اسامہ سے تو بات کر لیں۔“ شبانہ نے کہا۔  
 ”ہاں، اسامہ سے تو کسی بھی وقت بات ہو سکتی ہے۔“  
 ”وہ کل صید سے لئے منصور کے گھر گیا تھا۔“  
 مسعود چونکے۔ ”تمہیں کس نے بتایا؟“  
 ”اس نے خود بتایا۔“

”صید نے اسے فون کیا ہوگا؟“

”ہو سکتا ہے لیکن مجھ سے تو یہی کہہ رہا تھا کہ خود ہی گیا تھا۔“

”تمہیں ابھی اسے وہاں جانے سے منع کرنا چاہیے۔ رخصتی اور منصور۔“ شبانہ نے مسعود کی بات کاٹ لی۔

”آپ سے پہلے ہی منع کر چکی ہوں اسے لیکن آپ اسے جانتے ہیں، وہ اپنی مرضی کا ناک ہے۔“

مسعود نے اس بار کچھ نہیں کہا۔

☆ ☆ ☆

”آپ پلیز طلحہ سے میری بات کروادیں۔“ امبر نے چوتھی بار شبانہ کے ہاں فون کیا تھا۔ طلحہ کا موبائل فون آف تھا۔ وہ

اس پر راجہ نہیں کر پاری تھی۔

”میں نے تمہیں بتایا ہے امبر! طلحہ یہاں نہیں ہے، وہ کراچی چلا گیا ہے۔“ شبانہ نے کہا۔

”لیکن آنٹی! کراچی کا بھی کوئی نمبر تو ہوگا۔“ امبر نے بے بسی سے کہا۔

”ہائیں، اگر کوئی نمبر ہے بھی تو مجھے نہیں پتا۔“ شبانہ نے انکار کر دیا۔ ”تم اسے اس کے موبائل پر کال کرو۔“

”اس کا موبائل آف ہے، میں اتنے دنوں سے اسے اس کے موبائل پر ہی کال کر رہی ہوں۔“

”تو پھر تم انتظار کرو، ایک ڈیڑھ ہفتے میں وہ واپس آ جائے گا۔“ شبانہ نے اطمینان بھرے لہجے میں کہا۔

”ایک ڈیڑھ ہفتہ۔۔۔۔۔ آپ ہماری کنڈیشن تو دیکھ رہی ہیں آنٹی! مجھے طلحہ سے بات کرنی ہے، میں اتنا لبا لبا تھکا نہیں کر سکتی۔“

”مجھے اس کے نمبر کا پتا ہوتا تو میں تمہیں دے دیتی، اب میرے پاس نمبر نہیں ہے تو میں کیا کروں۔“

”وہ آپ کو فون تو کرتا ہوگا۔۔۔ آپ اس سے کہیں کہ اپنا موبائل آن رکھئے یا مجھے فون کرے۔ آپ نے اسے اسے

حالات کے بارے میں بتایا ہے؟“

”امبر! میں تمہیں کتنی بار بتا چکی ہوں کہ وہ پہلے ہی کراچی جا چکا تھا اور جب سے وہ کراچی گیا ہے، اس نے ایک بار بھی

کال نہیں کی، کرتا تو میں اسے سیزرہ کی طلاق کے بارے میں ضرور بتا دیتی۔ مجھے تو یہ جراتی ہے کہ اس نے تمہیں اتنے دنوں سے

خود کال کیوں نہیں کی، مجھ سے زیادہ تو وہ تمہیں کالز کرتا ہے۔“

امبر نے ان کے انداز کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ ”آپ انگل سے کہیں کہ وہ اس کے بارے میں پتا کرانیں، آخر

اس نے اپنا کوئی تو کامیٹ نمبر دیا ہوگا۔ اس طرح تو غائب نہیں ہو سکتا۔۔۔“

”شہزادی ہوا امی اس لڑکھن کی جو ہے جس حال کر بھی ہے جسے کھن چاہتی کرتھا نا کھی وہی حال جو۔“  
 سو رقم اپنے گزرا رہی جو ہے جو اس پنہنگی۔ کھن چاہتی ہوں تم اور میں پنہنگی۔“

فون کی تھل ایک پار پر بچے گی۔ سب نے اس پار پر بیوی نہ سمیت اٹھا لیا اور پاس چ سے دوسرے صف پر بیٹھ گئی۔  
 ”اب ریشی کی سیر کی کھن طور پر نظر انداز کر بھی گئی۔ دوسری طرف اسلاری تھا۔ وہی سلام دعا کھی۔ ریشی تھل اسے کھن لئی وہی پر تیری سے وہاں سے اٹھ کر پاس وٹھے ہوئے چلی گی۔“

”کھن نے فون اٹھا لیا۔“ اسار نے بہ چینی سے کہا۔  
 ”ریشی تھی یہاں پر۔۔۔ وہ اٹھانے کھن دے رہی تھی۔“ سب نے کہا۔  
 ”میں جانا ہوں بات ہوئی ہے اس سے میری۔“

”میں جرم ہوں کہ آج اسے کیا اعتراض ہونے لگا ہے۔ کھن تو اس سے پہلے کھی اس کے ساتھ آپ سے بات کرتی رہی ہوں۔“ سب نے کہا۔

”تھا ہے پاس نہیں ہوئی ہے؟“

”نہیں! کھن پر پہلے تھی۔ اب چلی گی ہے۔“

”میں جانا ہوں اب اسے میرے فون کرنے سے کیوں تکلیف ہونے لگی ہے۔“ اسار نے کھن آخیر انداز میں کہا۔  
 سب نے جہاں کھن تھی کہا۔ وہ خاموشی سے اس کی بات سنی رہی۔

”تم جانا ہو حضور۔ چائے کیا کیا ہے۔“ سب کا دل بہ اختیار کاٹا۔ ”کیا اب کھن اور کھی۔ کیا تھا ہونے کہ۔“  
 ”کیا کیا ہے؟“

”انہوں نے کھن سے ہم لوگوں کو انک کر دیا ہے۔“

”ہم لوگوں کو؟“ سب نے ہنسل کہا۔

”مجھے حضور پایا کہ۔“

”یہ سب کب ہوا ہے؟“ سب کا دل بیٹھے لگا۔

”آج۔“ سب کی کھن میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے کیا ہے۔

”میں۔۔۔“ اس نے سہے کھے بیٹھ کہا۔

”کیونکہ میں کا خیال ہے کہ وہ اب اپنی کھن کو اکیسے سنبال کھتے ہیں انہیں ہادی ضرورت کھن ہے۔“  
 ”میں اس طرح کھے کر کھتے ہیں۔“ سب نے بہ اختیار کہا۔ ”آپ لوگوں نے انہیں بھانے کی کھن کھن کی؟“

”حضور چائے کھتے وہاں کھی سے کھن ہیں۔“

”اگل مسوا انہیں بھانے کھتے تھے۔“

”حضور چائے کھتے وہاں کیا کھتے ہیں۔۔۔ کھن کھی کھی۔“

”وہاں کے چائے کھن ہیں۔ پایا اس کی لڑت کرتے ہیں۔“

”تھا سب لڑت یا احترام ہم کے کھی لگا سے وقت کھی ہیں۔“

”مگر مسوا کھی۔“

”سب نے اس کی بات کاٹ دی۔“ سب اور آدمی اپنے بھئی کھی کی پرہان کھی کہ اس کے نزدیک جاسے کھی کی کھی  
 ”خوب۔“

”کب نہ ہوا؟“ آپ لوگوں کیا کریں گے؟

”سب نے انک گزرا اور کھی۔“ اسار نے کھی کھی ہیں۔“





آپ جیزد کے بچوں کے جیسے خوار ہوتے پھر ماما کے "رشتی نے کہا۔

"اے آپ کی اہل و عیال تمہیں جیسا امیزد کی ذمہ داری ہیں۔ آپ کو اپنا اور میرا سچا چاہیے، تارے بچوں کا سوچنا۔"

منصور علی کی بات پر ایک دم خنس پڑے۔ "میں اپنا سوچتا ہوں، تمہارا بھی سوچتا ہوں۔" دور کے "لیکن تارے بچوں کو اچھے سوچ سکا ہوں کیونکہ جیزد سے کوئی بچے نہیں ہیں۔"

رشتی نے ایک نگرانی سے دیکھا اور پھر کہا۔ "تو بد جائیں گے۔"

"بہ ہو چائیں گے، اب ان کا بھی سوچوں گا مگر یہ ابھی بہت دور کی بات ہے۔" منصور نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

رشتی کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ ابھری۔ "بہت دور کی نہیں، صرف سات ماہ دور کی۔"

منصور نے چمک کر اسے دیکھا۔

"سات ماہ دور کی؟" وہ اس کی بات نہیں سمجھے۔

"میں ماں بننے والی ہوں۔" رشتی نے بے حد اطمینان سے کہا۔ منصور علی نے جس وحشت کو روک دیا۔



مسعود علی اس شام جب منصور کے بااؤس پر ان کے دفتر میں داخل ہوئے تو ان کے اہم و جوان میں بھی نہیں تھا کہ انہیں اپنی من گھڑی صورت حال کا سامنا ہونے والا تھا۔ منصور کے آنس میں وہ اکیلے نہیں تھے ان کا ساتھ بھی بیٹا اور تھا۔ مسعود نے اس کی سوجھ بوجھ کوئی سیریس ڈولس نہیں لیا۔

"بہنیں آپ" منصور علی نے مسعود علی کو دیکھتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے انہیں ٹیبل کے دوسری طرف پڑنی ایک ٹیبل پر بیٹھنے کے لیے کہا، جہاں ساتھ والی کرسی پر بی بی دیکھل بیٹھا ہوا تھا جو اس وقت اپنے سامنے ٹیبل پر کچھ ٹکڑے کھانے پکھانے

"تو خاص بات کرنی ہے نہیں؟" مسعود علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں، نہ صرف خاص بلکہ خاصی لمبی چوڑی بات کرنی ہے۔"

منصور علی نے ان کی مسکراہٹ کا جواب کسی مسکراہٹ سے نہیں دیا، انکا لہجہ ابھی بھی اسی سرد مہری کا تاثر لے رہے تھے۔

"میں ٹیکسٹری کے بارے میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" منصور علی نے کہا۔ "بلکہ کافی عرصے سے کرنا چاہتا تھا، تمہارا ہونا کہ مسعود علی کی وجہ سے آپ کو نہیں بلوا سکا۔"

"ہاں، کوئی بات نہیں۔ اب تو میں آ گیا ہوں، تم کر سکتے ہو مجھ سے بات بلکہ ہر قسم کی بات کر سکتے ہو۔" مسعود نے خورا

کھانا چھوڑ کر اپنی ریلوٹیک چیز پر جمولتے رہے، یوں جیسے انھوں نے انتخاب کر رہے ہوں اور پھر اس نے ایک دہریں ٹیبل سے اٹھ کر بات کا آغاز کیا۔

پہلے ہی مالوں سے آپ میرے ساتھ میری ٹیکسٹری چلا رہے ہیں۔ شروع میں میں ملک سے باہر تھا ان لیے مجھے یہاں لے کر آئے، آپ کی مدد تھی پڑی۔" منصور کے "واہس آنے کے بعد ہی میں نے آپ کو اپنی ٹیکسٹری سے، ایک ٹیبل پر اب اور عرض کیا ہے کہ میں اس ٹیکسٹری کا پورا انتظام خود سنبھال لوں۔"

پہلے سے لے مسعود علی ان کی بات سمجھ نہیں سکتے، وہ بے اثر چہرے کے ساتھ انہیں دیکھتے رہے۔

پہلے سے اگلے صاحب کو یہاں اسی لیے بلوایا ہے تاکہ ان کے سامنے تمام معاملات طے پا سکیں۔"

پہلے سے اس اور مسعود علی کی۔

پہلے سے آپ اور آپ کے بیٹوں کی بلوادی کے۔" منصور نے بے سے ہموار لہجے میں کہا۔

"کیونکہ؟" مسعود علی نے کہا۔

"میں آپ کو بتا تو رہا ہوں کہ ٹیکسٹری سے آپ کو الگ کر رہا ہوں۔"

"لیکن کیوں؟"

"کیونکہ میں اب اس ٹیکسٹری کو خود چلا چاہتا ہوں۔"

"پہلے بھی تم ہی چلا رہے ہو۔"

"میں اکیلے چلانے کی بات کر رہا ہوں۔" مسعود کی سنجیدگی میں کمی نہیں آئی۔

"اکیلے چلاؤ... اکیلے اسے چلانے کا خیال کیسے آ گیا تمہیں؟"

"یہ نہیں آ سکتا؟ یہ میری ٹیکسٹری ہے۔" مسعود غی کے لہجے کی خوشی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

"میں نے کب کہا کہ یہ میری ٹیکسٹری ہے۔" مسعود علی ایک دم سنبھلے۔ "تمہاری ہی ٹیکسٹری ہے، میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ"

مسعود علی نے ان کی بات کاٹ دی۔ "ڈیکمیس مسعود صاحب!" مسعود علی اس طرز سخنِ طب پر ہنکا بکا رہ گئے۔ ایسا پہلے مسعود نے کبھی نہیں ان کے ذہن سے نہیں بلایا تھا۔ "میں آپ کا بڑا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اتنا مرہ ٹیکسٹری کا انتظام چلانے میں میری مدد کی، لیکن اب میں اس پوزیشن میں آچکا ہوں کہ اسے خود چینڈل کر سکوں۔ اس لیے میں ٹیکسٹری کے انتظام سے آپ کو الگ کرنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کے شیئرز کی قیمت آپ کو دے دوں گا اور یہ رقم اتنی ہے کہ آپ بہت آسانی سے اس سے اپنے الگ بزنس شروع کر سکیں گے۔" مسعود علی نے بڑے عام سے ذہن میں کہا۔

"مسعود! جب میں نے تمہارے ساتھ اس ٹیکسٹری کو قائم کرنے کا سوچا تھا تو یہ سب کچھ اس طرح طے نہیں ہوا تھا۔ میں تم اب کر رہے ہوں۔" مسعود علی کو اب فضا آنے لگی۔

"میں سمجھتا ہوں کہ میں نے یہ سب کچھ اسی طرح طے کیا تھا۔ آپ کو اگر اس پر کوئی اعتراض ہو تو آپ معاہدے کو الگ لیں۔" مسعود علی نے تھوڑے اچکائے۔

"مسعود! تمہارے اس فیصلے سے دونوں خانہ دلوں کے درمیان تعلقات اثر انداز ہوں گے۔" مسعود علی نے کہا۔

"کون سے تعلقات؟" مسعود نے کھنکھیں اچکاتے ہوئے کہا۔

"تم جانتے ہو، میں کون سے تعلقات کی بات کر رہا ہوں۔"

"نہیں، میں نہیں جانتا، آپ بتائیں۔" مسعود نے رکھائی سے کہا۔

"میرے بیٹے صرف تمہارے بیٹے نہیں، دادا بھی ہیں... اور اس حوالے سے تمہارے ساتھ غیر ایک ذیہود رشتہ ہے۔" مسعود علی نے سنجیدگی کے انداز میں کہا۔ "تم اگر اس طرح کا کوئی قدم اٹھاؤ گے تو تمہیں امدادہ کر لینا چاہیے کہ طور اور امدادہ کے تمہارا بیٹا ان بیٹوں کے ساتھ تعلق برقرار رہے۔"

"ڈیکمیس! آپ مجھے دھمکی مت دیں۔"

"میں تمہیں دھمکی نہیں دے رہا۔" مسعود علی نے فوراً اذغان امدادہ میں کہا۔ "میں تمہیں صرف تمہارے فیصلے کے پھرتے سے آگاہ کر رہا ہوں۔"

"امبر نورا کو مجھ سے چھوڑ کر جا رہی ہے۔" مسعود علی نے کہا۔ "اور وہ دو بارہ کبھی میرے گھر میں نہیں آئے گی۔" ان کا ہنرور ٹوک تھا۔ "اس لیے مجھے طلبہ اور اس کے رشتے کی کوئی پروا نہیں ہے۔ آپ کا دل چاہے آپ رخصتی کر لیں۔" وہ ہنس رہا تھا۔ "جہاں تک یہ بات تعلق سے ہے... تو ہوسکتا ہے کہ میں امدادہ کے ساتھ اس کا رشتہ خود ختم کر دوں کیونکہ آپ کا بیٹا امدادہ سے کوئی تعلق نہیں رکھتا ہے۔" خاص طور پر ان بات میں یہ فیصلہ انہی کر لیا تھا اور وہ بھرتہ ان تعلقات کے

رشتی نے منصور سے فوری طور پر ہارون کمال کی تجویز پر بات نہیں کی۔ وہ شکر رہی کہ منصور خود اس مسئلے میں اس سے بات کرے اور حیران کن طور پر منصور نے بھی اس سے اس مسئلے میں بات نہیں کی۔

چھ بچے اسی طرح گزر گئے۔ ہارون اور وہ مسلسل اس معاملے کے بارے میں رابطے میں تھے۔ دوسری طرف مگر میں موجود تینوں اب پہلے کی نسبت کم ہو گئی تھی۔ ایک ہی گھر میں رہنے کے باوجود منصور اور رشتی بچوں سے بالکل الگ تھلک تھے۔ چاروں بچے ہر اس جگہ آنے سے گریز کرتے جہاں پر رشتی یا منصور موجود ہوتے اور وہ دونوں ہر اس جگہ کو نظر انداز کر دیتے جہاں پر وہ چاروں موجود ہو سکتے تھے۔ وہ سب کھانا بھی اٹکھا نہیں کھاتے تھے۔ ڈانٹنگ نچلے پر صرف رشتی اور منصور ہی ہوتے جیکہ صہبہ اور روشان، رابعہ اور زارا کے ساتھ اپنے گھر سے یا لیکن میں ہی کھانا کھا لیتے۔ روشان کا اشتعال بھی اب پہلے کی نسبت کم ہو گیا تھا۔ صہبہ اور ہانی دونوں بہنوں کی طرح اس نے صورت حال کو قبول کر لیا تھا اور ان ہی کی طرح زیادہ وقت نہ موٹ رہنے لگا تھا۔

چھ بچے پہلے تک اگر انہیں کسی مصالحت یا نیزہ کی دہائی کوئی خوش قسمتی تھی تو وہ اب ختم ہو گئی تھی۔ نیزہ کا اصرار اب بھی یہی تھا کہ وہ سب اس گھر کو چھوڑ کر اس کے پاس آ جائیں مگر دوسری طرف صہبہ ان سب کو وہیں رہنے پر مجبور کر رہی تھی۔ امیر سے بات کرتے ہوئے اسے یہ اندازہ تو ہو ہی جاتا تھا کہ صفر انگل کے گھر پر بھی صورت حال ٹھیک نہیں تھی۔ نیزہ اور امیر وہاں خوش نہیں تھیں، مگر اس گھر کے علاوہ ان کے پاس اب اور کوئی جائے پناہ نہیں تھی اور صہبہ اپنے سمیت ان تینوں کو اس صورت حال سے بچانا چاہتی تھی۔ اس کا اور رشتی کا کئی بار آمنا سامنا ہوا تھا، مگر وہ بالکل خاموشی سے اسے نظر انداز کر کے چلی جاتی تھی۔ روشان کی طرح وہ کوئی حقیر آئینہ انداز اختیار نہیں کرتی تھی کیونکہ جو کچھ ہو چکا تھا، وہ ہو چکا تھا ایک بھیا تک خواب سے حقیقت بن جانے والی وہ داستان رشتی کے کردار کو ختم کر دینے سے بھی ختم نہیں ہو سکتی تھی۔ ان کا گھر وہاں پہلے کی طرح نہیں چڑ سکتا تھا۔ ہاں اس کو مزید کھڑے ہونے سے بچایا جاسکتا تھا اور صہبہ اس وقت بھی کوشش کرنے میں مصروف تھی۔

رشتی نے منصور علی سے کئی بچے بعد فیکٹری کے بارے میں بات کی تھی۔ منصور کی تب نیزہ سے باقاعدہ علیحدگی ہو گئی تھی اور یہ رشتی کی ضد تھی جس نے منصور کو مجبور کیا کہ وہ نیزہ کو اس کی برہنہ سے عروم رکھیں۔ رشتی اس کے تمام زیورات اپنی تحویل میں لے کر لا کر میں رکھا اچھی تھی اور اس نے اس گھر میں آنے کے ایک بچے کے اندر اندر نیزہ اور منصور کے بیڑوم میں موجود نیزہ کی برہنہ کو نوکروں کے حوالے کر دیا تھا۔ منصور کے بیڑوم میں اب نیزہ کی کوئی چیز نہیں رہی تھی۔

صہبہ نوکروں کو نیزہ کی چیزیں استعمال کرتے دیکھ کر تکلیف کے احساس سے دوچار ہونے کے باوجود خاموش رہتی تھی، لیکن روشان آگ لگلا ہو جاتا تھا اور یہ اس کا اشتعال ہی تھا جس نے نوکروں کو نیزہ کے بیڑوم، جوتوں اور دوسری چیزوں کو کام پر آتے ہوئے سینے سے روک دیا۔ ان سب کو یہ اندازہ ضرور تھا کہ دوسری بیوی آنے کے باوجود روشان منصور علی کا اکوٹہ بیٹا تھا اور وہ اس کے غصے کو آسانی سے نظر انداز نہیں کر سکتے تھے لیکن روشان ان تمام چیزوں کو ان لوگوں سے واپس نہیں لے سکتا تھا۔ جگ اور توہن کے اس احساس نے رشتی کے لیے اس کی نفرت کو کچھ اور بھڑکا دیا اور اس کے اس رویے نے رشتی کو کچھ اور بے اور اہم فیصلے کرنے پر مجبور کر دیا۔

☆☆☆

”مب طلاق کا معاملہ ختم ہو گیا ہے تو میں چاہتی ہوں کہ آپ اپنے بھائی اور ان کے بیٹوں کو فیکٹری سے بھی الگ کر دیں۔“ رشتی نے اس بات پر عام سے انداز میں منصور سے وہ بات شروع کی جس کے لیے وہ کئی بہتوں سے پلاننگ کر رہی تھی۔

منصور نے چونک کر اسے دیکھا۔ ”یہ خیال کیسے آیا تمہارے ذہن میں؟“ رشتی یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ یہ خیال تو بہت شروع سے ہی اس کے دماغ میں تھا، البتہ اب ہارون کمال کی صورت میں پہلی بار اسے ایک ایسا سپورٹ مل گیا تھا جس کی مدد سے وہ اس مسئلے کا اپنی مرضی کا حل ڈھونڈ سکتی تھی۔

"خیال آنے کی کہانیاں ہیں، خیال تو کسی وقت بھی آسکتا ہے۔" ریشمی نے سنجیدگی سے کہا۔ "آپ نے دیکھا ہے؟ سنو بھائی اور ان کی فیملی کا رویہ۔۔۔ سب کو جیسے میری شادی پر سناپ سونگھ گیا ہے۔" ریشمی سچی سے کہہ رہی تھی۔ "اسماں اس زمانہ کا صنف سے ملنے آیا تھا اور اس نے مجھ سے سلام دعا تک کی تکلیف نہیں کی۔ مگر کی لیکن کھینچنے کے بجائے مجھے ڈرکرائی سمجھا ہے۔ ان سب کے ذہن میں اب بھی خیزہ ہی اٹھی ہوئی ہے اور میرا تو خیال ہے کہ اسے خیزہ نے ہی یہاں بھیجا ہو گا کہ اسماں یہاں سے حالات کے بارے میں اسے معلومات دے سکے۔"

"تمہیں اس بات کی پروا نہیں کرنی چاہیے، تم چاہو تو میں اسے منع کروں گا، وہ آسکتا ہے یہاں نہیں آئے گا۔" منصور نے کہا۔

"آپ کس کس کو منع کریں گے۔" ریشمی نے کہا۔ "وہ نہیں آئے گا تو آپ کا بھائی آجائے گا، اس کی بیوی آجائے گی اور ہر ایک کا رویہ میرے ساتھ ہی ہوگا۔ یہ سب لوگ ابھی بھی خیزہ کے ہی وفادار اور طرف دار ہیں۔" ریشمی نے کہا۔ "یہ آپ کا کھاتے ہیں لیکن آپ کے وفادار نہیں ہیں۔ آپ کو حیرانی نہیں ہوتی ہم لوگوں کی شادی پر ان کی عملی خاموشی پر۔ کیا مطلب ہے اس خاموشی کا؟" ریشمی نے منصور کو جیسے بجز کانے کی کوشش کی۔

"ان کی خاموشی میری لیے تو بہتری ہے۔ سہارا کہا تو وہ مجھے بھی دے نہیں سکتے تھے اور بحث و دھمکار یا شادی کی حالت میں برداشت نہ کرتا۔ اچھا ہوا، انہوں نے بات ہی نہیں کی۔" منصور نے اطمینان بھرے انداز میں کہا۔

"منصور! ایسے میں نے بہت کم لوگوں کو آستین کے سانپ پالنے کا شوق دیکھا ہے اور آپ ان میں سے ایک ہیں۔" عملائی نے آپ نے اپنی ٹیکٹری ان لوگوں کے ہاتھوں میں دے رکھی ہے اور آپ کو کسی قسم کا کوئی خدشہ ہی نہیں ہے۔"

"میں ان کے بارے میں بہت محتاط ہوں، چیک رکھا ہوا ہے میں نے ان پر۔" منصور نے جیسے اسے یقین دہایا۔ "دو تین ہیں اور آپ اکیسے۔۔۔ آپ کو قصداً پہنچانا ان کے لیے مشکل نہیں ہے۔"

"مشکل نہیں ہے تو آغا آسان بھی نہیں ہے۔ ویسے میں انہیں کچھ عرصہ میں ٹیکٹری سے الگ کر دوں گا۔" منصور نے کہا۔

"کچھ عرصہ میں۔۔۔ کتنے عرصے میں؟"

"ایک دو سال میں۔"

"ایک دو سال۔" ریشمی نے بے چینی سے کہا۔ "آپ ایک دو سال انہیں اپنے ساتھ مزید ٹیکٹری میں رکھیں گے۔"

"میں انہیں کسی جگہ کے بغیر تو ٹیکٹری سے نہیں نکال سکتا۔"

"کیوں نہیں نکال سکتے، یہ آپ کی ٹیکٹری ہے، ان کی نہیں۔"

"ان کے شیئرز ہیں ان میں۔"

"آپ انہیں خرید سکتے ہیں۔"

"جس قدر خرید سکا ہوں مگر ہر کام کا ایک وقت اور طریقہ ہوتا ہے۔"

"تو اس طریقے کو سمجھنے کے لیے آپ کتنا وقت ضائع کریں گے۔"

"میں نہیں چاہتا کہ میں انہیں ایک دم بغیر کسی جگہ کے ٹیکٹری سے نکالوں اور وہ لوگ خاندان میں میرے خلاف طوفان اٹھادیں۔۔۔ اور پھر مجھے ایسا اور صنف کا بھی خیال ہے، آخر ان کو اسی گھر میں جانا ہے۔"

"جب ایسا کو آپ کا خیال نہیں ہے تو آپ ان کو اس کا خیال کیوں ہے؟" وہ عملائی نے کہا۔ "آپ کو یاد رکھنا چاہیے، وہ کس طرح آپ کو ہمزاد بھی ہے۔"

"ایسا ہر نہ سکتا۔۔۔ صنف تو ہے۔۔۔ اس کی تو پروا نہ کرنی پڑے گی مجھے۔"

"ایک سچی کے لیے آپ اپنا سارا بزنس خراب کر لیں گے اور پھر بھی یہ ضروری تو نہیں ہے کہ صنف اس گھر میں جا کر شوق

آپ جیزد کے بچوں کے جیسے خوار ہوتے پھر رہا کے۔ "رُشٹی نے کہا۔

"اے آپ کی اہل و عیال تمہیں جیسا اہمیزدگی ذمہ داری ہیں۔ آپ کو اپنا اور میرا سچا چاہیے، تارے بچوں کا سوچنا۔"

منصور علی کی بات پر ایک دم فہم ہنسنے لگا۔ "میں اپنا سوچتا ہوں، تمہارا بھی سوچتا ہوں۔" دور کے۔ "لیکن تارے بچوں کو اچھے سوچ سکا ہوں کیونکہ تارے کوئی بچے نہیں ہیں۔"

رُشٹی نے ایک نکتہ اٹھایا دیکھا اور پھر کہا۔ "تو بد جائیں گے۔"

"بہ ہو چائیں گے، اب ان کا بھی سوچوں گا مگر یہ ابھی بہت دور کی بات ہے۔" منصور نے اپنی طرف اشارہ کیا۔

رُشٹی کے چہرے پر ایک عجیب سی مسکراہٹ ابھری۔ "بہت دور کی نہیں، صرف سات ماہ دور کی۔"

منصور نے چمک کر اسے دیکھا۔

"سات ماہ دور کی؟" وہ اس کی بات نہیں سمجھے۔

"میں ماں بننے والی ہوں۔" رُشٹی نے بے حد اطمینان سے کہا۔ منصور علی نے جس وحشت کو روک دیا۔



منصور علی اس شام جب منصور کے باہر سے پران کے دفتر میں داخل ہوئے تو ان کے اہم و اہم میں بھی نہیں تھا کہ انہیں۔

اپنی من طرف کی صورت حال کا سامنا ہونے والا تھا۔ منصور کے آفس میں وہ اکیلے نہیں تھے ان کا کاتب بھی بیٹھا ہوا تھا۔ منصور نے اس کی موجودگی کا بھی کوئی سیریس ڈولس نہیں لیا۔

"بہ نہیں آپ؟" منصور علی نے منصور علی کو دیکھتے ہوئے ہاتھ کے اشارے سے انہیں ٹیبل کے دوسری طرف پڑنی ایک ٹیبل پر بیٹھنے کے لیے کہا، جہاں ساتھ والی کرسی پر بیٹھی دیکھ کر بیٹھا ہوا تھا جو اس وقت اپنے سامنے ٹیبل پر کچھ لکڑے کلمے لکھ رہے تھے۔

"میں خاص بات کرنی ہے تمہیں؟" منصور علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں، صرف خاص بلکہ خاص لمبی چوڑی بات کرنی ہے۔"

منصور علی نے ان کی مسکراہٹ کا جواب کسی مسکراہٹ سے نہیں دیا، انکا لہجہ ابھی بھی اسی سرد مہری کا تاثر لے رہے تھے۔

"میں ٹیکسٹ کے بارے میں آپ سے بات کرنا چاہتا ہوں۔" منصور علی نے کہا۔ "بلکہ کافی عرصے سے کرنا چاہتا تھا۔"

منصور علی نے کہا۔ "اب تو میں آ گیا ہوں، تم کر سکتے ہو مجھ سے بات بلکہ ہر قسم کی بات کر سکتے ہو۔" منصور نے خورا

کھمبہ چھو لیا، اپنی ریلوے کی چیز پر جمولتے رہے، یوں جیسے انھوں نے انتخاب کر رہے ہوں اور پھر اس نے ایک دہریں

پہننے لگا۔ منصور علی نے کہا۔ "میں نے آپ کو اپنا ٹیکسٹ سے، ایک

بے نئے کے لیے منصور علی ان کی بات سمجھ نہیں سکے، وہ بے اثر چہرے کے ساتھ انہیں دیکھتے رہے۔

منصور نے اگلے صاحب کو یہاں اسی لیے بلوایا ہے تاکہ ان کے سامنے تمام معاملات طے پا سکیں۔"

منصور نے کہا۔ "میں نے یہ سب سنا لیا ہے۔"

منصور نے کہا۔ "میں نے یہ سب سنا لیا ہے۔"

"کیونکہ؟" مسعود علی نے کہا۔

"میں آپ کو بتا تو رہا ہوں کہ ٹیکسٹری سے آپ کو الگ کر رہا ہوں۔"

"لیکن کیوں؟"

"کیونکہ میں اب اس ٹیکسٹری کو خود چلا چاہتا ہوں۔"

"پہلے بھی تم ہی چلا رہے ہو۔"

"میں اکیلے چلانے کی بات کر رہا ہوں۔" مسعود کی سنجیدگی میں کمی نہیں آئی۔

"اکیلے چلاؤ... اکیلے اسے چلانے کا خیال کیسے آگیا تمہیں؟"

"میں نہیں آسکتا؟ یہ میری ٹیکسٹری ہے۔" مسعود غنی کے لہجے کی خشکی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

"میں نے کب کہا کہ یہ میری ٹیکسٹری ہے۔" مسعود علی ایک دم سنکھلے۔ "تمہاری ہی ٹیکسٹری ہے، میں تو صرف یہ کہتا ہوں کہ"

مسعود غنی نے ان کی بات کاٹ دی۔ "ڈیکمیس مسعود صاحب!" مسعود علی اس طرز سخنِ طب پر ہنکا بکا رہ گئے۔ ایسا پہلے مسعود نے کبھی نہیں ان کے ذہن سے نہیں بلایا تھا۔ "میں آپ کا بڑا شکر گزار ہوں کہ آپ نے اتنا مرہ ٹیکسٹری کا انتظام چلانے میں میری مدد کی، لیکن اب میں اس پوزیشن میں آچکا ہوں کہ اسے خود چینڈل کر سکوں۔ اس لیے میں ٹیکسٹری کے انتظام سے آپ کو الگ کرنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کے شیئرز کی قیمت آپ کو دے دوں گا اور یہ رقم اتنی ہے کہ آپ بہت آسانی سے اس سے اپنے الگ بزنس شروع کر سکیں گے۔" مسعود علی نے بڑے عام سے ذہن دہی میں کہا۔

"مسعود! جب میں نے تمہارے ساتھ اس ٹیکسٹری کو قائم کرنے کا سوچا تھا تو یہ سب کچھ اس طرح طے نہیں ہوا تھا۔ میں تم اب کر رہے ہوں۔" مسعود علی کو اب فضا آنے لگی۔

"میں سمجھتا ہوں کہ میں نے یہ سب کچھ اسی طرح طے کیا تھا۔ آپ کو اگر اس پر کوئی اعتراض ہو تو آپ معاہدے کو الگ لیں۔" مسعود علی نے تھوڑے اچکائے۔

"مسعود! تمہارے اس فیصلے سے دونوں خانہ دلوں کے درمیان تعلقات اثر انداز ہوں گے۔" مسعود علی نے کہا۔

"کون سے تعلقات؟" مسعود نے کھنویں اچکاتے ہوئے کہا۔

"تم جانتے ہو، میں کون سے تعلقات کی بات کر رہا ہوں۔"

"نہیں، میں نہیں جانتا، آپ بتائیں۔" مسعود نے رکھائی سے کہا۔

"میرے بیٹے صرف تمہارے بیٹے نہیں، دادا بھی ہیں... اور اس حوالے سے تمہارے ساتھ غیر ایک ذیادہ درشت ہے۔" مسعود علی نے سنجیدگی کے انداز میں کہا۔ "تم اگر اس طرح کا کوئی قدم اٹھاؤ گے تو تمہیں امدادہ کر لینا چاہیے کہ طور اور امدادہ کے تمہارا بیٹا ان بیٹوں کے ساتھ تعلق برقرار پڑے گا۔"

"ڈیکمیس، آپ مجھے دھمکی مت دیں۔"

"میں تمہیں دھمکی نہیں دے رہا۔" مسعود علی نے فوراً اذعانِ امدادہ میں کہا۔ "میں تمہیں صرف تمہارے فیصلے کے پھرتے سے آگاہ کر رہا ہوں۔"

"امبر نورا کو مجھوز کر جا رہی ہے۔" مسعود علی نے کہا۔ "اور دو دواہرہ کبھی میرے گھر میں نہیں آسکے گی۔" ان کا ہنپہ ورنوک تھا۔ اس لیے مجھے طلبہ اور اس کے رشتے کی کوئی پروا نہیں ہے۔ آپ کا دل چاہے آپ رخصتی کر لیں۔" وہ ہنس رہا تھا۔ "جہاں تک یہ تعلق کا مسئلہ ہے، یہ کبھی امبر نورا کے پاس ہے۔" مسعود علی بات نہیں کر سکتے۔ "میں تمہیں کبھی یہ تعلق نہیں ہے... تو ہوسکتا ہے کہ میں اسامہ کے ساتھ اس کا رشتہ خود ختم کر دوں کیونکہ آپ کا بیٹا ہرگز اسے کوئی تعلق نہیں چاہتا ہے۔" خاص طور پر ان بات میں اور اگر میں یہ فیصلہ نہیں کر لیتا ہوں تو پھر ان تعلقات کے

بڑے ہونے کا لہر نہیں ہوگا آپ کو۔"

منصور کا لہجہ طڑپا تھا۔  
 "بہر حال، ایک بات آپ اچھی طرح یاد رکھیں، میں اپنے برنس کی قیمت پر رشتوں کے معاملے میں کوئی سودا نہیں  
 کرانگا۔ میں آپ کو کئی سال پہلے بھی بتا چکا ہوں، میں صند کی وجہ سے برنس میں کوئی نقصان نہیں اٹھا سکتا۔"  
 "منصور! جلد بازی میں فیصلے مت کرو، خاندان والے تمہارے اور تمہاری بیٹیوں کے بارے میں کیسی باتیں کریں

گے۔"  
 منصور نے ایک بار ہر مسودہ کی بات کاٹ دی۔ "مجھے خاندان کی ذمہ داریاں پروا نہیں ہے۔ کوئی میرے منہ پر تو مجھے کچھ  
 کہ کر دیکھے۔ اور پتہ چلے تو لوگ ہر شخص کو برا کہہ سکتے ہیں۔۔۔۔۔ آپ کو بھی۔" منصور نے کہا۔  
 "میں تمہارا بڑا بھائی ہوں۔"  
 "میں اسی لیے آپ کو اتنی عزت سے کاروبار سے الگ کر رہا ہوں۔"  
 "منصور! ایک بار پھر سوچ لو۔"

"میں بہت اچھی طرح سوچ چکا ہوں اور ایک بار نہیں، کئی بار۔۔۔۔۔ ہر بار میں اسی نتیجے پر پہنچتا رہا ہوں جس پر اب پہنچا  
 ہوں۔" منصور علی کا لہجہ حسی تھا، وہ اب قائل اپنے سامنے کھینچ رہے تھے۔

☆☆☆

"منصور نے آج مجھے اپنے آفس میں بلوایا تھا، ابھی کچھ دیر پہلے۔" مسودہ لاؤنج میں بیٹھے کہہ رہے تھے۔ وہ آدھ گھنٹہ  
 پہلے وہیں آئے تھے اور گھر آتے ہی انہوں نے اسامہ اور ظہور کو بلوایا تھا۔ شانہ کو وہ پہلے ہی منصور کے فیصلے کے بارے میں  
 بتا چکے تھے۔

"منصور ہمیں فیکٹری سے الگ کر رہا ہے۔"  
 "کیا یہ ان کا داغ ٹھیک ہے۔" ظہور کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ اسامہ کے ماتھے پر کچھ لکیریں آگئیں مگر اس نے بن  
 سے ہنسنے لگا۔

"اس طرح اب ایک بیٹھے بٹھائے کس طرح وہ ہمیں اس برنس سے الگ کر سکتے ہیں، جس کے لیے ہم پچھلے دس سال  
 ٹھہرے ہیں۔" ظہور نے کہا۔

"انہوں نے کوئی وجہ بتائی ہے؟" اسامہ نے مسودہ علی کی توجہ اپنی جانب مبذول کروائی۔  
 "نہیں، کوئی وجہ نہیں بتائی۔" مسودہ علی نے ہونے چہرے کے ساتھ کہا۔ "وہ بس یہی کہہ رہا ہے کہ اب فیکٹری کو خود  
 سنبھالنا پڑتا ہے۔"

"سنبھالنا چاہتے ہیں تو سنبھالیں، ہم نے انہیں معاف تو نہیں کیا لیکن۔۔۔۔۔ لیکن ہمیں الگ کیوں کر رہے ہیں؟" ظہور نے  
 تڑپا ہوا منہ میں کہا۔ "وہ آخر یہ کر کیسے سکتے ہیں؟"

"مگر تو سکتا ہے، انگریمنٹ میں لکھا ہوا ہے۔" مسودہ علی نے کچھ دے ہوئے لہجے میں کہا۔ "وہ کہہ رہا تھا کہ ہمارے  
 سنبھالنے کی قیمت وہ ہمیں چند دنوں میں ادا کر دے گا۔ اس کے بعد ہم چاہیں تو اپنا برنس الگ سے شروع کریں۔"

"تعمیل تو اتنا ہے یہ۔۔۔۔۔ اپنا برنس الگ سے شروع کریں۔" ظہور نے کھڑا ہو گیا۔ "خون پینڈنگ کر ہم نے اس  
 فیکٹری کو چھوڑا ہے اور جب یہ عمل مکمل ہے تو ہم اپنا برنس دوبارہ سے شروع کریں۔ منصور چچا واقعی پاگل ہو گئے ہیں۔"

"وہ تو کون نہیں، خود غرض ہو گیا ہے۔ اسے اپنے علاوہ کوئی نظری نہیں آ رہا۔" شانہ نے نازت بھرے لہجے میں کہا۔  
 "نظر میں آتا تو آئے لیکن میں ان سے خود بات کروں گا۔ وہ اس طرح کا قدم کیسے اٹھا سکتے ہیں۔ انہوں نے اسے  
 اتنا نشان کھانا ہے۔"

طلوب کرے میں نیلے گا تھا۔ اسارے کے چہرے پر، راضی نہایاں تھی، بحرِ طوط کے برعکس اس نے بکھرنے سے گریزا

تھا۔

”آپ نے ان کو سمجھانے کی کوشش کیوں نہیں کی؟“

”کیا سمجھاؤ، وہ اپنے اکیلے کو پاس بٹھائے ہوئے تھا، سارے کاغذات تیار کروائے ہوئے تھے اس نے۔ وہ تو فیصلہ پہلے ہی کر چکا تھا۔۔۔ میرے سمجھانے سے اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ مسعود علی نے کہا۔

”پھر بھی آپ کو چاہیے تھا کہ آپ انہیں سمجھاتے؟“

”میں نے اس سے بہت لمبی چوڑی بحث کی تھی، لیکن مجھے لگ گئے تھے مجھے اس کے آفس میں جگن جی نہیں بتا رہا ہے، کہ وہ اپنا ذہن پہلے سے ہی مٹائے بیٹھا تھا۔“ مسعود علی نے کہا۔ ”وہ تو اتنے روکنے لگے میں مجھ سے بات کر رہا تھا کہ مجھے یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ منظور ہی ہے۔ بھائی جان کے بجائے مسود کہہ کر مجھے مخاطب کر رہا تھا۔“ مسعود علی نے کہا۔ ”میں لگ رہا تھا جیسے وہ آج وہی بار مجھ سے ملا ہے۔ یہ تو میں جانتا تھا کہ وہ خود غرض شروع سے ہی تھا مگر اتنا خود غرض ہوگا، یہ میں نہیں جانتا تھا۔“

”جو بھی ہے، میں اس نیلے کو قبول نہیں کروں گا، میں ان کے پاس جا کر دو بارہ ان سے بات کروں گا اور آپ کو بھی میرے ساتھ چلنا ہوگا۔“ طلوت نے کہا۔ ”میں ان کا صرف ہتھیار ہی نہیں، داماد بھی ہوں اور انہیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے۔“

”وہ بات پہلے ہی بھول چکا ہے، میں اس معاملے پر بھی اس سے بات کر چکا ہوں۔“

اس بار صحیح سٹون میں طلوت کی ٹی کم ہو گئی۔ ”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ اسے امیرِ صیغہ کے رشتوں میں اب کوئی دلچسپی نہیں رہی ہے۔“

”یہ کیسے ممکن ہے؟“ طلوت نے بے اختیار کہا۔

”اس نے خود مجھ سے یہ بات کہی ہے، میں نے اس سے کہا تھا کہ اس کے اس طرح کے فیصلے سے اسے دوسرے رشتوں پر بھی اثر ہوگا۔“ مسعود علی کہہ رہے تھے۔

”اور اس نے بڑے آرام سے کہا کہ ہمارا دوسرا کوئی رشتہ ہی نہیں ہے۔ امیر کو میں گھر سے نکال چکا ہوں، اس لیے مجھے اس کے اور طلوت کے رشتے کے بارے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“ طلوت صوفے پر بیٹھ گیا۔ ”نہ ہی اس رشتے میں آنے والی کیا تبدیلی کی مجھے پروا ہے۔“ مسعود علی نے بات جاری رکھی۔

”اور جہاں تک صیغہ اور اسارے کا تعلق ہے، میں نے اس کی رضامندی کے بارے میں بھی ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا۔“

اس بار اسارے کے ماتھے کی ٹانگیں کچھ اور گھری ہو گئیں۔ ”ہوسکتا ہے، میں اس رشتے کو بھی خود ہی ختم کر دوں لیکن میں ان رشتوں کے لیے آپ کو اپنے کاروبار میں شامل نہیں دکھوں گا۔“

”یہ سب منظور چجانے کا؟“ طلوت کو جیسے یقین نہیں آیا۔

”تو تمہارا کیا خیال ہے، یہ سب میری ذاتی اختراع ہے؟“ مسعود علی نے قدرے ناراضی سے کہا۔

”تم لوگوں کو میں نے ایک اہم فیصلے کے لیے یہاں بلوایا ہے۔“ شانت نے ایک لمبے وقت کے بعد مداخلت کی، وہ بے

حد متحمل نظر آ رہی تھی۔ ”میں اور تمہارے پاپا چاہتے ہیں کہ تم دونوں امیر اور صیغہ کو طلاق دے دو۔“ وہ ایک لمحہ کے لیے رکتی

”مگر منظور کو اس بات کی پروا نہیں ہے کہ اس کے اس فیصلے سے اس کی بیٹیوں کا مستقبل چاہے ہوسکتا ہے تو پھر ہمیں بھی ان دونوں

کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔ ان دونوں کو اس گھر میں لے آنے کے باوجود بھی ہمیں کوئی فائدہ نہیں پہنچ سکتا۔ وہ دونوں اس سے

لمبے بے کار ہیں۔“ شانت نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

”تم دونوں کے لیے ابھی کئی خاکدان میں بہت اچھے رشتے ہیں۔ تمہاری بھوپھو اپنی بیٹیوں کے لیے کہہ رہی تھی، لیکن

ہم لوگوں نے صرف اس لیے صیغہ اور امیر کو ترجیح دی، کیونکہ ان کے ساتھ تعلق جوڑنے سے تم لوگوں کا مستقبل زیادہ بہتر ہوسکتا

تھا لیکن اب ان حالات میں ان دونوں کی رخصتی کروا کر انہیں یہاں لانا مصلحت ہے۔ ہر لوگ چاہتے ہیں کہ تم دونوں انہیں

مٹا دیں۔



اور مسعود اب ظلو اور اسامہ کے چہرہ کو دیکھ رہے تھے جو بے حد عجیب و غریب نظر آ رہے تھے۔ ظلو نے فیصلہ کرنے میں دو

نہیں لگاؤ۔

”آپ جیسا کہیں گے، میں ویسی ہی کروں گا۔ ان حالات میں یہی فیصلہ بہتر ہے۔“

اس نے بڑی آسانی اور سفاکی سے اپنا فیصلہ سنایا تھا۔ امبر کا چہرہ ایک لمبے لمبے اس کی آنکھوں کے سامنے آیا تھا، پھر اس نے اسے جھٹک دیا۔ شبانہ اور مسعود کے چہروں پر اطمینان ابھرا آیا۔ انہیں اپنی اولاد سے اسی سعادت مندی کی توقع تھی۔

”تو پھر ٹھیک ہے، میں سچ کا مذاق تیار کر دیتا ہوں۔“ مسعود علی نے کہا۔

”کاغذات تیار ہونے میں ایک دو دن لگیں گے پھر میں تم دونوں سے سائن کروا کر مسعود علی کو بھجوا دوں گا۔“ مسعود علی نے کہا۔

”اور اس سے پہلے ہی میں مسعود علی کو بھی اس فیصلے سے آگاہ کر دوں گا۔“

”پاپا! آپ صرف امبر اور ظلو کے لیے کاغذات تیار کروائیں۔“ اسامہ نے بڑی سنجیدگی سے یک دم کہا۔

”کیا مطلب؟“ مسعود علی اس کی بات پر چونکے۔

”میں صیغہ کو طلاق نہیں دوں گا۔“ اسامہ اسی انداز میں کہا۔

شبانہ اور مسعود کو جیسے شاک لگا۔ ظلو نے بھی بے اختیار گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ ”کیا کہہ رہے ہو تم؟“ مسعود علی کی

آواز بلند ہوئی۔

”پاپا! میں صیغہ کو طلاق نہیں دوں گا۔“ اسامہ نے ایک بار پھر اسی انداز میں اپنی بات دہرائی۔ ”مسعود بچا نے غلط فیصلہ

کیا ہے۔ بہت برا فیصلہ کیا ہے۔ لیکن اس میں صیغہ کا تو کوئی قصور نہیں ہے پھر میں اسے طلاق کیوں دوں۔“ اسامہ نے کہا۔

”اس کا قصور نہیں ہے تو ہمارا کیا قصور ہے کہ مسعود ہمیں جینگری سے الگ کر رہا ہے۔“ مسعود علی کو غصہ آیا۔

”پاپا! برنس ایک الگ چیز ہے..... شادی یا ذاتی زندگی ایک دوسری چیز ہے۔“ اسامہ نے عقیدہ و مگر پر سکون انداز میں

کہا۔ ”تھک ہے، دو جینگری سے ہمیں الگ کر رہے ہیں لیکن ہمارے شیئرز کے بدلے ہمیں اتنا پورہ ضرور مل جائے گا کہ ہم اپنی

ذاتی جینگری شروع کر سکتے ہیں اور میں تو پہلے بھی آپ سے کئی بار یہ کہہ چکا تھا کہ ہمیں اپنا برنس الگ ہی کرنا چاہیے کیونکہ اس

طرح کے تعلقات میں بہت بار اونچے نیچے ہو جاتی ہے۔“ وہ بڑے سنجیدہ انداز میں مسعود علی کو سمجھا رہا تھا۔ ”لیکن اس سب کا مطلب

یہ نہیں ہے کہ میں صیغہ کو طلاق دے دوں۔ میری اس کے ساتھ اچھی انڈر اسٹینڈنگ ہے اور میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے کہ

میں ظلو کی طرح اسے چھوڑ دوں۔“ وہ بات کرتے کرتے رکا۔ ”بلکہ میرا تو خیال ہے کہ ظلو کو بھی امبر کو طلاق نہیں دینی چاہیے۔

اس سے چند چھوٹی سوٹی نکلیں ہوئی ہیں لیکن اس نے ایسا کوئی قصور نہیں کیا کہ اس طرح اسے طلاق دے دی جائے۔ بہر حال

یہ ظلو اور امبر کا ذاتی معاملہ ہے، میں ان کے بارے میں کوئی مشورہ نہیں دوں گا لیکن جہاں تک میرا تعلق ہے، میں کسی بھی قیمت

پر صیغہ کو طلاق نہیں دوں گا۔“

اس نے اپنی بات ختم کی اور پھر اٹھ کر کمرے سے نکل گیا۔ اس کے پیچھے کمرے میں وہ جانے والے تینوں افراد ایک

دوسرے کو ہکا بکا دیکھ رہے تھے، کیونکہ ان میں سے کسی کو بھی اسامہ سے اس رد عمل کی توقع نہیں تھی۔

☆☆☆

”مجھے صیغہ سے بات کرنی ہے۔“

اسامہ نے فون پر روشنی کی آواز پہچان لی تھی۔ وہی سلام دعا کے بعد اس نے عقیدہ لہجے میں کہا۔

”صیغہ سے کس مسئلے میں بات کرنی ہے؟“ روشنی نے پوچھا۔ اس کا لہجہ سخت تھا۔

اس کے سوال نے اسامہ کو حیران کیا، اگرچہ وہ اس سے پہلے بھی روشنی کے اس گھر میں آ جانے کے بعد صیغہ سے فون پر

بات کرتا رہا، مگر اس سے پہلے بھی روشنی نے فون نہیں اٹھایا تھا۔ بیشک غلام ہی فون اٹھایا کرتا تھا۔ آج پہلا موقع تھا کہ

رکشی نے فون اٹھایا اور صہبہ سے اس کی بات کروانے کے بجائے سوال و جواب شروع کر دیے تھے۔ ناگواری کی ایک لہر اسرار کے اندر اٹھی وہ اس وقت ویسے بھی پریشان تھا اور رکشی کا یہ سوال اس کی ناگواری میں اضافہ کر گیا تھا۔

”میں ایک اہم معاملے پر اس سے ضروری بات کرنا چاہتا ہوں۔“ اس نے اپنے ٹھنڈے کو دہاتے ہوئے کہا۔

”یہی تو جاننا چاہتی ہوں کہ وہ ضروری بات کیا ہے؟“ رکشی نے اسی انداز میں کہا۔

”آپ کو بتانا ضروری ہے؟“ اس بار اسرار اپنی جھنجھلاہٹ پر قابو نہیں پاسکا۔ اس کی جھنجھلاہٹ نے رکشی کو قدرے مٹھوڑ

کیا۔

”میں اس کی ماں ہوں۔“ اس نے بڑے جتانے والے انداز میں کہا۔

”آپ صرف منصور چچا کی بیوی ہیں۔“ اسرار سے تم کہتے کہتے رک گیا۔

”صہبہ کی والدہ نہیں ہیں۔“

”ہاں! میں منصور کی بیوی ہوں اور اس رشتے سے صہبہ کی ماں ہوں۔“

”صہبہ کی ماں موجود ہیں اور میں نہیں سمجھتا کہ وہ آپ کو کسی طور پر بھی اپنی ماں کی جگہ دے سکتی ہے۔“ اس نے ڈک ڈک

کر اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ”میں اس گھر میں آ چکی ہوں اور میں سگی نہ کسی اس کی سوتیلی ماں تو ہوں۔“

”دیکھیں میں آپ کے ساتھ اس موضوع اور مسئلے پر بحث نہیں کرنا چاہتا۔“ اسرار نے یک دم اس کی بات کاٹنے

ہوئے کہا۔ ”آپ جو بھی ہیں یا نہیں ہیں۔۔۔۔۔ اس سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں۔ میں صہبہ سے بات کرنا چاہتا ہوں اور بس۔۔۔

میراثی فرما کر آپ اس سے میری بات کروادیں۔“

”اور میں یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تم کس سلسلے میں اس سے بات کرنا چاہتے ہو۔“ اس بار رکشی کے لہجے میں لڑائیاں اٹھ

تی۔

”وہ میری مٹھوڑ ہے۔“ اسرار نے کہا۔

”تو۔۔۔۔۔؟“ رکشی کا انداز آگ لگانے والا تھا۔

”تو یہ کہ مجھے حق ہے کہ میں اس سے کبھی اور کسی بھی وقت بات کروں۔“

”یہ حق نہیں کسی نے دیا ہے۔؟ منصور نے؟“ رکشی نے پوچھا۔

”ہاں منصور چچا نے ہی دیا ہے۔“

”تو پھر اب منصور نے ہی مجھے منع کیا ہے کہ میں صہبہ سے جہیں بات نہ کرنے دوں۔“ رکشی نے اطمینان سے کہا۔

ایک لمحے کے لیے اسرار چپ کا چپ رہ گیا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ چہرہ کھینے پہلے ہونے والا فیصلہ رکشی کے علم میں ہوگا!

پھر اسے یہ توقع نہیں تھی کہ منصور ریکٹری سے ان لوگوں کو الگ کرنے کے چہرہ کھینے کے بعد ہی اس کے اور صہبہ کے درمیان

رکاوٹیں کھڑی کرنا شروع کر دیں گے۔

”منصور چچا نے اس سے پہلے تو کبھی مجھے صہبہ سے بات کرنے سے نہیں روکا۔“ اس نے کچھ ناراضی سے کہا۔

”نہیں روکا ہوگا مگر اب تو روک دیا ہے۔“ رکشی کے لہجے میں لاپرواہی تھی۔

”کیوں۔۔۔۔۔؟ کیوں روک دیا ہے؟“

”منصور تمہارا صہبہ سے بات کرنا پسند نہیں کرتے۔“

”کیوں۔۔۔۔۔؟ میں یہی تو جاننا چاہتا ہوں کہ ایک دن کے اندر ایسا کون سا انقلاب آ گیا ہے کہ منصور چچا کو صہبہ سے

ساتھ بات کرنا نہ لگتے لگے۔“ اسرار سکا۔

”ایک دن میں چوبیس گھنٹے ہوتے ہیں۔“ رکشی نے جرات سے بولے کہا۔ ”اور چوبیس گھنٹے بہت لمبا عرصہ ہوتا ہے۔“

بھی ہو سکتا ہے چوبیس گھنٹوں میں۔۔۔۔۔“

”صرف منصور چچا اور آپ کے ساتھ ہی ایسا ہونا ہوگا۔ دوسرے لوگوں کے ساتھ تو ایسا نہیں ہوتا۔“

”اسی مطلب ہے تمہارا؟“

”آپ کو اس سوال کی ضرورت کیسے پڑ گئی..... آپ تو لوگوں کے دلوں کے راز تک جانتی ہیں۔ مطلب تو بہت معمولی سی

بات ہے۔“

”اچھا..... میرے بارے میں بہت جانتے ہو۔“

”کون نہیں جانتا ہوگا۔“ اسامہ نے جھکے انداز میں کہا۔ ”rags to riches کی کہانی ہے۔ ایسی کہانیاں تو لوگوں کی زبان پر ہر وقت رہتی ہیں۔“ ریسور پر ریشی کی گرفت ایک لمحہ کے لیے سخت ہو گئی۔

”میری اور منصور کی بات کر رہے ہو؟“ اس نے سرد لہجے میں اسامہ سے پوچھا۔

”ہاں فی الحال آپ کی اور منصور چچا کی ہی بات کر رہا ہوں۔ بعد میں آپ کا نام سن کے ساتھ آئے گا۔ یہ تو آپ کے

علاوہ کوئی نہیں جانتا ہوگا۔“

وہ اتنا غرش کیوں ہو رہا تھا۔ خود وہ بھی نہیں جانتا تھا۔ صرف یہ تھا کہ اس وقت جب وہ صند سے بات کرنا چاہتا تھا اور صند کے بجائے اسے ریشی سے بات کرنی پڑ رہی تھی تو ریشی کے لیے اس کے دل میں مجبب کی نفرت اور ٹاپنڈی لگی بیٹا اور ہی تھی۔ اس سے پہلے اس نے بھی ریشی کے ساتھ اس طرح کی طنزیہ گفتگو نہیں کی تھی۔ کیونکہ اس سے پہلے ریشی نے بھی اس کے اور صند کے درمیان آنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ لیکن اب یک دم جب اس نے ان دونوں کے درمیان آ کر کھڑا ہونے کی کوشش کی تھی تو اسامہ کے لیے خود پر قابو پانا مشکل ہو گیا تھا۔ ریشی کے لیے احرام تو اس کے دل میں پہلے بھی کبھی نہیں رہا تھا۔ لیکن اس وقت وہ لحاظ اور حرمت بھی غائب ہو گئی تھی جس کا مظاہرہ وہ بچپن سے ہی کرتا رہا تھا۔

اس کے جھلنے نے دوسری طرف ریسور تھا سے کمزری ریشی کو بہت دیر خاموش رکھا۔ وہ بچی نہیں تھی کہ اس سیدھے اور

ماف خرقہ کو کچھ نہ کہتی۔ بہت دیر چپ رہنے کے بعد اس نے بے حد بڑھکون لہجے میں اسامہ سے کہا۔

”میرا نام تو منصور کے علاوہ اور کسی کے ساتھ نہیں آئے گا۔ ہاں البتہ میں یہ ضرور دیکھوں گی کہ تمہارا نام صند کے ساتھ

لہرتے دن رہتا ہے۔“

”میں اور صند ہمیشہ ساتھ رہیں گے کیونکہ وہ ریشی نہیں ہے۔ اور میں منصور نہیں ہوں۔“ اسامہ نے بڑے یقین سے کہا۔

”اچھا دیکھ لیتے ہیں پھر کون کیا ہے اب میں فون رکھوں یا تم رکھو؟“ ریشی نے ترش انداز میں کہا۔

”میں صند سے بات کیے بغیر فون نہیں رکھوں گا۔“ اسامہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔ ”بہتر ہے آپ فون پر اس سے

برائی بات کرواؤ ورنہ میں فون کرتا رہوں گا۔“

”مگر میں فون کا تار نکال دوں گی۔“

”میں اس کے کالج چلا جاؤں گا۔“ اسامہ نے جیسے دھمکی دی۔

”تم ایسا کرو گے تو وہ سب کچھ بہت جلد ہو جائے گا جسے ہونے میں ابھی کچھ دن لگیں گے۔“

”میں نہیں سمجھتا تھا کہ تم خوش نہیں پائے والی عورت ہو۔“ وہ اب تمام لحاظ قسم کر کے تم پر اترا آیا۔

”خوش نہیں کون پاتا ہے یہ تو وقت ہی بتائے گا۔“ ریشی نے زہریلے انداز میں کہا۔ ”میں تو ابھی تمہیں صرف یہ بتا رہی

ہوں کہ میں کسی بھی صورت میں صند سے تمہاری بات نہیں کرواؤں گی۔“

ریشی نے یہ جملہ کہتے ہوئے حزر کو دیکھنے کی زحمت نہیں کی ورنہ وہ میز میوں سے اترتی صند کو ضرور دیکھ لیتی جو اپنا نام سن

کرناں کی طرف توجہ ہو چکی تھی۔

”اور اگر تم نے دوبارہ فون کرنے کی زحمت کی تو میں منصور کو اطلاع کروں گی پھر وہ خود ہی تم سے بات کر لیں گے۔“

”میں منصور چچا سے! رہتا نہیں ہوں۔ تم انہیں فون کر کے ابھی بتا دو۔“ صند ریشی کی طرف بڑھی۔ اس کے قدموں کی

چاپ نے ریشی کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ صہبہ کو دیکھتے ہی ریشی دوسری طرف اسامہ سے کچھ کہتے کہتے رک گئی۔  
 "میرا فون ہے؟" صہبہ نے اس کے پاس پہنچ کر بے تاثر لہجے میں کہا۔ دوسری طرف اسامہ نے بھی اس کی آواز سن لی۔ ریشی نے جواب میں کچھ بھی کہنے سے پہلے فون کا ریسیور رکھ دیا۔  
 "نہیں۔ تمہارا فون نہیں تھا۔" اس نے بیٹھے بیٹھے منگائی سے جھوٹ بولا۔  
 "میرا فون تھا... تم نے میرا نام لیا تھا۔" صہبہ نے دہریں کھڑے کھڑے کہا۔  
 "جسہیں تلخ جی ہوئی ہے۔" ریشی نے اصرار کیا۔ "تمہارا فون ہوتا تو میں تم سے بات کر داتی۔ مجھے کوئی ضرورت نہیں تھی فون رکھنے کی۔"

فون کی تھنٹی ایک دم دوبارہ بجے گی۔ ریشی نے بے اختیار وادت کچکپکائے 'فون اٹھائے بغیر بھی وہ جانتی تھی دوسری طرف اسامہ کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس سے پہلے کہ صہبہ آگے بڑھ کر ریسیور اٹھائی 'ریشی نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف اسامہ ہی تھا۔

"سوری راگن نمبر۔۔۔" پیلی کی آواز سننے ہی ریشی نے کہا اور ریسیور دوبارہ رکھ دیا۔

"اگر تمہارا فون ہوتا تو میں جسہیں بلوا لوں گی۔" ریسیور رکھ کر قدرے نرم لہجے میں اس نے صہبہ کو مخاطب کیا۔  
 "اس کی ضرورت نہیں ہے میں اس بار خود فون اٹھانا چاہتی ہوں۔" صہبہ نے سرد لہجے میں کہا۔

"یہ راگن نمبر ہے۔" ریشی نے بتایا۔

"ہو سکتا ہے میرے لیے راگن نمبر نہ ہو۔" اس نے اسی انداز میں کہا۔ فون کی تھنٹی ایک بار بھر بجے گی۔  
 ریشی کے چہرے کی سرخی بڑھنے لگی۔ وہ صوف پر بیٹھی ہوئی تھی۔ صہبہ اس کے مقابل کھڑی تھی۔ فون اس کے دائیں ہاتھ پر پڑا ہوا تھا۔ تھنٹی بجتے پر اس بار صہبہ نے چند قدم آگے بڑھ کر فون کا ریسیور اٹھانے کی کوشش کی۔ ریشی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور پر ہاتھ رکھ کر جیسے اسے روکنے کی کوشش کی۔

"یہ اسامہ کا فون ہے۔" اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔ "اور منصور نہیں چاہتے کہ وہ تم سے فون پر بات کرے۔"  
 "میں اور اسامہ ایک دوسرے کے لیے غیر نہیں ہیں۔ وہ میرا شوہر ہے اور پاپا مجھے اس سے بات کرنے سے نہیں روک سکتے۔" صہبہ نے ریسیور پر ہاتھ رکھے رکھے کہا۔ فون کی تھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔

"تم پہلے منصور سے اجازت لو۔ اس کے بعد اسامہ سے بات کرو۔" ریشی نے اصرار کیا۔

"مجھے اسامہ سے بات کرنے کے لیے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ تم یہاں سے چلی جاؤ۔"

صہبہ نے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ ریشی نے جارنگال کر لائن ڈس کنکٹ کر دی۔ صہبہ ریسیور ہاتھ میں لیے اسے دیکھنے لگی۔

"منصور نہیں چاہتے کہ تم اسامہ سے بات کرو اور اس گھر میں وہی ہو گا جو منصور چاہتے ہیں۔ میں ان کی بیوی ہوں اور میرا فرض ہے کہ میں ان کے ہر گم پر عمل کروں۔" ریشی نے بیٹھے بیٹھے بے حد اکڑا انداز میں کہا۔

"تم پاپا کی بیوی نہیں ہو..... ہماری بد قسمتی ہو۔ ہم پر آیا ہوا عذاب ہو اور تم جیسی عورتیں سختی وفاق شعار اور فرما تیرا ہا سے کہ تم جیسوں میں بھی فرما تیرا ہا کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔"

"مجھے تمہاری باتوں پر کوئی حسرت نہیں آئے گا۔ تم جس ماں کی اولاد ہو اس سے اسی طرح کی گھٹیا باتوں کی توقع کی جا سکتی ہے۔" ریشی نے اسی طرح کہا۔

"میں صرف اس ماں کی اولاد نہیں ہوں۔ اس باپ کی ہی اولاد ہوں جس کی تم بیوی بنی تھی۔"

ایک لمحے کے لیے ریشی کچھ نہیں بول سکی۔ صہبہ نے حریفانہ لہجے میں فون کا ریسیور رکھ دیا۔

چاپ نے ریشی کو اپنی طرف متوجہ کر لیا۔ صہبہ کو دیکھتے ہی ریشی دوسری طرف اسامہ سے کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

”میرا فون ہے؟“ صہبہ نے اس کے پاس پہنچ کر بے تاثر لہجے میں کہا۔ دوسری طرف اسامہ نے بھی اس کی آواز سن لی۔ ریشی نے جواب میں کچھ بھی کہنے سے پہلے فون کا ریسیور رکھ دیا۔

”نہیں۔ تمہارا فون نہیں تھا۔“ اس نے بیٹھے بیٹھے منگائی سے جھوٹ بولا۔

”میرا فون تھا... تم نے میرا نام لیا تھا۔“ صہبہ نے دہریں کھڑے کھڑے کہا۔

”جسہیں تلخ جی ہوئی ہے۔“ ریشی نے اصرار کیا۔ ”تمہارا فون ہوتا تو میں تم سے بات کر دالتی۔ مجھے کوئی ضرورت نہیں تھی فون رکھنے کی۔“

فون کی تھنٹی ایک دم دوبارہ بجنے لگی۔ ریشی نے بے اختیار وادت کچکپکائے، فون اٹھائے بغیر بھی وہ جانتی تھی دوسری طرف اسامہ کے علاوہ کوئی نہیں ہو سکتا تھا۔ اس سے پہلے کہ صہبہ آگے بڑھ کر ریسیور اٹھائی، ریشی نے ریسیور اٹھا لیا۔ دوسری طرف اسامہ ہی تھا۔

”سوری راگن نمبر۔۔۔“ ویڈیو کی آواز سننے ہی ریشی نے کہا اور ریسیور دوبارہ رکھ دیا۔

”اگر تمہارا فون ہوتا تو میں جسہیں بلوا لوں گی۔“ ریسیور رکھ کر قدرے نرم لہجے میں اس نے صہبہ کو مخاطب کیا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے میں اس بار خود فون اٹھانا چاہتی ہوں۔“ صہبہ نے سرد لہجے میں کہا۔

”یہ راگن نمبر ہے۔“ ریشی نے بتایا۔

”ہو سکتا ہے میرے لیے راگن نمبر نہ ہو۔“ اس نے اسی انداز میں کہا۔ فون کی تھنٹی ایک بار بھر بجنے لگی۔

ریشی کے چہرے کی سرخی بڑھنے لگی۔ وہ صوف پر بیٹھی ہوئی تھی۔ صہبہ اس کے مقابل کھڑی تھی۔ فون اس کے دائیں ہاتھ پر پڑا ہوا تھا۔ تھنٹی بجتے پر اس بار صہبہ نے چند قدم آگے بڑھ کر فون کا ریسیور اٹھانے کی کوشش کی۔ ریشی نے ہاتھ بڑھا کر ریسیور پر ہاتھ رکھ کر جیسے اسے روکنے کی کوشش کی۔

”یہ اسامہ کا فون ہے۔“ اس نے عجیب سے انداز میں کہا۔ ”اور منصور نہیں چاہتے کہ وہ تم سے فون پر بات کرے۔“

”میں اور اسامہ ایک دوسرے کے لیے غیر نہیں ہیں۔ وہ میرا شوہر ہے اور پاپا مجھے اس سے بات کرنے سے نہیں روک سکتے۔“ صہبہ نے ریسیور پر ہاتھ رکھے رکھے کہا۔ فون کی تھنٹی مسلسل بج رہی تھی۔

”تم پہلے منصور سے اجازت لو۔ اس کے بعد اسامہ سے بات کرو۔“ ریشی نے اصرار کیا۔

”مجھے اسامہ سے بات کرنے کے لیے کسی کی اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ تم یہاں سے چلی جاؤ۔“

صہبہ نے اس کا ہاتھ جھٹکتے ہوئے فون کا ریسیور اٹھا لیا۔ ریشی نے جارنگال کر لائن ڈس کنکٹ کر دی۔ صہبہ ریسیور ہاتھ میں لیے اسے دیکھنے لگی۔

”منصور نہیں چاہتے کہ تم اسامہ سے بات کرو اور اس گھر میں وہی ہو گا جو منصور چاہتے ہیں۔ میں ان کی بیوی ہوں اور میرا فرض ہے کہ میں ان کے ہر گم پر عمل کروں۔“ ریشی نے بیٹھے بیٹھے بے حد اکڑا انداز میں کہا۔

”تم پاپا کی بیوی نہیں ہو..... ہماری بد قسمتی ہو۔ ہم پر آیا ہوا عذاب ہو اور تم جیسی عورتیں سختی وفاق شعار اور فرما تیرا ہا سے کہ تم جیسوں میں بھی فرما تیرا ہا کے جراثیم پائے جاتے ہیں۔“

”مجھے تمہاری باتوں پر کوئی حسد نہیں آئے گا۔ تم جس ماں کی اولاد ہو اس سے اسی طرح کی گھٹیا باتوں کی توقع کی جا سکتی ہے۔“ ریشی نے اسی طرح کہا۔

”میں صرف اس ماں کی اولاد نہیں ہوں۔ اس باپ کی ہی اولاد ہوں جس کی تم بیوی بنی تھی۔“

ایک لمحے کے لیے ریشی کچھ نہیں بول سکی۔ صہبہ نے حریفانہ لہجے میں فون کا ریسیور رکھ دیا۔

”تمہاری ماں اپنی اس زبان کی وجہ سے جس حال کو پہنچی ہے میں نہیں چاہتی کہ تمہارا بھی وہی حال ہو۔“

”اور تم اپنے کردار کی وجہ سے جہاں پہنچو گی۔ میں چاہتی ہوں تم وہیں پہنچو۔“

فون کی تفل ایک بار پھر بجنے لگی۔ صہبہ نے اس بار ریسیور سیٹ سمیت اٹھا لیا اور پاس بڑے دوسرے صوفہ پر بیٹھ گئی۔ وہ اب ریشمی کی موجودگی کو مکمل طور پر نظر انداز کر چکی تھی۔ دوسری طرف اسامہ ہی تھا۔ رکی سلام دعا تک ریشمی بیٹھی اسے گھورتی رہی پھر تیزی سے وہاں سے اٹھ کر پاؤں دھوئے بیٹھے ہوئے چلی گئی۔

”شکر ہے تم نے فون اٹھا لیا۔“ اسامہ نے بے چینی سے کہا۔

”ریشمی تھی یہاں پر..... وہ اٹھانے نہیں دے رہی تھی۔“ صہبہ نے کہا۔

”میں جانتا ہوں بات ہوئی ہے اس سے میری۔“

”میں حیران ہوں کہ آج اسے کیا اعتراض ہونے لگا ہے۔ میں تو اس سے پہلے بھی اس کے سامنے آپ سے بات کرتی

رہی ہوں۔“ صہبہ نے کہا۔

”تمہارے پاس بیٹھی ہوئی ہے؟“

”نہیں! کچھ دیر پہلے تھی۔ اب چلی گئی ہے۔“

”میں جانتا ہوں اب اسے میرے فون کرنے سے کیوں تکلیف ہونے لگی ہے۔“ اسامہ نے حذر آمیز انداز میں کہا۔

صہبہ نے جواباً کچھ نہیں کہا۔ وہ خاموشی سے اس کی بات سنتی رہی۔

”تم چاہتی ہو منصور چچا نے کیا کیا ہے۔“ صہبہ کا دل بے اختیار کانپا۔ ”کیا اب کچھ اور بھی رو گیا تھا ہونے کو۔“

”کیا کیا ہے؟“

”انہوں نے فیکٹری سے ہم لوگوں کو الگ کر دیا ہے۔“

”ہم لوگوں کو؟“ صہبہ نے بمشکل کہا۔

”مجھے ظہور اور پاپا کو۔“

”یہ سب کب ہوا ہے؟“ صہبہ کا دل بیٹھنے لگا۔

”آج.....“ صہبہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرنے لگا ہے۔

”کیوں؟“ اس نے سوچے سمجھے بغیر کہا۔

”کیونکہ ان کا خیال ہے کہ وہ اب اپنی فیکٹری کو اکیلے سنبھال سکتے ہیں انہیں ہماری ضرورت نہیں ہے۔“

”اس طرح کیسے کر سکتے ہیں پاپا۔“ صہبہ نے بے اختیار کہا۔ ”آپ لوگوں نے انہیں سمجھانے کی کوشش نہیں کی؟“

”منصور چچا سمجھنے والوں میں سے نہیں ہیں۔“

”انگل مسودہ انہیں سمجھا سکتے تھے۔“

”منصور چچا میرے پاپا کو کیا سمجھتے ہیں..... کچھ بھی نہیں۔“

”وہ ان کے بڑے بھائی ہیں۔ پاپا ان کی عزت کرتے ہیں۔“

”تمہارے پاپا عزت یا احترام نام کے کسی لفظ سے واقف نہیں ہیں۔“

”مگر مسودہ نقل.....“

اسامہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”صہبہ! جو آدمی اپنے بیوی بچوں کی پروا نہیں کرتا اس کے نزدیک بڑے بھائی کی کیا حیثیت ہے۔“

”کب کیا ہوگا؟ آپ لوگ کیا کریں گے؟“

اسامہ نے ایک گراہی ہوئی آواز میں کہا۔ ”..... اور کبھی ہماری بہت ہمارا نہیں۔“

”میں سمجھ سکتی ہوں۔ ان کی جگہ کوئی بھی ہوتا وہ ناراض ہوتا۔“ صہبہ نے کہا۔  
 ”لیکن وہ۔۔۔“ اسامہ کہتے کہتے رکا پھر اس نے بشکل کہا۔ ”پاپا اور مگی ہمیں مجبور کر رہے ہیں کہ ہم تم دونوں کو  
 دے دیں۔“

صہبہ کے سر پر جیسے آسمان گر پڑا تھا۔ ”طلاق۔۔۔؟“  
 ”لیکن میں ایسا نہیں کروں گا۔۔۔ میں نے پاپا کو بتا دیا ہے۔“ اسامہ نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔  
 ”اور غلط بھائی وہ۔۔۔؟“

”غلط امبر کو طلاق دینے پر تیار ہو گیا ہے۔“  
 ”کیوں۔۔۔؟ اس میں امبر کا کوئی تصور نہیں ہے۔ غلط بھائی یہ کیسے کر سکتے ہیں۔“ صہبہ بے اختیار چلائی۔  
 ”میں نہیں جانتا کہ وہ یہ کیسے کر سکتا ہے۔ لیکن وہ یہ کرنا چاہتا ہے۔“

”صرف قینٹری سے الگ کرنے کی وجہ سے غلط بھائی امبر کو چھوڑ دیں گے؟“  
 ”صہبہ! غلط اور پاپا کے لیے قینٹری سے علیحدگی کوئی چھوٹی بات نہیں ہے۔ انہوں نے پچھلے دس سال اس ٹیکری پر  
 دیے اور اب منصور چچا نے ایک دم نشوونما کی طرح ہم سب کو اٹھا کر باہر پھینک دیا ہے۔“  
 ”لیکن اس میں میرا بڑا امبر کا کیا تصور ہے؟“

”یہ میں کہہ چکا ہوں ان سے۔۔۔“  
 ”پاپا! یہ سب کچھ ہماری وجہ سے تو نہیں کر رہے۔ ہم نے تو انہیں یہ سب کچھ کرنے کے لیے نہیں کہا۔ پھر اگلے دن  
 ہم سے کیوں ناراض ہیں۔“

”تم دونوں منصور چچا کی اولاد ہو۔“

”آپ جانتے ہیں پاپا کو اب ہماری ذمہ داری بھی پروا نہیں رہی۔“

”اس کے باوجود تم دونوں ان کی اولاد ہو۔ اور پاپا اور مگی کی ناراضی کے لیے اتنا کافی ہے۔“

”آپ انہیں سمجھا سکتے ہیں۔“

”میں نے انہیں بہت سمجھایا ہے۔“ اسامہ نے کہا۔ ”وہ اتنا مجھ سے ناراض ہو رہے ہیں۔“

”آپ انہیں نہیں تو غلط بھائی کو تو سمجھا سکتے ہیں۔“

”غلط کو سمجھا اور ابھی مشکل ہے۔ وہ تو مجھ سے کہہ رہا ہے کہ میں بھی تمہیں طلاق دے دوں۔“

صہبہ کچھ بول نہیں سکی۔ اس کی آنکھوں سے اب آنسو بہ رہے تھے۔ یہ اچھا ہی تھا کہ رشتی اس کے پاس نہیں تھی وہ۔  
 چہ نہیں اس وقت کیا صورت حال ہو جاتی۔

”میں نے تمہیں اس لیے فون کیا ہے کہ تم منصور چچا سے ایک بار بات کرو۔“ اسامہ کہہ رہا تھا۔ ”انہیں بتاؤ کہ ان کے  
 اس فیصلے کے کیا نتائج ہو سکتے ہیں۔ جو سکتا ہے جو بات انہیں ہم نہیں سمجھا سکتے وہ تم سمجھا دو۔“

”میں۔۔۔ میں ان سے کیا کہوں گی۔“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”پاپا بچے تو نہیں ہیں کہ انہیں اپنے اپنے لیے  
 کے نتائج کا پتہ ہی نہ ہو۔ لیکن وہ شاید خود ہی یہ چاہتے ہیں۔ مگی کی زندگی تباہ کرنے کے بعد وہ ہمیں بھی تباہ کر دینا چاہتے ہیں۔“

”رونے کا کوئی فائدہ نہیں ہے صہبہ!“ اسامہ نے اسے قسلی دینے کی کوشش کی۔ ”میں تمہارے ساتھ ہوں۔ جرجی“  
 جانے کم از کم میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا۔“

”مگر امبر۔۔۔ امبر کو تو غلط بھائی طلاق دے دیں گے۔“

”میں ان دونوں کے بارے میں کچھ نہیں کہہ سکتا۔ میں غلط کو پھر سمجھانے کی کوشش کروں گا۔ لیکن مجھے اپنی کاپالی کی کوئی  
 امید نہیں ہے۔“

"پاپا نے تو ہمارا نہیں سوچا۔ کم از کم آپ لوگوں کو تو ہمارا سوچنا چاہیے۔ آپ لوگوں کے ساتھ تو ہمارا رشتی رشتہ ہے۔ اہل یہ کیوں نہیں سوچ رہے۔" صہد اب اٹھائے کچھ میں کہہ رہی تھی۔ "امیر تو ظور بھائی کے ہاتھ مر جائے گی۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے وہ ان سے کتنی محبت کرتی ہے۔ آپ لوگ امیر کو کیوں سزا دے رہے ہیں۔ یہ سب کچھ امیر نے تو نہیں کر دیا۔"

"صہد! میں نہیں بتا چکا ہوں کہ یہ سب اپنے گمراہوں سے کہہ چکا ہوں۔ کوئی فائدہ نہیں ہوا لیکن میں تمہارے لیے ایک بار پھر نہیں سمجھانے کی کوشش کروں گا۔" اسامہ نے اسے پھر پورے کھلی دیتے ہوئے کہا۔

"تم بھی منصور چچا کو سمجھانے کی کوشش کرو۔ سب کو نہیں رکھتے تو کم از کم پاپا کو ساتھ رکھ لیں۔ یا پھر خود کو ہو سکتا ہے یہی سے پاپا امیر کی کاغذ کم ہو جائے۔"

"میں آج پاپا سے بات کروں گی لیکن پلیز آپ بھی اہل سے بات کریں۔ اور ظور بھائی سے بھی۔" اس نے ایک باز پھر اسامہ کو تاکید کی۔

اسامہ کے فون بند کرنے کے بہت دیر بعد تک بھی وہ وہیں صوفہ پر بیٹھی دونوں باتوں میں اپنا سر جکڑے اسامہ کے ساتھ ہونے والی گفتگو کے بارے میں بے چینی سے سوچتی رہی۔ "کیا پاپا اس حد تک خود غرض ہو سکتے ہیں کہ وہ اس طرح ہم دونوں کے مستقبل کے ساتھ کھیلنے کی کوشش کریں۔" یہ جاننے کے باوجود کہ ایسا ہو چکا تھا۔ وہ مسلسل ایک بات کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

"اور منصور اہل.... کیا انہیں اندازہ نہیں ہے کہ ان کے اس قدم سے ہم لوگوں کو کتنا نقصان پہنچ سکتا ہے۔ وہ تو ہمیشہ ہم سے بے تحاشا محبت جتاتے رہے ہیں۔" وہ سوچ سوچ کر جگان ہو رہی تھی۔ اسے اب کچھ میں آنے لگا تھا کہ رشتی نے اس دن کیوں اس کے اور اسامہ کے بات کرنے پر پابندی لگانے کی کوشش کی تھی۔ یقیناً وہ ان تمام فیصلوں سے واقف ہو گی جو منصور کو رہے تھے۔ یا پھر ہو سکتا ہے یہ تمام فیصلے کرانے میں اسی کا کردار ہو۔ اس کے سر میں اب درد ہونے لگا تھا۔ زندگی نے ان لوگوں کے درجو جال بنا شروع کیا تھا اس جال کے تار اب ان کے وجود کو پوری طرح جکڑ چکے تھے۔

☆☆☆

منصور علی آٹھ بجے کے قریب فیکٹری سے گھر آئے تھے۔ صہد ان کے انتظار میں لاؤنج میں بیٹھی تھی۔ منصور علی کے کار کے پہننے کی آواز پر رشتی اپنے پیڑروم سے باہر آ گئی۔ اس نے صہد کو لاؤنج میں بیٹھے دیکھا مگر وہ اسے نظر انداز کرتے ہوئے منصور کے استقبال کے لیے لاؤنج کے دروازے سے باہر نکل گئی۔ چند منٹوں کے بعد منصور علی اس کے ساتھ لاؤنج میں داخل ہوئے صہد اپنی جگہ سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ منصور نے ایک نظر اسے دیکھا لیکن پھر اپنی نظر ہٹا لی۔

"پاپا! مجھے آپ سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔" صہد نے منصور کو مخاطب کیا وہ ٹھک گئے۔

"کیا بات کرنی ہے؟" صہد نے رشتی کو دیکھا جو منصور کے برابر میں کھڑی تھی۔

"مجھے آپ سے اٹھنے میں بات کرنی ہے۔" منصور اس کا اشارہ سمجھ گئے۔

"تھیں جو بات بھی کرنی ہے رشتی کے سامنے کرو۔ یہ کوئی فیلر نہیں ہے۔"

"مگر بہت ساری باتیں ایسی ہیں جن کا اس کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔" صہد نے احتجاج کیا۔

"مقام سے کہہ رہا ہوں کہ تمہیں جو بھی بات کرنی ہے رشتی کے سامنے کرو ورنہ میں جیسا مزید وقت ضائع نہیں کروں گی۔"

منصور علی نے رشتی سے کہا۔ رشتی کے چہرے پر ایک سگانے والی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ صہد ایک لمبے لمبے چپ کھڑی رہی پھر اس نے کہا۔

"آپ نے منصور اہل کو فیکٹری سے الگ کر دیا ہے؟"

"ہاں۔۔۔" منصور نے ایک لمحہ کے توقف کے بغیر کہا۔



”کیوں؟“

”بھری مرضی، وہ بھری جیکٹری ہے میں جسے چاہوں وہاں رکھوں جسے چاہوں نکال دوں۔“ منصور علی نے حسد سے کہا۔  
”آپ جانتے ہیں کہ مسعود انگل صرف آپ کے بھائی نہیں ہیں۔ ان کے اور ان کے بیٹوں کے ساتھ آپ کا اور کئی

رشتہ ہے۔“  
”مجھے کسی رشتے کی پروا نہیں ہے۔ مجھے جیکٹری میں ان کی ضرورت تھی، میں نے انہیں رکھا۔ اب ضرورت نہیں ہے تو میں نے انہیں نکال دیا ہے۔“

”پلیز پاپا ایسا مت کریں، آپ جانتے ہیں۔ آپ کے اس فیصلے سے ہم لوگ تباہ ہو جائیں گے۔ میں اور امیر... آپ نے ہم لوگوں کے بارے میں کیوں نہیں سوچا؟“

”جیکٹری سے ان لوگوں کو نکالنے سے تمہارا پاپا امیر کا کیا تعلق ہے؟“  
”انگل مسود اپنے بیٹوں کو نہیں طلاق دینے کے لیے کہہ رہے ہیں۔“

”تو طلاق ہو جائے دو..... وہ لوگ اس قافلہ نہیں ہیں کہ ان کے ساتھ کوئی تعلق رکھا جائے۔“ منصور علی نے اس قدر سردہری کے ساتھ کہا کہ مہذبہ جھنجھی سے ان کے چہرے کو دیکھتی رہی، وہ کسی باپ کا چہرہ نہیں تھا یا شاید..... اس کے لیے باپ کا چہرہ نہیں تھا۔

”ہاری زندگیاں برباد ہو جانے دیں؟“

”ایک طلاق سے کسی کی زندگی برباد نہیں ہوتی۔“ منصور علی نے کندھے جھکتے ہوئے کہا۔ صفحہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ منصور علی کہہ رہے تھے۔ ”جو رشتہ چل نہ سکے اس کا ختم ہو جانا ہی بہتر ہوتا ہے۔ طلاق ہو جائے گی تو میں تمہاری شہادی کی ادھر تک پر کروں گا۔ جسیں کوئی ٹکر نہیں ہونی چاہیے۔ منصور علی کی بیٹیوں کے لیے رشتوں کی کمی نہیں ہے۔“

”اور اتنے سالوں سے جو آپ نے ہمیں اس رشتے میں بندھا ہوا تھا تو..... اس کی کوئی وقعت، کوئی حیثیت ہی نہیں تھی آپ کی نظر میں ایک جیکٹری آپ کے لیے دوسرے ہر رشتے سے زیادہ کر ہے؟“

”ہاں وہ جیکٹری میرے لیے ہر رشتے سے زیادہ کر ہے۔ آسمان سے پلٹ میں رکھا کر کوئی جیکٹری نہیں آ جاتی۔ فون پینڈ لگا ہے اس میں۔ ان رات منت کرنی پڑتی ہے۔ اور اتنی منت کے بعد میں صرف تم لوگوں کے لیے تو اس جیکٹری سے ہاتھ نہیں دھو سکتا۔“

”آپ نے اپنی مرضی سے اس جیکٹری میں ان لوگوں کو رکھا تھا۔ آپ کو شروع میں ہی انہیں وہاں نہیں رکھنا چاہیے تھا، اب میں آپ نے انہیں اس طرح نکالنا تھا.....“

”مجھے تمہارے مشوروں اور نصیحتوں کی ضرورت نہیں ہے۔ میں جسیں بتا چکا ہوں کہ میں اپنے بزنس کو ان رشتوں کے لیے قربان نہیں کر سکتا۔ جسیں بھی ایسے ٹوڈ فرمز اور لائٹنگ لوگوں کی پروا نہیں ہونی چاہیے۔ جو صرف جیکٹری کے لیے تم سے شہادی کما چاہتے ہیں۔“

”اساد مجھے طلاق نہیں دے گا۔ مجھے کوئی پروا نہیں ہے۔“  
منصور علی ب سے اعزاز میں ہنستے۔ ”اچھا، وہ طلاق نہیں دے گا۔! تو پھر تو اس تمام بحث کا کوئی فائدہ ہی نہیں ہے۔ پاپا

”پاپا! ظور بھائی امیر کو طلاق دے رہے ہیں۔“  
”تو کیا امیر..... اس کی ماں کا اور ظور کا معاملہ ہے۔ میں اس میں کیا کروں؟“

”یہ طلاق آپ کی اجازت سے ہو رہی ہے۔ آپ انہیں اس جیکٹری سے نہ نکالنے تو وہ یہ قدم بھی اٹھانے کا نہیں سہتے۔“  
”پہلا ان لیا۔ یہ طلاق ہماری اجازت سے ہو رہی ہے۔ تو پھر میں کیا کروں۔“

"پاپا! امبر بیٹی ہے آپ کی۔"

"جو میرے گھر نہیں ہے۔ اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"آپ کو یاد ہے آپ کتنی محبت کرتے تھے اس سے۔"

"میری محبت تھی دو۔"

"پاپا! آپ تو اولاد کے لیے بہت ساری قربانیاں دیتے ہیں۔"

"میں نے اپنی زندگی کے بیس سال تم لوگوں کے لیے قربانیاں دیتے ہی گزارے ہیں۔ اور اس کے بدلے تم لوگوں نے مجھے کیا دیا۔ گنت فنی۔ علم عدولی۔ بد تمیزی۔"

"پاپا پلیز! امبر کی زندگی برباد مت کریں۔"

"اس کی زندگی اس کی اپنی وجہ سے برباد ہو رہی ہے۔ میری وجہ سے نہیں۔"

"پلیز پاپا! اس پر رحم کریں۔ ایسا مت کریں۔"

"تم مجھ سے صرف اپنی بات کرو۔ اس کی بات مت کرو۔ میرے لیے وہ اسی دن مر گئی تھی جس دن وہ اس گھر کو اپنی ماں کے لیے چھوڑ کر گئی تھی۔"

"پاپا پلیز..... اپنے فیصلے پر ایک بار پھر سوچیں۔" وہ گڑ گڑائی۔

"مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔" منصور علی نے دو ٹوک انداز میں کہا اور لاؤنج سے نکل گئے۔

☆☆☆

"آپ جو چاہے کہیں میں صہبہ کو طلاق نہیں دے سکتا۔" اسامہ نے دو ٹوک انداز میں شبانہ سے کہا۔ وہ دو دن کے بعد ایک بار بھرات کو اس کے کمرے میں آ کر وہی موضوع لے بیٹھی تھیں۔

"جسہیں اپنے ماں باپ کی پروا نہیں ہے، صرف اس لڑکی کی پروا ہے جس کے باپ نے ہم لوگوں کے ساتھ بھکاریوں سے بھی بدتر سلوک کیا ہے۔"

"میں نے کب کہا ہے کہ انہوں نے ہمارے ساتھ بد سلوک نہیں کیا۔" اسامہ نے جواباً کہا "انہوں نے بہت بُرا سلوک کیا ہے۔ لیکن آپ مجھے صرف یہ بتائیں کہ اس میں قصور کس کا ہے۔ منصور چچا کا یا صہبہ کا۔"

"صہبہ، منصور کی بیٹی ہے۔"

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟"

"کیوں فرق نہیں پڑتا۔" شبانہ نے اگڑے ہوئے لہجے میں کہا۔ "منصور کو ہمارے بیٹوں کا احساس نہیں ہے تو پھر وہ اپنی بیٹیاں اپنے گھر رکھے۔ ہمیں بھی ان کی ضرورت نہیں ہے۔"

"منصور چچا کو آج کل کسی کا احساس نہیں ہے۔ اپنی اولاد کا بھی نہیں۔ ہوتا تو وہ یہ سب کچھ نہ کر رہے ہوتے۔" اسامہ نے کہا۔ "اور اگر آپ یہ سمجھتی ہیں کہ ان دونوں طلاقیوں سے منصور چچا کے کوئی ہوش ٹھکانا آ جائیں گے تو آپ نہ سوچ رہی ہیں۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔ بلکہ منصور چچا تو خوش ہوں گے کہ ان کی ہم سے جان ہمیشہ کے لیے چھوٹ گئی۔ آپ کو اندازہ ہے کہ وہ پہلے ہی صہبہ اور میرے میل جول اور گفتگو پر پابندی لگا چکے ہیں۔ اور جلد یا بدیر ان کا اگلا قدم طلاق کا مطالبہ ہی ہوگا۔"

"اسی لیے تو میں تم سے کہہ رہی ہوں کہ اس سے پہلے کہ وہ طلاق کا مطالبہ کرے ہمیں طلاق اس کے منہ پر مار دینی چاہیے۔"

"اگر منصور چچا بھی طلاق کا مطالبہ کریں گے تو بھی میں صہبہ کو طلاق نہیں دوں گا۔" اسامہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"مما سے منصور چچا یا آپ لوگوں کے لیے نہیں چھوڑ سکتا۔"

"جسہیں شرم آتی چاہیے۔ تم ماں باپ کی حکم عدولی کر رہے ہو۔"

"ہاں باب غلامت کا مطالبہ کر رہے ہیں۔"

"غلام اور بیچ کا فیصلہ تم ہم پر چھوڑ دو۔"

"چوبیس سال کا ہونے کے بعد کوئی بھی اپنے فیصلے میں باپ پر نہیں چھوڑتا۔"

"تم کس قدر خود غرض انسان ہو۔ صرف اپنی خوشی کا سوچ رہے ہو۔"

"آپ سب بھی خود غرض ہیں صرف اپنی ادا کے لیے دو زندہ گیوں سے کھیل رہے ہیں۔"

"یہ خاندان کی عزت کی بات ہے۔"

"غلام و غلامت دے کر خاندان کی کون سی عزت بحال ہو جائے گی۔"

"بحث مت کرو میرے ساتھ۔"

"آپ بھی مجھ سے غلاما لے نہ کریں۔"

"مہذب میں ایسے لوگوں سے خرابی کے پرائے ہیں کہ تم اسے چھوڑ نہیں سکتے۔"

"میں میں خرابی کے پرائے نہیں تھے تو آپ نے مجھ سے اس کا علاج کیوں کیا تھا؟"

"غلطی ہو گئی تھی۔"

"میں اب ایک اور غلطی کرنا نہیں چاہتا۔"

"غلام بھی تو طلاق دے رہا ہے۔ وہ تو تمہاری طرح نہیں کر رہا۔"

"یہ غلام کی مرضی ہے اور جو چاہے کرے مگر میں اپنی زندگی کے فیصلے غلام کے شخص قدم پر چل کر نہیں کر سکتا۔"

"مفسدہ نہیں گمان تک نہیں ڈالے گا۔"

"مجھے ان کی گھڑ میں کوئی دلچسپی ہے بھی نہیں۔ مجھے صرف مہذب میں دلچسپی ہے۔ میرے لیے وہ کافی ہے۔"

"تمہارا یہ فیصلہ ہمارے خاندان کو تقسیم کر دے گا۔"

"کوئی بات نہیں تم ان کو میرے گھر کو بننے سے پہلے تو نہیں توڑے گا۔"

"اس سزا تم اپنے ماں باپ کے بارے میں سوچو۔ ہمیں تم پر کتنا مان تھا۔"

"اور اپنی بھائی و غلامت نہ دینے سے یہ سارا مان ختم ہو جائے گا۔ اگر ایسا ہی ہے تو پھر مجھے یہ کہنے دیں کہ آپ نے ایسا غلام چھوڑنا اپنے ماں باپ کی بنیاد پر ہے۔"

"میں مہذب کو بھی اپنی بہو کے طور پر قبول نہیں کروں گی۔"

"وہ آپ کا فیصلہ ہو گا اور میں آپ کے فیصلے کا احترام کروں گا۔"

"ہم اسے اس گھر میں آنے نہیں دیں گے۔"

"میں ایسے بھی اسے اس گھر میں لانے کا ارادہ نہیں رکھتا۔"

"تمہارے ابا جیسے ہاں نیو سے حلق کر دیں گے۔"

"میں اسے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ میرے پاس ڈگری ہے۔ مجھے بڑی آسانی سے کسی اچھی جگہ جا بھل سکتی ہے۔"

"آئیہ مسولہ لڑکی کے لیے تم ہم سب کو چھوڑ دو گے؟"

"ہم مفسدہ سے کوئی تعلق رکھنا نہیں چاہتے۔ ہم اس کی اولاد کو بھی اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتے۔"

"آپ اسے مفسدہ کی اولاد نہ سمجھیں آپ اسے صرف بھری بھائی سمجھیں۔ شادی کے بعد وہ ویسے بھی مفسدہ چلنے کے قریب ہی

"میں تم ہماری بات نہیں مانوں گے۔"

”ہی! آپ نے اپنی مرضی سے میرا نکاح کیا۔ اب ایک معمولی بات پر اسے ختم کرنا چاہتی ہیں۔ یہ کھیل تھا تا تو نہیں

ہے۔“  
شبانہ تنک گئیں۔ اس کے پاس ہر بات کا جواب تھا یا پھر نئی اٹال وہ انہیں لاجواب کر رہا تھا۔ بات جہاں سے شروع ہوئی تھی پھر وہیں پر آ کر ختم ہو رہی تھی۔

شبانہ دو گھنٹے اس کے ساتھ مظر ماری کرنے کے بعد اٹھ کھڑی ہو گئیں۔ دوسرے سے کس نہیں ہوا تھا۔ اور اس کا یہ فیصلہ ان سب کے لیے بہت پریشانی کا باعث بن رہا تھا۔

”تم بہت بچھاؤ گے۔ یاد رکھنا اسامہ! بہت بچھاؤ گے۔“

اسامہ نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے ان کو کہتے سنا مگر اس نے جواباً کچھ نہیں کہا۔ وہ جانتا تھا اس وقت وہ جس سوڈ میں تھیں اس سوڈ میں وہ ان سے اسی طرح کے جملوں کی توقع کر سکتا تھا۔ وہ ابھی طرح جانتا تھا کہ ان کی کئی ہوئی بہت سی باتیں جس کی علاوہ کچھ بھی نہیں تھیں۔ اسے نہ تو کوئی عاقبت کرنے والا تھا نہ ہی مگر سے نکال سکتا تھا۔ ایسا کرنا اپنے ہی مگر کو ختم کرنے کے برابر ہے اور سوڈ یا شبانہ ایسی حماقت نہیں کر سکتے تھے۔ مگر وہ یہ بھی جانتا تھا کہ صند سے اگر اس کی شادی ہو بھی گئی اور وہ اس مگر میں آ بھی گئی تب بھی شبانہ اور دوسرے مگر والے اس کے لیے بہت سے مسائل مگرے کرنے والے تھے۔ اس لیے۔۔۔ وہ جلدی کی سے الگ مگر کے بارے میں بھی سوچ رہا تھا۔ اور صرف الگ مگر کے بارے میں ہی نہیں بلکہ اپنے حواصق پر اس یا جاب کے بارے میں بھی۔

صند کے کہنے پر وہ ایک دن پہلے طلحہ سے بھی اس معاملے پر دوبارہ بات کر چکا تھا مگر طلحہ کے تہور دیکھ کر اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کسی قیمت پر اپنا فیصلہ بدلنے والا نہیں تھا۔ اور فیصلہ بدلنے کے لیے اسے سمجھ: صرف وقت ضائع کرنے کے حواصق تھا۔ اس لیے اس نے اس معاملے میں بہت جلد تھیما ر ڈال دیے تھے۔ اس کے لیے بہتر تھا کہ وہ صرف اپنے اور صند کے معاملہ کو ہی نہاتا۔

☆☆☆

امبر نے حیرانی سے ایک لمحہ کے لیے صند کا چہرہ دیکھا اور بھریک دم تہبہ لگا کر ہنس پڑی۔ ”تھو مجھے طلاق دے دے گا؟ امپائل۔“

صند نے اسے چند دن بعد فون کر کے اپنے کالج بلوایا تھا صرف وہی جگہ تھی جہاں وہ کسی پریشانی کے بغیر امبر سے مل سکتی تھی۔ وہ میزبہ کی طلاق کے بعد پہلی بار مل رہی تھیں۔ ایک دوسرے کو دیکھ کر دونوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔

”کئی کسی ہیں؟“ صند نے خود پر قابو پاتے ہوئے اس سے پوچھا۔  
”وہ ٹھیک ہیں۔۔۔ روشن کیا ہے؟ اور زہرا اور رابعہ؟“

”وہ بھی ٹھیک ہیں۔“ صند نے کہا۔  
”یہ منصور کی صربانی ہی تھی کہ انہوں نے فون پر ان لوگوں کے آپس میں رابطے پر پابندی نہیں لگائی تھی۔ صند تقریباً ہر روز فون پر ان لوگوں سے بات کرتی تھی۔ مگر فون کسی شخص سے ملاقات کا تہبادل نہیں ہو سکتا تھا۔

کچھ دیر تک وہ آپس میں بے معنی باتیں کرتی رہی تھیں۔ صند نے اسے جو کچھ بتانے کے لیے بلوایا تھا وہ اب اسے بتاتے ہوئے زہرا ہی تھی اور امبر اس کے پاس پوچھنے کے لیے کچھ رہا تھا نہ بتانے کے لیے۔ احساس جرم کے علاوہ اس کے پاس

نہایت کچھ بھی نہیں تھا۔  
پھر بہت مدت کر کے صند نے اسے فیکٹری سے مسود ملی اور ان کے بیٹوں کی بے دلی کے بارے میں بتا دیا۔ امبر بے

گمان کے ساتھ اسے دیکھتی رہی تھی مگر جب صند نے طلحہ کی طلاق کے بارے میں اسے بتایا تو وہ بے اختیار ہنس پڑی۔  
”میرا طلحہ کا رشتہ اتنا کڑو نہیں ہے کہ وہ اسے صرف فیکٹری کی وجہ سے توڑ دے گا۔“ اس نے چند لمحوں کے بعد کہا۔

"دو پاپا جیہ لیکھا ہے۔ دو بھ سے جنت کرتا ہے۔"

مہد نے ہر دو کی ہر دو اپنے اندر اٹھنی محسوس کی۔ امیر کی آنکھوں میں نعرہ آنے والی ہنک سکتے ڈوں تک رہنے والی تھی۔ اور اس کے بعد وہ اپنی اس سبک کو جیسے دیکھ سکتے گی۔

"وہ مجھے نہیں چھوڑ سکتا۔ وہ 2 سے یقین سے کہہ رہی تھی۔" میں اس کی دنیا ہوں اور کوئی شخص اپنی دنیا نہیں چھوڑا کرتا۔"

"اب بھی اتنا اعتبار۔ لوگوں پر اتنا اعتبار امیر! مہد نے بے اختیار اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

"تم رشتی کی وجہ سے کہہ رہی ہو۔ ہاں وہاں میں نے دھوکا کھایا۔ مگر یہاں میں دھوکا نہیں کھا سکتی۔ وہ دو تھی تھی۔ پر جنت ہے۔ جنت بھی جھوٹی نہیں ہوتی۔ خود غرض نہیں ہوتی۔ وہ پرست نہیں ہوتی۔ اور پھر غلط سے میرا خونی رشتہ ہے۔ کزن بھی ہے۔ میرا بالکل مسودہ کو جانتی ہوں۔ وہ کتنا چاہتے ہیں ہمیں۔ وہ ہمارے باپ کی غلطیوں کی سزا ہمیں دیں گے۔ کبھی نہیں؟"

اس نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"تمہارا رابطہ ہے غلط بھائی کے ساتھ؟" مہد نے پوچھا۔

امیر کے چہرے کا رنگ یک دم چپکا ہوا "نہیں۔ وہ کراچی گیا ہوا ہے۔ تمہیں بتایا تو تمہا میں نے۔"

"وہ کراچی سے کئی مہینے پہلے واپس آچکے ہیں اتنے دن وہ کراچی نہیں رہ سکتے تھے۔"

امیر اسے دیکھتی رہی۔ "ہو سکتا ہے وہ صرف ہو یا اس نے ویسے ہی رابطہ کرنا مناسب نہ سمجھا ہو۔" اس کی آواز میں

کو کھل پان تھا۔

"یادو مجھ سے کچھ ناراض ہو، تمہیں بتایا تھا میں نے وہ بھی یہ سمجھتا ہے کہ رشتی کو پاپا کے ہاں جاب دلوانا میری غلطی تھی۔"

امیر اب گراؤ ڈنڈے گئے ہوئے درختوں کو دیکھ رہی تھی۔

"امیر امی سے کہو کہ مسودہ بالکل کو مسودہ بالکل کے پاس بھجوائیں تاکہ وہ انہیں سمجھائیں بلکہ میری خود ان کے پاس جائیں۔ تم بھی جہاں غلط سے رابطہ کرنے کی کوشش کرو۔ وہ لوٹ وہی کرنے والے ہیں جس میں تمہیں بتا رہی ہوں۔"

"نہیں کریں گے مہد! تم خواہنا وہ پریشان ہو رہی ہو۔ مجھے یقین ہے وہ ایسا نہیں کریں گے۔ وہ اتنے خود غرض اور غلام نہیں ہو سکتے۔"

"کوئی کیا ہو سکتا ہے۔ تم نہیں جانتیں امیر! تم لوگوں کو جاننے اور پہچاننے کی صلاحیت نہیں رکھتیں۔"

"صرف رشتی کہ۔ ہائی تو میں نے کسی شخص کو جاننے یا پہچاننے میں کبھی دھوکا نہیں کھایا۔"

"پہلے نہیں کھایا تو اب کھانوں گی جو میں کہہ رہی ہوں وہ کرو۔" مہد نے ہڈ زور لہجے میں کہا۔

"تم نے اسامہ سے بات کی ہے؟"

"ہاں اس سے ہماری بات ہوتی رہتی ہے وہ مجھے مطلقاً نہیں دے رہا۔" مہد کہہ کر وہی پھر اس نے کہا۔

"لیکن میں اس پر بھی اعتبار نہیں کر رہی۔ آج وہ جسکو دے رہا کل دے سکتا ہے۔ پرسوں دے سکتا ہے۔"

امیر ہنس بھینکے بغیر اسے دیکھ رہی تھی۔ "میں نے اب ہر ایک پر اعتبار کرنا چھوڑ دیا ہے۔"

"غلط مجھ سے بہت جنت کرتا ہے مہد! امیر نے پتہ نہیں اسے کیا تانے کی کوشش کی۔

"وہ دولت سے کبھی بہت جنت کرتا ہے۔"

"وہ دولت اور امیر میں سے دولت کا انتخاب تو نہیں کر سکتا۔"

"اگر اس نے کر لیا تو؟" امیر بہت دیر تک اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"میں اب کس جگہ جاتی ہوں۔ تمہیں کس جگہ سے لکھا بات کہہ تھی؟" اس نے مہد کو دیکھتے بغیر کہا۔

"مہد بھی اٹھ کر کھڑی ہو گئی "ہاں۔"

"پھر میں چلتی ہوں۔"

"ایک منٹ۔" منہ نے اسے روکا پھر اچانک کھول کر اس کے امد سے ایک چھوٹا بیک نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔  
 "یہ کیا ہے؟" امبر نے ہاتھ بڑھائے بغیر کہا۔

"اس میں تھماری جیولری ہے۔۔۔ میں نے تمہارے کمرے سے نکال لی ہے تم لے جاؤ۔ ضرورت نہ ہو سکتی ہے اور اس میں کچھ رقم بھی ہے۔ تمہیں ضرورت ہوگی۔"

امبر نے کچھ کہے بغیر وہ بیک پکڑ لیا۔ اس کے ہونٹ کانپ رہے تھے منہ نے اس کا کندھا جھپٹایا۔  
 "سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔" اس نے جھوٹی قہقہہ دی۔

وہ دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے کانچ کے گیٹ تک آ گئیں۔

"مگر کیسے جاؤ گی؟" منہ نے پوچھا۔

"زکٹ پر۔" امبر نے کہا۔ "انہی عادت میں ہو پاری اس پر سزا کرنے کی جگہ ہو جائے گی۔ کچھ وقت گزارے گا تو ہو جائے گی۔" اس کے لہجے میں کھوکھلا پن تھا۔

"راہبہ زارا اور روشان کو پیار کرتا۔"

منہ نے سر ہلایا۔

"روشان سے ایک بار سبھی بات کر دو۔" اس نے ایک بار بھی مجھ سے بات نہیں کی۔ کیا وہ ابھی تک ناراض ہے مجھ سے؟"

"نہیں وہ ناراض نہیں ہے۔ بس پریشان رہتا ہے۔ مگر میں ابھی زیادہ تر نہیں ہوں۔" میں تھماری بات کرناؤں کی اس سے۔  
 منہ نے ایک بار پھر جھوٹ بولا۔ کچھ دیر وہ گیٹ پر کھڑی ایک دوسرے کو دیکھتی رہیں پھر امبر نے کچھ کہے بغیر گیٹ سے باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔ منہ دور کھڑی اسے دیکھتی رہی۔ وہ خود اعتمادی جو اس کی جال کا خاصہ تھی وہ غالب ہو چکی تھی۔ اس کے قدموں میں بڑ کھڑا ہٹ نہیں مگر شکست خوردگی ضرور تھی۔ منہ کی آنکھیں اٹھلا گئیں۔

☆☆☆

"بیٹھو؟" منصور نے خشک لہجے میں سامنے پڑی کرسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے روشان سے کہا جسے منہوں نے کچھ دیر پہلے اسٹڈی میں بلوایا تھا۔ وہ آگے بڑھ کر کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس کے چہرے پر وہی سرد مہری تھی جو پچھلے کچھ ماہ میں مستقل طور پر نمودار ہوئی تھی کہ اس کے چہرے پر رہنے لگی تھی۔

"مجھے کیوں بلوایا ہے یہاں پر؟" اس نے بیٹھے ہی اکڑا لہجہ میں کہا۔

"تم سے کچھ ضروری باتیں کرنی ہیں۔" منصور علی نے سنجیدگی سے کہا۔

وہ اب اس کی اس بات کو دیکھ رہے تھے جو اس نے بالکل ان کے سامنے بیٹھے ہوئے دوسری ٹاگ پر رکھی تھی اور جیسا اس نے پہلی بار کیا تھا۔

"میں نے سمجھنا چاہا اور اسامہ کو اپنی جگہ سے الگ کر دیا ہے۔"

"جاننا ہوں۔" وہ وہی سرد مہری سے بولا۔

"منہ نے بتایا ہو گا نہیں۔"

روشان اس بار خاموش رہا مگر ناگواری اس کے چہرے پر جھک رہی تھی۔ منصور نے ایک گہرا سانس لیا۔

"یہ جگہ میں نے طلبہ یا اسامہ کے لیے نہیں بنائی تھی۔ یہ جگہ میں نے تمہارے لیے بنائی تھی۔ میری عاقبت تھی کہ میں نے ان لوگوں کو اسے چلانے کے لیے رکھ لیا۔ عاقبت کچھ لو یا پھر بیٹھو لیکن اب میں نے ان سے نجات حاصل کر لی ہے۔" منصور اس کے چہرے کو بخور دیکھتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ روشان کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔  
 "منہ دوسرے۔" اس فیصلے پر اعتراض ہے۔ وہ اب بھی چاہیے اسامہ اس کا شوہر تو اور ظاہر ہے وہ چاہتی ہوگی کہ جگہ میں اس کے

شوہر کے ہاتھ سے نہ نکلے۔"

"صنڈ کے بارے میں ایسی بات مت کریں۔ وہ میری بہن ہے۔" روشان نے حکم ان کی بات کا لی۔

"دولت بڑے سے بڑے اور گہرے سے گہرے رشتے کو قسم کر دیتی ہے۔" منصور نے اطمینان سے کہا۔

"جیسے آپ نے کر دیا۔"

"اس وقت میں اپنی بات نہیں کر رہا ہوں۔" منصور کا لہجہ کھردرا ہو گیا۔ "میں تمہاری بات کر رہا ہوں۔ تمہارے مستقل کی بات کر رہا ہوں۔ وہ ٹیکسٹری تمہاری ہے۔ تمہارے لیے ہے۔ کسی دوسرے شخص کا اس پر کوئی حق نہیں ہے اور میں نے طور اور اسامہ کو صرف تمہارے لیے وہاں سے نکالا ہے۔"

"آپ جھوٹ بول رہے ہیں۔ آپ نے انہیں وہاں سے اپنی بیوی کے کہنے پر نکالا ہے۔"

"نہیں۔ رشتی نے مجھ سے اس بارے میں کچھ نہیں کہا۔" منصور نے جھوٹ بولا۔

"آپ نے میرے لیے ان لوگوں کو ٹیکسٹری سے علیحدہ کیا ہے تو میں چاہتا ہوں کہ آپ انہیں واپس وہاں لے آئیں۔"

"تم بے وقوف ہو۔ اس عمر میں سب بے وقوف ہی ہوتے ہیں۔" منصور علی نے اسے جھڑکا "کہوڑوں کی ٹیکسٹری تم ان

لوگوں کے ہاتھ میں دینا چاہتے ہو جو تمہارے جوان ہونے تک اس کو ہڑپ کر جائیں گے۔"

"حقیقت تو یہ ہے پاپا! کہ مجھے آپ سے اور آپ کی ٹیکسٹری سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔"

منصور کے چہرے کا رنگ بدلا۔ "ٹھیک ہے اگر تم کو ان معاملات میں کوئی دلچسپی نہیں ہے تو پھر تم ان معاملات سے دور

ہی رہنا۔ اس بارے میں صنڈ کی طرف داری کرنے کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔"

"وہ میری بہن ہے۔"

"وہ اسامہ کی بیوی بھی ہے اور اسے تم سے زیادہ اسامہ کی پرواہ ہے۔"

"اسامہ بھائی آپ کے بچے ہیں۔ پرواہ تو آپ کو بھی ہونی چاہیے ان کی۔"

"تم سے زیادہ پرواہ ہونی چاہیے مجھے اس کی؟"

روشان کچھ نہیں بولا۔

"روشان! میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں اور یہ میری محبت کا ثبوت ہے کہ میں نے تمہاری تمام بدلتیزیوں کے بارے

میں یہاں اپنے گھر میں رکھا ہوا ہے لیکن تم میری اس محبت کو میری کمزوری مت سمجھنا۔ اولاد کا کیا ہے۔ رشتی سے مل جانے کی

مجھے۔"

روشان نے چونک کر اٹھیں دیکھا۔ "اور تم لوگوں سے بہتر ہی ہوگی وہ اولاد۔۔۔۔۔ ابھی تو میں سب کچھ تم کو پیار سے کہا

رہا ہوں مگر کب تک؟ میں تمہارے بچے نہیں کرتا نہیں پھروں گا۔ تم کو احتساب کا حق دوں گا کہ تم جب چاہو مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ

مجھے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ صرف تم کو فرق پڑے گا تمہاری بہنوں کی شادیاں ہو جائیں گی وہ اپنے اپنے گھروں میں آرام سے

رہیں گی اور تم؟ تم میری جائیداد سے حاق ہونے کے بعد دیکھو کھاتے پھرو گے۔ ابھی تم کو ٹیکسٹری کی پروا نہیں ہے۔ بہن کی محبت

ستاری ہے۔ کل کو تم بچھڑاتے ہوئے میرے پاس آؤ گے اور میرے گھر کے دروازے بند پاؤ گے پھر سوچو کیا کرو گے تم زمینی

میں؟ منصور تمہارے تمہاری ماں یا تمہاری بہنوں کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔ تم کو شوق ہے تو جا کر کچھ ماہرہ آؤ اس کے پاس۔"

دیکھو وہ کون سی آسائش تمہارے سامنے لا رکھتا ہے۔"

منصور غمی سے کہہ کر خاموش ہو گئے پھر انہوں نے ایک سر جھٹک لیا۔

"تمہارے لیے میرے پاس صرف ایک فیصلہ ہے۔۔۔۔۔ صرف اپنے بارے میں سوچو۔ ماں کے بارے میں نہیں بہنوں

کے بارے میں بھی نہیں۔ صرف اپنے بارے میں جب ایسا کرنا شروع کرو گے تو تمہیں امداد ہو گا کہ میں تمہارا کتا چاہتا ہوں۔"

ہوں۔ ایسا نہیں کرو گے تو بہت جلد تم بھی اسی حال کو پہنچ جاؤ گے جس حال میں منیزہ اور امیر بیٹھی ہیں۔"

رہنما نے سرفراخ کر سکرٹ کے ان مرنووں کو دیکھا جو منصور علی کے چہرے کو چھپانے کی کوشش کر رہے تھے۔  
وہ کچھ کہے بغیر یک دم اٹھ کر اسٹڈی سے نکل گیا۔

☆☆☆

امبرو بیچ کر پہنچی تھی۔ مگر میں داخل ہوتے ہی ایک عجیب سی خاموشی نے اس کا استقبال کیا۔ اس کی کزن فیضہ لاؤنج میں بیٹھی کوئی بیگزین دیکھ رہی تھی۔ امبرو کو دیکھ کر اس نے بیگزین نیپل پر رکھ دیا۔ امبرو کو اس کا انداز بہت عجیب لگا۔  
"تم کہاں تھیں امبرو؟" اس نے امبرو سے پوچھا۔  
"میں ہسپتال کے کالج گئی ہوئی تھی اس سے ملنے۔"

"پوچھو کہ ہا تھا؟"

"ہاں گئی کو تار گئی تھی۔ تم کیوں پوچھ رہی ہو؟" امبرو نے رک کر اس سے پوچھا۔  
"اے بی بی پوچھو کے پاس جاؤ وہ۔۔۔" فیضہ کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

امبرو کچھ دیر اس کی بات کے مکمل ہونے کا انتظار کرتی رہی پھر تیزی سے نیزیہ کے کمرے کی طرف بڑھی۔ دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اندر سے باتوں کی آواز آ رہی تھی۔ صفدر اور اس کی بیوی بھی اندر تھے۔ امبرو کے اندر داخل ہوتے ہی کچھ دیر کے لئے خاموشی چھا گئی۔

"کیا بات ہے؟" امبرو بے اختیار دس ہو گئی۔ نیزیہ صفدر یا اس کی بیوی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ان کے چہرے سنجے ہوئے تھے۔ امبرو نیزیہ کی طرف بڑھ گئی۔

"گئی کیا بات ہے؟ آپ لوگ پریشان کیوں ہیں؟" وہ نیزیہ کے پاس صوف پر بیٹھ گئی۔ نیزیہ چپ چاپ اس دیکھتی رہی۔

"تائیں ناں کیا بات ہے؟ کیوں آپ لوگ اس طرح چپ ہیں۔" امبرو نے نیزیہ کے چہرے کی زردی کو محسوس کیا۔  
"مے بتا دیں یوں چھپانے کا کوئی فائدہ نہیں۔ آپ نے اس کو بتانا تو ہے ہی۔" صفدر کی بیوی نے اس خاموشی کو توڑا۔  
امبرو نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ "آپ بتا دیں آئی کیا بات ہے؟"  
"ظہر نے جس میں طلاق بجاوا دی ہے۔" وہ بے چینی سے صفدر کی بیوی کا چہرہ دیکھتی رہی۔ اسے یقیناً سننے میں کوئی غلطی ہوئی تھی۔ ابھی تو وہی دیر پہلے ہی تو وہ صہد سے بات کر رہی تھی۔ ابھی جلدی ایسا کچھ کیسے ہو سکتا تھا۔ اس نے گردن موڑ کر نیزیہ کو دیکھا۔  
"ایک گھنٹہ پہلے رجسٹری آئی ہے۔" نیزیہ کی آواز جیسے کسی کھائی سے آئی تھی۔  
"نہیں کوئی۔۔۔ کوئی غلطی ہوئی ہوگی۔ ہو سکتا ہے کسی اور کی رجسٹری ہو۔ میں۔۔۔ گئی ظہر۔ آپ وہ۔۔۔ نہیں میرے ساتھ تو وہ یہ نہیں کر سکتا۔"

اس نے بے بسی اور بے چینی سے باری باری صفدر اور نیزیہ کو دیکھا صفدر اٹھ کر باہر نکل گئے۔ ان کی بیوی نے ان کی کھائی کی۔

☆☆☆

"منصور علی نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے؟" ناشتے کی ٹیبل پر چائے کا کپ اٹھاتے ہوئے ایک لکھ کے لیے ابران کمال کا ہاتھ شاکت کے اس سوال پر رکھا۔

"ہاں بہت پرانی بات ہے۔ کئی ماہ گزر گئے اس بات کو۔" ابران نے لاہروائی کا مظاہرہ کیا۔  
"تم نے مجھے نہیں بتایا۔"

"یہ کوئی اہم بات نہیں تھی کہ جس میں بتائی جاتی۔ شہر میں روزانہ ایسی کئی غلطیاں ہوتی ہیں۔"

"میں شہر میں ہونے والی غلطیوں کی بات نہیں کر رہی۔ تمہارے بولس پانڈر کی بات کر رہی ہوں۔" شاکت نے اس کے



بارے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔  
 "مہربان، میں پانچ بجے تو ضروری نہیں کہ ہم اس کے ذاتی معاملات میں بھی دلچسپی لیتے پھریں۔"  
 "طلاق کیوں ہوئی؟" شائستہ نے جس کا گلاس ٹھیل پر رکھتے ہوئے ہارون کمال کے چہرے کو غور سے دیکھا۔  
 "ہارون ایک شائستہ اچھے کیا ہے کہ کیوں ہوئی۔ یہ اس کا ذاتی معاملہ ہے۔"  
 "تہہ زنی اس بارے میں اس سے بات تو ہوئی ہوگی۔"

"نہیں، میری کوئی بات نہیں ہوئی۔"  
 "میں جین نہیں کر سکتی پھر نہیں۔ کیسے ہے چلا کر اس نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے۔" شائستہ نے گہروں کو کھینچے

ہوئے کہا۔  
 "تہہ زنی اس بارے میں منصور سے بات ہوئی؟"

"میری کیسے بات ہو سکتی ہے؟"

"تو پھر نہیں کیسے چلا کر منصور نے اپنی بیوی کو طلاق دے دی ہے؟" ہارون کمال نے ترکی پر ترکی کہا، شائستہ نے  
 ایک ہرانا چکا کر اسے دیکھا پھر سہرائی۔

"میرے کچھ ذرا تعلق ہیں جو مجھے ہر بات کی خبر دیتے رہتے ہیں۔"

"میرے بھی کچھ ذرا تعلق ہیں جو مجھے باخبر رکھتے ہیں۔"

"میزبانچی عورت تھی۔" شائستہ نے سوسوسا بدلا۔

"یہی اس کی اچھائی یا برائی کا فیصلہ تو منصور ہی کر سکتا تھا۔"

"میں نے یہ بھی سنا ہے کہ منصور نے اپنی بیکٹری کے ساتھ دوسری شادی کر لی ہے۔"

"ہاں، دوسری شادی کر چکا ہے۔"

"کیسا آدنی ہے یہ منصور؟" شائستہ نے ایک دم پوچھا۔

"یہ کیا سوال ہے؟"

"بہت آسان سوال ہے۔ تمہاری ماں نے پوچھ رہی ہوں اس کے بارے میں۔"

"اچھا آدنی ہے بلکہ بہت اچھا آدنی ہے۔ نہیں یاد نہیں جب پہلی بار تم اس سے ملی تھیں تو تمہیں بھی وہ اچھا لگا تھا۔"

ہارون نے اسے یاد دلایا۔

"ہاں مگر اب میری ماں تھوڑی ہو گئی ہے۔" شائستہ نے جس کا گلاس دوبارہ اٹھایا۔

ہارون نے قہقہہ لگا دیا۔ "کم آن صرف اس کی شادی کی وجہ سے؟"

"صرف شادی کی وجہ سے نہیں، اپنی بیکٹری سے شادی کی وجہ سے۔"

"کیا مطلب؟"

"میں اسے جتنا سمجھ رہا ہوں سمجھتی تھی وہ اتنا سمجھ رہا اور اتنا نہیں سمجھتی ہے۔"

"یہ تم کیسے کہہ سکتی ہو۔"

"اس عمر میں بیوی کو طلاق دے کر بیکٹری سے شادی کرنے والے آدنی کی بےوقوفی کے بارے میں کسی شہادت تو

ضرورت نہیں ہوتی۔"

"منصور کو اس سے بہت ہو گئی تھی۔" ہارون نے مجھے وضاحت دی۔

"اسی لیے تو کہہ رہی ہوں کہ اس آدنی کے بارے میں میری ماں تھوڑی ہو گئی ہے۔ زیادہ قابل احاطہ نہیں۔"

"دوسری شادی یا بیکٹری سے دوسری شادی کوئی عجیب یا انوکھی بات نہیں ہے۔ ہم ڈیڑھوں ایسے لوگوں کو ہتے جیسا ہے

نہارے بچل یہ حالت تو کر چکے ہیں۔"

"ان میں سے کوئی بھی تمہارا بزنس پارٹنر نہیں رہا اگر بزنس پارٹنر اسکی حرکت کے تو سوچنا چاہئے اس کے بارے میں جی اور اس کے ساتھ اسے بزنس کے بارے میں بھی۔"

"میں فی الحال اسکی کوئی سوچ نہیں رکھتا۔ شادی منصور کا ذاتی معاملہ ہے۔ اس کا بزنس سے کوئی تعلق نہیں ہے۔"

"میری خواہش ہے کہ ایسا ہی رہے اور اس کی ذاتی زندگی تم دونوں کے بزنس پارٹنر اخلاقی ہوا شروع ہو جائے۔"

"میں تمہیں رنجش سے طواؤں گا۔"

"رنجش کون؟"

"منصور کی دوسری بیوی۔"

"یوں کہو کہ جی بیوی اور پرانی سیکرٹری۔" شائستہ نے بکا سا قبضہ لگایا۔ ہارون کمال ٹخنو ہوا۔

"چلو طواؤں گا اسے بھی دیکھ لیتے ہیں۔" شائستہ نے کہا۔

"اور منصور کے بچے کہاں ہیں۔ اس کے پاس ہیں؟ یا بیوی کے پاس ہیں؟"

"اس کے اپنے پاس ہیں۔"

"اگر بھی؟" ہارون کمال کو شائستہ کا لہجہ یک دم چمٹا گیا۔ چائے کے کپ پر نظر مرکوز رکھتے ہوئے اس نے جھابڑے بازی دکوائی۔

"ظاہر ہے باقی بچے اس کے پاس ہیں تو وہ بھی اس کے پاس ہوگی۔"

"میں نے سنا ہے کہ وہ میزورہ کے پاس ہے۔"

"ہوگی میں کیا کہہ سکتا ہوں۔ تمہیں بتایا ناں اس سلسلے میں میری منصور سے کوئی بات نہیں ہوئی۔"

"اگر کسی لڑکی ہے؟" ہارون اب مکمل طور پر اس کی طرف متوجہ ہو گیا۔

"تمہارے سوال آج کچھ عجیب سے نہیں ہیں؟"

"میرے سوال؟ کیا بات عجیب ہے ان میں؟"

"تم جانتی ہو مجھے دوسروں کی ذاتی زندگیوں میں کبھی دلچسپی نہیں رہی۔"

"دوسروں کی ذاتی زندگی کہاں سے آگئی ہے یہاں۔ میں تو ابھر کے بارے میں تمہاری رائے جاننا چاہ رہی ہوں۔"

"منصور علی کی بیٹی کے بارے میں میری رائے کیا ہو سکتی ہے۔ میں تو بہت لمبے سے اس سے طاقک گیا۔"

"نہ لٹنے کا یہ مطلب تو نہیں ہوتا کہ انسان کس شخص کے بارے میں رائے بھی نہ رکھے۔"

"تمہیں آخر اس کے بارے میں میری رائے کی آئی فکر کیوں ہونے لگی ہے؟"

"میں نے سنا ہے اسے بھی طلاق ہوگئی ہے۔"

"شائستہ کے ذرائع اطلاعات جو بھی تھے بے حد طاقتور تھے۔ ہارون کمال نے اعتراف کیا۔ "تو؟"

"تو یہ کہ مجھے وہ اچھی لگتی تھی۔"

"شائستہ کے تہرے پر وہ الجھا۔" کیا مطلب؟"

"مجھے وہ تب ہی بہت اچھی لگی تھی جب میں پہلی بار اس سے ملی تھی۔" شائستہ نے جوں کا گلاس دوبارہ اٹھالیا۔ اس کے بارے میں یہ جذبات صرف میرے نہیں تھے۔"

"ہارون اُدگا وہ کہہ دے گی بلکہ تمہارے بھی تھے لیکن ایسا نہیں ہوا۔ وہ کچھ دیر خاموشی سے جوں جی رہی پھر اس نے گھاس

چبھائی۔"

"اسد کو بھی بہت اچھی لگی تھی تو۔"

”اسد کو؟“  
 ”ہاں۔“ شائستہ نے اطمینان سے کہا۔ ”اس نے تب ہی اس کے لیے دلچسپی کا اظہار کیا تھا مگر مجھے پتہ چلا کہ وہ کلاج ہو چکا ہے۔“  
 ”کیا مطلب ہے تمہاری ان ساری باتوں کا؟“ ہارون کمال نے جیسے اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے کہا۔  
 ”مطلب تو صاف واضح ہے۔ اسد شادی کرنا چاہتا تھا اس سے؟“  
 ”واٹ؟“ چائے کا کپ ہارون کے ہاتھ سے چھوٹے چھوٹے پھا۔  
 ”اس میں اتنا حیران ہونے والی کیا بات ہے۔ امیر جتنی خوب صورت لڑکی ہے ایسی لڑکی کو پسند کرنا کوئی انوکھی بات نہیں۔“

”اسد ابھی چڑھ رہا ہے۔“  
 ”جانتی ہوں لیکن وہ کوئی جھوٹا پچ بھی نہیں ہے کہ اس کی شادی پر اتنی حیرانی ہو چھیں۔“  
 ہارون کمال کچھ دیر تک بھی کپے بغیر اسے دیکھا رہا۔  
 ”اسد نے ہی مجھے امیر کی طلاق کے بارے میں بتایا تھا۔“ شائستہ نے اسے خاموش دیکھ کر بتایا۔ وہ چاہتا ہے کہ اب ہم لوگ اسے پرہیز کریں۔ میں نے سوچا پہلے میں تم سے بات کر لوں۔“  
 ”اسد کتنی پارل چکا ہے اس سے؟“  
 ”میں نے تفصیل تو نہیں پوچھی لیکن اس نے کلب میں اسے دو چار بار دیکھا ہے۔“  
 ”اور دو چار بار دیکھنے پر اس نے یہ طے کر لیا کہ اسے امیر کے ساتھ شادی کرنی چاہیے۔“ ہارون کے لہجے میں یکدم عملی عود کر آئی۔

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ تم نے بھی تو مجھے پہلی بار دیکھنے پر ہی مجھ سے شادی کا فیصلہ کر لیا تھا۔“ شائستہ نے بے وجہ عیب انداز میں کہا۔

”تم میری کزن تھیں تمہارے بارے میں جانتا تھا میں۔“  
 ”وہ تمہارے بزنس پارٹنر کی بیٹی ہے جانتے تو ہم اس کے بارے میں بھی ہیں۔“  
 ”اسد کے لیے لڑکیوں کی کمی نہیں ہے کہ وہ ایک طلاق یافتہ لڑکی کی محبت میں گرفتار ہو جائے۔“  
 ”وہ اسے پسند کرتا ہے۔“

”اس عمر میں ہر لڑکی اچھی لگتی ہے۔ تم اس سے کوئی الجھال اپنی تعلیم پر توجہ مرکوز رکھے۔ میں ابھی اس کی شادی نہیں کرنا چاہتا اور جب کروں گا بھی تو کم از کم امیر سے بیگانہ کروں گا۔“ ہارون نے دو ٹوک انداز میں کہا۔  
 ”کیوں امیر میں کیا خرابی ہے؟“

”اس میں کوئی خرابی نہ ہوتی تو اتنی لمبی مدت کے نکاح کے بعد اسے طلاق نہ ہوتی۔“

”ہارون! تم اس کی طلاق کی وجہ کے بارے میں جانتے ہو؟“ ہارون کی کچھ میں نہیں آیا کہ وہ ہاں کہے یا نہیں۔  
 ”میں۔“ اس نے چند لمحوں کے بعد کہا۔

”میں جانتی ہوں۔“ شائستہ نے کہا۔ ہارون کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ یہ عورت آفرس مدیک مطہرات کو کتنی نہیں۔  
 ”مختصر میں نے اپنے بیچھے کے ساتھ اس کا نکاح کیا تھا۔ دوسری شادی کے بعد اس نے اپنے بیچھے کو اپنی پھوڑی سے لے کر دیا۔ اس نے جہاں امیر کو طلاق دے دی۔ اس طلاق میں ذرا احتیاط کے بجائے بزنس انوائٹو ہے۔“  
 ”تھیں۔“ اس نے تپا ہے۔“

ناخون کے گھونٹ لی کر رہ گیا۔

”اسد کو یہ سب کچھ کہاں سے پتہ چلا ہے؟“

”میں نے اس سے نہیں پوچھا۔ لیکن وہ تمہارا چچا ہے۔ اس کے ذرائع معلومات بھی تمہارے جیسے ہی ہوتے ہیں۔“

”میری طرف سے تم اسد کو صاف صاف بتا دو کہ امبر سے اس کی شادی نہیں ہوگی۔“ ہارون کمال نے یک دم کہا۔

”کیوں؟“

”منصور خیزہ کے ساتھ ساتھ امبر کو بھی گھر سے نکال چکا ہے اور امبر کو اپنی بہو بنانے کا مطلب اپنے اور منصور کے تعلق کے درمیان وراثت کا ہے جو میں نہیں کروں گا۔ اسد کی شادی تعلیم مکمل کرنے کے بعد ہمارے جیسے کسی بڑے خاندان میں ہوگی۔ منصور علی جیسے خاندان میں نہیں یہ تم اس کو صاف صاف بتا دو۔“

ہارون کمال اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”اور اگر اسد نے تمہاری بات ماننے سے انکار کر دیا تو؟“ شائستہ نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

”وہ نہیں انکار کرے گا۔ تم اسے سمجھاؤ گی تو وہ انکار نہیں کرے گا اور تم اتنی کچھ وار ضرور ہو کہ اس شادی کے قاعدے اور نقصان کے بارے میں اندازہ لگا سکو۔“ ہارون کمال نے کہا۔

”ہمارے اور منصور علی کے درمیان بزنس پانڈنٹ شپ ضرور ہو رہی ہے لیکن وہ ہمارے سامنے ایک ہونے سے زیادہ کی چیزیں نہیں رکھتا۔ یہ بات تم انہی طرح جانتی ہو۔ پانڈنٹ شپ کو رشتے داری میں بدلنے کا اندازہ میں نہیں رکھتا اور نہ ہی آئندہ کبھی بکھو گا ویسے بھی اسد ابھی بہت چھوٹا ہے۔ چار پانچ سال سے پہلے میں اس کی شادی نہیں کروں گا۔“ ہارون نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

”اگر پھر بھی اس نے شادی پر اصرار کیا تو اس سے کہنا کہ وہ اس کے بعد دوبارہ میرے گھر آنے کی زحمت نہ کرے جس چاہے جائے اور ہے۔ میں پرہیز نہیں کروں گا۔“

وہ کہتے ہوئے ایک جھٹکنے سے وہاں سے نکل گیا۔

شائستہ نچھل پر ہنسی جوں کے گلاس کو اپنے دونوں ہاتھوں کے درمیان چھماتے ہوئے سوچوں میں گم تھی۔ اسے کوئی شبہ نہیں تھا کہ اسد کی ضد پر ہارون وہی کرے گا جس کا وہ ابھی کچھ دیر پہلے اعلان کر کے گیا تھا اور اسے اب یہ سوچنا تھا کہ وہ اسد کو کس طرح ہارون کی ناپسندیدگی کے بارے میں آگاہ کرے گی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ اسد اور امبر کا آپس میں کوئی خاص تعلق یا رابطہ ہوگا کیونکہ اسد باہر تعلیم حاصل کر رہا تھا۔ صرف چھٹیوں میں وہ پاکستان آیا کرتا تھا اور یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ اس نے اپنی ہی چھٹیوں میں امبر کو دیکھا تھا اور دیکھنے کے فوری بعد اس نے شائستہ سے اس کے بارے میں بات کی تھی پھر یہ جاننے کے باوجود اس کا نکاح ہو چکا تھا۔ وہ مسلسل اس کے بارے میں معلومات حاصل کرتا رہا۔ چھٹیاں ختم ہونے کے بعد باہر جانے پر بھی امبر کو اس نے اپنے ذہن سے نہیں نکالا اور اب جب وہ گریجویٹ بننے کے بعد واپس آیا تھا تو آنے کے کچھ دنوں کے بعد ہی اس نے ایک بار پھر شائستہ سے امبر کے بارے میں بات کی تھی۔

منصور علی اور خیزہ کی طلاق کے بارے میں بھی اسے اسد نے ہی آگاہ کیا تھا۔ اور شائستہ کو اس اطلاع پر شاک لگا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ ہارون کے ایک بزنس پانڈنٹ کے ساتھ ہونے والے ایسے واقعے کے بارے میں اسے اس طرح بے خبر بھی رکھا جاسکتا تھا۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ منصور علی اور اس کی بیٹی کو وہ پہلے کی طرح اپنے گھر پر کسی دعوت پر نہیں بلا سکی کیونکہ اس نے خود کچھ مرسد بیرون ملک گزرا تھا۔ ہارون کمال نے بھی اسے منصور علی کی بیٹی کو اپنے ہاں پہلے کی طرح بلانے کے لیے نہیں کہا تھا نہ ہی خود منصور علی کی طرف سے ان لوگوں کو کوئی بلاوا ملا تھا۔ واپس آنے کے بعد شائستہ اپنے سوشل سرکل میں اتنی مصروف رہی کہ اسے خیزہ یا منصور علی کے بارے میں ہارون سے کچھ بھی کہنے کا موقع نہیں ملا اور اب چند ماہ کے بعد جب اسد کے توسط سے یہ خبر ملی تو وہ حیران رہ گئی تھی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ منصور علی اور خیزہ کے درمیان اس طرح طلاق ہو سکتی تھی وہ وہاں بر ملا قات پر آپس میں بے حد خوش نظر آتے تھے۔ شائستہ کا اندازہ تھا کہ منصور علی ایک عمل پیرا آدمی ہیں تھے۔ کیونکہ وہ جس

سرکل میں اعلیٰ چھٹی تھی وہاں اس نے کبھی منصور علی کے بارے میں کوئی بات نہیں سنی تھی۔ شاید اس کی ہجر یہ بھی تھی کہ منصور بہت سوکھ نہیں تھے۔ اگر وہ منصور کے بارے میں کچھ نہ کچھ سنی رہتی تو شاید اسے اس طرح ان دونوں کی ملحدگی کے بارے میں کوئی حیرانی نہ ہوتی لیکن اس طرح اچانک۔

اور اب اسے اسد اور ہارون کے بارے میں پریشانی ہو رہی تھی۔ اسد ضدی تھا اور ہارون دوسروں کو اپنے پاؤں سے نیچے رکھنے والا۔ اب یہ شائستہ کے ہاتھوں میں تھا کہ وہ اس معاملے کو خوش اسلوبی سے حل کرے۔ اسے ہارون کی بات میں اذیت نظر آ رہا تھا۔ اس صورت حال میں امبر سے اسد کی شادی ان کے لیے کوئی زیادہ مفید سودا نہیں تھا اور اب اسے اسد کو کبھی بات سمجھانی تھی۔

☆☆☆

”پاپا سے آپ کی بات ہوئی؟“ اسد ہارون کے جانے کے چند منٹوں بعد ڈانگ روم میں داخل ہوا۔ شائستہ ابھی وہیں بیٹھی ہوئی تھی۔ اسد نے اندر آتے ہی بنا کسی تمہید کے کرسی کھینچتے ہوئے کہا۔

”اتنے بے مہرے کیوں ہو رہے ہو اسد؟ آرام سے بیٹھ جاؤ۔“ شائستہ نے بڑے لاڈ سے اسے پچھکارتے ہوئے کہا اور جوا بٹس دیا۔

”بے مہرا تو نہیں ہو رہا۔ بس جاننا چاہ رہا ہوں کہ پاپا کا کیا رد عمل تھا۔“

اس نے کپ اٹھا کر سامنے رکھا۔ شائستہ نے ٹیپکین سے منہ صاف کرتے ہوئے اس کو دیکھا۔

”تمہارا کیا خیال ہے ہارون نے کیا کہا ہوگا۔“

اسد نے کندھے اٹکائے۔ ”پاپا کے ری ایکشن کے بارے میں کچھ بھی پوچھن کوئی کرنا بہت مشکل ہے ویسے میں کہتا ہوں ناراض نہیں ہوتے ہوں گے۔“

شائستہ چکا سالی۔ ”بالکل قطہ... ہارون کے بارے میں تمہارے اندازے واقعی غلط ہیں۔ تمہارے پاپا بہت ہارن ہوئے ہیں۔“

اسد چائے کا کپ ہونٹوں تک لے جاتے ہوئے رک گیا۔ اس کے چہرے پر اب مسکراہٹ نہیں تھی۔ ”ناراض ہونے جیسا؟“ وہ کپ واٹس نیکل پر رکھتے ہوئے بولا۔ ”اس میں ناراضی والی کون سی بات ہے؟“ اس نے شائستہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”بہت ساری باتیں ہیں۔“

”مثلاً...؟“

”مثلاً یہ کہ ہارون کا خیال ہے جسہیں ابھی اپنی تعلیم پر توجہ دینا چاہیے۔“

اسد نے سر جھٹکا ”تو رگ ڈسک ٹی۔ گریجویٹیشن کرنی ہے میں نے۔“

”ہارون کے نزدیک گریجویٹیشن کافی نہیں ہے۔ اور میرا بھی یہی خیال ہے۔“ شائستہ سنجیدہ ہو گئی۔

”اور میں نے کب کہا ہے کہ میں تعلیم ختم کر رہا ہوں۔“

”ہارون چاہتے ہیں کہ تم اپنی تعلیم جاری رکھو اور جب تمہاری تعلیم ختم ہو جائے تو اس کے بعد تم ان معاملات کے بارے میں سوچو۔“

”میں بھی فوری طور پر تو شادی نہیں کرنا چاہتا۔ صرف یہ چاہتا ہوں کہ آپ میری انگیجمنٹ کر دیں۔“

”ہارون انگیجمنٹ پر بھی تیار نہیں ہیں۔“ شائستہ نے ٹی میں سر ہلا دیا۔

”وجہ؟“

”وہ ابھی مناسب نہیں سمجھتے۔“

”لو کے فائن۔۔۔ پھر آپ ان سے کہیں کہ وہ امبر کے گھر والوں سے زبانی ہی بات کر لیں۔“ اسد نے کندھے اٹکائے

”اسد! تمہاری شادی چار پانچ سال سے پہلے نہیں ہو سکتی۔ اور چار پانچ سال پہلے معنی کر دینا نسبت ضمیر اور کیا معنی رکھتا ہے۔“

”میرے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا۔“

مگر امیر کے لیے رکھتا ہوگا۔ ”اسد نے کہا“ میں نے آپ کو بتایا تھا اسے چند دن پہلے طلاق ہوئی ہے۔“ اس نے چائے کے کپ سے پیلا کھونٹ لیا۔ ”اور اب ظاہر ہے طلاق کے بعد وہ لوگ اسے چار پانچ سال تو بٹھا کر نہیں رکھیں گے۔ ویسے بھی ان کے گھر میں جس طرح کے حالات ہیں اس میں امیر کی مدد بھی جلد از جلد اس کی شادی کر دینا چاہیں گی۔ آپ ان سے بات کر لیں گی تو کم از کم انہیں یہ تو پتا چل جائے گا کہ میں اس میں اتر سکتا ہوں۔“

”دیکھو ابھی اس کی طلاق ہوئی ہے۔ فوری طور پر تو وہ اس کی شادی نہیں کریں گے نہ ہی ابھی ان کے ساتھ اس موضوع پر بات کرنا مناسب ہے۔ چند ماہ گزر جانے دو پھر دیکھیں گے۔“ شائستہ اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔ ”تم اس دوران اپنے اپنے میٹن کو فائل کر لو اپنی توجہ کو یہاں مرکوز رکھو۔“

”اور اگر اس دوران امیر کی کہیں نسبت ملے ہوگی تو؟“

”نہیں ہوگی.....“ شائستہ نے لاپرواہی سے کہا۔ ”تمہیں ان کے فیملی کرائس کا تو پتہ ہی ہے۔ اس قسم کی صورت حال میں کون ہے جو ایسے ہی پریوزل لے کر پہنچ جائے۔“

”مٹی اگر میں اس قسم کے حالات کے باوجود اس میں انٹرفیڈ ہو سکتا ہوں تو پھر کوئی اور بھی ہو سکتا ہے؟“ اسد نے شائستہ کو فوراً سے دیکھتے ہوئے کہا۔

”کوئی اور اگر ہوتا ہے تو ہونے دو۔ ہمیں پروا نہیں ہے۔ ہمیں جب ضرورت ہوگی تو ہم اس کے بارے میں سوچیں گے۔“

اسد نے چائے کا کپ ایک بار پھر نیل پر رکھ دیا۔

”جب ضرورت ہوگی تب اس کے بارے میں سوچیں گے۔ اس کا کیا مطلب ہوا آپ مجھے بتائیں گی؟“

شائستہ اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ ”میں آپ سے کہہ رہا ہوں کہ آپ ابھی ان سے رابطہ کریں۔“ اسد کے لہجے میں ناراضی تھی۔

”آپ کہہ رہی ہیں کہ جب ضرورت ہوگی تب سوچا جائے گا۔ کبھی آپ کہہ رہی ہیں کہ میں اپنی نصیحت پر توجہ دوں۔“

”I don't get it“ میں اسکول کا اسٹوڈنٹ نہیں ہوں۔ میں بڑا ہو چکا ہوں گی۔۔۔ میرے معاملات کو سنجیدگی سے لینا چاہیے۔“

”اور آپ کو مجھے سنجیدگی سے لینا چاہیے۔“

اس کا انداز تہمتی تھا۔

”اسد تم.....“ شائستہ نے کچھ کہا جا پا۔

اسد نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”کیا یہ بہتر نہیں ہے کہ آپ مجھ سے بہت صاف لفظوں میں بات کریں۔ میری انجینئرنگ کو ایک طرف رکھ دیں تو پھر اور کیا چہرہ جالی ہے۔“

”ٹھیک ہے تم صاف صاف سننا چاہ رہے ہو تو سنو.....“ شائستہ بھی اس بار کچھ ناراض ہو گئی۔ ”ہارون! امیر سے تمہاری شادی کرنے پر تیار نہیں ہے۔“

اسد نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔ ”پائلٹ میں بھی سننا چاہ رہا تھا۔ اصل بات.....“

”منصور! ہارون کا بزنس پارٹنر ضرور ہے۔“ شائستہ نے اس کے جملے کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ ”لیکن

بارون اس تعلق کو رشتہ داری میں بدلنا نہیں چاہتا۔"

"کیوں...؟"

"ضروری نہیں ہے کہ میں اس کی ہر بات کو... ہر فیصلے کو سوالیہ نشان بناؤں۔"

"آپ نہ بتائیں... میں تو بتا سکتا ہوں۔ مجھے پوچھنے کا حق ہے۔ ایک "پرنس پارٹنرشپ" رشتے میں کیوں نہیں بدلنا چاہتا؟"

"بارون اگر یہ نہیں چاہتے تو یقیناً اس کی کچھ غصوں و جربات ہوں گی۔" شائستہ نے کہا۔

"تو میں آپ سے وہی غصوں و جربات تو جاننا چاہتا ہوں۔ آپ مجھے وہ غصوں و جربات بتا کر قائل کر لیں۔ میں دوبارہ اس معاملے پر بات تک نہیں کروں گا۔"

"امیر انجلی لڑکی نہیں ہے۔"

"ہیہا...؟" اسد حیرانی سے شائستہ کا چہرہ دیکھنے لگا۔ "یہ آپ کہہ رہی ہیں؟"

"یہ میں نے نہیں بارون نے کہا ہے۔" شائستہ نے اپنی نظر گھرائی۔

"پاپا امیر کو کس حد تک جانتے ہیں؟"

"وہ ان کے پرنس پارٹنر کی بیٹی ہے۔ وہ یقیناً اسے تم سے بہتر جانتے ہوں گے۔"

"نہیں میں نہیں سمجھتا کہ وہ اسے مجھ سے بہتر جانتے ہیں۔" اسد نے دو ٹوک لفظوں میں کہا۔ "میں اس کے بارے میں

بہت زیادہ معلومات رکھتا ہوں اور کم از کم کسی نے اس کے بارے میں یہ نہیں کہا کہ وہ اچھی لڑکی نہیں ہے۔"

"تمہارا ذریعہ معلومات جان سکتی ہوں میں؟" شائستہ نے چہیتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔" اسد نے ہنسنے اُچکاتے ہوئے کہا۔

"اس کا مطلب ہے کہ ان معلومات میں سچائی نہیں ہے۔" شائستہ نے سنجھی سے کہا۔

"اس کا یہ بھی مطلب ہو سکتا ہے کہ میں کچھ باتیں آپ کو بتانا نہیں چاہتا۔"

شائستہ نے ایک گہرا سانس لیا۔ اسے اسد سے اسی طرح کے رد عمل کی توقع تھی۔ وہ بے حد صاف گو تھا۔ اور وہ شراب سے ہی ایسا تھا مگر آج کبھی اس کی صاف گوئی اسے پریشان کر رہی تھی۔

"غصوں و جربات؟ غصوں و جربات پر بات کرنی ہے نہیں۔" اسد نے ایک بار پھر شائستہ کو گھنگھو میں داپہیں کھینچا۔

"وہ ایک غلط بات ہے۔" شائستہ نے اس پر تیز آواز میں کہا۔

"تم آن کی۔" اسد نے ہاتھ ہولکا۔ "آپ اس طرح کہہ رہی ہیں کہ جیسے سو سال کی شادی شدہ زندگی گزار کر اسے غلطی ہوئی ہے۔" شائستہ ہونٹ بھینچے اسے دیکھتی رہی۔

"کناج ہوا تھا اس کا... شادی نہیں... کناج اور عقلی میں کوئی زیادہ فرق نہیں ہوتا۔"

"بہت فرق ہے کناج اور عقلی میں۔"

"کیا فرق ہے؟ آپ تاویں تاکہ مجھے بھی تو بتا چلے۔" اس نے فزکی پہ فزکی کہا۔ "اور جہاں تک اس کی حدائق تعلق ہے تو میں جانتا ہوں اس کو کیوں ہوئی ہے۔" اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ "اس کے باپ نے اس کے شوہر کو ٹیکسٹری سے اٹ کر دیا۔ اس کے شوہر نے جہاں اس کو غلطی دے دی۔ اس قسم کے حالات میں ایسا ہی ہوتا ہے۔"

"تم ابھی بہت کم عمر ہو۔ بہت ساری چیزیں کو تم نہیں سمجھ سکتے۔" شائستہ نے کہا۔

"کم از کم میں آپ سے اس قسم کی بچکانہ بات کی توقع نہیں رکھتا تھا۔ میں سال کا ہو چکا ہوں۔ بچے نہیں ہوں۔ بچا

"اس کے اچھے شوہر کے ساتھ کس طرح کے تصورات رہے ہوں گے تم کو اعزاز دے اس کا۔"

"ہاں مجھے اعزاز ہے۔" اسد نے لاپرواہی سے کہا۔ "میں جانتا ہوں وہ اجنبی رہی ہے اس سے۔ کیا نام ہے اس کا؟" اسد نے ایک لڑک کر اس کا نام یاد کیا۔ "ہاں طوطا۔۔۔۔۔ سووات۔۔۔۔۔"

"اور تمہارے لیے یہ بات کوئی معنی نہیں رکھتی؟" شائستہ نے بے چینی سے کہا۔

"نہیں میرے لیے یہ بات کوئی معنی نہیں رکھتی۔ ظاہر ہے دونوں ایک دوسرے میں اعتراض تھے۔ رشتہ تھا ایک ان کا ملنے کا حق تو نہیں۔"

"اور اس حق میں وہ کیا کچھ نہیں کر چکے ہوں گے تم سوچ سکتے ہو؟" شائستہ نہیں جانتی تھی یہ جملہ اس کی زبان پر کہاں سے آیا تھا۔ لاشعور سے۔ باہمی سے۔۔۔۔۔ اسد ایک لمبے چپ ہو کر اس کا چہرہ دیکھتا رہا اور پھر اس نے کہا۔

"اچھا۔۔۔۔۔ کر لیا ہو گا انہوں نے کچھ تو۔۔۔۔۔؟"

شائستہ اس بار اپنی آواز پر قابو نہیں رکھ سکی۔ اس نے تقریباً چلاتے ہوئے کہا۔ "تو۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔؟ تمہارے نزدیک اس کی کوئی اہمیت ہی نہیں ہے۔ تمہیں پرواہی نہیں ہے کہ ان کے تعلقات کی نوعیت کیا رہی ہے۔ شیم آن ہو۔"

"مسی میں بھی کوئی saints' day پر پیدا نہیں ہوا۔ ہزار اٹھتھوڑ تو میرے مگے رہے ہیں۔ پھر میں کیا کرتا رہا ہوں آپ کو پتا ہے؟" اسد نے بھی اتنی ہی بلند آواز کے ساتھ کہا۔

"اپنے آپ کو ایک لڑکی کے لیے اتنا نیچے مت گراؤ۔" شائستہ کی آواز اس بار بلند نہیں تھی مگر اس کا چہرہ ہنسنے سے سرخ ہو رہا تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا ہے کہ آپ اس بات پر اتنا فحس کیوں کر رہی ہیں۔"

"فحس تو تم نے کھڑا کر رکھا ہے۔ وضع کرو اس لڑکی کو۔ کیا رکھا ہے اس میں۔ اس بھی لاکھوں ہیں۔"

"ہوں گی مگر مجھے وہی چاہیے۔ کل تک آپ میرے ساتھ تھیں۔ مجھے بتا رہی تھیں کہ ہاں امیر اچھی خوبصورت لڑکی ہے۔ مجھے بھی بیش بہا لڑکیوں کی ہے۔" اسد نے شائستہ کے ہنسنے دہرائے۔ "اور اب پاپا کے ساتھ میں سنٹ کی ایک ملاقات

کیا ہوئی ہے کہ آپ کی ٹون بدل گئی ہے۔"

"میری ٹون اس لیے بدل گئی ہے کیونکہ سوریٹھی کوئی چیز ہوتی ہے جن کے بغیر کوئی زندگی نہیں گزار سکتا۔ اور تمہارے اندر سوریٹھی نام کی کوئی چیز نہیں رہی۔ تم آنکھیں بند کر کے کچھ میں کوئی کی تیاری کر رہے ہو۔"

شائستہ کے اس جملے نے پہلی بار کج معنوں میں اسد کو ہلایا۔

"سوریل دلچیز۔۔۔۔۔" اس نے سرخ چہرے کے ساتھ کہا۔ "اب آپ مجھے بتائیں گی کہ سوریٹھی کیا ہوتی ہے۔ اور کیا نہیں۔ زندگی گزارنے کے گراب مجھے آپ سے دیکھنے چاہیے گے۔؟"

"وہ آپ سے باہر ہو رہا تھا۔" میں اچھی طرح جانتا ہوں۔ سوریٹھی کیا ہوتی ہے۔ کم از کم مجھے اس پر آپ سے پتہ نہیں چاہیے۔"

"آئیے آدابہ لڑکی کو لا کر میرے سر پر بٹھانا چاہے ہو۔ اور کہہ رہے ہو کہ تم کو سوریٹھی کا پتا ہے۔"

"آدابہ کی کیا آدابہ کی ہے اس نے؟"

"طوطا کے ساتھ بھرتی رہی ہے وہ۔" شائستہ فرمائی۔

"طوطا کا شوہر تھا۔"

"صرف نکاح ہوا تھا اس کے ماں باپ نے اسے رخصت نہیں کیا تھا مگر۔"

"اپنے شوہر کے ساتھ پھر اللہ ہے۔؟" اسد کا لہجہ بے حد عجیب تھا۔

"ہاں اللہ ہے۔"

"تو۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔؟"



”نہیں، کچھ نہیں ہوتا۔“

”اگر اس مرد کے ساتھ پھر نقطہ ہے جس کے ساتھ صرف نکاح کا رشتہ ہو تو پھر ان مردوں کے ساتھ پھرنا بھی غلط ہے؟“ جن کے ساتھ کوئی تعلق سرے سے ہو ہی گا؟“

”جس ان مردوں کے ساتھ پھرنا بھی غلط ہے۔“ شائستہ نے اسی لہجے میں کہا۔  
”تو پھر آپ ان مردوں کے ساتھ کیوں پھرتی ہیں جن کے ساتھ آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے؟“

اس کی سرد آواز نے شائستہ کا سارا خون نمودار کر رکھا دیا۔

”آپ کس کس کے ساتھ پھرتی ہیں کیا پاپا نے بھی آپ سے پوچھا؟“ وہ انگلی اٹھا کر میز کے دوسری جانب بیٹھ کر شائستہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”پاپا کس کس کے ساتھ پھرتے ہیں کیا آپ نے بھی ان سے پوچھا۔“ شائستہ دم سادھے ہوئے تھی۔

”میں کس کس کے ساتھ پھرتا ہوں.....؟ کیا آپ نے بھی مجھ سے پوچھا؟“ وہ ایک ایک لفظ پر زور ڈالتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ”یہ تو ہو گئیں ہمارے گھر کی مورل ویلیوز.....“ وہ استہزائیہ انداز میں مسکرایا۔

”اس مورل اسٹریجری میں اگر اب بھی آ جاتی ہے تو کیا فرق پڑے گا۔“

وہ ایک لمبے لمبے رکا۔ پھر اس نے اسی لہجے میں تیز نظروں سے شائستہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”اپنے لیے ایک مورل اسٹریجری دوسرے کے لیے کچھ اور کیوں یہ fairplay تو نہیں ہے۔“

”وہ سب مرد میرے دوست ہیں۔“ شائستہ نے بہت دیر بعد اپنی خاموشی توڑی۔

”ہوں گے..... یقیناً ہوں گے۔ مجھے کوئی شبہ نہیں۔“ اسد نے ہاتھ اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”لیکن آپ کو اگر اپنے دوستوں کے ساتھ پھرنے کا حق ہے تو ابیر کو اپنے شوہر کے ساتھ پھرنے کا حق کیوں نہیں..... عورت اور مرد کی دوستی کو ہمارا معاشرہ نہیں مانا..... نکاح جیسے رشتے کو تو ہر معاشرہ مانتا ہے۔“

”تم اس کے عشق میں اسنے پاگل ہو گئے ہو کہ۔“

اسد نے شائستہ کی بات اطمینان بھرے لہجے میں کاٹ دی۔ ”عشق میں اب کوئی پاگل نہیں ہوتا۔ نہ ہی کوئی اب عشق کرتا پھرتا ہے۔ مجھے صرف ابیر میں انٹرسٹ ہے I Interest with a capital اور میں۔ اور یہ اسی قسم کا انٹرسٹ ہے جو پاپا نے آپ میں پایا تھا۔“

اور جس کی وجہ سے آپ ان کی بیوی بنی تھیں۔“ وہ کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

”ایک چیز اگر آپ دونوں کے لیے ٹھیک ہے تو میرے لیے کیوں ٹھیک نہیں۔ اور پھر ابیر کے ساتھ مجھے رہنا ہے۔ آپ دونوں کو نہیں۔“

شائستہ دم سادھے اسے بولتے ہوئے سن رہی تھی۔

”آپ کی پسند سے ہو یا پسند کے بغیر..... شادی تو مجھے اسی کے ساتھ کرنی ہے۔“ اس نے کندھے اُچکاتے ہوئے کہا۔  
”اور کروں گا۔ کیونکہ آج تک میں نے تو دنیا میں ایسی کوئی لومبرج نہیں دیکھی جس پر بچہ جس نے اعزازات نہ کئے ہوں۔ چاہے خود ہی جس نے گھر سے بھاگ کر شادی کی ہو۔“

وہ کھلی سے خینکھن اٹھا بیٹھ میں رکھے ہوئے سلاکس پر پھینک کر ڈانٹنگ روم سے نکل گیا۔ شائستہ پتھر کے بجسے کی طرف اسے دہان سے جاتا دیکھتی رہی۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا اس نے یہ سب اسد کے منہ سے سنا تھا۔ وہ بولی پار آج اس آنکھ میں اپنا چہرہ دکھ رہی تھی۔ جو ہر اولاد اپنے ماں باپ کو دکھایا کرتی ہے۔ اور ہارون کمال کے ساتھ اتنے سال گزارنے کے بعد اسے اعزاز دیکھنے تھا کہ اولاد کے ہاتھ میں بگڑے ہوئے آئینے میں اس کا عکس اس قدر بھیا تک ہو گیا تھا اسد کے منہ سے نکلنے والے لفظ کسی بازگشت کی طرف اسے اپنے حصار میں لیے ہوئے تھے۔ وہ انہیں جھکتے کی کوشش کر رہی تھی اپنی ہاتھوں سے اپنے ذہن

تھوڑا سا آسمان سے۔ اپنے اعصاب سے مگر بعض آوازیں صرف گونج بننے کے لیے ہی ہوتی ہیں اور اس نے چند لمحے پہلے ایسی ہی آواز سنی تھی۔

”جزیشن گیپ... آج کل کی نسل.....“ اس نے اپنے اندر پڑتی ہوئی درازوں کو تسلیوں کی منی سے بھرنا چاہا۔ ”اسد سمجھ جائے گا۔ ابھی تو غصے میں تھا۔ غصے میں تو انسان کچھ بھی کہہ دیتا ہے۔ ورنہ وہ تو ہمیشہ مجھ پر فخر کرتا رہا ہے۔“ اس نے توجیہات کا انبار لگانا شروع کر دیا۔ ”مجھے آئیڈیل مدر کہتا رہا ہے۔ اس کے دوست تک مجھے ایڈماٹر کرتے ہیں۔ وہ شائستہ کمال کا نام کہیں لے تو اسے کچھ اور نہیں کہنا پڑے گا۔“

وہ کرسی کھینچ کر کھڑی ہو گئی۔

”بس یہ ایک لڑکی کا معاملہ تھا اس لیے۔ وہ اتنا ضدی ہو گیا، لیکن بہت جلد چھٹائے گا اور خود ہی آ کر مجھ سے ایکسکوز کرے گا۔“ وہ خود کلامی کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

”اور امبر..... امبر کو تو میں کبھی اس گھر میں نہیں لاؤں گی..... No way“ اس نے تنفر آمیز انداز میں اپنے سر کو ہلاتے ہوئے کہا۔ ”ہارون بالکل ٹھیک کہہ رہا تھا۔ وہ اس گھر میں آنے کے قابل ہی نہیں ہے۔“

## سولہواں باب

”امبر کیسی ہے؟“ صبغہ نے فون پر میزہ سے پوچھا۔  
 ”اس کی حالت بہتر ہوئی؟“ اس کی آواز میں تشویش تھی۔

”نہیں..... پہلے سے زیادہ خراب ہو گئی ہے۔ میزہ کی آواز میں رنجیدگی تھی۔“ دو دن سے بالکل چپ ہے۔ نہ کچھ کھاتی ہے۔ نہ بچتی ہے۔“

”آپ ایک بار مجھ سے اس کی بات کروائیں۔ میں کب سے آپ سے کہہ رہی ہوں۔“ صبغہ نے بے اختیار کہا۔  
 ”میں کس طرح تم سے اس کی بات کرواؤں..... وہ تو کمرے سے باہر نکل ہی نہیں رہی۔“  
 ”آپ اسے کسی ڈاکٹر کو دکھائیں۔“

”میں نے صفدر بھائی سے کہا تھا، لیکن وہ نہیں مانے۔ کہہ رہے تھے کہ صدمے کی وجہ سے وہ اس طرح کر رہی ہے۔ چند دن اور گزریں گے تو ٹھیک ہو جائے گی۔“ میزہ نے کہا۔

”چند دن اور.....؟“ دوسری طرف سے صبغہ نے بے یقینی سے کہا۔ ”اس کو ڈیڑھ ماہ ہو گیا ہے اس حالت میں۔ خود سے ٹھیک ہونا ہوتا تو اب تک ہو جاتی۔ صفدر انکل سے ہمیں کہ وہ اسے کسی سائیکائٹرسٹ کو دکھائیں۔“  
 ”میں ان سے کہہ چکی ہوں صبغہ! لیکن سب کچھ میرے کہنے سے نہیں ہو سکتا۔ ان کا اپنا ذہن اور اپنے فیصلے ہوتے ہیں۔“

”ممی! میں اس سے مننے کے لیے آتا چاہتی ہوں۔“ صبغہ نے ہمیشہ کی طرح اپنا جملہ دہرایا۔

”خدا کے لیے صبغہ! اب تم یہاں پر مت آنا۔ تمہارے باپ کو پتا چل گیا تو وہ تم سب کو بھی گھر سے نکال دے گا۔“  
 میزہ نے بے اختیار کہا۔

”تو پھر تم لوگ کہاں جاؤ گے..... صفدر بھائی اور اس کی بیوی تو پہلے ہی میرے اور امبر کے یہاں رہنے پر خوش نہیں ہیں۔ تم لوگوں کو تو بالکل برداشت نہیں کریں گے۔“

”میں جانتی ہوں ممی..... لیکن میرا دل چاہ رہا ہے امبر کو دیکھنے کو..... میں اس کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔“  
 ”تمہارے مننے سے کیا ہو جائے گا؟“

”ہو سکتا ہے وہ کچھ بہتر ہو جائے میں اس کو سمجھاؤں گی۔“

”میں نے اس کو نہیں سمجھایا؟“ میزہ نے کہا۔ ”بہت سمجھایا ہے۔ بتایا ہے کہ میں نے بھی تو اس عمر میں طلاق برداشت کر لیا ہے۔ وہ تو پھر ابھی نوجوان ہے ساری زندگی پڑی ہے اس کے سامنے..... بہت سمجھاتی رہی ہوں اسے۔ عمر بڑی فائدہ نہیں ہوا۔“

”ممی! میں اسے ایک بار دیکھنا چاہتی ہوں..... پلیز.....“

"صنف! میں کوئی نئی مصیبت مول نہیں لینا چاہتی۔"

"پلیز می! میں پاپا سے چھپ کر آؤں گی۔"

"کیسے چھپ کر آؤ گی۔ اب تو تم کالج بھی نہیں جا رہی۔ پھر گھر سے کیسے نکلو گی۔"

"میں کوئی نہ کوئی بہانا تلاش کر لوں گی۔"

"تمہارے باپ کو پتا چل گیا تو.....؟" میزہ نے ایک بار پھر اسے تنبیہ کرنے کی دُش کی۔

"ان کو پتا چل گیا تو بھی کچھ فرق نہیں پڑے گا..... زیادہ سے زیادہ گھر سے نکال دیں گے..... وہ تو کبھی نہ کبھی انہوں نے نکال ہی دیتا ہے۔" صنف نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"یہ سب کچھ طلحہ کی وجہ سے ہوا ہے۔ اتنی خود غرضی..... اتنی بے حسی..... اتنالالچ....." میزہ نے نفرت بھرے انداز میں کہا۔

"فیکٹری اتنی اہم تھی اس کے لیے..... کہ اس نے فیکٹری نہ ملنے پر اس طرح کا قدم اٹھا لیا۔ تم دیکھ لینا صنف! اسامہ بھی یہی سب کرے گا۔ وہ بھی اسی کا بھائی ہے۔ اسی ماں باپ کی اولاد ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ وہ کچھ بھلائی کر جائے۔"

"مجھے پروا نہیں ہے می کہ وہ کیا کرتا ہے اور کیا نہیں..... وہ مجھے طلاق بھی دیتا ہے تو میں اس کے لیے بھی تیار ہوں۔" صنف نے کہا۔ "مجھے امبر کی طرح کوئی شاک نہیں لگے گا۔"

"اس کو اگر تم سے واقعی ہمدردی ہوتی تو....." میزہ اس کی بات پر دھیان دیے بغیر کہتی گئیں "تو یہ کبھی امبر کو طلاق نہ ہونے دیتا۔ طلحہ کو سمجھاتا۔ لیکن اس نے بھی دوسروں کی طرح صرف ہمارا تماشائی دیکھا۔" میزہ غراری تھیں۔

"جب ہم تماشابن گئے ہیں می تو پھر اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ کون ہمارا تماشادیکھ رہا ہے۔ اور کون نہیں۔ کس کو دیکھنا چاہیے اور کس کو نہیں۔" اس نے اس بار قدرے تحمل سے میزہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔

"یہ سب کچھ تمہارے باپ کی وجہ سے ہو رہا ہے۔" میزہ کو اب منصور علی یاد آ گیا۔ "تم نے دیکھ لیا کتنا سنگ دل باپ ہے تمہارا..... اولاد کو تباہ کر دیا اس نے۔ اپنی بیٹی کا گھر اپنے ہاتھوں سے اجاڑ دیا۔"

"می اب یہ سب کہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے..... پاپا کو اس بات سے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ ان کے کس قدم سے کیا ہوتا ہے..... یا کیا ہو چکا ہے..... ہم آخر تک ان کو بے کار میں کوستے رہیں گے۔" صنف نے..... موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

"میں کل آپ کے پاس آؤں گی۔ نہیں آسکی تو پھر آپ پرسوں میرا انتظار کریں۔" اس نے تھکے ہوئے انداز میں کہتے ہوئے فون بند کر دیا۔

امبر کی طلاق کی خبر اس کے لیے بھی ایک شاک کی طرح تھی۔ طلحہ اور اس کے گھر والے فیصلہ کرنے میں اتنی جلدی کریں گے اس کا اس کو بھی اندازہ نہیں تھا۔ اسامہ نے اسے فون کر کے معذرت کی تھی۔ اس کے نزدیک وہ معذرت بے معنی تھی۔ مگر وہ یہ بھی جانتی تھی کہ اس سارے معاملے میں اسامہ بھی بے بس تھا۔ وہ بھی کچھ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ جو کر سکتا تھا وہ کر رہا تھا۔

منصور علی کو بھی امبر کی طلاق کے بارے میں پتا چل گیا تھا۔ مگر ان پر اس خبر نے رتی برابر اثر نہیں کیا۔ ان کے دل میں کونسا طالع پیدا ہوا نہ ہی پچھتاوا..... اور پچھلے کئی ماہ میں پہلی بار صنف نے صحیح معنوں میں ان کے لئے نفرت محسوس کی۔ بے تحاشا نفرت۔

رخصی ماں بننے والی تھی۔ یہ اب گھر میں کسی سے بھی پوشیدہ نہیں رہا تھا اور منصور علی جس طرح اس کے تازخے اٹھا رہے تھے وہ بھی کسی سے ڈھکا چھپا نہیں تھا۔ مگر منصور علی کے انداز و اطوار سے لگتا تھا جیسے رخصی ان کی پہلی بیوی اور اس سے ہونے والی بیواؤں کی پہلی اولاد تھی۔ اور جوان کی پہلی اور جیتی اولاد تھی انہوں نے کس آسانی سے اس کی خوشیوں کا گلا گھونٹ دیا تھا۔ اسے

بڑھانے میں کوئی تاثر نہیں تھا کہ یہ سب کچھ منصور علی نے جان بوجھ کر کیا تھا۔ وہ اپنے فیصلے کے مضمرات سے اچھی طرح واقف تھے۔ وہ جانتے تھے کہ طلحہ کو فیکٹری سے الگ کر دینے کا نتیجہ کیا ہو سکتا تھا اس کے باوجود انہوں نے یہ سب کچھ کیا۔ اس نے پوری

نفرت باپ و امبر کے تاز اٹھا کر..... کہا تھا..... اس..... کو رات..... کبھی..... تو منصور علی کے لیے وہ رات ہی ہوتی۔ اس کے منہ سے نکلنے

وان فرمائش کو پورا کرنا منصور علی کے لیے جیسے زندگی اور موت کا مسئلہ بن جاتا تھا۔ اس نے بھی منصور علی کی زندگی میں امبر کی اس حیثیت و اہمیت کو چیلنج کیا نہ ہی پسند۔ اس نے اسے خاموشی سے تسلیم کر لیا تھا۔ منصور علی کو اس کے ساتھ یا روشن کے علاوہ باقی دونوں بیٹیوں کے ساتھ اس طرح کا انس نہیں تھا جس طرح کا انس انہیں امبر یا بعد میں روشن کے ساتھ تھا مگر امبر کے ساتھ ہونے والے اس امتیازی سلوک نے کبھی صدف کو پریشان نہیں کیا۔ اس نے اسے بڑی خندہ پیشانی اور کھلے دل کے ساتھ قبول کر لیا تھا۔ لیکن اب وہ جو کچھ امبر کے ساتھ ہوتا دیکھ رہی تھی وہ اس کی برداشت سے باہر ہوتا جا رہا تھا۔ اسے یقین نہیں آتا تھا کہ جو بیٹیاں سمجھنے والے منصور علی بھی اس کا نام بھی اپنی زبان پر لانا گوارا نہیں کریں گے۔

مگر جو کچھ ہو رہا تھا۔ وہ حقیقت تھی اور جو کچھ ہو رہا تھا وہ اس کے سامنے ہو رہا تھا۔ وہ زندگی کے کچھ نئے پہلوؤں سے روشناس ہو رہی تھی۔ اور یہ سب کچھ اسے اس کا اپنا باپ سمجھا رہا تھا۔ اس نے اپنی اٹھارہ انیس سالہ زندگی میں کبھی اتنے کم عمرہ میں منصور علی سے اتنا زیادہ کچھ نہیں سیکھا تھا جتنا اس نے اب سیکھا تھا۔ ہر سبق میں نئی تھی۔ اور ہر سبق دائمی تھا۔ ماں باپ سے سیکھے جانے والے اسباق سے زیادہ اثر پذیر اور کچھ نہیں ہوتا۔ یہ علم تو ذہن میں نہیں آسکتا اور محفوظ ہوتا چلا جاتا ہے۔ اس نے امبر کی طرح ساری زندگی اپنے باپ کو آئیڈیل بنا لیا تھا۔ اس کا خیال تھا اس کے باپ سے بہتر شخص کوئی نہیں تھا۔ اور پھر اس نے اپنے اس آئیڈیل کی وہ جہاں اترتے ہوئے دیکھی تھیں۔ منصور علی اس کا باپ نہیں رہا تھا۔ صرف ایک مردودہ گیا تھا جس کے نزدیک اپنی خوشی اپنی خواہشات کے علاوہ دوسری کسی چیز کی اہمیت نہیں تھی۔ جو اپنی خوشی کے لیے کبھی کبھی قربان کر سکتا تھا۔ اپنے رشتوں کو کبھی اپنے گھر کو کبھی اپنی اولاد کو کبھی۔ اور اس نے قربان کر دیا تھا۔ کم از کم اس معاملے میں منصور علی کے قول و فعل میں کوئی تضاد نہیں پایا جاتا تھا۔

☆☆☆

وہ اگلے دن کے بجائے دو دن کے بعد دوپہر کو گھر سے نکلی تھی۔ ڈرائیور کو فورٹریس کے باہر اتار دینے کے لیے کہہ کر اس نے واپسی پر خود ہی آ جانے کا بتایا۔ ڈرائیور جب اسے فورٹریس چھوڑ کر چلا گیا تو وہ وہاں سے رکشہ لے کر صفدر انکل کے گھر آ گئی۔ لاؤنج میں صفدر کی بیوی نے اس کا استقبال کیا۔ ”تم کیسے آ گئیں۔۔۔۔۔ باپ نے اجازت دے دی۔۔۔۔۔؟“ رکی علیک سبک کے بعد انہوں نے چھوٹے ہی صدف سے پوچھا۔ ان کے چہرے پر ناگواری نمایاں تھی۔

”نہیں میں چھپ کر آئی ہوں۔“

”کیوں؟“ انہی بھی کیا بات ہے۔ فون پر گفتگو تو ہوتی رہتی ہے تمہاری اپنی ماں اور بہن سے۔“

”میں امبر کو دیکھنے آئی ہوں۔ اس کی طبیعت خراب ہے۔“

”خیر اب اتنی بھی خراب نہیں ہے کہ لوگ تہارداری کے لیے آنا شروع ہو جائیں۔ اور خاص طور پر تم لوگ۔۔۔۔۔ تمہارے باپ کو ہاتھ ملنے کا تو مسائل تمہارے لیے نہیں ہمارے لیے بڑھیں گے۔“

صدف خاموشی سے ان کی باتیں سنتی رہی۔

”میں تو سمجھتی تھی کہ تم خاصی سمجھ دار ہو۔ لیکن تم بھی اپنی ماں اور بہن کی طرح بے وقوف ہی ہو۔ میری باتیں تمہیں کڑوی تو ضرور لگ رہی ہوں گی، لیکن کبھی مجھے تو صاف بات کہنے کی عادت ہے۔۔۔۔۔“

خود سوچو۔۔۔۔۔ اگر تمہارے باپ نے تمہیں اور دوسرے باقی بہن بھائیوں کو بھی نکال دیا تو کیا ہوگا۔۔۔۔۔ اب میں یا صفدر ہر ایک کو تو نہیں رکھ سکتے۔ تمہیں اس بات کو سمجھنا چاہیے۔“

”پاپا کو ہاتھیں چلے گا آئی۔۔۔۔۔ میں جموت بول دوں گی۔ آپ فکر نہ کریں۔۔۔۔۔ اس نے مدہم آواز میں کہا۔

”خیر۔۔۔۔۔ صفدر کی بیوی نے ایک گہرا سانس لیا۔ ”کچھ کھانے پینے کے لیے منگواؤں۔۔۔۔۔؟“ ان کے لہجے میں اچانک

تبدیلی آئی۔

”نہیں۔۔۔۔۔ میں گھر سے کھانا کھا کر نکلی تھی۔“ صدف نے مسکرائے کی کوشش کی۔

صفدر کی بیوی نے بھی جواباً بڑی معنی خیز اور گرم جوش مسکراہٹ پاس کی۔

”اور نہ ویسا حال ہے تمہارے باپ کی نئی بیوی کا؟“ صنف کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ صفدر کی بیوی کے بچے کی تبدیلی کی وجہ سامنے آ گئی تھی۔

وہ چپ رہی۔ ہر سوال قابل جواب نہیں ہوتا یا پھر بعض سوال صرف لاجواب کرنے کے لیے پوچھے جاتے ہیں۔ وہ بھی ایک ایسی سوال تھا۔ اور وہ لاجواب ہو گئی تھی۔

”تم لوگوں کے ساتھ کیسا سلوک ہے اس کا؟“

”آئی! بہرا ان کے ساتھ زیادہ آنا سامنا نہیں ہوتا۔ مہی کہاں ہیں؟“ اس نے جواب دیتے ہی منیزہ کے ہارے میں

پوچھا۔

”کیوں بھی..... سامنا کیوں نہیں ہوتا۔“ صفدر کی بیوی نے اسے بات بدلنے نہیں دی۔ ”ایک ہی گھر میں رہتے ہو اور سامنا نہیں ہوتا۔“

”ہم لوگوں کی آپس میں بات چیت نہیں ہوتی۔“ اس نے بڑے قہر سے کہا۔

”وہ نہیں بلاتی یا تم لوگ بات نہیں کرتے؟“ صفدر کی بیوی کا تجسس عروج پر تھا۔

”دونوں ہی ایک دوسرے سے بات نہیں کرتے۔“

وہ ہنس دیں۔ ”ہاں اچھا ہی ہے۔ خواہ مخواہ تو تو میں میں کرنے کا کیا فائدہ اب جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا۔ ہمیں تو ویسے اندازہ نہیں تھا کہ تمہارا باپ اتنا عاشق مزاج آدمی ہے۔ ہم تو ہمیشہ یہی سمجھتے رہے کہ بڑا اچھا بڑا سیدھا آدمی ہے۔ لیکن بس اب اصلیت کسی کے چہرے پر تو نہیں لکھی ہوتی۔“ وہ اب اس کو بھدروی کے چابک مار رہی تھیں۔

”میں مہی سے مل لوں۔“ صنف یک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”مجھے جلدی واپس جانا ہے۔ تھوڑی دیر کے لیے آئی ہوں۔“

”ہاں اندر دیکھو گیسٹ روم میں ہوں گی دونوں۔“

اس بار صفدر کی بیوی نے اس کے سوال کے جواب کو گول نہیں کیا تھا۔ انہیں صنف سے جو کچھ کہنا جو کچھ سنانا تھا۔ دو جتا چکی تھیں۔ اب وہ جانے کے لیے آزاد تھی۔

☆☆☆

اور اسے دیکھنے پر اس کا دل کٹ کر رہ گیا تھا۔ امبر منصور علی اپنی آنکھوں کی جس چمک سے ہر ایک کو خیرہ کر دیتی تھی۔ وہ چمک غائب ہو گئی تھی اس کی آنکھوں میں جیسے جنگل اگ آیا تھا۔ چہرے کی سفید گلابی رنگت زرد ہو چکی تھی۔ اور اس زردی میں موجود آنکھوں کے گہرے سیاہ حلقے اس کے اندر کے اشتیاق کو جیسے بازار میں لے آئے تھے۔

وہ اسے دیکھ کر اتنی شاکڈ ہوئی تھی کہ بہت دیر تک اس کے پاس بیٹھی چپ چاپ ڈنڈبانی نظروں سے اسے دیکھتی رہی۔ وہ تلی کے جن لفظوں کو اکٹھا کر کے لائی تھی۔ وہ جیسے بھک سے اڑ گئے تھے۔

امبر خالی اللہی کے عالم میں اسے اس طرح دیکھ رہی تھی جیسے صنف کو اس نے اس سے پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا۔ اس کی آنکھوں میں اس کے لیے شناسائی کی کوئی رت تھی۔ نہ ہی کوئی نمی۔

بہت دیر بعد صنف نے ہمت کر کے اس کے گال کو چھوا۔

”کیسی ہو امبر؟“ امبر نے جواب نہیں دیا وہ پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتی رہی۔ صنف اس کے قریب بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھی۔

”اب طبیعت کیسی ہے؟“ صنف نے ایک بار پھر خاموشی توڑنے کی کوشش کی خاموشی نہیں ٹوٹی۔ صنف نے اگلا جملہ مومنڈے کی کوشش شروع کر دی۔ اس کا دماغ خالی تھا۔ وہ اس سے کیا کہہ سکتی تھی۔

منیزہ کھانے کی ٹرے لے کر اندر آ گئی۔ صنف نے کھانے کی ٹرے اس سے لے کر بیڈ پر رکھ دی۔ منیزہ کچھ دور ایک

کری پر بیٹھ گئیں۔

”چلو کھانا کھاؤ۔“ صنف نے اسے بچوں کی طرح پکارتے ہوئے کہا۔

”جو ہو چکا ہے وہ ہو چکا۔۔۔۔۔۔ سب کچھ بھول جاؤں۔“ منیزہ نے صنف کے جملے میں اضافہ کیا۔ امبر اسی طرح صنف کو دیکھتی رہی۔ اس نے کھانے کی ٹرے کی طرف ہاتھ بڑھایا نہ ہی منیزہ کے جملے پر کوئی رد عمل ظاہر کیا۔

صنف کچھ دیر بیٹھ کر نظروں سے اسے دیکھتی رہی پھر اس نے چاولوں کی پلیٹ میں سے ایک چمچ لے کر اس کے منہ کی طرف بڑھایا۔ اسے توقع تھی وہ اب بھی کسی رد عمل کا اظہار نہیں کرے گی منہ نہیں کھولے گی۔۔۔۔۔۔ ایسا نہیں ہوا۔ امبر نے آہستہ آہستہ اس کے ساتھ منہ کھول دیا۔ امبر آہستہ آہستہ چاول کھانے لگی۔ صنف نے چاولوں کا ایک اور چمچ بھر کر اس کی طرف بڑھایا۔ اس بار امبر نے منہ نہیں کھولا۔ اس نے ہاتھ سے چمچ کو ایک طرف کر دیا اور پھر اس نے صنف کی گود میں منہ چھپا لیا۔ وہ اب دھماڑوں مار مار کر بچوں کی طرح رو رہی تھی۔ صنف نے اسے چپ کروانے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اس کے بالوں میں نرمی سے ہاتھ پھیلاتی رہی۔

”Im a total failure“ وہ اب روتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ”میں دنیا کی بدترین لڑکی ہوں۔۔۔۔۔۔ سب سے بُری۔“ اس کے بالوں پر ہاتھ پھیلاتے ہوئے صنف کا ہاتھ ٹھہر گیا۔ ”میں کسی رشتے میں بھی اچھی نہیں ہوں۔ میرے ساتھ یہی سب کچھ ہوتا چاہیے تھا جو ہوا۔۔۔۔۔۔“ وہ رکنے بغیر اسی طرح بولتی جا رہی تھی۔ ”میں یہ سب ڈیزرو کرتی تھی۔۔۔۔۔۔ میں نے سب کچھ تباہ کر دیا۔۔۔۔۔۔ میں نے سب کچھ خراب کیا۔ میں نہ ہوتی تو یہ سب کچھ نہیں ہوا ہوتا۔“

”تم نے کچھ نہیں کیا امبر! یہ سب کچھ اسی طرح ہوتا تھا۔ کچھ بھی تمہاری وجہ سے نہیں ہوا۔“ صنف نے اس کی بات کاٹ دی۔ امبر اس کی بات نہیں سن رہی تھی۔ وہ اسی طرح رو رہی تھی اسی طرح بول رہی تھی۔

”وہ کہتا ہے اسے کبھی مجھ سے محبت نہیں تھی۔ یہ مجبوری کا رشتہ تھا۔ وہ کہتا ہے اس کے ماں باپ نے مجھے زبردستی اس کے سر پر تھوپ دیا تھا۔“

صنف نے اس بار اس کی بات کاٹنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ جانتی تھی وہ یہ سب کچھ کس کے بارے میں کہہ رہی ہے۔

”آئی سوئز وہ ایسا نہیں تھا۔ وہ۔۔۔۔۔۔ وہ تو کہتا تھا وہ میرے بغیر مر جائے گا۔ وہ میرے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ کیا وہ جھوٹ کہتا تھا۔؟“ صنف کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

”وہ کہتا ہے میں آوارہ لڑکی ہوں۔۔۔۔۔۔ میں نے اپنے ماں باپ کا گھر تباہ کر دیا۔۔۔۔۔۔ وہ میرے جیسی لڑکی کے ساتھ زندگی نہیں گزار سکتا۔ وہ کہتا ہے میں اس قابل نہیں ہوں کہ اس کے گھر۔۔۔۔۔۔ اس کے خاندان کا حصہ بنوں۔“ وہ اسی طرح رکنے بغیر کہتی جا رہی تھی۔ ”وہ کہتا ہے مجھ میں اگر ذرہ برابر غیرت ہے تو میں دو بارہ کبھی اس سے رابطہ کرنے کی کوشش نہ کروں گی۔ چاہے میں مردوں یا بیویوں کو میری شکل دیکھنا نہیں چاہتا۔“

صنف نے نظریں اٹھا کر دروضہ پر بیٹھی ہوئی منیزہ کو دیکھا۔ وہ اپنے دوپٹے سے آنسو صاف کر رہی تھیں۔

”وہ کہتا ہے میں بھی اپنے باپ کی طرح آوارہ ہوں۔۔۔۔۔۔ اسے میرے جیسی لڑکی کی ضرورت نہیں ہے۔۔۔۔۔۔ میں بد زبان ہوں۔۔۔۔۔۔ میں اکھڑ ہوں۔۔۔۔۔۔ میں خود مر ہوں۔۔۔۔۔۔ میں مغرور ہوں۔۔۔۔۔۔ میں اس قابل نہیں ہوں کہ کسی اچھے آدمی کی بیوی بن سکوں۔۔۔۔۔۔“

اس نے نئی نئی انداز میں صنف کی گود میں منہ چھپائے دونوں ہاتھوں سے اس کی شرت کو جکڑا ہوا تھا۔

”میں نے کبھی اس کی عزت نہیں کی۔ وہ کہتا ہے میں نے ہمیشہ اسے اپنے باپ کا زرخیز غلام سمجھا ہے۔ میں نے اسے میرے خاندان نے کبھی اس کے خاندان کا احترام نہیں کیا ہمیشہ مذاق اڑایا ہے۔۔۔۔۔۔ مجھے یقین نہیں آتا۔۔۔۔۔۔ اس نے مجھ سے سب کیسے کہا ہے۔“

صنف کے آنسو امبر کے بالوں میں گر کر جذب ہو رہے تھے۔ ”اسے چاہئیں کیا ہو گیا ہے وہ پہلے کبھی ایسا نہیں تھا۔۔۔۔۔۔“

پاپا کو گالیاں دے رہا تھا۔ کہہ رہا تھا اسے میرے پورے گھر سے نفرت ہے وہ ایسا کیسے ہو گیا ہے۔۔۔۔۔۔ میں نے تو اس سے

بیش بہت کی ہے ہمیشہ..... ہمیشہ.....  
 اس کو مجھ سے پہلے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی..... کبھی نہیں..... اس نے مجھ سے کبھی نہیں کہا کہ وہ مجھ سے نفرت کرتا ہے  
 اسے چند مہینوں میں مجھ سے اتنی نفرت ہو گئی..... اتنی نفرت.....  
 "امبر.....! صبح نے اس کے سر کو تھپتھپاتے ہوئے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

"مجھے یقین نہیں آتا..... میرا کیا قصور ہے؟ میں نے کیا کیا ہے؟ پاپا نے کیوں اسے وہاں سے نکالا ہے..... یہ تو نہیں  
 ہو سکتا کہ اتنے سالوں میں اسے مجھ سے محبت نہیں ہوئی اس نے ایک بار نہیں سوچا کہ امبر اس کے بغیر کیا کرے گی۔ اس نے  
 نہیں سوچا کہ میں کہاں جاؤں گی۔ مجھے تو اس کے ساتھ ساری زندگی گزارنی تھی۔ اس کو احساس ہی نہیں ہے۔ میں تو نہیں مانتی  
 کہ طلاق ہو گئی ہے۔ اس طرح کہے وہ مجھے طلاق دے سکتا ہے۔ ایسے کیوں چھوڑے گا مجھے۔ میں اس سے معافی مانگ لوں گی۔  
 میں کسی کو کیا مت دکھاؤں گی کہ امبر کو طلاق ہو گئی..... طلحہ نے امبر کو چھوڑ دیا۔ بُری لڑکی کو چھوڑ دیا۔ کیا میں رشتی سے زیادہ بُری  
 ہوں۔ کیا میں دنیا میں سب سے بُری ہوں۔"

اس کی باتیں اب بالکل بے ربط ہو گئی تھیں، مگر وہ خاموش نہیں ہو رہی تھی، وہ بوٹتی جا رہی تھی۔  
 "سب کو میں ہی بُری کیوں لگتی ہوں.....؟ سب کو شکایتیں مجھ سے ہی کیوں ہوتی ہیں؟ مجھے تو طلحہ کے ساتھ ہی رہتا ہے،  
 بیش اس کے ساتھ رہتا ہے۔ میں تو نہیں مانتی کہ طلاق ہو گئی ہے۔"

"امبر! طلحہ کو جانے دو..... وہ خود غرض اور لالچی انسان تھا۔ اچھا ہوا تمہاری اس سے جان چھوٹ گئی۔" صبح نے اس بار  
 بلند آواز میں اس کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔  
 "نہیں..... وہ جو ساتھ رہتا ہے۔"

"تمہاری اور اس کی طلاق ہو چکی ہے۔" امبر یک دم چیپ ہو گئی۔ وہ سر اٹھا کر صبح کو دیکھنے لگی۔ اس کا انداز بے حد

ایڑاٹل تھا۔

"نہیں ہوئی..... میری اور اس کی طلاق نہیں ہوئی۔ بالکل نہیں ہوئی۔ میں مانتی ہی نہیں۔ میں نہیں مانتی تو طلاق کیسے  
 ہوئی۔"

میں پھر اس کے پاس جاؤں گی۔"

وہ سر کو بار بار جھٹک رہی تھی۔  
 "پھر اس سے بات کروں گی۔ اس سے کہوں گی کہ وہ طلاق واپس لے لے تو وہ طلاق واپس لے لے گا اور پھر میں  
 اس کے ساتھ رہوں گی۔ مجھے یہاں اس گھر میں نہیں رہنا۔ انکل صفر کے گھر میں نہیں رہنا۔ یہاں سب مجھے ناپسند کرتے  
 ہیں۔ یہاں سب مجھ سے نفرت کرتے ہیں۔ مجھے طلحہ کے پاس چلے جانا ہے۔ اس کے گھر رہنا ہے۔ صرف وہ مجھ سے محبت کرتا  
 ہے۔" اس کا چہرہ گیلا تھا مگر اس کے آنسو تھم چکے تھے۔

"اچھا تم ان سب باتوں کو چھوڑ دو..... تم صرف کھانا کھاؤ۔" صبح نے بات بدل دی۔  
 امبر جس ذہنی حالت میں تھی وہ اسے اس وقت کچھ نہیں سمجھا سکتی تھی۔

"نہیں..... مجھے کھانا نہیں کھانا۔ میں کیوں کچھ کھاؤں۔ جب میں اچھی ہوں ہی نہیں تو پھر میں کیوں کچھ کھاؤں۔" اس  
 کا ذہنی رواج کسی اور طرف جا رہی تھی۔ "میں کیوں کسی پر بوجھ بنوں۔ کھانا تو مجھے اب کھانا ہی نہیں ہے۔ کبھی بھی نہیں کھاتا۔  
 "امبر خدا کے لیے اس طرح مت کرو۔ چھوڑ دو اس طرح کی ضد کرنا۔ پہلے ہی بہت پریشانیاں ہیں۔ مصیبتوں کا ڈھیر  
 کرا ہے ہمارے لیے۔ تم ان میں اضافہ مت کرو۔" میزہ نے یک دم ان دونوں کی گفتگو کے درمیان مداخلت کی۔  
 "مٹی پلینز..... اسے کچھ مت کہیں..... آپ اس طرح بات مت کریں۔ آپ دیکھ رہی ہیں۔ وہ ٹھیک نہیں ہے۔" صبح  
 نے سب اقدار میزہ کو ٹوکا۔





”فدا کی بناؤ۔ کروڑ پتی ہے تمہارا باپ اور اتنا کمینہ کہ اپنی اولاد کو پاس رکھ سکتا ہے نہ اس کے اخراجات اٹھا سکتا ہے۔“  
صغہ نے سر نہیں اٹھایا۔

”میں اگر میزہ کو لے کر عدالت میں چلا جاتا تو عقل ٹھکانے آ جاتی تمہارے باپ کی۔ لیکن میں نے درگزر کیا۔ ہر کوئی تمہارے باپ کی طرح گرا ہوا نہیں ہوتا۔“  
صغہ نے اب بھی سر نہیں اٹھایا۔

”اور پھر یہ سب کچھ جو امبر کے ساتھ ہوا ہے یہ تمہارے باپ کے لالچ اور خود غرضی کی وجہ سے ہوا ہے۔ تو پھر وہی بھٹتے ہم سزا کیوں کا نہیں.....“ وہ تند و تیز آواز میں کہہ رہے تھے۔ ”تمہارے باپ کو اپنی ذمہ داریوں کا احساس ہی نہیں ہے بیوی کے چونچلے اٹھانے میں لگا ہوا ہے۔ اس کو نہیں پتا کہ اس کی بیٹی کہاں پڑی ہے۔“  
صغہ کی بیوی اطمینان سے اپنے ناخنوں کو فائل کرنے میں مصروف تھی یوں جیسے یہ سب کچھ اس کے سامنے ہو ہی نہ رہا ہو۔  
”جا کر کہہ دو میری طرف سے اپنے باپ کو کہ وہ اپنی بیٹی کو یہاں سے لے جائے۔ اپنے پاس رکھے آخر یہ اسی کی اولاد ہے۔ میزہ کے سر پر کیوں تھوپ رہا ہے اسے؟“

میزہ بھی صغہ کی طرح سر جھکائے بیٹھی تھیں۔ ماضی کا طغفہ سب کچھ رخصت ہو چکا تھا۔  
”اور میں تم پر یہ بات واضح کر دوں کہ میں تمہیں یا تمہارے بہن بھائیوں کو اپنے پاس ہرگز نہیں رکھوں گا۔ اس لیے تم اس طرح چوری چھپے میرے پاس مت آیا کرو۔ بہن سے دلچسپی ہے تو بہن کو لے جاؤ۔“ وہ منصور کا قصہ اس پر نکال رہے تھے۔  
”تمہارے باپ نے جس طرح کی زبان استعمال کی ہے وہ میری ہی ہمت ہے کہ میں برداشت کر گیا۔ میری جگہ کوئی اور ہوتا تو منصور علی کے ہوش ٹھکانے لگا دیتا کہ وہ کن ہواؤں میں اڑتا پھر رہا ہے اس قدر ذلیل اور بے ہودہ انسان! میں نے زندگی بھر نہیں دیکھا۔“

”انگل! آپ امبر کو سائیکائٹسٹ کے پاس جانے دیں۔ آپ کو اخراجات کے بارے میں کسی بوجھ کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔“ صغہ نے بہت دیر کے بعد اپنی خاموشی توڑی۔ ”پاپا فوری طور پر نہیں تو جلد ہی اسے بھی لے جائیں گے پھر آپ کو ہماری طرف سے مزید کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔“ اس نے مدہم آواز میں کہا۔

☆☆☆☆

”وہ تمہاری بڑی بہن ہے روشن.....!“ صغہ کو روشان کے انداز پر افسوس ہوا۔  
”ہاں بڑی بہن ہے۔ مگر یہ ساری مصیبت اسی کی لائی ہوئی ہے۔“ وہ اسی اکھڑ انداز میں بولا۔  
”اس کی لائی ہوئی ہے تو سب سے زیادہ suffer بھی تو وہی کر رہی ہے۔“ اور ہم..... ہم suffer نہیں کر رہے۔  
میں تو بڑے آرام سے ہوں۔ چین کی بانسری بجاتا پھر رہا ہوں۔ میرے فرینڈز تو میرے باپ کے اس کارنامے پر مجھے خراج تحسین پیش کر رہے ہیں۔“ وہ بلند اور ترش آواز میں بولا ”مئی تو آرام سے اپنے گھر میں بیٹھی ہیں۔ عیش کر رہی ہیں۔ لوگ ان کی عظمت کے گن گاتے پھر رہے ہیں۔ بس صرف ایک امبر بے چاری کو ہی سب کچھ برداشت کرنا پڑ رہا ہے۔“  
”تمہیں شرم آتی چاہیے روشن..... تم جس طرح کی باتیں کر رہی ہو۔“

”مجھے بہت شرم آتی ہے۔ میں تمہیں بتا نہیں سکتا کہ مجھے اس تمام صورت حال پر کتنی شرم آ رہی ہے۔“  
”تم نے اس کی حالت نہیں دیکھی اس لیے تم اس طرح کی باتیں کر رہے ہو۔“ صغہ رو ہنسی ہوئی۔ ”تم اسے دیکھتے تو تمہیں احساس ہوتا۔ وہ سینٹلی بہت ڈسٹربڈ ہے۔ ٹھیک سے بات تک نہیں کر پار ہی تھی۔ اور صغہ انگل اور ان کی فیملی مئی یا امبر کے ساتھ اچھا سلوک نہیں کر رہے۔ خاص طور پر امبر کے بارے میں تو صغہ انگل نے مجھ سے صاف صاف کہہ دیا کہ وہ اس کی ذمہ داری نہیں اٹھا سکتے میں پاپا سے کہوں کہ وہ اسے لے جائیں۔“  
”اور تم نے یہ کام میرے سر تھوپ دیا۔“ روشن نے خفگی سے کہا۔

”پاپا میری بات نہیں سنیں گے اور تمہاری بات نہیں ٹالیں گے۔“

”تمہیں خوش فہمی ہے۔“

”نہیں میں جانتی ہوں۔ تم بس ایک بار ان سے بات تو کر کے دیکھو۔“

”میں نہیں چاہتا کہ وہ اب میری کوئی بھی بات مانیں اور مجھ پر احسان کرنے کا موقع انہیں ملے۔“ روشن نے تیز آواز میں کہا۔

”پلیز روشن! اس صورت حال کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ امبر کو کچھ ہو گیا تو پھر تم چھپتاؤ گے۔ بلکہ سب چھپتا میں گے۔“

اس بار روشن نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ مگر اس کے ہاتھ پر ہل بدستور موجود رہے۔

”تم پاپا سے اسے واپس لانے کے لیے کہو گے تو وہ انکار نہیں کریں گے۔ میں جانتی ہوں وہ انکار نہیں کریں گے۔ دیکھو اور کسی کے لیے نہیں تو صرف میری خاطر میری خاطر پاپا سے بات کر لو۔“ صبغہ نے اس بار منت آمیز لہجے میں کہا۔

”اور اگر انہوں نے انکار کر دیا تو.....؟“

”نہیں کریں گے۔“

”میرا دل نہیں چاہتا اس آدمی سے بات کرنے کو۔“

”تم صرف پاپا سے ایک بار بات کر لو اس کے بعد میں دوبارہ تمہیں کوئی کام نہیں کہوں گی۔“

روشان ایک بار پھر خاموش رہا۔

☆☆☆

”مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ وہ کس حالت میں ہے اور کس میں نہیں۔ میرے لیے وہ مرچکی ہے۔“

روشان نے اس رات منصور علی سے امبر کی واپسی کے سلسلے میں بات کی اور منصور علی اس کے ابتدائی جملوں پر ہی چراغ

پا ہو گئے۔

”وہ اپنی مرضی سے اس گھر کو چھوڑ کر گئی تھی اور اب وہ اس کا خمیازہ بھگتے۔“

”وہ بہت تیار ہے۔“

”ہوتی رہے۔ میں کیا کروں؟“

”یہ سب آپ کی وجہ سے ہوا ہے۔ آپ کی وجہ سے اس کو طلاق ہوئی اور آپ کی وجہ سے اس کی ذہنی حالت خراب ہوئی۔“

”وہ ہمیشہ سے ہی پاگل تھی۔“ منصور علی نے ہاتھ جھٹکتے ہوئے کہا۔

”آپ کو تو اس کا شکر گزار ہونا چاہیے۔“ روشن یک دم عجیب انداز میں مسکرایا۔ ”اس پاگل نے آپ کو اتنی اچھی بولی

لا دی۔“

منصور کے جسم کا سارا خون یک دم چہرے میں سمٹ آیا۔ ”تمہیں جرات کیسے ہوئی مجھ سے بکواس کرنے کی؟“ وہ بلند

آواز میں چلائے۔

”ایک عجیب بات کہی ہے اتنا غصہ کرنے کی تو کوئی ضرورت نہیں تھی۔“ روشن نے اپنے ہر انداز سے لاپرواہی ظاہر کی۔

”تمہیں بہن سے اتنی ہمدردی ہو رہی ہے تو تم بہن کے پاس چلے جاؤ۔“

روشان پلکیں جھپکائے بغیر انہیں دیکھتا رہا۔ ”مجھے تم جیسی اولاد کی بھی ضرورت نہیں ہے تم بہن بھائیوں نے میری زندگی

اجیرن کر دی ہے۔ عذاب کی طرح میرے سر پر سوار ہو گئے ہو۔“ منصور علی کی آواز بے حد بلند تھی۔ ”کان کھول کر سن لو تم۔ یہ

میرا گھر ہے..... میرا..... جسے چاہوں گا میں یہاں رکھوں گا جسے چاہوں گا نکال دوں گا اور تمہیں بہن سے ہمدردی ہے تو جب کل تم اپنے پیسے سے گھر بناؤ گے لا کر رکھ لیا اس گھر میں اس کو اور اس کی ماں کو..... مگر میں اس گھر میں اسے کبھی نہیں لاؤں گا۔“

رختی میں اسی وقت دروازہ کھول کر اندر چلی آئی۔ وہ باہر روشن اور منصور کے درمیان ہونے والی پوری گفتگو سن چکی تھی۔ مگر اس نے یہی ظاہر کیا کہ جیسے اس نے کچھ نہیں سنا۔

”کیا ہو گیا منصور.....؟ کیوں اس طرح بلند آواز میں بول رہے ہیں۔“ اس نے اپنی آواز میں مقدور بھر شیرینی گھولنے کے چہرے کے تاثرات ایک دم بہتر ہو گئے۔ ”دوبارہ کبھی میرے سامنے اس طرح کے مطالبے مت کرنا۔ اور خیردار! تم نے فون کے ذریعے بھی اپنی ماں یا بہن سے رابطے کی کوشش کی۔“ انہوں نے اس بار اپنی آواز کو دھیمّا کر لیا تھا۔ مگر انہوں نے اپنی آواز کی ترشی یا تلخی کو نہیں چھپایا تھا۔ روشن کا چہرہ بالکل سرخ ہو رہا تھا۔

”منصور! کیوں جھڑک رہے ہیں اسے..... بچہ ہے..... سمجھ جائے گا..... آپ خواہنا وہی چلا رہے ہیں۔“ رختی نے درمیان میں مداخلت کی۔ ”میں تو باہر ڈر رہی تھی کہ پتا نہیں اندر کیا ہو رہا ہے۔ آپ اتنی بلند آواز میں بول رہے تھے۔ جاؤ روشن تم جاؤ..... منصور تو ویسے ہی ناراض ہو رہے ہیں۔“

”یوش آپ..... تمہاری نصیحتوں کی ضرورت نہیں ہے مجھے.....“ روشن اس کے پچکارنے پر ایک دم بھڑک اٹھا۔

”دفع ہو جاؤ..... تم یہاں سے۔ تمہیں..... تمہیں تیز نہیں ہے یہ سب کچھ سکھایا ہے تمہیں تمہاری ماں نے.....“ منصور علی یک دم غصے کے بل چلا کر بولے۔

”آپ رہنے دیں منصور..... پلیز میری وجہ سے کوئی جھگڑا نہ کریں‘ پہلے ہی مجھے بہت باتیں سننی پڑ رہی ہیں۔ آپ جانے دیں اسے.....“ رختی نے ایک بار پھر مداخلت ضروری سمجھی۔

روشان تیز قدموں سے مڑ کر دروازے کی طرف جا رہا تھا۔ دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ کر اس نے پلٹ کر رختی اور منصور علی کو دیکھا۔

”میں جب بڑا ہوں گا تو میں گھر نہیں بناؤں گا۔ میں صرف ایک کام کروں گا۔ اس عورت کو قتل کر دوں گا یا کروادوں گا۔“

دوسرے ہی لمحے وہ کمرے سے باہر تھا۔ رختی کے پاؤں اپنی جگہ پر جم گئے تھے اور منصور علی..... وہ چلیں جھپکائے بغیر دروازے کو دیکھ رہے تھے۔



اسد دستک دے کر ہارون کمال کی اسٹڈی میں داخل ہوا۔ ہارون کمال نے نظر اٹھا کر بھی اسے نہیں دیکھا۔ نیبل کے دہری طرف چیز پر بیٹھے ہوئے وہ مکمل طور پر اس فائل کو دیکھتا رہا جسے وہ ہاتھوں میں لیے ہوئے تھا۔ اس نے اسد کی موجودگی کو مکمل طور پر نظر انداز کر دیا تھا۔ اسد کچھ دیر نروس انداز میں اندر داخل ہونے کے بعد بے مقصد کھڑا رہا، لیکن جب اسے اندازہ ہوا کہ ہارون فی الحال اس پر توجہ دینے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا تو اس نے ہلکا سا ایکسکیز کر ہارون کمال کو اپنی طرف متوجہ کیا۔

”پاپا! آپ نے بلوایا تھا؟“ گردن یا جسم کو کوئی حرکت دیے بغیر ہارون نے وہیں اسی انداز میں بیٹھے بیٹھے تیوریاں چھا کر اسے دیکھا۔

”ہاں بیٹھو۔“ اس کی آواز اور لہجہ دونوں ہی بے حد سہاٹ تھے۔ اسد کی نروس میں کچھ اور اضافہ ہو گیا وہ کرسی کھینچ کر ہارون کے بالقابل میز کے دوسری جانب بیٹھ گیا اور منتظر نگاہوں سے ہارون کو دیکھنے لگا جو ایک بار پھر اس فائل کے مطالعے میں نرق ہو چکا تھا۔ چند اعصاب شکن لمحوں کے بعد ہارون کمال نے فائل بند کر کے میز پر پھینک دی۔ نیبل پر پڑے سگریٹ کے پگھلنے سے اس نے ایک سگریٹ نکالا اور لائٹر کے ساتھ اسے سلگایا پھر ایک کش لے کر اس نے پہلی بار اسد کو غور سے دیکھا۔ اس نے آنکھوں سے جھلکتی ناراضی اسد سے پوشیدہ نہیں رہی، مگر اسے ہارون کمال سے اس معاملے میں اسی رد عمل کی توقع تھی۔

کبھی کی پشت سے ٹپک لگا کر ہارون نے سگریٹ کے کش لے کر اسے انگلیوں میں دبایا اور سرد لہجے میں اسے مخاطب

”صبح شائستہ سے تمہاری کچھ باتیں ہوئی ہیں میں وہ جاننا چاہتا ہوں۔“  
اسد کے ماتھے پر ہلکا سا پسینہ آ گیا۔ ”مہی نے آپ کو بتا دیا ہو گا۔“ اس نے ہلکی سی ہکلاہٹ کے ساتھ کہا۔  
”ہاں اس نے تو مجھے بتا دیا ہے مگر میں تمہارے منہ سے یہ سب سننا چاہتا تھا۔ مجھے بھی تو پتا چلنا چاہیے کہ تم امبر کے منہ  
میں کس حد تک جنتوں بنے ہوئے ہو۔“

اسد ہلکی سی کھپائی نہیں ہنسا۔ ”نہیں بابا! ایسی تو کوئی بات نہیں ہے۔“  
”اچھا! ایسی کوئی بات نہیں ہے تو پھر صبح خواہواں بھونکتے رہے ہو تم۔“ ہارون نے تڑپ سے اس کی بات کاٹی۔ اسد کا جسم  
یک دم تن گیا۔ چند لمحوں کے لیے وہ کچھ بول نہیں سکا۔ شاید اسے ہارون کمال سے اس قسم کے جملے کی توقع نہیں تھی۔ چند لمحوں  
کے بعد اس نے ہارون سے کہا۔

”میں نے صرف اپنی خواہش ان کو بتائی تھی۔“ ہارون نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹی۔ اس بار اس کی آواز بے حد بلند  
اور لہجہ تند و تیز تھا۔

”And i said “No” (اور میں نے کہا نہیں۔) اور No کا مطلب تو تم جانتے ہی ہو گے۔“  
اسد ہنوت بیچنے کچھ لمبے خاموش رہا پھر اس نے کہا۔ ”لیکن No کی کوئی وجہ بھی تو ہوگی۔“  
”فرض کر دو کوئی وجہ نہیں ہے پھر۔۔۔؟“ ہارون نے جیسے چیلنج کرنے والے انداز میں تیسری دفعہ اس کی بات کاٹی۔  
”وہ لڑکی تمہاری بیوی بن کر کبھی اس گھر میں نہیں آ سکتی۔ تمہیں اگر شوق ہے تو اس گھر کو چھوڑ کر اس سے شادی کر لو اگر  
کر سکتے ہو تو۔“

”بابا! میں۔۔۔۔۔ اسد نے ایک بار پھر کچھ کہنے کی کوشش کی۔  
ہارون نے اسے جملہ پورا نہیں کرنے دیا۔ ”اسد کمال صاحب! آپ آخر کس برتے پر عشق فرما رہے ہیں؟ آپ ہیں  
کیا؟ اوقات کیا ہے آپ کی؟“

”مجھے اس طرح tease مت کریں بابا!“ اسد نے پہلی بار ناراضی سے کہا۔ ”اپنی مرضی سے شادی میرا حق ہے۔“  
”تو یہ حق تم اس وقت لینا جب اپنے پیروں پر کھڑے ہو کر دو قدم چلنے کے قابل ہو جاؤ گے۔ ماں باپ کی گود میں بند  
کر عشق فرمانے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”میں سمجھتا تھا بابا! کہ آپ بہت براؤ مائنڈڈ ہیں مگر یہ میری غلط فہمی تھی۔ آپ تو بہت rigid (کڑا) بہت  
narrow-minded (تنگ ذہن) ہیں۔“ اسد اپنے دلی جذبات چھپا نہیں سکا۔  
”تم مجھے narrow-minded کہو یا rigid میں امبر سے تمہاری شادی نہیں کر سکتا۔“  
”اس میں آخر برائی کیا ہے؟“

”وہ مجھے پسند نہیں ہے۔“ ہارون کمال نے کہا۔  
”شادی مجھے کرنی ہے اس سے۔“ اسد نے جتانے والے انداز میں کہا۔  
”مگر اسے میرے خاندان کا حصہ بننا ہے جو میں اسے بنانا نہیں چاہتا۔“  
”اس کے فادر کے ساتھ آپ برنس کر رہے ہیں۔“  
”وہ میرا ذاتی معاملہ ہے۔“

”بابا! میں آپ کی بات سمجھ نہیں پا رہا۔“ اسد کی پیشانی پر بل بڑھ گئے۔  
”تمہیں کچھ بھی سمجھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم آرام سے اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لیے جاؤ کچھ سال بعد دیکھیں  
سوچیں گے کہ تمہاری شادی کہاں اور کس کے ساتھ کرنی ہے مگر امبر نہ آج قابل غور ہے نہ ہی آئندہ کبھی ہوگی۔ اس شہر یا ملک  
میں لڑکیوں کی کمی نہیں ہے کہ ہارون کمال کے بیٹے کے لیے ایک آوارہ اور طلاق یافتہ لڑکی کو ہی چنا جائے۔“

اس نے کچھ کہا جاپا مگر بارون نے ہاتھ اٹھا کر اسے بات کرنے سے روک دیا۔

”امبر کا معاملہ آج ختم ہو گیا۔ اس کے بعد دوبارہ میں اس معاملے پر تم سے کوئی بات کروں گا نہ ہی تم شاکستہ سے اس بارے میں بات کرو گے۔“

بارون کمال نے اپنے سامنے پڑی فائل اٹھالی۔ ”اب تم جا سکتے ہو۔“

اسد چند لمبے میز کے دوسری طرف بیٹھا ابھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتا رہا پھر وہ ایک دم قدرے ناراضی کے عالم میں اٹھا اور اسٹنڈی کا دروازہ کھول کر لمبے لمبے ڈمگ بھرتے ہوئے باہر نکل گیا۔ اس کے دروازہ بند کر کے باہر جاتے ہی بارون کمال نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی فائل ایک بار پھر میز پر پھینکنے والے انداز میں رکھ دی۔ ماتھے پر ہل لیے وہ کچھ سوچنے والے انداز میں بند دروازہ کو گھورتا رہا پھر اس نے ہاتھ بڑھا کر ٹیبل پر پڑا سگریٹ کا پکٹ اٹھا لیا۔ پکٹ کے اندر سے ایک اور سگریٹ نکال کر اس نے اسے پہلے والے سگریٹ کے ساتھ سلگایا۔

☆☆☆

”آپ نے..... آپ نے دیکھا اسے..... اپنے بیٹے کو..... اس کے لب و لہجے کو..... اس کی زبان کو؟“

رکشی غصے سے کانپ رہی تھی۔ اس سے بات ٹھیک سے نہیں ہو پارہی تھی۔ دوسری طرف منصور علی خود بھی اب تک ماکت کھڑے تھے۔ روشان کے منہ سے نکلنے والے جملوں نے خود ان کے جسم میں بھی سنسنی دوڑا دی تھی۔

”یہ..... یہ..... جو کچھ کہہ رہا ہے..... اس کے پیچھے کہلوانے والے ہیں..... اس کی ماں اور بہنیں ہیں جو اسے ہر وقت میرے خلاف بھڑکانی رہتی ہیں اور یہ..... یہ..... مجھے اس سے خوف آتا ہے..... منصور! یہ واقعی مجھے مار ڈالے گا۔“

”وہ غصے میں تھا اس لیے اس طرح کی بات کہہ کر چلا گیا۔“ منصور علی نے بلا خراپنی خاموشی توڑتے ہوئے اس کے ہاتھ ساتھ اپنے آپ کو بھی تسلی دینے کی کوشش کی۔

”غصے میں..... غصے میں وہ آج اس طرح کی بات کہہ کر گیا ہے کل کو وہ سب کچھ کر گزرے گا اور آپ پھر یہی کہیں گے کہ اس نے یہ سب کچھ غصے میں کیا ہے۔“

”نہیں وہ ایسا کچھ نہیں کرے گا وہ ایسا کچھ نہیں کر سکتا میں اچھی طرح جانتا ہوں اس کو۔ اتنی ہمت نہیں ہے اس میں۔“ منصور علی نے اس بار آگے بڑھ کر اس کے کندھے کو تھپتھپایا۔

”ہمت نہیں ہے اس میں۔“ رکشی نے اپنے کندھے پر رکھا ان کا ہاتھ جھکا۔ ”آپ کے سامنے وہ مجھے قتل کی دھمکی دے گیا ہے اور آپ کو ابھی اس کی ہمت پر شبہ ہے۔ آپ کے سامنے میرے ساتھ ان کا سلوک ایسا ہے۔ آپ کے پیچھے یہ میرے ساتھ کیا کرتے ہیں آپ کو اندازہ ہی نہیں۔“

”میں اسی لیے تمہیں اس گھر میں نہیں لانا چاہتا تھا۔ تم سے کہا تھا میں نے کہ بہتر ہے تم اپنے گھر میں ہی رہو۔“ منصور علی کے جملے نے رکشی کو اور بھڑکایا۔ ”کیوں نہ آتی میں یہاں اس گھر میں کیا یہ میرا گھر نہیں ہے؟ آپ کے بچوں کا گھر ہے؟ اس پر میرا کوئی حق نہیں ہے؟“

”رکشی..... رکشی..... پلیز کول ڈاؤن۔ میری بات کو سمجھو۔“ منصور علی نے اس کا غصہ ٹھنڈا کرنے کی کوشش کی۔

”نہیں مجھے کوئی ضرورت نہیں ہے آپ کی بات سمجھنے کی۔ اگر آپ میری بات نہیں سمجھ سکتے تو میں بھی آپ کی بات نہیں سمجھ سکتی۔ یہاں سے بھیجتا چاہتے ہیں تو چلی جاتی ہوں میں یہاں سے۔“ منصور علی نے اس کا بازو پکڑ کر اسے کمرے سے نکلنے سے روکا۔

”خدا کے لیے رکشی! میری بات کا غلط مطلب مت لو۔ میں جو بھی کہہ رہا ہوں تمہاری ہمدردی میں کہہ رہا ہوں۔ میں کیا تمہیں یہاں سے بھیجتا چاہوں گا میں روشان کی طرف سے تم سے معذرت کرتا ہوں۔“

”آپ معذرت مت کریں وہ معذرت کرے۔“

”تھیں پتا ہے اس کا..... اس کا دماغ خراب ہو رہا ہے آج کل۔ وہ کہاں کرے گا معذرت۔“ منصور علی کو روشن کے مزاج کا بھی اچھی طرح پتا تھا۔

”تو پھر آپ بھی معذرت مت کریں اپنے بیٹے کے لیے اس طرح کی محبت میرے سامنے مت ظاہر کریں۔“  
 ”میں محبت کہاں ظاہر کر رہا ہوں میں تو اس کی حرکت پر شرمندگی محسوس کر رہا ہوں اس لیے تم سے معذرت کر رہا ہوں اور جہاں تک اس کی ماں کا تعلق ہے میں آئندہ اسے کسی صورت میں اس سے بات نہیں کرنے دوں گا۔“  
 ”اور وہ آپ کی بات مان لے گا؟“

”اسے ماننا پڑے گی۔“  
 ”چوبیس گھنٹے آپ نگرانی کریں گے اس کی؟ یہاں..... کالج..... باہر..... ہر جگہ؟“ منصور علی اس کے طنز پر چند لمبے کچھ نہیں کہہ سکے۔ ”وہ کبھی اپنی ماں کے ساتھ رابطہ ختم نہیں کرے گا اور وہ ہمیشہ میرے اور میرے آنے والے بچے کے سر پر کھوار کی طرح ٹکتا رہے گا۔“  
 ”میں اسے سمجھاؤں گا۔“

”منصور! آپ اپنے آپ کو اور مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش مت کریں۔ آپ کے سمجھانے کا آپ کی اولاد پر کتنا اثر ہوتا ہے آپ اچھی طرح جانتے ہیں پھر کیوں اس طرح کی باتیں کر رہے ہیں۔“  
 ”تو پھر تم مجھے بتاؤ میں کیا کروں۔ میں زیادہ سے زیادہ یہی کر سکتا ہوں۔“  
 ”میں آپ کی پچھلی بیوی جیسی خود غرض عورت ہوتی تو کہتی کہ آپ اپنے اس بیٹے کو گھر سے نکال کر اس کی ماں کے پاس بھیج دیں مگر میں جانتی ہوں آپ کو اس سے کتنی محبت ہے آپ اسے کبھی اپنی سابقہ بیوی کے پاس بھیجتا نہیں چاہیں گے۔“  
 رخصتی نے ایک دم اپنا لہجہ نرم کیا۔ منصور علی نے مشکور نظروں سے اسے دیکھا۔

”میں اسی لیے تم سے کہہ رہا ہوں کہ میں اسے سمجھاؤں گا وہ تمہاری عزت کرے گا اسے کرنا پڑے گی۔“  
 ”مجھے اس سے عزت اور احترام کی توقع ہے نہ ضرورت۔ میں صرف تحفظ چاہتی ہوں اپنا اور اپنے بچے کا۔“ رخصتی نے منصور علی کی بات کاٹ دی۔ ”میں آپ سے یہ نہیں کہہ رہی کہ آپ اسے اپنی سابقہ بیوی کے پاس بھیج دیں مگر آپ اسے ہائل تو بھجوا سکتے ہیں۔“

منصور علی چپ چاپ اسے دیکھتے رہے۔  
 ”وہ اس گھر میں نہیں ہوگا تو کم از کم مجھے اس سے کسی نقصان کا خطرہ بھی نہیں ہوگا اور وہ ہائل میں رہے گا تو کم از کم اپنی ماں کے ساتھ اتنے لمبے چوڑے رابطے نہیں کر سکے گا جتنے وہ اب کرتا ہے۔ اسے آپ ہائل میں داخل کروائیں۔“  
 رخصتی نے اپنے جملے کے آخری حصے پر زور دیتے ہوئے کہا۔ منصور علی عجیب شش درخ میں تھے۔

☆☆☆

”می! امبر ٹھیک ہو جائے تو پھر کرائے پر گھر لے کر ہم سب لوگ اکٹھے رہیں گے۔“  
 منیزہ نے حیرت سے صند کے چہرے کو دیکھا۔ وہ دونوں اس وقت کینک کے لان میں نکڑی کے ایک بیچ پر بیٹھی تھیں۔ امبر کو یہاں ایڈمٹ ہوئے آج دوسرا دن تھا۔ منیزہ اس کے پاس کینک میں ہی تھیں اور صند آج پھر چوری چھپے سے دیکھ آئی تھی۔ دونوں میں امبر کی حالت میں کوئی بہتری نہیں آئی تھی مگر ڈاکٹر انہیں امید دلا رہا تھا کہ چند اور دن گزرنے پر آہستہ آہستہ بہتر ہونا شروع ہوگی۔ وہ امبر کو مسلسل سکون بخش ادویات دے رہے تھے۔  
 صند اور منیزہ کچھ دیر پہلے امبر کے پاس اندر تھیں پھر امبر کے ڈاکٹر کے ساتھ سیشن کے دوران وہ دونوں باہر آ کر بیٹھ گئیں۔

”تم کیا کہہ رہی ہو؟“ منیزہ کو اس کی تجویز پر جیسے شاک لگا تھا۔

”حالات دن بدن خراب ہوتے جا رہے ہیں۔ گھر میں بہت ٹینشن ہے۔ روشان نے رخصتی سے کوئی جھگڑا کیا ہے اور پاپا روشان سمیت ہم سب سے ناراض ہیں۔ وہ روشان کو ایکسکوز کرنے کے لیے کہہ رہے ہیں اور وہ نہیں کر رہا۔“

”میں نے تم لوگوں سے پہلے بھی کہا تھا کہ تم لوگ اس گھر میں مت رہو میرے پاس آ جاؤ۔“

”آپ کے پاس آنے کا کوئی فائدہ نہیں تھا می! آپ تو خود بہت مشکل حالات سے گزر رہی ہیں۔ انکل صفدر ہمارا آپ کے پاس آنا برداشت نہیں کریں گے۔“

”تم لوگ پہلے آ جاتے تو ایسا نہ ہوتا۔“ میزہ نے قدرے شکست خوردہ انداز میں کہا۔

”فوری طور پر نہ ہوتا لیکن بعد میں یہی سب ہوتا تھا۔ چھ افراد کا بوجھ اٹھانا ان کے لیے مشکل ہے۔“ صبغہ گلگزی کے بیچ کی پشت کو اپنے ناخن سے کرید رہی تھی۔

”میں نے سوچا تھا کہ پاپا کے گھر پر رہ کر میں کم از کم آپ کا بوجھ تو کم کر سکتی ہوں مگر مجھے یہ اندازہ نہیں تھا کہ پاپا اس حد تک تنگ کریں گے ہمیں۔ بعض دفعہ مجھے لگتا ہے جیسے روشان کے علاوہ انہیں ہم میں سے کسی میں دلچسپی نہیں ہے وہ ہمیں رکھنا ہی نہیں چاہتے تھے اور شاید ان کو توقع بھی نہیں تھی کہ ہم لوگ امبر کے اس طرح چلے جانے کے بعد بھی ان کے ساتھ رہنے پر تیار ہو جائیں گے۔“ وہ بے حد طول اور دل گرفتہ تھی۔

”میں نے روشان سے کہا بھی ہے کہ وہ ایکسکوز کر لے۔ کیا فرق پڑتا ہے اتنی ذلت کے بعد ایکسکوز کا ایک جملہ کہہ دینے سے مگر وہ میری بات سن ہی نہیں رہا اور پاپا..... وہ اب اسے ہاتھل بھجوار ہے ہیں۔“

”ہاتھل؟“

”ہاں رخصتی کو اس کی وجہ سے گھر میں خوف محسوس ہوتا ہے۔“

”اس چیز کو کسی سے خوف کیسے آنے لگا؟“ میزہ نے نفرت سے کہا۔

”یہ ڈرامہ نہیں کرے گی وہ تو اسے گھر سے کیسے نکلوائے گی اور مجھے تو لگتا ہے اس کے بعد وہ ہمیں بھی گھر سے نکلوادے گی! اس لیے می! میں کہہ رہی ہوں ہم کہیں الگ گھر لے کر اکٹھے رہ لیتے ہیں۔“ اس نے اپنی بات کے اختتام پر میزہ کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”کیسے اکیلے رہیں گے؟ کرایہ کہاں سے دیں گے؟ گھر کا خرچ کہاں سے چلائیں گے؟ بہت مشکل ہے یہ؟“

”امبر ٹھیک ہو جائے گی می! تو میں اور امبر کہیں جا کر لیں گے ایک دو سال میں روشان بھی ہمارے ساتھ پارٹ ٹائم کہیں کام کر لے گا۔ تھوڑی مشکل ہوگی مگر پھر سب کچھ ٹھیک ہوتا جائے گا۔“ صبغہ نے اصرار کیا۔

”تم اور امبر کیا کام کرو گی۔ امبر نے مگر بچویشن مکمل نہیں کی۔ تم نے صرف اے لیول کیا ہے۔ کیا جا ب مل سکتی ہے تمہیں۔“

”فرض کر دوں بھی جائے تب بھی اخراجات پورے نہیں ہوں گے۔ روشان کی فیس کہاں سے جائے گی۔ زارا اور رابعہ کا اسکول کتنا ہنگامے تمہیں پتا ہے پھر گھر کا کرایہ..... بل..... کم از کم پچاس ساٹھ ہزار چاہیے ہمیں ہر ماہ..... اتنے پیسے تم دونوں مل کر نہیں کما سکتیں۔“ میزہ نے باپوی سے کہا۔

”می! کوئی چھوٹا گھر لے لیں گے ایک کمرے کا..... کسی عام سے علاقے میں..... جس کا کرایہ ہزار پندرہ سو تک ہو..... رابعہ اور زارا کو کسی گورنمنٹ اسکول میں داخل کروادیں گے۔“

”ایک کمرے کا گھر..... کسی عام علاقے میں..... تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟“ میزہ نے کہا۔ ”آج تک کبھی رہے ہو تم لوگ ایک کمرے کے گھر میں..... کیسے رہو گے وہاں۔“

”بہت سارے لوگ رہتے ہیں می!“ صبغہ نے مدہم آواز میں کہا۔

”وہ مجبور ہوتے ہوں گے۔“ میزہ نے بے ساختہ کہا۔

”ہم کیا ہیں؟“

”ہم ابھی اتنے مجبور نہیں ہوئے ہیں۔ صفدر بھائی کے گھر میں میرا حصہ ہے۔ میرے ابا کی جائیداد ہے وہ۔ میں کیوں



اس گھر کو چھوڑ کر کہیں اور رہوں اور پھر اتنے سال میں نے اتنے احسان کیے ہیں صفدر بھائی پر۔ بزنس میں تمہارے ڈپے۔ ذریعے کتنی مدد کروائی ہے ان کی اور آج وہ میرے اور میرے بچوں کے کام نہیں آسکتے۔ کیوں ان کا گھر چھوڑ کر ہم تمہارے رہیں۔ میرا حق بنتا ہے کہ وہ میری اور میرے بچوں کی ذمہ داری اٹھائیں۔“ منیزہ نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”حق ان پر بتایا جاتا ہے می! جو اپنا فرض محسوس کرتے ہیں مگر جو فرض کو بوجھ سمجھیں ان پر حق جتنا حماقت کے طور پر

کچھ نہیں ہے۔“

”تم جو چاہے کہو میں اس گھر کو نہیں چھوڑوں گی۔“

”کل کو وہ آپ کو وہاں سے نکلنے پر مجبور کر دیں گے تب بھی تو آپ کو وہ گھر چھوڑنا پڑے گا۔“

”اگر اس گھر کو چھوڑنے کے لیے مجھے کسی نے کہا تو میں اس پر کیس کروں گی! جائیداد میں سے اپنا حصہ لوں گی پھر

چھوڑوں گی۔“

صفدر کو منیزہ پر ترس آیا۔ ”کیسے کیس لڑیں گی آپ؟ کورٹ میں جانے کے لیے چہرہ چاہیے۔ آپ کے پاس اتنا پیسہ

ہے.....؟ اور کتنے سال لگتے ہیں ایسے کیسز میں..... یہ جانتی ہیں آپ..... آپ کیس لڑ سکتیں تو پاپا کے خلاف لڑیں۔ وہ نہیں لڑ

سکتیں تو اپنے بھائی کے خلاف کیسے لڑیں گی۔“

”صفدر! تم جو چاہو کہو بہر حال میں صفدر بھائی کا گھر نہیں چھوڑوں گی جو کچھ تم کہہ رہی ہو یہ کہنا ہی آسان ہے! کن کن

مشکل ہے یہ تم نہیں جانتیں۔“ منیزہ درشتی سے کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

”دنیا کے دھکے کھانے سے بہتر ہے بندہ انہوں کے جوتے کھالے۔ کم از کم دنیا میں عزت تو رہتی ہے۔“ منیزہ نے

ہوئے اندر چلی گئیں۔ وہیں بیٹھے انہیں دکھتی رہی۔

منیزہ زندگی کے تلخ سبق بالآخر سیکھ رہی تھیں۔ صفدر کا دل چاہا وہ منیزہ سے پوچھے کہ اگر جوتے ہی کھانے تھے تو کیا یہ

بہتر نہیں تھا کہ وہ دوسری بیوی بن کر اپنے گھر میں رہتے ہوئے جوتے کھا لیتیں۔ کم از کم اس وقت ان سب کے پاس ایک چھت

ایک گھر تو ہوتا۔ وہ اکٹھے تو رہ رہے ہوتے۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے چہرہ سلا۔ وہ جانتی تھی منیزہ غلط نہیں کہہ رہی تھی۔

اپنے گھر سے بے گھر ہونے کے بعد اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ پیسے کے بغیر اپنے بل بوتے پر رہنے کا خواب دیکھنا زری حماقت

تھا۔ شاید اب وہ پہلی بار پریکٹیکل ہو کر سوچ رہی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اپنے بھائی اور بھابھی کی تند و ترش باتوں سے بے پروا

اسی گھر میں کسی نہ کسی طرح گزارا کرنے پر تیار تھیں۔ وہ گھر اب جیسے ان کی آخری امید آخری سہارا بن چکا تھا اور وہ اس امید

اور اس سہارے سے محروم ہونا نہیں چاہتی تھیں۔

دوسری طرف صفدر چند سال بعد کے حالات اور زندگی کو تصور میں دیکھ رہی تھی۔ اسے اس بات میں کوئی شبہ نہیں تھا۔

جلد یا پھر منیزہ اور امبر کو صفدر انکل کا گھر چھوڑنا پڑے گا اور اسے یہ حقیقت ماننے میں بھی کوئی تامل نہیں تھا کہ خود انہیں بھی صفدر

علی کے گھر سے نکلتا پڑے گا۔ سوال صرف کب کا تھا۔

☆☆☆

”آپ اندر جا سکتے ہیں۔“ سیکرٹری نے اسامہ کو منصور علی کے دفتر میں جانے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ اٹھ کر

دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ منصور علی نے چند گھنٹے پہلے فون پر حکمانہ انداز میں اسے اپنے نئے آفس میں آنے کے لیے کہا تھا۔

اسامہ کا ہاتھ ٹھک گیا تھا۔ آخر ایسی کیا بات تھی جو منصور علی اسے اپنے رو برو دیکھا کر کرنا چاہتے تھے۔ فون پر نہیں کرتے تھے۔

اب وہ وہاں تھا۔

”میں جا رہا ہوں تم صفدر کو طلاق دے دو۔“ منصور علی نے چھوٹے ہی کسی تکلیف یا لحاظ کے بغیر کہا۔

اسامہ کو یہ اندازہ تو تھا کہ وہ اس کے اور صفدر کے رشتے کے حوالے سے کچھ کہیں گے مگر یہ گفتگو اتنی ڈائریکت ہوئی ان

کی توقع نہیں تھی۔

”آپ نے صدف سے اس سلسلے میں بات کی ہے؟“ اسامہ نے جیسے ابتدائی شاک سے سنبھلتے ہوئے کہا۔

”میں صدف کا باپ ہوں۔“ منصور کے ماتھے پر ہل آگئے۔ ”مجھے اس سے کچھ پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”میں صدف کا شوہر ہوں کم از کم میں اس بارے میں اس سے بات کیے بغیر آپ کی یہ خواہش پوری نہیں کر سکتا۔“ منصور کی آنکھیں یک دم سرخ ہو گئیں۔

”شوہر.....؟ کیا شوہر.....؟ میرے نزدیک تمہارے اور صدف کے نکاح کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔“

”آپ کے نزدیک بہت سی دوسری چیزوں کی بھی اہمیت نہیں ہے مگر میرے نزدیک ہے۔“ اسامہ نے بڑے تحمل سے

کہا۔

”تمہیں میں نے یہاں بکواس کرنے کے لیے نہیں بلوایا۔ طلاق کے کاغذات پر سائن کرنے کے لیے بلوایا ہے۔“ منصور نے بلند آواز میں کہتے ہوئے اپنی دروازے سے کچھ کاغذات نکال کر اس کے سامنے میز پر پھینک دیے۔ اسامہ نے ان کاغذات پر نظر ڈالنے کی زحمت نہیں کی وہ صرف منصور کو دیکھتا رہا۔

”میں نے اور صدف نے گھر سے بھاگ کر اپنی مرضی سے نکاح نہیں کیا تھا۔ پورا خاندان شریک ہوا تھا اس نکاح میں۔ اب اگر طلاق ہوگی تو وہ بھی پورے خاندان کے درمیان ہوگی اس طرح چوری چھپے آفس میں بیٹھ کر نہیں۔“

منصور کا خون اور کھولا۔ ”اپنی اوقات دکھا رہے ہو؟“

”نہیں منصور چچا! صرف ایک حقیقت بتا رہا ہوں۔“

”مجھے چچا مت کہو تمہارا اور میرا کوئی رشتہ نہیں ہے۔“ منصور نے انگلی اٹھا کر اس کی طرف اشارہ کیا۔

”مجھے حیرت ہے کہ یک دم آپ کو اپنے ہر خوشی رشتے سے اتنی نفرت کیوں ہونے لگی ہے۔ کم از کم ہماری فیملی تو آپ کے کسی معاملے میں کسی طرح انوائونڈ نہیں ہے پھر آپ نے ہمارے ساتھ یہ سلوک کرنا کیوں ضروری سمجھا۔ پہلے ہم لوگوں کو فیملی سے الگ کیا میرا اور صدف کا سیل جول بند کروایا اور اب یہ طلاق۔ اور پھر بھی مجھے آپ کو ہی جین ہم سے۔ آخر ایسا کیا کیا ہے ہم نے؟“

”میں ایسے کسی شخص سے تعلق نہیں رکھوں گا جو میری بیوی کی عزت نہیں کرتا اور تم..... تم فون پر جو کچھ اسے کہہ چکے ہو، میں جان چکا ہوں۔“

”اور فون پر انہوں نے مجھ سے کیا کہا ہے آپ نے یہ جاننے کی کوشش کی ہے؟“

”مجھے یہ جاننے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے نہ ہی ضرورت۔“ منصور نے اکڑ لہجے میں کہا۔

”میں نے ہمیشہ آپ کی بیوی کو عزت دینے کی کوشش کی نہ چاہتے ہوئے بھی مگر وہ عزت کی خواہش مند نہیں ہیں۔“

”میرے سامنے تقریر کرنے کے بجائے ان کاغذات پر سائن کرو اور یہاں سے دفع ہو جاؤ۔“

”نہیں میں ان کاغذات پر سائن تو خیر کسی صورت نہیں کروں گا۔ یہ تو میں آپ کو پہلے ہی بتا چکا ہوں۔“ اسامہ نے بڑے اطمینان سے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”ان کاغذات پر سائن کرنے کا طریقہ کار کیا ہے یہ میں آپ کو بتا چکا ہوں۔ خاندان کو اکٹھا کریں اور ان چیز پر سائن کروائیں۔“

”تمہیں اگر یہ امید ہے کہ صدف سے شادی کر کے تم کل کو کسی طرح میری پر اپنی میں حصہ دار بن جاؤ گے تو یہ نخط فیملی اپنے دل سے نکال دو۔ میں صدف کو اپنی پر اپنی میں سے ایک پھوٹی کوزی نہیں دوں گا۔“ منصور علی نے چپتے ہوئے لہجے میں کہا۔

”میں جانتا ہوں آپ اسے کچھ نہیں دیں گے دعا میں تک نہیں۔“

”تم سمجھتے ہو کہ مجھے طلاق لینے کا راستہ نہیں آتا میں تمہیں عزت سے آفس میں بٹھا کر یہ بات کر رہا ہوں تو شاید مجبور ہو کر رہا دوں۔ یہ میری شرافت ہے کہ میں تمہیں یہاں اس طرح بٹھا کر تم سے بات کر رہا ہوں ورنہ میں کورٹ میں اسے تم سے قطع دوا کر سکتا ہوں اور تمہارے طلاق نہ دینے کی صورت میں میں یہی کروں گا۔“

"پھر آپ کے لیے بہتر ہے کہ آپ یہی کریں۔ اس طرح کم از کم مجھے سمجھانے میں آپ کا وقت ضائع نہیں ہوگا۔"

اسامہ کھڑا ہو گیا۔ میز پر اپنے سامنے پڑے ہوئے کاغذات کو اس نے پھاڑ کر دو ٹکڑے کیے اور دوبارہ میز پر رکھ دیے۔

"ایک بیٹی کو آپ طلاق دلو چکے ہیں دوسری بیٹی کو طلاق دلوانے کے لیے بھی آپ کو بھرپور کوشش کرنی چاہیے اور

عدالتیں آپ جیسے لوگوں کے لیے ہی تو ہوتی ہیں۔ آپ وہاں جائیں، کچھ پیسہ خرچ کریں، ذرا وکیل کے آگے پیچھے برہمن

کاغذات کا ڈبیر لے کر پھریں تاکہ آپ کو بھی تو اندازہ ہو کہ رشتے اور تعلق توڑنے میں کچھ نہ کچھ وقت اور کوشش کرنی پڑتی ہے

اور کچھ نقصان بھی اٹھانے پڑتے ہیں آپ نے ہر رشتے کو اپنا اور میزہ چچی کا رشتہ سمجھ لیا ہے کہ چنگی بجائی اور کام ختم۔" اسامہ نے

خفزاں انداز میں کہا۔

"آپ بھی ذرا عدالت میں آئیں، تو پتا چلے اور لوگوں کو..... کہ ایک باپ اپنی بیٹی نو طیلی شادی کو پائیدار رکھنے کے لیے

کس طرح جی توڑ کوششیں کر کے اپنی بیٹیوں کو طلاقیں دلو اور رہا ہے۔ تاریخ میں آپ کا نام بھی لکھی جتوں اور بہرہ رانگھا کے ساتھ لیا

جائے گا..... منصور اور رشتی۔"

منصور علی نے بے اختیار گالیاں دینا شروع کر دی تھیں۔ وہ اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑے ہو گئے تھے اور انہیں جیسے اپنے

اوپر کوئی کنٹرول نہیں رہا تھا۔ اسامہ نے ایک چڑانے والی مسکراہٹ کے ساتھ انہیں دیکھا۔

"کوئی بات نہیں، گالیاں دیتے رہیں۔ چچا نہ سکی، آپ میرے سر تو ہیں اور سر باپ کی جگہ ہوتا ہے، کچھ بھی کہ سکتا

ہے۔ اتنا حق تو رکھتے ہیں آپ مجھ پر۔" وہ مڑ کر اطمینان سے کمرے سے باہر نکل گیا۔ منصور علی کا بلند پریشر ہالی ہو رہا تھا۔ اس

کے باہر نکل جانے کے بہت دیر بعد تک بھی وہ اسی طرح خالی کمرے میں کھڑے بلند آواز میں اسے گالیاں دیتے رہے پھر جیسے

بے دم ہو کر مرنے والے انداز میں اپنی کرسی پر بیٹھ گئے۔ ان کا چہرہ اور آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں۔ ان کا بس چلنا تو وہ

نے ایک بار پھر مضیاں سمجھ کر اسامہ کو گالی دی۔

☆☆☆

"تمہارے آگیا ہے میرے ڈریسنگ ٹیبل پر پاسپورٹ کے ساتھ رکھا ہے، جاتے ہوئے لے لیتا۔ چار دن بعد کی

فلائٹ ہے، سان فرانسسکو کے لیے۔"

شائستہ نے میگزین کے صفحات کی ورق گردانی کرتے ہوئے اسد کو اطلاع دی جو کچھ دیر پہلے جم سے لوٹے ہوئے لاؤنج

سے گزر رہا تھا۔ اس دن کی چپقلش کے بعد شائستہ اور اس کے درمیان کسی قسم کی کوئی گفتگو نہیں ہوئی تھی اور آج اتنے دنوں کے

بعد پہلی بار شائستہ نے اسے مخاطب کیا تھا۔

اسد رک گیا، اس نے مڑ کر شائستہ کو دیکھا۔

"اور سان فرانسسکو میں تین ماہ پہلے جا کر میں کیا کروں گا۔ آپ کو چاہیے تھا، یہ بھی کسی کاغذ پر لکھ کر آپ میرے

پاسپورٹ کے ساتھ رکھ دیتیں۔" اس نے تڑپتی سے کہا۔

"اپنے لیے مصروفیات تم خود ڈھونڈ سکتے ہو، چھوٹے بچے تو نہیں ہو، بڑے ہو چکے ہو۔" شائستہ نے جیسے لہجے میں کہا۔

اسد بے اختیار تہقہ لگا کر ہنسا۔ "چھوٹا بچہ نہیں ہوں؟ آپ کو یقین ہے کہ میں بڑا ہو گیا ہوں۔ حیرانی کی بات ہے کہ

آپ مجھے بڑا سمجھنے لگی ہیں۔"

"ظن اور حقیقت میں فرق ہوتا ہے۔ آپ کو تو اب میری ہر بات طنزی لگا کر رہے گی۔" اسد نے کہا۔

"میں اس وقت تمہارے ساتھ بحث کے موڈ میں نہیں ہوں۔ میں نے تمہیں صرف ایک اطلاع دینا تھی، وہ دے دی۔ تم

اگر اس سلسلے میں کچھ کہنا چاہتے ہو تو اپنے پاپا سے کہنا۔" شائستہ نے ناراضی سے کہتے ہوئے اپنی توجہ میگزین پر مرکوز کر لی۔

"ہاں..... اور آپ سمجھتی ہیں۔ میں پاپا سے بات نہیں کر سکتا ہوں۔" اسد نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ "بالکل ٹیکہ سمجھ

جینا میں واقعی ان کے سامنے بات نہیں کر سکتا لیکن کتنا عرصہ...؟ صرف چند اور سال اس کے بعد پھر ہر بات دوہرہ ہوگی۔"

آپ کے سامنے اور آپ کے شوہر کے سامنے۔“

اس کے لہجے میں اتنا زہر تھا کہ شائستہ برداشت نہیں کر پائی۔ ”ایک معمولی لڑکی کے لیے ...“ اسد نے اسے بات مکمل کرنے نہیں دی۔ ”ایک معمولی لڑکی ہو یا خاص لڑکی، میں اس کو پسند کرتا تھا اور آپ دونوں نے مجھے بری طرح let down کیا۔“ وہ تقریباً چلایا۔

”تم پر کتنے احسان ہیں میرے اور ہارون کے ... اور تم ... تم اتنے خود غرض ہو کہ اپنی پسند کی خاطر ماں باپ کے گلے پڑ رہے ہو۔ قربان نہیں کر سکتے اپنی ایک پسند ماں باپ کی خوشی کی خاطر۔“ شائستہ کھڑے ہو کر جواب چلائی۔

”جب آپ کے ماں باپ پاپا سے آپ کی شادی پر تیار نہیں تھے تو آپ نے ان کی بات کیوں نہیں مانی؟ آپ نے اپنی مرضی کیوں کی؟ آپ نے پاپا کی قربانی کیوں نہیں دی؟“

شائستہ کا جسم برف کی طرح ٹھنڈا ہو گیا۔

”کس نے کہا تم سے کہ میں نے اپنے ماں باپ کی مرضی کے خلاف شادی کی۔“

”ساری دنیا جانتی ہے۔“

”میں نے اپنے ماں باپ کی مرضی سے شادی کی۔“ شائستہ نے بلند آواز میں جھوٹ بولا۔

”اچھا ... آئیں فون ملاتا ہوں میں نانو کے گھر ... بات کریں میرے سامنے ان سے۔“ اسد کے لہجے میں آگ تھی۔ وہ اپنے موبائل پر نمبر ڈائل کر رہا تھا۔ اولاد کے سامنے شائستہ کی عزت داؤ پر لگ گئی تھی۔

”تم ... تم ایک انتہائی خود غرض انسان ہو مجھے شرم آتی ہے تمہیں اپنا بیٹا کہتے ہوئے۔“ اس نے غصے سے کانپتی ہوئی آواز میں کہا۔

اسد نے نمبر ڈائل کرنا بند کر دیا۔ ”تو پھر آپ مجھے نہ پیدا کرتے؟ میں نے آپ کو دعوت نہیں دی تھی کہ مجھے پیدا کریں اور پھر میرے ہونے پر شرمندگی کا اعلان کریں۔“ اس نے کسی لحاظ کے بغیر بے دھڑک کہا۔

”تم بہت بچھتاؤ گے۔“

”کیا آپ بچھتائی ہیں ... آج تک کبھی بچھتائی ہیں ...؟ میں بھی نہیں بچھتاؤں گا۔“

”میں نے زندگی میں کوئی ایسا کام نہیں کیا جس پر مجھے بچھتاؤ ہو۔“

”تو پھر یقین رکھیں کہ میں بھی ایسا کوئی کام نہیں کر رہا ہوں جس پر مجھے بچھتاؤ ہو گا اور جہاں تک امیر اور میرا تعلق ہے میں اس کو بھولا تو نہیں ہوں نہ ہی بھولوں گا۔“ وہ کہہ رہا تھا۔ ”چند سال کے بعد اپنی تعلیم مکمل کر کے آؤں گا اور پھر دیکھوں گا اس کے اور میرے درمیان کون رکاوٹ بنتا ہے۔“

شائستہ دم سلاھے اسے بولتے دیکھ رہی تھی۔

”صرف چند سال کی بات ہے اور اگر اس دوران امیر کی کسی اور کے ساتھ شادی ہو گئی تب بھی میں آپ کو اور پاپا کو کبھی صاف نہیں کروں گا Never“

وہ تیز قدموں کے ساتھ لاؤنج سے نکل گیا۔ شائستہ برف کے بت کی طرح وہیں جمی رہی۔ اتنی احسان فراموشی اتنی بے گمانی اتنی بے لگامی ... اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس نے یہ سب باتیں اپنے بچے کے منہ سے سنی ہیں۔ وہاں کھڑے کئی سال بعد اسے بے اختیار رونہ آیا۔ شائستہ ہارون کمال ... وہ عورت جو گفتگو میں اپنی بے ساختگی اور اپنی خوبصورتی سے اکھڑے اکھڑے کھڑے تیر بدل دیا کرتی تھی وہ اپنے بیٹے کے سامنے بے بس تھی جو چند منٹوں میں اس کے سارے احسان اس کے منہ پر مار گیا تھا۔

”جب تم یہ سب کچھ اپنی اولاد کے منہ سے سنو گی تو تمہیں ہماری تکلیف کا احساس ہو گا۔“

سالوں پہلے اس کی ماں نے اس سے کہا تھا اور اس نے بڑے متغیر سے جواب دیا تھا۔

”میں کبھی وہ موقع ہی نہیں آنے دوں گی کہ میری اولاد کو اپنے ایک حق کے لئے میرے سامنے اس طرح بلانا پڑے۔“

تب اس کی ماں لا جواب ہو گئی تھی۔ شائستہ نے تب محسوس کیا تھا۔ اس کی باتوں کا اس کے ماں باپ کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ آج اتنے سالوں کے بعد اسے لگ رہا تھا جیسے وہ بددعا تھی جو اسے لگ گئی تھی۔ اس کے پاس بھی اپنی اولاد کی باتوں کا کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ تب بارون کمال کے لیے پاگل ہو رہی تھی اس کے لیے زمین اور آسمان ایک کر دینے پر تھی ہوئی تھی۔ آج اس کا بیٹا امبر کے لیے پاگل ہو رہا تھا اسے نہ پانے پر ہر رشتے کو ختم کر دینے پر تیار کیا تھا۔

”یہ..... یہ سب بارون کمال کے خون کا اثر ہے۔ سب اسی کی خود غرضی ہے باپ کی طرح خود غرض ہے یہ باپ کی طرح۔“ صوفیہ پر ہنسنے لگی۔ بلکہ بلکہ کر روتے ہوئے اس نے اپنے آپ سے کہا۔ ماضی ایک ظلم کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے چلنے لگا تھا۔ بارون کمال کی خود غرضی اب بھی اس کے ذہن پر نقش تھی اور وہاں کچھ اور بھی نقش تھا۔ تاریکی میں سے ایک چھوٹے سے بچے کا بیولا..... وہ روتے روتے چپ ہو گئی۔

”چھتاوا میں تمہیں اپنے چھتاوے کیسے بتاؤں اسد۔“ وہ بڑبڑائی۔

☆☆☆

منصور اس سہ پہر بہت ٹیٹس کے عالم میں آفس سے اٹھ کر آئے تھے۔ گھر میں داخل ہوتے ہی انہوں نے درشتی سے ملازم کو صند کو بلانے کے لیے کہا۔ صند کچھ پریشانی کے عالم میں لاؤنج میں آئی اور منصور علی کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر اس کی پریشانی دگنی ہو گئی تھی۔

”میں نے آج اسامہ کو آفس بلایا تھا۔“ انہوں نے اسے دیکھتے ہی بلند اور تند و تیز آواز میں صند سے کہا۔ ”میں نے اس سے طلاق کے کاغذات پر دستخط کرنے کے لیے کہا مگر اس نے جو اب میرے ساتھ بہت زیادہ بدتمیزی کی۔ مجھے یہ کہہ کر چلا یا کہ میں کورٹ میں جا کر خلع لوں کیونکہ وہ تمہیں طلاق بھی نہیں دے گا اور میں اب تمہاری طرف سے خلع کا کس قائل کروا رہا ہوں۔ اگر وہ تم سے رابطہ کرنے کی کوشش کرے تو تم اس سے کہہ دینا کہ آئندہ تم سے کبھی رابطہ نہ کرے۔“

وہ دم سادھے منصور علی کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے جسم میں جیسے کانو تو لہو نہیں تھا۔ منصور علی ہمیشہ کی طرح اپنا فیصلہ اس کے سر قوی رہے تھے۔ انہیں کسی کو بتانے یا کسی سے مشورہ لینے کی جیسے کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔

”میرا وکیل ایک دو دن میں گھر آ کر تم سے اس سلسلے میں کاغذات پر سائن کروائے گا۔ میں اس شخص کو حذر چکھا دوں گا۔“ وہ اس سے بات کرتے کرتے اسامہ کی کسی بات کے یاو آنے پر ایک بار پھر غرائے۔

”لیکن..... پاپا..... آپ..... آپ یہ سب کچھ کیوں کر رہے ہیں؟“ صند نے بلا آخر خہمت کر کے ان سے پوچھا۔

”کیونکہ میں اس خاندان میں تمہیں بھیجنا نہیں چاہتا۔ میں اس شخص کو کبھی داماد کے طور پر قبول نہیں کروں گا اتنے بدتمیز اور گستاخ شخص کو میں اپنے خاندان کا حصہ نہیں بناؤں گا۔“

”آپ نے ہی اس کو میرے لیے منتخب کیا تھا اپنی مرضی سے اس سے میرا نکاح کیا تھا مگر اب آپ یہ رشتہ ختم کرنے پر کیوں تیار ہو گئے ہیں۔ آپ کی وجہ سے امبر کو طلاق ہو چکی ہے اور.....“

منصور علی اس بار بے اختیار حلق کے ٹل چلائے۔ ”اسے طلاق ہو گئی ہے تو وہ بھاڑ میں جائے مجھے ذرہ بھر پروا نہیں ہے اور تم کان کھول کر سن لو تمہیں میرے گھر میں رہنا ہے تو میری مرضی کے مطابق چلنا ہے ورنہ تم ابھی اور اسی وقت اپنی ماں اور بہن کے پاس چلی جاؤ۔ میں کسی نافرمان اولاد کو اپنے ساتھ نہیں رکھوں گا سمجھیں تم۔“ وہ سفید چہرے کے ساتھ انہیں دیکھتی رہی۔

”اس کیسے نہ جو کچھ مجھ سے کہا ہے وہ تمہاری ہی شہ پر کیا ہے کیونکہ وہ جانتا تھا کہ تم اس سے طلاق لینا نہیں چاہتیں اور وہ تمہیں ہتھیار بنا کر مجھے بلکہ سبیل کرے گا..... مگر یہ اس کی زندگی کی سب سے بڑی بھول ہے۔ میرے نزدیک تمہاری ہی کوئی حیثیت اور اہمیت نہیں ہے۔ تم میری بات نہیں مانو گی تو میں تم سب بہن بھائیوں کو دھکے مار کر اس گھر سے نکال دوں گا اپنے پاس نہیں رکھوں گا۔ نہ صرف گھر سے نکال دوں گا بلکہ جائیداد سے بھی عاق کر دوں گا پھر تم اسامہ کے پاس جا کر رہنا۔“

اپنے بھائی بہنوں کو لے کر اس کے پاس جانا اور دیکھنا وہ اور اس کا خاندان تمہیں کیسے رکھتے ہیں۔“

منصور علی بلند آواز میں کہتے ہوئے وہاں سے اٹھ کر چلے گئے۔ صبح کا پورا جسم سرد ہو رہا تھا۔ حالات یہ کروٹ لیں گے، اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ وہ اوپر نہیں جاسکی، وہیں صوفہ پر بیٹھ گئی۔ وہ نہیں جانتی تھی اسامہ اور منصور کے درمیان کیا بات ہوئی تھی مگر جو کچھ بھی کہا اور سنا گیا تھا، اس نے اس کے لیے مشکلات کا پہاڑ کھڑا کر دیا تھا۔ منصور علی دن بدن اس کی نظروں میں بونا بنتے جا رہے تھے۔ اسے یقین نہیں آتا تھا کہ وہ شخص کبھی ایک جان چھڑکنے والا باپ تھا اور اب بیس سال کی ایک لڑکی کے عشق میں بتلا ایک بے ضمیر، خود غرض اور اندھا شخص..... فون کی گھنٹی اچانک بجنے لگی۔ وہ چپ چاپ بیٹھی فون کو دیکھتی رہی۔ اس نے آگے بڑھ کر فون اٹھانے کی کوشش نہیں کی۔



## ستر ہواں باب

”سہارا رکھو، بیٹا ہوا ہے۔“ ڈاکٹر نے منصور علی کو اطلاع دی۔ منصور علی ایک دم کھل اٹھے۔  
 ”اور رخصتی..... وہ کیسی ہے؟“

”وہ بھی بالکل ٹھیک ہیں آپ ابھی تھوڑی دیر میں ان سے مل سکتے ہیں۔“

لیڈی ڈاکٹر کہتے ہوئے وہاں سے چلی گئی۔ منصور علی ایک دم جیسے آسمان پر جا پہنچے تھے۔ وہ اب دو بیٹوں کے باپ تھے۔  
 روشن کے اکلوتا ہونے کی وجہ سے وہ اس کے سامنے جس طرح کھٹنے ٹیکنے پر مجبور ہو جاتے تھے وہ مجبوری اب ایک دم ختم ہو گئی تھی۔  
 منصور علی کو اس میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ رخصتی ان کے اور ان کے گھر کے لیے بے حد خوش قسمت ثابت ہوئی تھی۔ وہ جب سے ان کی زندگی میں شامل ہوئی تھی سب کچھ بدل گیا تھا ہر بازی ان ہی کے ہاتھ آ رہی تھی۔

”کون کہتا ہے دوسری شادی انسان کو اس نہیں آتی۔“ کچھ دیر بعد رخصتی کے پاس بیٹھے اپنے بیٹے کو گود میں لیے منصور علی نے سوچا تھا۔

رخصتی فخریہ نظروں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ وہ میزہ کی گری ہوئی سلطنت کا آخری ستون بھی ہلا کر گرانے میں کامیاب ہو گئی تھی۔ اس نے منصور علی کی واحد کمزوری کو بھی ختم کر دیا تھا۔ روشن اور روشن کے ذریعے کوئی دوسرا اب منصور علی کو استہلال نہیں کر سکتا تھا۔

”تم مجھے بتاؤ، تمہیں کیا تحفہ چاہیے؟“ منصور علی نے رخصتی کو بڑی محبت سے مخاطب کیا۔ ”میں چاہتا ہوں تمہیں اپنے بیٹے کے بدلے میں اتنی قیمتی نہیں تو اس سے کچھ کم قیمتی چیز تو دوں۔“

”تحفہ تو میں ضرور لوں گی۔“ رخصتی نے اطمینان سے کہا۔ ”آپ نے خود کہہ دیا اچھا کیا۔ نہ بھی کہتے تب بھی میں خود آپ سے اپنا تحفہ مانگ لیتی۔“

”بھئی! اس لیے تو میں نے یہ موقع نہیں آنے دیا کہ تمہیں خود تحفہ یاد دلانا پڑے۔ آج تک کبھی ایسا ہوا ہے کہ تمہیں مجھ سے مانگ کر تحفہ لینا پڑا ہو۔ ہمیشہ میں ہی تم سے کہتا ہوں۔“ منصور علی نے کہا۔

”اپنے لیے کیوں نہیں صرف بیٹے کے لیے کیوں۔ میں تو دونوں کو منہ مانگا تحفہ دینے کو تیار ہوں۔“ منصور علی نے اعتراض کیا۔

”نہیں آپ میرے بیٹے کو میری مرضی کا تحفہ دے دیں گے تو میرے لیے آپ کی بات ماننا ہی ایک تحفہ ہوگا۔“ رخصتی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”خیر یہ تو نہیں ہو سکتا کہ میں تمہیں بیٹے کی پیدائش پر کچھ بھی نہ دوں مگر ٹھیک ہے۔ پہلے تم بتاؤ، تمہیں بیٹے کے لیے کیا چاہیے۔“ منصور علی جواباً مسکرائے۔

”میری ہمت نہیں ہو رہی۔“ رخصتی ایک دم کہتے کہتے ہچکچائی۔

”ارے یہ کیا بات ہوئی بولو بھئی! کیا چاہیے تمہیں اپنے بیٹے کے لیے۔“

”آپ نہ مانے تو؟“

”کیوں نہیں مانوں گا؟ آج تک کبھی تمہاری مرضی کا تحفہ دینے سے انکار کیا ہے۔ تم نے جس چیز پر ہاتھ رکھا میں نے خریدی بلکہ جس چیز کو پسندیدگی کی نظر سے دیکھا میں وہ چیز بھی لے آیا تو پھر اب کیا ہو گیا۔“

”تخے کی مالیت زیادہ ہے اس لیے کہہ رہی ہوں۔“

”تخے کی مالیت کو چھوڑو تم صرف نام لو پھر اگر میں وہ چیز تمہارے بیٹے کو نہ دوں تو پھر کہنا۔“

”سوچ لیں۔“

”منصور علی کو سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ منہ سے تب ہی کوئی بات نکالتا ہے جب وہ اس پر پہلے ہی سوچ چکا ہو۔“

منصور علی نے بے حد اطمینان اور لاپرواہی کے انداز میں کہا۔ ”تم صرف بتاؤ کہ تمہیں اپنے بیٹے کے لیے کیا چاہیے۔“

رکشی نے ایک نظر مسکراتے ہوئے منصور علی پر ڈالی پھر ان کی گود میں موجود اپنے بیٹے کو دیکھا اور پھر ایک اطمینان بھرا سانس لے کر اس نے کہا۔

”میری خواہش ہے کہ آپ اپنی پرانی فیکٹری میرے بیٹے کے نام کر دیں۔“

منصور علی کے چہرے سے ہلکے جھکتے میں مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ ”پرانی فیکٹری؟“

”کیوں مشکل میں ڈال دیا؟“ رکشی عجیب سے انداز میں مسکرائی۔

”نہیں اتنی چھوٹی موٹی فرمائشوں سے میں مشکل میں نہیں پڑا کرتا۔“ منصور علی نے جیسے اپنے حواس پر قابو پایا۔ ”تم سے وعدہ کیا ہے اس لیے پورا تو کرنا ہے۔“ انہوں نے گود میں لیے ہوئے بیٹے کو چوما۔ ”تم چاہتی ہو یہ فیکٹری میں اس کے نام کر دوں؟ ٹھیک ہے میں کر دیتا ہوں۔ اب تم خوش ہو؟“ منصور علی نے مسکراتے ہوئے رکشی سے پوچھا۔

رکشی کا چہرہ یک دم کھل اٹھا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ منصور علی اتنی آسانی سے اس کی بات مان جائیں گے۔

”خوش.....؟ آپ کو اندازہ نہیں ہے میں بہت خوش ہوں۔“ اس کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

”اچھا پھر یہ بتاؤ کہ تمہیں تخے میں کیا چاہیے؟“

”آپ نے اتنا بڑا تحفہ میرے کہنے پر میرے بیٹے کو دیا ہے کہ مجھے اب اور کسی تخے کی ضرورت ہی نہیں رہی۔“ رکشی نے کہا۔

”مگر میری خواہش ہے کہ تم مجھ سے اپنے لیے کچھ مانگو۔“ منصور علی نے اصرار کیا۔

”نہیں میری اب اور کوئی فرمائش نہیں ہے مجھے پہلے ہی بہت کچھ مل چکا ہے۔ آپ جیسا شوہر..... گھر..... پینا..... کچھ..... بس اور کچھ نہیں چاہیے مجھے۔“ رکشی نے ایک بار پھر انکار کیا۔

”اس کا مطلب ہے کہ مجھے اپنی مرضی سے تمہیں کچھ دینا پڑے گا۔“ منصور علی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

”منصور چچا سے زیادہ خود غرض انسان میں نے آج تک نہیں دیکھا۔“ اسامہ فون پر کہہ رہا تھا۔ ”مجھے حیرت ہے کہ مجھے آج تک یہ احساس کیوں نہیں ہوا کہ وہ اتنے خود غرض انسان ہیں۔ یہ سب کچھ صرف رکشی کی وجہ سے نہیں ہو رہا وہ خود ہی ایک ایسے انسان نہیں ہیں۔ رکشی نے تو صرف ان کے اندر کی چھپی ہوئی کینٹینی کو ہم سب کے سامنے لا رکھا ہے۔“

فون کار میسر تھا صبح چپ چاپ اسامہ کو اپنے دل کی بجز اس نکالنے سن رہی تھی۔ وہ بے حد غصے اور طیش میں تھا۔ منصور سے ملاقات کے فوراً بعد اس نے کئی بار فون کر کے صبح سے بات کرنے کی کوشش کی تھی مگر رکشی کی ہدایت کے مطابق فون پر اسامہ کی آواز سنتے ہی صبح گھر نہ ہونے کا کہتے رہے۔ منصور علی کے رکشی کے پاس ہاسپٹل چلے جانے کے بعد سب نے اسامہ کو فون کیا وہ گھر پر ہی تھا اور اب وہ اسے کچھ کہنے پہلے منصور علی کے ساتھ آفس میں ہونے والی گفتگو بتاتے



ہوئے بیچ و تاب کھا رہا تھا۔

”اور تم... تم مجھے یہ بتا رہی ہو کہ انہوں نے تمہیں وکیل سے مل کر خلع کے کاغذات پر سائن کرنے کے لئے کہا ہے۔ آخر تم نے ان کے منہ سے یہ سن کیسے لیا۔ تمہیں چاہیے تھا تم انہیں کھری کھری سنا تم۔ آخر وہ اپنے آپ کو سمجھنے کیا لگے ہیں۔ دوسروں کی زندگیوں کے ساتھ کھیل رہے ہیں۔ خوف نہیں آتا انہیں؟ خوف نہیں آتا تو کم از کم کچھ شرم ہی کر لیں۔ اپنی بیٹیوں کو طلاق دلا رہے ہیں صرف اپنا گھر بنانے کے لیے۔ خاندان والے جو کچھ ان کے بارے میں کہہ رہے ہیں ان کو سنا چاہیے تاکہ انہیں پتا چلے کہ دولت سارے عیب نہیں ڈھانپ لیتی۔ لوگ سامنے بات نہ کر سکیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ پیچھے بھی خاموش رہتے ہیں۔“

اسامہ یہ جاننے کے باوجود کہ صیغہ اس معاملے میں پوری طرح بے بس ہے بولتا جا رہا تھا۔

”جب تمہارے والد بزرگوار مجھ سے گفتگو فرما رہے تھے تو میرا دل چاہا تھا۔ میں دو جھانپڑ رسید کروں ان کے اور ان کی طبیعت صاف کروں مگر مجھے صرف اپنے رشتے کا لحاظ تھا جو ان کو بالکل نہیں تھا..... مگر یہ جس طرح کی حرکتیں فرما رہے ہیں یہ بہت جلد چپیں گے..... مجھ سے نہیں تو کسی اور سے سہی۔“ اسامہ نے ہر لحاظ اور احترام بالائے طاق رکھ دیا تھا۔

”تم کیوں چپ ہو رہے ہو؟“ اسامہ کو اچانک خیال آیا کہ وہ بہت دیر سے خاموش ہے۔

”میں کیا بولوں؟“ کہنے کے لیے باقی کیا رہ گیا ہے۔“ صیغہ نے پھیکے لہجہ میں کہا۔

”میں تمہیں صاف صاف بتا رہا ہوں تم کسی قسم کے کسی کاغذ پر سائن نہیں کرو گی۔ میں منصور چچا کو بتا چکا ہوں کہ وہ مجھ سے طلاق کی توقع نہ رکھیں اور وہ مجھے تو کسی طرح پریشاں نہیں کر سکتے اور اب ان کے پاس واحد راستہ یہی ہے کہ وہ تمہیں بھڑکریں اور تم..... تم کسی کاغذ پر سائن نہیں کرو گی۔ انہیں بتا دو کہ کسی بھی قیمت پر مجھ سے خلع نہیں لو گی سنا تم نے۔“ اسامہ نے سختی سے کہا۔

”اور اگر پاپا نے مجھے گھر سے نکال دیا تو.....؟ مجھے روشاں زارا اور رابعہ کو؟“

”تو کیا ہوگا کوئی قیامت نہیں ٹوٹ پڑے گی۔“ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد اسامہ نے کہا۔ ”تم میرے پاس آ سکتی ہو میری بیوی ہوتی۔“

”اور روشاں زارا اور رابعہ اور زارا۔ وہ کہاں جائیں گے۔“

”وہ تمہاری ہی کے پاس جا سکتے ہیں۔“

”میری ہی انہیں کہاں رکھیں گی کوئی گھر ہے ان کا؟ وہ خود صفدر انکل کے پاس رہ رہی ہیں اور جس طرح وہ رہی ہیں صرف میں جانتی ہوں۔“

”روشاں زارا اور رابعہ اور زارا تمہاری ذمہ داری نہیں ہیں۔ وہ تمہارے والدین کی ذمہ داری ہیں۔ تمہیں صرف اپنے اور میرے بارے میں سوچنا چاہیے اپنی اور میری زندگی کے بارے میں۔“ اسامہ نے کہا۔

”مجھے ان کے بارے میں بھی سوچنا ہے میں ان کو فٹ پاتھ پر نہیں لا سکتی۔ آپ پاپا کو جانتے ہیں ان کے نزدیک ہماری کتنی اہمیت ہے یہ بھی اچھی طرح جانتے ہیں۔ پاپا تو ہم سب لوگوں کو گھر سے نکلنے میں چند منٹ بھی نہیں لگائیں گے۔“

”نہیں میں طلاق کے بارے میں سوچ رہی ہوں۔“ اسامہ نے بے یقینی سے کہا۔

”میں اور پیچھے کھائی۔ میں تو کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں رہی ہوں۔ میں تو آپ کو اپنے خدشات بتا رہی ہوں۔ میرے آگے کواں ہے اور پیچھے کھائی۔ میں تو کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں رہی ہوں۔“ صیغہ نے اسامہ کی بات کاٹنے ہوئے کہا۔

”تم ابھی اتنی بھڑکی ہو صیغہ! جتنا تم اپنے آپ کو سمجھ رہی ہو۔ میں تمہارے ساتھ ہوں۔“ اسامہ کے لہجے میں یک دم نرمی دور آئی۔

”میں جانتی ہوں آپ میرے ساتھ ہیں مگر.....“ صیغہ نے بات ادھوری چھوڑی۔

”مگر.....؟“ اسامہ کے لہجے میں ہلکی سی حیرانی تھی۔

”میں اپنے آپ کو بہت بے بس محسوس کر رہی ہوں۔ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا مجھے کیا کرنا چاہیے، کیا نہیں۔ میرے لیے کیا بہتر ہے، کیا نہیں۔“

”تمہارے لیے میرے ساتھ کے علاوہ کچھ بھی بہتر نہیں ہے۔ میں نے تمہارے لیے اپنے پورے خاندان کی مخالفت کر لی ہے۔ اب اگر تم پیچھے قدم ہٹاؤ گی تو میں یہ برداشت نہیں کر سکتوں گا۔“

تم سائن کرنے سے انکار کر دینا، کیا کر گئیں گے منصور چچا آخر کبھی کیا سکتے ہیں۔ تمہیں ان سے ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

وو چپ چاپ فون کارڈ سیور کان سے لگائے ہوئے بیٹھنے منتی رہی۔

روشانی نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہوئے سرسری نظروں سے اسے دیکھا۔ صنف کے چہرے کے تاثرات نے اس کے قدم روک دیے۔ وہاں سے گزر کر اپنے کمرے میں چلے جانے کی بجائے وہ صنف کی طرف آ گیا۔ صنف اور اس کی نظریں ملیں۔

”مئی کا فون ہے؟“ اس نے صنف کے قریب آتے ہوئے مدہم آواز میں پوچھا۔ صنف نے نفی میں سر ہلایا۔ دوسری طرف اب اسامہ خدا حافظ کہہ رہا تھا۔ صنف نے فون رکھ دیا۔

”کس کا فون تھا؟“ روشانی نے اس کے قریب بیٹھے ہوئے ایک بار پھر اس کا چہرہ غور سے دیکھا۔

”اسامہ کا۔“ صنف نے مدہم آواز میں کہا۔

”تم پریشان ہو؟“ روشانی نے کہا۔ ”اسامہ بھائی نے کچھ کہا؟“

”نہیں۔“

”پھر؟“

”پاپا نے آج اسامہ کو آفس بلا دیا تھا۔“ اس بار صنف کی آنکھوں میں نمی جھلکنے لگی۔

”کس لیے؟“

”مجھے طلاق دینے کے لیے۔“

روشانی دم بخود رہ گیا۔

”اسامہ بھائی نے طلاق دے دی؟“ صنف نے نفی میں سر ہلایا۔

روشانی کار کا ہوا سانس جیسے چلنے لگا۔ ”پھر؟“

”اسامہ نے طلاق دینے سے انکار کر دیا۔“

”بہت اچھا کیا انہوں نے، بہت اچھا کیا۔“

صنف نے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔ ”پاپا گھر آ گئے ہیں۔“ صنف نے اسے بتایا۔ ”وہ بہت غصے میں تھے۔ انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ وہ اب خلع کے لیے کیس فائل کر رہے ہیں۔ چند دنوں تک وکیل آئے گا، میں کاغذات پر سائن کر دوں۔“

روشانی نے بے اختیار مٹھیاں بھینچیں۔ ”اور تم نے کیا کہا؟“

”میں نے کچھ نہیں کہا۔“

”کیوں نہیں کہا۔“ روشانی غصے سے بولا۔ ”تم کہہ دیتیں کہ تم خلع نہیں چاہتیں اور خلع کے کاغذات پر کبھی سائن نہیں کرو گی۔ مجھے کم از کم تم سے خاموشی کی توقع نہیں تھی۔“

”میں نہیں کہہ سکتی تھی۔“

”کیوں نہیں کہہ سکتی تھیں۔ تم پاپا سے ڈرتی ہو؟“

”نہیں، میں اور بہت سی چیزوں سے ڈرتی ہوں۔“

روشان نے ابھی نظروں سے اسے دیکھا۔ ”میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ تم خاموش کیوں رہیں۔ کیوں تم نے ہجرت کو سامنے کرنے سے انکار نہیں کیا۔“

صہبہ نے روشان کے چہرے کو دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ایک بار پھر آنسو تھے۔ ”پاپا نے مجھ سے کہا ہے کہ میں اگر اس سے خلع نہیں لوں گی تو وہ.....“

روشان نے اس کی بات کاٹی۔

”تو وہ تمہیں گھر سے نکال دیں گے، بس اور تم ڈر گئیں۔“

”نہیں، انہوں نے کہا کہ وہ ہم سب کو گھر سے نکال دیں گے۔ مجھے رابعہ زارا کو..... اور تمہیں۔“

روشان بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔

☆☆☆

”یہ ہے روم نمبر دو۔“ اس آدمی نے کہا اور وہاں مڑ گیا۔ ہارون کمال نے دروازے پر دستک دی اور اندر داخل ہو گیا۔ کمرہ خالی تھا۔ بیڈ پر کوئی نہیں تھا۔ ہاتھ روم میں سے پانی پینے کی آواز آ رہی تھی۔ ہارون اطمینان سے کمرے میں موجود بیڈ کی سائڈ ٹیبل کی طرف بڑھ گیا۔ اپنے ہاتھ میں کپڑے ہوئے کبے کو اس نے ٹیبل پر رکھ دیا۔ تب ہی ہاتھ روم کا دروازہ کھلنے کی آواز سنائی دی۔

ہارون کمال برق رفتاری سے پلٹا۔ امیر ہاتھ میں تولیہ کپڑے سے دیکھ کر ساکت نظر آ رہی تھی۔ ہارون کمال بے اختیار مسکرایا۔ ”بیلو۔“

امیر جواب دینے کے بجائے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

”میں جانتا ہوں مجھے یہاں یوں اچانک دیکھ کر آپ حیران ہو رہی ہیں۔ بالکل ویسے ہی جیسے میں آپ کو اس حالت میں دیکھ کر حیران ہو رہا ہوں۔“ ہارون نے اس کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ”کیسی ہیں آپ؟“

امیر جواب دینے کے بجائے تولیہ کپڑے اپنے بیڈ کی طرف بڑھ آئی۔ تولیے کو بیڈ کی پائنتی کی طرف اچھال کر وہ بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اس کی نظریں اب سرخ گلابوں کے اس کبے پر مرکوز تھیں۔

”یہ میں آپ کے لیے لایا ہوں۔“ ہارون نے کبے پر اس کی توجہ مرکوز ہوتے دیکھ کر کہا۔ امیر نے ایک نظر چہرہ موزر سے دیکھا پھر دوبارہ کبے کو دیکھنے لگی۔ ہارون کمال چلتا ہوا کرسی کے قریب آیا اور اسے کھینچ کر بیڈ کے پاس اس کے سامنے بیٹھ گیا۔

امیر نے گردن موزر کر اسے نہیں دیکھا۔ سپاٹ چہرے کے ساتھ وہ اسی طرح کبے کو دیکھتی رہی۔ ہارون کچھ دیر خاموش بیٹھا لفظوں کا انتخاب کرتا رہا پھر اس نے کہا۔

”میری سمجھ میں نہیں آ رہا میں کس طرح آپ سے افسوس کا اظہار کروں۔“ اس نے پنے تے لفظوں میں اپنی بات کا آغاز کیا۔

”میں پچھلے کئی ماہ سے کوشش کر رہا تھا کہ کسی طرح آپ سے رابطہ کروں، لیکن میں کامیاب نہیں ہو سکا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ منصور اس حد تک گر جائے گا۔“

امیر نے کبے سے نظر ہٹا کر ایک لمحہ کے لیے اسے دیکھا۔

”مجھے اندازہ ہوتا کہ وہ یہ سب کچھ کرنے والا ہے تو میں کبھی اس کو یہ کچھ نہ کرنے دیتا۔ میں پوری کوشش کرتا اسے روکنے کی۔“ ہارون کے چہرے پر تاسف تھا۔

”مگر اس نے مجھے پوری طرح اندھیرے میں رکھا۔ مجھے کچھ بھی پتا نہیں لگنے دیا۔ مجھے تو افسوس ہوتا ہے کہ میں نے ایسے شخص کے ساتھ بزنس کیوں شروع کیا۔“ ہارون ایک لمحہ کے لیے خاموش ہو گیا۔

”میں جانتا ہوں آپ مجھے پسند نہیں کرتیں لیکن امبر! یقین کریں میں آپ کے ساتھ ہمیشہ سے ہی بہت پُر خلوص رہا ہوں۔ آپ چاہیں تو مجھ سے مدد لے سکتی تھیں مگر آپ نے مجھے اپنا دوست نہیں سمجھا اور آج یہاں آپ کو دیکھ کر میں بتائیں سکتا ہوں کہ مجھے کتنی تکلیف ہو رہی ہے۔ آپ جیسی لڑکیوں کی جگہ ذہنی امراض کے ٹیکنک تو نہیں ہوتے۔“

اس کا انداز اب قدرے جذباتی تھا۔

”میں جانتا ہوں طلحہ نے جو حرکت کی ہے اس سے آپ کو شاک پہنچا ہے مگر اس طرح کے گھٹیا آدمی سے جان چھوٹ جانا آپ کی خوش قسمتی ہے۔ آخر تمہاری کیا اس آدمی میں۔ آپ کے کٹڑوں پر لپٹنے والا ایک معمولی رشتہ دار..... اور آپ اس کو اتنا بے رحم لے رہی ہیں۔“

امبر نے بکے سے اپنی نظریں ہٹائیں۔ وہ اب ہارون کمال کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

”مجھے آپ سے بہت ہمدردی ہے امبر! یقین کریں واقعی ہمدردی ہے مگر آپ کی طلاق آپ کے لیے نعمت غیر ہائے مزید ہے۔ آپ کو تو خوش ہونا چاہیے کہ اس لاپٹی آدمی سے آپ کی جان چھوٹ گئی جسے منصور علی نے آپ کے سر پر تھوپا تھا۔“

امبر کے چہرے اور آنکھوں میں اب بھی کوئی تاثر نہیں تھا۔

”پلیز میری بات کا جواب دیں کچھ تو کہیں اس طرح خاموشی اختیار مت کریں۔ چاہے مجھ سے پہلے کی طرح ہمارا ہی ہو جائیں بڑا بھلا کہیں مگر کچھ بولیں۔“

ہارون کمال نے نرم لہجے میں اصرار کیا۔ ”مجھے بتائیں کہ میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں آپ کو میری کس قسم کی مدد کی ضرورت ہے۔“

وہ دونوں ہاتھ گود میں رکھے بیڈ پر بیٹھی اسی طرح پاؤں لٹکائے چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ ہارون نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔

”میں نے ڈاکٹر سے آپ کے بارے میں بات کی ہے وہ کہہ رہا ہے کہ آپ بہت جلد ٹھیک ہو جائیں گی مگر اس کے لیے آپ کو خود کوشش کرنا پڑے گی۔“

ہارون نے اس کی طرف سے کوئی جواب نہ آنے پر ایک بار پھر گفتگو کا سلسلہ جوڑا۔ اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتا دروازہ کھول کر میزہ اندر آ گئیں۔ ہارون کمال کو دیکھ کر وہ ہکا بکا رہ گئی تھیں۔ ہارون کمال انہیں دیکھ کر اٹھ کھڑا ہوا۔

رہی ٹلیک سلیک کے بعد اس نے میزہ سے کہا۔ ”میں امبر کی خیریت دریافت کرنے آیا تھا اب کسی ہے یہ؟“

میزہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ ہارون کمال کے ساتھ کس طرح کا برتاؤ کریں۔ وہ منصور علی کا دوست تھا وہ اسے اور اس کی فیملی کو منصور علی کے توسط سے ہی جانتی تھیں اور اب وہ وہاں امبر کی خیریت دریافت کرنے کے لیے موجود تھا۔

”پہلے سے کچھ بہتر ہے مگر ابھی اسے ٹھیک ہونے میں بہت وقت لگے گا۔“ میزہ نے رکی انداز میں کہا۔ ”آپ بیٹھے۔“

”شکر یہ۔“ ہارون کہتے ہوئے دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا جبکہ میزہ دیوار کے ساتھ پڑے ہوئے صوفے پر بیٹھ گئیں۔

”مجھے یہ سب کچھ جان کر بہت افسوس ہوا ہے۔“ ہارون کمال نے ایک بار پھر اپنے چہرے اور لفظوں میں تانف لاتے ہوئے کہا۔ ”منصور علی اتنا گرا ہوا آدمی ہے میں تو سوچ بھی نہیں سکتا تھا بھابھی۔“

”اب کیا کہوں! بس قسمت خراب ہو تو انسان کے ساتھ یہی کچھ ہوتا ہے۔“ میزہ کے منہ سے نکلے ہوئے جملوں نے اسے قدرے حیران کیا تھا۔

”آپ کی وجہ سے میں نے منصور کے ساتھ بہت جھگڑا کیا ہے کھری کھری سنائی ہیں اسے۔ میں اگر ڈیل کی وجہ سے مجھ پر ہوتا تو اسی وقت اس کے ساتھ اپنا بزنس ختم کر دیتا۔“

”میں ہمارے ہی وجہ سے آپ کو کوئی زحمت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اب تو دیے بھی کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔“ میزہ نے افسردگی سے کہا۔

”مجھے امبر کے بارے میں پتا چلا تو میں رو نہیں سکا۔ حالانکہ میری پوزیشن بہت آکورڈ ہے۔“

بارون کمال کی بات پر میزہ نے خاموشی اختیار کیے رکھی۔

”میں آپ سے جاننا چاہتا ہوں بھابھی! کہ میں آپ کی کس طرح مدد کر سکتا ہوں؟“

بارون کمال اپنے لہجے میں جتنا خلوص ظاہر کر سکتا تھا اس نے کیا۔

میزہ اس کی آفر پر گڑبڑائیں۔ ”نہیں اس کی ضرورت نہیں۔ ہم لوگوں کوئی احوال کوئی مدد نہیں چاہیے۔“

”نہیں بھابھی! پلیز آپ تکلف مت کریں! آپ مجھے منصور کا دوست مت سمجھیں، منصور میرا صرف بزنس پارٹنر ہے مگر

آپ لوگوں کے ساتھ تو میرے اور میری فیملی کے تعلقات تھے۔ بارون کمال نے ان کے انکار پر کہا۔

”میں جاننا ہوں منصور مانی طور پر کسی طرح بھی آپ لوگوں کو سپورٹ نہیں کر رہا آپ لوگ کراسس میں ہیں میں اسی لیے آپ لوگوں کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔“

”نہیں، چھوٹے موٹے مسائل ہیں، کوئی بڑا مسئلہ نہیں ہے۔ میرا بھائی بزنس میں ہے، منصور سپورٹ نہ بھی کرے تو بھی

مجھے کوئی فرق نہیں پڑتا۔“ میزہ نے پردہ پوشی کی۔

”میں اس کے باوجود آپ لوگوں کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ یہ ڈاکٹر میرا دوست ہے آپ جتنے عرصے امبر کو یہاں رکھنا

چاہیں، اطمینان سے رکھ سکتی ہیں۔ آپ کو اخراجات کی پروا کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ امبر پر ہونے والے سارے اخراجات

میں منصور کے اکاؤنٹس میں سے ادا کرواؤں گا۔“

میزہ چند لمحوں کے لیے کچھ نہیں بول سکیں۔ بارون کمال نے بڑی مہارت سے پینترا بدلا تھا۔

”منصور کا ہم لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہ تو ان نقتہ وینے پر تیار نہیں! آپ علاج کے اخراجات کی بات کر

رہے ہیں۔“ میزہ نے یک دم گلہ کیا۔

”آپ دیکھیے گا، وہ کس طرح یہ اخراجات ادا کرتا ہے۔ وہ میری بات نہیں مانے گا تو میں اس کے ساتھ اپنا بزنس ختم کر

دوں گا۔“

بارون دونوں انداز میں کہتے ہوئے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ والٹ نکال کر اس نے ایک وزیٹنگ کارڈ میزہ کی طرف بڑھایا۔

”یہ میرا کارڈ ہے“ آپ کو میری ضرورت پڑے یا کوئی پریشانی ہو تو آپ میرے کسی بھی نمبر کو استعمال کر کے مجھ سے رابطہ

کر سکتی ہیں اور میں خود بھی روزانہ کچھ دیر کے لیے یہاں تک آتا رہوں گا جب تک امبر کی حالت ٹھیک نہیں ہوتی۔“

اس بار اس نے جملہ مکمل کرتے کرتے امبر کی طرف دیکھا تھا پھر وہ خدا حافظ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گیا۔ میزہ نے

ہاتھ میں پڑے ہوئے کارڈ اور کمرے سے نکلتے ہوئے بارون کمال کو دیکھا۔ اسے لگا، اللہ نے اس کے روپ میں ان کے لیے

کوئی فرشتہ بھجوا دیا تھا۔

☆☆☆

”رشمی کا بیٹا ہوا ہے۔“ صنف نے روشان کے کمرے میں داخل ہونے پر مدھم آواز میں اسے بتایا۔ روشان کا چہرہ یک دم

زرد پڑ گیا۔ اس کا بدترین اندیشہ اور خواب درست ثابت ہو گیا تھا۔ کچھ بھی کہے بغیر وہ صنف کے پاس بیڈ پر بیٹھ گیا۔ بہت دیر تک

دونوں چپ چاپ بیٹھے رہے پھر صنف نے بالآخر اس کو مخاطب کیا۔

”تم کیا سوچ رہے ہو؟“

”کچھ نہیں سوچ رہا مجھے کیا سوچنا ہے۔“ روشان کے لہجے میں ہلکی سی ترشی تھی۔ صنف نے اس کا کندھا تھپتھپایا۔

”کچھ نہیں ہوتا روشان! پاپا کو تم سے بہت محبت ہے۔ ایک اور بیٹا ہو جانے سے تمہاری اہمیت کم نہیں ہوگی۔“

اسے اپنے لفظوں کا کھوکھلا پن خود چھپا۔ روشان کو حیرت نہیں ہوئی، وہ کس طرح اس کی خاموشی کو پڑھنے میں کامیاب ہو

گئی تھی۔ اسے حیرت ہوئی، اگر وہ اس کی خاموشی کی وجہ نہ جان جاتی۔

دروازے پر دستک دے کر ملازم اندر داخل ہوا۔

”صاحب آپ کو نیچے بلا رہے ہیں، وکیل صاحب آئے ہیں۔ منصور صاحب کہہ رہے ہیں کہ آپ جلدی نیچے آ جائیں“

انہیں پیچھ صاحب کے پاس ہاسپٹل جانا ہے۔“ ملازم نے منصور کا پیغام صاف تک پہنچایا۔

”تم جاؤ میں آتی ہوں۔“ صاف کے چہرے کا رنگ کچھ اور پیکا پڑ گیا۔ روشن ایک بار پھر اس کے چہرے کو دیکھنے لگا۔

”وکیل آیا ہے۔“ روشن بڑبڑایا۔ ”تم سے سائن کروانے کے لیے؟“

صاف نے اثبات میں سر ہلایا۔

”تم کیا کرو گی؟“ روشن نے پوچھا۔ اس کے انداز میں بے تابی تھی۔

”میں سائن کر دوں گی۔“ صاف نے تھکے ہوئے انداز میں کہا۔

”صاف!“ روشن نے اختیار کہا۔

”میں اپنے لیے تم لوگوں کو سڑک پر تو نہیں لاسکتی۔ اگر اسامہ سے علیحدگی سے ہم سب کے سر پر چھت رہتی ہے تو یہ اتنا بہتر سودا نہیں ہے۔“ اس نے روشن سے نظر ملائے بغیر کہا۔ روشن دم بخود اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

”ہم لوگ صافرانگل کے گھر جا کر نہیں رہ سکتے اور اسامہ وہ زیادہ سے زیادہ مجھے رکھ سکتا ہے مگر تم لوگوں کا کیا ہوگا۔ میں نہیں چاہتی میری وجہ سے تم لوگوں کی زندگی خراب ہو۔“

”تم ایک بار پھر سوچ لو صاف!“ روشن نے کہا۔

”میں نے بہت سوچا ہے۔ اس ایک رستے کے علاوہ دوسرا کوئی رستہ مجھے نظر نہیں آ رہا۔“

صاف نے مسکرانے کی کوشش کی مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئی۔ چند لمبے کچھ کبھی کی کوشش کرتے رہنے کے بعد وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ روشن نے اپنے اندر نفرت کے ایک آتش فشاں کو پھینکنے محسوس کیا۔ اس نے زندگی میں منصور علی سے اس سے زیادہ نفرت کبھی محسوس نہیں کی تھی۔

☆☆☆

”یہ لو صاحبزادے تمہیں اسی کی ضرورت تھی۔“ مسعود علی نے لاؤنج سے سلام کر کے گزرتے اسامہ کو روک کر ایک لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔

”امید ہے اب تمہارا دماغ ٹھکانے آ جائے گا۔“ انہوں نے مزید تبصرہ کرنا ضروری سمجھا۔

”یہ کیا ہے؟“ اسامہ نے قدرے الجھتے ہوئے اس لفافے کو دیکھا۔

”تمہاری بیوی نے خلع مانگی ہے تم سے۔“ اس بار شبانہ نے طنزیہ انداز میں کہا۔

اسامہ کو یقین نہیں آیا۔ ”کیا؟“

”ہاں کھول کر دیکھ لو۔ ہماری باتیں تو تمہارے لیے کبھی بھی قابل اعتبار نہیں رہیں۔“ شبانہ نے کہا۔

اسامہ کچھ دیر پہلے ہی گھر لوٹا تھا اور رات گئے لوٹنے کی یہ روئین پچھلے کئی ہفتوں سے تھی۔ وہ اپنی پوری فیملی سے بچنے کی کوشش کر رہا تھا۔

کیونکہ سامنا ہونے پر ایک بار پھر وہی گفتگو شروع ہو جاتی تھی جس سے وہ بچتا چاہتا تھا۔ آج بہت دنوں کے بعد مسعود اور شبانہ سے اس کا سامنا ہوا تھا۔ وہ وہاں بیٹھے اسی کا انتظار کر رہے تھے۔ اور انہوں نے آتے ہی وکیل کا وہ نوٹس اس کے

حوالے کر دیا تھا جسے انہوں نے دن کے وقت وصول کیا تھا۔

نوٹس پر نظر ڈالتے ہی اسامہ کے چہرے کا رنگ بدل گیا تھا۔

”اسپائل ... دھوکہ ہے یہ.....“ اس کے منہ سے نکلا۔ ”صاف کبھی مجھ سے خلع نہیں مانگ سکتی۔“

”دیکھتے ہیں اس کے پچھڑ پر آنکھیں کھول کر دیکھو۔“ مسعود غرائے۔

”آپ کا بھائی اتنا بڑا فراڈ ہے کہ اس کے لیے اس طرح کے دستخط کرنا یا کروالینا کوئی بڑی بات نہیں۔“ اسامہ اب بھی

بے یقین تھا۔

”میں فون کر کے پوچھ لیتا ہوں صبح سے! اس کو تو شاید پتہ تک نہیں ہو گا اس فون کے بارے میں۔“

”بڑے بڑے عقل کے اندھے دیکھے ہیں میں نے۔ لیکن تمہارے جیسا نہیں دیکھا۔“ مسعود کو بیٹے پر ایک بار پھر طیش آیا۔

”حقیقت دیکھ کر بھی اسے جھٹلانے کی کوشش کر رہے ہو۔“

”پاپا! میں نہیں مان سکتا کہ صبح مجھ سے خلع مانگے گی۔ ایک ہفتہ پہلے اس سے بات ہوئی ہے میری۔“

”ایک ہفتے میں سات دن ہوتے ہیں۔“ شانہ نے مداخلت کی۔ ”اور یہ صرف تم ہی ہو جو اس کے عشق میں دیوانے ہو

رہے ہو۔ ورنہ منصور علی کی بیٹی وہی کرے گی جو منصور علی چاہے گا۔“

”وہ تو اپنے گھر والوں میں سب سے سمجھ دار نکلی ہے کہ اب تک منصور علی کے گھر پرنگی بیٹھی ہے۔“

مسعود علی نے بھی مداخلت کرنا ضروری سمجھا۔ ”امبر کی طرح حماقت کا مظاہرہ کرتے ہوئے ماں کے ساتھ نہیں گئی اور تم

تم..... سمجھتے ہو کہ وہ تمہارے لیے ہر چیز کو ٹھوکر مار دے گی۔“

”میں جب تک اس سے بات نہیں کر لیتا۔ تب تک.....“ اسامہ اب فون کا ریسیور اٹھائے پریشان انداز میں ان سے

کہہ رہا تھا۔

مسعود علی نے اس کی بات کاٹی۔ ”جب تک تم ہماری بات پر یقین نہیں کرو گے۔ مت کرو.....“ انہوں نے بلند آواز میں

کہا۔ ”تمہیں تو خلع ہو جانے کے بعد بھی یقین نہیں آئے گا کہ خلع ہو چکی ہے۔“

اسامہ نے کچھ نہیں کہا۔ وہ نمبر ملانے کے بعد اب دوسری طرف فون کے اٹھائے جانے کا انتظار کر رہا تھا۔

چند لمحوں تک تپل ہوتے رہنے کے بعد دوسری طرف سے ملازم نے فون اٹھایا۔

”میں اسامہ بول رہا ہوں۔ صبح سے میری بات کرواؤ۔“

”صاحب نے منع کیا ہے صبح بی بی سے بات کروانے سے۔“

دوسری طرف سے ملازم نے کہا۔ اسامہ بے اختیار پچھتایا۔ پریشانی میں وہ ملازم سے اپنا تعارف کروا گیا تھا۔ ورنہ پچھلے

کچھ عرصہ سے وہ ہمیشہ آواز بدل کر صبح کا دوست بن کر اسے بلانے کے لیے کہتا اور ملازم ہمیشہ صبح کو بلا لیتا۔

”دیکھو مجھے اس سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ تم اسے بلا دو۔“ اس بار اسامہ کے لہجے میں غیر محسوس طور پر نرمی اور

لجابت آ گئی۔

”اسامہ صاحب! میں آپ کی بات نہیں کروا سکتا۔ صاحب کہتے ہیں کہ آپ یہاں فون نہ کیا کریں۔“

ملازم نے کھردرے انداز میں کہا اور فون رکھ دیا۔ اسامہ نے ہونٹ کانے وہ فوری طور پر دوبارہ فون کر کے آواز بدل کر

صبح کو بلوانے کے لیے کہہ سکتا تھا۔ مگر ملازم کو شک ہو سکتا تھا اور وہ یہ نہیں چاہتا تھا کہ آئندہ وہ کسی دوست کے کہنے پر بھی اسے

بلا تا بند کر دے۔

”کیوں..... ہو گئی بات؟“ ریسیور رکھتے ہی شانہ نے دل جلا دینے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”اسامہ نے جواب

نہیں دیا۔ وہ پریشانی کے عالم میں فون کے آس پاس ٹھہرا رہا۔

”اسی ذلت اور خواری سے بچانے کی کوشش کر رہے تھے، تمہیں اور اپنے آپ کو۔“ مسعود علی نے کہا۔ ”مگر تم پر تو بہت

سوار تھا۔ اس کے عشق کا۔“ وہ استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

”بیوی ہے میری مٹی میں اسے اس طرح نہیں چھوڑ سکتا۔“ شانہ نے اس کی نقل اتاری۔ ”اب کیا ہو اس بیوی کو۔“

دیکھ لیا تم نے کہ اس کے نزدیک تمہاری یعنی اپنے شوہر کی کیا وقعت ہے۔“

”پلیز مٹی چپ ہو جائیں۔“ اسامہ اس بار برداشت نہیں کر سکا۔ ”میں پہلے ہی پریشان ہوں اور آپ دونوں میری

پریشانی میں اضافہ کر رہے ہیں۔“

”پریشانی تو ابھی شروع ہوئی ہے تمہاری۔“ مسعود علی نے سنجھی سے کہا۔ ”جب کورٹ کچہری کے چکر لگنے شروع ہوں گے تو تمہیں دانتوں تلے پسینہ آ جائے گا۔“ انہوں نے کہا۔

”دینی تو تمہیں طلاق ہی تھی خود دیتے تو کم از کم عزت ہوتی۔ خاندان میں کہ ہم نے چھوڑا اس کی بیٹیوں کو۔“ ان کی آواز بلند ہو گئی۔ ”اب وہ ہر ایک کو بتائے گا کہ اس نے کس طرح ہم سے جان چھڑائی۔ ہم اور ہمارا بیٹا تو اس کے پاؤں پڑ رہے تھے کہ نہیں منصور یہ طلاق مت ہونے دو۔ ہمارے بیٹے کو اپنا داماد رہنے دو۔“

”یہ رشتہ آپ کی پسند آپ کی مرضی سے ہوا تھا۔“ اسامہ سے مسعود کا انداز برداشت نہیں ہوا۔ ”میں نے گھر سے بھاگ کر اس سے شادی نہیں کی تھی۔“ وہ بول رہا تھا۔ ”نہ آپ کی ختم کی تھیں کہ آپ اس لڑکی سے میرا نکاح کریں۔ پھر اس طرح کے فطریوں کر رہے ہیں مجھ پر۔“

”ہم نے رشتہ جوڑا تھا تو ہمیں توڑنے دیتے۔ اتنی طرف داری کیوں کی تم نے اس کی۔“ شبانہ نے تیز آواز میں کہا۔ ”ماں باپ کو دو کوڑی کا کر دیا اس کے سامنے۔ اب دیکھا کیا صلہ پایا۔“

”تمہارے جیسے لڑکے یہ سمجھتے ہیں کہ ماں باپ تو مختل سے پیدل ہیں تم لوگ زیادہ ذہین ہو۔ رشتوں اور زمانے کے رواجوں کو ان سے زیادہ اچھی طرح سمجھتے ہو۔“ مسعود علی کہہ رہے تھے۔ ”تمہارا تو چچا تھا میرا تو بھائی تھا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کس فطرت کا ہے۔ بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔“ وہ بولنے جا رہے تھے۔

”جانتا تھا وہ یہی کچھ کرے گا اور اسی طرح کرے گا۔ اسی لیے کہہ رہا تھا کہ طلاق دے دو اس کی بیٹی کو۔ تمہارا رشتہ اس سے کہیں اچھے خاندان میں کر دیتا مگر تم تو چپکے رہنا چاہتے تھے اس کے ساتھ۔“ منصور علی کا دم چھلان کر..... کروڑ پتی سر کے داماد کا شہہ لگوا کر۔ اب بھگتو اپنے لالچ کی سزا۔“ مسعود علی نے کہا۔

”میں لعنت بھیجتا ہوں اس کروڑ پتی سر پر اور اس کی دولت پر۔“ اسامہ تملایا۔

”یہ آپ کی غلط فہمی ہے کہ اس سے چپکے رہنے کے لیے میں صغہ کو طلاق نہیں دے رہا تھا۔ اپنے بھائی کی دولت میں آپ کو دلچسپی تھی مجھے نہیں۔“

”کجو اس مت کرو۔“ منصور علی دھاڑے۔

”آپ نے دولت کے لیے ہی رشتے جوڑے..... اب روپیہ ملنے کے آثار نہیں رہے تو ایک رشتہ خود توڑ دیا۔ دوسرا رشتہ مجھ سے تروانے کی کوشش کی۔ پھر مجھے کیوں لالچی کا خطاب دے رہے ہیں۔“ اسامہ اب اشتعال میں آ گیا۔

”میرے کون سے مرتبے چھین کر لے گیا ہے آپ کا بھائی..... کچھ نہیں ملا تو آپ کو ہی نہیں ملا۔“

چند لمحوں کے لیے مسعود اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دے سکے۔ پھر شبانہ نے کہا۔

”تم دونوں کو اب آپس میں لڑنے کی ضرورت نہیں ہے جو ہو گیا سو ہو گیا۔“ انہوں نے جانتے بوجھے مصالحتانہ انداز اختیار کیا۔ ”اسامہ! تم ابھی طلاق لکھ کر اسے بھجوا دو تاکہ یہ معاملہ ختم ہو جائے۔ جان چھوڑو اس کی بلکہ سر سے اتارو اس بلا کو۔“

”میں جب تک صغہ سے بات نہیں کر لیتا میں اسے طلاق نہیں دے سکتا۔“ اسامہ نے دونوں کے انداز میں کہا۔

”دیکھا..... دیکھا تم نے اپنے بیٹے کو..... یہ اسے نہیں چھوڑے گا۔ وہی اس کو دھکا کریں گے۔“ مسعود علی کو پھر پیش آیا۔

”آخر تم سننا کیا چاہتے ہو صغہ سے؟“ شبانہ کو بھی غصہ آ گیا۔ ”یہی کہ وہ تم سے قطع چاہتی ہے۔ تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔“

”میں جانتا ہوں وہ کبھی یہ نہیں کہے گی۔“ اسامہ اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔

”قطع کا یہ نوٹس منصور نے اس کے سامنے کیے بغیر بھجوا دیا ہے۔“ مسعود علی تیز آواز میں بولے۔



پریشانی میں اضافہ کر رہے ہیں۔“

”پریشانی تو ابھی شروع ہوئی ہے تمہاری۔“ مسعود علی نے سختی سے کہا۔ ”جب کورٹ کچہری کے چکر لگنے شروع ہوں گے تو تمہیں دانتوں تلے پسینہ آ جائے گا۔“ انہوں نے کہا۔

”دینی تو تمہیں طلاق ہی تھی خود دیتے تو کم از کم عزت ہوتی۔ خاندان میں کہ ہم نے چھوڑا اس کی بیٹیوں کو۔“ ان کی آواز بلند ہو گئی۔ ”اب وہ ہر ایک کو بتائے گا کہ اس نے کس طرح ہم سے جان چھڑائی۔ ہم اور ہمارا بیٹا تو اس کے پاؤں پڑ رہے تھے کہ نہیں منصور یہ طلاق مت ہونے دو۔ ہمارے بیٹے کو اپنا داماد رہنے دو۔“

”یہ رشتہ آپ کی پسند آپ کی مرضی سے ہوا تھا۔“ اسامہ سے مسعود کا انداز برداشت نہیں ہوا۔ ”میں نے گھر سے بھاگ کر اس سے شادی نہیں کی تھی۔“ وہ بول رہا تھا۔ ”نہ آپ کی ختم کی تھیں کہ آپ اس لڑکی سے میرا نکاح کریں۔ پھر اس طرح کے ٹھڑکیوں کر رہے ہیں مجھ پر۔“

”ہم نے رشتہ جوڑا تھا تو ہمیں توڑنے دیتے۔ اتنی طرف داری کیوں کی تم نے اس کی۔“ شبانہ نے تیز آواز میں کہا۔ ”ماں باپ کو دو کوڑی کا کر دیا اس کے سامنے۔ اب دیکھا کیا صلہ پایا۔“

”تمہارے جیسے لڑکے یہ سمجھتے ہیں کہ ماں باپ تو مختل سے پیدل ہیں تم لوگ زیادہ ذہین ہو۔ رشتوں اور زمانے کے رواجوں کو ان سے زیادہ اچھی طرح سمجھتے ہو۔“ مسعود علی کہہ رہے تھے۔ ”تمہارا تو چچا تھا میرا تو بھائی تھا۔ میں نہیں جانتا کہ وہ کس فطرت کا ہے۔ بہت اچھی طرح جانتا ہوں۔“ وہ بولنے جا رہے تھے۔

”جانتا تھا وہ یہی کچھ کرے گا اور اسی طرح کرے گا۔ اسی لیے کہہ رہا تھا کہ طلاق دے دو اس کی بیٹی کو۔ تمہارا رشتہ اس سے کہیں اچھے خاندان میں کر دیتا مگر تم تو چپکے رہنا چاہتے تھے اس کے ساتھ۔“ منصور علی کا دم چھلان کر..... کروڑ پتی سر کے داماد کا ٹھہر لگوا کر۔ اب بھگتو اپنے لالچ کی سزا۔“ مسعود علی نے کہا۔

”میں لعنت بھیجتا ہوں اس کروڑ پتی سر پر اور اس کی دولت پر۔“ اسامہ تملایا۔

”یہ آپ کی غلط فہمی ہے کہ اس سے چپکے رہنے کے لیے میں صبر کو طلاق نہیں دے رہا تھا۔ اپنے بھائی کی دولت میں آپ کو دلچسپی تھی مجھے نہیں۔“

”کجو اس مت کرو۔“ منصور علی دھاڑے۔

”آپ نے دولت کے لیے ہی رشتے جوڑے..... اب روپیہ ملنے کے آثار نہیں رہے تو ایک رشتہ خود توڑ دیا۔ دوسرا رشتہ مجھ سے تروانے کی کوشش کی۔ پھر مجھے کیوں لالچی کا خطاب دے رہے ہیں۔“ اسامہ اب اشتعال میں آ گیا۔

”میرے کون سے مرتبے چھین کر لے گیا ہے آپ کا بھائی..... کچھ نہیں ملا تو آپ کو ہی نہیں ملا۔“

چند لمحوں کے لیے مسعود اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دے سکے۔ پھر شبانہ نے کہا۔

”تم دونوں کو اب آپس میں لڑنے کی ضرورت نہیں ہے جو ہو گیا سو ہو گیا۔“ انہوں نے جانتے بوجھے مصالحتانہ انداز اختیار کیا۔ ”اسامہ! تم ابھی طلاق لکھ کر اسے بھجوا دو تاکہ یہ معاملہ ختم ہو جائے۔ جان چھوڑو اس کی بلکہ سر سے اتارو اس بلا کو۔“

”میں جب تک صبر سے بات نہیں کر لیتا میں اسے طلاق نہیں دے سکتا۔“ اسامہ نے دونوں کے انداز میں کہا۔

”دیکھا..... دیکھا تم نے اپنے بیٹے کو..... یہ اسے نہیں چھوڑے گا۔ وہی اس کو دھکا کریں گے۔“ مسعود علی کو پھر پیش آیا۔

”آخر تم سننا کیا چاہتے ہو صبر سے؟“ شبانہ کو بھی غصہ آ گیا۔ ”یہی کہ وہ تم سے قطع چاہتی ہے۔ تمہارے ساتھ نہیں رہنا چاہتی۔“

”میں جانتا ہوں وہ کبھی یہ نہیں کہے گی۔“ اسامہ اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔

”قطع کا یہ نوٹس منصور نے اس کے سامنے کیے بغیر بھجوا دیا ہے۔“ مسعود علی تیز آواز میں بولے۔

”ہاں ایسا ہی ہوا ہوگا۔“ اس بار شانہ نے اپنے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔ ”کاش کہ طلحہ کی طرح تمہارے پاس بھی تھوڑی بہت عقل ہوتی۔“

”تاکہ آپ مجھے ساری زندگی ضرورت پڑنے پر کچھ پیسوں کی طرح نچاتے ہوئے میری خرید و فروخت کا کام اپنی مرضی کی قیمت پر کر سکتے۔“ اسامہ نے زہریلے انداز میں کہا اور جھپاک سے لاؤنچ سے نکل گیا۔

مسعود اور شانہ اس کے جملے پر سگے۔ ”انداز دیکھا تم نے اس کا۔“ مسعود نے شانہ سے کہا۔

”یہ سب آپ کا تصور ہے۔ آپ کو ہی شوق تھا اپنے بھائی کے ہاں یہ رشتے کرنے کا۔“ شانہ نے مسعود علی کو اڑھام دیا۔

”مجھے شوق تھا یا تمہیں شوق تھا۔ کس نے مجبور کیا تھا ان رشتوں کے لیے مجھے۔“ مسعود علی کو اس بار شانہ پر غصہ آیا۔

”ہاں ہر کام آپ میری مرضی سے ہی کرتے ہیں۔ ساری عمر فرماں بردار ہو کر تو گزاری ہے آپ نے۔“ شانہ کہنے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

”ہاں میں ہی اجس تھا کہ تمہاری خواہش پر اس مصیبت میں پھنس گیا۔ نہ میں تمہاری بات سنتا، نہ منصور کے ساتھ کام دار کا سوچتا۔..... اپنا کام کر رہا ہوتا تو آج میں اور میرے بیٹے اس حالت میں نہ ہوتے۔“ مسعود علی نے بھی بدلہ چکایا۔ شانہ لاؤنچ سے نکلنے نکلنے واپس آئیں۔

اگلا ایک گھنٹہ ان کے درمیان جھگڑے میں گزرا۔ جب کہ اوپر اپنے کمرے میں اسامہ مسلسل صبح کے ساتھ رابطہ کرنے کی کوشش کرتا رہا۔ مگر صبح سے رابطہ کرنے میں ناکام ہونے پر اس نے بلاخر مزیدہ کوفون کیا۔

مزیدہ کو اس کال پر حیرانی ہوئی تھی۔ وہ امبر کے ساتھ کلینک پر ہی تھیں اور اسامہ نے اس سے پہلے امبر کا حال احوال دریافت کرنے کے لیے فون کیا تھا نہ ہی وہ وہاں آیا تھا۔ مگر اب اچانک اس کی کال آنے پر وہ قدرے تشویش میں مبتلا ہو گئیں۔ اور ان کی یہ تشویش صحیح ثابت ہوئی تھی۔ اسامہ نے کسی تمہید کے بغیر انہیں خلع کے نوٹس کے بارے میں بتا دیا۔ مزیدہ دھک سے رہ گئی تھیں۔

”صبحہ دو دن پہلے میرے پاس آئی تھی۔ اس نے ایسا کوئی ذکر نہیں کیا۔“ انہوں نے بے اختیار کہا۔

”اس سے آخری بار میری بات ایک ہفتہ پہلے ہوئی تھی۔ اس نے تب مجھ سے بھی ایسا کچھ نہیں کہا تھا۔“ اسامہ نے انہیں بتایا۔

”وہ مجھ سے کہا کہہ رہی تھی کہ وہ طلاق نہیں چاہتی۔“ اسامہ کو اس کی گفتگو یاد آ رہی تھی۔ ”وہ کچھ کنفیوز اور پریشان ضرور تھی، مگر اس نے کسی بھی طرح اس قسم کا کوئی ارادہ ظاہر نہیں کیا تھا کہ وہ خلع چاہتی ہے۔ وہ ایسا کچھ کہتی تو میں اس کو خلع دے دیتا۔ وکیل کے نوٹس کی تو ضرورت ہی نہیں تھی۔“ اسامہ نے کہا۔

”مجھے لگتا ہے یہ نوٹس اس کی لاعلمی میں بھجوا گیا ہے۔ اس نے ایسا کوئی فیصلہ کیا ہوتا تو وہ مجھے نہیں تو کم از کم آپ کو تو ضرور بتاتی۔“

”دو دن پہلے وہ میرے پاس آئی تو کچھ چپ چپ اور پریشان سی لگ رہی تھی۔“ مزیدہ کو یاد آیا۔

”میں نے اس سے پوچھا بھی مگر وہ یہ کہہ کر نال لگی کہ طبیعت خراب ہے۔ اب پتا نہیں واقعی طبیعت خراب تھی یا پھر وہ یہی بات مجھ سے چھپانا چاہ رہی تھی۔“

اسامہ کو شاک لگا۔ ”آپ کا مطلب ہے یہ نوٹس اس کے علم میں ہے۔ یہ اس نے بھجوا دیا ہے؟“

”میں نے یہ نہیں کہا۔ میں تو صرف تمہیں بتا رہی ہوں کہ وہ دو دن پہلے پریشان لگ رہی تھی۔“ مزیدہ نے کہا ”ضروری تو نہیں کہ اس کی پریشانی کی وجہ نوٹس ہی ہو۔ اس گھر میں میرے بچوں کے لیے اور بھی بہت سے مسائل ہیں۔“ مزیدہ کو دل بھرا آیا۔

”آپ مجھے یہ بتائیں کہ اس وقت میں اس سے رابطہ کیسے کروں؟“ اسامہ کو انہیں تسلیاں دینے میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ اسے اس وقت اپنی پڑی ہوئی تھی۔

”آپ اس کو فون کر دیں اور اس سے کہیں کہ وہ یا تو مجھے فون کرے یا پھر مجھ سے گھر سے باہر آ کر کہیں ملے۔ مجھ سے تو کوئی اس کی بات نہیں کروا رہا۔ میں نے بہت کوشش کر کے دیکھ لی ہے۔“

”اسامہ! میں بھی اب اس سے بات نہیں کر سکتی۔ صبح نے گھر فون کرنے سے منع کر دیا ہے۔ وہ کہہ رہی تھی اس کے پاپا بہت بیمار ہیں۔ ملازم بھی ہر وقت فون کی مگرانی کرتے رہتے ہیں۔ وہ اب خود فون کر سکتی ہے نہ ہی فون اٹھا سکتی ہے۔ چند ایک بار میں نے روشناس سے بات کرنے کے لیے فون کرنے کی کوشش کی ہے۔ مگر انہوں نے میری بات اس سے نہیں کروائی۔ اور فون بند کر دیا۔“ مزیزہ نے اسامہ کو بتایا۔

”اس نے آپ کو بتایا کہ وہ آپ سے ملنے اب کب آئے گی؟“ اسامہ نے کہا۔

”نہیں..... ایسا تو کچھ نہیں کہا۔ مگر ہو سکتا ہے ایک دو روز میں پھر آئے۔ وہ اسی طرح دو تین دن کے بعد چکر لگاتی رہتی ہے۔“ مزیزہ نے اطلاع دی۔

”وہ آپ کے پاس آئے تو آپ میرا پیغام اسے دیں۔“ اسامہ نے کہا۔

”بلکہ آپ اسی وقت مجھے فون کر کے بلوائیں۔“ اسامہ نے کہا۔

”میں تمہیں بلوا لوں گی۔ تم فکر مت کرو..... اور دیکھو تم اسے طلاق مت دینا۔“ مزیزہ نے کہا۔

”منصور پاگل ہو چکا ہے اس کو نظر ہی نہیں آ رہا کہ وہ کس کس کا گھر تباہ کر رہا ہے۔ مگر تم تو مجھ دار ہو۔ صورت حال کو سمجھ سکتے ہو۔“

”میں جانتا ہوں..... اسی لیے تو آپ سے رابطہ کیا ہے میں نے؟“ اسامہ نے مایوسی اور دل شکستگی کے عالم میں کہا۔ اس کا سزا مزیزہ سے بات کر کے بھی حل نہیں ہوا تھا۔ اور وہ ذہنی طور پر اور الجھ گیا تھا۔

”آپ بس خیال رکھیں کہ وہ آپ کے پاس آئے تو آپ اس سے میری بات کروائیں۔“ اسامہ نے فون بند کرنے سے پہلے مزیزہ کو ایک بار پھر تاکید دی۔

مزیزہ نے اسے یقین دلایا کہ وہ یہی کریں گی۔ فون رکھ کر اسامہ اپنے کمرے میں پھر چکر لگانے میں مصروف ہو گیا۔

☆☆☆

اسامہ سے بات کرنے کے بعد مزیزہ خود بھی بہت پریشان ہو گئی تھیں۔ انہیں اندازہ نہیں تھا کہ منصور علی کے گھر میں اس طرح کی صورت حال تھی اور انہیں حیرانی تھی کہ اتنا کچھ ہونے کے باوجود صبح نے اسے کیوں کچھ نہیں بتایا۔ اس نے اسامہ سے طلاق کا فیصلہ کیوں کر لیا۔ وہ جانتی تھیں طلاق کا یہ فیصلہ منصور علی کے دباؤ کی وجہ سے ہوا ہوگا، مگر پھر بھی صبح کو منصور علی کی بات نہیں مانتی چاہیے تھی یا کم از کم وہ ان سے مشورہ تو کر سکتی تھی۔

وہ اسی پریشانی میں امبر کے پاس کمرے میں لوٹ آئیں۔

”کس کا فون تھا؟“ امبر نے کمرے میں داخل ہوتے ہی ان سے پوچھا۔ اس سے پہلے کہ مزیزہ جواب میں کچھ کہیں۔

”امبر نے کہا۔“ ہارون کا؟“

”نہیں۔“ مزیزہ نے محسوس کیا جیسے وہ ایک دم مایوس ہوئی تھی۔

”آج ہارون نہیں آیا۔ پتہ نہیں کیا بات ہے؟“ وہ بڑبڑائی۔ وہ بیڈ سائڈ ٹیبل پر گلہ ان میں لگے ہوئے ان پھولوں کو دیکھ رہی تھی۔ جو ہارون کمال پچھلی رات کو لایا تھا۔

پچھلے ایک ہفتے سے وہ روز آ رہا تھا۔ امبر کے لیے پھول لاتا، کچھ دیر بیٹھ کر گپ شپ کرتا اور چلا جاتا۔ مزیزہ کو لگ رہا تھا ہارون کمال کے آنے سے وہ بہتر محسوس کرتی ہے۔ وہ ہارون کمال کی باتوں کا جواب دینے لگی تھی۔ آج وہ ایک ہفتہ کے بعد پہلی بار نہیں آیا تھا اور امبر نے اس کی عدم موجودگی کو محسوس کیا تھا۔

مزیزہ صوفے پر جا کر بیٹھ گئیں۔ ہارون کمال کی روزانہ آمد کو انہوں نے کوئی معنی پہنانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ کیونکہ

انہیں اس کے انداز میں کچھ بھی قابل اعتراض محسوس نہیں ہوا تھا۔ بلکہ انہیں اس کی اس طرح آمد ایک سہارا محسوس ہوئی تھی۔ اگرچہ انہوں نے صبح سے بارون کمال کی آمد کا ذکر نہیں کیا تھا۔ مگر امبر میں آنے والی تبدیلی کو صبح نے بھی دو دن پہلے محسوس کیا تھا۔

”ہاں بہتر ہو رہی ہے۔“ ڈاکٹر کہہ رہا تھا کہ اگر اسی طرح بہتر ہوتی مئی تو ایک دو ہفتے تک اس کو ڈیپارچ کر دیں گے۔“ نیزہ نے اسے اطلاع دی، مگر انہوں نے جب بھی بارون کمال کا ذکر نہیں کیا۔ جس نے بچھلے ہفتے ڈاکٹر کے تمام ڈیوٹی کلیر کر دیے تھے۔ شاید غیر شعوری طور پر انہوں نے وراثت صبح سے یہ بات چھپائی تھی کیونکہ انہیں اندازہ تھا کہ وہ بارون کمال کی اس امداد کو اتنے آرام سے قبول نہیں کرے گی۔ اور اب وہ سوچ رہی تھیں کہ اس ساری صورت حال کے بارے میں بارون کمال کی کو آگاہ کیا جائے۔ وہ منصور علی پر دباؤ ڈال سکتا تھا کہ وہ صبح کی خلع کے بارے میں اس طرح کا فیصلہ نہ کرے۔ مگر یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ اس رات بارون کمال نہیں آیا۔ اور اگلے دن اس کے آنے سے پہلے صبح آگئی۔

نیزہ اس کو دیکھتے ہی اسے کلینک کے لان میں لے گئیں۔ وہ امبر کے سامنے اس بارے میں بات نہیں کرنا چاہتی تھیں۔

”منصور علی نے اسامہ کو خلع کا نوٹس بھیج دیا ہے؟“ نیزہ نے چھوٹے ہی صبح سے پوچھا۔

اس کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ یقیناً وہ بے خبر نہیں تھی۔ نیزہ نے اندازہ لگایا۔

”آپ سے کس نے کہا ہے؟“ اس نے مدہم آواز میں نیزہ سے پوچھا۔

”اسامہ نے.....“ صبح نے نظریں اٹھا کر انہیں دیکھا۔

”وہ آیا تھا یہاں؟“

”نہیں اس نے فون کیا تھا، کل رات کو۔ وہ کہہ رہا تھا تم نے اسے یہاں کا نمبر دیا تھا۔“

”ہاں میں نے ہی دیا تھا۔ چند ہفتے پہلے۔ وہ امبر کے بارے میں پوچھنا چاہتا تھا۔“ صبح نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”منصور نے تم سے پیپر پر زبردستی سائن کروائے ہوں گے؟“ نیزہ نے تلخی سے پوچھا۔ ”میں بہت اچھی طرح جانتی ہوں اسے۔“

”نہیں مئی..... کوئی زبردستی نہیں ہوئی۔ میں نے خود سائن کیے ہیں۔“

”کیوں کیے ہیں؟“ نیزہ نے غصے سے کہا۔

”اگر میں یہ نہ کرتی تو..... تو پاپا ہم سب کو گھر سے نکال دیتے۔“ وہ ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ ”میرے پاس کوئی اور آپشن نہیں تھا۔“

”دیکھا..... میں نے کہا تھا اس نے زبردستی کی ہوگی۔“ نیزہ نے کہا۔

”نہیں مئی انہوں نے زبردستی نہیں کی۔ انہوں نے بس چرائیں مجھے ایسی دی تھی کہ میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتی تھی۔“

”اور تم..... تم ڈر گئیں۔ تم نے فوراً سائن کر دیے۔“

”آپ کا خیال ہے کہ میں سائن نہ کرتی تو کچھ نہیں ہوتا۔ وہ ہمیں گھر سے نہ نکالتے۔“

”نکال دیتا تو..... کیا ہو جاتا۔ تم میرے پاس آ جاتیں۔“

”آپ کے پاس کہاں..... آپ کے بھائی کے گھر.....؟“ صبح کا لہجہ سہاٹ تھا۔

”وہ صرف میرے بھائی کا گھر نہیں ہے، میرا گھر بھی ہے۔ کتنی بار بتاؤں تمہیں۔“

”گھر اس کا ہوتا ہے جس کے نام ہوتا ہے اور وہ ان کے نام ہے۔ میں آپ کے لیے مزید مسائل پیدا کرنا نہیں چاہتی

تھی۔“

”اس لیے تم نے اپنے لیے مسائل پیدا کر لیے۔“

صنف نے مسکرانے کی کوشش کی۔ "کچھ نہیں ہوتا، طلاق سے کوئی قیامت نہیں ٹوٹ پڑے گی۔ امبر کو بھی تو ہوئی ہے۔"

اور اس کی حالت دیکھ رہی ہوتی؟

"میرے ساتھ وہ سب کچھ نہیں ہوگا۔ میں تو خود طلاق لے رہی ہوں۔"

"اسامہ کا کیا ہوگا تم نے سوچا..... اس بے چارے نے کتنا ساتھ دیا تمہارا۔"

"کچھ نہیں ہوگا مگر..... اس کو کیا فرق پڑے گا۔ کوئی اور مل جائے گی اسے۔"

"اور تم..... تمہیں؟" نیزہ بات کرتے کرتے رک گئیں۔

"مجھے بھی کوئی اور مل جائے گا۔ اسامہ دنیا کا واحد آدمی تو نہیں ہے۔"

"مگر تم اور اسامہ تو ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔"

"میں اپنی محبت کے لیے اپنے بھائی بہنوں کو سڑک پر لا کر نہیں بٹھا سکتی۔" صنف نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

"تم سمجھتی ہوتی یہ سب کرو گی تو منصور تمہیں گھر سے نہیں نکالے گا، بھول ہے یہ تمہاری۔ وہ تمہیں بھی گھر سے نکال دے

گا اس کے نزدیک کسی رشتے کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔"

"مئی! جب وہ وقت آئے گا تب دیکھا جائے گا۔ فی الحال تو ایسا کچھ بھی نہیں ہے۔"

"اسامہ تم سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔"

"بات کرنے کا اب کوئی فائدہ نہیں۔ آپ اسے سمجھا دیں۔"

"وہ چاہتا ہے۔ تم یہاں آؤ تو میں اسے بھی بلوا لوں۔"

"نہیں مئی! آپ ایسا مت کریں۔ میں اس کا سامنا نہیں کرنا چاہتی۔" صنف نے نفی میں سر ہلا دیا۔

"صنف ایک بار پھر سوچ لو۔"

"مئی! اب سوچنے کا وقت گزر چکا ہے۔" وہ افسردگی سے مسکرائی۔

"میں طلاق یافتہ ہوں۔ اس لیے جانتی ہوں کہ طلاق کا زخم کیا ہوتا ہے۔ یہ جو لوگ ہوتے ہیں نا مار دیتے ہیں اپنی

زبانوں سے۔ جیسے نہیں دیتے۔"

"جینا چاہتا بھی کون ہے..... میں؟ امبر؟ باقی سب.....؟ کوئی جینا نہیں چاہتا۔ بس اب جیسے گزرتی ہے اسے

گزرنے دیں۔ زبان کے کانٹوں سے میں نہیں ڈرتی۔ آپ بھی مت ڈریں۔" وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

"تم کتنی بدل گئی ہو صنف! تم ایسی تو کبھی نہیں تھیں۔ اتنی بڑی کیسے ہو گئیں؟"

نیزہ نے نم آلود آنکھوں سے اسے دیکھا۔ اس کا دل چاہا وہ کہے۔

"میں بڑی نہیں بوڑھی ہو گئی ہوں۔"

"وقت سب سکھا دیتا ہے مئی! صنف کی آنکھوں میں نمی اور ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔

"وہ بھی جو ہم سکھنا چاہتے ہیں اور وہ بھی جس سے ہم بھاگتے ہیں۔ ہر چیز سکھا دیتا ہے۔ خدا حافظ۔" وہ پلٹ گئی۔

"میں اسامہ سے کیا کہوں؟" نیزہ نے اسے آواز دی۔

"اس سے کہیں وہ مجھے معاف کر دے اور طلاق بھجوا دے۔ میں نہیں چاہتی یہ معاملہ لمبا ہو۔"

اس نے ہلکے بغیر نیزہ سے کہا۔ اور پھر لان کر اس کرتی کلینک کے گیٹ سے باہر نکل گئی۔ نیزہ اسے جاتا دیکھتی رہیں۔

آزاد سٹی میونسپلٹی میں جو آتا باقی تھیں اور کیا کچھ تھا جو رہ گیا تھا۔ بے اختیار اندر ہی اندر کڑھتے ہوئے انہوں نے سوچا۔

"میں نے شاید بہت غلط کام کیے ہوں گے۔ مگر میری اولاد نے تو کبھی کوئی غلط کام نہیں کیا۔ پھر انہیں کس چیز کی سزا مل

رہی ہے۔" وہ گلو گبر ہو گئیں۔

"وہ تم سے ملنا نہیں چاہتی۔" اسامہ نے شام کو ایک بار پھر فون کیا تھا۔ وہ صنف کے بارے میں جاننا چاہتا تھا۔ نیزہ نے

اس صبح کے ساتھ ہونے والی گفتگو کے بارے میں بتا دیا۔

”یہ سب اس نے آپ سے کہا؟“ اسامہ کو یقین نہیں آیا۔

”ہاں.....!“

”میں نے آپ سے کہا تھا کہ جب وہ آئے تو آپ مجھے بلا لیں۔ پھر بھی آپ نے مجھے نہیں بلایا۔“ اسامہ نے کہا۔

”صبح نے مجھے سنا کیا تھا۔ وہ تم سے ملنا نہیں چاہتی۔“

”وہ مجھ سے ملنا چاہتی ہے یا نہیں..... میں نہیں جانتا۔ آپ اس سے ہر قیمت پر میری ملاقات کروائیں۔“ اسامہ مشتعل

ہو گیا۔ ”وہ آخر میرے ساتھ کرنا کیا چاہتی ہے۔ مجھ سے کچھ کہتی ہے۔ کرتی کچھ ہے۔“

”وہ چاہتی ہے تم اسے طلاق دے دو۔“

”نہیں! میں اسے طلاق نہیں دوں گا۔“ اسامہ نے دونوک لہجے میں کہا۔ ”پہلے وہ مجھ سے بات کرے..... میرے سامنے

آئے.....“

”اسامہ! میں اس سے تمہاری بات نہیں کروا سکتی۔ تم میری پوزیشن جانتے ہو۔ میں اس گھر میں نہیں رہتی۔“ میزہ نے

قدرے بے بسی سے کہا۔

”جانتا ہوں بہت اچھی طرح جانتا ہوں..... اس گھر کا راستہ آتا ہے مجھے۔ جاسکتا ہوں میں وہاں۔“ اسامہ نے فون شیخ دیا۔

☆☆☆

”اسامہ صاحب آئے ہیں آپ سے ملنا چاہ رہے ہیں۔“ ملازم کی اطلاع نے صبح کے پیروں تلے سے زمین عائب کر

دی تھی۔

”اسامہ آیا ہے؟“ بے اختیار اس کے منہ سے نکلا۔

”جی..... لیکن صبح بی بی! منصور صاحب نے سنا کیا ہے کہ نہ تو فون پر آپ سے ان کی بات کروائی جائے۔ اور نہ ہی

انہیں آپ سے ملنے دیا جائے۔“ ملازم نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

”چوکیدار نیا ہے اس نے انہیں اندر آنے دیا اور میں انہیں باہر نہیں نکال سکا۔ کیونکہ وہ اتنے عرصے سے یہاں آ رہے

ہیں۔“ ملازم نے اپنی مجبوری بتاتے ہوئے کہا۔

صبح کچھ نہ سمجھ آنے والے انداز میں ملازم کا منہ دیکھے جا رہی تھی۔

”اور پھر وہ اتنا اصرار کر رہے تھے کہ میں آپ تک ان کا پیغام پہنچانے پر مجبور ہو گیا۔ آپ سمجھیں میں نے اپنی نوکری

واڈ پر لگا دی ہے۔ اب آپ جا کر ان سے بات کریں۔ اور انہیں سمجھا دیں کہ وہ دوبارہ یہاں نہ آئیں۔“

”تم جاؤ میں آئی ہوں۔“ صبح نے ملازم سے کہا۔ ملازم کمرے سے نکل گیا۔ صبح نے اپنے حواس بحال کرنے کی

کوشش کی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ اسامہ اس طرح کچھ سوچے سمجھے بغیر وہاں آ جائے گا۔ شاید وہ یہ سوچ رہی تھی کہ وہ گھر کے اندر

آنے میں کسی طرح بھی کامیاب نہیں ہو گا۔ مگر جو ہوا تھا وہ اس کی امیدوں کے برعکس ہوا تھا۔ وہ کچھ دیر یہ سوچنے میں مصروف

رہی کہ وہ اسامہ سے جا کر کیا کہے گی۔ مگر اس کے ذہن میں آنے والی ہر آواز اسے بے کار لگ رہی تھی۔ وہ کچھ دیر سر ہچکے

دیں بیٹھی رہی۔ پھر اٹھ کر نیچے چلی آئی۔

اسامہ نیچے لاؤنج میں تھا اور اس کے چہرے پر ویسے ہی تاثرات تھے جیسا وہ توقع کر رہی تھی۔ اسے دیکھ کر وہ اٹھ کھڑا

ہو گیا۔

اسامہ پلیز آپ یہاں سے چلے جائیں۔“ صبح نے اس سے نظر ملانے بغیر کہا۔

”کیوں چلا جاؤں؟ میں تم سے ملنے آیا ہوں۔“ وہ تیز آواز میں بولا۔

”میں جانتی ہوں کہ آپ مجھ سے ملنے آئے ہیں۔ لیکن پاپا کو چاہیے تھا کہ.....“

اسامہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”میں تمہارے پاپا سمیت کسی سے خوفزدہ نہیں ہوں۔ پتا چلتا ہے تو چلے۔۔۔ میں یہی چاہتا ہوں کہ ایسا ہو۔“

”میں آپ کو فون کروں گی آپ اس وقت یہاں سے چلے جائیں۔“

اس بار صنف کی آواز میں لجاجت تھی۔ اسامہ کے انداز سے وہ جان گئی تھی کہ وہ آج وہاں سے نہ جانے کے لیے آیا ہے۔

”میں تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کر سکتا صنف! جو کچھ تم نے میرے ساتھ کیا ہے اس کے بعد تو مجھے کبھی بھی تمہاری بات پر یقین نہیں آئے گا۔“ اسامہ نے اسی انداز میں کہا۔

”پلیز! آپ اس وقت یہاں سے چلے جائیں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ آپ سے فون پر بات کروں گی۔“

”نہیں! میں تم سے فون پر بات نہیں کرنا چاہتا۔ تم سے جو بات بھی ہوگی آئے سانسے ہوگی۔ اور بہتر ہے یہیں ہو۔ تمہارے باپ کے گھر پر۔ مجھے کسی کا ڈرنیس ہے۔“ اسامہ نے اکھڑا انداز میں کہا۔

”پلیز اسامہ! میں ہاتھ جوڑتی ہوں آپ یہاں سے چلے جائیں۔ پاپا آگئے تو وہ ہم سب کو گھر سے نکال دیں گے۔ انہوں نے سب کچھ کیا ہوا ہے مجھے آپ سے ملنے سے۔“

میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں تمہارے پاپا سے خوفزدہ نہیں ہوں مجھے قطعاً کوئی پروا نہیں ہے کہ وہ کیا چاہتے ہیں اور کیا نہیں۔“

اسامہ پر کوئی اثر نہیں ہوا تھا۔ ”میں آپ سے یہاں کوئی بات نہیں کر سکتی۔ اگر آپ یہاں سے نہیں جاتے تو میں چلی جاتی ہوں۔“

وہ یک دم واپس مڑ گئی۔ اسامہ تیزی سے اس کے پیچھے آیا۔

”مجھ سے بات کیے بغیر تم یہاں سے نہیں جا سکتیں۔“ اس نے صنف کا بازو پکڑ کر اسے روکا۔

”اور میں آپ کو بتا چکی ہوں کہ میں یہاں آپ سے بات نہیں کر سکتی۔“ صنف نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

اسامہ چند لمبے اسے دیکھتا رہا۔ ”کہاں ملو گی مجھے؟“ اس نے غراتے ہوئے جیسے ہتھیار ڈالے۔

”میں فون پر آپ کو بتا دوں گی۔“ صنف نے کہا۔

”اور اگر تم نے فون نہ کیا تو میں دوبارہ یہاں آؤں گا۔“ اسامہ نے اسے دھمکی دی۔

”مجھے اگر دیوار کو دکر بھی آنا پڑا تو بھی میں آ جاؤں گا۔“

صنف خمبیدیگی سے اسے دیکھتی رہی۔

”اور میں تمہارے پاپا سے کہوں گا کہ تم نے مجھے بلوایا تھا۔“

”میں نے آپ سے وعدہ کیا ہے تو میں آپ کو فون کروں گی۔ ملوں گی بھی آپ سے۔ پھر آپ مجھے دھمکیاں کیوں

رہے ہیں۔“ صنف نے مدہم آواز میں کہا۔

گھٹت خود وہ انداز میں کہا۔ صنف نے جواب دینے کے بجائے لاؤنچ سے نکلنے کے لئے قدم بڑھا دیے۔ اسامہ اس بار اس کے پیچھے نہیں آیا۔

صنف پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ زندگی کے بڑے فیصلے خود کرنا کتنا مشکل کام تھا اور یہ بڑے فیصلے اگر بہت جلدی

کرنے پڑ جائیں تو ہر ایک اسی ذہنی کیفیت کا شکار ہوتا ہے۔ جس کا شکار وہ ہو رہی تھی۔

”میں نے تم سے کہا تھا۔ تم یہ فیصلہ مت کرو۔“ اسے پتا نہیں چلا اور روشاں کب کرے میں آ گیا تھا۔ عمر اس کی آواز

نے اسے ایک دم چونکا دیا۔ اس نے جلدی سے اپنا چہرہ رگڑ کر آنسو صاف کیے۔

”اسامہ چلا گیا؟“ آنسو صاف کرتے ہوئے اس نے روشنان سے پوچھا۔

”جے گئے ہیں۔“ وہ اس کے پاس بیٹھ گیا۔ ”چھوڑو اس گھر کو اور ہم سب کو..... کسی کی پروا مت کرو۔ تم اسامہ بھائی کے ساتھ جاؤ۔“ روشنان نے اسے بہت سنجیدگی سے مشورہ دیا۔

”میں نہیں جاسکتی۔“ وہ اب اپنا چہرہ صاف کر چکی تھی۔

”بے وقوفی کر رہی ہو تم۔“ روشنان نے کہا۔

”تم جو چاہے کہو مگر میں فیصلہ کر چکی ہوں۔ میں اس سے قطع لے لوں گی۔“

”اور کل کو پاپا نے اگر تمہیں کسی ایسی ویسی جگہ شادی کرنے کے لیے کہا تو.....؟“ روشنان بولا۔

”وہ بھی کر لوں گی۔“

”تم واقعی بے وقوف ہو۔“ روشنان بے اختیار بولا۔

”میری جگہ تم ہوتے تو کیا کرتے روشنان؟“ صبغہ نے اس سے پوچھا۔

”اس وقت میری بات نہیں ہو رہی۔“ روشنان نے کہا۔

”ہو رہی ہے..... میں تم سے پوچھ رہی ہوں۔ تم میری جگہ ہوتے تو کیا کرتے؟“ اس نے کچھ ناراضی سے پوچھا۔

”میں تمہاری جگہ نہیں ہوں صبغہ..... اس لیے میں تو اس بارے میں کچھ سوچ ہی نہیں سکتا۔“ روشنان نے سنجیدگی سے

کہا۔

”میری جگہ اگر تم ہوتے تو تم بھی وہی کرتے جو میں نے کیا ہے۔“ صبغہ نے پورے یقین سے کہا۔

روشنان اس کا چہرہ دیکھتا رہا پھر بولا۔ ”ضروری نہیں ہے۔“

”کیا ضروری نہیں ہے؟“ صبغہ نے بے یقینی سے کہا۔

”کہ میں تمہارے جیسا فیصلہ کرتا۔“ اس کی آواز اس بار مدہم تھی۔

”تم صرف اپنی پروا کرتے۔ ہماری نہیں؟“ وہ استہزائیہ انداز میں مسکرائی۔

”ہاں میں ایسا ہی کرتا.....“ روشنان نے اثبات میں سر ہلایا۔

”یہ ناممکن ہے تم اتنے بے حس نہیں ہو سکتے۔“ صبغہ نے نفی میں سر ہلایا۔

”وقت وقت کی بات ہوتی ہے صبغہ!“

”تم اگر سمجھ رہے ہو روشنان کہ تمہاری ایسی باتوں سے میں اپنا فیصلہ واپس لے لوں گی تو تم غلط سمجھ رہے ہو۔“ اس بار

روشنان خاموش بیٹھا رہا۔

”تم اسامہ کو فون کر دو۔ اس سے کہنا کہ وہ پرسوں امبر کے کلینک پر سہ پہر میں آ جائے۔ میں وہاں اس سے ملوں گی۔“

”تم ان سے کیا کہو گی؟“ روشنان نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔

”کہہ دوں گی کچھ نہ کچھ۔“

روشنان مزید کچھ پوچھنے کے بجائے بیڈ پر لیٹ گیا۔

”بعض دفعہ مجھے لگتا ہے صبغہ! یہ سب ایک nightmare (بھیاںک خواب) ہے۔“ صبغہ نے گردن موز کر کے

دیکھا۔ وہ چھت کو گھور رہا تھا۔

”مجھے بھی یونہی لگتا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو یہی لگتا ہے۔“ صبغہ نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔

”مگر اتنی جلدی ٹوٹ سکتے ہیں؟“ وہ دونوں ہاتھ سر کے نیچے رکھے چپ لپٹے اس سے پوچھ رہا تھا۔ صبغہ کا دل بھر آیا۔

”ابھی بھی اس سوال کے جواب کی ضرورت ہے تمہیں؟“

”ہاں!“ اس نے صبغہ کی طرف دیکھا۔ ”تم کہہ دو..... نہیں مگر کبھی اتنی جلدی نہیں ٹوٹ سکتے۔“ روشنان کے لہجے میں



رنجیدگی تھی۔ صنف نے منہ نیچے کرتے ہوئے کہا۔ ”بہت سارے لوگوں کے گھر ٹوٹ جاتے ہیں۔“ روشن کے لہجے میں رنجیدگی تھی۔

”پھر.....؟“ روشن نے عجیب سوال کیا۔

”پھر..... کچھ نہیں.....“ سارے لفظ یک دم بھگ سے اس کے ذہن سے غائب ہو گئے تھے۔ پھر کے بعد آگے کیا جواب دیا جاسکتا تھا۔ یہ کہ کوئی بات نہیں..... وقت گزرتا رہتا ہے۔ زندگی رکتی نہیں۔ خواہشیں بھی نہیں مرتیں۔ خواب بھی فنا نہیں ہوتے۔ سب کچھ یونہی رہتا ہے، بس گھر نہیں رہتا۔ اور اس کے ساتھ انسان بھی بدل جاتا ہے۔ جیسے وہ سب بدل گئے تھے۔ جیسے اہر بدل گئی تھی۔ یا نیزہ اور وہ.....

”یہ سب آخر ہمارے ساتھ ہی کیوں ہوا صنف.....؟ ہمارے ساتھ کیوں..... اتنے سارے لوگ ہیں دنیا میں..... کسی اور کے ساتھ یہ سب کچھ ہو جاتا.....“ روشن بے چینی کے عالم میں اٹھ کر بیٹھ گیا۔

”ہم نے ایسا کیا کیا تھا کہ یہ سب کچھ صرف ہمارے ساتھ ہوا؟“ وہ ایک بار پھر وہی سوال کر رہا تھا۔ جو وہ پچھلے کئی ماہ میں درجنوں بار اس سے کر چکا تھا۔

”ابھی میرے پاس کوئی جواب نہیں ہے۔ جب جواب آئے گا تو میں تمہیں بتا دوں گی۔“ اسے خود نہیں معلوم تھا اس لیے روشن سے یہ کیوں کہا۔

روشان نے مزید کچھ نہیں کہا۔ وہ چپ چاپ اٹھ کر اس کے پاس سے چلا گیا۔ صنف نے ایک بار پھر آنکھیں بند کر لیں۔ دو دن کے بعد اسے ایک بار پھر اسامہ کا سامنا کرنا تھا۔

☆☆☆

”منصور چچا جیسے خود غرض آدمی کے لیے تم اپنی اور میری زندگی کو داؤ پر لگا رہی ہو۔“ اسامہ تلخ انداز میں کہہ رہا تھا۔ وہ دو دنوں کیلنگ میں موجود تھے۔ اسامہ اس سے بہت دیر پہلے وہاں آیا تھا۔ جب کہ وہ دس منٹ پہلے ہی وہاں پہنچی تھی۔ اور اب وہ لان میں ایک بیچ پر بیٹھے ہوئے تھے۔ پچھلے دس منٹ سے اسامہ ہی بول رہا تھا۔ وہ صرف سن رہی تھی۔

”تمہیں ان بیچرز پر سائن کرتے ہوئے ایک بار بھی میرا خیال نہیں آیا۔ میں نے کتنی بڑی قربانی دی ہے تمہارے لیے۔ اور تم..... تم نے مجھے چھوڑنے کا فیصلہ کرتے ہوئے چند منٹ بھی نہیں لگائے۔“ اس نے تاسف سے کہا۔

”تمہاری نظروں میں میری یا اس رشتہ کی یہ اہمیت تھی؟ میں سمجھتا رہا کہ تم..... تم..... ہر قیمت پر میرا ساتھ دو گی۔ لیکن تم..... اس قدر کمزور اتنی بزدل ثابت ہوئیں۔“

وہ چپ چاپ اسامہ کا چہرہ دیکھتی رہی۔

”تمہارا باپ سمجھتا ہے کہ وہ اس طرح مجھ سے بڑی آسانی سے پیچھا چھڑالے گا۔ نہیں..... میں اس بار اس کو مزہ چکھا دوں گا۔ آنے دو تم اس کو کورٹ میں..... دیکھنا کیا حشر ہو گا اس مقدمے کا۔ کئی سال لگ جائیں گے۔ مگر میں فیصلہ نہیں ہونے دوں گا۔ جتنا لٹا سکا..... اس مقدمے کو لٹاؤں گا۔“

”کئی سال لگ جائیں گے.....“

صنف نے کہا۔ ”اس کے بعد کیا ہو گا..... جب بھی مقدمے کا فیصلہ ہو گا پاپا جیت جائیں گے۔ یہ آپ جانتے ہیں؟“

”تم اگر میرا ساتھ دو.....“ صنف نے اس کی بات کاٹ دی۔

”اور میں آپ کا ساتھ نہیں دوں گی۔ میں آپ سے وعدہ کر بھی لوں تو بھی آپ کا ساتھ نہیں دے سکوں گی۔“ وہ کہہ رہی تھی۔ ”میں قابل اعتبار نہیں ہوں۔“

”تم نے خود اپنے آپ کو ناقابل اعتبار بنایا ہے۔“

”میں کئی حالات نے مجھے ناقابل اعتبار بنا دیا ہے۔“ وہ عجیب سے انداز میں مسکرائی۔

”آپ اس معاملے کو ختم کر دیں۔ مجھے طلاق دے دیں۔“

”تمہارے منہ میں منصور کی زبان ہے۔ اس آدمی نے برین واشنگ کی ہے تمہاری۔“

”آپ بھی سمجھ لیں..... اسی لیے۔ آپ سے کہہ رہی ہوں کہ اس معاملے کو ختم کر دیں۔“

”اتنے سالوں سے میرے نکاح میں ہو۔ تمہارے دل میں ذرہ برابر میرے لیے محبت نہیں ہے؟“ اسامہ کو اس کی بات پر تکلیف ہوئی۔

”مجھے دیکھو میں تمہارے لیے اپنے گھر والوں سے بے عزت ہونا پھر رہا ہوں۔ اور تم..... تمہیں پروا ہی نہیں ہے میری۔ تم سے تو امبر بہتر ہے۔ وہ ایک ایسے آدمی کے لئے پاگل ہو رہی ہے جس نے اسے چھوڑنے میں دو منٹ کا تامل نہیں کیا۔ اور تم..... تمہارے اندر تو میرے لیے کوئی ٹینگو ہی نہیں ہیں صہبہ!“

”آپ یہ چاہتے ہیں کہ میں اس کلیک کے ایک کمرے میں امبر کی طرح ہوش و حواس سے عاری ہو کر آچڑوں تاکہ آپ کو یہ یقین آ جائے کہ میں آپ سے محبت کرتی ہوں۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔

”میں نے یہ نہیں کہا۔“

”آپ مجھ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہیں؟“

اسامہ نے بات کا ٹڈی۔ ”دعویٰ.....؟ میں تم سے محبت کرتا ہوں۔“

”اور آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کیلئے گھر چھوڑ کر آ جاؤں۔ و صہبہ نے اپنی بات جاری رکھی۔ ”میں آ جاتی ہوں مگر میرے ساتھ روشان زار اور رابعہ بھی ہوں گے۔ تمہیں گے انہیں؟“

”ان کو کیوں رکھوں میں ان سے میرا کیا تعلق ہے۔“

”صرف میرے بہن بھائی تو نہیں ہیں وہ..... آپ سے ان کا خونئی رشتہ بھی ہے۔ آپ ان کے کزن ہیں۔“

”مگر وہ میری ذمہ داری نہیں ہیں تم میری ذمہ داری ہو۔“

”وہ آپ کی ذمہ داری نہیں ہیں مگر میری ذمہ داری تو ہیں۔ جیسے آپ کو مجھ سے محبت ہے ویسے ہی مجھے ان سے محبت ہے۔“ اس نے ٹہرتے ہوئے لہجہ میں کہا۔ ”آپ اپنی محبت کے لیے قربانی نہیں دے سکتے، میں دے سکتی ہوں۔“

”صہبہ! تم.....“ اسامہ کا لہجہ اب کمزور تھا۔

صہبہ نے اس کی بات کا ٹڈی۔ ”اسامہ! میں آپ کے سامنے چوائس رکھ رہی ہوں۔ آپ وہ چوائس کر رہے ہیں جس کا حتیٰ نتیجہ میری اور آپ کی علیحدگی ہی ہے پھر آپ صرف مجھے الزام کیوں دے رہے ہیں۔“

”میرے پاس ابھی کوئی دسائل نہیں کہ میں تمہاری فیملی کو سپورٹ کر سکوں۔“ اسامہ نے کہا۔

”آپ کی کون سی سپورٹ چاہیے ہمیں۔ مالی.....؟ نہیں ہم آپ پر بوجھ تو کبھی نہیں نہیں گے۔ میں نے آپ سے یہ تو نہیں کہا کہ آپ میری فیملی کو ”پالنا“ شروع کر دیں۔ آپ کہتے ہیں میں اپنا گھر چھوڑ کر آپ کے ساتھ چلی جاؤں تو آپ مجھے کہاں رکھیں گے۔ کوئی نہ کوئی گھر تو ہوگا۔ اس گھر کی چھت کے نیچے کیا کچھ عرصے کے لیے میرے بھائی بہنوں کے لیے جگہ نہیں نکل سکتی۔ آپ سے اس سے زیادہ سہارا تو نہیں چاہیے۔ اس کے علاوہ اور کچھ مت دیں صرف اتنا۔“

اسامہ خاموش رہا۔ وہ ہونٹ کانٹے ہوئے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ وہ آہستہ سے مسکرا دی۔

”میں نے خلق کے بیچہ ز سائن کر کے کوئی غلطی نہیں کی، صرف آپ کو اور اپنے آپ کو آزمائش سے بچایا ہے۔ خدا حافظ۔“ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اسامہ نے کچھ نہیں کہا۔

کلیک کے گیت کی طرف بڑھتے ہوئے اس کا پورا وجود سراپا سماعت تھا..... وہ..... اب..... شاید اب اسے آواز دے گا..... اب..... شاید اب.....

وہ گیت کی طرف ہر قدم بڑھاتے ہوئے سوچتی رہی۔

کوئی جاوے۔۔۔ کوئی منتر۔۔۔ کچھ۔۔۔ مگر وہ روک لے۔۔۔ اب۔۔۔ اب۔۔۔ اب۔۔۔ اب۔۔۔ اب۔۔۔  
 اس نے آنکھیں بند کر کے گیت کر اس کیا پھر سڑک کی نیم تاریکی میں آنکھیں کھول دیں۔ شام ہو رہی تھی۔ ہلکی ہلکی ہوا  
 چل رہی تھی۔ ہوا سے اس کے تراشیدہ بال اُڑ رہے تھے۔ کلیک کے باہر اسامہ کی گاڑی کھڑی تھی اور اس گاڑی سے ان دونوں  
 کی بہت سی یادیں وابستہ تھیں۔ اس نے سڑک پار کرنے سے پہلے ایک بار اس گاڑی کو دیکھا۔ بہت نرمی سے اس کے ہونٹ کو  
 چھوا پھر سڑکادی۔ سڑک پار کرنے میں اسے چند سیکنڈز لگے تھے۔ ہر چیز میں بس سیکنڈ ہی نکلتے ہیں۔

☆☆☆

دو شام کو چھ بجے گھر پہنچی۔ گیت سے اندر داخل ہوتے ہی وہ ٹھنک گئی۔ منصور کی گاڑی پورچ میں کھڑی تھی۔ وہ اس  
 وقت گھر پر نہیں ہوتے تھے مگر اس وقت موجود تھے۔ رشتی کے نام کیے ہوئے گھر میں اب ساعتہ منتقل ہو چکی تھی اور بیٹے کی  
 پیدائش کے بعد وہ چند دنوں سے ساعتہ کے پاس ہی تھی۔ منصور خود بھی وہیں رہ رہے تھے اور آج کل گھر نہیں آ رہے تھے مگر اس  
 وقت وہ گھر پر موجود تھے۔

اپنے چہرے کے تاثرات کو نازل رکھتے ہوئے وہ لاؤنج میں داخل ہوئی۔ منصور سامنے صوف پر بیٹھے ہوئے تھے۔ صنف  
 کے دل کی دھڑکن تیز ہو گئی۔ اسے ان کا چہرہ پڑھنا آ گیا تھا اور وہ اس وقت ان کے چہرے کو پڑھ رہی تھی۔ ان کی آنکھیں صنف  
 پر جم گئی تھیں۔ ان کے ماتھے پر سلٹیں تھیں۔ وہ ٹانگ پر ٹانگ رکھے صوف پر بیٹھے تھے اور انہوں نے صنف کو اندر آتے ہوئے  
 دیکھ کر بھی اٹھنے کی یا کچھ کہنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اس پر نظریں جمائے اسے اندر آنا دیکھتے رہے۔ صنف ان سے نظریں چرا گئی  
 تھی۔ کچھ اور اندر آنے پر اس نے منصور کو سلام کیا۔

”تم کہاں سے آ رہی ہو؟“ انہوں نے کا جواب دینے کے بجائے اس سے پوچھا۔  
 وہ رک گئی۔ صوف کی پشت پر اپنے ہاتھ رکھ کر اس نے ان کی کپکپاہٹ روکنے کی کوشش کی۔  
 ”میں مارکیٹ گئی تھی کچھ چیزیں لینے کے لیے۔“ صنف نے کہا پھر کہنے کے بعد اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا وہ خالی ہاتھ  
 تھی۔

”کہاں ہیں وہ چیزیں؟“ ان کی آواز میں ٹھنڈک تھی۔  
 ”میں کارڈ لینے گئی تھی۔“ صنف نے نفی ہوتی ہوئی رنگت کے ساتھ کہا۔  
 ”پسند نہیں آئے اس لیے واپس آ گئی۔“

”اور یہ کارڈ تمہیں۔۔۔۔۔۔“ وہ اب اسے اس کلیک کا ایڈریس بتا رہے تھے جہاں پر امبر ایڈیٹ تھی۔ صنف کا حلق خشک ہو  
 گیا۔ منصور اب اٹھ کر کھڑے ہو گئے۔

”پاپا! میری بات تو سنیں۔“ اس نے منصور کو کھڑے ہوتے دیکھ کر کہا۔  
 ”تمیں اب اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ تم امبر اور اس کی ماں سے ملو گی تو میں تمہیں اس گھر  
 سے نکال دوں گا۔“

”پلیز پاپا۔۔۔۔۔۔“ وہ گڑ گڑائی۔ منصور نے بات جاری رکھی۔  
 ”اور تم صرف ان دونوں سے نہیں بلکہ اس کہنے سے بھی مل کر آئی ہو۔“ وہ چلا نہیں رہے تھے صرف بلند آواز میں بول  
 رہے تھے۔

”میں اس سے ہمیشہ کے لیے ہر تعلق توڑ کر آئی ہوں میں صرف اس لیے وہاں گئی تھی۔“ صنف نے بے اختیار کہا۔  
 ”تم جس کام کے لیے بھی گئی تھیں کیوں گئی تھیں؟ میری آنکھوں میں دھول جھونک کر۔۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔۔ صنف! تم ابھی اور  
 اس وقت راجہ اور زارا کو لو اور اس گھر سے چلی جاؤ۔“

”پاپا! پلیز۔۔۔۔۔۔ پلیز میری بات سنیں۔“ وہ ایک بار پھر گڑ گڑائی۔

”میں تمہارے ساتھ وہ نہیں کرنا چاہتا جو میں نے امبر اور اس کی ماں کے ساتھ کیا۔ روؤ یا چلاؤ جو چاہے کرو مگر یہاں سے چلی جاؤ۔ ابھی اور اسی وقت۔“ منصور علی نے دونوک انداز میں کہا۔  
 وہ کپکپاتے ہوئوں کو دانتوں سے کاٹی انہیں دیکھتی رہی۔ وہ اب اس کے بالکل سامنے کھڑے تھے۔  
 ”ٹھیک ہے میں چلی جاتی ہوں مگر رابعہ اور زارا کیوں..... انہوں نے تو کچھ نہیں کیا۔“ اس نے بے آواز کہا۔  
 ”مگر میں انہیں بھی نہیں رکھوں گا۔ وہ اوپر اپنا سامان پیک کر رہی ہیں تم بھی کرو اور چلی جاؤ۔“  
 ”اگر رابعہ اور زارا میرے ساتھ جائیں گی تو پھر روشان بھی جائے گا۔ وہ بھی یہاں نہیں رہے گا۔“ اسے یقین تھا منصور علی اس کی اس بات پر۔ تڑپ اٹھیں گے اور اس سے کہیں گے کہ وہ روشان کو نہیں لے جا سکتی۔ مگر ایسا نہیں ہوا تھا انہوں نے بڑے اطمینان سے ہاتھ کو جھکا اور بیڑھیوں کی طرف اشارہ کیا۔ ”روشان کو لے جانا چاہتی ہو لے جاؤ۔ مجھے اس کی بھی ضرورت نہیں ہے۔“

اور پھر انہوں نے وہیں کھڑے کھڑے بلند آواز میں روشان کو پکارا۔ ”روشان..... روشان.....“

وہ چند لمحوں میں بیڑھیوں میں نمودار ہوا۔

”یہ بیڑیوں اس گھر سے جا رہی ہیں۔ تم اگر جانا چاہتے ہو تو تم بھی چلے جاؤ..... اور دوبارہ کبھی اس گھر میں مت آنا۔“  
 روشان ریٹنگ چلے گئے مگر صدمہ بیڑھیوں پر کھڑا رہا۔ صحنہ نے منصور کو دیکھا۔  
 ”ہم نہیں آئیں گے..... کبھی نہیں آئیں گے۔ وہ تیز قدموں سے بیڑھیوں کی طرف مچی اور بیڑھیاں چڑھنے لگی۔  
 ”آؤ روشان! سامان پیک کریں۔“ روشان کے پاس سے گزرتے ہوئے اس نے اس کا بازو پکڑ کر کھینچا۔  
 روشان نے بازو چھڑا لیا۔ صحنہ بیڑھیاں چڑھتے ہوئے رک گئی۔ اس نے حیرت سے اسے دیکھا۔ وہ وہیں کھڑا تھا۔ اس کا چہرہ بے تاثر تھا۔ وہ نیچے لاؤنج میں کھڑے منصور کو دیکھ رہا تھا۔

”کیا ہوا؟“ صحنہ نے پوچھا۔

”کچھ نہیں۔“ اس نے صحنہ کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

”تو پھر آؤ..... آ کیوں نہیں رہے؟“ صحنہ نے دوبارہ اس کا بازو تھاما۔

”میں تمہارے ساتھ نہیں جاؤں گا صحنہ!“ اس نے جیسے صحنہ کے کانوں میں سیسہ اٹا دیا تھا۔ صحنہ نے بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ ایک بار پھر اس کے ہاتھ سے اپنا بازو چھڑوا رہا تھا۔

”میں یہیں رہوں گا تم لوگ چلے جاؤ۔“ وہ کہتے ہوئے رک نہیں بھاگتے ہوئے بیڑھیاں چڑھ گیا۔

صحنہ پتھر کے بت کی طرح دیہیں کھڑی رہی۔ اس کا منہ کھلا ہوا تھا۔ اس کا رنگ فق تھا۔ روشان غائب ہو چکا تھا۔ صحنہ نے پلٹ کر نیچے لاؤنج میں دیکھا۔ منصور کمر پر دونوں ہاتھ رکھے فاتحانہ انداز میں کھڑے تھے۔ ان کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ ایک لمحے کے لیے زمین جیسے اسے اپنے بیروں کے نیچے سے نکلتی محسوس ہوئی تھی۔ ریٹنگ پر ہاتھ رکھ کر اس نے خود کو بہا دیا۔

”تم نے دیکھ لیا۔ روشان تم لوگوں کے ساتھ نہیں جانا چاہتا، وہ اسی گھر میں رہنا چاہتا ہے۔“

منصور علی نے حکمانہ انداز میں کہا۔ صحنہ اس قدر صدمے کی حالت میں تھی کہ وہ منصور علی کی بات پر کسی رد عمل کا اظہار بھی نہیں کر سکی۔ دم سادھے صرف انہیں دیکھتی رہی۔

”ان دونوں کو ساتھ لود اور یہاں سے چلی جاؤ۔ ڈرائیور تم بیڑیوں کو تمہاری ماں کے پاس چھوڑ آئے گا۔“

صحنہ نے مڑ کر ایک بار پھر روشان کے کمرے کے بند دروازے کو دیکھا پھر وہ خالی اللہی کے عالم میں بیڑھیاں چڑھتی گئی۔

رابعہ اور زارا کے کمرے کا دروازہ کھولنے پر اس نے انہیں بندھے سامان کے ساتھ متوحش پایا تھا۔ وہ اسے دیکھ کر اس کی طرف آگئیں۔ صحنہ نے اپنے اعصاب پر قابو پانے کی کوشش کی۔

”تم دونوں نے اپنا سامان بیک کر لیا ہے؟“ اس نے اپنی آواز کی کپکپاہٹ کو چھپانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔  
 ”پاپا! ہمیں کیوں نکال رہے ہیں؟ ہم نے کیا کیا ہے؟ زارا نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے رو ہاسی آواز

میں پوچھا۔ ”یہ سوال جواب ہم بعد میں کریں گے۔“ صنف نے ہونٹ بھیج کر کہا۔ ”ابھی تم لوگ اپنا سامان بیک کر لو۔“

”ہم نے کیا ہے۔“ رابعہ نے کہا۔ وہ صنف کے چہرے کو فور سے دیکھ رہی تھی۔

”ہم دوبارہ یہاں بھی نہیں آ سکیں گے نہ ہی کوئی چیز منگوا سکیں گے اس لیے اپنی تمام چیزیں ساتھ لے چلو۔“ صنف نے  
 انہیں جوابت دی۔ ”میں اتنی دیر میں اپنا سامان بیک کر لیتی ہوں پھر تم لوگوں کے پاس آتی ہوں۔“ وہ مز کر اپنے کمرے کی  
 طرف چلی گئی۔

اپنے کمرے میں سوٹ کیس کھول کر وہ بہت دیر تک بے مقصد اس کے پاس کھڑی رہی۔ وہ اس کی زندگی کا ایک اور  
 بھیاک دن تھا۔ کچھ چیزوں کو اس نے اپنے ہاتھ سے منوایا تھا۔ باقی چیزیں اس سے جیمین لی گئی تھیں۔ اس کی آنکھوں کے  
 سامنے روشٹان کانفی میں ہلکا سا ہلکا سا گھر جانے پر ان کے تاثرات کو یہیں کھڑے کھڑے دیکھ سکتی تھی۔ وہ کلیئیک  
 میں ایک بستر پر بیٹھی امبر کو دیکھ سکتی تھی اور پھر چہروں کی ایک لمبی قطار تھی جو اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگی تھی۔ اس نے  
 زندگی میں کبھی شطرنج نہیں کھیلی تھی۔ اسے صرف آسان اور سادہ کھیل میں دلچسپی تھی اور اسے قسمت نے شطرنج کی بساط پر بٹھا دیا  
 تھا جہاں اس کے سامنے کھڑا ہر مہرہ اسے پینے کے لیے تیار تھا۔ اسے صرف قدم بڑھانا تھا۔ صرف ایک چال چلنی تھی اور ہر چال  
 کا انجام اسے پہلے ہی نظر آ رہا تھا۔ مات ہر خانے میں اس کا انتظار کر رہی تھی۔

زندگی میں پہلی بار وہ حمل شکست کے گھپ اندھیرے میں جا کھڑی ہوئی تھی اور پہلی بار اسے اپنی حالت پر رونا نہیں آ رہا  
 تھا۔ وہ کس کس بات پر آنسو بہا سکتی تھی اور کب تک۔

کھلی وارڈ روم کے پٹ پر ہاتھ رکھے وہ کچھ دیر پہلے کی کیفیت کو سر سے جھٹکنے کی کوشش کرتی رہی پھر اس نے وارڈ  
 روم سے اپنا سامان نکالنا شروع کر دیا۔ وہ اپنے پاس موجود تمام قیمتی چیزیں نکال رہی تھی۔ زیورات، نقدی پرائز بانڈز، سرٹیفکیٹس،  
 گزٹیاں، کیرے۔ اس نے بہت کم کپڑے بیک میں رکھے تھے۔ اس کا بیک صرف ان چیزوں سے بھرا ہوا تھا جنہیں وہ  
 ضرورت کے وقت استعمال کر سکتی تھی۔

آدھے گھنٹے کے بعد وہ رابعہ اور زارا کے کمرے میں آ گئی۔

”تم اپنے بیک اٹھاؤ، ہم یہاں سے جا رہے ہیں۔“

اس نے اندر آتے ہی ان دونوں سے کہا۔ رابعہ اور زارا نے اپنے سوٹ کیس کھینچنے شروع کر دیے۔ صنف نے ان کی مدد  
 کرنے سے پہلے ان کی وارڈ روم اور درازوں کو اچھی طرح چیک کیا۔ ان سے مختلف چیزوں کے بارے میں پوچھا اور جب  
 اسے یقین ہو گیا کہ وہ اپنی ضرورت کی تمام چیزیں بیک کر چکی ہیں تو اس نے ان کے بیگز دروازے سے باہر رکھ دیے جہاں اس  
 کا اپنا سامان پہلے ہی رکھا ہوا تھا۔ منصور اب نیچے لاؤنج میں نظر نہیں آ رہے تھے۔ روشٹان کے بیڈ روم کا دروازہ بند تھا۔

”روشٹان بھائی نے ابھی سامان بیک نہیں کیا۔؟“ رابعہ نے روشٹان کے کمرے کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے کہا۔

صنف نے اس کا بازو پکڑ کر اسے روک لیا۔ ”روشٹان نہیں جا رہا۔“ اس نے مدھم آواز میں کہا۔

”کیوں؟“ رابعہ نے جیسے حیران ہو کر پوچھا۔

”وہ بیٹکا رہتا جاہتا ہے۔“

رابعہ کے چہرے کی رنگت خنجر ہوئی۔ ”ہم سے الگ، ہمیں چھوڑ کر۔“

”ہاں۔“ صنف نے نیچے کھڑے ملازم کو آواز دیتے ہوئے کہا۔

”آپ روشٹان بھائی سے کہیں وہ یہاں کیوں رو رہے ہیں۔ ہم کو پاپا نے نکال دیا ہے تو۔۔۔“ رابعہ کی سمجھ میں نہیں آ

کہ وہ اپنی بات کیسے مکمل کرے۔

”پاپا نے روشان کو نہیں نکالا، صرف ہمیں نکالا ہے۔“ صبغہ نے ملازم کو سامان اٹھانے کے لیے کہا۔  
”اگر روشان بھائی نہیں جائیں گے تو ہم بھی نہیں جائیں گے۔ پاپا انہیں زبردستی نہیں رکھ سکتے ہیں۔“ رابعہ نے ناراضی سے کہا۔

”پاپا نے اسے زبردستی نہیں رکھا۔ وہ خود اپنی مرضی سے یہاں رہنا چاہتا ہے۔“  
صبغہ نے اپنا شولڈر بیک کندھے پر ڈالتے ہوئے کہا۔ ملازم وزنی سوٹ کیس نیچے لے کر جا رہا تھا۔ زارا ایک کروشان کے بیڈروم کے دروازے کی طرف مگی اور اس نے اسے بجانا شروع کر دیا۔

”روشان بھائی.....! روشان بھائی.....!“ اس نے بلند آواز میں کہا۔ اندر بیڈ پر بیٹھے ہوئے روشان نے اپنی شرٹ کی آستین سے اپنی گیلی آنکھوں کو رگڑا۔ وہ زارا کی آواز سن رہا تھا مگر اس نے اٹھنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ دروازے کو دیکھتے ہوئے وہیں بیٹھا رہتا رہا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے زارا! آؤ چلتے ہیں۔“ اس نے دروازے کے باہر صبغہ کو کہتے سنا۔  
”مگر صبغہ آپا! روشان بھائی کو ساتھ جانا چاہیے ہمارے وہ کیوں یہاں رہیں گے۔؟“ زارا کہہ رہی تھی۔  
”دیر ہو رہی ہے زارا! پاپا باہر نکل آئے تو شاید اتنا سامان لے جانے پر اعتراض کریں۔ بس آ جاؤ وہ یہاں رہنا چاہتا ہے اسے رہنے دو۔“

روشان بے اختیار اٹھ کر دروازے کی طرف گیا۔ دروازے کے دوسری طرف تدموں کی چاب اب دور جا رہی تھی۔ زارا احتجاج کر رہی تھی۔ صبغہ اسے سمجھاتے ہوئے وہاں سے لے جا رہی تھی پھر باہر آواز مکمل طور پر بند ہو گئی۔  
روشان پلٹ کر کمرے میں موجود کھڑکی کی طرف چلا گیا۔ وہ ڈرائیو سے پر نظر کر جمائے ہوئے تھا جہاں کچھ دیر بعد پورچ سے نکلتی اس گاڑی کو گزرتا تھا جس میں وہ تینوں تھیں۔ وہ گاڑی دو منٹ کے بعد پورچ سے نکل کر ڈرائیو سے پر آئی تھی۔  
شام کے دھندلکے میں گھر کی بیرونی روشنیوں میں اس نے کھلے گیٹ سے اس گاڑی کو باہر جاتے دیکھا۔ وہ اس کے اندر بیٹھی تینوں بہنوں میں سے کسی کو نہیں دیکھ سکتا تھا۔ اس گھر میں اس سے پہلے اسے ایسی تہائی محسوس نہیں ہوئی تھی۔ یہاں اس گھر میں اس کا کوئی بھی نہیں رہا تھا اور یہ انتخاب اس نے خود اپنے لیے کیا تھا۔ وہ بدزل تھا۔ اسے اس اعتراف میں عار نہیں تھا۔ وہ اپنی بہنوں اور ماں کے ساتھ اس گھر سے باہر جا کر دھکے کھانے کا حوصلہ نہیں رکھتا تھا۔ وہ اس لائف اسٹائل کو نہیں چھوڑ سکتا تھا جس کا وہ عادی تھا۔ اس گھر میں اس کے لیے ہر وہ آسائش تھی جو وہ چاہتا تھا۔ صفر کے گھر جا کر وہ طفلی کی زندگی نہیں گزار سکتا تھا۔ اسے فیصلہ کرنے میں دیر نہیں لگ تھی۔ اس نے چند منٹوں میں فیصلہ کر لیا تھا اور اب جب وہ فیصلہ کر چکا تھا تو وہ کھڑکی میں کھڑا بچوں کی طرح بلک بلک کر اس گاڑی کو گیٹ سے باہر جاتے دیکھ رہا تھا۔ وہ ٹین ایجر تھا، ننھا بچہ نہیں تھا۔ وہ مرد تھا، عورت نہیں تھا۔ پھر بھی آنسو تھے کہ سیلاب کی طرح اس کو بہائے لے جا رہے تھے۔ منصور علی اور رخصتی سے اس کی نفرت میں اور اضافہ ہوا تھا۔

☆☆☆

صفر انکل گھر پر نہیں تھے مگر ان کی بیوی گھر پر موجود تھی۔ صبغہ، رابعہ اور زارا کو سامان سمیت وہاں دیکھ کر اس نے اپنے تاثرات یا کیفیات چھپانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ وہ انہیں دیکھ کر ہکا بکا رہ گئی تھی اور چند لمحوں میں ہی اس کی حیرانی نے ناراضی کی شکل اختیار کر لی تھی۔

”صبغہ! مجھے کم از کم تم سے یہ توقع نہیں تھی کہ تم اس طرح ان دونوں کے ساتھ گھر چھوڑ کر آ جاؤ گی۔ دو کو پہلے ہی ہم سپورٹ کر رہے ہیں اب تم تینوں بھی.....“ اس کی آواز کی..... مٹی میں بدل گئی۔ ”اب یہ گھر ہے، محل تو ہے نہیں کہ لوگ یوں دھڑا دھڑ سامان لپیٹے شریف لاتے رہیں۔ ہماری اپنی فیملی ہے اور.....“  
صبغہ نے اس کی بات زبردستی سے کاٹ دی۔

”آئی! ہم چلے جائیں گے صرف چند دنوں کے لیے آئے ہیں۔“

”منت کا مال اور جگہ چھوڑ کر کون جاتا ہے۔“ صفدر کی بیوی نے کسی لحاظ اور مردت کے بغیر کہا۔

”آئی! ہم چلے جائیں گے اس وقت رات ہو رہی ہے اور ہم کہیں اور نہیں جاسکتے تھے اس لیے یہاں آ گئے۔“ صنف

نے دے لہجے میں کہا۔  
”نہیں رہو تم..... ہم لوگوں کا گھر تھوڑی ہے..... یہ تم لوگوں کا ہی گھر ہے.....“ صفدر کی بیوی اکثر انداز میں کہتے

ہوئے لاؤنچ سے نکل گئی۔

صنف نے مڑ کر رابعہ اور زارا کو دیکھا۔ وہ دونوں گم صم کھڑی تھیں۔

”آؤ سامان لے کر اندر چلتے ہیں۔“ صنف نے ان سے نظریں ملائے بغیر متانت سے کہا۔

”میں مٹی کے پاس جا رہی ہوں۔“ نیزہ کو دیئے ہوئے کمرے میں اپنا سامان لے آنے کے بعد صنف نے ان دونوں

سے کہا۔  
”مجھے تھوڑی دیر ہو جائے گی وہاں تم دونوں سو جانا اور کچن میں جا کر کھانا کھا لیتا۔“ صنف نے اپنا بیگ نکالتے ہوئے

نہیں ہدایات دیں۔

”صنف! آپ ہمیں ساتھ لے جائیں۔ ہمیں بھی مٹی کے پاس جانا ہے۔“ رابعہ نے اصرار کیا۔

”اس وقت نہیں کل چلیں گے۔“ صنف نے کہا۔

”میرا دل یہاں نہیں لگ رہا۔“ زارا نے اچانک رونا شروع کر دیا۔ ”ہم واپس کیوں نہیں جاسکتے؟“

صنف اس کے پاس بیٹھ کر اسے تھپکنے لگی۔ ”واپس تو ہم نہیں جاسکتے لیکن ہم یہاں سے ضرور چلے جائیں گے۔“

”مجھے پاپا سے نفرت ہے۔“ زارا نے روتے ہوئے مٹھیاں صحنیں۔ ”وہ بہت خراب آدمی ہیں۔“

”اب ان باتوں کا کوئی فائدہ نہیں۔“ صنف نے اسے بہلایا۔

”اور آئی..... آخر آئی ایسا کیوں کر رہی ہیں۔ انہیں ہماری مشکل اور پریشانی کا احساس نہیں ہے۔“ رابعہ نے کہا۔

”وہ تو ہم سے اتنا پیار کرتی تھیں اور اب..... اب کس طرح کر رہی ہیں۔ کوئی گھر میں آنے والے سے ایسی باتیں کرتا ہے۔“

”لیکن انہوں نے ہم کو گھر میں آنے سے روکا تو نہیں نکالا بھی نہیں۔“ صنف نے رابعہ کا کندھا تھپکا۔

”مگر انہوں نے ہماری انسٹل تو کی ہے۔“

”کوئی انسٹل نہیں ہوئی۔“ صنف ہولے سے مسکرائی۔ ”ابھی ہم مشکل وقت میں ہیں اور مشکل وقت میں ہر ایک سے ہر قسم

کی بات سننا پڑتی ہے۔ ناراض ہونے یا دلبرداشتہ ہونے کی ضرورت نہیں۔ ایسا ہر ایک کے ساتھ ہوتا ہے۔“ وہ انہیں سمجھا رہی تھی۔

”میں تم دونوں سے آکر بات کروں گی اس وقت مجھے جانا ہے۔“ وہ شوٹلڈر بیگ اٹھاتے ہوئے کھڑی ہو گئی۔

☆☆☆

نیزہ صنف کو اس وقت وہاں دیکھ کر پریشان ہو گئیں۔ امبر سونے کے لیے لیٹ چکی تھی اور وہ ابھی سونا چاہتی تھیں جب

انہیں صنف کے آنے کی اطلاع ملی تھی۔ صنف نے کمرے میں آنے کے بعد کسی ٹھہریں کے بغیر انہیں سب کچھ بتا دیا۔ نیزہ کی

مالت خیر ہونے لگی۔

”منصور کو کس نے یہاں کا ایڈریس دیا اور پھر تمہارے اور ظلمہ کے بارے میں بتایا؟“

”یہ میں نہیں جانتی مگر جو بھی ہوا ہمارے لیے تو بڑا ہی ہوا۔“

نیزہ سے اب بولا بھی نہیں جا رہا تھا۔ ”روشاش..... وہ..... وہ کیسے وہاں رک گیا۔ وہ تو..... میں..... میری سمجھ میں نہیں

آ رہا..... اب کیا ہوگا۔“ وہ اپنے حواس کھوری تھیں۔

”کچھ نہیں ہوگا سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔“

”صنذر بھائی تو پہلے ہی خوش نہیں تھے اور اب... اب تم تینوں کو دیکھ کر...“ میزہ کو اب بھائی اور بھابھی کی نظر سنانے لگی۔

”مئی! ہم اب ان کے گھر پر نہیں رہیں گے۔“

”تو کہاں رہیں گے؟“ میزہ نے اچھے کر اس کو دیکھا۔

”ہم کہیں کرانے پر گھر لے لیتے ہیں وہاں رہ لیں گے۔ میں اور امبر کوئی جاب کر لیں گے۔“

”امبر کی حالت دیکھی ہے تم نے۔ کیا جاب کرے گی وہ۔ خدا خدا کر کے تو اس کی حالت سنبھلی ہے اور...“ صنذ نے ان کی بات کاٹ دی۔

”تو میں جاب کر لوں گی۔ کافی رقم ہے میرے پاس۔ جیولری بھی ہے، کچھ دوسری قیمتی چیزیں بھی ہیں۔ کچھ عرصے کے لیے تو ہمیں کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔“

”اور اس کے بعد؟“

”اس کے بعد امبر بھی کام کرنے لگے گی۔ سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔“

”صنذ! تم بچکانہ باتیں کر رہی ہو۔“ میزہ نے اس کی تجویز کو رد کر دیا۔

”نہیں مئی!“ صنذ نے نفی میں سر ہلایا۔ ”آپ اس سارے معاملے کو سمجھ نہیں رہیں۔ صنذر انکل اور آئی بیس زیادہ عرصہ

برداشت نہیں کریں گی۔ اس سے پہلے کہ وہ ہمیں گھر سے چلے جانے کا کہیں، ہمیں خود اس بارے میں سوچنا چاہیے۔“

”میں دھکے کھانے کے لیے اب کہیں نہیں جا سکتی۔ پہلے ہی خاصی رسوائی سر لے چکی ہوں۔“

”امبر کے بارے میں سوچیں مئی! وہ اس گھر میں مطمئن نہیں ہے۔“ اس بار میزہ خاموش رہیں مگر ان کے چہرے کے

تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔

”ہم سب اکٹھے رہیں گے تو کوئی نہ کوئی حل نکل ہی آئے گا۔“ صنذ نے انہیں تسلی دی۔

”تم ابھی بہت کم عمر ہو صنذ! تمہیں دنیا کا تجربہ نہیں ہے۔ جوان ہوتی لڑکیوں کے ساتھ کسی مرد کے بغیر رہنا مشکل ہوگا۔“

”مئی! میں کم عمر ہوں لیکن بے وقوف نہیں ہوں۔“ صنذ نے سنجیدگی سے کہا۔ ”کچھ عرصہ مشکل ہوگی پھر سب کچھ ٹھیک ہو

جائے گا۔ میں نے یہ حل دو دن میں نہیں نکالا، بہت دقت لیا ہے۔ ہر طرح سے سوچا ہے تب ہی آپ سے بات کی ہے۔“

”نہیں! ہم اس گھر سے نہیں نکلیں گے۔ ہم وہیں رہیں گے۔“ میزہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

صنذ نے قدرے بے بسی سے اپنے ہونٹ کاٹے۔ میزہ جس بات پر اڑ جاتیں اس پر اڑی ہی رہتیں۔ کوئی دلیل بھی

انہیں اپنے موقف سے ہلاتی نہیں تھی۔

”تم نے اسامہ کو اس سارے واقعہ کے بارے میں بتایا ہے؟“ میزہ نے موضوع تبدیل کرتے ہوئے کہا۔

”نہیں۔“ صنذ نے کہا۔

”کیوں؟“

”ابھی چند گھنٹے پہلے ہی تو میں نے یہیں پر اس کی بات ماننے سے صاف انکار کیا تھا۔ اب چند گھنٹے بعد میں کس منہ سے

اس سے یہ کہوں کہ چونکہ اب مجھے گھر سے نکال دیا گیا ہے اس لیے میں اس کے ساتھ رہنے پر تیار ہوں۔“

”تم اس سے بات تو کرو۔“ میزہ نے اصرار کیا۔

”یہ بے کار ہے۔ ابھی میں نہیں جانتی کہ آگے چل کر کیا ہونے والا ہے۔ اس کا اور میرا ساتھ آئندہ بھی کبھی قائم رہ سکے

گا یا نہیں، حالات اس پر کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں۔ اس لیے یہی بہتر ہے کہ جو چیز کل ختم ہوئی ہے وہ آج ہی ختم ہو جائے۔

ابھی تو خود کو سمجھا چکی ہوں، کل شاید نہ سمجھا سکوں۔“ صنذ نے مدغم آواز میں کہا۔

”بیٹھے بیٹھے خود ہی اندازے لگاتی رہتی ہو۔“



”میں نے اس سے بات کی ہے گی!“

”کیا بات کی ہے اس سے؟“

”وہ مجھے قبول کر سکتا ہے۔ آپ میں سے کسی کو نہیں۔“

”تو وہ نلکا کیا کہہ رہا ہے۔“

”میں ان حالات میں آپ لوگوں کو نہیں چھوڑ سکتی۔“

”ہم لوگ تو پہلے ہی سفدر بھائی کے گھر پر ہیں۔ ہمیں تمہاری مدد کی ضرورت نہیں ہے صنف!“ میزہ نے اسے سمجھایا۔ ”تم

اس کے ساتھ چل جاؤ میں تمہیں رخصت کر دیتی ہوں۔“

”اس کے بارے میں بعد میں بات کریں گے۔“ صنف نے موضوع بدلا۔

”تم اسے فون تو کرو اس سے پہلے کہ وہ ظلع کے ہیپوز پرائسٹن کر دے۔“ میزہ نے بے چینی سے کہا۔

”میں کل فون کروں گی۔“ صنف نے کھڑے ہوتے ہوئے جھوٹ بولا۔

”آج کیوں نہیں؟“ میزہ نے کہا۔

”ابھی بہت سے دوسرے کام نپٹانے ہیں مجھ۔“ وہ پلٹ گئی۔

”میں فون کروں اسے؟“ میزہ نے کہا۔

”نہیں می! میں خود کروں گی۔ امبر کو دستاویج کب تک کر رہے ہیں؟“ اس نے نکلنے سے پہلے پوچھا۔

”اسی نپٹے میں۔ جب سے ہارون نے آنا شروع کیا ہے وہ بہت بہتر ہو گئی ہے۔“ میزہ نے بے ساختگی سے کہا۔

صنف ٹھنک گئی۔ ”ہارون.....؟“

”ہارون کمال۔“ میزہ نے کہا۔

”وہ یہاں آ رہے ہیں؟“ صنف نے تعجب سے کہا۔

”ہاں۔“

”کب سے؟“

”کافی دن ہو گئے ہیں۔“

”آپ نے مجھے نہیں بتایا۔“

”خیال نہیں رہا ہوگا۔“ میزہ نے جھوٹ بولا۔

”روز آتے ہیں؟“

”ہاں تقریباً۔“

”مگر کیوں؟“

”امبر سے بہت ہمدردی ہے انہیں اور ہم لوگوں سے بھی۔ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے زیادتی ہوئی ہے۔“ میزہ نے کہا۔

”وہ پاپا کے پائرنٹز ہیں! ہم سے ہمدردی کا کیا مطلب ہے۔“

”وہ کہہ رہے تھے کہ پائرنٹس ان کی مجبوری ہے مگر وہ سمجھتے ہیں کہ منصور نے ہمارے ساتھ اچھا سلوک نہیں کیا اور

انہوں نے منصور کو بہت سمجھایا بھی تھا ابھی بھی سمجھا رہے ہیں۔“

”ان کے سمجھانے سے ہمیں تو کوئی فائدہ نہیں ہوا پھر کیا ضرورت ہے انہیں ہمارے پاس آنے کی۔“

”اچھے آدی ہیں۔ ہمدردی ہے اس لیے آتے ہیں۔“

”آج آئے تھے؟“ صنف کے ذہن میں جیسے ایک کونڈا پلکا۔

”ہاں۔ جب تم اسامہ کے ساتھ لان میں بیٹھی ہوئی تھیں اس وقت آئے تھے۔ میں نے سوچا تم نے دیکھ لیا ہوگا انہیں

کیونکہ انہوں نے تم دونوں کو دیکھا تھا۔ مجھ سے پوچھ رہے تھے۔“ میزہ نے ساوگی سے کہا۔  
 ”آپ نے ظلع کے بارے میں انہیں بتایا؟“

”ہاں!“

”اور مجھے لگتا ہے انہوں نے ہی پاپا کو میرے اور اسامہ کے بارے میں افکارم کیا اور نہ ہم دونوں کی ملاقات کے بارے میں اور کون جانتا تھا۔“

”تم تمہی باتیں کرتی ہو صبغہ! بارون کیوں ایسا کریں گے۔“ میزہ نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔  
 ”کیونکہ وہ پاپا کے دوست اور پارنٹر ہیں۔“

”وہ ان کی مجبوری ہے۔“

”یہ آپ کا خیال ہے۔ وہ پاپا سے بڑے بزنس مین ہیں۔ جب چاہیں پارنٹرشپ ختم کر سکتے ہیں۔ وہ مجبور نہیں ہیں۔“  
 ”تم انہیں غلط سمجھ رہی ہو، وہ بہت اچھے آدمی ہیں۔“ میزہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”انہوں نے ہی امبر کے بڑے

کلیئر کروائے ہیں۔“

”کیوں؟“ صبغہ نے بے یقینی سے کہا۔ ”ان کا اور ہمارا تعلق کیا ہے اور آپ نے ان کی مدد کی کیوں؟“

”انہوں نے خود مدد کی ہے، بتائے بغیر اور وہ کہہ رہے تھے کہ منصور کو مجبور کریں گے کہ وہ ہم لوگوں کو سپورٹ کرے۔“

”مجھے حیرانی ہو رہی ہے کہ وہ اتنی مہربانیاں کیوں کر رہے ہیں۔ امبر تو سخت ناپسند کرتی تھی انہیں۔“

”نہیں ایسا نہیں ہے۔ امبران کی آمد کو پسند کرتی ہے۔ ڈاکٹر کہہ رہے تھے کہ اس کی حالت بھی ان ہی کی وجہ سے بہتر ہوئی ہے۔“ صبغہ نے یقینی سے میزہ کا چہرہ دیکھتی رہی۔

”وہ کہہ رہے تھے کہ وہ امبر کی شادی طلحہ سے بھی اچھے آدمی سے کروائیں گے۔ مجھے تو بہت حوصلہ اور سہارا ہو گیا ہے ان کی وجہ سے۔“

صبغہ چپ چاپ میزہ کا چہرہ دیکھتی رہی۔ اس کی پریشانوں میں ایک اور اضافہ ہو گیا تھا۔

”میں نے تمہارے اور اسامہ کے معاملے کے بارے میں بھی انہیں سب کچھ بتایا تھا۔ وہ مجھے یقین دلا کر گئے ہیں کہ وہ منصور کو کسی بھی صورت میں یہ قدم نہیں اٹھانے دیں گے۔ وہ تمہیں طلاق سے بچانے کی پوری کوشش کریں گے۔“

”مہی! ان سے ہمارا کوئی تعلق نہیں، کوئی رشتہ نہیں ہے۔“ صبغہ نے جیسے انہیں یاد دلایا۔

”جن سے تعلق اور رشتے ہیں وہ لوگ کہاں ہیں۔“ میزہ نے نفی سے کہا۔ ”ایک ماہ سے امبر یہاں ہے۔ کتنے لوگ آئے اسے دیکھنے کے لئے، ایک بھی نہیں۔ دنیا میں رشتے اور تعلق کوئی معنی نہیں رکھتے۔ یہ سب اچھے دنوں کے ڈھکولے ہوتے

ہیں۔ بُرا وقت آیا اور سب کچھ غائب۔ میں تو حقیقت جان گئی ہوں۔ دیکھ لیا ہے ہر ایک کو میں نے۔“

صبغہ کچھ بول نہیں سکی۔ میزہ کے لہجے میں نفی زیادہ تھی یا تکلیف، وہ اندازہ نہیں لگا سکی۔

”تم اب جاؤ، بہت دیر ہو گئی ہے۔“ میزہ نے موضوع بدل دیا۔

وہ چند لمحے کھڑی انہیں دیکھتی رہی پھر ایک گہرا سانس لے کر چپ چاپ وہاں سے نکل آئی۔

☆☆☆

”میں روشان بول رہا ہوں۔“ اسامہ نے اپنے موبائل پر غیر متوقع طور پر روشان کی کال رسید کی۔

”ہاں روشان! کیا بات ہے؟“ اسامہ غیر محسوس طور پر سرد مہری سے بولا۔

”اسامہ بھائی! پاپا نے صبغہ، رابعہ اور زارا کو گھر سے نکال دیا ہے۔“

اسامہ کا دل اچھل کر طلق میں آ گیا۔ ”کب؟“ بے اختیار اس نے کہا۔

”ابھی کچھ دیر پہلے۔“

”کیوں؟“  
 ”وہ آپ سے ملی تھیں، پاپا کو پتا چل گیا۔“ اسامہ کچھ بول نہیں سکا۔  
 ”اب کہاں ہے وہ؟“  
 ”انگل مندر کے گھر پر۔“

”اوہ۔“  
 ”میں نے آپ کو اس لیے انفارم کیا ہے کہ آپ انہیں طلاق نہ دیں۔ وہ اس گھر میں رہنے کے لیے آپ سے خلع مانگ رہی تھیں مگر اب تو وہ وہی ختم ہو گئی ہے۔“ اسامہ نہیں جانتا کیوں مگر اسے ایک عجیب سی خوشی محسوس ہوئی تھی۔  
 ”آپ انگل مندر کے گھرانے سے کانٹیکٹ کریں۔“

”یہ اس نے تم سے کہا ہے؟“

”نہیں، میں خود کہہ رہا ہوں۔“

”کب گئی ہے وہ یہاں سے؟“

”چند گھنٹے پہلے۔“

”انگل مندر کے گھر تو دس پندرہ منٹ میں پہنچ گئی ہوگی لیکن ابھی تک اس نے تو مجھ سے کانٹیکٹ نہیں کیا۔“ اسامہ نے چیخے ہوئے لہجے میں کہا۔

”وہ بہت پریشان تھیں۔ شاید پریشانی کی وجہ سے خیال نہیں رہا ہوگا۔“ روشنان نے اس کی طرف سے صفائی دینے کی کوشش کی۔

”خیال تو خیر اس کو میرا پہلے بھی کبھی نہیں رہا۔“

”میں سمجھتا ہوں اسامہ بھائی! کہ آپ کیا محسوس کر رہے ہوں گے۔“ روشنان نے کہا۔ ”میں نے انہیں منع کیا تھا کہ وہ پاپا کی بات مان کر ان پیچرز پر سائن نہ کریں مگر وہ۔۔۔“

اسامہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”مگر اس نے صرف تم لوگوں کے لیے اپنی اور میری زندگی اور ہمارے درمیان رشتے کو داؤ پر لگا دیا۔ تم کو منسور چچا نے نہیں نکالا۔؟“ اسامہ کو اچانک خیال آیا۔

”میں خود نہیں گیا۔“ روشنان کی آواز یک دم جھمی پڑ گئی۔

”کیوں؟“

روشنان کچھ نہیں بولا۔ اسامہ نے ہلکا سا استہزائیہ قہقہہ لگایا۔ ”اتنی سمجھ دار وہ ہوتی تو آج اپنے اور میرے لیے اس نے اتنے مسائل کھڑے نہ کیے ہوتے۔“

”اسامہ بھائی!“ روشنان نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

”اس کو اگر ضرورت ہوئی تو خود مجھ سے رابطہ کر لے گی اور پھر میں دیکھوں گا کہ مجھے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں کرنا لیکن میں خود اس سے رابطہ نہیں کروں گا۔“

”اسامہ بھائی! پلیز۔“ روشنان نے اچھا یہ انداز میں کہا۔

”فدا حافظ۔“ اسامہ نے فون بند کر دیا۔

طمینت کا ایک عجیب سا احساس تھا جو اسے ہوا تھا۔ یعنی اب اسے صبر کو طلاق نہیں دینی تھی۔ وہ اپنے کمرے میں بیٹھنے لگا اور اب وہ خود بہت جلد اس سے رابطہ کرنے والی تھی اور پھر وہ بھی روشنان کی طرح یہ درخواست کرے گی کہ میں اب اسے طلاق نہ دوں۔ وہ خلع کا نوٹس واپس لے لے گی۔ وہ کمرے میں بیٹھنے ہوئے سوچ رہا تھا مگر میں اتنی آسانی سے تو اس کی بات نہیں مانوں گا۔ اسے پہلے میری ضرورت نہیں تھی تو اس نے آسانی سے مجھے چھوڑ دیا اور اب میری ضرورت آن پڑی تو وہ

میرے پیچھے بھاگے گی بلکہ بھاگنا شروع بھی کر دیا ہے اس نے۔ ورنہ روشن سے اس طرح فون کبھی نہ کروائی۔  
 ”میں اس سے رابطہ کر لوں؟“ اس نے غصے سے سر جھٹکا۔ ”کیوں کروں! میں کیوں کروں۔ پہلے بے عزتی کرواؤں پھر خود ہی اس کے پیچھے بھاگوں۔ نہیں اس بار تو محترمہ صنف منصور علی کو ہی رابطہ کرنا پڑے گا۔ میں تو کسی صورت اس سے رابطہ کروں گا نہ ہی بہت آسانی سے اس کی معذرت قبول کروں گا۔“

اس نے اپنے دل میں تیرہ کیا۔ چند گھنٹے پہلے صنف کے ساتھ ہونے والی گفتگو ابھی تک اس کے ذہن میں تازہ تھی۔

☆☆☆

”تم نہیں اپنی ماں کی طرح ہی بے وقوف ہو۔“

صنف لاؤنج میں چپ چاپ بیٹھی صنف اور اس کی بیوی کی باتیں سن رہی تھی۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی میزہ کے پاس سے واپس آئی تھی اور آتے ہی اس کا سامنا صنف اور ان کی بیوی سے ہو گیا تھا۔ صنف ان تینوں کی آمد کی اطلاع پا کر بے حد برہم ہو گئے تھے۔

”باپ نے اگر گھر سے نکلنے کا کہا تھا تو اسے کہا چاہیے تھا کہ وہ ساتھ کچھ جائیداد اور بینک بیلنس بھی دے۔ اپنے بوجھ دوسروں پر کب تک ڈالے گا۔“ صنف کی بیوی نے لقمہ دیا۔

”بے کو اس نے پاس رکھ لیا اور تم چاروں کو ہمارے سر منڈھ دیا۔ میں میزہ کا بھائی ہوں تو کیا گناہ ہو گیا ہے مجھ سے کہ ہر دوسرے دن ایک نئی مصیبت آ کر میرے در پر کھڑی ہو جاتی ہے۔“

صنف کی نظریں زمین سے اٹھ نہیں پاری تھیں۔ ”اور تمہارا باپ..... تمہارا باپ..... اتنا کینہ اور گھٹیا آدمی ہے کہ میرے پاس تو لفظ نہیں ہیں کہ میں اس شخص کی ذلت اور خباث کے بارے میں بات کر سکوں۔“  
 صنف کی آواز میں صرف غصہ نہیں بے تحاشا نفرت بھی تھی۔

”میزہ کو میں یہاں رکھ سکتا ہوں مگر تم چاروں میری ذمہ داری نہیں ہو۔ اپنے باپ کے پاس واپس جاؤ اور اس سے کہو کہ تم لوگوں کو اپنے پاس رکھے۔ نئی بیوی کے لیے جگہ نکال سکتی ہے تو اولاد کے لیے کیوں نہیں۔ ان کے ساتھ تو خوبی رشتہ ہے اس کا۔“  
 ”انکل! ہم چند دنوں تک کوئی گھر تلاش کر لیں گے کرائے پر اور وہاں شفٹ ہو جائیں گے۔ میں نے تمہاری بات کی ہے۔ آپ صرف چند دن نہیں برداشت کر لیں۔“ صنف نے جلا خرم لہجہ میں کہا۔

”اور یہ کرائے کا گھر کون لے کر دے گا؟“ صنف کی بیوی کو اور اشتعال آیا۔ انہیں ایک اور خرچانظر آنے لگا تھا۔

”آپ صرف گھر ڈھونڈنے میں ہماری مدد کر دیں ہمارے پاس کافی پیسے ہیں۔ کرایہ ہم خود دیں گے۔ اور اپنے اخراجات بھی اٹھائیں گے۔ ہمیں بھی اچھا نہیں لگ رہا کہ ہم آپ پر بوجھ بنیں۔ آپ نے پہلے ہی ہماری بہت مدد کی ہے اتنے دنوں میں اور امبر کو پاس رکھ کر۔ ہم آپ کے لیے اور مسائل کھڑے نہیں کریں گے بس چند دن کی بات ہے۔ گھر ل جائے گی اور امبر واپس آ جائیں تو ہم لوگ چلے جائیں گے۔ ہم پہلے ہی جانے کا سوچ رہے تھے۔“

صنف نے حثارت سے کہا۔ صنف اور اس کی بیوی کچھ دیر کے لیے بول ہی نہیں سکے۔

”تو کتنی رقم ہے تمہارے پاس؟“ صنف کی بیوی نے پوچھا۔

”کافی رقم ہے۔“ صنف نے نال دیا۔

”پھر بھی کچھ چاہتا تو چلے۔“

”آئی! ایک دو سال تک ہم آسانی سے گھر چلا سکتے ہیں۔ تب تک کوئی نہ کوئی اور انتظام ہو جائے گا۔ میں جاب کر لوں گی! امبر بھی ٹھیک ہو رہی ہے۔ وہ بھی جاب کر لے گی تو آئندہ کے اخراجات کا بھی بندوبست ہو جائے گا۔ چند دنوں میں ہم گھر لے لیں گے تو چلے جائیں گے۔“

”دیکھو صنف! تم سمجھ دار ہو۔“ صنف کی بیوی کے لہجے میں فوری تبدیلی آئی۔ ”ہماری اپنی ذمہ داریاں ہیں۔ بچوں کی

ٹاریاں کرنی ہیں ہمارا گھر بڑا ہوتا تو اور بات تھی یا ایک دو افراد کو رکھا جاسکتا تھا مگر چار پانچ افراد۔" وہ اب نرمی سے بول رہی تھی۔ "بچے پہلے ہی امیر اور تمہاری مہی کی وجہ سے ناخوش تھے کہ پرائیویسی نہیں رہی۔ اب تم تینوں بھی آگئے ہو تو وہ اور ناراض ہو رہے ہیں۔ یہ بہت اچھا ہے کہ تم لوگوں نے الگ گھر لینے کا سوچ لیا ہے۔ تمہارے انکل تمہاری پوری مدد کریں گے۔ ہم لوگ آتے جاتے رہیں گے۔ خیال رکھیں گے تم لوگوں کا۔ آخر خونی رشتہ ہے آپس میں۔"

صنڈ نے مسکرائے کی کوشش کی کیونکہ صنڈر کی بیوی مسکرا رہی تھی۔  
صنڈ نے تم لوگوں کا بہت اچھا فیصلہ ہے۔ الگ رہنے میں کوئی خرچ نہیں ہے بلکہ فائدہ ہی ہے۔ ہم یہیں آس پاس ہی تم

"ہاں یہ تم لوگوں کا بہت اچھا فیصلہ ہے۔ صنڈر نے بھی اپنے لہجے اور انداز میں تبدیلی کی۔  
لوگوں کو گھر لے دیتے ہیں۔" صنڈر نے بھی اپنے لہجے اور انداز میں تبدیلی کی۔  
"نہیں انکل! اس علاقے میں نہیں ہم لوگ کرائے اور پوٹیلٹی بڑ پر ابھی بہت رقم خرچ نہیں کرنا چاہتے اور یہاں گھروں

کا کرایہ بہت زیادہ ہے۔" صنڈ نے کہا۔

"کوئی ایگیسی لے دیتا ہوں۔"

"وہ بھی ہم افورڈ نہیں کر سکتے۔"

"مگر تم تو کہہ رہی تھیں کہ تمہارے پاس خاصی رقم ہے۔" صنڈر کی آنکھوں میں شک لہرایا۔  
"مگر ہم کسی متوسط طبقے کے علاقے میں چھوٹا موٹا گھر لے لیں تو پھر کافی عرصہ ہم لوگوں کو کوئی مسئلہ نہیں ہوگا۔ مگر مہنگا

گھرنے کی صورت میں چند ماہ میں وہ رقم خرچ ہو جائے گی۔" صنڈ نے صاف گوئی سے کہا۔

"چھوٹا موٹا گھر....." صنڈر نے حیرانی سے کہا۔

"ایک دو کمرے کا گھر۔" صنڈ نے سنجیدگی سے کہا۔

"کیا؟" صنڈر نے بے اختیار کہا۔ "ایک دو کمرے کا گھر....."

صنڈ نے سر ہلایا۔

☆☆☆

"تم نے یہ اچھا نہیں کیا منصور!" ہارون اگلے دن منصور کے آفس میں موجود تھا۔ "میں نے تمہیں اسامہ اور صنڈ کے بارے میں اس لیے تو نہیں بتایا تھا کہ تم ان لوگوں کو گھر سے نکال دیتے۔" ہارون کمال کے انداز میں بلا کی شرمندگی تھی۔

"میں نے یہ تمہارے کہنے پر نہیں کیا۔ وہ پہلے ہی جانتی تھی کہ ایسی کسی حرکت کی صورت میں یہی ہوگا۔ تم مجھے نہ بتاتے کوئی اور بتا دو۔ میں تب بھی یہی کرتا۔" منصور نے سنجیدگی سے کہا۔ وہ اپنی ریو الونگ چیئر کو ہلارہے تھے۔

"پھر بھی یار! بچے تھے دونوں۔ تمہیں اگنور کر دینا چاہیے تھا۔"

"بچے..... ایک دو سال عمر تھی اس کی؟" منصور استہزائیہ انداز میں ہنسا۔ "وہ باپ کی آنکھوں میں دھول جھونک رہی تھی اور میں جھونکنے و جتا۔"

"ہاں وہ کرتو غلطی رہی تھی مگر تمہیں چاہیے تھا کہ تم اسے وارننگ دے دیتے۔"

"کیوں دیتا۔ انہوں نے میرے ساتھ جیسا کیا میں نے ان کے ساتھ ویسا ہی کیا اور میں نے تو روشاں کو بھی گھر جا کر صاف صاف کہہ دیا تھا کہ میں ان تینوں کو نکالنے والا ہوں۔ وہ چاہتا ہے تو اپنا سامان پیک کرے اور ان تینوں کے ساتھ ہی چلا جائے۔"

"پھر؟" ہارون نے دلچسپی ظاہر کی۔

منصور نے قہقہہ لگایا۔ "پھر کیا..... وہ ابھی میرے گھر پر ہی موجود ہے۔" منصور نے فخریہ لہجے میں کہا۔ "اس کو اب اندازہ ہو رہا ہو گیا ہے کہ باپ جو کچھ کر رہا ہے صحیح کر رہا ہے۔"

"تمہیں چاہیے کہ تم اسے اپنے پاس ہی رکھو۔ آئندہ بھی کبھی اسے گھر سے نکالنے کی کوشش مت کرنا۔ وہ تمہاری سابقہ

بیوی کے پاس چلا گیا تو وہ تمہارے لیے بڑے مسکے کھڑے کر دے گی۔“ ہارون نے جیسے اسے سمجھایا۔  
 ”جانتا ہوں اس لیے اسے اب تک اپنے پاس رکھا ہوا ہے۔“ منصور نے کہا۔  
 ”رخصتی کیسی ہے؟“ ہارون نے اچانک موضوع بدلا۔  
 ”وہ بالکل ٹھیک ہے۔“ منصور مسکرایا۔

”اور سلمان؟“ ہارون نے منصور کے نوائیدہ بیٹے کے بارے میں پوچھا۔  
 ”وہ بھی اچھا ہے۔ تم آؤ تا کسی دن۔ رخصتی پوچھ رہی تھی تمہارا۔ ایک چٹّر کے بعد تم نے دوبارہ پکری ہی نہیں لگایا۔“ منصور کا لہجہ اب خوشگوار ہو گیا تھا۔  
 ”ہاں میں آؤں گا۔ بس کچھ کاموں میں پھنسا ہوا ہوں۔ بہت جلدی آؤں گا۔“  
 ہارون کمال نے مسکراتے ہوئے نیا سگریٹ ساگایا۔

☆☆☆

”گھر دیکھ لیں آپ۔ جھوٹا ہے مگر بہت اچھا بنا ہوا ہے۔ کرایہ بھی زیادہ نہیں ہے۔“ صنف دوسرے دن ایک پراپرٹی ڈیلر کے پاس بیٹھی ہوئی تھی۔

”جو گھر آپ مجھے بتا رہے ہیں ایسے گھر دیکھنے کے بجھے آپ کے پاس آنے کی ضرورت نہیں تھی۔ میں اخبار میں اشتہار دیکھ سکتی تھی۔“ صنف نے کہا۔ ”کسی رینل اسٹیٹ ایجنٹ کے پاس جانی۔ آپ کے پاس تو میں صرف اس لیے آئی تھی کہ آپ مجھے کسی متوسط طبقہ کے علاقے میں گھر دکھائیں۔“

پراپرٹی ڈیلر نے اس کے چہرے سے مہرے انداز میں گفتگو اور لباس سے اندازہ لگایا تھا کہ اس کا تعلق کسی اچھے خاندان سے ہے اور اسی لیے اس نے یکے بعد دیگرے پش علاقوں کے گھروں کے بارے میں بتانا شروع کر دیا جبکہ صنف جان بوجھ کر اس نسبتاً غیر معروف اور چھوٹے سے آفس میں کام کرنے والے پراپرٹی ڈیلر کے پاس آئی تھی۔

”آپ کا مطلب ہے کسی محلے میں گھر۔“ پراپرٹی ڈیلر کہتے کہتے رکھا۔ یوں جیسے وہ تردید کر دے گی مگر جب صنف نے اثبات میں سر ہلادیا تو جیسے اسے قدرے مایوسی ہوئی۔ ایک بڑی پھٹی چھوٹی پھٹی محلے میں تبدیل ہو گئی تھی۔  
 ”ہاں محلوں میں بھی بہت سے گھر ہیں میرے پاس۔ میں آپ کو دکھا دیتا ہوں۔ کسی جگہ پر؟“  
 وہ اپنے پاس موجود نمبل پر بڑے ایک رجسٹر کو کھول کر اس کے اندر جھانکتے ہوئے بولا۔  
 ”کوئی مخصوص جگہ نہیں ہے۔ بس شہر کے اندر ہو اور علاقہ ٹھیک ہو۔“

”آپ فگر نہ کریں کسی ایسے علاقے میں میں آپ کو لے جا کر نہیں رکھوں گا۔“ پراپرٹی ڈیلر چند ایڈریسز پر نشان لگاتے ہوئے مسکرایا۔

”کتنے کمرے کا گھر بتایا تھا؟“

”ایک دو کمرے کا۔“ صنف نے پوری گفتگو میں چوتھی دفعہ اسے بتایا۔ پراپرٹی ڈیلر نے سر ہلایا۔

”ہاں یہ ایک گھر ہے جو.....“

☆☆☆

منصور نے روشنان کے دروازے پر دستک دی اور دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئے۔ روشنان اپنی اسٹڈی نمبل پر کتاب کھولے بیٹھا ہوا تھا۔ اس نے دروازہ کھلنے کی آواز سن کر پیچھے مڑ کر دیکھا اور منصور کو دیکھ کر کرسی دیکھ کر کھڑا ہو گیا۔ دونوں کے درمیان سلام دعا کا تبادلہ نہیں ہوا تھا۔

”میں آج تمہارے کالج گیا تھا۔“ منصور نے کمرے میں طائرانہ نظر دوڑاتے ہوئے اسے سرد لہجے میں مخاطب کیا۔

روشنان چپ چاپ اسے دیکھتا رہا۔

”تمہارے ٹیچرز سے ملا۔“ منصور نے توقف کیا پھر روشن پر نظریں جماتے ہوئے بولے۔ ”اسٹڈیز پر دھیان بہت کم ہو گیا ہے تمہارا۔ گریڈز بھی اچھے نہیں ہیں۔ کیوں؟“

روشان جواب دینے کے بجائے کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا۔

”کچھ پوچھ رہا ہوں تم سے۔“ منصور کی آواز اب بلند تھی۔

روشان نے کھڑکی سے نظریں ہٹا کر سائٹل کے ساتھ منصور کو دیکھا۔ منصور نے جواب کا انتظار کیے بغیر کہا۔

”اسٹڈیز پر دھیان دینا چاہیے تمہیں۔ پروا کرنی چاہیے تمہیں اس پیسے کی جو میں تم پر اور تمہاری تعلیم پر خرچ کر رہا ہوں۔“

روشان اب بھی اسی انداز میں انہیں دیکھتا رہا۔

”میں اب آتا جاتا رہوں گا تمہارے کالج۔“ انہوں نے جیسے اسے خبردار کیا۔ ”اور باں میں نے ہاسٹل میں تمہارا ایڈمیشن کروا دیا ہے۔ پرسوں تمہیں وہاں جانا ہے۔“ انہوں نے بڑے سرسری انداز میں اسے اطلاع دی۔

”تم اپنا سامان پیک کر لو۔“ منصور کہتے ہوئے مزے پھر جیسے انہیں کچھ یاد آیا۔

”اور ایک بات کان کھول کر سن لو روشن! ہاسٹل میں میں نے تمہارے لیے خاص ہدایات بھجووائی ہیں۔ کوئی تمہیں وہاں سے واپس منٹ کے لیے بھی نکلنے دے گا نہ ہی کسی سے ملنے دے گا۔“

منصور غنی ابھی ٹھہرے ہوئے بے تاثر انداز میں کہہ رہے تھے۔ ”تم کسی کو کال بھی نہیں کر سکو گے۔“

روشان نے پہلی بار اپنی خاموشی توڑی۔ ”مجھے کس سے ملنا اور کس کو کال کرنی ہے۔؟“ اس کی آواز بے حد سرد تھی۔

”تم اچھی طرح جانتے ہو کہ تم کس کو کال کر سکتے ہو اور کون تم سے مل سکتا ہے۔“ منصور نے چپتے ہوئے انداز میں کہا۔

”نہیں میں نہیں جانتا۔ آپ بتادیں۔“ وہ اسی انداز میں بولا۔

”میں تمہاری ماں اور بہنوں کی بات کر رہا ہوں۔“

”کون ماں کون بہنیں۔ میرا تو دنیا میں کوئی بھی نہیں ہے۔“

اس کا انداز اتنا سادہ تھا کہ منصور چند لمحوں کے لیے کچھ نہیں بول سکے۔

”بہت اچھا ہے، مگر تم ایسا سمجھتے ہو۔“ منصور نے جلا خربا۔ ”میں چاہتا ہوں تم ایسا ہی سمجھتے رہو۔ ان سے تمہارے ہمارے رشتے ختم ہو گئے ہیں۔“

منصور نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”تم نے اس گھر میں رہ کر سبھی داری کا مظاہرہ کیا۔“ روشن نے پلکیں جھپکائے بغیر سر ہلایا اور کہا۔

”بہت اچھا۔“ اس کی آواز سرگوشی جیسی تھی مگر منصور نے سن لی۔ اس نے قدرے خوش دلی سے سر ہلایا۔

”جو کچھ میں تمہیں دے سکتا ہوں وہ نہیں دے سکتیں اور تمہیں یہ بات یاد رکھنی چاہیے۔“

منصور کو روشن کی آنکھیں دیکھتے ہوئے عجیب سا احساس ہوا۔ اس کے چہرے پر کوئی تاثر نہیں تھا مگر اس کی آنکھوں میں بے حد خندنگ تھی۔ منصور اس تاثر سے پہلی بار آشنا ہوئے تھے۔ وہ نفرت سے کے ہر تاثر کو پہچانتے تھے مگر روشن کی آنکھوں میں نفرت نہیں تھی۔ انہیں یقین تھا پھر وہاں کیا تھا؟ وہ محبت نہیں ہو سکتی تھی پھر کیا تھا؟ ایک لمحے کے لیے وہ بات کرتے کرتے رک گئے پھر انہوں نے روشن کے چہرے سے نظریں ہٹائیں۔ وہاں جو کچھ بھی تھا انہیں پریشان کر رہا تھا۔

”تمہارا اب کوئی رشتہ ہے تو مجھ سے ہے رشتی سے ہے مسلمان سے ہے اور میں چاہتا ہوں تم اس چیز کو محسوس کرو۔ سمجھو اور اگر یہ سب کچھ نہ کرنا چاہو بیابان نہ رہنا چاہو تو کوئی پرابلم نہیں۔ اپنا سامان پیک کرنا اور اپنی ماں کے پاس چلے جانا۔ میں کم از کم اب تمہیں ایک بار بھی روکنے کی کوشش نہیں کروں گا۔“

روشان اب بھی انہیں اسی طرح پلکیں جھپکائے بغیر سر نظروں سے دیکھتا رہا۔ منصور نے اٹھی اٹھا کر تنہی انداز میں کہا۔

”They are all dead“ (وہ سب مر چکے ہیں۔) روشن نے اٹھائی انداز میں ہلکا سا سر ہلایا۔ منصور مطمئن ہو کر

"You too" (آپ بھی)۔ ان کے کمرے سے باہر نکل کر دروازہ بند ہوتے ہی وہ اسی انداز میں وہیں کھڑے بڑبڑایا۔

☆☆☆

"صنف کسی بھی بات کو سمجھتی نہیں ہے۔ مجھے مجبور کر رہی ہے کہ میں کہیں کرائے پر گھر لے کر وہاں منتقل ہو جاؤں اپنے بھائی کے پاس نہ رہوں۔"

منیزہ ہارون کمال سے کہہ رہی تھیں۔ وہ تھوڑی دیر پہلے ہی وہاں آیا تھا اور اب امیر اور منیزہ سے باتیں کر رہا تھا۔ جب منیزہ نے اس کو بتایا۔

"میں نے اسے منع بھی کیا تھا مگر اس نے صفر بھائی سے بھی یہ کہہ دیا ہے کہ ہم یہاں سے شفٹ ہونے والے ہیں۔ میری تو اولاد بھی بہت نافرمان ہے۔" منیزہ کو جیسے اپنا غصہ نکالنے کا موقع مل رہا تھا۔

"میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت اچھا فیصلہ ہے۔" ہارون نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

منیزہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

"آپ لوگوں کو طیبہ ہی رہنا چاہیے آپ کو اس طرح اپنے بھائی کے گھر اپنی فیملی نہیں لے جانی چاہیے تھی۔" وہ کہہ رہا تھا۔ "آپ لوگ تو شروع سے ہی اکیلے رہتے رہے ہیں۔ میں حیران ہوں کہ اب کسی دوسری فیملی کے ساتھ کیسے رہ رہے ہیں۔"

"مجبوری..... آپ کو پتا ہے منصور نے کس طرح خالی ہاتھ ہمیں گھر سے نکالا ہے۔" منیزہ نے سختی سے کہا۔

"طیبہ رہنا آسان تو نہیں ہوتا۔"

"آپ کو اس معاملے میں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں آپ لوگوں کے لیے گھر کا انتظام کر دوں گا۔ نہ صرف گھر کا بلکہ اخراجات کا بھی۔" ہارون کمال نے فراخ دلانہ پیشکش کی۔

"نہیں ہارون بھائی! میں اتنی بڑی ذمہ داری آپ کو نہیں دے سکتی۔ آپ کے تو پہلے ہی ہم پر بڑے احسانات ہیں۔" منیزہ نے کہا۔

"کوئی احسان نہیں ہے۔ جو میں کر رہا ہوں میرا فرض ہے۔ آپ احسان کہیں گی تو مجھے شرمندہ کریں گی۔" ہارون کمال مسکرایا۔

"پھر بھی ہارون بھائی! میں اکیلے رہنا نہیں چاہتی۔" منیزہ نے کہا۔ "روشان ساتھ ہونا تو اور بات تھی مگر اب چار بیٹیوں کے ساتھ کہیں اکیلے رہنا نہیں میرے لیے ممکن نہیں ہے۔" منیزہ نے انکار کیا۔

"میں نے آپ سے کہا ہے تاکہ آپ کو گھر فراہم کرنا میری ذمہ داری ہے اور آپ کو وہاں کسی قسم کی پریشانی کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔"

ہارون کہہ رہا تھا۔ امیر چپ چاپ اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔

"پھر بھی....." منیزہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

ہارون نے اس کی بات کاٹ دی۔ "آپ تکلف کا مظاہرہ نہ کریں بھابھی! آپ لوگ میری اپنی فیملی کی طرح ہیں۔" منیزہ کچھ کہتے کہتے چپ ہو گئیں۔

☆☆☆

"تم گھر پہنچو گی تو جہیں ایک سر پرانز ملے گا۔" منصور نے گاڑی ڈرائیور کرتے ہوئے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھی رخصتی سے کہا جو اپنی گود میں مسلمان کو لیے ہوئے تھی۔

"ہاں سر پرانز۔"



”کیسا پرانتز؟“ دور نہیں سکی۔  
 ”یہ میں یہاں کیوں بتاؤں گھر چل کر کہیں خود ہی پتا چل جائے گا۔“ منصور نے کہا۔  
 ”پھر بھی۔“ رخشی نے جاننے پر اصرار کیا۔

”بھئی ہے، ایک سر پرانتز۔“  
 ”پلیز منصور! مجھے بتادیں میں تو انتظار نہیں کر سکتی۔“

”میں نے روشاں کو بورڈنگ بھجوا دیا ہے۔“  
 رخشی کے چہرے پر اطمینان جھلکا۔ ایک گہرا سانس لیتے ہوئے اس نے کہا۔  
 ”یہ آپ نے اچھا کیا۔“

”صرف وہی نہیں اب صدف زار اور رابعہ میں سے بھی کوئی بھی گھر پر نہیں ہے۔“  
 ”تو کہاں ہیں وہ؟“

”اپنی ماں کے پاس۔“

”منصور؟“ رخشی کو حیرت کا پہلا حقیقی جھٹکا لگا۔

منصور فریہ انداز میں مسکرایا۔ ”وہ گھر اب تمہارا ہے، صرف تمہارا۔“

”لیکن آپ نے انہیں کیوں نکال دیا۔ آپ رہنے دیتے انہیں۔“ رخشی نے ہمدردی جتنا ضروری سمجھی۔

”صدف اسامہ سے مل رہی تھی۔ میں نے اسے منع کیا تھا مگر اس نے مجھے دھوکا دیا۔“ منصور کے لہجے میں اب ناپسندیدگی

تھی۔

”اوہ مگر باقی دونوں.....“ منصور نے اس کی بات کاٹی۔

”چھوڑ جانے دو انہیں۔ تم مجھ سے صرف میرے بیٹے کی باتیں کرؤ سلمان کی۔“

منصور نے گاڑی چلاتے ہوئے ایک ہاتھ سے سلمان کا سر تھپکا۔

☆☆☆

”مئی! آپ ہارون کی بات سے کیوں انکار کر رہی تھیں۔“ امبر نے ہارون کے جانے کے بعد مدھم آواز میں مزیزہ سے

کہا۔ ”وہ ٹھیک کہتا ہے۔ صدف بھی ٹھیک کہتی ہے، ہمیں الگ ہو جانا چاہیے۔“

مزیزہ اسے دیکھنے لگی۔ وہ بہت عرصے کے بعد اس طرح کسی بات پر اپنی رائے دے رہی تھی۔

”میں تنگ آ گئی ہوں اس ایک کمرے میں آپ کے ساتھ رہتے رہتے۔ اس گھر میں ہم آزادی سے چل پھر بھی نہیں

سکتے۔ اتنا ذرا خوف۔ نہیں اب ہمیں الگ رہنا چاہیے، اپنے گھر میں۔“ وہ ایک ایک کر کے کہہ رہی تھی۔ ”اور اب تو ہارون بھی

ہمارے ساتھ ہے۔ وہ کہہ رہا ہے ہر طریقے سے ہمیں سپورٹ کرے گا تو پھر ہمیں اس موقع کو ضائع تو نہیں کرنا چاہیے۔“

”مگر ہارون سے ہمارا کوئی رشتہ تو نہیں ہے پھر ہم کس طرح اس سے اس طرح کا کوئی کام کروا سکتے ہیں۔“ مزیزہ نے

اپنے غمگین کوزبان دی۔

”وہ پاپا کا بزنس پانڈز اور دوست ہے۔ کتنی بار ہمارے گھر آ چکا ہے۔ ہم اس سے ناواقف تو نہیں ہیں۔“ امبر نے کمزور

کی دلیل دی۔

”اور پھر وہ یہ بھی کہہ رہا ہے کہ وہ پاپا سے کہے گا“ وہ ہمیں سپورٹ کریں بلکہ ضرورت پڑی تو کورٹ میں لے جا کر

ہماری مدد کرے گا۔“

”منصور سے ہمیں کوئی توقع نہیں رکھنی چاہیے۔“ مزیزہ نے اس کی بات کاٹی۔

”پاپا سے مدد نہیں بھی ملتی تو ہارون سے تو مل رہی ہے پھر آپ اسے کیوں انکار کر رہی ہیں۔“ امبر کچھ بھجلائی۔

”میں صنف سے بات کروں گی۔“ منیرہ نے کچھ الجھتے ہوئے کہا۔  
 ”صنف تو خود یہی چاہتی ہے۔ وہ بھی تو گھر ڈھونڈ رہی ہے۔“ امیر نے جیسے انہیں یاد دلایا۔  
 ”ہاں وہ خود ڈھونڈ رہی ہے مگر ہارن کمال کی مدد۔“ وہ کچھ کہتے کہتے سوچ میں پڑ گئیں۔

☆ ☆ ☆

پراپرٹی ڈیلر نے تالا کھول کر دروازہ کو کھول دیا اور صنف کو اندر آنے کے لیے کہا۔ اس نے اندر قدم رکھا۔ وہ دو کمروں کا ایک چھوٹا سا مکان تھا جس کے صحن میں وہ اس وقت کھڑی تھی۔ گھر کی حالت بہت اچھی لگ رہی تھی۔ پراپرٹی ڈیلر چاہیوں کے چمچے سے اب کوئی چابی ڈھونڈ رہا تھا۔ صنف صحن میں کھڑے ہو کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔  
 ”یہ گھر تو آپ سمجھیں مفت عیال رہا ہے۔ کرایہ تو آپ کو بتایا ہے نہ ہونے کے برابر ہے۔“ پراپرٹی ڈیلر مسلسل بول رہا تھا۔ ”نالک مکان بڑے گھر میں منتقل ہو گیا ہے۔ وہ کچھ عرصے سے اسے بیچنا چاہ رہا تھا مگر مناسب قیمت نہیں مل سکی پھر اس نے سوچا کہ اسے کرانے پر چڑھا دے۔“

”اس کا مطلب ہے کہ جب بھی اسے اس مکان کا کوئی خریدار مل گیا ہمیں یہ خالی کرنا پڑے گا۔“ صنف نے اعتراض کیا۔  
 ”نہیں جی! کہیں بائیں کرنی ہیں۔ کم از کم چھ مہینے کی مہلت دلو آؤں گا آپ کو اور خریدے گا اسے کون جو بھی خریدے گا میرے ذریعے ہی آئے گا۔ آپ تسلی رکھیں میں ابھی کسی کو اس مکان کی طرف لے کر ہی نہیں آؤں گا۔ آپ بتائیں آپ کو کیا لگا یہ گھر؟“

”آس پاس کے لوگ کیسے ہیں؟“ صنف نے جواب دینے کے بجائے سوال کیا۔  
 ”یہ جی دائیں طرف تو ایک میاں بیوی رہتے ہیں۔ دو بچے ہیں ان کے اور بائیں طرف ایک بیوہ اور اس کے تین بیٹے رہتے ہیں۔ دو بیٹے ایک بیٹی۔ کسی اسکول میں پڑھاتی ہے قاطرہ خالد۔ بڑی اچھی عورت ہے۔ بچے بھی بہت اچھے ہیں۔ کوئی شکایت نہیں ہوگی ان سے آپ کو۔ نہ بیٹی سے نہ بیٹوں سے۔“ پراپرٹی ڈیلر نے کہا۔  
 ”میں خود اس محلے میں چار سال رہ کر گیا ہوں۔ میرے بچے پڑھتے رہے ہیں ان کے پاس۔“  
 ”سانے والے گھر میں اصغر صاحب ہوتے ہیں۔ دو بیٹیاں ہیں ان کی۔ بس اسی طرح کے لوگ ہیں۔ اس محلے میں زیادہ تر لوگ پڑے لکھے ہیں۔ تو پھر گھر پسند آیا آپ کو؟“

وہ اب کمروں کے دروازے کو کھولے پوچھ رہا تھا۔ صنف اندر جھانک رہی تھی۔  
 ”نہیں پہلے میرے انکل آ کر دیکھیں گے اور آپ صرف یہی گھر نہیں کوئی اور بھی دکھائیں۔“ صنف نے کرے سے باہر آتے ہوئے کہا۔

قاطرہ کے صحن میں دیوار کے ساتھ تخت پر بیٹھی ثانی نے ان دونوں کے درمیان ہونے والی ساری گفتگو سنی تھی۔ پراپرٹی ڈیلر بہت بلند آواز میں بات کر رہا تھا۔ وہ آہستہ آواز میں بھی بولتا تب بھی دونوں گھروں کا صحن ایک پتلی سی دیوار کے ساتھ منظم تھا اور وہ دیوار آوازوں کو روکنے میں بڑی طرح ناکام ثابت ہوئی تھی۔  
 ”میں تخت پر کھڑا ہو کر جھانکوں۔“ ثمر جن کی طرح ناکام ثابت ہوئی تھی۔  
 ”آئی آواز میں سن چکا تھا اس لیے اس نے آتے ہی سرگوشی نما آواز میں ثانیہ سے پوچھا۔  
 ”ہاں ضرور تم جھانکنا کہ وہ بھی پھر ہمارے یہاں جھانکیں۔“ ثانی نے اسے ڈانٹا۔ وہ تخت پر بیٹھ گیا۔  
 ”ایک تو تم مجھے کوئی منفرد قسم کا کام نہیں کرنے دیتیں۔“ اس نے مصنوعی مایوسی سے کہا۔  
 ”ہر بے عزتی والا کام تم کو بڑا منفرد لگتا ہے۔“ ثانی نے مدہم سی آواز میں اس سے کہا۔ وہ نہیں چاہتی تھی اس کی آواز دوسری طرف سنی جائے۔

دیوار کے دوسری طرف اب خاموشی تھی کیونکہ پراپرٹی ڈیلر اور صنف وہاں سے جا چکے تھے۔

☆☆☆

اسامہ کو توقع تھی۔ صبح اس سے اگلے دن ضرور رابطہ کرے گی۔ کم از کم وہ سب کچھ سننے کے بعد جو اس نے روشنان سے کہا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ روشنان نے اس سے بات کرنے کے بعد صبح سے بات کی ہی نہیں تھی۔

صبح نے اگلے دن اسے فون نہیں کیا۔ وہ سارا دن غیر شعوری طور پر فون کا انتظار کرتا رہا۔ رات کو مایوسی کے ساتھ ساتھ اسے صدمہ آنے لگا تھا۔

”میں فون نہیں کروں گا جب تک وہ خود مجھے فون نہ کرے۔“

اس نے سونے سے پہلے ایک بار پھر تہیہ کیا۔ اگلے دو دن بھی صبح کی طرف سے مسلسل خاموشی رہی پھر اسامہ مزید صبر نہیں کر سکا۔ اس نے صفر کے گھر فون کیا۔ رابعہ سے اس کی بات ہوئی جس نے اسے بتایا کہ صبح گھر پر نہیں تھی۔ وہ کہاں تھی بتا کر نہیں گئی تھی۔

اسامہ نے وقفے وقفے سے اسے کئی بار فون کیا۔ بلا آخر رات کو اس کی صبح کے ساتھ فون پر بات ہو ہی گئی۔

”تم ابھی گھر آئی ہو؟“ اسامہ نے علیک سلیک کے بعد پوچھا۔

”نہیں، یہاں پہر کو بھی گھر ایک چکر لگا کر گئی تھی۔ ابھی می کے پاس سے آ رہی ہوں۔“ صبح نے کہا۔

”میں نے کئی بار فون کیا تھا۔“

”ہاں مجھے پتا چلا تھا۔“

”اور تم نے کال کرنے کی زحمت نہیں کی۔“ اسامہ سلگا۔

”اس کی ضرورت کیا تھی؟“ اس کے عام سے انداز میں پوچھے گئے سوال نے اسے حیران کیا۔

”اس کی کوئی ضرورت نہیں تھی؟“

اسامہ نے جواباً پوچھا۔ صبح خاموش رہی۔ اسامہ کی سمجھ میں نہیں آیا، وہ اسے فوری طور پر کیا کہے۔ صبح بھی چپ تھی۔

چند لمبے لمبے دونوں کے درمیان یہ خاموشی برقرار رہی پھر صبح نے کہا۔ ”Thanks for calling“ (فون کرنے کا شکریہ)۔

”میں نے صرف تمہارا شکریہ وصول کرنے کے لیے تو کال نہیں کی۔“ اسامہ نے ناراضی سے کہا۔

”تم نے اتنا بھی ضروری نہیں سمجھا کہ مجھے فون کر کے اس سب کے بارے میں بتا دو۔“

صبح بہت مدد آواز میں ہنسی۔ ”ہمارے گھر اور زندگیوں میں اب ہر روز اتنا بہت کچھ ہوتا رہتا ہے کہ سمجھ میں ہی نہیں آتا کسی دوسرے کو کیا بتایا جائے اور کیا چھپایا جائے۔“

”مجھے تو تم نے کچھ بھی نہیں بتایا۔ سب کچھ چھپایا ہی ہے مجھ سے۔“ اسامہ نے شکوہ کیا۔ صبح خاموش رہی۔ اسامہ کا شکوہ اس کی سمجھ سے بالاتر تھا۔

”میں نے فون کیا تھا آپ کو؟“ صبح کو سب سے پہلا خیال میزہ کا ہی آیا۔

”نہیں۔“

”پھر؟“

”روشنان نے فون کیا تھا۔“

صبح نے ہلکے سے ہونٹ جھنجھنے۔ ”منصور چچا کے وکیل نے بھی کیس ختم کر دیا ہے۔“ اسامہ نے اسے اطلاع دی۔ ”اب غلط کی ضرورت نہیں پڑے گی۔ میں تمہیں پہلے ہی خبردار کر چکا تھا کہ منصور چچا تمہیں گھر سے نکال دیں گے۔ تم مجھ سے طلاق لؤ چاہے نہ لو۔“

”پاپا نے مجھے آپ سے ملنے کی وجہ سے گھر سے نکالا ہے۔“

”میں تو صرف ایک بھانا بنا ہوں وہ پہلے ہی تم لوگوں کو نکلنے کا فیصلہ کر چکے تھے۔“ اسامہ نے کہا۔  
”شاید۔“

”میں کل انکل صفدر کے گھر آؤں گا۔“ اسامہ نے کہا۔

”کس لیے؟“ صفدر کا سوال اس کے لیے غیر متوقع تھا۔

”تم سے ملنے کے لیے۔“

”اسامہ! میرے اور آپ کے درمیان سب کچھ ختم ہو چکا ہے۔ پاپا کے وکیل نے کیس ختم کر دیا ہو گا مگر میں مٹنے کے فیصلے پر قائم ہوں۔“

اسامہ دم ساہمے اس کی بات سنتا رہا۔ وہ اس طرح پہلے کبھی بات نہیں کرتی تھی۔

”اسامہ! ہم ایک دوسرے کے لیے نہیں بنے ہیں۔“

”کیا مطلب ہے اس بات کا؟“ وہ جھٹلایا۔

”وہی مطلب ہے جو آپ سمجھ رہے ہیں۔“ اس کا انداز اب بھی ہڈ سکون تھا۔

”جو رشتے صرف اور صرف status اور stature کی بنیاد پر قائم ہوتے ہیں۔ وہ کبھی نہ کبھی اسی طرح ختم ہو جاتے ہیں۔“

اسامہ نے کچھ برہم ہو کر اس کی بات کاٹی۔ ”تمہارا خیال ہے کہ ہم دونوں کے رشتے میں ان دو چیزوں کے علاوہ کسی اور چیز کا حصہ ہی نہیں۔“

”نہیں! اس کے علاوہ ہم دونوں کے تعلق میں کچھ بھی نہیں ہے۔ محبت کم از کم نہیں۔“

”تم غلط کہہ رہی ہو۔“

”نہیں! یہ درست ہے۔ میں بالکل ٹھیک کہہ رہی ہوں اور سوچے سمجھے بغیر بھی نہیں کہہ رہی۔ میں نے اتنے ماہ اسی اذیت میں گزارے ہیں۔ دوسروں کو جانچنے پر کھتے۔“ وہ رکی۔ ”اس کے علاوہ تو کوئی کام ہی نہیں رہ گیا ہمارے پاس اور میں نے آپ کو بھی جانچا۔“

”پھر؟“

”پھر..... جو کچھ سامنے آیا وہ تکلیف دہ تھا اور اس تکلیف نے ہی مجھے یہ فیصلہ کرنے پر مجبور کیا۔“

”میں کچھ بھی سمجھ نہیں پا رہا۔“ اسامہ نے اس کی بات کاٹی۔

”مگر میں سمجھ رہی ہوں آپ بھی سمجھ جائیں گے۔“ وہ انفرادی سے مسکرائی۔

”آپ نے اتنے ماہ میں کسی ایک دن مجھ سے اس بات پر انہوس کا اظہار کیا کہ آپ ہم لوگوں کی تکلیف کو محسوس کر رہے ہیں آپ ہم سے ہمدردی رکھتے ہیں؟“

”میں نے تم سے کئی بار کہا کہ یہ جو کچھ ہوا بہت بُرا ہوا! ایسا نہیں ہونا چاہیے تھا۔“ اسامہ نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ کر کہا۔

”بس..... یہ کافی ہے۔؟“

”تمہارا کیا خیال ہے مجھے اور کیا کہنا چاہیے تھا۔؟“

”آپ بتائیے آپ کو اور کیا کہنا چاہیے تھا۔؟“

اسامہ ایک لمحے کے لیے کچھ نہیں بول سکا پھر اس نے قدرے نرم آواز میں کہا۔ ”شاید میں بہت لغامی نہیں کر سکتا مگر یہ سچ ہے صفدر! کہ مجھے تم سے ہمدردی ہے اور یہ جو کچھ ہوا اس پر بہت دکھ بھی ہے۔ صرف تمہاری فیملی ہی تو نہیں بکھری۔ پاپا اور منصور بچا کے درمیان بھی تو درواز آگئی ہے۔“

”درازیں بھرنا مشکل کام نہیں ہوتا مگر جس چیز کو الگ کر دیا اسے ساتھ جوڑنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ ہم سب ایک خلا میں نکل رہے ہیں۔ آج سے نہیں سکتے ماہے۔ ہمیں پتہ ہی نہیں کہ ہمارے حیدروں کے نیچے کبھی زمین آئے گی یا نہیں۔“

اس کی آواز میں جو رخ تھا اسے محسوس کرنا مشکل نہیں تھا۔  
 ”ہم لوگوں سے منہ چھپاتے پھر رہے ہیں۔ دوستوں سے رشتہ داروں سے جاننے والوں سے ہر ایک سے۔ کس لیے؟  
 ”ہم نے کیا کیا ہے؟ کچھ بھی نہیں۔ آپ کو اس تکلیف اور بے عزتی کا اندازہ نہیں ہے۔“

”مہذب! ہم.....“ اسامہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔  
 ”پلیز اسامہ! آپ میری بات سنیں۔ کبھی تو کسی دوسرے کی بات بھی سنا کریں۔“

اسامہ خاموش ہو گیا۔ وہ آج واقعی کسی اور موڈ میں تھی اور وہ اس سے کم از کم اس طرح کا جملہ کبھی نہ کہتی۔  
 ”آپ کو یہ شکایت رہتی ہے کہ آپ کو میں کچھ نہیں بتاتی۔ آپ کبھی سوچتے ہیں کہ میں آپ کو کیوں سب کچھ نہیں بتاتی؟  
 ”کیوں چھپاتی ہوں ہر چیز آپ سے۔ کیونکہ میں آپ سے بھی اسی طرح خائف ہوں جیسے باقی لوگوں سے۔“ وہ کہہ رہی تھی۔  
 ”اتنے ماہ میں ایک بار بھی آپ سے بات کر کے مجھے یہ احساس نہیں ہوا کہ میں اکیلی نہیں ہوں، کوئی ہے جس سے میرا ایک ایسا تعلق ہے جو مجھے محفوظ دے سکتا ہے۔“ اسامہ ہونٹ سمجھنے ہوئے تھا۔ ”کیا یہ گہرائی ہے ہمارے تعلق کی؟“ وہ رک گئی۔  
 وہ اپنا ہنسا اسامہ پر نہیں اتارنا چاہتی تھی۔ کم از کم وہ اس کا حق دار نہیں تھا۔

”آپ صرف اپنے بارے میں سوچتے ہیں۔ آپ بار بار جانتے ہیں کہ آپ نے میرے لیے قربانی دی۔ آپ بار بار کہتے ہیں کہ میں تمہارے لیے یہ کر رہا ہوں میں تمہارے لیے وہ کر رہا ہوں۔ کیا یہ وہ چیز ہے جو ہمارے تعلق کی بنیاد ہے۔؟“  
 ”کیا اب تم میری بات سنو گی۔“ اسامہ نے ایک بار پھر مداخلت کی۔  
 ”نہیں میں اب بھی آپ کی بات نہیں سنوں گی۔ میں نے آپ کی عزت کی ہے۔ اب بھی کرتی ہوں ہمیشہ کرتی رہوں گی مگر میں آپ سے کوئی توقع وابستہ نہیں کر سکتی اور محبت صرف توقعات سے جیتی ہے۔“  
 اس کی آواز بھرا گئی تھی۔

”اور آپ بار بار مجھے حقیقت پسند ہونے کا کہتے ہیں۔ آپ چاہتے ہیں میں اپنی فیملی کو چھوڑ دوں۔“

”میں نے بھی تمہارے لیے اپنی فیملی کو چھوڑا ہے۔“

”آپ کی فیملی کہیں خوار نہیں ہو رہی میری ہو رہی ہے۔ آپ کی زندگی سرس کا شونہیں بنی میری زندگی بن گئی ہے۔“  
 اسامہ دم سادھے ہوئے تھا۔

”اور آپ کہتے ہیں میں آپ کے ساتھ زیادتی کر رہی ہوں۔ آپ اس وقت میری فیملی کو سپورٹ کرنے میں میرا ساتھ نہیں دے سکتے نہ دیں۔ چند سال انتظار کر لیں لیکن وہ بھی آپ کے لیے ممکن نہیں ہو گا تو پھر اتنا داویلا کیوں کر رہے ہیں۔“ وہ کے بغیر کہہ رہی تھی۔

”اس رشتے کو ختم ہو جانے دیں۔ یہ ختم ہو جائے گا تو صرف میرے لیے ہی نہیں آپ کے لیے بھی بہت سی آسانیاں پیدا ہو جائیں گی اور اسامہ! اب آپ دوبارہ مجھے کبھی فون مت کریں۔ ہمارے درمیان سب کچھ ختم ہو گیا ہے۔“  
 اس نے فون بند کر دیا۔ اسامہ بے حس و حرکت فون کا ریسیور تھا بے بیجا۔

☆☆☆

صنڈ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی تو ٹھک کر رک گئی۔ ہارون کمال امبر اور منیزہ کے ساتھ کمرے میں موجود تھا۔ اس کے اندر داخل ہونے پر تینوں اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ ہارون کمال اسے دیکھ کر خیر مقدمی انداز میں مسکرایا۔ وہ جواباً مسکرا بھی نہیں کی۔ وہی ٹھیک سلیک کے بعد کچھ اچھے ہوئے انداز میں امبر کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئی۔  
 ”آپ کی می تارعی تمیں کسے آپ علیجو و گمر لے کر دہاں رہتا چاہتی ہیں۔“ ہارون کمال نے اچانک ہی وہ موضوع چھیڑ

دیا جس کی وہ توقع نہیں کر رہی تھی۔

اس نے ایک نظر نیزہ پر ڈالی پھر ہارون کو دیکھا جو اب سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

”میں آپ کی کمی سے کہہ رہا تھا کہ ان حالات میں یہ ایک بہت دانش مندانہ قدم ہے اور یہ قدم آپ لوگوں کو منصور کے گھر سے نکل آنے کے فوری بعد اٹھا لینا چاہیے تھا۔“

صبّہ کسی رائے کا اظہار کیے بغیر ہارون کے چہرے کو دیکھتی رہی۔ وہاں ”ہمدردی“ کا تاثر تھا۔ وہ اس ”ہمدردی“ کو جانچنے میں مصروف تھی۔ اس نے ایسی ”ہمدردی“ بہت سے لوگوں کے چہروں پر دیکھی تھی۔ اس کے لیے یہ نئی چیز نہیں تھی مگر وہ اس کی ”گہرائی“ سے واقف نہیں تھی۔ ہارون کو بخور دیکھتے ہوئے وہ اسے ہی جانچ رہی تھی۔

”آپ لوگوں کی پوری ٹیلی ہے کسی دوسرے کے گھر پر مستقل رہنا آپ کے لیے بہت تکلیف دہ ہے اور یہ مناسب بھی نہیں ہے۔ علیحدہ رہنے کے بہت سے فوائد ہیں۔“

صبّہ سمجھ نہیں سکی وہ کس کو قائل کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔ اسے...؟ اور تو پہلے ہی علیحدہ رہنا چاہتی تھی۔ اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

”انسان فضول روک ٹوک سے بچ جاتا ہے۔ اپنی مرضی کی زندگی گزار سکتا ہے اپنی پرائیویسی رکھ سکتا ہے مجھے تو بھائی میں نے بتایا کہ آپ ایسا چاہ رہی ہیں اور بھابھی مخالفت کر رہی ہیں تو میں نے تو بھابھی کو سمجھایا کہ آپ کی سوچ صحیح ہے۔ انہیں یہ قدم اٹھا لینا چاہیے۔“

ہارون کمال نے صبّہ کو داد طلب نظروں سے دیکھا۔ اس کا خیال تھا کہ صبّہ اس کی تائید پر مشکور و ممنون ہوگی۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔ ہارون نے قدرے مایوس ہو کر دو بارہ بات شروع کر دی تھی۔ وہ صبّہ کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا تھا۔ اسے صرف امیر سے دلچسپی تھی اور وہ اس کے بارے میں جاننے کی کوشش کر رہا تھا۔ صبّہ بہت لیے دیے انداز میں رہنے والی خاموش طبع لڑکی تھی۔ ہارون کمال نے کبھی اس کی طرف دھیان ہی نہ دیا تھا نہ اس نے سوچا تھا کہ اس کا کبھی صبّہ سے بھی سابقہ پر سکنا ہے۔ اب جب وہ صبّہ سے بات کر رہا تھا تو اسے اس کے ابتدائی تاثرات سے ہی اندازہ ہو گیا تھا کہ جو گرم جوشی اور پزیرائی اسے نیزہ اور امیر کی طرف سے بخشی گئی تھی وہ صبّہ میں مفقود تھی اور خود کو صبّہ کی نظر میں مستر کرنے کے لیے اسے کوشش کرنا تھی۔ اور وہ اسی سوچ میں تھا۔

”اس سلسلے میں میری خدمات حاضر ہیں۔“ ہارون کمال نے ایک موہوم سی امید کے تحت مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ اندازہ نہیں کر پا رہا تھا کہ صبّہ اس کے بارے میں کسی رائے رکھتی ہے۔

صبّہ نے بغیر کسی تاثر کے اسے دیکھا۔

”کیسی خدمات؟“ اس کا لہجہ بے حد ہنس مکھ تھا۔

”میں آپ لوگوں کے لیے گھر کا انتظام کر دوں گا۔“ ہارون نے کہا۔

”اس کی ضرورت نہیں۔ میں پہلے ہی گھر دیکھ چکی ہوں۔“

ہارون ایک لمحہ کے لیے اسے دیکھتا رہ گیا پھر اس نے کچھ سنبھلتے ہوئے کہا۔

”آپ کو تو ان چیزوں کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔ گھر ڈھونڈنا وہاں شفٹ ہونا بہت سے مسائل پیدا ہو سکتے ہیں آپ کے لیے۔“ وہ کہہ رہا تھا۔ ”آپ اگر مجھ پر بھروسہ کریں تو آپ کے لیے کافی آسانی ہو سکتی ہے۔“

”آپ کا بہت شکر ہے لیکن یہ سب کچھ اتنا مشکل نہیں ہے جتنا آپ سمجھ رہے ہیں۔ اس سلسلے میں مزید کسی مدد کی ضرورت ہوگی تو ہم اپنے اہل سے لیں گے۔“ اس کا انداز دو ٹوک تھا۔

ہارون نے ہمت نہیں ہاری۔

”میرے اپنے کچھ قلت اور گھر ہیں میں ان میں سے کوئی آپ کو دے سکتا ہوں۔“

”کس لیے؟“ وہ اب بھی متاثر نہیں ہوئی تھی۔

”رہنے کے لیے۔ جب تک آپ کی رہائش کا مسئلہ حل نہیں ہوتا۔ آپ اطمینان سے وہاں رہ سکتی ہیں۔“

”میں نے آپ کو بتایا کہ ہماری رہائش کا مسئلہ حل ہو چکا ہے۔ میں گھر تلاش کر چکی ہوں۔“

”کرائے کا؟“ ہارون نے جتانے والے انداز میں کہا۔

”ہاں۔“ جواب مختصر اور دو ٹوک تھا۔

”آپ اتنا کرائے کا انتظام کس طرح اور کہاں سے کریں گی۔؟“ صبذ نے اس کی بات کاٹی۔

”کرایہ اتنا زیادہ نہیں ہے بہت ہی معمولی سا ہے۔“

”پھر گھر بھی بہت معمولی ہوگا۔“

”ہاں مگر ہماری ضرورت کے لیے کافی ہے۔“

امبر اور نیزہ نے ابھی تک ان کی گفتگو میں مداخلت نہیں کی تھی۔

”کتنا بڑا گھر ہے؟“ ہارون اب براہ راست پر آ گیا۔ صبذ کو اس کے سوال اب ناگوار گزر رہے تھے مگر وہ بڑے تحمل

سے جواب دے رہی تھی۔

”بہت بڑا گھر نہیں ہے اور ہمیں بڑے گھر کی ابھی ضرورت بھی نہیں ہے۔ ہماری ضروریات کے لیے وہ کافی ہوگا۔“ وہ

کہہ رہی تھی۔

”بھابھی! آپ نے دیکھا ہے گھر؟“ ہارون نے نیزہ سے پوچھا۔

”نہیں! انہوں نے نہیں دیکھا۔ میں دکھا دوں گی۔“ اس سے پہلے کہ نیزہ جواب دیتیں صبذ نے کہا۔

”جب میں آپ لوگوں کو آفر کر رہا ہوں کہ آپ میرے گھر پر رہ سکتے ہیں تو پھر آپ لوگوں کو ادھر ادھر خوار ہونے کی کیا

ضرورت ہے۔“ ہارون کمال نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”آپ کس رشتے اور حوالے سے ہمیں اپنا گھر آفر کر رہے ہیں؟“ صبذ نے بلا خرمشکل سوال کیا۔

”آپ لوگوں کے ساتھ ہمارے فیملی فرینڈز ہیں۔“ ہارون نے کہا۔

”پاپا کی وجہ سے؟“ صبذ کا انداز پُرسکون تھا۔

”ہاں! منصور کی وجہ سے ہی مگر منصور کے ساتھ تعلقات ختم تو نہیں ہو جاتے۔“ ہارون اب جیسے وکالت کر رہا تھا۔ ”میں

ویسے بھی دوستیاں اور تعلقات نبھانے والا آدمی ہوں۔ ایک دفعہ تعلق بن جائے تو وہ کم از کم میری طرف سے کبھی ختم نہیں ہوتا۔“

”پھر آپ نے اس سارے معاملے میں پاپا کو سمجھانے کی کوشش کیوں نہیں کی؟“

اس سے پہلے کہ ہارون کوئی جواب دیتا، نیزہ نے صبذ کو جھڑکا۔

”اس میں ان کا کیا قصور ہے۔ یہ کیا کر سکتے تھے۔“

”میں نے انہیں قصور وار تو نہیں ٹھہرایا۔ میں تو صرف پوچھ رہی ہوں وہ بھی صرف اس لیے کیونکہ یہ رشتے اور تعلق کی

مضبوطی کی بات کر رہے ہیں۔ ان کی نظروں کے سامنے ہماری فیملی تباہ ہوگئی۔ انہوں نے ہمارے لیے کیا کیا؟“

”مجھے بہت افسوس ہے اور شاید جو میں یہاں آتا ہوں اس کی وجہ بھی یہی ہے۔“ ہارون نے اس بار اس کی بات کے

جواب میں کہا۔ ”شاید آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ میں نے منصور کو کتنا سمجھانے کی کوشش کی تھی مگر اس نے میری کوئی بات نہیں سنی۔“

”آپ ان کے بزنس پارٹنرز ہیں ان کو بات سننے پر مجبور کر سکتے تھے۔“

”وہ یہ پارٹنرشپ بھی ختم کرنے پر تیار تھا! شاید آپ نہیں جانتیں کہ رخصتی کا ہولڈ اس پر بہت زیادہ ہے۔“

صبذ کے جواب دینے سے پہلے نیزہ بول پڑیں۔

”میں اچھی طرح جانتی ہوں وہ کس طرح اس عورت کی مٹھی میں ہے۔“

”ہمیں گھر کے بارے میں آپ کی مدد کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ اگر ہمارے لیے کچھ کرنا چاہتے ہیں تو صرف اتنا کریں کہ پاپا کو اس بات پر رضامند کریں کہ وہ براہِ ہمارے اخراجات کے لیے کچھ رقم دے دیا کریں۔“ صبغہ نے مہذبہ بدلتے ہوئے کہا۔

”میں پہلے ہی اس سلسلے میں کوشش کر رہا ہوں اب اور زیادہ کروں گا۔“ ہارون کمال نے فوری طور پر کہا۔

”گھر کے سلسلے میں میری آفر ابھی بھی موجود ہے۔“ وہ چائے کا خالی کپ رکھتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

”آپ اتنی جلدی جا رہے ہیں؟“ امبر نے بے تابی سے کہا۔

صبغہ نے امبر کے چہرے اور انداز کو غور سے دیکھا۔

”ہاں آج مجھے کچھ کام ہے۔ میں کل آؤں گا تو زیادہ دیر بیٹھوں گا۔“ اس نے بہت نرمی سے امبر کو مخاطب کرتے ہوئے کہا۔

”میں آپ کو باہر تک چھوڑ آتی ہوں۔“ امبر اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

”یقیناً۔“ ہارون نے کہا۔ صبغہ نے میزہ کو دیکھا۔ وہ لانا تعلق نظر آ رہی تھیں۔

”آپ سے مل کر خوشی ہوئی صبغہ! آئندہ بھی ملاقات ہوتی رہے گی۔“ ہارون کمال نے کہا۔ وہ جو اب صرف مسکرائی۔

ہارون اور امبر اب دروازے کے قریب پہنچ چکے تھے۔ صبغہ گردن موڑ کر ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ ہارون نے دروازے کی تاب پر ہاتھ رکھ کر دروازہ کھولا۔ اس سے پہلے کہ وہ امبر کو باہر نکلنے کے لیے کہتا صبغہ کی آواز نے اس کے قدم روک دیے۔

”مجھے خوشی ہوگی اگر اگلی بار آپ آئی شائستہ کو بھی لائیں۔ ان سے ملاقات ہوئے کافی عرصہ ہو گیا۔“

ہارون کے چہرے کی مسکراہٹ یکدم غائب ہو گئی۔ اس نے گردن موڑ کر پیچھے دیکھا۔ وہ امبر کے بیڈ کی پائنتی کی طرف بازو سینے پر لپیٹے پاؤں زمین پر نکلے بیٹھی تھی۔ ہارون نے اس کو گہری نظروں سے دیکھا اور ایک دم اسے احساس ہوا کہ وہ بھی یہی کر رہی تھی۔

”شائستہ بہت مصروف رہتی ہے اس کے پاس کہیں آنے جانے کا وقت نہیں ہوتا۔“ ہارون نے اپنے چہرے پر مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔

”پھر آپ کبھی ہمیں گھر پر انوائٹ کریں۔ می اور آئی شائستہ کی اچھی فرینڈ شپ تھی۔ می اچھا محسوس کریں گی ان کے ساتھ کچھ وقت گزار کر۔“ وہ کہہ رہی تھی۔

”اور ہاں نایاب کیسی ہے؟ میری طرف سے اسے پوچھئے گا۔ آپ کے گھر پر آپ کے بچوں کے ساتھ ہمیشہ ہمارا اچھا وقت گزرا ہے۔“

وہ ہارون کمال کی اکلوتی بیٹی کا نام لے رہی تھی۔ ہارون کمال منگ تھا۔ اس کا لہجہ اور انداز عام تھا مگر اس کے الفاظ نے ہارون کمال کو بہت کچھ بتایا تھا۔ کیا.....؟ یہ جاننا ہارون کمال کے لیے مشکل نہیں تھا۔ دروازے میں کھڑے دس دور بیٹھی اپنی بیٹی کی ہم عمر اس لڑکی کے لیے اس نے ایک دم اپنے دل میں بے پناہ ناپسندیدگی محسوس کی۔ ایک ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیے بغیر اس نے امبر کو باہر نکلنے کا اشارہ کیا اور زیر لب کچھ کہتے ہوئے کمرے کا دروازہ بند کر دیا۔

”آپ صبغہ کی باتوں کی کاؤ امت نامیں۔“ امبر نے باہر کوڑھڑ میں ہارون کمال سے کہا۔

وہ مسکرانے لگا۔ ”ہم لوگ جس طرح کے حالات سے گزر رہے ہیں اس نے ہم سب کو بہت ہلکی بنا دیا ہے۔“ امبر کی آواز میں دل گرفتگی تھی۔

”میں سمجھتا ہوں مگر سب کو ایک ہی ترازو میں تولنا مناسب نہیں ہے۔ وہ میرے غلوں پر شک کر رہی ہے۔“ ہارون نے سنجیدگی سے کہا۔ ”میرا خیال ہے اسے لوگوں کی پہچان نہیں ہے۔“ ہارون نے تمبرہ کیا۔ وہ دونوں اب باہر ڈرائیو سے پر نکل



آئے تھے۔ "لوگوں کو پہچانا بہت مشکل کام ہے ہارون!" امبر ڈرائیو سے ہارون کی گاڑی سے کچھ فاصلے پر کھڑی ہو گئی۔ "ہا نہیں لوگوں کو کیسے پہچانتے ہیں؟"

وہ چپے بڑبڑائی۔ ڈرائیو سے کی لائسنس میں ہارون نے امبر کو گہری نظروں سے دیکھا۔ وہ پہلے سے کمزور اور زرد ہو چکی تھی۔ اس کی آنکھوں کے گرد جلتے جلی نظر آ رہے تھے مگر وہ اب بھی خوبصورت تھی۔ وہ لان میں کسی چیز پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔ اس کا سفید لباس اس کے خوبصورت جسم پر لٹکا ہوا پھل پھل ہوا تھا۔ اس کے کندھوں سے نیچے جاتے ہوئے سرخی ناکل سیاہ بال ہوا سے اٹختے اس کے چہرے سے لپٹنے پھر نیچے گرتے۔ وہ ان سے اور ان کی حرکت سے بالکل لاعلم نظر آ رہی تھی۔ ہارون کمال کو ان روشنیوں میں وہاں یوں کھڑی وہ کوئی مجسمہ لگی تھی۔ خوبصورت سلی مجسمہ..... کسی فنکار کے ہاتھ کا شاہکار وہ اس پر سے نظریں ہٹانے سے باز رہا تھا۔ پلکیں جھپکائے بغیر وہ لمبی پلکوں والی اپنی سیاہ آنکھوں کو لان میں کسی چیز پر جمائے ہوئے تھی پھر ہارون نے ان سیاہ آنکھوں میں نمی کی ہلکی سی تہ کو نمودار ہوتے دیکھا۔ یوں جیسے ہر سکون سمندر میں کوئی لبرائٹی ہو۔

"تم نے سالوں تک میں طلحہ کے ساتھ منسوب رہی۔ مجھے لگتا تھا میں اسے جانتی ہوں اور پھر ایک دن ہٹا چلا کہ میں تو اسے بالکل نہیں جانتی۔"

وہ بڑبڑا رہی تھی، حلق سے نمی کو اپنے اندر اتارتے ہوئے۔ ہارون کی آنکھوں نے اس کی لمبی گردن میں نمودار ہونے والی اوپر سے نیچے تک کی حرکت کا تعاقب کیا۔ اس کا دل بے اختیار جا پا کہ وہ اس کی گردن کو چھو لے۔ اس نے بمشکل خود کو روکا۔

"طلحہ اچھا آدمی نہیں تھا۔" ہارون نے اس کی گردن سے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ "مجھے خوشی ہے کہ وہ آدمی تمہاری زندگی سے نکل گیا ہے۔"

امبر نے نظریں لان سے ہٹا کر اسے دیکھا۔  
 "میں نے تمہیں پہلے بھی بتانے کی کوشش کی تھی مگر تب تم پنا نہیں کیوں مجھ سے اتنا خار کھاتی تھیں۔ تم ٹھیک کہتی ہو تمہیں لوگوں کی پہچان نہیں ہے۔"  
 ہارون کمال نے اپنے نراؤز کی جیب میں ہاتھ ڈالتے ہوئے کہا۔ "ہوتی تو تم کم از کم مجھے غلط نہ سمجھتیں میرے احساسات کو سمجھنے کی کوشش کرتیں۔" وہ رکا۔

وہ چپ چاپ اسے دیکھتی رہی۔ ہارون کمال کو خود پر قابو رکھنا مشکل ہو رہا تھا۔ وہ اس کے اتنے قریب کھڑی تھی۔ وہ کوئی سا تھوڑی جواہنی خاموشی سے اس پر نفسوں پھونک رہی تھی۔ ہارون کمال ہر خوبصورت عورت کو دیکھ کر پاگل ہو جاتا تھا مگر سامنے کھڑی لڑکی کے لیے جو کچھ وہ محسوس کر رہا تھا وہ صرف سطلی جذبات نہیں تھے وہ کچھ اور بھی تھا۔ وہ صرف اسے چھو لینا نہیں چاہتا تھا وہ اس کی محبت بھی چاہتا تھا۔ اس کی آنکھوں میں امبر نے والی نمی اس کے اپنے وجود کو بہا کر لے جا رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں پر امبر نے والی ہلکی سی مسکراہٹ اس کے اپنے اندر کو گل و گلزار کر دیتی تھی۔

وہ اب بھی ساکت کھڑی پلکیں جھپکائے بغیر دیکھ رہی تھی۔ ہوا کچھ اور تیز چلنے لگی تھی۔ امبر کے بال اور زیادہ اُڑ رہے تھے۔ اس کے چہرے کو چھپاتے عیاں کرتے پھر چھپاتے پھر دکھاتے ہارون کمال کو تنگ کرنے لگے تھے۔

"تم نہیں جان سکتیں امبر! کہ میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں۔" وہ دھیسے لہجے میں بات کرتا اپنی نائی پن اتار رہا تھا۔  
 امبر کی آنکھوں میں کوئی تاثر آیا اور چند لمحوں کے بعد پھر غائب ہو گیا۔ وہ نائی پن اتارتے ہوئے بھی اس کے چہرے اور اس کی آنکھوں کو دیکھ رہا تھا۔ اس نے امبر کی آنکھوں میں پہلی بار سفید رات اور سیاہ چاند دیکھا تھا مگر وہ اتنے ہی خوبصورت تھے جیسے سیاہ رات اور سفید چاند۔

"اور میں تم سے تب سے محبت کرتا ہوں جب سے میں نے تم کو دیکھا ہے تم سے ملا ہوں۔"

وہ اس کے چہرے سے کھلتی نٹوں کو ہٹا رہا تھا۔ وہ پیچھے نہیں ہٹتی اس نے اپنے چہرے پر ہارون کمال کی انگلیوں کا نرم لمس محسوس کیا تھا۔ ماتھے سے ناک..... ناک سے گال..... گال سے کان..... وہ اس کے بالوں کو پیچھے رکھنے کے لیے نائی ہیں اس کے بالوں میں لگا رہا تھا۔ اس کے بال اب اس کے چہرے پر نہیں آ رہے تھے۔

”ظلو کو بھول جاؤ وہ تمہاری زندگی کا تاریک باب تھا، ختم ہو گیا، اچھا ہوا۔ تم میرے ساتھ اب ایک نئی زندگی شروع کرو گی۔“ ہارون نے اس کے چہرے اور بالوں سے ہاتھ ہٹا لیے۔

”تم میرے لیے بنی تھیں، میرے لیے ہی ہو۔ میں تمہیں اس گھر سے بڑا گھر دوں گا، جہاں سے تمہیں نکالا گیا ہے اور جہاں تمہیں جانا تھا۔ تمہارے لیوں پر کوئی خواہش آنے سے پہلے وہ چیز تمہاری دسترس میں ہوگی۔ ماضی کو بھول جاؤ، حال میں چیز میرے ساتھ۔“ وہ مسکرایا تھا۔

”گنڈائے۔“ اس نے اپنی انگلیوں سے اس کے گال کو چھوا اور اپنی گاڑی کی طرف بڑھ گیا۔

امبر وہیں کھڑی تھی، اسی طرح بے حس و حرکت۔ ایک خوبصورت سنگی مجسمے کی طرح۔ ہارون گاڑی کو ریورس کر رہا تھا۔

”میں تم سے محبت کرتا ہوں۔“ وہ اس کے نظروں کی بازگشت کی گرفت میں تھی۔ کسی معمول کی طرح ہاتھ بڑھا کر اس نے

بالوں میں مگی بوٹی نائی پن کو چھوا، پھر اسے اتار لیا۔ پتیلی پھیلا کر اس نے اس نائی پن اور اس میں جیگاتے ڈائنڈ کو دیکھا۔ لائسنس نے ڈائنڈ کی روشنی سے اس کی پتیلی کو جیگما دیا تھا۔ اس نے اپنی مٹھی بند کر لی۔ اس کے بال اب پھر ہوا سے اڑ رہے تھے۔ اور ”سنگی مجسمے“ کے ہونٹوں پر مسکراہٹ ابھر رہی تھی۔

☆☆☆

”تمہیں ہارون سے اس طرح بات نہیں کرنا چاہیے تھی۔“ ہارون اور امبر کے باہر جاتے ہی منیزہ نے صنف سے کہا۔

”میں نے کوئی بد تمیزی تو نہیں کی۔“ صنف نے کہا۔

”ہارون کی ہم پر اتنی ہی مہربانی کافی ہے کہ وہ ہم سے ملنے آ رہا ہے۔ ڈائنڈ کے بل اس نے ادا کر دیئے، تمہارے باپ کو ہمیں خرچہ دینے کے لیے رضامند کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور اب ہمیں گھر کی پیشکش بھی کر رہا ہے اور تم..... تم اس سے کس طرح بات کر رہی تھیں۔“

”وہ اگر ڈائنڈ کے بل ادا نہ کرتے تو میں کر دیتی۔ وہ ملنے آ رہے ہیں تو یہ میرے لیے پریشانی کا باعث ہے اور آپ کے لیے بھی ہونا چاہیے۔“ وہ کہہ رہی تھی۔

”یہ پاپا سے ہمارے اخراجات اٹھانے کے لیے کہہ رہے ہیں۔ مجھے اس پر یقین نہیں ہے اور گھر کی پیشکش ان تمام باتوں سے زیادہ عجیب ہے۔“

”ہارون کو ہمارے ساتھ ہمدردی ہے۔“ منیزہ نے جتانے والے انداز میں کہا۔

”ہمدردی کی وجہ کیا ہے؟“

”ہمدردی کی کوئی وجہ ہوتی ہے؟ تم کسی بے وقوفوں والی بات کرتی ہو۔“ منیزہ نے اسے جھڑکا۔

”مفت کی ہمدردی کی وجہ ہوتی ہے مگی!“ وہ اب کچھ سوچنے میں مصروف تھی۔ ”یہ اتنے بڑے بزنس مین ہیں، ان کے پاس اتنا وقت کہاں سے آ جاتا ہے کہ ہر روز گھنٹہ دو گھنٹہ یہاں آ کر صرف ہمدردی کے نام پر برباد کریں، میں سمجھ نہیں پاری۔“ وہ اٹھتے ہوئے انداز میں ماں کو دیکھ رہی تھی۔

”اور آپ نے دیکھا امبر کا ان کے ساتھ رویہ.....“ منیزہ نے اس کی بات کاٹی۔

”میں نے تمہیں پہلے ہی بتایا تھا امبران سے بہت اونچ ہو گئی ہے۔“ اس بار صنف نے ان کی بات کاٹی۔

”کیوں ہو گئی ہے اور آپ نے کیوں اس طرح ہارون کی حوصلہ افزائی کی ہے کہ وہ بار بار یہاں آئے۔“ منیزہ مشتعل

جو نہیں۔ ”وہ امبر کے باپ کی طرح ہے۔“  
 ”باپ کی ”طرح“ ہے۔ باپ نہیں ہے۔ کیا ہارون نے امبر کو بیٹی بنا لیا ہے؟“ منیزہ چند لمعے کچھ نہیں بول سکیں۔  
 ”میری بچھ میں نہیں آتا مئی! آپ کیوں ہر چیز کو اتنی لاپرواہی سے دیکھتی ہیں۔ اپنی آنکھوں کے سامنے ایک مصیبت کو دعوت دے رہی ہیں۔“  
 ”میں مصیبت کو دعوت دے رہی ہوں؟“ منیزہ کو اور غصہ آیا۔ ”تم نے امبر کو دیکھا ہے، وہ اگر ٹھیک ہوئی ہے تو صرف

ہارون کی وجہ سے۔ اس نے جب سے یہاں آنا شروع کیا ہے، امبر بہتر ہوئی گئی۔“  
 ”ہارون کے پاس کوئی جادو کی چھڑی نہیں ہے کہ جسے وہ ہمارا باپ ہے۔ امبر جس حالت میں تھی، کوئی بھی اس کے پاس آ کر کچھ وقت گزارتا تو اس نے ٹھیک ہو جاتا تھا۔ اسے جذباتی سہارے کی ضرورت تھی اور کوئی نہ کبھی آتا تب بھی علاج سے اس نے ٹھیک ہو جاتا تھا۔ اس میں ہارون کمال کی خدمات کے لیے اتنا ممنون ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ دونوں انداز میں کہہ رہی تھی۔ ”میں اب یہ چاہتی ہوں کہ ہم یہاں سے جائیں تو آپ ہارون کمال کا شکریہ ادا کریں تاکہ وہ پھر اس طرح بار بار امبر کے پاس نہ آئے۔“  
 ”تم بالکل اپنے باپ کی طرح خود غرض ہو کر کہہ رہی ہو۔ کام نکل گیا تو اب ہارون سے بھی جان چھڑائی جائے۔“ منیزہ

نے خضر بھرے انداز میں کہا۔  
 ”نہیں! یہ خود غرضی کی بات نہیں ہے۔“ صنف نے ماں کے طنز کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ ”مئی! آپ کو اپنی بیٹیوں کے بارے میں بہت محتاط ہونے کی ضرورت ہے۔ پہلے کی بات اور تھی اب بہت کچھ بدل گیا ہے۔ ہمیں اکیلا رہنا ہے۔ جہاں جا کر رہیں گے اگر ہارون کمال وہاں بھی آتا رہا تو کیا ہوگا! آپ نے سوچا ہے؟۔ اس کے ساتھ ہمارا کوئی کوئی رشتہ نہیں ہے۔ لوگ بہت باتیں کریں گے بدنام کر دیں گے۔ صرف امبر کو نہیں، ہم سب کو۔“  
 منیزہ نے بے یقینی سے اپنی اس بیٹی کو دیکھا۔

”تمہارا ذہن کس طرح کا ہو گیا ہے صنف! اتنی تنگ نظری، چھوٹا پن، کس طرح کی باتیں سوچنے لگی ہو تم؟۔ مجھے تو لگتا ہے تمہارے ذہن پر بھی اثر ہو گیا ہے۔ تمہیں بھی علاج کی ضرورت ہے۔“  
 صنف نے بے بسی سے ماں کو دیکھا۔ منیزہ احمق ترین عورتوں میں سے ایک تھیں اور ان کی حماقت ان کے اپنے لیے نہیں، ان کی اولاد کے لیے مسائل کھڑے کر رہی تھی۔ وہ پھر بھی اس حقیقت سے بے خبر تھیں یا پھر جان بوجھ کر انہوں نے آنکھیں بند کر لی تھیں۔

”پلیز مئی..... پلیز..... مجھے جو کہتا ہے کہیں مگر امبر کو اب ہارون سے نہ ملنے دیں۔ میں نہیں جانتی کیوں..... مگر ہارون کا یہاں آنا مجھے اچھا نہیں لگ رہا۔“ صنف سنجیدگی سے ماں سے کہہ رہی تھی۔

”اسامہ سے بات ہوئی تمہاری۔؟“ منیزہ نے یک دم موضوع بدل دیا۔

”ہاں۔“ وہ جھنجھلاتے ہوئے بولی۔

”تم نے اس کو سب کچھ بتایا؟“

”وہ پہلے ہی سب کچھ جانتا ہے۔“

”کیسے؟“

”روشان نے اس کو فون کیا تھا۔“

”تم نے قطع کا کیس واپس لینے کے بارے میں اس سے بات کی۔؟“

”مئی! پاپا کے وکیل اگر چہ کیس ختم کر رہے ہیں مگر میں نے اسامہ کو بتا دیا ہے کہ میں قطع ہی چاہتی ہوں۔“

”کیوں تم خلع کیوں چاہتی ہو؟۔ اسامہ بہت اچھا ہے۔“

صغہ نے میزہ کی بات کاٹ دی۔

”بہت اچھا ہے مجھے شبہ نہیں مگر میں فوری طور پر رخصتی چاہتی ہوں نہ ہی آپ لوگوں سے الگ رہنا چاہتی ہوں اور وہ یہ چاہتا ہے۔“

”تمہیں ہمارے لیے کوئی قربانی دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم سب صغہ کے پاس ہی رہیں گے۔ میرا علیحدہ یا اکیلے رہنے کا کوئی ارادہ نہیں۔“ میزہ نے دونوں کا انداز میں کہا۔

”وہ آپ کو اپنے پاس نہیں رکھیں گے۔“

”تب پھر میں اپنے حصے کا مطالبہ کروں گی۔“

”اور اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر انہوں نے آپ کو کھل نکالنا ہے تو وہ آج ہی نکال دیں گے۔ می! آپ ہر وقت ہر شخص کے ساتھ لڑ نہیں سکتیں اور اب ان حالات میں تو یہ اور بھی مشکل ہے۔“ وہ ماں کو سمجھانے کی کوشش کرنے لگی۔

”وہ آپ کو اکیلے اپنے پاس رکھ لیں گے مگر ہم لوگوں کے ساتھ نہیں۔ وہ آپ سے کہیں گے کہ ہم لوگوں کو وہاں

بھجوائیں تو آپ کیا کریں گی۔ جائیداد کا مطالبہ..... اور اس کے بدلے میں کیا ہوگا۔ وہ آپ کو کبھی نکال دیں گے پھر ہم لوگ کیا

کریں گے۔ کیا عدالت میں جاسکتے ہیں مقدمہ لڑ سکتے ہیں؟۔ لڑ سکتے تو پہلے پاپا کے خلاف اپنے اخراجات کے لیے لڑتے۔ جب

آدمی پر مشکل وقت آتا ہے تو پھر اپنا حق بھی چھوڑنا پڑتا ہے اور بھی بہت کچھ چھوڑنا پڑتا ہے۔ ابھی ہم کمزور ہیں ہر طرح سے

دوسروں پر انحصار کر رہے ہیں اور جن پر انحصار کر رہے ہیں ان سے جھگڑا نہیں کر سکتے۔ یہ کسی بھی طرح سے سمجھ داری نہیں ہے۔

ہمیں پاپا کی فیملی سے کوئی سپورٹ نہیں مل رہی اس لیے ہمیں آپ کی فیملی کی سپورٹ کی ضرورت ہے۔ ہم دونوں کو اپنے خلاف

کر کے اپنے لئے مزید پریشانیاں پیدا کر لیں گے۔“

وہ رسائیت سے سمجھا رہی تھی۔

”صغہ انکل سے لڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے گھر کے سلسلے میں ان سے بات کی ہے بلکہ جو گھر دکھا ہے وہ

ان کو بھی دکھایا ہے۔ انہوں نے سارے معاملات طے کر لیے ہیں بلکہ ایڈوائس بھی خود دے دیا ہے۔ امبر ایک دو دن میں یہاں

سے ڈسٹینس ہو کر گھر آ جائے گی۔ چند دن ہم گھر پر رہیں گے پھر نئے گھر شفٹ ہو جائیں گے۔“

میزہ نے اس بار کچھ نہیں کہا۔ وہ اس کا چہرہ دیکھتی رہیں مگر ان کے ماتھے پر بہت ساری لیکریں نمودار ہو رہی تھیں۔

صغہ اٹھ کر کمرے کی کھڑکی کی طرف بڑھ گئی۔ بلائینڈز کو ہٹاتے ہوئے اس نے باہر دیکھا۔ امبر دور درائیوے پر کھڑی اپنی بیٹی

پھیلائے اسے دیکھ رہی تھی۔ صغہ کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ وہ اتنے فاصلے پر کھڑے ہوئے بھی جان سکتی تھی وہ اپنی بیٹی پر کیا

دیکھ رہی تھی۔ قسمت.....

## اٹھارواں باب

صبحہ نے گھر کی چابی پر اپنی ڈیلر سے لے لی تھی۔ گھر میں کچھ مرمت کی ضرورت تھی اور مرمت کے ساتھ رنگ و روغن کی بھی۔ وہ اس دن گھر کا ایک پار پھر جائزہ لینے کے لیے آئی تھی۔ تقریباً آدھ گھنٹہ وہاں رہنے اور ان تمام چیزوں کو نوٹ کرنے کے بعد جو وہاں کروانا چاہتی تھی وہ باہر نکل کر گھر کو تالا لگا رہی تھی جب فاطمہ نے اپنے گھر کا تالا کھولتے ہوئے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ صبحہ سے نظریں ملنے پر فاطمہ مسکرائی۔ دونوں میں علیک سلیک ہوئی۔

”میری بیٹی مجھے بتا رہی تھی کہ ساتھ والے گھر میں کرایہ دار آنے والے ہیں۔“ فاطمہ نے گفتگو کا آغاز کیا۔ ”مجھے بڑی خوشی ہوئی کیونکہ بہت عرصے سے یہ گھر خالی پڑا ہوا تھا۔ کب آ رہے ہیں آپ لوگ؟“

صبحہ نے اس پستہ قامت سیاہ رنگت کی ادھیڑ عمر عورت کو دیکھا جس کی آواز میں بلا کی مٹھاس تھی۔

”ہم لوگ جلدی آ جائیں گے صرف یہاں کچھ مرمت اور چینٹ وغیرہ کروانا ہے وہ کروالیں تو آ جائیں گے۔“ صبحہ نے اس کی مسکراہٹ کا جواب مسکراہٹ سے دیا۔

”اندر آ جاؤ میں پانی پلاتی ہوں۔“ فاطمہ نے اسے پیشکش کی۔

”نہیں آنٹی! میں جلدی میں ہوں۔“

صبحہ نے انکار کیا مگر فاطمہ اصرار کرنے لگی۔ صبحہ کے ذہن میں پتا نہیں کیا آیا کہ اس نے ہامی بھری۔ وہ فاطمہ سے اس محلے کے بارے میں کچھ اور تسلی کرنا چاہتی تھی۔ فاطمہ نے دروازہ کھول کر اسے اندر آنے کے لیے کہا۔ صبحہ اس کے پیچھے اندر داخل ہوئی۔

”میں اس وقت اسکول سے آتی ہوں۔“ فاطمہ نے صبحہ کو اندر کمرے کی طرف بڑھتے ہوئے بتایا۔ صبحہ اس گھر کا جائزہ لے رہی تھی۔ وہ بھی دو کمروں پر بنا ہوا گھر تھا مگر ان کے گھر کی نسبت زیادہ اچھی طرح سے سنوار کر رکھا گیا تھا۔ فاطمہ نے کمرے کا دروازہ کھول کر اسے اندر آنے کے لیے کہا اور لائٹ آن کر دی۔

”آپ بیٹھیں، میں ابھی آتی ہوں۔“

صبحہ کمرے میں پڑی کرسیوں میں سے ایک پر بیٹھ گئی۔ فاطمہ باہر جا چکی تھی۔ صبحہ کمرے میں نظریں دوڑانے لگی۔ کمرے میں دو پلنگ رکھے ہوئے تھے۔ ایک پلنگ دیوار کے ساتھ کونے میں لگا ہوا تھا اور اس کے اطراف کی دو دیواریں مختلف طرح کی چیزوں سے آراستہ تھیں۔ دیواروں سے چھ پکائے گئے تھے کچھ چھوٹے چھوٹے کارٹون کرکیشنز..... صبحہ لاشعوری طور پر اٹھ کر اس پلنگ کے پاس آ گئی اور دیوار پر لگی کیننگز کو پڑھنے لگی۔ وہاں نام نہیل تھا ایک چھوٹا کینڈر تھا جس پر پورے سال کے مہینوں کی تاریخوں پر دائرہ بنا کر مختلف تحریریں اور کام لکھے گئے تھے۔ کسی نے پورے سال کو پلان کیا ہوا تھا۔ چھوٹی سے چھوٹی تفصیل کے ساتھ۔ دیوار کے ساتھ ہی ایک شیلٹ میں کتا بیٹھ پڑی تھی۔ شیلٹ کے سب سے اوپر ایک پر ایک لیپ دھرا تھا۔ صبحہ دوبارہ دیوار کو دیکھنے لگی وہاں کچھ کارڈز بھی لگے تھے۔ چھوٹے بڑے ہر سائز کے کارڈز۔

”یہ میری بیٹی کا چنگ ہے۔“ صبغہ بے اختیار چونک کر بٹھی۔ فاطمہ ایک نرے لے کر اندر آئی تھی۔ ”بتانی کا۔“ اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی۔ اس نے ایک تپائی پیرے رکھ دی۔ صبغہ واپس آ کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

”یہ سب کچھ وہی کرتی رہتی ہے۔“

صبغہ نے نرے میں سے شربت کا گلاس اٹھا لیا۔

”آپ کا نام تو میں نے پوچھا ہی نہیں۔“

”میرا نام صبغہ ہے۔“ صبغہ نے ایک گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔

”آپ لوگ کہاں سے آرہے ہیں۔؟“

”ہمیں اسی شہر سے۔“ صبغہ نے مدہم آواز میں کہا۔

”اسی شہر سے۔“ فاطمہ نے قدرے سوالیہ انداز میں کہا۔

صبغہ ایک لمحہ کے لیے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ ”ڈیفنس سے۔“

فاطمہ کے چہرے پر تعجب آیا تھا۔ صبغہ نے نظریں چرا لیں۔

”والد صاحب کیا کرتے ہیں آپ کے؟“ اگلا سوال صبغہ کے لیے اور بھی مشکل تھا۔

”ہم پاپا کے ساتھ نہیں رہتے۔“ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد شربت کے گلاس پر نظریں جماتے ہوئے اس نے کہا۔

”میرے والدین میں علیحدگی ہو گئی ہے۔“

کمرے میں ایک تکلیف دہ خاموشی کا وقفہ آیا تھا۔

”آپ لوگ کتنے بہن بھائی ہو؟“ فاطمہ کی آواز میں اس بار ہمدردی واضح طور پر محسوس کی جاسکتی تھی۔

”چار بیٹیں اور ایک بھائی۔ بھائی پاپا کے پاس ہے۔“ وہ گلاس کی بیرونی سطح پر انگلی پھیر رہی تھی۔

”آپ سب سے بڑی ہیں؟“

”نہیں میں دوسرے نمبر پر ہوں۔ ایک بہن مجھ سے بڑی ہے۔“ وہ کہہ رہی تھی۔

”آپ سب پڑھتی ہیں؟“ وہ اس بار ہلکا سا سسکرائی اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”پہلے پڑھتے تھے اب تو کام کرنا پڑے گا میں نے اے لیوئر کیا ہے۔“

فاطمہ نے اپنے سامنے بیٹھی ہوئی مین ایجر لڑکی کو دیکھا۔ اس کے چہرے پر جو تنیدگی تھی وہ اس کی عمر سے مطابقت نہیں

رکھتی تھی۔ اس کا لباس اس کی شکل و صورت اس کے انداز و اطوار ایک نظر میں ہی اس کے کسی اچھے خاندان سے تعلق کو ظاہر کر

رہے تھے۔ اور وہ اس محلے میں دو کمروں کے ایک گھر کو کرائے پر لینے آئی تھی۔ ڈیفنس سے اندرون شہر کا سفر... طلاق کے بعد

کیا ہوا ہوگا اس معاشرے میں رہتے ہوئے اس سوال کا جواب فاطمہ کے لیے مشکل نہیں تھا۔ وہ پچھلے کئی سالوں سے بہت سے

جاننے والوں کو اسی تکلیف سے گزرتے دیکھ چکی تھی۔

”آپ پڑھاتی ہیں؟“ فاطمہ اچانک کیے جانے والے اس سوال پر حیران ہوئی۔

”میں..... ہاں.....“ صبغہ نے اس کی حیرانی بھانپ گئی۔

”مجھے پراپرٹی ڈیلر نے آپ کے بارے میں بتایا تھا۔“ صبغہ نے کہا تو فاطمہ کے چہرے پر مسکراہٹ پھل گئی۔

”اس کا مطلب ہے آپ کے تعارف سے پہلے میرا تعارف آپ تک پہنچ گیا۔ مسائے ہیں اس لیے۔“ اس نے مختصر

سے کہا۔

صبغہ نے مسکرانے کی کوشش کی۔ اس کی مسکراہٹ کتنی پھلکی ہوئی اسے اچھی طرح اندازہ تھا۔ فاطمہ اس کے چہرے کو کسی

کتاب کی طرح پڑھ رہی تھی۔ سامنے بیٹھی ہوئی لڑکی ابھی اس عمر میں داخل نہیں ہوئی تھی۔ کہ جہاں وہ اپنے چہرے پر آنے

والے تاثرات کو چھپانے میں مہارت حاصل کر سکتی۔ اور پھر شاید صبغہ کے لیے سب کچھ اتنا نیا تھا کہ اسے یہ ”عادت ڈالنے“ میں

ابھی دشواری اور دقت پیش آ رہی تھی۔

”کیا پڑھاتی ہیں آپ؟“

”Maths۔“ صنف نے کونے میں پڑے ہوئے اس بنگ اور اس کے اطراف کی دیواروں کو دیکھا۔

”آپ کی بیٹی کس کلاس میں پڑھ رہی ہے؟“

”انٹرمیڈیٹ میں۔“ جانی کے ذکر پر فاطمہ کے چہرے پر پھر مسکراہٹ آئی۔

”اس وقت وہ آج کل گھر پر ہی ہوتی ہے۔ آج شمر کے ساتھ مارکیٹ گئی ہے۔ شمر میرا بیٹا ہے۔“ فاطمہ نے مزید بتایا۔

”وہ بھی انٹرمیڈیٹ میں پڑھتا ہے۔“

”آپ کے شوہر بھی ٹیچر ہیں؟“

”نہیں ان کی ڈیڑھ ہو چکی ہے۔“

”اوہ! آئی ایم سوری.....“ صنف نے تاسف سے کہا۔

”اس کی ضرورت نہیں ان کی ڈیڑھ کو بہت سال ہو چکے ہیں۔“

”پراپرٹی ڈیلر اس محلے اور یہاں کے لوگوں کی بہت تعریف کر رہا تھا۔“ صنف نے اس موضوع پر آتے ہوئے کہا۔ جس پر دو بات کرنا چاہتی تھی۔ ”میں آپ سے پوچھنا چاہ رہی تھی۔ آپ کو اندازہ تو ہو گیا ہے کہ ہم لوگوں کے ساتھ کوئی مرد نہیں ہوگا اور ہمیں اکیلے رہنے کا کوئی تجربہ نہیں ہے۔“ فاطمہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

”پراپرٹی ڈیلر نے ٹھیک کہا تھا۔ یہ محلہ اور یہاں کے لوگ واقعی بہت اچھے ہیں۔ یہاں آپ لوگوں کو کسی قسم کی کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔“ فاطمہ نے اسے اطمینان دلایا۔

”آپ یہاں کب سے رہ رہی ہیں؟“

”چند سال ہونے والے ہیں۔ اور ان پندرہ سالوں میں مجھے یہاں کوئی مسئلہ نہیں ہوا۔“

”آپ کی بات دوسری ہے۔ میری مٹی ہاؤس وائف ہیں، انہیں اور میری بہنوں کو یہاں ایڈجسٹمنٹ میں پہلے ہی بہت مشکلات پیش آئیں گی۔“ وہ بتا رہی تھی۔

”ہم لوگ اس لائف اسٹائل کے عادی نہیں ہیں، یہ کسی محلے میں جا کر رہنے کا ہمارا پہلا تجربہ ہوگا اور میں اسی لیے کچھ خوفزدہ بھی ہوں۔“

”گھبرانے کی کوئی بات نہیں بیٹا! یہاں آس پاس کے لوگ واقعی بہت اچھے ہیں۔ اور اگر کوئی مسئلہ ہوا تو بھی ہم لوگ ہیں یہاں پر۔ گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ آپ یہی سمجھ کر یہاں آئیں کہ آپ پہلے سے ہی ہمیں جانتے ہیں۔ کسی قسم کی مدد کی ضرورت ہو تو بھی بلا جھجک آپ میرے پاس آ سکتی ہیں۔“ فاطمہ نے اس سے کہا۔

”تھینک یو.....“ صنف نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ شکر یہ ادا کیا۔

”آپ لوگ کب آ رہے ہیں یہاں؟“ فاطمہ نے پوچھا۔

”ایک دو ہفتے تک۔ پہلے گھر میں کچھ مرمت اور پنٹ وغیرہ کروانا ہوگا۔“

”وہ کون کروائے گا؟“

”میں خود کرواؤں گی، آج میں جا کر کچھ مزدور وغیرہ ڈھونڈنے کی کوشش کرتی ہوں۔ پھر پلیمبر اور کارپینٹر کا انتظام کروں گی۔“ وہ بتاتے ہوئے ساتھ ہی کچھ سوچ بھی رہی تھی۔

”اگر میں انتظام کر دوں؟“

”آپ کیسے کریں گی؟“

”اس محلے میں کچھ لوگ یہی کام کرتے ہیں۔“ فاطمہ نے بتایا تو صنف کو ایک دم محسوس ہوا جیسے اس کے کندھوں سے کوئی

بوجھ ہٹ گیا ہو۔ وہ پچھلے چند دن سے گھر کی مرمت اور اس کے انتظامات کے بارے میں سوچ کر پریشان ہو رہی تھی۔ اسے اخراجات کی پریشانی نہیں تھی۔ اسے یہ فکر تھی کہ وہ مزدوروں کا انتظام کہاں سے اور کیسے کرے گی۔ اگر کسی نہ کسی طرح وہ خود مزدوروں کا انتظام کر بھی لیتی ہے تو کیا وہ قابل بھروسہ ہوں گے اور اچھا کام کریں گے؟ اب فاطمہ کی آفر سے ایک دم سکون اور اطمینان محسوس ہوا تھا۔ کسی کے ریفرنس سے آنے والے مزدور اپنے کام کو یقیناً بہت اچھے نہیں تو کم از کم تسلی بخش طریقے سے ضرور کریں گے۔

”آپ مجھے بتادیں‘ آپ کو کیا کیا کام کروانے ہیں۔ میں سب کروادوں گی۔ اور پھر اس کے بعد باقی سب کام بھی ہو جائیں گے۔“ فاطمہ نے اسے مزید مطمئن کیا۔

”میں نہیں جانتی میں آپ کا شکر یہ کیسے ادا کروں۔“ فاطمہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

”اس میں شکر یہ ادا کرنے والی کوئی بات نہیں۔ اب تو آپ لوگ ہمارے ہمسائے میں آ جائیں گے۔ ایک دوسرے سے کام پڑتے ہی رہیں گے۔“

صبح نے اپنے بیک میں رکھا وہ کاغذ نکال لیا جن پر اس نے ان تمام کاموں کی فہرست بنائی تھی جو اسے نئے گھر میں کروانے تھے۔ اس نے اس فہرست کو فاطمہ کی طرف بڑھا دیا۔ فاطمہ کاغذ پر نظر دوڑانے لگی۔ چند لمحوں کے بعد فاطمہ اٹھ کر ایک نوٹ بک اور پین لے آئی اور اس کے بعد ان تمام کاموں کو ترتیب دینے لگی۔ کون سا کام پہلے ہونا چاہیے۔ اور کون سا بعد میں۔

وہ بڑی تیز رفتاری سے اس لمبی چوڑی فہرست کو دوبارہ سے ترتیب دے رہی تھی۔ صبح نے قدرے متاثر ہو کر اس کے چہرے پر نظر ڈالی۔ اس کے کام کرنے کا طریقہ بہت منظم تھا۔ صبح کو پلنگ کے ساتھ دیواروں پر لگی ڈیٹ لائٹز اور ٹائم ٹیبل یاد آئے۔ ثانی میں وہ سب کچھ کہاں سے آیا ہوگا اسے اندازہ ہو گیا تھا۔ وہ چپ چاپ اس کے مونے سیاہ بھدی انگلیوں والے جھریوں زدہ ہاتھوں کو کاغذ پر لکیریں کھینچتے دیکھ رہی تھی۔

دس منٹوں کے بعد فاطمہ نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور مسکرائی۔

”اب یہ تو طے ہو گیا کہ کل یہ کام ہوں گے اور اتنے وقت میں ہوں گے۔“

”اگر مزدوروں کا انتظام نہ ہو سکا تو.....“ صبح نے خدشہ ظاہر کیا۔

”ایسا نہیں ہوگا..... میں نے بتایا تھا اس محلے میں یہ کام کرنے والے بہت لوگ ہیں۔ اگر ان میں سے ایک نہیں ملے گا تو دوسرا مل جائے گا اور کوئی بھی نہ ملا تو کہیں اور سے انتظام ہو جائے گا۔ یہ اتنا مشکل کام نہیں ہے۔“

”میں کل صبح کتنے بچے آؤں؟“ صبح نے پوچھا۔

”آپ اپنی سہولت کے مطابق آ جائیں۔ صبح جلدی آ جائیں گی تو مزدور مطلوبہ سامان لا کر کام جلدی شروع کر دیں گے۔“

”میں مزدوروں کو پیسے دے دوں تو وہ خود ہی سارا سامان لے آئیں گے؟“ صبح نے اس سے پوچھا۔

”ہاں وہ لے آئیں گے۔ اگر محلے میں سے کوئی ہوا تو پھر تو آپ اعتماد رکھیں کہ وہ قابل بھروسہ ہیں، لیکن اگر کہیں باہر سے مزدور آتے ہیں تو پھر میں اپنے بیٹے سے کہوں گی وہ مزدوروں کو سامان لادے گا۔“

”مجھے شرمندگی ہو رہی ہے کہ میں نے سارا کام آپ لوگوں کے کندھوں پر ڈال دیا۔“

صبح کو پہلی بار کچھ شرمندگی سی محسوس ہوئی۔

”ایسی کوئی بات نہیں، محلے کے لوگ ایک دوسرے کے..... کام آتے رہتے ہیں۔ آپ لوگ یہاں آئیں گے تو آپ کو اندازہ ہو جائے گا۔“ فاطمہ نے ایک بار پھر اسے ٹوکا۔

”صبح جب آپ آئیں گی تو میں گھر پر نہیں ہوں گی۔ میری بیٹی اور بیٹا دونوں گھر پر ہوں گے۔ میں انہیں سب کچھ بتا



دون گی۔ آپ گھر کی چابی مجھے دے دیں تاکہ میں آج اندر سے مزدوروں کو ایک بار گھر دکھا دوں۔ یا پھر کل صبح آپ جلدی آ جائیں مزدوروں کے آنے سے بھی پہلے۔“

صند نے بیک کھول کر چابیاں نکال لیں۔

”آپ چابیاں رکھ لیں، اگر آج مزدوروں کا انتظام ہوتا ہے تو شام کو انہیں گھر دکھا دیں۔“ فاطمہ نے چابیاں پکڑ لیں۔

صند اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”میں اب چلتی ہوں۔“

فاطمہ بھی کھڑی ہو گئی۔

”آپ سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی۔ میری مٹی کو بھی ہوگی۔ آپ کی وجہ سے میرے بہت سے کام آسان ہو گئے

جی۔“

صند نے ایک وفد پھر مسکراتے ہوئے فاطمہ کا شکر یہ ادا کرنے کی کوشش کی۔

”مجھے بھی آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔ آپ کی مٹی سے ملاقات کا انتظار رہے گا۔ آپ اگر برانہ مانیں تو ایک بات

آپ سے کہنا چاہتی ہوں۔“ فاطمہ نے نرم آواز میں کہا۔

”نہیں، میں بُرا نہیں مانوں گی۔ آپ کہیں۔“ صند نے کہا۔

”یہاں کسی سے یہ مت کہیں کہ آپ کے والدین میں علیحدگی ہو چکی ہے۔“

صند کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

”یہ خود کو غیر محفوظ کر لینے والی بات ہے۔“

وہ چپ چاپ فاطمہ کا چہرہ دیکھتی رہی۔

”لوگ جہ نہیں جانتے۔ صرف رائے دینا چاہتے ہیں۔ آپ کے والدین کے درمیان جو بھی اختلافات اور ان کے جو

بھی نتائج رہے ہوں گے ان سے آپ واقف ہیں یہ لوگ نہیں۔ یہ تو صرف اندازے لگائیں گے۔ اپنی سمجھ کے مطابق اپنی

ذہنیت کے مطابق..... اور ہر اندازہ بے ضرر نہیں ہوتا۔“

وہ اب بھی اسی طرح کھڑی دم سادھے فاطمہ کو دیکھ رہی تھی۔

”یہ لوگ بہت اچھے ہیں۔ طنسار ہیں، ہمدرد ہیں، مگر انسان ہیں۔ انسان کے بارے میں حتمی طور پر کچھ بھی نہیں کہا جا

سکتا۔ آپ سب کو یہی بتائیں کہ آپ کے والد بیرون ملک میں ہیں۔ اس صورت میں کم از کم آپ کو فضول سوال و جواب کا

سامنا نہیں کرنا پڑے گا۔ میں بھی ہر ایک سے یہی کہوں گی۔ اور یہ بھی کہوں گی کہ آپ ہمارے نئے والوں میں سے ہیں۔“

صند نے ہونٹ کاٹتے ہوئے سر ہلا دیا۔

”بائی سب کچھ ٹھیک ہے، زندگی میں بہت کچھ ہوتا رہتا ہے۔ اچھے دن نہیں رہتے بُرے دن بھی نہیں رہتے۔“ وہ صند

کے ساتھ بارگھر میں آتے ہوئے کہہ رہی تھی۔ ”انسان کی زندگی جب تک ہے، تنگی اور کشادگی تو آتی رہتی ہے۔“

صند کا دل چاہا وہ اس سے کہے کہ یہ صرف تنگی نہیں ہے، وہ کہاں سے کہاں آ گئے تھے۔ کوئی اندازہ ہی نہیں کر سکتا۔

وہ دروازے سے کچھ فاصلے پر تھے، جب دروازے پر دستک ہوئی..... فاطمہ نے آگے بڑھ کر دروازہ کھول دیا۔ سلام کر

کے اندر آنے والے شخص نے صند کو حیرت زدہ کیا تھا۔ وہ بے حد وجیہ تھا۔ اس کا قد تقریباً چھ فٹ تھا اور فاطمہ اور وہ خود ایک دم

یسا اس کے سامنے پتہ قامت لگنے لگے تھے۔ وہ مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوا تھا اور فاطمہ سے بات کرتے کرتے اسے دیکھ کر

چڑکا تھا۔ اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی تھی۔

”یہ میرا بڑا بیٹا شہیر ہے۔ اور شہیر! یہ ہمارے ساتھ والے گھر میں آئی ہیں۔“

صند کا ذہن بھک سے اڑ گیا تھا۔ شہیر..... اور فاطمہ..... وہ ان دونوں کے چہروں پر بے یقینی سے نظریں دوڑانے لگی

تھی۔ شہیر ایک اچھٹی سی نظر اس پر ڈالنے ہوئے رمی علیک سلیک کے بعد وہاں رکا نہیں تھا۔ وہ فاطمہ کو خدا حافظ کہتے ہوئے

دروازے سے باہر نکل آئی۔ مگر اس کا ذہن الجھا ہوا تھا۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ شبیر جیسا وجیبہ شخص فاطمہ کا بیٹا ہو سکتا ہے۔ مگر وہ اس کا بیٹا تھا اور اسے دیکھتے ہوئے اسے یوں بھی لگ رہا تھا جیسے وہ اسے کہیں دیکھ چکی تھی۔ کہیں مل چکی تھی۔ ایسا ہوتا تو وہ نہیں تو کم از کم شبیر ہی اسے پہچان لیتا۔ وہ واپسی کے راستے میں جتنا اس کے بارے میں سوچتی رہی اس کا یقین پختہ ہونے لگا۔ کہ وہ پہلے بھی اس کو کہیں دیکھ چکی ہے۔ وہ شامسا تھا۔

☆☆☆

”تم آج کل شام کے وقت کہاں ہوتے ہو؟“ شائستہ نے پوچھا تو گھاس میں جوں ڈالے ہوئے ہارون کمال کا ہاتھ رک گیا اس نے شائستہ کو دیکھا۔ وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی۔ وہ دودھ میں کارن فلکس ڈال رہی تھی۔

”کہیں نہیں۔“ وہ دوبارہ جوں گھاس میں ڈالنے لگا۔ شائستہ نے گرون موز کرا سے دیکھا۔

”کہیں نہیں؟“ اس نے قدرے عجیب سے انداز میں کہا۔ ”کہیں نہیں کا کیا مطلب؟“

اس بار ہارون نے قدرے غور سے شائستہ کو دیکھا۔ وہ اس کے چہرے سے کچھ اندازہ لگانا چاہتا تھا۔

”کہیں نہیں کا کیا مطلب ہو سکتا ہے؟“ اس نے شائستہ کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس سے سوال کیا۔

”یہ تم کو بتانا چاہیے۔ سوال میں نے کیا تھا۔“ شائستہ کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔

”کہیں نہیں کا مطلب یہی ہے کہ میری مصروفیات میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی۔“ ہارون نے جوں کا گھاس اٹھاتے ہوئے معمول کے انداز میں کہا۔ ”جو میں پہلے کر رہا تھا وہی اب کر رہا ہوں۔ پہلے تو کبھی تم نے میری شام کی مصروفیات میں دلچسپی نہیں لی۔“ اس نے جوں کا گھونٹ بھر کر کہا۔ ”اب اچانک تم پوچھ رہی ہو تو مجھے حیرانی ہو رہی ہے۔ جان سکتا ہوں کہ تم نے میری شام کی مصروفیات کے بارے میں کیوں پوچھا؟

وہ پتا نہیں اپنے کون سے اندازے کی تصدیق کرنا چاہتا تھا۔

”ہاں۔ پوچھ سکتے ہو۔“ شائستہ نے کارن فلکس کھاتے ہوئے کہا۔ ”بہت عرصے سے شام کو تم سے ملاقات نہیں ہوئی تو میں نے سوچا کہ تم سے پوچھنا چاہیے کہ آخر شام کو ہر جگہ سے کہاں غائب ہو جاتے ہو۔“

”بہت عرصے سے؟“ ہارون کے ماتھے پر ٹنٹیں پڑ گئیں۔ ”ہم تو پچھلے پانچ سال سے شام اکٹھی نہیں گزار رہے۔“ اس نے جوں کا گھاس نیبل پر رکھ دیا۔ ”اور تمہیں آج خیال آیا ہے کہ میں شام کہاں گزارتا ہوں۔“

”کیا ہم اس ایٹو پر بحث کریں گے؟“ شائستہ کا انداز یک دم بدل گیا۔ ”میں نے تم سے صرف یہ پوچھا ہے کہ تم شام کو کہاں ہوتے ہو۔ پانچ سال اگر نہیں پوچھا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آج بھی نہیں پوچھ سکتی۔ میں تمہاری بیوی ہوں، تم سے کبھی بھی یہ سوال کرنے کا حق رکھتی ہوں۔“

”جاننا ہوں کہ تم میری بیوی ہو اور اسی لیے یہ سوال سن کر اس کا جواب دے رہا ہوں۔ بحث کیے بغیر پتا چکا ہوں کہ میں کسی بھی خاص جگہ پر نہیں ہوتا، میری مصروفیات بدلتی رہتی ہیں اور ان مصروفیات کے ساتھ میری شام کی روٹین بھی بدلتی رہتی ہے۔“

ہارون کمال نے بھی اپنا انداز یک دم تبدیل کر لیا تھا۔ اس کی چھٹی حس بتا رہی تھی کہ شائستہ کے ان سوالات کی وجہ اتنی عام نہیں ہے، جتنی وہ ظاہر کرنے کی کوشش کر رہی ہے۔ کیا اسے اس کی آج کل کی مصروفیات کی بھنگ پڑ گئی تھی۔

شائستہ کچھ دیر اس کے جواب پر فلکس جھپکائے بنا اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ ہارون کمال نے اپنے تاثرات کو حتی المقدور تارل رکھنے کی کوشش کی مگر یہ آسان کام نہیں تھا۔ شائستہ کی جھپتی ہوئی نظریں جیسے اس کے آ پار دیکھ رہی تھیں۔

”کل شام کہاں تھے تم؟“ ٹٹی بلا خر تیلے سے باہر آ گئی تھی۔

ہارون نے جوں کا گھاس دوبارہ اٹھا لیا۔ اس نے کل شام کی مصروفیات پر ایک نظر دوڑائی۔ امبر کے پاس جا کر وقت گزارنے کے ناوہ دوسری کوئی ایسی مصروفیت نہیں تھی جسے وہ شائستہ کے حوالے سے قابل اعتراض سمجھتا اور وہ اس مصروفیت کا

ذکر کرنے سے پہلے اس بات کا یقین کر لینا چاہتا تھا کہ شائستہ اسی مصروفیت کے حوالے سے اسے کرینے کی کوشش کر رہی تھی یا کوئی اور بچہ تھی۔

”کل شام میں کلب گیا تھا۔“ ہارون کمال نے ذہن پر زور ڈالنے کی اداکاری کرتے ہوئے کہا۔ ”ایک دوست سے ملا تھا۔“ شائستہ پلکس جھپکائے بغیر اسے دیکھتی رہی۔

”فرنس کے حوالے سے بھی ایک آڈی سے ملا تھا۔“ وہ خاموش ہو کر شائستہ کو دیکھنے لگا۔

”بس کل شام تم نے یہی کچھ کیا تھا؟“

”نہیں، چند اور کام بھی کیے تھے مگر وہ اتنے اہم نہیں تھے۔“ ہارون کمال نے اس سے نظریں چراتے ہوئے جوس کا ایک

اور گھونٹ لیا۔

”مگر میں سمجھتی ہوں،“ چند کام زیادہ اہم ہیں، کم از کم میرے لیے۔“ وہ چبا چبا کر بولی۔

”تم کہتا کیا چاہ رہی ہو؟“ وہ سنجیدہ ہو گیا۔

”میں صرف یہ پوچھنا چاہ رہی ہوں کہ تم آج کل ڈاکٹر جاوید کے کلینک کے چکر کیوں کاٹ رہے ہو؟“

ہارون ایک لمحہ کے لیے ساکت ہوا۔ وہ کب سے یہ جانتی تھی کہ وہ ڈاکٹر جاوید کے کلینک پر جا رہا ہے۔ ایک لمحے کے توقف کے بعد اس نے کہا۔ ”کافی دنوں سے۔“

”میں جانتی ہوں اور اس کے بارے میں نہیں پوچھ رہی صرف یہ جاننا چاہتی ہوں کہ تم وہاں کس لیے جا رہے ہو؟“ اس نے ہارون کی بات کا نٹے ہوئے کہا تھا۔

”جب تم یہ جانتی ہو کہ وہاں کتنے دن سے جا رہا ہوں تو پھر یقیناً یہ بھی جانتی ہوگی کہ کس لیے جا رہا ہوں پھر ان سوالوں کا قادمہ کیا ہے؟“ اس بار ہارون کمال کا لہجہ بھی اکھڑ تھا۔

”ہاں، میں یہ بھی جانتی ہوں کہ تم وہاں کس لیے جا رہے ہو مگر میں تمہارے منہ سے سنا چاہتی ہوں۔“

شائستہ کے چہرے پر عجیب سی مسکراہٹ ابھری جیسے وہ اس وقت ہارون کمال کو شائستہ کا سامنا کرنے میں دقت پیش آ رہی تھی۔ وہ یقیناً آج بُرا چھٹا تھا اپنی تمام احتیاطوں کے باوجود۔

”میں وہاں منصور علی کی فیملی کے لیے جا رہا ہوں۔“ اس نے بلا خر کہا۔ اس کے پاس کوئی چارہ بھی نہیں تھا۔ ”اور یہ تم جانتی ہی ہوگی۔“

شائستہ کے ہونٹوں پر زہر میں بھھی ہوئی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ”بہت اچھی طرح.....“ اس نے کارن فلیکس کا پیالہ پیچھے دھکیل دیا۔

”منصور علی کی کون سی فیملی ہے وہاں۔ امبر اور منیزہ؟“ اس نے تیز آواز میں کہا۔ ”سابقہ بیوی اور وہ بیٹی جسے وہ گھر سے نکال چکا ہے۔ کیا تم اسے منصور کی فیملی کہنے میں حق بجانب ہو؟“

ہارون کمال نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ شائستہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”اور فرض کرو کسی نہ کسی طرح میں یہ مان بھی لوں کہ وہ منصور علی کی فیملی ہی ہے پھر بھی سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ تم کس رشتے اور حوالے سے ان سے ملنے کے لیے جا رہے ہو؟“

”میں وہاں اپنے کسی کام کے لیے گیا تھا۔“ ہارون کمال نے کمزور لہجے میں کہا۔ ”یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ منیزہ مجھے وہاں مل گئی اور اس کے اصرار کرنے پر میں امبر کو دیکھنے چلا گیا۔“

”اور پھر تم نے اپنا فرض سمجھا کہ تم ہر روز وہاں جا کر امبر کی عیادت کرو۔“ شائستہ نے اس کی بات کا نٹے ہوئے کہا۔

”میں روز وہاں صرف اس کی عیادت کے لیے نہیں جا رہا، مجھے کچھ اور کام بھی ہیں۔“

”اور وہ کام کیا ہیں، میں جان سکتی ہوں؟“ شائستہ کے لب و لہجے کی تندہی و تیزی میں کمی نہیں آ رہی تھی۔

”ضروری نہیں ہے کہ میں ہر بات تم کو بتاؤں۔“

”اور یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ تم ہر بات مجھ سے چھپاؤ۔“

”میں تم سے کچھ بھی نہیں چھپا رہا۔“ ہارون کمال نے قدرے مدافعتانہ انداز میں کہا۔ ”منصور علی کی فیملی سے ملاقات اتنا اہم واقعہ نہیں ہے کہ میں اس کا ڈھنڈورا پیٹتا پھروں۔“

”تمہیں یاد ہے کہ تمہارا بیٹا اس لڑکی کے عشق میں دیوانہ ہو کر پھر رہا ہے جس کے ساتھ ملاقات کو تم اتفاقاً کہہ رہے ہو اور جسے تم کوئی اہمیت دینے کے لئے تیار نہیں ہو۔“ شائستہ نے میز پر ہاتھ مار کر کہا۔

”اور تم..... تم وہی ہو جس نے اپنے بیٹے کو اس لڑکی سے شادی کی فرمائش پر نہ صرف منگ سے باہر بھیج دیا بلکہ اسے جائیداد سے عاقق کرنے کی دھمکی بھی دی اور اب تمہارا اصرار ہے کہ یہ ملاقاتیں ”اتفاقاً“ ہیں اور اتنی اہم نہیں کہ تم مجھے ان کے بارے میں بتاتے۔“

”میں تمہیں اس کے بارے میں وقت آنے پر بتا دیتا۔“

”اور وہ وقت کب آتا؟ وہ سال بعد؟“

”رائی کا پہاڑ مت بناؤ شائستہ!“

”تم بھی مجھے بے وقوف سمجھنے اور بنانے کی کوشش مت کرو۔“

”میں کیوں تمہیں بے وقوف بناؤں گا؟ کس لیے۔“ ہارون کمال نے برہم ہوتے ہوئے کہا۔ ”منصور کی فیملی سے ملاقات کا مقصد اور ہے۔ میں منصور اور اس کی فیملی کے درمیان کسی نہ کسی حد تک مصالحت چاہتا ہوں اور اسی لیے ان سے مل رہا ہوں۔“

”کیسی مصالحت؟“ شائستہ مزید برہم ہوئی۔

”میں چاہتا ہوں کہ منصور اچھے طریقے سے اپنی سابقہ بیوی کے ساتھ جائیداد اور بچوں کے اخراجات کے معاملے کو طے کرے۔“

”وہ کرے نہ کرے اس سے تمہارا کیا تعلق ہے؟“

”تعلق ہے۔“ ہارون کمال نے زور دیا۔ ”منصور علی کی بیوی منصور علی کے خلاف کورٹ میں کیس کرنا چاہتی ہے۔“

”تو.....؟“

”تو یہ کہ میں نہیں چاہتا منصور علی کسی قانونی جنگ میں انوالو ہو۔ یہ اس کے ساتھ میرے بزنس کے لیے نقصان دہ ہوگا۔“

”تم نے اس کے بارے میں منصور علی کو بتایا ہے؟“

”ہاں۔“

”منصور علی کو کینیڈا میں تمہاری اور نینزہ کی کسی ملاقات کے بارے میں کوئی علم نہیں ہے۔“

ہارون کمال کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔

”میں منصور سے پوچھ چکی ہوں۔“

”میں اسے بتانے ہی والا تھا۔“ ہارون نے کہا۔

”وہ عجیب سے انداز میں ہنسی۔“ اور یقیناً تم مناسب وقت کا انتظار کر رہے ہو گے۔“

ہارون نے اس کا چہرہ دیکھا اور بے اختیار دل میں اسے گالی دی۔ وہ اس وقت پوری طرح اس عورت کے رحم و کرم پر تھا اور مسلسل جھوٹ بولنے پر مجبور تھا۔ وہ عورت اسے ایک بچے کی طرح ٹریٹ کر رہی تھی۔

”میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ نینزہ منصور کے ساتھ کورٹ سے باہر ہی کوئی معاملہ طے کرے۔“

”اور اس مقصد کے لیے تم نے وہاں روزانہ جانا ضروری سمجھا۔“ شائستہ نے اس کی بات کاٹی۔ ”بائی دادا سے۔ مجھے یہ سمجھاؤ کہ اس مصالحت سے بزنس کے متاثر نہ ہونے کے علاوہ تمہیں کیا فائدہ ہوگا؟“

”میں یہ سب کچھ اپنے کسی فائدے کے لیے نہیں کر رہا۔“

”تو پھر کس کے فائدے کے لیے کر رہے ہو۔ منصور کے فائدے کے لیے جسے سرے سے اس کی پروا ہی نہیں ہے۔“ وہ ہنسی۔ ”جو اپنی نئی بیوی اور اولاد کے ساتھ ایک پُر مسرت زندگی گزار رہا ہے۔“

ہارون کمال نے ایک بار پھر کچھ کہنے کی کوشش کی۔ شائستہ نے بڑی رکھائی سے اس کی بات کاٹ دی۔ ”اور دوسری طرف تم ہو کہ اس کے غم میں دہلے ہو رہے ہو۔ مصالحت کی ترکیبیں سوچ سوچ کر پاگل ہوئے پھر رہے ہو۔“ شائستہ نے پانی کا گلاس اٹھا کر گھونٹ بھرا۔

”دیے مجھے حیرانی ہے ہارون! کہ تم اتنے رحم دل کب سے ہو گئے ہو کہ لوگوں میں مصالحتیں کرواتے پھرو۔ تم تو اس طرح کے آدمی نہیں تھے کبھی بھی نہیں تھے۔“ وہ واضح طور پر اس کا مذاق اڑا رہی تھی۔

”تم میری بات کو بتائے سوئے سمجھے بغیر مجھ پر تنقید کر رہی ہو۔“

”بالکل کر رہی ہوں کیونکہ مجھے تم سے اتنی حماقت کی توقع نہیں تھی۔ خوبصورت لڑکیوں کو دیکھ کر تم پہلے بھی اندھے ہوتے رہے ہو مگر اس بار ایک نٹلا لڑکی کو دیکھ کر پاگل ہو رہے ہو۔“ شائستہ نے گلاس میز پر چننا۔

”تم مجھ پر الزام لگا رہی ہو۔ میں میزہ کے ساتھ انوالو نہیں ہوں۔“ ہارون کمال نے برہمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے دانستہ طور پر میزہ کا نام لیا۔

”میں نے کب کہا کہ تم میزہ کے ساتھ انوالو ہو۔ میں تمہارا ٹیٹ اچھی طرح جانتی ہوں۔“

”تو.....؟“

”تو..... میں امیر کی بات کر رہی ہوں۔“

”تم پاگل ہو گئی ہو۔“

”نہیں تم پاگل ہو گئے ہو۔“ شائستہ نے بھی اسی تند و تیز انداز میں کہا جس میں ہارون کمال بولا تھا۔

”اسد کو اگر تمہاری ان حرکات کے بارے میں پتا چل جائے تو وہ کسی قیامت اٹھائے گا تمہیں اس کا اندازہ ہونا چاہیے۔“ اس نے حشرات آ میزا انداز میں ہارون کو دیکھا۔ ”اور میں..... میں وہ پہلا شخص ہوں گی جو اسد کو اس بارے میں اطلاع فراہم کرے گا۔“ اس نے واضح طور پر ہارون کو دھمکی دی تھی۔

”تم یہ سمجھتی ہو کہ میں اسد کو اس لڑکی سے شادی سے منع کرنے کے بعد اب خود اس لڑکی کے عشق میں پاگل ہو رہا ہوں؟ اس کیلئے وہاں جا رہا ہوں؟“ ہارون کمال نے بے یقینی سے کہا۔

”نہیں میں نے یہ نہیں کہا کہ تم اس لڑکی کے عشق میں پاگل ہو رہے ہو۔ تم کسی سے عشق کرنے کے قابل نہیں ہو مگر جہاں تک وہاں جانے کا تعلق ہے۔ ہاں تم وہاں اسی لڑکی کے لیے جا رہے ہو۔“ اس نے تنقید آمیز انداز میں کہا۔

”اتنے سال میرے ساتھ رہنے بیچھے جاننے کے باوجود تم میرے بارے میں یہ سب کچھ کہہ رہی ہو۔“

”ہاں تمہارے ساتھ اتنے سال رہنے کے بعد ہی تو میں تمہیں اچھی طرح جان پائی ہوں۔“ شائستہ دودھاری لکوار کی طرح ہو رہی تھی۔

”اتنے سال میں نے کبھی تمہیں کسی عورت کے ساتھ تعلقات بڑھانے سے نہیں روکا۔ نہ میں نے اعتراض کیا، نہ احتجاج۔ میں خود تمہیں مواقع فراہم کرتی رہی مگر اس بار یہ نہیں ہوگا۔“ پورا شہر تمہارے سامنے پڑا ہے۔ جاؤ کسی بھی عورت کے پیچھے خواہ ہو مگر اس لڑکی کے پیچھے نہیں کیونکہ اس لڑکی کے ساتھ ہونے والا تمہارا کوئی فیئر بیچھے اور میری فیملی کو تباہ کر دے گا اور یہ میں نہیں ہونے دوں گی۔“

شائستہ کا سانس پھول رہا تھا۔

”بیچھے اس لڑکی کے وجود اور نام سے بھی نفرت ہے اور میں یہ برداشت نہیں کروں گی کہ تم اس لڑکی کے ساتھ رومانس کرتے پھرو۔ کل اس کے لیے اسد میرے سامنے کھڑا ہو گیا تھا، آج یا آنے والے کل تم ہو جاؤ گے..... اور اگر ایسا نہ بھی ہوا تو بھی میں نہیں چاہتی کہ تم اور اسد اس ایک لڑکی کی وجہ سے ایک دوسرے سے منہ چھپاتے پھرو۔ اس لیے میں تمہیں وارن کر رہی

ہوں دوبارہ منصور علی کی فیملی سے تمہارا کوئی رابطہ نہیں ہونا چاہیے ورنہ میں کیا کروں گی؟ یہ تمہیں جان لینا چاہیے۔“  
 وہ سرخ چہرے کے ساتھ وہاں سے چلی گئی تھی۔

بارون کمال بالکل ساکت بیٹھا ہوا تھا۔ اسے اس سے پہلے شائستہ سے کبھی اتنی نفرت محسوس نہیں ہوئی تھی جتنی نفرت وہ اس وقت محسوس کر رہا تھا۔ اسے وہ عورت نہیں آکونپس لگ رہی تھی جس نے اس وقت اسے ہر طرح سے اسے بے بس کر دیا تھا۔ کافی سال پہلے ایک نین ایجر لڑکی سے شادی کرتے ہوئے اس کے خواب و خیال میں بھی یہ نہیں آیا تھا کہ وہ کبھی دیکھی شرماتی ہوئی لڑکی اتنی بے خوف اور دلیر ہو جائے گی کہ اسے اپنی منگی میں لینے کی کوشش کرے گی اور اب جب ایسا ہو رہا تھا تو وہ بے یقینی کی ایک عجیب کیفیت کا شکار تھا۔ شائستہ اس کے اور امبر کے درمیان آ رہی تھی۔

اسے شائستہ کا کوئی خوف نہ ہوتا اگر امبر کے لیے پسندیدگی کا اظہار نہ کر چکا ہوتا اور وہ امبر سے امبر کے بارے میں وہ سب کچھ نہ کہہ چکا ہوتا جو وہ کہہ چکا تھا۔ جس کا گھاس اس کے سامنے نیبل پر دھرا تھا مگر وہ اسے پتہ نہ چلا تھا۔ امبر پھر اسے اپنے ہاتھ سے نکلتی محسوس ہو رہی تھی اور وہ ایک عجیب سی تکلیف کا شکار تھا۔

☆☆☆

شہیر پکڑے تبدیل کرنے کے بعد فاطمہ کے کمرے میں آیا۔ فاطمہ کھانا کھا چکی تھی۔  
 ”ٹانی اور ٹوٹی کہاں ہیں؟“ شہیر نے پوچھا۔  
 ”وہ دونوں مارکیٹ گئے ہیں۔“ فاطمہ نے بتایا۔

وہ زمین پر بچے دسترخوان پر بیٹھ گیا۔ وہ دونوں کھانا کھاتے ہوئے باتیں کرنے لگے۔ شہیر اسے دن بھر کی مصروفیات بتا رہا تھا۔ وہ اسکول میں ہونے والے واقعات سے اس کو آگاہ کر رہی تھی۔ کھانے پر روز یہی ہوتا تھا۔ ٹانی اور ٹوٹی موجود ہوتے تو وہ اپنے مسائل اور بھگڑے گوش گزار کر رہے ہوتے۔ وہ نہ ہوتے تو وہ دونوں ایک دوسرے سے اپنے مسائل ڈسکس کرتے۔ شہیر کے مزاج میں فطرتاً ایک جھجک تھی وہ کم گو تھا اور جب ٹانی اور ٹوٹی نہ ہوتے تو وہ نسبتاً زیادہ آسانی سے فاطمہ کے ساتھ اپنے مسائل یا باہر پیش آنے والی کسی پریشانی اور دقت کے بارے میں بات کرتا مگر ٹانی اور ٹوٹی کے سامنے وہ صرف ان ہی کی بات سنتا اور مشورے دیتا۔ اپنے بارے میں وہ کم ہی گفتگو کرتا۔ وہ ایم بی اے کر رہا تھا اور شام کے اوقات میں ایک ادارے میں ٹیچر ٹریننگ حاصل کر رہا تھا وہاں بہت سے ایسے اخراجات تھے جو کام کیے بغیر پورے نہیں کر سکتا تھا نہ ہی فاطمہ کی تنخواہ اس کی ضروریات پوری کر سکتی تھی۔

وہ یونیورسٹی سے واپس آنے کے بعد کھانا کھاتا اور پھر اپنی جاب پر چلا جاتا۔ وہاں سے اس کی واپسی تقریباً دس بجے ہوتی تھی اور اس وقت وہ اتنا تھک چکا ہوتا تھا کہ اس کا کسی سے بات کرنے کا جی نہیں چاہتا تھا۔ البتہ دوپہر کے کھانے پر وہ اور فاطمہ اگر اکیلے ہوتے تو زیادہ تر وہی بول رہا ہوتا۔ فاطمہ صرف سنتی تھی۔

آج خلاف معمول فاطمہ نے گفتگو کا آغاز کیا تھا۔ وہ اسے صبح اور اس کی فیملی کے بارے میں بتا رہی تھی۔ شہیر سے بہت غور سے اس کی بات سن رہا تھا۔ اسے فاطمہ کے ”سوشل ورک“ پر حیرانی نہیں ہوئی تھی۔ وہ بچپن سے یہی سب کچھ دیکھتا آ رہا تھا۔ اس نے اپنی ماں کو کبھی اپنے ہوش میں دوسروں کے لیے دل آزاری اور پریشانی کا سبب بننے نہیں دیکھا تھا نہ ہی کسی مسئلے نے کبھی فاطمہ کو حواس باختہ کیا تھا۔ ماں کی ”اچھی شہرت“ بہت سی جگہوں پر اس کی شناخت اور تعارف بنی تھی اور بہت سے موقعوں پر اس نے اس کے لیے آسانیاں بھی پیدا کی تھیں۔

اس وقت بھی جب فاطمہ اسے صبح کے بارے میں بتا رہی تھی تو وہ صرف خاموشی سے سن رہا تھا۔ اس کے ذہن میں صرف ایک الجھن تھی جو صبح سے ہونے والی ملاقات نے پیدا کی تھی۔ صبح جس طرح اسے دیکھ کر چونکی تھی وہ اس کی نظروں سے پوشیدہ نہیں رہا تھا اور اس کے اس رد عمل نے اسے کسی حد تک الجھن کا شکار کیا تھا۔

”وہ مجھے دیکھ کر اتنی حیران کیوں ہوئی تھی؟“ اس نے فاطمہ کی بات سنتے ہوئے اچانک پوچھا۔  
 ”کون صہبہ؟“ فاطمہ نے رک کر کہا۔

”ہاں آپ نے اس سے میرا تعارف کروایا اور وہ.....“ شہیرا اپنی بات کہتے کہتے رک گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ صہبہ کے رد عمل کے بارے میں اپنا تاثر کس طرح بتائے۔ فاطمہ اس کے ادمورے جملے پر مسکرائی۔  
 ”ہاں وہ حیران ہوئی تھی۔“ اس نے نوالہ منہ میں رکھتے ہوئے کہا۔  
 ”مگر کیوں؟“

”وہ سوچ رہی ہوگی کہ تم میرے بیٹے کیسے ہو سکتے ہو؟“

فاطمہ اتنے سالوں میں ان تینوں کا تعارف اپنی اولاد کے طور پر کروانے پر اس حیرت اور پھر ریمارکس کی عادی ہو چکی تھی۔ شہیرا نے ماں کے تبصرے پر قدرے ناراضی سے سر اٹھا کر اسے دیکھا۔  
 ”کیوں؟ میں آپ کا بیٹا کیوں نہیں ہو سکتا؟“ اس کی آواز میں برہمی تھی۔ ”ضروری تو نہیں ہے کہ اولاد کی شکل بالکل ماں باپ جیسی ہو۔ کچھ مختلف بھی ہو سکتی ہے اور بالکل مختلف بھی ہوتی ہے پھر کیا اس کا یہ مطلب ہے کہ دوسروں کو منہ کھول کر دیکھا جائے۔“

فاطمہ اس کی بات پر بے اختیار ہنسی۔ شہیرا واقعی برا مان گیا تھا جبکہ ایسا بہت کم ہوتا تھا۔  
 ”کیوں؟ کس نے منہ کھول کر دیکھا تمہیں۔ صہبہ نے؟“

”ظاہر ہے امی! میں اسی کی بات کر رہا ہوں۔“

”اگلی بار نہیں دیکھے گی۔ صرف بیٹی بار ہی حیرانی ہوگی اسے۔ اب تو ساتھ والے گھر میں ہوگی۔ دیکھتی رہے گی۔ کم از کم دوبارہ بھی منہ کھول کر نہیں دیکھے گی تمہیں۔“ فاطمہ مزے سے کہہ رہی تھی۔

”مجھ میں اور آپ میں بہت مشابہت ہے۔“ شہیرا نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

”اچھا..... کیسے؟“ فاطمہ نے دلچسپی سے پوچھا۔

”میری اور آپ کی رنگت میں فرق ہے مگر بچپن تو ملتے ہیں۔“

”نہیں۔ خیر اتنے بھی نہیں ملتے۔“ فاطمہ نے اس کی بات کاٹی۔

”میری آنکھیں آپ جیسی ہیں۔“

”تمہاری آنکھیں بہت خوبصورت ہیں ان کی رنگت بھی مختلف ہے۔“

شہیرا کھانا کھاتے کھاتے رک کر فاطمہ کا چہرہ غور سے دیکھنے لگا۔ اس کے نفوش میں واقعی ایسی کوئی چیز نہیں تھی جسے وہ کبھی اپنے چہرے میں پاتا۔ آنکھیں ناک، ہونٹ، بال، رنگت..... سب کچھ بالکل مختلف تھا۔ فاطمہ نے اسے اپنے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ اس نے اس کی خاموشی کو بھی محسوس کیا تھا۔ اس نے نظریں چرا کر توجہ کھانے پر مرکوز کر دی۔  
 ”میرا دل تو آپ کے جیسا ہے۔“ اس نے شہیرا کو مدہم آواز میں کہتے سنا۔ وہ لقمہ منہ تک لے جاتے ہوئے رک گئی۔  
 شہیرا نے اس کی آنکھوں میں نمی کو اٹھتے دیکھا۔

”کھانے میں مرچ زیادہ ہے۔ کیوں شہیرا!“ اس نے شہیرا کی طرف دیکھے بغیر پانی کا گلاس اٹھا کر ہونٹوں سے لگا لیا۔ پانی کے گھونٹ کے ساتھ وہ بہت کچھ اندر لے گئی تھی! آنسوؤں کے اٹھتے ریلے کو بھی۔ شہیرا نے ماں کو غور سے دیکھا۔ فاطمہ کو اکثر کسی نہ کسی بات پر کھانا کھاتے ہوئے مرچ زیادہ محسوس ہونے لگی تھی وہ عادی تھا۔ اس نے ماں کے سوال پر منہ میں لیے گئے لقمے کے ذائقے پر غور کیا۔

”ہاں شایہ۔“ اس نے کہا۔ یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ کبھی ماں کی رائے سے متفق نہ ہوتا۔ ”آئندہ کم ڈالا کریں۔“ اس نے کہا۔

ایک بار پھر اسے اپنی بات یاد آئی۔

”میرا دل تو آپ کی طرح خوبصورت ہے۔“ فاطمہ کی آنکھوں میں اس بار بھی نمی اتری تھی۔ وہ مسکرائی۔ شبیر نے ایک بار پھر ماں کو غور سے دیکھا۔

”یا پھر آپ اس بار یہ کہہ دیں گی کہ آپ کا دل مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے، وہ بھی میرے جیسا نہیں۔“ فاطمہ اس کی اس تعریف پر ہنس پڑی۔

”اگر تمہارے بجائے شکر و کچھ کر صیغہ من کھول کر جیرانی کا اظہار کرتی تو شکر کے پاؤں آج زمین پر نہیں نکلے تھے۔ وہ کہتا تھا، دیکھ لیں حسن یوسف۔ مجھے دیکھ کر لڑکیوں کے منہ کھلے کے کھلے رہ جاتے ہیں۔“

شبیر اس کی بات پر بے اختیار ہنسا۔ فاطمہ غلط نہیں کہہ رہی تھی۔ شکر یقیناً یہ نہیں تو اسی سے کچھ ملتا جلتا جملہ کہتا۔ اسے شبیر کی نسبت اپنی وجاہت کا زیادہ احساس تھا۔

☆☆☆

”تم میزہ سے ملتے رہتے ہو؟“ منصور سے ہارون کی ملاقات اگلے دن ہوئی تھی اور منصور کا انداز بالکل بدلا ہوا تھا۔ ہارون کو شائستہ سے ہونے والی گفتگو کے بعد ہی یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ اسے ابھی منصور کو بھی بہت ساری وضاحتیں دینی پڑیں گی اور وہ ذہنی طور پر اس کے لیے تیار تھا۔

”ہاں میں میزہ اور امبر سے مل رہا ہوں۔“ ہارون نے بڑے متحمل انداز میں کہا۔

”اور تم نے اس کے بارے میں مجھے بتانے کی زحمت تک نہیں کی۔“ منصور برہم ہوئے۔ ”اگر بھابھی مجھے نہ بتاتیں تو مجھے تو پتا ہی نہ چلتا۔“

”شائستہ بے وقوف ہے۔“ ہارون نے کہا۔ ”پتا نہیں اس نے تم سے کس طرح بات کی ہے۔“

منصور نے غصے سے اس کی بات کاٹی۔ ”نہیں میں نہیں سمجھتا کہ وہ بے وقوف ہیں۔ انہوں نے مجھے یہ سب کچھ بتا کر بہت اچھا کیا ہے۔“

”کیا بتایا ہے اس نے تمہیں؟“ ہارون ایک دم محتاط ہو گیا۔

”یہی کہ تم باقاعدگی سے میزہ اور امبر کے ساتھ مل رہے ہو۔ وہ مجھ سے پوچھ رہی تھی کہ کیا میں اس کے بارے میں جانتا ہوں مگر میرے تو فرشتوں تک کو خبر نہیں تھی۔“

”منصور! میرے ان دونوں سے ملنے کی کوئی وجہ تھی۔“ ہارون کمال نے بے اختیار اطمینان کا سانس لیا۔ کم از کم شائستہ نے امبر کے ساتھ اس کے کسی انفیئر کے بارے میں منصور کو نہیں بتایا تھا۔

”اور دیکھو تمہیں میرے ان سے ملنے کا کتنا فائدہ ہوتا رہا۔“ اس نے کہا۔ ”میں نے تمہیں اسامہ اور صبیحہ کی آپس میں ہونے والی ملاقات کے بارے میں بتایا۔“ منصور نے اس کی بات کاٹی۔

”مگر تم نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ تم خود وہاں میزہ اور امبر سے ملنے جاتے رہے ہو۔“

”میں تمہیں بتانے ہی والا تھا مگر اس سے پہلے ہی تمہیں شائستہ سے پتہ چل گیا۔ میری وہاں تمہاری سابقہ بیوی سے اتفاقی ملاقات ہوئی تھی۔ وہ امبر کے علاج کے لیے اسے وہاں لے کر آئی ہوئی تھی اور امبر کی حالت ان دنوں خاصی خراب تھی۔ میں شروع میں تو صرف ہمدردی کے جذبے کے تحت ان سے ملنے جاتا تھا، منصور کسی دلچسپی کے بغیر اس کی باتیں سن رہے تھے۔“

”بلکہ میں تم سے بھی کہنے والا تھا کہ تم بھی امبر کی خیریت دریافت کرنے جاؤ۔“

”میری طرف سے وہ مرے یا بنے، مجھے اس کی پروا نہیں۔“ منصور نے ایک دم بات کاٹ کر کہا۔

”ہاں مجھے تم سے اسی طرح کے رد عمل کی توقع تھی اس لیے میں نے تم سے یہ بات نہیں کی۔“ ہارون نے جلدی سے کہا۔

”بعد میں مجھے اچانک پتا چلا کہ میزہ تم پر کیس فائل کرنا چاہتی ہے۔ میں نے ضروری سمجھا کہ میں اسے سمجھاؤں۔“



”کیس فائل کرنا چاہتی ہے تو بڑے شوق سے کرے، کون ڈرتا ہے اس سے۔ میں اس کو کورٹ کے چکر لگوا کر اتنا ذلیل کروں گا کہ اس کا دماغ ٹھکانے آ جائے گا۔“ منصور مزید برہم ہوئے۔

”وہ صرف کیس نہیں کرنا چاہتی تھی وہ اخباروں میں تمہارے خلاف بیان بھی دینا چاہتی تھی۔ تم جیبر کے ممبر ہو بزنس کیونٹی میں تمہاری ایک ساکھ ہے۔ اگر تمہاری ساکھ بیوی اور بیٹے اٹھ کر تمہارے خلاف اخباروں میں بیان دینا شروع کر دیں اور ساتھ یہ کہیں کہ اس نے دھکے دے کر ان کو گھر سے نکالا ہے اور اپنی بیٹیوں تک کا خیال نہیں کیا تو لوگوں کی ہمدردیاں کس طرف ہوں گی، تمہیں پتا ہونا چاہیے۔“ وہ بڑی چالاکی سے اپنے پتے استعمال کر رہا تھا۔

”تمہارے ساتھ ساتھ میرا نام بھی خراب ہوتا کیونکہ تم میرے بزنس پانڈر ہو اور پھر سب سے بڑی بات جیبر کے الیکشن قریب ہیں۔ تمہیں تو اس طرح کی مقدمہ بازی اور بیان بازی کے بعد کوئی اپنے گروپ کی طرف سے کھڑا نہ کرتا۔“ منصور علی اس بار قدرے سنجیدگی سے اس کی بات سن رہے تھے۔

”اور تمہارے ساتھ ساتھ میرے ووٹ بینک میں بھی کمی آتی۔ مجھے اس متوقع صورت حال سے نمٹنے کے لیے کچھ تو کرنا ہی تھا۔“ وہ ان کے بہترین خیر خواہ کی طرح گفتگو کر رہا تھا۔

”تم اچھی طرح جاننے ہو کہ میں ہر چیز کو پہلے سے بھانپ کر اس کے مطابق پلاننگ کرتا ہوں۔ میں چھوٹی سے چھوٹی چیز کو بھی نظر انداز نہیں کرتا اور اس طرح کا جھڑپتینا کوئی معمولی بات نہیں ہو سکتی تھی۔“ وہ چند لمحوں کے لیے رکا۔ منصور علی کے ماتھے کی شکنوں میں قدرے کمی آ چکی تھی۔

”تمہیں تو میں نے یہ بھی نہیں بتایا کہ میں نے تمہاری بیٹی کے میڈیکل بلز کی ادائیگی کی ہے۔“

”کیوں کی ہے تم نے۔“ منصور علی بھڑکے۔ ”میزہ اپنے بھائی کے گھر بیٹھی ہوئی ہے وہ کرتا۔“

”مگر وہ تمہاری اولاد پر کچھ بھی خرچ کرنے کو تیار نہیں ہے۔“

”یہ ان کا مسئلہ ہے میرا نہیں اور تمہیں بھی ان کی مدد کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”جبکہ میں سمجھتا ہوں کہ تمہیں کم از کم ہر ماہ انہیں اخراجات کے لیے کچھ رقم ضرور دینا چاہیے۔“ ہارون کمال نے کہا۔ ”وہ لوگ اگر کورٹ میں جاتے ہیں تو کورٹ بھی ان کے حق میں فیصلہ کرے گا اور تمہیں مجبور کر دے گا کہ تم اپنے بچوں کے اخراجات کے لیے انہیں رقم دو۔“

”میں ان لوگوں کو ایک پیسہ نہیں دوں گا۔“

”سوچ لو میں نے صورت حال تم پر پوری طرح واضح کر دی ہے۔ میزہ کے خیالات بھی تم تک پہنچا دیے ہیں اور ممکنہ نتائج سے بھی تمہیں آگاہ کر دیا ہے، حل بھی تجویز کر دیا ہے۔ اب تم اگر پھر بھی اپنے فیصلے میں تبدیلی نہیں لاتے تو ٹھیک ہے، میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔“ وہ رکا اور اس نے ایک سگریٹ سلگایا۔

منصور اس پر نظریں جمائے بیٹھے تھے۔ ”جہاں تک میرا تعلق ہے، میں اب میزہ سے یا تمہاری فیملی سے رابطہ نہیں کروں گا کیونکہ شائستہ کا خیال ہے کہ ہمیں تمہارے معاملے میں ناانگ نہیں اڑانی چاہیے اور تمہارے مسئلے کو حل کرنے کے لیے تم پر ہی چھوڑ دینا چاہیے۔“

وہ شائستہ کے ساتھ ہونے والے اختلاف کو بڑی کامیابی سے اپنے لیے استعمال کر رہا تھا۔

”تم ویسے بھی میری بیوی کی نیچر کو جانتے ہو وہ دوسروں کے معاملات میں زیادہ دلچسپی لیتی ہے نہ ہی دخل اندازی کرتی ہے مگر میرا معاملہ مختلف ہے۔ میں دوستوں کو ہر ممکنہ حد تک نہ صرف بچانے کی کوشش کرتا ہوں بلکہ ان کی مدد بھی کرتا ہوں۔“ اس نے سگریٹ کا کش لگایا۔

”شائستہ ویسے بھی اس طلاق کے بعد تمہارے بارے میں کچھ زیادہ اچھی رائے نہیں رکھتی اور تمہارے ساتھ میری دوستی کو چونکہ زیادہ عرصہ نہیں گزرا، اس لیے وہ تمہیں میرے اچھے دوستوں میں سے بھی ماننے سے انکار کر رہی ہے اور میں تمہارے

ساتھ تعلقات کی نوعیت اور گہرائی کے بارے میں اس کو سمجھانے سے قاصر ہوں۔“

منصور کے چہرے پر موجود تناؤ اب مکمل طور پر غائب ہو چکا تھا۔

”تم اپنے معاملے کو بہتر طریقے سے پنڈل کر سکتے ہو اور تمہیں کرنا چاہیے۔ میں دوبارہ اس معاملے میں نہیں پڑوں گا کیونکہ میں یہ بھی نہیں چاہتا کہ میری نیک نیتی کو تم بھی کوئی اور رنگ دینے کی کوشش کرو۔“

”مجھے تمہاری نیک نیتی پر کوئی شبہ نہیں ہے۔“ منصور علی نے بے اختیار اس کی بات کاٹی۔ ”کم از کم تم یہ ذہن میں کبھی مت لانا کہ میں تمہاری نیت کے بارے میں کسی شک کا اظہار کر رہا ہوں۔“ منصور علی سنجیدگی سے کہہ رہے تھے۔

”میں اس پورے معاملے کے بارے میں غور کروں گا اور بہت جلد تمہیں بتاؤں گا کہ میں کیا کرنے والا ہوں میں تمہاری تجویز پر بھی غور کروں گا۔“ ہارون کمال مطمئن ہوتے ہوئے اس کے آخری جملے پر اُلجھے۔

”میری تجویز؟“ اس نے سوالیہ انداز میں کہا۔

”ہاں“ تم ماہانہ اخراجات کی بات کر رہے تھے۔“ منصور علی نے کہا۔ ”میرا خیال ہے مجھے ان لوگوں کو ہر ماہ کچھ نہ کچھ رقم دے ہی دینی چاہیے۔ اس سے کم از کم اس عورت کا منہ بند رہے گا۔“

ہارون کمال کا منہ کھلا رہ گیا۔ کسی نے اس کے پیٹ میں جیسے گھونسا مارا تھا۔ اسے اپنا سارا پلان غارت ہوتا ہوا نظر آنے لگا تھا۔ منصور علی کو جھوٹی وضاحتیں دینے کے لیے استعمال کی جانے والی ایک بات جس کے بارے میں اسے سو فیصد یقین تھا کہ منصور اس پر رضامند نہیں ہوگا اب اس کے گلے کی ہڈی ثابت ہونے والی تھی۔ منصور کی طرف سے ماہانہ اخراجات اٹھانے کا مطلب تھا کہ اب وہ امبر کی فیملی کی مالی مدد کر کے ان پر جو اثر و رسوخ قائم کر سکتا تھا وہ موقع اس کے ہاتھ سے نکل جاتا۔ وہ منصور کا منہ دیکھ رہا تھا۔

”کورٹ میں جانے کی صورت میں بھی تو پیسہ خرچ ہوگا تو وہ خرچ ایسے ہی سہی۔“

منصور سوچتے ہوئے کہہ رہے تھے اور ہارون کمال بچھتا رہا تھا۔ اس کے ستارے آج کل پوری طرح گردش میں آئے ہوئے تھے۔

”ہاں“ تم سوچ لو اور پھر کوئی فیصلہ کرو۔“ ہارون کمال نے اپنے دماغ کے گھوڑے کہیں اور دوڑاتے ہوئے سرسری انداز میں کہا۔ وہ اپنے آپ کو بے تحاشا کوس رہا تھا۔

☆☆☆

اگلے چند دن صبح ہر روز کرائے کے گھر میں آ کر وہاں ہونے والا مرت کا کام دیکھتی رہی۔ فاطمہ نے جن مزدوروں کا انتظام کیا تھا وہ واقعی بڑی محنت اور اچھے طریقے سے کام کر رہے تھے۔ صبح چند گھنٹے وہاں گزارتی پھر جب فاطمہ گھر آ جاتی تو وہ اسے گھر بھیج دیتی۔

”اب ان کی نگرانی میں کروں گی تم چلی جاؤ۔“ صبح پر ان کے احسانات کا بوجھ بڑھتا جا رہا تھا۔

وہ اگلے چند دنوں میں ثانیہ اور ثوی سے بھی ملی تھی۔ شہیر کی طرح ٹھرنے بھی اس سے صرف رسی علیک سلیک کی تھی مگر ثانیہ اس کے ساتھ باتیں کرتی رہی تھی۔ دونوں کے درمیان کچھ بے تکلفی پیدا ہو گئی تھی۔

ایک ہفتے میں کام مکمل ہونے کے بعد وہ نیزہ کو وہاں لے کر آئی۔ نیزہ گھر کو دیکھ کر بے حد ناخوش ہوئیں تھیں اور اس کا یہ رد عمل صبح کے خلاف توقع نہیں تھا۔ اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ ایک بڑے گھر اور پوش علاقے سے دو کمرے کے گھر اور ٹڈل کلاس علاقے میں آنا کتنا دشوار تھا مگر ان کے پاس اس کے علاوہ کوئی اور چارہ نہیں تھا۔ نیزہ امبر کو لے کر واپس گھر آ چکی تھیں اور اس کے گھر آنے کے اگلے ہی دن صفر اور اس کی بیوی نے ان سے شغفنگ کی بات کی تھی۔ وہ اپنے بیٹے کی شادی کی تیاریاں بھی کر رہے تھے اور انہوں نے اس حوالے سے بھی نیزہ کو جگہ کی کمی کا جناد دیا تھا۔ نیزہ پر یہ بات واضح ہو گئی تھی کہ کم از کم اس گھر میں مزید رہنا ان کی خواہش کے باوجود بھی ممکن نہیں رہا تھا۔ شاید یہی وجہ تھی کہ وہ صبح کے کرائے پر لیے گئے گھر کو

دیکھنے کے لیے بھی آگئی تھیں اور یہاں آ کر اس گھر کو دیکھ کر ان کی ناخوشی اور اضطراب میں اضافہ ہوا تھا۔ یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ وہ اس وقت صنف کے ساتھ گھر دیکھنے آئیں جب قاطرہ گھر پر موجود نہیں تھی۔ ماں کو بجا بجا دیکھنے کے باوجود صنف انہیں وہاں کے کم کرائے اچھے ماحول اور بہت سی دوسری آسانوں کے بارے میں بتاتی رہی مگر میزہ کے چہرے کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ وہاں سے میزہ کے ساتھ واپس صنف کے گھر جاتے ہوئے میزہ خاموش تھیں اور صنف بے حد مایوس اور بد دل۔

”مجھے وہ گھر پسند نہیں آیا، کوئی اور گھر دیکھنا چاہیے۔“ رات کو صنف سے ملاقات پر میزہ نے پلا خران سے کہہ دیا تھا۔

”کیوں، کیا خرابی ہے اس گھر میں؟“ صنف نے قدرے ناگواری سے کہا۔ ”میں خود وہ گھر دیکھ چکا ہوں اور مجھے تو ٹھیک ہی لگا ہے۔“

”وہ بہت چھوٹا ہے۔“ میزہ نے دہلی زبان میں کہا۔

”دو کمرے تم لوگوں کے لیے کافی ہیں۔ یہاں تو تم لوگ ایک کمرے میں رہ رہے ہو۔“ اس بار میزہ کی بجا بھی نے کہا۔

”یہاں تو مجبوری ہے۔“

”تو وہاں بھی مجبوری سمجھ کر گزارہ کر لینا۔“ میزہ کی بجا بھی نے کھٹاک سے کہا۔ میزہ نے صنف کو دیکھا جس کے ماتھے پر ہل آہستہ آہستہ بڑھتے جا رہے تھے۔

”مگر اس گھر میں سہولتیں نہیں ہیں۔“

”کیا سہولتیں نہیں ہیں۔ بچی، پانی، گیس سب کچھ ہے۔ ہاں ماربل نہیں لگا ہوا یا انچ ہاتھ اور امریکن چکن نہیں ہے تو کرایہ بھی تو کم ہے۔ بجلی اور گیس کا بل بھی تو کم آئے گا اور ان حالات میں جتنے اخراجات کم ہوں تمہارے لیے اتنا ہی اچھا ہے۔“

صنف نے لگی لہنی رکھے بغیر کہا۔

”مگر بھائی جان! ہم کبھی محلے میں نہیں رہے۔ ہمیں تو اس طرح کے ماحول میں رہنے کی عادت ہی نہیں ہے جو ماحول وہاں کا ہے۔“ میزہ نے کہا۔

”وہاں رہنا شروع کرو گی تو عادت پڑ جائے گی۔ وہاں بھی انسان ہی رہتے ہیں۔“ صنف کی بیوی نے ٹکڑا توڑ انداز میں کہا۔

”صنف نے مجھے بتایا تھا ساتھ والے گھر میں بہت اچھی خاتون رہتی ہیں اور باقی محلے کے لوگ بھی اچھے ہیں، یہ کافی ہے۔ تم نے ویسے بھی گھر کے اندر رہنا ہے باہر نہیں۔“ اس بار صنف نے کہا۔

”میں سوچ رہی تھی اگر کہیں اور گھر..... میرا مطلب ہے اسی کالونی میں۔“ صنف نے ان کی بات کاٹی۔

”یہاں پر کرائے بھی زیادہ ہیں اور اینڈوائس بھی پھر بڑی بھی ہوں گے۔ یہ سب کون دے گا۔ میں تو انورڈ نہیں کر سکتا۔ میں تو یہی ہے کہ دو چار ہزار ہر ماہ دے دوں۔ اس سے زیادہ تو میرے لیے ممکن نہیں ہے۔“ وہ صنف کا منہ دیکھتی رہ گئیں۔

”جب تم انورڈ کر سکو گی تو پھر جس کالونی میں دل چاہے گھر لے لینا، ہمیں کیا اعتراض ہو گا۔“ میزہ کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکل سکا۔

صنف کے پاس سے اٹھ کر آنے کے بعد بھی میزہ نے ہار نہیں مانی تھی۔ انہوں نے ہارون کمال کو کال کی۔ ہارون نے بڑی خوشی اور سرت کے عالم میں کال ریسیو کی۔

”ہارون بھائی! آپ اپنے کسی گھر کی بات کر رہے تھے جہاں ہم شفٹ ہو سکیں۔“ مختصر سی تمہید کے بعد میزہ نے کہا۔

”ہاں مگر صنف نے تو گھر کا انتظام کر لیا تھا؟“

”ہاں مگر وہ گھر بہت چھوٹا اور بہت ہی گندے علاقے میں ہے۔ ہم وہاں نہیں رہ سکتے۔“

”میں جانتا تھا اسی لیے میں نے آپ کو آفر بھی کی تھی مگر اب تو ایک مسئلہ ہو گیا ہے بجا بھی!“

”کیا مسئلہ ہو گیا ہے؟“ میزہ کا دل بے اختیار ڈوبا۔

”میں کل صبح کی فلاح سے انگلیزند جا رہا ہوں وہاں کچھ دن رہوں گا۔ وہاں سے آنے کے بعد ہی کچھ کرسکوں گا۔“

”تکتا عرصہ رہیں گے وہاں؟“

”حتمی طور پر تو کچھ نہیں کہہ سکتا مگر کوشش کروں گا کہ جلد آ جاؤں بلکہ آپ کو انعام بھی کر دوں گا اپنے پروگرام سے۔“

کچھ دیر دونوں میں بات ہوتی رہی پھر نیرہ نے قدرے مایوسی کے عالم میں فون رکھ دیا۔ انہیں اندازہ ہو گیا تھا کہ فوری طور پر انہیں اسی مکان میں جانا تھا اور وہاں جانے کا تصور ہی اس وقت ان کے لیے سوہان روح بنا ہوا تھا۔

وہ جب اپنے کمرے میں واپس آئیں تو امبر سو رہی تھی۔ صبح اس کے برابر میں بیڈ پر لیٹی کسی سوچ میں ڈوبی تھی جبکہ رابعہ اور زارا اپنا بوم درگ کرنے میں مصروف تھیں۔ نیرہ کو اس وقت صبح پر بے تماشہ غصہ آ رہا تھا۔ نہ وہ اس گھر کا انتخاب کرتی، نہ انہیں وہاں جانے کے بارے میں سوچنا پڑتا اور کیا تھا اگر وہ ہارون کمال کی آفر کو اس دن قبول کر لیتیں۔ صبح نے نیرہ کے کمرے میں داخل ہونے پر ان کے تاثرات سے ان کی ذہنی کیفیت کا اندازہ کر لیا تھا۔ نیرہ اسے مخاطب کیے بغیر اپنے بیڈ پر جا کر لیٹ گئی۔ صبح نے اپنے لیے گردن موز کر ماں کو دیکھتی رہی۔ وہ انہیں مخاطب کرتا چاہا وہی تھی مگر پھر اس نے خاموش رہنا ہی بہتر سمجھا۔

☆☆☆

”شر! ماڈلنگ کرو گے؟“

وہ سر یاسین کے بلانے پر ان کے پاس اسٹاف روم میں گیا تھا۔ انہوں نے اسے باہر کچھ دیر انتظار کرنے کے لیے کہا۔ وہ ڈرامیکس کے انچارج تھے اور شر ان کا چیپٹا، ہرن مولا شاگرد..... جو رول اور کام ہر ایک کرنے میں ناکام رہتا۔ وہ بلا شر کو سونا جاتا اور شر کو سونپنے کا مطلب مکمل اطمینان تھا۔ وہ ایکٹنگ سے ڈائریکشن ڈائریکشن سے کاسٹنگ، کاسٹنگ سے پلے رائٹنگ اور میک اپ آرٹسٹ سے لائٹ مین اور بوم آپریٹر تک ہر کام کر لیتا تھا۔ کالج کے دو سالوں میں اس کا زیادہ تر وقت ان ہی کاموں میں صرف ہوتا رہا تھا اور اس کا اثر اس کی ایکٹنگ کیلئے بھی پڑا تھا۔ وہ نکلا اسٹوڈنٹ نہیں تھا مگر مشیر اور ٹائیپ کے ”A“ گریڈ کے سامنے اس کے ”B“ گریڈ دو اوپر نیچے رکھے ہوئے زبردستی شکل اختیار کر لیتے۔ کالج میں جا کر یہ ”B“ آہستہ آہستہ ”C“ میں تبدیل ہو گیا۔ ٹائیپ کے بقول یہ ”C“ دراصل ادھورا زبرد تھا جو اس کے ایف ایس سی کے فائل رزلٹ کی مدد سے مکمل ہونے والا تھا اور ٹائیپ سے ہر وقت جھگڑا کرتے رہنے کے باوجود شر کو لگتا تھا کم از کم اس معاملے میں ٹائیپ کی پیش گوئی پوری ہونے والی تھی مگر اسے اس معاملے میں زیادہ پروا نہیں تھی۔ پڑھائی کی طرف سے وہ فطری طور پر کچھ لاپرواہ تھا۔

سر یاسین دس پندرہ منٹ کے بعد باہر آئے تو شر وہیں باہر کوریڈور میں ٹہل رہا تھا۔

”شر! ماڈلنگ کرو گے؟“ انہوں نے چھوٹے ہی اس سے پوچھا۔

”کوئی ورائٹی شو ہو رہا ہے؟“ شر نے پوچھا۔

”نہیں یار! دی وی کے ایڈ کی بات کر رہا ہوں۔“ انہوں نے اس بار قدرے بے تکلفی سے پوچھا۔

چند لمحوں کے لیے شر کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ ”نی دی وی کا ایڈ؟“ اس نے بے یقینی سے پوچھا۔

”ہاں بھئی! میرے ایک دوست آج کل ایک کمرشل کے سلسلے میں یہاں آئے ہوئے ہیں۔ کچھ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں چاہتے تھیں۔ اچھی شکل و صورت کے جو کچھ ایکٹنگ وغیرہ بھی کر سکیں۔“ سر یاسین نے تفصیل بتائی۔

”مجھ سے پوچھا تو میرے ذہن میں فوراً تمہارا نام آیا۔ میرے پاس تمہاری کچھ تصاویریں پڑی تھیں، مختلف گیٹ اپ میں میں نے انہیں دکھائیں تو انہیں پسند آئیں۔ مجھ سے کہہ رہے تھے تم سے طواؤں مگر میں نے کہا تم سے پہلے پوچھ لوں۔ کالج میں ایکٹنگ وغیرہ اور بات ہے مگر نی دی وی پر ماڈلنگ پتہ نہیں تمہیں مگر سے اجازت ملے یا نہیں۔“ انہوں نے بات کرتے کرتے اپنی رائے کا اظہار کیا۔

”نہیں، نہیں! مجھے مگر سے اجازت کا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے۔“ شر نے فوراً سے جیٹر کہا۔

”میری امی کی تو ہمیشہ سے خواہش رہی ہے کہ میں ایکٹر اور ماڈل بنوں۔ وہ تو بہت خوش ہوں گی اور میرے میرے بھائی تو میری کسی بات کو نالتے ہی نہیں۔ انہیں بتاؤں گا تو وہ خود آپ کے پاس آئیں گے۔“ اس نے جھوٹ کے اگلے پچھلے رویارو توڑے۔

”اچھا تو پھر تم ایسا کرو کہ اپنے بھائی کو میرے پاس بھجواؤ۔“ سر یاسین کو اس کی بات پر کسی حد تک یقین آ گیا۔  
 ”وہ آج کل شہر سے باہر ہمارے گاؤں گئے ہیں۔ دو تین ہفتے کے بعد آئیں گے۔“ ثمر نے اسی سانس میں اگلا جھوٹ بولا۔ سر یاسین نے اسے غور سے دیکھا۔

”اچھا تو پھر اپنی امی سے مجھے ملو اورو۔“  
 ”وہ تو پروہ کرتی ہیں۔ ہاں میں فون پر بھائی یا امی سے آپ کی بات کروا دیتا ہوں۔“ اس نے بڑے اعتماد سے کہا۔  
 سر یاسین نے اس کے کندھے پر اپنا ہاتھ رکھا اور دو تین دفعہ اسے تپتھپایا۔

”فون پر وہ تمہاری امی یا بھائی سے بات کرے جو تمہیں چاہتا نہ ہو۔ ہر قسم کی آواز تم نکال لیتے ہو اور مجھ سے کہہ رہے ہو کہ میں فون پر بات کر لوں۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ گھر سے اجازت نہیں ہے اور نہ ہی ملے گی۔“

ثمر بے اختیار کھلکھلایا۔ ”جب آپ کو پتا ہے تو پھر اجازت کی بات کیوں کر رہے ہیں۔“ اس نے جھینپتے ہوئے کہا۔ ”یہ پاکستان ہے یہاں کبھی کسی کے گھر والے ہنسی خوشی کسی کو ایک منٹ بننے کی اجازت نہیں دے سکتے مگر میں نے تو شو بزنس کے علاوہ اور نہیں جانتا ہی نہیں۔ آپ مجھے ملو امیں ان سے میں ماڈلنگ کر لوں گا۔“

سر یاسین کچھ دیر اسے گھورتے رہے پھر انہوں نے جیسے ہتھیار ڈال دیے۔ جب سے والٹ نکالا اور ایک وزینگ کارڈ نکال کر اسے دیا۔

”ان سے جا کر ملو میرا ریفرنس دینا اور دیکھو جہاں بھی کام کرنا شرافت سے کام کرنا۔“ سر یاسین نے بات کرتے کرتے اپنا ہزار دفعہ کا دہرایا ہوا جملہ بولا۔

”سو فیصد شرافت سرا!“ ثمر نے سو دفعہ دہرایا جانے والا جواب دیا۔ وہ اب کارڈ پر نظریں ڈال رہا تھا۔ اس کا دل بلیوں اچھل رہا تھا۔ سر یاسین اس کا کندھا تھپک کر اب وہاں سے جا چکے تھے۔ ثمر کو جیسے پر لگ گئے تھے۔ اس دن وہ پورے کالج میں اڑتا پھرتا تھا جو چند کلاسز وہ پہلے امینڈ کر لیتا تھا وہ بھی اس نے نہیں کی تھیں۔ سارا دن وہ تصور میں اپنے آپ کو اسکرین پر دیکھتا رہا تھا۔

گھر آ کر بھی وہ بے حد خوش تھا اور اس کی خوشی کسی سے بھی پوشیدہ نہیں رہی تھی مگر اس نے کسی کو اس کی وجہ بتانے کی حماقت نہیں کی تھی ورنہ اس کا نتیجہ جو ہوتا وہ جانتا تھا۔

ثانی نے بڑے قجب سے اس دن اسے ظہر، عصر، مغرب اور عشاء کی نمازیں باقاعدگی اور خشوع و خضوع سے مسجد میں پڑھنے کے لیے جاتے دیکھا تھا ورنہ اس سے پہلے وہ نماز باقاعدگی سے نہیں پڑھتا تھا۔ عشاء کی نماز سے واپسی پر وہ جب آیا تو وہ کبے بغیر نہیں رہ سکی۔

”اللہ خیر کرے ثمر صاحب نے آج اسلام قبول کر لیا ہے اور دھڑا دھڑا عبادت ہو رہی ہے۔ کسی اور ٹیٹ میں فیل ہو گئے ہو یا پھر کوئی ٹیٹ ہونے والا ہے؟“

اسے یہی شک ہوا تھا کہ وہ کالج میں ہونے والے کسی ٹیٹ کی وجہ سے اس طرح نمازیں پڑھ رہا ہے۔ وہ پہلے بھی اسی طرح کیا کرتا تھا۔

”وہ دن گئے جب لوگ ٹیٹ دیا کرتے تھے یا ان میں فیل ہوتے تھے۔ اب لوگ کچھ اور کریں گے۔“  
 ثمر کی زبان سے بے اختیار نکلا۔ اپنی کتاب پر کچھ لائنز کو انڈر لائن کرتے ہوئے ثانی نے سر اٹھا کر اسے دیکھا اور کتاب بند کر دی۔ ثمر اپنے جملوں پر بے اختیار چھٹایا۔ ثانی بلا کی ذہین اور بال کی کمال اتارنے میں ماہر تھی اور کتاب بند کرنے کا

”نیند آ رہی ہے بڑی نیند آ رہی ہے۔“ اپنے منہ پر ہاتھ رکھ کر اس نے جمائی لی اور پھر آنکھیں مسلتے ہوئے سست سے انداز میں اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

”کوئی ایکٹنگ وغیرہ شروع کرنے والے ہوتے؟“ اس نے اپنی پشت پر ٹائی کی سنجیدہ آواز سنی۔

”بیز اغرق۔“ ٹرزی ریل بڑ بڑایا۔ ”چڑیل ہے یہ۔“ اس نے کہا۔

”اور پڑھائی ختم..... یا پھر کہیں آڈیشن کے لیے جانے والے ہو؟“

”مگر سے کچھ کہہ رہی ہو؟“ اس نے بڑے معصوم سے انداز میں کہا۔

”کمرے میں اور تم دو ہی جاندار ہیں اور مجھے یقیناً خود کلامی کی عادت نہیں ہے۔“ وہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

”تو کیا پوچھ رہی تھیں تم؟“ ٹر نے سوچنے کی کوشش کی۔

”دوبارہ دہراؤں؟“

”ہاں ہاں..... یاد آ گیا۔ تم ایکٹنگ کی بات کر رہی تھیں۔“ وہ کہتے ہوئے دوبارہ اس کے پلنگ پر بیٹھ گیا۔

”ٹیکسیٹر کہتا ہے۔“ اس نے بڑا فلسفیانہ انداز اختیار کی۔ ”یہ دنیا ایک اسٹیج ہے اور سارے انسان ایکٹر۔ جو اس اسٹیج پر آتے ہیں اپنا اپنا کردار ادا کرتے ہیں اور یہاں سے چلے جاتے ہیں۔ تو ٹیکسیٹر کے اس بیان کے مطابق تو ہم سب ہی ایکٹر ہیں اور ایکٹر ایکٹنگ ہی کرتے ہیں۔“

اس نے داد طلب نظروں سے ٹائی کو دیکھا۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔

”میرا خیال ہے میں نے بڑی خوبصورتی سے تمہارے سوال کا جواب دے دیا ہے۔“ اس کے تاثرات نے ٹر کو گڑ بڑایا۔

”ہاں خوبصورتی کا تو نہیں پتہ مگر جواب مجھے مل گیا ہے۔“ ٹائی نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

”اور یہ ایکٹنگ تم کہاں کرنے والے ہو۔ کالج میں یا کالج سے باہر۔ میرا خیال ہے کالج سے باہر..... اب کالج سے باہر کہاں پر؟ اس کا جواب تم پھر اسی خوبصورتی سے دے دو جس کا مظاہرہ تم نے ابھی کیا ہے۔“

وہ اس کی ہم عمر ضرور تھی مگر ٹر اس سے ہمیشہ دیتا تھا۔ اور اس وقت وہ بری طرح پچھتا رہا تھا کہ اس نے سیدھا اپنے کمرے میں جانے کے بجائے عادتاً اس کے پاس آنے کی کوشش کی تھی۔ اور اگر کبھی لی تھی تو پھر زبان بند رکھے میں کیا ہرج تھا۔

”ٹائی! تم بے حد شکی ہو.....“ ٹر نے ناراضی سے کہا۔

”تم کل کالج نہیں جا رہے ہو؟“ ٹائی نے اس کے تبصرے کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”اور ضرورت سے زیادہ تجسس کرتی ہو؟“

”کالج کے بجائے کہیں اور.....؟“

”اور یہ دونوں عادتیں بہت بری ہیں۔“ وہ تھملا کر کہہ رہا تھا۔

”اور یہ کوئی آڈیشن ہو گا؟“

”اور انسان کو ان دونوں عادتوں سے بچنا چاہیے۔“

”جس کا مطلب ہے کہ کل تم پھر کالج نہیں جاؤ گے۔“

”اور تمہیں تو خاص طور پر ان عادتوں سے بچنا چاہیے آخر کل کو تمہاری شادی ہونا ہے۔“

”اور پھر کہیں آوارہ گردی کر کے آؤ گے اور چند ماہ بعد تمہارے سالانہ امتحانات شروع ہونے والے ہیں۔“

”لوگ کیا کہیں گے ٹر جیسے لڑکے کی بہن میں اس طرح کی عادتیں؟“

”اور تمہیں ذرا فکر نہیں ہے تم جب چاہے ہونٹ اٹھا کر غائب ہو جاتے ہو۔“

”میں تو شرم سے سر جاڑوں گا۔“

”خبردار! تم کہیں ادھر ادھر گئے، میں امی کو بتاتی ہوں۔“

”امی کو مت بتاؤ۔ میں نہیں جانتا کہیں۔“ ثمر نے بے اختیار ہتھیار ڈالتے ہوئے متبیانہ انداز میں اس سے کہا۔  
 ”کہاں جانا تھا تمہیں؟“ مانی نے بڑے مطمئن انداز میں اس سے پوچھا۔ ثمر نے ایک ٹھنڈی سانس لی تھی۔

☆☆☆

صبح اس دن شام کو گھر واپس آئی تو کافی تھکی ہوئی تھی۔ وہ جاب کی تلاش کے سلسلے میں اس دن مختلف لوگوں کے توسط بہت سی جگہوں پر گئی تھی۔ اور اسے پہلی بار احساس ہوا تھا کہ اپنی مرضی کے کام کا حصول بھی کس قدر مشکل کام ہے۔

گھر میں داخل ہوتے ہی اس کی ملاقات لاؤنج میں صندری کی بیوی سے ہوئی اور اس کے چہرے کے تاثرات نے اسے چونکا دیا۔ اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ گھر میں آج کوئی غیر معمولی واقعہ ہوا ہے۔ اور کوئی غیر معمولی واقعہ کیا ہو سکتا تھا۔ وہ قدرے پریشانی کے عالم میں اپنے کمرے کی طرف گئی۔ وہاں موجود چاروں افراد اسے اندر آتے دیکھ کر خاموش ہو گئے تھے۔ میز پر اور امیر کی آنکھیں سوجھی ہوئی تھیں۔ جب کہ رابعہ اور زارا عجیب سے تاثرات کے ساتھ اپنے بیڈ پر بیٹھی ہوئی تھیں۔

”کیا ہوا؟“ اس نے کسی تمہید کے بغیر میزہ کی طرف بڑھتے ہوئے پوچھا۔ میزہ نے کچھ کہنے کے بجائے میز پر پڑا ایک لٹافہ اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے لٹافہ پکڑ لیا۔ وہ ایک رجسٹرڈ لٹافہ تھا۔ اس کی پشت پر اسمہ مسعود علی کا نام تھا۔ لٹافہ کھلا ہوا تھا۔ صبح کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اندر موجود کاغذات نکالے بغیر بھی وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ اندر کیا تھا اور اسے کیا بھجوا گیا تھا۔ اس کے ہاتھ کپکپانے لگے تھے۔

میزہ نے کچھ کہنے کے بجائے میز پر پڑا ایک لٹافہ اٹھا کر اس کی طرف بڑھا دیا۔ اس نے لٹافہ پکڑ لیا۔ وہ ایک رجسٹرڈ لٹافہ تھا۔ اس کی پشت پر اسمہ مسعود علی کا نام تھا۔ لٹافہ کھلا ہوا تھا۔ صبح کے چہرے کا رنگ اڑ گیا۔ اندر موجود کاغذات نکالے بغیر بھی وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ اندر کیا تھا اور اسے کیا بھجوا گیا تھا۔ اس کے ہاتھ کپکپانے لگے تھے۔  
 ”میں نے تمہیں کتنی بار سمجھایا تھا مگر تم نے میری بات نہیں سنی۔“

میزہ نے اسے ملا مت کی۔ صبح نے سراٹھا کر انہیں دیکھا۔ وہ بیڈ پر بیٹھی چپ چاپ اس لٹافے کو ہاتھ میں لیے اس کی پشت پر تحریر امی ایک نام کو دیکھ رہی تھی جو اسمہ کی اپنی تحریر تھا اور جو کبھی اس کے نام کے ساتھ لکھا جاتا تھا۔ اس نے خود اس سے طلاق کا مطالبہ کیا تھا مگر اسے یقین نہیں تھا کہ وہ اتنی جلدی اور اس طرح اچانک اسے طلاق دے دے گا۔

اسامہ نے جو چپ سا دھرکی تھی اسے گھر کے انتظامات کی مصروفیت میں اس کا دھیان ادھر گیا ہی نہیں تھا۔  
 ”مجھے اسی دن سے خوف آتا تھا اسی دن سے۔“ میزہ نے روتے روتے کہا۔ ان کی آواز اونچی ہو گئی تھی۔

”خوف.....!“ وہ لفظ اس کے ذہن میں کہیں گونجنے لگا تھا کسی بازگشت کی طرح۔ ہونٹوں کو ہلائے بغیر وہ بڑبڑائی۔  
 انسان کو خوف کب آتا چاہیے۔ تب جب دلوں کے درمیان محبت کا تعلق ختم ہوتے ہوئے محسوس ہونے لگے۔ یا تب جب دنیا کے سامنے باندھا ہوا تعلق ختم ہو جائے۔

”دونوں بار.....“ اس نے جیسے اپنے سوال کا خود جواب دیا۔ دونوں بار..... اسے یقین تھا یا پھر امید کہ اسمہ ایک بار پھر مصالحت کی کوشش کرے گا۔ پھر کبھی بار مصالحت کی کوشش کرے گا۔ اس کے درمیان موجود تعلق قائم رہے گا۔ اس کا خیال تھا وہ سوچے گا اپنے رویے پر نظر ثانی کرے گا۔ اس کے حالات کو سمجھنے کی کوشش کرے گا۔ اس کا خیال غلط ثابت ہوا تھا۔ وہ جانتی تھی۔ اس نے طلاق کا وہ فیصلہ کسی دباؤ کے تحت نہیں کیا تھا۔ تو پھر کیوں کیا تھا؟ کیا صرف اس لیے کیونکہ وہ اپنے دل کو اتنا بڑا نہیں کر سکا کہ اس کے ساتھ اس کی فیملی کو سپورٹ کر سکا۔

”یہ سب کچھ تمہاری خواہش پر ہوا ہے اور تم نے یہ مطالبہ کرتے ہوئے ایک بار بھی نہیں سوچا کہ ہم لوگوں کا کیا ہو گا؟“





”ہاں.....“ صبغہ نے کسی ہچکچاہٹ کے بغیر کہا۔ ”رونا حق بننا تھا میرا۔“ امبر کو اس کے لبوں پر ہلکی سی مسکراہٹ نظر آئی وہ کچھ نہیں بول سکی۔ صبغہ اب کھانا ڈانٹنگ ٹیبل پر رکھ کر بیٹھ گئی تھی۔ امبر اس کے پاس آ کر دوسری کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ صبغہ کی ساری توجہ چادروں کی پلیٹ پر مرکوز تھی وہ ادھر ادھر سے بے نیاز بڑے اطمینان سے کھانا کھانے میں مصروف ہو گئی۔ امبر بے نتیجی سے اس کے چہرے کو دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے سے پریشانی عیاں تھی اس کی متورم آنکھیں اس کی دلی کیفیت کو واضح طور پر بتا رہی تھیں۔ مگر وہ اس کے ساتھ ساتھ یوں کھانا کھا رہی تھی جیسے کچھ دیر پہلے کچھ بھی نہیں ہوا ہو۔

”تم کیوں نہیں کھا رہیں؟“ صبغہ نے بہت دیر تک اپنے چہرے پر اس کی نظریں محسوس کرنے کے بعد یک دم سراٹھا کر اس سے کہا۔

”میں.....؟“ مجھے بھوک نہیں۔“ امبر یک دم گڑ بڑائی۔

”میری وجہ سے نہیں ہے؟“ صبغہ نے اگلا سوال کیا۔ امبر خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔

”مگر میں تو کھانا کھا رہی ہوں۔ دیکھو۔“ صبغہ نے چیخ کو منہ میں ڈالنے سے پہلے تھوڑا سا اٹھا کر اسے دکھایا۔ ”تم بھی کھاؤ۔ کھانا نہ کھانے سے کیا ہوگا؟“ اس نے چادریں منہ میں ڈال لیے۔ ”آج نہیں کھا میں گے۔ کل کھانا پڑے گا۔ بھوکا تو نہیں رہا جا سکتا۔“ اس نے پانی کا گلاس اٹھالیا۔

”تم اگر مجھے سلی دینے کے لیے میرے پاس آ کر بیٹھ ہو۔“ اس نے پانی کا گھونٹ لے کر کہا۔ ”تو اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں بالکل ٹھیک ہوں۔ یہ سب کچھ ہونا ہی تھا۔ آج نہیں توکل ہو جاتا۔ مگر.....“

”تم نے اسامہ سے طلاق کا مطالبہ کیوں کیا تھا۔“ امبر نے دھیمی آواز میں پوچھا۔ ”وہ اچھا تھا.....“ طلحہ سے تو بہت اچھا تھا۔“ امبر نے جیسے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔

صبغہ نے اس کے چہرے کو دیکھا۔ ”ہاں اچھا تھا..... مگر اتنا اچھا نہیں تھا جتنا اچھا ہے ہونا چاہیے تھا۔ یا جتنے اچھے انسان کی مجھے ضرورت تھی۔“

”تمہیں کچھ بھی محسوس نہیں ہو رہا..... کوئی پچھتاوا کوئی تکلیف.....“ امبر نے جیسے ایک بار پھر اسے بے نتیجی سے دیکھا۔

”پچھتاوا؟..... نہیں..... تکلیف؟“ وہ قدرے توقف سے بولی۔

”انسان ہوں“ تکلیف تو محسوس کروں گی۔ مگر تکلیف سہنے کی عادت ہے مجھے۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔“ امبر نے اس کے گیلے بالوں کو دیکھا جو چوٹے سے جوڑے کی شکل میں گردن سے بہت اوپر لپیٹے گئے تھے۔ اس کی گردن ابھی بھی نم تھی۔ صبغہ بات کر رہی تھی اور وہ لاشعوری طور پر بار بار اس کی گردن کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں کی حرکت اس کی گردن پر بھی محسوس ہوتی تھی۔ یوں لگتا تھا جیسے وہ ہر لفظ اپنی گردن سے ادا کر رہی ہے۔

”میری زندگی اسامہ مسعود علی کے ساتھ ختم نہیں ہوئی..... جیسے اس کی زندگی میرے ساتھ ختم نہیں ہوئی۔“ اس نے غور سے امبر کا چہرہ دیکھا۔ ”تعلق ختم ہو تو تکلیف ہوتی ہے مگر آدمی مرتا تو نہیں۔“

”تم بہت بہادر ہو..... میری طرح نہیں ہو.....“ امبر نے یک دم اعتراف کیا۔ ”میں تو..... میں تو بہت کمزور ہوں مجھے تو..... میں کسی بھی بات کو ذہن سے نہیں نکال سکتی۔“ وہ آہستہ آہستہ کہنے لگی۔ ”تم ہر چیز کو مختلف طرح سے لیتی ہو۔“

”ہاں میں ہر چیز کو مختلف طرح سے لیتی ہوں۔“ صبغہ نے اس کے دوبارہ بولنے سے پہلے کہا۔ ”میں مجی کی طرح یہ نہیں سمجھتی کہ ایک شخص کے طلاق دیدینے سے میرے چہرے پر کوئی سیاہی پھیر دی گئی ہے۔“

”لوگ..... تو ایسا ہی سمجھتے ہیں۔“ امبر نے اکتے ہوئے کہا۔

”ہاں لوگ ایسا ہی سمجھتے ہیں پھر.....؟ کیا کیا جائے.....“ صبغہ ایک لمحہ کے لیے رکی۔ ”اپنے منہ پر واقعی سیاہی پھیر لی جائے؟“

امبر نے اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کے چہرے پر دکھ کا سایہ تھا۔ اضطراب اور پریشانی لیے ہوئے ہڈ سکون لہجہ۔  
 ”انسان دنیا میں لوگوں کے لیے نہیں جیتا۔۔۔ اپنے لیے جیتا ہے۔ جیسے میں اپنے لیے جیوں گی۔ اور تم کو بھی اپنے لیے جینا ہے۔“ وہ دوبارہ کھانا کھانے لگی۔

”تم میں بہت حوصلہ ہے صنف۔۔۔!“ امبر نے چند لمحوں کے بعد کہا۔ صنف نے پھینکی مسکراہٹ کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے اسے دیکھا۔

”پہلے نہیں تھا۔ اب آ گیا ہے۔۔۔ ایسے حالات میں آ ہی جاتا ہے۔“

امبر چپ چاپ اسے دیکھتی رہی پھر اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ”مجھ میں تو نہیں ہے۔“ اس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”تم میں بھی آ جائے گا۔“ صنف نے اپنے ہاتھ سے اس کے گال کو تھپتھپایا۔ ”کچھ وقت لگے گا پھر۔۔۔“ صنف یک دم رک گئی۔ اسے لگا اس کی آواز بھی بھرا رہی ہے۔ اس نے رک کر اپنا گلا صاف کیا۔ ”پھر تم میں بھی حوصلہ آ جائے گا۔“  
 امبر کے آنسو اب اس کے گالوں پر بہ رہے تھے۔ اس نے نفی میں سر ہلایا۔ ”نہیں۔۔۔ مجھے نہیں لگتا کہ وہ وقت بھی آئے گا۔ اس وقت سے بہت پہلے مر جاؤں گی۔“

اس نے بازو اٹھا کر صنف کی گردن میں ڈال دیے اور اس کے کندھے پر سر رکھ کر رونے لگی۔ صنف کے گلے میں کھانا کھاتے ہوئے پہلی بار پھندا لگا تھا۔

☆☆☆

ذیشان اسد نے سامنے بیٹھے ہوئے لڑکے کا پورٹ فولیو بند کر دیا۔ پورٹ فولیو دیکھے بغیر بھی وہ پہلی نظر اس لڑکے پر ڈالتے ہی یہ جان گیا تھا کہ وہ ایک غیر معمولی چہرہ تھا وہ بیس سال سے انڈور ٹائزنگ سے وابستہ تھا اور اب اسے کسی نئے ماڈل کو ہار کرنے کے لیے پورٹ فولیو کی ضرورت نہیں پڑتی تھی۔ وہ ایک نظر میں ہی سامنے بیٹھے ہوئے شخص کی اسکریننگ کر لیتا تھا۔ اور سامنے بیٹھا ہوا کالا بلاشبہ فوٹوجینک تھا۔ تقریباً ویسا ہی چہرہ جیسے چہرے کی وہ تلاش میں رہتا تھا۔

پورٹ فولیو نے اسے حیران نہیں کیا تھا۔ آڈیشن نے اسے حیران کر دیا تھا۔ اس نے اس عمر کے بہت کم لڑکوں میں اتنا ارتکاز اور اعتماد دیکھا تھا۔ ایک گھنٹے کے ڈیشن کے بعد اسے پہلی بار وقت محسوس ہوئی تھی۔ اس کمرشل کے لیے اس نے دس کے قریب نئے لڑکے لڑکوں کو لیا تھا اور اس میں چار ایسے تھے جو مین ماڈل تھے۔ وہ اپنے جاننے والوں میں سے پہلے ہی ان دو لڑکوں کا انتخاب کر چکا تھا جسے اس نے مین ماڈل رکھا تھا مگر اب شرتھون سمجھ کو دیکھتے ہوئے اسے اچھی طرح اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے کمرشل میں کسی گروپ میں سے ایک لڑکے کا رول نہیں دیا جاسکتا تھا۔ اس کے نقش بے حد تکھے اور تاثرات بے حد انریکٹو تھے۔  
 ”تو پھر.....؟“ ذیشان اسد نے کندھے اچکاتے ہوئے اپنے اسٹنٹ سے پوچھا۔ ”یا تو اس کو فرنٹ میں لے کر آئیں یا پھر.....؟“ وہ بات کرتے کرتے رک گیا۔

”یا پھر.....؟“ ذیشان نے اس کے آخری دو لفظ دہرائے۔

”یا پھر اس کو اس کمرشل میں لیں ہی نہیں۔“

”کیوں.....؟“

”آپ خود کیمہ سے اس کو دیکھ رہے ہیں یہ پیچھے کھڑی رکھنے والی چیز ہے۔ پوری اسکرین پر چھایا ہوا ہے۔ دیکھنے والے کی نظر خود ہی اس کے اوپر چلی جائے گی تو آگے کھڑا بندہ کیا کرتا رہے گا۔“ ذیشان اپنے اسٹنٹ کی بات پر مسکرایا۔

”اس کا مطلب ہے اسے آگے ہی لانا پڑے گا۔“ وہ بڑبڑایا۔

ریہرسل سے ایک دن پہلے شرتھون سمجھ گروہنگ کی گئی تھی۔ اس کو ایک ٹریڈی میجر کٹ دیا گیا شرتھ کے لیے یہ ناقابل یقین تھا وہ زندگی میں پہلی بار کسی پروڈنشل امیر ڈیرس سے بال بنا رہا تھا۔ اور بہت سی دوسری چیزوں کے ساتھ اس کے لیے یہ

تجربہ بھی ناقابل فراموش تھا۔  
مگر شاید آگے آنے والے تجربے اس کے لئے کچھ زیادہ ناقابل فراموش ثابت ہونے والے تھے۔ پہلی ریہرسل پر اس نے نایاب ہارون کمال کو دیکھا تھا۔ اور وہ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکا تھا۔ شری کی طرح وہ وہاں موجود تمام لڑکیوں سے منفرد اور ممتاز لگ رہی تھی۔ وہ بہت دیر تک اس کے چہرے سے نظر نہیں ہٹا سکا تھا۔ اسے دیکھتے ہوئے ٹرک کو کوئی بہت عجیب سا احساس ہوا تھا۔ مگر وہ اس احساس کو کوئی نام دینے سے قاصر تھا۔

اور اس دن وہاں پہلی بار ہی وہ اس فرق سے آشنا ہوا تھا جو اس کے اور وہاں موجود دوسرے نولڑکے لڑکیوں کے درمیان تھا۔ وہ تمام لوگ اپر کلاس سے تعلق رکھتے تھے۔ ان کے لیے وہ کمرشل تفریح کا ذریعہ تھا۔ وہ مڈل کلاس سے تعلق رکھتا تھا۔ اس کے لیے وہ کمرشل "شناخت کا سوال" تھا۔ وہ نوکے نولوگ کسی نہ کسی حوالے سے ایک دوسرے کو جانتے تھے۔ اپنے تعلیمی اداروں کی معرفت سے۔ اپنی فیملیز کے توسط سے۔ اپنے دوستوں کے ذریعے سے۔ ٹرٹو بان سٹیج وہاں odd one out تھا۔ اور وہ اپنی اس حیثیت سے واقف تھا۔ وہ یہ بھی اچھی طرح جانتا تھا کہ ریہرسلز کے دوران اس کی پرفارمنس نے دوسروں کو اس سے بہت مرعوب کر دیا تھا۔ وہ اس بات سے بھی بخوبی آگاہ تھا کہ وہاں کھڑے تمام لڑکے شکل و صورت کے معاملے میں ہی نہ ٹیلنٹ میں ..... اور وہ اس بات سے بھی آشنا تھا کہ وہ کامیابی کے تیسرے لازم سے محروم تھا۔ اٹینس اور شاید اٹھارہ انیس سال کی زندگی میں پہلی بار ہی اس نے اس چیز پر اتنا غور کیا تھا۔ وہ ثانیہ اور شہیر کی طرح کسی قسم کے کمپلیکس کا شکار نہیں تھا۔ مگر ان دونوں کے برعکس زندگی میں اس کی ترجیحات وہ تھیں کہ اسے کبھی نہ کبھی کہیں نہ کہیں ان عقیدتوں سے دوچار ہونا تھا۔ جن سے وہ اب دوچار ہو رہا تھا۔

"ہیلو! میرا نام نایاب کمال ہے۔" وہ ریہرسل کے بعد کچھ دیر کے لیے ریلیکس کرنے کے لیے بیٹھے تھے۔ جب نایاب آ کر اس کے برابر کی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔

"ٹرٹو بان۔" اس نے مسکرا کر اپنا نام دہرایا۔

"میں جانتی ہوں۔" وہ جواباً مسکرائی۔ "ذیشان انکل کتنی دیر سے آپ کا نام لے رہے تھے۔"

"ذیشان انکل! ایک اور رشتہ....." ٹرنے دل ہی دل میں کہا۔ وہاں اس کے سوا موجود نوکے نو افراد ذیشان اسد کو کسی

نہ کسی رشتے سے پکار رہے تھے۔

"آپ بہت اچھا پرفارم کر رہے تھے۔" نایاب نے مسکرا کر شری کی تعریف کی۔

"آپ بھی بہت اچھا پرفارم کر رہی تھیں۔" ٹرنے جواباً تعریف کرتے ہوئے دل ہی دل میں خود سے معذرت کی۔ وہ

ریہرسل میں اس کی پرفارمنس دیکھ کر خاصا مایوس ہوا تھا وہ صرف خوبصورت تھی۔ مگر ایک ماڈل کے طور پر پرفارمنس دیتے ہوئے جن چیزوں کی ضرورت تھی وہ ان سے مکمل طور پر محروم ہی لگ رہی تھی۔ وہ بے تحاشا زرد تھی۔ ڈائلاگز بولتے ہوئے اس کی آواز میں لڑکھڑاہٹ تھی۔ خبر یہ اتنا بڑا مسئلہ نہیں تھا کیونکہ بدش چھبے ڈبگ کے ساتھ جنگل تھا اور اسے کور کر لیا جاتا۔ مگر وہ باقی بھی تقریباً تمام چیزوں سے محروم تھی۔ اس کی مسکراہٹ واضح طور پر کنفیوز نظر آ رہی تھی۔ اور اس کا فٹ ورک کسی طرح بھی ٹھیک ہونے میں نہیں آ رہا تھا۔ ٹرک کو حیرت ہو رہی تھی کہ اسے ماڈلنگ کا مشورہ کس نے دیا تھا۔ مگر پھر یہ سوال وہاں موجود چند دوسری لڑکیوں اور لڑکوں سے بھی پوچھا جانا چاہیے تھا۔ اور اب جب وہ اس سے یہ کہہ رہا تھا کہ اس نے بھی بہت اچھا پرفارم کیا تھا تو اس کا دل کانٹوں کو ہاتھ لگانے کو بھی چاہ رہا تھا۔

"ٹھیکس.....!" اس کی تعریف پر وہ بے اختیار سرخ ہوئی۔ شاید پورے دن میں یہ پہلا اچھا جملہ تھا جو اس کی پرفارمنس پر کسی نے دیا تھا۔ یا پھر اسے یہ احساس ہوا تھا کہ وہ کہیں اس کا مذاق نہ اڑا رہا ہو۔

"آپ کے سامنے تو میری پرفارمنس کچھ بھی نہیں تھی۔ آپ پہلی بار ماڈلنگ کر رہے ہیں؟" اس نے چند لمعے خاموش رہنے کے بعد اٹھا سوال کیا۔

”ہاں.....“

نایاب نے بے یقینی سے اسے دیکھا۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا آپ بہت اچھے ہیں۔“

”اب میں کیا کہوں؟ بس یہ کام کرنے میں مجھے مزہ آتا ہے۔“

شمر نے مختصراً کہا وہ زندگی میں پہلی بار کسی لڑکی سے اتنی لمبی بات کر رہا تھا اور وہ بھی اس لڑکی سے جسے وہ ٹھیک سے جانتا

بھی نہیں تھا۔

”آپ کیا کرتے ہیں؟“ نایاب نے چند لمعے خاموش رہنے کے بعد پوچھا۔

”میں پڑھتا ہوں۔“

”میں بھی۔“ وہ بے اختیار خوش ہوئی۔ ”میں اے لیولز کر رہی ہوں۔“

”میں پری انجینئرنگ کر رہا ہوں..... اگر ہوئی تو.....“ شمر نے آخری تین لفظ اپنے دل میں کہے اس وقت بے اختیار

اسے ٹانیہ یاد آئی تھی۔

”ماڈرننگ بہت مشکل کام ہے۔“ وہ پھر چند لمحوں کے لیے خاموش رہنے کے بعد بولی۔

”ہو سکتا ہے۔“ شمر نے سیٹ میں ہونے والی تبدیلیوں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”آپ کو تو یقیناً نہیں لگتی ہوگی۔ آپ تو ہر چیز اتنے آرام سے کر رہے تھے۔ مجھے مسئلہ ہو رہا تھا۔“

”شروع شروع میں ہوتا ہے۔“ شمر نے اس کی حوصلہ افزائی کرنا ضروری سمجھا۔

”ہاں ذیشان انکل بھی یہی کہہ رہے تھے۔“ نایاب نے ذیشان کا حوالہ دینا ضروری سمجھا۔

”آپ بھی ذیشان انکل کے جاننے والوں میں سے ہیں؟“

”اب جاننے لگا ہوں۔“

”اوہ! میں سمجھی شاید آپ بھی فیملی فرینڈز میں سے ہیں۔“ نایاب نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”بد قسمتی سے میں نہیں ہوں۔“ شمر نے یہ جملہ اپنے دل میں کہا۔

انگلی ریہرسل کے لیے کیوں ملنا شروع ہو گئی تھی۔

”آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی۔“ نایاب نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

”مجھے بھی.....“

شمر بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ”اب تو تقریباً روزی ملاقات ہوا کرے گی۔“ نایاب نے جانے سے پہلے کہا۔ کب تک۔“

”ہاں ایک دو ہفتے تک۔“ شمر بھی مسکرایا۔ نایاب جواباً مسکرائی اور آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

”تو کیسی رہی تمہاری ریہرسل؟“ ہارون کمال نے نایاب سے پوچھا۔ وہ چند منٹ پہلے ہی ڈائمنگ نیپل پر آئی تھی۔

”مگر ٹھیک۔“ نایاب نے اپنے بالوں کو بڑے انداز سے جھکتے ہوئے کہا۔

”اور کتنے دن یہ ریہرسل چلتی رہے گی؟“ ہارون کمال نے کہا۔

”کتنے دن..... کیا پاپا؟“ اس نے میز پر کچھ تلاش کرنے کی کوشش کی۔ ”یہ کوئی ڈرامہ تھوڑی ہے۔ کمرشل ہے۔ ایک

دو دن میں شوٹنگ شروع کر دیں گے۔ یہ تو چونکہ سارے لوگ نئے ہیں اس لیے اتنا وقت لگا رہے ہیں۔ ریہرسل میں..... ورنہ تو اب تک شوٹنگ شروع ہو چکی ہوتی۔“

”اور کون ہے تمہارے ساتھ اس کمرشل میں.....؟“ کوئی مشہور ماڈل؟“ شاستہ نے گفتگو میں پہلی بار حصہ لیتے ہوئے

کہا۔

”نہیں می۔ بتا تو رہی ہوں سارے ہی لوگ نئے ہیں۔“

”تمہاری پر فارمنس کسی رہی؟“ شائستہ نے دلچسپی لی۔

”رہ رہ سلازم میں تو ابھی تھوڑی مشکل ہو رہی ہے۔“ نایاب نے صاف گوئی سے کہا۔ ”مجھ سے لائسنز ٹھیک طرح سے ادا نہیں

ہو پار ہیں۔ اور بعض دفعہ ڈائریکٹر کو میرے ایکسپریٹسز صحیح نہیں لگتے۔“

ہارون کمال اور شائستہ مسکرا دیے۔

”مگر ڈیٹان انکل کہہ رہے تھے کہ پریشان ہونے والی کوئی بات نہیں ہے۔ شروع میں سب کے ساتھ ایسے ہی ہوتا ہے

بعد میں سب کچھ ٹھیک ہو جاتا ہے۔ آپ کی بات ہوئی ان کے ساتھ؟“ نایاب نے بات کرتے کرتے اچانک ہارون سے

پوچھا۔

”نہیں میری ڈیٹان سے بات نہیں ہوئی۔“ ہارون نے کہا۔

”مگر وہ تو مجھ سے کہہ رہے تھے کہ آج آپ کو فون کریں گے؟“ نایاب نے قدرے حیران ہوتے ہوئے کہا۔

”اس نے کہا ہو گا مگر مجھے بہر حال اب تک فون نہیں کیا۔ اسے کوئی خاص بات کرنا تھی؟“

”چنانچہ نہیں انہوں نے مجھے نہیں بتایا۔ نہ ہی میں نے پوچھا۔ مگر مجھے لگتا ہے میری ماڈلنگ کے بارے میں ہی آپ سے

کچھ کہنا ہو گا۔“

”اچھا یا بڑا.....؟“ ہارون نے قدرے شوخ انداز میں نایاب سے پوچھا۔

”ظاہر ہے اچھا ہی کہیں گے۔ بڑے کا تو میں خود آپ کو بتا رہی ہوں۔“ نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”پتا ہے پاپا! ڈیٹان انکل اپنے نئے ایڈ کے بارے میں بھی مجھ سے کہہ رہے تھے۔“ نایاب کو اچانک یاد آیا۔

”کیا کہہ رہے تھے؟“ ہارون نے دلچسپی لی۔

”ایڈ کرنے کا کہہ رہے تھے۔“

”اور یہ کس چیز کا ایڈ ہے؟“

”شیشہ پوکا.....“

”پھر تو واقعی تمہیں ہی اس ایڈ میں ہونا چاہیے۔“ شائستہ نے مسکراتے ہوئے اپنی بیٹی کے چمک دار خوبصورت بالوں کو

دیکھا۔

”ایک کمرشل کافی نہیں ہے تمہارے لیے؟“ ہارون کمال نے پہلی بار سنجیدگی سے کہا۔

”ایک کمرشل.....؟“ نایاب نے حیرانی سے کہا۔ ”پاپا ایک کمرشل سے کیا ہوتا ہے۔ ایک کمرشل دیکھ کر تو لوگ کسی کو یاد

نہیں رکھتے۔ میں شہرت حاصل کرنا چاہتی ہوں۔“

”ایک کمرشل سے بھی بہت شہرت مل جائے گی تمہیں۔ میں چاہتا ہوں تم اپنی زیادہ توجہ اپنی اسٹڈیز پر رکھو۔ ہارون نے

کہا۔

”اسٹڈیز کا کیا ہے پاپا! وہ تو ہوتی رہے گی۔ اب ایک چانس مل رہا ہے تو.....“

ہارون نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”تم ازم تمہیں چانس کی تلاش نہیں ہونی چاہیے۔ تم جب کمرشل کرنا چاہو گی، میں

تمہارے لیے کوئی نہ کوئی کمرشل اریج کر دوں گا۔“

”مگر پاپا! جو بات ابھی ماڈلنگ کرنے میں ہے وہ چند سال بعد تو نہیں رہے گی۔“ نایاب نے ہارون کی بات کاٹی۔

”ابھی تو سب مجھے نی وی پر دیکھ کر حیران ہو جائیں گے۔ میرے کلاس فیلوز کتنا جلس ہوں گے۔ آپ کو اعزازہ ہی نہیں ہے

چند سال بعد تو کچھ مزہ ہی نہیں رہے گا۔“

”کرنے دو ہارون! کیا فرق پڑتا ہے۔“ شائستہ نے مداخلت کی۔

”دو چار کمرشل کر لینے سے کیا آفٹ نوٹ پڑے گی۔ اسے ویسے بھی فائن آرٹس میں دلچسپی ہے اور شو بیز کو بھی تمہاری ہی کا حصہ سمجھو۔“

”ایک آدھ کمرشل سے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر میں نہیں چاہتا یہ دوسری لڑکیوں کی طرح کمرشلز کے پیچھے خوار ہوتی پھرے۔“ ہارون نے شائستہ سے کہا۔

”کون خوار ہو رہا ہے کمرشلز کے پیچھے۔ بتا تو رہی ہے ذیشان خود ہی اپنے کمرشل کے لیے کہہ رہا ہے۔“ شائستہ نے ایک بار پھر اس کی دکالت کی۔

”اور پھر بابا یہ بھی تو دیکھیں۔ پے کتنے مل رہے ہیں۔“ نایاب نے مسکراتے ہوئے کہا۔  
 ”خیر بیسہ تمہارا مسئلہ نہیں ہونا چاہیے۔ نہ ہی تمہیں ذہن میں یہ رکھنا ہے کہ یہ تمہارا پروفیشن ہے۔“ ہارون کمال ایک بار پھر سنجیدہ ہو گیا۔

”ہانی کے طور پر ماڈلنگ کرنے میں کوئی حرج نہیں، مگر اس سے زیادہ کچھ نہیں، میں کبھی نہیں چاہوں گی کہ میری اہلکوی بنی کمرشلز یا ایڈورٹائزمنٹس کے لیے خود کو exploit کرواتی پھرے۔“

”I know it very well“ نایاب نے سر کو جھٹکا۔ ”میں بھی تو مذاق کے طور پر ہی ایسا کہہ رہی ہوں۔“ اس نے حج اپنی پلیٹ میں رکھا اور نیکیں اٹھایا۔ ”آپ لوگ خواہ مخواہ میں ہی بیٹھیں ہو گئے۔ پروفیشن کون بنا رہا ہے شو بیز کو۔“  
 ”بس کھانا ختم.....“ شائستہ نے اس کی بات کاٹی۔ اس کی نظر نایاب کی پلیٹ پر تھی۔

”ڈاننگ کر رہی ہوں می۔“ نایاب نے جیسے ماں کو یاد دلایا۔

”خیر اب ڈاننگ کرنے کا یہ مطلب نہیں ہے کہ سر سے سے کچھ کھایا ہی نہ جائے۔“  
 ”اور پھر تمہیں اس کی کیا ضرورت ہے تمہارا وزن پہلے ہی کم ہے۔“ شائستہ نے جیسے اس کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔  
 ”یہ تو آپ کہہ رہی ہیں کہ وزن کم ہے۔ میں تو کمرشل کی ریہرسل کے دوران لڑکیوں کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔“ نایاب کو جیسے کچھ یاد آیا۔

”مھی..... اتنی اتنی سلم لڑکیاں تھیں کہ مجھے ان پر رشک آ رہا تھا۔ مجھے تو لگ رہا تھا وہاں سب سے موٹی میں ہی ہوں۔ بلکہ مجھے تو یہ خدشہ ہو گیا تھا کہ ذیشان انکل کہیں مجھے اپنے کمرشل سے نکال ہی نہ دیں۔“  
 ”خیر یہ تو ناممکن ہے۔ میری بیٹی کو کوئی کمرشل سے نکال سکا ہے۔“ ہارون کمال نے محبت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔  
 ”کیوں نہیں نکال سکتے۔ مجھ سے بہتر کوئی نظر آئے گا تو وہ اسے ہی لیڈ دیں گے۔ مجھے تو نہیں..... کل سہیل انکل کے نیے ٹوٹی کے ساتھ ایسا ہی ہوا ہے۔“

”کیا ہوا؟ کیا ذیشان نے اسے ایڈ سے نکال دیا؟“ شائستہ نے ایک دم چونک کر کہا۔  
 ”نہیں، نکالا تو نہیں مگر لیڈ میں نہیں رکھا۔“ نایاب نے پانی کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا۔  
 ”کیوں؟“

”ایک اور لڑکا آ گیا تھا۔ شمر نام ہے اس کا۔“  
 ”اچھا۔۔۔“ ہارون کو کوئی دلچسپی محسوس نہیں ہوئی تھی۔

”پاپا! میں آپ کو بتا نہیں سکتی کہ وہ کتنی اچھی ماڈلنگ کر رہا تھا۔“ نایاب کے اندر میں سٹائش تھی۔ ”سینٹ پر موجود تمام لوگ کو حیران کر دیا اس نے۔ ذیشان انکل نے پیشن گوئی کی ہے اس کے بارے میں۔“  
 ”کیا؟“ شائستہ کو کچھ دلچسپی پیدا ہوئی۔

”وہ کہہ رہے تھے کہ وہ ایک ٹاپ ماڈل بنے گا۔ وہ خود بھی اس سے بہت متاثر نظر آ رہے تھے۔“  
 ”کس کا بیٹا ہے؟“ ہارون نے بلا خر پوچھا۔

”یہ تو میں نے نہیں پوچھا۔ میری اس سے کچھ دیر بات ہوئی تھی۔ مگر میں نے اس کی فیملی کے بارے میں نہیں پوچھا۔“ مگر کوئی اچھی فیملی ہی ہوگی۔ اس کو دیکھنے سے لگ رہا تھا کہ وہ کسی اچھی فیملی سے ہی تعلق رکھتا ہے۔“ نایاب نے اپنی رائے دی۔

”اور ٹونی.....“ اس کا کیاری ایکشن تھا۔“ شائستہ کو ٹونی یاد آیا۔

”ٹونی؟“ نایاب بے اختیار ہنسی۔ ”پہلے تو بہت ہی بری طرح ری ایکٹ کیا اس نے۔ مگر پھر بعد میں ڈیٹان انکل نے اسے سمجھایا تو ٹھیک ہو گیا۔ مگر ظاہری بات ہے وہ بہت دل برداشتہ تھا۔ ڈیٹان انکل اس کی بھی بہت تعریف کر رہے تھے۔ مگر جو بات ٹرن میں ہے وہ ٹرن میں ہی ہے۔ He is the best نایاب نے جیسے فیصلہ دیا۔“

”میلے بھی ماڈلنگ کر چکا ہے؟“ شائستہ نے پوچھا۔

”نہیں مئی! یہی تو بات ہے کہ وہ بھی سب کی طرح پہلی بار کمرشل کر رہا ہے۔ مگر لگتا ہی نہیں کہ یہ اس کا پہلا کمرشل ہے۔ ڈیٹان انکل نے تو اپنے اگلے کمرشل کے لیے بھی اسے ہی لینے کا فیصلہ کیا ہے۔“ نایاب نے بتایا۔

”پاپا سن رہے ہیں نا آپ میری بات؟“ نایاب نے کھانا کھاتے ہوئے ہارون کو اچانک مخاطب کیا۔ اسے یوں لگا تھا جیسے ہارون کی توجہ کہیں اور تھی۔

”پانکل سن رہا ہوں۔ تم بولتی رہو۔“ ہارون نے چونک کر مسکراتے ہوئے کہا۔

”مجھے لگا آپ میری بات سن ہی نہیں رہے۔“ نایاب نے کہا۔

”ایسا ہو سکتا ہے؟ ابھی کتنی باتیں باقی ہیں تمہاری؟“ ہارون کمال نے ہلکے پھلکے انداز میں کہا۔

”بس ختم ہو گئی ہیں۔ اب آپ کو کل بتاؤں گی کہ کل کیا ہوا۔“ نایاب نے نیپل سے اٹھتے ہوئے کہا۔ ہارون کمال مسکراتے ہوئے اسے جاتا دیکھتا رہا۔

”اس کی خوبصورتی دن بدن بڑھتی جا رہی ہے۔“ اس کے کمرے سے نکل جانے کے بعد ہارون نے شائستہ سے کہا۔

شائستہ جو اب مسکرا رہی۔

”یہ کمرشلز کا شوق کہاں تک جائے گا؟“ ہارون کو یک دم جیسے کچھ یاد آیا۔

”تم کیوں پریشان ہو رہے ہو۔“ شائستہ نے لاپرواہی سے کہا۔ ”شوق ہے شوق ہی رہے گا۔ اور پھر تم ہی نے اجازت دی ہے اسے ماڈلنگ کی۔“

”میں نے صرف ایک کمرشل کی اجازت دی تھی۔ وہ بھی اس لیے کیونکہ ڈیٹان انکل کا کمرشل تھا اور نایاب کو شوق تھا مگر میں یہ تو نہیں چاہتا تھا کہ اب اگلا کمرشل بھی وہ پوچھے بغیر ہی سائن کر لے۔“ ہارون نے اعتراض کیا۔

”اگلا کمرشل بھی اگر ڈیٹان کا ہے تو کیا حرج ہے۔“

”مگر ہر اگلا کمرشل ڈیٹان کا نہیں ہو گا۔“ ہارون نے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ”میں یہ نہیں چاہتا کہ وہ شوق کی خاطر بھی اس طرح دھڑا دھڑا کمرشل کرے۔ میرا خیال ہے کہ تمہیں اس سے بات کرنا چاہیے۔“

”میں کیوں.....؟ تم کیوں نہیں بات کر لیتے۔ ابھی تو سامنے بیٹیں بیٹھی تھی۔ تم منع کر دیتے۔“ شائستہ نے کندھے اچکائے ہوئے کہا۔

”تم جانتی ہو میں اس کی کوئی بات رد نہیں کر سکتا۔“ ہارون کمال نے مسکراتے ہوئے جیسے بے بسی سے اپنے کندھے جھلکے۔

”تو پھر یہ مشکل کام مجھے کیوں سونپ رہے ہو کہ میں اس کو زبردستی روکوں اور اس کی نظروں میں بری بنوں۔“ تم اسے اچھے طریقے سے سمجھا سکتی ہو۔“

”میں اسے اچھے یا برے کسی بھی طریقے سے نہیں سمجھاؤں گی۔“ شائستہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔ ”اور تمہیں بھی اتنا

کنزرویٹو ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ دو چار کمرشلز میں کام کر لینے سے کوئی قیامت نہیں آ جائے گی۔ آج کل اچھی اچھی فیملیز کی لڑکیاں ماڈلنگ کر رہی ہیں۔ کیا فرق پڑتا ہے۔“

”میں کنزرویٹو نہیں ہوں۔ میں صرف یہ نہیں چاہتا کہ کل کو اسے کوئی پریشانی ہو۔ تم اچھی طرح جانتی ہو، ماڈلنگ کے ساتھ کتنے مسائل ہوتے ہیں۔“

”میں اچھی طرح جانتی ہوں اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ نایاب کو اس قسم کے کسی رویے کا سامنا نہیں کرنا پڑے گا، وہ ہارون کمال کی بیٹی ہے۔ اس کے لیے اتنا تعارف بہت کافی ہے۔“

شائستہ نے کمال بے خوفی اور اعتماد سے کہا۔ ہارون کمال اس کی شکل دیکھتا رہ گیا۔





## انیسواں باب

گھر میں کسی کو بھی شمر کے کرشل کی شوٹنگ کا پتہ نہیں تھا۔ صرف ثانیہ اس بارے میں جانتی تھی اور شمر نے بہت منتوں کے بعد اس سے وعدہ لیا تھا کہ وہ شہبیر یا فاطمہ کو اس بارے میں کچھ نہیں بتائے گی۔

شمر کے ہیئر اسٹائل میں ہونے والی تبدیلی کو شہبیر نے بہت دلچسپی سے دیکھا تھا اور اس کی تعریف بھی کی تھی مگر اسے بھی یہ شک نہیں ہوا تھا کہ وہ ہیئر اسٹائل کسی آنے والے کرشل کا نتیجہ بھی ہو سکتا تھا۔

وہ کرشل کی ریہرسلو اور شوٹنگ شروع ہونے سے پہلے جتنا پُر جوش تھا، بعد میں اتنا ہی خاموش ہو گیا تھا۔ ثانی کو چند دن اس کے رویے پر حیرت ہوئی تھی کہ اس نے ہمیشہ کی طرح اس کے کان کھانے کی کوشش کیوں نہیں کی، کرشل کے بارے میں بتانے کے مگر پھر اس نے اسے نظر انداز کر دیا۔ لیکن وہ زیادہ دن اسے نظر انداز نہیں کر سکی تھی۔

وہ کرشل کی شوٹنگ کا پہلا دن تھا۔ شمر شام کے قریب واپس آیا تھا اور ہمیشہ کی طرح سب کے ساتھ کھانا کھانے کے بعد صحن کے تحت پرچا بیٹھا۔

رات کافی گزر گئی، جب کمرے کے اند کام کرتے کرتے ثانی کو اچانک شمر کا خیال آیا۔ فاطمہ تب تک سو چکی تھی اور دوسرے کمرے میں شہبیر بھی سو چکا تھا۔ کمرے کی صحن میں کھلنے والی کھڑکی سے اسے تخت پر لیٹا ہوا شمر نظر آیا۔ اپنی کتاب بند کر کے وہ باہر نکل آئی۔

شمر اپنے دونوں بازو دوسرے کے نیچے رکھے تخت پر سیدھا لیٹا آسمان کو دیکھنے میں مصروف تھا۔ ثانی اس کے پاس آ کر تخت پر بیٹھ گئی۔ شمر اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ ثانی نے سر اٹھا کر سیاہ آسمان اور اس میں نظر آنے والے ستاروں کو دیکھا پھر شمر کو دیکھا۔

”سارے تارے گن لیے؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں۔“ اس نے اسی طرح آسمان پر نظریں جمائے کہا۔

”کتنے ہیں؟“

”میری کتنی ختم ہو گئی ہے۔“ شمر نے اسی انداز میں کہا۔

”جب تو صرف سو ہی گن سکے ہو گے تم۔“ ثانی نے پھر سر اٹھا کر آسمان کو دیکھا۔

”نہیں۔“

”پھر؟“

”ایک سو ایک ہیں۔“ اس نے اسی سنجیدگی سے کہا۔ ثانی کے ہونٹوں پر مسکراہٹ آ گئی۔

”تو پھر اب سو جاؤ۔“

”سو جاؤں گا۔“ وہ اسی سنجیدگی سے بولا۔

”تم نے مجھے اپنی شوٹنگ کے بارے میں نہیں بتایا؟“ ثانی نے پوچھا۔

وہ خاموشی سے آسمان کو دیکھتا رہا۔ ثانی کو اس کا انداز خلاف عادت لگا۔

”کیا بات ہے۔“ اس نے قدرے تشویش کے عالم میں ثمر کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”کچھ نہیں۔“ اس نے مدہم آواز میں جواب دیا۔

”شوٹنگ ٹھیک نہیں ہوئی؟“

”نہیں۔ شوٹنگ ٹھیک ہوئی ہے۔“

”پھر کیا ہوا ہے؟“

”کچھ نہیں۔“

”تو پھر اس طرح چپ کیوں ہو؟“

”چپ کب ہوں! باتیں تو کر رہا ہوں۔“

”مگر عجیب سی باتیں کر رہے ہو۔“

”تم تو ہمیشہ ہی کہتی ہو کہ میری باتیں عجیب ہیں۔“

وہ چند لمبے خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے کچھ اندازہ لگانے کی کوشش کرنے لگی۔

”تم پریشان ہو؟“

اس بار ثمر نے نظریں آسمان سے ہٹا کر اسے دیکھا۔ ”پریشان کیوں ہوں گا؟“ اس نے جواباً سوال کیا۔

”یہ تو تم مجھے بتاؤ۔“

وہ یک دم اٹھ کر بیٹھ گیا۔ ثانی کو اب کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ وہ پریشان تھا۔ اس کے برابر تخت پر بیٹھا وہ انگلی کے ناخن سے اپنے انگوٹھے کے ناخن کو کھرچنے لگا۔

”کیا بات ہے ثومی!“ ثانی نے بڑی نرمی کے ساتھ اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”میں آج کل بہت عجیب عجیب باتیں سوچتا رہتا ہوں۔“ اس نے مدہم آواز میں کہا۔

”کیسی باتیں؟“ اس نے ثمر کے چہرے کو غور سے دیکھا۔

”بہت ساری باتیں۔“

”مثلاً؟“ وہ کچھ دیر خاموش رہا۔

”میرے جیسے فیملی بیک گراؤنڈ کے ساتھ شوہر میں آگے جانا بہت مشکل کام ہے۔“ اس نے بہت مدہم آواز میں کہا۔ ثانی نے بمشکل اس کی آواز سنی۔

”لوگ بہت سے سوال کرتے ہیں۔ میرے پاس جواب ہی نہیں ہوتا۔“ وہ پھر رکا۔ ”یہاں کانٹیکٹس کی ضرورت ہے۔“

سورمز کا استعمال آنا چاہیے۔ میرے پاس تو دونوں ہی نہیں ہیں اور فیملی بیک گراؤنڈ تو.....“ وہ چپ ہو گیا۔ ثانی نے اس کی رنجیدگی کو محسوس کیا۔

”میں اسی لیے تم کو منع کرتی تھی کہ شوہر میں آنے کا خیال اپنے دل سے نکال دو۔“ ثانی نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔ ”یہ ہمارے جیسے لوگوں کی فیلڈ نہیں ہے۔ اس کرسٹل کو بھی چھوڑ دو۔“

”نہیں۔“ اس نے دو ٹوک انداز میں سر ہلایا۔ ”میں نہیں چھوڑوں گا۔ مجھے جو کچھ کرنا ہے اسی فیلڈ میں کرنا ہے۔ یہ نہیں کر سکوں گا تو کچھ بھی نہیں کروں گا۔“

”تو پھر یہ سب کچھ کیوں سوچ رہے ہو۔ یہ سب کچھ تو ایسے ہی رہے گا۔ بیک گراؤنڈ بھی ہمارا انٹینسٹی بھی اور لوگوں کے سوال بھی۔“ ثانی نے کندھے اچکائے۔

”میں ان سب چیزوں سے ڈرتا نہیں ہوں، صرف تکلیف ہوتی ہے مجھے۔“

ثر نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”کیا ان جیسا کھیوں کے بغیر میں کچھ نہیں ہوں۔ میرا ٹیلنٹ کچھ بھی نہیں ہے؟“ اس نے جیسے احتجاج کیا۔

”ٹیلنٹ کو آج کے دور میں پروں کی ضرورت ہوتی ہے یا بیروں کی اور یہ دونوں چیزیں اسے ہم جیسے لوگ نہیں دے سکتے۔“ ابھی تو تم نے چند دن ایک کمرشل کے لیے گزارے ہیں اور تم یہ سب کچھ سوچ رہے ہو۔ آگے تو اس سے زیادہ تکلیف دو

رہے۔“ ”جو بھی ہے چلنا تو مجھے اسی رستہ پر ہے۔ میں بھی دیکھنا چاہتا ہوں کہ کیا میرا ٹیلنٹ واقعی کچھ نہیں ہے۔“

”اور کتنے دن ہیں اس کمرشل کی شوٹنگ میں؟“

”چار۔“

”اس کے بعد تم اپنی اسٹڈیز پر توجہ دو۔ ایگزامز قریب آ رہے ہیں۔“ ثانی نے ایک بار پھر اس کے کندھے کو تھپتھپایا۔

”تمہیں پتا ہے وہ مجھے کتنے پیسے دے رہے ہیں۔“ ثمر کو جیسے یک دم یاد آیا۔

”مجھے کیسے پتا ہو سکتا ہے۔ تم نے کب بتایا ہے۔“ ثانی نے کہا۔

”میں ہزار۔“

ثانی بے یقینی سے کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ ”میں ہزار..... واقعی؟“

”ہاں واقعی دے رہے ہیں۔“ ثمر نے اسے یقین دلایا۔

”تم کیا کرو گے اتنے پیسوں کا؟“ ثانی پر جوش ہوئی۔

”تمہیں دے دوں گا۔“ ثمر نے شرارت سے کہا۔

”خیر مجھے تو کبھی نہیں دو گے۔ امی کو دے دینا۔“ اسے فوراً فاطمہ کا خیال آیا۔

”تاکہ وہ فوراً جوتوں سے میری تواضع کریں۔“ ثمر نے بُرا مانا۔ ”پوچھیں گی نہیں کہ یہ روپے کہاں سے آئے ہیں۔“

”تم کہہ دینا کہ پرائز بانڈ نکلا ہے۔“

”اچھی طرح جانتی ہیں وہ کہ میں کبھی دس روپے جمع نہیں کر سکا پرائز بانڈ خریدنا تو دور کی بات ہے۔“

”پھر کیا کرو گے۔ کیا سارے خود خرچ کر لو گے؟“

”نہیں سارے خود تو نہیں کروں گا مگر کچھ تو کروں گا۔ ثانی! ہوئی میں جا کر کھانا کھائیں گے۔“ ثمر کو یاد آیا۔

”کس ہوئی میں؟“

”PC میں چٹیں گے۔“

”میں ہزار وہاں ضائع کر دیں گے؟“

”نہیں! میں ہزار نہیں کریں گے۔ دو چار ہزار۔“

”کیا فائدہ ہوگا؟“ ثانی کچھ متاثر ہوئی۔

”یہ ہر وقت ہر چیز کا فائدہ کیوں پوچھتی رہتی ہو تم۔“ ثمر بے اختیار جھلایا۔ ”تمہارا دل نہیں چاہتا کہ کسی اچھی جگہ پر جاؤ“

جا کر کھانا کھاؤ۔“

”کھانا بہت مہنگا ہوگا وہاں۔“

”ہم چائے پی لیں گے، آکس کریم کھالیں گے۔ ٹھیک ہے۔“

”امی کو نہیں بتائیں گے؟“ ثانیہ کو پھر فاطمہ یاد آئی۔

”نہیں۔“ ثمر نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

”اور شبیر بھائی کو؟“

”انہیں بھی نہیں۔ دو دونوں جانے بھی نہیں دیں گے اور امی تو کمرشل میں کام کرنے پر بھی بہت ناراض ہوں گی۔“ ثمر کے پاس تو جبہ تھی۔

”تم مجھے یہ بتاؤ، جانا چاہتی ہو یا نہیں؟“ ثمر نے دونوں کو انداز میں کہا۔

”اور اگر میں نے کہا کہ نہیں تو...؟“

”تو کیا؟“

”تو کیا تم اکیلے چلے جاؤ گے؟“ ثانی کو کچھ فکر ہوئی۔

”نہیں۔“

”پھر؟“

”پھر میں خود بھی نہیں جاؤں گی۔“ ثمر نے قدرے مایوسی سے سر کو جھٹکا۔ ”تم چلو نا۔“

”ٹھیک سے چلیں گے۔“ ثانی نے ایک دم جیسے کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے کہا۔ ”مگر تم ان روپوں کو اس طرح ضائع نہ کرنا۔ بینک اکاؤنٹ کھولا اس میں رکھ دو۔“

”آئی پراسس میں ایسی ہی کروں گی۔ بس اب تم یا اور کتنا کہ تمہیں میرے ساتھ جانا ہے۔“ ثمر نے جلدی سے کہا۔

”امی کو کیا کہہ کر جائیں گے؟“ ثانی کو پھر فکر ہوئی۔

”ان سے کہہ دیں گے، تمہیں کوئی کتاب چاہیے۔ مارکیٹ تک جا رہے ہیں۔“ ثمر نے بے فکری سے کہا۔

”مگر وہاں سے آنے میں دو تین گھنٹے لگ جائیں گے۔“ ثانی اب وقت کا حساب کتاب کر رہی تھی۔

”تو ایک اور جھوٹ بول دیں گے۔ جہاں اتنے جھوٹ بول رہے ہیں وہاں ایک اور جھوٹ سے کیا ہو گا۔“ ثمر کو اب بھی کوئی فکر نہیں تھی۔

”نہیں، مگر ہمیں کسی نے وہاں دیکھ لیا اور امی کو چا چل گیا تو؟“ ثانی کو اب طرح طرح کے خدشات ستارے تھے۔

”وہاں ہمیں کون دیکھے گا۔ رشتے دار ہمارے کوئی نہیں باقی بچے مکھلے والے۔ تو کیا اب یہ مکھلے والے اپنی سی میں جائیں گے۔ یہ جاسکتے ہیں؟“

”فرض کر دو کسی نے دیکھ لیا اور بتا دیا تو؟“ ثانی مطمئن نہیں ہوئی۔

”تو کیا... ہم پھر جھوٹ بول دیں گے۔ کہہ دیں گے کہ ہم تو وہاں گئے ہی نہیں، انہیں غلط فہمی ہوئی ہے۔“

”آخر کتنے جھوٹ بولیں گے ہم؟“ اس بار ثانی جھنجھائی۔

”اپنی سی میں جانے کے لیے مجھے تو جتنے جھوٹ بولنے پڑے ہیں بولوں گا۔“

”مگر میں نہیں بول سکتی۔“

”تم کو کچھ کہنے کے لئے کون کہہ رہا ہے؟“ ثمر نے کہا۔ ”میں بولوں گا۔ تمہارے لیے بھی میں ہی جھوٹ بولوں گا۔ تم بس خاموش رہنا۔“

ثانی کچھ سوچنے لگی۔ اس نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔

”زندگی میں رسک لینا سیکھو ثانی، ضروری نہیں ہوتا کہ ہر چیز کو ہی سوچ سمجھ کر کیا جائے۔“ ثمر نے اسے سوچتے دیکھ کر کہا۔

”تم اپنے ساتھ ساتھ کسی نہ کسی دن مجھے بھی مرواؤ گے۔“ ثانی نے اس کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”تو پھر کیا ہو امیرے بغیر تم زندہ رہ کر روگی بھی کیا۔“ ثمر نے شرارتی انداز میں کہا۔ ”ہم دونوں رو سو جو لیت ہیں۔ ہم

دونوں کو اکٹھے جینا، اکٹھے مرنے ہے۔ کیوں جو لیت؟“

ثانی نے یکے بعد دیگرے اس کی کمر میں بہت سے کسے مارے۔

”پر تیز اس طرح کی بکواس کرو گے تو میں پہلے ہی سب کچھ امی کو بتا دوں گی۔“

ٹرنے بے اختیار اپنی کمر سہلائی۔ ”کچھ ناخوش ہو گیا کیوں جو ایٹ؟“ اس نے سنجیدہ ہوتے ہوئے آخری دو لفظ رک کر دلف سے کہے۔ ثانی نے دوبارہ اس کی کمر میں مکا مارا۔  
 ”دفع ہو جاؤ تم“ میں نہیں جا رہی تمہارے ساتھ۔ ائی کو سب کچھ بتا دوں گی صبح۔“ وہ ناراضی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔  
 ٹرنے بے اختیار اس کا بازو کھینچ کر اسے جھٹکنے سے دوبارہ تخت پر بٹھایا۔ ”اچھا... اچھا... معاف کر دو مذاق کر رہا

فنا۔“  
 ”اے بولنے مذاق میرے ساتھ مت کیا کرو۔“ ثانی نے ناراضی سے کہا۔  
 ”تمہیں میں نے ایک بات نہیں بتائی۔“ ٹر کو اچانک جیسے کچھ یاد آیا۔  
 ”کیا؟“ ثانی ناراض ہونے کے باوجود پھر دلچسپی لیے بغیر نہیں رو سکی۔  
 ”میرے ساتھ کمرشل میں ایک لڑکی کام کر رہی ہے، نایاب کمال۔“ ٹرنے کہا۔  
 ثانیہ سوالیہ نظروں سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔  
 ”تمہیں پتا ہے اس کی شکل کس سے ملتی ہے؟“  
 ”مجھے کیسے پتا ہو گا۔“  
 ”شہیر بھائی سے۔“

ثانی پھر ناراضی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”تم پھر کب اس کرنے لگے ہو۔ کبہ رہی ہوں میرے ساتھ اس طرح کے مذاق مت کیا کرو۔“  
 ”میں مذاق نہیں کر رہا ہوں۔ سچ کہہ رہا ہوں۔“ ٹر بھی اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ ”میں اسے دیکھ کر حیران رہ گیا تھا۔ تم دیکھو گی تو تم بھی حیران رہ جاؤ گی۔ وہ بالکل شہیر بھائی کی طرح لگتی ہے جیسے تم میری طرح لگتی ہو۔“ ٹر اب وضاحتیں دینے میں مصروف تھا۔  
 ”اچھا فرض کرو اس کی شکل شہیر بھائی سے ملتی بھی ہے تو کیا۔ بہت سے لوگوں کی شکل آپس میں ملتی ہے۔“ ثانی نے کفر سے کفر لے کر کہا۔

”تو میں نے کیا کہا۔ میں تو ویسے ہی تمہیں بتا رہا ہوں کہ میں نے شہیر بھائی سے ملتی جلتی لڑکی دیکھی ہے۔“ ثانی ناراضی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔

”اس کی شکل مجھ سے زیادہ شہیر بھائی سے ملتی ہے؟“

”ہاں کسی حد تک۔ میرا کمرشل آن ایئر جانے گا تو پھر تم دیکھنا۔“

”تم لڑکیوں پر دھیان کم دیا کرو۔“

”کیوں میں کوئی اندھا ہوں۔“ ٹرنے برجستگی سے کہا۔ ثانی کچھ کہنے لگی مگر اس سے پہلے ہی ٹرنے اس سے کہا۔

”اب خدا کے لیے یہ مت کہنا کہ ائی کو سب کچھ بتا دوں گی اور تمہارے ساتھ PC نہیں جاؤں گی اور میرے ساتھ

ایسے فضول مذاق مت کیا کرو وغیرہ وغیرہ۔“

ثانی کا کھلا ہوا منہ بند ہو گیا۔ اس نے پوری قوت سے ایک اور مکا اس کی کمر میں مارا اور کچھ کہے بغیر اندر اپنے کمرے کی طرف چلی گئی۔

☆☆☆

شہیر اس سہ پہر PC میں کسی ایجوکیشن سے متعلقہ انگریزی نیشن میں شرکت کے لیے آیا تھا۔ اس کے ساتھ اس کا ایک دوست بھی تھا۔ انگریزی نیشن میں پھرتے پھرتے شہیر کو کسی کام سے ہال سے باہر ہونے کی لابی میں آنا پڑا اور وہاں ہال کی طرف آنے سے پہلے اسے ایک جھٹکا لگا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے ٹر اور تانیہ کو وہاں سے گزرتے دیکھا۔ یہ ناقابل یقین بات تھی۔ دو دونوں اس وقت وہاں نہیں ہو سکتے تھے مگر اس کے باوجود وہ کسی لاشعوری احساس کے تحت آگے بڑھ آیا۔ چند منٹ

کا ڈنٹر سے کچھ فاصلے پر کھڑے وہ آتے جاتے لوگوں کو دیکھتا رہا۔ فوری طور پر ان لوگوں میں سے ان دونوں کے چہرے نظر نہیں آئے۔ اسے لگا اسے وہم ہوا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ مز کر دو بارہ ایگریٹیشن ہال کی طرف جاتا اس کا وہم حقیقت میں تبدیل ہو گیا تھا۔ وہ دونوں وہی تھے اگرچہ اس کے اور ان کے درمیان بہت فاصلہ تھا مگر وہ انہیں پہچاننے میں دھوکہ نہیں کھا سکتا تھا۔ وہ دونوں بہت فاصلے پر ایک نوجوان لڑکی اور ایک مرد اور عورت کے ساتھ کھڑے باتیں کر رہے تھے۔

شہیر بے یقینی کی کیفیت میں بے اختیار ان کی طرف آیا۔ ان دونوں کی طرف بڑھتے ہوئے ان سے باتیں کرتے ہوئے تینوں افراد کی پشت اس کی طرف تھی۔ البتہ ٹمرا اور بیانی اسے دیکھ سکتے تھے اور یہ شہری تھا جس نے باتیں کرتے کرتے مسکراتے ہوئے شہیر کو چند قدموں کے فاصلے پر اپنی طرف آتے دیکھا تھا اور اس کے چہرے سے مسکراہٹ کے ساتھ ساتھ اس کا رنگ بھی اڑ گیا تھا۔ وہ بات کرنا بھول گیا۔ اس کے چہرے پر آنے والی تبدیلی اتنی نمایاں تھی کہ بیانی سمیت باقی تمام افراد نے اس کی نظروں کا تعاقب کرتے ہوئے مز کر دیکھا۔ شہیر اب ان کے بالکل سامنے تھا۔ چند لمحوں کے لیے دونوں اطراف خاموشی چھائی رہی پھر اس خاموشی کو بارون کمال کی آواز نے توڑا تھا۔

”آپ لوگ ایک دوسرے کو جانتے ہیں؟“ وہ ٹمرا سے پوچھ رہا تھا۔

”یہ میرے بڑے بھائی ہیں۔“ ٹمرا کو ایک جملہ بولتے ہوئے پسینے آ گئے تھے جبکہ بیانی کے تو جیسے کاٹو تو لبو نہیں کی کیفیت تھی۔

”اوہ ..... Thats wonderful“ بارون کمال نے دھیرے سے مسکراتے ہوئے کہا اور شہیر کی طرف ہاتھ بڑھا دیا۔

”میرا نام بارون کمال ہے۔ یہ میری سز ہیں شائستہ اور یہ میری بیٹی تایاب۔“ بارون اب تعارف کا مرحلہ سرانجام دے رہا تھا۔ شائستہ کی نظریں بے یقینی سے شہیر کے چہرے پر لگی ہوئی تھیں۔ پاس پاس کھڑے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ کوئی بارون اور شہیر کے چہرے کی مشابہت کو نظر انداز کر پاتا۔

”میرا نام بارون کمال ہے۔ یہ میری سز ہیں شائستہ اور یہ میری بیٹی تایاب۔“

بارون اب تعارف کا مرحلہ سرانجام دے رہا تھا۔ شائستہ کی نظریں بے یقینی سے شہیر کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ پاس پاس کھڑے یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ کوئی بارون اور شہیر کے چہرے کی مشابہت کو نظر انداز کر پاتا وہ بھی نہیں کر پائی تھی۔ فوری طور پر شہیر کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کس طرح رد عمل ظاہر کرے۔ ابھی ہوئی نظروں سے ٹمرا اور بارون کو دیکھتے ہوئے اس نے بارون سے ہاتھ ملایا۔

”آپ بھی“ شو بیز سے منسلک ہیں؟“

بارون نے اس سے پوچھا اور وہ یہ سوال کرنے میں بالکل غلط نہیں تھا۔ شہیر ٹمرا سے زیادہ چندم تھا اور اس کے نقوش ٹمرا کی نسبت زیادہ اثر کیٹھتے تھے وہ اس وقت ایک عام سی ٹی شرٹ اور جینز میں لمبوس تھا۔ اس کے باوجود اس کے سراپے کو نظر انداز کرنا مشکل تھا۔

شہیر اس ”بھی“ کا پس منظر نہیں سمجھا ٹمرا کے چہرے کی مزید چمکی پڑتی ہوئی رنگت بھی اسے کچھ نہیں سمجھا سکی تھی اس نے آس پاس کھڑے لوگوں پر ایک نظر دوڑائی اور پھر بارون سے کہا۔

شہیر نے ایک نظر ٹمرا پر ڈالی دوسری تایاب پر۔ وہ ان دونوں کے تعلق کو سمجھنے کی کوشش میں مصروف تھا۔

”آپ کے قادر کیا کرتے ہیں؟“ شائستہ نے سوال کیا تو شہیر نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ اس کی نظروں نے اسے قدرے بے یقینی کیا اور اس کے سوال نے اسے حیران۔

”ان کی ڈیجھ ہو چکی ہے۔“ اس نے دھم آواز میں کہا۔

”اوہ ... اور آپ کی مدر؟“ شائستہ نے اگلے ہی تیلے میں دوسرا سوال کیا۔ اس بار بارون نے ماتھے پر ایک ہلکی سی جھکن

کے ساتھ شائستہ کو دیکھا جو مکمل طور پر شبیر کی طرف متوجہ تھی۔  
 ”وہ نمبر ہیں۔ ایک گورنمنٹ اسکول میں۔“

شبیر نے کہا۔ وہ اب شکر کو گھور رہا تھا۔ کیونکہ اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ جو بھی تھے۔ شکر کے ہی جاننے والے تھے اور شکر کے اس کلاس کے جاننے والے کہاں سے آئے تھے۔ یہ اگلا سوال تھا جو اس کے لیے پریشان کن تھا۔  
 ”آپ لوگوں سے مل کر خوشی ہوئی۔“ ہارون نے ایک دم گفتگو اور ملاقات کو ختم کرتے ہوئے کہا۔ اس نے ایک بار پھر باری باری شکر اور شبیر سے ہاتھ ملایا۔ ”ہم لوگوں کو کہیں پہنچنا ہے۔ دیر ہو رہی ہے۔“  
 تایاب نے بھی ثانی سے ہاتھ ملایا۔

شکر کا ذہن تیزی سے کچھ وضاحتیں ڈھونڈنے میں مصروف تھا۔ آج کا دن یقیناً اس کی زندگی کے بُرے ترین دنوں میں سے ایک تھا۔ اسے اگر معمولی سا شبہ بھی ہوتا کہ اس کی اور ثانی کی ملاقات وہاں شبیر سے ہو سکتی تھی تو وہ کسی قیمت پر وہاں نہ آتا مگر اب خلاف توقع وہ سب کچھ ہو چکا تھا جو اس کے خوابوں اور خیالوں میں بھی نہیں آیا تھا۔  
 ہارون کمال، شائستہ اور تایاب کے ساتھ ہوئی کے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ گیا اور ان کے وہاں سے جاتے ہی شبیر نے شکر سے کہا۔

”تم دونوں ہوئی کے دروازے کے باہر میرا انتظار کرو۔ میں دس منٹ تک آتا ہوں۔“

وہ مزید کچھ کہے بغیر وہاں سے چلا گیا۔ شکر اور ثانی آہستہ قدموں سے کسی رو بوت کی طرح چلتے ہوئے ہوئی کے باہر نکل کر دروازے سے کچھ فاصلے پر کھڑے ہو گئے۔

”میری تو قسمت ہی خراب ہے۔“ تقریباً دو منٹ کے بعد بلاآخر شکر نے کہا۔ وہ دونوں لان کے سامنے دروازے پر نظر کر جمائے کھڑے تھے۔ لوگ اندر اور باہر جا رہے تھے۔

”بھال ہے کبھی کوئی چیز صحیح طریقہ سے ہو جائے۔ ہر جگہ بے عزتی کروانا تو فرض ہے مجھ پر“ وہ بڑبڑا رہا تھا۔

”یہ سب تمہاری وجہ سے ہوا“ ثانی چند لمحوں خاموشی سے اس کی بڑبڑاہٹ سنتی رہی پھر برداشت نہیں کر سکی تو بول پڑی۔

شکر بے یقینی سے منہ کھولے اس کا چہرہ دیکھنے لگا۔ ”میری وجہ سے کیا ہوا؟“

”میں نے منع کیا تھا تمہیں۔“

”یہاں آنے سے؟“ وہ حیران ہوا۔

”ماڈلنگ کرنے سے۔“

”ماڈلنگ سے اس سب کا کیا تعلق ہے؟“

نتہی ہارے پاس پیسے آتے نہ تم مجھے یہاں لاتے۔“ ثانی رو پانسی ہو گئی۔

”میں لایا ہوں تمہیں یہاں۔“ شکر کو جیسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

”زبردستی۔“

”میرے خدا..... ثانی! تم دوزخ میں جاؤ گی..... میں تمہیں زبردستی لایا ہوں یہاں؟“

”میں دوزخ میں جاؤں گی تو تمہیں بھی جنت میں کوئی بنگلہ نہیں ملے گا۔ تم بھی میرے ساتھ وہیں جاؤ گے..... وہاں“

زبردستی لائے ہو تم مجھے..... میں نے تو انکار کر دیا تھا۔“

شکر نے بے اختیار اپنے سر پر دونوں ہاتھ رکھ لیے۔ ”میں تمہیں زبردستی یہاں لایا..... تم نے ایک بار بھی انکار نہیں کیا۔“

”کیا تھا..... میں نے تو تمہیں بھی منع کیا تھا۔“ وہ اپنا غصہ اب اس پر اتار رہی تھی۔ ”کہا نہیں تھا تم سے کہ کسی نے دیکھ لیا

”کہا تھا مگر یہ انکار نہیں تھا۔“

”انکار نہیں تھا تو اور کیا تھا؟۔ وہ غرائی۔“

”تم نے مجھ سے کہا تھا کہ ہمیں نہیں جانا چاہیے؟“ شمر کو بھی اب غصہ آنے لگا۔

”اے میرے خدا..... میں نے نہیں کہا تھا؟“ اس بار ثانی نے دونوں کا ہاتھ کانوں پر رکھ لیے۔

”نہیں کہا تھا..... ایک بار بھی نہیں کہا تھا..... تم میرے ساتھ آنے پر تیار نہ ہو تھے تو میں بھی یہاں نہیں آتا..... بتایا تھا تمہیں میں نے۔“

”کتے جمو نے بوتم.....“ وہ تقریباً چلائی۔ ”تم خود کہہ رہے تھے کہ میں یہاں آؤں گا..... یہ جھوٹ بولوں گا..... دو جھوٹ بولوں گا..... میں بار بار تمہیں منع کر رہی تھی کہ اگر کسی نے دیکھ لیا..... اگر اسی کو پتہ چل گیا تو..... اور تم..... تم سن ہی نہیں رہے تھے۔ تم نے کہا نہیں تھا کہ میں اپنی سی جانے کے لیے سو جھوٹ بولوں گا۔“ شمر نے ملامت بھری نظروں سے اسے دیکھا۔

”اور تم یہ بات اسی طرح شبیر بھائی اور امی سے کہہ دو گی؟“

”ہاں بالکل ایسے ہی کہہ دوں گی.....“ ثانی نے تیزی سے کہا۔

”پھر میں بھی ان سے کہوں گا کہ میں تمہارے کہنے پر ہی تمہیں اپنی سی لے کر آیا ہوں۔“

”جھوٹ بولو گے تم؟“ ثانی نے بے اختیار دانت پیسے۔

”ہاں۔ جہاں اتنے جھوٹ بولے ہیں وہاں ایک اور سہی..... تم مجھے ڈبو دو گی تو میں بھی تمہیں ڈبو دوں گا۔“

”پھر میں ساری زندگی تم سے بات نہیں کروں گی۔“

”نہیں کرتا..... مجھے بھی ضرورت نہیں ہے تم سے کوئی بات کرنے کی۔“

ثانی نے اس بار کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ ناراضی کے عالم میں منہ دوسری طرف پھیر کر کھڑی ہو گئی۔ شمر کچھ دیر دانتوں سے ناخن کترتا دروازے کو دیکھتا رہا پھر اس نے قدرے مصالمانہ انداز میں ثانی کے کندھے پر ہاتھ رکھا۔

”اچھا معاف کر دو مجھے..... ابھی تو یہ سوچو کہ شبیر بھائی سے کیا کہتا ہے۔“

ثانی نے بے رخی سے اس کا ہاتھ اپنے کندھے سے جھٹکا۔ ”تم ہی سوچو تم نے کیا کہتا ہے۔ میں تو سب کچھ جانتا ہوں۔“

”میری ماڈلنگ کے بارے میں بھی؟“

”ہاں ہر چیز کے بارے میں۔“

”ایک دفعہ سوچ لو ثانی۔“

”سوچ لیا ہے۔“

”پلیز۔“

”نہیں۔ مجھے اب کوئی جھوٹ نہیں بولانا۔“

”تم کچھ بھی مت کہنا..... میں خود سب کچھ کہہ لیتا ہوں۔“ اس نے جلدی سے ثانی سے کہا۔

”اور بعد میں تم مجھے بلک میل کرتے رہو گے۔ بالکل نہیں۔“ ثانی نے قطعی انداز میں کہا۔

”میں تمہیں کبھی..... کبھی..... کبھی بلک میل نہیں کروں گا..... بس ایک آخری بار میری بات مان لو۔“ وہ گڑگڑایا۔

”نہیں تم ایک انتہائی جمو نے انسان ہو۔ میں تمہاری کوئی بات نہیں مانوں گی۔“ ثانی نے گردن لٹھی میں ہلائی مگر دل ہی

دل میں وہ چاہ رہی تھی کہ اسے فوری طور پر اس صورت حال سے نکلنے کا کوئی راستہ سوچ جائے۔

”دیکھو..... پلیز..... میں ہاتھ جوڑ رہا ہوں..... اب اس سے زیادہ اور کیا کروں..... پلیز ثانی۔“

شمر نے بوٹوں کے دروازے کی طرف پشت کرتے ہوئے ثانی کے بہت قریب ہو کر آس پاس کے لوگوں سے چھپاتے



ہوئے اپنے دونوں ہاتھ اس کے سامنے باندھے، ثانی نے چند لمبے ماتھے پر ہن ڈال کر اسے گھورا پھر جیسے ہتھیار ڈال دیئے۔

”یہ آخری بار ہے۔“

”بالکل آخری بار..... دو بارہ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔“

”شہیر بھائی کو کیا کہیں گے؟“

”میں کہوں گا۔ ہم دونوں یہاں باہر سے گزر رہے تھے تو اچانک میں تمہیں بوٹل دکھانے اندر لے آیا۔“

”اور وہ نایاب اور اس کے والدین..... اس کے بارے میں کیا کہو گے؟“

”میں کہوں گا کہ نایاب میرے دوست کی بہن ہے..... میں ان لوگوں کے گھر آتا جاتا رہتا ہوں۔ اس لیے وہ مجھے

جاتے ہیں۔

”انہوں نے دوست کا نام پوچھ لیا تو؟“

”میں کوئی بھی نام لے دوں گا۔“

”اور انہوں نے دوست سے ملنا چاہا تو؟“

”میں لے آؤں گا کسی کلاس فیلو کو دوست بنا کے۔“

”مجھے نہیں لگتا“ شہیر بھائی کو تمہاری باتوں پر یقین آئے گا۔“ ثانی نے چند لمبے اس کا چہرہ دیکھتے رہنے کے بعد قدرے

باہمی سے کہا۔

”انہوں نے شوہر کی بات کی تھی اگر شہیر بھائی نے بھی اس کے بارے میں پوچھا تو؟“

”میں کہوں گا کہ نایاب ماڈلنگ کر رہی ہے اور انہوں نے اسی حوالے سے پوچھا تھا کہ کیا آپ بھی شوہر سے منسلک

ہیں؟ شراب ایک دم کچھ مطمئن نظر آنے لگا۔

”اور کل کو جب انہوں نے وہ کمرشل دیکھ لیا تو؟“

”نہیں دیکھیں گے۔ وہ ٹی وی کہاں دیکھتے ہیں اور پھر وہ بھی کمرشل..... کیا پڑھ چلے گا انہیں؟“

”اگر ان کو پڑھ چل گیا مگر تو میں ان سے صاف کہہ دوں گی کہ مجھے کچھ پڑھ نہیں اور اگر تم نے ان سے کہا کہ مجھے سب

کچھ پڑھتا تو.....“ ثانی نے اپنی بات ادھوری چھوڑی۔ مرنے دونوں ہاتھ اٹھا کر کہا۔

”تم سے میں ان سے یہ نہیں کہوں گا کہ تمہیں سب کچھ پڑھتا..... یہی کہوں گا کہ تمہیں کچھ پڑھنا نہیں تھا۔“

اس سے پہلے کہ ثانی کچھ کہتی اس نے شہیر کو باہر آتے دیکھ لیا۔ ”شہیر بھائی آرہے ہیں۔“ اس نے ایک دم شرم کو خیر وار کیا۔

وہ بالکل سیدھا ہو کر کھڑا ہو گیا۔ شہیر نے بھی دور سے ان لوگوں کو دیکھ لیا تھا۔ وہ سیدھا ان کی طرف آیا تھا۔

ان دونوں کے پاس آ کر وہ کچھ دیر تک ان دونوں کو پکلیں جھپکائے بغیر گھورتا رہا، مگر ثانی دونوں اس سے نظریں چرا

رہے تھے۔ خاموشی کچھ زیادہ طویل ہوئی تو بلا آخر مرنے ہی اسے توڑنے کی ہمت کی۔

”ہم لوگ..... ایسے ہی ہوئی دیکھنے کے لیے..... یہاں آ گئے تھے..... ادھر سے گزر رہے تھے..... ثانی نے فرمائش کی

تھی۔

اس کی گفتگو کا آغاز خاصی بے ربطی سے ہوا تھا اور ثانی کے ساتھ ساتھ خود اس نے بھی یہ بے ربطی محسوس کی تھی۔

شہیر کی آنکھیں اب اس پر جمی ہوئی تھیں اس نے شرم کی بات میں مداخلت نہیں کی۔ اسے بولنے دیا۔ شرم کی ہمت میں

کچھ اضافہ ہو گیا۔

”ہم دونوں اندر جا رہے تھے تو ان لوگوں سے ملاقات ہو گئی یہ میرے دوست کے والدین اور اس کی بہن ہے..... ان

کے گھر آنا جانا ہے میرا۔“ وہ ایک لمحہ کے لیے رکا پھر اس نے کہا ”یہ خود بھی ماڈلنگ کرتی ہے اور مجھے بھی آفرز کچی ہے۔“ ہمیں

ابھی دس منٹ ہی ہوئے ہوں گے یہاں آئے کہ آپ آ گئے..... یقین کریں شہیر بھائی ہمارا پہلے سے یہاں آنے کا کوئی ارادہ

نہیں تھا ورنہ شاید آپ کے ساتھ ہی آتے..... یہ تو بس سڑک سے گزر رہے تھے تو اچانک خیال آ گیا۔“

شہباز بھی بالکل خاموشی کے ساتھ اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ شکر کو اس کی خاموشی نے کچھ پریشان کیا۔ اس کی توقع کے مطابق سوالات کرنا چاہیے تھے تاکہ وہ وضاحتیں دے سکتا۔ مگر شہباز نے کوئی سوالات نہیں کیے شکر قدرے شرمندگی کے عالم میں خاموش ہو گیا۔

اس کے خاموش ہونے پر شہباز نے ایک نظر ثانی پر ڈالی اس کا رنگ اب بھی اڑا ہوا تھا۔

”یہ ٹھیک کہہ رہا ہے شہباز بھائی۔“ اس نے شکر کی بات کی تصدیق کی۔ شہباز نے ایک بار پھر شکر کو دیکھا اور پُر سکون انداز میں کہا۔

”اپنا والٹ نکالو۔“ پہلی بار صحیح معنوں میں شکر کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔

”جی!“ اس کے حلق میں آواز یک دم بھنس گئی۔

”اپنا والٹ نکالو۔“ شہباز نے اسی انداز میں اپنی بات ایک بار پھر دہرائی۔ اس کا ہاتھ اب شکر کی طرف بڑھا ہوا تھا۔ شہباز نے اپنی جینز کی ہپ پائٹ سے والٹ نکال کر شہباز کی طرف بڑھا دیا۔ شہباز نے اس کے ہاتھوں کی کچھکپاہٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے والٹ پکڑا اور اسے کھول کر اندر موجود کرنسی نوٹ ایک جھٹکے سے باہر نکال لیے ثانی کی رنگت کچھ اور چمکی پڑ گئی جبکہ شکر کی آواز کھل طور پر بند ہو گئی تھی۔ اس کے والٹ میں اس وقت چار پانچ ہزار روپے تھے اور شہباز ان نوٹوں کو اس کے سامنے کرتے ہوئے سوالیہ انداز میں کہہ رہا تھا۔

”یہ بھی دوست نے دیے ہوں گے؟“ شکر کچھ کہنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اس کے جواب کا انتظار کیے بغیر شہباز نے ان نوٹوں کو گنا۔ انہیں دوبارہ والٹ میں ڈالتے ہوئے اس نے والٹ کی باقی چیزوں کو دیکھنا شروع کر دیا۔ ایک جیب میں موجود تمام وزینٹنگ کارڈز نکالتے ہوئے اس نے باری باری انہیں دیکھنا شروع کر دیا۔ چند سیکنڈز میں ڈیٹا ان اسڈ کا وزینٹنگ کارڈ اس کے سامنے تھا۔ تمام گفٹنگو میں پہلی بار اس کارڈ پر نظر ڈالتے ہوئے شہباز کے چہرے کے تاثرات بدلے تھے۔ قدرے بے چینی سے اس نے شکر کو دیکھا جو اب سر جھکائے کھڑا تھا۔ پھر کچھ کہے بغیر اس نے اس کارڈ کو بھی باقی کارڈز کے ساتھ والٹ کے اندر ڈالا اور والٹ شکر کی طرف واپس بڑھا دیا۔

”تم گھر جاؤ..... میں اور ثانی بعد میں آئیں گے۔“ اس نے شکر سے کہا۔

شکر چند لمحوں تک کچھ کہنے کی کوشش کرتا رہا پھر چپ چاپ والٹ ہپ پائٹ میں ڈالتے ہوئے تیز قدموں کے ساتھ وہاں سے چلا گیا۔ ثانی کے وہاں شہباز کے ساتھ رہ جانے کا مطلب کیا تھا وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ وہاں سے گھر واپسی تک وہ مزید کوئی جھوٹ سوچے بغیر خود کو صرف بری طرح کو ستا رہا۔

☆☆☆

”پاپا! آپ کو کیسا شکر..... ٹی سی کے گیٹ سے باہر گاڑی نکلنے ہی نایاب نے بڑے پر جوش انداز میں ہارون کمال سے پوچھا۔ وہ گاڑی کی پچھلی سیٹ پر تھی جبکہ شائستہ ہارون کے ساتھ اگلی سیٹ پر تھی۔ گاڑی ہارون ڈرائیور کر رہا تھا۔ ہارون نے بیک ویو مرر سے نایاب کو دیکھا۔ ”کس چیز کے بارے میں میری رائے مانگ رہی ہو؟“

ناياب اس کے سوال پر کچھ حیران ہوئی۔

”شکر کے بارے میں..... پاپا!“ وہ ہارون کے سوال کو سمجھے بغیر بولی۔

”شکر کی کسی چیز کے بارے میں؟“ ہارون کمال کا انداز بے حد ٹھیکھا تھا۔

شائستہ نے گردن موڑ کر ہارون کو دیکھا۔ وہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

”کس چیز کے بارے میں؟“ نایاب بے اختیار ہنسی ”پورے کے پورے شکر کے بارے میں..... پاپا..... پورے شکر کے

بارے میں پوچھ رہی ہوں۔“ ہارون کے انداز سے وہ جیسے محظوظ ہوئی تھی۔

”He is an average guy“ (ایک اوسط اور بے کاکڑ کا ہے۔) ہارون کمال نے تبصرہ کیا۔

”پاپا! آپ انصاف سے نہیں کہہ رہے۔“

”نایاب نے بے یقینی سے بیک ویو مرر کے ہارون کمال کے چہرے کو دیکھا۔

”that is not fair papa“

”اس جیسے لاکھوں لڑکے پھرتے ہیں اس دنیا میں۔“

”پاپا! آپ نے اسے ماڈلنگ کرتے نہیں دیکھا اور نہ کبھی یہ بات نہ کہتے۔“ نایاب نے شکر کا وقار کیا وہ ہارون کے رویے سے قدرے مایوس ہوئی تھی۔ ہارون نے نایاب کی بات کاٹ دی۔

”کیا ہے بھئی وہ..... کبیرے کے سامنے ہاتھ پاؤں مار لینے سے کوئی دنیا کو اپنی اپنی پر نہیں اٹھالیتا۔ ماڈل ہو.....“

نایاب نے حیرانی سے ایک بار پھر بیک ویو مرر سے ہارون کو دیکھا۔ اسے..... اس قسم کے رخ تبصرے کی توقع نہیں تھی۔

”میں تو حیران ہوں کہ تم اس سے اس قدر متاثر کیے ہو گئیں۔“ نایاب نے کچھ کہنے کے لیے منہ کھولا پھر خاموش ہو گئی۔

”وہ..... کیا نام تھا اس کے بھائی کا؟“ ہارون کمال نے شبیر کا نام یاد کرنے کی کوشش کی۔

”شبیر ثوبان۔“ شائستہ نے بے اختیار کہا۔

”ہاں..... شبیر ثوبان..... میں تو اس کی بات پر شاکڈ رہ گیا۔ باپ مرچکا ہے..... ماں ٹپھر ہے..... وہ بھی گورنمنٹ اسکول میں۔“ ہارون کی آواز اور لہجے میں تحقیر تھی۔ ”کیا سوشل اسٹینس ہے ان لوگوں کا..... جن سے تم متاثر ہوئی پھر رہی ہو۔“ نایاب کے ماتھے پر ہل اُبھر رہے تھے۔

”اور تم..... تم تو مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ اس کا تعلق کسی اچھی فیملی سے ہے؟“ ہارون کمال کو اچانک جیسے یاد آیا۔

”ہاں..... میں نے کہا تھا..... مجھے لگا تھا.....“ نایاب اس اچانک سوال پر گڑبڑائی پھر جیسے سنبھلی۔ ”اب جس طرح

آپ پہلی ہی ملاقات میں فیملی کے بارے میں سوال کرنے بیٹھ گئے تھے..... میں تو اس طرح اس سے نہیں پوچھ سکتی تھی۔“ نایاب نے قدرے خشکی سے کہا۔

”پوچھنا چاہیے تھا۔“ ہارون نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹی۔ ”سب سے پہلے فیملی کے بارے میں پوچھنا چاہیے..... اور وہ بھی پہلی ملاقات میں۔“

نایاب نے قدرے بے بسی سے کندھے اچکائے۔ ہارون کمال نے اپنی بات جاری رکھی۔ ”اور تم بار بار اس کی ماڈلنگ کی بات کر رہی ہو۔“

”مگر پاپا! مجھے اس کی فیملی سے کیا کنسرن ہے..... میں تو ماڈلنگ کی تعریف کر رہی تھی۔ اس کی ماڈلنگ اپرے سو ہے۔ آپ انگل ڈیشن سے اس کے بارے میں پوچھیں۔“

”جو بھی ہو..... تمہیں اس سے زیادہ بے تکلف نہیں ہونا چاہیے۔ ان فیملیز کے لڑکے اس طرح کے مواقع سے فائدہ اٹھانے میں مہارت رکھتے ہیں۔“ ہارون کمال کی سنجیدگی برقرار تھی۔

نایاب نے ایک بار پھر قدرے حیرانی سے بیک ویو مرر میں سے ہارون کو دیکھا۔ ”کیسے مواقع پاپا؟..... اور کیا فائدہ؟“

شائستہ کو ہارون کی بات سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوئی تھی اور اس نے قدرے ناگواری سے ہارون کو دیکھا۔

”میں نہیں چاہتا کہ شکر کے ساتھ تمہاری بے تکلفی میں اضافہ ہو..... اسے خود سے فاصلے پر رکھو۔“ ہارون کمال نے تنبیہ انداز میں کہا۔

”Now you are taking it too far Papa“ (پاپا! آپ حد کر رہے ہیں) اس سے کیا بے تکلفی ہے میری کام کر رہا ہے میرے ساتھ کمرشل میں..... اور جس طرح باقی لوگوں سے بات کرتی ہوں اسی طرح اس کے ساتھ بھی کرتی ہوں..... اور آپ..... آپ بات کو کہاں سے کہاں لے جا رہے ہیں۔“ نایاب نے ہلکی آواز میں غصے سے کہا۔

”غصے میں آنے کی ضرورت نہیں ہے تایاب.....“ اس کی ناراضی نے ہارون کمال کے لہجے میں تبدیلی پیدا کر دی۔  
 ”کیوں ضرورت نہیں ہے۔“ تایاب اب ہارون کی بات سننے پر تیار نہیں تھی۔ ”آپ خود چھوٹی سی بات کو کہاں سے کہاں لے جا رہے ہیں.....“ اس کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ میں پہلے تو ٹھر کے بارے میں آپ کی رائے سے بالکل اتفاق نہیں کرتی۔ وہ بہت ڈیسنٹ لڑکا ہے۔ دوسرے لڑکوں کی طرح نہیں ہے۔ اور پھر کمرشل ختم ہوا..... میری اس سے واقفیت بھی ختم ہو گئی..... دوبارہ کسی کمرشل میں اگر اکٹھے کام کیا تو میں اس کے ساتھ Rude تو نہیں ہو سکتی۔“

اس ساری گفتگو میں شائستہ نے پہلی بار مداخلت کی۔ ”میرا خیال ہے اب اس بات کو یہیں ختم کر دینا چاہیے..... تم جس طرح چاہو..... ٹھر سے ملو..... ہارون تم کو کچھ نہیں کہیں گے۔“

”مگر می! ابھی آپ کے سامنے پاپا نے کہا ہے کہ.....“

شائستہ نے تایاب کے احتجاج کو نظر انداز کرتے اس کو آگے بولنے سے روک دیا۔ ”جو کہا ہے اب اس کا ریفرنس دینے کی ضرورت نہیں ہے بہر حال ٹھر کے ایٹو کو اب ختم ہو جانا چاہیے..... اتنا اچھا وقت گزارنے کے بعد اب اتنی معمولی سی بات پر اس طرح بحث کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

شائستہ نے جیسے بات ختم کی۔ ہارون نے کسی رد میں کا اظہار نہیں کیا۔ وہ خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتا رہا۔ پچھلی سیٹ پر تایاب ہونٹ بھینچے غصے کے عالم میں گاڑی سے باہر دیکھتی رہی۔



گھر پر پہلی نظر پڑتے ہی امبر کا چہرہ اتر گیا۔ کچھ ایسی ہی کیفیت منیزہ اور اس کی باقی دونوں بیٹیوں کی تھی۔ صنف کے ساتھ دو لوگ کچھ دیر پہلے ہی وہاں آئے تھے۔ ان کا ذاتی سامان صرف چند سوٹ کیمیز پر مشتمل تھا جسے وہ اس دن اپنے ساتھ وہاں لے کر آئی تھیں۔ جبکہ صنف پچھلے کچھ دنوں سے کچھ ضروری فرنیچر اور باقی اشیاء کی خریداری میں مصروف رہی تھی۔ وہ خریداری کے ساتھ ساتھ سامان وہاں منتقل بھی کرتی رہی تھی۔

جس دن وہ وہاں شفٹ ہوئے تھے۔ اس دن خرید گیا تمام سامان پہلے سے ہی وہاں رکھا جا چکا تھا۔

اس محلے میں داخل ہو کر گھرنیک کا فاصلہ پیدل طے کرتے ہوئے وہ سب لوگ زندگی کے ایک نئے دور میں داخل ہو رہے تھے۔ اور یہ دور کتنا مشکل اور تکلیف دہ ہو سکتا ہے۔ ان جنگ ٹیموں میں سے گزرتے ہوئے انہیں احساس ہو رہا تھا۔ وہ لوڈ ٹرال کلاس اور مڈل کلاس کے علاقے کو پہلی بار اتنے قریب سے دیکھ رہی تھیں اور یہ احساس کہ اب انہیں زندگی یہیں گزارنی تھی..... ان ہی لوگوں کے درمیان..... ان کو بولائے دے رہا تھا۔

گھر کو دیکھ کر نابوی کا یہ احساس اپنے عروج پر پہنچ گیا تھا۔ صنف کو ان میں سے کسی کے چہرے پر خوشی کی وقتی نظر نہیں آئی۔ اسے اس کی توقع بھی نہیں تھی۔ منیزہ گھر کو پہنچنے ہی دیکھ کر ناپسند کر چکی تھیں اور اب اسی ناپسندیدہ جگہ پر رہنا..... یہ تصور ان کے لیے سوہان رون تھا۔

دو کمروں کا وہ مکان ان سب کو تفصیلی طور پر دکھانے میں صنف کو صرف چند منٹ لگے تھے اور اب وہ سب اس گھر کے ایک کمرے میں موجود تھیں۔ بہت دیر تک وہ پانچوں چپ چاپ ایک دوسرے کو دیکھتے ہوئے وہاں بیٹھی رہیں۔ ان سب کے پاس یک دم لفظ جیسے ختم ہو گئے تھے..... زندگی میں بہت سے مواقع پر لفظ ختم ہو جایا کرتے ہیں..... وہ سب اسی تجربے سے گزری رہی تھیں۔

صنف نے بلاخر اس خاموشی کو توڑا۔ وہ کہتا جا رہی تھی ”گھر اچھا ہے“ مگر ان لوگوں کے چہروں کے تاثرات نے اسے اچھا کے لفظ کو تبدیل کرنے پر مجبور کر دیا۔ ”گھر ٹھیک ہے؟“ سوالیہ نظروں سے ان سب کے چہروں کو دیکھتے ہوئے اس نے پوچھا۔

فوری طور پر کوئی جواب نہیں آیا۔ صرف وہاں بیٹھے چاروں افراد نے چند لمحوں کے لیے اس کو دیکھا تھا۔ کچھ دیر خاموشی

ری پھر امبر نے کہا۔

”ہم کتنے دن یہاں رہیں گے؟“

صنف نے امبر کو دیکھا پھر مدھم آواز میں کہا۔ ”دن نہیں سینے یا سال۔“ اس نے صبح کی۔ امبر کا چہرہ اور پیکا پڑ گیا۔

”مگر ہمیشہ یہاں نہیں رہیں گے۔ حالات کچھ بہتر ہوں گے تو ہم کسی اچھی جگہ پر منتقل ہو جائیں گے۔“

”حالات کیا بہتر ہوں گے۔“ اس بار نیزہ جی سے بڑبڑائیں۔

”ہو جائیں گے مئی.....! کچھ وقت لگے گا مگر سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا۔“ صنف نے نیزہ کو ٹوکے ہوئے جیسے نہیں تسلی

دی۔ ”کم از کم آپ تو اس طرح کی بات نہ کریں۔“

”تو میں کس طرح کی بات کروں..... یہ کہوں کہ بس راتوں رات ہماری قسمت بدلنے والی ہے..... پوری دنیا ہی

ہمارے قدموں کے نیچے ہوگی۔“ نیزہ نے کاٹ کھانے والے انداز میں کہا۔

صنف کچھ دیر ان کا چہرہ دیکھتی رہی۔ ”مئی! بُرا وقت تو راتوں رات آسکتا ہے اچھا وقت نہیں۔ اچھے وقت کو آتے کچھ

وقت لگتا ہے مگر سب کچھ بالکل پرفیکٹ نہ بھی ہو بہتر ضرور ہو جاتا ہے۔“ اس نے ماں کو تسلی دینے کی کوشش کی۔ وہ ان کی تسلی کو کم

کرنا چاہ رہی تھی۔

”میں چھوٹی بچی نہیں ہوں صنف جسے تم یہ سب کچھ سمجھا رہی ہو۔“ نیزہ پر اس کی تسلیوں کا الٹا اثر ہوا۔ ”میں دنیا کو تم سے

زیادہ اچھی طرح جانتی ہوں..... لوگوں کو زیادہ بہتر طور پر سمجھتی ہوں۔ مجھے سبز باغ مت دکھاؤ۔“

صنف، نیزہ کی بات پر بے بسی سے مسکرائی۔ ”سبز باغ؟..... مئی! اس آپ کو سبز باغ کیوں دکھاؤں گی..... مگر اتنی مایوسی

بھی ٹھیک نہیں ہے۔“

اس سے پہلے کہ وہ مزید کچھ کہتی بیرونی دروازے پر دستک ہوئی۔ صنف اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

کچھ دیر کے بعد جب وہ دوبارہ کمرے میں داخل ہوئی تو اس کے ساتھ فاطمہ تھی۔ کمرے میں بیٹھے ہوئے چاروں افراد

نے حیرانی سے اس عورت کو دیکھا تھا جو صنف کے ساتھ بے تکلفی سے باتیں کرتے ہوئے اندر داخل ہوئی تھی۔ اور اس کے طے

اور سراپے نے ان سب کو بری طرح چونکا یا تھا۔ وہ چاروں ان حالات میں نہ ہوتیں تو شاید اس عورت پر نظر ڈالتے ہوئے ان

کے انداز میں کچھ تحقیر بھی شامل ہوتی۔

”مئی! یہ فاطمہ آئی ہیں۔ میں نے آپ کو بتایا تھا ان کے بارے میں۔“

صنف نے اندر داخل ہوتے ہوئے فاطمہ کو متعارف کروایا۔ نیزہ باولی خواست اٹھ کھڑی ہوئیں۔ وہ چلی ہی نظر میں فاطمہ

کو پسند کر چکی تھیں۔ فاطمہ نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ نیزہ سے ہاتھ ملایا۔ اس نے نیزہ کے انداز کے رد کھے پن کو نظر انداز

کر دیا تھا۔

”یہ میری بڑی بہن ہے..... امبر۔“ صنف اب امبر کا تعارف کروا رہی تھی۔ نیزہ کی نسبت امبر فاطمہ سے اچھے طریقے

سے ٹی تھی۔ وہ پچھلے چند ہفتوں میں گھر کی مرمت کے سلسلے میں اس کی مدد کا احوال صنف سے سن چکی تھی۔

”یہ میری چھوٹی بہنیں..... رابعہ اور زارا.....“

فاطمہ نے پیار سے ان دونوں کے گال تپتپائے پچھلے چند ماہ میں یہ پہلا پیار بھرا لمس تھا جو ان دونوں نے کسی دوسرے

فرد سے وصول کیا تھا۔

”بہت پیاری بچیاں ہیں آپ کی۔“ فاطمہ نے نیزہ سے کہا۔ نیزہ نے جواب میں کچھ بھی نہیں کہا وہ صرف پچھلے انداز

میں مسکرائیں۔

”میں آپ لوگوں کا ہی انتظار کر رہی تھی صنف نے مجھے کل بتایا تھا آپ لوگوں کی شفقت کے بارے میں سامان وغیرہ

سینٹ کرنے میں تو آپ کو مدد کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ تو پہلے ہی رکھا جا چکا ہے۔“

فاطمہ نے کمرے میں نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔ ”مگر اس کے علاوہ آپ کو دن اور رات کے کسی بھی وقت کسی بھی مدد کی ضرورت ہو تو آپ لوگ مجھ سے کہہ سکتے ہیں۔“ فاطمہ نے کہا۔

”تمہیک یو آئی..... لیکن آپ ہمارے کہے بغیر ہی بہت کچھ کر رہی ہیں ہمارے لیے۔“ صبغہ تشکر بھرے لہجے میں بولی۔  
 ”کچھ نہیں کر رہی میں.....“ فاطمہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”اس قدر احسان مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے میں آپ لوگوں کے لیے کھانا بھجواتی ہوں۔“ وہ اٹھتے ہوئے بولی۔

”باہر نکلتے ہوئے اس نے کہا ”اور رات کو بھی بھجواؤں گی۔“

”نہیں آئی! اس کی ضرورت نہیں ہے۔ میں کھانا لینے جا رہی ہوں۔“ صبغہ نے فاطمہ کو روکا۔

”اور رات کے لیے ہم کچھ نہ کچھ پکائیں گے۔ وہ اتنا مسئلہ نہیں ہے۔“

”اتنا تکلف مت کرو صبغہ!“ فاطمہ نے نرمی سے اس کا کندھا تھپتھپایا۔ ”میں نے آپ لوگوں کی وجہ سے آج دوپہر کا کھانا زیادہ پکایا ہے۔ اور جہاں تک رات کے کھانے کا تعلق ہے تو ابھی آتے ہی کیا پکانا شروع کر دوں گی..... کل سے شروع کر لیتا۔ ظاہر ہے خود ہی پکائیں گے آپ لوگ۔“

فاطمہ کہتے ہوئے اس کے ساتھ بیرونی دروازے تک آگئی۔

”ابھی تو سبزی تک نہیں خریدی ہو گی تم لوگوں نے۔“ فاطمہ مسکرائی۔

”ہاں میں سہ پہر کو جا کر لانا چاہتی تھی۔“ صبغہ نے کہا۔

”میرے ساتھ چلنا۔ یہاں پاس ہی سبزی کی کچھ دکانیں ہیں۔ مجھے بھی سبزی خریدنی ہے۔ تمہیں بھی سبزی خریدنے کا کچھ تجربہ ہو جائے گا۔“ فاطمہ کہتے ہوئے باہر نکل گئی۔

دروازے بند کرتے ہوئے صبغہ نے ہونٹ کانٹے۔ اس کے چہرے پر ایک ٹانٹے کے لیے ایک پھینکی سی مسکراہٹ آئی تھی۔ ”کس کس چیز کا تجربہ ہو رہا ہے..... اور ہو گا یہ میں نہیں جانتی..... اور یہ سارے وہ تجربے ہیں جن کے بارے میں میں نے کبھی اپنے ذراؤں نے خواب میں بھی کچھ نہیں دیکھا تھا۔“

اس نے واپس اندر کمرے کی طرف جاتے ہوئے اپنے دل میں سوچا تھا۔

☆☆☆

”کیا ہوا“ ہارون نے کچھ الجھی ہوئی نظروں سے شائستہ کو دیکھا۔

رات کے نو بجتے والے تھے اور وہ اسے اپنے ساتھ ایک بزنس ڈنر پر لے جانے کے لیے آیا تھا۔ مگر گھر پہنچنے پر خلاف توقع اس نے شائستہ کو تیار کرنے کے بجائے بستر میں پایا۔

”میرے سر میں درد ہے۔“ شائستہ نے اسی طرح لینے لینے کہا۔

”کوئی ٹیبلٹ لے لو۔ اور چلو..... یہ کوئی اتنا سیریس مسئلہ تو نہیں ہے۔“ ہارون نے کہا۔

”مگر میں جانا نہیں چاہتی..... میرا موڈ نہیں ہے۔“ شائستہ نے کہا۔

”کیوں؟“ موڈ کو کیا ہوا..... کچھ گھٹنے پہلے تک تو تمہارا موڈ ٹھیک تھا۔“ ہارون کمال اس کی بات پر کچھ جڑ ہوا۔

”اب ٹھیک نہیں ہے۔ شائستہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

”پھر تمہیں اپنی کسی سے واپسی پر مجھے بتا دینا چاہیے تھا۔ میں ان لوگوں کو انعام کر دیتا..... اب تو وہاں جانا ہی پڑے گا..... میں باہر کو بتا چکا ہوں کہ ہم لوگ آ رہے ہیں۔“ ہارون نے کچھ ٹٹولنے والی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”تم چلے جاؤ۔ اور میری طرف سے ایک سکو زکر لینا۔“ شائستہ نے کہا۔ اس کے انداز اور لہجے میں ابھی بھی کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔

”میں وہاں اکیلا جا کر کیا کروں گا؟“ ہارون کمال اپنی بات سے بٹنے پر تیار نہیں تھا۔

”تم بہت سی جگہوں پر اکیلے جاتے رہتے ہو۔ برجگہ مجھے ساتھ لے کر تو نہیں جاتے۔“ شائستہ نے اسے دیکھتے ہوئے بڑے تکیے انداز میں کہا۔

”مگر اس جگہ پر تمہیں ساتھ لے کر ہی جانا چاہتا ہوں..... اور یہ تم اچانک اتنی rude کیوں ہو رہی ہو؟“ ہارون نے اس کے لہجے پر غور کرتے ہوئے کہا۔

”میں rude نہیں ہو رہی ہوں.....“ شائستہ نے اسی انداز میں کہا۔

”ہم لوگ وہاں سے جلدی واپس آ جائیں گے۔“ ہارون کمال نے صلح جو انداز میں کہا۔ ”مگر میں وہاں جانا ہی نہیں چاہتی..... تم آخر میرا پیچھا چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔“

شائستہ نے اس بار بہت تیز آواز میں کہا۔ وہ ایک دم اٹھ کر بیٹھ گئی اور سائیز نیل پر بڑے سگریٹ کس سے ایک سگریٹ نکال کر اسے سلگانے لگی۔ ہارون ماتھے پر بل لیے اسے دیکھتا رہا۔ ”میں تمہارے رویہ کو کچھ نہیں پارہا۔“

”تمہیں میرے رویے کو سمجھنے کی کوشش میں وقت ضائع کرنے کے بجائے ڈنر میں جانے کی تیاری کرنی چاہیے۔“

شائستہ نے سگریٹ کا کش لیتے ہوئے سختی سے کہا۔

”اور تم کہہ رہی ہو کہ تم rude نہیں ہو رہی۔“ ہارون کمال نے چھتے ہوئے انداز میں کہا۔

”اچھا تو میں ہو رہی ہوں پھر.....“ شائستہ نے انگلیوں میں دبے سگریٹ کو اپنے ہونٹوں سے دور کرتے ہوئے کہا۔

”انسان ہوں میں، چوبیس گھنٹوں اور سال کے بارہ مہینے چہرے پر مسکراہٹ پینٹ کر کے نہیں پھر سکتی۔“

”مت پھرو..... مگر بات کرنے کا انداز ضرور بہتر کرو..... میں تمہارا شوہر ہوں..... مگر میں کام کرنے والا ملازم نہیں ہوں۔“ اس بار ہارون کی آواز بھی اونچی تھی۔

”ہاں ملازم تم نہیں ہو سکتے وہ فرمانبردار اور وفادار ہوتے ہیں۔“ شائستہ نے سلگانے والی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”اس ساری فضول بکواس کا مقصد کیا ہے؟“ ہارون حسب توقع بری طرح تپا۔

”کوئی مقصد نہیں ہے..... ایک بات تم نے کہی..... ایک میں نے..... بس۔“

”پچھلے کچھ سالوں میں تمہاری بحث کرنے کی عادت میں کچھ اضافہ نہیں ہو گیا؟“ ہارون کمال کا لہجہ جھلسانے والا تھا

”اکثر لوگ کہتے ہیں کہ یہ بڑھاپے کی علامت ہوتی ہے۔“

شائستہ نے تیز نظروں سے ہارون کمال کو دیکھا۔ ”ہاں میں اور تم اب بوڑھے ہو رہے ہیں۔“

اس نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”میں نہیں صرف تم.....“ ہارون نے اس کی بات کاٹی۔ ”مرد بھی بوڑھا نہیں ہوتا..... سنا ہو گا تم نے؟“

”سنا تو میں نے اور بھی بہت کچھ ہے..... مگر شاید تم وہ سب کچھ اس وقت سننا پسند نہیں کرو گے..... تمہیں ڈنر سے دیر ہو رہی ہے۔“ شائستہ اس کی بات سننی ان سننی کرتے ہوئے کہا۔

”اور تم..... تمہیں دیر نہیں ہو رہی؟“ ہارون نے اپنے انداز کو بدلتے ہوئے کہا۔

”میں تمہیں بتا چکی ہوں کہ میں ڈنر پر نہیں جا رہی۔“ شائستہ نے جیسے بلند آواز میں اعلان کیا۔

”اور اس کی وجہ یقیناً سر درد نہیں ہے۔“ ہارون کمال نے سختی سے کہا۔ ”کیونکہ یہ سر درد اتنا شدید ہوتا تو پچھلے دس منٹ سے تم میرے ساتھ اس جھگڑے میں مصروف نہ ہوتیں۔“

”لو کہے۔ تم یہی سمجھ لو کہ میرے سر میں درد نہیں ہے۔ میں جھوٹ بول رہی ہوں۔“

”اور میں یہی جانتا چاہتا ہوں کہ کیوں؟“ اب باہر کے ڈنر سے یک دم تمہیں الٹی کیوں ہونے لگی ہے؟“

”مجھے اس وقت ہر چیز سے الٹی ہو رہی ہے..... باہر سلیم جیسے گدھوں سے۔“ وہ زہریلے انداز میں کہہ رہی تھی۔

”چھوڑو پر ماسک چھاکر ان ڈنرز میں خوش مہیاں کرنے والے جانوروں کے جھوم سے۔“ وہ ایک اور کش لگانے کے لیے رکی

پھر اس نے کہا۔ ”تم سے..... اس گھر سے..... ہر چیز سے۔“

ہارون کمال کے ماتھے کی شکنیں بڑھ گئیں۔ ”بعض دفعہ یہ جو دورے تمہیں پڑتے ہیں۔ تمہیں اندازہ ہے کہ یہ تمہاری پرستائی کو میری نظروں میں کس طرح گرا دیتے ہیں۔“ ہارون کمال نے تیز آواز میں کہا۔

”مجھے فرق نہیں پڑتا۔“ شائستہ نے سر جھکا۔ ”تمہارے ساتھ اتنے سال گزارنے کے بعد اب مجھے اس بات سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ مجھے کیا سمجھتے ہو یا کس نظر سے دیکھ رہے ہو۔“

”فرق پڑنا چاہیے تمہیں۔“ ہارون کمال کی آواز سرد ہو گئی ”تم نے ابھی زندگی کے اور بہت سے سال میرے ساتھ گزارنے ہیں۔“

”بد قسمتی سے۔“ شائستہ بڑبڑائی۔

ہارون نے اس کی بڑبڑاہٹ سن لی۔ ”میں اگر تمہیں طلاق دے کر اس گھر سے نکال دوں تو تمہیں پتا چلے گا کہ میرے ساتھ رہنا تمہاری بد قسمتی تھی یا میرے بغیر۔“ ہارون کا لہجہ کاٹ دار تھا۔

”جہلی بات تو یہ ہارون کمال صاحب۔“ شائستہ نے سگریٹ کی راکھ سائینڈ نیبل پر پڑی ایٹش ٹرے میں جھٹکی۔ ”کہ یہ گھر آپ کا نہیں ہے..... میرے نام ہے..... اس لیے یہاں سے آپ کو میں تو نکال سکتی ہوں..... آپ مجھے نہیں نکال سکتے۔“ ہارون چٹکیں جھپکائے بغیر ہونٹ جینچے اسے دیکھ رہا تھا۔

”اور دوسری بات یہ کہ آپ طلاق کی دھمکی کم از کم مجھے مت دیں..... میں کوئی مجبور بے بس گھریلو عورت نہیں ہوں کہ اس دھمکی پر کانپنا شروع ہو جاؤں گی۔“ اس نے ایک اور سس لیا۔

”اور آپ کے بیروں میں گر کر گزراؤں گی کہ سر تاج مجھے معاف کر دیں۔“

دور کی۔ اس کی نظریں ہارون کمال پر جمی ہوئی تھیں۔ ”تم نے مجھے دنیا کے ہر فن میں طلاق کر دیا ہے۔ اب اگر تم میری زندگی سے نکل جاتے ہو تو مجھے تمہارے جیسے ہزاروں مل جائیں گے..... شائستہ تم کو بوڑھی لگتی ہوگی..... باہر دنیا کو نہیں۔“

ہارون ایک لفظ کہے بغیر تیز قدموں سے پلٹ کر ڈورینگ روم میں گھس گیا۔ ڈورینگ روم کا دروازہ اس نے پوری قوت سے بند کیا تھا۔ شائستہ کے ہونٹوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ آئی۔ اس نے ہاتھ میں پکڑا سگریٹ کا ٹکڑا ایٹش ٹرے میں اچھال دیا اور سگریٹ کس سے ایک اور سگریٹ نکالنے لگی۔ وہ سگریٹ نکالتے ہوئے کچھ بڑبڑا بھی رہی تھی۔

☆☆☆

فاطمہ نے دروازہ کھولا۔ شرمسلا م کر کے نظریں چراتے ہوئے اندر آ گیا۔ فاطمہ نے متلاشی نظروں سے پیچھے دیکھا۔ ”اتنی دیر کر دی تم دونوں نے..... میں پریشان ہو رہی تھی..... اور یہ مانی کہاں ہے؟“ فاطمہ نے دروازہ بند کرتے ہوئے سوالیہ انداز میں شرمک دیکھا۔ جو صحن کے تخت پر بیٹھے ہوئے اپنے جوتے کھول رہا تھا۔

”مانی شہید بھائی کے ساتھ ہے۔“ شمر نے جوتے کھولتے ہوئے اسی انداز میں کہا۔

”شہید..... یہ شہید کہاں سے مل گیا تم دونوں کو؟“ فاطمہ قدرے حیران ہوئی۔

”وہ..... وہ رستے میں مل گئے تھے۔“ شمر نے مختصر جواب دیا۔

”تو ساتھ کیوں نہیں آئے تم لوگ..... وہ دونوں کہاں رو گئے؟“ فاطمہ کو اب تشویش ہونے لگی۔

”آ رہے ہیں اسی! مجھے ایک کام تھا اس لیے میں مانی کو شہید بھائی کے پاس چھوڑ کر آ گیا..... ابھی آ جائیں گے وہ دونوں۔“ شمر نے جیسے اسے تسلی دی۔

فاطمہ نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ وہ پریشان نظر آ رہا تھا۔

”تمہیں کیا ہوا؟..... کوئی پریشانی ہے۔“

”مجھے کیا پریشانی ہوگی۔ بس کچھ تھک گیا ہوں۔“ شمر نے مسکرانے کی کوشش کی۔



”اچھا... میں ٹرے میں کھانا نکال کر دے رہی ہوں۔ ساتھ والوں کے گھر دے آؤ۔“ فاطمہ نے کچن کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

”کون سے ساتھ والوں کے گھر؟“ ثمر نے فاطمہ کے پیچھے آتے ہوئے کہا۔

”صنف کے گھر۔“ فاطمہ نے کہا۔

”آگے ہیں یہ لوگ؟“ ثمر نے کہا۔

”ہاں۔ ابھی کچھ دیر پہلے ہی آئے ہیں۔“ فاطمہ برتنوں میں کھانا نکالتے ہوئے بولی۔

”کیا کہوں میں جا کر ان سے؟“ ثمر نے ایک ہاتھ سے سر کھجاتے ہوئے ٹرے پکڑی۔

”کیا کہتا ہے۔ بس دستک دے کر جو بھی آئے۔ اسے ٹرے پکڑا دینا۔“ فاطمہ نے کہا۔ ”اتنی دیر میں تمہارے لیے کھانا

نکالتی ہوں۔ آج بہت دیر ہو گئی ہے۔“

”ثمر نے جواب نہیں دیا۔ وہ ٹرے لے کر اپنے گھر سے باہر نکلا اور اس نے صنف کے گھر کے دروازے پر دستک دی۔

دروازہ چند منٹوں کے بعد کھلا۔ دروازے پر صنف تھی۔ ثمر کو فاطمہ کی جگہ پا کر وہ قدرے گڑبڑائی۔

”السلام علیکم... امی نے کھانا بھجوایا ہے۔“

ثمر نے اس کے دروازہ کھولتے ہی جلدی سے کہا اور ٹرے آگے کر دی۔ صنف نے ٹرے اس سے لے لی۔ ثمر سے وہ پچھلے

چند ہفتوں میں چند بار مل چکی تھی... مگر اس وقت اس کے ہاتھ سے کھانا لیتے ہوئے اسے عجیب سی فحالت کا احساس ہوا تھا۔

”آپ کھانا کھانے کے بعد برتنوں کی ٹرے کو درمیان والی دیوار پر رکھ دیجئے گا۔ میں وہاں سے اٹھاؤں گا۔“ ثمر نے

برق رفتاری سے کہا اور ان ہی قدموں پلٹ کر اپنے گھر میں گھس گیا۔ صنف دروازہ بند کرتے ہوئے ٹرے ہاتھ میں لیے کمرے کی

طرف جاتے جاتے صحن کے وسط میں رکی۔ اور اس نے مزرک اس دیوار کو دیکھا جو چوٹ سے زیادہ نہیں تھی اور اسی وقت اس نے

دوسری طرف ثمر کو فاطمہ سے بات کرتے ہوئے سنا۔

”امی! میں کھانا نہیں کھاؤں گا۔“

”کیوں؟“ فاطمہ نے پوچھا۔

”میں نے اور ثانی نے باہر سے برگر کھالیا ہے۔“

”تو جانے سے پہلے کم از کم مجھے بتا تو دیجئے... میں ابھی تک انتظار میں بیٹھی تھی کہ تم لوگ آؤ تو کھانا کھاؤں۔“

کوئی بھی صحن میں گھڑے ہو کر ساتھ والے گھر کے صحن میں ہونے والی گفتگو سن سکتا تھا۔ صنف نے بے اختیار اپنے ہونٹ

کائے۔ وہ پرائیویسی جس کی وہ اپنے گھر میں عادی تھی وہ ختم ہو چکی تھی۔ وہ اگر ساتھ والوں کے گھر میں ہونے والی گفتگو سن سکتی

تھی تو وہ لوگ بھی ان کے ہاں ہونے والی گفتگو کو اسی آسانی کے ساتھ سن سکتے تھے سر جو تک کر وہ ٹرے لیے کمرے میں چلی گئی۔

☆☆☆

”مجھے آپ سے ایک بات کرنی ہے امی۔“ ثمر نے بلاآخر فاطمہ کو سب کچھ بتانے کا فیصلہ کر لیا۔ ثانی اور شہیر کسی وقت

بجائے آنے والے تھے اور وہ ان دونوں کے آنے سے پہلے ہی فاطمہ سے اس بار میں بات کر لینا چاہتا تھا۔

فاطمہ پلٹتے میں چاول ڈال کر کرسی پر بیٹھ گئی۔

”ہاں بولو۔“ اس نے چاول کا چمچہ منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔ ثمر یک دم اپنی جگہ سے اٹھ کر فاطمہ کے پاس آ کر اس کے

پہلوں میں بیٹھ گیا۔ اس کے ہاتھ اب فاطمہ کے گھٹنوں پر تھے۔ فاطمہ کو کھانا کھاتے کھاتے جھکا لگا۔ ثمر کے انداز نے اسے

تھوڑا سا حیران کیا تھا۔

”پہلے وعدہ کریں آپ ناراض نہیں ہوں گی۔“ ثمر نے کہا۔

”کیا بات ہے؟ کیا کر کے آئے ہو؟“ فاطمہ کی جھوک عجب ہو گئی۔ اس نے پلٹتے تپائی پر رکھ دی۔

”نہیں۔ آپ پہلے وعدہ کریں کہ آپ ناراض نہیں ہوں گی۔“  
 ”تم پہلے بتاؤ تو ہوا کیا ہے؟“

”نہیں۔ پہلے وعدہ کریں۔“ وہ منت بھرے انداز میں کہہ رہا تھا۔  
 ”اچھا۔۔۔ وعدہ۔۔۔ اب بتاؤ۔ کیا ہوا ہے؟“

”مجھ سے ایک غلطی ہو گئی۔“ وہ ہچکچاتے ہوئے بولا۔

”کیا غلطی ہو گئی؟“ فاطمہ نے تشویش بھرے انداز میں اسے دیکھا۔  
 وہ ہچکچاتے ہوئے آہستہ آہستہ فاطمہ کو سب کچھ بتانے لگا۔ وہ ہکا بکا اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اس نے پلٹ ہاتھ سے

رکھ دی تھی۔  
 ”تسم سے میں۔۔۔ آپ کو سب کچھ بتا دینا چاہتا تھا مگر میں ڈر رہا تھا کہ آپ مجھے یہ کمرشل نہیں کرنے دیں گی۔ اور میں

اسے ہر صورت میں کرنا چاہتا تھا۔“ اس نے اپنی بات کے اختتام پر فاطمہ کے تاثرات پر غور کرتے ہوئے کہا۔ فاطمہ کچھ کہنے کے  
 قابل ہی نہیں رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ تسم سے کیا کہے۔  
 ”ای! روز روز کوئی ایسی آفر نہیں دیتا۔ آپ سوچیں! میں اگر انکار کر دیتا تو میری جگہ کتنے لڑکے خوشی خوشی اس کمرشل

کو کرتے۔“ وہ اب وضاحتیں دے رہا تھا۔  
 ”اور پھر مجھے بیس ہزار روپے بھی تو ملے ہیں۔ میں ٹیوشن کر کے یا چارٹ بنا کر پورا سال اتنے پیسے نہیں کما سکتا تھا جتنے

ایک ہفتے میں مل گئے ہیں۔ آپ کو پتہ ہے ڈیٹان صاحب نے ہی مجھے دو اور کمرشلز کی آفر کی ہے۔ سوچیں ذرا سستی آسانی  
 سے مجھے اتنے پیسے مل جائیں گے اور میں۔۔۔ اپنی تعلیم پر وہ روپے خرچ کر سکتا ہوں آگے این کی اسے میں اڈیشن کے لیے  
 روپے اکٹھے کر سکتا ہوں۔۔۔ آپ جانتی ہیں وہاں ایڈیشن لینے کے لیے کتنی رقم کی ضرورت ہے۔“  
 فاطمہ نے سبکی بارغٹھے میں اس کی بات کاٹی۔ ”وہاں ایڈیشن تو جب ہو گا تا جب تم ایف ایس سی کر لو گے۔ امتحان

تہما سے سر پر تیں اور تم پڑھنے کے بجائے آوارہ گردی کرنے میں مصروف ہو۔“  
 ”ای! آوارہ گردی تو نہیں ہے۔“ تسم نے احتجاج کیا۔  
 ”آوارہ گردی ہی ہے یہ بھی۔۔۔ یہاں آس پاس پتہ چلے گا کہ تم اشتہاروں میں کام کر رہے ہو تو لوگ کس طرح کی

باتیں کریں گے۔“  
 ”کچھ نہیں کہیں گے امی۔“ تسم نے لاپرواہی سے کہا۔ ”پہلے میں اشتہاروں کے بورڈ پینٹ کرتا تھا۔ اب خود اشتہار

میں کام کرنے لگا ہوں۔ کیا فرق پڑا ہے۔۔۔ وہ لوگ تو خوش ہوں گے۔ فی دہائی پر آنے کے لیے تو لوگ کیا کیا جتن کرتے  
 ہیں اور مجھے تو بیٹھے بیٹھے آفر آگئی ہے۔“  
 ”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے تسم۔“ فاطمہ نے کہا۔

”تسم نے فاطمہ کی بات کاٹ دی۔“ آپ نے وعدہ کیا تھا آپ ناراض نہیں ہوں گی۔“  
 ”میرے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ تم نے اس طرح کی حرکت کی ہوگی ورنہ ایسا وعدہ کرنے کا تو سوال ہی پیدا

نہیں ہوتا تھا۔“

”اچھا دیکھیں۔ ابھی امتحان ختم ہو جائیں گے تو باقی کے دو کمرشلز تب کروں گا۔۔۔ ابھی وعدہ کرتا ہوں کہ رات دن  
 پڑھتا ہوں گا جب تک امتحان نہیں ہو جاتا۔“

”نہیں۔ اب اور کوئی کمرشل نہیں کرو گے تم۔۔۔ ایک کر لیا بس کر لیا۔۔۔ انکار کر دو ان صاحب کو جنہوں نے تمہیں آفر  
 کی ہے۔“ فاطمہ نے سختی سے کہا۔ ”اور ثانی کو تو آنے دو۔ میں پوچھوں گی اس سے۔“ فاطمہ نے کہا۔  
 ”سارا قصور میرا ہے امی۔۔۔ جانی کا کوئی قصور نہیں ہے۔“ تسم نے کہا۔ میں نے اس کو مجبور کیا تھا کہ وہ آپ کو نہ

تائے۔"

"یہ بند رو اب تر پنا۔"

"نہیں۔ آپ نے وعدہ کیا تھا۔ وعدہ تو یہی ہے۔" شرنے ایک پارچہ کا ٹکڑا دیا اور کہا۔

"آخر یہ شو بڑا س کا جوت تھا۔ اس سے اتنی چیزیں نکلیں۔ ہاں میں بہت اوقات کمرے کرتے۔ میں نے تمہیں منع نہیں کیا۔ لیکن اب اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ قرب و درگزر کی طرح ان کاموں پر وقت ضائع کرتے رہو جن سے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ شرن نے اپنی ہنسی سے یہ کہنا ہے یا نہیں۔"

"یہ میری بار بار ہوں گی۔"

"یہ کیا ہے؟"

"یہ بھی یہ ہے کہ ہوتے ہیں۔ میں نے آپ کو پہلے بھی کہا ہے یہ میں نے جو بھی کرنا ہے شو بڑا س میں ہی کرنا ہے۔ میں ڈاکٹر انجینئر نہیں بن سکتا۔" شرن نے دو ٹوک انداز میں کہا۔ فاطمہ وفصلہ آئی۔

"ڈاکٹر انجینئر مت بنو۔ عمر کم از کم انسان تو بنو۔"

"انسان تو ہوں۔ اسی غور سے دیکھیں۔ شرن یہ ہم بنا اور اس نے منہ اٹھ کر فاطمہ کے سامنے کر دیا۔ فاطمہ وہ بھی بے اختیار ہنسی آگئی۔

"انسان تو بہاری طرح کی حرکتیں نہیں کرتے۔"

شرن نے ہاتھ فرطیمان کا سامنا کیا۔ "نہیں کرتے ہوں گے۔ میں ذرا مختلف قسم کا انسان ہوں۔ آپ دیکھیں جب میں مشہور ہو جاؤں گا تو آپ خود ہی برا بیک بد بڑے فخر سے میرے بارے میں بتایا کریں گی۔"

"نہیں۔ یہ خوش فہمی تمہارے دماغ سے نکلے ہو۔" میں ہی وہ تھوڑے بارے میں نہیں بتاؤں گی۔" فاطمہ اس کی بات پر دہرہ دہرہ بھینچ رہی تھی۔

"مجھے یہ پتا نہیں ان کے آخری ڈانٹ یا ٹھنک کرنے میں برائی کیا ہے۔" شرن بھی سنجیدہ ہو گیا۔ "تو مجھے اچھے فائدوں کے لوگ شو بڑا س میں ہیں۔ لوگ اچھی حالت کرتے ہیں۔ اتنا ہم متا ہے۔ اوقات جتنی ہے۔"

"تم حالت کے پیچھے جا رہے ہو؟ ہمارے پیچھے اوقات کے پیچھے؟" فاطمہ نے پوچھا۔

"تمہیں کسے پیچھے میں شو بڑا س کی کھلی ہوں گی۔ صرف اسی سمندر میں رہ سکتے ہوں۔ دوسرے کسی پروفیشن میں کچھ نہیں کر سکتا۔" وہ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے فاطمہ کو صاف غٹھوں میں تار رہا تھا۔ "ابھی پیسے تو شہیر کو آئے۔ وہ تو ہر سے دودھ ہاتھ کرے گا پھر تمہیں پتہ چلے گا کہ تم کس پانی کی کھلی ہو۔" فاطمہ نے اسے دھمکا دیا۔

"آپ کو سب کچھ اسی لیے تو بتا رہا ہوں کہ آپ یہ سب کچھ خود شہیر بھائی کو بتاویں۔ آپ انہیں سمجھ دیں گی تو وہ ہمارا نہیں ہوں گے۔" شرن نے کہا۔

"اب کھانا کھا تیں۔ چاول ٹھنڈے ہو رہے ہیں۔" شرن کو ایک دم پاس پڑی پیٹ کا خیال آیا اس نے پیٹ اٹھا کر فاطمہ کی طرف بڑھا دی۔

"شو بڑا س میں بہت دھکے کھانے پڑتے ہیں۔" فاطمہ نے پیٹ پکڑتے ہوئے مدھم آواز میں کہا۔

"میں کھاؤں گا۔" شرن نے بڑھتی سے کہا۔

"بہت خوار ہونا پڑتا ہے۔"

"کوئی بات نہیں۔"

"کامیابی نہ ملے تو زندگی برباد ہو جاتی ہے انسان کی۔"

"آپ قسمت تو آزمائے دیں۔"

”لوگ تعریف تو کرتے ہیں عزت نہیں کرتے۔“

”ایسے نہیں ہوتا امی۔۔۔ آپ پرانے زمانے کی بات کر رہی ہیں۔ اب لوگوں کو دیکھیں۔ میں آپ کو پتہ ہے کہ شو بزنس کے لوگوں کو کس طرح سراہا جاتا ہے۔“ وہ اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔

فاطمہ نے جواب دینے کے بجائے کھانا کھانا شروع کر دیا۔ اشرفی باتیں اسے پریشان کر رہی تھیں۔ اگرچہ وہ شروع سے ہی شو بزنس میں جانے کی باتیں کرتا تھا مگر گھر میں کسی نے اس کی ان باتوں کو بھی سمجھیدگی سے نہیں لیا۔ اس کا خیال تھا یہ بچپن کی بے شمار خواہشات میں سے ایک ہے اور بڑا ہونے پر کچھ بیچور ہو جانے پر بہت سی دوسری خواہشات کی طرح یہ خواہش بھی ختم ہو جائے گی۔ ان سب کا خیال غلط ثابت ہوا تھا۔ وہ اپنی اس خواہش یا شاید اب اسے جنون کہنا بہتر تھا کو پورا کرنے کے لیے کس حد تک جاسکتا تھا۔ فاطمہ اب دیکھ رہی تھی۔

وہ بچپن سے اپنے تینوں بچوں کے لیے جو خواب دیکھ رہی تھی۔ ان میں کہیں بھی ان میں سے کسی کا شو بزنس میں جانا شامل نہیں تھا۔ اور اب شرم کا یہ فیصلہ اس کو جیسے ایک عجیب دورا ہے پر لے آیا تھا۔ شبیر اور ثانی نے کبھی اس کو کسی لحاظ سے پریشان نہیں کیا تھا مگر شرم بچپن سے ہی اس کے لیے خاصے مسائل پیدا کرتا رہتا تھا۔

وہ بچپن میں جسمانی طور پر بہت زیادہ کمزور تھا اور سیزن کی ہر بیماری اسے اپنی پلیٹ میں ضرور لیتی۔ فاطمہ کا زیادہ تر وقت اس کی تیمارداری میں ہی گزرتا۔ وہ تینوں میں سے واحد تھا جسے اسے ہر وقت اپنے ساتھ چپکائے پھرنا پڑتا تھا۔

جب وہ کچھ بڑا ہونا شروع ہوا تو اس نے اپنی شرارتوں سے ان سب کا ناک میں دم کر دیا۔ فاطمہ کو ہر وقت اس پر نظر رکھنی پڑتی تھی کیونکہ وہ نہیں جانتی تھی کہ وہ اگلے ہی لمحے کیا کر بیٹھے۔ بڑا ہونے پر اس نے سکون کا سانس لیا تھا کہ کم از کم اس کی شرارتیں ختم ہو گئی تھیں..... اور اب وہ اس کے سامنے ایک نیا مسئلہ لیے بیٹھا تھا۔

برقع میں بیٹوں وہ عورت اس دروازے کے سامنے کھڑی اسے ٹھٹھکا رہی تھی۔ اس نے برقع کے نقاب سے ساتھ اپنا آدھا چہرہ چھپایا ہوا تھا۔ چہرے کا جو حصہ نقاب سے نظر آ رہا تھا وہ اس کی عمر ظاہر کرنے کے لیے کافی تھا۔ وہ اوجیز عمر قدرے بھاری جسم کی ساٹوئی عورت تھی جس کی آنکھیں بے حد خوبصورت تھیں۔ عمر کے اس حصے میں بھی اس کی آنکھوں کو نظر انداز کرنے کا ممکن تھا۔

اس کے ساتھ موجود دوسری عورت خاصی عمر رسیدہ تھی اور اس نے چادر اوڑھی ہوئی تھی۔ دستک دینے کے بعد اگلے کئی منٹوں تک کوئی باہر نہیں آیا تو برقع والی عورت نے وہ بارہ دروازے پر دستک دی۔ اس بار بہت جلد قدموں کی چاب سنی وہ تھی۔ اس بوسیدہ سے مکان کی حالت خاصی محدود تھی اور اس زمانے میں بھی وہاں کال پیل نہیں تھی تو وہاں کے بیٹوں کی مالی حالت کا اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا۔

دروازہ یک دم کھل گیا۔ سامنے تلخے حیلے میں ایک نوجوان لڑکی کھڑی تھی۔

بڑھتی:

”یہ تو اب یقیناً کہنے کی ضرورت ہی نہیں ہے ثانی کہ تم دونوں مجھ سے جھوٹ بول رہے تھے۔“ ثمر کے قدم آگے بڑھتے ہی شبیر نے ثانی سے کہا وہ بے حد سنجیدہ تھا۔ ”اب سچ کیا تھا میں صرف یہ جان چاہتا ہوں یہ تو قہر کرتے ہوئے کہ اس بار بات کا آغاز جھوٹ سے نہیں ہوگا۔“

”میں نے تو پہلے بھی کوئی جھوٹ نہیں بولا شبیر بھائی! صرف ثانی کی ہاں میں ہاں ملتی تھی۔ جھوٹ تو وہ بول رہا تھا۔“ ثانی نے بے حد ندامت سے کہا۔

”تم نے اس کے جھوٹ کی تصدیق جھوٹ سے ہی کی ہے۔ بہر حال اب اس بات کو چھوڑ کر مجھے صرف یہ بتاؤ کہ تمہیں یہاں کیوں لے کر آیا ہے وہ؟“ شبیر نے اس کی بات کا تے ہوئے کہا۔ ”اور اس کے پاس اتنے پیسے کہاں سے آئے ہیں؟“ ثانی اس بار کچھ بھی نہیں چھپا سکی۔ اس نے شبیر کو وہاں کھڑے کھڑے ثمر کی ماڈنگ سے لے کر ثانی کی ٹیلی اور پچھلے ثمر کے وہاں لانے کی ہجرت تک سب کچھ بتا دیا۔ شبیر کے ماتھے پر کچھ ہل آگئے تھے۔ وہ چیخنے چلانے والا آدمی نہیں تھا۔ اس کے باوجود ثمر اور ثانی اس سے ڈرتے تھے اور اس کے ماتھے پر آنے والے ہل ہی ان دونوں کو خائف کرنے کے لیے کافی ہوتے تھے اور اس وقت بھی اس کے ماتھے پر نمودار ہونے والے وہ ہل ثانی کو زروں کر رہے تھے۔ شبیر نے اس تمام گفتگو کے دوران ایک بار بھی اسے ٹوکا تھا نہ ہی کوئی سوال کیا تھا۔ اس کے خاموش ہو جانے پر بھی اس نے کچھ نہیں کہا۔

”مھر چلیں ویر ہو رہی ہے۔“ ثانی کی تمام بات سن لینے کے بعد اس نے بیرونی گیٹ کی طرف قدم بڑھاتے ہوئے ثانی سے کہا۔

"معمرائی آپ اسے کس طرح شوہز میں جانے کی اجازت دے سکتی ہیں؟" شبیر نے بے حد ناراضگی سے فاطمہ سے کہا۔  
 دو دوں رات کے اس پہر گھنٹی میں بیٹھے مگر بارے میں بات کر رہے تھے۔ شبیر کے مگر پہنچنے پر فاطمہ نے اس بات  
 اسے شروع کر دیا جو بھی کہنے سے روک دیا تھا۔

"میں پیسے ہی اسے بہت ڈانٹ چکی ہوں۔" اس نے شبیر سے کہا۔

"یہ وہ بارہنگی اس طرح بغیر ہتائے ہوئی کوئے کر کہیں نہیں جائے گی۔" شبیر فاطمہ کی بات پر دھمکا، وہ بڑا مگر میں  
 پنی ہی ہائے پر اس سے ناراض نہیں ہو رہا ہوں۔ میں تو ڈانٹ کر نے پر ناراض ہوں۔ اتنا بڑا مقدمہ اٹھانے سے پہلے اس نے  
 آپ کو بتایا تو پچھنا تک ضروری نہیں سمجھی۔"

"وہ اس بارے میں مجھ سے پہلے ہی معذرت کر چکا ہے۔"

"امی! آپ معذرت کی بات کر رہی ہیں۔ آپ کو اندازہ نہیں ہے کہ اس نے اتنی بڑی حماقت کی ہے۔"

"ہاں میں جانتی ہوں اس نے حماقت کی ہے مگر میں اس بارے میں تم سے بعد میں بات کروں گی۔ ابھی تم اپنے  
 تہہ لیں کرو اور کھانے کے لیے آ جاؤ۔ میں کھانا کھا رہی ہوں۔"

فاطمہ نے گفتگو کا موضوع بدلتے ہوئے کہا۔ شبیر کو فاطمہ کا اس طرح موضوع تبدیل کرنا بے حد ناگوار لگا اور وہ بیٹھ  
 کی طرح خاموش ہو گیا۔ مگر اس سے نظریں چراتا ہوا اپنے کمرے میں چلا گیا۔

اور اب رات گئے جب مگر اور پنی دونوں سونے کے لیے جا چکے تھے۔ دو دوں مگر کے بارے میں بات کر رہے تھے۔  
 فاطمہ نے اسے مگر کے فیصلے کے بارے میں بتایا شبیر کی ناراضگی میں اندازہ ہو گیا۔

"اپنی تعمیر چھوڑ کر وہ بے وقوفوں کی لائن میں جا کر کھڑا ہو جائے گا۔" شبیر نے مگر کی مٹی کے بغیر تبصرہ کیا۔

"وہ جتا ہے اسے پتہ اور مگر سزا مل رہے ہیں۔" فاطمہ نے پیسے مگر کی حماقت کرتے ہوئے کہا۔

"وہ پھر مگر سزا سے کی کا یہ یہ نہیں بن جاتا۔ اور پھر تعمیر اتنی ضروری ہے۔ آپ نے اسے کیا بتایا؟"

"وہ اپنی تعمیر کو نہیں چھوڑ رہا۔" فاطمہ نے فوراً کہا۔ "میں نے اس سے وعدہ کیا ہے کہ وہ تعمیر کو نہ صرف ساتھ جاری  
 رکھے گا بلکہ بہت اچھے ٹریڈز میں پاس ہوتا رہے گا۔"

"امی! ایسا کبھی نہیں ہوتا۔" شبیر نے مگر کو جھٹکتے ہوئے کہا۔ "شوہز میں اتنے دھکے کھانے پڑتے ہیں کہ آپ کو ہونٹ اور نظر  
 ہی نہیں آتا۔ اور پھر کوئی پریشانی؟ مگر اتنے ٹریڈز کے ساتھ۔ یہ صرف خواب ہی ہو سکتا ہے۔"

"مگر اس نے وعدہ کیا ہے۔"

"وہ اس لیے کیونکہ ابھی۔ اس کو آپ کی اجازت کی ضرورت ہے جب نہیں ہوگی تب وہ آپ کو بتائے بغیر تعمیر بھی  
 چھوڑ دے گا۔" شبیر نے برہم لہجے میں کہا۔

"تمہیں اس کے دنوں کا اندازہ ہے۔ ہم جتنا اسے سمجھانا چاہیں سمجھ لیں۔ وہ کرتا وہی ہے جو وہ چاہتا ہے۔ تم اس  
 کمرشل کو دیکھ لو۔ اس کو آفر ہوئی اور اس نے ہر سب کی ناراضگی کے ڈر سے ہمیں بتائے بغیر اس میں کام کرنا شروع کر دیا۔"

فاطمہ نے شبیر کا چہرہ دیکھا جس کے چہرے پر ابھی بھی ناراضگی تھی۔

"اگر اسے روک دیتے تو وہ آگندہ بھی چوری چھپے اسی طرح کے کام کرتا رہے گا۔ اسے اجازت دے دیں مگر تو ہم لازم  
 ہمیں پتا تو ہو گا کہ وہ کیا کام کر رہا ہے۔"

"معمرائی شوہز۔ آپ سمجھ نہیں سکتیں وہاں کا ماحول کس طرح انسان کو خراب کرتا ہے۔"

"مگر بہت سمجھ دار ہے۔ میں نہیں سمجھتی وہ ایسی کوئی حرکت کرے گا جو نامناسب یا غیر اخلاقی ہو۔ کم از کم اس معاملے میں  
 مجھے اس کی طرف سے کوئی خدشہ نہیں ہے۔ اور پھر اب تو بہت اچھی اچھی فیملیوں سے لوگ شوہز سے منسلک ہو رہے ہیں۔ ماحول  
 تبدیل ہو رہا ہے۔" فاطمہ نے مگر کے کہنے کے کلمات شبیر کے سامنے دہرائے۔

”مگر جس جگہ پر رہتے ہیں وہاں پر وہ کبھی بھی شہر میں کام کرنے والے عورت کی ٹھہرتے نہیں دیکھیں گے۔ شہر تو شہر ہے اور ان میں کام کرنے شروع کرنے کے لیے تو اب صرف ان ہی پر انہیں انہیں انہیں ہے۔“ شہر میں اب حد بندی تھی۔ آپ ان اور میری بھی بات کریں گے۔ فاطمی کے حوالے سے بھی بہت چھتیس گے۔ آپ نے اس کے بارے میں سوچا ہے؟ کتنے مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا اور پھر اگر وہ شہر میں اپنی جگہ نہ بنا۔ کا تو کیا ہو گا؟“ اس نے بڑی رسائی سے فاطمہ کو سمجھا دیا۔

”اپنا یہ میرا اور مستقبل دونوں خراب کرنے کا وہ بکتے ہے۔ وہ وہی کرے جو اس کے اور ہم سب کے لیے ہوتے ہیں۔“  
 ”مگر وہ۔“ فاطمہ نے چھو کہنا چاہا لیکن شہر نے اس کی بات کاٹ دی۔  
 ”وہ اپنی تعمیر عمل کر کے اپنا یہ میرا بنا لے۔ ماڈرن تو سب بھی کی جا سکتی ہے۔ آئی کل تو لوگ یہ یہ بنا لے گے بعد بھی ماڈرن کرتے رہتے ہیں۔“

”مگر وہ کہتا ہے اسے ابھی چانس مل رہا ہے شاید کل چانس نہ لے۔“ فاطمہ نے ایک بار پھر شرم کی حمایت کی۔  
 ”اگر اس کی قسمت میں شہر میں ہی جانا تھا ہے تو اسے کل بھی چانس میں گے آپ اس سے بات تو کریں۔“ اس نے رنجھکتے ہوئے فاطمہ سے کہا۔  
 ”اگر بات قسمت ہی کی ہے تو پھر کل کے بجائے اسے آج قسمت آرنے دو۔“ شہر نے فاطمہ کی بات پر قدرے سشدر ما سے دیکھا رہ گیا۔

ہذا ہذا ہذا

انداز سے آنے والی عورت نے دروازے پر کھڑی ان دو عورتوں کو بڑی حیرانی سے دیکھا۔ جن میں سے ایک برقعہ میں بیٹھی تھی۔ ان دونوں کے چہرے اس کے لیے شگسا نہیں تھے۔  
 ”اسلام ہو۔“ اس عورت نے دروازہ کھلنے پر ان میں سے ایک کو کہتے سن۔  
 ”ہو گیا اسلام۔“ جی۔۔۔ اس نے ان دونوں کو دیکھتے ہوئے قدرے مرعوب انداز میں کہا۔ کیونکہ سامنے کھڑی دونوں عورتیں اپنے جیسے سے اس محلے کے رہنے والے لوگوں میں سے نہیں لگ رہی تھیں۔  
 ”ہم اندر آ کر چند منٹ آپ سے بات کر سکتے ہیں؟“ اسی عورت نے جس نے پہلے اسے مخاطب کیا تھا کہا۔  
 ”اندر آ کر؟“ وہ ایک دم ہچکچاہٹ کا شکار ہوئی۔ بالکل انجان عورتوں کو اندر بلاتے ہوئے یہ ہچکچاہٹ فطری تھی۔  
 ”ہم آپ کا زیادہ وقت نہیں لیں گے صرف چند منٹ بات کرنا چاہتے ہیں۔“ اس کو سمجھتے دیکھ کر اس عورت نے جلدی سے کہا۔

”وہ تو ٹھیک ہے مگر میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔“

”آپ ہمیں پہچان نہیں سکتیں۔ ہم پہلے بھی آپ سے نہیں ملے۔“

اس عورت کے تذبذب میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

”آپ کس سلسلے میں مجھ سے بات کرنا چاہتی ہیں؟“

”اگر آپ ہمیں اندر آنے کا موقع دیں تو ہم زیادہ اچھے طریقے سے آپ کو یہ بتا سکتے ہیں۔“ اس بار برقع میں بیٹھی عورت مخاطب ہوئی۔ کچھ دروازے میں کھڑی عورت نے بڑے غور سے اس برقعے والی عورت کو دیکھا جس کی آواز بے حد خوبصورت تھی اور پھر جیسے یک دم کسی فیصلہ پر پہنچتے ہوئے راستہ چھوڑ دیا ان دونوں عورتوں کے ہاتھوں اور انگلیوں میں موجود زیورات نے جیسے اسے یہ یقین دلا دیا تھا کہ وہ کم از کم وہاں اس چھوٹے سے فونے پھونے مگر میں ڈاکے کی نیت سے نہیں آئی تھی۔

”آج آئیں۔“ دروازے سے باہر کھڑی عورتوں نے اس جملے پر ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور پھر یکے بعد دیگرے اندر داخل ہو گئیں۔ مگر سے نکلنے والی عورت نے ان کے پیچھے بڑھ کر دروازہ بند کر دیا اور پھر انہیں اپنی رہنمائی میں اندر ایک

کمرے میں لے گئی جہاں موجود چیزیں اور فرنیچر یہ طے کرنے میں وقت کا باعث بن رہا تھا کہ دو کمرہ سونے کے سینے استعمال کیا جاتا ہے یا مہربانوں کو بٹھانے کے لیے۔ اگر وہاں کرسیاں اور ایک بکا چھکا سست سا صوفہ تھا تو اس کے ساتھ ساتھ دو چار پائیاں بھی پڑی ہوتی تھیں۔

”بیٹھیں“ اس نے صوفے کی طرف اشارہ کیا۔ دونوں عورتوں نے بڑا تامل اس کی دعوت قبول کی اور آگے بڑھ کر صوفے پر بیٹھ گئیں۔ دو عورت خود ان دونوں سے قدرے فاصلے پر چار پائیاں پر بیٹھ گئی۔

”جی کیسے؟“ اس نے جیسے انہیں بات شروع کرنے کا اشارہ دیا۔

دونوں عورتوں نے ایک بار پھر ایک دوسرے کو دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ بات کا آغاز کر گئیں۔ چار پائیاں پر بیٹھی ہوئی عورت نے ایک دم برقع میں جیوں عورت کو مخاطب کیا۔

”آپ بے تک نقاب بنا دیں۔ گھر میں کوئی مرد نہیں ہے۔“

”جی سہریہ۔“ برقع والی عورت نے کہا مگر اس نے نقاب نہیں ہٹایا۔

”آپ اس محکمے میں کب سے رہ رہی ہیں؟“ دوسری عورت نے مزید کسی تاخیر کے بغیر گفتگو کا آغاز کیا۔

چار پائیاں پر بیٹھی ہوئی عورت نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کے سوال نے جیسے اسے حیران کیا۔

”بہتر وہ کافی سالوں سے یہاں رہ رہے ہیں۔“

”انھارہ انیس سال سے؟“ اس عورت نے دوبارہ پوچھا۔

”اس سے بھی زیادہ وقت گزر گیا ہے۔“ اس نے جواب دیا۔

دونوں عورتوں کے درمیان ایک بار پھر نظروں کا تبادلہ ہوا۔ اس بار اگلا سوال قدرے جیسی آواز میں آیا۔

”انھارہ سال پہلے اس محکمے میں کسی نے کوزے کے ڈبیر پر دو بچے پھینکے تھے۔ میں ان بچوں کے بارے میں پوچھنا چاہتی تھی۔“ چار پائیاں پر بیٹھی ہوئی عورت ایک دم سیدھی ہو کر بیٹھ گئی۔

”دو بچے؟“

”ہاں دو نوزائیدہ بچے۔“ اس عورت نے دہرایا۔

اس بار چار پائیاں پر بیٹھی ہوئی عورت کے تاثرات اور انداز میں ایک دم تبدیلی آ گئی۔ اس نے باری باری ان دونوں عورتوں کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ اور آدھے چہرے کو نقاب میں چھپائی ہوئی عورت کو زیادہ غور سے دیکھا۔

”آپ کون ہیں؟“ اس نے اس بار قدرے ترشی سے پوچھا۔ ”اور اس بارے میں کیوں پوچھ رہی ہیں؟“

برقع میں جیوں عورت نے بے اختیار اطمینان کا سانس لیا۔ یعنی وہ ٹھیک جگہ آئی تھیں اور وہ عورت ان بچوں کے بارے میں جانتی تھی۔ مگر کیا؟

”آپ ان بچوں کے بارے میں جانتی ہیں؟“ اس عورت نے برقع میں جیوں عورت کو دیکھتے ہوئے دوبارہ پوچھا۔

”میں آپ سے کہہ رہی ہوں کہ پہلے آپ مجھے اپنے بارے میں بتائیں۔“ چار پائیاں پر بیٹھی ہوئی عورت نے اس بار تیز آواز میں ان سے کہا۔ وہ دونوں عورتیں اس کے لیے اب بہت مشکوک ہو گئی تھیں اور ان دونوں کے ہاتھوں کے زیورات اب اسے کسی اور طرف لے جا رہے تھے۔

”آخر آپ ان بچوں کے بارے میں کیا جاننے آئی ہیں اور کیوں؟“

”مگر ہم آپ کے سوال کا جواب دے دیں تو کیا آپ ہمیں ان بچوں کے بارے میں بتائیں گی؟“ برقع میں جیوں عورت نے اس بار چار پائیاں پر بیٹھی عورت کو مخاطب کیا۔

”پہلے آپ مجھے اپنے بارے میں بتائیں اس کے بعد ہی میں یہ طے کروں گی کہ مجھے آپ کو کچھ بتانا چاہیے یا نہیں۔“

چار پائیاں پر بیٹھی ہوئی عورت جیسے آدھے چہرے کو ڈھانچے ہوئے اس عورت کو پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ برقع میں



جون عورت ہجو ویرنا موٹا رہی پھر اس عورت کو پہچاننے کی کوشش کر رہی تھی۔ برقع میں جیوں عورت چہرہ ویرنا موٹا رہی پھر اس نے یہ وہ جیسے کسی فیصلے پر پہنچتے ہوئے کہا۔

”وہ دونوں میرے بچے ہیں۔“

چارپائی پر بیٹھی ہوئی عورت کا منہ حلا کا حلا رو گیا۔ ایشوری طور پر ان دونوں میں سے کسی کے منہ سے یہی سننے کی توقع رکھنے کے باوجود اسے یہ امید نہیں تھی کسی توقف کے بغیر ایک ہی سوال پر اتنے ڈائریٹ انداز میں وہ ان بچوں کو اپنی اولاد تسلیم کر لے گی کچھ دیر تک وہ یہ سمجھ ہی نہیں سکی کہ اسے کیا کہنا چاہیے یا اس کے بعد آگے کیا پوچھنا چاہیے۔

”اب تو آپ ان دونوں بچوں کے بارے میں مجھے بتا دیں گی؟“ برقع والی عورت نے چہرہ ویرنا اس کی طرف سے کسی رد عمل کا انتظار کیا اور پھر سوال کیا۔

”وہ تمہارے بیٹے تھے تو تم نے انہیں کوزے پر کیوں پھینک دیا؟“ اس سوال کا جواب جانتے ہوئے بھی چارپائی پر بیٹھی ہوئی عورت یہ پوچھے بغیر نہیں رو سکی۔

”آپ اندازہ لگا سکتی ہیں کہ میں نے ان کو کیوں پھینک دیا۔“ برقع والی عورت کا اگلا جواب بھی اتنی ہی صاف تھا کہ چارپائی پر بیٹھی ہوئی عورت ایک بار پھر جیسے لاجواب ہو کر رہ گئی۔

”ہاں کوزے؟“ اس نے کچھ دیر تک پیس جھپکائے بغیر برقع والی عورت کی کا جلی جلی آنکھوں کو دیکھتے ہوئے جیسے بے

تنبہگی سے پوچھا۔

”ہاں!“ برقع والی عورت جیسے صاف موٹی کی انتہا پر پہنچ رہی تھی۔

”جب پھینک دیے تو پھر اب اتنے سالوں کے بعد ان کا خیال کیوں آ گیا؟“ چارپائی والی عورت کی آواز میں اب ملامت جنک رہی تھی۔ ”وہ تو اب بھی نہ جاڑی ہوں گے۔ اب اٹھارہ انیس سال کے بعد ان کی کیا ضرورت آن پڑی۔“

برقع والی عورت کی آنکھوں کا رنگ بدلنا اس کی آنکھوں میں نمی آئی تھی یا پھر وہ مسکرائی تھی۔ دونوں میں سے یہ تھا وہ یہ طے نہیں کر پائی۔

”جاڑ ہو یا نہ جاڑ۔ اپنی اولاد کا خیال تو آتا ہی ہے۔“ برقع والی عورت مدہم آواز میں بولی۔ ”کتنا بھی وقت گزر جائے میں انہیں بھول تو نہیں سکتی۔ ماں ہوں۔“

چارپائی پر بیٹھی عورت کی سمجھ میں نہیں آیا وہ اس سے کیا کہے۔ اسے دھتکارنے ملامت کرنے بھردری جنائے۔ یا پھر۔

”کسی نے انہیں گود لے لیا تھا۔ یا دارالامان مجھو یا تھا؟“ برقع والی عورت نے اگلا سوال کیا۔

”پہلے تمہیں یہ پوچھنا چاہیے کہ وہ دونوں زندہ ہی گئے تھے؟“

چارپائی والی عورت نے طنز یہ انداز میں کہا۔ اس بار خا موٹا رہنے کی باری برقع والی عورت کی تھی۔ چند لمحے بالکل چپ رہنے کے بعد اس نے بے حد مدہم آواز میں کہا۔

”زندہ ہی گئے تھے؟“ چارپائی والی عورت نے اس کی آواز سے زیادہ اس کے ہونٹوں کی حرکت سے اس کے جملے کو سمجھا۔

”ہاں بد قسمتی سے۔“ چارپائی والی عورت کا لہجہ طنز یہ تھا برقع والی عورت نے بے اختیار مبرا سانس لیا۔ چارپائی والی عورت نے اسے قدرے حیرانی سے دیکھا۔ کیا بے تابی تھی جو وہ عورت اتنے سالوں بعد وکھاری تھی۔ کیا اسے ماسٹا کہا جا سکتا تھا؟

”کس نے اٹھایا تھا انہیں؟“ اس بار اس کی آواز میں تیزی تھی۔

”جس نے بھی اٹھایا تھا۔ بڑی بری حالت میں اٹھایا تھا مرنے والے بورہے تھے دونوں۔ لڑکے کو تو چوبوں نے اُدھیر ڈالتا تھا۔“

برقع والی عورت کے منہ سے نے اختیار سسکی نکلی۔ ”پھر؟“

”پھر کیا؟“ چورپائی وانی عورت کے انداز میں اب سر مہجری آگئی تھی۔ ”زندہ بچے گئے وہوں۔ بتا آ رہی ہوں تمہیں۔“

”کس کے پاس ہیں وہ وہوں؟“

”ایک بیوہ عورت نے گود لے لیا تھا ان وہوں کو۔“ چورپائی وانی عورت بتاتے بتاتے کہتی۔ ”ابھی نے جان بچائی اس لڑکے کی بے چارگی سے لے کر جھجھکے پھرتی رہی۔ پھر اس نے ان وہوں کو پالنے کا فیصلہ کر لیا۔“

چورپائی وانی عورت بات کرتے کرتے ایک پار پھر گئی۔ اسے جیسے اب یاد آ رہا تھا کہ اسے اس عورت کو یہ ساری معصومات دینے کے بجائے صرف ملامت کرنا چاہیے تھی۔ ”جان بچا ہے اگر میرا شوہر سن لے تو ابھی ان وہوں عورتوں کو دیکھ دیتے ہو گے گھر سے نکال دے۔“ اس نے چند لمحوں کے لیے سوچا۔

”اور اس کے ساتھ ساتھ میری ممت بھی نردے کہ میں نے اس قسم کی عورتوں کو گھر میں بلا کر بٹھا رکھا ہے۔“ اس کے خیال کی رواب کی اور مت جانے لگی تھی۔

”اور ذرا اس عورت کو دیکھو۔ یوں برقع پہنے بیٹھی ہے جیسے بڑی ہی ساتری ہو۔“

”آپ مجھے میرے بچوں کے بارے میں بتا رہی تھیں۔“ برقع وانی عورت نے اسے مخاطب کیا شاید وہ اس کی خاموشی سے پریشان ہو گئی تھی۔

”ہاں۔ بتا رہی تھی۔ بعد بتا چکی ہوں۔“ اس نے جواباً تڑپتی سے کہا۔

”آپ نے مجھے اس عورت کے بارے میں نہیں بتایا۔“

”تو تو یہاں بیوہ عورت تھی۔“

”آپ مجھے اس عورت کا پتہ بتاؤں میں اس کے گھر جانا چاہتی ہوں۔“

”کیسے بتاؤں؟“ اس کے انداز نے برقع وانی عورت کو پتہ لگایا۔

”یہ مطلب؟“

”اس کا پتہ میرے پاس ہو گا تو میں بتاؤں گی نہ۔“

”تو کیا وہ اس محلہ میں نہیں رہتی۔“

”پہلے رہتی تھی۔ اب نہیں رہتی۔“

”اب کہاں ہیں؟“

”وہ ان بچوں کے مرنے کے چھ عرصہ کے بعد ہی یہاں سے چلی گئی تھی۔“

”مگر کہاں؟“

”مجھے کیا پتا کہاں۔“ وہ اس کے سوالوں سے بیزار ہو گئی تھی۔

”مگر آپ کو پتہ اندازہ تو ہو گا۔“

”چند روزوں یا سال پہلے اگر کوئی محلہ چھوڑ کر چلا جائے تو اس کا کیسے پتہ رکھا جاسکتا ہے۔“

”پھر بھی آپ کچھ نہ کچھ تو مدد کر سکتی ہیں میری۔“ برقع وانی عورت اب گڑبگڑانے لگی۔ ”اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ معصومات تو مجھے دے ہی سکتی ہیں۔“

”کیسی معصومات؟“

”اس عورت کا نام وہ کیا کرتی تھی اس کے کوئی رشتے دار یا جاننے والے۔“

”اور تم یہ سب کچھ جان کر کیا کرو گی۔ اس عورت کے پاس جاؤ گی؟“ چورپائی وانی عورت نے اسے مھورتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں۔“

”اور ان بچوں کو اس سے چھین لو گی؟“

اس بار برقعے والی عورت کچھ ہنسنے لگی۔

”نہیں۔ میں بچوں کو اس سے نہیں لوں گی۔ صرف انہیں دیکھنا ہی ہوتی ہوں۔“

”دیکھ کر کیا کرو گی؟“ وہ اب جیسے ہال کی حالت اتارنے پر توجہ دیتی تھی۔

”میں بچوں کو دیکھ کر کیا کرتی ہے؟“ اس نے جواباً سوال کیا۔

”کوڑے پر بچوں کو پھینک دینے والی ماں کیا کرتی ہے۔ یہ میں کیسے بتا سکتی ہوں۔“ اس نے ترقی پر ترقی کہا۔

”میری زندگی کی آخری خواہش ہے کہ میں ایک بار ان بچوں کو دیکھ لوں۔“

”اگر تمہاری زندگی کی یہ آخری خواہش ہے تو میں کیا کروں؟“ چارپائی والی عورت متاثر ہوئے بغیر بولی۔ ”مجھے جتنا پتہ

ہے تمہیں بتا چکی ہوں۔ اب تم دونوں یہاں سے جاؤ۔ میرا شمار آنے والا ہے۔ تم دونوں کو دیکھنے کا تو ناراض ہو گا کہ میں کیسی

کسی عورتوں کو گھر کے اندر بلا سکتی ہوں۔“

اس کے انداز میں رکھائی اپنی انتہا پہنچ گئی تھی۔

صوفے پر بیٹھی دونوں عورتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر برقع والی عورت نے کہا۔

”اگر آپ ہمیں معلومات فراہم کر سیں تو ہم اس کے بدلے آپ کی مانی مدد کر سکتے ہیں۔“

چارپائی پر بیٹھی ہوئی عورت ایک بار پھر جھومرے کے لیے چپ کی چپ رہ گئی تھی۔ برقع والی عورت اب اپنے بیگ کی

زپ کھول کر اندر سے کچھ بھاری مالیت کے کرنسی نوٹ نکال رہی تھی۔ چارپائی پر بیٹھی ہوئی عورت کے دل کی دھڑکن ایک دم تیز

ہو گئی۔ اس کی نظریں برقع والی عورت کے ہاتھوں کی حرکت کا تعاقب کر رہی تھیں۔ آج کا دن اس کے لیے اچھا ثابت ہو سکتا

تھا۔ اس کے ذہن میں بے اختیار خیال آیا۔

”کیا جانتا جا رہی ہیں آپ؟“ اب اس کی آواز میں ترشی یا تلخی کا شائبہ بھی نہیں تھا۔ برقع والی عورت کے ہاتھ میں دس

بارہ بھاری مالیت کے کرنسی نوٹ دبے ہوئے تھے اور چارپائی پر بیٹھی ہوئی عورت کی نظریں بارہویں آگئی ہوئی تھیں۔

”مجھے آپ اس عورت کے بارے میں جو کچھ بتا سکتی ہیں بتا دیں۔ اگر رابطہ کرنا سہولتوں میں آپ کو اس کے علاوہ اور رقم

بھی دوں گی۔“

برقع والی عورت نے بڑی خوش اخلاقی سے ان نوٹوں کو اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔ چارپائی پر بیٹھی ہوئی عورت

کے ہاتھ کا پھینکے گئے۔

”معلومات۔ معلومات۔“ اب اس کا ذہن ان ہی دو لفظوں کے گرد گردش کر رہا تھا۔ وہ کس طرح ان کو زیادہ سے زیادہ

معلومات دے سکتی تھی کہ اس بھاری رقم کی اہل ٹھہرتی اس نے اپنے ہاتھوں کی لڑش پر قابو پاتے ہوئے برقع والی عورت کے

ہاتھوں سے نوٹ لے لیے۔

”آپ کے لیے چائے یا شربت کچھ لاؤں؟“ نوٹوں کے ساتھ ہی ایک دم اس کو مہمان نوازی کے فرائض یاد آ گئے۔

برقع والی عورت اب ”تم“ سے ”آپ“ ہو گئی تھی۔

”نہیں، ہمیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ برقع والی عورت نے جواباً کہا۔ ”آپ ہمیں صرف اس عورت کے بارے

میں بتا دیں۔“

”اس عورت کا نام...“ چارپائی پر بیٹھی ہوئی عورت نے اپنے ذہن کو کئی سال پیچھے لوٹایا۔ اور اس کے ساتھ ہی اس نے

کچھ اور بھی طے کر لیا تھا۔ وہ جنسی جموںی معلومات ان دونوں عورتوں کو دے سکتی تھی دے گی۔ وہاں کوں یہ طے کرنے والا تھا کہ وہ

بچا کبہری تھی یا جموت اور اس کا جموت اس کے ہاتھوں میں موجود کرنسی نوٹوں کی تعداد میں اضافہ کرنے والا تھا۔

برقع والی عورت اب بے تابانی سے وہ سب کچھ سن رہی تھی جو وہ اسے بتا رہی تھی۔

## اکیسواں باب

”دشمن شہیر بس کے انتظار میں بس اسناپ پر کھڑا تھا۔ جب ایک سیاہ نسانا یہ دم اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔ شہیر نے گاڑی کے اندر جھانکنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ چند قدم پیچھے ہٹ کر کھڑا ہو گیا۔ اس کا خیال تھا کہ گاڑی کسی اور کو دیکھ کر رہی ہے۔ بس اسناپ پر اور بھی بہت سے لوگ تھے۔ تب ہی ڈرائیوٹ سینٹ پر موجود عورت نے کھڑکی کا شیشہ نیچے کیا اور باہر جھانکتے ہوئے شہیر کو مخاطب کیا۔

”ہیلو شہیر!“ شہیر نے چونک کر اسے دیکھا۔ سیاہ چشمہ لگائے وہ عورت مسکراتے ہوئے کھڑکی سے گردن باہر نکالے اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے اس کا چہرہ شناسا لگا مگر وہ فوری طور پر اسے پہچان نہیں پایا۔ قدرے الجھی ہوئی نظروں سے وہ اسے دیکھنے لگا۔

”آؤ۔ کہاں جاتا ہے؟ مس ڈراپ کر دیتی ہوں۔“ شائستہ نے اس کے تاثرات پر غور کیے بغیر کہا۔

”سواری میں نے آپ کو پہچانا نہیں؟ شہیر نے جواباً وین کھڑے رہنے کے بجائے چند قدم آگے بڑھ کر شائستہ سے کہا۔ اس کے جملے پر شائستہ نے اپنا چشمہ اتار لیا۔

”اوہ۔ مسز بارون کمال۔“ شہیر کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ وہ اسے پہچان گیا تھا۔ شائستہ بے ساختہ مسکرائی۔

”مجھے خوشی ہوئی تم نے مجھے پہچان لیا۔“ اس نے بڑی بے تکلفی کے ساتھ دوسری طرف کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

”آؤ بیٹھو مس ڈراپ کر دیتی ہوں۔“ اس کی بے تکلفی نے شہیر کو دنگ کر دیا۔

”نہیں شکر یہ مسز بارون! میری بس آنے والی ہے مس چلا جاؤں گا۔“

”کم آن۔ اتنے تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ مس ڈراپ کر دوں گی۔“ شائستہ نے اصرار کیا۔

”آپ کو زحمت ہو گی۔“

”نہیں ہو گی۔ میں اسی طرف جا رہی ہوں۔ آؤ بیٹھو۔“ شائستہ نے اس کی بت کانٹے ہوئے کہا۔ وہ پوچھ نہیں سکا کہ کس طرف آخروہ کیسے جانتی تھی کہ وہ کس طرف جا رہا تھا۔

اس نے مزید کوئی سوال کرنا مناسب نہیں سمجھا بس اسناپ پر کھڑے سارے لوگ بڑی دلچسپی سے ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سن رہے تھے۔

وہ فٹ پاتھ سے اتر کر دوسری طرف سے ہوتے ہوئے فرنٹ سینٹ پر بیٹھ گیا۔ مگر اس کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔

”کہاں جاتا ہے تمہیں؟“ شائستہ نے مسکراتے ہوئے گلاسز دوبارہ آنکھوں پر چڑھا لیے اور گاڑی آگے بڑھاتے ہوئے شہیر سے پوچھا۔ اس نے چونک کر شائستہ کی طرف دیکھا۔ کچھ دیر پہلے وہ کہہ رہی تھی کہ وہ جانتی ہے اسے کس سمت جانا ہے اور اب وہ اس سے راستہ پوچھ رہی تھی۔

شائستہ اس کے تاثرات سے جیسے اس کا سوال جان گئی۔ اس لئے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”بھئی وہ تو میں نے ایسے ہی کہہ

وہ تو کہ میں بھی اسی طرف جا رہی ہوں ورنہ مجھے کیا پتہ کہ تمہیں کس طرف جانا ہے۔“  
 ”میں نے اسی لیے آپ سے کہا تھا کہ آپ کو زحمت ہوگی۔ یہاں سے میرے آفس کا قافلہ بہت زیادہ ہے۔“ شہیر  
 نے قدرے سنجیدگی سے شائستہ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ ”وہ اسے سمجھ نہیں پا رہا تھا۔  
 ”اوو آفس جانا ہے۔ اس وقت کس لیے اب تو شام ہو رہی ہے؟“ شائستہ نے گاڑی کی اسپینڈ بڑھاتے ہوئے کہا۔  
 ”میں پارٹ ہائیم کام کرتا ہوں وہاں۔“

شہیر نے اسے اپنی پہلی کام بنایا شائستہ کے کئے بعد دیگرے سوالات اسے اور اٹھا رہے تھے۔  
 ”اور معراج ظفر کی سہنی میں کام کرتے ہو تم۔“ شائستہ نے کچھنی کا نام سنتے ہی اس کے سی۔ ای کا نام لیا۔ شہیر کی سنجیدگی  
 میں کچھ اور اضافہ ہو گیا۔

”میرے بہت اچھے دوست ہیں وہ۔“ شائستہ نے مزید کہا۔ شہیر جواباً خاموش رہا۔  
 ”اچھا آدی ہے۔“ شائستہ نے تہرہ کیا۔

”ہاں۔“ شہیر نے ایک حرفی جواب دیا۔ گاڑی میں کچھ دیر بیٹھ رہی پھر شائستہ نے کہا۔  
 ”کہاں رہتے ہو تم؟“ شہیر نے اسے اپنے گھر کا پتہ بتایا۔  
 ”کب سے رو رہے ہو وہاں؟“

”بہت عرصے سے۔“  
 ”کتنے عرصے سے؟“ شائستہ جیسے بال کی کھال اتار رہی تھی۔  
 ”مولہ سترہ سال سے۔“

”اور اس سے پہلے کہاں رہتے تھے؟“  
 ”پتہ نہیں۔ امی کو پتا ہوگا۔ میں نہیں جانتا۔“ شہیر نے ہموار انداز میں کہا۔  
 ”کتنی عمر ہے تمہاری؟“ شہیر نے گردن موڑ کر شائستہ کو دیکھا وہ اس کے سوالوں کی نوعیت سمجھنے سے قاصر تھا۔  
 ”بائیس سال۔“ اس بار شائستہ نے کچھ نہیں کہا۔ وہ چپ چاپ گاڑی ڈرائیو کرتی رہی۔ شہیر نے اس کے سوالات ختم ہو  
 جانے پر خدا کا شکر ادا کیا۔ مگر اس کا اندازہ غلط ثابت ہوا۔

”تمہارے فادر کیا کرتے ہیں؟“ شائستہ نے اگلے ہی لمحے سوال کیا۔  
 ”میں نے کچھلی ملاقات میں آپ کو بتایا تھا۔“ شہیر نے اسے کچھ یاد دلانے کی کوشش کی۔ شائستہ نے اس کی بات  
 کا تہہ ہونے کہا۔

”ہاں کہ ان کا انتقال ہو چکا ہے۔ جب وہ زندہ تھے تب کیا کرتے تھے؟“  
 ”وہ بھی ٹھہرتے۔“

”ان کی ڈیوٹی کو کتنا عرصہ ہو گیا؟“  
 ”مجھے یاد نہیں۔“

شائستہ نے چونک کر اسے دیکھا۔  
 ”کیوں؟“

”میرے ہوش سنبھالنے سے پہلے ہی ان کی ڈیوٹی چھ ہو چکی تھی۔“ شہیر نے سنجیدگی سے کہا۔ شائستہ کے سوال اب اسے  
 مجھنا ہٹ میں جتا کر رہے تھے۔

”کتنے بہن بھائی ہو تم لوگ؟“ شائستہ جیسے خاموش نہ رہنے کا تہہ کئے ہوئے تھی۔

”تین۔ دو بھائی اور ایک بہن۔ آپ تینوں سے مل چکی ہے۔“ شہیر نے ایک بار پھر جیسے اسے یاد دلانے کی کوشش کی۔

”اگر سے ہاں۔ تمہاری بہن سے بھی تو اس دن فی تھی۔ پنی سی کی اپنی میں۔“ شائستہ نے مسکراتے ہوئے بولیں۔ ”مگر مزید بات نہیں ہوئی اس سے۔ سنا چھوٹے بھرتے؟“

”مگر اور کتنی جڑواں ہیں۔“

”اوہ۔“ شائستہ نے کہا۔ ”مجھے اندازہ کر لینا چاہیے تھا۔ دونوں کی شکلیں آپس میں بہت جتنی ہیں۔ شائستہ نے کہا۔ شہیرہ اس کا لہجہ بہت کھوکھلا رہا۔

”اس کا مطلب ہے کہ تمہاری مرنے تم لوگوں کی پرورش اسی کی ہی ہوئی۔ یہ پھر تمہارے فارم یا مدرن ٹیسی نے بھی تم لوگوں کو سپورٹ کیا؟“

اس نے ایک بار پھر بے حد عجیب سوال کیا۔ شہیرہ اب ان سوالوں سے کھس کھس پر بیزار ہو چکا تھا۔ ”میری امی یا ابو کی ٹیسی ہے، ہمارا کوئی رابطہ نہیں ہے۔ ان دونوں کی ٹیسی زیادہ بڑی نہیں تھی اور جو چند وہ ہیں بھی وہ بہت دور رہتے ہیں۔ امی نے اسی کی ہی بہاری پرورش کی ہے۔“

وہ جواب دیے بغیر نہیں رہ سکتا تھا اور اب اسے شہر پر بے حد تڑپا رہا تھا جس کی وجہ سے وہ سرتھہ جیسی ہوئی عورت سے متعارف ہوا تھا۔

”تمہاری شکل کس سے جتنی ہے۔ اپنی امی سے یا فادر سے؟“ شہیرہ کو اندازہ نہیں تھا وہ اب اس طرح کے پچکانے سوالوں پر اتر آئے گی۔ مگر وہ یہ نہیں جانتا تھا ان ”پچکانے“ سوالوں کے ذریعے شائستہ کیا جاننے کی کوشش کر رہی تھی۔

”میں نے اپنے ابو کو نہیں دیکھا۔ میری شکل امی سے ہی جتنی ہے۔“ شہیرہ نے اس پر اٹھتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے سر مہری سے کہا۔

”آپ مجھے یہاں اتار دیں۔ میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔ مجھے یہاں کا کچھ بھی ہے۔“ اس سے پہلے کہ شائستہ اس سے مزید کچھ پوچھتی شہیرہ نے اس سے کہا۔

”مگر تمہیں تو آفس جانا تھا؟“ شائستہ نے کہا۔

”ہاں۔ مگر اس سے پہلے مجھے یہاں ایک دوست سے منا ہے۔ آفس یہاں سے تو قریب ہی ہے میں پیدل چلا جاؤں گا۔“ شہیرہ نے بہت مہذب لہجے میں کہا۔ ”آپ پلیز مجازی یہاں روک دیں۔“

اس نے ایک سائن بورڈ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ شائستہ نے اس پر کچھ نہیں کہا اس نے خاموشی کے ساتھ مجازی شہیرہ کی بات کی ہوئی جگہ پر روک دی۔

”آپ کا بہت شکریہ۔“ شہیرہ نے مجازی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ ”آپ نے میرے لیے خاصی زحمت اٹھائی۔“

”کسی زحمت؟“ شائستہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”میں نے تمہیں بتایا تو تھا میں پہلے ہی اسی طرف آ رہی تھی۔“

شہیرہ نے قدرے عجیب سی نظروں سے اس کی طرف دیکھا۔ اس سے پہلے کہ وہ مجازی سے اترتا۔ شائستہ نے اس کے کندھے کو تھپتھپایا۔ ”تم سے مل کر مجھے بہت خوشی ہوئی ہے۔“

شہیرہ اس کے ہنسل کی طرف متوجہ نہیں تھا۔ اس نے بہت حیرانی سے اپنے کندھے پر رکھے اس کے ہاتھ کی طرف دیکھا۔ شائستہ اس کی نظروں میں کچھ اور نیچے آئی تھی۔ مزید کچھ کہے بغیر وہ مجازی کا دروازہ کھول کر نیچے اتر گیا۔ اس نے مز کر بیچھے نہیں دیکھا۔ شاید بیچھے مز کر دیکھ لیتا تو شائستہ کے چہرے کے تاثرات اسے اور حیران کرتے۔ وہ پلٹیں جھپکائے بغیر دور جاتے ہوئے شہیرہ کو دیکھ رہی تھی۔ وہ مزک پار کرنے کے بعد اب دوسری طرف فٹ پاتھ پر آگے بڑھتا جا رہا تھا۔

☆☆☆

”تم کہیں جا رہی ہو؟“ مزیزہ نے اس صبح امبر کو تیار ہوتے دیکھ کر پوچھا۔

”ہاں!“ اس نے اپنے کپڑے پر پس کرتے ہوئے کہا۔

”نہیں جاری ہو؟“  
 ”ہاں تک۔“ امبر نے مختصر جواب دیا۔ اس نے پوری توجہ اپنے پتروں پر تھی۔

”کچھ خریدنا ہے تمہیں؟“

”اگر میں مارکیٹ جا رہی ہوں تو خراب ہے کچھ خریدنے کے لیے ہی جا رہی ہوں۔“ اس نے ایک دہرا سرائی سرائی کرنا شروع کر دیا۔  
 ”اب آپ پوچھیں گی کہ مجھے کیا خریدنا ہے۔“ اس کے انداز میں جی سی : ہوا رہی تھی۔ ”اور پھر ہمیں گی کیوں خریدنا ہے۔ صاف تو ہر روز کچھ جاتی ہے آپ اس سے تو اتنے لمبے پتروں سے سوال نہیں کرتیں۔“ اس نے جیسے نیزہ سے شکوہ کیا۔  
 ”صاف جاپن کا شاکس کے لیے مختلف قسموں پر اندھا دیکھ دینے جاتی ہے۔“ نیزہ نے جواباً کہا۔ ”اور پھر گھر کے سامان کے لیے بھی اسے ہر روز ہمیں نہ کہیں جاتا پڑتا ہے۔“

امبر نے نیزہ کی بات کا تہہ دہنی۔ ”اور میں آوارہ روئی کے لیے جا رہی ہوں آپ کی کہنا جانتی ہیں؟“  
 ”میں نے یہ سب کہا ہے۔“ نیزہ دھچکے ٹرڈا میں۔

”آپ ابھی یہی کہنے والی تھیں۔“

”میں ایسا کچھ نہیں کہنے والی تھی۔ تم تیار ہو جاؤ۔ میں بھی تمہارے ساتھ جیتی ہوں۔“  
 امبر پتروں پر نہیں کرتے ہوئے رک گئی اور اس نے سرائی کرنا سرائی سے نیزہ کو دیکھا۔

”آپ صاف کے ساتھ ہر روز جاتی ہیں؟“

”نہیں مگر۔“ امبر نے اسے بات مٹھل نہیں کرنے دی۔

”اگر آپ اس کے ساتھ نہیں جاتی تو پھر میرے ساتھ کیوں جا رہی ہیں؟“

”تم کو اسیلے آنے جانے میں دقت ہوگی۔“

”پہلے بھی تو میں ہر جگہ اسیلے جاتی تھی۔“

”پہلے کی بات اور تھی۔ پہلے گاڑی ہوتی تھی اب تمہیں اس کے بغیر جانا ہے۔“

”میں جا سکتی ہوں اور میں اسیلے ہی جاؤں گی۔“

نیزہ کچھ دیر قدرے بے بسی سے اسے دیکھتی رہی۔ ”اور واپس کب آؤ گی؟“

امبر کچھ دیر کے لئے جیسے کسی سوچ میں ڈوب گئی۔

”واپس؟ میں جدیدی واپس آ جاؤں گی۔ ایک گھنٹہ۔ نہیں دو تین گھنٹے یا پھر اس سے کچھ زیادہ۔“ وہ کچھ سوچتے ہوئے

اچھے انداز میں بار بار اپنی صحیح کرتی رہی۔ نیزہ اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے خاموش ہو گئیں۔

تیار ہونے کے بعد گھر سے نکلنے سے پہلے امبر نے اپنا بیگ کھول کر اندر سے والٹ نکالا اور اس میں موجود ایک وزینگ کارڈ نکال کر کچھ دیر اسے دیکھتی رہی۔ پھر کارڈ واپس والٹ میں رکھ کر اس نے بیگ میں رکھ دیا۔ تب اس کا ہاتھ بیگ کے اندر پڑی کسی چیز سے ٹکرایا۔ اس نے مسکراتے ہوئے اسے باہر نکال لیا۔ وہ ایک ڈائمنڈ ٹائی پن تھی۔

گھر سے باہر نکل کر محلے کی گلیوں میں سے گزرتے ہوئے ایک دم اسے احساس ہوا کہ وہ لوگوں کی توجہ کا مرکز بن رہی تھی۔ اس کی خوبصورتی اس کا رکھ رکھاؤ اس کا لباس اس کا انداز۔ اور سب سے بڑھ کر سر کو ڈھانپنے کے بجائے گلے میں لاپرواہی سے لٹکا ہوا دوپٹہ اسے اس وقت وہاں سب سے ممتاز کر رہا تھا۔ یا پھر شاید کسی حد تک عجیب بنا رہا تھا۔ وہ کسی بھی طرح اس محلے میں رہنے والی دیگر عورتوں کی طرح نہیں لگ رہی تھی۔ اور وہ منٹوں میں اس نے جن گلیوں کو پار کیا تھا۔ وہاں چلتے پھرتے مردوں کی زبانوں پر اس کا نام نہیں مگر تہہ کہ ضرور آ گیا تھا۔ وہ وہاں سے گزرتے ہوئے ہر جگہ اپنا تعارف چھوڑتی جا رہی تھی۔

صاف بہت سی باتوں کے بارے میں ایک عام لڑکی کے مقابلے میں زیادہ سمجھ دار اور حساس تھی۔ اس نے اس محلے میں آنا

جنا شروع کرتے ہی نہ صرف اپنے لباس اور حلیے مناسب تبدیلی کرنی تھی بلکہ وہ اپنے سے باقاعدہ طریقے سے سر ڈھونڈنے لیتے تھے۔ اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ ایسا نہ کرنے کی صورت میں وہاں انہیں عام طور پر اور اسے خاص طور پر کتنے مسائل کا سامنا ہوسکتا تھا۔ مگر وہ امبر کو اس بارے میں بتانے سے گریز کرتی تھی۔ یا پھر شاید اسے ابھی یہ اندازہ ہی نہیں تھا کہ امبر اس طرح ایک دن اچانک اس کی عدم موجودگی میں گھر سے نکل پڑے گی۔ اسے اندازہ ہوتا تو وہ امبر کو بھی ان تمام باتوں کے بارے میں کسی نہ کسی حد تک خبردار ضرور کر دیتی۔

اور اب امبر جب اپنے پرانے حلیے میں اسی لا پرواہی کے ساتھ وہاں سے گزر رہی تھی تو وہ وہاں موجود مردوں کی نظروں کو اپنے وجود کو اندر چھپاتا ہوا محسوس کر رہی تھی۔ اور ایسا کیوں تھا وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی۔

وہ اس دن بارون کمال کو فون کرنے کے لیے گھر سے باہر نکلی تھی۔ انہیں وہاں اس گھر میں منتقل ہوئے دو مہینے ہو گئے تھے۔ اگرچہ سیزونے اسے بارون کمال کی بیرون ملک روانگی اور قیام کے بارے میں بتایا تھا اس کے باوجود امبر اسے فون کرنے کے لیے جلی آئی تھی۔ اسے ایک موبوہوم سی امید تھی کہ شاید وہ بیرون ملک سے جلد واپس آ گیا ہو۔ بارون کمال کی مائٹی پن اس کی زندگی کا جزو لاینفک بن گئی تھی۔ وہ زیادہ تر وقت اسے دیکھتے ہوئے گزار دیتی مائٹی پن میں لگا ہوا امبر اس کی زندگی میں ایک عجیب سی روشنی لے آیا تھا۔ اس کا ذہن مستقل طور پر بارون کمال سے ہونے والی اس ملاقات کے بارے میں سوچتا رہتا تھا۔ ایک دم کسی کھائی میں جا گرا تھا۔

اس علاقے سے بہت دور ایک ہیرمارکٹ میں جا کر اس نے ایک فون بوتھ سے بارون کے موبائل پر اسے کال کیا۔ موبائل کی بیل بجنے لگی۔ امبر کا دل بے اختیار دھڑکنے لگا۔ یعنی اس سے بات ہو سکتی تھی۔ مگر یہ بھی ممکن تھا کہ اس کے بجائے اس کی بیوی یا کسی اور سے بات ہو۔ ایک امید نے اس کا دل دھڑکا یا تو ایک خدشے نے اس کا دل دہرایا۔

چند بار بیل بجنے کے بعد کسی نے کال ریسیو کی تھی۔ دوسری طرف سے بارون کمال ہی کی آواز ابھری تھی۔

”ہیلو! امبر کو لگا جیسے اس کا دل یک دم اچھل کر حلق سے باہر آ گیا ہو۔“

”ہیلو! بارون نے جواب نہ منے پر دو بارہ کہا تھا۔ امبر نے خود پر قابو پاتے ہوئے کہا۔“

”ہیلو۔ میں امبر ہوں۔“ اس نے جیسے جھمکتے ہوئے اپنا تعارف کروایا۔

”مائٹی گڈنٹس۔“ دوسری طرف سے بارون کمال کی سنجیدہ آواز میں یک دم ایک عجیب سا جوش شامل ہو گیا۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا کہ تم مجھے کال کر رہی ہو۔“

”کیوں کیا میں آپ کو کال نہیں کر سکتی۔“ اس کے جوش نے اس کی خوشی میں اضافہ کیا۔

”میں یقین تو خود کو دلانے کی کوشش کر رہا ہوں کہ تم بھی مجھے کال کر سکتی ہو۔“ بارون نے دوسری طرف سے کہا۔ ”تم

کیسی ہو؟“

”میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسے ہیں؟“

”میں بھی بالکل ٹھیک ہوں۔“

”آپ پاکستان کب واپس آئے؟“

”چند دن ہی ہوئے ہیں۔“

”اور آپ نے ہم لوگوں سے کانٹیکٹ کرنے کی کوشش نہیں کی۔“ امبر نے بے اختیار شکوہ کیا۔

”میں ابھی کانٹیکٹ کرنے کا سوچ ہی رہا تھا مگر تم نے پہل کر دی۔ فون کہاں سے کر رہی ہو؟“ بارون کمال کو یک دم

خیال آیا۔

”ایک بی بی اے۔“

”کیوں تم لوگوں نے فون نہیں لگوایا؟“



”نہیں۔“  
 ”اس وقت کس جگہ پر ہو؟“ امبر نے اسے اپنا محل قوت بتایا۔  
 ”تم وہیں رہو میں آدھ گھنٹہ تک وہاں پہنچتا ہوں۔“ بارون کمال نے جواب کہا۔

☆☆☆

آدھے گھنٹہ کے بعد وہ واقعی وہاں موجود تھا۔ گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر اس کے برابر میں بیٹھے ہوئے امبر نے یاد کرنے کی پوشش کی کہ وہ آخری بار کب کسی گاڑی کی فرنٹ سیٹ پر بیٹھی تھی اور کس کے ساتھ اسے فوری طور پر یاد نہیں آیا۔  
 بارون ہمیشہ کی طرح بہت باوقار اور پُرکشش لگ رہا تھا اور خلاف معمول وہ خاموش بھی نظر آ رہا تھا اس کی خوشی اس کے چہرے پر چمکی جاسکتی تھی۔

”لاگ ڈرائیو پر چلتے ہیں۔“ بارون نے گاڑی کی اسپینڈ بڑھاتے ہوئے کہا۔  
 ”مجھے گھر جلدی جاتا ہے۔“ امبر دُعا چاکھ میزوں کی ہدایات یاد آئیں۔  
 ”کیوں؟“ بارون کمال تک دم سنجیدہ ہو گیا۔

”مہی نے مجھے جلدی آنے کے لیے کہا تھا۔“ امبر نے اس سے کہا۔

”اور میری خواہش ہے کہ تم دیر سے جاؤ۔“ بارون کمال کے انداز میں بلا کا اطمینان تھا۔  
 امبر جواب میں کچھ کہنے کے بجائے چہرے پہ ہلکی سی مسکراہٹ لئے اس کے چہرے کو دیکھتی رہی پھر دنڈ اسکرین سے باہر دیکھنے لگی۔

”How do you feel now?“ (کیسا لگ رہا ہے تمہیں) بارون کمال نے ایک دم اس سے پوچھا وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

”میڈیسن باقاعدگی سے لے رہی ہو؟“ اس کے اگلے سوال نے امبر کی حیرانی کو دور کیا۔

”میڈیسن؟ ہاں۔“ امبر کو اس کی توجہ اچھی لگی۔

گاڑی میں کچھ دیر خاموشی رہی پھر امبر نے بارون سے کہا۔

”میں نے ان دنوں آپ کو بہت مس کیا۔“

بارون کے چہرے پر نظر آنے والی مسکراہٹ اور گہری ہو گئی۔

”کیا میں یقین کر لوں کہ میں واقعی کئی ہوں؟“

”آپ کو یقین کر لینا چاہیے۔ کوئی سوال پوچھتے بغیر۔“ امبر جواباً بولی۔

”میں نے بھی تمہیں بہت مس کیا۔“ بارون کہنے لگا۔ ”مجھے اندازہ ہی نہیں تھا کہ تم میرے لیے اتنی اہم ہو چکی ہو۔ صرف

یہاں سے جانے کے بعد مجھے احساس ہوا کہ میرے لیے اب تمہارے بغیر رہنا کتنا مشکل ہو گیا ہے۔“

امبر کو اس کے اظہار نے عجیب قسم کی خوشی دی۔ وہ ایسی بہت سی باتیں بہت سال گزرنے سے سنتی رہی تھی۔ وہ ان باتوں

کے بعد غلطی کا رد عمل بھی دیکھ چکی تھی۔ وہ محبت کے نام پر اپنی زندگی کا سب سے بڑا دھوکہ کھا چکی تھی۔ اس کے باوجود وہاں بیٹھے

بارون کمال کے منہ سے نکلنے والے پُر فریب لفظ اسے صرف اس لیے اچھے لگ رہے تھے کہ وہ دھوکا تھے اور انسان کو فریب کھاتا

اور دینا دونوں ہی ہمیشہ سے بہت پسند رہے ہیں۔

”کیا کرتی ہو گھر میں سارا دن؟“ بارون نے ایک دم موضوع بدل دیا۔

امبر ابھی اسی موضوع پر اس سے بہت کچھ سنتا چاہتی تھی۔ بارون کمال کے موضوع بدلنے پر وہ قدرے مایوس ہوئی۔

”میں کچھ نہیں کرتی۔ وہاں کرنے کے لیے کچھ ہے ہی نہیں۔ میں سارا دن اپنے کمرے میں رہتی ہوں۔“ امبر نے سوچتے

ہوئے جیسے اس سے کوئی شکرہ کیا۔

”تمہیں کوئی چاب کرائی چاہیے۔“ ہارون نے کہا۔

”جواب؟“ امبر جیسے حیران ہوئی۔ ”جواب۔ مجھے چاب توں دے گا۔ میں اتنی کو بیٹا نہیں ہوں۔“

ہارون نے ہکا سہا قبضہ لگا دیا۔ ”عورت کی سب سے بڑی کوئی نصیحت اس کی خوبصورتی ہوتی ہے اور یہی اس کا واحد کوئی نصیحت ہے۔ اس کی ضرورت ہے جو سوسائٹی میں اس کی بقا کو ممکن بناتی ہے اور تمہارے بہت خوبصورت ہونے۔“

امبر کو اس کے جھولنے والے چہرے پر احساس دیا۔ ”امبر“ سے ”عورت“ پر آیا تھا۔ اور وہ بھی ”عورت“ ہے۔ ہارون کمال و چہرہ پر ہنسنے میں مدد حاصل تھا اس نے اس وقت بھی امبر کا چہرہ پر ہنسنے میں مدد نہیں کی۔

”اگر تمہیں بڑا لگے ہو تو میں ایک سہا ز کرتا ہوں۔ میں صرف ویسے ہی ایک بات کر رہا تھا۔ میں چاہتا تھا کہ تم چاب کر لو میرے پاس۔“ اس نے ایک ہر پھر پیسے کی طرف بات کو تھما دیا۔

”آپ کے پاس؟“ وہ سمجھ نہیں سکی۔

”مجھے آج کل ایک سیکرٹری کی ضرورت ہے۔“ ہارون نے بڑی سہولت سے کہا۔ ”اور میں چاہتا ہوں یہ چاب تمہیں دوں۔“

امبر سہا چہرے کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔

”اس لیے نہیں کہ تمہیں چاب کی ضرورت ہے صرف اس لیے کیونکہ میں چاہتا ہوں تمہارے وقت قیمتی انداز میں گزارا اور اس لیے بھی کہ میں زیادہ سے زیادہ وقت تمہارے ساتھ گزار سکوں۔“

ہارون کمال نے آخری جملہ ایک مسکراہٹ کے ساتھ ادا کیا۔ امبر اب بھی چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔

”میں یہ بھی چاہتا ہوں کہ جو سہولت میری سیکرٹری کو مل رہی تھی وہ تمہیں مل سکیں ایک اچھا ٹھکانہ، گاڑی اور بہت اچھی ہے۔ میں واقعی چاہتا ہوں کہ تم از سر تم اس حالات سے نکل آؤ جہاں تمہاری بہن تمہیں لے گئی ہے وہ جگہ تمہارے قابل نہیں ہے۔“

امبر کے چہرے پر اب بھی کوئی شرم نہیں آ رہا تھا۔

”بہت سی لڑکیاں ایسے Independently رہتی ہیں تم بھی رو سکتی ہو اگر اپنے اندر کچھ حوصلہ پیدا کرو۔“ ہارون اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہہ رہا تھا۔

”بہت سی لڑکیاں ایسے آزادانہ رہتی ہیں تم بھی رو سکتی ہو اگر اپنے اندر حوصلہ پیدا کرو۔“ ہارون نے امبر کے چہرے کو بخور دیکھتے ہوئے کہا۔

”اور میں جانتا ہوں۔ تم یہ کام بہت آسانی سے کر سکتی ہو۔“

”مٹی اور صفحہ بھی اس پر رضامند نہیں ہوں گی۔“

امبر نے طویل خاموشی کے بعد زبان کو کوئی ہارون خاموشی سے اس کا چہرہ پر بڑھ رہا تھا۔ وہ جیسے کچھ بخور رہی تھی۔

”اگر نہیں آپ کے گھر میں شفٹ ہونا ہوتا تو وہ پہلے ہی.....“

ہارون نے اس کی بات درمیان میں کاٹ دی۔

”میں ان کے شفٹ ہونے کی بات نہیں کر رہا میں تمہارے شفٹ ہونے کی بات کر رہا ہوں۔“

”اکیلے؟“ اسے جیسے یقین نہیں آیا کہ یہ ہارون کا مطلب یہ ہوگا۔

”ہاں یقیناً اکیلے۔“ ہارون نے اثبات میں سر ہلایا۔ امبر ہلکے ہلکے مسکرائی۔ اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”میں اکیلے نہیں رہ سکتی ہارون! یہ ناممکن ہے۔“ اور پھر میں ایسا سوچ بھی لوں تب بھی صاف اور جی اکیلے رہنے نہیں دین

”میں۔“

”تم آن امبر! ہارون نے نوکا اس کے لہجے میں ناگواری تھی۔ ”ہاں ہارون کی بات مت کرو۔ تم اس سے بڑی ہو

اس سے کہیں زیادہ آزادانہ فیصلے کر سکتی ہو۔ تمہیں اس سے کچھ بھی پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تم اگر اکیلے رہنے کا فیصلہ کر لو تو وہ تمہیں کیسے روک سکتی ہے۔“

”مگر می..... وہ تو روک سکتی ہیں۔“

”وہ کیوں روکیں گی..... تم ان سے صاف صاف کہو کہ تم ان سے الگ رہنا چاہتی ہو۔“

”مگر میں ان سے الگ نہیں رہنا چاہتی۔“ امبر نے قدرے جھنجھلا کر کہا۔ ”میں الگ نہیں رہ سکتی..... وہ میری فیملی

ہیں۔“

”وہ تمہاری فیملی نہیں ہیں۔“ ہارون نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

”فیملی شوہر اور بچوں سے ہوتی ہے۔ تمہارا شوہر تمہیں طلاق دے چکا ہے۔ اب یہ تم پر ہے کہ تم اپنے پیرنس کے گھر میں رہو یا نہ رہو۔“ وہ بڑی بے نیازی سے کہہ رہا تھا۔ ”اور چونکہ تمہارے پیرنس کے درمیان بھی علیحدگی ہو چکی ہے تو تمہارے لیے فیصلہ کرنا اور بھی آسان ہے۔“ ہارون نے جیسے اس کا مذاق اڑاتے ہوئے کہا۔ ”تم قانونی طور پر بھی الگ رہنے کا حق رکھتی ہو اور تم خواہ مخواہ ڈر رہی ہو کہ تمہاری مٹی تمہیں الگ نہیں رہنے دیں گی اور پھر میں ہوں نا..... تمہیں کوئی بھی دقت پیش آئے تو میں تمہاری مدد کروں گا۔“

”ہارون! میں ڈر نہیں رہی ہوں..... میں صرف ان سے الگ نہیں رہنا چاہتی..... میں ان کے ساتھ رہنا چاہتی ہوں۔ میں اکیلے نہیں رہ سکتی؟“ ہارون اس بار کچھ جھنجھلایا۔

”بس میں نہیں رہ سکتی..... مجھے ان لوگوں کے بغیر رہنے کی عادت نہیں ہے۔“

”عجیب منطقی ہے۔“ ہارون بڑبڑایا۔ ”فرض کرو..... تمہاری شادی ہو جاتی ہے تب بھی تو تم اپنی فیملی سے الگ جا کر رہو گی۔“

”وہ اور بات ہے۔“ امبر کا لہجہ تھکا ہوا تھا۔

”تب کیا اور بات ہے؟“ ہارون جیسے جھٹلانے والے انداز میں کہا۔ ”اگر طلحہ کے ساتھ تمہاری رخصتی ہو جاتی تو گھر تو چھوڑنا ہی پڑتا تمہیں۔“

”چلیز ہارون! ہم یہاں طلحہ اور میری شادی کے بارے میں بات کرنے نہیں آئے۔“

”اوکے..... ہم ان کے بارے میں بات نہیں کرتے۔“ ہارون نے ایک دم مصالحتانہ انداز اختیار کرتے ہوئے کہا۔ ”مگر تم میری بات پر غور تو کر سکتی ہو..... یا پھر تم ہمیشہ کے لیے ان Slums (گندی گلیوں) میں رہنا چاہتی ہو۔“ ہارون کے لہجے میں حقارت تھی۔

”میں وہاں رہنا نہیں چاہتی۔“ امبر نے اعتراف کرنے والے انداز میں کہا۔ ”میں جانتی ہوں میں وہاں زیادہ عرصے تک نہیں رہ سکتی مگر میں جہاں بھی رہوں گی اپنی فیملی کے ساتھ رہوں گی۔ میں اکیلے نہیں جا کر نہیں رہوں گی۔“ اس نے دو ٹوک لہجے میں گویا بات ختم کر دی۔

ہارون نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔ ”اور تمہاری فیملی کبھی بھی اس علاقے سے نہیں نکلے گی۔“

”نہیں ایسا نہیں ہے..... صہبہ اور می کہہ رہی تھیں کہ ہم بہت جلد وہاں سے چلے جائیں گے۔“ امبر نے بے ساختہ کہا۔

”می نے تو اس لیے آپ سے بات بھی کی تھی مگر اس وقت آپ بیرون ملک چلے گئے۔“

”ہاں..... لیکن جب میں نے انہیں آفر کی تھی تب تو انہوں نے میری آفر قبول نہیں کی تھی۔“ ہارون نے برہمی سے کہا۔

”جب تو تمہاری بہن کی خودداری نے اسے اجازت نہیں دی تھی کہ وہ میری آفر کے بارے میں غور بھی کرتی۔ حالانکہ میں تو تم لوگوں سے بھروسہ کی وجہ سے گھر کی آفر کر رہا تھا۔“ ہارون کے لہجے میں سختی آگئی۔

”صہبہ ایسی ہی ہے..... میں اسے سمجھاؤں گی۔“ امبر نے جیسے ہارون کی ناراضی کو کم کرنے کی کوشش کی۔

”اور میں نہیں سمجھتا تمہیں اس میں کوئی کامیابی ہوگی۔ وہ تمہارے باپ کی طرح خاصی بد مزاج اور بے لحاظ ہے۔“

”نہیں..... آپ اسے پاپا کے ساتھ کیپیئر نہیں کر سکتے۔“ امبر کا لہجہ بدل گیا۔

”وہ پاپا کی طرح نہیں ہے..... اس نے ہم لوگوں کے لیے اتنا بہت کچھ Sacrifice (قربان) کیا ہے۔“

”کیا Sacrifice کیا ہے؟“ ہارون کے ماتھے پر ہل آ گئے۔

”وہ پاپا کے گھر میں آرام سے رہ سکتی تھی۔ پاپا نے اسے تو گھر سے نہیں نکالا تھا مگر اس کو صرف ہمارے لیے..... بلکہ میری وجہ سے اس گھر سے نکالنا پڑا۔“

ہارون نے کچھ نہیں کہا مگر اس کے چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ اسے امبر کی یہ ”ہمدردی“ پسند نہیں آئی تھی۔

”ہم لوگوں کی وجہ سے اس نے اسامہ سے طلاق لے لی۔“

ہارون نے اس بار مدافعت کی ”Now I Disagree With You“ (میں تم سے اتفاق نہیں کرتا) امبر کچھ کہتے کہتے رک گئی۔

”اس نے تم لوگوں کی وجہ سے اسامہ سے طلاق نہیں لی..... کوئی لڑکی بھی اس طرح کا احمقانہ فیصلہ صرف اپنے ماں باپ یا بہن بھائیوں کے لئے نہیں کرتی۔ اس نے اسامہ سے اس لیے طلاق لی کیونکہ وہ جانتی تھی وہ اس کے ساتھ خوش نہیں رہ سکتی۔ ہو سکتا تھا کل شادی کے بعد اسامہ اسے خود طلاق دے دیتا۔“ ہارون کی پوری کوشش تھی کہ امبر کو صیغہ سے بدظن کر دے۔

اسے اچھی طرح اندازہ تھا کہ وہ اس گھر میں جا کر تمہاری اور منصور کی وجہ سے بہت سارے پرہیزگار کا شکار ہوگی..... تو اس نے بڑی عقل مندی اور سمجھ داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے بہت پہلے ہی اس پھندے سے جان چھڑائی جو کل اس کے لیے مصیبت کا باعث بن سکتا تھا۔“

”ایسا نہیں ہے۔“ امبر نے ترشی سے ہارون کی بات کاٹی۔ ”وہ اسامہ سے کتنی محبت کرتی تھی آپ کو اندازہ نہیں ہے۔“

”مجھے بہت اچھی طرح اندازہ ہے۔“ ہارون نے اس کی بات کاٹی۔ ”وہ تمہاری طرح اس ایک رشتے کے لیے جذباتی نہیں تھی جو اس پر اس وقت مسلط کیا گیا جب وہ بہت چھوٹی تھی۔ منصور کی طرح وہ بھی بہت پریکٹیکل ہے اور اسی لیے میں تم سے کہہ رہا تھا کہ وہ بالکل تمہارے باپ کی طرح خود غرض اور بد لیاظ ہے۔“

”طلحہ نے تمہیں طلاق دی اور تمہارا زورس بریک ڈاؤن ہو گیا کیونکہ تم طلحہ سے محبت کرتی تھیں۔ اب یہ ایک دوسری بات ہے کہ وہ اس قابل تھا یا نہیں..... لیکن تم صیغہ کو دیکھو اسامہ کے ساتھ تعلق ختم کرنے کے لیے اس نے پہل کی اور اس پر کسی قسم کا کوئی اثر ہوا؟ نہیں..... بالکل بھی نہیں..... ایسے لوگوں کو چالاک کہا جاتا ہے مگر تمہاری طرح کے لوگ ایسے لوگوں کو بہرہ دینا چاہتے ہیں۔“ وہ عجیب سے انداز میں ہنسا۔ امبر کے چہرے کی رنگت پھلکی پڑ گئی تھی۔ اسے عجیب خیالات ہی محسوس ہو رہی تھی۔

اسے یہ خوف محسوس ہوا کہ میں بغیر کسی واضح تعلق کے تمہاری مدد کر رہا ہوں تو بس تمہیں طلحہ کی جگہ کوئی اور نعم البدل نہ مل جائے..... اور اس نے اپنی پوری کوشش کی کہ وہ تمہیں مجھ سے جتنا دور لے کر جاسکتی ہے لے جائے۔“

”ہارون! ایسا نہیں ہے۔ آپ صیغہ کو بہت غلط سمجھ رہے ہیں۔“ امبر نے کمزور لہجے میں صیغہ کا دفاع کرنے کی کوشش کی۔ ”وہ میری بہن ہے میری وجہ سے بہت پریشان رہتی ہے۔ وہ کیوں مجھے ناخوش دیکھنا چاہے گی؟“

”یہ بہن بھائیوں کی محبت کا قصہ صرف کتابوں میں پایا جاتا ہے۔“ ہارون نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔ ”تم جس طرح اپنی مدد کے لیے گھر چھوڑ کر نکلتی گئیں..... وہ نہیں نکلی اسے جب تم لوگوں کا خیال کیوں نہیں آیا؟ بقول تمہارے اسے تم سے محبت ہے تو پھر اس وقت اس نے یہ کیوں نہیں سوچا کہ امبر کو اس کی ضرورت ہے۔“ ہارون کی آواز تیز ہو گئی۔

”مگر وہ مجھ سے ہمتی رہی۔“ امبر نے جیسے وضاحت کرنے کی کوشش کی۔

”صرف ہمتی رہی۔ اس نے تم لوگوں کے لیے منصور کا گھر نہیں چھوڑا..... اس کو چھوڑ دینا چاہیے تھا۔“

امبر ہونٹ کاٹنے لگی پھر اس نے ہارون سے کہا۔ ”مئی نے ہی اس کو منع کیا تھا۔ اٹکل مندر ہمارے ساتھ ساتھ ان کو نہیں رکھ سکتے تھے۔“

”یہ ایک اور کمزور جواز ہے۔ تمہارے اٹکل نے بعد میں بھی تو رکھا تھا ان سب کو۔ کیا گھر سے نکال دیا؟ یا گھر میں داخل ہی نہیں ہوئے دیا؟“ ہارون کا لہجہ طنزیہ تھا۔

”اور صبح کو تمہاری وجہ سے منصور نے نہیں نکالا۔ تم تو صرف ایک بہانہ تھیں۔ منصور نے ان سب کو وہاں سے نکال ہی دینا تھا۔ اگر میں اسے نہ روکتا رہتا تو وہ بہت پہلے نکال دیتا۔ یہ صرف میرے روکنے کی وجہ سے تھا کہ اس نے اتنا لمبا عرصہ انتظار کیا۔“ ہارون نے اپنی اہمیت ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

”اور روشاں؟ تم اسے دیکھو۔۔۔۔۔ اس نے کتنی سمجھ داری کا مظاہرہ کیا۔ موقع ملنے پر اس نے تم سب کو چھوڑ دیا۔ تمہارا اکلوتہ بھائی۔۔۔۔۔ اور تم مجھے بتا رہی ہو کہ صبح کو تم سے محبت ہے کیونکہ تم اس کی بہن ہو۔“ اس نے ہکا ساق قبضہ لگایا۔

”بہن بھائی کی محبت بہت سی دوسری چیزوں کی طرح اپنے معنی اور اہمیت کھو چکی ہے۔۔۔۔۔ کم از کم تم اب مزید تو اس سے دھوکا مت کھاؤ۔“

”آپ کیا کہہ رہے ہیں؟ میری سمجھ میں کچھ نہیں آ رہا۔“ امبر نے ایک دم اپنی کنپٹیوں کو مسلتے ہوئے کہا۔ ”آپ مجھے ڈراپ کر دیں۔ مجھے گھر جانا ہے۔“

ہارون کو ایک دم اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ ایک دن میں امبر کے ذہن اور سوچ کو تبدیل نہیں کر سکتا تھا اور وہ اس وقت بھی کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔

”آئی ایم سوری۔“ ہارون نے اچانک اپنا لہجہ تبدیل کرتے ہوئے کہا۔ ”میں بھی فضول کی بحث میں الجھ گیا۔۔۔۔۔ ہمیں کیا باتیں کرنا چاہیے تھیں اور ہم کیا باتیں کر رہے ہیں۔“ اس نے بڑے رومانٹک انداز میں کہتے ہوئے گاڑی کا رخ موڑ دیا تھا۔

”تم جانتی ہو میں لاٹنگ ڈرائیو کے بعد تمہیں کہاں لے جانا چاہتا تھا؟“ اس نے امبر سے پوچھا جو الجھی ہوئی نظروں سے اس کے بدلے ہوئے انداز کو دیکھ رہی تھی۔

”کہاں؟“ امبر نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”شاپنگ کے لیے۔“

”شاپنگ کے لیے؟“ امبر نے قدرے حیرانی سے دہرایا۔ ”کیسی شاپنگ؟“

”تم اپنی مٹی کو یہی بنا کر آئی ہو کہ تم کچھ شاپنگ کرنے جا رہی ہو۔“ ہارون نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”تو اب میری خواہش ہے کہ تمہارا یہ جھوٹ سچ میں تبدیل ہو جائے۔“

”نہیں مجھے شاپنگ نہیں کرنی۔۔۔۔۔ میں نے تو ویسے ہی آنے کے لیے جھوٹ بولا تھا؟“ امبر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”لیکن میں پھر بھی چاہتا ہوں کہ تمہیں شاپنگ کروائی جائے کتنا عرصہ ہو گیا تمہیں شاپنگ کیے؟“ ہارون نے اس سے ایک دم سوال کیا۔

”کتنا عرصہ؟“ امبر بڑبڑاتے ہوئے سوچ میں پڑ گئی۔

”اس کا مطلب ہے بہت دن ہو گئے ہیں تمہیں۔“ ہارون نے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔“ امبر نے ایک گہری سانس لی۔ ”بہت دن ہوئے شاپنگ میری زندگی سے نکل ہی گئی ہے کبھی خیال ہی نہیں آیا کہ مجھے۔۔۔۔۔“ امبر نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”چلو دوبارہ سے اسے زندگی میں شامل کر کے دیکھتے ہیں کہ کیا یہ امبر پر کوئی اچھا اثر چھوڑتی ہے۔“ ہارون نے ششکلی سے کہا۔

وہ اب دوسری سڑک پر مڑ رہا تھا اور امبر کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔

☆☆☆

”آپ کو آج کل کیا ہو گیا ہے؟“ نایاب نے اسی صوفہ پر بیٹھے ہوئے کہا جس پر شائستہ بیٹھی اسی سوئچ کر رہی تھی۔ شائستہ اس کے سوال پر چونک گئی۔ گردن موڑ کر اس نے نایاب کو دیکھا جو بغور اسے دیکھ رہی تھی۔

”کیا ہو گیا ہے مجھے؟ کچھ بھی نہیں۔“ شائستہ نے مسکرائے کی کوشش کی۔

”کچھ بھی نہیں؟ آپ ذرا اپنی حالت دیکھیں۔“ نایاب نے قدرے ناراضی سے کہا۔

”میری حالت کو کیا ہوا؟ بالکل ٹھیک تو ہے۔“ شائستہ نے اپنے بالوں میں ہاتھ بھرتے ہوئے لاپرواہی سے کہا۔

”آپ ذرا اپنے چہرے کو دیکھیں۔ کتنی خراب ہو رہی ہے آپ کی اسکن اور آنکھوں کے گرد حلقے بھی ہیں۔ آپ کیا آج کل رات کو سو نہیں رہیں؟“ نایاب کے لہجے میں تشویش تھی۔

”میں بالکل ٹھیک ہوں۔ مجھے کچھ بھی نہیں ہوا صرف ڈیشل نہیں کروایا میں نے پچھلے دو ہفتے میں اسی لیے تمہیں میری اسکن خراب لگ رہی ہے۔“ شائستہ نے اسی بے نیازی سے کہا۔

”نہیں کروایا؟ تو کیوں نہیں کروایا۔ جائیں جا کر کروائیں۔“ نایاب نے ماں کے کندھے کو تھپکتے ہوئے کہا۔ ”آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے؟“

”اب دو ہفتے کے بعد تمہیں یہ یاد آ گیا کہ تمہیں میری طبیعت کے بارے میں پوچھنا چاہیے۔“ شائستہ دھیرے سے

مسکرائی۔

”آئی ایم سوری می! میں کچھ عرصے سے اتنی بڑی ہوں کہ مجھے کچھ اور تو یاد ہی نہیں رہا۔“ نایاب نے معذرت کی۔ ”یہ تو میں آپ کو مسلسل گھر پر دیکھ رہی ہوں تو میں کچھ پریشان ہو گئی۔“

”ہاں! میں گھر پر نہیں رہتی اس لیے۔“ شائستہ نے عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”نہیں..... نہیں..... ایسی بات نہیں ہے۔ میں صرف یہ کہنا چاہ رہی تھی کہ آپ بہت فرسٹرینڈ لگ رہی ہیں۔ نایاب نے جلدی سے اپنی بات کی صحیح کی۔

”پچھلے کچھ عرصہ سے گھر رہنے کے دوران..... تو میں پریشان ہو گئی کہ شاید کوئی ٹینشن ہے آپ کو۔“

”بہت ساری ٹینشنز ہیں مجھے۔ تمہیں کس کس کے بارے میں بتاؤں؟“ شائستہ نے نرمی سے اس کے ہاتھ کی پشت کو

تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

”تو آپ سائیکالوجسٹ کے پاس جائیں نا..... جیسے پہلے جاتی تھیں۔“ نایاب نے جیسے اسے یاد دلایا۔

”وہ کچھ نہیں کر سکتا۔“ شائستہ نے سر کو جھٹکا۔

”پہلے تو آپ اس کے پاس جا کر ریلیکس ہو جاتی تھیں؟“ نایاب نے کہا۔

”ہاں ہو جاتی تھی۔ اب نہیں ہو سکتی۔“ شائستہ کے لہجے میں ہلکی سی مایوسی تھی۔

”کیوں..... اب کیا ہو گیا؟“

”کچھ نہیں..... تمہارے پیچھے کیسے ہو رہے ہیں؟“ شائستہ نے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

”ہو نہیں رہے..... ہو گئے ہیں اور بہت اچھے ہوئے ہیں۔ آپ کو پتہ ہے میں ان کے بارے میں زیادہ پریشان نہیں

ہوتی۔“ نایاب نے کہا۔

”این سی اے جو آئن کرنے سے پہلے چینیوں میں کیا کر دگی۔“ شائستہ نے پوچھا۔

”کچھ ملے نہیں کیا۔“

”ابہر اسد کے پاس چلی جاؤ۔ اچھا وقت گزرے گا۔“ شائستہ نے اسے مشورہ دیا۔

”نہیں! اسد کے پاس میں نہیں جاسکتی۔“ نایاب نے فوراً کہا۔ ”کم از کم پاکستان سے باہر جانے میں ابھی مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“

”کیوں؟“ شائستہ نے ایک اور سگریٹ سلگایا۔

”آپ کو بتایا تو تھا کچھ کرسٹلز کرنے ہیں مجھے۔“ نایاب نے اسے یاد دلایا۔ شائستہ کے چہرے کا رنگ کچھ تبدیل ہوا۔

”انگل زبیشان بار بار فون کر رہے ہیں مجھے۔“ نایاب نے سامنے سینئر نیبل پر پڑا میگزین اٹھاتے ہوئے کہا۔

”تو پاکستان سے باہر جانا تو ان کرسٹلز کی وجہ سے ممکن نہیں ہے..... اب اس کے ساتھ ساتھ اس عرصہ میں مجھے اور کیا

کرتا ہے..... یہ ابھی مجھے طے کرنا ہے۔“ اس نے میگزین کے صفحے پلٹتے ہوئے کہا۔

”آپ کا کیا خیال ہے مجھے بوٹی پارلر جو ان کر لینا چاہیے؟“ اس نے ایک دم میگزین دیکھتے دیکھتے سراسخا کر شائستہ سے

پوچھا۔

”کس لیے؟“ وہ چونکی۔

”سدرہ نے جو ان کر لیا ہے۔ میک اپ کی کلاسز لے رہی ہے وہاں۔ وہ کہہ رہی تھی کہ اگر مجھے ماڈلنگ کرنی ہے تو پھر

مجھے میک اپ کے بارے میں اچھی خاصی معلومات ہونی چاہئیں اور یہ کلاسز جو ان کیے بغیر نہیں ہو سکتا۔“

”تمہیں اس کی کیا ضرورت ہے؟“ شائستہ نے سگریٹ کی راکھ ایش ٹرے میں جھکتے ہوئے کہا۔ ”تم پرنٹس ماڈل

بننے نہیں چاہتی ہو۔“

”پھر بھی می! کیا حرج ہے اگر کام کو سیکھ کر کر لیا جائے۔ مجھے کوئی نقصان تو نہیں ہوگا میک اپ کلاسز جو ان کرنے سے۔

بلکہ فائدہ ہی ہوگا۔ جب ماڈلنگ چھوڑ دوں گی تب بھی۔“

”تم جو کرنا چاہتی ہو کہ مجھے اعتراض نہیں ہے۔ صرف اس بات کا خیال رکھنا کہ تم ہارون کمال کی بیٹی ہو..... اور جس

فیلٹی سے تعلق رکھتی ہو اسے پورا شہر جانتا ہے۔“ شائستہ یک دم بہت سنجیدہ ہو گئی۔ ”تمہارا ایک غلط قدم تمہیں کہیں کا کہیں پہنچا

دے گا۔“

”کیسا غلط قدم؟“ نایاب حیرت سے شائستہ کا چہرہ دیکھنے لگی۔ شائستہ نے ایک گہری سانس لی۔

”کوئی بھی غلط قدم ہو سکتا ہے۔ اس کی وضاحت نہیں کی جاسکتی تم صرف محتاط رہا کرو خاص طور پر لڑکوں کے معاملے

میں۔“

نایاب اس کی بات پر بے اختیار ہنسی۔ ”کون سے لڑکے می؟“

”میں سنجیدہ ہوں نایاب۔“ شائستہ نے ایک تیز نظر اس پر ڈالی۔ ”میں جانتی ہوں۔“ نایاب پھر ہنسی۔ ”مگر کون سے

لڑکے؟ پاپا کی طرح آپ بھی شرمکی بات کر رہی ہیں؟“

”نہیں میں شرمکی بات نہیں کر رہی۔“ شائستہ کا لہجہ یک دم دھیما ہو گیا۔ ”میں تمہیں ویسے ہی سمجھا رہی ہوں۔“

”مگر کیوں..... میں نے آخر کیا کیا ہے؟“

”تم نے ابھی کچھ نہیں کیا نایاب! مگر پھر بھی میرا فرض ہے کہ میں تمہیں سمجھاؤں۔“ شائستہ نے تھل سے کہا۔

”آپ کو بھی پاپا کی طرح شاید یہ فوبیا ہو گیا ہے کہ میں ٹریم انوالو ہوں.....“ نایاب نے سنجی سے کہا۔ ”حالانکہ اس

ایک کرسٹل کے بعد میری اس سے بات تک نہیں ہوئی اس کے گھر میں فون تک نہیں ہے..... تو میرا اس سے رابطہ کیسے ہو سکتا

ہے۔“

”میں تم سے کوئی وضاحت نہیں مانگ رہی ہوں۔“ نایاب نے شائستہ کو اپنی بات مکمل نہیں کرنے دی۔

”میں جانتی ہوں آپ وضاحت نہیں مانگ رہی ہیں مگر آپ چاہتی بھی ہیں کہ میں آپ کو وضاحت دوں۔ میری سمجھ

میں نہیں آ رہی! پاپا کی طرح آپ بھی مجھ پر ٹرٹ کیوں نہیں کرتیں؟“

”میری جان! یہ کس نے کہا تم سے کہ میں یا تمہارے پاپا تم پر زبردستی نہیں کرتے۔“ شائستہ یک دم کچھ گڑبڑا گئی۔  
 ”مجھے کون کہے گا۔ میں خود سمجھ سکتی ہوں..... آخر آل میں اب بچی تو نہیں ہوں۔“ نایاب نروٹھے انداز میں بولی۔  
 ”اس سے پہلے آج تک آپ نے یا پاپا نے کبھی مجھے اس طرح سمجھانے یا روکنے کی کوشش نہیں کی اور اب آپ یک دم مجھے وارننگ دینے لگ گئی ہیں۔ غلط قدم نہ اٹھاؤں۔ لڑکوں سے محتاط رہوں..... یہ سب کیا ہے؟ کیا مجھے کھا جائیں گے؟“ وہ برہمی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”تم خواخوہ ناراض ہو رہی ہو نایاب! شائستہ نے مزید کچھ کہنے کی کوشش کی مگر نایاب نے اس کی بات ان سنی کر دی۔  
 ”ہاں میں خواخوہ ناراض ہو رہی ہوں۔ اجت ہوں اس لیے۔“ وہ کہتے ہوئے تیز قدموں سے لاؤنج سے باہر نکل گئی۔  
 شائستہ نے سگریٹ کا ٹکڑا ایش ٹرے میں اچھال دیا۔ وہ اپنی کنپٹیوں کو آہستہ آہستہ مسل رہی تھی جہاں درد کی شدت اسے یک دم بے حال کرنے لگی تھی۔

☆☆☆

”شر! تمہیں ایک بہت اچھے پورٹ فولیو کی ضرورت ہے کسی پروفیشنل فوٹو گرافر کے ہاتھ کے بنے ہوئے پورٹ فولیو کی۔“  
 ذیشان نے ہاتھ میں پکڑی ہوئی تصویروں کو نمیل پر دوسری طرف بیٹھے ہوئے شر کے سامنے پھینکتے ہوئے کہا۔ ”یہ فوٹو گرافر اچھی ہیں..... تمہاری شکل اتنی اچھی ہے کہ تم ہر تصویر میں اچھے آؤ گے..... مگر ان کو ہم پورٹ فولیو کا حصہ نہیں بنا سکتے۔“  
 اس نے شر کی طرف دیکھا جو بڑی سنجیدگی کے ساتھ اس کی گفتگو سننے میں مصروف تھا۔  
 ”اگر ہم ان کو اطالعراج کروائیں تو؟“

ذیشان اس کی بات پر بولے سے ہنسا۔ ”کتنا اطالعراج کرواؤ گے؟ کیا دروازے جتنا..... ساز کی اہمیت نہیں ہے یہ تمہارے بیٹے کا انداز تمہارا ایکسپیریشن، اینگل، لائٹ، ہیر اسٹائل، کپڑے یہ ساری چیزیں ہیں جو ان Shots میں دیکھی جاتی ہیں..... کس اینگل میں نم زیادہ بہتر نظر آؤ گے تمہارے چہرے اور جسم کی خاص چیزیں جنہیں زیادہ نمایاں کر کے تمہیں انریکٹو بنا جاسکتا ہے.....“

ذیشان نے اسے تفصیل سے بتایا۔ ”یہ گلی محلے میں فوٹو گرافی کرنے والے تمہارا کیا پورٹ فولیو بنائیں گے۔“ شر کے چہرے پر ہلکی سی کھیانی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

اس نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن ذیشان نے اسے بولنے نہیں دیا۔ ”دیکھو میں نے تم سے پہلے بھی کہا تھا اب بھر کہہ رہا ہوں تم میں ایک ٹاپ ماڈل بننے کی ساری خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ تمہیں صرف ایک گاڈ فادر کی ضرورت ہے اور آج کل کے زمانے میں گاڈ فادر خود نہیں ملتا ڈھونڈنا پڑتا ہے۔“

ذیشان اپنی دراز کھول کر اس میں سے کچھ تلاش کرنے لگا۔ کچھ دیر کی تلاش کے بعد اس نے سر اٹھایا اور ایک وزینگ کارڈ شر کی طرف بڑھایا پھر اچانک جیسے اسے کچھ خیال آیا اور اس نے اس کارڈ کو نمیل پر رکھ کر اس کی پشت پر کچھ لکھا اور شر کی طرف کھسکا دیا۔

شر نے اس کارڈ کو اٹھاتے ہوئے ایک گہری سانس لی۔ پچھلے کچھ ماہ میں اس کا والٹ ایسے بہت سے کارڈز سے بھر گیا تھا اور ان میں سے کوئی ایک کارڈ بھی ایسا نہیں تھا جو اس کے لیے کسی کام کا ہوتا۔ ذیشان کے علاوہ کسی نے اسے کام نہیں دیا تھا اور صرف ذیشان سے لئے والا کام اس کے لیے کافی نہیں تھا اس صورت میں جبکہ وہ شو بڑ کو ایک مستقل پروفیشن بنانے کا فیصلہ کر چکا تھا۔

اور اب ایک اور کارڈ اس کے سامنے تھا اس نے کارڈ پر نظر ڈالی۔ نام شناسا تھا۔  
 ”میں چاہتا ہوں تم عادل منہاس سے جا کر ملو۔ یہ وہ آدمی ہو سکتا ہے جس کی تمہیں ضرورت ہے۔“  
 شر نے سر اٹھا کر ذیشان کو دیکھا۔



”میل ماڈلز کے حوالے سے اس شہر میں اس کا بہت نام ہے..... بلکہ صرف لاہور میں نہیں کراچی اور اسلام آباد میں بھی جس کو نئے میل ماڈلز کی ضرورت ہوتی ہے وہ اسی شخص کے پاس جاتا ہے تو کام کی اس کے پاس کی نہیں ہوتی۔“ اس نے بتایا۔

”میں اس سے جا کر کیا کہوں۔“ ثمر نے سنجیدگی سے پوچھا۔ ”کام مانگوں؟“

”ہاں بالکل کام مانگو جا کر..... تاکہ وہ اپنے ملازم سے کہے کہ تمہیں بازو سے پکڑ کر اس کے آفس سے باہر نکال دے۔“

ذیشان کچھ ہاراش ہوا۔

”تو پھر؟“ ثمر کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ذیشان کس بات پر ناراض ہوا تھا۔

”یار جا کر اس سے اپنا پورٹ فولیو بناؤ..... دس پندرہ ہزار روپے لگیں گے۔ تمہاری شکل اتنی اچھی ہے کہ شاید یہ اتنی

زیادہ رقم لے لے اور مفت میں یا بہت کم پیسوں پر تمہارا کام کر دے۔“ ذیشان کبہ رہا تھا۔

”اس کے بعد؟“ ثمر کا ذہن اب اس رقم کے بارے میں تنگ دو دو کرنے میں مصروف تھا جس کا انتظام کرنا تھا۔

”اس کے بعد یہ کہ اگر اسے فوری ضرورت ہوئی یا تم اسے پسند آگئے تو یہ تمہیں کام دلا دے گا..... مگر اس سے پہلے

تمہاری گرومنگ کرے گا جس کی تم کو اشد ضرورت ہے۔“ ذیشان نے تنقیدی نظروں سے اس کا جائزہ لیا۔ ”میں نے کارڈ پر اپنا

ریٹریس دیا ہے وہ میرا دست تو نہیں ہے مگر اچھی ہیلو بوائے ہے اس کے ساتھ۔ مجھے امید ہے تمہارے کام آئے گا۔“ ثمر نے کارڈ

پر نظر ڈالی۔ ذیشان نے عادل منہاس سے اس کی سفارش کی تھی۔

”وہ تم سے شروع کے کچھ عرصہ کے لیے کانٹریکٹ کر لے گا اور تمہارے ایجنٹ کے طور پر کام کرے گا ہر اسائنمنٹ کے

لیے تم سے کچھ رقم لیا کرے گا..... اس رقم کی پریسٹیج خاصی زیادہ ہے۔“ ذیشان اب اسے مالی معاملات کے بارے میں مشاورت

دے رہا تھا۔ ”مگر اچھی بات یہ ہے کہ وہ ہر پارٹی یا کلائنٹ سے خود ہی رقم وصول کرتا ہے سو تمہیں اپنے معاوضے کے لیے کسی

کے پیچھے خواہش نہیں ہونا پڑے گا۔ ذیشان اب اپنے چائے کے کپ میں چھج ہلا رہا تھا۔

”مگر بااخلاق آدمی نہیں ہے..... بڑا تنگھا ہے..... زبان کا کڑوا..... بے مروت وغیرہ وغیرہ اور یہ سب اس لیے ہے

کیونکہ وہ جانتا ہے فی الحال وہ سب کی ضرورت ہے۔“ ذیشان مسکراتے ہوئے بتا رہا تھا۔ ”بہت سے میل ماڈلز کا کیریئر ختم بھی

کر دیا ہے..... عادل منہاس سے جھگڑے کا مطلب ہے کہ وہ کام نہیں دے گا اور عادل کے کام نہ دینے کا مطلب ہے کہ کوئی

بھی کام نہیں دے گا..... اس لیے اس کے سامنے اپنے آپ کو جتنا نرم مزاج بنا کر پیش کر سکتے ہو کرنا۔“ ذیشان نے اسے

لصحت کی۔

”اب ان ساری برائیوں کے بعد ایک اچھائی کہ عادل منہاس کو اپنے کام کا اچھی طرح پتہ ہے۔ وہ بہت مہارت سے

کام کرنے والا آدمی ہے اور کتنا اچھا کام کرتا ہے۔ یہ تمہیں اس کے ساتھ کام کر کے پتہ چل جائے گا۔ ایک بات تم اچھی طرح

جان لو کہ عادل منہاس کے ساتھ کام کرنے کے بعد تمہیں کام کرنا آجائے گا۔ پھر تم کہیں مار نہیں کھاؤ گے۔“ ثمر ایک بار پھر اس

کارڈ پر لکھے نام اور ایڈریس کو پڑھنے پر مجبور ہو گیا۔

☆☆☆

”کہاں رہ گئی تھیں امبر.....؟ تمہیں اندازہ ہے میں اور صنف کتنا پریشان ہو رہے تھے؟“ منیزہ دروازہ کھولتے ہی پریشانی

سے بولیں۔ وہ شام کے وقت واپس گھر پہنچی تھی۔

”اگر تم چند منٹ اور نہ آتیں تو میں اور صنف تو ہماری تلاش میں نکلنے ہی والے تھے۔“

منیزہ نے اس بار امبر کے ہاتھ میں ان گت شاپرڈ کو دکھاتے ہوئے دوبارہ بولیں۔ جن کے بوجھ سے وہ تقریباً دوہری ہو

رہی تھی۔

امبر اندر چلی آئی۔ منیزہ اس کے پیچھے دروازہ بند کرنے لگیں۔ مہن میں کھڑی صنف نے آگے بڑھ کر امبر سے شاپرڈ لے

لیے۔

”تم حد کرتی ہو امبر! اتنی دیر؟“ صبغہ کے لہجے میں ناراضی سے ساتھ ساتھ اطمینان بھی تھا اور نہ چند لمبے پہلے تک وہ مکمل طور پر حواس باختہ ہو رہی تھی۔ امبر کے بارے میں پتہ نہیں کیا کیا اندیشے اس کے دل کو دبلا رہے تھے، کچھ بھی حالت خیز وہ کی تھی جو بری طرح چھتھاری تھیں کہ انہوں نے امبر کو گھر سے باہر اکیلے کیوں جانے دیا۔

”کیا ہو گیا.....؟ پہلے بھی تو میں کئی کئی گھنٹے باہر رہ کر آئی تھی۔ اب دیر سے آئی ہوں تو کیا فرق پڑتا ہے؟“

امبر نے صبغہ کو کچھ شاپرز دیتے ہوئے تدریجاً گھبرا کر کہا اور اندر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔

”پہلے کی بات اور تھی امبر! اور.....“ صبغہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ امبر نے فوراً اس کی بات کاٹی۔

”اور اب کی بات اور ہے۔ کیونکہ اب آسمان ہمارے سر پر گر چکا ہے اور زمین ہمارے پیروں کے نیچے سے نکل چکی ہے۔“

”فار گاڈ میک میں تنگ آ گئی ہوں یہ بات کو سن کر.....“

وہ کمرے میں داخل ہوتے ہوئے بولی۔ اس کے پیچھے آتے ہوئے خیزہ اور صبغہ نے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھا۔

”کتنی دیر رونا روتے رہیں گے پہلے اور اب کا..... پہلے کیا کسی دوسری دنیا میں رہتے تھے؟ کہ جو تب کرتے تھے وہ اب نہیں کر سکتے۔“ اس نے بڑبڑاتے ہوئے شاپرز کو بیڈ پر بچھکا۔ ”زندگی نہ ہو گئی تماشا ہو گیا۔ کیسٹ کی ایک سائڈ بی ریوائرمنٹ کے سنتے رہو۔ پہلے کی بات اور تھی پہلے کی بات اور تھی۔“ اس نے گلے میں بڑا ہوا دو پینڈا اتار کر بیڈ پر بچھکا۔ زارا اور رابعہ نے باری باری امبر، صبغہ اور خیزہ کے چہرے کو دیکھا پھر دوبارہ ہوم ورک کرنے لگیں۔ یہ سب کچھ ان کی زندگی کا حصہ بن چکا تھا۔

خ کھلائی، چپقلش، رونا دھونا، لعنت، ملامت..... ان چیزوں کی عادت ہونے لگی تھی۔

”اس دُربے جیسے گھر سے چند گھنٹے باہر کیا گزار لیں قیامت آگئی..... اور واپس آ گئے تو مزید مصیبت۔“ وہ بیڈ پر بیٹھ کر اپنے سینئر ڈاکٹر اتارنے لگی۔

صبغہ نے خاموشی سے باقی شاپرز کو اس کے پاس بیڈ پر رکھ دیا۔ وہ اس وقت امبر کی کسی بات کے جواب میں کچھ بولی تھی۔ امبر نروس بریک ڈاؤن کے بعد اسی طرح چھوٹی چھوٹی باتوں پر ناراض ہوا کرتی تھی اور صبغہ کی پوری کوشش ہوتی تھی کہ وہ ان موضوعات پر اس سے بات نہ کرے جس سے امبر چڑتی تھی۔

”اتنی شاپنگ کر ڈالی..... کیا کیا خریدا ہے؟“ صبغہ نے لہجے کو یک دم خوشگوار بناتے ہوئے موضوع بدلنے کی کوشش کی۔

اگرچہ بیڈ پر پڑے شاپرز کی تعداد اس کے لیے پریشان کن تھی۔ امبر کو شاپنگ کا کرایہ تھا اور اس وقت صبغہ کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ کتنی رقم ان چیزوں پر خرچ کر آئی تھی جو سامنے پڑی ہوئی تھیں۔

امبر نے ابھی ہوئی نظروں سے صبغہ کو دیکھا پھر اس نے ان شاپرز کو دیکھا اور یک دم اس کے موڈ میں تبدیلی آ گئی۔ وہ مسکرانے لگی۔

”ہے..... بس ایسے ہی..... کچھ چیزیں پسند آ گئیں تو خرید لیں۔“ امبر نے چیزوں کو باہر نکالنا شروع کر دیا۔ وہ سب براہِ ڈپرڈ نکلتی تھیں یہ صبغہ کو ان شاپرز اور بیگز کو دیکھ کر کبھی اندازہ ہو گیا تھا جن میں وہ موجود تھیں۔ مگر ان کی تعداد اور نوعیت اس کو مزید پریشانی میں مبتلا کر رہی تھی۔ جینز، ٹاپس، کچھ ریڈی میڈ ملبوسات، چند..... پرفیومز، جوئے، جیولری، ہینڈ بیگز، کاسٹیکلس

..... چند ہی گھنٹوں میں پورا بیڈ ان چیزوں سے بھر گیا تھا اور صبغہ نے ان چیزوں کی قیمت کا اندازہ لگایا تھا کہ ایک لاکھ روپے سے کم کا سامان نہیں تھا۔ صبغہ کا سانس رک گیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ امبر کے پاس رقم کہاں سے آئی تھی کہ وہ ان براہِ ڈپرڈ آئٹمز کو خرید

سکتی اور اگر اس کے پاس رقم تھی تو وہ اتنی بے حس سے ان چیزوں پر کیسے اڑا رہی تھی جن کی انہیں اس وقت ضرورت نہیں تھی۔

صبغہ بالکل ساکت بیٹھی ان چیزوں کو دیکھتی رہی جنہیں امبر بڑے شوق سے اسے دکھا رہی تھی۔ اس کے چہرے پر اس طرح کی خوشی اور جوش بہت عرصے کے بعد نظر آ رہا تھا۔ رابعہ اور زارا بھی اب اپنا ہوم ورک چھوڑ کر ان چیزوں کو کھول کھول کر

دیکھ رہی تھیں۔ صبغہ نے سر اٹھا کر بیڈ کے پاس کھڑی خیزہ کو دیکھا۔ اس کی طرح وہ بھی بالکل سنجیدہ نظر آ رہی تھیں۔

”تمہیں پسند آئیں میری چیزیں؟“ امبر نے بڑے اشتیاق سے صبغہ سے پوچھا۔

”بہت اچھی جیسا۔“ صنف نے بمشکل اپنا گلا صاف کرتے ہوئے کہا۔ ”ممبر! تمہارے پاس اتنی رقم تھی کہ تم یہ سب چیزیں خرید سکو؟ کتنی رقم خرچ کی ہو گی تم نے؟“ صنف نے بہت نرمی سے پوچھا۔

”ہاں میرے پاس پیسے ہیں۔“ امبر نے گول مول انداز میں کہا۔ اس نے صنف کے سوال کے دوسرے حصے کا جواب نہیں دیا اور اپنے سامان کو سینے لگی۔

”کتنے پیسے ہیں تمہارے پاس؟“ اس بار صنف نے براہ راست میں پوچھا۔

”ہیں تھوڑے بہت۔“ امبر پھر اسی گول مول انداز میں بولی۔ اس کا پورا دھیان اس وقت اپنی چیزوں پر تھا۔

”مگر اس فضول خرچی کی کیا ضرورت تھی؟“ میزہ چپ نہ رہ سکیں۔ ”اگر تمہارے پاس پیسے ہیں تو انہیں رہنے دیتیں

ابھی ہمیں کتنی ضرورت ہے پیسوں کی۔ تمہارے اپنے کام آتے یہ روپے۔“ میزہ خاصے ناخوشگوار انداز میں بولیں۔

”تو ابھی بھی تو میرے ہی کام آئے ہیں..... میں نے اپنے لیے چیزیں خریدی ہیں۔“ امبر کا لہجہ بھی تبدیل ہو گیا۔

”مگر یہ چیزیں تمہارے کیا کام آئیں گی۔“ صنف بولی۔ ”تم اس طرح کے کپڑے اور جینز پہن کر کہاں جاؤ گی؟“

”کہاں جاؤں گی۔ جہاں دل چاہے گا جاؤں گی..... میں کوئی قیدی تو نہیں ہوں کہ ہمیشہ دو کمرے کے اسی گھر میں

رہوں جب باہر جاؤں گی تو استعمال کروں گی ان سب چیزوں کو۔“ اسے غصہ آ گیا۔

”ہم اس علاقے میں نہیں رہتے امبر..... جہاں اس قسم کے کپڑے لائف اسٹائل ہوتے ہیں اور کوئی آنکھ اٹھا کر بھی

نہیں دیکھتا۔“ صنف اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ”ہم اس علاقے میں رہ رہے ہیں جہاں اس طرح کے کپڑے پہن کر گھر

سے نکلتا مصیبت کو دعوت دینے کے برابر ہے۔“

”کیسی مصیبت؟“ امبر کے ماتھے پر ہل آ گئے۔ ”لوگ اٹھیاں اٹھائیں گے، آوازیں کس گے، الزام لگائیں گے تو کون

پروا کرتا ہے ان سب چیزوں کی..... یا لوگوں کی۔“ امبر نے سرد آواز میں کہا۔

”پروا کرنا پڑتی ہے۔ جب کسی مرد کے بغیر زندگی گزارنا پڑ جائے تو بہت سی چیزوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے اور بہت سی

چیزوں کی پروا بھی کرنی پڑتی ہے۔“ صنف نے رسائیت سے کہا۔

”میں اس علاقے میں کبھی نہیں آتا چاہتی تھی۔ یہ مجھے تمہاری چواٹ تھا۔“ امبر نے درشتی سے کہا۔

”یہ کسی کی چواٹ تھا یا نہیں..... اس وقت ہم یہ ڈسکس نہیں کر رہے۔“ صنف نے اس کی بات کانٹے ہوئے کہا۔ ”ہم

جہاں آ گئے ہیں۔ اب ہمیں یہ طے کرنا ہے کہ ہمیں یہاں رہنا کیسے ہے۔“

”اگر یہ ڈسکس ہو گا کہ مجھے کیا پہننا ہے اور کیا نہیں تو پھر یہ بھی ڈسکس ہو گا کہ اس محلے میں ہم آئے کیوں جہاں پر ہم

اپنی مرضی کا لباس تک نہیں پہن سکتے۔“ امبر نے اسی انداز میں کہا۔

”اب تو آ گئے ہیں امبر!“

”اور جا بھی سکتے ہیں۔“

”کہاں جا سکتے ہیں؟“ صنف نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

”اس سے بہتر جگہ پر۔“

”بہتر جگہ کے لیے بہت زیادہ پیسوں کی ضرورت ہے۔“

”میں دے سکتی ہوں وہ پیسے۔“ امبر نے اس کی بات کاٹی۔

صنف کے حلق میں کانٹے چبھنے لگے۔ ”تم کہاں سے پیسے دو گی؟“

”جہاں سے بھی دوں گی..... مگر دوں گی..... ہم کسی بہتر جگہ پر رہ سکتے۔“

صنف پلٹیں جھپکائے بغیر امبر کا چہرہ دیکھتی رہی۔ صنف اس کا چہرہ پڑھنے کی کوشش کر رہی تھی اور اسے دیکھتے ہوئے بیک دم

اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ صنف نے غیر محسوس انداز میں چند گہری سانس لے کر اس خوشبو کو شناخت کرنے کی کوشش کی جو

امبر کے پاس سے آ رہی تھی۔ وہ بہت تیز مردانہ پرفیوم تھا۔ منصور علی دہی پرفیوم استعمال کرتے تھے۔ امبر یقیناً منصور علی کے ذہن سے ہو کر نہیں آئی تھی یہ صنف جانتی تھی..... روشاں دہی پرفیوم استعمال کرتا تھا مگر امبر روشاں کے پاس بھی نہیں آئی تھی اس کا بھی صنف کو یقین تھا..... طلحہ اور اسامہ دونوں میں سے کوئی اس پرفیوم کو استعمال نہیں کرتا تھا مگر اس کے علاوہ بھی اس نے کسی کو اس پرفیوم کا استعمال کرتے دیکھا تھا۔ چند لمحوں کے لیے صنف اپنے ذہن پر زور دیتی رہی۔ اس نے کسی کو اس پرفیوم کا استعمال کرتے دیکھا تھا.....؟ کس کو دیکھا تھا؟

”میرے خدا!“ وہ بے اختیار زرب لب بڑبڑائی۔ اسے یاد آ گیا تھا اس نے کس کو وہ پرفیوم استعمال کرتے دیکھا تھا۔ بہت دقت کے لیے اسے یوں لگا تھا جیسے اسے سانس ہی نہیں آئے گا.....

”تو کیا امبر ہارون کمال کے ساتھ وقت گزار کر آ رہی ہے؟“ امبر اب مگن انداز میں شاپرڈ کو سمیٹ رہی تھی۔

☆☆☆

ان دونوں عورتوں کو اس آدی کے دفتر میں داخل ہوئے چند منٹ ہوئے تھے۔ اوچھڑ عمر آدی فون پر گفتگو میں مصروف تھا۔ اس نے ان دونوں عورتوں کو سامنے کرسیوں پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ اپنی گفتگو کے دوران وہ سامنے بیٹھی دونوں عورتوں کا جائزہ لینے میں مصروف رہا۔ اس نے فون پر پانچ منٹ گفتگو کی تھی اور پانچ منٹ میں وہ سامنے بیٹھی دونوں عورتوں کا اچھی طرح جائزہ لے چکا تھا۔ اس نے چادر میں بیٹوں عورت کو سرسری نظروں سے دیکھتے ہوئے اپنی توجہ برقع اوڑھے اور آدھے چہرے کو کٹھ پتلی سے ڈھانپنے ہوئے عورت پر مرکوز کر لی۔

آدھا چہرہ..... خوبصورت گہری سیاہ آنکھیں، کمان کی طرح تیز ابرو ڈالتے اور آنکھوں کے نیچے جھریوں کا ہلکا جال، عینسی ناک کا اوپر والا حصہ اور چہرے پر لگائی گئی فائڈیشن کے ساتھ ساتھ آنکھوں پر لگایا ہوا مسکارا اور کاجل دکھا رہا تھا۔ برقع پوش عورت کے ہاتھ نیل پر رکھے تھے اور ہاتھوں کی انگلیوں میں موجود انگوٹھیاں اور کلائی میں موجود چوڑیاں اسے اس عورت کی مانی حیثیت کے بارے میں بتا رہے تھے۔ عورت سیلوئس یا ہاف سیلوڈ شرٹ پہنے ہوئے تھی، کیونکہ وہ برقع کے بازوؤں میں سے لباس کا کوئی حصہ نہیں دیکھ پا رہا تھا، ہاتھوں کے تانتوں پر تیز سرخ رنگ کی کیونکس لگی تھی اور ناخن لمبے تھے۔ ہاتھ دیکھ کر یہ اندازہ لگانا دشوار نہیں تھا کہ وہ عورت اپنے ہاتھوں سے گھریلو کام کاج کرنے کی عادی نہیں تھی۔

سامنے بیٹھے آدی نے چادر اوڑھی ہوئی عورت کو غور سے نہیں دیکھا۔ اس کی چھٹی حس اسے بتا چکی تھی کہ اس کے پاس جو کام لے کر آئی تھی وہ برقع پوش عورت تھی جو زیادہ چھپاتا ہے وہ زیادہ دکھاتا ہے۔ اس نے فون کا ریسیور رکھتے ہوئے شکر کر ان دونوں عورتوں کو اور خاص طور پر اس برقع پوش عورت کو دیکھا اور پھر معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

”معاف کیجئے گا آپ کو انتظار کرنا پڑا۔“

”نہیں، کوئی بات نہیں۔ ہمیں زیادہ انتظار نہیں کرنا پڑا۔“ چادر والی عورت نے فوراً کہا۔ ”ہمیں جمال صاحب نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔“ اس عورت نے کہا۔

”جمال درانی نے؟“ اس آدی نے استفسار کیا۔

”جی.....“

”آپ اسے کیسے جانتی ہیں؟“ آدی کو دلچسپی پیدا ہوئی۔

”بس ہمارے دوستوں میں سے ہیں۔“ اس بار برقع پوش عورت نے کہا۔ ”آدی نے اس عورت کی آواز کو غور سے سنا۔ آواز بہت خوبصورت اور لوج دار تھی اور اس کے بات کرنے کا ایک خاص انداز تھا۔ وہ بات کرتے ہوئے مخصوص انداز میں اپنے ہاتھوں کو بھی حرکت دے رہی تھی اور سامنے بیٹھا ہوا آدی اس حرکت سے جیسے اس عورت کو شناخت کرنے کی کوشش کر رہا تھا۔ ہمیں ایک مسئلہ درپیش تھا تو انہوں نے ہمیں آپ کے پاس بھیجا۔“ برقع پوش عورت بولی۔ ”وہ کہہ رہے تھے کہ آپ ہمارا مسئلہ حل کر دیں گے۔ وہ آپ کی بڑی تعریف کر رہے تھے۔“

”یہ جمال کی مہربانی ہے۔“ وہ آدمی کہتے ہوئے مسکرایا۔ ”جی تو میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں؟“  
دونوں عورتوں نے ایک لمحے کے لیے ایک دوسرے کو دیکھا پھر برقع پوش عورت نے اس آدمی کی طرف دیکھتے ہوئے

کہا۔ ”ہمیں ایک عورت کی تلاش ہے۔“

☆☆☆

”ہاں شائستہ.....! کیسی ہو تم؟“ ذیشان نے شائستہ کی آواز پہچانتے ہی کہا۔

”میں ٹھیک ہوں تم کیسے ہو؟“ شائستہ نے جواباً پوچھا۔

”ہم تو ویسے ہی ہیں جیسے ہمیشہ ہوتے ہیں۔ فٹ اینڈ فائن۔“ ذیشان نے شائستگی سے کہا۔ ”ہارون کیسا ہے؟“

”ہارون بھی ٹھیک ہے۔“

”ابھی آس پاس ہے تمہارے؟“

”نہیں، گھر پر نہیں ہے۔ کہیں باہر گیا ہوا ہے۔“

”اور تم..... تم اس کے ساتھ نہیں نکلتیں؟“

”نہیں۔“

”کیوں آج کل کہیں آنا جانا چھوڑ دیا ہے کیا اور بائی داوے یہ میری یاد تمہیں کیسے آگئی؟“ ذیشان کو اس سے بات

کرتے ہوئے اچانک خیال آیا۔

”کیوں تمہاری یاد نہیں آ سکتی مجھے؟“ شائستہ نے جواباً پوچھا۔

”عام طور پر آتی تو نہیں تمہیں۔“ ذیشان نے برجستگی سے کہا۔

”آخری بار یاد ہے تم سے میری کب بات ہوئی تھی۔ میرا خیال ہے کئی ماہ گزر گئے ہیں۔“

”ہاں تم تو جانتے ہو میں بہت مصروف رہتی ہوں اور خود تم بھی تو ہر وقت کچھ نہ کچھ کرتے رہے ہو۔ جب بھی گھر آنے

کا کہا تم ہال گئے۔“ شائستہ نے بتایا۔

”ہاں جانتا ہوں میں اپنی اور تمہاری مصروفیت کو اسی لیے تو پوچھ رہا ہوں کہ آج فرصت کیسے مل گئی۔“ ذیشان نے

بے تکلفی سے کہا۔

”بس میں نے سوچا تم سے گپ لگائی جائے۔“

”آج کا دن واقعی اچھا ہے کہ شائستہ کمال جیسی خاتون صرف گپ شپ لگانے کے لیے فون کر رہی ہیں۔“

شائستہ بے اختیار مسکرائی۔ ”خیر اب شائستہ کمال اتنی بڑی ہستی بھی نہیں ہو گئی ہیں۔“

”ہمارے لیے تو ہمیشہ سے ہی ہیں۔“

”ہاں تمہیں تو عادت ہے ہر ایک کی خوشامد کرنے کی۔“ شائستہ نے اسے جھڑکا۔ ذیشان اس کا اور ہارون کا بہت پرانا

دوست تھا۔

”ہر ایک کون؟“

”ہر ایک مطلب ہر ایک۔“ شائستہ نے اسے بتایا۔

”تمہارے اور ٹومی کے علاوہ کسی کی آج تک خوشامد نہیں کی میں نے۔“ ذیشان نے اپنی بیوی کا نام لیا۔

”ٹومی کے سامنے میرا نام لو گے تو وہ تمہیں جوتے لگائے گی۔“

”تو کھالیں گے پہلے کیا جوتے نہیں پڑے۔“

شائستہ نے اس بار قبضہ لگاتے ہوئے کہا۔ ”تم کیا جوتے کھانے والے مردوں میں سے ہو۔“

”اب کیا میں تم سے یہ کہوں کہ تم جوتے مار کر دکھ لو۔“

شانستہ پھر ہنسی۔ ”نہیں! یہ کام تم اپنی بیوی کے لیے ہی رہنے دو۔ مجھے یہ بتاؤ کہ اب نایاب کو کس کمرشل میں لے رہے ہو۔“

”دو تین کمرشل ہیں۔“

”ضروری ہے کہ تم اسے کمرشلز میں لو۔ تمہیں پتا ہے ہارون کتنا ناراض ہو رہا ہے۔“

”اب یہ کیا بات ہوئی۔ پہلے ہارون نے خود مجھ سے کہا کہ نایاب کو کمرشل میں کام کرنے کا شوق ہے، میں اسے کسی کمرشل میں جانس دوں اور اب وہ ناراض ہو رہا ہے۔“

”مگر اس نے یہ تو نہیں کہا تھا کہ اسے مزید کمرشلز کی آفر دے دینا۔ وہ تو صرف ایک کمرشل کی بات کر رہا تھا، تاکہ نایاب کا شوق پورا ہو جائے۔“

”اب میں کیا کروں شانستہ! نایاب کا پہلا کمرشل اتنا اچھا بنا ہے کہ کہنی نے اپنی دوسری پروڈکٹ کے لیے بھی اسی کو لینے کے لیے کہا ہے۔ تمہاری بیٹی ہے ہی بہت ٹیلنٹڈ۔“ اس نے تعریف کی۔ ”میں نے نایاب سے بات کی تو اس نے بھی بائی بھر لی۔“

”مگر تمہیں اس سے بات کرنے سے پہلے مجھ سے یا ہارون سے بات کر لینا چاہیے تھی۔“

”چلو تم سے اب بات کر لینا ہوں۔ ہارون سے پھر کبھی کر لوں گا۔“

”اب میں اس سے کیا بات کروں گی۔ اسے کمرشلز سے نکالنے کا کہوں گی تو نایاب شور مچا دے گی۔“

”مگر یہ بیٹھے بیٹھے تمہیں کمرشلز پر اتنا اعتراض کیوں ہونے لگا ہے۔ تمہیں تو ایک زمانے میں خود اس کام میں بہت دلچسپی تھی؟“ ذیشان نے حیرت کا اظہار کیا۔

”آج کل تو اچھی اچھی فیملیز کے لوگ سٹارٹشس لے کر آتے ہیں میرے پاس کہ ان کی بیٹی کو اپنے کمرشل میں جانس دوں اور میں نایاب کو جو سوچ بیٹھے بیٹھے دے رہا ہوں، وہ تو اسے چند ہفتوں میں اسٹار بنا دے گا۔“

”اور ساتھ ہی اس کے دماغ کو بھی آسمان پر پہنچا دے گا۔“ شانستہ بڑبڑائی۔ ذیشان نے اس کی بڑبڑاہٹ سن لی۔

”اس بارے میں تم پریشان نہ ہو، وہ پہلے ہی آسمان پر پہنچا ہوا ہے۔“

”خیر اب میں مزید کیا کہوں تم سے، بس اس کا ذرا خیال رکھنا۔“

”پریشان نہ ہو۔ ویسے تمہیں یہ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔“ ذیشان نے اسے جیسے اطمینان دلایا۔

”اچھا..... ہاں..... ایک بات اور.....“ شانستہ نے یوں ظاہر کیا جیسے فون بند کرتے کرتے اسے کوئی بات یاد آگئی ہو۔

”یہ نایاب کے ساتھ پہلے کمرشل میں ایک لڑکے نے کام کیا تھا۔ نایاب بہت ذکر کرتی ہے اس کا۔ کیا نام لیتی ہے۔“

شانستہ نے فون پر یوں ظاہر کیا جیسے وہ اپنے ذہن پر زور ڈال رہی ہے۔

”اس کے ساتھ ایک لڑکا تو نہیں تھا کمرشل میں، تین چار لڑکے تھے۔“ ذیشان نے کہا۔

”ہاں مگر وہ جو سب سے زیادہ گڈ لکنگ تھا جس نے بہت اچھا کام کیا؟“

”او، شمر کی بات کر رہی ہو گی وہ۔“ ذیشان کو یاد آیا۔

”ہاں ہاں، یہی نام لیتی ہے وہ۔“ شانستہ نے اس کی تائید کی۔ ”کیا لڑکا ہے یہ؟“

”کیوں کیا ہوا؟“

”کچھ نہیں، ویسے ہی پوچھ رہی ہوں۔ نایاب اکثر اس کا ذکر کرتی رہتی ہے اس لیے۔“

”اچھا لڑکا ہے بلکہ بہت اچھا لڑکا ہے۔“ ذیشان نے کہا۔

”تم اس کا ایڈریس دے سکتے ہو مجھے؟“ شانستہ نے لہجے کو بہت نارمل رکھتے ہوئے کہا۔ ”ایڈریس اور فون نمبر؟“

”کیوں؟ ایسا کیا ہوا ہے کہ تمہیں اس کا ایڈریس اور فون نمبر لینے کی ضرورت آن پڑی۔“ ڈیشان چونکا۔ ”نایاب کو تنگ

زہنیں کر رہا دو؟“  
 ”نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔“ شائستہ نے فوراً کہا۔ ”بس نایاب کی کچھ دوستی ہے اس کے ساتھ اور میں ذرا پتا کروانا چاہتی ہوں اس کے بارے میں۔ نایاب کے دوستوں کے بارے میں ہمیشہ بہت محتاط رہتی ہوں۔“ شائستہ نے وضاحتی انداز میں کہا۔  
 ”اس سے اور اس کی فیملی سے کچھ دن پہلے میری پی سی میں نایاب نے ہی ملاقات کروائی تھی۔ میں نے سوچا کہ پھر بھی

کچھ اور پتا کروانا چاہیے۔“  
 ”میں پتا کروا دیتا ہوں۔“ ڈیشان نے آفر کی۔ ”ویسے جتنا میں اس کے بارے میں جانتا ہوں یہ یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ بہت اچھا لڑکا ہے۔“

”وہ تو ٹھیک ہے پھر بھی تم مجھے ایڈریس دے دو۔ نایاب کے سارے دوستوں کے ایڈریسز میں اپنے پاس ضرور رکھتی ہوں، کبھی بھی ضرورت پڑ سکتی ہے۔“ شائستہ نے بات بدلتے ہوئے کہا۔  
 ”ٹھیک ہے، میں تمہیں اس کا ایڈریس لکھوا دیتا ہوں۔ کانٹیکٹ نمبر تو نہیں ہے میرے پاس مگر اس کا ایڈریس ہے۔“ ڈیشان نے فون پر اسے ایڈریس لکھواتے ہوئے کہا۔  
 ”شائستہ کاغذ پر نوٹ کرنے لگی۔

”اگلے دو کمرشلز میں بھی میں اسے ہی نایاب کے ساتھ لے رہا ہوں۔“ ایڈریس لکھوانے کے بعد اس نے شائستہ کو جیسے اطلاع دی۔ ”دونوں کا بیئر بہت اچھا لگا تھا پہلے کمرشل میں۔ کچھ دنوں تک آن ایئر جانے والا ہے کمرشل۔ مجھے بتانا نایاب نے کیا کام کیا ہے۔“

”ہاں ضرور۔“ کچھ دیر دونوں ادھر ادھر کی باتیں کرتے رہے پھر شائستہ نے فون رکھ دیا۔ سامنے پڑے کاغذ کو اٹھا کر وہ اس پر نظر دوڑانے لگی۔ اس کے دل کی دھڑکن بے ترتیب سی ہو رہی تھی۔

☆☆☆

”مئی! اب آپ امبر کو کبھی اکیلے گھر سے باہر نہ جانے دیجئے گا۔“ صبغہ نے قدرے دھیمی آواز میں کمرے کے دروازے کو دیکھتے ہوئے کہا، اسے خدشہ تھا کہ امبر اس گفتگو کو نہ سن لے۔

صبغہ قدرے پریشانی کے عالم میں کمرے سے باہر آ کر صحن میں پڑی کرسی پر بیٹھ گئی تھی۔ چند منٹوں بعد منیزہ بھی اٹھ کر باہر آ گئی تھی۔ ان کے چہرے پر غمگینی نمایاں تھی جبکہ صبغہ کے چہرے پر تشویش تھی۔

”امبر نے تو حد کر دی۔“ منیزہ جیسے یک دم پھٹ پڑی تھی۔ ”اتنی بڑی رقم فضول خرچی میں اڑادی۔ اسے احساس ہی نہیں ہے کہ فی الحال ہمیں پیسوں کی کتنی ضرورت ہے۔“

”مئی پلیز! آہستہ بولیں، امبر سن لے گی۔“ صبغہ نے ان کی بات کاٹ دی۔

”سنتی ہے تو سن لے۔ میں بھی چاہتی ہوں اسے پتا تو پٹے کہ اس نے کتنی غلط حرکت کی ہے، ان حالات میں اسے یہ فضول خرچی نہیں کرنا چاہیے تھی۔“

منیزہ اس وقت واقعی غصے میں تھی۔ ”تم نے دیکھا کس طرح بے کار چیزوں پر پیسہ ضائع کیا ہے اس نے۔“ وہ بڑبڑا رہی تھی ”پرنٹو ہزار جولری اس وقت ان سب چیزوں کی ضرورت ہے اسے؟“

”پلیز مئی! آہستہ بولیں۔“ میں نہیں چاہتی کہ امبر سن لے اور دوبارہ کوئی ہنگامہ کھڑا ہو۔“ صبغہ نے ایک بار پھر انہیں ٹوکا۔ ”آپ کو اس کی ذہنی حالت کا احساس ہونا چاہیے۔ وہ ٹینشن لے گی تو.....“

منیزہ نے اس کی بات کاٹ دی مگر اب ان کی آواز مدہم تھی۔ ”جانتی ہوں وہ ٹینشن لے گی تو کیا ہوگا۔ مگر جو ٹینشن ہمیں

ہورہی ہے اس کا کیا ہوگا۔ اسے ان چیزوں کو سنبھال کر رکھنا چاہیے تھا۔ کسی وقت کام آتے۔“ انہیں روہ کر اسی رقم کا دکھ ہو رہا تھا۔

صنعت نے گہرا سانس لیا۔ ”آپ کو اندازہ ہے کہ اس نے یہ شاپنگ کہاں سے کی ہے؟“

”کہاں سے کرنی ہے اس کے اکاؤنٹ میں جو پیسے تھے وہی خرچ کیے ہوں گے۔ بتایا تو ہے اس نے۔“ منیزہ نے کہا۔  
”اور آپ نے یقین کر لیا؟“

”صنعت ظاہر ہے اور کہاں سے آئی ہیں یہ چیزیں۔“ منیزہ نے تضحی سے کہا۔

”اس کے اکاؤنٹ میں اتنی رقم نہیں تھی کہ وہ یہ سب کچھ خرید سکتی۔“ صنعت نے تھکے ہوئے لہجہ میں کہا۔ ”دس مہینہ ہوں گے اور بس اور یہ تمام چیزیں تقریباً ایک لاکھ روپے کی ہیں۔“

منیزہ کچھ بول نہ سکیں اچھے ہوئے انداز میں اس کا چہرہ دیکھتی رہیں۔

”اسے یہ شاپنگ کسی نے کروائی ہے۔“

”کس نے؟ اور کوئی کیوں اسے اس طرح شاپنگ کروائے گا؟“

”یہی سوال مجھے پریشان کر رہا ہے کہ کوئی کیوں اسے اس طرح شاپنگ کروائے گا۔ آخر اس کا مقصد کیا ہے؟“ صنعت نے اچھے ہوئے انداز میں کہا۔

”تمہیں کوئی غلط فہمی۔“

”مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی، مجھے یقین ہے کہ امبر ہارون کمال سے ملنے گئی تھی اور یہ تمام چیزیں اسی نے اسے خرید کر دی ہیں۔“ صنعت نے منیزہ کی بات کا ٹھنڈا کر دیا۔

”ہارون کمال؟“ منیزہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ”مگر وہ کیوں اسے یہ سب کچھ خرید کر دیا؟“

”آپ بتائیں وہ کیوں یہ سب کچھ خرید کر امبر کو دے سکتا ہے؟“ صنعت نے منیزہ کے سوال کا جواب دینے کے بجائے جواباً ان سے پوچھا۔

”میں کیسے بتا سکتی ہوں؟“ منیزہ کے ماتھے پر ہلکی سی ابرو آئیں۔

”آپ بتا سکتی ہیں می!“ صنعت کی آواز اب بھی مدہم تھی۔ ”آپ کم از کم یہ تو ضرور بتا سکتی ہیں کہ ہارون نے امبر کے علاج پر اتنا روپیہ کیوں خرچ کیا؟“

اسے ہم لوگوں سے ہمدردی تھی اس لیے۔ ”منیزہ نے بے حد کمزور لہجہ میں کہا۔

”تو پھر اسی ہمدردی کے تحت اس نے امبر کو یہ شاپنگ بھی کروادی ہے اور اس ہمدردی کی وجہ سمجھنا کم از کم اب تو آپ کے لیے مشکل نہیں ہونا چاہیے۔“ منیزہ کچھ نہیں بول سکیں۔ وہ چپ چاپ صنعت کا چہرہ دیکھتی رہیں۔ بہت دیر بعد وہ بولیں۔

”ہارون! امبر کے باپ کا دوست ہے۔ امبر کے باپ کی طرح ہے۔“

”رکشی! پاپا کی بیٹی کی دوست تھی۔ پاپا کے لیے بیٹی کی طرح تھی۔ کیا پاپا اس کے لیے باپ جیسے ثابت ہوئے؟“

”ہر مرد تمہارے باپ جیسا اور ہر لڑکی رکشی جیسی نہیں ہوتی۔“ منیزہ کو یک دم غصہ آیا۔

”کسی بھی مرد کے ماتھے پر نہیں لکھا ہوتا کہ وہ پاپا کی طرح نہیں ہے اور نہ ہی کسی لڑکی کے ماتھے پر۔“

”تم امبر کا موازنہ رکشی جیسی لڑکی سے کر رہی ہو؟“ منیزہ نے تاسف و بے یقینی سے کہا۔ ”وہ رکشی کی طرح مگر سکتی ہے؟“

”یہ سوال مجھ سے نہ کریں۔“ صنعت مدہم لہجہ میں بولی۔ ”اس سے پوچھیں وہ شاید آپ کو اس کا بہتر جواب دے۔“

”مجھے یقین ہے صنعت! امبر ایسی نہیں ہے۔ یہ شاپنگ اگر ہارون نے بھی اسے کروائی ہے تب بھی کم از کم امبر کے دل میں ویسے کوئی خیالات نہیں ہیں جیسے تم کہہ رہی ہو۔“ منیزہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔



”میری خواہش ہے کہ ایسا ہی ہو۔ مگر یہ میل جول اگر اسی طرح جاری رہا تو میری خواہش اور آپ کا یقین دھرے کا دھارہ جاتے گا۔“

”میں امبر سے ابھی بات کرتی ہوں۔“ منیزہ ایک دم اٹھ کر کھڑی ہو گئیں۔

”نہیں می! ابھی نہیں آج بات کرنا مناسب نہیں ہے۔ اس سے کل بات کریں‘ میری عدم موجودگی میں۔“

”کیوں؟ آج کیوں نہیں؟ جو بات بھی ہوگی اب تمہارے سامنے ہوگی۔“

”آپ اس سے علیحدگی میں بات کریں تب جب وہ.....“

منیزہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”نہیں جو بات بھی ہوگی تمہارے سامنے ہوگی کیونکہ تمہیں ہی شک ہے کہ وہ ہارون

کمال کے ساتھ گئی تھی۔“ منیزہ نے الزام لگانے والے انداز میں کہا۔

”آپ میرے سامنے بات کرنا چاہتی ہیں تو ٹھیک ہے‘ میرے سامنے بات کر لیں۔ مگر اس وقت بات نہ کریں۔“ صنف

اب پچھتا رہی تھی کہ اس نے اس وقت منیزہ سے بات کیوں کی۔

”ابھی بات کرنے میں کیا حرج ہے؟“

”مئی پلیز‘ کبھی تو آپ یہ بات سمجھ لیں کہ ہر موقع ہر بات کہنے کا نہیں ہوتا۔“ صنف کے لہجے میں ہلکی سی ناراضی جھلک

آئی۔ ”وہ ابھی کچھ سمجھنے باہر گزار کے آئی ہے اور خوش ہے تو فی الحال اسے خوش رہنے دیں۔ ابھی اس سے کچھ کہیں گی تو وہ ہنگامہ

برپا کر دے گی۔ آپ نے دیکھا وہ تھوڑی دیر پہلے کس طرح بات کر رہی تھی۔“

صنف نے منیزہ کو سمجھانے کی کوشش کی۔ ”آپ صرف ایک بات کا خیال رکھیں کہ دوبارہ اس کو اکیلے گھر سے نکلنے نہ

دیں۔ وہ کہیں جائے تو آپ اس کے ساتھ جائیں۔“

”میں نے تمہیں بتایا تھا کہ وہ مجھے ساتھ لے جانا پسند نہیں کرتی اور میں اسے زبردستی پکڑ کر تو گھر میں نہیں بیٹھا سکتی۔ وہ

مجھے تمہاری مثال دیتی ہے کہ تم بھی تو باہر جاتی ہو۔“

”آپ نے اس کو بتایا کہ میں جاب کی تلاش میں جا رہی ہوں؟“

”بتا چکی ہوں مگر وہ سننے پر تیار نہیں ہے۔“

اس سے پہلے کہ منیزہ کچھ اور کہیں امبر یک دم کمرے سے باہر آ گئی۔ منیزہ اور صنف دونوں خاموش ہو گئیں۔ امبر کو ان

کی ایک دم خاموشی نے کچھ بے چین کیا مگر پھر وہ انہیں نظر انداز کرتے ہوئے کچن میں چلی گئی۔ صنف نے اس کے ہاتھ میں کافی

کا جار دیکھا تھا۔

کچن کے کھلے دروازے سے وہ دونوں امبر کو کافی بناتے دیکھتی رہیں۔ وہ بڑے گمن سے انداز میں کچھ گنگناتے ہوئے

کافی بنانے میں مصروف تھی۔ صنف اور منیزہ نے نظروں کا تبادلہ کیا۔ وہ یقیناً کافی مدت کے بعد اس طرح گنگناتے ہوئے خوشگوار

موڈ میں تھی۔ منیزہ کو پہلی بار صنف کی باتوں میں سچائی کی کوئی رتس نظر آئی تھی۔

☆☆☆

”اس ایڈریس پر ایک عورت رہتی ہے۔ مجھے اس عورت اور اس کے بچوں کے علاوہ اس کی فیملی کے بارے میں معلومات

چاہئیں۔“

اس شخص نے اس کاغذ پر نظر ڈالی جو اس کے سامنے ٹیبل پر بڑھایا گیا تھا۔ اس کے بعد اس نے اس عورت کو دیکھا جو

ٹیبل کے دوسری طرف اس کے سامنے بیٹھی تھی۔ جینز اور ٹی شرٹ میں لمبوس میک اپ سے مبرا چہرے ہونے کے باوجود بے حد

خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس کے ہونٹوں میں ایک سگریٹ دبا ہوا تھا اور وہ لا پرواہی سے اس کے منہ لگا رہی تھی۔

وہ کچھ دیر پہلے اس کے دفتر میں داخل ہوئی تھی اور وہاں داخل ہونے کے بعد اس شخص کو اپنا مسئلہ بتانے سے پہلے اس

نے اس کا تفصیلی انٹرویو لیا تھا۔ اس شخص نے بڑے تحمل سے اس کے چھوٹے بڑے سوالات کے جواب دیئے تھے۔ پچھلے کئی

سالوں سے وہ اس پروفیشن میں تھا اور اس تک آنے والا ہر کلائٹ اسی قسم کے سوالات کرتا تھا جیسے سوالات اس کے عورت نے اس سے پوچھے تھے۔

ایک لمبے چوڑے انڈیو کے بعد بالآخر اس نے قدرے مطمئن ہوتے ہوئے اپنے پنڈ بیک سے ایک کانڈ نکالا اور اسے نیمل پر اس شخص کی طرف بڑھادیا۔

وہ عورت زرد تھی۔ اس شخص کو یہ اندازہ لگانے میں دقت نہیں ہوئی کیونکہ اس عورت کی انھلیوں پر سگریٹ پینے کی وجہ سے کوئی نشان نہیں تھے یا تو وہ سگریٹ ہولڈر استعمال کرتی تھی یا پھر وہ سگریٹ پینے کی عادی نہیں تھی۔ اگر وہ سگریٹ ہولڈر استعمال کرتی تو اسے اس وقت بھی کرنا چاہیے تھا اور اگر وہ سگریٹ پینے کی عادی نہیں تھی تو اس وقت کیوں پی رہی تھی، یقیناً وہ زرد تھی۔ ایک عام سے محلے میں رہنے والی اس عورت اور تین بچوں سے اس عورت کا ایسا کیا تعلق تھا جو اسے زرد کر رہا تھا کوئی رشتہ؟ کیا رشتہ؟ کوئی تعلق! کیا تعلق؟

”اس عورت کے بارے میں آپ مجھے کیا بتا سکتی ہیں؟“ اس شخص نے بالآخر سوال کیا۔

”آپ کیا جانا چاہتے ہیں؟“

”آپ جو بھی بتا سکیں۔“

”میں اس عورت کے بارے میں زیادہ نہیں جانتی۔“ وہ عورت کچھ سوچتے ہوئے بولی۔ ”یہ جانتی ہوں کہ یہ کسی گورنمنٹ اسکول میں ٹیچر ہے یہ کہ اس کا شوہر مر چکا ہے اور اس کے تین بچے ہیں۔“

”اس عورت کا نام بتا سکتی ہیں؟“

”نام؟“ وہ ایک بار پھر سوچ میں پڑی ”نہیں۔“ اس نے بلاخر کہا۔

”بچوں کے نام؟“

”ہاں وہ جانتی ہوں۔“ اس بار وہ بے ساختہ بولی۔

”دو بیٹے اور ایک بیٹی ہے۔ بڑے بیٹے کا نام شبیر اور چھوٹے کا شمر ہے اور بیٹی کا نام ثانیہ۔“

”آپ کو یقین ہے کہ یہ اسی ایڈریس پر رہتے ہیں؟“

”ہاں بالکل یہ اسی ایڈریس پر رہے ہیں۔“

”اگر آپ ان کا فون نمبر دے سکیں تو۔“

”نہیں۔ میرے پاس ان کا فون نمبر نہیں ہے۔ صرف ایڈریس تھا۔“

”مجھے خاص طور پر اس کے بڑے بیٹے کے بارے میں معلومات چاہئیں اس کی تاریخ پیدائش؟ کہاں پیدا ہوا؟ وغیرہ وغیرہ۔ بلکہ اس کی پیدائش ریکارڈ اگر آپ حاصل کر سکیں تو زیادہ بہتر ہے۔“

”اور یہ ساری معلومات آپ کو کب تک چاہئیں؟“

”مجھے کوئی جلدی نہیں ہے آپ جتنا وقت چاہیں لیں مگر مجھے صحیح معلومات چاہئیں اور جتنی زیادہ اکٹھی کر سکیں۔ اتنی ہی بہتر ہوگا۔“ اس نے سگریٹ کے پتے ہونے لگے کو اٹھائے اور اسے مٹا دیا۔

”کیا فیس ہے آپ کی؟“ اس نے اپنے بیک کے اندر ہاتھ ڈال کر کچھ ٹٹولتے ہوئے پوچھا۔

”یہ کام معلومات کی نوعیت پر منحصر ہے۔ آپ کو زیادہ معلومات چاہئیں اور آپ خود مجھے کچھ نہیں بتا سکیں جس کا مطلب ہے مجھے بہت زیادہ کام کرنا پڑے گا اور زیادہ کام کرنے کا مطلب.....“

اس عورت نے لا پرواہی سے اس کی بات کاٹ دی۔

اس کا مطلب ہے کہ فیس زیادہ ہوگی، مجھے پرواہ نہیں۔ آپ صرف کام کریں۔“ فونوں کی ایک گڈی جس کو پلیٹ کر اس پر ریڈ بینڈ چڑھایا گیا تھا اس کے سامنے نیمل پر بیچک دی۔ ”یہ تیس ہزار ہیں۔“ وہ بیک بند کرتے ہوئے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

”مزید تم اس وقت ملے گی جب مجھے کام ہوتا ہوا نظر آئے گا۔“

”مجھے آپ کا فون نمبر اور نام چاہیے۔“ عورت کو کھڑے ہوئے دیکھ کر اس نے نیبل پر پڑا ایک رائٹنگ پیڈ اس کی طرف

بڑھایا۔ ”نام؟“ عورت نے کچھ سوچتے ہوئے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔ ”نام ضروری ہے؟“

”فون پر میں آپ کو کیا کہہ کر بلاؤں گا؟“

”میں آپ کو اپنا موبائل نمبر دے رہی ہوں۔ میرے علاوہ کوئی کال ریسیو نہیں کرتا۔ آپ آواز نہ تو پہچان ہی لیں گے

یا پھر ضروری ہے کہ میں آپ کو اپنا غلط نام بتاؤں۔“ اس نے پیڈ پر نمبر کھینچتے ہوئے کہا۔

”غلط یا صحیح مجھے صرف نام سے فرض ہوتی ہے۔“ اس شخص نے اسی انداز میں کہا۔

”اوکے پھر آپ مجھے فریڈ کہہ لیں۔“ اس نے اسے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے لا پروائی سے کہا۔

”فریڈ؟“ وہ سوچتے ہوئے بڑبڑایا۔ وہ عورت اب کمرے سے نکل چکی تھی۔

”اس شخص نے نیبل پر پڑے کاغذ کے ٹکڑے کو ایک نظر دیکھا اور پھر دروازہ کھول کر وہاں سے ایک لفافہ نکال کر اسے

کھولنے لگا۔ اس کے ہاتھوں میں اب ایک اور کاغذ تھا جس پر اس نے دو دن پہلے کچھ نوٹ کیا تھا۔

”دو دن پہلے آنے والی ان دو عورتوں نے بھی ایک عورت کا ہی ذکر کیا تھا۔ وہ بھی اسکول ٹیچر تھی مگر کہاں؟ یہ وہ نہیں

جانتی تھیں ہاں وہ نام جانتی تھیں۔ فاطمہ۔ انہیں عورت سے زیادہ اس کے بچوں میں دلچسپی تھی مگر وہ ان کے نام نہیں جانتی تھیں۔

آج آنے والی عورت نے اسے تم نام دیے تھے۔ ان عورتوں کو فاطمہ کے دونوں چھوٹے بچوں میں دلچسپی تھی۔ اس عورت کو

بڑے میں۔

وہاں بیٹھے ہوئے اس آدمی کو یوں لگ رہا تھا جیسے وہ دونوں ایک ہی معاملے کی کڑیاں تھیں اور وہ دونوں عورتیں فاطمہ

نامی ایک ہی عورت کو تلاش کر رہی تھیں اور اب اسے فاطمہ نامی اس عورت کے بارے میں مزید معلومات اکٹھی کرنا تھیں۔

☆☆☆

”السلام علیکم، آنٹی گھر پر ہیں؟“ دروازہ شہیر نے کھولا تھا اور صحنہ نے کسی تمہید کے بغیر فوراً فاطمہ کے بارے میں استفسار

کیا تھا۔

”جی وہ گھر پر ہیں۔ آپ اندر آ جائیں۔“ شہیر نے دروازے کے سامنے سے ہنستے ہوئے کہا۔ صحنہ اندر داخل ہو گئی۔

”آپ کمرے میں چلی جائیں۔ وہ نماز پڑھ رہی ہیں۔“ شہیر نے اس کے عقب میں دروازہ بند کرتے ہوئے اس سے کہا۔

”جی!“ صحنہ نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ وہ اب دوسرے کمرے کی طرف جا رہا تھا۔ صحنہ کو ایک بار پھر اس کی

شہادت نے عجیب سا احساس دیا۔ اسے یقین تھا وہ شہیر کو پہلے نہیں دیکھ چکی ہے۔

وہ کمرے میں داخل ہو گئی فاطمہ نماز تقریباً ختم کرنے والی تھی۔ صحنہ کرسی پر جا کر بیٹھ گئی۔ فاطمہ نے چند لمحوں کے بعد

سلام پھیرا۔

”السلام علیکم آنٹی!“ صحنہ نے اسے سلام کیا۔

”وعلیکم السلام، کیسی ہو صحنہ؟“

”میں ٹھیک ہوں، ہماری لائٹ چلی گئی ہے۔ باقی محلے میں ہے، میں الیکٹریشن کو بلوانا چاہتی ہوں۔“ صحنہ نے اپنا مسئلہ بتایا۔

”فیوز اڑ گیا ہوگا۔“ الیکٹریشن کی ضرورت نہیں۔ شہیر فیوز لگا دیتا ہے۔“ فاطمہ نے جائے نماز سے اٹھتے ہوئے کہا۔

”نہیں نہیں آنٹی! آپ انہیں ڈسٹرب نہ کریں۔ میں صرف یہ چاہتی تھی کہ الیکٹریشن کا فون نمبر یا جگہ بتادیں میں جا کر

اسے لے آتی ہوں۔“ صحنہ نے کہا۔

”بیٹا! یہ اتنا بڑا کام نہیں ہے کہ اس کے لیے الیکٹریشن کی ضرورت پڑے۔“ فاطمہ نے کمرے سے باہر نکلتے ہوئے کہا۔

”اور پھر اندھیرا ہو چکا ہے اس وقت تم الیکٹریشن کو لینے جاؤ گی۔“ وہ کہتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔

”شہیر بیٹا! ذرا صبر کے ساتھ چلے جاؤ۔ ان کے گھر کا فیوز اڑ گیا ہے۔ اسے لگا دو۔“ صہبہ نے وہاں بیٹھے ہوئے ساتھ والے کمرے میں فاطمہ کو شہیر سے کہتے سنا۔

”میں چلا جاتا ہوں، آپ نے ٹرے سے ٹانی کو لانے کے لیے کہہ دیا ہے؟“

”نہیں، ابھی آتا ہے تو پھر بھیجتی ہوں۔ بس آنے ہی والا ہوگا۔“ فاطمہ نے کہا اور دوبارہ اپنے کمرے میں واپس آ گئی۔ صہبہ تب تک کھڑی ہو چکی تھی۔ ”جاؤ بیٹا! میں نے شہیر سے کہہ دیا ہے، وہ دیکھ لے گا۔“ فاطمہ کہتے ہوئے دوبارہ جائے نماز کی طرف بڑھ گئی۔ صہبہ اسے سلام کر کے باہر صحن میں آ گئی۔ چند منٹوں بعد ہاتھ میں تار کا ٹکڑا لیے شہیر آ گیا۔ ”آئیے۔“ اس نے صہبہ سے کہتے ہوئے اور اسے آگے چلنے کا اشارہ کیا۔

دو صہبہ کے ساتھ اس کے گھر داخل ہوا تو۔ نیزہ صحن میں ہی کھڑی تھیں۔ نیزہ نے قدرے الجھے ہوئے انداز میں صہبہ کو شہیر کے ساتھ آتے دیکھا۔ شہیر نے رکی سے انداز میں انہیں سلام کیا۔

”مئی! یہ شہیر ہیں۔ فاطمہ آئی کہہ رہی تھیں کہ فیوز اڑ گیا ہوگا۔ شہیر ٹھیک کر دیں گے۔“ شہیر خنجر تھا کہ صہبہ بیٹری لے کر اس کے پاس آئے تو وہ اپنا کام شروع کرے۔ نیزہ نے کوئی تبصرہ نہیں کیا اور بیٹری صہبہ کو تھما کر اندر کمرے میں چلی گئیں۔ شہیر تب تک دیوار پر لگے فیوز باکس کی طرف جا چکا تھا صہبہ بیٹری لے کر اسکے پاس کھڑی ہو گئی۔ فیوز واقعی اڑا ہوا تھا۔ شہیر کو فیوز لگاتے ہوئے ایک دو چیزوں کی ضرورت پڑی۔ صہبہ بیٹری اسے تھما کر اندر آئی جاتی رہی۔ شہیر کو فیوز لگانے میں چند منٹ لگے تھے۔ ایک جھماکے کے ساتھ صحن میں لگا بلب روشن ہو گیا۔

لائٹ آتے ہی نیزہ کمرے میں آن مارچ بند کرتے ہوئے باہر نکل آئیں۔

”آپ بیٹھیں، میں آپ کے لیے چائے بناتی ہوں۔“ صہبہ نے رسماً شہیر سے کہا۔

”نہیں شکریہ، اس کی ضرورت نہیں۔“ اس نے کہا اور بیرونی دروازہ بند کرتے ہوئے باہر نکل گیا۔

صہبہ مڑی تو اس نے نیزہ کو صحن میں کھڑے دیکھا۔

”آپ کو اسے بیٹھنے کے لیے کہنا چاہیے تھا۔“

”کیوں؟ اس سے ہمارا کیا رشتہ ہے جو میں اسے بیٹھنے کے لیے کہتی۔“ نیزہ نے حیکھے انداز میں کہا۔ ”اور تمہیں اسے چائے کی دعوت دینے کی کیا ضرورت تھی۔“

”میں نے اسے چائے کی دعوت نہیں دی تھی صرف چائے کا پوچھا تھا۔“ صہبہ ہلکی سی خفگی کے ساتھ بولی۔

اپنے صحن میں قدم دھرے شہیر کے پاؤں رک گئے۔ وہ ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو آسانی سے سن سکتا تھا۔

”چائے کا پوچھنے کی بھی ضرورت نہیں تھی۔“ نیزہ نے اسی انداز میں کہا۔

”مئی! اس نے گھرا کر ہماری مدد کی۔ ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم۔“ نیزہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

”میں نے تمہیں ان کے گھر اس لیے بھیجا تھا کہ تم الیکٹریشن کا پوچھ کر آؤ، یہ نہیں کہا تھا کہ تم ان کے بیٹے کو لے آؤ۔“

”فاطمہ آئی نے خود بھیجا تھا اسے، وہ کہہ رہی تھیں کہ معمولی کام ہے۔ شہیر کر دے گا۔“

”تمہاری اس فاطمہ آئی کو ہم سے ضرورت سے زیادہ ہمدردی ہے۔ انہیں تو موقع ملتا چاہیے ہماری مدد کرنے کا۔“ نیزہ نے قدرے خنجر سے کہا۔

”آپ کو ایسے نہیں کہنا چاہیے! وہ اچھی خاتون ہیں۔ اگر وہ ہماری مدد نہ کر تیں تو کتنے مسائل پیدا ہو جائے اس محلے میں ہمارے لیے۔“ صہبہ نے قدرے جتانے والے انداز میں کہا۔

”ان کی وجہ سے کوئی زندگی اور قسمت بدل نہیں گئی ہماری اور تمہیں اتنا احسان مند ہونے کی ضرورت ہے نہ ہی ان سے

اتنے گفتگو بڑھانے کی۔“ منیزہ نے تنبیہ کرنے والے انداز میں کہا۔

”وہ ہمارے برابر کے لوگ نہیں ہیں، اس محلے میں آکر رہنے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ ہم ان جیسے ہو گئے ہیں۔“

”یہاں بھی انسان رہتے ہیں می! اور انسانوں میں کبھی گریو نہیں ہوتی۔“

”خاندانوں میں تو ہوتی ہیں ناں اور ہم کم از کم خاندانی لوگ ہیں۔“

”آپ بے کار کی بحث کر رہی ہیں می! میں نے آپ سے صرف یہ ریکوریٹ کی تھی کہ کوئی بھی، اگر ہمارے لیے کچھ

کرے تو اس کا شکر یہ ادا کرنے میں کوئی ہرج نہیں ہوتا۔“ صبغہ نے بات ختم کرنے کی غرض سے کہا۔

”آپ اگر ہارون کمال کو اس کی عنایتوں کے لیے سراہ سکتی ہیں تو پھر ہمارے آس پاس رہنے والے لوگوں کو بھی.....“

”تم ہارون کمال کا مقابلہ ان لوگوں سے کر رہی ہو؟“

”میں کسی کا مقابلہ کسی سے نہیں کر رہی۔ میں صرف روپے کی بات کر رہی ہوں۔ اس بات کو ختم کریں اب۔“ صبغہ نے

بیزاری سے کہا اور اندر کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ وہ بے حد صحنجھلائی ہوئی تھی۔

دوبار کے دوسری طرف صحن میں کھڑے شہیر نے ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو سنی تھی اور اسے بے حد غصہ آیا

تھا۔ زندگی پہلی بار اس نے خاندان اور برابری کی بات سنی تھی اور وہ بھی کسی ایسی عورت کے منہ سے جو ای جیسے ایک مکان میں

اسی کے محلے میں رہائش پذیر تھی۔

دو کمرے کے ایک گھر میں ساری زندگی گزارنے کے باوجود اس نے اس محلے میں اپنی ماں کی وجہ سے بے پناہ عزت

پائی تھی۔ لوگ فاطمہ کے بچوں کا فاطمہ کی وجہ سے احترام کرتے تھے اور اس کے بعد ان کے اپنے کردار کی وجہ سے ان کی قدر۔

اس نے کبھی یہاں کسی سے یہ نہیں سنا تھا کہ اس کا خاندان کسی کے خاندان سے کتر تھا جبکہ اسی محلے میں بہت صاحب حیثیت

لوگ بھی رہتے تھے اور آج پہلی بار وہ اس گھر میں اپنے خاندان کے حوالے سے گفتگو سن رہا تھا جن کی فاطمہ پچھلے کئی ہفتوں سے

دکھاتا دکھاتی آرہی تھی اور وہ گھر اس مدد کو کس رنگ میں دیکھ رہا تھا۔ اس دقت وہاں کھڑے اس کے دل میں منیزہ کے لیے

میل آ گیا تھا۔

☆☆☆

”میں نے سوچا، میں دیکھ کر تو آؤں۔ اتنے ہفتے ہو گئے کچھ کیسا چل رہا ہے؟“

صفر کی بیوی اس دن منیزہ کے ہاں آئی ہوئی تھیں گھر کا نفسی جائزہ لینے کے بعد اب وہ منیزہ کے پاس کمرے میں

بٹھی تھیں۔

صبغہ اس وقت گھر موجود نہیں تھی جبکہ زارا اور رابعہ اسکول گئی ہوئی تھیں۔ صرف امبر گھر پر تھی اور وہ چائے بنا رہی تھی۔

”گھر ٹھیک ہی ہے، تم لوگوں کے لیے تو کافی ہے۔“

منیزہ نے سر ہلا دیا۔ دو کمرے ان کے سروٹ کو افرز میں ہوتے تھے اور وہ انہیں اس طبقے کے لیے بھی کافی نہیں سمجھتی

تھیں اور اب وہ انہیں بتا رہی تھیں کہ دو کمرے ان کے لیے بہت کافی تھے۔

”مخلہ بھی مجھے ٹھیک ٹھاک ہی لگ رہا ہے۔ اتنے کم پیسوں میں اتنا اچھا مکان آج کل کہاں ملتا ہے۔“ منیزہ نے اس

بار بھی کچھ کہنے کی بجائے صرف سر ہلا دیا۔

”صبغہ کہاں ہے نظر نہیں آ رہی؟“ انہیں ایک دم صبغہ کا خیال آیا۔

”وہ کسی کام سے باہر گئی ہوئی ہے۔“

”جواب مل گئی اسے؟“

”نہیں ابھی ڈھونڈ رہی ہے۔“

”ہاں جواب ملنا بھی تو آج کل بہت مشکل ہے، اتنے کو ایفائیڈ لوگوں کو نہیں ملتی اس نے تو صرف اے لیوٹریکا ہوا ہے۔“

میزہ ان کے اس تہرے پر کڑھ کر رہ گئیں۔

”تم اس سے کہو کہیں رہیشنٹ یا سیکرٹری کی جاب کر لے آج کل صرف یہ جاب ہے جو آسانی سے مل جاتی ہے کم پردہی لکھی لڑکیوں کو۔ بس اس جاب میں مسائل بڑے ہوتے ہیں لیکن مجبوری میں انسان کیا نہیں کرتا۔“

میزہ نے اس بار بھی ان کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا۔

”اور شاہے زارا اور رابعہ کا اسکول تبدیل کر دیا تم نے؟ مجھے عائشہ نے بتایا تھا۔“ انہوں نے اپنی بیٹی کا نام لیتے ہوئے کہا جو رابعہ اور زارا کی کلاس فیوٹھی۔

”ہاں، اب اتنا مہنگا اسکول انورڈ کرنا مشکل تھا پھر ہمارے گھر سے بہت فاصلے پر تھا۔“ میزہ نے بلاخر خاموشی توڑی۔

”اچھا کیا تم نے، جتنی بچت تم لوگ کر سکتے ہو تمہیں کرنا چاہیے کل کو کام آئے گی۔ چار بیٹیوں کو بیانا آسان کام تو نہیں۔“

”تب ہی امبر چائے کی ٹرے لے کر اندر داخل ہوئی۔ صفدر کی بیوی کی توجہ امبر کی طرف مبذول ہو گئی۔

”ارے، امبر چائے بنا رہی تھی؟ چائے بنانا آتا ہے امبر کو؟ یا ابھی سیکھی؟“ انہوں نے بے حد تعجب کا اظہار کرتے ہوئے امبر سے پوچھا۔

”چائے بنانا پہلے بھی آتی تھی مجھے۔“ امبر نے مدہم آواز میں ٹرے نیبل پر رکھتے ہوئے کہا۔

’لیکن پہلے کبھی میں نے تمہیں بناتے نہیں دیکھا اس لیے حیران ہو رہی تھی میں۔“ صفدر کی بیوی نے بڑی مصوعیت سے کہا۔

”امبر آج کل کیا کر رہی ہے؟“

کچھ نہیں گھر رہی ہوتی ہے۔“ میزہ نے امبر کے کچھ کہنے سے پہلے ہی کہا ”کھانا وغیرہ بھی بنا لیتی ہوگی پھر تو؟“

”نہیں وہ میں ہی بناتی ہوں۔“ میزہ نے ایک بار پھر مداخلت کی۔ امبر خاموشی سے چائے بنانے میں مصروف رہی۔

”گھر میں بے کار بٹھائے رکھنے کا کیا فائدہ ہے۔ تمہیں اب امبر کے لیے رشتہ ڈھونڈنا چاہیے۔“

امبر نے چائے بناتے بناتے سراٹھا کر انہیں دیکھا۔

”ابھی تو گھر تبدیل کیا ہے۔ کچھ سیٹ ہو جائیں پھر میں یہ کام بھی کروں گی۔“ میزہ نے جلدی سے کہا۔ امبر نے کپ

ان کی طرف بڑھا دیا۔

”اب جتنی جلدی یہ کام کر سکتی ہو، کرو۔“ صفدر کی بیوی نے کپ پکڑتے ہوئے کہا۔

”ارے ہاں، طلحہ کی شادی ہو رہی ہے۔ تمہیں پتہ ہے؟“

امبر کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ صفدر کی بیوی کے لہجے میں بلا کا اطمینان تھا۔ میزہ چند لمبے کچھ بول نہیں سکیں۔ انہوں

نے ایک نظر امبر کو دیکھا جس کا چہرہ سفید ہو رہا تھا اور وہ صفدر کی بیوی کی طرف دیکھ رہی تھی پھر انہوں نے صفدر کی بیوی کو دیکھا

جو اب اطمینان کے ساتھ چائے کے گھونٹ لے رہی تھیں۔

”نہیں، مجھے نہیں پتا۔“ میزہ نے بے مشکل کہا۔

”ہاں واقعی، تمہیں کیسے پتا ہوگا۔ تم لوگ تو یہاں آ کر سب سے کٹ کر رہ رہ گئے ہو۔“ صفدر کی بیوی نے بات جاری رکھی۔

”جب ہم سے ان کا رشتہ ختم ہو گیا تو پھر وہ اس کی شادی کریں نہ کریں ہمیں کوئی دلچسپی نہیں۔“ میزہ نے اس بار

قدرے سختی سے کہا۔

”ہاں، میں سمجھتی ہوں۔ لیکن میں تو تمہیں بتانا چاہ رہی تھی کہ اس کی شادی سعدیہ سے ہو رہی ہے۔“

”کون سعدیہ؟“ میزہ کے منہ سے بے اختیار نکلا مگر یہ سوال نہیں تھا۔ وہ جانتی تھیں سعدیہ کون تھی۔

”ارے تمہاری نند کی بیٹی، امبر کی بڑی دوستی تھی اس کے ساتھ، کالج میں دونوں اکٹھے ہی تو پڑھتی تھیں۔“ صفدر کی بیوی

نے جانے والے انداز میں مبر کو دیکھا۔ اس بار نیزہ کچھ نہیں بول سکیں۔ امبر کا چہرہ کچھ اور سفید ہو گیا تھا۔ نیبل کا سہارا لینے ہوئے وہ غمی اور کسی معمول کی طرف کمرے سے نکل گئی۔

”آپ کو امبر کے سامنے یہ سب نہیں کہنا چاہیے تھا۔“ نیزہ نے اس کے کمرے سے نکلنے کے بعد کہا۔  
 ”اب تو سال سے بھی زیادہ ہو گیا اس کی طلاق کو، اب کیا فرق پڑتا ہے۔ امبر تو بھول گئی ہوگی یہ سب کچھ۔“ صفدر کی بیوی کے لہجے میں بلا کا بھولہ پن تھا۔

”ہاں وہ سب کچھ بھول گئی ہے پھر بھی آپ کو یہ سب کچھ اس کے سامنے نہیں کہنا چاہیے تھا۔ ہم اس کے سامنے طلحہ کا ذکر نہیں کرتے۔“ نیزہ کے لہجے میں تحسُّن اتر آئی۔

”مگر میں یہ سب نہ کہتی تو کوئی اور یہ سب کہہ دیتا اب ساری دنیا تو طلحہ کا ذکر کرنا بند نہیں کر سکتی۔“ صفدر کی بیوی کے لہجے میں ہلکی سی تنگی آ گئی۔ ”ہمیں تو انہوں نے شادی میں بھی بلایا ہے۔ مگر تمہارے بھائی کو تمہارا اور اپنی بھانجیوں کا خیال تھا اس لیے ہم لوگ شادی پر نہیں جا رہے۔ دیے میں نے سنا ہے منصور اور مسود کی صلح ہو گئی ہے اور منصور اور رخشی اس شادی میں جا رہے ہیں۔“ نیزہ کی اہمیت اب جواب دے رہی تھی۔ مگر صفدر کی بیوی اطمینان سے گفتگو کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے تھی پھر چائے کا کپ رکھ کر اس نے اپنا بیگ کھولا۔

”ہاں، یہ منصور نے تمہارے اور بچوں کے لیے ایک چیک بھجوایا ہے۔ اس کا پیغام بھی تھا کہ وہ ہر ماہ بچوں کے لئے کچھ رقم بھجواتا رہے گا۔“ انہوں نے ایک لٹافہ نکال کر نیزہ کی طرف بڑھا دیا۔ وہ چپ چاپ اس لٹافے کو گھورتی رہیں۔  
 ”تم اگر مجھے اپنا ایڈریس دے دو تو وہ یہ چیک براہ راست یہاں پہنچا دیا کرے گا۔“ صفدر کی بیوی نے اپنا بیگ بند کرتے ہوئے کہا کہ۔

”مجھے تو خوشی ہوئی کہ اس میں ابھی بھی ضمیر نام کی کوئی چیز باقی ہے ورنہ پچھلے ایک ڈیڑھ سال میں اس نے جو کچھ کیا ہے۔۔۔۔۔“ وہ بات کرتے کرتے رکھیں پھر اچانک پوچھا۔ ”تم نے فون لگوا لیا یا نہیں؟“  
 ”نہیں، فون کی کیا ضرورت ہے ہمیں؟“ نیزہ نے غمی سے کہا۔

”ہاں یہ بھی ٹھیک ہے، جتنی بچت ہو سکے تمہیں کرنی چاہیے۔“ صفدر کی بیوی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔  
 ”میں اب چلتی ہوں دیر ہو رہی ہے۔ کسی چیز کی ضرورت ہو تو بتانا مجھے۔ تکلف کی ضرورت نہیں ہے۔ ماہانہ خرچہ کی تو خیر اب تمہیں ضرورت نہیں رہی مگر پھر بھی تمہارے بھائی کہہ رہے تھے کہ تم سے پوچھ لوں۔“

صفدر کی بیوی نے جاتے جاتے نیزہ کو بتا دیا تھا کہ وہ اب انہیں ماہانہ خرچ کے نام پر چند ہزار روپے بھی نہیں بھجوائیں گے جن کا صفدر نے پہلے وعدہ کیا تھا۔

صفدر کی بیوی کے جانے کے بعد نیزہ دوسرے کمرے میں آ گئیں۔ امبر اپنے بیڈ پر چت لٹی چھت کو گھور رہی تھی۔ نیزہ اس کے پاس جا کر بیڈ پر بیٹھ گئیں۔ اپنا ہاتھ اس کے بازو پر رکھتے ہوئے دھیرے سے بولیں۔  
 ”تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ مت سوچو کچھ بھی۔“  
 امبر نے کسی ردِ عمل کا اظہار نہیں کیا وہ اسی طرح چھت کو گھورتی رہی۔

”تمہاری شادی کسی بہت اچھی جگہ ہوگی۔۔۔۔۔ طلحہ سے بھی اچھے لڑکے کے ساتھ اچھا ہوا تمہاری جان اس جیسے خاندان سے چھوٹ گئی۔ دیکھو، میں نے ساری عمر اس خاندان میں گزار دی اس خاندان نے بڑھاپے میں مجھے کیا دیا، طلاق کا داغ۔ تمہیں تو اللہ نے بچا لیا۔“

”ہاں مجھے تو اللہ نے بچا لیا۔۔۔۔۔ مجھے تو طلاق نہیں ہوئی۔“ وہ آہستگی سے بڑبڑائی۔ نیزہ کچھ بول نہیں سکیں۔ امبر نے ان کی طرف دیکھا۔

”مجھے بھی اللہ نے نہیں بچا لیا۔ آپ نے زندگی میں یہ سب کچھ دیکھنے سے پہلے کچھ اچھا وقت تو گزارا۔۔۔۔۔ میں نے زندگی

میں کیا پایا۔ ذلت اور رسوائی۔ دھوکا اور فریب بس؟ ہر رشتے سے، چاہے وہ دوست ہو یا باپ مجھ پر تو کسی نے رحم نہیں کیا۔“ وہ مدھم آواز میں بولتی جا رہی تھی۔ ”بعض دفعہ مجھے لگتا ہے کی! پوری دنیا لکھوں سے بھری ہوئی ہے۔ آپ کے آس پاس چاروں طرف بس گدھ ہی گدھ ہوتے ہیں۔ اور انتظار کرتے ہیں کہ وہ کس وقت آپ پر جھٹ کر آپ کا کتنا گوشت فوج سکتے ہیں۔“

میزرہ نے حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھا۔ امبر کبھی ایسی باتیں نہیں کرتی تھی۔  
 ”رکھی تو خراب خاندان کی تھی۔ غربت تھی اس لیے وہ باپا پر چھٹی مگر سعد یہ وہ تو اچھے خاندان کی تھی، میری دوست تھی پھر اسے کیا ہوا؟“ اس کا لہجہ سنج رہا تھا۔ ”اس کو پتہ ہے طلحہ سے میں کتنی محبت کرتی تھی اور خود وہ مجھ سے کتنی محبت کرتا تھا پھر اس نے طلحہ سے شادی کرنے سے پہلے یہ کیوں نہیں سوچا کہ وہ کبھی میری دوست رہ چکی ہے۔“

”دنیا میں کوئی کمی کا نہیں ہوتا، سارے لوگ ایسے ہی ہوتے ہیں۔“ میزرہ نے تھکے تھکے انداز میں کہا۔ ”ملاحظہ یا مروت نام کی شے کہیں نہیں پائی جاتی اور بھتارو اعتماد، اس کا تو کہنا ہی کیا۔“ میزرہ کے لہجے میں تلخی تھی۔ انہیں اب اپنی زندگی یاد آ رہی تھی۔  
 ”میرادل جانتا ہے میں سعدیہ کے پاس جاؤں اسے جا کر.....“

میزرہ نے امبر کی بات کاٹ دی۔ ”وہ تمہیں دیکھ کر کیا طلحہ سے شادی سے انکار کر دے گی؟ کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ صرف کچھ اور زبانون پر تمہارا نام آ جائے گا۔ وہ سعدیہ سے شادی کرے یا کسی اور سے، ہم لوگوں کو کیا فرق پڑتا ہے۔ تمہیں اس کے بارے میں سوچنا تک نہیں چاہیے۔“

میزرہ نے سمجھانے کی کوشش کی۔ امبر کچھ دیر چپ چاپ انہیں دیکھتی رہی پھر آہستگی سے بولی۔ ”کیا آپ باپا کو مکمل طور پر بھول چکی ہیں؟ کیا آپ ان کے بارے میں کبھی سوچتی تک نہیں؟“ مدھم آواز میں کیے گئے دوسوالموں نے میزرہ کو بالکل خاموش کر دیا۔ وہ کچھ دیر امبر کو دیکھتی رہیں پھر ان کی آنکھیں ڈبڈبائے لگیں۔

☆☆☆

”ہیلو ٹم! کیسے ہو؟“ ٹم نے مڑ کر دیکھا وہ نایاب تھی۔ ان دونوں کا سامنا کئی ماہ کے بعد ہو رہا تھا اور ٹم اس بے تکلفی پر حیران تھی جس سے وہ اسے مخاطب کر رہی تھی۔ وہ فورٹریس اسٹینڈم کے باہر لگی ہوئی ایگزیکٹو بیسین دیکھنے کے لیے آیا تھا جب نایاب نے ایک دم اسے مخاطب کیا تھا۔ وہ اس دن اکیلی تھی۔

”میں ٹھیک ہوں۔ آپ کیسی ہیں؟“ ٹم نے جوابا کہا۔

”دیری فائن۔“ نایاب نے اسی بے تکلفی سے کہا۔ ”تم تو عاقب ہی ہو گئے۔ اتنے ماہ سے کہاں تھے؟“

”ایگزیکٹو میں بڑی تھا۔“

”ہاں یاد آیا، تم نے اس وقت بتایا تھا کہ پری انجینئرنگ کر رہے تھے۔ کیسے ہوئے بیچر؟“

”اچھے ہو گئے۔“ ٹم نے مختصراً کہا۔

”گڈ، میرے بھی اچھے ہو گئے۔“

”پری انجینئرنگ؟“

”نہیں بھئی، اے لیوٹر۔ میں نے بتایا تھا تمہیں۔“

”مجھے یاد نہیں۔“

”ہاں تمہیں کیوں یاد رہے گا، تم ایک مشہور ماڈل جو بن گئے ہو۔“ اس بار ٹم ہنسا۔

”مشہور کہاں ہوں دو کمرشل کیے ہیں مشہور ہوتا تو اس وقت میں اس پبلک ٹیلیس میں کمرڈیوں آپ سے باتیں نہ کر رہا

ہوتا۔“

”کیوں؟“ نایاب نے حیرت سے پوچھا۔

”کیونکہ میں لوگوں کو انٹرفیس دینے میں مصروف ہوتا اور آپ کو avoid کرتا، آخر میں آپ کو جانتا ہی کتنا ہوں اور



مشہور شخصیات کی یادداشت تو ویسے بھی کمزور ہوتی ہے۔“ ثمر نے برجستگی سے کہا تو نایاب بے اختیار افسوس دی۔  
 ”ارے تم میں تو واقعی کلس ہیں مشہور ہونے کے، اس کا مطلب ہے تم سے ذرا زیادہ واقفیت حاصل کرنا پڑے گی تاکہ تم  
 کلی کو یہ نہ کہہ سکو کہ میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔“ ثمر مسکرا دیا اسے نایاب سے باتیں کرنا اچھا لگ رہا تھا۔

”اکیلے آئے ہو؟ یا تمہارے بہن بھائی ساتھ ہیں؟“ نایاب نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”آپ اکیلی آئی ہیں یا آپ کے مئی پاپا ساتھ ہیں؟“

نایاب نے ایک نظر اسے دیکھا پھر یک دم ہنسی۔ ”یہ کیا بات ہوئی وہ کیا ہر وقت میرے ساتھ ہوتے ہیں؟“

”تو یہی بات میں بھی تو کر سکتا ہوں، میرے بہن بھائی کیا ہر وقت میرے ساتھ ہوں گے؟“

”یعنی اس وقت نہیں ہیں؟“

”نہیں۔“

”مگھ، اس کا مطلب ہے کچھ دیر ہم اکٹھے رہ سکتے ہیں۔ دیکھو تا بعد میں تو تم مشہور ہو جاؤ گے پھر کہاں تم ایسے ویسوں کو

”وقت دو گے۔“

وہ اب اسے چھیڑ رہی تھی۔ ثمر نے اس بار کچھ نہیں کہا وہ مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ چلنے لگا۔

”تم کیا خریدنے آئے تھے؟“ نایاب نے چلتے چلتے اس سے پوچھا۔

”کچھ خاص نہیں، میں صرف وقت ضائع کرنے آیا تھا۔“ ثمر نے اطمینان سے جواب دیا۔

”پھر کتنا ضائع کیا؟“

”جب انسان وقت ضائع کر رہا ہو تو پھر اس کا بھی حساب کیوں رکھے کہ کتنا ضائع کیا۔“

نایاب مسکرائی۔ ”اچھا کتنا ضائع کرو گے؟“

”آپ کتنی دیر مجھے اپنے ساتھ رکھنا چاہتی ہیں؟“ اس بار نایاب نے بے اختیار تہمت لگایا۔

”تم سے باتوں میں جیتنا بہت مشکل ہے۔“

”صرف باتوں میں؟“ ثمر نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

”تم بتاؤ اور کس کس چیز میں جیتنا مشکل ہے؟“

”لٹ لہی ہے، آپ تھک جائیں گی۔“ ثمر بے ساختہ بولا۔

”میں سننے کے موڈ میں ہوں۔“

”مگر میں سنانے کے موڈ میں نہیں ہوں۔ آپ کچھ کھائیں گی؟“ اس نے یکدم پوچھا۔

”مثلاً کیا؟“ نایاب نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ تو آپ طے کریں گی کہ آپ کیا کھائیں گی؟“

”تم مینو تو بتا سکتے ہو؟“

”میں ویئر نہیں ہوں۔“

”دوست تو ہو۔“

”وہ بھی نی انمال نہیں ہوں“

”شنا سنا تو ہو۔“

”ہاں وہ ہوں مگر شناسا کھانے کی فہرست نہیں بتایا کرتے۔“

”اگر شناسا کچھ کھلانے کی آفر کر سکتے ہیں تو پھر یہ بھی بتا سکتے ہیں کہ وہ کیا کھانا چاہتے ہیں۔“

اس بار ثمر نے بے اختیار سر کھچایا۔ نایاب بھی اپنے نام کی ایک تھی۔

”جلیں..... آپ نے چونکہ مجھے لاجواب کر دیا ہے اس لیے میں آپ کو بتا دیتا ہوں کہ میرا مینوکیا ہے چاٹ، گول گپے۔“ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا نایاب نے روک دیا۔

”چاٹ چلے گی۔“

”ٹھیک ہے، چاٹ کھاتے ہیں۔“ ثمر نے کہا اور نایاب کو لے کر چاٹ کے اسٹال پر چلا گیا۔

انہیں وہاں تقریباً آدھا گھنٹہ لگا تھا اور آدھ گھنٹہ کے دوران ان دونوں نے جی بھر کر باتیں کی تھیں۔ آپس میں گفتگو کرتے ہوئے انہیں عجیب قسم کا احساس ہو رہا تھا نایاب کی بہت سے لڑکوں کے ساتھ دوستی تھی مگر جتنی آسانی اور بے تکلفی وہ ثمر سے گفتگو میں محسوس کر رہی تھی۔ وہ اس نے پہلے کہیں کسی اور کے ساتھ محسوس نہیں کی تھی اور ثمر کی کبھی کسی لڑکی سے دوستی نہیں رہی تھی مگر جو جھگ وہ دوسری لڑکیوں کو دیکھتے یا ان سے بات کرتے ہوئے محسوس کرتا تھا، وہ اسے نایاب سے بات کرتے ہوئے نہیں ہو رہی تھی۔

وہ اپنے پہلے کمرشل کے دوران بھی اکٹھے کام اور باتیں کرتے رہے تھے مگر وہاں سیٹ پر اور بہت سے لوگ ہوتے تھے۔ یہاں وہ پہلی بار اکیلے تھے جو باتیں وہ یہاں ایک دوسرے کے ساتھ کر رہے تھے، وہ کہیں اور نہیں کر سکتے تھے۔ آدھا گھنٹہ چاٹ کے اسٹال پر اور ایک گھنٹے ایگزہیشن میں ادھر ادھر گھوم کر وہ جس وقت وہاں سے باہر نکلے تو شام ہونے والی تھی۔

”میں تمہیں ڈراپ کر دوں؟“ نایاب نے ثمر کو آفر کی۔

”نہیں، میں خود چلا جاؤں گا۔“

”کیوں میں ڈراپ کیوں نہیں کر سکتی۔ اب تو میں تمہاری دوست ہوں۔“

”ہاں مگر پہلے ہی دن دوستوں سے اس قسم کے کام نہیں لینے چاہئیں۔“

ثمر نے مسکراتے ہوئے فورٹریس کی پارکنگ کی طرف جاتے ہوئے کہا۔

”پھر تم اسے ہماری دوستی کا آخری دن سمجھو۔ آخری دن تو تم دوستوں سے ایسے کام لینے کے حق میں ہو۔“

اس بار ثمر اس کی بات پر بے اختیار ہنس پڑا۔ وہ زندگی میں پہلی بار آج کیے بعد دیکھے نایاب کی باتوں پر کئی بار

لاجواب ہوا تھا اور اسے لاجواب ہونے میں مزہ بھی آیا تھا۔

”ٹھیک ہے، اگر تم واقعی دوستی کا آغاز احسانات سے کرنا چاہتی ہو تو مجھے ڈراپ کر دو۔“ ثمر نے کہا۔

”اور تمہارا اگر یہ خیال ہے کہ میں تمہارے اس جملے سے متاثر ہو کر یہ کیوں کی کہ ٹھیک ہے اب میں تمہیں ڈراپ نہیں کرتی تو تم غلطی کر رہے ہو میں پھر بھی تمہیں ڈراپ کر کے ہی آؤں گی۔ اگر دوستوں کو ایک دوسرے پر احسان نہیں کرنا تو اور کس پر کرنا ہے۔“ نایاب نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

تم نے آج آخر کتنی بار مجھے شرمندہ کرنا ہے؟ ثمر نے بلا خراس سے کہا۔

”تم اس سے پہلے کتنی بار ہوئے ہو؟“ نایاب نے بے ساختگی سے پوچھا۔

”میں کتنی بھول چکا ہوں البتہ یہ یاد ہے کہ میری فکر نہیں سے زیادہ بار ہی ایسا ہوا ہے۔“

”اچھا چلو، پھر ٹھیک ہے۔ یہ آخری بار تھا۔“ وہ گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے بولی۔

”دیکھا، آج میں نے تمہیں وقت ضائع کرنے میں کتنی مدد دی۔“ گاڑی پارکنگ سے باہر لاتے ہوئے نایاب نے ثمر

سے کہا۔ ”تمہارا ڈیڑھ گھنٹہ ضائع کیا۔“

”نہیں۔“ ثمر نے سنجیدگی سے کہا ”ایک گھنٹہ اور چالیس منٹ۔“

وہ یک دم ہنسی۔ ”چلو ہمارے ساتھ رہ کر کم از کم تم میں ایک تبدیلی تو آئی۔“

”وہ کیا؟“ اب تم نے ضائع ہونے والے وقت کا حساب تو رکھنا شروع کر دیا۔“ وہ بے اختیار مسکرایا۔

”تم نے کہا تھا تم اب کم از کم آج کی تاریخ میں مجھے شرمندہ نہیں کرو گی۔“

”ہاں، ہاں مجھے یاد آ گیا۔ اب خیال رکھوں گی۔“ نایاب نے جلدی سے کہا۔

”تم مجھے یہ بتاؤ کہ آج کل کوئی اور کمرشل کر رہے ہو؟“

”ہاں کچھ دنوں تک ایک اور کمرشل شروع ہو گا۔ وہ تمہارے ساتھ ہی ہے۔“

”نہیں اس کا مجھے پتا ہے۔ مگر اس کے علاوہ کوئی اور؟“

”نہیں فی الحال تو نہیں، مجھے اپنا پورٹ فولیو بنوانا ہے مگر وہ ابھی تک نہیں بنا سکا۔ ایگزامز کی وجہ سے بڑی تھا۔ اب

بناؤں گا۔“

”کہاں سے بناؤ گے؟“ نایاب نے پوچھا۔

”ڈیٹا صاحب نے ایک آڈیو کا نام دیا ہے۔ اس کے پاس جاؤں گا۔“

”پھر آگے کیا کرو گے؟“

”میں اس سی اے جانا چاہتا ہوں۔ گراؤنگ ڈیزائننگ میں ڈگری لینا چاہتا ہوں۔“

”وٹرفیل میں بھی NCA میں اینڈیشن لوں گی۔ تم کو اگر اس سلسلے میں کوئی مدد کی ضرورت ہو تو مجھ سے کہنا۔“

”نہیں، مجھے امید ہے مجھے کسی مدد کی ضرورت نہیں پڑے گی۔“

”دیکھتے ہیں تمہیں میری ضرورت پڑتی ہے یا نہیں۔“ نایاب نے دعویٰ کرنے والے انداز میں کہا۔ ”ویسے میں جب

NCA جوائن کر لوں گی تو ماڈلنگ چھوڑ دوں گی۔ اس نے ٹم کو اپنے آئندہ ارادے سے آگاہ کیا۔

”کیوں؟“

”کیونکہ میں ایک وقت میں دو کام نہیں کر سکتی اور پھر ماڈلنگ تو بس شوقیہ کر رہی ہوں۔ تمہارا کیا ارادہ ہے؟“

”میں NCA چھوڑ دوں گا ماڈلنگ نہیں۔“

”کیا مطلب؟“

”مطلب یہ کہ یہ میرا کیریئر ہے۔“

”شو بڑ؟“

”ہاں شو بڑ، مجھے اسی میں اپنا کیریئر بنانا ہے۔“

”یعنی پروفیشنل ماڈل بننا ہے؟“

”صرف ماڈل نہیں ایکٹری بھی۔“

”تو پھر NCA میں جانے کا کیا فائدہ؟“

”کوئی فائدہ نہیں مگر میری امی چاہتی ہیں کہ میں تعلیم مکمل کروں تو سمجھو بس وعدہ پورا کرنا ہے۔“

”اچھی بات ہے مگر میں تو اسے بہت جلد چھوڑ دوں گی۔ اب پھر تمہیں یہ آفر کروں گی کہ تمہیں کوئی مدد کی ضرورت ہو

تو مجھ سے کہنا، تو تمہیں برا لگے گا اور تم کہو گے کہ تمہیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔“

”نہیں، مجھے برا نہیں لگے گا مگر میں کہوں گا یہی کہ مجھے ضرورت نہیں پڑے گی۔“

”میں سمجھتی ہوں تم میں اتنا ٹیلنٹ ہے ٹم! کہ تمہیں واقعی کسی کی مدد کی زیادہ ضرورت نہیں پڑے گی۔“ نایاب نے یک

دم خمیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

”تم بڑی آسانی سے ٹاپ ماڈل اور ایکٹری بن سکتے ہو۔“

”ٹم مسکرایا۔“ تم مجھ سے یہ نہیں پوچھو گی کہ مجھے جانا کہاں ہے؟“

”ادہ سواری۔ میں نے یہ تو پوچھا ہی نہیں کہ تمہارا گھر کہاں ہے؟“ نایاب کو یک دم خیال آیا۔

شرامے اپنا انڈریس بتانے لگا۔ ”تمہیں مشکل ہوگی تایاب! اندرون شہر تم کبھی نہیں مگنی ہوگی۔ بہتر ہے تم مجھے بس اسٹاپ پر اتار دو۔ میں چلا جاؤں گا۔“ شر نے ایک بار پھر کہا۔

”جہاں انسان کبھی نہ گیا ہو وہاں ضرور جانا چاہیے۔ اور پھر میں نے تمہارے گھر پر جائے جینی ہے۔“ تایاب نے بے تکلفی سے کہا۔

”کیا؟“ شریک دم گڑ بڑایا۔

تایاب بے اختیار ہنسی۔ ”سوری۔ یہ آخری بار تھا۔ مت ملانا چائے صرف ڈراپ کروں گی تمہیں۔“

”میں نے سوچا شاید تم آج مجھے جوتے کھلوانے کا ارادہ رکھتی ہو۔“ شر بھی مسکرانے لگا۔

”کیوں؟“ تایاب نے ہنسیوں اچکاتے ہوئے پوچھا۔

”میں جس علاقے میں رہتا ہوں وہاں اگر میں شام کے وقت جنیز اور ٹی شرٹ میں ملبوس کوئی لڑکی اپنے ساتھ گھر لے کر جاؤں گا تو کئی لوگوں کی انگلیاں مجھ پر اٹھیں گی اور پھر ہمارے گھر کا ماحول بھی اتنا لبرل نہیں ہے کہ میں اپنی امی سے جا کر کہوں کہ اس سے ملیں یہ ہے تایاب، میری دوست۔“

”مگر تم کمرشلز میں کام کر رہے ہو۔“

”کمرشلز میرے گھر پر نہیں ہوتے تایاب! نہ ہی ابھی کوئی میرے محلے میں یہ جانتا ہے کہ میں نے کمرشلز میں کام شروع کر دیا ہے۔“

”ہوں سبھی۔“ تایاب بھی کچھ سنجیدہ ہو گئی۔ ”تو کیا تم اسی لیے مجھے بار بار منع کر رہے ہو کہ میں تمہیں چھوڑنے نہ جاؤں؟“

شر نے اس بار گہرا سانس لیا۔ وہ بلاشبہ بے حد ذہین تھی۔

”ہاں میں وہاں تمہاری گاڑی سے اتروں گا تو یہ مناسب نہیں لگے گا۔“ شر نے کہا۔

”ٹھیک ہے، میں تمہیں تمہارے علاقے کے قریب کسی بس اسٹاپ پر اترا دوں گی۔ تم مجھے بتا دینا جہاں تمہیں مناسب

لگے۔“ تایاب نے اس بار فراخ دلی سے کہا۔

”تمہارا کوئی فون نمبر ہے؟“

”نہیں۔“

”اور میرا فون نمبر، وہ ہے تمہارے پاس؟“

”نہیں، وہ بھی نہیں ہے۔“

”اچھا پھر نوٹ کرو۔“ وہ اپنا موبائل نمبر شر کو دکھوانے لگی۔

شر کے کہنے پر ایک بس اسٹاپ کے پاس اس نے گاڑی روک دی۔

”شر! میرا بہت اچھا وقت گزرا ہے تمہارے ساتھ“ شر خدا حافظ کہتے ہوئے دروازے کھولنے لگا تو تایاب نے کہا۔

”مجھے خوشی ہے آج مجھے ایک اور اچھا دوست ملا ہے۔“

شر نے جواباً مسکرا کر اسے دیکھا اور شکر یہ ادا کرتے ہوئے گاڑی سے اتر گیا۔

تایاب کی گاڑی چند لمحوں میں نظروں سے اوجھل وہ گئی۔ شر بس اسٹاپ پر کھڑے لوگوں کے ہجوم کے پاس جا کر کھڑا ہو

گیا۔

”آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟“ صب نے دروازہ کھلنے پر میزہ کا چہرہ دیکھتے ہی بے ساختہ پوچھا۔ میزہ جواب دیے بغیر

واپس مڑ گئیں۔ صب نے دروازہ بند کرتے ہوئے میزہ کو دیکھا۔

”ہاں میں ٹھیک ہوں۔“ میزہ نے مڑ کر نہیں دیکھا، ”تم منہ ہاتھ دھو لو میں کھانا لے کر آتی ہوں۔“ وہ کہتے ہوئے کچن

کی طرف بڑھ گئیں۔

”نہیں، میں کھانا نہیں کھاؤں گی۔ میں نے ایک بیکری سے سینڈوچ لے لیا تھا۔“ میزہ نے جکن سے ہی کہا۔

”ایک سینڈوچ سے کیا ہوتا ہے۔ کئی دنوں سے تم اسی طرح دوپہر کا کھانا چھوڑ رہی ہو۔“ میزہ نے جکن سے ہی کہا۔

”مئی! اب تو ویسے بھی شام ہو رہی ہے، رات کا کھانا ہی کھاؤں گی۔ ابھی کھانا کھا لوں گی تو رات کو نہیں کھا سکوں گی۔“

صنف نے بلند آواز میں میزہ سے کہا۔ اپنا بیک رکھتے ہوئے اس کی نظر امبر پر پڑی۔ جو بیڈ پر چٹ لیٹی تھی اس نے

آنکھوں پر بازو دکھا ہوا تھا۔ صنف نے کرسی پر بیٹھ کر اپنے جوتوں کے تسمے کھولتے ہوئے حیرانی سے امبر کو دیکھا۔ شام کے پانچ

بجے والے تھے اور امبر اس وقت سویا نہیں کرتی تھی۔ صنف گھر آنے پر اکثر اسے ٹی وی دیکھتے یا کوئی کتاب پڑھتے ہوئے دیکھتی

تھی مگر آج وہ سو رہی تھی یا ظاہر کر رہی تھی، اس نے صنف کے اندر داخل ہونے یا اس کی آواز پر بھی کسی رد عمل کا اظہار نہیں کیا

تھا۔ صنف نے گھر میں داخل ہونے پر میزہ کی سوچی ہوئی آنکھیں دیکھی تھیں اور اب وہ امبر کو اس طرح چپ چاپ لینا دیکھ

رہی تھی۔ اس کی چمچی جس نے اسے جیسے خبردار کیا۔ امی نے یقیناً امبر سے ہارون کمال اور اس شاپنگ کے بارے میں بات کی

ہوگی اور امبر، میزہ سے الجھ پڑی ہوگی۔ اس نے امبر کو دیکھتے ہوئے اندازہ لگایا۔

پاؤں میں چپل اڑس کر وہ اپنے کپڑے لے کر واٹس روم میں گھس گئی۔ نہانے کے دوران بھی وہ مسلسل امبر کے بارے

میں سوچی رہی پتا نہیں میزہ نے کس طرح بات کی تھی اور کیا کہا تھا اور امبر نے جواباً کس رد عمل کا اظہار کیا تھا۔ اس کا ذہن بری

طرح الجھا ہوا تھا۔

وہ واٹس روم سے باہر نکلی تو میزہ صحن میں تھیں نہ ہی جکن میں۔ صنف نے امبر کے کمرے میں جھانکا وہ وہاں بھی نہیں

تھیں۔ پھر وہ دوسرے کمرے میں چلی آئی۔ میزہ، زارا اور رابعہ کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں۔ وہ دونوں اپنا ہوم ورک کر رہی تھیں۔

”آپ نے امبر سے کوئی بات کی ہے؟“ صنف نے میزہ کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

”کبھی بات؟“ میزہ نے قدرے چونک کر اس سے پوچھا۔

”ہارون کمال اور شاپنگ کے بارے میں؟“ صنف نے انہیں یاد دلایا۔

”نہیں۔“ میزہ نے سر ہلایا۔

”پھر امبر کو کیا ہوا ہے؟“ صنف کو یک دم تعجب ہوا۔

”کیا ہوا ہے؟“ میزہ نے اس کا سوال دہرایا۔ صنف کو ان کا لہجہ عجیب سا لگا۔

”وہ اس وقت سو رہی ہے۔ عام طور پر تو اس وقت نہیں سوتی۔“

”ہاں عام طور پر تو اس وقت نہیں سوتی۔“ میزہ نے جیسے بڑبڑانے والے انداز میں کہا۔

”تو پھر اس کو اٹھا دیں۔ شام ہو رہی ہے۔“

”نہیں، اسے سو پارہنے دو۔“

”کیوں؟ کیا طبیعت خراب ہے اس کی؟“ صنف کو یک دم تشویش ہوئی۔

”نہیں، طبیعت تو ٹھیک ہے۔“

”پھر؟“ صنف نے الجھی ہوئی نظروں سے میزہ کا چہرہ دیکھا کچھ نہ کچھ یقیناً غلط تھا۔ میزہ نے ایک لفافہ اس کی طرف

بڑھادیا۔

”یہ کیا ہے؟“ صنف مزید الجھی۔

”آج بھانجھی آئی تھیں۔“

”اوہ.....“ صنف نے بے اختیار کہا۔ ”کیا انہوں نے کچھ کہا ہے۔ آپ سے یا امبر سے؟“ صنف نے لفافہ تھامتے ہوئے

پوچھا۔

”وہ کیا کہیں گی۔ ان کی کہی ہوئی کوئی بات تو اب ہمیں بری بھی نہیں لگتی۔“ منیزہ تلخی سے مسکرائیں۔ ان کے پاس روکر عادت ہو گئی ہے، ہمیں یہ سب کچھ سننے کی۔ اب اتنے دنوں بعد اگر چند اور طنز کر گئی ہیں تو کیا برامانا۔“

صنف تب تک لفاظی کھول کر اس کے اندر سے چیک نکال چکی تھی۔ وہ بچپس ہزار کا چیک تھا۔

”پاپا نے بھجویا ہے؟ کیا وہ آئے تھے یہاں؟“ صنف نے بے اختیار کہا۔

”نہیں۔ بھابھی دے کر گئی ہیں۔ صنف بھائی کے ہاں بھجویا تھا اس نے۔“ منیزہ نے بتایا۔

”تو کیا اس بات پر امبر کا موڈ آف ہوا ہے؟“

”نہیں، امبر کو تو میں نے ابھی اس چیک کے بارے میں بتایا ہی نہیں۔“ منیزہ نے کہا صنف اب چیک واپس لگانے میں ڈال رہی تھی۔

”پاپا نے کس لیے بھجویا ہے یہ چیک؟“

”تم لوگوں کے ماہانہ اخراجات کے لیے۔ وہ اب ہر ماہ اسی طرح ہمیں چیک بھجویا کرے گا۔ بچپس ہزار کا چیک اس کے نزدیک ہماری ضروریات کے لیے کافی ہے۔ اب جب ہم دو کمرے کے اس جمونپڑی نما گھر اور اس خستہ حال علاقے میں آ کر رہنے لگے ہیں اور بچوں کا اسکول تبدیل کروا دیا ہے تو اسے یاد آ گیا ہے کہ بھیک کے نام پر ہر ماہ کچھ نہ کچھ ہمیں خیرات کرنا اس کا فرض ہے۔“

”مئی! یہ بھی بہت ہے کہ انہیں خیال آ گیا ہے۔ وہ کچھ نہیں بھجوا رہے تھے تو ہم نے ان کا کیا بگاڑ لیا۔“ صنف نے لفاظی نیکل پر رکھ دیا۔ ”جن حالات میں ہم رہ رہے ہیں بچپس ہزار ہمارے لیے بہت کافی ہیں۔ اگر پاپا ہر ماہ اتنی رقم ہمیں بھجواتے رہیں تو ہم بہت آسانی سے زندگی گزار سکیں گے بلکہ ہر ماہ کچھ نہ کچھ بجا بھی لیا کریں گے۔“ صنف کے چہرے پر اطمینان تھا۔

”بچپس ہزار سے کیا بچائیں گے؟“ منیزہ کو صنف کی بات پر ٹھٹس آیا۔ ”کیا ساری زندگی یہاں اسی علاقے میں رو کر ہر ماہ میں پیسے جوڑنی رہا کروں گی اور تمہارا باپ اور اسکی دوسری بیوی ساری دنیا میں عیش کرتے پھریں گے۔“

”پاپا اگر بچپس ہزار ہمیں ہر ماہ بھجواتے رہیں تو ہم کسی بہتر علاقے میں جا سکیں گے، میں کوئی جاب کر لوں گی۔ حالات بہتر ہو جائیں گے مئی! بہر حال آج کا دن اچھا ہے۔“

صنف نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اس کے کندھوں سے ایک دم جیسے کوئی بوجھ اتر گیا تھا۔ ہر ماہ ایک معقول رقم آنے کا مطلب تھا کہ اس کو فوری طور پر کسی جاب کی ضرورت نہ پڑتی وہ اپنی تعلیم دوبارہ شروع کر سکتی تھی اور ساتھ پارٹ ٹائم کوئی چھوٹا موٹا کام بھی کر لیتی تو بھی انہیں کسی مالی مشکل کا شکار نہیں ہونا پڑتا۔

”میں نے تمہیں یہ چیک یہ بتانے کے لیے نہیں دیا کہ تم مجھے یہ بتاؤ کہ آج کا دن اچھا ہے یا برا۔“ اس کی بات منیزہ کو اور بری لگی۔ ”میں نے تمہیں یہ چیک اس لیے دیا ہے کہ تم جا کر اسے منصور کے منہ پر مارو اور اس سے کہو کہ یہ خیرات ہمیں نہیں چاہیے۔“

صنف ہنکا بکا منیزہ کا چہرہ دیکھنے لگی۔ ”مطلب؟“

”مطلب یہ کہ ہمیں اس کی رقم کی ضرورت نہیں ہے۔“

”آپ نے خود ہارون کمال سے کہا تھا کہ وہ پاپا کو مجبور کرے کہ وہ ہر ماہ ہمیں اخراجات کے لیے کچھ رقم دیں۔“ صنف نے یاد دلایا۔ ”اور اب جب انہوں نے ایسا کرنا شروع کر دیا ہے تو آپ کو اس رقم کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ چاہتی ہیں یہ رقم ان کے منہ پر ماری جائے؟“

”منصور کے نزدیک پانچ افراد کے ماہانہ اخراجات صرف بچپس ہزار درپے ہیں۔ بس اتنا کافی ہے؟ جب ہم اس گھر میں رہتے تھے تب ساٹھ ستر ہزار درپے خرچ کرتی تھی میں۔ گھر کے ٹیلنٹی اور گروسری کے بلزدہ خود دیا کرتا تھا اور اب جب سب کچھ ہمیں کرنا ہے تو بس بچپس ہزار۔“ منیزہ غصے میں بات مکمل نہیں کر سکی۔

”وہ ”جب“ تھا مئی! یہ ”اب“ ہے۔ ہم پاپا کو مجبور نہیں کر سکتے کہ وہ ہمیں اپنے اخراجات کے لیے اتنی رقم دیں جتنی وہ پہلے دیتے تھے۔“ صنف نے رسائیت سے کہا۔ ”ہمارے لیے اتنا کافی ہے کہ وہ یہ یاد رکھیں کہ ہم ”ہیں“ اور ان کی ذمہ داری ہیں۔“ ”محل سے بولی۔

”اگر وہ شخص ہمیں ایک اچھے گھر میں نہیں رکھ سکتا تو پھر ایسے گھر میں رہ کر ہمیں اس کے نکروں پر ملنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“ ”میزو نے جیسے صنف کی سب باتوں کو رد کرتے ہوئے کہا۔

””ٹھکڑے“ نہیں ہیں مئی! ہمارا حق ہے۔ ہم پاپا کی اولاد ہیں۔ ہماری کفالت ان کی ذمہ داری بنتی ہے۔“ صنف نے ماں کا فصد کم کرنے کی کوشش کی۔

”ایسی کفالت کہ ہم چیزوں کے لیے ترسیں؟“

”ہم نہیں ترسیں گے۔ اگر اتنے روپے آگئے ہیں تو پھر ہو سکتا ہے کچھ عرصہ کے بعد پاپا کو خیال آئے کہ انہیں ہمیں کوئی گھر بھی لے دینا چاہیے۔ یا پھر اس رقم کو بڑھا دینا چاہیے۔ پھر آپ یہ بھی سوچیں کہ روشاں بڑا ہو رہا ہے جب وہ اپنے پاؤں پر کھڑا ہو جائے گا تو ہو سکتا ہے وہ ہمیں سپورٹ کرے۔“ صنف نے کہا۔

”روشاں، وہ ہمیں سپورٹ کرے گا؟“ ”میزو کے لہجے میں اب بھی سختی تھی مگر اب ان کی آواز دھیمی ہو گئی تھی۔“ اس نے باپ کے ساتھ رہنے کو ماں کے ساتھ رہنے پر ترجیح دی۔ اتنے عرصے میں ایک بار ماں کو شکل دکھانے کی زحمت نہیں کی اور تم مجھے سبز باغ دکھا رہی ہو کہ وہ ہمیں سپورٹ کرے گا۔“

”اگر ہم کبھی یہ تصور نہیں کر سکتے تھے کہ وہ ہمیں اس طرح چھوڑ سکتا ہے تو پھر یہ تصور کیوں کریں کہ وہ دوبارہ کبھی ہم سے مل نہیں سکتا۔“ صنف کی آواز بھی دھیمی ہو گئی۔ روشاں کا اپنے کمرے کا دروازہ بند کر لینا ایک جھماکے کے ساتھ اسے یاد آیا تھا۔

”میں کسی وقت پر بھی اس رقم کو پاپا کو واپس نہیں کروں گی۔“ صنف نے نمیل پر پڑا الفاظ اٹھاتے ہوئے حتمی انداز میں کہا۔

”اور آپ نے مجھے بتایا نہیں کہ امبر کو کیا ہوا؟“ ”صنف کو یک دم یاد آیا۔“ ”اگر اس کا موڈ اس بات پر آف نہیں ہے تو پھر؟“

”طلحہ کی شادی ہو رہی ہے۔“ ”میزو نے چند لمحوں کی خاموشی کے بعد کہا۔ صنف کچھ بول نہیں سکی۔

”ان لوگوں کی منصور کے ساتھ بھی صلح ہو گئی ہے۔“ ”میزو نے مزید اضافہ کیا۔

”آپ کو کس نے بتایا؟“ ”صنف یک دم سنجیدہ ہو گئی وہ امبر کی کیفیت کا اندازہ کر سکتی تھی۔

”بھابھی نے ان لوگوں کو انوائٹ بھی کیا ہے شادی پر۔ مگر مفرد بھائی ہماری وجہ سے نہیں جا رہے۔“

”تو چلے جائیں۔ ان کے چلے جانے سے بھی کیا فرق پڑتا ہے۔ پوری دنیا ہماری وجہ سے طلحہ کی فیملی کا بائیکاٹ تو نہیں کرے گی۔“ ”صنف نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

”تمہارا باپ بھی اس شادی میں جا رہا ہے۔“ ”میزو نے طنزیہ انداز میں کہا۔

صنف ایک لمحے کے لیے سُن ہو گئی، اس کا چہرہ زرد ہو گیا۔ کم از کم اس بار وہ یہ نہیں کہہ سکتی تھی کہ ”جانے دیں اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔“ منصور کے وہاں جانے سے ”فرق“ پڑتا تھا۔ وہ ان کا باپ تھا اور اس آدمی کی شادی میں جا رہا تھا جس نے اس کی بیٹی کو طلاق دی تھی۔

”کسی کا خون اس سے زیادہ سفید کیا ہوگا۔“ ”میزو بڑبڑا رہی تھیں۔“ ”اور کوئی منصور سے زیادہ بے غیرت نہیں ہوگا۔“ ”میزو اب کسی لحاظ کے بغیر منصور کے لیے الفاظ استعمال کر رہی تھیں۔

صنف نے راجہ اور زارا کو دیکھا۔ وہ بظاہر سکول کا کام کرنے میں مصروف تھیں۔ مگر ان کے چہرے پر جس قدر سنجیدگی تھی وہ کسی کو بھی یہ بتانے کے لیے کافی تھی کہ وہ دراصل ہوم ورک میں کتنا ”مصروف“ ہیں۔

”آپ کو آٹنی سے پاپا کے بارے میں کوئی بات کرنا ہی نہیں چاہیے تھی۔ نہ آپ ان سے کچھ پوچھیں نہ وہ ایسی باتیں ہم تک پہنچائیں۔ اس بار صنف کے لہجے میں شکوہ تھا۔

”میں نے اس سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ اس نے خود مجھے سب کچھ بتایا۔ ورنہ مجھے منصور کا احوال جاننے میں اب کیا دلچسپی ہو سکتی ہے۔“ منیزہ نے ناراضی سے کہا۔ ”اور اگر تمہارا باپ ایسی حرکتیں کرے گا تو لوگ تو بغیر پوچھے یا سوال کیے بھی اس کے بارے میں بات کریں گے۔“

ایک رشتہ فوٹ جاننے سے منصور علی صرف ”تمہارا باپ“ ہوتا تھا بالکل اسی طرح جیسے منصور کے لیے منیزہ ”تمہاری ماں“ ہو گئی تھی۔ اور ان دونوں کی ہر حرکت کے سارے اثرات اولاد پر آنے لگیں گے۔ صنف نے ریجنڈ کی سے سوچا۔

”آپ نے امیر کی تشفی کرنے کی کوشش کیوں نہیں کی، اسے اکیلا کیوں پڑے رہنے دیا؟“ صنف نے باہر نکلے ہوئے منیزہ سے کہا۔ منیزہ نے جواباً کچھ کہا تھا مگر صنف سن نہیں سکی۔

صنف دوسرے کمرے میں آ کر امیر کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئی۔ امیر اب بھی اسی طرح چت بے حس و حرکت لٹھی ہوئی تھی۔ صنف نے اس کا بازو ہلایا۔ ”مجھے پتا ہے تم سو نہیں رہی ہو۔“

”میں نے کب کہا کہ میں سو رہی ہوں۔“ امیر نے اسی طرح آنکھوں پر بازو رکھے ہوئے کہا۔ ”میں تمہاری ساری باتیں سن چکی ہوں۔“

صنف جانتی تھی اس کا اشارہ کن باتوں کی طرف تھا۔

”اچھا اگر سن چکی ہو تو پھر آنکھوں سے بازو ہٹاؤ اور مجھے دیکھو، آخر میرا سامنا کرنے سے کیوں کتراری ہو تم؟“ صنف نے جان بوجھ کر ایسی بات کی کہ امیر نے فوراً اپنی آنکھوں سے بازو ہٹا دیا۔

”میں تمہارا سامنا کرنے سے کتر نہیں رہی ہوں۔ آخر میں کیوں کتر اؤں گی؟“ اس نے صنف کو دیکھتے ہوئے ناراضی سے کہا۔ صنف اس کی آنکھیں دیکھ رہی تھی جو بری طرح سرخ اور سو جی ہوئی تھیں۔

”میری بات سنو امیر!“ صنف نے قدرے ناراضی سے اس کے بازو کو ہتھوڑتے ہوئے کہا۔ ”Let that man go to hell“ (اسے جہنم میں ڈالو) وہ شادی کرے، جو مرضی کرے۔ تم اس کے بارے میں سوچو تک نہیں۔“

”میں نہیں سوچتی اس آدمی کے بارے میں۔“ امیر یک دم جھنجھلاتے ہوئے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

”تو پھر اس طرح رونے کا کیا مطلب ہے؟“

”کوئی مطلب نہیں ہے۔“

”تو پھر مت روؤ۔“

”جب اسامہ شادی کرے گا تو تم مت رونا۔“ اس کی آواز میں کاٹ تھی۔ صنف اس کی شکل دیکھ کر رو گئی۔

”میں نہیں روؤں گی۔ میرے ماتھے پر ایک ٹھکن تک نہیں آئے گی۔“ صنف نے اسی انداز میں کہا۔ امیر عجیب سے انداز میں مسکرائی۔

”اس لیے۔ کیونکہ تم تو کبھی اس میں انٹرنسٹ نہیں ہی نہیں۔“

”اچھا؟“ صنف نے بے اختیار کہا۔

”جہنمیں اس سے محبت ہوتی تو تم اس سے طلاق کبھی نہ لیتیں۔“ امیر کا انداز عجیب تھا۔

”امیر! میں اب سب کچھ دوبارہ شروع نہیں کروں گی۔“ صنف نے سر کو جھٹکتے ہوئے کہا۔ ”میں کتنی محبت کرتی تھی اور کتنی نہیں۔ مجھے جہنم بتانے یا تم پر ثابت کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ صنف نے قدرے ترشی سے کہا۔ ”ہاں البتہ تم اگر یہ کہنا چاہتی ہو کہ تم طلحہ سے اس سے کہیں زیادہ محبت کرتی تھیں جتنی میں اسامہ سے کرتی تھی تو ٹھیک ہے۔ میں مان لیتی ہوں پھر جھگڑا کس بات کا ہے۔“ امیر کچھ دیر لاجواب ہی ہو کر اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر بولی۔

”میں چاہتی ہوں۔ تم کبھی میرے سامنے طلحہ کا ذکر مت کرو۔“

”ٹھیک ہے، میں نہیں کروں گی۔“ صنف نے اسی انداز میں کہا۔ ”اور میں چاہتی ہوں کہ تم طلحہ کے بارے میں سوچو تک“



نہیں۔ اب تم کہو میں بھی ایسا نہیں کروں گی۔“  
 امبر نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔ ”تمہیں پتا ہے اس کی شادی کس کے ساتھ ہو رہی ہے؟“  
 ”مجھے یہ جانتے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے مگر چونکہ تم بتانا چاہتی ہو اس لیے میں سن لوں گی کس کے ساتھ ہو رہی ہے؟“  
 ”سعدیہ کے ساتھ۔“

”تو؟“  
 ”تو کچھ نہیں۔ تمہارے نزدیک اس بات کی کوئی اہمیت نہیں ہے؟“ امبر کے انداز میں رنجیدگی تھی۔  
 ”نہیں۔ میرے نزدیک نہیں ہے۔ جو شخص آپ کی زندگی سے نکل جائے پھر اس کی زندگی میں کوئی آئے کوئی جائے  
 آپ کو پروا نہیں کرنی چاہیے۔“  
 ”کہنا آسان ہے۔“

”مگر تم بھی آسان ہے۔ تم کوشش کر کے دیکھو۔“  
 امبر کچھ دیر اسے دیکھتی رہی پھر وہ عجیب سے لہجے میں بولی۔ ”تم ہمیشہ اتنی لائق کیوں ہوتی ہو؟“  
 صفا اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔ وہ کندھے جھکتے ہوئے جھنجھلائے ہوئے انداز میں بولی۔ ”پاپا نے ہمیں چھوڑ دیا۔  
 تمہیں پروا نہیں ہے، صفا انکل اور ان کی بیوی نے ہمارے ساتھ برا سلوک کیا تمہیں تکلیف نہیں ہے، روشاں ہمارے  
 پاس نہیں ہے، تمہیں پریشانی نہیں ہے۔ اسارے سے تم نے اپنی مرضی سے طلاق لے لی۔ طلحہ کے مجھے طلاق دینے پر تمہیں کوئی  
 اعتراض نہیں ہے۔ زندگی میں کچھ ہے جو تمہیں پریشان کرتا ہو؟“

صفا خاموشی سے اسے دیکھتی رہی پھر اس نے ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔  
 ”بہت کچھ ہے جو مجھے پریشان کرتا ہے اور کر رہا ہے مگر میں تمہارے ساتھ شیئر کر کے کیا کروں۔“ صفا آہستہ سے بولی۔  
 ”تم کوئی حل نکال سکتی ہو نہ مدد کر سکتی ہو۔ تم گھر میں سب سے بڑی ہو جن چیزوں کے بارے میں میں سوچ رہی ہوں ان کے  
 بارے میں تمہیں سوچنا چاہیے یا کم از کم تم کو ”بھی“ سوچنا چاہیے۔“  
 لاشعوری طور پر صفا کے لہجے میں سختی آ گئی۔ ”مگر تم۔ تم چار سال کے بچے کی طرح اپنی زندگی کے بارے میں سوچتی  
 ہو۔ طلحہ تمہارے لیے لالی پاپ تھا۔ وہ کسی نے تم سے چھین لیا۔ اب جب تک کوئی تمہیں لالی پاپ دے نہیں دے گا۔ تم اسی  
 طرح ایزیاں رگڑ رگڑ کر روئی رہو گی۔“

امبر پلکیں جھپکائے بغیر اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔  
 ”تمہیں پتا ہے میں صبح اس گھر سے نکلتی ہوں سارا دن باہر رہتی ہوں تو مجھے کس کی فکر ہوتی ہے؟ مہی کی، زارا کی، رابعہ  
 کی؟ نہیں۔ صرف تمہاری کہ تم گھر سے باہر نہ چلی جاؤ۔ یا تم نے اپنی میڈیسن ٹھیک طریقے سے نہ لی ہوں یا تم کسی بات پر مہی  
 سے جھگڑا نہ کرو۔ مگر تم کینیڈا کے ہزاروں حصے میں بھی اپنے سے وابستہ دوسرے لوگوں کے بارے میں نہیں سوچتیں۔“

صفا کا چہرہ سرخ ہو گیا۔  
 ”تم ہم سب کی نظروں میں دھول جھونک کر ہارون کمال کے ساتھ چلی گئیں یہ سوچے بغیر کہ تمہاری اس حرکت کا نتیجہ کیا  
 ہوگا۔“

”میں ہارون کمال کے ساتھ نہیں گئی۔“ امبر نے بے ساختہ کہا۔  
 ”جھوٹ نہیں بولو۔“ صفا نے انگلی اٹھا کر سرخ چہرے کے ساتھ کہا۔ ”ایک غلط کام کرنے کے بعد تم میں اتنی اخلاقی  
 جرأت ہونی چاہے کہ تم یہ مانو کہ ہاں میں نے یہ کام کیا تھا۔“  
 ”میں اس کے ساتھ نہیں گئی۔“ امبر نے اس بار تقریباً پیچھے ہوئے کہا دوسرے کمرے سے میزہ اندر آ گئیں۔  
 ”آپ نے سنا، یہ کیا کہہ رہی ہے۔ مجھ پر کیا الزام لگا رہی ہے؟“ امبر نے اسی انداز میں میزہ سے کہا۔

”بند کرو یہ سب کچھ صنف! وہ کہہ رہی ہے کہ وہ ہارون کے ساتھ نہیں گئی تو وہ نہیں گئی ہوگی۔“ میزہ نے جھڑکنے والے انداز میں کہا۔

”میں اس کا بینک اسٹینٹ نکلا کر لائی ہوں۔ یہ اگر ہارون کے ساتھ نہیں گئی تو پھر کس نے اسے ہزاروں روپے کی شاپنگ کروائی ہے؟“ صنف ناراضی سے بولی۔

”دکھاؤں تمہیں اسٹینٹ؟“ صنف نے چیخ کر کرنے والے انداز میں پوچھا۔ امبر نے اس بار کچھ نہیں کہا۔

”تمہیں یاد ہے تم ہارون کمال سے کتنی نفرت کیا کرتی تھیں؟“ صنف نے اسے یاد دلایا اس کا لہجہ اس بار نرم تھا۔ ”تمہیں اس کی نظروں سے کتنی الجھن ہوتی تھی، تم اس کی موجودگی برداشت نہیں کر سکتی تھیں اور اب۔ اب ایک دم تمہارے لیے اس آدمی کے ساتھ گھومنا پھرنا قابل قبول ہو گیا ہے۔ کیسے؟“

امبر اپنے ماتھے سے ہاتھ ہٹاتے ہوئے بولی۔ ”میں تب غلط تھی۔“

صنف گنگ ہو گئی۔

”وہ دنیا میں واحد آدمی ہے جو مجھے سمجھتا ہے۔“ صنف نے میزہ کو دیکھا۔

”جو مجھ سے ہمدردی رکھتا ہے۔ جو میری پروا کرتا ہے۔“

میزہ بھی خاموش تھیں۔

”جس پر میں اعتبار اور بھروسہ کر سکتی ہوں۔ جو کسی بھی وقت میری مدد کر سکتا ہے۔“

”کیوں؟“ صنف نے اس کی بات کاٹی۔

”کیونکہ وہ مجھ سے محبت کرتا ہے۔“ امبر نے صنف کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا۔ میزہ کے دل کی دھڑکن جیسے رک گئی۔ صنف کے بدترین خدشات صحیح ثابت ہو رہے تھے۔

”اور ہم سب؟ ہمیں تمہاری پروا نہیں ہے؟“

”نہیں، تم سب لوگ مجھے الزام دیتے ہو۔“ امبر نے نظمی انداز میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”تم، مگی، تمہارے نزدیک میں برائی کی جز ہوں۔“ امبر کے لہجے میں آگ تھی۔ ”میری وجہ سے گھر ٹوٹا ہے۔ میں خود غرض ہوں۔ میں آوارہ ہوں، میں، میں، میں.....“

وہ بات کرتے کرتے رکی۔

”ہارون کمال ایسا نہیں سمجھتا۔ تم میں اور اس میں یہی فرق ہے۔ وہ مجھے Blame نہیں کرتا۔“

”وہ کیوں تمہیں کسی چیز کے لیے Blame کرے گا۔“ صنف نے رنجیدگی سے کہا۔ ”اس کا ہماری زندگی سے کوئی تعلق

نہیں ہے۔ ہمارا دکھ اس کا دکھ نہیں ہے۔ ہماری تکلیف اس کی تکلیف نہیں ہے۔ وہ کھوکھلی باتیں کرتا ہے تم سے۔“

صنف نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا تو امبر نے اس کا ہاتھ جھٹک دیا۔

”تم صنف! مجھ سے جلیس ہوئی ہو کیونکہ تمہاری زندگی میں کوئی ہارون کمال نہیں ہے۔“

”میں لعنت بھیجتی ہوں ہارون کمال اور اس کی صنف کے سارے لوگوں پر۔“ صنف نے اس کی بات کاٹ کر سرخ چہرے کے ساتھ کہا۔

”تم جلیس ہوتی ہو کہ تمہاری زندگی میں ایسا کوئی نہیں جو ہارون کمال کی طرح تمہارے لینے سے پہلے بازار کی ہر چیز اٹھا کر تمہارے سامنے رکھ دے۔“

وہ وہی سب کچھ کہہ رہی تھی جو ہارون کمال نے اس سے کہا تھا۔ صنف اس کی زبان سے نکلنے والے زہر کی تخی محسوس کر رہی تھی۔

”اور تمہاری زندگی میں ایسا کوئی نہیں ہے جو تمہارے ایک اشارے پر تمہارے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار ہو۔“

صنف بول نہیں پاری تھی۔  
 ”اور تم جیلس ہو کیونکہ تم نے سب کچھ کھو دیا ہے اور میں نے ابھی سب کچھ نہیں کھویا۔“

صنف نے اپنے ہونٹ بھیج لے۔  
 ”ہاں، میں ہارون کے ساتھ گئی تھی۔“ امبر نے با آواز بلند کہا۔ ”ہاں اس نے مجھے شاپنگ کروائی تھی۔“  
 میزہ کا چہرہ فحش ہو رہا تھا۔

”ہور میں آئندہ بھی اس سے ملوں گی۔“ اس نے اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔  
 ”تمہارے بقول میں سب کی آنکھوں میں دھول جمو تک کر اس سے ملنے گئی۔ اب میں بغیر دھول جمو تکے جاؤں گی۔“  
 وہ ایک لمحے کے لیے رکی۔ اس نے صنف کی آنکھوں میں اترتی ہوئی نمی کو دیکھا اور پھر کہا۔  
 ”اور چونکہ تم نے مجھے یہ احساس دلادیا ہے کہ میں گھر میں سب سے بڑی ہوں تو پھر میں تمہیں یہ مشورہ دیتی ہوں کہ تم میری جگہ لینے کی کوشش نہ کرو۔“

صنف کے ہونٹ کھپکا رہے تھے۔  
 ”تم نے اتنے عرصے چیزوں کو اپنے طریقے سے چلانے کی کوشش کی اور تم ہمیں ڈینس سے یہاں لے آئی ہو اب مجھے سب کچھ کرنے دو اور دیکھو کہ میں تم سب کو کہاں لے کر جاتی ہوں۔“  
 صنف اٹھ کر کھڑی ہوئی پھر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔  
 ”تم.....“ میزہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر امبر نے ہاتھ اٹھا کر سختی سے ان کی بات کاٹ دی۔  
 ”کافی باتیں ہو گئیں ہیں۔ آج کے لیے اتنا کافی ہے۔“ وہ دوبارہ اسی انداز میں بیڈ پر چت لیٹ گئی۔ اس نے اپنی آنکھوں پر بازو رکھ لیا تھا۔ میزہ کچھ دیر چپ چاپ اسے دیکھتی رہیں پھر کمرے سے باہر نکل گئیں۔

☆☆☆

اس شخص نے میز پر ایک لفافے سے تصویریں نکال کر اس عورت کے آگے کھسکا دیں۔

”یہ کیا ہے؟“ عورت نے قدرے تعجب سے ان تصویروں پر نظر ڈالتے ہوئے پوچھا۔  
 ”یہ اس فیلمی کی تصویریں ہیں۔“ وہ اب فائل کھول رہا تھا۔ عورت تصویروں پر نظر ڈالتے ہوئے قدرے بیزارگی سے

بولی۔

”مگر مجھے ان تصویروں کی ضرورت نہیں ہے۔ میں ان کو چہروں سے پہچانتی ہوں اور.....“ وہ کہتے کہتے رک گئی اس کے ہاتھ کے نیچے فائل پر فاطمہ کی تصویر تھی۔

”یہ کس کی تصویر ہے؟“ عورت نے کچھ چونک کر آدی سے پوچھا۔

”یہ اسی عورت کی تصویر ہے۔“ آدی نے کہا۔

”ان بچوں کی ماں کی؟“

”ہاں!“ آدی نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ اس بار عورت نے فاطمہ کی تصویر کو ہاتھ میں پکڑ لیا۔ تمام تصویریں مختلف اوقات میں گھر سے باہر کھینچی گئی تھیں جب وہ چاروں اپنے اپنے کاموں کی غرض سے گھر سے باہر تھے۔ فاطمہ ایک بس اسٹاپ پر کھڑی تھی۔ عورت کی بھوس تن گئیں۔ بلاشبہ وہ بچے کی صورت فاطمہ کے نہیں ہو سکتے تھے۔ اسے اپنا شبہ یقین میں بدلنا محسوس ہو رہا تھا اس کے دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہوئی۔

”آپ نے انہیں پہلے نہیں دیکھا؟“ آدی نے عورت کے چہرے کے تاثرات کا غور سے جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

”نہیں۔“ عورت نے تصویر نیل پر رکھ دی۔

”اس عورت کے بارے میں بڑے دلچسپ حقائق سامنے آئے ہیں۔“ اس آدی نے فائل پڑھنی شروع کی۔ ”میری

اطلاعات کے مطابق یہ برسے سے شادی شدہ نہیں ہے۔ اس نے 20 سال پہلے اپنا گھر اختلافات کی وجہ سے چھوڑا۔ وہ اندرون شہر کے ایک محلے میں رہتی تھی اس کا بھائی اپنی فیملی کے ساتھ ابھی بھی وہیں رہ رہا ہے اس کے ماں باپ کا انتقال ہو چکا ہے۔ 20 سال پہلے ایک دوست کی مدد سے اس نے ایک یتیم خانے سے ایک بچہ گود لیا۔

اس بچے کا نام شمیر ٹوہان سمج رکھا گیا۔ یتیم خانے کے ریکارڈ کے مطابق یہ بچہ تقریباً بائیس سال پہلے ایک پرائیویٹ کلینک سے وہاں بھیجا گیا تھا۔ یہ کلینک غیر قانونی کاموں کے لیے خاصا مشہور ہے۔ سز شائستہ بارون کمال نامی ایک عورت کے ہاں اس بچے کی پیدائش ہوئی تھی۔ اس بچے کو ایک عورت کے ذریعے اس یتیم خانے میں بھیجا گیا۔

آدی نے رک کر ایک نظر اس عورت کو دیکھا وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ اسے دیکھ رہی تھی۔ آدی دوبارہ ٹائل دیکھنے ہوئے پڑھنے لگا۔

”اس بچے کو وہاں داخل کرانے کے دو سال بعد فاطمہ نامی اس عورت نے اپنی ایک دوست آسیہ اور اس کے شوہر کی بیرون ملک چلے گئے۔ اس وقت وہ دونوں پاکستان میں ہی موجود ہیں۔ 2 سال کے بعد جب وہ بچہ کسی کو دے دیا گیا تو اس یتیم خانے سے ایک بار پھر کسی عورت نے اس بچے کے سلسلے میں رابطہ قائم کیا اور یتیم خانہ کی انتظامیہ پر زور ڈالا کہ وہ اس بچے کے لے پالک والدین سے اس کا رابطہ کروائیں۔ یتیم خانہ کی انتظامیہ نے کوشش کی مگر انہیں یہ پتا چلا کہ وہ دونوں میاں بیوی بچے کے ساتھ بیرون ملک چلے گئے ہیں۔ انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا کہ بچہ فاطمہ نامی اس عورت کی تحویل میں ہے۔ فاطمہ نامی یہ عورت کچھ عرصہ کے بعد لاہور آگئی اور اس نے ایک پسماندہ سے علاقے میں رہنا شروع کر دیا۔ وہیں اس نے جہلی دند لوگوں سے ایک بیوہ کے طور پر اپنا تعارف کروایا۔ وہاں رہائش کے تقریباً ایک سال بعد اس محلے میں کوڑے کے ایک ڈھیر پر دو ناجائز جڑواں بچے فاطمہ کو لے اور فاطمہ نے انہیں بھی گود لے لیا یہ دونوں شہر اور ٹائیپ ہیں۔ وہی دونوں جن کے نام آپ نے مجھے بتائے تھے۔“

اس نے ذرا رک کر اس عورت کو دیکھا وہ ابھی بھی اسی طرح بے تاثر چہرے لیے بیٹھی تھی مگر یہ اندازہ لگانا زیادہ مشکل نہیں تھا کہ وہ کسی سوچ میں ڈوبی ہوئی تھی۔

”ایک بار پھر فاطمہ نے اس محلے کو بھی چھوڑ دیا اور پھر اس نے محلے میں آ کر رہنا شروع کر دیا جہاں کا ایڈریس آپ نے مجھے دیا ہے۔ وہاں کچھ سالوں کے بعد اس نے اپنا گھر بتالیا اور لوگوں کو اپنے بارے میں یہی بتایا کہ وہ ایک بیوہ ہے مگر فرق صرف یہ تھا کہ اس بار اس نے اپنے بچوں کی تعداد تین بتائی۔ کچھ عرصہ پہلے یہ گورنمنٹ سروس سے ریٹائر ہو گئی اور اب یہ ایک پرائیویٹ اسکول میں پڑھا رہی ہے۔“

وہ شخص ایک بار پھر رکا۔ محلے ہوئے دراز میں ہاتھ ڈالتے اور ٹٹولتے ہوئے اس نے ایک اور لفاظی نکالا اور اسے بھی نیل پر رکھ دیا۔

”شمیر ٹوہان نامی یہ لڑکا اس وقت بائیس سال کا ہے اور پنجاب یونیورسٹی سے ایم بی اے کر رہا ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ ایک فرم میں جاب بھی کر رہا ہے۔ شہر آج کل ماڈلنگ کر رہا ہے۔ اور اس نے کچھ عرصہ پہلے ایف ایف ایس سی کیا ہے۔ ٹائیپ نے بھی ایف ایف ایس سی کیا ہے۔ دونوں لڑکوں کی نسبت اس کے بارے میں معلومات حاصل کرنا زیادہ مشکل ثابت ہوا ہے۔“ اس نے مسکراتے ہوئے لقمہ دیا۔

”اس لفاظی میں آپ کی مطلوبہ تمام دستاویزات ہیں اور میں امید کرتا ہوں کہ میری حاصل کردہ معلومات آپ کے لیے تسلی بخش ہوں۔“

اس عورت نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اب لفاظی کھولتے ہوئے اس کے اندر موجود کاغذات کو نکالتے ہوئے نہیں دیکھنے میں مصروف تھی۔ کمرے میں کچھ دیر خاموشی رہی پھر اس عورت نے ایک طویل سانس لیا اور کاغذات کو دوبارہ لفاظی میں ڈال کر

نیل پر رکھ دیا۔

”ہاں، کام میری مرضی کے مطابق ہوا ہے مگر ابھی ختم نہیں ہوا۔“

اس عورت نے اپنی کرسی سے ٹیک لگائے ہوئے کہا۔

اس شخص کے ماتھے پر چند شکنیں در آئیں۔ ”اور کس طرح کی معلومات چاہئیں آپ کو؟“

”اب معلومات نہیں کچھ اور کروانا چاہتی ہوں میں۔“ اس عورت نے عجیب سے انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا کروانا چاہتی ہیں آپ؟“ اس نے تجسس آمیز انداز میں نیل پر ذرا آگے جھکتے ہوئے کہا۔

”مجھے تو اب تک جان ہی گمے ہوں گے آپ۔“ اس عورت مسکراتے ہوئے کہا۔

”جی.....“ وہ الجھا۔ ”آپ نے اپنا نام فریدہ بتایا تھا مجھے۔“

عورت کلکھلا کر ہنسی۔ ”آپ نے یقین کر لیا؟ میں نہیں سمجھتی۔“

”آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟“ اس نے قدرے محتاط انداز میں کہا۔

”میں آپ سے صرف یہ پوچھ رہی ہوں کہ اب تک آپ یقیناً مجھے جان سکے ہو گے۔ آپ جتنے اچھے ڈبیبکنو ہیں میں

توقع کر سکتی ہوں کہ آپ نے میرے بارے میں بھی معلومات اکٹھی کرنے کی کوشش کی ہوگی۔ کیا آپ نے نہیں کی؟“

اس عورت نے قدرے تکیے انداز میں پوچھا اور اس سے پہلے کہ وہ جواب دیتا وہ بول پڑی۔ ”اور اگر آپ نے ایسی

کوشش کی بھی ہے تو کوئی بات نہیں۔ مجھے اعتراض نہیں ہے۔“

اس کا انداز اب ہچکچارنے والا تھا۔ اس نے گلا صاف کرتے ہوئے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

”دیکھیں فریدہ جی.....“

عورت نے اسکی بات کاٹ دی۔ ”پلیز آپ مجھے میرے اصلی نام سے پکار سکتے ہیں۔“ وہ شخص کچھ دیر ہلکیس جھپکائے

بغیر اسے دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔ ”شائستہ ہارون کمال۔“ عورت بے اختیار مسکرائی۔

”ہاں یہ بہتر ہے۔“ اب ہمارے درمیان اعتماد کی فضا پیدا ہو گئی ہے۔“ شائستہ اب سگریٹ سلا رہی تھی۔

”یہاں آنے والے کلائنٹس کے بارے میں انفارمیشن حاصل کرنا ہمارے لیے ضروری ہے۔“ اس نے معذرت خواہانہ

انداز میں کہا۔ ”کیونکہ ہم نہیں چاہتے ہماری حاصل کردہ معلومات کی وجہ سے کوئی جرم ہو اور بعد میں اس میں ہماری انوالومنٹ

ثابت ہو۔ ہم اپنا کام بڑے پروفیشنل طریقے سے کرتے ہیں اور اگرچہ ہمیں آپ کے کوائف پتا ہیں مگر آپ یقیناً رکھیں کہ وہ

ہمارے پاس بالکل محفوظ رہیں گے آپ کو ان کی وجہ سے کوئی پرالہم نہیں ہوگی۔“

”آپ کو وضاحت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔“ شائستہ نے سگریٹ کا سش لیتے ہوئے اس آدی کی بات کاٹی۔ ”میں

جانتی ہوں، اور یہ کوائف اگر عام ہو بھی جائیں تو مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا، ہاں آپ کو اس شہر میں اپنا کام سینٹرا پڑے گا۔“

اس کے عام سے لہجے میں جھپی دھکی کو اس نے آسانی سے سمجھ لیا تھا۔

”آپ کسی کام کا کہہ رہی تھیں۔“ اس نے یک دم بات کا موضوع بدلتے ہوئے پوچھا۔

”میں سمجھا نہیں؟“ اس نے کچھ الجھتے ہوئے کہا۔

”میں چاہتی ہوں آپ کلینک کے ریکارڈ میں تحریر کروائیں کہ ہمارا بچہ پر اسرار حالت میں وہاں سے غائب ہو گیا تھا۔“

شائستہ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

وہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

”اور میں جانتی ہوں یہ کام آپ کے لیے مشکل نہیں ہے۔“

”دیکھیں۔ میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ہم کوئی غیر قانونی کام نہیں کرتے۔“ وہ یک دم بولا۔

”آپ اس کام کی نوعیت دیکھیں۔ کیا چیز غیر قانونی ہے اس میں؟“ شائستہ نے اس کی بات کاٹی۔

”کسی ادارے کے ریکارڈز کو تبدیل کرنا.....“

شائستہ نے پھر اس کی بات کاٹی۔ ”ایک معمولی نوعیت کا کام ہے اس سے کسی کو پچانسی کی سزا کم از کم قانون نہیں دے گا۔“

”مگر قابل سزا جرم تو ہے۔“ اس نے اعتراض کیا۔

”اور میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ ایسی صورت میں، میں آپ کو ہر قسم کی سزا سے بچاؤں گی۔“ شائستہ نے اپنے بچے میں تبدیلی لاتے ہوئے کہا۔

”مگر.....“ وہ ابھی بھی ہنچکی رہا تھا۔

”اور اس ”معمولی“ کام کا معاوضہ آپ کو لاکھوں میں مل سکتا ہے۔“ اس بار وہ خاموش رہا۔ ”اگر آپ تھوڑی سی ہمت کریں تو۔“ شائستہ نے جیسے اسے ترغیب دی۔

”آپ بس ریکارڈز میں اتنی تبدیلی چاہتی ہیں؟“ اس آدمی نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد سمجھنے سمجھنے والے انداز میں پوچھا۔ شائستہ بے اختیار مسکرائی۔

”نہیں، تھوڑا سا اور بھی چاہتی ہوں میں۔“

”وہ کیا؟“

”آپ یہ بھی شامل کروائیں کہ چونکہ بچہ عورت کے پاس کرے سے غائب ہوا تھا اس لیے ہاسپل کی انتظامیہ نے اس گمشدگی کی ذمہ داری قبول کرنے سے انکار کر دیا۔“

اس نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔ ”ٹھیک ہے میں یہ ریکارڈ تبدیل کروا دوں گا۔“

”اب آپ مجھے بتائیں کہ آپ اس کام کا کتنا معاوضہ لیں گے؟“

شائستہ نے چیک بک نکالتے ہوئے کہا۔ اس نے اپنا معاوضہ بتایا، شائستہ نے ایک لفظ کہے بغیر چیک کاٹ کر اس کے سامنے رکھ دیا۔

”میں کچھ دنوں تک دوبارہ آپ کے پاس آؤں گی۔“ شائستہ۔ اپنا بیک اٹھاتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ چیک پر نظر ڈال رہا تھا کہ اسے جیسے یک دم کچھ خیال آیا۔

”میرے پاس آپ کی دلچسپی کے لیے کچھ اور معلومات بھی ہیں۔“

شائستہ کے ماتھے پر کچھ شکنیں نمودار ہوئیں۔ ”کیسی معلومات؟“

”اگر آپ کی خواہش ہو تو میں شرا اور ثانیہ کی ماں کے بارے میں آپ کو معلومات دے سکتا ہوں۔“ اس نے ایک خوشامدانہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”مگر آپ نے مجھے بتایا تھا، وہ دونوں کوڑے کے ڈھیر سے ملے تھے۔“

”دہاں چھوڑے گئے تھے۔“ آدمی نے جیسے صبح کی۔

”چلیں یہ کہہ لیں۔ پھر۔ اس سے ان کی نقلی یا ماں کا کیسے پتا چلتا ہے؟“ شائستہ نے کندھے اُچکاتے ہوئے کہا۔

ان کی ماں ایک معروف عورت ہے۔“ شائستہ چونکی۔

”معروف عورت؟“

”جی۔“

”آپ کیسے جانتے ہیں اسے؟“

”کیوں وہ بھی آج کل اپنے بچوں کی تلاش میں ہے۔“

شائستہ ساکت ہو گئی۔

دروازہ کھولنے کو کہا تھا۔ وہ سامنے کھڑی دو برقع پوش عورتوں کو دیکھ کر کچھ حیران ہوا۔

”جی۔“ اس نے ان عورتوں پر نظر ڈالتے ہوئے کہا۔

”یہ فاطمہ کا گھر ہے؟“ ان میں سے ایک عورت نے کہا۔

”جی ہاں! یہ ان ہی کا گھر ہے۔“ ثمر نے سر ہلایا۔

”تم ان کے بیٹے ہو؟“ ثمر کو اس عورت کا سوال نہیں انداز عجیب لگا۔

”جی، میں ان کا بیٹا ہوں۔“

”چھوٹے یا بڑے؟“

ثمر کو سوال بے حد فضول لگا۔ ”چھوٹا بیٹا ہوں۔“

عورت نے اس کے سر اور کندھے پر ہاتھ پھیرا اس کا انداز بے اختیار نہ تھا۔

”تمہاری امی گھر پر ہیں؟“ دوسری عورت نے یک دم ثمر سے پوچھا جو ابھی تک اس دھچکے سے نہیں سنبھلا تھا۔

”جی، وہ گھر پر ہیں۔“

”ہم ملنا چاہتے ہیں ان سے۔“

”آپ اندر آ جائیں۔“

ثمر دروازے سے ہٹ گیا اس نے ان دونوں عورتوں کو اندر آنے کے لیے راستہ دیا۔ دروازہ بند کرنے کے بعد وہ انہیں

لے کر فاطمہ کے کمرے میں چلا آیا۔

”امی! یہ آپ سے ملنے آئی ہیں۔“ ثمر نے فاطمہ سے کہا جو کمرے میں بیٹھی کچھ لکھنے میں مصروف تھی۔

ثانیہ نے نظر اٹھا کر ان دونوں عورتوں کو دیکھا اور پھر سے ٹی وی دیکھنے میں مصروف ہو گئی۔ اس نے غور نہیں کیا تھا کہ

دونوں عورتوں میں سے ایک مسلسل اس کو دیکھتی جا رہی تھی اور اپنی آنکھوں میں ابھرتی نمی پر قابو پانے کی کوشش میں مصروف تھی۔

”آپ لوگ بیٹھیں۔“ فاطمہ نے سلام دعا کے بعد کہا۔ ثمر باہر جا چکا تھا۔

شام کے وقت اس طرح کسی کا اچانک گھر آ جانا اس کے لیے تھوڑا عجیب ہی تھا خاص طور پر تب جب وہ ان دونوں

عورتوں سے جان پیمان بھی نہیں رکھتی تھی۔ ان میں سے ایک عورت نے آگے بڑھ کر فاطمہ کے ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں

تھام کر مصافحہ کیا۔ فاطمہ نے اس کے ہاتھوں کی گرم جوشی کو محسوس کیا۔ پھر دونوں عورتیں کرسیوں پر بیٹھ گئیں۔

”میں نے آپ کو پہچانا نہیں۔“ فاطمہ نے کہہ ہی دیا۔ ثانیہ تب تک اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی تھی۔ اس عورت کی

نظروں نے باہر جاتی ہوئی ثانیہ کا تعاقب کیا۔ دوسری عورت نے فاطمہ کے سوال کا جواب دیا۔

”ہم پہلی بار مل رہے ہیں۔“

”میں نے سوچا شاید ہم پہلے بھی مل چکے ہیں اور میری یادداشت خراب ہونے لگی ہے۔“ فاطمہ نے شکستگی سے کہا۔

”ہم لوگ کچھ دن پہلے ہی اس محلے سے کچھ فاصلے پر ایک محلے میں شفٹ ہوئے ہیں۔“

فاطمہ کو عجیب سا محسوس ہو رہا تھا کہ وہ دونوں عورتیں گھر کے اندر آنے کے بعد بھی اپنے آدھے چہرے کو اسی طرح

نقاب سے چھپائے ہوئے تھیں۔ مگر اس نے کچھ کہا نہیں۔

”آپ کے بارے میں ہمیں پتا چلا کہ آپ ٹیوشن پڑھاتی ہیں۔“

”جی میں پڑھاتی ہوں۔“

”کس کلاس کے بچوں کو پڑھاتی ہیں آپ؟“ اس عورت نے پوچھا۔

”میٹرک تک کے اسٹوڈنٹس کو۔“

”اوہ۔ اور اگر بچہ اس سے زیادہ بڑی کلاس کا ہو تو؟“

”آپ کا مطلب ہے ایف اے، ایف ایس سی کا؟“

”جی۔“

”نہیں، میں ان کلاسز کے بچوں کو نہیں پڑھاتی۔“ فاطمہ نے نفی میں سر ہلایا۔ ”میں میٹرک کے بچوں کو صرف میتھس پڑھاتی ہوں۔ البتہ چھوٹی کلاسز کے بچوں کو سارے سبجیکٹ پڑھاتی ہوں۔“ فاطمہ نے وضاحت کی۔ تب ہی ثانیہ دوبارہ کمرے میں چائے لے کر داخل ہوئی اور اس نے ان دونوں کے سامنے بڑی تپائی پر چائے رکھ دی۔

”اس کی ضرورت نہیں تھی، ہم لوگ ابھی گھر جا کر کھانا کھائیں گے۔“ دوسری عورت جلدی سے بولی۔

”کوئی بات نہیں۔ چائے سے کیا فرق پڑتا ہے۔“

دونوں عورتوں نے ایک دوسرے کو دیکھا۔ فاطمہ کو ان کی آنکھوں میں تشویش نظر آئی۔ ثانیہ نے چائے بنانے کے لیے کپ سیدھے کیے۔

”کتنی چینی؟“ اس نے ان عورتوں نے پوچھا۔ ایک عورت نے چونک کر ثانیہ کو دیکھا۔

”ایک چمچ۔“ اس نے کہا اور اپنے چہرے کا نقاب اس طرح بنایا کہ وہ اس کی ٹھوڑی کو چھپائے ہوئے تھا۔ دوسری عورت نے بھی یہی کیا۔ ثانیہ اب پہلی عورت کو کپ تمھاری تھی۔ فاطمہ کو اس عورت کا چہرہ شناسا لگا۔ وہ میک اپ کے بغیر تھی اور اس کی رنگت سانولی تھی مگر اجڑے عمر میں بھی اس کے نقوش بے حد پرکشش تھے۔

”یہ نیلی ہے آپ کی؟“ دوسری عورت نے فاطمہ سے پوچھا۔

”جی۔“ فاطمہ نے مسکرا کر ثانیہ کو دیکھا۔ جواب چائے کا کپ دوسری عورت کی طرف بڑھا رہی تھی۔

”کتنے بچے ہیں آپ کے؟“

”دو بیٹے اور ایک بیٹی۔“ فاطمہ نے کہا۔

”آپ کے چھوٹے بیٹے نے دروازہ کھولا تھا؟“

”جی، میرا چھوٹا بیٹا تھا وہ۔“ فاطمہ نے کہا۔

”آپ اپنے بیٹے کی بات کر رہی تھیں۔“ فاطمہ نے دوبارہ موضوع پر آتے ہوئے کہا۔

”میرا بیٹا..... ہاں!“ وہ عورت چونکی پھر گڑبڑائی۔ ”آپ تو اسے نہیں پڑھا سکیں گی آپ تو بڑی کلاسز کے بچوں کو پڑھاتی ہی نہیں۔“

”نہیں، میں نہیں پڑھاتی۔ میرا بڑا بیٹا کچھ عرصہ پہلے تک ٹیوشن کیا کرتا تھا مگر اب وہ بھی نہیں کرتا ورنہ میں اسے آپ کے بیٹے کو پڑھانے کے لیے کہتی۔“

ثانیہ دوبارہ ٹی وی کے سامنے بیٹھ چکی تھی۔ اسے اس گفتگو میں کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ ٹی وی دیکھتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ کوئی اسے دیکھ رہا ہے اس نے گردن موڑ کر ان عورتوں کی طرف دیکھا۔ خوبصورت نقوش والی عورت نے چائے پیتے ہوئے اپنی نظریں جمائیں۔ دوسری عورت فاطمہ کے ساتھ باتیں کرنے میں مصروف تھی۔

”آپ نے مجھے یہ نہیں بتایا کہ آپ کو میرے یہاں بھیجا کس نے ہے؟“ فاطمہ کو اچانک خیال آیا۔

”آپ کے اسکول میں پڑھنے والے ایک بچے کے والدین ہمارے ساتھ والے گھر میں رہتے ہیں ان سے اپنے بیٹے کا ذکر کر رہی تھی تو انہوں نے آپ کے بارے میں بتایا۔“

”اوہ اچھا! ہاں یہاں اس علاقے کے کافی بچے میرے والے اسکول میں ہی پڑھتے ہیں۔“ فاطمہ کہہ رہی تھی۔

ثانیہ کو ٹی وی دیکھتے ہوئے ایک بار پھر کسی کی نظروں کا احساس ہوا۔ اس دفعہ اس نے گردن موڑے بغیر صرف آنکھیں تمھارا اس عورت کی طرف دیکھا۔ اس کا اندازہ ٹھیک تھا، وہ عورت ایک بار پھر اسے ہی گھور رہی تھی، ثانیہ نے نظریں ہٹائیں۔

چائے کا کپ رکھنے کے بعد خوبصورت نقوش والی عورت نے نقاب پھر ٹھوڑی سے اوپر کھینچ لیا۔ دوسری عورت بھی اب



تقابلاً چہا رہی تھی۔  
 ”ہم لوگ چلنے ہیں اب۔ چائے کے لیے بہت شکر یہ۔“ وہ دونوں عورتیں کھڑی ہو گئیں۔  
 ثانیہ نے اسی عورت کو اس بار فاطمہ سے بڑی گرم جوشی کے ساتھ گلے ملتے دیکھا۔ پھر وہ عورت اس کی طرف دیکھنے لگی۔  
 ”خدا حافظ!“ ثانیہ نے سسکراتے ہوئے اس سے عورت کہا، مگر وہ عورت اس کی طرف بڑھ آئی۔ ثانیہ اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس عورت نے فاطمہ کی طرح ثانیہ کو بھی بڑی گرم جوشی سے گلے لگایا اور پھر اس کا گال چوما، ثانیہ ہکا بکارہ لگی۔ فاطمہ نے بھی کچھ حیرت سے اس عورت کو دیکھا۔ وہ دونوں عورتیں اب کمرے کے بیرونی دروازے کی طرف بڑھ رہی تھیں۔ فاطمہ ان کے ساتھ تھی۔ ثانیہ قدرے حیرانی سے اس عورت کی پشت کو دیکھ رہی تھی پھر کندھے اُچکاتے ہوئے وہ دوبارہ اپنی کرسی پر بیٹھ گئی۔

فاطمہ نے جس وقت ان عورتوں کے باہر جانے کے لیے صحن کا بیرونی دروازہ کھولا۔ اسی وقت شبیر بھی اپنے گھر کے باہر آ کر ہی کھڑا ہوا تھا۔ دونوں عورتوں نے شبیر کو دیکھا جواب سلام کرتے ہوئے منتظر تھا کہ وہ دونوں عورتیں چوکھٹ پار کریں اور وہ گھر کے اندر داخل ہو۔ خوبصورت نقوش والی عورت پلکیں جھپکائے بغیر شبیر کو دیکھ رہی تھی پھر اس نے ایک دم گردن موڑ کر فاطمہ سے کہا۔

”یہ.....؟“ اس کا اشارہ شبیر کی طرف تھا۔  
 ”یہ میرا بڑا بیٹا ہے۔“ فاطمہ کو محسوس ہوا کہ اس عورت کی نقاب سے نظر آنے والی آنکھوں میں ایک دم الجھن ابھری تھی پھر اس نے مز کر شبیر کو دیکھا اور سلام کرتے ہوئے چوکھٹ عبور کر گئی۔

ان کے جانے کے بعد شبیر اندر آیا۔ ”یہ کون تھیں؟“ اس نے دروازہ بند کرتے ہوئے فاطمہ سے پوچھا۔  
 ”ایسے ہی ایک بچے کی ٹیوشن کے لیے آئی تھیں۔“ فاطمہ نے اندر جاتے ہوئے کہا۔  
 ”مگر بے حد عجیب خواتین تھیں یہ امی!“ ثمراتی دیر میں اپنے کمرے میں سے باہر نکل آیا۔  
 ”کیوں کیا ہوا؟“ فاطمہ نے قدرے لاپرواہی سے ثمر سے پوچھا؟ وہ اس کی عادت سے واقف تھی اسے ہر دوسرا شخص عجیب لگتا تھا۔

”مجھے گھور گھور کر دیکھ رہی تھیں۔“ ثمر نے فاطمہ کے پیچھے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔  
 ”ہاں امی! یہ احساس مجھے بھی ہوا وہ مجھے بھی اسی طرح گھور گھور کر دیکھ رہی تھیں۔“ ثانیہ بھی بولی۔  
 ”بیٹا! بعض لوگوں کی عادت ہوتی ہے۔“  
 ثمر نے فاطمہ کی بات کاٹی۔ ”گھور گھور کر دیکھنے کی جیسے جانی کی؟“ ثمر نے بے حد معصومیت اور بنیدگی سے پوچھا۔ ثانیہ نے ثمر کو گھورا، فاطمہ نے کاٹی کھولتے ہوئے اپنی ہنسی ضبط کی۔  
 ”نہیں امی! میں واقعی سیریس ہوں۔ ان کا دیکھنے کا انداز بہت عجیب تھا۔ میرے چہرے سے نظریں ہی نہیں ہٹا رہی تھیں وہ۔“ ثانیہ نے بنیدگی سے فاطمہ سے کہا۔  
 ”پھر میں اپنا بیان واپس لیتا ہوں۔ وہ اگر صرف مجھے گھور کر دیکھتیں تو یہ ٹھیک تھا اور سمجھ میں آ سکتا تھا کیونکہ میں ایک خوبصورت لوجوان ہوں“ لیکن اگر وہ ثانیہ کو بھی دیکھ رہی تھیں تو پھر انہیں یقیناً عادت ہی ہوگی۔“ ثمر نے اسے ایک بار پھر اسے چھیڑا۔

ثانیہ نے کچھ کہنے کی بجائے نظریں ٹی وی کی طرف کر لیں۔  
 ”لوگوں کی نظر دیکھیں امی! لوگ اب ثانیہ کو بھی گھورا کریں گے۔ یہ قرب قیامت کی نشانیاں ہیں۔“  
 ثانیہ اس بار بھی کچھ نہیں بولی۔  
 ”سند بند رکھو ثمر! اگر تمہیں یہاں بیٹھنا ہے تو۔“ اس بار فاطمہ نے اسے ڈانٹا۔

”میں نے کیا کہا۔ میں تو صرف ایک حقیقت بیان کر رہا تھا۔“ شرنے کن اکھیوں سے ٹانیہ کو دیکھا، اس کی خاموشی بے معنی خیز تھی۔ وہ اب بھی بظاہر اسے نظر انداز کیے مکمل طور پر پی وی اسکرین کی طرف متوجہ تھی۔

”جب سے لوگوں نے آئی بی اے کے ایڈمیشن ٹیسٹ کی تیاری شروع کی ہے لوگ بڑے مدبر ہو گئے ہیں، چھوٹے موٹے لوگوں کی باتوں کا جواب دینا ہی چھوڑ دیا ہے۔“

شرن نے ایک اور جملہ کہا۔

”تمہارا منہ بند نہیں ہو سکتا۔“ فاطمہ نے اسے پھر ٹوکا۔

”سارا دن تو بند رہتا ہے صرف بولنے اور کھانے کے وقت کھولتا ہوں۔ ٹانیہ کی طرح میں کھٹنے تو کھلا نہیں رکھتا۔“ اس نے ایک بار پھر ٹانیہ کو چھیڑا۔

”شر! اگر اب ایک لفظ تمہارے منہ سے نکلا تو میں تمہیں یہاں سے نکال دوں گی۔“ فاطمہ نے اس بار خاصی ناراض سے کہا۔

”یعنی آپ چاہتی ہیں کہ میں ایک لفظ کبھی نہ بولوں زیادہ سے زیادہ الفاظ کا استعمال کروں۔ اچھا..... اچھا سوری..... سوری..... سمجھ گیا میں۔“ شرن نے ایک دم فاطمہ کو اٹھتے دیکھ کر کہا۔

”میں تو پہلے ہی جا رہا تھا۔“ وہ اٹھ کر تیزی سے دروازے کی طرف بڑھا۔ فاطمہ دوبارہ بیٹھ گئی۔ وہ دروازے کے پاس جا رہا اور مڑ کر سنجیدگی سے پہلے ٹانیہ کو دیکھا پھر فاطمہ اور بولا۔

”میرے ذہن میں ابھی ابھی ایک خیال آیا ہے امی! ہو سکتا ہے وہ دونوں خواتین مجھے اور ٹانیہ کو کسی اور مقصد کے لیے دیکھ رہی ہوں۔“

فاطمہ نے چونک کر شرن کو دیکھا وہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔

”کس مقصد کے لیے؟“

”ہو سکتا ہے ان کے بھی کوئی ہماری عمر کے بیٹا بیٹی ہوں اور وہ آج کل ان کے لیے رشتے کی تلاش کر رہے ہوں۔ اب میں تو ان کو دروازے پر ہی پسند آ گیا تھا۔ یہ تو مجھے یقین ہے۔ انہوں نے سوچا ہو چلو گے ہاتھوں لڑکے کی بہن کو کبھی اپنے ہی گھر لے آئے ہیں کم از کم ہماری بیٹی تو اگلے گھر جا کر کٹھنھی رہے گی اور.....“

اس کے منہ سے اور کوئی لفظ نہیں نکل سکا۔ ٹانیہ چلاتے ہوئے اس کے پیچھے بھاگی تھی۔ فاطمہ نے بے اختیار آنکھیں بند کر لیں اسے اندازہ تھا اب باہر کیا ہنگامہ ہونے والا تھا۔

”آگے کیا کرنے کا ارادہ ہے؟“ منصور نے اس صبح روشن سے ناشتے کی میز پر پوچھا۔ رخصتی بھی دونوں کی طرف متوجہ ہوئی اس نے باری باری روشن اور منصور کو دیکھا۔

”میں ایم بی اے کرنا چاہتا ہوں۔“ روشن نے سنجیدگی سے کہا۔

”کہاں سے؟“ منصور نے اس سے پوچھا۔

”آئی بی اے سے۔“

”پاکستان سے؟“ منصور کو جیسے دھچکا لگا۔

”ہاں!“

”پاکستان میں پڑھنے کا کیا فائدہ ہے۔“ رخصتی نے ایک دم گفتگو میں مداخلت کی ”منصور“ آپ اسے باہر کے کسی ملک میں پڑھنے کے لیے بھیجیں۔ جب آپ انور ذکر سکتے ہیں تو اسے پاکستان میں کیوں پڑھا میں۔“

”آپ یہ پلاننگ اپنے بیٹے کے لیے کریں۔“ روشن نے اس کی بات کاٹتے ہوئے سرد لہجے میں جواب دیا۔ ”میں اپنے لیے یونیورسٹی کا انتخاب کر چکا ہوں۔“

”دیکھا آپ نے کس طرح بات کرتا ہے۔“ رخشی یک دم بلبلائی۔ ”میں اسے اپنی اولاد سمجھتی ہوں اور یہ۔“

”آپ دوسروں کی اولاد کو اپنی اولاد سمجھنے پر وقت ضائع کرنے کے بجائے صرف اپنی اولاد کو اپنی اولاد سمجھیں تو اپنے ساتھ ساتھ آپ دوسروں کے مسائل میں بھی کمی کر دیں گی۔“ روشن نے ایک بار پھر اسی ترش انداز میں کہا۔

”روشان! تم تمیز سے بات کرو۔“ اس بار منصور نے روشن کو جھڑکا۔

”فی الحال تو تمیز سے ہی بات کر رہا ہوں اور میں نے ایک بات بھی ایسی نہیں کی، جو تمیزی کے دائرے میں آتی ہو۔“

روشان نے اسی انداز میں بات کرتے ہوئے کہا۔

”دیکھ رہے ہو تم، یہ ہمیشہ مجھ سے اسی طرح بات کرتا ہے۔“ رخشی نے منصور کو پھر مخاطب کیا۔

”غلط بیانی مت کریں۔ میں تو آپ سے بات ہی نہیں کرتا یہ زحمت آپ خود کرتی ہیں۔“ روشن نے رخشی کی بات کاٹ کر کہا اس کا لہجہ اب بھی روکھا تھا۔

”تم نے اس کا انداز دیکھا ہے۔“ رخشی بھڑکی۔

”کیا میں ناشتے کی ٹیبل سے اٹھ کر چلا جاؤں یا آپ مجھ سے مزید کوئی بات کرنا چاہتے ہیں۔“

روشان نے رخشی کی بات کاٹتے ہوئے خشک لہجے میں منصور کو مخاطب کیا۔ منصور نے اپنے سولہ سال کے بیٹے کو دیکھا جو اب قدمیں اس سے بھی لمبا ہو چکا تھا۔ پور ڈنگ میں جانے کے بعد دونوں کے درمیان عجیب سی تعلق حائل ہو چکی تھی۔ پہلے والی بے تکلفی یک دم جیسے حواں بن کر ہوا میں تحلیل ہو گئی تھی۔ وہ ویک اینڈز پر گھر آنے پر بھی اپنے کمرے میں گھسا رہتا۔ اس سے سامنا ہونے پر بھی صرف خاموشی تھی جو منصور کا استقبال کرتی۔ وہ اس کے سامنے رخشی کے بیٹے کو گود میں لیتے ہوئے جھجکتا تھا اور رخشی استحقاق سے روشن کے سامنے اپنا بیٹا لاکر اسے تھما دیتی۔ منصور کو لگتا تھا ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کے اور روشن کے درمیان فیریت کی یہ خلیج بڑھتی جا رہی تھی۔ اس نے روشن کے جیب خرچ میں اضافہ کر دیا تھا۔ وہ اسے آئے دن نئی چیزیں دلواتا رہتا۔ مگر اس کی سرد مہری میں کمی نہیں آئی تھی۔ وہ چیزیں بھی لے لیتا اور اپنی جیب بھی نہیں توڑتا تھا۔

یہ صرف تب ٹوٹتی تھی جب رخشی سامنے آتی تھی۔ رخشی کو عادت تھی کہ وہ اگلیے میں کبھی روشن کو مخاطب کرتی یا نہ کرتی مگر منصور کے سامنے وہ روشن کو کچھ نہ کچھ ضرور کہتی تھی اور روشن نکلا توڑ جواب دیتا تھا۔

منصور پہلے ہر موقع پر رخشی کی سانس لیتے ہوئے روشن کو جھڑکتا مگر پھر یکدم اسے محسوس ہونے لگا کہ اس طرح وہ روشن کو خود سے اور دور کر رہا ہے۔ تب وہ ان دونوں کے جھڑے میں خاموشی اختیار کرنے لگا یا پھر اگر روشن کو کچھ کہتا بھی تو سوچ بچھ کر نرم اور محتاط لفظوں میں اور اس کی یہ نرمی رخشی کو کھلے تھی۔

اس وقت بھی ناشتے کی ٹیبل پر یہ سب کچھ ہو رہا تھا۔

”بیٹا! رخشی تمہاری سوتیلی ماں ہے۔ تم اس کی عزت کیا کرو۔“

”میں اپنی ماں کو چومتا تھا، گلے لگاتا تھا۔ کیا ان کے ساتھ بھی ایسا کیا کروں؟“

وہ کرسی دھکیل کر کھڑا ہو گیا۔ منصور ساکت رہ گیا۔ رخشی کا چہرہ سرخ ہو گیا۔

”اس طرح کی عورتیں جو زبردستی دوسروں کے جوان بچوں کی مائیں بننا چاہتی ہیں انہیں عزت کی ضرورت ہوتی ہے نہ عزت دی جاتی ہے انہیں جن چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے، وہ آپ پہلے ہی انہیں دے رہے ہیں تو پھر مجھ سے مطالبات کیوں کر رہے ہیں۔“ اس نے کھڑے ہو کر رخشی کی طرف ہاتھ کا اشارہ کرتے ہوئے مزید کہا۔

”مجھ سے ایک دو سال بڑی ہے یہ اور آپ کہہ رہے ہیں کہ میں اسے ماں سمجھوں۔“

منصور کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ یہ روشن بول رہا ہے۔ وہ لمبے ڈنگ بھرتا کچھ بڑبڑاتے ہوئے وہاں سے چلا گیا۔ منصور نے رخشی کو دیکھا۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھری ہوئی تھیں۔

”اس لیے کہہ رہی تھی تم سے کہ اسے پاکستان سے باہر بھجوا دو پہلے میری اولاد کو اس سے خطرہ تھا، اب مجھے اسے ذرا

لگتا ہے مجھے کچھ ہوا تو میں بتا رہی ہوں تمہیں، میں روشن کو مار دوں گی۔“  
وہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

☆☆☆

جو پوری قوت سے شرکی پشت میں لگا۔ وہ چند لمحوں کے لیے بلبلایا اور صحن میں تخت کے پاس رک گیا۔  
”مائی گاڈ! اتنی زور سے مارا ہے۔“ اس نے بے اختیار مزہ کراپنے پیچھے آتی ثانی سے کہا۔

”ابھی تو ایک مارا ہے دوسرا بھی ماروں گی۔“ ثانی نے اپنا دوسرا جوتا بھی اس کی طرف پھینکتے ہوئے کہا۔ مگر اس بار شرمکال مہارت سے پہلو بدل کر بچ گیا۔ جو تخت کے دوسری طرف جا کر گر گیا۔

”تمہاری اتنی جرأت کہ تم میرے بارے میں ایسی بات کرو۔“ ثانی اس کے قریب پہنچ کر دھاڑی۔  
”کیسی بات؟“ ثمر نے معصومیت سے کہا۔

”جیسی بات تم نے کی ہے۔“

”میں نے کیا کہا ہے؟“

”تمہیں اچھی طرح پتا ہے تم نے کیا کہا ہے؟“

”میں نے کیا کہا ہے؟“ اس سے پہلے کہ ثانی کچھ کہتی شہیر بے حد ناراضی کے عالم میں دوسرے کمرے سے باہر نکل

آئی۔

”آخر تم لوگوں کے ساتھ مسئلہ کیا ہے۔ ہر وقت ہنگامہ کھڑا کیا ہوتا ہے تم دونوں نے“ اس نے باہر نکلتے ہی دونوں کو

جھڑکا۔

”ثانی نے مجھے جوتی ماری ہے۔“ ثمر نے فوراً پلٹ کر اپنی سفید قمیص پر ثانی کی چپل کا نشان شہیر کو دکھایا۔

”تھوڑی تیز ہونی چاہیے تمہیں۔“ شہیر نے ثانی کو جھڑکتے ہوئے کہا۔ ”بیٹے تو نہیں ہوتے دونوں۔“

”شہیر بھائی! اس نے بد تمیزی کی ہے میرے ساتھ۔“ ثانی بے اختیار رو دھانسی ہوئی۔

”کیا بد تمیزی کی ہے تم نے؟“ شہیر نے ثمر کو آڑے ہاتھوں لیا۔

”مجھے خود پتہ نہیں شہیر بھائی! یہ میرے پیچھے بھاگی ہے اور.....“ ثانی نے اس کی بات کاٹی۔

”اس نے مجھ سے فضول بات کہی۔“

”کیا فضول بات کہی؟“ ثمر نے فوراً کہا۔

”شہیر بھائی! اس کو میری ہر بات فضول لگتی ہے۔“

”مگر آج تم نے بد تمیزی کی انتہا کر دی۔“ ثانی نے اسے گھورا۔

”آج کیا کہا ہے اس نے؟“ شہیر نے پوچھا۔

”آج اس نے“ ثانی کچھ کہتے ہوئے رکی اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ فوری طور پر شرکی بات کو کس طرح دہرائے۔

”میں نے صرف اتنی بات کی تھی شہیر بھائی!“ ثمر نے اسے رکتے دیکھ کر بڑی تیزی اور متانت سے کہا۔ ”کہ وہ

خواتین جو آئی ہیں اچھا ہے ثانی ان کے گھر جا کر ٹیوشن پڑھا دے انہیں سہولت ہو جائے گی۔“ ثانی کا دل چاہا وہ ثمر کے منہ پر مکا

دے مارے۔

”تم دوزخ میں جلو گے جوئے۔“ اس نے بے اختیار دانت کچکا کر کہا۔

”دیکھا آپ نے شہیر بھائی! پھر آپ کہتے ہیں کہ ہر بار میں بد تمیزی کرتا ہوں۔“ ثمر نے سنجیدگی سے کہا۔

”یہ ہمیشہ میرے لیے اسی طرح کی زبان استعمال کرتی ہے۔“

”مگر تمہیں ضرورت کیا تھی، اس طرح کی تجویز کی۔ اب ثانی کسی کے گھر جا کر ٹیوشن پڑھائے گی؟“ شہیر کو اس کی بات

”نصہ آیا۔“ دگر شہید بھائی! اس نے یہ نہیں کہا۔“ ثانی نے شہید کو ٹوکا۔  
 ”دیکھ لیں اس کی بات نہیں، میں نے مذاق کیا تھا۔“ ثمر نے شہید کو ٹانیہ کی طرف متوجہ کرتے ہوئے کہا۔  
 ”دگر تم نے مذاق نہیں کیا تھا۔“

”پھر؟“  
 ”اس نے کوئی اور بات کی تھی۔“ ثانی نے ثمر کو گھورا۔  
 ”اب ختم کرو اس جھگڑے کو اور تم دونوں جا کر اندر امی کے پاس بیٹھو اور اب دوبارہ مجھے تم دونوں کی آواز نہ آئے۔“  
 شہید بلا خزان دونوں کے جھگڑے سے تنگ آ گیا۔  
 ”سین شہید بھائی! اس نے مجھے.....“ ثمر نے تیزی سے اس کی بات کاٹی۔ ”کہہ تو رہے ہیں شہید بھائی! کہ اب بات ختم  
 کر دو پھر دوبارہ بات کیوں شروع کر رہی ہو؟“  
 ”میں دونوں سے کہہ رہا ہوں۔“ شہید نے ثمر کو گھورا۔

”جی! اس نے بڑی تابعداری کے ساتھ کہا۔  
 شہید پلٹ کر اپنے کمرے میں واپس چلا گیا۔ اس کے پلٹنے ہی ثمر نے مسکرا کر شرارتی انداز میں ٹانی کو دیکھا، ثانی ماتھے  
 پر ہلوں کے ساتھ ہونٹ پیچھے اپنے ایک پاؤں میں چہل پہننے لگی۔  
 ”اے حسین نازنین اگر حکم کرو تو دوسرا جو تاما بدلت چہل کریں؟“ ثمر نے مسکراتے ہوئے بڑے انداز سے کہا۔  
 ”شہید بھائی!“ ثانی نے پوری قوت سے شہید کو پکارا ”یہ پھر تنگ کر رہا ہے۔“  
 ”تم اگر دوزخ میں گئیں تو صرف مجھ سے بد تمیزی کی وجہ سے جاؤ گی۔“ ثمر نے ناراضی کے ساتھ کہا۔  
 ”ابھی وہ جن دوبارہ حاضر ہو جائے گا۔“

اس سے پہلے کہ ثمر کچھ اور کہتا شہید باہر نکل آیا۔  
 ”ثمر!“ ثانی نے پلٹ کر شہید کو دیکھا۔

”دیکھا آ گیا نا۔“ ثمر بڑبڑایا۔ شہید پر نظر ڈالتے ہی ثانی ہنس پڑی۔

”یہ دیکھیں میری شکایت کر کے خود ہنس رہی ہے۔“ ثمر نے فوراً کہا۔

”یہ آپ کو جن کہہ رہا ہے۔“ ثانی نے بے اختیار اپنی ہنسی روکتے ہوئے کہا۔

”میرے خدا، میرے خدا۔“ ثمر نے بے اختیار دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ لیا۔ ”میں نے کہا تھا جنھوں نے ہمیں منع کیا

ہے وہ آ جائیں گے اور یہ آپ کو جن کہہ رہی ہے۔“ ثانی نے شہید کو دیکھا۔

”دفع ہو جاؤ، تم دونوں اس قابل نہیں ہو کہ تمہیں کچھ سمجھایا جائے۔“ اس بار شہید نے غصہ سے کہا اور اپنے کمرے میں جا

کر دروازہ بند کر لیا۔

ثانی نے غصہ سے ثمر کو دیکھا۔ ”ثمر! تمہیں اللہ کا خوف ہے کہ نہیں؟“

”اب شہید بھائی چلے گئے ہیں تو تم اللہ کو درمیان میں لے آؤ۔“ ثمر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تم بے حد چالاک انسان ہو۔“ ثانی نے دانت کچکا کر کہا۔

”شکر ہے تم نے اس بار انسان ساتھ لگا دیا۔ پہلے تو تم صرف چالاک کہتی تھیں۔“ ثمر کا اطمینان قابل دید تھا۔

”تم واقعی ڈھیٹ ہو۔“

”اللہ اللہ جو بھی بنایا ہے اللہ نے بنایا ہے۔“ ثمر نے کندھے جھٹکے ”چالاک، ڈھیٹ اور تمہارا بھائی۔“

”میرے بھائی نہیں ہوتے۔“ ثانی نے تخت کے دوسری طرف جاتے ہوئے کہا۔

”ہاں ساری خصوصیات میں مجھے بھی صرف اسی ایک چیز پر اعتراض ہے۔“ ٹرنے مایوسی سے کہا۔ ”آخر میں نے یہ کون سا مگنا کر دیا تھا کہ اس نے مجھے تمہارا بھائی بنا کر تمہارے ساتھ پیدا کیا۔“ ٹرنے نے ایک گہرا سانس لے کر کہا۔

”بلکہ میں اکثر۔“ اس بار ثانی نے بے حد غصے سے اس کی بات کاٹی۔  
 ”اب اگر تم نے ایک لفظ بھی کہا تو میں۔“ غصہ کی وجہ سے ثانی مزید کچھ نہ کہہ سکی۔  
 ”تو تم میں میں کرو گی، ضرور کرو۔“ اس بار ثانی بے اختیار سر پکڑ کر تخت پر بیٹھ گئی۔ اس کے چہرے پر مسکراہٹ کے ساتھ بے بسی تھی۔ ٹرنے باتوں میں جیتنا ناممکن تھا۔ ٹرنے اسے مسکراتا دیکھ لیا۔ وہ چند قدم آگے بڑھ کر اس کے برابر تخت پر بیٹھ گیا۔

”لوگ اکیلے ہی اکیلے بیٹھے مسکرا رہے ہیں۔ کیا بات ہے؟“ اس نے اس طرح کہا جیسے کچھ دیر پہلے دونوں میں انتہائی دوستانہ بات چیت ہو رہی تھی۔

ثانی نے ایک گہرا سانس لے کر کندھے جھٹکے۔  
 ”کیوں کوئی جواب نہیں آ رہا۔“ ٹرنے اسے بھر پھینزا۔  
 ”جب عقل کامل ہو جاتی ہے تو کلام کم ہو جاتا ہے۔“ ثانی نے بلا خراک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔  
 ”واقعی؟ یہ تم نے ٹھیک کہا۔“ ٹرنے نے بے حد سنجیدگی کے ساتھ سر ہلایا۔ ”میں بھی سوچ رہا تھا کہ آخر آج کل میرا زیادہ بولنے کو دل کیوں نہیں چاہتا۔“

وہ واقعی اپنے نام کا ایک تھا۔ ثانی نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔  
 ”دنیا میں ایسا کوئی آدمی نہیں ہے ٹرنے! جو تھیں چپ کروا سکے۔“ اس نے بلا خراک کہا۔  
 ”کوئی عورت تو کروا سکتی ہے نا۔“ ٹرنے مسکرا کر عجیب سے انداز میں کہا۔  
 ”وہ عورت کم از کم میں تو نہیں ہو سکتی۔“ ثانی نے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔  
 ”کوئی اور تو ہو سکتی ہے نا؟“ ثانی نے ایک دم چونک کر ٹرنے کو دیکھا۔  
 ”کوئی اور؟ یہ کوئی اور کون ہے؟“

☆☆☆

”شیطان کا نام لو اور شیطان حاضر۔“

ثانیاب نے با آواز بلند کہا۔ ٹرنے نے بے اختیار اپنا سر کھجایا۔ ثانیاب کے پاس کھڑی لڑکی ایک دم شرکی طرف متوجہ ہو گئی تھی۔ ان کی آنکھوں میں ٹرنے کے لیے سائنس کے ساتھ ساتھ ثانیاب کے جملوں کی وجہ سے مسکراہٹ بھی تھی۔  
 ”یہ ہیں ٹرنے، جن کی میں ابھی بات کر رہی تھی۔“ ثانیاب نے مڑ کر اپنی ایک دوست سے کہا۔ ٹرنے قریب آ گیا اور رکی ہیلو ہائے کا تبادلہ ہوا۔ ٹرنے کو توقع نہیں تھی کہ اسے اسے اس دن ثانیاب سے ٹکرانا پڑے گا اور وہ بھی اس کے پورے نولے کے ساتھ۔ ثانیاب ہی باری باری اپنے فرینڈز کا تعارف ٹرنے سے کروا رہی تھی اور ٹرنے ہی سے مسکراہٹ کے ساتھ سر ہلاتے ہوئے ہر ایک کو دیکھ رہا تھا۔

”میں نے یہاں آتے ہی سب سے پہلے تمہیں تلاش کیا تھا۔ مجھے توقع تھی کہ تم بھی آج یہاں ٹیٹ کے لیے آؤ گے۔“ ثانیاب نے کہا۔

”اگر این سی اے میں ایڈیشن کا تمہارا ارادہ قائم رہا ہو تو۔“

”کیوں ارادے کو کیا ہوتا تھا؟“ ٹرنے نے بے ساختہ کہا۔

”تمہارا ارادہ بدلتا رہتا ہے نا۔“

”تم سے کس نے کہا؟“

”تم نے جو بتایا تھا۔“

”ہر ارادہ تو نہیں بدلا۔“

”اور میں بہت خوش ہوئی ہوں کہ یہ ارادہ نہیں بدلا۔ ٹیٹ کیسا رہا؟“

”پتا نہیں۔“

”اچھی بات ہے، پتہ نہیں کا مطلب ہے کہ اچھا ہوا، کیونکہ برا ہو تو انسان کو کم از کم پتہ ضرور ہوتا ہے۔“ نایاب نے کمال

بے فہمی سے کہا۔

”تھوڑا سا آسماں۔“

”جیسا تمہارا ہوا ہے۔“ نایاب نے بالوں کو جھنکا۔

”یعنی پتا نہیں۔“ ٹمر نے بے ساختہ کہا۔

”ہاں۔“ دونوں ہنس پڑے۔

”میں اب چلتا ہوں کچھ کام ہے مجھے۔“ ٹمر نے نایاب کی دوستوں پر نظر ڈالی۔

”اوکے میں بھی چلتی ہوں۔“ نایاب نے اپنی دوستوں سے کہا اور اس کے ساتھ ہی باہر نکل آئی۔

”اب یہ مت کہنا کہ تم مجھے ڈراپ کر دو گی۔“ ٹمر نے اس کے ساتھ چلتے ہوئے کہا۔

”میں کیوں کہوں گی، جب تمہیں پہلے ہی پتا ہے۔“ نایاب نے بے نیازی سے کہا۔

”نہیں آج نہیں، آج واقعی مجھے کہیں جانا ہے۔“ ٹمر نے کہا۔

”تو میں نے کب کہا ہے کہ میں تمہیں اپنے گھر لے کر جا رہی ہوں۔ میں بھی تمہیں صرف ڈراپ ہی کروں گی۔“

”تو پھر تم مجھے یہیں ڈراپ کر دو۔“ ٹمر نے بے اختیار کہا۔

نایاب نے اسے گھور کر دیکھا۔ ”تمہیں میں اتنی بری لگتی ہوں؟“

”نہیں، ایسا نہیں ہے نایاب! اب تم ہر بات کا غلط مطلب مت لو۔“ ٹمر نے جلدی سے وضاحت کی۔

”مگر غلط بات کا تو غلط مطلب ہی لوں گی۔“

”ٹھیک ہے کر دو ڈراپ۔“ ٹمر نے جیسے ہتھیار ڈالتے ہوئے کہا۔

گاڑی پارکنگ سے نکالتے ہی نایاب نے پہلا سوال کیا ”پیسے ہیں تمہارے پاس؟“

”کیوں؟“

”پٹرول ڈلوانا ہے۔“

”تو ڈلو اور اپنے پیسوں سے۔“

”پرس گھر بھول گئی میں۔“

”گاڑی تمہاری ہے اور پٹرول میں ڈلو اور گا۔“

”گاڑی میری ہے مگر ڈراپ تو تمہیں کرنے جا رہی ہوں۔“

”زبردستی۔“

”زبردستی ہی سہی۔“ ٹمر نے اپنا والٹ نکالا۔

”کتنے ہیں؟“ نایاب نے کہا۔

”اتنی ہیں۔“

”چلو اتنی کا ہی ڈلو لیتے ہیں۔“ نایاب نے پٹرول پمپ کی طرف جاتے ہوئے اطمینان سے کہا۔

”دودھ مجھے ڈراپ کرنے کا اتنا کرایہ تو نہیں بنتا۔“ ٹمر نے ناراضی سے کہا۔

”تو گھر بھی تو دیکھو کہاں ہے تمہارا، شہر کے دوسرے کنارے پر۔“ نایاب نے منہ بتایا۔  
 ”ڈیفنس میں رہ کر تو تمہیں پورا شہر ہی دوسرے کنارے پر لگے گا۔“ ثمر نے بگڑ کر کہا۔  
 ”تم لوگ تو خود شہر سے باہر رہتے ہو۔“  
 ”اتنی روپے کا پٹرول ڈال دیں۔“

ناياب نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے پٹرول ڈالنے والے آدمی سے کہا۔ اس نے قدرے حیرانی سے نایاب کو دیکھا اور پھر پلٹ گیا۔ نایاب نے ہاتھ بڑھا کر ٹرک کے ہاتھ میں پکڑے نوٹ لے لیے۔  
 ”اب تم لوگ ڈیفنس میں رہتے ہو تو اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ تم ہمیں لاہور سے باہر نکال دو۔ اور اندرون شہر میں رہنے کا یہ مطلب نہیں کہ تم ہمیں لاہور کے دوسرے کنارے پر پہنچا دو۔“ ثمر نے اسی بگڑے انداز میں کہا۔  
 ”ڈال دیا؟“ نایاب کھڑکی کے سامنے نمودار ہونے والے آدمی سے مخاطب ہوئی۔  
 ”جی۔“

”یہ لو۔“ اس نے اتنی روپے پکڑائے اور گاڑی پٹرول پمپ سے باہر نکال کر لے گئی۔  
 ”ویسے میں نے تم سے ایڈیشن کے لیے پیسوں کا پوچھا تھا۔“ نایاب نے روڈ پر آتے ہی کہا۔  
 ”کیا مطلب؟“ ثمر چونکا۔

”میں نے پوچھا تھا کہ اگر میرٹ لسٹ پر تمہارا نام آ جائے تو ایڈیشن کے لیے فیس ہے تمہارے پاس، یہ مطلب تھا میرا۔“

”تو یہ اتنی روپے؟“

”میں نے مذاق میں کہا تھا کہ پٹرول ڈلوانا ہے تم بحث کرنے لگے تو پھر میں نے بھی سوچا، اچھا ہے ڈلوایا لیتی ہوں تمہیں بھی ذرا اتنی زبان چلانے پر سبق تو سکھایا جائے۔“  
 ثمر نے اسے گھور کر دیکھا۔

”اچھا اب گھورنے کی ضرورت نہیں ہے تم پاکستانی مردوں کو ویسے ہی خوبصورت لڑکیوں کو گھورنے کی عادت ہوتی ہے۔ میرے سوال کا جواب دو۔“

”میں بدصورت لڑکیوں کو گھورتا ہوں، نہیں پیسے تو نہیں ہیں۔“ ثمر نے ترکی بہ ترکی کہا۔

”کم زکم آج تو تم کسی بدصورت لڑکی کو نہیں گھور رہے۔ اگر پیسے نہیں ہیں تو ایڈیشن کے لیے کیا کرو گے؟“

”پتا نہیں کیا کروں گا۔ فی الحال تو سوچا نہیں ہے مگر امی سے بات کروں گا۔ شاید، وہ کچھ مدد کر دیں۔“ ثمر اس بار یک دم سنجیدہ ہو گیا۔

”ان کے پاس پیسے ہیں؟“ نایاب بھی سنجیدہ ہو گئی۔

”ہو سکتا ہے ہوں۔“

”اگر نہیں ہوئے تو؟“

”تو پھر میں ایڈیشن نہیں لوں گا، سہیل۔“

”مجھ سے لے لیتا۔“ نایاب نے آفر کی۔

”یہ دو چار سو کی بات نہیں ہے۔“

”جاتی ہوں دو چار لاکھ کی بات ہے، تو کیا ہوا۔“

”نہیں، یہ میں نہیں کر سکتا۔“ ثمر نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

”کیوں؟“



”میں اس کیوں کا جواب بھی نہیں دوں گا۔“ ثمر نے اب بھی اسی انداز میں کہا۔  
 ”پھر تم ایک کام کرو۔“

”کیا؟“

”ہنکل ڈیٹان سے ایڈوانس کی بات کرو۔“  
 ”وہ اگر مجھے کمرشل کی پوری رقم بھی دے دیں تب بھی وہ ہزاروں میں ہے لاکھوں میں نہیں۔“  
 ”میں ان سے تمہاری سفارش کر دوں گی۔“  
 ”کیوں بھی، آخر مجھ پر اتنی عنایات کیوں؟“ ثمر نے یک دم مسکراتے ہوئے کہا۔  
 ”تم فلمز نہیں دیکھتے؟“

”دیکھتا ہوں۔“

”تو تم نے شبنم اور ندیم کی فلم دل لگی دیکھی؟“ نایاب نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔  
 ”نہیں۔“

”تو جا کر دیکھو۔“

”اچھا پھر؟“

”پھر تم مجھ سے یہ سوال نہیں کرو گے۔“

”میرے پاس دی سی آر نہیں ہے۔“ ثمر نے معصومیت سے کہا۔

”انسان اتنا بھی غریب نہ ہو۔“ نایاب نے افسوس کا اظہار کیا۔

”تم مجھے میری غربت کے طعنے دینے کے بجائے اگر فلم کے بارے میں بتا دو تو زیادہ بہتر ہوگا۔“

”دیکھو، ہسٹری اٹھا کر دیکھ لو۔ امیر لاکا، غریب لڑکی پر اور امیر لڑکی غریب لڑکے پر ہمیشہ مہربان ہوتے ہیں۔“

”مگر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیوں؟“ ثمر نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

”تو اس فلم میں بھی ایک امیر لڑکی، ایک غریب لڑکے کی محبت میں گرفتار ہو جاتی ہے۔“ نایاب نے ثمر کا سوال نظر انداز کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔

”پھر؟“ ثمر نے دلچسپی لیتے ہوئے سوال کیا۔

”ہاں نہیں میں نے آدمی ہی دیکھی تھی۔“

ثمر نے بے حد افسوس کے عالم میں نایاب کو دیکھا۔

”اور آدمی فلم دیکھ کر تم ایک غریب لڑکے پر عنایات کر رہی ہو۔“

”ہاں کیونکہ فلم ٹریجک تھی۔“

”یہ تمہیں آدمی فلم دیکھ کر ہی اندازہ ہو گیا۔“

”میں نے سیکنڈ ہاف دیکھا تھا۔“ نایاب نے لاپرواہی سے کہا۔

”مگر اس ٹریجک فلم کا غریب لڑکے سے کیا تعلق ہے۔“ ثمر نے ہلکا خراب جھلا کر کہا۔

”ہے تعلق۔“ نایاب نے اپنی بات پر زور دیا۔

”وہی تو پوچھ رہا ہوں؟“

”غریب لڑکا فلم میں مر جاتا ہے۔“

ثمر چند لمحوں تو اسے چپ چاپ دیکھتا رہا پھر بے ساختہ ہنس پڑا۔

”یہ بھی ہو سکتا ہے اس بار امیر لڑکی آخر میں مر جائے۔“

”ایک اور فلم میں ایسا بھی ہوا تھا۔“ نایاب فوراً بولی۔ ”مگر فلم فلاپ ہو گئی تھی۔“

”ویسے میرا خیال ہے کہ تم دو فلموں کی کہانی کو ایک فلم کے اندر کس کر رہی ہو، کیونکہ مجھے یقین ہے اس فلم کے آخر میں جو ہوا تھا، وہ وہ نہیں ہے جو تم مجھے بتا رہی ہو۔“ ثمر نے اسے گہری نظروں سے دیکھا۔

”یعنی یہ فلم دیکھ رکھی ہے تم نے۔ مجھے بھی شک ہے کہ اتنے معصوم تو نہیں ہو تم جتنے بن رہے ہو۔“ نایاب نے اسے گھورا۔ ثمر نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔ وہ ثانی نہیں تھی نایاب تھی اور وہ پہلی بار زچ ہو رہا تھا مگر وہ اس ٹنگو سے محفوظ بھی ہو رہا تھا۔

”ذیشان اکل کا نام ذہن میں رکھنا۔ ان سے ایڈوانس لے لینا بلکہ جتنی رقم کی ضرورت ہو لے لینا۔“ نایاب نے اسی اسٹاپ کے قریب گاڑی روکتے ہوئے کہا جہاں اس نے پچھلی بار ثمر کو ڈراپ کیا تھا۔ ثمر کو اس کی یادداشت پر رشک آیا۔ اس نے ایک بار بھی اس سے یہ نہیں پوچھا تھا کہ اسے کہاں جانا ہے۔

”اور اگر تم نے میری اس آفر کو قبول نہ کیا تو پھر میں خود زحمت کرتے ہوئے تمہاری فیس جمع کروادوں گی۔“

جب ثمر نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے گاڑی کا دروازہ کھول لیا تو نایاب نے اپنا جملہ مکمل کیا۔ ثمر نے پلٹ کر اسے دیکھا اور گہرا سانس لیا۔ نایاب مسکرا رہی تھی۔

”میری سمجھ میں نہیں آتا کہ تم سے کیا کہوں؟“

”چپ رہو بس۔“ نایاب نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔ ثمر کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

☆☆☆

”تم کہاں جا رہی ہو؟“

میزب نے اس صبح صبح گھر سے نکلنے کے کچھ دیر بعد امبر کو جینز اور ٹی شرٹ لے کر ہاتھ روم کی طرف جاتے دیکھ کر پوچھا۔ امبر نے کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ چپ چاپ ہاتھ روم میں کھس گئی۔

میزب پریشانی کے عالم میں کمرے کے چکر لگانے لگیں۔ وہ آدھے گھنٹہ کے بعد دوبارہ کمرے میں آئی اور میزبہ کو مکمل طور پر نظر انداز کر کے اپنے بال ڈرائیئر سے ڈرائی کرنے لگی۔

”تم کہاں جا رہی ہو؟“ میزبہ نے ایک بار پھر اس سے پوچھا۔ وہ اس بار بھی خاموشی سے اپنے کام میں مگن رہی۔

”میں تم سے کچھ پوچھ رہی ہوں امیر؟“ میزبہ کا صبر جواب دینے لگا۔

”آپ مجھ سے کچھ تب پوچھیں جب آپ ہر کسی سے کچھ پوچھتی ہوں۔“ امبر نے یک دم پلٹ کر میزبہ کو درستی سے

جواب دیا۔

”وہ آپ کے سامنے صبح منہ اٹھا کر اسی طرح تیار ہو کر گھر سے نکل جاتی ہے۔ آپ اس سے یہ سوال نہیں کرتیں۔“

اس نے صبح کا نام لیے بغیر اس کا حوالہ دیا۔

”وہ جا ب کی تلاش میں جاتی ہے۔“

”اور میں آوارہ گردی کرنے۔“ امبر نے میزبہ کی بات کاٹ کر کہا۔

”میں نے یہ نہیں کہا۔“

”تو کہہ دیں۔ میں سننے کے لیے تیار ہوں۔“

”امبر! خواہ مخواہ بات کو طول مت دو۔“

”تو پھر آپ سوال مت کریں۔“

”میرا فرض ہے یہ..... میں ماں ہوں تمہاری۔“

”صرف میری ماں ہیں؟ صرف مجھ سے الویسیٹی کیشن کرنی ہوتی ہے آپ کو؟“

”تم کو بتایا ہے کہ صنف جاب ڈھونڈ رہی ہے۔“ میزہ نے اس بارقد رے بلند آواز میں کہا۔

”تو میں بھی جاب ڈھونڈنے ہی جا رہی ہوں۔“

”تم جاب کرو گی؟“ میزہ نے بے اختیار پوچھا۔

”کیوں؟ میں معذور ہوں؟“

”تم..... ابھی تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں ہے امبر!“

”میری طبیعت کا مجھے آپ سے زیادہ پتا ہے۔“ اس نے ترکی بہ ترکی کہا۔

”دیکھو، تمہاری کوالیفیکیشن اتنی نہیں ہے کہ تمہیں کوئی اچھی جاب مل جائے۔“ میزہ کو احساس نہیں ہوا کہ انہوں نے

اسے ایک غلط مثال دی تھی۔

”کیوں؟ میری کوالیفیکیشن کو کیا ہوا؟“ امبر نے سرد مہری سے ماں کو دیکھا۔ اگر صنف اے لیوٹر کے جاب ڈھونڈ سکتی

ہے تو پھر میں کیوں نہیں؟“

”تمہارا بی اے بھی مکمل تو نہیں ہوا۔“

”مگر اے لیوٹر تو میں نے بھی کیا ہوا ہے۔“

”ہاں مگر.....“ میزہ کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔ امبر نے ان کی بات مکمل کی۔

”مگر یہ کہ صنف قابل اعتبار ہے جو کہ میں نہیں ہوں۔“

”امبر! اپنے لفظ میرے منہ میں مت ڈالو۔“ میزہ نے اسے جھڑکا۔

”میں آپ کا چہرہ پڑھ سکتی ہوں می! جیسے میں صنف کا چہرہ پڑھ سکتی ہوں۔“ امبر نے بے حد سرد لہجے میں کہا۔ ”آپ

دونوں اپنے دل میں میرے لیے کیا رکھتی ہیں میں جانتی ہوں۔“

”میں اور صنف دونوں تم سے بہت محبت کرتے ہیں۔“

”اور جو لوگ مجھ سے بہت محبت کریں۔ مجھے ان سے بہت خوف آتا ہے کیونکہ وہ سانپ کی طرح مجھے ڈستے ہیں۔

پایا..... طلحہ..... رختی..... سب بہت محبت کرتے تھے مجھ سے۔“ امبر نے اپنے ہونٹوں پر لپ اسٹک لگاتے ہوئے کہا۔

”اور ہارون..... اس کے بارے میں کیا خیال ہے تمہارا؟“ میزہ نے چیختے ہوئے لہجے میں کہا۔ لپ اسٹک لگاتے

ہوئے امبر کے ہاتھ چند لمحوں کے لیے رکے۔

”ہارون کی بات اور ہے۔“ اس نے بے حد معمول کے انداز میں کہا۔

”تم اس کے پاس جا رہی ہو؟“

”ہاں۔“

”امبر..... وہ اچھا آدمی نہیں ہے۔“

”اس آدمی نے میرے علاج پر اٹھنے والے سارے اخراجات برداشت کیے تھے۔ میرے لیے وہ اچھا ہے اور تب تو

آپ کے لیے بھی اچھا تھا۔“

”مجھے غلط نہیں لگتی۔“

”مجھے نہ پہلے ہی نواب ہے۔ وہ میرا بہت خیال رکھتا ہے، اور میرے لیے یہی کافی ہے۔“

”اس لباس میں اس محلے سے گزر کر تم جاؤ گی تو.....“ میزہ نے امبر کو شوٹلڈر بیگ اٹھاتے دیکھ کر کہا۔

”تو کیا ہوگا؟ قیامت آ جائے گی؟“

”لوگ باتیں کریں گے۔“

”پہلے کیا کر رہے ہیں؟“ اس نے دوبارہ کہا۔

”اس محلے میں ہم نئے آئے ہیں اور.....“ امبر نے میزہ کی بات کاٹ دی۔  
 ”اور اس سے پہلے کہ ہم یہاں پرانے ہو جائیں میں یہاں سے چلے جانا چاہتی ہوں۔“ اس نے تڑپ لہجے میں کہا اور  
 بیک کندھے پر ڈالتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

”پاپا اندر ہیں؟“ سیکرٹری نے بڑی حیرانی کے ساتھ صبحہ کو دیکھا۔  
 ”جی؟“

”منصور علی صاحب۔“ صبحہ نے نام لیتے ہوئے کہا۔

”وہ آپ کے قادر ہیں؟“

”ہاں!“

سیکرٹری کچھ گڑبڑائی۔ کچھ پریشان ہوئی۔

”جی وہ اندر آفس میں ہیں۔“

”میں ملنا چاہتی ہوں ان سے۔ میرا نام صبحہ ہے۔“

”آپ بیٹھیں۔“ سیکرٹری نے انٹرکام کا ریسپورڈ اٹھانے سے پہلے کہا۔ صبحہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

”کون آیا ہے؟“ منصور نے حیرانی سے سیکرٹری سے پوچھا۔

”آپ کی بیٹی۔“

”امبر؟“ منصور کے منہ سے بے اختیار نکلا۔

”نوسر..... صبحہ...“

”آپ سے ملنا چاہتی ہیں۔“ منصور کو خاموش پا کر سیکرٹری نے کہا منصور کے ماتھے پر کچھ ٹپ آئے پھر اس نے سیکرٹری  
 سے کہا۔ ”اندر بھیجیو۔“

”سر بارے میں، آپ اندر جائیں۔“ سیکرٹری نے صبحہ سے کہا۔ اس بار اس کی آواز میں احترام تھا۔ صبحہ دروازہ  
 کھول کر اندر داخل ہو گئی۔

”السلام علیکم پاپا!“ اس نے مدہم آواز میں کہا۔

منصور نے جواب دینے کے بجائے اس سے کہا ”بٹھو۔“ اس کا لہجہ نرمی سے خالی تھا۔ صبحہ اس کے سامنے ایک خالی  
 کرسی پر بیٹھ گئی۔ اس سے پہلے کہ منصور اس سے کوئی سوال کرنا صبحہ بولی۔

”میں آپ کا شکر یہ ادا کرنے آئی تھی۔“ منصور کے چہرے کے تاثرات میں ایک دم تبدیلی آ گئی۔ اس کے ماتھے کے  
 ٹپ کم ہو گئے تھے۔

”کس لیے؟“

”آپ نے جو چیک بیجا سے اس کے لیے۔“

منصور چند لمحوں تک کچھ بول نہیں سکا پھر اس نے کہا۔ ”اس کی ضرورت نہیں۔“

”مہی بھی آپ کا شکر یہ ادا کر رہی تھیں۔“

”یہ قابل یقین تو نہیں ہے۔“ منصور نے میزہ کا حوالہ سنتے ہی کہا۔ ”لیکن تم کہہ رہی ہو تو میں یقین کر لیتا ہوں۔“

صبحہ اٹھ کھڑی ہو گئی۔ ”تم صرف اسی لیے آئی تھیں؟“ منصور نے صبحہ کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں۔۔۔ میں نے آپ کو فون کرنے کی کوشش کی تھی مگر آپ کا موبائل فون مسلسل بڑی یا بند تھا اس لیے پھر میں

یہاں آ گئی۔“ اس نے مدہم آواز میں کہا۔

”تم آج کل کیا کر رہی ہو؟“ منصور نے ایک دم اس سے پوچھا۔

”میں جا ب تلاش کر رہی ہوں۔“

”کیوں.....؟ پڑھنا چھوڑ دیا تم نے؟“

”ہاں۔ مجھے جا ب کی ضرورت ہے۔“

منصور کچھ بول نہیں پایا۔

”خدا حافظ۔“ وہ دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ بہت عرصے بعد چند لمحوں کے لیے منصور کے دل میں ہلکا سا ملال آیا تھا۔

بہت ہلکا سا..... اسے دکھ ہوا تھا۔ بہت عرصے کے بعد اس نے صنف کو دیکھا تھا اور صنف کے چہرے پر نظر ڈالتے ہوئے اسے امبر اور بانی دونوں بیٹیوں کا خیال بھی آیا تھا اور وہ ان کے بارے میں صنف سے پوچھنا بھی چاہتا تھا مگر ایک عجیب سی جھجک آڑے آ گئی۔ صنف کے باہر نکلنے کے بعد اسے خیال آیا کہ وہ اسے ڈرائیور کے ذریعے گھر ڈراپ کروادے۔ اس نے ریسیور اٹھا کر سیکرٹری سے صنف کو روکنے کے لیے کہا۔

”مگر سزاوہ باہر نکل گئی ہیں۔ کیا میں آفس بوائے کو پیچھے بھیجوں؟“ وہ پوچھ رہی تھی۔ آفس بوائے کو پیچھے بھیجنے کا مطلب کیا ہوتا منصور غور کرتا رہا، پھر ایک دم وہ کسی فیصلے پر پہنچ گیا۔

”نہیں۔ رہنے دو۔“ اس نے فون رکھ دیا۔ مگر وہ بے حد الجھ گیا تھا۔

وہ اٹھ کر کھڑا ہوا اور اپنے آفس کی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگا چند لمحوں کے بعد اس نے صنف کو بیرونی گیٹ کی طرف بڑھتے دیکھا۔ پھر اس نے صنف کو گیٹ پارکر کے مین روڈ پر بس اسٹاپ کی طرف جاتے دیکھا۔ ایک عجیب سے احساس نے منصور کو اپنی گرفت میں لیا۔ وہ دوسری منزل کی کھڑکی میں کھڑا اسے بس اسٹاپ کی طرف جاتے دیکھ کر شش و پنج اور بے چینی کا شکار تھا۔ وہ اس بس اسٹاپ پر ہر روز اپنے آفس کی طرف آتی درجنوں لڑکیوں کو کھڑے دیکھتا تھا۔ اس نے کبھی ان پر دوسری نظر ڈالنا بھی گوارا نہیں کی تھی اور اب اس کی اپنی بیٹی اسی ہجوم کا حصہ بننے والی تھی۔

”ڈرائیور کو باہر اسٹاپ پر بھیجو وہاں صنف کھڑی ہے۔ اس سے کہو کہ اسے گھر چھوڑ آئے۔“ اس نے ایک دم کھڑکی سے ہٹ کر انٹرکام اٹھایا اور سیکرٹری کو ہدایت دی۔

”تیس سر۔“

منصور دوبارہ کھڑکی میں جا کر کھڑا ہو گیا۔ اس نے کچھ دیر بعد اپنی گاڑی کو گیٹ سے نکل کر اسٹاپ کی طرف جاتے دیکھا مگر اس سے پہلے کہ وہ اسٹاپ پر پہنچتی۔ صنف اسٹاپ پر آ کر رکنے والی بس میں سوار ہو چکی تھی۔ منصور نے مایوسی سے اپنا نچلا ہونٹ کاٹا پھر کھڑکی سے ہٹ گیا۔

”آج کا دن براتھا۔“ اس نے اپنی کرسی پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اسے یہ نہیں پتا تھا کہ آج کا دن ابھی مزید برا ہونے والا تھا۔ کیونکہ وہ بس اسٹاپ کے منظر میں اتنا محو تھا کہ اس نے رخصتی کی گاڑی کو اندر آتے نہیں دیکھا تھا۔

رخصتی جس وقت منصور کی سیکرٹری کے آفس میں داخل ہوئی وہ منصور کو انٹرکام پر بتا رہی تھی۔

”سر! ڈرائیور بس اسٹاپ پر صنف کو پک کرنے کے لیے گیا تھا مگر وہ بس میں چلی گئیں۔“

رخصتی کے قدم رک گئے۔ ریسیور رکھتے ہوئے سیکرٹری نے رخصتی کو دیکھا اور مسکرائی۔ ”السلام علیکم میڈم۔“

”صنف..... منصور کی بیٹی آئی تھی یہاں پر؟“ رخصتی کے ماتھے پر بل نمایاں تھے۔

”تیس میڈم!“

”کس لیے؟“

”منصور صاحب سے ملنے۔“

”اور منصور اس سے ملا؟“

”بس میڈم!“ اس کا اقرار رخصتی کو تپانے کے لیے کافی تھا۔

وہ بے حد غصے میں منصور کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ منصور، رخصتی کو سامنے دیکھ کر بے اختیار ہنسنے لگا۔

رخصتی اکثر اس کے آفس آیا کرتی تھی اور زیادہ تر بغیر بتائے ہی آیا کرتی تھی۔ مگر وہ کمرے میں اس طرح دروازہ کھول کر ان تاثرات کے ساتھ نہیں آتی تھی۔ منصور کو ہلک جھپکنے میں احساس ہو گیا تھا کہ اس نے صنف کو دیکھا ہے یا پھر سیکرٹری کی گفتگو سنی ہے اور وہ بے اختیار جھلا گیا۔

”اؤ رخصتی..... بیٹھو“ منصور نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”مجھے یہاں بیٹھنے کے لیے تمہارے دعوت نامے کی ضرورت نہیں ہے۔“ رخصتی نے جیسے پھاڑ کھانے والے انداز میں کہا اور ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

”کیوں ناراض ہو رہی ہو؟“

”اتنا معصوم بننے کی ضرورت نہیں ہے منصور! اب تم مجھ کو بھی دھوکا دو گے۔“

”کیسا دھوکا؟ تم کیا بات کر رہی ہو؟“ منصور کے حیلے لہجے میں بولا۔

”تمہاری اولاد یہاں تم سے ملنے آتی ہے اور تم نے ایک بار بھی مجھ سے ذکر تک نہیں کیا۔“

منصور نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔ ”کوئی مجھ سے یہاں ملنے نہیں آتا۔“

رخصتی نے اس کی بات کائی۔ ”جھوٹ مت بولو منصور! ابھی تھوڑی دیر پہلے صنف یہاں تم سے مل کر گئی ہے اور.....“ منصور نے اس کی بات کائی۔

”میں نے کب کہا وہ نہیں آئی۔ وہ آئی تھی مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ساری اولاد مجھ سے ملنے یہاں آتی ہے۔“ منصور نے کچھ غصے سے کہا۔ ”مجھے ان سے ملنا ہوتا تو میں انہیں گھر بلاتا۔“

”اور میں انہیں اس کا گیٹ تک کر اس نہ کرنے دیتی۔ تمہیں پتا ہونا چاہیے وہ گھر میرے اور میرے بیٹے کے نام ہے۔“

”ہم ایک فضول بحث کر رہے ہیں۔ تم سے کہہ دیا ہے کہ کوئی اور مجھ سے ملنے نہیں آتا صرف صنف آئی ہے۔“

”آئی ہے یا آئی ہے؟“ رخصتی نے اسی طرح دل جلانے والے انداز میں کہا۔

”نہیں آئی ہے۔“ منصور نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ”صرف آج آئی ہے۔“

”کس لیے؟“ منصور اس کا جواب نہیں دے سکتا تھا۔ وہ رخصتی کو یہ بتانا نہیں چاہتا تھا کہ اس نے ان لوگوں کو کوئی رقم بھجوائی ہے اور اب ماہانہ بھجوانے کا ارادہ رکھتا ہے۔

”وہ روشان سے ملنا چاہتی تھی۔“ منصور نے جھوٹ بولا۔

”اور روشان سے ملنے کے لیے وہ یہاں آئے گی۔“ رخصتی مشتعل تھی اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ منصور جھوٹ بول رہا ہے۔

”وہ مجھ سے اجازت مانگنے آئی تھی۔“ منصور نے کہا۔

”اور تم نے اجازت دے دی؟“

”نہیں۔“

”اور اس نہیں کا صنف کو پہلے سے ہی پتا تھا تو پھر وہ یہاں کیوں آئی۔“ رخصتی نے بحث کرتے ہوئے کہا۔

”وہ سمجھ رہی تھی کہ اب کافی عرصہ گزر گیا ہے اور شاید میں اسے روشان سے ملنے کی اجازت دے دوں گا۔“ منصور نے

کہا۔

”تم امبر کے بارے میں یہ کہتے تو میں مان لیتی۔ اپنی دوسری بیٹیوں کے بارے میں کہتے تو بھی میں مان لیتی۔ مگر صنف

کے بارے میں، میں یہ ماننے کو تیار نہیں ہوں کہ وہ تم سے اس طرح کی اجازت لینے کے لیے آئی ہوگی۔“

”تھیں اندازہ نہیں ہے دوسرے بچوں کی نسبت صبح اور روشن آپس میں زیادہ قریب ہیں۔“ منصور نے نکل سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”مجھے اچھی طرح اندازہ ہے اور میں صبح کو اس سے زیادہ اچھی طرح جانتی ہوں۔“

منصور نے گہرا سانس لیا اس وقت رخصی کے ساتھ بحث کرنا بھینس کے آگے مین بجانے کے مترادف تھا۔ وہ میزہ سے زیادہ فکری حراج تھی اور اس سے زیادہ مکار۔ میزہ کو بے وقوف بنانا قدرے آسان تھا۔ رخصی کو بے وقوف بنانا انتہائی مشکل۔ شادی کے شروع کا سنہری دور گر چکا تھا۔ اب منصور کو تصویر کا دوسرا رخ نظر آنا شروع ہو گیا تھا مگر وہ ابھی بھی رخصی کی محبت میں گرفتار تھا اور اس کی تمام خامیوں کے باوجود اس کو اپنی زندگی سے نکالنے پر تیار نہیں تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ پہلے کی طرح بے چوں چراس کی باتیں بھی مانا کرتا تھا مگر اسے احساس ہوتا تھا کہ ہر روز رخصی کے مطالبات بڑھتے جا رہے تھے اور اس کو خوش کرنا بے حد مشکل کام تھا۔ وہ بے حد تند خوئی اور بعض دفعہ منصور کو یک دم احساس ہوتا کہ ہر قسم کی جی حضوری کے باوجود رخصی بعض اوقات اس سے بالکل بیزار نظر آنے لگتی ہے اور اس وقت منصور کو اس کی اور اپنی عمر کا فرق بہت زیادہ چھتا وہ جتنا ہینڈ سٹام اسٹارٹ نظر آتا بہر حال اپنی عمر نہیں چھپا سکتا تھا۔ وہ اور رخصی ساتھ کھڑے کسی بھی طرح شوہر اور بیوی نظر نہیں آتے تھے لوگ انہیں باپ بیٹی ہی سمجھتے تھے۔ شاپنگ کے لیے جاتے ہوئے منصور کو بار بار اس ناخوشگوار صورت حال کا سامنا کرنا پڑتا۔ رخصی ایک بیٹے کی ماں ہونے کے باوجود اٹھارہ، انیس سال کی لگا کرتی تھی دوسری طرف ہر آنے والا دن منصور کے چند بال کم کر دیتا، چہرے پر نئی جھری لے آتا یا کوئی اور نیا مسئلہ۔

”کس لیے آئی تھی صبح؟“ رخصی پھر فرمائی۔

”ایسا کر رخصی! تم خود جا کر صبح سے ہی یہ پوچھ لو کہ وہ میرے پاس کس لیے آئی تھی۔“ منصور نے ہلّا خر جھلا کر

کہا۔

”مجھے چیلنج کرو منصور! تو میں یہ بھی کر گزروں گی۔“ وہ اور تپ گئی۔

”تھیں بتایا ہے کہ وہ.....“

رخصی نے منصور کو بات مکمل کرنے نہیں دی۔ ”تم نے اسے ملنے کی اجازت نہیں دی مگر تم نے اس کے پیچھے ڈرائیور بھیجا

کہ اس کو گھر چھوڑ کر آئے۔“

”وہ سڑک پر کھڑی تھی اتنے مردوں کے ساتھ۔“ منصور نے جیسے احتجاج کیا۔ ”مجھے اچھا نہیں لگا تھا اس لیے میں نے

ڈرائیور بھیجا۔“

”سڑک پر کھڑا ہونا ان کی اپنی چوٹیں تھی۔ خود تمہارا گھر چھوڑ کر گئی تھی۔“

”میں نے اسے گھر سے نکالا تھا۔“ منصور نے جیسے اسے یاد دلایا۔

”وہ کیوں اسامہ سے ملنے گئی تھی جب تم نے اسے منع کیا تھا۔“

”ہم آخرا ایک ایسے مسئلے پر کیوں بحث کر رہے ہیں، جن کا ہماری زندگیوں سے کوئی تعلق نہیں ہے۔“ منصور نے جھلاتے

ہوئے کہا۔

”وہ اس لیے، تاکہ تھیں یاد رہے کہ تمہاری بیٹیوں نے تمہارے ساتھ کیا کیا۔“

”مجھے اچھی طرح یاد ہے رخصی!“

”نہیں، یاد نہیں ہے، یاد ہوتا تو تم صبح کی شکل تک نہ دیکھتے۔“

”میں آئندہ اس سے نہیں ملوں گا۔“

”مجھے کیا تم آئندہ اس سے ملنے ہو یا نہیں۔ میں چوبیس گھنٹے تو تمہارے ساتھ نہیں ہوتی۔“

”تم ایسا کر دو تم چوبیس گھنٹے میرے ساتھ رہا کر دو تاکہ تھیں یہ جو ہر وقت مجھ پر شک رہتا ہے یہ ختم ہو جائے۔“ منصور

☆☆☆

امبر نے اپنے گھر سے مین روڈ تک کا فاصلہ بے حد جھلاہٹ میں طے کیا تھا۔ وہ اس قدر خوبصورت تھی کہ اگر وہ بازار اڑھ کر بھی وہاں سے گزرتی تو راستے کے مردوں کو پلٹ کر دیکھنے پر مجبور کر دیتی اور اب وہ جس لباس میں وہاں سے گزری تھی اس نے ایک دم اس گلی کے لڑکوں میں اشتیاق اور تجسس کو جنم دیا تھا۔ اس علاقے میں کسی لڑکی کا سر سے دو پٹے ہی اتار دینا اسے محلے میں موضوع گفتگو بنا دیا تھا اور کہاں یہ کہ کوئی لڑکی جینز اور سیلیولیس Top میں ملبوس ہو کر اس طرح ج سنور کر وہاں سے گزرے۔ گھر سے مین روڈ پر ہارون کمال کی گاڑی میں بیٹھنے تک بے شمار نظروں نے اس کا تعاقب کیا تھا۔

”اوہ نہ!.....“ امبر نے گاڑی میں بیٹھنے ہی سر جھٹک کر کہا۔

”کیا ہوا؟“ ہارون نے اس کے حلیے کو پسندیدگی سے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اب گاڑی اسٹارٹ کر رہا تھا۔

”یہ لوگ مجھے اس طرح دیکھ رہے ہیں جیسے انھوں نے کسی لڑکی کو پہلی بار دیکھا ہو۔“ امبر نے تفریح آمیز انداز میں کہا۔

”اتنی خوبصورت لڑکی کو تو انھوں نے پہلی بار ہی دیکھا ہو گا۔“ ہارون نے گاڑی کی اسپینڈ تیز کرتے ہوئے قدرے شوخ انداز میں اس سے کہا۔

”میرا دم گھٹنے لگا ہے۔“ امبر نے ہارون کے جملے پر غور کیے بغیر کہا۔ ”یہ لوگ یہ محلہ میں اب.....“

”میں نے تو تمہیں پہلے ہی کہا تھا۔ تم ایسے علاقوں کے لیے نہیں بنی ہو۔“ ہارون نے اس کی بات کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

”یہ لوگ جس طرح کی اور جیسی زندگی گزارتے ہیں، تم ویسی زندگی نہیں گزار سکتیں۔“

”میں نے مئی اور صنف سے کب دیا ہے کہ اب میں وہی کروں گی جو میرا دل چاہے گا۔“ صنف نے ہارون کو اطلاع دی۔

”پھر؟“

”پھر کچھ نہیں۔ جھڑا ہوا اور کیا؟ وہ دونوں مجھے.....“

اس کی بات نامکمل رہ گئی۔ ہارون کے موبائل پر کال آنے لگی۔ ہارون نے ہاتھ کے اشارے سے امبر کو خاموش ہونے کا اشارہ کیا۔

”ہیلو میری جان!“ امبر نے اسے چونک کر دیکھا۔

”ہیلو پاپا۔“ دوسری طرف نایاب تھی۔ ”آپ کہاں غائب ہیں؟“

”کہیں نہیں۔ یہیں ہوں۔ غائب تو تم ہو دو دن سے۔“

”پاپا! آپ کو پتا ہے شوٹنگ کروا رہی تھی۔ رات کو جب واپس آئی تو آپ گھر پر ہی نہیں ہوتے تھے۔ آج بھی میں نے فون کیا ورنہ آپ کو کہاں خیال آتا تھا۔“ وہ اب شکایت کر رہی تھی۔

”تم ذرا اپنا موبائل چیک کرو۔ دیکھو کتنی Missed کالز میری طرف سے ہوئی ہیں۔ تمہیں تو اتنا ہوش بھی نہیں ہوتا کہ کال ہی ریسیو کر لو۔“ ہارون نے اسے پیار سے جھڑکا۔ اس کے کھلکھلا کر ہنسنے کی آواز امبر تک آئی۔ وہ عجیب سی نظروں سے ہارون کو دیکھ رہی تھی۔ اس وقت ہارون مکمل طور پر بدلا ہوا نظر آ رہا تھا۔

”اچھا اب ڈانٹیں مت، اس لیے فون نہیں کیا آپ کو۔“

”آل رائٹ سویت ہارٹ پھر کس لیے فون کیا ہے؟“

”میری گاڑی لگ گئی ہے۔“

”واٹ۔“ ہارون بے اختیار شکر ہوتے ہوئے بولا۔

”تم ٹھیک ہو؟“



”ہاں ٹھیک ہی ہوں۔ بس گاڑی کا زیادہ نقصان ہوا ہے مجھے تو صرف کچھ خراشیں آئی ہیں۔ وہ بھی شیشہ ٹوٹنے کی وجہ

سے۔“

”مائی گاڑ کہاں ہو تم؟“ ہارون نے بات کا نٹے ہوئے کہا۔

”پاپا! میں مال پر ہوں مگر میں ٹھیک ہوں اور.....“

”میں وہیں آ رہا ہوں۔“ ہارون نے فون بند کرتے ہوئے ایک دم گاڑی روکی اور امبر سے کہا۔

”امبر! پلیز تم جلدی جاؤ..... میری بیٹی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔ مجھے وہاں جانا ہے۔“ امبر نے بے یقینی سے اس کے

چہرے کو دیکھا۔

”پلیز ذرا جلدی.....“ وہ امبر سے اترنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ امبر نے بے یقینی کے عالم میں دروازہ کھولا اور نیچے اتر

گئی۔

”See You۔“ اس نے اپنے عقب میں ہارون کی آواز سنی اور پھر اسے گاڑی دوڑاتے غائب ہوتے دیکھا۔ وہ

سڑک کے کنارے کھڑی رہ گئی۔

☆☆☆

”کس کے بیچے ہیں؟“ شائستہ نے اس آدمی سے پوچھا۔

”آپ ان معلومات کے لیے ادا سنگلی کریں گی؟“

”آپ جانتے ہیں یہ معلومات میری ضرورت نہیں ہیں۔“ شائستہ نے قدرے رکھائی سے کہا۔

”مگر ان سے آپ کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔“ اس آدمی نے اسی انداز میں جواب دیا۔

”کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟“ شائستہ نے لاپرواہی سے کہا۔ ”دوسرے دونوں بچوں میں مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“

”ٹھیک ہے جیسی آپ کی مرضی۔ میں تو صرف یہ چاہتا تھا کہ آپ کے پاس اس پوری فیملی کے بارے میں زیادہ سے

زیادہ معلومات ہوں۔“

شائستہ دروازے کی طرف جانے لگی۔ مگر دروازہ کھول کر وہ اس کی تاب پر ہاتھ رکھ کر کچھ سوچنے لگی، پھر ایک دم واپس

آئی اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

”اچھا بتائیں کس عورت کے بیچے ہیں؟“ اس نے جیسے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

”اور صرف عورت ہی نہیں مرد کے بارے میں بھی بتائیے۔“

اس سے پہلے کہ وہ آدمی کچھ کہتا۔ شائستہ نے اسے ہدایات دیں۔

”کس کے بیچے ہیں؟“ شائستہ نے اس شخص سے پوچھا۔

”آپ ان معلومات کے لیے ادا سنگلی کریں گی؟“

”آپ جانتے ہیں، یہ معلومات میری ضرورت نہیں ہیں۔“ شائستہ نے قدرے رکھائی سے کہا۔

”مگر ان سے آپ کو فائدہ پہنچ سکتا ہے۔“ اس نے اسی انداز میں جواب دیا۔

”کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے؟“ شائستہ نے لاپرواہی سے کہا۔ ”دوسرے دونوں بچوں سے مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“

”ٹھیک ہے جیسی آپ کی مرضی۔ میں نے تو صرف یہ چاہتا تھا کہ اس پوری فیملی کے بارے میں آپ کے پاس زیادہ سے

زیادہ معلومات ہوں۔“

شائستہ دروازے کی طرف جانے لگی۔ مگر دروازہ کھول کر باہر جانے کے بجائے وہ دروازے کی تاب پر ہاتھ رکھ کر کچھ

سوچنے لگی، پھر ایک دم واپس آئی اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

”اچھا بتائیں، کس عورت کے بیچے ہیں؟“ اس نے جیسے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

”اور صرف عورت ہی نہیں مرد کے بارے میں بھی بتائیں۔“ اس سے پہلے کہ وہ شخص کچھ کہتا۔ شائستہ نے اسے ہدایات دیں۔ وہ شائستہ کو کچھ بتاتے بتاتے رک گیا۔

”مرد کے بارے میں؟“ اس نے قدرے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔

”ہاں۔ مرد کے بارے میں۔ ان بچوں کے باپ کے بارے میں۔“

شائستہ نے اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”ان بچوں کے باپ کے بارے میں تو میں نہیں جانتا۔“ اس نے قدرے بے چارگی سے کہا ”کیونکہ اس عورت کا تعلق جس طرح کے بیک گراؤنڈ سے ہے وہاں باپ کے بارے میں پتا چلانا بہت مشکل ہے۔“

”کوئی طوائف ہوگی یا ایسی ہی کوئی دوسری عورت اور ایسی عورت کے ”ایڈولجر“ کے بارے میں جان کر میں کیا کروں گی۔“

شائستہ کے انداز میں تحقیر تھی۔

”ہاں البتہ ان بچوں کے باپ کے بارے میں جاننا چاہوں گی، وہ بھی اس صورت میں اگر وہ باپ کوئی نامور آدمی ہو تو؟“

وہ آدمی کچھ دیر خاموشی سے شائستہ کو دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

”یہ عورت بھی اپنے بچوں کو تلاش کر رہی ہے۔“

”کس لیے؟ واپس لینا چاہتی ہے؟“ شائستہ نے کہا۔

”پتا نہیں..... یہ تو میں نہیں جانتا..... صرف یہ جانتا ہوں کہ وہ اپنے بچوں اور اس عورت کے بارے میں ساری معلومات کروا رہی ہے۔“

”تو کروانے دیں مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“ شائستہ دوبارہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

”میں ان دونوں بچوں کے باپ کے بارے میں معلومات حاصل کر کے آپ کو دے سکتا ہوں اگر آپ کو دلچسپی ہو تو۔“ اس نے شائستہ کو اٹھتے دیکھ کر جلدی سے کہا۔

”مجھے دلچسپی ہے۔“ شائستہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ”مگر مجھے لگتا ہے مجھ سے زیادہ آپ کو دلچسپی ہے کہ آپ مجھے اس عورت اس کے بچوں اور ان بچوں کے باپ کے بارے میں بتائیں۔“

”میں نے باپ کا ذکر نہیں کیا تھا اس کا ذکر آپ نے کیا تھا۔“ اس نے شائستہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”اوکے مجھے دلچسپی ہے اور میں نے ہی باپ کا ذکر کیا ہے مگر مجھے صرف باپ میں دلچسپی ہے۔“ شائستہ نے کندھے جھٹکتے ہوئے کہا۔

”آپ جب باپ کے بارے میں معلومات حاصل کر لیں تب مجھے بتائیں اور میں طے کروں گی کہ ان معلومات کے لیے آپ کو کتنا معاوضہ دینا چاہیے۔“

شائستہ نے ایک بار پھر کمرے کے دروازے کی طرف جاتے ہوئے کہا۔ وہ اب دروازہ کھول رہی تھی اس سے پہلے کہ وہ باہر نکل جاتی اس کو ایک خیال آیا اور اس نے مڑ کر اس شخص سے کہا۔

”ہاں مگر، آپ نے مجھے عورت کا نام نہیں بتایا؟“

اس آدمی نے سر اٹھا کر شائستہ کو دیکھا۔

☆☆☆

سڑک کے کنارے کھڑے ہو کر اس نے دور جاتی ہوئی ہارون کمال کی گاڑی کو بے یقینی سے دیکھا۔ اسے اس کو چھوڑتے ہوئے دو منٹ بھی نہیں لگے تھے اور وہ صرف دو دن پہلے ہی تو اپنی محبت کا یقین دلا رہا تھا۔ اسے بتا رہا تھا کہ وہ اس کے لیے

کائنات کی سب سے اہم لڑکی ہے اور اب وہ اس دھول زدہ سڑک کے کنارے کھڑی آس پاس گزرتے مردوں کی نظروں کا نشانہ بنی ہوئی اس گاڑی کو دیکھ رہی تھی جو منٹوں میں غائب ہو گئی تھی۔

اس نے زندگی میں بہت سے مقامات پر بے پناہ تحقیر محسوس کی تھی۔ تب جب منصور نے اسے ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر کے کمرے سے باہر نکال دیا تھا۔ تب جب وہ کوشش کے باوجود طلحہ سے رابطہ نہیں کر پاری تھی، تب جب اس نے طلحہ کی طرف سے بیجا جانے والا طلاق نامہ موصول کیا تھا۔ انکل صنوبر کے گھر پر گزارے جانے والے مہینے بھی تحقیر اور تذلیل سے بھر پور تھے۔ مگر اس لمحے اس سڑک کے کنارے اس طرح بے عزت کیا جانا اس کے لیے زندگی میں سب سے زیادہ تحقیر آمیز لمحہ تھا۔

وہاں چند منٹ پہلے درجنوں لوگوں نے اسے ہارون کمال کی گاڑی میں بیٹھتے دیکھا تھا اور اسی سڑک پر کچھ آگے آ کر درجنوں لوگوں نے اسے چند منٹوں بعد ہی اسی گاڑی سے نکلنے دیکھا۔ وہ گاڑی پر سوار ہوتے ہوئے ساتویں آسمان پر تھی۔ پوری دنیا جیسے اس کے ہیروں کے نیچے بھی ہوئی تھی۔ آس پاس سڑک پر چلتے چلے گئے لوگ اسے کیڑوں جیسے لگ رہے تھے۔ ان کی چہیتی ہوئی نظریں ابرو کے دل میں ان کے لیے نفرت کو بڑھا رہی تھیں۔ وہ خوش تھی کہ وہ ان میں سے نہیں تھی۔

چند منٹوں کے بعد وہ اس سڑک پر کھڑی تھی۔ کسی نے جیسے آسمان سے دھکا دیا تھا اور اس کے ہیروں کے نیچے زمین بھی نہیں رہی تھی، صرف باتال تھا اور اب سڑک پر کھڑے اسے لگ رہا تھا وہ بھی ان ہی چلے گئے لوگوں کا حصہ بن گئی ہے۔ ہارون کمال نے اسے جھکا نہیں تھا جیسے اسے اپنے گریبان میں جھانکنے کا موقع دے دیا تھا یا پھر شاید آئینہ دکھا دیا تھا۔

وہ کسی بت کی طرح وہیں سڑک پر کھڑی اس طرف دیکھتی رہی، جہاں ہارون کی گاڑی گئی تھی یوں جیسے اسے یہ امید ہو کہ ہارون اپنی غلطی محسوس کرے گا اور بیچ راستے سے واپس آ جائے گا۔ یوں جیسے وہ امبر کو نایاب پر ترجیح دے گا۔ اس نے بھی تو ہارون کو ہر ایک پر ترجیح دی تھی۔ وہ اس کے لیے گھر میں ہر ایک سے لڑ کر آئی تھی۔ وہ اس کے لیے ہر مخالفت مول لے رہی تھی اور وہ اسے صرف چند لمحے اور "ایک رشتہ" لگا تھا بھاگ جانے میں۔

اس سڑک سے واپس گھر تک کا سفر اس کی زندگی کا سب سے مشکل ترین سفر تھا۔ گھر سے سڑک تک جاتے ہوئے اس نے ہر اس نظر کو محسوس کیا تھا جو اس پر کسی غلط انداز میں پڑی تھی۔ سڑک سے گھر تک آتے ہوئے اسے کچھ بھی محسوس نہیں ہوا، اس کے احساسات صرف ایک جگہ جم کر رہ گئے تھے۔ نایاب اور ہارون کی بات چیت بار بار اس کے دماغ میں گونج رہی تھی۔ اسے ان دونوں کے درمیان اپنا آپ بے کار اور بے مصرف لگا تھا۔

"آخر میں ہوں کون؟ ہارون سے کیا رشتہ ہے؟ اور کسی رشتہ کے بغیر اسے کون آئندہ کبھی اس طرح مجھے سڑک پر چھوڑ کر چلے جانے سے روکے گا؟"

☆☆☆

"میرا صاحب یہاں رہتے ہیں؟" ثمر نے قدرے حیرانی سے اس آدمی کو دیکھا جو اس کے سامنے دروازے پر کھڑا تھا۔

"جی..... میں ثمر ہوں۔" ثمر نے اس آدمی کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ اس نے ثمر کے ساتھ مصافحہ کیا۔

"میرا نام کریم ہے میں پرودہ کشنری کی طرف سے آیا ہوں۔" اس آدمی نے ایک مشہور فلم ساز ادارے کا نام لیتے ہوئے

کہا۔

"ہمارے ایک ڈائریکٹر آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"مجھ سے؟" ثمر نے قدرے الجھے ہوئے انداز میں اسے دیکھا۔ "کس لیے؟"

"وہ آپ کو اپنی کسی فلم میں کاسٹ کرنا چاہتے ہیں۔" اس نے بڑی رسائیت سے بتایا۔

"مجھے فلم میں کاسٹ کرنا چاہتے ہیں؟" ثمر کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ "آپ کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔"

"نہیں۔ وہ اسی سلسلے میں آپ سے ملنا چاہتے ہیں۔"

"مگر میں تو ایکسٹریٹس ہوں۔"

”وہ کچھ نئے چہرے انٹرویوز کروانا چاہتے ہیں۔ اس لیے آپ کو اس فلم میں لینا چاہتے ہیں۔“ کریم نے جیب سے ایک وزینگ کارڈ نکال کر شرم کی طرف بڑھایا۔

”آپ یہ کارڈ رکھ لیں اور کل بارہ بجے اس ایڈریس پر ان صاحب سے مل.....“ شمر نے کارڈ پکڑ لیا مگر اس کا دل بیوں جھل رہا تھا۔

”آپ کس کے ریفرنس سے میرے پاس آئے ہیں؟“ شمر کو اچانک ذیشان کا خیال آیا اور اپنے اس خیال کی تصدیق کرنا چاہتا تھا۔

”ہم کسی کے ریفرنس سے آپ تک نہیں آئے۔ ہمارے ڈائریکٹر نے آپ کو ایک کمرشل میں دیکھا تھا، انہیں آپ پسند آگئے اور اپنی نئی فلم کے لیے انہوں نے آپ کو منتخب کر لیا۔“

”آڈیشن کے بغیر؟“ شمر نے کچھ حیرانی سے اس آدمی کو دیکھا۔ ”آڈیشن بھی لے لیں مگر انہیں کمرشل دیکھ کر ہی آپ کی صلاحیتوں پر اعتماد ہے کہ آپ اچھی اینٹنگ کر لیں گے۔“

”اور آپ نے میرا ایڈریس کہاں سے لیا؟“ شمر کو یک دم خیال آیا۔

”مجھے تو ڈائریکٹر صاحب نے ہی دیا ہے۔ اب انہوں نے کہاں سے لیا ہے، یہ تو آپ ان سے ملنے پر ان ہی سے پوچھیے گا۔ خدا حافظ۔“ وہ خدا حافظ کہتے ہوئے واپس چلا گیا۔ شمر اس کارڈ پر نظر ڈالتے ہوئے قدرے ہکا بکا انداز میں کھڑا کریم کو جاتا دیکھتا رہا۔ اسی الجھے ہوئے انداز میں کارڈ پکڑ کر وہ دروازہ بند کرتے ہوئے اندر آ گیا۔ صحن میں ہی اس کا سامنا جانی سے ہو گیا۔

”کون تھا باہر؟“ جانی نے ایک نظر اس کے ماتھے پر پڑے بلوں کو دیکھا اور پھر اس کے ہاتھ میں پکڑے کارڈ پر نظر ڈالی۔

”فرشتہ۔“ شمر نے ایک گہرا سانس لیتے ہوئے بے اختیار کہا۔

”تم کو لینے آیا ہوگا۔“ جانی نے بھی اسی انداز میں کہا۔

”ہاں۔ کہہ رہا تھا کہ چھوڑو اس دنیا کو جس میں تم رہ رہے ہو۔ رقص و موسیقی کی دنیا میں آؤ..... آؤ تمہیں حوروں سے ملوؤں۔“

شمر نے والٹ نکال کر کارڈ اس میں ڈالتے ہوئے کہا۔ جانی نے مڑ کر اسے دیکھا پھر خاموشی سے تخت پر جا کر بیٹھ گئی۔

”ماڈلنگ کی کوئی نئی آفر آگئی ہوگی؟“ اس نے قدرے لا پرواہی سے اسے دیکھتے ہوئے تخت کے پیچھے دیوار سے ٹیک لگائی اور اپنے پاؤں تخت کے اوپر کر لیے گھٹنوں پر دھری کتاب کھولتے ہوئے کہا۔ شمر بھی دیوار سے ٹیک لگاتے ہوئے تخت پر گھٹنے سیکڑ کر بیٹھ گیا۔

”ماڈلنگ کی نہیں فلم کی۔“ وہ بڑے اطمینان سے بولا۔

جانی بے اختیار چونکی۔ ”فلم؟“

”ہاں فلم..... جیسے Talkie اور Movie بھی کہتے ہیں۔“ اس نے فلم کے سچے کرتے ہوئے شرارت سے کہا۔

”مذاق مت کرو۔“ جانی نے کتاب بند کر دی۔

”میں مذاق کیوں کروں گا..... یہ دیکھو۔“ شمر نے والٹ میں سے کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھایا۔

”مجھے کس بلایا ہے ان لوگوں نے..... اپنی نئی فلم میں کاسٹ کر لیا ہے انہوں نے مجھے۔“

جانی نے ایک نظر کارڈ پر ڈالی اور دوسری شمر کے چہرے پر۔ ”تم واقعی فلم میں کام کرو گے؟“ اس نے بے یقینی سے شمر کو دیکھا۔

”ہاں کیوں؟ میں نہیں کر سکتا کیا؟“ شمر نے اس کے ہاتھ سے کارڈ لیتے ہوئے کہا۔

”ماڈلنگ تک تو ٹھیک تھا مگر یہ فلم.....“ ثانی کچھ کہتے کہتے رکی۔ ”امی اس کی اجازت نہیں دیں گی تمہیں اور پھر تم خود سوچو، تمہاری تعلیم کا کیا ہوگا۔“

”اور لوگ کیا کہیں گے۔“ ثمر نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”تمہارا اگلا جملہ یقیناً یہی ہوگا۔“

”شرا! یہ مجھے ٹھیک نہیں لگ رہا..... تمہیں اس ماحول کا اندازہ نہیں ہے۔“ ثانی نے بے حد تشویش سے کہا۔

”انسان خود اچھا ہو تو سب اچھا رہتا ہے۔“ ثمر نے والٹ جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

”مگر میں چلا گیا لگانے والا کتنا ہی اچھا کیوں نہ ہو۔ باہر نکل کر وہ کچھڑی اپنے جسم پر لے کر آتا ہے۔“ ثانی خلاف توقع بے حد سنجیدہ تھی۔

”ہم ویسے بھی مڈل کلاس محلے میں رہنے والے لوگ ہیں اور مڈل کلاس کے لوگ ان چیزوں کو پسند نہیں کرتے۔ تم چاہے مذاق اڑاؤ یا جو بھی کہو، بہر حال حقیقت یہی ہے کہ لوگ باتیں کریں گے اور بہت باتیں کریں گے۔“

”جب وہ باتیں کریں گے تو ہم یہاں سے چلے جائیں گے۔ ہمارے مقدر میں تو یہ نہیں لکھ دیا گیا کہ ہم ساری عمر کے لیے یہاں اسی محلے میں رہیں گے۔“

ثمر نے بھی ایک دم سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔ ثانی کچھ دیر حیرانی سے اس کا منہ دیکھتی رہی۔ وہ پہلی بار اس طرح سنجیدہ ہو کر گھر بدلنے کی بات کر رہا تھا اور کس لیے کر رہا تھا؟

”گھر بدل کر کیا ہوگا؟ کیا کسی آسمانی کالونی میں جا کر رہنے لگیں گے جہاں آس پاس لوگ ہی نہیں ہوں گے۔“ ثانی نے کچھ دیر بعد قدرے ناراضی سے کہا۔

”ہم جہاں بھی رہیں گے، وہاں لوگ ہوں گے۔“

”مگر ہر جگہ رہنے والے لوگ فلم اور اس سے متعلقہ لوگوں کے بارے میں ایسی سوچ نہیں رکھتے۔ دنیا بدل رہی ہے۔“

”دنیا جتنی جلدی بھی بدلے، کم از کم میری اور تمہاری زندگی میں فلم کے متعلق لوگوں کے خیالات نہیں بدلیں گے اور پھر جو کچھ فلم انڈسٹری میں ہوتا ہے..... نہیں شرا! تم فلموں کا خیال چھوڑ دو ماڈلنگ ٹھیک ہے اور ایکٹنگ کرنی ہو تو ڈراموں میں کر لو مگر قلم نہیں۔“

”میں نے کون سا بھی کوئی فلم سائن کر لی ہے۔ صرف ملوں گا جا کر۔ دیکھوں گا کہ کیا آخر کر رہے ہیں۔ کسی فلم ہے پھر ہی کام کروں گا۔“ ثمر نے اس انداز میں جواب دیا۔

”مگر کام ضرور کرو گے؟“ ثانی نے ناراضی سے پوچھا۔

”اگر اچھی فلم ہوئی تو ہاں..... ضرور کروں گا۔“

ثانی ایک جھٹکے کے ساتھ تخت سے اٹھتے ہوئے بولی۔ ”بھائو میں جاؤ پھر تم۔ بے حد خود غرض ہو۔“

ثمر نے منہ کھول کر کچھ کہنا چاہا مگر کچھ سوچ کر خاموش ہو گیا۔ ثانی کرے میں چلی گئی تھی۔ ثمر نے ایک بار پھر اپنے والٹ سے وہ کارڈ نکال لیا۔ وہ کچھ پڑ سوچ نظروں سے اس کارڈ کو دیکھتا رہا۔

☆☆☆

نیزہ اسے اتنی جلدی واہس دیکھ کر ایک طرف جہاں حیران ہوئی تھی تو دوسری طرف انھوں نے اطمینان کا سانس بھی لیا تھا۔ امبراس سے کچھ کہے بغیر اندر کمرے میں چلی گئی تھی۔ نیزہ دروازہ بند کر کے اس کے پیچھے آئیں مگر امبراس نے کمرے میں جاتے ہی بیک ایک طرف اچھال کر بیڈ پر لیٹ گئی۔ اس نے چادر کھینچ کر اپنے اوپر لے لی اور اپنا چہرہ بھی ڈھانپ لیا۔ نیزہ جانتی تھی اس کا کیا مطلب ہے۔ وہ بات نہیں کرنا چاہتی تھی بلکہ کچھ سنتا بھی نہیں چاہتی تھی۔

اور اس کی یہ چپ اٹکلے کئی دن جاری رہی۔ وہ خاموش رہی مگر گھر پر ہی رہتی تھی اور نیزہ اور صدف کے لیے یہی کافی تھا۔ ان دونوں نے اس سے یہ پوچھنے کی کوشش نہیں کی کہ اس دن کیا ہوا تھا۔ نیزہ کا اندازہ تھا کہ ہارون وقت ملے کر کے اس

دن نہیں آیا ہوگا اور اس کے نہ آنے نے امبر کو اس طرح ڈسٹرب کیا ہوگا۔ وجہ جو بھی تھی یا جو بھی رہی ہوگی، صبر اور سبزوہ کو اب یہ اطمینان تھا کہ ہارون کمال سے اس کا تعلق ختم ہو گیا ہے۔ وہ مصیبت جو انہیں سامنے کھڑی نظر آ رہی تھی، ایک دم غائب ہو گئی تھی۔ مگر یہ ان کی غلط فہمی تھی۔

☆☆☆

وہ بے رول سائن کرتے کرتے چونک گیا۔ اسے شبہ ہوا کہ اکاؤنٹ سے کوئی غلطی ہوئی ہے ورنہ سات ہزار کے بجائے اس کے اکاؤنٹ میں تیرہ ہزار روپے جمع نہ کروائے جاتے۔ سائن کرنے کے بجائے وہ اپنی سیلری کے تمام اندراجات کو چیک کرنے لگا اور پھر ایک جگہ پر کچھ حیرانی سے رک گیا۔ وہاں لائسنس کی مد میں اسے پانچ ہزار روپے کا ایک ایکسٹری لائسنس دیا گیا تھا۔ شہیر نے قدرے الجھی ہوئی نظروں سے اس لائسنس کو دیکھا۔ اکاؤنٹ سے ملنا ضروری ہو گیا تھا۔

”آئیے آئیے شہیر صاحب! بیٹھیں۔“ آفس ہائیم ختم ہونے سے کچھ دیر پہلے وہ اکاؤنٹ کے آفس میں گیا۔ اکاؤنٹ نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔

”آپ سے تو ویسے بھی مٹھائی کا مطالبہ کرنے ہی والا تھا میں۔“ وہ کرسی پر بیٹھ رہا تھا جب اکاؤنٹ سے اس سے کہا۔ شہیر کچھ اور الجھا۔ ”کس چیز کی مٹھائی؟“

”آپ کی پے میں پانچ ہزار روپے کا اضافہ ہوا ہے اور آپ مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ کس چیز کی مٹھائی۔“

”مگر میں آپ سے کہا تو پوچھنے آیا ہوں کہ میری پے میں آخر یہ اضافہ کس لیے کیا گیا ہے، باقی اسٹاف کی پے تو نہیں بڑھائی گئی؟“

”آپ کو پروموشن دی جا رہی ہے۔“ اکاؤنٹ نے ایک اور انکشاف کیا شہیر ایک بار پھر چونکا۔

”پروموشن.....؟ کیسا پروموشن؟“

”یہ تو سرنے مجھے نہیں بتایا۔ بس انھوں نے مجھے بلا کر آپ کی پے میں اضافہ کرنے کے لیے کہا اور میرے پوچھنے پر بتایا کہ آپ بہت اچھا کام کر رہے ہیں، اس لیے آپ کو پروموشن بھی دی جا رہی ہے۔“

”مگر پروموشن تو مجھے ایم بی اے کرنے کے بعد ملنی تھی اور ایم بی اے میں ابھی کچھ ماہ ہیں۔“ شہیر اس طرح الجھا ہوا تھا۔

”آپ تو خواجواہ پریشان ہو رہے ہیں۔ پروموشن ہوئی ہے۔ پے میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ کئی تو نہیں اور اکٹھا پانچ ہزار روپے کا اضافہ ہونے کا مطلب ہے کہ آپ کے تو دن ہی پھر گئے۔ آپ پیش کریں ہمیں مٹھائی کھلائیں۔ خواجواہ سوال جواب کیوں کر رہے ہیں۔“ اکاؤنٹ نے اطمینان سے کہا۔

شہیر شکر ادا کیا۔ ”مٹھائی تو میں کھلا دوں گا مگر پہلے یہ تو کنفرم ہو جائے کہ واقعی پروموشن ہو گئی ہے۔“

”پے تو بڑھ گئی ہے اور ہر ماہ بڑھی ہوئی ہی ملے گی پھر آپ کو کیا پریشانی ہے۔ آپ تسلی رکھیں۔ آج کل میں سر آپ کو خود بلا کر اس کے بارے میں بتائیں گے۔“ اکاؤنٹ نے کہا۔

شہیر کچھ دیر اس کے پاس بیٹھا رہا پھر وہاں سے اٹھ کر اپنے آفس کی طرف چلا آیا۔ اپنے آفس جانے کے بجائے ایچ آرا ایم کے آفس میں چلا آیا۔

باقر علی اپنے آفس میں تھے۔ وہ فون پر کسی سے بات کرنے میں مصروف تھے۔ شہیر کو بیٹھنے کا اشارہ کرتے ہوئے بھی وہ فون پر بات کرنے میں مصروف رہے۔ شہیر ان کے سامنے کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا اور ان کی فون پر ہونے والی بات ختم ہونے کا انتظار کرنے لگا۔

”ہاں کیا کام ہے شہیر؟“ باقر علی نے فون رکھتے ہی اس سے پوچھا۔

شہیر کو ان کا انداز بے حد عجیب لگا۔ وہ بہت نفس اور شائستہ آدمی تھے اور شہیر سے ہمیشہ بہت اچھی طرح بات کرتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ شہیر نے ان کے بدلے ہوئے انداز کو فوری طور پر پہچان لیا تھا۔

”سرا میں اپنی پرموشن کے بارے میں جاننا چاہ.....“  
 شبیر کی بات کاٹتے ہوئے انھوں نے کہا۔ ”ہو تو مگنی بلکہ تنخواہ بھی بڑھ گئی ہے تمہاری۔ کل سے تمہاری سیٹ اور آفس بھی بدل جائے گا۔ پھر اب کیا مسئلہ ہے؟“  
 باقر علی کا لہجہ کچھ اور درشت ہو گیا تھا۔ ان کے چہرے پر وہ مسکراہٹ نہیں تھی جو عام طور پر ان کی شخصیت کا ایک حصہ تھی اور پھر کسی کو پرموشن اور بے میں اضافہ کی خبر سنا تے ہوئے تو کم از کم ان کے تاثرات اتنے عجیب نہیں ہونے چاہیے تھے۔  
 ”مجھے تو کوئی مسئلہ نہیں ہے سر.....! میں تو اصل میں یہ جاننے آیا ہوں کہ مجھے پرموشن کس حوالے سے دی جا رہی ہے۔ میرا ایم بی اے تو ابھی مکمل نہیں ہوا۔“

باقر علی نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹی۔ ”یہ تو مجھے بھی نہیں پتا کہ تمہیں پرموشن کس حوالے سے دی گئی ہے مگر دے دی گئی ہے۔ اب یہ تو چیف ایگزیکٹو ہی بتا سکتے ہیں۔ میں نے تو صرف ان کے آرڈرز کی تعمیل کی ہے۔“  
 روشن حیرانی سے باقر علی کے چہرے کو دیکھتا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ چیف ایگزیکٹو نے یک دم اس کی پرموشن کیسے کر دی تھی۔ وہ بھی اس صورت میں جب وہ ذاتی طور پر اسے جانتے تھے نہ اس کے کام کو اور باقر علی کے بقول انھیں اس بارے میں کچھ بتایا نہیں تھا۔ اس کا مطلب ہے کہ ایچ آر ایم کے طور پر کم از کم انھوں نے اس کی کوئی سفارش نہیں کی تھی پھر.....“ وہ اب بھی ہوئی نظروں سے باقر علی کو دیکھتا رہا۔

”کچھ اور؟“ باقر علی بالواسطہ طور پر اسے اب وہاں سے جانے کے لیے کہہ رہے تھے۔  
 ”نہیں کچھ نہیں۔“ وہ معذرت کرتے ہوئے اٹھ کر باہر نکل آیا۔ مگر اس کا ذہن کچھ اور الجھ گیا تھا۔  
 پرموشن..... پانچ ہزار روپے..... باقر علی کا عجیب رویہ..... یہ سب چیزیں اس کی سمجھ میں نہیں آ رہی تھیں۔ قدرتی طور پر تنخواہ میں اس اضافے پر اسے خوش ہونا چاہیے تھا مگر وہ خوش ہونے کے بجائے کچھ الجھ گیا تھا۔

☆☆☆

صبح اپنی فائل پکڑے دروازہ کھول کر اندر داخل ہو گئی۔  
 اسٹاکس آفس نیم تارک تھا۔ وہ چند لمحوں کے لیے قدم آگے نہیں بڑھا سکی۔ اس کی آنکھوں کو اس کمرے کی نیم تاریکی میں دیکھنے کے قابل ہونے میں چند لمحوں کے لیے۔

”آئیں بیٹھیں۔“ اس سے پہلے کہ وہ قدم آگے بڑھاتی ایک مرد کی آواز نے اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔  
 دروازے کے دائیں جانب سامنے دیوار کے ساتھ ایک چھبیس ستائیس سال کا نوجوان اس کی طرف متوجہ تھا۔ وہ مسکرا رہا تھا۔ صبح نے قدم اس کی طرف بڑھائے اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔ اس نے پہلی بار اس نوجوان کو غور سے دیکھا۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ سے صبح کو ایک ناخوشگوار سا احساس ہوا۔

”فرمائیں..... آپ کسی جاب کے لیے آئی ہیں؟“ اسی نوجوان نے اسی انداز میں صبح نے اس کی نظروں اور مسکراہٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔  
 ”جی..... آپ نے پی آر او کی ایک پوسٹ ایڈورٹائز کی تھی۔“ صبح نے اس کی نظروں اور مسکراہٹ کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں کی تو تھی..... آپ اس کے لیے آئی ہیں؟“ اس نے صبح پر نظریں گاڑتے ہوئے کہا۔  
 ”کیا کوئی ٹیکیشن ہے آپ کی؟“  
 ”میں نے اے لیڈز کیا ہے۔“  
 ”مگر ہم نے تو کم از کم کوالیفیکیشن مگر رجسٹریشن مانگی ہے۔“ اس نے اپنی کرسی کو دائیں بائیں گھماتے ہوئے کہا۔  
 ”میں اس سال پرائیویٹ طور پر پی ایچ ڈی کا ایگزیم دوں گی۔“

”انگش بڑی اچھی ہے آپ کی..... آپ کہیں بیرون ملک سے آئی ہیں؟“ اس نے صنف کے لہجے کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔ خود وہ اردو میں بات کر رہا تھا۔

”ہم کافی سال گلف میں رہے ہیں۔ میری اسکولنگ وہیں ہوئی برٹش اسکول میں۔“ صنف نے فائل اس نوجوان کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”اچھا!“ اس نوجوان نے عجب سے انداز میں کہا اور کچھ آگے جھکتے ہوئے فائل پکڑنے کے لیے دائیں کے بجائے اپنا بائیں ہاتھ بڑھایا۔ اس نے صنف کے ہاتھ کو صرف چھوا نہیں بلکہ مکمل طور پر صنف کے ہاتھ کے اوپر ہاتھ رکھتے ہوئے اس سے فائل لی۔ صنف نے جیسے کرنٹ کھا کر اپنا دایاں ہاتھ پیچھے کھینچا۔ وہ ایک دم سراپمہ ہو گئی تھی۔

”کیا ہوا؟“ اس نوجوان نے فائل اپنے سامنے میز پر رکھتے ہوئے اسی انداز میں مسکرا کر کہا، وہ صنف کی گھبراہٹ سے جیسے محظوظ ہو رہا تھا۔

”آپ ہاتھ لگنے پر اس طرح گھبرائی ہیں۔ پنی آراو کی جاب میں تو بہت کچھ کرنا پڑتا ہے۔“

صنف کے حلق سے آواز تک نہیں نکل سکی۔ اس نے اپنا دایاں ہاتھ گود میں رکھا ہوا تھا اور وہ ابھی تک اس ہاتھ پر اس کا لمس محسوس کر رہی تھی۔ اس نے اپنے جسم میں لرزش محسوس کی۔ وہ پہلی بار جاب کی تلاش میں ایسے تجربے سے گزر رہی تھی۔

وہ نوجوان اب فائل کھولے اس کے سی دی پر نظر ڈال رہا تھا۔

”جاب شوقیہ کرنا چاہتی ہیں یا ضرورتاً؟“ اس نے فائل دوبارہ بند کر دی۔

”ضرورتاً۔“ صنف کے حلق سے بمشکل آواز نکلی۔

”کیوں..... ضرورتاً کیوں؟ آپ تو کسی اچھی فیملی سے لگتی ہیں۔ بڑے اچھے اداروں سے پڑھی ہیں۔ یقیناً آپ کے والد صاحب امیر ہوں گے پھر پنی آراو جاب.....“ وہ عجب سے انداز میں پوچھ رہا تھا۔

”میرے پیرنس میں Divorce (طلاق) ہو چکی ہے۔“

”اوہ۔“ اس کے منہ سے یک دم نکلا۔ اس کے چہرے پر اب بے حد اطمینان تھا۔ وہ ایک بار پھر اپنی ریوا لوگ چیز کے دونوں ہتھوں پر ہاتھ رکھ کر اسے گھمانے لگا۔ ”ہمیں پنی آراو کے لیے کوالیفیکیشن اتنی نہیں چاہیے جتنا ”Cooperation (تعاون)“ چاہیے۔ میں آپ کو یہ جاب دے سکتا ہوں آپ کے اس سی دی کو دیکھے بغیر..... کیونکہ آپ خوبصورت ہیں مگر میں آپ سے یہ جاننا چاہتا ہوں کہ آپ کس حد تک ”Cooperate (تعاون) کریں گی۔“ اس نے اپنی طرف سے بہت کثیر الفاظ میں صنف تک اپنا ”مقبوم“ پہنچایا۔ یہ صنف کی بد قسمتی تھی کہ وہ اس کی بات کو سمجھ نہیں سکی۔

”Cooperate (تعاون) سے کیا مطلب ہے آپ کا؟ اگر آپ یہ پوچھ رہے ہیں کہ میں کیسا کام کروں گی تو میں بہت دیانت داری کے ساتھ کام کروں گی.....“ وہ اپنی بات مکمل نہیں کر سکی۔ اس نوجوان نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

”اور ہمیں دیانت داری کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم کوئی اکاؤنٹنٹ سیکشن میں تو نہیں لا رہے ہیں آپ کو..... ہم تو فرنٹ ڈیسک پر بیٹھائیں گے آپ کو اور اس کے ساتھ ساتھ میری سیکرٹری کے طور پر بھی کام کرنا ہوگا آپ کو۔ اور اس کے علاوہ میرے ساتھ تعلقات رکھنے پڑیں گے آپ کو اور ہماری کمپنی کے کچھ دوسرے کلائنٹس کے ساتھ بھی۔ ہم آپ کی ان خدمات کے لیے آپ کو اضافی مراعات دیں گے۔ میں اس لیے آپ کو یہ سب کچھ انٹرویو کے دوران ہی بتا رہا ہوں تاکہ آپ کو اپنے کام کی نوعیت کا اندازہ ہو جائے، بعد میں آپ ہمارے لیے کوئی مسئلہ کھڑا نہ کر دیں کیونکہ ہم جموٹ اور فریب کے ذریعہ تو ہار نہیں کریں گے آپ کو..... ٹرژ اور کنڈیشنز پہلے ہی.....“

وہ اپنا جملہ مکمل نہیں کر سکا۔ صنف یک دم اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔ اس نے برق رفتاری سے جھک کر اس کے آگے پڑی ہوئی فائل کھینچی اور کچھ کے بغیر تیز قدموں کے ساتھ کمرے کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ اس کا پورا جسم غم و غصہ سے کانپ رہا تھا۔ اس نے اس چہرے کو بھی نہیں دیکھا جو اس کے پیچھے بھاگتا ہوا آفس سے باہر آیا تھا۔



تازے لے لے ڈگ بھرتے ہوئے وہ اپنے ہونٹ بھینچتے جیسے پلک جھپکتے میں وہاں سے غائب ہو جانا چاہتی تھی۔ باہر کی دنیا کا خوفناک چہرہ اس نے پہلی بار دیکھا تھا۔

سڑک پر ٹریفک کا شور تھا۔ وہ سوچے سمجھے بغیر بہت دیر تک بلا مقصد سڑک پر چلتی رہی۔ اس کے کانوں میں ابھی بھی اس شخص کی باتیں گونج رہی تھیں اور اسے اپنا ہاتھ ابھی بھی اس کی گرفت میں لگ رہا تھا۔ وہ ایک دم رک گئی اور اس نے اپنے دائیں ہاتھ کو دیکھا۔ اسے یوں لگا جیسے اس کا ہاتھ گندا ہو گیا ہے۔ وہ ایک قریبی اسٹور کی طرف گئی۔ پانی کی ایک بوتل خرید کر وہ شاپ سے باہر نکلے اور اپنا دایاں ہاتھ اس سے دھوئے گئی۔ بوتل کا سارا پانی ہاتھ کی پشت پر بہانے کے بعد بھی اسے تسلی نہیں ہوئی تھی۔ اسے اب بھی اپنا ہاتھ اسی طرح گندا لگ رہا تھا۔ پانی کی بوتل پھینکتے ہوئے وہ قریبی بس اسٹاپ کی طرف چلی آئی۔ اسے اس روز ایک اور جگہ بھی اٹرو پڑنے کے لیے جانا تھا مگر سب کچھ اس کے ذہن سے جیسے پلک جھپکتے میں غائب ہو گیا تھا۔

بس اسٹاپ پر کھڑے بس کے لیے انتظار کرتے ہوئے اس کا سارا غم و غصہ جیسے آنسوؤں میں تبدیل ہو گیا تھا۔ صبح کو پتا نہیں کیوں اتنا رونا آیا تھا اور کیوں وہ خود پر قابو نہیں رکھ سکتی تھی۔ شروع کے چند منٹ تو اسے احساس بھی نہیں ہوا کہ وہ رو رہی ہے۔ سڑک پر نظریں جمائے بس کا انتظار کرتے ہوئے اس کے گالوں پر مسلسل پانی بہ رہا تھا۔ پھر آس پاس کے لوگوں کی نظریں اپنے اوپر محسوس کرتے ہوئے اس کو اپنے آنسوؤں کا احساس ہوا۔ اس نے دوپٹے کے ساتھ آنکھوں اور گالوں کو رگڑنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔ اس کے دونوں ہاتھ بری طرح کانپ رہے تھے۔ وہاں بس اسٹاپ پر کھڑے زندگی میں پہلی بار خود کو اتنا بے بس محسوس کیا۔ اس کے ہونٹ کپکپانے لگے۔

”تو اب اسے زندگی میں ایک جا ب کی تلاش میں یہ سب کچھ سننا اور کرنا پڑے گا۔ چند روپوں کے لیے وہ پہلی بار انسان نما جانور سے مل کر آئی تھی۔ وہ ”چوپایہ“ جو جیب میں چند نوٹ زیادہ رکھ کر لوگوں کی زندگیوں، عزتوں اور مجبوروں کا سوا کرتا ہے۔ وہ بے آواز رو رہی تھی اگر اس نے دوپٹے کے ساتھ اپنے ہونٹ سختی سے بھینچ نہ رکھے ہوتے تو شاید وہ اس وقت بس اسٹاپ کے اس پول کے ساتھ کھڑی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی ہوتی۔

شہیر نے اسے بس اسٹاپ پر آتے ہی دیکھ لیا تھا۔ وہ عام حالات میں شاید اس پر ایک نظر ڈال کر اسے نظر انداز کر دیتا۔ مگر وہ اس وقت اس پر سے نظر نہیں ہٹا سکا۔ وہ گرد و پیش سے مکمل بے نیاز ایک پول کے پاس کھڑی رو رہی تھی۔ اس کا چہرہ بری طرح سرخ ہو رہا تھا۔ وہ اس سے کچھ فاصلے پر بیٹھ کر بیٹھا تھا مگر اتنی دور سے بھی اسے اندازہ ہو رہا تھا کہ وہ کانپ رہی ہے۔ اسے خندہ محسوس ہوا کہ وہ کسی بھی وقت گر جائے گی۔ صرف وہ اس کی طرف متوجہ ہونے والا اکیلا آدمی نہیں تھا۔ وہاں آس پاس بیٹھے اور کھڑے دوسرے مرد اور عورتیں بھی وقتاً فوقتاً اس کو دیکھ رہے تھے مگر کوئی آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔

شہیر آگے بڑھ کر اس کے پاس جانا چاہتا تھا مگر وہ بھی پکچھاہٹ کا شکار تھا۔ صرف ہمسایہ ہونے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ وہ اس کو کسی بھی جگہ مخاطب کرتا اور پھر اس حالت میں پتا نہیں اس کا رد عمل کیسا ہو؟ شہیر نے اس کو نظر انداز کرنے کی کوشش کی۔ اگلے چند منٹوں میں بس آ گئی۔ اسٹاپ پر کھڑے لوگ بس کی طرف لپکے۔ شہیر نے بھی بس کی طرف قدم بڑھایا مگر پھر ٹھنک کر رک گیا۔ صبح ابھی بھی وہیں کھڑی تھی۔ وہ بس کی طرف نہیں گئی تھی۔ بس اسٹاپ ایک دم خالی ہو گیا تھا اور لوگوں کی عدم موجودگی نے شہیر کی جھجک کو کچھ دیر کے لیے ختم کر دیا۔

وہ خود بس پر سوار ہونے کے بجائے اس کی طرف بڑھ آیا۔

”صبح..... صبح..... صبح“ وہ تیسری دفعہ اپنا نام سن کر چونکی تھی۔ گردن موڑ کر اس نے دائیں طرف کھڑے آدمی کو دیکھا اور اس کا دل چاہا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ کیا ضروری تھا کہ کوئی جاننے والا اس حالت میں اس کو دیکھتا۔

”آپ ٹھیک ہیں؟“ وہ تشریح سے پوچھ رہا تھا۔ صبح نے کچھ کہنے کی کوشش کی اور یہ کوشش ”کانی“ ثابت ہوئی۔ وہ ایک دم بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

شہیر حواس باختہ ہو گیا۔ صورت حال بے حد عجیب ہو گئی تھی۔ سڑک سے گزرنے والے لوگ ان دونوں کو دیکھتے ہوئے

اب وہاں رکنے لگے تھے۔ وہ اپنی ہمدردی پر بے اختیار پچھتا یا۔

”آپ یہاں بیٹھا پر بیٹھ جائیں۔ اگر روانا بھی ہے تو بھی بیٹھ کر روئیں..... میں آپ کو پانی لا کر دیتا ہوں۔“

وہ کہتے ہوئے چلا گیا۔ صنف نے بیٹھا پر بیٹھ کر اپنا چہرہ دوہنے سے ڈھانپ لیا۔ وہ اپنی ہچکیوں اور سسکیوں کو روک نہیں پا رہی تھی مگر کم از کم اب کوئی اس کا چہرہ نہیں دیکھ پارہا تھا اور نہ وہ خود کسی کو دیکھ سکتی تھی۔

”ان کی طبیعت خراب ہے۔“ اس نے کچھ دیر بعد شہیر کو کسی عورت کو بتاتے سنا۔

”ہاں ہم بس گھر جانے والے ہیں۔“ صنف کو یک دم احساس ہوا کہ اس کی وجہ سے شہیر کو بھی پریشانی اور سخت کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے۔

”یہ پل لیں۔“ صنف نے اپنے چہرے کو دوپٹے سے رگڑا اور شہیر کی طرف دیکھے بغیر جوں کا وہ پیک بکڑا لیا جو وہ اسے پکڑا رہا تھا۔

”بیٹا! یہ رکشہ کھڑا ہے، اسے لے آؤ۔“ اسی عورت نے دوبارہ شہیر سے کہا جو پہلے اسے صنف کو گھر لے جانے کا مشورہ دے رہی تھی۔ شہیر نے پلٹ کر ایک نظر اس رکشہ کو دیکھا پھر صنف کو اور پھر کچھ کے بغیر اس رکشہ کی طرف بڑھ گیا۔

”آئیں!“ چند منٹوں کے بعد اس نے کہا۔ صنف نے کوئی اعتراض یا سوال نہیں کیا۔ وہ خاموشی سے اٹھی اور رکشہ میں جا کر بیٹھ گئی۔ وہ بھی اس کے برابر آ کر بیٹھ گیا۔ رکشہ کچھ دیر چلا رہا پھر اچانک شہیر نے کہا۔

”بس یہیں پر روک دیں۔“ صنف نے کچھ الجھ کر اسے دیکھا مگر کچھ کہا نہیں۔ اسے نیچے اترتے دیکھ کر وہ بھی نیچے اتر گئی۔

”میں نے آپ کو یہاں اس لیے اتارا ہے کیونکہ آپ اس طرح گھر جائیں گی تو صرف آپ کے گھر والے ہی پریشان نہیں ہوں گے بلکہ محلے کے لوگ بھی آپ کو عجیب نظروں سے دیکھیں گے۔“

صنف کی آنکھوں میں ایک بار پھر آنسو آنے لگے۔ شہیر نے بے چارگی سے اسے دیکھا۔

نہر کے کنارے ایک جگہ لگے ہوئے تل سے صنف نے اپنا منہ دھویا پھر اس بیٹھا پر آ کر بیٹھ گئی جس پر شہیر بیٹھا ہوا تھا۔ شہیر نے قدرے افسوس سے اسے دیکھا۔ منہ دھونے کے باوجود چہرہ سرخ ہو رہا تھا اور آنکھیں بری طرح سو جی ہوئی تھیں۔ اس کے چہرے پر پڑنے والی ایک نظری یہ بتانے کے لیے کافی تھی کہ اس کے ساتھ کچھ ہوا ہے۔

صنف نے اپنے بیک سے برش نکال کر بالوں کو برش کیا اور بالوں کو ایک بار پھر اچھی طرح سمیٹ کر بانڈھ لیا۔ بالوں کی لٹیں جو پہلے باہر نکلی ہوئی تھیں۔ اب سمٹ چکی تھیں۔ وہ کچھ بہتر نظر آ رہی تھی۔ شہیر اس سارے عمل کے دوران نہر کے بتے پانی کو دیکھتا رہا۔

کچھ دیر دونوں اسی طرح چپ چاپ بیٹھے رہے۔ پھر صنف نے جیسے میکانگی انداز میں شہیر کو اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعہ کے بارے میں اس کے کسی سوال کے بغیر ہی بتا دیا تھا۔ وہ اپنے ذہن اور کندھوں سے جیسے کوئی بوجھ اتار رہی تھی۔

وہ جب خاموش ہوئی تو شہیر نے کہا۔ ”یہ اتنی بڑی بات نہیں ہے کہ اس پر آپ اس طرح روئیں۔“

صنف نے جیسے بے یقینی سے شہیر کو دیکھا۔ وہ بالکل سنجیدہ تھا۔ اس کے نزدیک یہ اتنی بڑی بات نہیں تھی۔

”آپ اتنے عرصہ سے جا ب ڈھونڈ رہی ہیں۔“ وہ کہہ رہا تھا ”مختلف آفسز میں جا رہی ہیں۔ اب تک تو آپ کو اس طرح کی باتوں کا عادی ہو جانا چاہیے تھا۔“

”میرے ساتھ پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔“ اس نے گلست خوردہ انداز میں کہا۔

”پھر آپ اپنے آپ کو خوش قسمت سمجھیں۔“ شہیر نے برجستگی سے کہا۔ ”سارے آفس برے ہوتے ہیں نہ سارے

لوگ..... آپ کو اس سے پہلے کوئی برا تجربہ نہیں ہوا..... آج ہوا..... تو رونے کے بجائے آپ اس واقعہ کو نظر انداز کرنے کی کوشش کرتیں۔“

صنف کا دل ایک بار پھر بھرا یا۔

”دیکھیں۔ میرا مقصد آپ کو زلاتا نہیں ہے۔“ شہیر نے جلدی سے کہا۔ ”میں آپ کو صرف ایک بات سمجھا رہا ہوں۔ اس طرح ہر اشتہار کو دیکھ کر آفیز میں جانے کے بجائے آپ کسی ریفرنس سے کہیں جائیں..... آپ کا تعلق اچھی فیملی سے ہے، آپ کو تو بڑی آسانی سے کوئی ریفرنس مل جائے گا۔“

”اگر یہ میرے لیے آسان ہوتا تو مجھے اب تک جاب مل چکی ہوتی۔“ وہ بے حد مایوس نظر آ رہی تھی۔

”آپ چاہیں تو میں آپ کے لیے کوشش کر سکتا ہوں۔ بہت اچھی جاب کا وعدہ تو میں نہیں کرتا مگر ایک ریجن منیجمنٹ جاب آپ کو دلا سکتا ہوں۔“ شہیر نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

صفیہ نے ایک نظر اسے دیکھا مگر خاموش رہی۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ پچھلے کچھ عرصہ سے اس کے اندر اکٹھا ہونے والی فرسٹریشن یوں اچانک باہر آ جائے گی اور وہ بھی اس طرح۔ شہیر کے سامنے شرمندگی محسوس کرنے کے ساتھ ساتھ وہ وہاں بیٹھی اپنے آپ کو مطمئن بھی محسوس کر رہی تھی۔ اس کے باوجود کہ شہیر سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا۔

وہ کچھ دیر اور وہاں بیٹھی رہے تھے۔ شہیر وقفہ وقفہ سے اس سے سوال کرتا رہا تھا اور وہ اسے اپنے فیملی کرائس کے بارے میں بتاتی رہی۔ وہ بہت عرصہ کے بعد کسی سے اس طرح بات کر رہی تھی اور اسے احساس ہی نہیں ہو پارہا تھا کہ اسے کس حد تک بتانا چاہیے اور کس حد تک بتا رہی تھی۔ شہیر خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کے انداز میں بردباری تھی جو اس کی عمر کے لڑکوں میں عام طور پر نہیں ہوتی۔

”یہ ہارون کمال کون ہے؟“

وہ اس کے اچانک پوچھے جانے والے سوال پر یک دم ساکت ہو گئی تھی۔ وہ ہارون کمال کو کیسے جانتا تھا اور اگر جانتا تھا تو کس حد تک..... صفیہ نے پریشان نظروں سے شہیر کو دیکھا۔ وہ جواب کا منتظر تھا۔ صفیہ کی نظروں سے جھٹکنے والی پریشانی نے اسے کچھ حیران کیا۔

”اگر آپ بتانا نہیں چاہتیں تو مت بتائیں۔“ شہیر نے اسے خاموش دیکھ کر کہا۔

مگر اس وقت ایک جھماکے کے ساتھ صفیہ کی نظروں کے سامنے ہارون کمال کا چہرہ آ گیا۔ اس نے اس مشابہت کو بلاخوش ساخت کر لیا جو ہر بار شہیر کا سامنا ہونے پر اسے پریشان کرتی تھی۔ وہ ہارون کمال سے مشابہت رکھتا تھا اور تھوڑی بہت نہیں..... بہت زیادہ مشابہت۔ اور اب وہ اس سے ہارون کمال کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی۔ ہارون شہیر کا باپ نہیں ہے کیونکہ شہیر کا باپ مر چکا تھا مگر پھر ہارون سے شہیر کا کیا تعلق تھا؟ وہ کس حوالے سے ہارون کمال کے بارے میں پوچھ رہا تھا؟

”آپ ہارون کمال کو کیسے جانتے ہیں؟“ شہیر اس کے لہجے پر چونک گیا۔

”میں نے آپ کے گھر میں کئی بار اس کا نام سنا ہے۔“ شہیر نے سادہ لہجے میں جواب دیا۔

”بس؟“ صفیہ نے جیسے تصدیق چاہی۔

”ہاں..... چونکہ ایک ہارون کمال کو میں بھی جانتا ہوں تو میں نے اس لیے آپ سے پوچھا۔“ صفیہ ایک بار پھر چونکی۔

”آپ کس ہارون کمال کو جانتے ہیں؟“

”میں ذاتی حیثیت میں تو نہیں جانتا۔“ شہیر نے کہا۔ ”میرا بھائی ماڈلنگ کر رہا ہے اور ہارون کمال کی بیٹی اس کے ساتھ ان کرسٹلز میں کام کر رہی ہے، اسی حوالے سے ایک بار اس کی فیملی سے ملنا ہوا۔“

”نایاب..... ان کی بیٹی؟“

”ہاں۔“ شہیر نے سر ہلایا۔

”اور ان کی بیوی سے بھی ملاقات ہوئی؟“

”شائستہ ہارون کمال؟“ صفیہ جیسے بڑبڑائی۔

”اس کا مطلب ہے کہ یہ وہی ہارون کمال ہے جس کی فیملی سے آپ کا تعلق ہے۔“ شہیر نے کہا۔  
 ”تعلق۔“ صنف کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ ہارون کا تعارف کس حوالے سے کروائے..... منصور علی کے حوالے سے یا امیر

کے حوالے سے۔

”میرے قادر کے فرینڈ ہیں۔“ اس نے مختصر جواب دیا۔ شہیر کو احساس ہوا، اس کے انداز میں ہارون کے نام پر ناپسندیدگی تھی۔ شاید اس لیے کہ وہ اس کے والد کے دوست تھے۔ وہ جانتا تھا کہ صنف کے والد اور والدہ کے درمیان علیحدگی ہو چکی ہے اور وہ اس ناپسندیدگی کو سمجھ سکتا تھا جو وہ اپنے باپ کے حوالے سے کسی بھی شخص کے لیے رکھ سکتی تھی۔  
 ”ہمیں اب چلنا چاہیے، ویر ہو رہی ہے۔“ شہیر نے یک دم موضوع بدلتے ہوئے اپنی گھڑی پر نظر ڈالی اور گھڑا ہوا گیا۔  
 ”آئی ایم سوری.....“ صنف نے اسے اٹھنے دیکھ کر کہا۔  
 ”کس لیے؟“ وہ حیران ہوا۔

”میری وجہ سے آپ کو خواہ مخواہ تکلیف ہوئی..... آپ کا وقت ضائع ہوا۔“ وہ منگور لہجے میں بولی۔  
 ”یہ معمولی بات ہے۔ آپ اس طرح نہ سوچیں۔“ شہیر نے لاپرواہی سے کہا۔

☆☆☆

ہارون کمال نے اس دن کے بعد اگلے کئی دن بڑی بے تابی کے ساتھ امبر کی کال کا انتظار کیا تھا مگر امبر کی طرف سے کوئی جواب نہیں آیا تھا اور تب اسے حدشہ ہوا کہ کہیں اس دن اس طرح راستے میں اتار دینے کی وجہ سے امبر ناراض نہ ہو گئی ہو۔

اسے خود بھی احساس تھا کہ اس کا امبر کو اس طرح گامڑی سے اتار دینا مناسب تھا مگر وہ اس وقت نایاب کی وجہ سے اس طرح حواس باختہ ہوا تھا کہ اس کے پاس اس کے علاوہ دوسرا کوئی راستہ ہی نہیں بچا تھا۔ وہ امبر کو ساتھ لے کر نایاب کے پاس نہیں جاسکتا تھا۔ کوئی دوسری لڑکی ہوئی تو وہ شاید اسے نایاب کے سامنے ساتھ لے ہی جاتا کیونکہ نایاب کے لیے ماں باپ کے دوست کوئی انوکھی بات نہیں تھے مگر امبر کو وہ جانتی اور پہچانتی تھی اور اسد کے حوالے سے اس کے بارے میں ہارون کے احساسات اور جذبات سے بھی واقف تھی اور اب..... ہارون کے ساتھ امبر کو دیکھ کر وہ خود تو چونکی سو چونکتی..... شائستہ سے اس کا تذکرہ کرنے سے بھی باز نہیں رہتی اور ہارون اتنا بڑا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔

مگر اب اس کی جان پر نینا ہوئی تھی۔ اسے ایک دم امبر اپنی مٹھی سے نکلتی ہوئی نظر آ رہی تھی اور شاید یہ پریشانی ہی تھی جس نے بلاخرا سے ان گھبوں میں جانے پر مجبور کر دیا تھا جہاں وہ بھی پاؤں رکھنا پسند نہ کرتا۔ امبر کا ایڈریس اس کے پاس تھا اور کئی دنوں تک اس کا انتظار کرنے کے بعد وہ ایک شام اس کا گھر ڈھونڈتے ہوئے ان گھبوں میں چلا ہی آیا تھا۔

امبر کے دروازے پر دستک دیتے ہوئے اس نے ساتھ والے دروازے کے باہر شہیر کو کھڑے دیکھا۔ دونوں نے ایک لمحے میں ایک دوسرے کو پہچانا تھا۔ ہارون حواس باختہ ہو گیا۔ اسے گمان بھی نہیں تھا کہ ان گھبوں میں بھی اس کا کوئی شناسا مل سکتا ہے۔ دوسری طرف شہیر اسے دیکھ کر حیران تھا۔ ہارون کمال جیسے شخص کا اس محلے کے ایک گھر کی دلہیز پر موجود ہونا..... وہ سمجھ نہیں سکتا تھا۔

ہارون نے اسے دیکھ کر ایک دم منہ موڑ لیا اور کھل طور پر اسے نظر انداز کیا۔ شہیر نے بھی اسے مخاطب کرنے کی کوشش نہیں کی۔ وہ اپنے گھر کا دروازہ کھول کر اندر چلا گیا مگر اس کا ذہن کھل طور پر الجھا ہوا تھا۔  
 نیزہ نے دروازہ کھولا ہارون کو اپنے دروازے پر دیکھ کر وہ ہکا بکا رہ گئی تھیں۔ فوری طور پر ان کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اسے وہاں دیکھ کر کس رد عمل کا اظہار کریں۔ یقیناً وہ اپنا دروازہ اس پر بند نہیں کر سکتی تھیں اور اندر جانے کا مطلب.....  
 ”السلام علیکم بھائی!“ ہارون نے بڑے تپاک سے سلام کیا۔

نیزہ دروازے کے سامنے سے ہٹ گئیں۔ یہ اندر آنے کا اشارہ تھا۔ ہارون اندر داخل ہو گیا۔ سامنے کمرے سے نکلتی

ہوئی امبر نے اسے اندر آتے دیکھا اور وہ صحن میں قدم رکھتے رکھتے ٹھک گئی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ وہ وہاں آئے گا۔  
 ”ہیلو امبر!“ ہارون نے مسکراتے ہوئے کہا۔

امبر جواب دینے کے بجائے کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر بے حد مدہم آواز میں بولی۔ ”ہیلو!“

”کیسی ہونم؟“ ہارون بڑے خوشگوار لہجے میں پوچھنے لگا یوں جیسے ان کے درمیان کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

”میں ٹھیک ہوں۔“ امبر نے اس بار میزہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا جو صحن میں ان دونوں سے کچھ فاصلے پر کھڑی ان دونوں کے چہروں کو الجھے ہوئے انداز میں دیکھ رہی تھیں شاید وہ یہ سوچنے میں مصروف تھیں کہ اس صورت حال میں انہیں کیا کرنا چاہیے۔

امبر نے دوبارہ ہارون کو دیکھا پھر صحن میں پڑی کرسیوں پر نظر ڈالی اور پھر ان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ہارون سے

بولی۔

”بہنیں۔“ ہارون کچھ حیران ہوا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ وہ اسے وہاں صحن میں ہی بیٹھنے کے لیے کہے گی۔

ہارون نے ایک نظر میزہ کے چہرے پر ڈالی جہاں آج اس ممنونیت اور تشکر کا کوئی نشان نہیں تھا، جو کچھ عرصہ پہلے ہارون کو دیکھ کر ان کے چہرے پر آ جاتا تھا۔ ہارون اندازہ کر سکتا تھا کہ ان کے ماتھے پر آنے والے بلوں کی وجہ کیا تھی مگر اسے کوئی ندامت تھی نہ شرمندگی۔

وہ آگے بڑھ کر صحن میں پڑی ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ اس نے یہاں آنے کا قدم تو اٹھایا تھا مگر اب اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ مگر میں موجود دوسرے لوگوں کے سامنے امبر سے کوئی بات کیسے کرے۔

امبر بھی ایک کرسی کھینچتے ہوئے اس پر بیٹھنے لگی پھر یک دم اٹھتے ہوئے بولی۔

”میں چائے لاتی ہوں۔“

”نہیں، چائے کی ضرورت نہیں ہے۔“ ہارون نے فوراً مداخلت کی؟ میں یہاں چائے پینے نہیں آیا۔ مجھے جلدی جانا

ہے۔ کچھ ضروری کام پھینانا ہیں۔“

میزہ وہیں کھڑی اسے دیکھتی رہیں۔ ہارون اب واقعی کنفیوز ہو رہا تھا۔ وہ امبر سے جو کچھ کہنا چاہتا تھا، وہ میزہ کے سامنے نہیں کہہ سکتا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس کی کسی بات پر اس طرح کے رد عمل کا اظہار کرے گی۔

”آپ اگر چائے پینے نہیں آئے۔“ گفتگو کا آغاز بلا خرابی نے ہی کیا تھا۔ ”اور آپ کو جلدی بھی ہے تو پھر آپ کس لیے یہاں آئے ہیں؟“

امبر کے انداز میں گرم جوشی کا وہ عنصر مفقود تھا جو اس سے پہلے ہارون کمال کو نظر آتا رہا تھا اور وہ اب بڑی آسانی سے یہ اندازہ کر سکتا تھا کہ وہ ناراض تھی اور اس کی ناراضی کی وجہ سے بھی وہ واقف تھا۔

”میں آپ لوگوں کو یہ بتانے آیا تھا کہ میں نے آپ لوگوں کے لیے گھر کا انتظام کر لیا ہے۔“ ہارون کمال کو وہ موضوع سوچ گیا جس پر وہ بات کر سکتا تھا۔

”کس لیے؟“ امبر کا لہجہ اسی طرح ششدا تھا۔

”میری بات ہوئی تھی اس سلسلے میں۔“ ہارون نے یاد دہانی کرانے والے انداز میں کہا۔

آپ سے بھی، یہاں آنے کے چند دنوں کے بعد میں نے اس بارے میں بات کی تھی۔“ ہارون نے میزہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”تب میں بیرون ملک جا رہا تھا اس لیے فوری طور پر اس سلسلے میں کچھ نہیں کر سکا مگر.....“ امبر نے اس کی بات کاٹ دی۔

”مگر اب ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔“

”کیوں؟“ ہارون نے بے حد محل سے پوچھا۔

”ہم یہاں خوش ہیں۔“ اس بار نیزہ نے کہا۔ ”اور اگر ہمیں گھر تبدیل کرنے کی ضرورت پیش آئی تو ہم یہ کام خود کر لیں گے۔ آپ کی مدد کا شکر یہ۔“

نیزہ نے اسے نکا سا جواب دیتے ہوئے کہا۔ ہارون کمال نے گردن موڑ کر امبر کو دیکھا۔ وہ اس کا رد عمل جاننا چاہتا تھا۔ ”مٹی ٹھیک کبھی ہیں۔ اب ہمیں کسی گھر کی ضرورت نہیں ہے۔“

”بے وقوف مت بنو امبر!“ ہارون جھنجھلا کر بولا۔ ”اب جب میں تمہارے کہنے پر گھر کا انتظام کر چکا ہوں تو تم کہہ رہی ہو کہ تمہیں اس کی ضرورت ہی نہیں ہے۔“ اس کے لہجے میں ہلکی سی ناگواری تھی۔

”یہ علاقہ تم لوگوں کے رہنے کے لائق نہیں؟ میری تو سمجھ میں نہیں آتا کہ تم لوگ یہاں کس طرح رہ رہے ہو۔ مجبوری کی بات اور ہے مگر اب جب میں آفر کر رہا ہوں کہ میں تم لوگوں کو ایک بہتر گھر میں شفٹ کر دیتا ہوں تو.....“

امبر نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی۔ ”مگر کیوں؟..... آخر آپ کا اور ہمارا تعلق کیا ہے کہ ہم آپ کے کہنے پر آپ کے دیے ہوئے گھر میں جا کر رہنے لگیں۔“ امبر کے لہجے میں ترشی تھی۔

”اور کوئی ہم سے آپ کے بارے میں پوچھے تو ہم آپ کو کس نام سے متعارف کروائیں۔ کیا کہیں کہ آپ ہمارے انکل ہیں، فیملی فرینڈ ہیں، کیا ہیں؟“

وہ بے حد متحور ہو رہی تھی اور اس کے لہجے میں جھلکتی تھی کہ ہارون نے بڑی آسانی سے محسوس کر لیا تھا۔ اسے یک دم یوں لگنے لگا تھا کہ اس پر کی جانے والی اس کی ساری محنت ضائع ہو گئی۔ وہ بالکل اسی طرح بات کر رہی تھی جس طرح طلحہ سے اپنی طلاق ہو جانے سے پہلے ہارون سے کیا کرتی تھی۔

”برہشتے کی وضاحت کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔“ ہارون نے بے حد محل سے کہا۔  
 ”ہوتی ہے..... برہشتے کو وضاحت کی ضرورت ہوتی ہے۔ کیونکہ ہم سوسائٹی میں رہتے ہیں، جنگل میں نہیں۔“ امبر اسے بولنے نہیں دے رہی تھی۔

ہارون چند لمحوں کے لیے کچھ بول نہیں سکا بس حیرانی سے امبر کا چہرہ دیکھتا رہا۔ وہ وہاں کھل کر کچھ کہہ نہیں سکتا تھا اور امبر کوئی لحاظ کرنے پر تیار نہیں تھی۔

”میں جو کچھ کر رہا ہوں آپ لوگوں کی ہمدردی میں کر رہا ہوں۔“ ہارون نے سنبھل کر باری باری نیزہ اور امبر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ ”میرا کوئی ذاتی مفاد تو نہیں ہے اس میں..... آپ لوگوں کی فیملی کے ساتھ اتنی پرانی واقفیت ہے اسی لیے.....“  
 امبر نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”بس، سب کچھ ہمدردی کے لیے کر رہے ہیں؟ صرف اس لیے کہ ہماری فیملی کے ساتھ آپ کی پرانی واقفیت ہے اور کچھ نہیں کوئی اور جذبہ، کوئی اور احساس نہیں؟“

ہارون بری طرح چھٹا تھا اور اب وہ جذبات میں آ کر اس طرح وہاں چلے آنے پر اسے بچھڑا دیا اور ہوا تھا۔ بہتر تھا وہ کچھ دن اور انتظار کرتا۔ امبر بھی نہ کبھی تو خود اس سے رابطہ کرتی تب اسے امبر اور نیزہ کے سامنے اس صورت حال سے دوچار نہ ہونا پڑتا۔

”اگر یہ صرف ہمدردی اور تعلقات کا لحاظ ہے تو ہمیں اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اور اگر یہ کچھ اور ہے تو پھر آپ کو یہ وضاحت کرنی پڑے گی کہ آپ کس جذبے کے تحت ہماری مدد کرنا چاہتے ہیں؟“  
 ”امبر! ہم باہر چل کر اس موضوع پر بات نہیں کر سکتے کیا؟“ اس بار بلا خراب ہارون پہلی بار اس کی بات کاٹتے ہوئے بولا۔

”باہر چل کر؟“ امبر نے استہزائیہ انداز میں کہا۔ ”کہاں چل کر؟ آپ کی گاڑی میں؟ تاکہ آپ دوبارہ مجھے پہلے کی طرح جب چاہیں اتار دیں۔“

ہارون نے ایک طویل سانس لیا۔ ”آئی ایم سوری، اب ایسا نہیں ہوگا۔ ہم باہر چل کر اس موضوع پر تفصیلی بات کریں گے۔ ایتھے داخل ہوں۔“

”نہیں، آپ کو امبر سے جو بات بھی کرنی ہے، آپ یہیں کریں۔ میرے سامنے۔“ میزہ نے مداخلت کی۔ ”امبر آپ کے ساتھ کہیں نہیں جائے گی۔“

”صرف چند منٹ کی بات ہے۔“ ہارون نے کہا۔

”صرف چند منٹ کی بات ہے تو وہ بات یہاں کیوں نہیں ہو سکتی۔“ میزہ کے انداز میں درستی تھی۔

”میں امبر سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔“ ہارون کمال نے بآ خر تمام لحاظ بالائے طاق رکھتے ہوئے کہا۔

”اگر بات گھر کی تبدیلی کے متعلق ہے تو اس کا جواب میں آپ کو پہلے ہی دے چکی ہوں۔“ میزہ نے کہا۔

”نہیں، مجھے صرف گھر کی تبدیلی کے بارے میں بات نہیں کرنی مجھے کچھ اور معاملات کے بارے میں بھی بات کرنی

ہے۔“

”امبر سے آپ کے ایسے کون سے معاملات ہیں جن کے بارے میں آپ میرے سامنے بات نہیں کر سکتے۔“ میزہ

نے دوبارہ کہا۔

”یہ امبر جانتی ہے۔“ ہارون نے بے حد دیدہ دلیری سے امبر کی طرف اشارہ کیا۔

امبر اس ساری گفتگو کے دوران خاموش تماشائی بنی بیٹھی تھی۔ اس نے میزہ کو روکا تھا نہ ہی ہارون کی کسی بات کا جواب

دیا۔ وہ صرف ماتھے پر کچھ ٹل لیے پر سوچ نظروں سے ہارون کو دیکھ رہی تھی۔

اس سے پہلے کہ میزہ کچھ اور تلخ باتیں اور ہارون سے کچھ کہیں امبر نے مداخلت کی۔

”ٹھیک ہے، میں آپ کے ساتھ چلتی ہوں۔“

اس نے یک دم کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔ ہارون نے بے اختیار اطمینان کا سانس لیا۔

”امبر! تمہیں کہیں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں ان سے کسی قسم کی کوئی مدد نہیں چاہیے۔“ میزہ نے سختی سے اسے

ٹوکا۔

”میں ان سے کوئی مدد لینے ان کے ساتھ نہیں جا رہی۔ میں ان سے صرف چند باتیں کرنے کے لیے جا رہی ہوں۔“

امبر نے ساٹ لہجے میں کہا۔

ہارون بھی اپنی کرسی سے اٹھ چکا تھا۔

”مگر تمہیں اس کے ساتھ بات کرنے کی بھی.....“

میزہ نے کچھ کہنا چاہا مگر امبر نے بات کاٹ دی۔ مجھے ان سے بات کرنے کی ضرورت ہے۔ آپ فکرت کریں میں

کچھ دیر میں آ جاؤں گی۔ چلیں۔“ امبر نے دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا اور ہارون کے پیچھے اپنے گھر سے باہر نکل گئی۔

میزہ پریشانی کے عالم میں اس کے پیچھے دروازے تک آئیں۔ انھوں نے باہر جھانک کر دیکھا۔ وہ دونوں گلی میں چلتے

ہوئے دور ہوتے جا رہے تھے اور گلی کے موڑ سے صبح گھر کی طرف آ رہی تھی۔ میزہ نے دروازہ بند کر لیا۔

☆☆☆

شہیر نے اپنے گھر کے صحن سے ساتھ والے گھر کے صحن میں امبر، ہارون اور میزہ کے درمیان ہونے والی تمام گفتگو سن لی

تھی۔ اس کا ذہن کچھ اور الجھ گیا تھا۔ صبح، ہارون کو فیملی فرینڈ قرار دے رہی تھی اور وہاں ہونے والی گفتگو میں ہارون کسی اور ہی

روپ میں نظر آ رہا تھا۔ شہیر اندازہ کر سکتا تھا کہ صبح اپنی بہن اور ہارون کے حوالے سے اس کو کبھی سچ بتانے کی جرأت نہیں کر

سکتی تھی۔ مگر یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ صحن میں کھڑے چند منٹوں میں ہی اسے تصویر کا وہ رخ نظر آنے لگا تھا جسے صبح چھپانے کی

کوشش کر رہی تھی۔ اسے جہاں صبح پر ترس آیا وہاں اس نے اپنے دل میں ہارون کمال کے لیے شدید ناپسندیدگی بھی محسوس کی

”آخروہ شخص دوسروں کی زندگیوں میں زہر گھولنے کی کوشش کیوں کر رہا تھا۔ اور امبر..... امبر کے ساتھ اس کا تعلق کب سے اور کتنا گہرا تھا۔“

وہ پچھلے کچھ دنوں میں محلے میں امبر کی فیملی کے بارے میں ہونے والی چہ میگوئیوں سے واقف تھا۔ امبر کے دو تین بار مغربی لباس میں گھر سے باہر جانے اور وہاں کسی آدمی کی گاڑی میں بیٹھ کر کہیں جانے کا ذکر کیا جا رہا تھا۔ محلے کے لڑکے اس فیملی میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لینے لگے تھے کیونکہ بہت عرصے کے بعد اس محلے میں ایسا کوئی خاندان رہنے آیا تھا جس کے ایک فرد کی حرکتیں قابل اعتراض تھیں اور دوسری طرف وہ اپنے چہرے مہرے اور طور طریقے سے کسی بھی طرح گلی محلے میں رہنے والے افراد کی طرح نظر نہیں آتے تھے اور اب ان کے گھر سوئڈ بوئڈ مرد کے آنے کا کیا مطلب نکالا جا رہا ہوگا۔ اس سوال کا جواب تلاش کرنا شبیر کے لیے زیادہ مشکل نہیں تھا۔ وہ ان دشواریوں کا اندازہ لگا سکتا تھا جو آئندہ آنے والے کچھ عرصے میں صفا اور اس کی فیملی کو پیش آنے والی تھیں۔

ہاردن کے جانے کے بعد بھی وہ صحن میں بچھے تخت پر ہی بیٹھا رہا پھر فاطمہ کی آواز نے اسے چونکا دیا۔

”شبیر! اندر آؤ۔ مجھے تم سے کچھ بات کرنا ہے۔“

شمر اس وقت گھر پر نہیں تھا جبکہ ثانی کچن میں کھانا پکانے میں مصروف تھی۔

”مجھے بھی آپ سے بات کرنا ہے امی!“

شبیر نے کمرے میں داخل ہوتے ہی فاطمہ سے کہا۔

فاطمہ اپنے بیڈ پر بیٹھی ایک قیس کی تروپائی کرنے میں مصروف تھی، وہ کرسی کھینچ کر فاطمہ کے پاس بیٹھ گیا۔ فاطمہ نے قیس کو بیڈ پر رکھ دیا۔ وہ اس کی طرف متوجہ ہوئی۔

”تھیں کیا بات کرنا ہے؟ کرو۔“

”نہیں، پہلے آپ وہ بات کریں جس کے لیے آپ نے مجھے بلوایا ہے۔“ شبیر نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ ”پھر میں آپ کو بتاؤں گا کہ مجھے آپ کو کیا بتانا ہے۔“

فاطمہ نے شبیر کی طرف دیکھا..... وہ کچھ الجھا ہوا نظر آ رہا تھا۔ اسے تشویش ہوئی۔

”کوئی پریشانی والی بات ہے؟“ شبیر مسکرا دیا۔

”نہیں..... نہیں کوئی پریشانی والی بات نہیں ہے۔ ایسے ہی ایک دو باتیں کرنا ہیں۔ آپ پریشان نہ ہوں مجھے بتائیں، آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟“ شبیر نے فاطمہ کو اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

”شمر کا نام میرٹ لسٹ پر آ گیا ہے۔“ فاطمہ نے کہا۔ وہ خلاف معمول بہت سنجیدہ نظر آ رہی تھی۔

”زبردست..... کب..... اس نے آج بتایا ہے آپ کو؟“ شبیر نے بے اختیار خوشی کا اظہار کیا۔

”ہاں!“

”اچھا ہوا۔ کم از کم ایڈمیشن کے بعد اس کا دھیان ماڈلنگ سے تو ہٹ جائے گا۔“ شبیر واقعی بہت مسرور تھا۔ اسے اپنے کندھوں سے ایک بوجھ ہٹا ہوا محسوس ہوا تھا ورنہ پچھلے کچھ عرصے سے شمر کی ماڈلنگ سے متعلق مصروفیات دیکھ کر اسے یہی لگتا تھا کہ اس کی تعلیم کا باقاعدہ طور پر اختتام ہو چکا ہے۔

”میرٹ لسٹ پر نام تو آ گیا ہے مگر ایڈمیشن کے لیے خاصی بڑی رقم چاہیے۔“ فاطمہ نے اسے اپنی تشویش سے آگاہ کیا۔

”مجھ سے پوچھ رہا تھا کہ آپ بیسوں کا بندوبست کر سکتی ہیں۔ اگر نہیں کر سکتیں تو پھر میں کسی اور کالج سے گریجویٹیشن

لیتا ہوں۔“

شبیر بھی سنجیدہ ہو گیا۔ ”آپ کے پاس اتنے پیسے نہیں ہیں؟“ اس نے پوچھا۔



”نہیں، میرے پاس کچھ تو ہیں۔ جا ب سے ریٹائرمنٹ کے بعد ملے تھے۔ مگر وہ میں نے اس لیے رکھے ہوئے ہیں کہ ہانی کی شادی پہ کام آئیں گے۔“ فاطمہ نے کہا۔

”ای! ہانی کی شادی ابھی بہت دور ہے۔ اس کا آئی لی اے میں ایڈیشن ہو گیا تو اسے وہاں بڑی آسانی سے اسکا ر شپ مل جائے گا۔ چار پانچ سال تو اسے اپنی تعلیم ختم کرنے میں لگیں گے۔ اس کے بعد دیکھا جائے گا۔ تب تک مجھے بھی کوئی اجھی جا ب مل جائے گی۔ شربھی سینٹ ہو جائے گا۔ ہانی کی شادی کی آپ کو فکر نہیں ہونی چاہیے۔ اس وقت شکر روپے کی زیادہ ضرورت ہے۔ آپ اسے روپے دے دیں۔“

”میں اسی بارے میں تم سے مشورہ کرنا چاہتی تھی۔ شراین سی اے میں ایڈیشن لے تو لے گا، مگر اسے وقتاً فوقتاً روپے کی ضرورت پڑتی رہے گی۔ بار بار ہم اسے روپیہ کہاں سے دیں گے؟“ فاطمہ کی پریشانی میں اب بھی کمی نہیں آئی تھی۔

”وہ ماڈلنگ سے تھوڑے بہت پیسے تو کما ہی رہا ہے۔ انھیں استعمال کر لیا کرے گا اور پھر میرا ایم بی اے بھی ختم ہو رہا ہے۔ میں بھی کوئی بہتر جا ب ڈھونڈوں گا، یا پھر چند ٹیوشنز اور کالوں گا۔ آپ پریشان نہ ہوں۔“ شہیر نے فاطمہ کو تسلی دی۔

”مگر پریشانی یہ ہے کہ اگر شرنے این سی اے میں ایڈیشن لینے کے بعد کالج چھوڑ دیا تو؟ تمہیں پتا تو ہے اس کے مزاج کا۔“ فاطمہ نے اپنے خدشے سے اسے آگاہ کیا۔

”ای! وہ اتنا بھی غیر ذمہ دار نہیں ہے۔ ڈیڑھ دو لاکھ روپے اس کی فیس میں جائے گا تو پھر وہ نسا پچھ تو نہیں ہے کہ سب کچھ چھوڑ چھاڑ کر گھر بیٹھ جائے گا۔“

”میں چاہتی تھی کہ پرائیونٹ فنڈ کی رقم کو تم تینوں میں برابر تقسیم کروں۔ سارا شر پر خرچ ہو گیا تو پھر تمہیں یا ہانی.....“

شہیر نے فاطمہ کی بات کاٹ دی۔ ”مجھے اور ہانی کو کوئی اعتراض نہیں ہوگا اور نہ ہی ہمیں اس کی ضرورت پڑے گی۔ اس وقت اس کی ضرورت صرف شکر ہے۔ آپ اس کو رقم دے دیں۔“

فاطمہ نے گہرا سانس لیا۔ اسے توقع تھی کہ شہیر یہی سب کچھ کہے گا کیونکہ ہانی بھی تقریباً ایسی ہی باتیں کر چکی تھی۔ مگر اس کے باوجود اس نے ضروری سمجھا تھا کہ وہ اتنی بڑی رقم شکر کو دینے سے پہلے شہیر سے بات کر لے۔

”ہے کہاں یہ؟“ شہیر کو اچانک اس کی عدم موجودگی کا احساس ہوا۔

”کچھ دیر پہلے باہر گیا ہے۔ کہہ رہا تھا تھوڑی دیر میں آ جائے گا۔ اب تمہیں اس کی ”تھوڑی دیر“ کا اچھی طرح اندازہ تو ہوگا۔“

”ہاں مجھے اندازہ ہے۔ آپ کو بس یہی بات کرنا تھی؟“ شہیر نے پوچھا۔

”ہاں۔ تمہیں کیا کہنا تھا؟“ فاطمہ کو اچانک یاد آیا۔

”مجھے آپ کو ایک اچھی خبر دینی ہے۔“ شہیر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا؟“

”میری پردوشن ہو گئی ہے۔“

”ارے..... واقعی؟“ فاطمہ نے پر جوش انداز میں بولی۔ ”ہاں، اور آپ کو پتا ہے میری پے میں کتنا اضافہ ہوا ہے؟“

شہیر نے ہیکل بوجھنے والے انداز میں کہا۔

”کتنا؟“

”پانچ ہزار روپے۔“ شہیر اطمینان سے بولا۔

”پانچ ہزار روپے؟“ فاطمہ کو یقین نہیں آیا۔

”ہاں، اب سات ہزار کے بجائے مجھے ہر ماہ بارہ ہزار روپے ملا کریں گے۔“

”مجھے یقین نہیں آ رہا۔“ فاطمہ نے بے اختیار کہا۔

مجھے بھی یقین نہیں آیا تھا۔ مگر جب اکاؤنٹ سے بات ہوئی تو اس نے تصدیق کر دی۔ ”میں اس لیے کنفیوز ہوں کیونکہ آفس میں کسی اور کی پے میں اضافہ نہیں ہوا، اور نہ ہی کسی کی پرموشن ہوئی۔ مجھے عجیب لگا کہ صرف میری ہی پرموشن کیوں کی گئی ہے۔“

فاطمہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”اس میں عجیب کتنے والی کیا بات ہے؟ تم کام بھی تو کتنی محنت سے کرتے ہو۔“  
 ”ہاں مگر وہاں مجھ سے بھی زیادہ محنت سے کام کرنے والے لوگ ہیں..... اور آج تک کسی کی پے میں اتنا اضافہ نہیں کیا گیا۔“

”تو تمہیں اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اس طرح مشکوک نہیں ہونا چاہیے..... آخر جنہوں نے تمہیں پرموشن دی ہے انہوں نے کچھ دیکھ کر ہی دی ہوگی۔ وہ کوئی بے وقوف تو نہیں ہیں کہ خواہ مخواہ بڑھاتے پھریں گے۔ میں تو ابھی محلے میں مٹھائی باتوں کی، شکرانے کے نقل پڑھ کر۔“

فاطمہ نے بیڈ سے اٹھنے کی کوشش کی تو شبیر نے اسے روک دیا۔

”یہ کام کرنے سے پہلے آپ میری ایک اور بات سن لیں۔“ اس بار اس کا لہجہ عجیب سا تھا۔  
 فاطمہ چونک گئی ”کیا بات ہے؟“

”مجھے ساتھ والوں کے بارے میں آپ سے کچھ باتیں کرنا ہیں۔“

”ساتھ والوں کے بارے میں، کن ساتھ والوں کے بارے میں؟“ فاطمہ حیران ہوئی۔

”صبغہ کی فیملی کے بارے میں۔“

”ان کے بارے میں کیا کہنا ہے تمہیں؟“ فاطمہ واقعی پریشان ہو گئی۔

”آپ کو پتہ ہے آج کل ان کے بارے میں محلے میں کیسی باتیں ہو رہی ہیں؟“

”ان کے بارے میں باتیں ہو رہی ہیں؟“ فاطمہ کو واقعی حیرت کا جھٹکا لگا۔

”کوئی اور فیملی ہوتی تو میں پروا کرتا نہ ہی آپ سے کوئی بات کرتا مگر آپ نے ہر ایک سے یہی کہہ رکھا ہے کہ صبغہ کی فیملی ہمارے رشتہ داروں میں سے ہے اور اب ان کے بارے میں باتیں ہو رہی ہیں تو مجھے خدشہ ہے کہ کل کو ہمارے بارے میں بھی باتیں ہوں گی۔“ شبیر بے حد سنجیدہ تھا۔  
 ”کیسی باتیں؟“

”محلے کے لڑکے کہہ رہے ہیں کہ اس فیملی کی لڑکیوں کا کردار اچھا نہیں ہے۔“

”بکواس کر رہے ہیں۔“ فاطمہ نے بے اختیار کہا۔ ”وہ کتنا اچھا خاندان ہے تم تو.....“

شبیر نے فاطمہ کی بات کاٹ دی۔ ”امی! میں اپنی بات نہیں کر رہا میں آپ کو وہ بتا رہا ہوں جو لوگ کہہ رہے ہیں۔ ابھی آپ میرے منہ سے یہ باتیں سن رہی ہیں، چند دنوں میں اور لوگوں کے منہ سے بھی سنیں گی۔“

”مگر لوگ یہ سب کچھ کیوں اور کیسے کہنے لگے ہیں..... کچھ دنوں پہلے تک تو سب کچھ ٹھیک تھا۔“ فاطمہ کو پریشانی ہو رہی تھی۔

”صبغہ کی بڑی بہن جنیزہ وغیرہ پہن کر کسی آدمی کے ساتھ جاتی رہی ہے۔“

”امبر؟“ فاطمہ نے بے اختیار کہا۔

”ہاں۔“

”کس آدمی کے ساتھ؟“

”ان کا کوئی فیملی فرینڈ ہے ہارون کمال، اس کے ساتھ۔ آج وہ آدمی ان کے گھر آیا ہوا ہے اور آپ کو پتا ہے ایسا باتیں چھپی نہیں رہ سکتیں۔“ شبیر نے دھیمے لہجے میں کہا۔

”آپ امبر کی امی سے بات کریں اور انہیں یہ سب کچھ بتائیں اور اب کسی سے بھی ان کا تعارف ہمارے رشتے داروں کے طور پر مت کروائیں۔“

فاطمہ کچھ دیر گم صدمہ بیٹھی اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ وہ پریشان ہو گئی تھی۔ شبیر کو اس کی پریشانی کا اندازہ تھا مگر اسے یہ سب کسی نہ کسی طرح سے صنف کے گھریک پہنچانا تھا۔ صنف سے ملاقات کے دوران اس کا دل چاہا تھا کہ وہ یہ باتیں اس کو بتا دے مگر اس کی حالت اس وقت اتنی خراب تھی کہ وہ اسے کوئی اور شاک نہیں دے سکتا تھا۔

”اور مجھے آپ کو ایک اور بات بھی بتانی ہے۔ آج میں صنف سے ملا تھا۔“ فاطمہ نے چونک کر شبیر کو دیکھا۔

☆☆☆

صنف نے گلی کا سوز مڑتے ہی ہارون اور امبر کو دیکھ لیا تھا اور جو تھوڑی بہت ہمت اس کے اندر باقی تھی وہ بھی غائب ہو گئی تھی۔ اسے توقع نہیں تھی کہ ہارون اور امبر کو وہاں وہ اپنی گلی میں اکٹھا دیکھے گی۔ وہ دونوں یقیناً گھر سے کہیں باہر جا رہے تھے اور ان دونوں نے بھی صنف کو دیکھ لیا تھا۔ امبر اور ہارون دونوں نے اسے دیکھتے ہی نظریں چرائی تھیں۔ وہ دونوں خاموشی سے اس کے پاس سے گزر گئے تھے۔

اگر گلی میں کچھ لڑکے کھڑے نہ ہوتے تو صنف ان دونوں کا راستہ روکتی اور امبر کو ہارون کے ساتھ جانے نہ دیتی مگر اس وقت وہاں ان دونوں کا راستہ روکنے کا مطلب سب کچھ کھامی تھی اور وہ نہیں چاہتی تھی کہ گھر کا معاملہ گلی تک آ جائے۔ ہونٹ جھینچے ہوئے وہ ان کے پاس سے گزر کر اپنے گھریک آ گئی، مگر اسے اس وقت نیزہ پر بے حد غصہ آ رہا تھا۔ گھر کا بیرونی دروازہ بند نہیں تھا اس کے ہاتھ لگا تے ہی کھل گیا۔ وہ غصے میں بھری اندر داخل ہوئی۔

نیزہ جھن میں کھڑی تھیں، صنف کو اکیلے اندر آتے دیکھ کر چونک گئیں۔

”تم نے امبر کو نہیں روکا؟“

نیزہ توقع کر رہی تھیں کہ وہ امبر کو واپس گھر لے آئے گی مگر اب اسے اکیلا واپس آتے دیکھ کر انہیں مایوسی ہوئی۔

”میں اسے کیسے روک سکتی تھی جب آپ نے اسے اپنی مرضی سے یہاں سے جانے دیا ہے تو میں اسے کیسے واپس لاؤں۔“ وہ ایک دم اپنی برداشت کھو بیٹھی۔

”میں نے اسے روکا تھا مگر وہ رکی نہیں۔ میری مرضی کے بغیر.....“

نیزہ نے وضاحت دینے کی کوشش کی تو صنف نے ان کی بات کاٹ دی۔

”آپ کی مرضی کے خلاف کیسے چلی گئی۔ میں نہیں مانتی آپ نے اس آدمی کو گھر کے دروازے سے کیوں نہیں بیجا دیا، کیوں اسے اندر بلا دیا۔ کیا آپ کے لیے ایک تجربہ کافی نہیں ہے؟“

”تجسس امبر کے مزاج کا پتہ ہے۔“ صنف نے ایک بار پھر نیزہ کی بات کاٹی۔

”مجھے آپ کے مزاج کا بھی پتا ہے۔“

”تم اسے لے آئیں۔“

”آپ گھریک سربراہ ہو کر اسے گھر کے اندر نہیں رکھ سکیں تو میں گلی سے اسے کیسے لے آتی۔ پورے محلے کو تماشہ دکھاتی؟“

”وہ ابھی آ جائے گی، کہہ کر گئی ہے۔“ نیزہ نے یکدم اپنا لہجہ بدلا۔ ”آج تو اس نے بھی ہارون کمال کو کھری کھری

سنائی ہیں۔“

”اور کھری کھری سنانے کے بعد ایک بار پھر اسی کے ساتھ چلی گئی؟“ صنف کو اور غصہ آیا۔

”تم پریشان مت ہو۔ میں نے کہا نا وہ ابھی آ جائے گی نہ صرف میں نے بلکہ امبر نے بھی ہارون سے کہہ دیا ہے کہ

ہمیں اس کے دیے ہوئے گھریک کی ضرورت نہیں ہے۔ ہمیں اس کی مدد نہیں چاہیے۔“

میزہ نے بتانا شروع کیا مگر صبغہ ان کی بات سے بغیر کمرے میں چلی گئی۔ اپنا بیگ ایک طرف اچھال کر وہ ڈھے جانے والے انداز میں بیڈ پر لیٹ گئی۔

”تمہیں کیا ہوا ہے؟“ میزہ بھی اس کے پیچھے ہی اندر آئی تھیں اور شاید پہلی بار انہوں نے صبغہ کی سوچی ہوئی آنکھوں اور تے ہوئے چہرے پر غور کیا۔

”کچھ نہیں ہوا مجھے۔“

وہ آنکھیں بند کیے بڑبڑائی۔ گھر کے باہر جتنی پریشانیاں تھیں گھر کے اندر اس سے زیادہ پریشانیاں تھیں۔ وہ جتنا برا دن باہر گزار کر آئی تھی اتنی ہی بری شام گھر کے اندر اس کی منتظر تھی۔

”تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے؟“ میزہ کو اس کی خاموشی نے پریشان کیا۔

”میری قسمت ٹھیک نہیں ہے، باقی تو سب کچھ ٹھیک ہی ہے۔“

اس نے دل میں سوچا اور آنکھیں موندے لیٹی رہی۔

## بائیسواں باب

گاڑی کو مین روڈ پر لاتے ہی ہارون نے کہا ”مجھے آج کا تمہارا رویہ بالکل اچھا نہیں لگا۔“  
 ”اور مجھے آپ کا رویہ کتنا برا لگا ہے آپ کو اس کا اندازہ ہے؟“ امبر نے ترکی بہ ترکی کہا۔  
 ”تمہاری آج کی باتیں بہت بچکانہ تھیں۔“

”اور اس سے پہلے میں جو کچھ کر رہی تھی، وہ بچکانہ تھا۔“

”میں تم سے اپنے اس دن کی حرکت کے لیے ایسکے زکر چکا ہوں۔“ ہارون نے اپنے لہجے میں نرمی پیدا کی۔  
 ”تمہیں صورت حال کو سمجھنا چاہیے تھا کیا اس سے پہلے میں کبھی تمہیں اس طرح چھوڑ کر گیا ہوں؟“

”میں صورت حال کو بہت اچھی طرح سمجھتی ہوں اور مجھے اس صورت حال سے نفرت ہے۔“ امبر نے اسی انداز میں کہا۔

”آپ کے رویے سے مجھے اور کچھ نہیں صرف اپنی اوقات کا پتہ چلا۔ صرف یہ اندازہ ہوا کہ میں تو کوئی بھی نہیں ہوں۔  
 میں تو اتنی غیر اہم ہوں آپ کی زندگی میں کہ آپ سڑک کے کسی بھی کنارے پر مجھے کبھی اتار کر چلے جائیں۔ کبھی بھی، کہیں بھی۔“  
 ”امبر! میں نے تم سے کہا ہے۔ آئندہ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔“ ہارون نے اس کی بات کا منٹے ہوئے کہا۔

”ایسا تب نہیں ہوگا جب میرا اور آپ کا کوئی رشتہ ہوگا، جو ابھی نہیں ہے۔“

”تمہیں لگتا ہوگا کہ میرا اور تمہارا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ مجھے ایسا نہیں لگتا۔ ہارون نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

”مجھے لگتا نہیں بلکہ ایسا ہی ہے۔“

”پھر تمہیں غلط نہیں ہے۔“

”تو کیا ساری دنیا کو غلط نہیں ہے؟“

”لوگوں کی بات مت کرو، ہمیں لوگوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہونا چاہیے۔“

”ہمیں لوگوں سے دلچسپی ہو یا نہ ہو لوگوں کو ہم سے بہت دلچسپی ہے اور ہونا بھی چاہیے۔ دنیا یہ سوال کرنے پر حق رکھتی

ہے کہ ہم دونوں کا آپس میں رشتہ کیا ہے۔“

”تم جو مرضی نام دے دو اس رشتے کو..... میری طرف تمہیں اجازت ہے۔“ ہارون نے کہا۔

”رشتے کو نام عورت نہیں دیتی، مرد دیتا ہے۔ جس رشتے کو صرف عورت نام دیتی ہے۔ وہ بس نام کا ہی رشتہ ہوتا ہے۔“

امبر بے حد سنجیدہ تھی۔ ہارون کمال کو اندازہ نہیں تھا کہ وہ اس کے ساتھ باہر آ جانے کے بعد بھی ایسی ہی باتیں کرے

گی۔

”آپ بتائیں کہ آپ میرے اور اپنے رشتے کو کیا نام دیتے ہیں؟“

”امبر! یہ فضول باتیں ہیں۔“ ہارون نے ناگواری سے کہا۔

”آپ کے نزدیک یہ فضول باتیں ہیں مگر میری زندگی کا دار و مدار ان ہی فضول باتوں پر ہے۔“ امبر نے اس کی بات

کانتے ہوئے تیز لہجے میں کہا۔

”مجھے کیا کہنا چاہیے آپ کو، انگل، فرینڈ یا کچھ اور؟“

”فرینڈ۔“ ہارون نے بلاخر کہا۔ امبر کا چہرہ بچھ گیا۔

”اور مجھے دوستوں سے نفرت ہے۔ مجھے ان کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ گاڑی روکیں، مجھے اترنا ہے۔“ اس نے ہن

دھری سے کہا۔

”میں تم سے محبت کرتا ہوں امبر! مگر کیا بار بار اس کا اظہار ضروری ہے؟“ ہارون نے اس بار کچھ فحشی سے جیسے گلے تلے

ہوئے کہا۔

”آخر میں کتنی بار تم کو یہ بتاؤں گا۔ کیا پہلے میں نے کبھی تم سے یہ نہیں کہا اور تم، تم اپنی می کے سامنے بھی مجھ سے کیا سوال کر رہی تھیں۔“ وہ اب کچھ تھنچھٹایا ہوا تھا۔ ”مجھ سے اپنے لیے جذبے کا پوچھ رہی تھیں کہ کیا یہ صرف ہم روٹی ہے؟ اب تمہاری می کے سامنے میں یہ کہتا کہ نہیں یہ محبت ہے۔ اسی لیے تم سے کہہ رہا ہوں کہ تم بعض دفعہ بہت چنگا نہ انداز میں سوچتی اور بولتی ہو۔ کیا یہ بار بار کہنا ضروری ہے کہ میں تم سے محبت کرتا ہوں؟“

”آپ بار بار زبان سے یہ مت کہیں اس محبت کو کوئی نام دے دیں جو خود ہر وقت اس بات کا اظہار کرتا رہے گا کہ آپ کو مجھ سے محبت ہے۔“ امبر نے رسائیت سے کہا۔

”مطلب؟“ ہارون کے ماتھے پر چند بل پڑ گئے۔

”آپ مجھ سے شادی کر لیں۔“

”کم آن۔“ ہارون جیسے بے اختیار کراہا۔ مین روڈ سے اس نے گاڑی ایک سروں روڈ پر موڑتے ہوئے سڑک کے کنارے کھڑی کر دی۔

”یہ فوراً تمہارے دماغ میں کس نے بھرا ہے؟“ وہ ناراضی سے بولا۔

”آپ کے نزدیک مجھ سے شادی فوراً ہے؟“ امبر بھی برہم نظر آنے لگی۔

”تو پھر یہ محبت کا ڈرامہ کس لیے؟“

”میں تم سے کوئی ڈرامہ نہیں کر رہا۔ واقعی محبت کرتا ہوں۔“

”مگر آپ مجھ سے وہی محبت کرتے ہیں جس میں شادی کہیں نہیں آتی، نہ ہی آئے گی۔ امبر نے اس کی بات کانٹے ہوئے کہا ”کیونکہ شادی کا مطلب ذمہ داری ہے اور آپ میری ذمہ داری اٹھانا نہیں چاہتے۔“

”کیوں ذمہ داری اٹھانا نہیں چاہتا۔ میں تم سے کہہ رہا ہوں کہ تمہیں گھر میں رکھوں گا۔ تم جو مانگو گی تمہیں دوں گا۔ میں تمہاری فیملی کے بھی اخراجات اٹھاؤں گا پھر تم کیوں اس طرح کہہ رہی ہو؟“

”میری فیملی کے اخراجات پاپا نے اٹھانا شروع کر دیا ہے۔“ وہ امبر کی بات پر چونک پڑا۔

”کیا مطلب؟“

”پاپا ہمیں اخراجات کے لیے رقم بھجوا رہے ہیں اور اب ہم آپ کی مدد کے بغیر ہی بہت جلد اس علاقے سے کسی بہتر علاقے اور گھر میں منتقل ہو جائیں گے۔“

امبر نے جتانے والے انداز میں کہا۔ ہارون اپنے ہونٹ چھینچھے بیٹھا رہا۔ منصور نے کب ان لوگوں کو رقم بھجوانی شروع کی تھی اس کا اسے اندازہ نہیں ہو سکا تھا اور اب وہ وہاں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ شاید امبر اور اس کی فیملی کے رویے میں آنے والی تبدیلی کی وجہ انھیں ملنے والی یہ رقم ہی تھی۔

”آپ کو اگر مجھ سے محبت ہے تو پھر آپ کو مجھ سے شادی کرنا پڑے گی۔“ امبر پھر بولی۔ ”تاکہ میں دنیا کے سامنے آپ کو اپنا کہہ سکوں۔ مجھے صرف دولت کی ترغیب مت دیں۔ میں نے بہت دولت دیکھی ہے۔ آپ جانتے ہیں میرا باپ کروڑ پتی

تو اور میں اس کی چیتنی بیٹی تھی۔ آپ کیا میرے باپ سے زیادہ آسان نہیں لاکر میرے سامنے رکھیں گے؟“

امبر کے لہجے میں عیب سی چھین اور کک تھی۔

”نہیں ہارون! مجھے ان دوسری لڑکیوں کی طرح مت سمجھیں جو صرف پیسہ دیکھ کر آپ کے ساتھ چل پڑتی ہوں گی۔ میں آپ کے پاس Companionship کے لیے آئی تھی بدنامی اور رسوائی پانے نہیں۔“ امبر نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

”میں نے یہ نہیں کہا کہ میں تم سے کبھی شادی نہیں کروں گا۔“ ہارون نے یکدم چیتنا بدلتے ہوئے کہا۔ ”میں تم سے شادی کروں گا۔ ظاہر ہے محبت کرتا ہوں تو شادی بھی کروں گا۔ مگر فوری طور پر یہ ممکن نہیں ہے۔“ ہارون نے مسکرائے کی کوشش کی۔

”ابھی ہمیں کچھ انڈراشینڈنگ ڈویلپ کرنی چاہیے۔ ایک دوسرے کے ساتھ وقت گزارنا چاہیے اس کے بعد.....“

امبر نے ترشی سے اس کی بات کاٹ دی۔

”ابھی بھی ہمیں انڈراشینڈنگ ڈویلپ کرنے کی ضرورت ہے؟ ابھی بھی ہمیں ایک دوسرے کے بارے میں کچھ سوچنا، کچھ جانا، کچھ سمجھنا ہے؟“ وہ بے یقینی سے ہارون کو دیکھ رہی تھی۔

”کیا ہے جو آپ میرے بارے میں نہیں جانتے اور میں آپ کے بارے میں، پھر بھی آپ کو مجھے اپنانے میں ہچکچاہٹ

ہے۔“

”شادی بچوں کا کھیل نہیں ہے۔“

امبر نے اس کی بات کاٹی۔ ”تو پھر محبت کو بھی بچوں کا کھیل مت بنائیں۔ مجھ سے محبت کا اظہار کرنے کے لیے تب آئیں جب آپ مجھے اپنا نام دے سکیں۔“

”تم اتنی ضد کیوں کر رہی ہو؟“ ہارون بے اختیار جھنجھلایا۔ آج وہ پہلی بار اسے کچھ بھی سمجھانے یا پھر دوسرے الفاظ میں اس کی ضد سے ہٹانے میں ناکام ہو رہا تھا اور یہ ناکامی اس کی جھنجھلاہٹ میں اضافہ کر رہی تھی۔

”کیا تمہیں مجھ پر اعتبار نہیں رہا؟“

”مجھے کسی پر بھی اعتبار نہیں ہے۔ آپ پر کرنے کی کوشش کر رہی ہوں، ہو گا یا نہیں یہ میں نہیں جانتی۔“ امبر نے سر جھکتے ہوئے کہا۔

”صنف نے تمہیں.....“ ہارون نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

امبر نے ترشی سے اس کی بات کاٹ دی۔ ”صنف کے بارے میں کچھ مت کہیں۔ اس نے مجھ سے کوئی غلط بات نہیں کہا۔ نہ اس نے، نہ می نے۔ میرے باپ نے رخشی سے محبت کی تھی تو انھوں نے کسی چیز کو خاطر میں لائے بغیر اس سے شادی کر لی تھی۔ انھوں نے تو رخشی کو یہ سارے پتھر نہیں دیے تھے جو آپ مجھے دے رہے ہیں۔“

وہ اب ایک عجیب سا موازنہ ہارون کے سامنے پیش کر رہی تھی۔

”میں وہ غلطیاں دہرانا نہیں چاہتا جو منصور نے کی تھیں۔“ ہارون نے اس کی بات کا جواب دیا۔

”یعنی آپ مجھ سے شادی کی غلطی نہیں کریں گے؟“ امبر عجیب سے انداز میں مسکرائی۔ ہارون کہہ کر ہچکچاتا۔

”میں تم لوگوں کے ساتھ منصور کے سلوک کی بات کر رہا ہوں۔“ اس نے بروقت بات سنبھالی۔

”یعنی آپ اپنی فیملی کو کسی صورت نہیں چھوڑیں گے؟“ امبر بڑبڑائی۔

”ٹھیک ہے، مت چھوڑیں۔ میں یہ چاہتی بھی نہیں کہ آپ اپنی بیوی کو طلاق دے دیں۔ میں وہ سب کچھ دہرانا نہیں چاہتی جو پاپا نے ہمارے ساتھ کیا۔“ وہ اب بڑبڑا رہی تھی۔

”مگر میں آج کے بعد دوبارہ آپ کی گاڑی میں تب بیٹھوں گی جب آپ مجھ سے شادی کے لیے تیار ہوں گے۔“

ہارون نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

”سرا! میں اندر آ سکتا ہوں؟“ شہیر نے دروازہ کھول کر سی ای سے پوچھا۔ معراج ظفر نے چونک کر اسے دیکھا۔ اس کے چہرے پر کچھ ناگواری سی در آئی۔

”ہاں آؤ۔“ انھوں نے اپنے سامنے پڑی ایک فائل بند کرتے ہوئے کہا۔

”تھیک یو۔“ شہیر نے کہا۔

”بیٹھو۔“ معراج ظفر نے اپنے آفس ٹیبل کے دوسری طرف پڑی کرسی پر اسے بیٹھنے کے لیے کہا، وہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

”ہاں کب، کس لیے آئے ہو؟“

شہیر کو ان کا لہجہ کچھ عجیب سا لگا۔ ان کے لہجے میں عجیب سی سرد مہری تھی۔ اس سے پہلے جب بھی وہ اس سے ملنے رہے تھے ان کا رویہ بہت اچھا ہوتا تھا نہ صرف یہ بلکہ وہ فوٹو فوٹا شہیر کے کام کی تعریف بھی کرتے تھے اور اب ایک دم ان کے لہجے میں آنے والی تبدیلی حیران کن تھی۔ خاص طور پر اس صورت میں کہ ان کے کہنے پر سی ای اس کی تنخواہ میں غیر معمولی اضافہ کیا گیا تھا اور پردوشن دی گئی تھی ان کے لہجے کی سرد مہری۔ شہیر نے اسے اپنا وہم سمجھا۔

”میں آپ کا شکریہ ادا کرنے کے لیے آیا ہوں۔“ شہیر نے بات کا آغاز کیا۔

”کس بات کے لیے؟“ سرد مہری برقرار تھی۔

”آپ نے میری پردوشن.....“ وہ بات تھم لیں کر سکا معراج ظفر سے بڑی رکھائی کے ساتھ اس کی بات کاٹی۔

”ہاں ٹھیک ہے، پردوشن ہو گئی تمہاری اور کچھ؟“ شہیر چند لمحے کچھ بول نہیں سکا۔ ان کا انداز ایسا قطعاً نہیں تھا کہ وہ اپنے اس ملازم سے بات کر رہے ہوں جسے انھوں نے ایک دن پہلے ہی پردوشن دی ہو۔

”اور میں پے کے دلے۔“ شہیر نے ایک بار پھر کچھ کہنے کی کوشش کی مگر ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی گئی۔

”میں نے کہا نا ٹھیک ہے..... اگر تم صرف اسی کام کے لیے آئے ہو تو جانتے ہو، میں معصوف ہوں۔“

انھوں نے دوبارہ فائل کھولتے ہوئے کہا۔ ان کا لہجہ تنگ آئیز تھا۔ شہیر کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ وہ جب سے یہاں جا بکر رہا تھا یہ سبلا اتفاق تھا کہ معراج ظفر نے اس سے اس طرح بات کی ہو۔ ان کے لہجے میں صرف رکھائی یا سرد مہری نہیں تھی، تڑپتی اور تپتی بھی اور توجین بھی۔

شہیر اٹھے ہوئے ذہن کے ساتھ آفس سے باہر نکل آیا۔ اس کے پردوشن کی اطلاع پورے آفس میں پھیل چکی تھی اور وہ سارا دن مبارکبادی وصول کرتا رہا مگر اس کے باوجود اس کا ذہن الجھا ہوا تھا، وہ خوش نہیں تھا۔ کہیں نہ کہیں کچھ غلط تھا اور جو کچھ غلط تھا وہ بہت دیر تک راز میں نہیں رہا تھا۔ وہ چھٹی کے بعد اپنے آفس کی بلڈنگ سے باہر نکل کر اسٹاپ کی طرف جا رہا تھا جب ایک گاڑی ایک دم اس کے قریب آ کر رکی۔

”ہیلو شہیر!“ ایک مانوس سی آواز نے اس کے قدم روک دیے۔ وہ ٹھٹھک کر رک گیا۔ اس نے جھک کر دیکھا، وہ شائستہ بارون کمال تھی۔

ناگواری کی ایک لہری شہیر کے وجود سے گزری۔

شائستہ نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ ”آؤ میں ڈراپ کر دیتی ہوں۔“

”نہیں، میں چلا جاؤں گا۔“ اس نے شائستگی سے انکار کیا۔

”جانتی ہوں، تم چلے جاؤ گے مگر میں تمہیں خود ڈراپ کرنا چاہتی ہوں۔ آ جاؤ کم آن۔“ اس کا لہجہ عجیب پکارتے والا تھا۔

شہیر کو عجیب سی ہنک کا احساس ہوا۔ اسٹاپ پر اس کے آفس کے اور لوگ بھی جمع ہو رہے تھے اور ان میں سے کچھ اس کی طرف متوجہ بھی تھے۔ شہیر کو محسوس ہوا کہ اس کے دونوں انکار کے بعد بھی شائستہ شاید وہاں سے نہ جائے گی اور یہ تھا شائستہ نے والی بات تھی۔

تقریباً دانت چیتے ہوئے وہ گاڑی کے کھلے دروازے سے ڈرائیونگ سیٹ کے برابر والی سیٹ پر بیٹھ گیا۔



شائستہ نے مسکراتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔ "کیسے ہوتی ہے؟"

"میں ٹھیک ہوں۔" شہیر نے شائستہ کی طرف دیکھے بغیر دبا کرین سے باہر دیکھتے ہوئے کہا۔

"That's good"۔ شائستہ نے اس کے کندھے پر اپنے ہاتھ سے ہلکی سی جھگی دی۔ شہیر کا جسم تن گیا۔ اس کا

دل چاہتا تھا وہ پوری قوت سے اس کے ہاتھ کو جھٹک دے مگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تھا۔ اس کے ذہن میں صند کے گھر میں ہونیوالی امیر، ہارون اور نینزو کی کھٹکوں کو بھری تھی۔

وہ امیر اور ہارون کے ممکنہ تعلق کے بارے میں سوچ رہا تھا اور وہ شائستہ کو بھی اسی روشنی میں دیکھ رہا تھا۔ اگر اس کا شوہر اپنے سے آدمی عمر کی لڑکی کے ساتھ فلٹ کرنے میں مصروف تھا، اس بات کا لحاظ کیے بغیر کہ وہ لڑکی اس کے فیملی فرینڈ کی بیٹی تھی، تو شائستہ کمال بھی اس کے نزدیک اسی کوشش میں مصروف تھی۔ اس بات کی پروا کیے بغیر کہ وہ اپنے سے آدمی عمر کے مرد کے ساتھ اٹھ چلانے کی کوشش کر رہی تھی۔ وہ اس کی بیٹی کے دوست کا بھائی تھا اور اس کے شوہر سے بھی مل چکا تھا۔ شہیر دل ہی دل میں اس وقت بری طرح بیچ و تاب کھا رہا تھا۔

"تمہاری طبیعت ٹھیک ہے؟" شائستہ نے اس کے چہرے کے تاثرات سے اس کی ولی کیفیات کو بوجھنے کی پہلی کوشش کی۔

"ہاں، میری طبیعت ٹھیک ہے۔" شہیر نے اسی بے رخی سے جواب دیا۔

"آپ نے خواہنا اور زہمت کی مجھے پک کرنے کی۔ آپ مجھے اگلے اسٹاپ پر اتار دیں، میں چلا جاؤں گا۔"

"خیر ایسے تو ہم آپ کو نہیں اتاریں گے۔" شائستہ نے اس بار جیسی ہی ہنسی کے ساتھ کہا۔

شہیر کو اس کی ہنسی کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی مگر اس کے اشتعال میں کچھ اور اضافہ ہوا۔

"جواب اور اسٹڈیز کے علاوہ کیا مشاغل ہوتے ہیں تمہارے؟" شائستہ نے اس بار موضوع تبدیل کرتے ہوئے پوچھا۔

"کوئی زیادہ مشاغل نہیں ہیں، میں کچھ نیوشنز کرتا ہوں یا پھر گھر پر ہی ہوتا ہوں۔" شہیر نے بادل نخواستہ جواب دیتے

ہوئے کہا۔

"یہ تو کوئی اچھی بات نہیں ہے، کچھ مشاغل تو ہونے چاہئیں۔ زندگی صرف کام کے لیے تو نہیں ہوتی۔" وہ جیسے

بڑبڑائی۔ "تمہارے پاس کسی کلب کی ممبر شپ ہونی چاہیے مگر کرتی ہوں کچھ۔" شہیر نے حیرانی سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے

اس کی بات کاٹی۔

"مجھے کسی کلب کا ممبر بننے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ کیونکہ میں جس کلاس سے تعلق رکھتا ہوں وہاں ہم اس طرح کے

چونچلے انورڈ نہیں کر سکتے۔"

اس بار اس نے بڑے صاف اور دونوک انداز میں شائستہ کو جتا رہا تھا۔

"ابھی انورڈ نہیں کر سکتے..... آنے والے وقت میں کرنے لگو گے۔" شائستہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"آنے والے وقت میں کیا ہوگا یہ مستقبل ہی بتائے گا۔ میں حال میں بیٹھ کر مستقبل میں گھوڑے نہیں دوڑاتا۔ اس کے

لبجے میں اس بار کچھ ترشی تھی۔

شائستہ مسکرا دی۔ وہ جب بھی اسے دیکھتی تھی اس کے چہرے سے نظریں ہٹا نہیں پاتی تھی۔ وہ ہارون کمال کی کاپی تھا مگر

ایک بہتر کاپی۔

"حال میں جیتے ہو، اچھا کرتے ہو۔" شائستہ نے اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔ ایم بی اے کے بعد کیا کرو گے؟" اس

نے ایک بار پھر موضوع بدل دیا۔

"دہی کروں گا جواب کر رہا ہوں....." شہیر نے جواب دیا۔

"اور جواب بھی یہیں کرو گے جہاں اب کر رہے ہو؟" شائستہ نے سوال کیا۔

"ہاں نہیں، میں نے ابھی طے نہیں کیا۔" شہیر نے کہا۔

”میرے پاس تمہارے لیے ایک بہترین آفر ہے۔“ شائستہ نے ایک دم اس سے کہا۔ وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔ وہ گلوز کپارٹمنٹ کھولتے ہوئے اس میں سے ایک کارڈ نکال کر اس کی طرف بڑھا رہی تھی۔

”یہ میرا ڈیزائننگ کارڈ ہے۔“

شہیر نے کارڈ پکارتے ہوئے اچھے ہوئے انداز میں کارڈ پر ایک نظر دوڑائی۔

”ہماری فیکٹری میں کچھ نئی اسامیاں نکلنے والی ہیں تم اگر ہمارے پاس آ جاؤ تو ہم تمہیں بہت اچھا پیکیج دیں گے۔“

شہیر نے سر اٹھا کر شائستہ کو دیکھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

”گاڑی، گھر، میڈیکل..... سب کچھ۔“ شہیر کارڈ ہاتھ میں لیے اسے دیکھتا رہا۔

بلاشبہ ہارون کمال کی وہ فیکٹری اس شہر کی سب سے بڑی فیکٹریز میں سے ایک تھی اور وہاں جاب مل جانے کا مطلب کیا ہو سکتا تھا، یہ شہیر اچھی طرح جانتا تھا۔ مگر مسئلہ یہ تھا کہ اسے یہ آفر وہ عورت کر رہی تھی جسے وہ بے حد ناپسند کرتا تھا۔

”نہیں، میں نہیں سمجھتا کہ میں اتنی جلدی اپنی جاب چھوڑوں گا۔ ابھی کچھ سال میں سب سے کام کروں گا۔ آپ یہ کارڈ رکھیں۔“

شہیر کے انکار نے شائستہ کے چہرے کی مسکراہٹ بھجادی۔

”تم کارڈ اپنے پاس ہی رکھو، میری آفر کے بارے میں بعد میں سوچنا۔“ شہیر نے جواب دینے کے بجائے اپنا والٹ نکال کر کارڈ اس میں رکھ لیا۔ شائستہ کے ساتھ کارڈ کو رکھنے یا نہ رکھنے کے بارے میں بحث بے کار تھی۔

شائستہ کچھ دیر خاموشی سے گاڑی ڈرائیو کرتی رہی۔ شہیر خاموشی سے دغڑا سکرین سے باہر جھانکتا رہا۔ وہ جلد از جلد گھر پہنچ جانے کی دعا کر رہا تھا اور وہ دتنا فونٹا اپنے اوپر پڑنے والی شائستہ کی نظروں سے بھی آگاہ تھا۔ کچھ دیر کے بعد شائستہ نے ایک گہرا سانس لیا اور خاموشی توڑی۔

”تمہیں پتا ہے، تمہیں دیکھ کر مجھے کوئی بہت یاد آتا ہے۔“

شہیر نے گردن موڑ کر اسے دیکھا۔ فوری طور پر اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس سے کیا سوال کرے۔ کیا یہ پوچھے کہ کون یا پھر خاموش رہے۔

شائستہ ایک بار پھر خاموش ہو کر گاڑی ڈرائیو کرنے لگی۔ شہیر نے بھی خاموش رہنا بہتر سمجھا۔

”تم نے پوچھا نہیں کون؟“ اس نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد خود ہی شہیر سے پوچھا۔

اس بار شہیر کے پاس کوئی جائے فرار نہیں تھی۔

”کون؟“ اس نے بادل خواستہ اس سے پوچھا۔

شائستہ نے اپنے گلاسز اتار دیے۔ شہیر نے دیکھا اس کی آنکھیں بھیگی ہوئی ہیں۔ اس کا دل یک دم نرم ہوا۔ کچھ دیر پہلے کی ترشی اور تھکی منٹوں میں غائب ہو گئی۔ وہ ہمدردانہ نظروں سے شائستہ کو دیکھتے ہوئے جواب کا شکر تھا۔ وہ ڈیش بورڈ پر پڑے نشو باکس سے ایک ٹشو نکالتے ہوئے اپنی آنکھیں اس سے خشک کر رہی تھی۔

”کون یاد آتا ہے آپ کو؟“ شہیر نے ایک بار پھر پوچھا۔

”میرا بیٹا۔“ شہیر کچھ بول نہ سکا۔

☆☆☆

”اس طرح کیوں گھور رہے ہو مجھے؟“ نایاب، شمر کے فون کرنے پر کچھ دیر پہلے ہی امین سی اے پہنچی تھی اور اب اس سے پوچھ رہی تھی۔

”ناياب! یہ ٹھیک نہیں ہے۔“ شمر نے بے حد سنجیدگی سے اس سے کہا۔

”کیا ٹھیک نہیں ہے؟“ وہ حیران ہوئی۔

”تم اچھی طرح جانتی ہو کہ کیا ٹھیک نہیں ہے۔“

”I Swear میں نہیں جانتی تم کیا کہہ رہے ہو۔“

”مجھے فیس کے لیے رقم کی ضرورت نہیں تھی۔ میری امی نے مجھے رقم دے دی ہے پھر تم نے میری فیس کیوں جمع کروائی؟“ وہ بے حد ناراض تھا۔ نایاب نے بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھا۔

”تم کیا کہہ رہے ہو؟“

”اتنا معصوم بننے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”شر! میں نے تمہاری فیس جمع نہیں کروائی۔“

”جھوٹ مت بولو۔“

”میں نے کروائی ہوتی تو میں تمہیں بتا دیتی۔ میں واقعی سچ کہہ رہی ہوں، میں نے تمہاری فیس جمع نہیں کروائی۔“

”نایاب! کافی مذاق ہو چکا ہے۔ اب مجھے صرف اپنا اکاؤنٹ نمبر بتاؤ تاکہ میں فیس کی رقم تمہارے اکاؤنٹ میں جمع

کرا دوں۔“ شراب بھی سنجیدہ تھا۔

”میری سمجھ میں نہیں آ رہا شر! کہ تم میری بات پر یقین کیوں نہیں کر رہے۔ جب میں کہہ رہی ہوں کہ میں نے تمہاری

فیس جمع نہیں کروائی تو پھر تم یقین کر لو کہ میں نے جمع نہیں کروائی..... البتہ میں ایسا کرنے کا سوچ ضرور رہی تھی۔“ نایاب اس بار

کچھ جھنجھلا کر بولی تھی۔

شر بے یقینی سے اسے دیکھتا رہا۔

”اگر یہ مذاق ہے تو بہت بھونڈا مذاق ہے۔“ اس نے بالآخر کہا۔

”یہ مذاق نہیں ہے۔ میں واقعی سچ کہہ رہی ہوں۔ مجھے خود بھی یہ جان کر حیرانی ہو رہی ہے کہ کسی نے تمہاری فیس جمع

کروائی ہے۔ کہیں کسی اور لڑکی کے ساتھ بھی تو چکر نہیں چل رہا تمہارا؟“

شر اسی طرح الجھی ہوئی نظروں سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

”ویسے میرا ذاتی خیال ہے کہ تمہیں خود بھی کوئی غلط فہمی ہوئی ہے۔ ایک بار پھر آفس سے چیک کرو۔“ نایاب نے بھی

سنجیدہ ہوتے ہوئے کہا۔

شر نے کچھ کہنے کے بجائے اس کی آنکھوں کے سامنے کچھ رسیدیں کر دیں۔

نایاب کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

نایاب نے سرائی کر قدرے الجھی ہوئی نظروں سے شر کو دیکھا۔ وہ بے حد سنجیدہ تھی۔

”یقین کرو میں نے تمہاری فیس جمع نہیں کروائی۔“

”یہ رسیدیں کس نے دیں؟“

”ڈاک سے گھر پر آئی ہیں اور میرے گھر کے ایڈریس کا بھی تمہیں ہی پتا ہے۔“ شر کو اب بھی اس کی بات پر یقین نہیں

آ رہا تھا۔

”جو تمہارے لیے حاتم طائی بن سکتا ہے اور آنکھیں بند کر کے یوں روپے خرچ کر سکتا ہے، وہ شر لاک ہومز بن کر تمہارا

ایڈریس حاصل نہیں کر سکتا؟“ نایاب نے کہا۔

”میں سیریس ہوں نایاب!“

”میں بھی مذاق نہیں کر رہی۔ مجھے خود بھی حیرانی ہو رہی ہے کہ میرے علاوہ ایک دم تمہارا ایسا کون سا ہمدرد پیدا ہو گیا

ہے۔ کس کو تمہارے این سی اے میں آنے سے دلچسپی ہو سکتی ہے۔ کسی اور لڑکی کے ساتھ بھی دوستی ہے تمہاری؟“ نایاب اب اس

سارے معاملے کو کسی اور رنگ میں دیکھ رہی تھی۔

مٹرنے نایاب کے تاثرات کو دیکھا اور وہ مزید الجھ گیا۔ اگر وہ نایاب کا کام نہیں تھا تو پھر کس کا کام تھا۔ کون ایسا خیر خواہ پیدا ہو گیا تھا، جو اس میں اس حد تک دلچسپی رکھتا تھا کہ اس کے نقلی اخراجات اٹھا رہا تھا۔

”انتا پریشان ہونے کی کیا ضرورت ہے؟“ نایاب نے اسے پریشان دیکھ کر کہا۔ ”بہت جلد تمہیں پتا چل ہی جائے گا یہ فور کس نے کیا ہے۔ ظاہر ہے وہ ہمیشہ تو اپنے آپ کو چھپائے نہیں رکھے گا، اور پھر اس فور کا بھی کوئی نہ کوئی مقصد ہوگا۔“ نایاب نے اس کے بازو کو آہستہ سے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

”خیر.....! میں کسی کے لیے کیا کر سکتا ہوں۔“ مٹرنے ان رسیدوں کو دوبارہ والٹ میں ڈال کر اسے جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

”کسی اور کا تو مجھے پتہ نہیں مگر میرے لیے بہت کچھ کر سکتے ہو تم۔“ نایاب نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

”مثلاً۔“ مٹرنے ابروا چکاتے ہوئے پوچھا۔

”مثلاً مجھے کینٹین لے جاسکتے ہو۔“ نایاب نے اطمینان سے کہا۔

”کس خوشی میں؟“ مٹرنے معنوی سنجیدگی سے کہا۔

”این سی اے میں ایک روپیہ خرچ کیے بغیر داخل ہونے سے بڑی خوشی کوئی ہو سکتی ہے؟“

”اب تم پورے کانچ کو بتا دینا تاکہ پہلے دن ہی میرے تھمے پر بھکاری کا لیبل لگ جائے۔“ مٹرنے معنوی ناراضی سے کہا۔

”پہلے لگا کیا؟“ نایاب نے اٹختے ہوئے کہا۔

مٹرنے رک کر اسے دیکھا پھر انگلی اٹھا کر کہنے لگا۔ ”تم امیر لڑکیوں کا ایک پرابلم.....“

نایاب نے اس کی بات بڑے اطمینان سے کاٹی۔ ”ہم امیر لڑکیوں کے ایک نہیں بہت سے پرابلم ہوتے ہیں غریب لڑکے! کسی دن فرصت میں بیٹھ کر تفصیل سے ڈسکس کریں گے۔ اب کینٹین چلیں؟“

”میں کچھ نہیں کھلاؤں گا۔“ مٹرنے جیسے دھمکی دی۔

”کھامس خود لوں گی۔ تم صرف پیسے ادا کر دینا۔ اب چلو۔“

نایاب نے کمال بے تکلفی سے اس کا کندھا پکڑ کر اسے تقریباً کھینٹا، مٹر مسکراتے ہوئے اس کے ساتھ چلنے لگا۔

”میں ایک بات سوچ رہی ہوں مٹر!“ اس کے ساتھ چلنے چلنے نایاب نے اچانک کہا۔

”کیا؟“

”کسی دن اپنے گھر انوائٹ کرو مجھے۔“

مٹر کے ہاتھوں کے طوطے یک دم اڑ گئے۔

☆☆☆

”آپ کا چنا؟“ شہیر نے کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد کہا۔ اسے شائستہ کی بات پر جھکا لگا۔ اسے شائستہ کے منہ سے ایسی کوئی بات سننے کی توقع نہیں تھی۔ شائستہ کے بارے میں اس کی رائے میں ایک دم تبدیلی آئی۔

”آخرو کوئی عورت اسے چنا سمجھتے ہوئے تو اس سے فلرٹ کی کوشش نہیں کر سکتی۔“ اس نے یک دم اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کیا اور اب وہ شائستہ کی کہانی سننے کے لیے تیار تھا۔

”ہاں میرا بیٹا۔“ شائستہ نے ایک گہرا سانس لیا۔

”کیا اس کا انتقال ہو چکا ہے؟“ شہیر کو اندازہ نہیں ہوا، اس کی زبان سے یہ سوال کیوں نکلا۔

”خدا نہ کرے۔“ شائستہ نے بے اختیار کہا۔

شہیر کو شرمندگی ہوئی۔ شائستہ اب اپنے آپ پر قابو پا چکی تھی۔

”آئی ایم سوری! میں نے سوچا شاید.....“ شبیر کی کبھی میں نہیں آیا کہ وہ بات کیسے مکمل کرے۔ اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔ شائستہ تب تک خود پر قابو پا چکی تھی۔ اس نے نشو سے ایک بار پھر اپنی آنکھوں کو تھپتھپایا اور پھر ایک گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”مجھے یقین ہے کہ میرا بیٹا زندہ ہے۔“ شبیر اس کے جملے پر ایک بار پھر الجھا، وہ اپنے بیٹے کے بارے میں بات کر رہی تھی اور وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ زندہ ہے یا.....  
اسے حیرانی ہوئی تو کیا اب وہ اس سے اپنے کسی گمشدہ بیٹے کی بات کرے گی؟ شبیر نے کچھ حیرانی سے اس کا چہرہ

دیکھا۔ ”کیا امیر لوگوں کے بچے گم ہو سکتے ہیں؟“ اس کے ذہن نے جیسے ایک سوال کیا۔

وہ اس کے چہرے کو پڑھنے کی کوشش میں مصروف تھا اور یہی کوشش شائستہ بھی وقتاً فوقتاً کر رہی تھی۔

”میں آپ کی بات نہیں سمجھا۔ آپ کا بیٹا.....“ شبیر نے بلاخر کہا۔ ”آپ کو یہ علم نہیں ہے کہ آپ کا بیٹا زندہ ہے یا نہیں۔ کیا وہ آپ کے پاس نہیں رہتا؟“

اس بار شبیر نے بڑے محتاط انداز میں لفظوں کا انتخاب کیا تھا۔

”نہیں..... وہ میرے پاس نہیں ہے۔“ شائستہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے بولی۔ ”میں تو اسے دیکھنے کے لیے ترس گئی

ہوں۔“

شبیر نے شائستہ کی آنکھوں میں ایک بار پھر آنسو آتے ہوئے دیکھے۔

اس کا دل کچھ اور سوجھا۔ شائستہ ایک بار پھر نشو..... سے اپنی آنکھیں خشک کر رہی تھی۔ شبیر کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس بار شائستہ سے کیا کہے۔ اس کی آنکھوں کے سامنے ایک جھماکے سے صغذ آئی تھی۔ وہ پہلی لڑکی تھی، جسے اس نے اپنے سامنے روتے دیکھا تھا اور اب شائستہ آج دوسری عورت تھی۔

اگرچہ اس نے صغذ کو چپ کر دانے میں بھی وقت محسوس کی تھی مگر شائستہ کے لیے وہ جس طرح کے احساسات کا شکار ہو رہا تھا۔ وہ اسے بہت بے چمن کر رہے تھے۔ اس کا دل چاہنے لگا کہ وہ بھاگ کر گاڑی سے اتر جائے۔

شائستہ اب گاڑی کو مین روڈ سے بائی روڈ پر لارہی تھی اور بائی روڈ پر گاڑی لاتے ہی اس نے سڑک کے کنارے گاڑی روک دی۔ پھر معذرت خواہانہ انداز میں شبیر کو دیکھتے ہوئے بولی۔

”میں اس حالت میں گاڑی ڈرائیو نہیں کر پاؤں گی۔“ شائستہ نے اسٹیئرنگ سے اپنے ہاتھ ہٹاتے ہوئے کہا۔

”آج بہت عرصے کے بعد میں کسی ایسے شخص سے اپنے بیٹے کا ذکر کر رہی ہوں، جسے میں جانتی نہیں۔ عجیب بات ہے نا؟“ اس نے جیسے بڑبڑاتے ہوئے شبیر سے کہا۔ ایک بار پھر شبیر کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس کے اس سوال کا کیا جواب دے۔

”مگر مجھے تم سے اتنی انیٹ محسوس ہوتی ہے کہ میں نہ چاہتے ہوئے بھی تم سے اس موضوع پر بات کرنا چاہتی ہوں۔“ شائستہ نے جیسے وضاحت کی۔ شبیر اس کا چہرہ دیکھتا رہا وہ اب مزید کچھ انکشافات کا منتظر تھا۔

”میں تمہارا وقت تو ضائع نہیں کر رہی؟“ شائستہ نے یک دم کہا۔ شبیر کا دل چاہا کہ وہ ہاں میں جواب دے آخر اسے شائستہ اور شائستہ کے بیٹے کے بارے میں جان کر کرنا کیا تھا۔ اس کا شائستہ سے کوئی تعلق نہیں تھا، مگر وہ یہ کہہ نہیں سکتا تھا۔

”نہیں۔“ اپنے چہرے پر بمشکل ایک مسکراہٹ لاتے ہوئے اس نے کہا۔

”آپ بات کریں، میں سن رہا ہوں۔“ اس کی آواز مدہم تھی اور اس نے کوشش کی تھی کہ اس کے لہجے سے بیزاری نہ

جھلکے۔

”کئی سال پہلے میرے سب سے بڑے بیٹے کو کینک سے کسی نے اغوا کر لیا تھا۔“ شائستہ نے کچھ دیر خاموش رہنے کے

بعد کہا شروع کیا۔ وہ بے حد سنجیدہ اور طول نظر آ رہی تھی۔

”اس وقت وہ صرف چند گھنٹے کا تھا۔“

”آپ کا مطلب ہے پیدائش کے فوراً بعد.....؟“ شہیر نے بے یقینی سے کہا۔

”ہاں۔“ شائستہ نے گھست خوردہ انداز میں بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ شہیر اب پلکیں جھپکائے بغیر اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔

”میں نے اور ہارون نے اسے ڈھونڈنے کی بہت کوشش کی، مگر وہ نہیں ملا۔“ شائستہ نے ایک گہری سانس لی۔ ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں آنسو جھکنے لگے۔

”آپ پولیس کی مدد لیں۔“ شہیر نے کہا۔

”ہم نے پولیس کی مدد لی تھی مگر پولیس بھی اسے تلاش کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکی۔“ شائستہ افسروں سے بولی۔

”وہ صرف اتنا پتا چلا سکے کہ اس رات ایک لڑکی کو رات کے پچھلے پہر ایک بچہ کلیک سے لے جاتے دیکھا گیا۔ چونکہ دار نے اسے یہ سمجھ کر نہیں روکا کہ وہاں اینٹ ہے مگر اسے حیرانی ضرور ہوئی تھی کہ رات کے پچھلے پہر وہ بالکل اکیلے اپنا بچہ لے آ کر اس طرح اپنے گھر جا رہی ہے۔“ شہیر چپ چاپ اس کی بات سن رہا تھا۔

”گیت سے نکلے ہوئے چونکہ دار نے اس سے پوچھا تھا مگر اس لڑکی نے کہا کہ وہ پاس ہی ایک گھر میں رہتی ہے اور وہ بچہ اس کی بہن کا ہے جو وہاں اینٹ ہے۔ وہ بچہ گھر لے جا رہی ہے۔“ چونکہ دار نے اس لڑکی کو دوبارہ آتے نہیں دیکھا اور اس کی سچائی مجھے پتا چلا کہ میرا بیٹا.....“

اس بار شائستہ نے بات اوجھری چھوڑتے ہوئے سسکیوں کے ساتھ رونا شروع کر دیا۔ اس بار شہیر کو اس کے رونے سے اتنی الجھن نہیں ہوئی، جتنی پہلے ہو رہی تھی وہ شائستہ کی کیفیت کا اندازہ لگا سکتا تھا۔

”آپ لوگ اس لڑکی کا حلیہ چونکہ دار سے پوچھ کر اسے تلاش کرنے کی کوشش کرواتے۔“ شہیر نے ہمدردانہ انداز میں کہا۔

”سب کچھ کروایا تھا ہم نے..... مجھے تو آج تک اس کے حلیے کی تفصیلات یاد ہیں جو اس چونکہ دار نے پولیس کو بتائی تھیں۔ چھوٹے سے قد کی بھدڑی اور موٹی سیاہ لڑکی۔ اس کے دانت ٹیڑھے میڑھے تھے اور اس کا دایاں بازو بائیں بازو اور بازو سے کسی معذوری کی وجہ سے مختلف لگتا تھا۔“ شائستہ ایک لمبے کے لیے رکی اور اس نے بہت غور سے شہیر کو دیکھا۔

”مجھے یہ سب کچھ سن کر واقعی بہت افسوس ہوا ہے۔“ شائستہ کو اس کے جملے نے مایوسی کیا۔ اسے تو قہقہے کی اس عورت کے حلیے پر شہیر کا ذہن فاطمہ کی طرف جانے لگا۔ مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔

”میں آپ کی ذہنی کیفیت کو سمجھ سکتا ہوں۔“ اس نے کہا۔

”کاش تم واقعی سمجھ سکتے۔“ شائستہ نے اس کی بات سنتے ہوئے مایوسی سے سوچا۔

”اتنے سالوں میں ایک بار بھی میرا بیٹا میرے ذہن سے فراموش نہیں ہوا۔“ شائستہ اس کے مزید کچھ کہنے سے پہلے بولی۔

”میں نے اسے بہت تھوڑی دیر کے لیے دیکھا تھا، مگر وہ آج بھی میرے ذہن میں اسی طرح محفوظ ہے۔“ شہیر بخود اس کی بات سن رہا تھا۔ شائستہ کے آنسو اب ختم چکے تھے۔

”تمہیں میں جب بھی دیکھتی ہوں، مجھے لگتا ہے میرا بیٹا میرے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا ہے۔“ شائستہ نے کہا۔ شہیر کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ آئی۔ وہ اسے کیا سمجھ رہی تھی اور وہ اسے کیا سمجھتا رہا تھا۔

”آج وہ میرے پاس ہوتا تو تمہاری ہی عمر کا ہوتا اور تمہاری ہی شکل و صورت کا..... تمہیں یہ جان کر حیرت ہوگی کہ تمہاری شکل میرے شوہر سے بہت ملتی ہے۔“ شہیر نے اس کے اس انکشاف پر کسی خاص رد عمل کا اظہار نہیں کیا۔ اسے خود بھی اپنے اور ہارون کے چہرے میں مماثلت محسوس ہوئی تھی، مگر اس کے نزدیک یہ صرف ایک اتفاق تھا۔

”پلی سی میں تمہیں دیکھتے ہی مجھے لگا، جیسے میرا بیٹا میرے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا ہے۔“ شائستہ نے بات جاری رکھتے

ہوئے کہا۔ شبیر کو یاد آیا پہلی بار شمر کے ساتھ پی سی میں جب ان لوگوں سے ملاقات ہوئی تھی تو شائستہ کی نظروں میں بہت الجھن تھی۔ اسے لگا تھا جیسے وہ اسے گھور رہی ہے اور پھر اس کے ساتھ ہونے والی ہر ملاقات پر وہ اسی طرح کے احساسات سے دوچار ہوا تھا۔

”میں نے کہا نامیں آپ کے جذبات کو سمجھ سکتا ہوں۔ دنیا میں اکثر ایسے اتفاقات بھی ہوتے ہیں کہ بہت سے لوگ آپس میں کوئی رشتہ نہ رکھتے ہوئے بھی ایک جیسے نظر آتے ہیں۔“ شبیر نے بے حد محل سے کہا۔

”ہوسکتا ہے چہرے کی یہ مماثلت محض ایک اتفاق ہو۔“ شائستہ نے اس کی بات کانتے ہوئے کہا۔

”مگر پہلی بار کسی کو دیکھ کر مجھے اپنا بیٹا اتنا یاد آتا ہے اور ایسا ہر بار ہوتا ہے۔ ہر بار تم میرے سامنے آتے ہو اور مجھے لگتا ہے کہ میں تمہیں نہیں اپنے جیسے کو دیکھ رہی ہوں۔“ شائستہ نے اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”حالانکہ میں جانتی ہوں کہ تم مجھے پسند نہیں کرتے۔“ شبیر اس بار اس کی بات پر چونکا، اس کے چونکنے پر شائستہ ہلکی سی اداسی سے مسکرائی۔

”تم ہمیشہ مجھ سے کتراتے ہو، مجھے نظر انداز کرتے ہو۔ میں بہت آسانی سے تمہارے رویے میں یہ سب کچھ محسوس کر سکتی ہوں۔“

”نہیں، ایسی کوئی بات نہیں۔“ شبیر نے وضاحت کرنا ضروری سمجھا۔

”میں دیے ہی ریز رو رہتا ہوں۔“ شائستہ نے اپنی رائے پر اس بار زور نہیں دیا۔ اس نے خاموشی سے گاڑی اشارت کر دی۔

شبیر نے جیسے خدا کا شکر ادا کیا۔

”تم نے میری آفر کے بارے میں اب کیا سوچا؟“ کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد ایک دم شائستہ نے کہا۔

”میں آفر کے بارے میں؟“ شبیر نے ایک بار پھر چونک کر کہا۔

”اس جا ب کے لیے جس کے بارے میں، میں نے تمہیں بتایا ہے۔“

”آپ کی فیکٹری۔“ شبیر دانستہ رکا۔

”ہاں۔“

”میں نے آپ سے کہا ہے کہ میں اپنی موجودہ جا ب سے بہت خوش ہوں۔“ شبیر رمانیت سے بولا۔

”میں ابھی کچھ سال یہیں کام کرنا چاہتا ہوں۔ اس کے بعد اگر میں نے جا ب چھوڑنے کا سوچا تو پھر میں آپ کی فیکٹری کے بارے میں سوچوں گا۔“ شبیر نے بے حد مہذب انداز میں کہا۔

”میری فیکٹری تمہیں بہت اچھا لگے آفر کرے گی۔“

”میری یہ کہنی بھی مجھے بہت اچھا لگے دے رہی ہے۔“ شبیر نے جواباً کہا۔

”بارہ ہزار کو تم اچھا لگے کہہ رہے ہو۔“ شائستہ نے بے حد حذر سے کہا۔ شبیر نے جیسے کرنٹ کھا کر شائستہ کو دیکھا۔

وہ اس کی تنخواہ کیسے جانتی تھی؟

”کیا ہوا؟“ شائستہ نے اس کے انداز میں آنے والی تبدیلی کو نوٹ کیا۔

”شبیر کو تمہی سلجھانے میں چند سیکنڈز لگے تھے اس کی تنخواہ میں اضافہ کس نے کروایا تھا، وہ جان گیا تھا۔“

☆☆☆

”ہارون سے تمہاری کیا بات ہوئی؟“ اس شام امبر کی واپسی کے ساتھ ہی صبغہ نے اس سے پوچھا۔ امبر کم از کم تین یا چار گھنٹوں کے بعد واپس آئی تھی اور واپس آنے کے بعد بہت مطمئن نظر آتی تھی۔

صبغہ کچھ دیر اندر کمرے میں لیٹی رہی تھی مگر وہ سو نہیں سکی تھی، اسے بار بار امبر کا خیال آ رہا تھا۔ کچھ دیر کے بعد وہ باہر صحن میں نکل آئی اور وہاں بیٹھنے لگی۔ میزہ کچن میں کھانا پکاتے ہوئے اسے صحن میں بیٹھتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ انھوں نے پہلے بھی کئی

باربند کو پریشان دیکھا تھا، مگر آج اس کی پریشانی جیسے اہتبا کو پہنچ رہی تھی۔

”وہ آ جائے گی۔ تم کیوں پریشان ہو رہی ہو؟“ میزہ نے صنف کو باہر نکل کر سمجھانے کی کوشش کی مگر صنف اسی طرح صحن میں ٹپکتی رہی تھی۔

”میں جانتی ہوں وہ آ جائے گی۔“ میزہ نے اس کو بڑبڑاتے سنا۔

”اسے آج اس لیے زیادہ دیر.....“ میزہ کا جملہ ادھورا رہ گیا۔ بیرونی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی تھی۔

”دیکھا وہ آگئی۔“ میزہ بے اختیار مسکرائیں اور اس نے جا کر دروازہ کھول دیا۔ امبر مسکراتے ہوئے اندر داخل ہوئی۔ اس کے چہرے کی مسکراہٹ نے صنف کا خون خشک کر دیا۔ اس کے خوشگوار موڈ کا مطلب کیا ہو سکتا تھا؟ وہ اس کا مطلب جانتی تھی۔ ”سوری، میں کچھ لٹ ہو گئی۔“ اس نے مسکراتے ہوئے باری باری دونوں کی طرف دیکھا اور اندر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ صنف اس کے پیچھے ہی کمرے میں چلی آئی۔

”تم نے ہارون سے کیا بات کی؟“ اس نے اندر آتے ہی امبر سے پوچھا۔ وہ اپنے بیڈ پر بیٹھی اپنے جوتے اتار رہی تھی۔

”کس چیز کے بارے میں؟“ امبر نے سراٹھا کر اسے دیکھتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔

”وہ کس چیز کے بارے میں بات کرنے تمہیں یہاں سے لے گیا تھا؟“ صنف جیسے زنج ہو کر بولی۔

”یہ ضروری نہیں ہے کہ میں تمہیں بھی اس کے بارے میں بتاؤں۔“ امبر کا لہجہ یک دم بہت روکھا ہو گیا۔ وہ اب اپنے بیک میں کچھ تلاش کرنے میں مصروف تھی۔

میزہ نے ان دونوں کے درمیان ہونے والی گفتگو صحن کے دروازے سے کمرے کے دروازے تک آتے آتے سن لی تھی۔ اس سے پہلے کہ صنف اپنا سوال دہرائی وہ کمرے میں داخل ہوئیں اور امبر سے بولیں۔

”ہارون کیا کہتا چاہتا تھا تم سے؟“

”وہ بہت سی باتیں کہتا چاہتا تھا۔“ اس بار امبر کے لہجے میں وہ رکھائی نہیں تھی۔ اس نے بیک میں کچھ تلاش کرنے کی کوشش بھی ترک کر دی اور اسے بند کر دیا۔

”تمہیں اسے بتانا تھا کہ آج کے بعد وہ اس گھر میں نہ آئے۔“ میزہ نے خاصی رکھائی سے کہا۔

”میں نے اس سے کہہ دیا ہے۔“ امبر بے حد اطمینان سے بولی۔

”پھر اس نے کیا کہا؟“

”وہ دوبارہ یہاں نہیں آئے گا۔“ میزہ نے اطمینان کا سانس لیا اور صنف کو دیکھا مگر صنف اسی طرح امبر کو گھور رہی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات میں رتی بھر تبدیلی نہیں آئی تھی۔

”صنف کبھی بات کا جتنکڑ بنانے کی عادت ہے۔“ میزہ نے اسے دیکھتے ہوئے دل ہی دل میں سوچا ”جب وہ کہہ رہی ہے کہ اس نے ہارون کو منع کر دیا ہے تو یقیناً اس نے ایسا ہی کیا ہوگا۔“

”تم نے بہت اچھا کیا ہے۔ مجھے تم سے ایسی ہی توقع تھی۔“ میزہ آگے بڑھ کر امبر کے پاس بیڈ پر بیٹھ گئیں۔

”ہارون جیسا آدمی اس قابل ہی نہیں ہے کہ وہ اس گھر میں آتا جاتا۔ یا تم سے ملتا۔“ میزہ کہنے لگیں امبر خاموشی سے کچھ سوچتے ہوئے ان کی باتیں سن رہی تھی۔ اس نے ہوں ہاں میں بھی کوئی جواب نہیں دیا۔

”اگر آئندہ تمہارا کہیں اس سے آنا سامنا ہو بھی، تب بھی تم اس سے بات مت کرنا اور نہ ہی اس سے ملنے کی کوشش کرنا۔“ میزہ نے مزید ہدایت دی۔ امبر اب بھی خاموش تھی۔ صنف کمرے کے وسط میں کھڑی امبر کے چہرے کو بدستور دیکھ رہی تھی۔

اس کے چہرے پر عجیب سا اطمینان تھا۔ صنف نے ایسا اطمینان پہلے صرف ایک بار اس کے چہرے پر دیکھا تھا۔ تب، جب ہارون نے کھینک میں آنا شروع کیا تھا اور امبر نے روز اس کا انتظار کرنا شروع کر دیا تھا۔

”میں اپنا برا بھلا جانتی ہوں می! میں چھوٹی بچی نہیں ہوں۔“ امبر نے بہت دیر بعد ہلا خرابی خاموشی کو توڑا۔



”میں جانتی ہوں کہ تم چھوٹی بچی نہیں ہو اور اپنا برا بھلا جانتی ہو۔ مگر دنیا بہت خراب ہے امبر! اور ہارون کمال جیسے لوگ۔۔۔“ امبر نے میزہ کی بات کاٹ دی۔

”آپ میرے سامنے صنف کی زبان میں بات نہ کیا کریں۔“ اس کا لہجہ اکھڑا تھا۔

”میں کبھی لوگوں کو پچھانتی ہوں۔ آنکھیں بند کر کے لوگوں سے نہیں ملتی۔“

”مگر ہارون جیسا آدمی۔۔۔۔۔“ امبر نے ایک بار پھر میزہ کی بات کاٹی۔

”ہارون اتنا برا بھی نہیں ہے جتنا آپ اسے سمجھتی ہیں۔“ میزہ چند لمبے کچھ بول نہیں سکیں۔ انھیں امبر کے منہ سے کم از کم اس وقت ہارون کی حمایت میں کچھ بھی کہنے کی توقع نہیں تھی۔ بے اختیار انھوں نے صنف کو دیکھا وہ اسی طرح کھڑی چھتی

ہوتی نظروں سے امبر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کے جملے نے کم از کم صنف کو حیران نہیں کیا تھا۔ وہ اس کے منہ سے کسی ایسے ہی جملے کی

توقع کر رہی تھی۔

”تم اب بھی اس آدمی کی حمایت کر رہی ہو، جس نے اپنی بیٹی کے لیے حصص چند لکھوں میں گاڑی سے اتار دیا۔“ میزہ

نے قدرے فٹے سے کہا۔

اس کی بات پر امبر اس بار خفا نہیں ہوئی۔

”اس نے مجھے صرف گاڑی سے اتارا تھا۔ زندگی سے نہیں نکالا تھا۔“ وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

”اور پھر اس نے معافی بھی مانگ لی ہے۔“ اس نے بڑے اطمینان سے کہا۔ ”صرف گاڑی سے اتار دینا تو ایسا جرم نہیں

ہے، جسے انسان معاف ہی نہ کر سکے۔ میں نے اسے معاف کر دیا ہے۔“

”اپنی بے عزتی کروا کر بھی۔۔۔۔۔“ امبر نے ایک بار پھر میزہ کی بات کاٹ دی۔

”میری بے عزتی میرا مسئلہ ہے اس سے آپ کا کوئی تعلق نہیں ہے۔“ وہ جھنجھلا کر بولی۔

”اور اگر میں نے ہارون کو معاف کر دیا ہے تو پھر آپ کو اس بارے میں کچھ نہیں کہنا چاہیے۔“

میزہ کا دل چاہا وہ اپنا سر پیٹ لیں۔ اس کے بارے میں صنف کے سارے قیاس اور خدشے صحیح ثابت ہو رہے تھے۔

”آخر حصص ہماری عزت کا کیوں خیال نہیں ہے۔“ میزہ کو یک دم اشتعال آیا۔

”تم کیوں اس آدمی سے ملنا نہیں چھوڑ سکتیں؟“

”کیونکہ میں اس آدمی سے محبت کرتی ہوں۔“ اس بار امبر نے کسی لحاظ کے بغیر کہا۔

”اور صرف میں ہی نہیں وہ بھی مجھ سے محبت کرتا ہے۔“

”تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے امبر!“ میزہ نے بے اختیار کہا۔

”اپنی اور اس کی عمر کا فرق دیکھو۔“

”یہ فرق پایا اور رخششی کی عمر سے زیادہ تو نہیں ہوگا۔“ امبر نے عجیب سے لہجے میں کہا۔

”اگر ان دونوں کو آپس میں محبت ہو سکتی ہے تو پھر مجھے ہارون سے کیوں نہیں۔“

”رخششی کو تمہارے باپ کے روپے سے محبت ہوئی تھی، اور تمہارے باپ کو رخششی کی خوبصورتی سے۔ دونوں کو ہوس تھی

محبت نہیں تھی۔“ میزہ نے جیسے جھلس کر کہا۔

”جب جو بھی ہو مگر حقیقت تو یہی ہے کہ وہ دونوں آج اکٹھے رہ رہے ہیں۔“ امبر کے لہجے میں عجیب سی کک تھی۔ اور پھر

اس نے گود میں رکھا ہوا اپنا بائیں ہاتھ پلٹ کر دیکھا۔ صنف اور میزہ نے اس کی نظروں کا تعاقب کیا۔

اس کے بائیں ہاتھ کی ایک انگلی میں ہیرے کی انگوٹھی چمک رہی تھی۔ ہیرا آنکھوں کو خیرہ اور عقلوں کو کند کرنے میں بے

مثال ہوتا ہے۔ انگوٹھی میں جب لگانے والا ہیرا بھی یہی کر رہا تھا۔

☆☆☆

”آپ نے میرے پاس سے بات کر کے میری پردوشن کروائی ہے؟“ شبیر نے بے حد خشک انداز میں شائستہ سے پوچھا۔ کچھ دیر پہلے اس کے اندر اٹھنے والی ہمدردی ایک دم غائب ہو گئی تھی۔

”میں تمہیں بتانا نہیں چاہتی تھی مگر.....“ شائستہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی، شبیر نے اس کی بات کاٹ دی۔

”مگر آپ کبھی نہ سمجھی تھی۔ مجھ پر یہ احسان ضرور جتا میں گی۔“

”تم کیسی باتیں کر رہے ہو شبیر؟“ شائستہ کو ایک عجیب سی جھنجھٹ کا احساس ہوا۔ وہ اس کا بیٹا تھا اور وہ اس کے فرزند کی طرح اس کا بھائی تھا۔ اور اس کے لہجے میں اس کے لیے کھردرا پن تھا۔

”میں ٹھیک کہہ رہا ہوں۔“ شبیر نے کہا۔ وہ اب اندازہ کر سکتا تھا کہ شائستہ نے معراج ظفر سے کس طرح اس کے انگریمنٹ اور پردوشن کی بات کی ہوگی اور کس طرح اسے یہ کام کرنے کے لیے مجبور کیا ہوگا، اور وہ یہ اندازہ بھی کر سکتا تھا کہ معراج نے اس کے اور شائستہ کے حوالے سے..... کیا کچھ نہیں سوچا ہوگا اور وہ لحوں میں ان کی نظروں سے گرا ہوگا اور ان تمام خیالات کا احساس شبیر کو مشتعل کر رہا تھا۔

”آپ ابھی اور اسی وقت گاڑی روک دیں۔“ اس نے بے حد ترشی سے کہتے ہوئے گاڑی کے ہینڈل پر ہاتھ رکھا۔

”شبیر! میری بات سنو..... میں.....“ شائستہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

”میں نے آپ سے کہا ہے گاڑی روکیں۔“ اس بار شبیر کا لہجہ پہلے سے زیادہ ترش اور اس کی آواز بہت بلند تھی۔

شائستہ نے نہ چاہتے ہوئے بھی گاڑی سڑک کے کنارے روک دی۔ گاڑی رکنے کے باوجود شبیر دروازہ کھول کر اتر نہیں سکا۔ شائستہ نے گاڑی کے دروازے کو لاک کیا ہوا تھا۔

”اسے کھولیں۔“ شبیر نے اپنی طرف سے دروازہ کھولنے پر ناکام رہنے پر کہا۔ اس کا لہجہ بدستور اکھڑا ہوا تھا۔

”شبیر! میں نے یہ سب کچھ صرف اس لیے.....“ شبیر نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی۔

”صرف اس لیے کیا ہے کیونکہ مجھے دیکھ کر آپ کو اپنا بیٹا یاد آتا ہے۔“ اس نے صاف صاف کہا۔

”اور اگر ایسا ہے تو یہ آپ کا تصور ہے میرا نہیں۔“ شائستہ نے اپنے ہونٹ سمجھنے لیے۔

”اس کا یہ مطلب قطعاً نہیں ہے کہ آپ مجھے پوری دنیا میں تماشا بنا کر رکھ دیں۔“

”میں تمہیں تماشا بناؤں گی؟“ شائستہ نے جیسے بے یقینی سے کہا۔

”تو آپ اور کیا کر رہی ہیں؟“ شبیر نے کہا۔ ”آپ کو احساس ہے کہ آپ کی اس فیور نے مجھے میرے آفس میں کس قدر شرمندہ کر کے رکھ دیا ہے۔“

”شبیر! تم“

”میں آپ کی بہت عزت کرتا ہوں۔“ شبیر نے شائستہ کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔

”کیونکہ آپ کی بیٹی میرے بھائی کی دوست ہے۔ مگر جو کچھ آپ کر رہی ہیں.....“

”میری نیت پر شہرت کر دو۔“ شائستہ نے لجاجت سے کہا۔

”تو کیا کروں۔ آپ یہ بات کیوں نہیں سمجھتیں کہ آپ کے ایک خیال کی بنیاد پر میں آپ کا بیٹا نہیں بن سکتا، اور نہ ہی

آپ کی فیور کی وجہ سے میرے اور آپ کے درمیان موجود آشنائی کسی رشتے میں تبدیل ہو سکتی ہے۔“ وہ بے حد بے رحمی سے کہنے لگا۔ شائستہ نے اپنے ہونٹ کاٹے۔ اس کا دل چاہا، وہ چیخ چیخ کر اس سے کہے کہ وہ اس کا بیٹا ہے، اور کسی تصدیق کے بغیر بھی ان کا یہ رشتہ ایسا ہی رہے گا۔

”میں دوبارہ آپ سے ملنا نہیں چاہتا۔ اب دروازہ کھول دیں ورنہ میں کھڑکی کا شیشہ توڑ دوں گا۔“ شائستہ نے ٹہن دبا کر دروازہ کھول دیا۔ شبیر ایک جھٹکے سے کچھ کہے بغیر گاڑی سے نکل گیا۔ شائستہ نے اس کی پشت کی طرف دیکھا۔ ایک آگ سے سر سے پاؤں تک اس کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔

وہ اس کا بیٹا تھا اور وہ کسی اور عورت اور کچھ مصنوعی رشتوں کی خاطر اس سے بدمعاش رہا تھا۔ اس سے نفرت کا اظہار کر رہا تھا۔ شائستہ ہارون کمال چنگی بجاتے ہی اپنی پسندیدہ چیز اپنی منہمی میں بند کر لینے کی عادی تھی اور اب اس کے سامنے اس کا بیٹا ستے سالوں بعد آیا تھا، اور اس سے بھاگ رہا تھا۔ اس نے پچھلے کئی سال اس کے بارے میں سوچ سوچ کر اپنی راتوں کی نیندیں خراب کی تھیں اور اب جب وہ اس کے سامنے آیا تھا تو۔

اس نے سڑک پر چلتے شہیر کو دیکھا۔ اس لئے گاڑی میں بیٹھے اس کو اس عورت اور اس گھر سے بے تماشائے نفرت محسوس ہوئی جس گھر میں شہیر ٹو بان سجا رہتا تھا۔

☆☆☆

”میں قسم کھاتا ہوں امی؟ مجھے نہیں پتا کہ یہ کس کا کام ہے؟“ شہر، فاطمہ کو یقین دلانے میں مصروف تھا۔

”میں نے کسی سے پیسے نہیں مانگے۔ نایاب نے مجھے مدد کی آفر کی تھی، مگر نایاب کے علاوہ کسی اور سے میری اس سلسلے میں بات نہیں ہوئی، اور پھر میں جانتا کتنے لوگوں کو ہوں کہ کوئی میرے لیے یوں لاکھوں خرچ کرتا پھرے گا۔“ فاطمہ ماتھے پر ہل لیے کچن کے کاموں میں مصروف رہی۔ اس نے شہر کی کسی بات کا جواب نہیں دیا تھا۔ شہر اس کے اس انداز سے بے حد زچ ہو رہا تھا۔

”امی! آخر میری بات پر اعتبار کیوں نہیں ہے آپ کو؟“ شہر نے بلّا خرچہ جھجھلا کر کہا۔

”کیونکہ تم جھوٹ بول رہے ہو۔“ اس بار برتن دھوتے ہوئے ایک دم فاطمہ نے پلٹ کر بے حد ناراضی سے کہا۔

”میں جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔“ شہر بے بسی سے بولا۔

”کم از کم میں واقعی کسی ایسے شخص کو نہیں جانتا جو میرے لیے.....“

”تم نے یہ روپے نایاب سے لیے ہیں؟“ فاطمہ نے اس کی بات کاٹ کر پوچھا۔ وہ نایاب سے اس کی دوستی کے بارے میں جانتی تھی۔ شہر نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔

”امی! اس نے مجھے صرف آفر کی تھی۔ یقین کریں اس نے میری فیس پے نہیں کی۔ آپ کو اگر یقین نہیں آتا تو پھر میں نایاب کو گھر لے آتا ہوں آپ خود اس سے پوچھ لیں۔“ وہ بھی جھنجھلا گیا تھا۔ وہ خواہ مخواہ میں اس کے لیے مصیبت بن گئی تھی۔

باہر نایاب منکوک ہو رہی تھی اور گھر میں فاطمہ، شہیر اور ثانیہ ناراض تھے۔

”آپ خود سوچیں، میں اتنا گیا گزارا ہوں کہ ہر ایک کے سامنے کھنگول لے کر بیٹھ جاؤں گا کہ آؤ بھائی میری مدد کرو۔ مجھے این سی اے میں ایڈمیشن دلوا دو۔“ وہ کہہ رہا تھا اور جو جو میری آواز سنے گا وہ بھاگتا آئے گا کہ میں حاضر ہوں تمہاری مدد کے لیے۔“

”مگر مدد تو کی ہے کسی نہ کسی نے تمہاری۔“ فاطمہ نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹی۔

”مگر اس کسی نے کسی کا مجھ کو پتا نہیں ہے امی..... اگر پتا ہوتا تو۔“ وہ بات کرتے کرتے رک گیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کہے۔ فاطمہ اسی طرح برتن دھور رہی تھی۔

”ہوسکتا ہے میرا بھی اچانک کوئی گاڈ فادر پیدا ہو گیا ہو، یا پھر کسی نے مجھے گود لینے کا فیصلہ کر لیا ہو۔“ جھنجھلاہٹ میں اس کی حس مزاح اور جاگ جاتی تھی۔ مگر اس کے منہ سے نکلے ہوئے اس جملے نے فاطمہ کو کچھ دیر کے لیے ساکت کر دیا تھا۔ مذاق میں کہے گئے ایک جملے نے ایک دم اس کے دل میں بہت سے خدشات کو جگا دیا۔

شہر اب بھی کچھ بول رہا تھا، اس نے فاطمہ کے ہاتھوں کی حرکت میں آنے والی تبدیلی کو دیکھا نہیں تھا یا پھر اس پر غور نہیں کیا تھا۔

”انہوں نے سوچا ہوگا جیم بچہ ہے، چلو اس پر کچھ مہربانی ہی کر دی جائے۔ اب انہیں کیا پتا تھا کہ اس مہربانی کی وجہ سے یہ جیم بچہ گھر اور باہر کتنا ذلیل ہوگا۔ آپ کو اب تو مجھ پر کچھ رحم آیا ہوگا۔ سوچیں میں.....“ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا۔ فاطمہ برتن چھوڑ کر کھڑی ہوئی اور بے حد ناراضی کے عالم میں کچن سے باہر نکل گئی۔

شہزادی بوکھلایا۔ فاطمہ عام طور پر کبھی اتنے غصے کا اظہار نہیں کرتی تھی، اور اکثر اس کی باتوں پر ہنس پڑتی تھی۔ اکثر اوقات وہ ایسی ہی باتیں کر کے اس کا فصد خنڈا کیا کرتا تھا۔ مگر اب وہ جس طرح بچکن سے مکتی تھی۔ وہ شہزادی پریشان ہو گیا تھا۔ شہزاد کے پیچھے ہی کمرے میں چلا آیا۔ فاطمہ بیڈ پر بیٹھی رو رہی تھی۔ وہ حواس باختہ ہو گیا۔ اس نے اپنی پوری زندگی میں پہلی بار اپنی ماں کو روئے دیکھا تھا اور رونے کی وجہ کیا صرف کسی کی طرف سے دی جانے والی وہ تھیں تھی؟

”کیا ہوا؟ کیا ہوا؟“ وہ بے حد گھبرائے ہوئے انداز میں فاطمہ کے پاس بیٹھ گیا۔ اس نے فاطمہ کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش کی۔ فاطمہ نے اس کے ہاتھ کو جھٹکا نہیں مگر اس نے رونا بند کیا نہ ہی شہزادی کی طرف دیکھنے کی کوشش کی۔ اس سے پہلے کہ شہزاد اور کہتا مانی کمرے میں داخل ہوئی۔ اس نے اپنے کیلے بالوں کے گرد تولیہ لپیٹا ہوا تھا۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی نہا کر غسل خانے سے باہر نکلتی تھی۔

کمرے کا نظارہ دیکھ کر وہ بھی شہزادی کی طرح ہی حواس باختہ ہوئی اور برق رفتاری سے فاطمہ کی طرف آئی۔

”کیا ہوا امی! تم نے کیا کہا ہے امی سے؟“ فاطمہ کے جواب نہ دینے پر تقریباً روہانسی ہوتے ہوئے وہ شہزادے کی طرف سے بولی۔

”میں نے کچھ نہیں کہا۔ میں تو اپنی صفائی دے رہا تھا اور یہ ایک دم ناراض ہو کر بچکن سے چلی آئیں۔“ شہزادے نے جواب دیا۔

”امی..... امی..... پلیز چپ ہو جائیں۔“ مانی نے شہزادی کی بات درمیان میں ہی کاٹنے ہوئے ایک بار پھر فاطمہ سے کہا، اور پھر اسے خاموش ہوتے نہ دیکھ کر خود بھی رونا شروع ہو گئی۔ شہزادی کی طرح اس نے بھی زندگی میں پہلی بار فاطمہ کو روئے ہوئے دیکھا تھا اس صورت حال پر وہ دونوں بوکھلا گئے تھے۔

”اگر آپ کو میری کوئی بات بری لگی ہے تو میں اس کے لیے آپ سے معافی مانگتا ہوں۔“ شہزادے نے کہا اور فاطمہ کی طرف سے جواب دیا۔

”پلیز مجھے معاف کر دیں اور چپ ہو جائیں۔“ اس نے فاطمہ کے سامنے ہاتھ جوڑ دیے۔

”میں این سی اے میں پڑھوں گا ہی نہیں، میں کیمس اور ایڈمیشن لے لوں گا۔“ اس نے روکھا ہوتے ہوئے کہا۔

”مگر اس نئی سے زیادہ فاطمہ کو اس کے اپنے سامنے بندھے ہوئے ہاتھوں نے پریشان کیا تھا۔ وہ ایک ہاتھ سے اس کے ہاتھوں کو دھولے ہوئے اپنے آنسو صاف کرنے لگی۔

”میں بس ایسے ہی پریشان تھی، اس لیے رونے لگی۔“ اس نے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے بھرائی ہوئی آواز میں کہا اور بات ادھوری چھوڑ دی۔ شہزادے نے بے اختیار اطمینان کا سانس لیا۔

”نہیں، اس نے ضرور آپ سے کوئی بد تمیزی کی ہوگی۔ آج شہزادے بھائی آئیں گے تو میں ان کو بتاؤں گی۔“ مانی بھی اپنے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

”شہزادے سے کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ شہزادے مجھ سے کوئی بد تمیزی نہیں کی، میں نے کہا تھا میں پریشان تھی اس لیے۔“ فاطمہ نے کچھ سختی سے مانی کو ڈانٹا۔

”آپ ہمیشہ اس کی ساتھ لیتی ہیں امی! ہمیشہ..... اسی لیے یہ اتنا بد تمیز ہو گیا ہے۔“ شہزادے ناراضی سے مانی کی بات ٹاٹی۔

”تم ہی بتاؤ کہ وہ کونسا آدمی ہے۔ میں نے معافی مانگ لی ہے۔ حالانکہ میں نے بد تمیزی بھی نہیں کی۔“

”تم دونوں اب اس بات کو ختم کرو۔“ فاطمہ نے مانی کو روکا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی بیرونی دروازے پر دستک پڑتی۔

”دیکھو! دعوائے ہر کون ہے؟“ فاطمہ نے دوپٹے کے پلے سے اپنا چہرہ صاف کرتے ہوئے کہا۔

”شہزادے جانی ہوں گے۔“ شہزادے نے جواب دیا۔

”اس نے واقعی بد تمیزی کی تھی نامی؟“

اس کے باہر جاتے ہی مانی نے ایک بار پھر فاطمہ سے پوچھا۔  
”نہیں، اس نے کوئی بد تمیزی نہیں کی، میں سچ کہہ رہی ہوں مجھے ویسے ہی رونا آ گیا تھا۔“ فاطمہ نے مسکرانے کی کوشش

کرتے ہوئے اس کے کندھے کو تھپتھپایا۔  
”مگر پہلے تو آپ کبھی اس طرح نہیں روئیں پھر آج کیا ہوا؟“ مانی اس کے جواب سے مطمئن نہیں ہوئی، اس سے پہلے

کہ فاطمہ کچھ کہتی پھر اندر داخل ہوا۔ وہ ہاتھ میں ایک لفافہ چڑے ہوئے تھے۔  
”تمہاری ڈاک ہے۔“ اس نے مانی سے کہا اور لفافہ اس کی طرف بڑھایا۔

”آئی بی اے سے ہے؟“ مانی نے پوچھا۔

”نہیں آئی بی اے کا ایڈریس تو نہیں ہے۔“ مانی نے کہا۔ لفافے کی پچھلی طرف کسی محرم الدین کا نام تھا۔ مانی نے لفافہ

کھولا شروع کیا۔

”مجھے کھانا پکانا ہے تم دونوں اب لڑنا مت۔“ فاطمہ نے بیڈ سے اٹھتے ہوئے کہا۔ مانی تب تک لفافہ کھول چکی تھی۔ مگر  
بھی اس کے قریب ہی بیڈ پر بیٹھ گیا۔

مانی نے لفافہ کھول کر اندر موجود کاغذ نکالا۔

”میری پیاری بیٹی ثانیہ کے آئی بی اے میں ایڈمیشن کے لیے۔“

ایک جیلے پر مشتمل اس کاغذ کے ساتھ ہی تین لاکھ کا ایک ڈرافٹ بھی نکلا تھا۔

”میرے خدا۔“ مانی کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ فاطمہ نے کمرے سے باہر جاتے جاتے پٹ کر دیکھا۔ وہ دونوں اس

کاغذ پر جھکے ہوئے ہکا بکا نظر آ رہے تھے۔ ڈرافٹ اب مگر کے ہاتھوں میں تھا۔

”کیا ہوا؟ کس کا خط ہے؟“ فاطمہ پریشان ہو کر واپس پلٹ آئی۔ مانی نے کچھ کہے بغیر مگر کے ہاتھ سے ڈرافٹ لے کر

کاغذ کے ساتھ اس کو بھی فاطمہ کی طرف بڑھا دیا۔

فاطمہ نے کاغذ پر ایک نظر ڈالی پھر ڈرافٹ پر..... اور اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ اس کے بدترین اندیشے صحیح

ثابت ہونے لگے تھے۔ اس کے ہاتھ کانپنے لگے۔ وہ تائب نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ جو بھی تھا مانی اور مرنے والوں سے بہت اچھی طرح

واقف تھا۔ فاطمہ نے اپنے حلق میں یک دم آگ آنے والے کانٹوں کو محسوس کیا اور وہ جو کوئی بھی تھا، وہ مانی اور مگر کے ساتھ

ساتھ فاطمہ کو بھی بہت اچھی طرح جانتا ہوگا اور کب سے؟ یہ فاطمہ نہیں جانتی تھی اور وہ جو بھی تھا وہ اب کیا ثابت کرنا چاہتا تھا؟

اپنا اغلاس، اپنی ہمدردی یا پھر اپنا رشتہ؟

”میری پیاری بیٹی ثانیہ کے آئی بی اے میں ایڈمیشن کے لیے۔“

کاغذ پر لکھی تحریر فاطمہ کا منہ چڑا رہی تھی۔ اس کی ناگوں نے یک دم اس کا بوجھ اٹھانے سے انکار کر دیا۔ فاطمہ نے

سانس لینے کی کوشش کی۔ وہ ناکام رہی۔ اس نے پھر کوشش کی۔ مگر پھر بھی ناکام رہی اور پھر اس نے ہر چیز کو دھندلاتے ہوئے

محسوس کیا۔

☆☆☆

”یہ آنکھٹ رنگ ہے۔ میں اور ہارون شادی کر رہے ہیں۔“

میزہ کو لگا جیسے ان کے پاؤں کے نیچے سے زمین نکل گئی ہے۔ صدف بے حس و حرکت کھڑی تھی، اسے توقع نہیں تھی کہ وہ

آج واپسی پر ہارون سے اس طرح کے عہد و پیمانے کر کے واپس آئے گی۔

”تم ہوش میں تو ہو؟“ میزہ نے تقریباً غراتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں، میں ہاٹل ہوش میں ہوں۔ آپ کو میری کس بات سے یہ لگا کہ میرے ہوش ٹھکانے نہیں ہیں۔“

امبر کے انداز میں بے نیازی تھی بلکہ ایک عجیب طرح کی سرشاری بھی۔ اس کے پاؤں جیسے اس دن زمین پر نہیں تھے۔  
 ”اپنے آپ کو خوشی مت بناؤ۔“ نیزیہ نے تھملا تے ہوئے کہا۔ امبر بغیر ہلکیں جھپکائے ایک تک نیزیہ کو دیکھتی رہی۔  
 ”مجھے خوشی کے برابر کھڑا مت کریں گی!“ اس کی آواز میں ایک دم سرد مہری دور آئی۔  
 ”میں تمہیں اس کے برابر نہیں کھڑا کر رہی، تم خود اپنے آپ کو اس مقام پر لے آئی ہو۔“ باپ سے یہی سنی سیکھا ہے تم  
 نے..... کہ اس کی طرح.....“

امبر نے نیزیہ کی بات کاٹ دی۔

”باپ سے کیا کیا سیکھا ہے، یہ بار بار یاد مت دلائیں۔“ وہ مشتعل ہو کر بولی۔

”باپ نے جو کیا، اپنے لیے اپنی مرضی سے کیا پھر میں اپنی زندگی میں اپنی مرضی کے فیصلے کیوں نہ کروں۔“

”تمہارے باپ کی“ اپنی مرضی“ نے کتنے لوگوں کی زندگی کو تباہ کیا ہے، تم انھیوں پر رکن سکتی ہو۔“ نیزیہ جیسے پھنکاریں۔  
 ”اس کی اپنی مرضی ہم سب کو فٹ پاتھ پر لے آئی ہے اور تم.....“

امبر نے ایک بار پھر نیزیہ کی بات کاٹ دی۔ ”اور میری مرضی آپ کو کسی فٹ پاتھ پر نہیں لے جائے گی۔ میں آپ  
 سب کو اس جگہ سے نکالنا چاہتی ہوں، وہاں لے کر جانا چاہتی ہوں جہاں سے ہم آئے تھے۔“ اس کی آواز میں تیزی آگئی۔ ان  
 ساری آسانسوں کو دوبارہ آپ سب کی زندگی میں لانا چاہتی ہوں جن کو ہم سے جھین لیا گیا تھا۔“

”اور یہ سب کچھ تمہیں اپنے سے دو گنی عمر سے بھی زیادہ بڑے اس شادی شدہ مرد سے شادی کر کے ملے گا؟“ اس بار  
 صغہ نے امبر کی بات کاٹی تھی۔

”ہاں یہ سب کچھ ایسے ہی ملے گا۔“ امبر نے اسی انداز میں کہا۔

”اگر یہ سب کچھ تم ہمارے لیے کر رہی ہو تو مت کرو۔“ صغہ نے کہا۔ ”اور اگر اپنے لیے کر رہی ہو تو اپنے اوپر رحم کرو،  
 لوگ دوسروں کو کنوئیں میں گرتے دیکھ کر بھی تو سبق حاصل کرتے ہیں۔ کیا ضروری ہے کہ تم کنوئیں میں گرنے کے بعد ہی سبق  
 حاصل کرو۔“

”یہ جو زندگی ہے نا، یہ ایک ایسا راستہ ہے جس پر گزروں کے علاوہ اور کچھ ہے ہی نہیں۔“ امبر، صغہ کی طرف دیکھتے  
 ہوئے عجیب سے انداز میں مسکرائی۔ ”دل چاہے نہ چاہے، دیکھے بن دیکھے کبھی نہ کبھی گڑھے میں گرنا ہی پڑتا ہے اور زندگی صرف  
 ایک گڑھے سے نکلنے سے لے کر اگلے گڑھے میں گر جانے تک کے فاصلے کا نام ہے۔“

اس کی آواز میں نمی تھی۔ صغہ کچھ دیر تک بول نہیں سکی۔

”زندگی میں گڑھے ہی گڑھے ہیں۔“ وہ اسی عالم میں بول رہی تھی۔ ”اور ہر گڑھا اتنا بڑا ہے کہ کوئی اسے پھلانگ نہیں  
 سکتا۔“

”آدی آنکھیں بند کرے تو اسے تمہاری طرح اندھیرے کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آتا۔“ صغہ نے تاسف سے اسے  
 دیکھا۔

امبر بے اختیار استہزائیہ انداز میں ہنسی۔

”اور آدی آنکھیں کھلی رکھے تو پھر اس کو دنیا سے کھن آنے لگتی ہے۔ کچھ دیکھنے کو چی نہیں چاہتا، پھر بہتر ہے کہ آنکھیں  
 بند کر لی جائیں۔“

وہ مایوسی کے اندھیرے غار میں بند تھی۔ صغہ نے بے بسی سے اسے دیکھا۔ وہ بے شک ذہنی امراض کے کلینک سے  
 بظاہر صحت یاب ہو کر آگئی تھی مگر اس کی ذہنی کیفیت اب بھی ویسی ہی تھی۔

”بارون کمال نے تمہاری برین واشنگ کر دی ہے، تمہیں اس بات کا اندازہ ہے؟“ صغہ نے سفیدی سے کہا۔ امبر کے  
 چہرے کے تاثرات ایک دم بدل گئے۔

”وہ تمہیں ایکسپلائٹ کر رہا ہے۔ محبت کے نام پر وہ تمہیں استعمال کر رہا ہے؟“

”کیا خرابی ہے ایکسپلائٹ ہونے میں؟“ صبذ اکثر لہجے میں پوچھے جانے والے اس کے سوال پر دمگ رہ گئی۔

”دنیا میں ہر ایک یہی کرتا ہے۔ اگر ہارون کر رہا ہے تو کیا غلط کر رہا ہے۔“ صبذ اپنی بڑی بہن کو چپ چاپ تاسف

بھری نظروں سے دیکھتی رہی۔ نیزہ کو دل چاہا، وہ اپنا سر پیٹ لیں۔

”دنیا میں کون کیا کر رہا ہے، اسے رہنے دو۔ تم اس ہجوم کا حصہ مت بنو۔“ صبذ نے اسے سنجیدگی سے سمجھایا۔ ”ہتم رخصتی

کی طرح نہیں کر سکتیں، تم یہ یاد رکھو۔“

”صبذ! میں اس طرح کی زندگی نہیں گزار سکتی۔“ امبر نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”تم یہاں اس ماحول، اس گھر میں رہ سکتی ہو۔ تم کیمپروائز کر سکتی ہو ان تمام چیزوں سے، تم چار پانچ ہزار کی جاب کے لیے بسوں اور ویکنوں کے دھکے کھا سکتی ہو، میں

نہیں۔“

اس کا لہجہ دو ٹوک تھا۔

”مجھے اس طرح کی دنیا اور اس طرح کے لوگوں کے ساتھ رہنے کی عادت کبھی نہیں ہو سکتی۔ میں لاکھ کوشش کروں تب

بھی نہیں۔“ صبذ نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔

”تو پھر یہ مت کہو کہ یہ سب کچھ تم ہمارے لیے کرنا چاہتی ہو۔ تم یہ سب کچھ صرف اپنے لیے کر رہی ہو۔ صرف اپنے

لیے کرنا چاہتی ہو۔“

”اگر صرف اپنے لیے کرنا چاہتی تو بہت عرصہ پہلے کر چکی ہوتی، یہاں اس گھر میں کبھی نہ آتی۔“ امبر نے کہا۔

”تم نے اس گھر میں کئی سال نہیں گزارے کہ تم یہاں ایڈجسٹ نہ ہو سکیں چند ماہ میں۔“

امبر نے صبذ کی بات کاٹ دی۔ ”چند ماہ.....؟ چند ماہ نہیں..... وہ صدیاں تھیں اور یہ مت کہو کہ میں یہ سب صرف اپنے

لیے کر رہی ہوں۔ تم صبذ..... تم صرف آج کو دیکھتی ہو، میں مستقبل میں جھانک رہی ہوں اور یہاں ہمارا کوئی مستقبل نہیں ہے،

نہ ہو سکتا ہے۔“

”حال میں بیٹھ کر مستقبل میں جھانکنے والے پاگل ہوتے ہیں۔“ صبذ نے ترکی بہ ترکی کہا۔

”پھر تم مجھے پاگل کہو، ہر ایک وقت آئے گا جب تم میرے فیصلے کو صحیح کہو گی۔“

”میں کبھی تمہارے اس فیصلے کو صحیح نہیں کہوں گی، تم اپنے ہاتھوں سے اپنے گلے میں پھندا ڈال رہی ہو۔“

”میں اس پھندے کو اپنے گلے سے نکال رہی ہوں جسے تم نے اپنے ساتھ ساتھ میرے گلے میں بھی ڈال دیا

ہے۔“ امبر کا انداز برقرار تھا۔

”کہاں شادی کرے گا وہ تم سے..... پتی سی میں یا آواری میں؟“ صبذ نے اس بار بے حد تیز لہجے میں کہا۔ ”پورے شہر کو

بلا کر ان کے سامنے تمہیں بیوی بنانے گا یا پھر کسی فلیٹ کے ایک کمرے میں چار لوگوں کے درمیان یا کورٹ میں کوئی ویل شادی

کروائے گا تم دونوں کی؟“

امبر کے چہرے کا رنگ پھیکا پڑ گیا۔

”جو بھی ہوگا بہت جلد تمہارے سامنے آ جائے گا، طریقہ کوئی بھی ہو، وہ مجھ سے شادی تو بہر حال کرے گا۔“ اس نے

سکرانے کی کوشش کی مگر اس کے ہونٹوں نے اس کا ساتھ نہیں دیا۔

”ڈائمنڈ رنگ لوگ صرف بیوی اور منگیترو کو نہیں پہناتے اور بھی بہت سی عورتوں کو پہناتے ہیں۔ صرف ایک رنگ ہاتھ

میں پہننے سے رشتے نہیں بنے امبر! صبذ حتی المقدور اسے سمجھانے کی کوشش کر رہی تھی۔

”یہ رشتوں کا آغاز تو ہوتا ہے۔“ امبر اپنی بات پر اڑی ہوئی تھی۔

”شائستہ، مٹی جیسی عورت نہیں ہے۔ تمہارا خیال ہے کہ وہ ہارون کو تم سے شادی کرنے وے گی؟“

”اس سے اجازت لینا ہارون کا مسئلہ ہے، میرا نہیں اور ہو سکتا ہے ہارون اس کو اس شادی کے بارے میں بتائے ہی نہ۔“  
 ”شائستہ گھر میں بیٹھنے والی عورت نہیں ہے کہ نہ وہ گھر سے نکلے گی، نہ اسے کچھ پتہ چلے گا۔ اسے جب بھی پتا چلے گا،

.....“

امبر نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”ہم خفیہ شادی کریں گے، کسی کو بھی اس شادی کے بارے میں نہیں بتائیں گے۔“  
 ”خفیہ شادی کا مطلب چاہتی ہو تم؟“

”بہت اچھی طرح، اپنے باپ کو ایسی شادی کرتا دیکھ چکی ہوں۔“

”اور اس کا انجام بھی دیکھ چکی ہو۔“

”کیسا انجام؟“ امبر سچ انداز میں نہی۔ ”پاپا اور رخصتی تو عیش کر رہے ہیں، ان کے لیے تو یہ شادی بہت اچھی ثابت ہوئی ہے۔ پریشانی تو ہمیں اٹھانا پڑی ہے۔“ امبر نے کندھے جھٹکے۔

”اور یہ ضروری نہیں ہے کہ ہارون اور تمہاری شادی کے بعد بھی ایسی صورت حال کا سامنا شائستہ کو کرنا پڑے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ وہ شائستہ کے دباؤ پر تمہیں گھر سے نکال دے، طلاق دے دے۔“ صغ نے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔

”تو کیا ہوا.....؟ نہ گھر سے نکالا جانا میرے لیے نئی چیز ہے، نہ طلاق.....“ امبر نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

”ایک بار پھر مینٹل ہاسپٹل پہنچنا چاہتی ہو تم؟“ صغ نے جیسے اسے کچھ یاد دلایا۔  
 ”نہیں، اس بار ایسی کوئی زحمت نہیں ہوگی آپ لوگوں کو۔ ہر بار مجھے کسی ٹیکٹک میں نہیں رکھنا پڑے گا۔“ وہ اب دانتوں سے ناخن کتر رہی تھی۔

”تمہیں اگر ہارون سے شادی کرنا ہے تو پھر تم ابھی اور اسی وقت اس گھر سے نکل جاؤ اور دوبارہ کبھی مجھے اپنی شکل نہ دکھانا۔“ نیزہ جو اب تک خاموشی سے صغ اور امبر کی گفتگو سن رہی تھیں ہلّا خر پھٹ پڑیں۔

”آپ مجھے گھر سے نکال رہی ہیں؟“ امبر نے بے یقینی سے ماں کو دیکھا۔

”ہاں، میں تمہیں گھر سے نکال رہی ہوں، اگر بدنامی ہی لے کر آتا ہے تو پھر کہیں اور جا کر رہو۔“  
 ”مہی.....“ صغ نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔

نیزہ نے اسے جھڑک دیا۔ ”تم چپ رہو، تمہیں اس معاملے میں پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”میں نے آپ کے لیے پاپا کو چھوڑ دیا تھا اور آپ مجھے ہی گھر سے نکال رہی ہیں؟“ امبر کو ماں کی بات پر ابھی تک یقین نہیں آیا۔

”تم نے میرا ساتھ دے کر مجھ پر کوئی احسان نہیں کیا۔“ نیزہ نے سختی سے کہا۔ ”یہ سب کچھ تمہاری لائی ہوئی بلا تھی، تمہاری وجہ سے رخصتی، منصور کی زندگی میں آئی تھی۔ تم باپ کو اس جڑیل کے گھر لے کر گئی تھیں۔“ امبر سکتے کے عالم میں انہیں بولنے ہوئے دیکھتی رہی۔

”اور تم مجھ پر احسان جتا رہی ہو کہ تم نے میرا ساتھ دینے کے لیے منصور کا گھر چھوڑ دیا۔ اتنی تکلیف ہے تمہیں اس کا گھر چھوڑنے کی تو واہیں چلی جاؤ وہاں، ہارون کمال کے بجائے اس کا گھر پھر بھی بہتر ہے تمہارے لیے۔ کم از کم وہاں رہ کر دنیا کو تو منہ دکھا سکو گی۔“ نیزہ بے حد مشتعل تھیں۔ امبر کے چہرے کا رنگ بار بار بدل رہا تھا۔

”یہ سب میری وجہ سے نہیں ہوئی! آپ خود اس کی ذمہ دار ہیں۔“ امبر نے ہلّا خر زبان کھولی۔ ”کوئی نہ کوئی کمی تو ہوگی آپ میں کہ پاپا نے دوسری شادی کی، ورنہ ساری دنیا کے مرد تو دوسری شادی نہیں کرتے۔“ اس کی آواز نیزہ کی آواز سے بھی اونچی تھی۔

اس بار سکتے میں آنے کی باری نیزہ کی تھی۔ وہ پہلی بار کسی کے منہ سے یہ سن رہی تھیں کہ منصور کی دوسری شادی ان کی اپنی نلطیوں کا نتیجہ تھی اور وہ بھی امبر کے منہ سے۔



”آپ بھی بھی ایک اچھی بیوی ثابت نہیں ہوئیں۔“ وہ کہہ رہی تھی۔ ”نہ اچھی بیوی، نہ اچھی ماں۔“

صبذ نے بولنے کی کوشش کی لیکن امبر اس وقت کوئی بات سننے کو تیار نہیں تھی۔  
 ”رخصتی کو پاپا کے پیسے سے دلچسپی تھی تو آپ کو بھی پاپا کے پیسوں سے ہی دلچسپی تھی، پاپا سے نہیں۔“ منیزہ کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا۔ ”آپ کے نزدیک بھی شوہر پیسہ کمانے والی ایک مشین تھا جو آپ کے لیے پیسہ لاتا رہتا اور آپ اسے ازرائی دیتیں۔ آپ کے نزدیک پاپا کی کیا حیثیت تھی؟“

”اس وقت بھی کی بات نہیں ہو رہی، جس میں گڑے مردے اکھاڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ صبذ نے اسے ٹوکا۔  
 ”مہی کی بات بھی تو ہونی چاہیے۔ مہی کی بات کیوں نہیں ہوتی۔ مہی کو آج تک کسی نے یہ کیوں نہیں بتایا کہ ان جیسی عورتوں کے شوہر اکثر دوسری شادیاں کر لیتے ہیں۔“ امبر ہذیبانی انداز میں بول رہی تھی۔ ”اور ان کے بچوں کے ساتھ یہی ہوتا ہے جو ہمارے ساتھ ہو رہا ہے۔ انھیں اب ہارون کمال برا لگ رہا ہے، تب کیوں نہیں لگتا تھا جب وہ کلینک میں باقاعدگی سے آیا کرتا تھا۔ کیا تب مہی کو پتا نہیں تھا کہ یہ غلط ہے۔“

”تم ابھی اور اسی وقت یہاں سے نکل جاؤ۔“ اس سے پہلے کہ امبر کچھ اور کہتی۔ منیزہ نے تقریباً چلا تے ہوئے کہا۔  
 ”میں چلی جاؤں گی، مجھے یہاں رہنے کا کوئی شوق نہیں ہے۔“ امبر نے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔  
 ”پھر جاؤ..... ابھی اور اسی وقت یہاں سے جاؤ۔“ منیزہ دھاڑیں۔

امبر بجلی کی سی تیزی سے کمرے میں موجود الماری کی طرف گئی اور اس میں سے اپنی چیزیں نکال کر بیڈ پر پھینکنے لگی۔  
 ”مہی پلیز! یہ اس وقت کہاں جائے گی؟“ صبذ اس صورتحال پر گھبرا گئی۔

”یہ جینم میں جائے مگر یہاں سے چلی جائے۔“ منیزہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔  
 ”مہی! لڑنے جھگڑنے سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا، بیٹھ کر.....“

منیزہ نے صبذ کو بات کھل نہیں کرنے دی۔ ”مجھے اب کوئی مسئلہ حل نہیں کرنا، میں تنگ آ گئی ہوں اس کے مسئلے حل کرتے کرتے۔ اسے جتنا سمجھانا تھا، میں نے سمجھا لیا۔ اب اسے دھکے کھانے دو۔“

امبر اپنا سامان ایک بیگ میں ٹھونسنے میں مصروف تھی، منیزہ کے آخری جملے پر اس نے جیسے تڑپ کر انھیں دیکھا۔  
 ”میں دھکے کھاؤں گی؟ میں دھکے نہیں کھاؤں گی، آپ لوگوں سے بہتر زندگی گزاروں گی۔“

”امبر! کچھ تو ہوش سے کام لو، گھر چھوڑ کر اس وقت کہاں جاؤ گی؟“

صبذ نے امبر کے ہاتھ سے بیگ لینے کی کوشش کی تو امبر نے ایک جھٹکے سے اسے پیچھے دھکیل دیا۔

”میرے پاس جانے کے لیے بہت سی جگہیں ہیں، تم لوگوں کا کیا خیال ہے، مجھے یہاں سے نکال دو گے تو میں دھکے کھاتی پھروں گی۔“

”مہی نے جو کچھ کہا ہے، غصے میں کہا ہے.....“

منیزہ، صبذ کی بات کاٹ کر چیخیں۔ ”میں نے جو کچھ کہا ہے، ٹھیک کہا ہے۔ تم یہاں سے چلی جاؤ۔“

امبر نے شدید اشتعال کے عالم میں صبذ سے اپنا بازو چھڑایا اور اپنا بیگ اٹھا کر تیز قدموں کے ساتھ..... کمرے سے باہر نکل گئی۔

”امبر رکو تو..... پلیز۔“ صبذ اسے پکارتے ہوئے بیرونی دروازے تک اس کے پیچھے آئی مگر امبر نے ایک نہ سنی اور دہلیز

پار کر گئی۔

صبذ نے بے بسی سے کھلی میں جلتی روشنیوں میں اسے تیز قدموں کے ساتھ کندھے پر بیگ ڈالنے لگی کا موڑ مڑ کر او جھل ہوتے ہوئے دیکھا۔ اس نے بے اختیار اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

”آخر ہوا کیا تھا آپ کو؟“ شبیر نے شاید چچا سوس بار فاطمہ سے پوچھا تھا وہ کچھ دیر پہلے گھر واپس آیا تھا اور گھر واپس آتے ہی اسے فاطمہ کی بے ہوشی اور کچھ دیر پہلے آنے والے ڈرافٹ کے بارے میں پتا چل گیا تھا۔ وہ شائستہ کے ساتھ ہونے والی تلخ کھائی بھلا بیٹھا تھا اور اب بار بار بے چینی سے فاطمہ کی طبیعت کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ اس کے لیے اس ڈرافٹ کی آمد سے زیادہ پریشان کن بات فاطمہ کا اس طرح بے ہوش ہونا تھا۔

”کچھ نہیں ہوا تھا۔“ فاطمہ حسب عادت ایک ہی جواب دے رہی تھی۔ ”بس میں پریشان ہو گئی تھی۔ تم بھی سوچو اگر اس طرح کا کوئی ڈرافٹ تمہیں ملتا اور وہ بھی ایسے آدمی کی طرف سے تمہیں جاننے تک نہ ہوتا۔۔۔“

فاطمہ نے ثانی اور شکر کو دیکھتے ہوئے کہا۔ شبیر کی طرح وہ بھی بے حد متشکر نظر آ رہے تھے۔

”پہلے شکر کی فیس کی ادا ہو گئی اور اب..... اب.....“ فاطمہ نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”ہوسکتا ہے یہ ابو کی فیملی کے کسی فرد کی مہربانی ہو۔“ شبیر کو اچانک خیال آیا۔ ”آپ نے کبھی تفصیل سے ابو اور اپنی فیملی کے لوگوں کا ذکر نہیں کیا۔ ہوسکتا ہے ابو کی فیملی کے کسی فرد۔۔۔“

فاطمہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”تمہارے ابو کی فیملی میں کوئی ایسا فرد نہیں تھا جو اتنا امیر ہو کہ اتنی ہماری رقم ہم لوگوں پر خرچ کرتا پھرے اور اگر ہوتا بھی تو اسے اس طرح چھپنے کی کیا ضرورت تھی، وہ سامنے آ جاتا۔“

”انہیں لگتا ہوگا کہ آپ ان سے یہ رقم لینا پسند نہیں کریں گی یا ایسی ہی کوئی اور وجہ بھی تو ہو سکتی ہے۔“ ثمر نے اپنی رائے دی۔

”ہوسکتا ہے ایسا ہی ہو۔“ فاطمہ نے یک دم کہا۔ اگر وہ سب یہ سمجھ رہے تھے کہ یہ ان کے والد کے کسی رشتہ دار کا کام ہے تو یہ خیال فاطمہ کو ان کے بہت سے سوالوں سے بچا سکتا تھا۔ فاطمہ کے ذہن میں فوری طور پر یہ خیال آیا تھا۔

”ابو کی فیملی اب کہاں ہوتی ہے؟“ شبیر نے اچانک فاطمہ سے پوچھا۔

”وہ اکلوتے بیٹے تھے۔ ان کے والدین کا انتقال ہو گیا تھا۔“ فاطمہ نے کئی بار کا دہرایا ہوا جھوٹا ایک بار پھر بولا۔

”مگر ان کی فیملی میں کوئی نہ کوئی تو ہوگا۔ ان کے کزنز..... چچا وغیرہ..... کوئی دوسرے رشتہ دار؟“ شبیر نے پوچھا۔

”انہوں نے کبھی مجھے کسی سے نہیں ملوایا اس لیے میں نہیں جانتی کہ ان کے کوئی اور رشتہ دار ہیں بھی یا نہیں اور اگر ہیں تو کہاں ہیں۔“

فاطمہ نے نظریں چراتے ہوئے کہا۔ اس سے پہلے ان تینوں میں سے کسی نے اپنے باپ کی فیملی کے بارے میں اتنی تفصیل سے سوالات نہیں کیے تھے۔

شبیر نے بیڈ کے پاس پڑے ٹیبل پر رکھے ڈرافٹ کو اٹھا کر اس پر ایک نظر دوڑائی۔ ”میں اس ڈرافٹ کے ذریعہ پتا کروانے کی کوشش کرتا ہوں کہ یہ مکرم الدین صاحب کون ہیں۔“ اس نے کچھ دیر کے بعد کہا۔ ”انہوں نے جہاں سے یہ ڈرافٹ بنوایا ہے وہاں ان کے کوائف ہوں گے اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ وہاں ان کا بینک اکاؤنٹ بھی ہو۔“ وہ بڑبڑا رہا تھا۔

”مگر لوگ اپنے بینک اکاؤنٹ کو استعمال کرتے ہوئے ہی اس طرح کے ڈرافٹس بنواتے ہیں۔“

شبیر نے ڈرافٹ ایک بار پھر ٹیبل پر رکھ دیا۔ اس کے جملے نے فاطمہ کے پیروں تلے سے ایک بار پھر زمین نکال دی۔ مکرم الدین نامی اس آدمی تک پہنچنے کا کیا مطلب تھا، وہ اچھی طرح جانتی تھی۔ اگر وہ آدمی اپنے آپ کو چھپا رہا تھا تو بہتر یہ تھا کہ وہ بھی اس کی شناخت جاننے کی کوشش نہ کرتی، یہی اس کے لیے اور ان تینوں کے لیے بہتر تھا۔

”تمہیں کسی قسم کی تحقیق کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ فاطمہ نے یک دم وہ ڈرافٹ اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”ان صاحب تک پہنچ کر ہم لوگوں کو کیا کرتا ہے۔“

”ہم ان سے پوچھیں گے کہ وہ ہم پہ اس طرح کی مہربانیاں کیوں کر رہے ہیں۔“ ثمر نے لقمہ دیا۔

”یقیناً میری فیس بھی انہوں نے ہی ادا کی ہوگی اور اس طرح کی مہربانیاں کرنے کی کوئی وجہ تو ضرور ہوگی۔“

فاطمہ ڈرافٹ لے کر کمرے میں موجود الماری کی طرف بڑھ گئی دراز کھول کر وہ ڈرافٹ اس نے اندر رکھ دیا پھر پلٹ کر ان تینوں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

”جو وجہ ہوگی خود ہی سامنے آ جائے گی تم لوگوں کو اپنا دماغ اس پر کھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔“  
 ”وہی امی! ہماری لائف کچھ فلمی نہیں ہوتی جارہی؟“ ثمر نے سر کھجاتے ہوئے کہا۔ ”ایک غریب خاندان تین غریب مگر

ذہین بچے۔“  
 شہیر مگر سانس لیتے ہوئے اپنے کمرے میں جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔ وہ جانتا تھا ثمر کی بکواس اب کچھ دیر جاری رہے گی۔ ”اور پھر اچانک ایک دن ایک خزانہ.....“  
 ثانی بھی اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”امی کھانا باہر صحن یا کچن میں ہی کھا لیتے ہیں۔ اس کا منہ اب بند نہیں ہوگا۔“ ثانی نے ثمر کی بات نظر انداز کرتے ہوئے فاطمہ سے کہا۔

”اور دیکھتے دیکھتے ہی ان کے دن پھر جاتے ہیں۔“  
 اور فاطمہ باہر نکلتے ہوئے سوچ رہی تھی کہ  
 ”ہر خزانہ اچھے دن نہیں لاتا نہ ہر کہانی کے آخر میں ”وہ سب“ ایسی خوشی رہنے لگتے ہیں۔ مگر الدین کب اور کتنے دن چھپا رہتا ہے اور آگے کیا کرتا ہے مجھے یہی دیکھنا ہے۔“  
 ”سوچیں کہ پھر کیا ہوتا ہے۔“ ثمر بھی اٹھ کر اس کے پیچھے آتے ہوئے کہنے لگا۔ ”ہم لوگ بیٹھے بٹھائے کر دوڑتی بن سکتے ہیں۔ ڈیفنس میں ایک بڑا سا گھر لے کر.....“

ثمر نے اپنے سے آگے چلتی ہوئی ثانی کی بڑبڑاہٹ سنی۔  
 ”اور لوگ کہتے ہیں شیخ چلی کو مرے زمانہ ہو چکا ہے۔“

## تھیواں باب

منصور علی کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آیا۔ وہ بلاشبہ رخصتی تھی۔ چوبیس پچیس سال کے اس بے تزنگے نوجوان کے ساتھ بلاشبہ وہ وہی تھی۔ وہ دونوں پنی سی کی لابی میں کھنڈرے اور بے فکرے انداز میں اوجھڑا دیکھتے ہوئے باتیں کرتے اور قہقہے لگاتے ہوئے دغڈشا پنگ کر رہے تھے۔ منصور کو اپنا خون کھولنا ہوا محسوس ہوا۔ اس نے رخصتی کو اس سے پہلے کبھی کسی مرد کے ساتھ اتنی بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔

وہ اس وقت عام طور پر اپنے آفس میں ہوتا تھا۔ یہ صرف ایک اتفاق تھا کہ آج وہ اپنے کسی کلائنٹ سے ملنے پنی سی آیا تھا اور ملاقات کے بعد لابی سے گزرتے ہوئے رخصتی اس کی نظروں میں آ گئی۔ کچھ دیر کے لیے تو وہ یہ یقین ہی نہیں کر پایا کہ وہ واقعی رخصتی کو ہی وہاں دیکھ رہا ہے۔ اسے اس وقت گھر پر اس کے بیٹے کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔ وہ اکیلی ہوتی تو وہ اس کے پاس چلا جاتا مگر سارا مسئلہ اس کے ساتھ وہاں موجود دوسرے لڑکے کا تھا۔ ایک لمحے کے لیے اس کا دل چاہا کہ وہ ہر لحاظ بالائے خالق رکھتے ہوئے سیدھا رخصتی کے پاس جائے اور اس کا بازو پکڑ کر کھینچتے ہوئے اسے وہاں سے لے جائے۔ مگر پھر اس نے خود پر قابو پاتے ہوئے اپنی جیب سے موبائل نکالا اور رخصتی کو کال کرنے لگا۔ موبائل کی تیل بہت دیر تک بجتی رہی۔ رخصتی اسی طرح اپنے ساتھی لڑکے کے ساتھ گھیس لگاتی رہی۔ پھر شاید اس کے ساتھی لڑکے نے ہی اس کے پرس میں بچتے فون کی طرف اس کی توجہ مبذول کروائی تھی۔

منصور نے رخصتی کو چوکتے اور اپنے پرس سے موبائل نکال کر اس پر موجود نمبر دیکھتے اور پھر موبائل کو آف ہوتے سنا۔ اس نے بے اختیار دانٹ کچکپائے۔ رخصتی نے موبائل کو مسکراتے ہوئے دوبارہ پرس میں ڈالا اور ساتھی لڑکے سے کچھ کہتے ہوئے اگلے شوکیس کی طرف بڑھ گئی۔

منصور نے موبائل اپنی جیب میں رکھ لیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس وقت کیا کرے۔ اپنا سر پھوڑے یا رخصتی کا۔

رخصتی اب اس کی نظروں سے اوجھل ہو چکی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ اس کا تعاقب کرے مگر وہ جانتا تھا کہ ایسی صورت میں جلد یا بدیر وہ خود پر کنٹرول کھودے گا۔

خود پر جبر کرتے ہوئے وہ بلا خرد وہاں سے چلا آیا۔ اس نے بہتر یہی سمجھا تھا کہ وہ رخصتی کے گھر آنے پر ہی اس سے بات کرے۔

اس دوپہر منصور علی نے بے شمار سگریٹ چھوٹک ڈالے تھے۔ وہ رخصتی کے انتظار میں بیڈروم سے لاؤنج اور لاؤنج سے پورچ تک کے چکر کاٹتا رہا۔ سگریٹ کے ہر کش کے ساتھ وہ رخصتی کے ساتھ گزارے ہوئے تمام لمحات یاد کرتا رہا۔ ماضی قلم کی طرح اس کے سامنے بار بار آتا اور جاتا رہا۔ اپنی آنکھوں سے رخصتی کو ایک اور مرد کے ساتھ دیکھنے کے باوجود اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ رخصتی اس کے ساتھ بے وفائی کر سکتی ہے۔ اسے دھوکا دے سکتی ہے۔ ان کی شادی کو دس بیس سال تو نہیں ہوئے تھے کہ

رکشی اتنی جلدی اس سے آگیا جانی اور پھر اس نے رکشی کے لیے بہت سی قربانیاں دی تھیں اپنی بیوی بچوں کو چھوڑ دیا تھا۔ کیا رکشی کو یہ یاد نہیں رہا تھا؟ وہ بار بار پکڑ کا تا خود سے پوچھتا رہا۔

”مگر یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ مجھے کوئی غلطی ہوئی ہو، رکشی کا اس لڑکے کے ساتھ ایسا کوئی تعلق نہ ہو۔“ منصور کبھی ایک اپنا پوچھتا کبھی دوسری پر۔ کبھی اسے رکشی ہر طرح سے مجرم نظر آتی اور کبھی وہ اس پر شک کرنے پر خود کو ملات کرنے لگتا۔

رکشی تقریباً روز ہی شاپنگ کے لیے باہر جایا کرتی تھی اور کئی بار باہر ہوتے ہوئے وہ منصور کا فون اٹینڈ نہیں کرتی تھی۔ منصور کو کبھی اس پر شک نہیں ہوا تھا۔ شک کی کوئی وجہ ہی نہیں تھی۔ چھوٹے موٹے اختلافات اور جھگڑوں کے باوجود وہ ابھی بھی اس کی چیتھی بیوی تھی اور اس کے خیال میں وہ اس کی وفادار بھی تھی۔ اور اب ایک دم اسے تصویر کا دوسرا رخ نظر آنے لگا تھا اور زندگی میں پہلی بار ہی اس نے تصویر کا دوسرا رخ دیکھنے کی زحمت کی تھی۔

رکشی اس کے گھر پہنچنے کے تقریباً تین گھنٹے کے بعد آئی تھی اور منصور کو پہلے سے گھر پر پا کر وہ ذرا نہیں چوکی۔

”آپ آج اس وقت گھر پر کیسے؟“ اس نے منصور کو باہر پورچ میں گاڑی سے اترتے ہی دیکھ لیا تھا جو اس کی گاڑی کی آواز سن کر باہر آیا تھا۔

منصور نے جواب دینے کے بجائے اس کا بازو پکڑا اور اسے تقریباً کھینچتے ہوئے اندر لے گیا۔ رکشی کے اوسان خطا ہو گئے۔

”کیا ہوا ہے آپ کو؟ کیا کر رہے ہیں؟“ اس نے خود کو چھڑانے کے لیے مزاحمت کی تھی مگر وہ کامیاب نہیں ہوئی۔ منصور کچھ کہے بغیر اسے کھینچتا ہوا بیڈ روم میں لے گیا۔ بیڈ روم کا دروازہ بند ہوتے ہی رکشی نے ایک جھٹکے سے اپنا بازو منصور کی گرفت سے چھڑوایا۔

”کیا بد تمیزی ہے یہ؟“ اس نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔ ”گھر کے نوکر.....“

منصور نے اسے بات مکمل نہیں کرنے دی۔ ”کہاں سے آ رہی ہو تم؟“

رکشی کو اس کا سوال سمجھنے میں صرف ایک لمحہ لگا تھا۔ وہ جان گئی کہ منصور نے اسے باہر کسی کے ساتھ دیکھ لیا تھا اور پھر اسے خود پر قابو پانے میں چند سیکنڈ ہی لگے تھے۔

”شاپنگ کے لیے گئی تھی۔“

”کہاں؟“

”ٹی سی۔“

”کس کے ساتھ؟“

”اپنے کزن کے ساتھ۔“ رکشی نے اطمینان سے کہا۔ منصور بے اختیار شپٹایا۔

”کزن.....؟“ کون سا کزن؟ میں تمہارے کسی کزن سے واقف نہیں۔“

”آپ میری فیملی کے کتنے لوگوں سے ملے ہیں کہ میرے ہر کزن سے واقف ہوتے؟“

رکشی نے دھڑلے سے جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔

”کزن کے ساتھ اتنی بے تکلفی؟“

”آپ کے خاندان میں نہیں ہوتی ہوگی، میرے خاندان میں ہوتی ہے۔“

منصور چند لمحہ پڑ سوچ انداز میں اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

”آپ نے مجھے ٹی سی میں دیکھ لیا تھا تو اسی وقت میرے پاس آتے، میں آپ کو بھی اس سے ملواتی۔ اس طرح گھر میں آکر تماشاً کرنے کی کیا ضرورت تھی۔“

منصور کی خاموشی سے اسے ایک دم شہہ ملی تھی۔ منصور اب بھی چپ چاپ اسے دیکھ رہا تھا۔

”میں نے اگر آپ سے اپنی مرضی سے شادی کی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ مجھ پر شک کریں۔“ میں کہنے لگی۔  
 کسی بھی وقت، کسی سے بھی مل سکتی ہوں کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ آپ.....“ منصور نے یک دم اس کی بات کاٹی۔  
 ”کیا نام ہے تمہارے اس کزن کا؟“ رخشی کے ذہن میں فوری طور پر کچھ نہیں آیا۔ ایک لٹک کی خاموشی کے بعد وہ بولی۔  
 ”آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟“  
 ”وجہ بتا دوں گا پہلے تم نام بتاؤ۔“  
 ”خرم!“

”تم نے کہا کزن ہے۔ کس رشتے سے، بچا کا بیٹا ہے یا ماموں کا؟“ منصور سرد مہری سے پوچھنے لگا۔  
 ”وہ.....“ رخشی جواب دیتے ہوئے لاکھڑائی۔ ”یکینڈ کزن ہے۔“  
 ”کیا کرتا ہے؟“

”بزنس۔“ رخشی جھوٹ پر جھوٹ بول رہی تھی۔  
 ”کس چیز کا بزنس؟“

”یہ تو میں نے اس سے نہیں پوچھا۔“

”کہاں رہتا ہے؟“

”آپ اتنی لمبی تفتیش کیوں کر رہے ہیں؟“ اس بار وہ بے اختیار جھنجھلائی۔ ”کیا آپ کو مجھ پر اعتبار نہیں ہے؟“  
 ”میں تم سے پوچھ رہا ہوں کہ وہ کہاں رہتا ہے؟“ منصور کا لہجہ اس بار پہلے سے زیادہ سخت تھا۔  
 رخشی نے ایک علاقے کا نام بتا دیا۔ منصور نے مزید کوئی سوال کرنے کے بجائے اپنا موبائل نکالا اور اس پر ایک نمبر  
 ڈائل کرنے لگا۔ رخشی قدرے بے چینی سے اسے دیکھ رہی تھی۔  
 منصور کی سلام دعا کے بعد پوچھ رہا تھا۔

”رخشی کا کوئی کزن ہے خرم؟“ رخشی ایک لمحے میں جان گئی کہ منصور کس سے بات کر رہا تھا۔ دوسری طرف صاعقہ تھی  
 پہلی بار صحیح معنوں میں اسے پیروں کے نیچے سے زمین لٹکتی ہوئی محسوس ہوئی۔ اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ اس کی باتوں  
 کی تصدیق کے لیے وہ صاعقہ کو فون کر دے گا۔

”ہاں خیریت ہے۔ بس آپ یہ بتائیں کہ اس کا کوئی کزن خرم ہے۔ اور اگر ہے تو وہ کہاں رہتا ہے؟“  
 منصور کی نظر اس فون پر بات کرتے ہوئے رخشی کے چہرے پر تھیں اور اس نے رخشی کا رنگ اڑتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔  
 دوسری طرف سے صاعقہ کچھ کہہ رہی تھی۔ منصور نے اس کی بات سنی رخشی نے اس کی آنکھوں میں دیکھ لیا تھا کہ اسے دوسری  
 طرف سے کیا جواب ملا ہوگا۔ صاعقہ کی بات سنتے سنتے اس نے اچانک فون بند کر دیا۔

”تمہاری ماں بہت چالاک ہے۔ تمہاری طرح اسے یہ تو یاد آ گیا ہے کہ تمہارا خرم نامی کوئی کزن ہے مگر یہ یاد نہیں آیا  
 کہ وہ کہاں رہتا ہے؟“ وہ آگ بگولہ ہوتے ہوئے بولا۔ ”اور اگر میں اس سے یہ پوچھ لیتا کہ وہ کس رشتے سے تمہارا کزن ہے تو  
 مجھے یقین ہے۔ اس کا جواب تمہارے جواب سے مختلف ہوتا اور اگر میں اسے اس کا حلیہ بتانے کا کہتا تو پھر تو شاید وہ بول ہی نہ  
 پاتی۔“

اس نے ایک لمحہ کے لیے توقف کیا۔ ”اب تم اس کا صحیح تعارف مجھ سے کرواؤ گی یا پھر.....“

اس بار اس نے دانستہ طور پر اپنا جملہ چھوڑ دیا۔

”آپ کیا سمجھ رہے ہیں اس کا مجھ سے کیا رشتہ ہے؟“ رخشی نے منصور کو دیکھا۔

”یہاں بات میری سمجھ کی نہیں ہو رہی تمہارے رشتے کی ہو رہی ہے۔“ منصور طلق کے بل چلا یا۔ ”کون ہے وہ تمہارا؟“

”دوست... رخصتی نے بے اختیار کہا۔ منصور کو یقین نہیں آیا۔  
 ”ہوائے فریضہ؟“ رخصتی خاموشی سے منصور علی کو دیکھتی رہی۔ جو اسی انداز میں اسے دیکھ رہا تھا۔  
 ”ہوائے فریضہ ہے وہ تمہارا؟“ منصور علی دھیرے سے بڑبڑایا۔

☆☆☆

امبر نے گلی کا موڑ مڑتے ہی اپنے سامنے ٹی شرٹ اور جینز میں لمبوس ایک لڑکی کو دیکھا۔ وہ اپنے کلمے بالوں کو جھکتے ہوئے دائیں بائیں گلی کے دروازوں پر لگے نمبر دیکھنے میں مصروف تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے اسے کسی گھر کی تلاش تھی۔ اس لڑکی نے بھی اپنی سی ایک نظر امبر پر ڈالی پھر کچھ چوکتے ہوئے امبر کو ایک بار پھر دیکھا۔ امبر نے بھی اس لڑکی کو دوبارہ دیکھا۔ اس کا چہرہ اسے جانا پہچانا لگ رہا تھا اور جس طرح وہ اسے دیکھ کر چونکی تھی یوں لگتا تھا جیسے وہ بھی امبر کو جانتی ہو۔ کوئی اور موقع اور دوسری جگہ ہوئی تو امبر ضرور رک کر اس لڑکی سے بات کرتی مگر اس وقت وہ جس ذہنی کیفیت کا شکار تھی اس میں اسے ہارون کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

وہ اس لڑکی کے پاس سے گزر گئی۔ مگر وہ دس بارہ قدم ہی آگے گئی ہوگی جب ایک جمہا کے ساتھ اسے یاد آیا کہ وہ لڑکی کون تھی۔ اس نے بے اختیار پلٹ کر دیکھا۔ نایاب گلی کا موڑ مڑ کر اس کی گلی میں داخل ہو گئی تھی۔ امبر نے ہونٹ جھنجھ لیے۔ اس نے نایاب کو بہت عرصہ پہلے ایک دو بار دیکھا تھا۔ ایک بار وہ ہارون کے ساتھ ان کے گھر آئی تھی اور دوسری بار اس نے اسے شانتہ کے ساتھ ایک مارکیٹ میں دیکھا تھا اور اب تیسری بار وہ اسے یہاں دیکھ رہی تھی۔ اور وہ وہاں کیا کر رہی تھی؟ کیا وہ اسی کا گھر ڈھونڈ رہی تھی؟ اور اگر ایسا تھا تو کس لیے؟ خوف کی ایک لہری اس کے اندر سے گزر گئی۔ کیا نایاب اس کے اور ہارون کے تعلق کے بارے میں جان چکی تھی اور کیا وہ اسی لیے اس سے ملنا چاہتی تھی۔ لیکن پھر وہ امبر کو پہچان کیوں نہیں سکی؟ کیا اس کی طرح وہ بھی بہت عرصہ کے بعد دیکھنے پر اسے پہچاننے میں ناکام رہی ہے؟

وہاں کھڑے سوالوں کے ایک جھوم نے اسے گھیر لیا تھا۔ یک دم اس کا دل چاہا کہ وہ وہاں گھر چلی جائے۔ ہو سکتا ہے اس وقت گھر میں اس کی ضرورت ہو۔ وہ نایاب کا سامنا کیسے کر رہے ہوں گے؟ میزہ اور صنف؟ مگر وہ خود نایاب کا سامنا کیسے کرے گی؟ شرمندگی نے پہلی بار اسے اپنی گرفت میں لیا اور نایاب آخر اس کے گھر کس لیے گئی تھی؟

کیا وہ اس طرح ری ایکٹ کرنے والی تھی جس طرح میزہ نے رخصتی کے گھر جا کر کیا تھا؟ وہ مزید خوف زدہ ہوئی۔ رخصتی تب باہر نہیں آئی تھی اور چونکدار نے گیٹ ہی نہیں کھولا تھا۔ مگر نایاب کے سامنے تو اس طرح کی کوئی رکاوٹ نہیں تھی۔ وہ اگر ان کے دروازے پر کھڑے ہو کر کچھ کہتی تو چند منٹوں میں پورا محلہ وہاں اکٹھا ہو جاتا اور پھر کیا ہوتا۔ وہ وہاں لوگوں کا سامنا کیسے کرتی۔ یہ کوئی پوش علاقہ نہیں تھا جہاں لوگ ایک دوسرے کی زندگیوں سے لائق رہتے ہیں اور حتی المقدور ایک دوسرے کے معاملات میں ٹانگ اڑانے سے گریز کرتے ہیں، یہاں نایاب کے منہ سے نکلنے والے چند لفظ اس کی اور اس کی فیملی کی زندگی تباہ کر سکتے تھے۔

”میرا وہاں نہ جانا ہی بہتر ہے۔“ اس نے وہاں کھڑے کھڑے یک دم فیصلہ کیا۔ ”مئی اس سے کہہ دیں گی کہ انھوں نے مجھے گھر سے نکال دیا ہے۔ کم از کم اس طرح ان پر تو کوئی آج نہیں آئے گی۔ مجھے واقعی اب اس گھر میں دوبارہ کبھی نہیں جانا چاہیے۔“

امبر نے پلک جھپکتے میں فیصلہ کیا تھا اور پھر تیز قدموں کے ساتھ وہ آگے بڑھ گئی۔

☆☆☆

نایاب نے بھی امبر کی طرح تاخیر سے سہی مگر اسے پہچان لیا تھا کیونکہ امبر پر ایک نظر ڈالتے ہی وہ بری طرح سے چونکی تھی۔ وہ چہرہ اس کے لیے بہت شناسا تھا اور اسے یقین تھا کہ اس نے اسے کہیں ضرور دیکھا ہے۔ شکر کا گھر ڈھونڈتے ہوئے بھی وہ مسلسل اسی لڑکی کے بارے میں سوچ رہی تھی اور شکر کا گھر ڈھونڈنے سے چند منٹ پہلے اسے یاد آ گیا تھا کہ وہ کون تھی اور اسے

جیرانی ہو رہی تھی کہ امبر اس علاقے میں کیا کر رہی تھی۔ پاس سے گزرتے ہوئے اس نے اس کے کندھے پر موجود سزلی بیک بھی دیکھا تھا اور وہ اندازہ لگانے میں مصروف تھی کہ امبر کا اس علاقے سے کیا تعلق ہو سکتا تھا۔

وہ اسد کے حوالے سے امبر کے بارے میں گھر میں کچھ عرصہ پہلے ہونے والی بات چیت سے آگاہ تھی اور وہ یہ بھی جانتی تھی کہ امبر کی وجہ سے اسد اور اس کے والدین کے درمیان شدید اختلافات پیدا ہو گئے تھے۔ اور اب اسے ایک دم وہاں پا کر وہ شدید حیرت کا شکار تھی۔ پھر اسے خیال آیا کہ وہ شمر کے ساتھ یہ بات ڈسکس کر سکتی ہے۔ اگرچہ اسے یقین نہیں تھا کہ شمر کی گزرنے والی کسی لڑکی کے بارے میں زیادہ معلومات دے پائے گا۔

لیکن ہو سکتا ہے۔ امبر پہلے بھی یہاں آتی جاتی رہی ہو۔ اس صورت میں تو شمر یقیناً اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ جانتا ہوگا۔ اس نے سوچا اور کچھ مطمئن ہوتے ہوئے ایک بار پھر دروازے پر لگے ہوئے نمبرز کو دیکھتے ہوئے آگے بڑھنے لگی۔ اس کو یہ سوچ کر گدگدی ہو رہی تھی کہ شمر اسے اس وقت اپنے گھر پر دیکھ کر کس کیفیت کا شکار ہوگا۔ شاید اسے سکتے ہی ہو جائے۔ اس نے آج کانچ میں بڑی خوبصورتی کے ساتھ اپنے گھر انوائٹ کرنے کی بات کو ٹالا تھا۔ نایاب کے اصرار پر اس نے کہا تھا۔

”میرا گھر شہر کی ان بھول بھیلیوں کے اندر ہے جہاں تک پہنچنے کے لیے بہت زیادہ ہائی آئی کیوبیل کی ضرورت ہوتی ہے اور چونکہ تم لڑکی ہو اور لڑکیوں کا آئی کیوبیل بہت کم ہوتا ہے، اس لیے تم صرف ڈیفنس میں بھرا کرو، میرے گھر پہنچنے کا خیال چھوڑ دو۔“

”شمر کو اگر یہ پتا ہوتا کہ مذاق میں کمی ہوئی ایک بات کو نایاب چیلنج کے طور پر لے گی اور اسی شام اس کے گھر پہنچ جائے گی تو وہ ایسی بات زبان سے نکالتے ہوئے سو بار سوچتا۔ مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ نایاب اس کے گھر پہنچنے والی تھی۔

☆☆☆

شائستہ اس دن غصے میں آگ بگولہ اپنے گھر پہنچی تھی۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ اپنے گھر جانے کے بجائے سیدھا فاطمہ کے گھر چلی جائے اور اسے بتائے کہ وہ اتنے سالوں سے اس کا بیٹا جھین کر وہاں بیٹھی ہے۔ اور یہ کہ وہ اس کے بارے میں سب کچھ جانتی ہے۔ اس کے ہاضی کے بارے میں ہر بات کی خبر رکھتی ہے اور یہ بھی کہ وہ دنیا کی آنکھوں میں اب مزید وصال نہیں جھونک سکتی۔ اور اسے بتائے کہ شہیرہ اس کا بیٹا ہے۔ اس کا اپنا خون۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ اپنی اصل ماں سے دور ہو جائے۔ اسے شائستہ کے چہرے اور انداز میں متاثر محسوس ہی نہ ہوتی ہو۔

شائستہ کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ گھر میں موجود ہر چیز کو توڑ ڈالے۔ اس کے کانوں میں شہیرہ کی کمی ہوئی باتیں بار بار گونج رہی تھیں اور ہر بار اس کی گونج اسے دیوانہ کر رہی تھی۔

ہارون سے بات کرنا اب بے حد ضروری ہو گیا تھا۔ اس نے ہارون کے موبائل پر کال کی۔

”مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنا ہے تم فوراً گھر آ جاؤ۔“

ہارون کی آواز سننے ہی اس نے کہا۔

”خیریت ہے؟“ ہارون نے دوسری طرف سے پوچھا۔

”نہیں، خیریت نہیں ہے تم گھر آؤ۔“

”نایاب ٹھیک ہے؟“ ہارون کو پہلا خیال نایاب کا آیا تھا۔

”تمہیں دنیا میں نایاب کے علاوہ بھی کچھ نظر آتا ہے؟“ شائستہ اس کی بات پر بے اختیار جھنجھالی۔ ”ہاں وہ ٹھیک ہے۔ بس میں ٹھیک نہیں ہوں۔ تم گھر آؤ۔ مجھے تم سے بہت ضروری بات کرنا ہے۔“

”وہ ضروری بات رات کو بھی ہو سکتی ہے۔“ ہارون کا لہجہ یک دم تبدیل ہو گیا۔ ”میں اس وقت بہت مصروف ہوں، تمہیں پھر ڈپریشن ہو رہا ہے، تم میڈیسن لو اور سو جاؤ رات کو میں گھر آؤں گا تو بات کریں گے۔“



اس سے پہلے کہ شائستہ کچھ اور کہتی دوسری طرف سے فون بند کر دیا تھا۔ شائستہ نے دوبارہ کال نہیں کی۔ اسے اندازہ تھا کہ ہارون اب اس کی کال ریسیو نہیں کرے گا۔ وہ اس سے اچھی طرح واقف تھا اور یہ پہلا موقع نہیں تھا کہ شائستہ اسے اس طرح اپنا ایک فون کر کے گھر بلا رہی تھی۔

شائستہ کو شہیر کے ساتھ ساتھ ہارون پر بھی شدید غصہ آیا۔ مگر وہ اس وقت بے بس تھی وہ ہارون سے کچھ نہیں کہہ سکتی تھی۔ کچھ دیر وہ اپنے بیڈروم میں بیٹھتے ہوئے ہارون کا انتظار کرتی رہی۔ پھر دوبارہ کال ملائی مگر اس کی کال ریسیو نہیں کی گئی اور پھر ایک دم موبائل آف کر دیا گیا۔ شائستہ کی جھنجھلاہٹ میں اضافہ ہو گیا مگر اس نے پھر بھی اسے کال کرنا جاری رکھا۔ شام گئے بھی جب اسے ہارون کا موبائل آف ملا تو اس نے باری باری اس کے مختلف آفسز میں کال کرنا شروع کر دیا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ اگر مصروف تھا تو کسی نہ کسی آفس میں ہی ملے گا۔ مگر وہ کسی آفس میں نہیں ملا۔ ہر جگہ سے اسے ایک ہی جواب ملتا رہا۔

”ہارون صاحب تو آج آفس نہیں آئے۔“

صرف ایک آفس سے اسے یہ بتایا گیا کہ ہارون گیارہ بجے تقریباً دس پندرہ منٹ کے لیے آفس آئے تھے اور پھر چلے

گئے۔

شائستہ نے ہارون کی سیکرٹری کو فون کیا۔ وہ اس وقت گھر پر تھی۔

”ہارون صاحب کی رات کو کچھ کھٹمنٹس تھیں مگر شام کو ان کا فون آ گیا اور انھوں نے اپنی اپنا کٹمنٹس کینسل کر دیں۔“ اس نے شائستہ کے استفسار پر بتایا۔

”ایسا بھی کیا کام آن پڑا ہے کہ اسے باقی تمام کام چھوڑنے پڑے ہیں۔“ شائستہ بڑبڑائی۔

”تھیں یہ بتایا ہے اس نے کہ وہ اس وقت کہاں ہوگا؟“ اگرچہ اسے یقین تھا کہ سیکرٹری کو اگر اس کے محل وقوع کا پتہ بھی ہوگا تب بھی وہ شائستہ کو اس کے بارے میں کبھی نہ بتائے گی۔ شائستہ، ہارون کی سیکرٹری کو بہت اچھی طرح جانتی تھی۔ وہ ہارون کے اشاروں پر آنکھیں بند کر کے چلتی تھی اور ہارون، شائستہ کو ہر بات کے بارے میں بے خبر رکھنا ضروری سمجھتا تھا۔ سیکرٹری نے اسے متوقع جواب دیا۔ ”سوری میڈم! میں نہیں جانتی وہ کہاں ہیں۔ انھوں نے مجھے اس بارے میں نہیں بتایا۔“

شائستہ نے فون بٹخ دیا۔ اسے اندازہ تھا کہ ہارون اب اپنی مرضی سے گھر آئے گا۔ ہارون کئی بار اسی طرح غائب ہو جاتا تھا اور وہ اندازہ کر سکتی تھی کہ اس کی اس اہم مصروفیت کا تعلق اس کے کسی نئے انفر سے ہوگا۔ مگر کس انفر سے؟ پچھلے کچھ ماہ میں وہ ہارون کے کسی نئے انفر سے واقف نہیں تھی۔ یہ حیران کن تھا مگر اس نے پچھلے کچھ ماہ میں ہارون کے بارے میں کوئی نئی خبر نہیں سنی تھی۔

ہارون کے لیے اس کا یہ انتظار رات ایک بجے ختم ہوا تھا۔ تب تک شہیر کے لیے شائستہ کا غصہ ختم ہو چکا تھا۔ اب اسے ہارون پر غصہ آ رہا تھا اور ہارون کے سامنے آنے پر یہ غصہ کچھ اور بڑھ گیا تھا۔

”ہیلو.....“ ہارون نے بیڈروم میں آتے ہی شائستہ کو صوفے پر بیٹھے ہوئے دیکھ لیا تھا اور اس نے بڑے عام سے انداز میں اس طرح ظاہر کیا تھا جیسے وہ روزانہ اسی وقت گھر آیا کرتا ہو اور آج کوئی غیر معمولی بات نہیں تھی۔

”تمہیں اندازہ ہے کہ میں کس وقت سے تمہارے انتظار میں بیٹھی ہوں؟“ شائستہ اسے دیکھتے ہی اس پر برس پڑی۔ ”تم سے کس نے کہا تھا کہ تم میرا انتظار کرو۔ میں نے تمہیں بتا دیا تھا کہ میں رات کو آؤں گا۔“ ہارون نے سرد مہری سے کہا۔

”رات.....؟“ شائستہ نے کمرے میں لگے وال کلاک کی طرف اشارہ کیا۔ ”یہ رات ہے؟ اگلا دن آچکا ہے۔“

”گھر آچکا ہوں یہ کافی نہیں ہے تمہارے لیے؟“ ہارون جھنجھلاتا ہوا ڈرینگ روم کی طرف بڑھ گیا۔

”نہیں، یہ کافی نہیں ہے میرے لیے۔“ شائستہ اس کے پیچھے آئی۔ ”تم نے مجھ سے جان چھڑانے کے لیے فون بند کر دیا۔ تمہارے ہاتھ کو کیا ہوا؟“

وہ غصے میں بات کرتے کرتے ایک دم چونکی۔ ہارون کا دایاں ہاتھ پٹی میں لپٹا ہوا تھا۔  
”کچھ نہیں ہوا۔“ ہارون نے بیزارگی کے ساتھ ٹائی اتارتے ہوئے کہا۔ ”معمولی چوٹ لگی ہے۔“  
”کیسے؟“ شائستہ نے پوچھا۔

”اب تھمیں چوٹ کی تفصیلات بھی بتاؤں؟“ وہ پلٹ کر اس پر برس پڑا۔ شائستہ نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ وہ بہت پریشان نظر آ رہا تھا۔ ہارون کے ساتھ اتنے سال رہنے کے بعد وہ اس کے چہرے کو آرام سے پڑھ سکتی تھی۔  
”تم پریشان ہو؟“ شائستہ آہستگی سے بولی۔

”اگر میں ہوں تو اس سے تمہارا کوئی تعلق نہیں۔ تم صرف ایک زحمت کرو اور وہ یہ کہ اس وقت اپنا منہ بند کر لو اور مجھے اکیلا چھوڑ دو۔“ ہارون تیزی سے کہتے ہوئے ہاتھ روم میں گھس گیا۔

شائستہ اب قدرے حیرانی سے ہاتھ روم کے بند دروازے کو دیکھ رہی تھی۔ ہارون کا رویہ بے حد عجیب تھا۔ اس نے پلٹ کر ڈریسنگ روم میں پڑے اسٹول پر رکھے ہارون کے کوٹ کو اٹھایا اور کوٹ کو اٹھاتے ہوئے اس کی جیب سے کوئی چیز زمین پر گری تھی۔ شائستہ نے فرش کو دیکھا پھر جھک کر وہ چیز اٹھالی۔ وہ ایک ڈائمنڈ رنگ تھی۔ شائستہ کے ہاتھ پر مل آئے۔ اس نے رنگ کو تھلی پر رکھ کر ایک بار پھر دیکھا۔ اس کا بہر اخون آلود تھا۔

☆☆☆

”آپ کو پتا ہے میری تنخواہ میں اضافہ اور مجھے پر دوشن کیوں دیا گیا؟“

اس دوپہر کھانا کھاتے ہوئے اچانک شبیر نے فاطمہ سے پوچھا۔

”انھوں نے تھمیں وجہ بتائی ہے؟“ فاطمہ نے چاولوں کا ایک چھوٹا سا ڈالٹے ہوئے کہا۔

”انھوں نے وجہ نہیں بتائی کسی اور نے بتائی ہے۔“ شبیر نے کہا۔ ثمر اور ثانی نے بھی کھانا کھاتے ہوئے رک کر شبیر کو دیکھا۔

”کس نے؟“ فاطمہ نے دلچسپی لی، شبیر ایک نظر ثمر کو دیکھتے ہوئے بولا۔

”میری ملاقات سبز ہارون کمال سے ہوئی تھی۔“ ثمر اور ثانی بری طرح چوچکے۔

”تایاب کی می می سے؟“ ثمر نے بے اختیار کہا۔

”ہاں۔“ شبیر نے ناگواری سے سر ہلایا۔

”اور یہ مصیبت تمہاری لائی ہوئی ہے۔ نہ تمہاری تایاب سے دوستی ہوئی نہ تم مجھے ان سے متعارف کرواتے اور نہ وہ عورت میرے پیچھے پڑتی۔“

”کیا مطلب؟“ ثمر چونکا، فاطمہ نے بھی الجھے ہوئے انداز میں اسے دیکھا۔

”اس عورت نے چند بار مجھے لفٹ دی تھی۔ ہر بار اس کا رویہ بے حد عجیب تھا۔“ شبیر نے سنجیدگی سے کہا تھا، ”وہ مجھ سے کرید کرید کر میری لپٹی کے بارے میں پوچھتی رہی۔“

فاطمہ کھانا کھاتے ٹھک گئی۔ ثمر نے سر جھٹکا۔

”یہ سب تایاب کی وجہ سے ہوگا۔ تایاب نے گھر جا کر ہمارے بارے میں کچھ کہا ہوگا اپنی می می سے اور اس کی می می نے آپ سے بات کرنا مناسب سمجھا ہوگا۔“ ثمر نے بڑے اطمینان سے کہا۔ ”تایاب نے مجھے ایک بار بتایا تھا کہ اس کی می می اس کے فرینڈز کے بارے میں بڑی چھان پھان کرتی ہیں۔“

شبیر نے الجھی ہوئی نظروں سے ثمر کو دیکھا۔ ”وہ بات نہیں ہے جو تم سمجھ رہے ہو۔ انھوں نے مجھے بڑی عجیب سی کہانی

سنا ہے۔ ”کیسی کہانی؟“ ثمر حیران ہوا۔ فاطمہ چپ چاپ شبیر کو دیکھ رہی تھی۔ اس کی چھٹی حس اسے بار بار کسی خطرے سے آگاہ کر رہی تھی۔

”انہوں نے مجھے بتایا کہ بچپن میں ان کا کوئی بیٹا گم ہو گیا تھا۔“  
 فاطمہ کے سر پر کسی نے تھوڑا دے مارا۔ لمبی یک دم تھیلے سے باہر آ گئی تھی۔ شبیر کہہ رہا تھا۔  
 ”جس ہسپتال میں وہ پیدا ہوا تھا وہاں پیدائش کے فوراً بعد کسی عورت نے ان کے بچے کو اغوا کر لیا تھا۔“ ثمر اور ثانی بڑی دلچسپی سے شبیر کی بات سن رہے تھے۔

”انہوں نے اور ان کے شوہر نے اس بچے کو تلاش کرنے کی بہت کوشش کی مگر وہ کامیاب نہیں ہوئے۔ وہ مجھے بتا رہی تھی کہ مجھے ہر بار دیکھتے ہی انہیں اسے اس بچے کا خیال آتا ہے۔“  
 فاطمہ پتھر کے بت کی طرح بیٹھی تھی۔ اس نے شبیر کو کسی ہسپتال سے اغوا نہیں کیا تھا۔ اس نے اسے باقاعدہ طور پر ایک جیم خانہ سے اپنی دوست اور اس کے شوہر کے ذریعہ ایڈاپٹ کیا تھا۔ اس کے باوجود وہ شبیر کے منہ سے نکلنے والے الفاظ سن کر بے جان ہو گئی تھی۔ جلد یا بدیر کوئی نہ کوئی اسی طرح کی کہانی لے کر ان کے گھر آنے والا تھا اور اس کے بعد کیا ہوتا یہ اندازہ لگانے کے لیے فاطمہ کو کسی نجومی کی ضرورت نہیں تھی۔

”میرے پاس، سزا ہارون کمال کے بہت اچھے دوست ہیں۔ انہوں نے ان سے کہہ کر مجھے پروموشن دلوائی ہے، اور میں تو آج ان پر بہت مجازا، میں نے انہیں خاصی کھری کھری سناں کی وجہ سے میرے CEO پر کیا اپریشن پڑا ہوگا۔ وہ کیا سمجھتے ہوں گے کہ سزا ہارون کمال میری سفارش کیوں کر رہی ہیں۔ میرا ان کے ساتھ کیا تعلق ہے۔“  
 ثمر نے ایک گہرا سانس لیا۔ ”یہ بھی خاصی فلمی کہانی ہے۔ آج فلمی کہانیوں کا دن ہے۔ کھویا ہوا بیٹا۔ ویسے شبیر بھائی! اگر میں آپ کی جگہ ہوتا تو میں تو آج سزا ہارون کمال کو یہ یقین دلا دیتا کہ ہاں میں ہی ان کا وہ کھویا ہوا بیٹا ہوں۔“  
 وہ اب اس پوری کہانی سے محظوظ ہو رہا تھا۔ فاطمہ نے ثمر کو دیکھا۔ اس نے عجیب سی جھنجھٹ محسوس کی۔ اس نے ساری عمر اسے پالا تھا۔ اور وہ کہہ رہا تھا کہ..... فاطمہ نے ہونٹ بھینچ لیے۔

”سوچیں ذرا چند منٹوں میں قسمت ہی بدل جاتی۔ جھونپڑی سے محل تک کا سفر۔ نہیں نہیں بلکہ کہنا چاہیے کہ اندرون شہر سے ڈیفنس تک کا سفر۔“ ثمر جیسے پنچارے لیتے ہوئے کہہ رہا تھا۔  
 ”کرڈوں کی جائیداد، گاڑیاں، بینک بیلنس۔“ وہ مصنوعی طور پر کہیں کھویا ہوا نظر آ رہا تھا۔  
 ”اس سارے معاملے میں صرف ایک قیامت ہوتی۔“ ثانی نے ثمر کے کان میں سرگوشی کی۔  
 ”پھر تم اور ثانیاب بہن بھائی ہوتے۔“

ثمر نے تیز نظروں سے اسے دیکھا۔ ثانی اپنی مسکراہٹ دہرا رہی تھی۔  
 ”بہت انٹرنٹنگ جوائن ہے۔“ ثمر نے یک دم بات بدلی۔  
 ”تو آپ نے انہیں یہ کہہ دیا کہ آپ ان کے بیٹے نہیں ہو سکتے؟“ ثمر نے مصنوعی مایوسی سے کہا۔  
 ”ہاں، کیونکہ میرا مانگ تمہاری طرح خراب نہیں ہے اور میں خیالی پلاڈ نہیں پکاتا۔“ شبیر نے گھر کتنے والے انداز میں

کہا۔

”ویسے ثانیاب نے کبھی اپنے کسی گمشدہ بھائی کا ذکر نہیں کیا؟“ ثانی نے ثمر سے پوچھا۔  
 ”نہیں، اس طرح کی بات تو اس نے کبھی نہیں کی۔ ویسے بھی اتنی پرانی بات کا وہ مجھ سے کیا ذکر کرتی۔ پوچھوں گا اس سے۔“ ثمر نے کہا۔  
 وہ ایک بار پھر کھانا کھانے میں مصروف ہو گیا۔ مگر اس بار وہ بے حد محظوظ نظر آ رہا تھا۔

”ای! آپ نے کھانا کیوں چھوڑ دیا؟“ مانی اچانک فاطمہ کی طرف متوجہ ہوئی۔ جو اپنی پلیٹ نہیں پر رکھ رہی تھی۔  
 ”مجھے بھوک نہیں ہے۔“ فاطمہ نے بے دلی سے کہا۔  
 ”کیوں، آپ کی بھوک کو کیا ہوا؟ ابھی تو کھانا کھا رہی تھیں۔“ شمیر نے کہا۔  
 ”بس ایسے ہی۔“

”کھانا تو کھاؤں امی! دیکھیں شمیر بھائی آپ کے لیے کروڑوں کی جائیداد چھوڑ آئے ہیں اور آپ ان کی خاطر کھانا تک نہیں کھا سکتیں۔“  
 شمر نے ایک بار پھر مذاق کیا۔ اس بار اسے اپنا منہ کھولنا بہت مہنگا پڑا۔ فاطمہ جیسے پھٹ پڑی۔  
 ”تم اپنا منہ بند نہیں کر سکتے؟“

”کھانا کھاتے ہوئے تینوں کے ہاتھ رک گئے۔ شمر کے چہرے سے مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ فاطمہ یک دم اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ کچھ دیر تک تینوں بے حس و حرکت بیٹھے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر شمیر نے اس خاموشی کو توڑا۔  
 ”تم واقعی اپنا منہ بند رکھنا کیسو۔ ہر بات مذاق کے لیے نہیں ہوتی اور بات کرتے ہوئے یہ دیکھ لیا کرو کہ تم کس سے مخاطب ہو۔“ وہ اپنی پلیٹ چھوڑ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔  
 شمر اور مانی نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ اس سے پہلے کہ ان میں سے کوئی کچھ کہتا۔ سیردنی دروازے پر دستک ہونے لگی۔

دروازہ شمیر نے کھولا تھا۔ دوسری طرف نایاب تھی، شمیر نے اسے فوری طور پر پہچان لیا۔ مگر اس وقت اس کی وہاں موجودگی اس کے لیے حیران کن تھی۔

”میں نایاب کمال ہوں شمر کی فرینڈ..... ایک بار آپ سے بھی ملاقات ہوئی تھی پی پی سی میں۔“

ناياب نے مسکراتے ہوئے اپنا تعارف کروایا۔ شمیر نے مسکراتے ہی کوشش کرتے ہوئے نایاب کو اندر آنے کے لیے راستہ دیا۔ مگر وہ دل ہی دل میں بیچ و تاب کھا رہا تھا۔ شمر اس کے ساتھ کمرشلز میں کام کر رہا تھا اور آج وہ ان کے گھر میں کھڑی تھی۔ وہ ہارون کمال کی بیٹی نہ بھی ہوتی تب بھی شمیر کے لیے اس کی آمد قابل اعتراض ہوتی مگر ہارون اور شائستہ کی بیٹی ہونے کی حیثیت نے نایاب کو شمیر کے لیے کچھ اور متنازع بنا دیا تھا۔

”میں شمر سے ملنا چاہتی ہوں۔“ نایاب نے اندر آتے ہوئے کہا۔

”وہ گھر پر ہی ہے؟“ شمیر نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔

فاطمہ نے پگن سے باہر نکلتے ہوئے گھر کے اندر داخل ہونے والی جینز اور ایک سیلویس شرٹ میں ملبوس لڑکی کو حیرانی سے دیکھا۔

فاطمہ پر نظر پڑتے ہی یہی حیرانی نایاب کے چہرے پر بھی نظر آئی مگر اس نے فوری طور پر خود پر قابو پایا تھا۔ وہ حیرت کے اس ابتدائی جھٹکے سے سنبھل گئی تھی۔

”السلام علیکم آئی.....! میں نایاب ہوں، شمر کی دوست اور کلاس فیلو.....“ اس نے فاطمہ کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔

اندرونی کمرے میں موجود شمر اور مانی دونوں نے نایاب کی آواز سنی تھی۔ شمر بے اختیار دونوں ہاتھ سر پر رکھ کر بچوں کے بل زمین پر بیٹھ گیا۔

”میرے خدا، یہ کہاں سے آ گئی۔“ مانی کو اس کی حالت دیکھ کر بے اختیار ہنسی آئی۔

”جاؤ..... اب جا کر زبان چلاؤ۔ کرو اپنی سبیلی کا استقبال..... کچھ دیر پہلے تک تو امی کے ساتھ بڑی زبان چلا رہے تھے۔ میں نایاب ہوں۔ شمر کی دوست اور کلاس فیلو۔“

مانی نے دبی آواز میں آخری جملے میں نایاب کی نقل اتاری اور کمرے کے دروازے سے باہر نکل گئی۔



”چلو اگلی بار تمہاری مرضی کے کپڑے پہن کر آؤں گی۔“ نایاب نے آرام سے کھیرے کا ایک اور گلوڑا اٹھا کر اپنے منہ میں رکھا۔

”مٹرنے بے اختیار اس کے سامنے دونوں ہاتھ جوڑے۔

”خدا کا کچھ خوف کرو نایاب! اب دوبارہ اس گھر میں آ کر کیا کرنا ہے۔ ایک بار آ کر تسلی نہیں ہوئی تمہاری؟“

”نہیں۔“ نایاب نے بے ساختہ کہا۔ اس سے پہلے کہ مٹرنے کچھ اور کہتا فاطمہ بیٹھیں اور حج لے کر اندر داخل ہوئی۔

”مٹرنے اگر مجھے تمہاری آمد کے بارے میں بتایا ہوتا تو میں تمہارے لیے کوئی خاص ڈش بنا لیتی۔“ فاطمہ نے برتن رکھتے ہوئے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

”نہیں آئی! یہ ٹھیک ہے۔ مجھے چاول پسند ہیں۔“ نایاب نے اطمینان سے پلیٹ پکڑی۔

فاطمہ نے ایک نظر مٹرنے کو دیکھا اور خود بھی وہاں بیٹھ گئی۔

”ثانی اور شہیر بھائی نہیں آئیں گے؟ آپ لوگ میرے آنے سے پہلے کھانا کھا رہے تھے۔“ نایاب نے اپنی پلیٹ میں چاول ڈالتے ہوئے کہا اس کی نظر ٹیبل پر پڑی پلیٹوں پر تھی جنہیں دیکھ کر کسی کے لیے بھی یہ اندازہ لگانا مشکل نہ تھا کہ انہیں استعمال کرنے والے کھانا کھاتے ہوئے اٹھ کر گئے ہیں۔

”شہیر کسی کام سے باہر گیا ہے۔ ثانی ابھی آتی ہے۔“

فاطمہ نے گھاس میں پانی ڈال کر اس کے آگے رکھتے ہوئے کہا۔ وہ اب اطمینان سے چاول کھانے میں مصروف تھی۔ مٹرنے نے فاطمہ کی پلیٹ اٹھا کر اس کی طرف بڑھائی۔ فاطمہ نے قدرے خشکی سے اسے دیکھتے ہوئے پلیٹ پکڑ لی۔

”مٹرا کٹھ آپ کا ذکر کرتا رہتا ہے۔“ نایاب نے کھانا کھاتے ہوئے کہا۔ ”مجھے بہت خواہش تھی آپ سے ملنے کی۔ میں نے کئی بار مٹرنے سے کہا کہ وہ مجھے اپنے گھر لے جائے مگر یہ اسی طرح نال منول کرتا رہا۔“

”مگر اس نال منول کا کیا فائدہ ہوا تم پھر بھی میرے گھر آن دھمکی ہو۔“ مٹرا اپنی پلیٹ پر چہرہ جھکائے بڑبڑایا۔ نایاب نے اس کی بڑبڑاہٹ کو بڑی سہولت سے سن لیا تھا مگر اس نے جان بوجھ کر اسے نظر انداز کیا۔

”آپ کو تو میرا اس طرح آنا برا نہیں لگتا؟“ نایاب! فاطمہ سے مخاطب ہوئی۔

”ارے نہیں..... مجھے کیوں برا لگے گا۔“ فاطمہ اس کی بات پر بے اختیار شرمندہ ہوئی۔ مٹرنے اپنی بے ساختہ مسکراہٹ چھپائی۔ نایاب اس وقت واقعی حد کر رہی تھی۔ وہ اور فاطمہ دونوں اچھی طرح جانتے تھے کہ نایاب کی آمد نہ صرف ان سب کے لیے حیران کن تھی، بلکہ زیادہ پسندیدہ بھی نہیں تھی۔ مگر غیر متوقع بات نایاب کا اپنا رد عمل تھا۔ جواب وہاں اپنی اچانک آمد سے پہنچنے والے شاک کے اثرات کو زائل کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

فاطمہ اور مٹرا کھانا کھاتے ہوئے وقفے وقفے سے ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے جبکہ نایاب بڑے اطمینان اور بخیدگی کے ساتھ پلیٹ میں ڈالے ہوئے چاول سلاہ کے ساتھ یوں کھانے میں مصروف تھی جیسے وہ اسی کام کے لیے وہاں آئی ہو۔

دوسرے کمرے میں موجود ثانی اور شہیر مدہم آواز میں اپنے گھر آنے والی اس کی اچانک آمد کو ڈسکس کرنے میں مصروف تھے۔

☆☆☆

شائستہ نے ہتھیلی پر رکھی اس ڈائمنڈ کی انگوٹھی کو دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں پکڑ لیا۔ اس کے ہاتسے پر کچھ بل نمودار ہوئے تھے۔ وہ اب اس کو بغور دیکھنے میں مصروف تھی۔ ہارون کے کوٹ کی جیب سے نکلنے والی ڈائمنڈ کی انگوٹھی اسے صرف الجھا نہیں رہی تھی، بہت سے شبہات میں بھی جلا کر رہی تھی۔

ہارون جن عورتوں کے ساتھ انخیز چلایا کرتا تھا انہیں تحائف بھی دیا کرتا تھا۔ شائستہ اس بات سے بخوبی واقف تھی مگر

ہارون کسی عورت کو اس قدر متعلق تھا کہ نہیں دیتا تھا اور پھر ایک ہیرے کی انگوٹھی دینے کا کیا مطلب تھا۔ یہ صرف وہی نہیں ہارون بھی اچھی طرح سمجھتا تھا۔ وہ کسی لڑکی کے ساتھ کیا وعدہ کر رہا تھا؟ شائستہ نے ہونٹ ہلچلے ہوئے اس انگوٹھی کو دیکھا۔ اسے اس پر لگے خون سے لچپکی نہیں تھی۔ اسے اس ہاتھ میں دلچسپی تھی جسے وہ پہنائی گئی تھی۔

اس نے انگوٹھی کو منہ میں دباتے ہوئے ہاتھ روم کے بند دروازے کو دیکھا پھر پلٹ کر بیڈ سائیز ٹیبل پر پڑے فون کے پاس گئی۔ ڈائری میں سے اپنے جیولر کے گھر کا نمبر ڈائل کر کے وہ ہارون کمال کے ہاتھ روم سے نکلنے سے پہلے یہ جان چکی تھی کہ وہ انگوٹھی اس کی شاپ سے نہیں خریدی گئی تھی۔ ہارون سے اسے ایسی حماقت کی توقع تھی بھی نہیں، مگر اس کے باوجود ایک موبوم کی امید پر اس نے جیولر سے رابطہ کیا تھا۔

اس نے جس وقت فون کارے سیور رکھا۔ اسی وقت ہارون ہاتھ روم سے باہر نکلا۔ وہ سیدھا اسی کوٹ کی طرف گیا اور اس کی جیبوں کو ٹٹولنے لگا۔ شائستہ خاموشی سے اس کی حرکات دیکھتی رہی۔ وہ ایک دم کچھ پریشان نظر آنے لگا تھا۔ ایک بار تمام جیبوں کو ٹٹول لینے کے بعد وہ ایک بار پھر اپنی جیبوں میں باری باری ہاتھ ڈال رہا تھا۔ شائستہ نے اب مداخلت ضروری سمجھی۔

کیا ڈھونڈ رہے ہو تم؟

وہ کہتے ہوئے اس کے پاس چلی آئی۔ اس کے سوال نے ہارون کو گڑبڑا دیا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ کوٹ کی جیب سے باہر نکال لیا اور بڑے معمول کے انداز میں کوٹ کو بیٹنگ پر لٹکا کر وارڈ روپ کے اندر رکھ دیا۔ پلٹنے پر وہ ساکت رہ گیا۔ شائستہ اس کے بالنتقال وہ انگوٹھی اپنی ہتھیلی پر رکھے ہاتھ پھیلانے کھڑی تھی۔

”میرا خیال ہے تمہیں اس کی تلاش ہے۔“

شائستہ کا لہجہ خلاف توقع بڑ سکون تھا۔ مگر ہارون اس سکون کے بارے میں کسی غلط فہمی کا شکار نہیں ہو سکتا تھا۔ وہ شائستہ کی پارہ صفت طبیعت سے اچھی طرح واقف تھا۔

”ہاں..... تمہیں یہ کہاں سے ملی؟“ ہارون نے اپنے اعصاب پر قابو پاتے ہوئے شائستہ کی ہتھیلی سے وہ انگوٹھی اٹھانا چاہی شائستہ نے منہ کی ہتھیلی پر ایک بار پھر بند کر لی۔

”یقیناً یہ انگوٹھی تم میرے لیے تو خرید کر نہیں لائے تو پھر وہ کون خوش قسمت ہے جس کے لیے یہ خریدی گئی ہے، یا جس نے شاید تمہارے منہ پر دے ماری ہے۔“ شائستہ سے تقریباً دانت پیٹتے ہوئے کہا۔

”اتفاقاً نہ باتیں مت کرو..... مجھے یہ کہیں سے گری ہوئی ملی ہے۔“

ہارون کمال کو احساس تھا کہ اس کے منہ سے نکلنے والا یہ بہانا بذات خود بہت اتفاقاً نہ لگ رہا ہے مگر فوری طور پر اس کے ذہن میں اس کے علاوہ اور کوئی بات نہیں آئی تھی۔ اگر اسے یہ اندازہ ہوتا کہ وہ انگوٹھی شائستہ کے ہاتھ لگ جائے گی اور اس سلسلے میں اسے شائستہ کا سامنا کرنا پڑے گا تو وہ ذہنی طور پر اس صورت حال کے لیے تیار ہوتا اور یقیناً کوئی نہ کوئی بہانا بھی تیار رکھتا مگر شائستہ کی ہتھیلی پر انگوٹھی دیکھ کر وہ ایک دم اتنا زورس ہوا تھا کہ وہ اس بہانے سے زیادہ بہتر کوئی وجہ پیش نہیں کر سکا۔

”تم کس کو بے وقوف بنانے کی کوشش کر رہے ہو ہارون؟“ شائستہ اس کی بات پر ایک دم بھڑک اٹھی۔

”مجھے؟ تم میری نظروں میں دھول جھونکنے کی کوشش کر رہے ہو؟ مجھے یہ بتانے کی کوشش کر رہے ہو کہ ہارون کمال جیسا انڈسٹریل رستے میں گری ہوئی رنگڑاٹھا پھرتا ہے اور پھر گھر لاکر انہیں پاگلوں کی طرح ڈھونڈتا پھرتا ہے؟“

”یہ ایک اتفاق ہے شائستہ! اور زندگی میں اتفاقات اکثر ہوتے رہتے ہیں۔“ ہارون نے اپنے جھوٹ پر جسے رہنے کا فیصلہ لے کر بھر میں کر لیا تھا۔

شائستہ نے تب ہی اس کے دائیں گال پر کان سے کچھ فاصلے پر لگی بیڈ سائیز ٹیبل کو دیکھا۔ ہاتھ روم میں جانے سے پہلے اس کے چہرے پر کوئی بیڈ سائیز ٹیبل نہیں تھی۔ اگر اسے وہاں کوئی چوٹ لگی ہوئی تھی تو اس کے ہاتھ روم میں جانے سے پہلے شائستہ نے اس

پر غور نہیں کیا تھا مگر اب..... ہارون نے اس کی نظروں کو اپنے چہرے پر محسوس کیا تھا۔ اس کے ماتھے پر ہل تھے اور آنکھوں میں الجھن۔

”میرا ایک چھوٹا سا ایکٹیڈ ہو گیا تھا۔“ ہارون نے گال پر لگی جینز اینڈ کو چموتے ہوئے کہا۔

”کیا ایکٹیڈ؟“ شائستہ کا لہجہ نرم نہیں ہوا تھا۔

”تم اس وقت میری جان چھوڑ دو۔ صبح مجھ سے یہ سارے سوال کر سکتی ہو۔“

ہارون ہزاروں سے کہتے ہوئے بیڈروم کی طرف بڑھ گیا۔ اس نے ایک دم انگوٹھی کا ذکر گول کر دیا۔

شائستہ اس کی بے پروی کرتے ہوئے۔ اس کے پیچھے بیڈروم میں چلی آئی۔ انگوٹھی ابھی بھی اس کی منحنی میں دبلی ہوئی تھی۔

”یہ رنگ کہاں سے ملی ہے تمہیں؟“

”جہنم سے۔“ ہارون نے بے ساختہ کہا۔ ”اور میں تو اب پچھتا رہا ہوں کہ میں نے اسے اٹھایا کیوں۔ وہیں پڑی رہنے دیتا، کم از کم اس وقت اس انگوٹھی کی وجہ سے تم میرا دماغ تو نہ کھار ہی ہوتیں۔“

وہ اب بھی جھنجھلایا ہوا تھا۔ اسے چند لمحے لگے تھے خود پر قابو پانے میں مگر ان چند لمحوں میں وہ اس مشکل صورت حال سے باہر نکل آیا تھا، جس میں کچھ دیر پہلے وہ شائستہ کی وجہ سے پھنسا ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ شائستہ کے سامنے وہ جتنا دفاعی رویہ رکھے گا یہ اس کے لیے اتنا ہی نقصان دہ ہوگا۔

یہ یقین ہونے کے باوجود کہ وہ انگوٹھی ہارون کو رستے میں نہیں ملی تھی شائستہ پھر بھی کچھ متذبذب ہو گئی۔ ہارون اب اپنے بیڈ پر بیٹھا سگریٹ سلگانے میں مصروف تھا۔ شائستہ نے اپنے بیڈ سائڈ ٹیبل کی دراز کھولی اور وہ انگوٹھی تقریباً پھینکنے کے سے انگاز میں اندر رکھی۔ وہ اس کے بارے میں پھر کبھی بات کر سکتی تھی۔ اس وقت ضروری تھا کہ وہ اس سے وہ بات کرنی جو وہ کرنا چاہتی تھی۔

”مجھے تم سے کچھ بات کرنی ہے۔“ اس نے بیڈ کی طرف آتے ہوئے کہا۔

”اگر تمہیں.....“

شائستہ نے ہارون کی بات کاٹ کر کہا۔ ”مجھے رنگ اور تمہارے ایکٹیڈ کے بارے میں نہیں کسی اور ٹاپک پر بات کرنی ہے۔“

ہارون کے چہرے پر سگریٹ کا کش لیتے ہوئے بے اختیار اطمینان کا سایہ لہرایا۔ آخر کار وہ اس موضوع سے جان چھرانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ شائستہ اس کے بیڈ کے سامنے صوف پر بیٹھ گئی۔

ہارون نے سگریٹ کا ایک اور کش لگایا۔ ”کرد۔“

”مجھے اپنا بیٹا مل گیا ہے۔“ ہارون کے ہاتھ سے سگریٹ نیچے گر پڑا۔ آج کی رات اس کی زندگی کی واقعی سب سے خراب ترین رات تھی۔

☆☆☆

”رائی کا پہاڑ مت بناؤ منصور!“ رخشی نے تیز آواز میں اس سے کہا۔

”آپ بوائے فرینڈ یوں کہہ رہے ہیں جیسے.....“ منصور نے اسے بات مکمل کرنے نہیں دی۔

”وہ تمہارا بوائے فرینڈ ہے۔“ وہ جیسے غرایا۔

”آپ اصرار کر رہے ہیں تو یہی سمجھ لیں کہ وہ میرا بوائے فرینڈ ہے۔“

رخشی نے ترکی بہ ترکی کہا۔ منصور بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ وہ اس کی بیوی تھی اور اس کے نزدیک بوائے فرینڈ

جیسے ایک بہت ہی بے ضرر شے تھی۔

”آپ اگر اسے کزن ماننے پر تیار نہیں ہو تو ٹھیک ہے پھر آپ اسے میرا بوائے فرینڈ کہہ لیں۔“

رخشی کا اطمینان قابل رشک تھا۔



”تم اپنے شوہر کو اپنے بوائے فرینڈ کے بارے میں بتا رہی ہو؟“

میں نے اپنے شوہر کو دعوت نہیں دی تھی کہ وہ مجھ سے میرے بوائے فرینڈ کے بارے میں پوچھے اور میں اسے بتاؤں۔“

رشی نے تیز ہو کر کہا۔  
”شوہر کو اگر اچانک اتنے سوال کرنے کا شوق پیدا ہو گیا ہے تو پھر اسے بوائے فرینڈ کے بارے میں جان کر اتنا شاک

کیوں لگا ہے؟“

”تم میری بیوی ہو۔“

”اور آپ سے شادی سے پہلے میں آپ کی گرل فرینڈ تھی اور آپ میرے بوائے فرینڈ۔ اس وقت آپ کو اس رشتے یا

تعلق پر اتنا شاک کیوں نہیں لگا تھا؟ رشی نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

منصور کچھ بول نہیں سکا رشی پہلے بھی اس سے جھگڑا کیا کرتی تھی مگر جس طرح کی باتیں وہ آج کر رہی تھی وہ اس نے

پہلے نہیں سنی تھیں۔

”مجھے یہ مت بتاؤ کہ شادی سے پہلے میرا اور تمہارا کیا تعلق تھا۔“ منصور نے اپنے حواس پر جیسے قابو پاتے ہوئے کہا۔

”اب میں تمہارا شوہر ہوں اور میرے لیے صرف یہی بات اہمیت رکھتی ہے۔“

”آپ اگر میرے شوہر ہیں تو آپ کو مجھے بیوی والی عزت دینی چاہیے۔“

”بیوی والی عزت یا آزادی؟“

”ہاں آزادی بھی۔“ رشی نے اس کے طنز کا برا نہیں مانا۔ ”آپ میرے پر کاٹ کر مجھے کسی پنجرے میں قید نہیں کر

سکتے۔“

”اگر پنجرے میں رکھنا تھا تو پھر نیزہ آپ کے لیے زیادہ مناسب بیوی تھی۔ وہ موٹی، بھدی اور زبان دراز بیوی جس پر

کوئی دوسری نظر ڈالنا پسند نہیں کرتا تھا۔“ رشی کے انداز میں تضحیک تھی۔

”اور جس کے گلے میں پنڈال کر آپ اسے جہاں چاہے اسے باندھ دیتے۔“

”تم اپنے بارے میں کیا کہو گی جو بنیر پٹے کے جگہ جگہ منہ مارتی پھر رہی ہو۔“

”میں تمہارا انتخاب ہوں منصور! رشی کو اس کے جملے نے تپا دیا۔ ”وہ ایک دم آپ سے تم پر اُتر آئی مجھے اپنی مرضی سے

اپنی زندگی میں لے کر آئے تھے تم..... تم نے کہا تھا کہ تمہیں مجھ سے محبت ہو گئی ہے۔ میں نے تمہیں دعوت نہیں دی تھی کہ تم اپنا

پرپوزل لے کر میرے پاس آؤ۔“ وہ احساس کا مذاق اڑا رہی تھی۔

۔ ”تم نے کہا تھا کہ تم میرے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ مر جاؤ گے۔ اپنی بیٹی کی عمر والی لڑکی نہ ملی تو مر جاؤ گے۔“

”اپنا منہ بند رکھو“ منصور بے اختیار چلایا۔ ”کیوں بند کروں؟ اب کیوں بند کر لوں۔“

”بھونکتا بند کرو۔“ منصور ایک بار پھر دھاڑا۔

”میں بھونکتا بند کروں تاکہ تم بھونکتا شروع کر سکو۔ ابھی تک شوق پورا نہیں ہوا تمہارا۔ میں تو سمجھ رہی تھی کہ کافی بھونک

چکے ہو تم.....“

”میں دیکھوں گا تم دو بارہ میرے گھر سے کس طرح قدم باہر نکالتی ہو..... میں تمہاری ٹانگیں توڑ دوں گا اور اس کو تو میں

دیکھ لوں گا۔“

منصور نے رشی کے بوائے فرینڈ کو گالی دیتے ہوئے کہا۔ ادب و لحاظ اور پیار محبت کا وہ چولا جو وہ اتنے عرصے سے ایک

دوسرے کے سامنے اوڑھے ہوئے تھے۔ وہ آج ایک دم اتر گیا تھا۔ اب دونوں جیسے ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو رہے

تھے۔

”تمہارا گھر؟“ رشی نے معنوی حیرت سے کہا۔

”کون سا گھر...؟ جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے۔ میں آج تک تمہارے گھر میں نہیں اپنے گھر میں رو رہی ہوں۔“

”اس گھر کے کاغذات میرے پاس ہیں۔“

”اور ان کاغذات پر یہ گھر میرے نام ہے۔“ رخشی نے جواباً کہا۔

”کاغذات پر نام جس کا بھی ہو گھر اس کا ہوتا ہے جس کے پاس کاغذات ہوتے ہیں اور میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ کاغذات تم کو تمہارا دیتا۔ تم جیسی عورتیں گھر بسانے والی نہیں ہوتیں صرف گھر اجازت کے لیے آتی ہیں۔“ منصور کو اس وقت رخشی کے وجود سے کھن آری تھی۔

”میرے جیسی عورتیں آسمان سے تم جیوں کے گھر نہیں چکیں۔ ہاتھ پکڑ کر دروازے کھڑکیاں کھول کر تم لوگ اندر لاتے ہو بلکہ سر پر بٹھا کر اندر لاتے ہو۔“

”میں نے تم پر احسان کیا تھا رخشی... تم سے شادی کر کے۔ ورنہ کتنے مرد نام دیتے ہیں...؟ شادی کرتے ہیں تم جیسی عورتوں سے؟“ منصور اب اس پر اپنے احسان جتا رہا تھا۔

”تمہاری عمر کا ہر دوسرا مرد میری عمر کی لڑکیوں سے اسی طرح آنکھیں بند کر کے شادی کرنے پر تیار ہو جاتا ہے، تم نے احسان کیا تھا مجھ پر...؟ یا میں نے احسان کیا تھا تم پر... تم یاد کرو مجھ سے شادی کے لیے کس طرح نہیں کرتے پھرتے تھے تم میرے سامنے۔“

”وہ میری زندگی کی سب سے بڑی حماقت تھی۔“ منصور نے بے اختیار کہا۔

”تمہارا اصل تو یہ ہے جو تم اب دکھا رہی ہو مجھے۔“

”اور تمہارا اصل میں بہت پہلے سے جانتی تھی۔ میرے گھر سے چلے جاؤ۔“ وہ حلق کے بل چلائی۔ منصور نے بے اختیار اس کے چہرے پر تھپڑ دے مارا۔

”تمہارا گھر...؟ یہ میرا گھر ہے۔ تم جاؤ یہاں سے۔ ابھی اور اسی وقت اپنے بیٹے کو لے کر یہاں سے چلی جاؤ۔“ رخشی ہاتھ گال پر رکھے سرخ آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھتی رہی، پھر کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گئی۔ منصور زخمی شیر کی طرح بیڑوم میں یہاں سے وہاں پھرتا رہا۔

اس کے غصے کو اتارنے میں چند گھنٹے لگے تھے اور غصہ اترتے ہی رخشی کی نفرت بھی غائب ہو گئی تھی۔ وہ ایک بار پھر اسی طرح اس کی محبت میں گرفتار تھا مگر رخشی سے کچھ شکوے اور شکایتوں کے ساتھ۔ اسے اندازہ تھا کہ رخشی اس کے بیٹے کو لے کر وہاں سے نہیں گئی۔ وہ یقیناً اپنے بیٹے کے ساتھ دوسرے کمرے میں ہی سو گئی تھی۔

منصور بلا آخر کمرے میں چلتے چلتے تھک گیا۔ وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ رخشی کی طرف سے اسے کوئی فکر اور پریشانی نہیں تھی اسے یقین تھا۔ وہ اسے منالے گا۔ وہ پہلے بھی اسے منانے میں ہمیشہ پہل کر رہا تھا مگر یہ اس کا بوائے فرینڈ تھا جس کا خیال آنے پر اس کا خون ایک بار پھر کھولنے لگتا۔ اسے رخشی کی ڈھٹائی پر بھی حیرانی ہو رہی تھی کہ اس نے اس دیدہ دلیری کے ساتھ اس کے سامنے نہ صرف اسے اپنا بوائے فرینڈ تسلیم کیا تھا بلکہ اس کی خاطر اس سے جھگڑا بھی مول لیا تھا۔ مگر اس کے باوجود اسے یقین تھا کہ ایک بار ناراضی دور ہونے کے بعد وہ رخشی کو سمجھا دے گا کہ وہ دوبارہ اس لڑکے سے کبھی نہ ملے۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ رخشی خود ہی اپنی غلطی کو تسلیم کرے گی اور اس لڑکے کے ساتھ قطع تعلق کر لے گی اور ایسی صورت میں وہ اس کی اس غلطی کو معاف کر دے گا۔

منصور علی یہ فیصلہ کر کے خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ بلکہ اسے اپنی ”اعلاظرنی“ پر رشک بھی آ رہا تھا۔ آخر دنیا میں ایسے کتنے مرد ہوتے ہوں گے جو اس جیسا طرف رکھتے ہوں گے۔ آنے میں نمک کے برابر۔ وہ یقیناً ایک مثالی انسان اور شوہر تھا۔ اس نے تصور ہی تصور میں جیسے اپنے کندھے کو خود ہی تھپکا۔

”کون سا گھر...؟ جہاں تک میری یادداشت کام کرتی ہے۔ میں آج تک تمہارے گھر میں نہیں اپنے گھر میں رو رہی ہوں۔“

”اس گھر کے کاغذات میرے پاس ہیں۔“

”اور ان کاغذات پر یہ گھر میرے نام ہے۔“ رخشی نے جواباً کہا۔

”کاغذات پر نام جس کا بھی ہو گھر اس کا ہوتا ہے جس کے پاس کاغذات ہوتے ہیں اور میں اتنا بے وقوف نہیں ہوں کہ کاغذات تم کو تمہارا دیتا۔ تم جیسی عورتیں گھر بسانے والی نہیں ہوتیں صرف گھر اجازت کے لیے آتی ہیں۔“ منصور کو اس وقت رخشی کے وجود سے کھن آری تھی۔

”میرے جیسی عورتیں آسمان سے تم جیوں کے گھر نہیں چکیں۔ ہاتھ پکڑ کر دروازے کھڑکیاں کھول کر تم لوگ اندر لاتے ہو بلکہ سر پر بٹھا کر اندر لاتے ہو۔“

”میں نے تم پر احسان کیا تھا رخشی... تم سے شادی کر کے۔ ورنہ کتنے مرد نام دیتے ہیں...؟ شادی کرتے ہیں تم جیسی عورتوں سے؟“ منصور اب اس پر اپنے احسان جتا رہا تھا۔

”تمہاری عمر کا ہر دوسرا مرد میری عمر کی لڑکیوں سے اسی طرح آنکھیں بند کر کے شادی کرنے پر تیار ہو جاتا ہے، تم نے احسان کیا تھا مجھ پر...؟ یا میں نے احسان کیا تھا تم پر... تم یاد کرو مجھ سے شادی کے لیے کس طرح نہیں کرتے پھرتے تھے تم میرے سامنے۔“

”وہ میری زندگی کی سب سے بڑی حماقت تھی۔“ منصور نے بے اختیار کہا۔

”تمہارا اصل تو یہ ہے جو تم اب دکھا رہی ہو مجھے۔“

”اور تمہارا اصل میں بہت پہلے سے جانتی تھی۔ میرے گھر سے چلے جاؤ۔“ وہ حلق کے بل چلائی۔ منصور نے بے اختیار اس کے چہرے پر تھپڑ دے مارا۔

”تمہارا گھر...؟ یہ میرا گھر ہے۔ تم جاؤ یہاں سے۔ ابھی اور اسی وقت اپنے بیٹے کو لے کر یہاں سے چلی جاؤ۔“ رخشی ہاتھ گال پر رکھے سرخ آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھتی رہی، پھر کچھ کہے بغیر کمرے سے نکل گئی۔ منصور زخمی شیر کی طرح بیزار دم میں یہاں سے وہاں پھرتا رہا۔

اس کے غصے کو اتارنے میں چند گھنٹے لگے تھے اور غصہ اترتے ہی رخشی کی نفرت بھی غائب ہو گئی تھی۔ وہ ایک بار پھر اسی طرح اس کی محبت میں گرفتار تھا مگر رخشی سے کچھ شکوے اور شکایتوں کے ساتھ۔ اسے اندازہ تھا کہ رخشی اس کے بیٹے کو لے کر وہاں سے نہیں گئی۔ وہ یقیناً اپنے بیٹے کے ساتھ دوسرے کمرے میں ہی سو گئی تھی۔

منصور بلا آخر کمرے میں چلتے چلتے تھک گیا۔ وہ صوفے پر بیٹھ گیا۔ رخشی کی طرف سے اسے کوئی فکر اور پریشانی نہیں تھی اسے یقین تھا۔ وہ اسے منالے گا۔ وہ پہلے بھی اسے منانے میں ہمیشہ پہل کر رہا تھا مگر یہ اس کا بوائے فرینڈ تھا جس کا خیال آنے پر اس کا خون ایک بار پھر کھولنے لگتا۔ اسے رخشی کی ڈھٹائی پر بھی حیرانی ہو رہی تھی کہ اس نے اس دیدہ دلیری کے ساتھ اس کے سامنے نہ صرف اسے اپنا بوائے فرینڈ تسلیم کیا تھا بلکہ اس کی خاطر اس سے جھگڑا بھی مول لیا تھا۔ مگر اس کے باوجود اسے یقین تھا کہ ایک بار ناراضی دور ہونے کے بعد وہ رخشی کو سمجھا دے گا کہ وہ دوبارہ اس لڑکے سے کبھی نہ ملے۔ اسے یہ بھی یقین تھا کہ رخشی خود ہی اپنی غلطی کو تسلیم کرے گی اور اس لڑکے کے ساتھ قطع تعلق کر لے گی اور ایسی صورت میں وہ اس کی اس غلطی کو معاف کر دے گا۔

منصور علی یہ فیصلہ کر کے خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کر رہا تھا۔ بلکہ اسے اپنی ”اعلاظرنی“ پر رشک بھی آ رہا تھا۔ آخر دنیا میں ایسے کتنے مرد ہوتے ہوں گے جو اس جیسا طرف رکھتے ہوں گے۔ آنے میں نمک کے برابر۔ وہ یقیناً ایک مثالی انسان اور شوہر تھا۔ اس نے تصور ہی تصور میں جیسے اپنے کندھے کو خود ہی تھپکا۔

بیتے ہوئے اس نے اس تحفے کا انتخاب کیا جسے کل اسے صلح کی خوشی میں خوشی کو خرید کر دینا تھا۔ وہ جانتا تھا۔ تحفے کی قیمت اتنی ہی زیادہ ہونا چاہیے، جتنا بڑا جھڑا ہوا ہے۔ خوشی کو جیولری پسندھی اور پہلے ہونے والے تمام جھڑوں کی صفائی میں بھی وہ اسے جیولری ہی پیش کرتا رہتا تھا۔ آنکھیں بند کرنے سے پہلے اس نے اندازہ لگانے کی کوشش کی کہ اس بار اسے خوشی کا موزہ ٹھیک کرنے کے لیے کتنی مالیت کا زیور خریدنا پڑے گا۔ وہ ناکام رہا اور اسے اس ناکامی سے ولی سرت ہوئی۔ اپنی پسند کی عورت پر اس کی پسند اور مرضی کے مطابق روپیہ لٹانے میں کیا حرج تھا۔ بیڈ سائڈ ٹیبل لیپ آف کرتے ہوئے منصور بہت مطمئن اور سرور تھا۔ دو صرف یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ اس کے گھر میں اس کی آخری رات ہے۔

☆☆☆

”آپ نے اسے اس طرح گھر سے نکال کر اچھا نہیں کیا۔“ صبیذہ دروازہ بند کرنے کے بعد بے قراری کے عالم میں اندر کرے میں میزہ کے پاس آئی تھی۔

”وہ اس وقت کہاں جائے گی؟“ صبیذہ اپنی انگلیاں جھٹانے لگی۔ ”کچھ تو سوچا ہوتا آپ نے اسے گھر سے نکالنے

ہوئے۔“ وہ میزہ سے کہہ رہی تھی جو امبر کے جانے کے باوجود ابھی تک اشتعال میں تھیں۔

”وہ جنہم میں جائے۔ مجھے پروا نہیں ہے۔“ میزہ نے ترخ کر کہا۔ ”اس جیسی نافرمان اولاد کو وہیں جانا چاہیے۔ وہ میرے نکالنے پر نہ جاتی تو ایک دن خود ہی چلی جاتی۔ اسے ہمارے ساتھ نہیں رہنا تھا۔“

”ہم اسے سمجھا سکتے تھے۔“

”وہ بیٹیس کے آگے کتنی دیر بین بجائی جا سکتی ہے۔ اسے سمجھا نامکن ہوتا تو وہ اب تک سمجھ چکی ہوتی۔“ میزہ کو اسے گھر

سے نکالنے پر کوئی شرمندگی نہیں تھی۔

صبیذہ سر پکڑ کر کمرے میں پڑے اگلوٹے صوفے پر بیٹھ گئی۔

”تھیں اس کے بارے میں اتنا پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔“ میزہ نے اس کو سر پکڑتے دیکھ کر کہا۔ ”وہ

سڑکوں پر ماری ماری نہیں پھرے گی، وہ سیدھا ہارون کمال کے پاس جائے گی۔“

”اور آپ نے یہ جانتے ہوئے بھی اسے یہاں سے نکال دیا۔“ صبیذہ بری طرح مگڑی۔

”ہاں میں نے اسے نکال دیا۔ جو کام اسے کل کرنا ہے وہ آج کر لے، جو کالک اسے کل ہمارے چہرے پر لٹھی ہے وہ

آج ہی مل دے۔“

صبیذہ نے حیرت سے ماں کو دیکھا۔ ”آپ کو اگر اسے اس طرح ہارون کمال سے شادی کی اجازت دینا تھی تو پھر خود اس

کی شادی اس سے کر دیتیں کم از کم وہ باعزت طریقے سے اس گھر سے تو جاتی۔“

”میں اپنے ہاتھ سے اس کی شادی ہارون کمال سے کرنے کے بجائے اسے مار دینا زیادہ بہتر سمجھتی۔“ میزہ نے تیز آواز

میں کہا۔ ”وہ مجھ پر تنقید کر رہی تھی۔ آج اتنے عرصے کے بعد اسے یاد آ گیا کہ اس کا باپ بڑا موصوم تھا۔ صرف میں تھی جو خطا وار تھی، جو اس قابل نہیں تھی کہ اس کے باپ کے ساتھ رہ پاتی۔ اس لیے اگر اس کے باپ نے مجھے طلاق دی تو ٹھیک کیا، میں اسی

قابل تھی کہ اس گھر سے نکالی جاتی۔ میرے گھر کو تباہ کر کے وہ مجھے عقل سکھانے چلی گئی۔“

صبیذہ یک دم اٹھ کر کمرے سے باہر نکل آئی۔ اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا۔ وہ دوسرے کمرے میں بیٹھی زارا اور رابعہ

کی حالت کا اندازہ لگا سکتی تھی۔ میزہ کو سمجھانا بے کار تھا، بالکل اسی طرح جس طرح امبر کو سمجھانا بے کار تھا۔

صحن میں پڑی کرسی پر بیٹھ کر اس نے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔ زندگی کی کتاب کا ہر باب پہلے سے زیادہ بھیا تک

ہوتا جا رہا تھا اور صفحات تھے کہ ختم ہونے پر ہی نہیں آ رہے تھے۔ ہر نیا صفحہ..... نیا ورق..... نئے لفظ..... نئے حرف.....

تکلیف..... اذیت..... درد..... رسوائی.....

اسے کوئی شہینہ نہیں تھا کہ امبر وہاں سے نکل کر سیدھا ہارون کمال کے پاس ہی گئی ہوگی۔ اور اسے یہ خیال ہی تکلیف میں

بٹکا کر رہا تھا۔ وہ اتنے عرصے سے اسے ہارون کمال سے بچانے کے لیے تنگ و دو کر رہی تھی اور ایک دم ہی وہ اس جدوجہد میں ناکام ہو گئی تھی۔

چند لمحوں کے لیے اس کے اندر شدید خواہش جاگی کہ وہ کسی سے وہ سب کچھ کہہ پاتی جو وہ محسوس کر رہی تھی۔ اس نے صحن کی دیوار کو دیکھا۔ اس کا دل چاہا وہ بھاگ کر شبیر کے پاس چلی جائے۔ اسے اپنے آپ سے خوف آیا۔ کیا وہ بھی امیر کی طرح بے یقینی کی کیفیت کا شکار ہو رہی تھی؟ کیا امیر بھی اسی لیے ہارون کمال کے پاس بھاگ کر جا رہی تھی۔ کیا وہ بھی اس گھر میں اسی حلقہ کا شکار ہو رہی تھی۔ کیوں؟ اس گھر میں کونسا آسیب تھا جو ان سب کو اس بری طرح متھصل کر رہا تھا؟ کیا یہ صرف حالات تھے؟ برے حالات؟ یا پھر امیر نے ٹھیک کہا تھا۔ نیزہ واپسی ایک ”بری ماں“ تھی؟

صند کی کینٹیوں میں جیسے دھماکے ہونے لگے تھے۔ اس کے دل کو کوئی ٹھنسی میں لے کر بری طرح مسل رہا تھا۔ اسے ایک بار پھر امیر کا خیال آ رہا تھا۔ امیر کو نہیں جانا چاہیے تھا۔ اسے اس گھر سے نہیں جانا چاہیے تھا۔ اس نے سر اٹھا کر آسمان پر پھیلی ہوئی تاریکی کو دیکھا۔ آسمان پر کہیں کوئی ستارہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ آج بلا کی تاریکی تھی۔

☆☆☆

نایاب، شمر کے گھر تقریباً دو گھنٹے رہی تھی۔ دو گھنٹے کے بعد بلا آخر اس نے داہسی کا ارادہ ظاہر کیا۔ فاطمہ کے کہنے پر شمر اسے اس کی گاڑی تک چھوڑنے آیا تھا۔

تنگ گھبوں کے اندر سے گزرتے ہوئے نایاب نے شمر سے کہا۔

”تمہارا موڈ اب تو ٹھیک ہو گیا ہو گا مجھے داہس جاتا دیکھ کر۔“ اس کا انداز ٹیکھا تھا۔

”ہاں بہت خوش ہوں میں..... میرا دل باغ باغ ہو رہا ہے۔“ شمر نے قدر سے جھنجھلائے ہوئے انداز میں کہا۔

”آخر میری زندگی کی یہی تو سب سے بڑی خواہش تھی کہ تمہیں اپنے گھر آتا اور پھر داہس جاتا دیکھوں۔ ویسے تمہیں میرا ایڈریس کس نے دیا تھا؟“ شمر کو اچانک خیال آیا۔

”یہ سوال غیر ضروری ہے۔ خاص طور پر اب جب میں تمہارے گھر پہنچ چکی ہوں۔“ نایاب نے اطمینان سے کہا۔ شمر نے جیتتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

”مجھے تم سے کم از کم اس حماقت کی توقع نہیں تھی۔“

”تمہارے گھر آنا حماقت ہے؟“

”ہاں۔“

”تم میرے لباس کی وجہ سے کہہ رہے ہو؟“

”میں تمہاری جنس کی وجہ سے کہہ رہا ہوں۔“

”تمہارے گھر والے اتنے کنزرویٹیو ہیں کہ تمہاری گرل فرینڈ کا آنا انہیں برا لگے گا؟“

”اول تو تم میری گرل فرینڈ نہیں ہو اور.....“ نایاب نے اس کی بات کی۔

”فرینڈ تو ہوں؟“

”نہیں، فرینڈ بھی نہیں ہو۔“ شمر نے کہا۔

نایاب چلتے چلتے اچانک رک گئی۔ شمر کی چمٹی حس نے بے اختیار اسے خطرے کا احساس دلایا۔ وہ غلط جگہ پر غلط بات کہہ بیٹھا تھا۔

”فرینڈ نہیں ہوں تمہاری؟“ نایاب نے کمر پر دونوں ہاتھ رکھتے ہوئے پوچھا۔

”میں.....“ شمر نے کچھ کہنا چاہا مگر نایاب نے اس کی بات کاٹ دی۔

”تم صحیح کہہ رہے ہو میں فرینڈ نہیں ہوں تمہاری اور میں تمہاری فرینڈ بننا بھی نہیں چاہوں گی۔“

وہ اطمینان سے کہہ رہی تھی۔ شرکی جان میں جان آئی۔ اس کے اطمینان کا مطلب تھا کہ اسے فہم نہیں آیا۔  
 ”پلیس؟“ شرنے اسے یاد دلایا۔

”ہاں چلو۔“ نایاب نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”میری شکل و صورت اچھی ہے شرن؟“ شرن غور کرکھاٹے کھاتے بچا۔

”اس سوال کی یہاں کیا تک جتنی ہے؟“ وہ جربز ہوتے ہوئے بولا۔

”جو بھی تک جتنی ہو تم یہ بتاؤ کہ میری شکل و صورت اچھی ہے؟“

”میں نے تمہیں کبھی اتنے غور سے نہیں دیکھا۔“ شرن نے بات گول کرتے ہوئے کہا۔

”تو پھر اب دیکھو۔“ نایاب اس کا رستہ روک کر کھڑی ہو گئی۔ شرن نے بے اختیار نگلی میں دائیں بائیں دیکھا۔ آج وہ واقعی

برا پھنسا تھا۔  
 ”ہاں اچھی ہے۔ چلو اور ایسی حرکتیں مت کرو کہ لوگ تمہارے ساتھ ساتھ مجھے بھی پتھر مارنے لگیں۔“

نایاب پھر اس کے ساتھ اطمینان سے چلنے لگی۔

”ہاں مجھے بھی یقین تھا کہ کم از کم میری شکل و صورت کے بارے میں تم کوئی فضول بات نہیں کر سکو گے۔ فیملی بھی اچھی

ہے ہارن۔“ وہ اطمینان سے کہنے لگی۔ ”تم تو مل ہی چکے ہو میرے پیدائش سے۔ بجائے اس سے میں تمہیں آئندہ ملوا دوں گی جب وہ

باہر سے آئے گا۔“

شرن اس کی باتوں کا سر جیر بھجنے کی کوشش کر رہا تھا اور یہ سر جیر اسے تب سمجھ میں آیا جب وہ مین روڈ پر کھڑی اس کی گاڑی

کے قریب پہنچے اور جب شرن کو اس کی باتوں کا سر جیر سمجھ میں آیا تب اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی۔ نایاب واقعی

نایاب تھی۔ شرن کو اس کی بات سن کر لگا تھا جیسے آسمان اس کے سر پر گر پڑا ہو۔

☆☆☆

”تم کس بیٹے کی بات کر رہی ہو؟“ ہارون نے برہمی سے پوچھا۔

”تم جانتے ہو کہ میں کس بیٹے کی بات کر رہی ہوں۔“ شائستہ نے پراسکون انداز میں کہا۔

”اسد کبھی تم نہیں ہوا۔“ ہارون نے اپنے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”میں اسد کی بات نہیں کر رہی ہوں۔“

”اسد کے علاوہ ہمارا اور کوئی بیٹا نہیں ہے۔“

”تمہاری یادداشت خراب ہو گئی ہوگی۔ میری نہیں ہوئی۔“

”میری یادداشت خراب ہوئی ہے اور تمہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ ہارون نے تھملا کر کہا۔

”ہو سکتا ہے ایسا ہی ہو۔“ شائستہ کے انداز میں ابھی بھی وہی بے نیازی تھی۔ ”مگر میں پھر بھی تمہیں یہ بتانا چاہتی ہوں

کہ مجھے میرا بیٹا مل گیا ہے۔“

”شائستہ! گڑے مردے اکھاڑنے کی کوشش مت کرو۔“

”میں گڑے مردے نہیں اکھاڑ رہی ہوں۔ میں صرف اس ایک غلطی کی تلافی کرنا چاہتی ہوں جو ہم دونوں سے ہوئی

تھی۔“

”غلطی تم سے ہوئی ہوگی، مجھ سے نہیں ہوئی۔ اس لیے یہ مت کہو کہ ”ہماری غلطی“ صرف ”میری غلطی“ کہو۔“ ہارون

بگڑا۔

”ٹھیک ہے تم یہی کہہ لو لیکن میں اپنی غلطی کی تلافی کرنا چاہتی ہوں۔“

”اور اس غلطی کی تلافی تم اس طرح کر دو گی کہ اپنے ساتھ ساتھ مجھے بھی اپنی اولاد کی نظر اور دنیا کی نظروں میں تماشہ بنا دو

گی۔ ہارون کمال بلند آواز میں بولا۔

”مجھے پروا نہیں ہے ہارون! کہ دنیا کیا کہتی ہے۔“ شائستہ نے کہا۔

”میں نے زندگی میں کبھی دنیا کی پروا نہیں کی۔ دنیا کی پروا کی ہوتی تو میں آج تمہاری بیوی نہیں ہوتی۔ دنیا کی پروا ہوتی تو تمہاری انگلیوں کے اشارے پر پناہ پتے میں نے اپنی زندگی برباد نہ کی ہوتی۔“ شائستہ بہت تلخ ہو رہی تھی۔

”صرف ایک بار دنیا کی پروا کی تھی میں نے، جب تمہارے کہنے پر میں نے اپنی اولاد کو چھوڑ دیا۔ اور اس بچے کو اسے سے میں آج تک باہر نہیں آئی اور آج جب وہ اولاد میرے سامنے آگئی ہے تو میں آج بھی دنیا کی خاطر اسے چھوڑ نہیں سکتی۔“

”تم جذبات میں اندھی ہو رہی ہو۔ کسی کو اتنے سالوں کے بعد اپنی اولاد بنا لینا۔ کیا پتا وہ بچہ زندہ ہی نہ بچا ہو۔ زندہ ہو بھی تو پتا نہیں کہاں ہے کہاں نہیں اور تم مجھے ایک فلمی کہانی سنار ہی ہو کہ تمہیں تمہارا بیٹا مل گیا ہے۔“ ہارون نے ایک دم اپنے لہجے کو تبدیل کیا شائستہ کالب دلچسپ بتا رہا تھا کہ وہ اسے جھڑک کر اپنی بات نہیں منوا سکتا۔ تم از کم آج اس وقت نہیں۔

”میں بے وقوف نہیں ہوں ہارون! کہ کسی کو بھی اپنی اولاد مان لوں۔ میں نے پوری تحقیق کروائی ہے۔ وہ میرا ہی بیٹا ہے، اسے اسی تیم خانے سے لیا گیا تھا۔ یہ وہی بچہ ہے۔“

”کون ہے یہ؟“

”تم جانتے ہو اسے۔“ شائستہ نے کہا۔ ”بلکل چکے ہو اس سے۔ نایاب کے دوست شمر کا بڑا بھائی ہے وہ۔ شہیر نام ہے اس کا۔“

ہارون پلٹیں چھپکائے بغیر شائستہ کا چہرہ دیکھتا رہا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے امبر کے گھر کے ساتھ والے گھر کے دروازے پر کھڑے شہیر کا چہرہ نمودار ہوا تھا۔ اور وہ بے اختیار حواس باختہ ہو گیا۔

”تمہارا دماغ ٹھیک ہے۔ وہ تین بہن بھائی ہیں۔ تم.....“

شائستہ نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”تین بہن بھائی..... اس عورت نے ان تینوں کو پالا ہے۔ باقی دونوں بچوں کو کوڑے کے ڈھیر سے اٹھایا تھا اس نے۔ اس عورت کی کبھی شادی نہیں ہوئی۔ اس نے جمبو اور فریب کا ایک پردہ ڈالا ہوا ہے دنیا کے سامنے۔“

شائستہ کے اعزاز میں تھیک تھی۔

”میں نے پہلا بار شہیر کو پٹی سی میں دیکھا تھا اور اس کے چہرے پر پہلی نظر ڈالتے ہی میرے دل نے کہا تھا کہ وہ میرا بیٹا ہے۔ تمہیں اس کے چہرے میں اپنا چہرہ نظر نہیں آتا۔ نایاب تک مجھ سے کہہ چکی ہے کہ شمر کا بھائی بالکل پاپا کی طرح لگتا ہے پھر.....“

ہارون نے ناراضی کے عالم میں اس کی بات کاٹی۔ ”تم کسی کے چہرے پر میرا چہرہ Paste کرنے کی کوشش نہ کرو۔ میں دن میں درجنوں لوگوں سے ملتا ہوں۔ ان میں سے کئی لوگوں کے چہرے مجھ سے ملتے ہیں تو میں کیا انہیں اپنا بیٹا سمجھ لوں؟ آج اس کی شکل دیکھ کر تمہیں یہ اپنا بیٹا لگ رہا ہے کل کسی اور کا چہرہ دیکھ کر تمہیں یہی غلطی نہیں ہوگی۔“

”مجھے کوئی غلطی نہیں ہو رہی ہے۔ میں نے اس کا بیک گراؤنڈ پتہ کیا ہے۔ وہ وہی بچہ ہے جسے تم نے وہاں چھوڑا تھا۔“

شائستہ اپنی بات پر جمی ہوئی تھی۔

”اگر ایسا ہے بھی تو تم اس کا ذکر چھوڑ دو۔ تمہاری تسلی کے لیے کیا یہ کافی نہیں ہے کہ وہ زندہ ہے اور بڑی اچھی حالت میں ہے پھر کیا ضروری ہے کہ تم اس کے گلے میں اپنی اولاد کا لیبل لگاؤ۔“

”وہ اچھی حالت میں ہے؟ اچھی زندگی گزار رہا ہے؟ تم نے وہ علاقہ نہیں دیکھا جہاں وہ رہا ہے۔ وہ گھر نہیں دیکھا جہاں وہ زندگی گزار رہا ہے۔ تعلیم حاصل کرنے کے لیے اسے جاب کرنا پڑ رہی ہے اور تم کہہ رہے ہو وہ اچھی حالت میں ہے؟“

”قارگاڑ سیک شائستہ!“ پھر تم کیا چاہتی ہو کہ تم اسے اس گھر میں لے آؤ۔ ڈرنیبل پر نایاب اور اسد سے ملو۔ ان سے

کہو کہ اپنے بڑے بھائی سے ملو جسے ہم نے اب دریافت کیا ہے۔ اور پھر انہیں اس کی ہسٹری بتانا۔“

”میں انہیں بتا دوں گی، مجھے کچھ بھی کہنے میں کوئی عار نہیں۔“

شائستہ نے دونوں انداز میں کہا۔ ”اور لوگوں کے سامنے کمال فیصلی کی اس خفیہ اولاد کا تعارف تم کیسے کرواؤ گی؟“

”لوگوں کے سامنے کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہیں ہے، کوئی سوال نہیں کرے گا۔“

”لوگ خاموش تب رہیں گے اگر وہ اندھے ہو جائیں یا ہم بہرے ہو جائیں۔“

”نہیک ہے، میں لوگوں سے بھی کہہ دوں گی۔ مجھے کسی کا ڈر نہیں ہے۔“

ہارون چند لمحوں کے لیے کچھ نہیں بول سکا۔ ”اور وہ لڑکا..... وہ یہ سب کچھ قبول کر لے گا۔ وہ ہماری غلطی کے لیے ہمیں معاف کر

دے گا؟ وہ اپنی فیصلی کو چھوڑ کر ہمارے ساتھ رہنے پر تیار ہو جائے گا؟“

”میں سارا انتظام کر چکی ہوں۔ تم اگر میرا ساتھ دو تو ہم اپنے بیٹے کو واپس اپنے پاس لاسکتے ہیں۔ اگر تم میری مدد کرو تو

ہم چند اور جھوٹ بول کر دنیا کے سامنے بھی اپنی عزت رکھ سکتے ہیں۔“

شائستہ کی آواز میں اب لجاجت تھی۔

”میں اپنی اولاد کے بغیر نہیں رہ سکتی ہارون! میں اب یہ برداشت نہیں کر سکتی کہ میرا بیٹا میرے بجائے کسی دوسری عورت

کو اپنی ماں سمجھے، وہ مجھ سے نفرت کرے۔“

”تم احتیوں کی جنت میں رہتی ہو شائستہ! جو کچھ تم کرنا چاہتی ہو، وہ ناممکن ہے اور اگر ممکن بھی ہو تو تم یہ توقع مت کرنا

کہ ہارون کمال اس کام میں تمہارا ساتھ دے گا۔“

ہارون کمال تیز آواز میں کہتے ہوئے سگریٹ الٹس ٹرے میں پھینک کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

منصور علی صبح جس وقت بیدار ہوا، رخصتی اس وقت بھی کمرے میں نہیں تھی۔ وہ آفس جانے کے لیے تیار ہو کر ناشتے کی

ٹیمبل پر آیا تو ملازم نے اس کا استقبال کیا۔ پہلی بار منصور کو ایک خدشے نے ستایا۔ کہیں وہ واقعی چلی تو نہیں گئی تھی۔ ناشتے کی ٹیمبل

پر بیٹھے ہوئے اس نے ملازم سے پوچھا۔

”بیگم صاحبہ کہاں ہیں؟“

”وہ سو رہی ہیں۔ میں نے انہیں ناشتے کے بارے میں بتایا تھا مگر انہوں نے کہا کہ میں انہیں ڈسٹرب نہ کروں۔“

ملازم نے بتایا تو منصور کو بے اختیار اطمینان ہوا۔ کم از کم وہ موجود تھی۔ اس کے لیے اتنا ہی کافی تھا۔

ناشتہ کرنے کے بعد وہ اطمینان سے آفس چلا گیا اور وہاں معمول کے کاموں میں مصروف رہا۔ رخصتی اس کے آفس میں

اسے ایک دو بار کال کیا کرتی تھی مگر آج اس نے کال نہیں کی تھی۔ منصور نے اس کے موبائل پر خود چند بار کال کی۔ اس کی کال

بھی ریسپونڈ نہیں کی گئی۔ مگر یہ اتنا غیر متوقع نہیں تھا۔ ظاہر ہے رخصتی ناراض تھی اور وہ ہر بار ناراض ہونے پر یہی کیا کرتی تھی۔

منصور اس دن معمول کے مطابق آفس کے کام پختا رہا مگر اس کا ذہن رخصتی میں ہی انکا ہوا تھا۔ وہ مسلسل سوچ رہا تھا

کہ اسے اس کو منانے کے لیے کیا کہنا پڑے گا۔ اس نے پہلی بار اس پر ہاتھ اٹھایا تھا اور وہ یہ سوچ رہا تھا کہ وہ رخصتی سے یہ وعدہ

کرے گا کہ وہ دوبارہ اس پر کبھی ہاتھ نہیں اٹھائے گا۔

آفس سے وہ کچھ جلدی اٹھ گیا تھا۔ رخصتی کے لیے کچھ پھول خریدنے کے بعد وہ اپنے گھر روانہ ہوا۔ پھر گیٹ کے باہر

گازٹی روک کر ہارون دیا۔ مگر دو واڑہ نہیں کھلا۔ معمول کی طرح پہلے ہارون پر چوکیدار گیٹ پر نمودار نہیں ہوا تھا۔ منصور نے وقفے

وقفے سے کئی ہارون دیے مگر گیٹ بند ہی رہا۔ اس نے کچھ جھنجھلا کر ہارون پر ہاتھ رکھا اور بہت دیر تک ہاتھ نہیں ہٹایا۔ اس بار گیٹ

کے دوسری طرف کچھ پھل پیدا ہوئی اور پھر بلا خرابکیم ٹیم کلاشکوف بردار آدی گیٹ کھول کر منصور کی طرف آیا۔ منصور اسے

دیکھ کر چونک گیا وہ اس آدی سے واقف نہیں تھا۔



”کیا تکلیف ہے تمہیں؟“ اس آدمی نے تقریباً دھاڑتے ہوئے کھڑکی کے قریب آ کر کہا۔

”تم کون ہو؟ چونکہ یہاں کہاں ہے؟“ منصور نے برہمی سے کہا۔

”میں جو بھی ہوں تمہیں اس سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔“ اس آدمی نے درشت ہو کر کہا۔

”اگر ایک بار ہارن دینے پر دروازہ نہیں کھلا تو اس کا صاف مطلب یہی ہے کہ اب یہ دروازہ تمہارے لیے نہیں کھلے گا۔“

تم یہاں زحمت مت کرو۔“ منصور کا دماغ جیسے پکرا گیا۔

”تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟“ اس نے کہا۔ ”یہ میرا گھر ہے۔ اندر میری بیوی ہے اور تم میرے گھر کے دروازے پر کھڑے ہو کر مجھے ہی اندر آنے سے روک رہے ہو۔ آخر تم ہو کون؟“

منصور اس بار بات کرتے کرتے برہمی کے عالم میں گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر آ گیا۔

”ہم کون ہیں۔ یہ تم اپنی بیوی سے پوچھو جس کے کہنے پر ہم یہاں آ کر کھڑے ہوئے ہیں۔ اور اس بار تم نے ہارن دیا گیا گیٹ پر آ کر نکل جانا کی زحمت کی تو نتائج کے ذمہ دار تم خود ہو گے۔“

وہ آدمی جتنی تیزی سے باہر آیا تھا اتنی ہی تیزی سے واپس اندر چلا گیا۔ منصور کا دماغ گھوم رہا تھا۔ اسے رشتی سے اس حرکت کی توقع نہیں تھی۔ اپنا موبائل نکال کر اس نے رشتی کے موبائل پر کال کی۔ اس بار اس کی کال ریسیو کر لی گئی۔

”یہ کیا حرکت ہے رشتی؟“ منصور نے رشتی کی آواز سننے ہی کہا۔ ”کون لوگ ہیں جنہیں اندر بلایا ہوا ہے تم نے؟“ اس نے غصے سے کہا۔ ”مجھے میرے ہی گھر میں آنے سے روک رہی ہو تم۔“

”اس لیے کیونکہ میں تمہاری شکل بھی دیکھنا نہیں چاہتی۔“ رشتی نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ”یہ گھر میرا ہے میں نے تمہیں رات کو بتا دیا تھا اور میں یہ حق رکھتی ہوں کہ اپنے گھر میں اس آدمی کو آنے سے روک دوں جسے میں ناپسند کرتی ہوں۔“

رشتی کے انداز میں ہلاکی بے خوفی تھی۔ منصور بے یقینی سے اس کی بات سن رہا تھا۔

”میرا وکیل چند دن تک تمہارے پاس ضلع کے کاغذات لائے گا۔ میں اب زندگی میں دوبارہ تمہاری شکل تک نہیں دیکھنا چاہتی۔“

”دیکھو رشتی! غصے میں.....“

منصور نے کچھ کہنے کی کوشش کی مگر..... دوسری طرف سے فون بند ہو چکا تھا۔ منصور نے دوبارہ کال کرنے کی کوشش کی۔ مگر اس بار موبائل بند کر دیا گیا تھا۔ اس نے گھر کے نمبر پر کال کیا۔ فون اگلیج تھا۔ زندگی میں پہلی بار منصور کے ہاتھوں کے طوطے اڑے تھے۔ اس کا ذہن یہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ یہ سب کچھ اس کے ساتھ ہو رہا تھا۔

چوبیس گھنٹوں میں منصور علی کی حکومت پر شب خون مارا گیا تھا۔ اس کا تختہ الٹ دیا گیا تھا اور اب وہ ایک معزول حکمران کی طرح اپنے اسی گھر کے باہر کھڑا حیران سا یہ سمجھنے کی کوشش کر رہا تھا کہ اس سے غلطی کہاں ہوئی تھی۔ کیا کوئی غلطی ہوئی تھی یا یہ سب کچھ غلطی کا نتیجہ تھا۔

”رشتی یقیناً اس پھڑکی وجہ سے یہ سب کچھ کر رہی ہے۔“ اس کے ذہن نے توجیہات پیش کرنا شروع کی تھیں۔ ”میں اس سے معذرت کر لوں گا، اس کا غصہ ختم ہو جائے گا تو سب کچھ پھر پہلے کی طرح ہو جائے گا۔ آخر رشتی مجھے کیسے چھوڑ سکتی ہے۔ میرے جیسا شوہر اسے کہاں مل سکتا ہے۔ مجھ سے بہتر شخص وہ کہاں ڈھونڈ سکتی ہے۔ اس نے خود بار بار مجھ سے یہ سب کچھ کہا ہے۔“ گاڑی کے اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھے منصور علی خود کو طفل تسلیاں دینے میں مصروف تھا۔ مگر اس کا پورا دھوکہ کسی زلزلے کی زد میں آیا ہوا تھا۔ گاڑی کو روک دیا کرتے ہوئے اس نے اس گیٹ کے باہر نیزہ کو دیکھا۔ پھر امبر کو دیکھا۔ وہ گیٹ کو دوڑوں ہاتھوں سے پیٹ رہی تھیں۔

منصور علی نے ان دونوں کو اپنے ذہن سے جھٹکا۔ وہ ان کے برابر نہیں آ سکتا تھا۔ اس کا اور رشتی کا رشتہ ابھی تو ٹوٹا نہیں تھا۔ اس کا اور رشتی کا رشتہ کبھی نہیں ٹوٹ سکتا۔ میاں بیوی میں اختلافات ہوتے رہے ہیں اور وہ جھگڑا بھی ایسے ہی اختلافات کا

ایک حصہ تھا۔ وہ بہت جلد دوبارہ اسی گھر میں داخل ہوگا۔ اسے یقین تھا کہ خوشی نے جو کچھ کہا تھا غصے میں کہا تھا۔ عارضی طور پر کیا تھا۔ مگر وہ میزہ اور امبر کے برابر آ کر کھڑا نہیں ہو سکتا تھا۔ ان دونوں نے تو گناہ کیا تھا۔ حماقتیں اور بے وقوفیاں کی تھیں۔ زبان درازی اور گستاخی کی تھی۔ وہ اس سلوک کی مستحق تھیں مگر اس کے ساتھ..... یہ سب کچھ صرف ایک غلط فہمی کا نتیجہ ہے ” اور جب یہ غلط فہمی دور ہوگی تو خوشی خود مجھ سے معذرت کرے گی۔“

منصور علی گاڑی سڑک پر لاتے ہوئے خود کو مسلسل فریب دینے میں مصروف تھا۔ گیٹ کے سامنے گیٹ کو بجانے والے وہ ”دونوں سائے“ ابھی بھی وہیں تھے۔ اس نے بے اختیار ان سے نظریں چرائیں۔ اسے نظر چرانے میں کمال حاصل تھا۔



## چوبیسواں باب

”تم مجھ سے شادی کرو گے؟“

نایاب نے اس طرح پوچھا جیسے کینٹین جانے کے بارے میں پوچھ رہی ہو۔  
 ”ہر بات مذاق کے لیے نہیں ہوتی۔“ ثمر نے نایاب کے جملے سے پہنچنے والے ابتدائی شاک سے سنبھلے ہوئے کہا ایک  
 لمحہ کو اسے یہی لگا تھا کہ ہمیشہ کی طرح نایاب اس دقت بھی نان سیر لیس تھی۔

”میں جانتی ہوں مگر شادی کی بات مذاق میں کون کرتا ہے۔“ نایاب اس وقت بالکل سنجیدہ نظر آ رہی تھی اور کم از کم میں  
 میں تو مذاق میں ایسی بات کبھی نہیں کروں گی۔ کیا پہلے کبھی میں نے تم سے ایسا مذاق کیا؟“ وہ اب برہ راست ثمر کی طرف دیکھتے  
 ہوئے پوچھ رہی تھی۔

”نایاب! اپنی گاڑی میں بیٹھو۔ لوگ ہمیں گھور رہے ہیں۔“ ثمر نے بات کا موضوع یک دم بدلتے ہوئے کہا۔  
 ”تمہیں یہاں کوئی نہیں پہچانتا مگر میرے تو گھر تک سے واقف ہیں لوگ۔ تم گاڑی کا دروازہ کھولو۔“ ثمر نے نایاب  
 سے کہا۔ ”میں یہاں سے چلی جاؤں گی مگر اس سے پہلے تم اس سوال کا جواب دو جو میں تم سے پوچھ رہی ہوں۔“  
 نایاب اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی۔ وہ دونوں اس دقت گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ کے دروازے کے پاس  
 کھڑے تھے۔

”پہلے مجھے شک تھا کہ تمہارا دماغ خراب ہے مگر آج یہاں آنے اور اس طرح کے سوال کے بعد تو مجھے مکمل یقین ہو گیا  
 ہے کہ تم واقعی پاگل ہو۔“ ثمر نے بے اختیار دانت چیس کر کہا۔ سڑک سے گزرنے والے لوگ اب باقاعدہ گردن موڑ موڑ کر انہیں  
 دیکھ رہے تھے اور کچھ شاسا لوگ تو ٹھٹھک بھی رہے تھے۔

”اچھا؟ نایاب دھیرے سے مسکرائی۔ ”حالا نکہ مجھ جتا ہے کہ تمہیں کبھی میرے بارے میں کوئی شک نہیں رہا تمہیں ہمیشہ ہی  
 یہ یقین رہا ہے کہ میں پاگل ہوں اور ایسا ہی یقین میں تمہارے بارے میں رکھتی ہوں اسی لیے تو پوچھ کر آیا ہے میں نے تمہیں۔ وہ  
 کیا کہتے ہیں خوب گزرے گی جوڑ بیٹھیں گے دیوانے دو۔“ نایاب یہ شعر سنا کر جیسے خود ہی محفوظ ہوئی۔  
 ”میں ایسی فضول باتوں پر کوئی تبصرہ کرنا پسند نہیں کرتا۔“ ثمر نے اکھڑے ہوئے انداز میں کہا۔ ”تم صبح کالج آنا وہاں  
 میں تمہیں تمہارے اس پر پوزل کا جواب دوں گا۔“

”اچھا..... تمہیں یقین ہے تم واقعی کل صبح کالج آنے کے قابل ہو گے۔“ نایاب نے جیسے اس کا مذاق اڑایا ”مجھے تو لگ  
 رہا ہے۔ آج رات ہی تمہیں ہارٹ ایک ہو جائے گا مجھ سے ہونے والی گفتگو کے بارے میں سوچ سوچ کر۔“

”تم کیا واقعی گھر سے یہ طے کر کے آئی ہو کہ مجھے اپنے محلے میں منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑوں گی؟“ ثمر نے ایک  
 بار پھر ناراضی سے دانت پکپکائے۔ ”امی نے نہ کہا ہوتا تو میں کبھی تمہیں گاڑی تک چھوڑنے نہ آتا اور تم مجھے اسی ایک بات پر  
 بلک میل کر رہی ہو۔“ ثمر اس بار واقعی ناراض ہو گیا تھا۔ ”تمہیں نظر نہیں آ رہا ہے کہ آس پاس سے گزرنے والے لوگ تمہیں کس

طرح دیکھ رہے ہیں۔“  
 نایاب اس کی بات پر بے اختیار مسکرائی آ..... ہم ”اس کا مطلب ہے کہ تم واقعی میری پروا کرتے ہو اور ان لوگوں کی نظروں سے خلیس ہو رہے ہو۔ اچھا لگا یہ چلو پھر چلتی ہوں۔“  
 نایاب نے گاڑی کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

”ورنہ میں نے سوچا تھا کہ آج تم سے جواب لے کر ہی جاؤں گی۔ مگر اب ترس آ رہا ہے مجھے تم پر چلو ٹھیک ہے پھر صبح کالج میں ملنا مجھے..... میں تمہارا انتظار کروں گی۔“ وہ اب گاڑی میں بیٹھ کر گاڑی کا دروازہ بند کر رہی تھی شرمہکا بکا اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ اسے گاڑی اشارت کرتے اور پھر وہاں سے نکال لے جانے میں صرف چند منٹ لگے تھے مگر شرمہکا کئی منٹ وہیں کھڑا سڑک پر دوڑ جاتی اس کی گاڑی کی ٹیل لائٹس کو دیکھتا رہا۔  
 ”تم مجھ سے شادی کرو گے؟“ اس کے کانوں میں نایاب کی آواز گونج رہی تھی۔

☆☆☆

اپنے گھر سے صاعقہ کے گھر تک پہنچنے میں منصور کو عام طور پر آدھا گھنٹہ لگتا تھا مگر اس دن وہ پندرہ منٹ میں تقریباً اڑتا ہوا وہاں پہنچا تھا۔ فوری طور پر اس کے ذہن میں یہی آیا تھا کہ وہ صاعقہ سے اس سلسلے میں بات کرے۔  
 صاعقہ رخصتی کے منصور کے گھر میں منتقل ہو جانے کے بعد اس گھر میں مقیم تھی جہاں رخصتی منصور سے شادی ہو جانے کے بعد رہتی تھی۔ منصور اپنے گھر کے ساتھ ساتھ صاعقہ کے گھر کے تمام اخراجات بھی اٹھا رہا تھا۔ اگرچہ اس کے لیے یہ کوئی پسندیدہ کام نہیں تھا مگر رخصتی سے شادی کی قیمت کے طور پر اسے یہ بھی کرنا پڑ رہا تھا اور رخصتی جیسی بیوی پا کر اسے کبھی یہ بوجھ نہیں لگا تھا۔ رخصتی کے اس طرح کے رد عمل کے بعد فوری طور پر اس کے ذہن میں صاعقہ کا خیال آیا تھا اور اسے یقین تھا کہ صاعقہ اس مشکل میں اس کی مدد کرے گی اور رخصتی کو سمجھائے گی۔ یقیناً وہ کبھی بھی ان تمام سہولیات سے محروم ہونا نہیں چاہیے گی جو منصور اسے فراہم کر رہا تھا۔ اسے یہ سوچ کر کچھ اطمینان ہوا تھا مگر صاعقہ کے گھر کے گیٹ پر ہی اس کا یہ اطمینان رخصت ہو گیا تھا۔ چونکہ کیدار نے اسے گیٹ پر ہی بتا دیا کہ صاعقہ صبح سے رخصتی کے گھر پر ہے۔  
 ”وہ کب واپس آئیں گی؟“ منصور کے ہاتھوں کے طوطے ایک بار پھر اڑ گئے۔

”پتا نہیں..... انہوں نے بتایا نہیں۔“

چونکہ کیدار نے کھر دے لہجے میں کہا۔ اس کا انداز بھی آج پہلی بار بدلا ہوا تھا۔ پہلے جیسی گرم جوشی اور تابعداری یک دم کہیں غائب ہو گئی تھی۔

”وہ اپنا سامان ساتھ لے کر گئی ہیں۔ کہہ کر گئی تھیں کہ اب وہ کچھ دن رخصتی بی بی کے گھر پر ہی رہیں گی۔“

چونکہ کیدار نے مزید بتایا۔

”میں اندر آنا چاہتا ہوں گیٹ کھول دو۔“ منصور نے چونکہ کیدار سے کہا۔ اس ساری صورت حال میں اس نے فوری طور پر یہی بہتر سمجھا تھا کہ وہ وہیں قیام کرے مگر اس کی بات پر چونکہ کیدار یک دم جیسے ہتھے سے اکھڑ گیا تھا۔

”اندر کس لیے آنا چاہتے ہیں آپ؟ اس نے بالکل بدلے ہوئے انداز میں کہا۔ منصور نے حیرانی سے اسے دیکھا۔ یہ اس کا رکھا ہوا چونکہ کیدار تھا جو اب اسی سے سوال و جواب کر رہا تھا۔

”یہ میرا گھر ہے۔ اس لیے اندر آنا چاہتا ہوں اب کیا تم یہ پوچھا کرو گے مجھ سے؟“ منصور نے کچھ بگڑ کر چونکہ کیدار سے کہا۔

”یہ آپ کا نہیں رخصتی اور صاعقہ بی بی کا گھر ہے۔“ چونکہ کیدار نے اس بار پہلے سے بھی بلند آواز میں کہا۔

”اور انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ میں آپ کو اندر گھسنے نہ دوں۔ آپ پھر بھی میرا احسان مانیں کہ میں نے آپ سے اتنی لمبی بات کی ورنہ صاعقہ بی بی تو کہہ کر گئی تھیں کہ میں آپ کے یہاں آنے پر گیٹ کھولوں نہ ہی آپ سے کسی قسم کی کوئی بات

چوکیدار اب واپس پلٹ گیا تھا۔ منصور ساکت وہیں کھڑا رہا۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا۔ اس نے یہ گھر شادی کی خوشی میں درختی کو تھنے کے طور پر دیا تھا۔ اس کے پیچزدہ رخشی کے حوالے کر چکا تھا اور وہ یہ جانتا تھا کہ رخشی وہ پیچزدہ ساعت کو دس بجی سے گھر سے کبھی اس پر بھی اعتراض نہیں ہوا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ساعت اس گھر میں رہائش اختیار کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں کرے گی۔ مگر اسے کبھی یہ خیال نہیں آیا تھا کہ ایک دن خود اسے اس گھر کے گیٹ پر یہ بتایا جائے گا کہ یہ اس کا گھر نہیں ہے اور وہ اس گھر پر کوئی حق نہیں رکھتا۔

چوکیدار گیٹ بند کر کے اب گیٹ کے دوسری طرف کھڑا تھا اور وہ منصور علی کو کڑی نظروں سے گھور رہا تھا جو اپنی گاڑی کے پاس گم صدم کھڑا تھا۔ اس کا ذہن اب بالکل ماڈف ہو رہا تھا۔ جو کچھ اس کے ساتھ ہوا تھا وہ پہلے سے طے شدہ منصوبہ بندی کے تحت ہوا تھا یا پھر یہ صرف رات والے واقعات کا نتیجہ تھا۔ وہ طے نہیں کر پا رہا تھا۔ مگر اب یہی بار اس کا دل ڈوبنے لگا تھا۔ وہ بری طرح پھنس چکا تھا۔

گاڑی کو دوبارہ سڑک پر لاتے ہوئے وہ سمجھ نہیں پا رہا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے۔ اسے رخشی اور ساعت کے رویے پر بے حد غصہ آ رہا تھا مگر اس سے زیادہ طیش اسے خود پر آ رہا تھا۔ آخر کیا ضرورت تھی اسے رات کو رخشی کے ساتھ اس طرح پیش آنے کی۔ وہ اس کے ہوائے فریڈ کا مسئلہ اتنا شور مچلے بغیر بھی حل کر سکتا تھا۔ یا رخشی کو ڈھنگ کے طریقے سے بھی سمجھا سکتا تھا۔ وہ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے خود کو کون سے میں مصروف تھا۔ گاڑی ڈرائیو کرنے کے دوران اس نے وقتاً فوقتاً کئی بار رخشی کو اس کے موبائل اور گھر کے فون پر کال کرنے کی کوشش کی اس بار موبائل آف نہیں ملا مگر اس کی کال ریسیو نہیں کی گئی۔

وہ رخشی کے غصے سے اچھی طرح واقف تھا۔ وہ جب ناراض ہوتی تھی تو پھر یہ ناراضی آسانی سے ختم نہیں ہوتی تھی مگر یہ اس حد تک پہنچ جائے گی اسے اندازہ نہیں تھا۔ وہ اب یہ سوچنے میں مصروف تھا کہ وہ اس وقت کس سے رابطہ کرے جو اسے اس مشکل صورت حال نکال سکے۔ رخشی اور اس کے بیچ مصالحت کا کام کون کر سکتا تھا۔

سڑکوں پر آوارہ گردی کرتے ہوئے اس کے ذہن میں ایک دم ہارون کمال کا نام آیا اور اس نے بے اختیار کار کو بریک لگائی۔ واقعی صرف ہارون کمال ہی اس وقت اس کے کام آ سکتا تھا۔ اس نے قدرے سرور ہو کر سوچا۔ صرف وہی تھا جو رخشی پر اپنا اثر رکھتا تھا کہ نہ صرف اسے سمجھاتا بلکہ منصور علی کو اس مشکل صورت حال سے بھی نکال لیتا۔

اگلے کئی منٹ وہ گاڑی سڑک کے کنارے پارک کیے ہارون کمال کے موبائل پر کال کرتا رہا۔ موبائل آف تھا۔ اور موبائل اسے اگلے تین گھنٹے آف ملا تھا اور اس تین گھنٹے میں منصور علی نے پورے شہر کی سڑکیں چھان ماری تھیں۔ وہ سڑکوں کے علاوہ یہ رات کہیں نہیں گزار سکتا تھا۔ وہ کسی رشتہ دار یا دوست کے گھر جا کر رخشی کے اس سلوک کے بارے میں نہیں بتا سکتا تھا۔ وہ کسی ہوٹل میں جا کر سکون سے رات کے باقی ماندہ گھنٹے بھی نہیں گزار سکتا تھا۔ یہ تصور کہ رخشی کا وہ ہوائے فریڈ اس وقت اس کے گھر پر موجود تھا اور خود رخشی کا شوہر اس وقت سڑکوں پر خوار ہوتا پھر رہا تھا اس کے لیے سوہان روح تھا۔

اسے اب ہارون کمال پر بھی غصہ آ رہا تھا۔ آخر وہ اس وقت موبائل آف کیے کیوں بیٹھا تھا جب اسے اس کی ضرورت تھی۔ ایک لمحہ کے لیے اس کے دل میں خیال آیا کہ وہ ہارون کمال کے گھر چلا جائے مگر اگلے ہی لمحے اس نے اس خیال کو اپنے دل سے چھٹک دیا۔ وہ شاکتہ کا سامنا نہیں کرنا چاہتا تھا۔

اور تب ہی اسے ہارون کمال کے اس اپارٹمنٹ کا خیال آیا جہاں ہارون اکثر مختلف لڑکیوں کے ساتھ وقت گزارا کرتا تھا۔ وہ اپنا موبائل دیر تک تب ہی بند رکھتا تھا جب وہ اس طرح کسی لڑکی کے ساتھ ہوتا۔ منصور نے گاڑی اس کے اپارٹمنٹ کی طرف موڑ لی۔ اگرچہ رات کے اس وقت اس طرح اس اپارٹمنٹ پر جانا مناسب نہیں تھا مگر منصور اس وقت اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھا۔

وہ ہارون کے ساتھ چند ایک بار اس اپارٹمنٹ پر آ چکا تھا۔ جب ہارون نے اپنے کچھ خاص دوستوں کے لیے وہاں

بجرے کا بندوبست کیا تھا۔ منصور بھی ان خاص دوستوں میں شامل ہو گیا تھا۔ رخصتی کے ساتھ اس کی ابتدائی ملاقاتیں بھی اسی اپارٹمنٹ میں ہوا کرتی تھیں۔ ہارون کمال نے بے تکلفی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے خود اس اپارٹمنٹ کو استعمال کرنے کی آفر کی تھی۔ اور منصور علی نے ابتدا میں کچھ جھجکتے ہوئے مگر بعد میں خاصے دھڑلے سے اس اپارٹمنٹ کو استعمال کرنا شروع کر دیا تھا۔ رخصتی سے شادی کے بعد بھی ہارون جب کبھی اس اپارٹمنٹ پر کسی طرح کی تفریح کا انتظام کرتا تو منصور اس میں شرکت کرتا تھا۔ اس لیے اپارٹمنٹ پر موجود ہارون کا خاص الخاص ملازم منصور سے اچھی طرح واقف تھا۔

بلڈنگ کی پارکنگ میں ہی گاڑنے سے بتا دیا تھا۔

”ہارون صاحب تو ابھی آدھا گھنٹہ ہوا یہاں سے گئے ہیں۔“

”کہاں گئے ہیں؟ وہ کچھ مایوس ہوا۔“

”پتا نہیں صاحب!“ گاڑنے والے ٹیسی کا اظہار کیا۔ منصور قدرے مایوس ہوا دوبارہ گاڑی کی طرف جاتے جاتے رک گیا۔ ہارون اسے وہاں نہیں ملا تھا۔ مگر کم از کم وہ رات وہاں آرام سے کسی قسم کے سوال جواب کا سامنا کیے بغیر گزار سکتا تھا۔ نہ صرف یہ بلکہ وہ ہارون کے اپارٹمنٹ پر اپنی مرضی کی شراب سے بھی استفادہ کر سکتا تھا۔ اگرچہ منصور کوئی عادی شراب نوش نہیں تھا مگر ہارون اور رخصتی کی کہنی میں اس نے وقتاً فوقتاً کھل کا استعمال شروع کر دیا تھا اور اس پریشانی میں بھی اسے اس وقت جس چیز کی شدت سے طلب ہو رہی تھی وہ شراب ہی تھی۔ ہارون کے ملازم نے اپارٹمنٹ کا دروازہ کھولتے ہی سلام کر کے اسے اندر آنے کا راستہ دیا مگر اس کی آنکھوں میں منصور کو وہاں اکیلا آتے دیکھ کر کچھ حیرت ضرور جھلکی تھی۔

”ہارون کے دوبارہ یہاں آنے کا کچھ پتا ہے؟“ منصور نے لاڈلے کے صوفے پر بیٹھے ہوتے ہوئے کہا۔

”نہیں صاحب آج رات تو دوبارہ نہیں آئیں گے“ ملازم نے بتایا۔

”کسی لڑکی کیساتھ آیا تھا؟ منصور نے اسے بیٹر لانے کا کہتے ہوئے پتا نہیں کس خیال کے تحت پوچھا۔

”جی..... لڑکی کے ساتھ آئے تھے مگر وہ لڑکی کچھ دیر کے بعد چلی گئی..... صاحب یہاں سے اپنا بیگ پیک کر کے لے

گئے ہیں۔“ ملازم نے فریج سے اسے بیٹر لاکر دیتے ہوئے کہا۔

”بیگ؟..... کس لیے؟“ منصور بے اتھار چوٹا۔ ”کس لڑکی کے ساتھ آیا تھا اپنی سیکرٹری کے ساتھ؟“ منصور کو یک دم

خوش ہوا کہ کہیں ہارون کمال اپنی سیکرٹری کے ساتھ نہیں چلا نہ گیا ہو۔

”نہیں ان کی سیکرٹری نہیں تھی۔“ ملازم نے کہا۔ ”میں نے اس لڑکی کو پہلی بار دیکھا تھا۔“

”کہیں فلائٹ تو نہیں تھی اس کی؟ منصور نے بیٹر کا سپ لیتے ہوئے پوچھا۔ بیگ کے ذکر نے اسے یک دم پریشان کر

دیا تھا۔ اس فلیٹ میں بیگ کا کیا کام تھا۔

پتہ نہیں۔ صاحب نے بتایا تو نہیں..... رات بھر کے لیے کسی دوسرے شہر جا رہے ہوں تو مجھے پتہ نہیں۔“ ملازم نے کچھ

سوچے ہوئے کہا۔

”مگر کہہ رہے تھے کہ کل دوبارہ فلیٹ پر آئیں گے۔ مجھ سے تو یہ بھی کہا تھا انہوں نے کہ میں ان کی عدم موجودگی میں

کسی کو اس فلیٹ پر نہ آنے دوں۔“ ملازم نے منصور کو بتایا۔ اس کا لہجہ اس بار دھیمہ تھا۔

”مگر میں آپ کو روک نہیں سکا۔ کیونکہ صاحب نے آپ کا نام نہیں لیا تھا۔ کلکٹل اور قاروق صاحب کے بارے میں

تاکید کر رہے تھے۔“

منصور بیٹر کے گھونٹ لیتے ہوئے کسی دلچسپی کے بغیر ملازم کی باتیں سن رہا تھا۔ اس کا ذہن اس وقت کہیں اور الجھا ہوا

تھا۔ ”آپ کا نام نہیں لیا انہوں نے اس لیے میں نے آپ کو آنے دیا۔ اپنا بیٹر روم بھی لاک کر کے گئے ہیں۔“ صاحب! آپ

رات ٹھہریں گے یہاں؟“ ملازم نے بات کرتے کرتے یک دم منصور کی عدم دلچسپی محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں دوسرا بیٹر روم میرے لیے کھول دو۔ میں تو پہلے بھی ہارون کا بیٹر روم استعمال نہیں کرتا تھا۔“ منصور نے کہتے ہوئے

اور ایک بار پھر ہارون کے موبائل پر کال کرنے لگا۔ مگر اب اسے یہ اطمینان تھا کہ ہارون کہیں نہیں جا رہا تھا۔ وہ آج رات اس سے نہ بھی مل پاتا تو اگلے صبح تو اس سے ملاقات یقینی تھی۔

موبائل اس بار بھی آف تھا۔ وہ بے اختیار جھنجھلایا آخر وہ موبائل کو اس طرح آف کیوں رکھے ہوئے تھا۔ بیٹر کا کہین وہ چند گھنٹوں میں خالی کر چکا تھا۔ ملازم اب اس کے لیے کمرہ تیار کر رہا تھا۔ منصور فرینج سے بیٹر کا ایک اور کہین نکال کر دوسرے بیٹر روم میں چلا آیا۔

”آپ کونج کتنے بیجے جگاؤں؟“ ملازم نے کمرے سے باہر نکلنے ہوئے منصور سے پوچھا۔

”اس کی ضرورت نہیں۔ میں خود جاگ جاؤں گا۔“ منصور نے کہا۔ ملازم دروازہ بند کر کے باہر نکل گیا۔

ایک دم منصور کے دل میں نہانے کی خواہش پیدا ہوئی تھی۔ ڈریسنگ روم میں وارڈ روب میں لٹکے چند شلوار قمیض میں سے ایک نکال کر وہ ہاتھ روم میں چلا آیا۔ ہاتھ روم کی لائٹ آن کرتے ہی وہ چونکا تھا۔ اس اپارٹمنٹ کا یہ ہاتھ روم مشترک تھا اور اس وقت اس ہاتھ روم میں نئے رنگ کا ایک خوب صورت زنا نہ کرتے اور نراؤزر لٹکا ہوا تھا۔ ہاتھ روم میں کوئی بہت ہی ٹانوس زنا نہ پرفیوم کی مہک محسوس کی جا سکتی تھی۔ یقیناً پرفیوم کی مہک کی وہ لپٹیں اسی لباس سے اٹھ رہی تھیں۔ منصور نے جگہ نہ پا کر اپنا شلوار قمیض ٹاول اسٹینڈ پر لٹکا دیا تھا۔

اس نے ایک گہرا سانس لے کر اس پرفیوم کو شناخت کرنے کی کوشش کی مگر وہ ناکام رہا۔ وہ ذہنی طور اس وقت رخصتی اور اس کے ہوائے فرینڈ میں اتنا الجھا ہوا تھا کہ اس پرفیوم کو بھی شناخت نہیں کر سکا جو امبر دن رات استعمال کیا کرتی تھی اور جسے وہ خود بیرون ملک سے بار ہلا کر امبر کو دیتا رہا تھا۔

اس نے سر سے اس پرفیوم کو جھنکا اور واش بیسن کی طرف بڑھ آیا۔ وہ ایک بار پھر چونکا تھا۔ واش بیسن کے قریب سلیب پر کاسمیٹکس کی چند چیزیں بکھری ہوئی تھیں۔ اس کی نظریں لپ اسنگ پر ٹک گئیں۔ اسے استعمال کرنے والی نے استعمال کرنے کے بعد اس کا ڈھکن لگانا تو دور کی بات اسے بند کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔ وہ ایک تک اس لپ اسنگ کو دیکھتا رہا اس بار ایک دھماکے کے ساتھ اسے امبر یاد آئی تھی۔ اس نے لپ اسنگ ہاتھ میں اٹھالی۔ یہ امبر کی خاص عادت تھی۔ منصور کوئی بار اپنی گاڑی اور اس کے بیڈروم میں اسے لپ اسنگ کو اس طرح استعمال کے بعد چھوڑ جانے پر ٹوک چکا تھا۔ مگر امبر نے کبھی اپنی عادت نہیں چھوڑی۔

منصور نے لپ اسنگ اٹھا کر بند کرنا سیکھ لیا تھا۔ اس وقت بھی اس نے لاشعوری طور پر یہی کیا تھا۔ وہ اسے بہت غلط وقت پر اور غلط جگہ پر یاد آئی تھی اس نے کسی خلش کے تحت بے اختیار ہوتے ہوئے لپ اسنگ کو دوبارہ دوسرے کاسمیٹکس کے پاس رکھ دیا۔ وہ اب واش بیسن کا مل کھولتے ہوئے اپنے منہ پر پانی کے چھینٹے مار رہا تھا۔

امبر اسے واقعی بہت غلط جگہ پر اور غلط وقت پر یاد آئی تھی۔

☆☆☆

”آپ کے سامنے اس نے کہا تھا کہ وہ مجھے تنگ کرنے کے لیے یہاں آئی ہے۔ نہ تو میں نے اسے ایڈریس دیا تھا اور نہ ہی اسے یہاں آنے کی دعوت دی تھی۔“

شمر گھر آنے کے بعد اب فاطمہ اور شہیر کو صفائیاں دینے میں مصروف تھا۔

”اور امی! آپ کو اس کے آنے پر اعتراض تھا تو آپ اس کے سامنے کہہ دیتیں۔“ شمر نے فاطمہ سے گلہ کیا۔

”اس کے سامنے تو آپ کہہ رہی تھیں کہ آپ کو اس کے یہاں آنے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ بلکہ آپ خوش ہوئی

ہیں۔“ وہ جیسے اسے یاد دلا رہا تھا۔

”تو میں کیا کہتی اس سے کہ ہمیں اس کا آنا بہت برا لگا ہے اور اسے یہاں آنا ہی نہیں چاہیے تھا۔ فاطمہ ناراضی سے

”ہاں، کہہ دیتیں اس سے کم از کم میں تو اس بے عزتی سے بچ جاتا۔“ شمر جھجلا کر بولا۔  
”میرے بجائے اس کی بے عزتی کرتیں تو وہ دوبارہ کبھی یہاں نہ آتی اور اسے بھی پتا چلتا کہ ہم کس طرح کے لوگ

ہیں۔“  
”کس طرح کے لوگ ہیں ہم؟“ فاطمہ اس کی بات پر ہنسی۔ تم کیا بتانا چاہ رہے ہو مجھے؟“  
”میں کچھ بتانا نہیں چاہ رہا۔ میں نے اسے منع کر دیا ہے۔ آئندہ وہ یہاں نہیں آئے گی۔“ شمر نے جیسے بات ختم کرتے ہوئے کہا۔ مگر اس وقت وہ ان دونوں کی گفتگو پر واقفی چڑ رہا تھا۔  
”خیر اس کے رویے سے مجھے قطعاً ایسا نہیں لگا کہ وہ دوبارہ یہاں نہیں آئے گی۔“ شہیر کے ماتھے کے بل اب بھی کم نہ ہوئے تھے۔

بلکہ وہ تو جتنی خوشی کے ساتھ یہاں آئی تھی اس سے زیادہ خوشی کے ساتھ یہاں سے رخصت ہوئی ہے۔ اور دوبارہ جلد آنے کا وعدہ بھی کر گئی ہے اور تم کہہ رہے ہو کہ وہ دوبارہ یہاں نہیں آئے گی۔“  
”میں کہتی ہوں آخر اس سے اتنی بے تکلفی پیدا کرنے کی ضرورت کیا تھی کہ وہ اس طرح اس حلیے میں یہاں چلی آئی۔ فاطمہ نے کہا۔

”اہ! وہ خاص طور پر یہ حلیہ بنا کر یہاں نہیں آئی۔ وہ اس طرح کے کپڑے پہنتی ہے۔“ شمر نے اس کی صفائی دی۔  
”پہنتی ہے تو پہنے مگر کسی کے گھر جاتے ہوئے تو ڈھنگ کے کپڑے پہن لے۔“  
”آپ کا مطلب ہے کہ وہ شلوار قمیض میں یہاں آتی تو آپ دردناکے پر ہار پھول لے کر اس کا استقبال کرتیں اور اس کی رخصتی کے بعد میری اس طرح کی عزت افزائی نہ ہوتی؟“ شمر نے جیسے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا۔  
فاطمہ فوری طور پر شمر کی بات کا جواب نہیں دے سکی۔ اس وقت ثانی نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔  
”ابھی صحیح کہہ رہی ہیں۔ کم از کم اسے اس علاقے میں آتے ہوئے اپنے لباس کا خیال رکھنا چاہیے تھا۔“ شمر نے کاٹ کھانے والی نظروں سے ثانی کو دیکھا۔ کم از کم وہ اس سے اس وقت اس طرح کی بات کی توقع نہیں کر رہا تھا۔  
”اچھا تو پھر تم کوئی برقع یا چادر نکال کر اسے زبردستی پہنا دیتیں۔“  
”میں کیوں پہناتی میری کیا لگتی ہے وہ؟“ ثانی نے کچھ چھٹی ہوئی نظروں سے شمر کو دیکھتے ہوئے کہا۔  
”سوال اس کے لباس کا نہیں ہے۔ سوال اس کی اور تمہاری کلاس کا ہے۔ شہیر نے کہا تو شمر نے شہیر کو دیکھا جو بہت

زیادہ سنجیدہ تھا۔

”بہت سی باتیں ہیں جنہیں تم مکمل طور پر نظر انداز کیے بیٹھے ہو۔“  
”مثلاً؟“

”مثلاً یہ کہ وہ شائستہ اور ہارون کمال کی بیٹی ہے اور میں ان دونوں کو میاں بیوی کو اچھا نہیں سمجھتا۔“ شہیر نے کہا۔  
شائستہ کے بارے میں میں خود تمہیں سب کچھ بتا چکا ہوں۔ اب ضروری نہیں ہے کہ ہر بات تمہیں بتاؤں۔ تمہارے لیے اتنا کافی ہے کہ اس آدمی کی ریپویشن اچھی نہیں ہے نہ اس کی نہ اس کی بیوی کی۔“  
”شہیر بھائی! آپ اس طرح گھر بیٹھے یوں لوگوں پر اہرام تراشی نہیں کر سکتے۔“ شمر اس کی بات پر متضرع ہوا۔  
”نایاب کی کمی نے آپ سے جو بات کی تھی۔ ہو سکتا ہے وہ واقعی سچ ہو۔ واقفی آپ کو اپنا بیٹا سمجھتے ہوئے آپ کو فور دے رہی ہوں۔ اس بات پر آپ اس طرح ان پر تہمت نہیں لگا سکتے۔“ شہیر کو حیرت کا جھٹکا لگا۔ وہ زندگی میں پہلی بار اس سے اختلاف کر رہا تھا۔

”اور جہاں تک نایاب کے فاور کا تعلق ہے تو میں نے ان کے بارے میں کوئی بات نہیں سنی۔ آپ نے ان کے بارے میں کس سے سنا ہے؟“ وہ پوچھ رہا تھا۔ شہیر سمیت فاطمہ اور ثانی دونوں نے نوٹ کیا کہ وہ شائستہ اور ہارون کمال کا نام لینے کے



بجائے انہیں نایاب کے حوالے سے مخاطب کر رہا تھا۔

”تم ساتھ والے گھر میں رہنے والی تھی۔ ان کے بارے میں پوچھو۔ یہ لوگ ہارون کمال کے ٹیلی فرینڈز میں سے ہیں اور یہ لوگ ہارون کمال کو اچھا آدمی نہیں سمجھتے۔“ شہیر نے اس بار بھی صبر کا نام نہیں لیا مگر اس نے سیزہ کی ٹیلی کا حوالہ دینا ضروری سمجھا تھا۔ ”مٹرنے اس بات پر کچھ نہیں کہا۔ وہ اب بھی ہوئی نظروں سے شہیر کو دیکھتا رہا۔“

”ہارون کی وجہ سے ان کے گھر میں بہت سے مسائل پیدا ہو رہے ہیں۔“ شہیر نے کچھ دیر خاموش رہ کر سوچنے کے بعد جیسے کچھ طے کرتے ہوئے شکر کو مزید تفصیلات بتانے کا فیصلہ کیا۔

”ہارون ان کی بڑی بیٹی امیر کے ساتھ انوالو ہے۔ میں نے خود اسے یہاں ان کے گھر آتے دیکھا ہے۔“ مٹرنے اس بار شہیر کی بات کا ٹ دی۔

”شہیر بھائی! اگر ایسا کوئی معاملہ ہے بھی تو اس سے نایاب کا کیا تعلق ہے۔ اپنے ماں باپ کا اچھا برا کر دہاں کی ذمہ داری تو نہیں ہے۔“

شہیر ایک لمحے کے لیے کچھ نہیں بول سکا۔ وہ اب بھی یہ یقین نہیں کر پارہا تھا کہ مٹرنے کی بات سننے کے بعد بھی نایاب کی حمایت کرے گا۔

”ٹھیک ہے۔ تم اس معاملے کو رہنے دو۔“ شہیر نے ایک دم بات بدل دی۔ ”صرف اپنی اور نایاب کی کلاس دیکھو ہم لوگ اس طرح کی دوستیاں انورڈ نہیں کر سکتے۔ میں اسی لیے تمہیں ماڈلنگ سے منع کر رہا تھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ ایک بار شو بیز میں آنے کے بعد ہمیں تمہاری وجہ سے اسی طرح کے مسائل کا سامنا کرنا پڑے گا۔“ اس سے پہلے کہ شہیر کچھ اور کہتا مٹرنے ایک جھلکے سے اٹھ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔

دو تین ہکا بکا ہو کر ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے لگے۔ مٹرنے کا رویہ بے حد عجیب تھا۔ وہ صرف کمرے سے نہیں بلکہ گھر سے بھی نکل گیا تھا۔ اس نے گھر سے جاتے ہوئے دروازہ بڑے زور سے بند کیا تھا۔

”یہ مٹرنے کو کیا ہوا؟ کمرے میں موجود خاموشی کو سب سے پہلے قاطمہ نے توڑا تھا۔ اس کی آواز میں تشویش تھی۔“

”پہلے تو کبھی اس نے اس طرح نہیں کیا۔ میں دیکھتا ہوں اسے“ شہیر نے اٹھ کر اس کے پیچھے جاتے ہوئے کہا۔

اس کے کمرے سے نکلنے ہی ثانی نے قاطمہ سے کہا۔

”امی! آپ کو نایاب کے بارے میں اس سے اس طرح نہیں کہنا چاہیے تھا۔ نہ اس کے بارے میں نہ اس کے والدین کے بارے میں“ قاطمہ نے حیرانی سے ثانی کا چہرہ دیکھا۔

”میں نے کیا کہا؟ سب کچھ تو شہیر نے کہا۔“

”شہیر بھائی کو بھی نہیں کہنا چاہیے تھا۔“

”کیوں؟ اس کا فرض ہے کہ وہ اگر کوئی غلط بات دیکھتا ہے تو مٹرنے کو اس سے روکے۔“

”ہاں وہ تو ٹھیک ہے مگر۔“ ثانی کچھ کہتے کہتے جھجکی۔

”مگر کیا“ قاطمہ نے کچھ الجھتے ہوئے کہا۔

”مجھے یقین تو نہیں ہے مگر ثانی نے دوبارہ بات شروع کی۔ میرا خیال ہے کہ مٹرنے کو پسند کرتا ہے۔“ قاطمہ اپنی جگہ پر ساکت ہو گئی۔

”پسند کرتا ہے؟ اس نے بے اختیار کہا۔“

ثانی نے اثبات میں سر ہلادیا۔ قاطمہ کو یقین نہیں آیا، کیا اس کے بیٹے بڑے ہو گئے تھے کہ زندگی کے ان نئے رشتوں سے آشنا ہونا شروع ہو گئے تھے۔ ”نہیں ابھی کہاں؟..... ابھی تو وہ بیٹے ہیں۔“ قاطمہ نے بے اختیار سوچا۔ ہر ماں کی

گئی شہری تصویر کو دیکھا۔ ہاں واقعی اس کا بیٹا اب بڑا ہو چکا تھا۔ اس نے اعتراف کیا۔

”مگر اتنا بڑا کہ کسی لڑکی کو پسند کرنے لگے۔ ناممکن۔“ اس کے دل نے پھر انکار کیا اور پھر اس کی نظر دیوار پر ہی لگی شہیر کی تصویر پر جمی۔ ”ارے ہاں شہیر بھی تو بڑا ہو چکا ہے۔“ اسے ایک اور جھٹکا لگا ”اور یہ سب کس وقت کس دن ہوا؟ اس نے سوچا، ”کیا واقعی اتنا وقت لگ گیا۔“ اسے یقین نہیں آیا۔ ابھی کل ہی کی تو بات تھی کہ میں نے ان تینوں کو ”وہ سوچتے سوچتے ٹھکی اور سامنے بیٹھی جانی کو دیکھنے لگی۔

”میرے خدا..... یہ جانی بھی تو بڑی ہو گئی ہے اور مجھے..... مجھے پتہ ہی نہیں چلا تو کیا میں بوڑھی ہو گئی ہوں؟ اور اب ان بچوں کی اگلی نسل دیکھنے والی ہوں۔ ایک اور نیا رشتہ، نیا تعلق۔“ اسے خوشی کا ایک عجیب سا احساس ہوا۔ تو سارا مشکل وقت بلاآخر گزر گیا۔ میرے بچے جوان ہو چکے ہیں۔ اس قابل کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑے ہو سکیں، نئے رشتے بنا سکیں۔ فاطمہ کا ذہن شہرہ سے ہٹ گیا تھا۔

جانی نے فاطمہ کے چہرے پر نمودار ہونے والی مسکراہٹ کو حیرانی سے دیکھا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ اس انکشاف پر فاطمہ اس طرح مسکرائے گی۔ ”یعنی شہر اس دفعہ بھی بیچ جائے گا۔“ اس نے کچھ مایوس ہوتے ہوئے فاطمہ کو ایک بار پھر دیکھا۔ فاطمہ اب بھی اسی طرح مسکرا رہی تھی۔

جانی اٹھ کر اپنا سامان پیک کرنے لگی۔ اسے اگلی شام کو کراچی جانا تھا۔ فاطمہ اپنی جگہ بیٹھے شاید اتنے سالوں میں پہلی بار جانی کے خدو خال اور اس کے دراز قد کو دیکھ رہی تھی۔ ان تینوں میں سے کسی کو بھی تو اب اس کی انگلی کی ضرورت نہیں رہی تھی۔ فاطمہ نے اعتراف کیا۔ وہ تینوں اپنی ابتدائی پرواز کا آغاز کر چکے تھے۔

☆☆☆

شائستہ اگلے دن ساڑھے بارہ بجے کے قریب جب اٹھی تو ہارون گھر پر نہیں تھا۔ وہ ناشتہ کرنے کے لیے ٹیبل پر آئی تو ملازم نے اسے ناشتہ سرد کرتے ہوئے بتایا۔

”صاحب دو بیٹے کے لیے دوپٹی گئے ہیں۔ کہہ رہے تھے کہ آپ کو بتا دوں۔“ شائستہ ملازم کی اطلاع پر چونک گئی۔ ہارون کبھی اس طرح اچانک بیرون ملک نہیں جایا کرتا تھا اور پھر اسے بتائے بغیر۔

”کب گئے؟“ شائستہ نے پوچھا۔

”نوجے۔“ ملازم نے جواب دیا۔

”میرا موبائل لاؤ۔“ اس نے کچھ اچھے ہوئے انداز میں جوس کا گلاس پیتے ہوئے کہا

”جی اچھا!“ ملازم کہتے ہوئے اندر چلا گیا۔ شائستہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ بچے کے موضوع سے بچنے کے لیے وہاں سے غائب ہو گیا تھا۔

”اس کا کیا خیال ہے کہ پندرہ دن گھر سے غائب رہنے کے بعد میں اس ایٹھو کو بھول جاؤں گی۔“ شائستہ نے ناراضی سے سوچا۔ ”کبھی نہیں۔“

ملازم نے جیسے ہی اسے موبائل لا کر دیا۔ شائستہ نے فوراً ہارون کا نمبر ڈائل کیا۔ اسے ڈر تھا کہ موبائل آف ہو گا۔ مگر موبائل آف نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد ہارون نے فون ریسپو کر لیا تھا۔

”تم مجھے بتائے بغیر دوپٹی کیسے چلے گئے؟“ شائستہ نے اس کی آواز سنتے ہی کسی سلام دعا کے بغیر پوچھا۔

”تم سو رہی تھیں۔ میں نے تمہیں جگانا مناسب نہیں سمجھا۔“ ہارون رات کے برعکس اب پرسکون تھا۔

”تم رات کو مجھے بتا سکتے تھے۔“

”میں بتانا چاہتا تھا مگر تم نے مجھے اس کا موقع ہی نہیں دیا۔“

”پر درگم تھا۔ صرف تمہیں نہیں بتایا تھا۔ دو چار دن سے تمہاری اور میری ملاقات بھی تو بڑی مختصر ہو رہی تھی۔“ ہارون بڑے اطمینان سے وضاحت کر رہا تھا۔

”کام کیا ہے وہاں تمہیں؟“ شائستہ اس کے اطمینان سے کچھ الجھ کر بولی۔  
 ”کوئی ایک کام نہیں ہے..... دو تین کام ہیں۔“ ہارون کہہ رہا تھا۔  
 ”شلا کون سے؟“

”ایک کلائنٹ سے ملاقات کرنا ہے investment opportunities کو دیکھنا ہے۔“  
 ”پندرہ دن بہت زیادہ نہیں ہیں ان دو کاموں کے لیے؟“ شائستہ نے جھپٹے ہوئے لہجے میں کہا۔

”میں کچھ تکبھی گیا ہوں چند دنوں کا بریک چاہتا تھا۔“ اس بار ہارون کا لہجہ مدافعتانہ تھا۔  
 ”اور بریک چاہنے کے لیے تم اکیلے دوئی میں بیٹھے ہو۔“ شائستہ نے طنز کیا۔ ”تمہیں اپنی فیملی کی ضرورت ہی نہیں ہے۔“

”میں تمہیں ساتھ لے جانا چاہتا تھا مگر تمہارا موڈ رات کو بہت خراب تھا۔ اسی لیے میں اس بارے میں بات نہیں کر سکا۔“ ہارون نے کہا۔

”رات کو میرا موڈ خراب تھا یا تمہارا؟“ شائستہ نے ترکی بہ ترکی کہا۔

”میں اس پر اب دوبارہ تم سے بحث نہیں کر سکتا۔“

”میں بھی تم سے بحث نہیں کرنا چاہتی لیکن تم ایک بات یاد رکھو۔“ شائستہ نے یک دم اپنا لہجہ تبدیل کرتے ہوئے کہا۔ ”مجھے شہپر کے بارے میں تم سے آج بھی بات کرنا ہے۔ کل بھی پرسوں بھی۔ اگر تم اس موضوع سے بھاگ کر دوئی گئے ہو تو بے کار ہے۔ تمہیں اس کے بارے میں کوئی فیصلہ کرنا پڑے گا۔“

”میں تم سے یا اس سے خنزودہ نہیں ہوں کہ صرف اس ایٹو پر بات کرنے سے بچنے کے لیے پاکستان سے بھاگ آؤں گا۔ تم اپنی یہ غلط فہمی دور کر لو۔“ ہارون خشک لہجے میں کہا۔

”جہاں تک شہپر کے بارے میں بات کرنے کا تعلق ہے تم جتنی لمبی چاہو بات کر سکتی ہو اور جتنی بار چاہو کرو مگر میں تمہاری خواہش پر یہ پھندا اپنے گلے میں نہیں ڈال سکتا۔“

اس سے پہلے کہ شائستہ کچھ اور کہتی دوسری طرف سے ہارون نے فون بند کر دیا۔ شائستہ نے جھنجھلا کر اپنا موبائل نیپل پر رکھا۔ اسے ہارون پر ایک بار پھر غصہ آنے لگا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ ناشتہ دوبارہ شروع کرے اس کے موبائل پر کال آنے لگی تھی۔ شائستہ نے موبائل اٹھا کر حیرانی سے اس پر آنے والے نمبر کو دیکھا۔ وہ منصور کا نمبر تھا۔ اس کے اور منصور کے درمیان شازدہ اور سی کھی فون پر بات ہوئی تھی اور اب اچانک اس کی کال ریسیو کرتے ہوئے وہ حیران ہو رہی تھی۔  
 رکی سلام دعا کے فوراً بعد منصور نے کہا تھا۔

”بھابھی میں کل رات سے ہارون سے رابطہ کرنے کی کوشش کر رہا ہوں مگر کل ساری رات اس کا موبائل آف رہا اور آج صبح سے اس کا موبائل تو آف نہیں ہے مگر وہ میری کال ریسیو نہیں کر رہا۔“

”ہارون اصل میں اس وقت دوئی میں ہے۔“

”دوئی میں؟“ منصور کو جیسے شاک لگا۔ ”کل تک تو وہ یہاں تھا۔“

”ہاں کل وہ یہیں تھا مگر آج اچانک اسے دوئی جانا پڑا ہے۔“

”وہ وہاں سے کب آئے گا؟“ منصور نے پوچھا۔

”دو ہفتے تک۔“

”دو ہفتے تک۔“

”دو ہفتے؟“ منصور بے اختیار کہا۔ ”مجھے اس سے بہت ضروری کام تھا۔ میں دو ہفتے تک اس کا انتظار کیسے کر سکتا ہوں۔“

”آپ مجھ سے کہیں ہو سکتا ہے میں آپ کی مدد کر سکوں؟“ شائستہ نے کہا۔

”نہیں شکر یہ بھابھی! مگر مجھے ہارون سے ہی بات کرنا تھی۔“

”اگر آپ کچھ دیر پہلے فون کر لیتے تو میں ہارون کو آپ کے بارے میں بتا دیتی۔ وہ کچھ دیر پہلے مجھ سے فون پر بات کر رہا تھا۔“

”بھابھی! آپ اسے فون کر کے بتائیں کہ وہ فوری طور پر مجھ سے رابطہ کرے۔ مجھے اس سے بہت ضروری بات کرنا مجھے جرت ہے کہ وہ میرا فون کیوں ریسیو نہیں کر رہا۔“ منصور نے مضطرب انداز میں کہا۔

”ٹھیک ہے۔ میں اس سے فون پر کہہ دیتی ہوں آپ اپنا موبائل آن رکھیں۔ وہ آپ سے خود رابطہ کر لے گا۔“

شائستہ کال ختم کرتے ہی ہارون کو کال کرنے لگی مگر کال نہیں ملی۔ ہارون کا موبائل اس بار آف تھا۔ اس نے یقیناً شائستہ سے بات کرنے کے بعد دوبارہ کال کے ڈر سے موبائل آف کر دیا تھا۔ شائستہ نے بے اختیار گہرا سانس لیا۔ وہ سمجھ نہیں پاتی تھی کہ ہارون منصور سے کیوں بچ رہا تھا۔

☆☆☆

”تمہیں آخر ضرورت کیا تھی اس طرح ہمارے گھر آنے کی؟“ شراٹگلے دن کالج میں نایاب کو دیکھتے ہی اس پر برس پڑا تھا۔

”میں تمہیں بتا چکا تھا کہ ہمارے گھروں میں لڑکیاں دوست نہیں بنائی جاتیں اور نہ ہی انہیں گھر پر بلایا جاتا ہے۔“ وہ رات کو اگرچہ فاطمہ کے سامنے نایاب کی حمایت کرتا رہا تھا مگر اس وقت وہ نایاب پر برس رہا تھا۔ ”اور اوپر سے تم اس بے ہودہ طیلے میں میرے محلے میں آئیں۔“ شرنے انگلی سے اس کے لباس کی طرف اشارہ کیا۔ وہ ابھی بھی ایک جینز اور سلیو لیس شرٹ میں ملبوس تھی۔

”تمہیں یہ خیال تک نہیں آیا کہ تمہارے وہاں آنے سے لوگوں کو میرے اور میری فیملی کے بارے میں بات کرنے کا موقع ملے گا۔“

نایاب خلاف توقع خاموشی سے اس کی باتیں سن رہی تھی۔ اس نے ہمیشہ کے طرح شرکی بات کانٹے کی کوشش کی نہ ہی بات کو مذاق اڑانے کی۔ اس کی خاموشی شر کو کھٹکتی تھی مگر اس وقت وہ قطعاً اس موڈ میں نہیں تھا کہ اس سے اس کی اس غیر متوقع خاموشی کے بارے میں پوچھتا۔

”میں اگر اب تک تمہیں اپنے گھر نہیں لے گیا تھا تو اس کی کوئی نہ کوئی وجہ ہی تھی۔ اور تم تم کو لمبوس کی طرح میرا گھر دریافت کرنے نکل پڑیں۔“ وہ مسلسل بول رہا تھا اور نایاب ہاتھ پر ہاتھ رکھے خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتے ہوئے اس کی باتیں سن رہی تھی۔

”اور پھر تم جاتے جاتے سڑک پر کھڑے ہو کر مجھ سے بے ہودہ مذاق کرنے لگیں۔“

”وہ بے ہودہ مذاق نہیں تھا۔“ نایاب کی خاموشی یک دم ٹوٹ گئی تھی۔ ”میں نے تمہیں پر پوز کیا تھا اور مجھے کم از کم اس حوالے سے کوئی شرمندگی نہیں ہے۔“

شر کو اس کی بات پر اور غصہ آیا۔

”پر پوز؟ ہمارے درمیان اس حوالے سے آج تک کبھی بات نہیں ہوئی اور تم.....“

نایاب نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”ہاں کل تک بات نہیں ہوئی تھی مگر آج ہو رہی ہے اور کبھی نہ کبھی ہونی ہی تھی۔ ہر نقلی کا حتمی نتیجہ یہی ہوتا ہے۔“ شرنے حیرانی سے اسے دیکھا۔ وہ یہ بات کہتے ہوئے بے حد سنجیدہ تھی۔

”تمہیں احساس ہے کہ تم کس طرح کی باتیں کر رہی ہو؟“

”تمہیں کیوں لگ رہا ہے کہ میں سوچے کچھ بغیر یہ سب کچھ کہہ رہی ہوں؟“ نایاب نے جواباً سوال کیا۔

”نایاب! مجھے اگلے دس سال شادی نہیں کرنا۔“

”تو یوں کہو نا کہ میں انتظار کروں۔“ نایاب نے ایک دم جیسے ہلکے ہلکے انداز میں کہا۔

”فارگاڈ سیک، کون کہہ رہا ہے کہ تم انتظار کرو۔ میں تم سے صرف یہ کہہ رہا ہوں کہ مجھے ابھی کئی سال شادی نہیں کرنی اور بالفرض کرتا بھی پڑی تو وہ تم سے نہیں کروں گا۔“

”کیوں؟“ نایاب کے چہرے سے مسکراہٹ دوبارہ غائب ہو گئی۔

”نایاب! دوستی کی بات اور ہے مگر میری اور تمہاری کلاس کے درمیان رشتہ داری نہیں ہو سکتی۔“ ٹرنے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

”میں اگر سو سال بھی دن رات پیسہ کماتا رہوں، جب بھی تمہاری فیملی کے برابر نہیں آ سکتا۔“

”میں شادی کی بات کر رہی ہوں، تم پیسے کی بات کہاں سے لے آئے ہو؟“

”شادی میں پیسہ آئی جاتا ہے۔“

”اگر انسان کی ذہنیت سطحی ہو..... میری ذہنیت ایسی نہیں ہے اور مجھے یقین ہے کہ تمہاری ذہنیت بھی ایسی نہیں ہے۔“ نایاب نے کہا۔

”یہ کتنا ہی جملہ ہے اور کتنا ہی جملے کتابوں میں ہی اچھے لگتے ہیں۔ اصلی زندگی میں حقیقتوں سے نظر پڑانے والا بے وقوف ہوتا ہے، اور میں تم ازم بے وقوف نہیں ہوں۔“ وہ کہہ رہا تھا۔

”ماڈلنگ، نایاب کمال کا شوق ہے مگر میرے لیے یہ آمدنی کا ذریعہ ہے۔ ایسی آمدنی جو مجھے زندگی کی آسائش فراہم نہیں کرتی صرف زندگی کی بنیادی ضروریات کو پورا کرتی ہے۔“ نایاب نے اس کو کلمگی اس طرح کی باتیں کرتے نہیں سنا تھا۔

”تمہارے گھر والوں کو تمہارے اس پورپوزل کا پتہ چلا تو وہ تم سے تو بعد میں بات کریں گے، میرا جینا پہلے حرام کر دیں گے اور میں یہ کبھی نہیں چاہوں گا۔ بہتر ہے اپنے اس تعلق کو ہم دوستی تک ہی رکھیں اور وہ بھی ایسی دوستی جو کالج کی حدود تک ہی محدود ہے۔“

”کچھ اور کہتا ہے تمہیں؟“ نایاب نے اس کے خاموش ہونے پر کہا۔

”بہت کچھ کہتا ہے..... مگر صرف آج ہی نہیں وقتاً فوقتاً کہتا رہوں گا تم سے۔“

”اس کا مطلب ہے اب کچھ کہنے کی باری میری ہے۔“ نایاب نے کہا۔

”میری جی کو جس سے پہلی نظر میں محبت ہوئی تھی، انہوں نے اسی سے شادی کر لی تھی۔“ وہ عجیب سے انداز میں کہہ رہی تھی۔ ”میں پاپا کی بات کر رہی ہوں اور پاپا نے بھی یہی کیا تھا۔ میں بھی یہی کروں گی۔ میں جانتی ہوں، تم میرا مذاق اڑاؤ گے مگر مجھے پہلی نظر میں تم سے محبت ہو گئی تھی۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ اسی لڑکے کو میرا شوہر ہونا چاہیے۔“

”تم یا تو ناول زیادہ پڑھتی ہو یا پھر فلمیں زیادہ دیکھتی ہو۔“ ٹرنے کچھ سلگتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔

”مان لو، میں دونوں ہی کام کرتی ہوں پھر اس کا کیا یہ مطلب ہو گا کہ میں محبت کرنے کے قابل نہیں رہی؟“ نایاب نے چیخ کرنے والے انداز میں کہا۔

”میری سمجھ میں نہیں آرہا کہ تمہیں بیٹھے بٹھائے ہو کیا گیا ہے نایاب!“ ٹرنے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔ ”تم نے پہلے تو کبھی اس طرح کی باتیں نہیں کیں۔“

”میں آئندہ بھی اس طرح کی باتیں نہیں کروں گی، صرف ایک بار میں تمہیں یہ بتا دینا چاہتی تھی کہ تم مجھ میں اور یہاں پڑھنے والی دوسری لڑکیوں میں کچھ فرق رکھو۔“ نایاب مستحکم آواز میں بولی۔

”مجھے وہ لڑکیاں کبھی اچھی نہیں لگتیں جو اپنی زندگی سے متعلقہ اتنے بڑے فیصلے اپنے ماں باپ کو بتائے بغیر خود کر لیتی ہیں۔“ ثمر سے شرمندہ کرنا چاہتا تھا مگر اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس نے نایاب سے یہ کہہ کر ایک پینڈور اباس کو کھول لیا تھا۔ نایاب اس کی بات پر مسکرائی پھر اس نے کہا۔

”تم نے اچھا کیا مجھے یہ یاد دلایا کہ مجھے اس سلسلے میں اپنے ماں باپ سے بات کرنی ہے، اور یقین رکھو، میں تمہارے ساتھ کبھی بھی بھاگ کر شادی نہیں کروں گی۔ تم سے میری شادی میرے والدین کی مرضی سے ہی ہوگی تم بارات لے کر انہیں کے گھر آؤ گے۔“

”وہ اس صورت میں ہوگی اگر اس سے پہلے میرا جنازہ نہ اٹھ گیا۔“

”اتنا ڈرتے کیوں ہو تم؟..... پاپا بہت اچھے آدمی ہیں۔ تمہیں کچھ نہیں کہیں گے۔ تہی طور پر ناراض ہو سکتے ہیں مگر تمہیں نقصان پہنچائیں یہ کبھی نہیں ہو سکتا۔ کم از کم میری زندگی میں تو کبھی نہیں۔“ نایاب نے اس کا کندھا تھپتھپے ہوئے کہا۔

”چلو اب تمہیں چلنے ہیں۔ خاصی سنجیدہ گفتگو ہو چکی ہے اب کچھ کھایا پیا جائے۔“

ثمر کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس سے مزید کیا کہے۔ بلاشبہ وہ نایاب کو پسند کرتا تھا۔ بلاشبہ وہ اپنے دل میں اس کے لیے نرم گوشہ رکھتا تھا مگر اس نے کبھی اس سے شادی کے بارے میں خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ وہ اپنی اور نایاب کی سماجی حیثیت سے بہت اچھی طرح واقف تھا اور اس سے بھی بڑھ کر وہ یہ جانتا تھا کہ نایاب جن آسانسٹوں کی عادی ہے وہ اگلے دس سال میں بھی وہ اسے فراہم نہیں کر سکتا اور اس پر اب نایاب کی یہ چابک سانسے آنے والی ضد..... اسے یہ اندازہ تھا کہ وہ اسے بہت پسند کرتی ہے۔ ایک دوست کی حیثیت سے، مگر اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ وہ اس سے محبت کا دعویٰ کرے گی۔ ایک دن میں ان کے تعلقات کی نوعیت اس طرح بدل جائے گی۔

”چلو بھئی۔ اب اور کیا سوچ رہے ہو؟“ نایاب نے اس سے کہا۔ ”مزید کوئی تقریر کرنا چاہتے ہو تو بھی یہاں کھڑے ہونے کا کوئی فائدہ نہیں، تمہیں چل کر بات کرتے ہیں۔“

ثمر نے ایک گہرا سانس بھرتے ہوئے اپنا بیک اٹھایا۔ اسے نایاب سے ابھی مزید بات کرنا تھی مگر آج نہیں۔

”ارے ہاں، میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتی ہوں۔“ اس کے ساتھ کالج کے برآمدے میں چلتے ہوئے نایاب نے ایک دم کہا۔

ثمر اتنے بڑے موڈ میں تھا کہ اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ ”کل جب میں تمہارا گھر ڈھونڈ رہی تھی تو میں نے تمہاری سگی ماں سے ایک لڑکی دیکھی۔“ نایاب بتا رہی تھی۔ ”اس کے قادر، پاپا کے بزنس پارٹنر ہیں۔ انہوں نے دوسری شادی کر کے اپنی پہلی بیوی اور بچوں کو گھر سے نکال دیا۔ میں اسے تم لوگوں کے محلے میں دیکھ کر حیران ہوئی..... مجھے نہیں پتہ وہ یہاں رہ رہی ہے یا پھر یہاں کسی سے میری طرح ملنے آئی تھی۔ مگر میرا خیال ہے کہ وہ یہاں رہ رہی ہوگی کیونکہ اس کے ہاتھ میں ایک بیک تھا۔ امبر نام ہے اس کا تم جانتے ہو ایسی کسی فیملی کو جو ابھی کچھ عرصہ پہلے ہی تمہارے محلے.....“

ثمر نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”ہمارے ساتھ والے گھر میں رہتے ہیں یہ لوگ۔“

”اوہ، مجھے بڑا افسوس ہو رہا ہے یہ جان کر..... ان کے قادر کروڑ پتی ہیں اور ان کی دوسری شادی کی وجہ سے ان کے بچے اب دھکے کھاتے پھر رہے ہیں۔“ نایاب کو واقعی افسوس ہوا۔

”اور اس پر زیادتی ہے کہ انہوں نے اپنا بیٹا بھی اپنے پاس رکھ لیا، صرف بیوی اور بیٹیوں کو گھر سے نکالا۔“

ثمر کو شہر کی باتیں ایک دم یاد آئیں۔ وہ نایاب سے امبر اور ہارون کے تعلقات کا ذکر کرنا چاہتا تھا مگر اس وقت اسے نایاب سے یہ بات کہنا مناسب نہیں لگا البتہ اسے شائستگی کے گمشدہ بیٹے کا خیال آ گیا تھا۔

”نایاب! تم لوگ کتنے بہن بھائی ہو؟“ نایاب اس کی بات پر نرس دی۔

”تمہیں یہ سوال کیوں کرنا پڑا۔ تمہیں تو پہلے ہی بتا چکی ہوں میں کہ میرا صرف ایک بھائی ہے اور وہ امریکہ میں پڑھ رہا

”کوئی اور بھائی نہیں؟“ ثمر نے پوچھا۔

نایاب ایک بار پھر ہنسی ”نہیں بھئی، کوئی اور بھائی نہیں ہے۔“

”کوئی ایسا بھائی جو کم ہو گیا ہو، میرا مطلب ہے بچپن میں؟“ اس بار نایاب اسے گھورنے لگی۔

”یہ کیسا مذاق ہے، تم کیا کہنا چاہتے ہو؟“

”نہیں، تم پہلے میرے سوال کا جواب دو۔“

”احقانہ باتیں مت کرو۔ میرا کوئی بھائی کم نہیں ہوا، نہ اب نہ بچپن میں، کافی ہے؟“

ثمر کھلبھے ہوئے انداز میں اسے دیکھنے لگا۔ کیا شائستہ نے اسے بے خبر رکھا تھا یا وہ ثمر سے جھوٹ بول رہی تھی یا پھر، یا پھر شہیر کی بات صحیح تھی کہ شائستہ اس سارے معاملے میں جھوٹ بول رہی تھی۔

ثمر نے ایک لمحے میں فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ شائستہ اور شہیر کے درمیان ہونے والی گفتگو سے نایاب کو آگاہ کر دے گا۔ سچ جاننے کے لیے یہ ضروری تھا۔

”نایاب! تمہاری مہی کے مطابق تمہارے سب سے بڑے بھائی کو پیدائش کے فوراً بعد ہاسپٹل سے اغوا کر لیا گیا تھا۔ ثمر نے انکشاف کیا۔

”بکواس مت کرو۔“ نایاب نے مذاق سمجھتے ہوئے اسے گھورا۔

”میں مذاق نہیں کر رہا۔ انہوں نے شہیر بھائی سے خود یہ سب کہا ہے۔“ اس بار نایاب ٹھک گئی۔

☆☆☆

منصور ساری رات سو نہیں سکا تھا۔ وہ مگریت اور شراب پیتا رہا اور اگلے دن صبح سویرے اپنے آفس پہنچ گیا۔ اسے کل یہ خوف محسوس ہوتا رہا تھا کہ کہیں اسے فیکٹری سے بھی بے دخل نہ کر دیا جائے کیونکہ وہ اپنی پہلی فیکٹری رخصتی کے بیٹے کے نام کر چکا تھا۔ مگر یہ دیکھ کر اسے اطمینان ہوا کہ فیکٹری میں سب کچھ معمول کے مطابق ہو رہا تھا۔ کسی نے کم از کم وہاں اسے اندر داخل ہونے سے نہیں روکا۔

وہ فیکٹری میں آتے ہی ایک بار پھر فون پر بخت گیا تھا۔ ہارون کا موبائل اب آف نہیں تھا مگر وہ فون ریسیو نہیں کر رہا تھا۔ رخصتی کا موبائل آف تھا اور اس کے گھر کی لائسنز کل کی طرح آج بھی ایجنسی مل رہی تھیں۔ وہ اندازہ لگا سکتا تھا کہ اس نے فون کے ریسیو اٹھا کر رکھ دیے ہوں گے۔

دس بجے کے قریب اس نے اپنے وکیل کو بلوا کر فیکٹری کے کاغذات میں تبدیلی کی ہدایات جاری کیں۔ وہ رخصتی کے نام کے جانے والے دنوں گھر اپنے نام نہیں کروا سکتا تھا مگر کم از کم وہ فیکٹری کے حوالے سے کچھ کر سکتا تھا۔ ان معاملات سے فارغ ہونے کے بعد اس نے ایک بار پھر پہلے کی طرح فون کرنے کی کوشش کی مگر وہ کسی سے بھی رابطہ کرنے میں ناکام رہا۔ پھر ایک دم اسے شائستہ کا خیال آیا تھا مگر شائستہ سے یہ سننے کے بعد کہ ہارون دو ہفتے کے لیے دوہنی گیا ہے وہ بے حد پریشان ہوا تھا۔ اگلے دو گھنٹے وہ اپنے آفس میں بیٹھا ہارون کے فون کا انتظار کرتا رہا مگر فون نہیں آیا۔ اس نے ایک بار پھر اس کے موبائل پر فون کیا۔ اس بار موبائل آف ملا تو منصور نے پھر شائستہ کو فون کیا۔

”سوری منصور! میری اس بات نہیں ہو سکی، اس کا موبائل تب سے آف ہے۔“

منصور کا دل چاہا وہ اپنا سر کی دیوار کے ساتھ دے مارے۔ شام چار بجے کے قریب وہ ایک بار پھر ہارون کے اپارٹمنٹ کی طرف گیا مگر اس بار اسے گاڑنے نیچے ہی روک لیا۔ منصور حیرت زدہ رہ گیا تھا۔ وہ ابھی کل رات وہاں آیا تھا اور صبح وہاں سے گیا تھا مگر اس گاڑنے اس طرح کی حرکت نہیں کی تھی پھر اب کیا ہوا تھا؟

”ہارون صاحب صبح یہاں آئے تھے اور وہ سختی سے کہہ کر گئے ہیں کہ میں آپ کو ان کے اپارٹمنٹ میں نہ جانے دوں۔“

منصور بکا بکا رہ گیا۔

”کس وقت آیا تھا وہ یہاں؟“

”دس بجے کے قریب۔“ منصور ساڑھے آٹھ بجے ہی ٹیکسری جا چکا تھا۔

”اور اس نے میرا نام لے کر کہا کہ مجھے اس کے اپارٹمنٹ میں جانے نہ دیا جائے؟“

منصور کو جیسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

”ہاں، انہوں نے کہا تھا کہ منصور علی جو صبح یہاں سے گیا ہے اسے دوبارہ میرے اپارٹمنٹ میں نہ جانے دیا جائے۔“

منصور بے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔ توکل سے ہارون کمال اسے جان بوجھ کر اگنور کر رہا تھا۔ کس لیے؟ کیا وہ پہلے

یہی سب کچھ جان چکا تھا اور خوشی کی حمایت میں یہ سب کچھ کر رہا تھا یا پھر یہ سب کچھ وہ اور خوشی دونوں مل کر کر رہے تھے؟ منصور

کو لگا اسے ہارٹ اٹیک ہونے والا ہے۔ آخر اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا؟ کیوں ہو رہا تھا؟ اس نے ایسی کیا غلطی کی تھی؟

منصور کو اپنی کوئی ”غلطی“ یاد نہیں آئی۔

☆☆☆

آئی بی اے میں اس کی کلاسز کا آغاز ہو چکا تھا۔ اسے کراچی میں آئے چار دن ہو رہے تھے۔ ثمر اور شہیر سے دن میں

ایک بار اس کی بات ہو جاتی تھی۔ وہ زندگی میں پہلی بار فاطمہ، شہیر اور ثمر کے بغیر کہیں رہ رہی تھی اور اسے یہ بے حد مشکل لگ رہا

تھا۔ خاص طور پر وہ ثمر کی کمی بہت محسوس کر رہی تھی۔

ثمر نے کراچی روانگی سے پہلے اسے ایک موبائل فون کا تحفہ دیا تھا۔ ثانی کو بے حد خوشی ہوئی تھی اور ان چار دنوں میں وہ

اس موبائل کے ذریعے ثمر کو تقریباً دو سو SMS کر چکی تھی اور ان دو سو میں سے ڈیڑھ سو کے قریب وہ SMS تھے جن میں وہ

ایک دوسرے سے لڑتے رہے تھے۔ ثمر کو شکایت تھی کہ اس نے نایاب کے گھر آنے پر شہیر اور فاطمہ کی طرح ناپسندیدگی کا اظہار

کیوں کیا تھا اور ثانی کو شکایت تھی کہ اس نے نایاب کی وجہ سے اس کے ساتھ جھگڑا کیا اور آخر میں یہ کہا کہ وہ شکر ادا کرے گا کہ

اب کراچی جانے کی وجہ سے اس کی جان ثانی سے چھوٹ گئی ہے۔ اب وہ آزادی سے گھر رہے گا۔ وہ ہر روز اسے یہی SMS

کرتا اور پھر ہر روز بات ہونے پر اس سے پوچھتا کہ وہ کس ویک اینڈ پر گھر واپس آئے گی۔ یہ بھول کر کہ ابھی اسے وہاں گئے

چار دن ہی ہوئے تھے۔

اپنی پہلی ہی کلاس میں ثانی کی ملاقات لاہور سے اس کے علاوہ بی بی اے میں ایڈیشن پانے والے دوسرے امیدوار

سے ہو گئی تھی۔ وہ اس کے بانئیں جانب والی نشست پر بیٹھا ہوا تھا۔ ثانی کو وہ بے حد عجیب لگا تھا اور اسے یقین تھا کہ وہ اسے

عجیب لگا نہیں، وہ دراصل عجیب تھا۔ اس نے اس پوری کلاس میں کسی کو اتنا کم گو، اتنا سنجیدہ اور اتنا ٹھنڈا نہیں پایا تھا۔

اس کے واقفی جانب جنید تھا جو کراچی سے ہی تھا اور وہ دونوں مسلسل ایک دوسرے سے اپنا تعارف کروانے کے بعد

باتیں کر رہے تھے اور یہ جنید ہی تھا جس سے ثانی نے باتیں کرتے کرتے یک دم اس کے بانئیں جانب بیٹھے ہوئے اس

لڑک کو مخاطب کیا جو چپ چاپ اپنی کرسی پر بیٹھے اسے مسلسل ہلانے میں مصروف تھا۔

”میرا نام ردشان منصور علی ہے۔“

اس نے ثانی اور جنید کو وہ بتایا جو وہ پہلے ہی جانتے تھے پھر گردن موڑ کر بے نیازی سے دوسری جانب دیکھنے لگا۔ جنید اور

ثانی نے اس کی اس حرکت پر ایک دوسرے کو دیکھا اور بے اختیار مسکرا دیے۔

☆☆☆



## پچیسواں باب

دروازے پر لگی کھٹی کو دو بار بجایا گیا تھا۔ فاطمہ بچن میں مصروف تھی۔ گھر میں اس وقت کوئی بھی نہیں تھا وہ جاوہل دعو رہی تھی۔ جاوہل دعو نے دعو نے وہ برتن رکھ کر ہاتھ پونچتے ہوئے جب تک دروازے کے پاس آئی۔ دروازے پر لگی کھٹی ایک بار پھر بجنے لگی تھی۔ شہیر اور شردوونوں اس طرح اس وقت کھٹی بجا کر نہیں آتے تھے اور محلے میں سے جب بھی کوئی آتا وہ عام طور پر دروازہ ہی بجایا کرتا تھا۔

”کون؟“ فاطمہ نے اندر سے ہی پوچھا۔ دروازے کے دوسری طرف کچھ کھسر پھسر ہوئی فاطمہ کو اندازہ ہو گیا کہ وہاں دو افراد موجود تھے۔

”فاطمہ! دروازہ کھولو۔“ کسی نسوانی آواز نے اس سے کہا۔

فاطمہ نے دروازہ کھول دیا۔ زمین جیسے یک دم اس کے پیروں کے نیچے سے نکل گئی تھی۔ اسے دروازے پر کھڑے لوگوں کو پہچاننے میں وقت نہیں ہوئی تھی مگر بعض دفعہ پہچانا اذیت ناک ہوتا ہے۔ اس وقت بھی ہو رہا تھا۔ اسے لگا اس کا گھر یک دم کسی بھونچال کی زد میں آ گیا تھا۔

☆☆☆

”شہیر بھائی؟“ نایاب نے قدرے حیرانی سے ثمر سے کہا۔

”ہاں شہیر بھائی۔“ ثمر نے اثبات میں سر ہلایا۔

”مگر میری مٹی شہیر بھائی سے کب ملیں؟“ نایاب کو حیرت ہو رہی تھی۔

یہ ممکن ہی نہیں تھا کہ شائستہ شہیر سے مل کر اس طرح باتیں کرتیں وہ تو خود اسے ثمر سے ملنے سے منع کر رہی تھیں۔ پھر شہیر کو اس طرح کے جموٹ بولنے کی کیا ضرورت تھی۔

”ایک بار نہیں تمہاری مٹی کئی بار شہیر بھائی سے ملی ہیں۔“

ثمر نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ اندازہ لگانے کی کوشش کر رہا تھا کہ کیا شائستہ کا انکشاف نایاب کے لیے بھی انکشاف ہی تھا۔ اور نایاب کے چہرے کے تاثرات دیکھنے پر اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ صرف انکشاف نہیں تھا۔ وہ نایاب کے لیے شاک بھی تھا۔

”مگر مٹی تمہارے بھائی سے کیوں ملیں گی وہ تو مجھے.....“ نایاب بے اختیار کہتے کہتے رک گئی۔

”مجھے کیا؟“ ثمر نے اسے سوالیہ نظروں سے دیکھا۔

”مجھے بالکل یقین نہیں ہے اس بات کا کہ مٹی تمہارے بھائی سے ملتی رہی ہیں۔“ نایاب نے اس کے سوال کا جواب گول کرتے ہوئے کہا۔ مٹی کا آخر تمہارے بھائی سے تعلق کیا ہے۔ وہ تو تب تک انہیں جانتی بھی نہیں تھیں جب تک میں نے انہیں تم لوگوں سے نہیں ملوایا۔ اور مٹی نے مٹی گھر میں تمہارے بھائی کا ذکر نہیں کیا۔“

”مگر شہیر بھائی ہر بار تمہاری مٹی سے ملنے کے بعد گھر میں اس ملاقات کا احوال بتاتے تھے۔ اس لئے میں کم از کم یہ نہیں مان سکتا کہ وہ جھوٹ بول رہے ہوں گے۔“

شر نے نایاب کی بات کاٹ کر کہا۔ اسے نایاب کے لہجے سے اندازہ ہو رہا تھا۔ کہ وہ اگلے کسی جیلے میں شہیر کو جھوٹا ہی سمجھتی۔ وہ اسی طرح بے دھڑک کوئی بات کرنے والی تھی اور شر اس کے منہ سے شہیر کے بارے میں اس طرح کی بات نہیں سن سکتا تھا۔

چند لمحے تک دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کا چہرہ دیکھتے رہے۔ اگر پچھلا دن شر کے لیے بدترین تھا تو آج کا دن نایاب کے لیے مگر نایاب کو اندازہ نہیں تھا کہ یہ صرف ابتدا تھی۔ بدترین انکشافات ابھی باقی تھے۔

”اگر مٹی تمہارے بھائی سے ملتی رہی تھی تو تم نے پہلے مجھے کیوں نہیں بتایا؟“ نایاب کچھ دیر خاموش رہنے کے بعد بولی۔

”بتایا تو انہوں نے بھی تمہیں نہیں ہے۔“ شر نے کہا۔

”تم اپنی بات کرو۔“ نایاب نے کچھ ناراضی سے کہا۔

”میں نے ضروری نہیں سمجھا۔ آخر کیا کہتا تم سے؟ شر نے کندھے اچکائے۔

”شہیر بھائی ان ملاقاتوں کو اتفاقاً دیکھتے رہے تھے اور میں بھی یہی سمجھتا رہا۔“

”تو ہو سکتا ہے وہ ملاقاتیں اتفاقاً ہی ہوں۔“ نایاب کو یک دم کچھ حوصلہ ہوا۔

”اتفاقاً ملاقاتوں کے نتیجے میں کوئی کسی کی پر دوشوں کروانا ہے نہ پے بڑھواتا ہے۔“

”مٹی نے کس کی پر دوشوں.....“ نایاب نے بات ادھوری چھوڑی پلک جھپکتے میں اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ کہ شر کس کی بات کر رہا ہے۔

”ہاں تمہاری مٹی نے شہیر بھائی کے پاس سے کہہ کر انکی پر دوشوں کروائی ہے۔“

ناياب کی ٹانگیں یک دم کا پٹنے لگیں۔ وہ اپنے باپ اور ماں دونوں کے منت نئے انیروز سے واقف تھی۔ اس نے باپ کی طرح ماں کو بھی اپنے سے بہت کم عمر لڑکوں کے ساتھ وقت گزاری کرتے دیکھا تھا مگر وہ سب لڑکے ان کی اپنی کلاں کے ہی ہوتے تھے۔ شائستہ انہیں ہارون کی طرح دوستی کا نام دیتی تھی اور نایاب اور اسد نہ چاہتے ہوئے بھی ان لوگوں سے ہیلو ہائے کر لیتے تھے۔

ناياب کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہیں تھی کہ شائستہ اس کے دوست کے بھائی کے ساتھ اس طرح انوالو ہوگی اور خود اسے اس کے ساتھ میل جول رکھنے سے منع کرے گی۔

”تمہیں اگر اب بھی یقین نہیں آ رہا تو تم اپنی مٹی سے پوچھ لو۔“ شر اس کی دلی کیفیات سے بے خبر کہتا رہا تھا۔

”تمہاری مٹی نے شہیر بھائی سے کہا کہ وہ ان سے اس لیے بار بار مل رہی ہیں کیونکہ انہیں دیکھ کر انہیں اپنا گمشدہ بیٹا یاد آ رہا ہے۔“

ناياب نے بے اختیار آنکھیں بند کر لیں۔ اسے شائستہ سے گھن آئی تھی۔ وہ شہیر کو پھانسنے کے لیے کس سطح پر مگنی تھی۔

”انہوں نے شہیر بھائی کو بتایا کہ وہ اپنے بیٹے کو۔ آج تک ڈھونڈ رہی ہیں اور انہیں یقین ہے کہ کبھی نہ کبھی وہ انہیں دیکھ کر انہیں پالیں گی۔ اب تم کہہ رہی ہو کہ تمہیں ایسے کسی بھائی کا پتہ نہیں۔“ شر نے الجھے ہوئے انداز میں کہا۔ ”پھر جھوٹ کا

فیصلہ کس طرح ہو تم خود طے کر سکتی ہو کہ کون سچا ہے اور کون جھوٹا۔ تمہاری مٹی شہیر بھائی سے اس طرح کے سوالات کر رہی تھی جیسے انہیں شک ہو کہ وہ ہمارا بھائی نہیں ان کا بیٹا ہے اور میری امی ہی وہ خاتون ہیں جو انہیں اغوا کر کے لے گئی ہوں۔“

”شر! جہاں تک میں جانتی ہوں اسد بھائی کے علاوہ میرا اور کوئی بھائی نہیں ہے۔“ نایاب نے لرزتی ہوئی آواز میں اس

کی بات کاٹ دی۔

”اور اگر ایسا کبھی کچھ ہوا بھی تھا تو میں اس کے بارے میں نہیں جانتی۔ مٹی نے کبھی ہم لوگوں سے ایسی بات نہیں کی اور

میں نے کیا پاپا نے بھی کبھی ایسا کچھ نہیں کہا۔" نایاب بے حد پریشان نظر آ رہی تھی۔  
 "اور اگر اس طرح کی کوئی بات تھی اور وہ تمہارے بھائی سے مل رہی تھی تو انہیں مجھ سے بات کرنی چاہیے تھی۔ دو تو مجھے تم سے ملنے سے منع کرتی رہی ہیں۔ اس بار نایاب نے یہ بات نہیں چھپائی تھی۔"  
 "تم لوگوں کی فیملی بیک گراؤنڈ کے بارے میں وہ مجھ سے بھی شروع میں پوچھتی رہی تھی مگر میں یہی سمجھتی رہی کہ وہ ایسا حوالے سے کر رہی ہیں۔ میرے لیے یہ ساری باتیں ناقابل یقین ہیں۔ اس لیے مجھے کبھی یہ شبہ نہیں ہوا کہ وہ یہ چھان بین شہیر بھائی کے "تمہاری جگہ کوئی اور مجھ سے یہ سب کچھ کہتا تو میں سمجھتی کہ وہ کبواس کر رہا ہے۔ میری مٹی پر الزام لگا رہا ہے۔ گمشدہ بھائی۔ تم خود سوچو کیا یہ قابل یقین بات ہے؟"  
 "نہیں۔۔۔۔۔ لیکن اگر ایسا نہیں ہے اور ان کو ایسے کسی حادثے کا سامنا نہیں کرنا پڑا تو پھر شہیر بھائی سے ملاقاتوں کا مقصد کیا ہے اور اس طرح کی عنایات اور پھر اس طرح کی باتیں۔۔۔۔۔ میں کیا کہوں اس سب کو؟"  
 "میں مٹی سے بات کر دوں گی۔" نایاب نے پرسوج انداز میں کہا۔  
 "تمہیں پتا ہے مجھے یوں لگتا ہے میری ٹیس کی ادائیگی بھی تمہاری مٹی نے کی ہے۔" ٹرنے یک دم جیسے کوئی خیال آنے پر کہا۔

نایاب کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔  
 اور صرف اتنا ہی نہیں، تمہیں پتہ ہے ثانی کے لیے کسی نے کچھ رقم آئی بی اے کے اخراجات کے لیے بھجوائی ہے۔ مجھے لگتا ہے یہ عنایت بھی تمہاری مٹی ہی کی ہے کیونکہ جس آدمی کا نام اس خط پر لکھا تھا اسے ہم نہیں جانتے۔ اس کا پتہ بھی غلط ہے اور کوئی کیوں یک دم ہمیں لاکھوں روپے دینا شروع کر دے گا۔" ٹرن کہہ رہا تھا۔ اور نایاب ہکا بکا اس کی باتیں سن رہی تھی۔  
 "یہ سب کچھ تب سے ہونا شروع ہوا ہے جب سے تمہاری مٹی نے شہیر بھائی سے ملنا شروع کیا ہے۔"  
 شہیر بات کرتے ہوئے جیسے کڑی سے کڑی ملا رہا تھا۔ نایاب کا دل چاہا۔ زمین پیٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ آخر شائستہ کس حوالے سے ان لوگوں پر لاکھوں لٹا رہی تھی۔ کیا صرف شہیر کے چکر میں یا پھر وہ واقعی اسے اپنا بیٹا سمجھ رہی تھی۔ یہ کیا مذاق تھا؟ اس عمر میں پہلی بار ایک گمشدہ بیٹے کی کہانی سامنے آئی تھی۔ اور نایاب کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا وہ اس بات پر نئے یاروئے۔

☆☆☆

شائستہ ڈانگ روم سے اٹھ کر تیار ہونے کے لیے اپنے بیڈ روم میں آئی مگر اس کا ذہن مسلسل ہارون اور منصور کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ آخر دونوں کے درمیان کیا ہو رہا تھا۔ اس نے فوری طور پر ان کی مشترکہ فیکٹری جانے کا فیصلہ کیا۔ اسے یقین تھا کہ اگر ان کے درمیان برنس کے حوالے سے کوئی اختلافات ہیں تو وہ فیکٹری جا کر بہت آسانی سے ان اختلافات کا سرا ڈھونڈ سکتی تھی۔ وہ یک دم منصور سے ایک ملاقات کی ضرورت محسوس کرنے لگی تھی۔

تیار ہوتے ہوئے اچانک اسے رات والی انگوٹھی یاد آئی۔ وہ رات کو اسے غور سے نہیں دیکھ سکی تھی۔ وہ اس کی مالیت کا اندازہ لگا چاہتی تھی۔ بالوں میں برش کرتے کرتے وہ اپنے بیڈ کی طرف چلی آئی۔ برش کو ایک طرف رکھتے ہوئے اس نے دروازہ کو پورا کھولا اور اندر موجود چیزوں کو ادھر ادھر کرتے ہوئے انگوٹھی تلاش کرنے لگی۔ اسے اچھی طرح یاد تھا اس نے رات کو ہارون سے جھگڑنے کے دوران انگوٹھی کو دروازے کے اندر ہی چھپکا تھا۔ مگر اس وقت چیزوں کو ادھر ادھر کرنے پر بھی اسے وہ انگوٹھی کہیں نظر نہیں آئی تھی۔ کچھ الجھتے ہوئے اس نے دروازہ کو باہر کھینچ لیا اور اس میں موجود چیزوں کو بیڈ پر الٹ دیا۔ دروازہ میں اتنی چیزیں نہیں تھیں کہ اسے ان میں کسی چھوٹی سی چیز کو ڈھونڈنے میں زیادہ وقت لگتا اور خاص طور پر اب جب سب کچھ اس کے سامنے بٹھا ہوا تھا۔ وہ ایک نظر میں بھی دیکھ سکتی تھی کہ ان چیزوں کے درمیان اس انگوٹھی کا نام نشان بھی کہیں نہیں ہے۔

اس نے سوچا کہ شاید اس نے غلطی سے انگوٹھی کسی دوسری دراز میں ڈال دی ہوگی۔ باری باری اس نے سارے دراز نکال کر ان کی چیزوں کو باہر الٹ کر دیکھا۔ انگوٹھی ہارون کے لیے کیا اہمیت رکھتی تھی مگر اس کی یہاں عدم موجودگی کچھ اور بہت کر رہی تھی۔ شائستہ چند لمبے ہونٹ کا تھی وہاں کھڑی رہی پھر پلک جھپکتے میں اس نے جیسے کوئی فیصلہ کر لیا تھا۔ فون اٹھا کر اس نے ہارون کی سیکرٹری سے رابطہ کیا اور اس سے اس ہونٹ کا نام اور کمرہ نمبر پوچھا جہاں ہارون رہ رہا تھا۔ دو دو فون اکثر دوہنی آتے جاتے رہتے تھے اور عام طور پر وہ ایک مخصوص ہونٹ میں ہی ٹھہرتے تھے۔ اس کے باوجود شائستہ اس کے وہاں قیام کو کنفیم کرنا چاہتی تھی۔ ہارون وہیں ٹھہرا ہوا تھا۔ سیکرٹری نے تصدیق کر دی۔

”کیا آپ بھی دوہنی جانا چاہتی ہیں۔ میں سیٹ بک کروادوں؟“

سیکرٹری نے شائستہ سے پوچھا۔ شائستہ جانتی تھی کہ ہاں میں اس کا جواب ملتے ہی سیٹ بک کروانے سے پہلے وہ دوہنی میں ہارون کو اس بارے میں اطلاع دے گی۔

”نہیں مجھے وہاں جا کر کیا کرنا ہے۔“

شائستہ نے سرسری سے انداز میں یہ جملہ کہتے ہوئے بات بدل دی۔ سیکرٹری کو آفس کے بارے میں کچھ ہدایات دینے لگی۔ وہ یوں ظاہر کر رہی تھی جیسے کل وہ کسی بھی وقت آفس کا چکر لگا سکتی تھی۔

اس نے فون بند کرتے ہی اگلا فون اس ٹریول ایجنسی کو کیا تھا جہاں سے ان کی اندرون اور بیرون ملک کی ٹکٹیں بک کی جاتی تھیں۔ ہارون کی دوہنی کی سیٹ انہوں نے ہی بک کروائی تھی اور صرف ایک ہی سیٹ بک کروائی گئی تھی۔ بظاہر اس کیساتھ کوئی اور نہیں گیا تھا۔ مگر شائستہ ہارون کی رگ رگ سے واقف تھی۔ اگر اسے کسی کو اپنے ساتھ لے کر جانا تھا تو وہ کبھی کبھی اس ٹریول ایجنسی سے وہ دوسری سیٹ بک نہ کرواتا۔ وہ جانتا تھا کہ وہاں سے شائستہ کسی وقت بھی اس بارے میں معلومات حاصل کر سکتی تھی۔

شائستہ نے انہیں پہلی دستیاب کسی بھی ملکی یا غیر ملکی فلائٹ میں دوہنی کے لیے سیٹ بک کروانے کو کہا اس منٹ بعد شام کی ایک فلائٹ کی بزنس کلاس میں ملنے والی سیٹ کا اسے بتایا گیا۔ شائستہ نے سیٹ بک کرنے کے لیے کہا فلائٹ کی ٹائٹلو ایسی تھی کہ اسے فوری طور پر بکنگ کر کے نکل جانا چاہیے تھا۔ برق رفتاری سے کپڑوں کے دو جوڑے اور چند دوسری ضرورت کی چیزیں بیک میں ڈال کر شائستہ اپنے کمرے سے نکل آئی۔ اسے ابھی راستے میں ٹریول ایجنسی بھی جانا تھا۔

نایاب سے اس کا سامنا اپنے پورچ میں ہوا۔ وہ ڈرائیور کو ٹریول ایجنسی کے بارے میں بتاتے ہوئے گاڑی میں بیٹھ رہی تھی جب نایاب کی گاڑی گیٹ سے اندر داخل ہوئی شائستہ کو خیال آیا کہ وہ اسے اپنے دوہنی جانے کے بارے میں بتادے مگر پھر یک دم اس کو یاد آیا کہ نایاب اور ہارون کی اگر اس کے دوہنی پہنچنے سے پہلے آپس میں فون پر بات ہوگئی تو نایاب ہارون کو شائستہ کی روانگی کے بارے میں بتادے گی۔

دوہنی روانگی کی بات گول کرتے ہوئے وہ گاڑی سے نکل آئی۔ نایاب نے اپنی گاڑی اس کی گاڑی کے برابر میں کھڑی کی اور وہ بھی باہر نکل آئی۔ شائستہ ایک نظر اس کے چہرے پر ڈالتے ہی یہ جان گئی تھی کہ وہ کسی بات پر اپ سیٹ ہے اور وہ اکثر کسی نہ کسی بات پر اپ سیٹ ہوتی رہتی تھی۔ شائستہ نے اسے اپنی طرف آتے دیکھا۔

”میں چند دنوں کے لیے کراچی جا رہی ہوں نایاب.....“ شائستہ نے اسے اپنی طرف آتے دیکھ کر کہا۔ ”میں ابھی نکلنے ہی والی تھی اچھا ہوا کہ تم سے ملاقات ہوگئی ورنہ میں تمہیں فون کرتی۔“

شائستہ نے اس کے چہرے کے تاثرات کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔ وہ اب دوبارہ گاڑی میں بیٹھنا چاہتی تھی۔ جب نایاب نے اسے روک دیا۔

”مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔“ اس کا لہجہ بے حد ترش تھا۔

”اوه کم آن اس وقت میں تم سے کوئی بات نہیں کر سکتی میری فلائٹ کا ٹائم ہو رہا ہے۔“ شائستہ نے لاپرواہی سے کہا۔

”جب واپس آؤں گی تو پوچھوں گی کہ تمہیں مجھ سے کیا بات کرنی ہے۔“

”مجھے شبیر کے بارے میں آپ سے کچھ پوچھنا ہے؟“

وہ ایک بار پھر بولی اس بار اس کی آواز میں پہلے سے زیادہ کڑواہٹ تھی۔ فوری طور پر شائستہ کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ اس سے کیا کہے، کیا نہ کہے۔ اس کا ذہن فوری طور جیسے کسی بگولے کی زد میں آ گیا تھا۔ اسے اندازہ نہیں ہو پا رہا تھا کہ نایاب سے شبیر کے بارے میں کس بات کی ہے۔ کیا ہارون نے؟ مگر ہارون اتنی جرأت نہیں کر سکتا تھا پھر اور کون تھا جس نے نایاب سے۔

”مجھے آپ کوئی کہتے ہوئے شرم آ رہی ہے۔“ نایاب نے تختیر آمیز انداز میں اگلا جملہ ادا کیا تھا اور اس کے اس جملے نے شائستہ کی تمام مشکلات آسان کر دی تھیں۔ پلک جھپکتے میں اس کی قوت گویائی واپس آ گئی تھی۔ کبھی نہ کبھی اسے اسد اور نایاب کا شبیر سے سامنا کروانا تھا اور اس وقت اپنی عزت رکھنے کے لیے اسے سو جھوٹ بولنا پڑتے اور اب..... اب وہ اس مشکل سے نکل آئی تھی۔

”کراچی سے آنے کے بعد تم سے اس بارے میں تفصیل سے بات کروں گی۔“

اس نے اپنے حواس بحال کرتے ہوئے کہا۔ اس بار کرنٹ نایاب کو لگا تھا..... وہاں کوئی صفائی..... کوئی وضاحت نہیں تھی۔ اس کی ماں شبیر کے نام پر چرچی تک نہیں تھی۔ تو کیا وہ اعتراف کر رہی تھی اس سب کا جو شرنے کہا تھا؟ مگر یہ کیسے ممکن تھا..... وہ لاشعوری طور پر جیسے تو بے کر رہی تھی کہ شائستہ فوری طور پر ہر بات سے انکار کرے گی اور شاید اسے برا بھلا بھی کہے۔ مگر وہاں ایسا کچھ بھی نہیں تھا۔

نایاب گم صم پتھر کے جیسے کی طرح گاڑی کو گیٹ سے باہر نکلنے اور گیٹ کو بند ہوتا دیکھتی رہی۔ کیا سچ تھا، کیا جھوٹ۔ صرف چند دنوں میں اس کے سامنے آنے والا تھا۔ صرف چند دنوں میں۔

☆☆☆

کمرے میں موجود فون کی گھنٹی مسلسل بج رہی تھی جب ہارون ہاتھ روم سے جسم کو تالے سے رگڑتا ہوا باہر نکلا بے حد پر سکون انداز میں اس نے ریسیور اٹھایا۔ فرنٹ ڈیسک پر موجود آدی نے اس کی کسی خاتون ملاقاتی کے بارے میں اسے بتایا۔ ہارون جیسے ہکا بکا ہو گیا۔ اس کی وہاں موجودگی کے بارے میں دوہنی میں اس کے کسی دوست کو بھی خبر نہیں تھی پھر یہ خاتون ملاقاتی کہاں سے وارد ہو گئی تھی۔ اس نے آدی سے اس عورت کا نام پوچھنے کے لیے کہا اور اس کا نام سن کر اس کے چودہ طبق روشن ہو گئے تھے۔

”سز شائستہ کمال؟“ اس نے بے یقینی سے فون پر سنا جانے والا تعارف دہرایا۔ شائستہ یہاں اس وقت کیسے آ سکتی تھی۔ اس نے دوپہر کے قریب تو اس سے فون پر بات کی تھی اور شائستہ یہاں اس وقت کیسے آ سکتی تھی۔ اس نے دوپہر کے قریب تو اس سے فون پر بات کی تھی اور شائستہ کے کسی انداز سے ایسا نہیں لگا تھا کہ وہ رات کے وقت اس پر یوں چھاپا مارنے والی تھی۔

”آپ انہیں بھجوادیں۔“ اس نے اپنے اوسان بحال کرتے ہوئے فون پر کہا اور دانت پیستے ہوئے فون رکھ دیا۔ وہ اس عورت سے بچنے کے لیے یہاں آیا تھا اور یہ عورت کسی چڑیل کی طرح اس کے پیچھے وہاں بھی آن موجود ہوئی تھی۔

تولید بیڈ پر پھینکتے ہوئے اس نے برق رفتاری سے شب خوانی کے لباس کی شرٹ پہنی اور پھر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا کر اس نے ایک نظر اپنے چہرے، کھلے گریبان اور بازوؤں کے کے نظر آنے والے حصے کو دیکھا۔ سب کچھ ٹھیک نہیں تھا۔ اس نے اسی برق رفتاری سے وہ شرٹ دوبارہ اتار دی اور وارڈ روپ کھول کر پوری آستینوں والی ایک دوسری شرٹ نکال لی۔ اس سے پہلے کہ وہ اسے پہن پاتا دروازے پر دستک ہوئی تھی۔ ہارون نے شرٹ اپنے جسم پر چڑھائی اور ڈیگر اندر پھینکتے ہوئے

وارڈروب کو بند کرتے ہوئے دروازے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کا پارہ اسوت آسمان کو چھو رہا تھا۔

دروازہ کھولتے ہی وہ شائستہ سے کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس کے ساتھ بیک اٹھائے اسٹاف کے ایک آدمی کو دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا۔ شائستہ اور ہارون دونوں کے درمیان تیز چھستی ہوئی نظروں کا تبادلہ ہوا۔ ہارون نے کچھ کہے بغیر ان دونوں کو اندر آنے کے لیے راستہ دیا۔ شائستہ اپنا بیک ٹٹولتے ہوئے ٹپ کے لیے کچھ رقم تلاش کرنے لگی۔

پورٹرنے شائستہ کے ہاتھ میں پکڑے نوٹ ایک ممنون مسکراہٹ اور شکر یہ کے ساتھ تھامے اور کمرے کا دروازہ بند کرتا ہوا باہر نکل گیا۔

”دیکھ لو میرے ساتھ یہاں کوئی دوسری عورت نہیں ہے۔“ پورٹرنے کے باہر نکلتے ہی ہارون نے تند و ترش لہجے میں کہا۔

”مجھے دیکھنے کی ضرورت نہیں ہے، میں فرنٹ ڈیسک سے پتہ کر چکی ہوں۔ تم اس بیڈروم میں اکیلے ہی ٹھہرے ہو البتہ یہ حیرت کی بات ہے کہ سنگل کے بجائے تم نے ڈبل بیڈروم لیا ہے۔“

شائستہ کہتے ہوئے صوفہ کی طرف بڑھ گئی۔ ہارون کا جسم بے اختیار تن گیا۔

”شاید تمہیں پتہ تھا کہ جلد یا بدیر مجھے بھی یہاں آنا ہے۔“ شائستہ اب صوفہ پر بیٹھ کر اپنی ٹانگیں سیدھی کر رہی تھی۔ ”البتہ مجھے تمہیں یہاں اکیلے دیکھ کر خوشی اتنی نہیں ہوئی جتنی حیرت ہوئی ہے۔“

شائستہ اب کمرے میں ایک نظر چاروں طرف دوڑاتے ہوئے بولی۔ ”ہارون کمال اور دعویٰ میں اکیلا پھر رہا ہو۔“

”تم مجھ سے یہ کہو اس کرنے آئی ہو؟“ ہارون نے تند و تیز لہجے میں اس کی بات کاٹی۔

”یہ کہو اس نہیں تھی ایک مذاق تھا۔“ شائستہ نے کہا۔

”تم وہاں کب جا رہی ہو؟“ ہارون نے بلا تمہید پوچھا۔

”اس کا انحصار تم پر ہے۔ ویسے میں تمہاری جاسوسی کرنے نہیں آئی۔ تم سے کچھ بات چیت کرنے آئی ہوں“ شائستہ نے بھی بات کا موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

”اگر بات کا موضوع شہپر ہے تو تم اپنا منہ بند ہی رکھو تو بہتر ہے۔“ ہارون نے کاٹ کھانے والے انداز میں کہا۔

اسے شائستہ کی اس وقت وہاں اچانک آمد واقعی بہت بری لگی تھی۔

”تم بیٹھ جاؤ۔ ہم بیٹھ کر بات کرتے ہیں۔“ شائستہ یک دم سنجیدہ ہو گئی۔

”میں شہپر کے بارے میں کوئی بات نہیں کروں گا۔“ ہارون نے دو ٹوک انداز میں انگلی اٹھاتے ہوئے کہا۔

”تب بھی نہیں اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ.....“ شائستہ بات اچھوری چھوڑتے ہوئے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

”میں کسی بھی صورت میں اس کے بارے میں بات نہیں.....“

ہارون اپنی بات مکمل نہیں کر سکا۔ شائستہ نے اس کی بات کاٹ دی تھی۔

”تب بھی نہیں اگر میں تمہیں یہ بتاؤں کہ نایاب، شہپر کے بارے میں جان چکی ہے۔“ ہارون کو جیسے کرنٹ لگا تھا۔

سارے میگزین کو بالائے طاقت رکھتے ہوئے اس نے بے اختیار شائستہ کو ایک گالی دی۔

”تم..... تم جیسی عورت سے میں اس طرح کی بیخ حرکت کی توقع کر سکتا تھا۔“ وہ دھاڑ رہا تھا ”تم اپنا خاندان دکھائے بغیر کیسے رو سکتی تھیں۔“

”میرا اور تمہارا خاندان ایک ہی ہے۔“ شائستہ نے اسے جیسے یاد دلایا۔

”نہیں، ایک نہیں ہے بہت فرق ہے۔ تم ڈنل کلاسیئے دو ٹکے کے لوگ تھے جو اخلاقیات کے نام پر منافقت کا لبادہ اوڑھے بیٹھے تھے۔“

”اور تم ابر کلاسیئے تھے جو اخلاقیات کے نام پر چند ججیاں لٹکائے پھر رہا تھا۔“ شائستہ نے سنجی سے کہا۔

میں نے تمہیں اس کلاس میں جا بٹھایا جس کا تمہارے باپ اور بھائیوں نے کبھی خواب بھی نہیں دیکھا ہو گا۔“ وہ چلا رہا

”ہاں انہوں نے بھی ایسے خواب نہیں دیکھے تھے۔ اس گندگی میں اترنے کے خواب صرف میں ہی دیکھا کرتی تھی۔“ شائستہ نے سسکتے ہوئے کہا۔

ہارون کے غصے میں مزید اضافہ ہو گیا۔ ”اگر یہ گندگی ہے تو نکل جاؤ اس گندگی سے۔ چھوڑ دو مجھے طلاق لے لو مجھ سے۔“ ہارون کے منہ سے صرف جھاگ نکلنے کی گئی تھی ورنہ وہ غصے کے عالم میں بالکل پاگل ہو رہا تھا۔

”میں طلاق نہیں لوں گی البتہ تم طلاق دینا چاہتے ہو تو ضرور دو۔ اس سے بہت سے معاملات بہت اچھے طریقے سے سلجھ جائیں گے۔“

شائستہ نے بے حد سرد آواز میں کہا۔ ہارون کمال کو یک دم جیسے بریک لگ گیا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کن معاملات کا ذکر کر رہی تھی۔ اسے خود طلاق دینے کا مطلب بزنس کے چیئرمین کے اڑانے کے مترادف ہوتا۔

”تم نے نایاب کو کیا بتایا ہے؟“ ہارون نے یک دم موضوع بدلتے ہوئے کہا۔

”میں نے اس سے کچھ نہیں کہا۔“ شائستہ نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”مگر تم نے ابھی مجھے بتایا ہے کہ نایاب کو سب کچھ پتہ چل گیا ہے۔“ ہارون نے بے یقینی سے کہا۔

”ہاں مگر اسے میں نے کچھ بھی نہیں بتایا۔“

”کیا مطلب ہے تمہارا؟“ ہارون جیسے لہجے میں بولا۔ ”تمہارے علاوہ اس سے یہ سب کچھ اور کون کہے گا۔؟“

”تم بھی تو کہہ سکتے ہو۔“ شائستہ نے کہا۔

ہارون کے ماتھے کے ٹل مزید گہرے ہوئے ”میں خود اسے شبیر کے بارے میں بتاؤں گا؟ مجھے کسی پاگل کتے نے کاہ ہے کیا؟“

”پھر تم اسے فون کر کے پوچھ لو کہ اسے یہ سب کس نے بتایا ہے۔“

”میں فون پر اس سے بات کروں؟ میں تو اس کا سامنا کرنے کی ہمت نہیں رکھتا اور تم مجھ سے کہہ رہی ہو کہ میں اس سے فون پر پوچھوں کہ یہ سب اسے کس نے بتایا ہے۔“ ہارون نے بری طرح تھمتھاتے ہوئے کہا۔

”وہ میرا رستہ روک رہی تھی۔ مجھ سے اس بارے میں تفصیلی بات کرنا چاہتی تھی۔“ شائستہ اطمینان سے بولی۔ ”مگر میں نے اس سے کہا کہ میں کراچی جا رہی ہوں اور وہاں سے واپس آنے کے بعد ہی اس سے بات کروں گی۔“

ہارون نے اس بار کچھ نہیں کہا۔ وہ شائستہ سے کچھ فاصلے پر صوفہ آکر بیٹھ گیا۔ اس نے اپنا سر دونوں ہاتھوں سے تھام لیا۔

”اب اس راز کو راز میں رکھنے کی کوشش کرنا حماقت ہے ہارون! ہمیں نایاب اور اسد سے بات کر لینی چاہیے ہمیں شبیر کو اپنے گھر لے آنا چاہیے..... ہم سے ایک غلطی ہوئی تھی۔ بہت بڑی غلطی مگر اس کی تلافی کی اب ایک ہی.....“

ہارون نے کاٹ کھانے والے انداز میں اس کی بات کاٹی۔

”یہ سب کچھ تمہاری وجہ سے ہو رہا ہے..... میں نے تمہیں منع کیا تھا۔ بار بار سمجھایا تھا کہ اس بچے کو بھول جاؤ..... اسے جانے دو مگر تم تمہیں میری بات کیوں سمجھ میں آئی۔ تم تو یہ چاہتی تھیں کہ ہماری اولاد ہم پر پتھر برسائے۔“

”ہماری اولاد.....؟ کون سی اولاد.....؟ نایاب اور اسد؟ بس؟ اگر وہ اولاد ہیں اور تمہیں ان کی اتنی پروا ہے تو پھر شبیر کی کیوں نہیں۔ وہ بھی بیٹا ہے تمہارا۔“

”مہر چکا ہے وہ میرے لیے۔“ ہارون چلایا۔

”صرف کہہ دینے سے کوئی نہیں مرتا۔“ شائستہ نے ترکی بہ ترکی کہا۔

”جسہیں کچھ اندازہ ہے کہ اسے اپنے گھر لے آنے کے بعد ہم نہ اپنے بچوں سے نظریں ملا سکیں گے نہ خاندان کا سامنا

کر سکیں گے..... نہ ہی دنیا کا۔“ ہارون نے خون آشام نظروں سے اسے دیکھا۔

”میں ان میں سے کسی کی بھی پروا نہیں کرتی اور اب تو نایاب سب کچھ جان چکی ہے پھر اب کیا باقی رہا۔“ شائستہ نے کندھے جھکتے ہوئے کہا۔

”شہپر کو گھر لائیں یا نہ لائیں اسے اپنی اولاد مانیں نہ مانیں نایاب تو.....“ ہارون نے اس کی بات کاٹ دی۔

”ہم اسے ملنے والی تمام معلومات جھٹلا دیں گے۔ ہم کہہ دیں گے کہ کوئی ہمارے خلاف سازش کر رہا ہے۔ وہ مجھ پر یقین کرے گی۔ وہ مجھ پر اندھا اعتماد کرتی ہے۔ میری بات مان لے گی۔“

”مگر میں اس سے کوئی جھوٹ نہیں بولوں گی۔“ شائستہ نے دھوکہ انداز میں کہا۔

”میں اس سے یہ نہیں کہوں گی کہ یہ سب جھوٹ تھا اور ہم دونوں جب بھی یہاں سے جائیں گے اس بارے میں کوئی فیصلہ کرنے کے بعد ہی جائیں گے۔“

ہارون نے اپنے ہونٹ بھیج لیے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ شائستہ کو شوٹ کر دے۔

☆☆☆

منصور علی نے وہ رات ایک ہوٹل میں سگریٹ پھونکتے اور ہارون کمال کے بارے میں سوچتے گزار دی تھی۔ اسے اب بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ ہارون واقعی اسے نظر انداز کر رہا تھا اور اس نے اپنے چوکیدار سے اسے یہ سب کہنے کے لیے کہا تھا۔

اس نے شائستہ کے موبائل پر وقتاً فوقتاً کئی بار کال کی تھی۔ پہلے اگر ہارون کا موبائل آف تھا تو اس بار شائستہ کا موبائل بھی آف تھا۔ اس نے ہارون کے گھر فون کیا۔ ملازم نے اسے بتایا کہ شائستہ کچھ دنوں کے لیے کراچی گئی ہے۔ منصور کو اس کی بات بھی جھوٹ لگی۔

وہ دو پہر کو اس سے بات کر رہی تھی۔ اس وقت اس نے کراچی جانے کے بارے میں اس سے کوئی بات نہیں کی اور اب

چند گھنٹوں کے بعد وہ کراچی چلی گئی تھی..... کیا وہ بھی اب ہارون اور رخصتی کے منصوبے میں شریک ہو گئی تھی؟ کیا ساری دنیا اس کے خلاف کوئی سازش کرنے لگی تھی؟..... منصور کا دماغ سوچ سوچ کر پھینٹنے لگا تھا۔

اگلے دن صبح وہ سلمنڈی کے عالم میں فیکٹری جانے کے لیے تیار ہو رہا تھا تب بھی اس کا ذہن ہارون کے بارے میں ہی الجھا ہوا تھا۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ خود بھی سیدھا دہنی چلا جائے اور وہاں جا کر ہارون سے مل کر اس سارے معاملے کو کھنڈ کرے مگر اسے ایک بار پھر بے عزتی کا خدشہ محسوس ہو رہا تھا۔ اگر ہارون نے وہاں بھی اس سے ملنے سے انکار کر دیا تو؟..... اور

اس تو کا اس کے پاس کوئی جواب نہیں تھا۔ وہ فیکٹری جانے کے لیے بھی اپنے دل کو بمشکل تیار کر رہا تھا۔ وہ اس ذہنی حالت کے ساتھ وہاں جا کر بھی کچھ نہیں کر پاتا۔ مگر وہاں نہ جانے کی صورت میں اسے یہ خدشہ ستانے لگتا کہ کہیں گھر کی طرح اسے فیکٹری

سے بھی بے دخل نہ کر دیا جائے۔

وہ اب رخصتی کے خلاف پولیس کی مدد لینے کا سوچ رہا تھا۔ پولیس کی مدد سے وہ اس گھر کو اس کے بوائے فرینڈ سے خالی کروا سکتا تھا اور پھر رخصتی سے بعد میں مصالحت کی جا سکتی تھی۔ آخر تک اس کے گھر سے جانے کے بعد سہولتوں کے بغیر رہ

سکتی تھی۔ منصور سوچ رہا تھا اور اس کے دل کو ایک ڈھارس ہی بندھنے لگی تھی۔

رخصتی اگر اس بوائے فرینڈ کے ساتھ اس کے گھر سے چلی بھی گئی تو کب تک وہ اس لڑکے کے ساتھ رہ سکتی تھی۔ اسے ایک دن واہس آنا ہی تھا۔ ”اس جیسے لڑکے رخصتی کو آخر کیا دے سکتے ہیں جو آسائش اسے میں دے سکتا ہوں وہ وہ لڑکا تو نہیں

دے سکتا۔“

منصور مسلسل سوچ رہا تھا۔ روم سروں کے ذریعے اس نے ناشتہ منگوا یا اور اس سے پہلے کہ وہ ناشتہ شروع کرتا اس کا

موبائل بجنے لگا۔ اس نے موبائل اٹھایا اور اس کا دل بے اختیار دھڑکنے لگا۔ وہ رخصتی کی کال تھی۔ اس کے ہونٹوں پر بے اختیار

مسکراہٹ آ گئی۔ تو بالآخر اسے اس کی یاد آ گئی تھی۔ آخر یہ ہو ہی کیسے سکتا تھا کہ وہ اس کو اس طرح بھول جاتی۔ اس نے بے تاب



سے کال ریسیو کرتے ہوئے سوچا۔

”ہیلو! اس نے کہا۔“ کیسی بورخشی؟ اس نے رخصتی کی آواز سنتے ہی کہا۔

”میں ٹھیک ہوں۔ تم اس وقت کہاں ہو؟“ رخصتی کے لیےج میں اب بھی ٹھنڈک تھی۔

”میں ایک ہوٹل میں ہوں..... یہ سب کچھ کیا ہو رہا ہے رخصتی..... دیکھو بات کو اتنا بڑھانا.....“ منصور نے کچھ کہا جاپا۔  
 رخصتی نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”تم میرے گھر آ سکتے ہو؟“ رخصتی نے کہا۔ منصور نے میرے گھر پر غور کیا مگر وہ بے اختیار خوش بھی ہوا تھا۔

”ہاں کیوں نہیں۔ میں ابھی اپنے گھر آ جاتا ہوں میں وہاں سے جانا ہی کب چاہتا تھا۔ مگر.....“  
 رخصتی نے ایک بار پھر اس کی بات کاٹ دی۔

”ٹھیک ہے پھر اسی وقت یہاں آ جاؤ۔“

”miss you رخصتی! منصور نے اس سے معذرت کے لیے تمہید باندھنا شروع کی۔

”باتی باتیں یہاں پہنچ کر ہی ہوں گی۔“ رخصتی نے تیسری بار اس کی بات کاٹی اور اس پہلے کہ منصور کچھ اور کہا فون بند ہو چکا تھا۔ منصور نے بے اختیار ایک گہرا سانس لیا۔

اس کا وجود یک دم ہلکا ہو گیا تھا۔ رخصتی کو واقعی اس سے محبت تھی ورنہ وہ اس طرح صبح سویرے اسے کال کیوں کرتی۔ یقیناً وہ بھی اسے مس کر رہی ہوگی اگرچہ ناراض ہوگی مگر اسے مس کر رہی ہوگی۔ منصور ناشتہ کرتے ہوئے سوچنے لگا۔ ایک دم ہی اسے شدید بھوک محسوس ہونے لگی تھی۔ پچھلے دو دنوں میں اس نے برائے نام خوراک لی تھی مگر رخصتی کی ایک کال نے اسے بالکل ہلکا پھلکا کر دیا تھا۔

”اور میں خواہتا ہی ہارون پر رشک کر رہا تھا۔ آخر ہارون بے چارے کا اس سارے معاملے سے کیا تعلق تھا۔ رخصتی سے میری شادی تو کروائی ہی اسی نے تھی پھر وہ کیوں میرے اور رخصتی کے درمیان کوئی دیوار کھڑی کرنے کی کوشش کرتا۔ اس نے ہارون کو چند لمحوں میں بری الذمہ قرار دیتے ہوئے سوچا۔ وہ اب ناشتہ کرتے ہوئے ہلکی سیٹی بھی بجانے لگا تھا۔ اس کے اور رخصتی کے درمیان سب کچھ دوبارہ سے بالکل ٹھیک ہونے والا تھا اور وہ خواہتا ہارون پریشان ہو رہا تھا۔“ آخر میرے جیسے اچھے آدمی کے ساتھ کوئی برا کام کیسے ہو سکتا ہے۔“ چائے کا کپ لیتے ہوئے اس نے پرسکون انداز میں سوچا تھا۔



”میں کل پاپا کے پاس جاؤں گی۔“ صنف نے یک دم صحن سے کمرے میں آتے ہوئے منیزہ سے کہا۔ منیزہ سونے کے لیے ابھی بستر پر لیٹی تھیں۔

”اس کے پاس کس لیے جاؤ گی؟“ انھوں نے کچھ چونک کر کہا۔

”میں انہیں امیر اور ہارون کے بارے میں سب کچھ بتا دوں گی۔“ صنف نے تھکے ہوئے انداز میں منیزہ کے بیڈ پر بیٹھے ہوئے کہا۔

منیزہ اٹھ کر بیٹھ گئیں۔ ”وہ کیا کر لے گا۔ ہارون اس کا برنس پانزہ ہے۔ وہ بیٹی کے لیے برنس پانزہ نہیں چھوڑے گا۔“ منیزہ نے ترشی سے کہا۔

”اور اب تک تو دیے بھی وہ دونوں شادی کر چکے ہوں گے۔ جنہیں اگر اپنے باپ کو کچھ بتانا تھا۔ تو پہلے بتا دیتیں۔“  
 ”ہاں ہم سے یہ غلطی ہوئی۔ ہمیں ہارون کے بارے میں پہلے ہی پاپا کو سب کچھ بتانا چاہیے تھا۔ شاید پاپا کچھ کر لیتے اور یہ بھی تو ہو سکتا ہے می! کہ ان دونوں نے ابھی شادی نہ کی ہو۔“ صنف نے جیسے کسی امید پر کہا۔  
 منیزہ خاموش نظروں سے اسے دیکھتی رہیں۔ صنف نے ان کی نظریں پڑھ لی تھیں۔ اس کے کندھے کچھ اور جھک گئے۔  
 اگر شادی نہیں کی تھی تو ان کے لیے یہ ایک زیادہ قابل شرم بات تھی۔ وہ شادی کے بغیر اس آدمی کے ساتھ روری تھی۔ صنف کا دل

ایک بار پھر گھبرانے لگا تھا۔

”ہوسکتا ہے وہ ہارون کے پاس مٹی ہی نہ ہو۔“ وہ بڑبڑائی۔

”اپنے آپ کو دھوکا مت دو صنفہ!“ منیزہ نے کہا۔

”صنفہ یک دم اٹھ کر ایک بار پھر باہر صحن میں آ گئی۔ رات کا فیصلہ چکی تھی۔ وہ دو دن سے امیر کا انتظار کر رہی تھی اس کی طرف سے کسی اطلاع کسی رابطے کا..... مگر وہ یک دم کہیں غائب ہو گئی تھی۔ وہ دو دن سے گھر سے نہیں نکلی تھی۔ پتہ نہیں کیوں اسے یہ امید تھی کہ وہ ہارون سے شادی نہیں کرے گی۔..... بالآخر اپنی حماقت پر پچھتا کر واپس آ جائے گی۔ مگر وہ دو دن سے گھر نہیں آئی تھی۔ اور وہ سارا دن بیٹھی یہ سوچتی رہی کہ وہ کیا کرے، کس سے مدد لے۔

اور اب بالآخر اس نے منصور کے پاس جانے کا فیصلہ کیا تھا۔ اور اسے یہ پچھتاوا ہو رہا تھا کہ وہ منصور کے پاس پہلے کیوں نہیں گئی۔ صرف وہی تھا جو امیر کو پہلے بچا سکتا تھا، صرف وہی تھا۔ جو امیر کو اب بھی بچا سکتا تھا۔

☆☆☆

”اندر آنے کے لیے نہیں کہو گی؟“ اس کے بھائی نے اس سے پوچھا فاطمہ دونوں ہاتھوں سے دروازے کے دونوں پنوں کو تھامے راستہ روکے کھڑی تھی۔ وہ پھٹی پھٹی آنکھوں کے ساتھ چوکت میں کھڑے اپنے بھائی اور بھابھی کو دیکھ رہی تھی۔ وہ دونوں اس وقت اسے انسان نہیں سمجھتے تھے۔ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ پوری قوت سے دروازہ بند کر دے اور بھاگ کر اندر چلی جائے۔

انہوں نے آخر اسے کیسے تلاش کیا تھا۔ وہ تو اتنے سالوں میں اپنے سارے سراغ ختم کر چکی تھی پھر کیسے اتنے سالوں کے بعد وہ دونوں اس کے دروازے پر آ کھڑے ہوئے تھے۔ اتنے اطمینان اور سکون کے ساتھ۔ یوں جیسے وہ ہمیشہ سے وہاں آتے جاتے رہے تھے۔

”اندر آنے کے لیے نہیں کہو گی فاطمہ! کیا یہیں دروازے پر کھڑا رکھو گی؟“ اس بار یہ اس کی بھابھی کی ترم آواز اور مسکراہٹ بھرا چہرہ تھا۔ فاطمہ نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ اس نے یہ مسکراہٹ اور نرمی اس وقت کتنی دفعہ دیکھی تھی جب وہ خود ان کے گھر میں رہتی تھی..... ایک دفعہ شاید ایک دفعہ بھی نہیں۔

دروازہ نہ چھوڑنے کی خواہش رکھنے کے باوجود اس نے دروازہ چھوڑ دیا اور پلٹ کر لڑکھڑاتے قدموں سے اندر آ گئی۔ اس کے بھائی نے دروازے کے پٹ بھینڈ دیے اور اس کی بھابھی کے ساتھ چلتے ہوئے اس کے تعاقب میں کمرے آ گیا۔ اس کی بھابھی گھر کا جائزہ لیتی ہوئی اندر آئی تھی۔

فاطمہ نے انہیں جینے کے لیے نہیں کہا۔ وہ دونوں خود ہی کمرے میں پڑی کرسیوں پر بیٹھ گئے تھے۔ فاطمہ کچھ قاصلے پر پڑے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ وہ ان کی طرف نہیں دیکھ رہی تھی۔ ماضی کسی فلم کی طرح اس کی آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ اپنے بھائی کے گھر میں گزارے ہوئے تکلیف دلجاتے اسے اب بھی چہرہ رہے تھے۔ اسے کئی سالوں بعد اپنی ماں یاد آئی۔ کیا اس کے لیے ان کی آواز اور لہجے کی تنگی اور ترشی اسی طرح برقرار تھی یا پھر اس میں اضافہ ہو گیا تھا..... یقیناً اضافہ ہو گیا ہوگا۔ اس نے گھر چھوڑ کر ان کمرے جھکا دیا تھا۔ شادی نہ کر کے انہیں دنیا کو منہ دکھانے کے قابل نہیں چھوڑا تھا۔ نافرمانی کے کے انہیں رسوا کر دیا تھا اور اپنی دوست کے توسط سے ایک بچہ لے کر.....

اس کی سوچوں کا سلسلہ یک دم ٹوٹا۔

”تم کیسی ہو؟“ اس کا بھائی اس کا حال پوچھ رہا تھا۔ فاطمہ نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ اس کے گھر میں گزارے جانے والے سالوں میں اس نے کتنی بار اس سے اس کا حال پوچھا تھا، کبھی نہیں۔ اسے زیادہ سوچنا نہیں پڑا شاید اس کا بھائی جانتا تھا کہ اس کا صرف حال ہی نہیں ماضی اور مستقبل بھی خراب ہی تھے۔

”آپ یہاں کس لیے آئے ہیں؟“ فاطمہ نے اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے کھردرے لہجے میں پوچھا۔

اسے اپنی آواز خود اجنبی لگی۔ اس کا لہجہ اتنے سالوں سے گھرورا کہاں رہا تھا۔ مگر اب ان دونوں کو سامنے دیکھ کر وہ جیسے کئی سال پہلے واپس ان کے گھر پہنچ گئی تھی۔..... وہ وہی فاطمہ بن مکی تھی جس کے لبوں سے ہر وقت انگارے نکلا کرتے تھے۔ اسے ایک دم اپنا نامی یاد آیا تھا۔

”لو بھلا تمہارے بھائی بھابھی ہیں..... خوننی رشتہ ہے کبھی بھی آسکتے ہیں۔“ اس بار اس کی بھابھی نے کہا تھا۔  
 ”تم نے اتنے سالوں میں ہم سے رابطہ نہیں رکھا ہمیں بھلا دیا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم بھی تمہیں بھلا دیتے۔“  
 اس کی بھابھی کی آواز میں بلا کی مٹھاس تھی اور اس سے بات کرتے کرتے وہ دیواروں پر لگی ہوئی اس کے بچوں کی تصویر پر بھی نظر دوڑا رہی تھیں۔

”میرا کوئی خوننی رشتہ نہیں ہے۔ نہ ماں باپ نہ بہن بھائی..... آپ یہاں سے چلے جائیں۔“ فاطمہ نے بے اختیار کہا۔  
 ”اپنا خون ہی ہوتا ہے۔“ اس کے بھائی نے جیسے افسوس کرتے ہوئے کہا۔  
 ”یہ بیچ جنہیں تم پال کر اپنی اولاد بنائے بیٹھی ہو۔ اگر ہم نہیں تو کیا یہ تمہارا خون ہیں؟“  
 فاطمہ کا جسم ہل بھر کے لیے سن ہو گیا۔ تو وہ یہ جانتے ہیں کہ وہ تصویریں اس کے لے پالک بچوں کی ہیں..... اور وہ یہ کیسے جانتے تھے؟ اور اگر یہ جانتے تھے تو کیا پھر کچھ اور بھی جانتے تھے اس کے بارے میں؟ اس کے بچوں کے بارے میں؟..... ان بچوں کے بیک گراؤنڈ کے بارے میں؟

”میں آپ سے اس موضوع پر کوئی بات نہیں کرنا چاہتی اس نے اپنے بھائی کو ٹوک دیا۔“ آپ یہاں سے چلے جائیں اور دو بارہ یہاں کبھی مت آئیں۔ آپ کے گھر سے نکلے ہوئے آپ نے مجھے کہا تھا کہ میں آپ کے لیے اور آپ میرے لیے مر گئے..... میں دو بارہ کبھی زندگی میں آپ کو اپنی شکل نہ دکھاؤں پھر آپ آج میرے پاس کیوں آئے ہیں؟“  
 ”غصے میں انسان بہت کچھ کہہ جاتا ہے۔“ اس کی بھابھی فوراً اس کے بھائی کی مدد کو آئیں۔ ”اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ انسان واقعی اپنی اپنی سے رشتہ توڑ لے..... جو کچھ ہو اسے ہم بھول چلے تم بھی بھول جاؤ۔“ انہوں نے بڑے اطمینان سے کہا۔ میں سب کچھ پہلے بھول چکی ہوں مجھے کچھ یاد نہیں ہے یہاں تک کہ آپ لوگ بھی مجھے یاد نہیں ہیں۔“  
 ”اس طرح کی باتیں جانے دو فاطمہ۔“ اس کے بھائی نے پھر کہا۔ ”ہم لوگ تمہیں واپس لے جانے کے لیے آئے ہیں۔“

اس کے بھائی نے بڑی رسائیت سے کہا۔ فاطمہ کو اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ ان کی بات پر ہنسے یا روئے۔ وہ اتنے سالوں کے بعد اس پر کتنا بڑا احسان کرنے آئے تھے کہ اسے واپس اپنے گھر لے جانا چاہتے تھے..... اب جب وہ اپنے گھر میں اپنے بچوں کے ساتھ معاشرے میں ایک مقام ایک عزت بنا کر بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اسے سہارا دینے کے لیے آگئے تھے۔

واقعی خوننی رشتے خوننی ہی ہوتے ہیں اور خون پانی سے واقعی گاڑھا ہوتا ہے۔ کون کہہ سکتا ہے کہ اس زمانے میں بھائیوں کے دل پتھر کے ہو گئے ہیں جو کہتے ہیں وہ جھوٹ کہتے ہیں اس کا بڑا بھائی اور بھابھی صرف ۲۲ سال کے بعد اسے ایک بار پھر واپس گھر لے جانے کے لیے آگئے تھے۔ صرف ۲۲ سال کے بعد..... ۲۲ سال مدت ہی کتنی ہوئی ہے۔ اس عرصہ میں اس کا چہرہ صرف جھریوں سے بھر گیا تھا اور اس کے سر کے صرف آدھے بال سفید ہوئے تھے..... لوگ اسے آپا سے بس خالہ جی ہی کہنے لگے تھے کچھ اور تو نہیں بدلا تھا..... ۲۲ سال عرصہ ہی کتنا ہوتا ہے۔ اس کا دل چاہا وہ بے اختیار تہتہ مار کر ہنسے اور پھر ہنستی جائے۔ وہ دونوں واقعی مذاق کر رہے تھے۔

”گھروں میں چھوٹی موٹی ناراضیاں ہوتی رہتی ہیں۔“ اس کی بھابھی ایک بار پھر اسی مٹھاس کے ساتھ کہہ رہی تھیں۔  
 ”اس کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ گھر ہی چھوڑ دیا جائے۔“  
 فاطمہ کا دل چاہا وہ ان سے کہے وہ اس سے اس لہجہ میں بات کرتیں تو وہ کبھی اپنے گھر سے نہ نکلتی۔ کوئی ہاتھ پکڑ کر بھی

نکا کا جب بھی وہ گھر سے نہ جاتی۔  
 ”تم شادی نہیں کرنا چاہتی تھیں نہ کرتیں۔ ہم لون ساز بردستی کر رہے تھے تمہارے ساتھ۔“ وہ ہنوتی بنی اپنی بھابھی کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ یہ وہی بھابھی تھیں جنہوں نے اس بڑھ سے شادی نہ کرنے کی صورت میں گھر سے چلے جانے کی دھمکی دی تھی۔  
 میں اپنا گھر چھوڑ کر آپ کے گھر کیوں جاؤں گی؟ فاطمہ نے سر دلچھے میں کہا۔

”اچھا یہ گھر اپنا ہے؟“ اس کی بھابھی کو جیسے جھنکا لگا۔ یہ تو بڑی اچھی بات ہے اتنے سالوں میں تم نے اچھا کیا کہ ذاتی گھر خرید لیا۔ کوئی بات نہیں۔ اسے بے شک اپنے پاس ہی رہنے دینا کرانے پر چڑھا دینا یا بیچ دینا جیسا تمہارا جی چاہے۔“ وہ بڑے اطمینان سے کہہ رہی تھیں یوں جیسے وہ وہاں اسے یہی مشورہ دینے آئی تھیں۔

”آپ کو اس گھر کا پتہ کس نے دیا ہے؟“ فاطمہ نے ان کی بات کانٹے ہوئے پوچھا۔ دونوں میاں بیوی نے بے اختیار چونک کر ایک دوسرے کو دیکھا پھر فاطمہ کو۔ کچھ دیر تک اس کا بھائی خاموشی سے فاطمہ کو دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔  
 ”شہیر کی ماں نے۔“ فاطمہ کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

”کون شہیر کی..... شہیر کی ماں؟“ اس نے بے اختیار لڑکھڑائی ہوئی زبان سے کہا۔ ”تم بہت اچھی طرح جانتی ہو کہ شہیر کی ماں کون ہے اور اگر تم نہیں بھی جانتیں تو کم از کم وہ بہت اچھی طرح تمہیں جانتی ہے۔“ اس کا بھائی اب بالکل سنجیدہ ہو گیا تھا۔

”بیگم شائستہ کمال۔“ فاطمہ کے پورے جسم میں سویاں جھینے لگیں۔ وہ عورت کہاں تک جا پہنچی تھی اور وہ اس کے اور اس کے خاندان کے بارے میں کیا کچھ جانتی تھی..... پھر کیا شمر اور ثانی کے بارے میں بھی..... فاطمہ کو شہنشاہ سے پہنچنے آنے لگے..... تو کیا وہ واقعی شہیر کی ماں تھی؟..... مگر میں نے شہیر کو کسی ہسپتال کسی کلینک سے نہیں اٹھایا۔ میں نے اسے ایک تیم خانے سے لیا تھا۔ اس نے خود کو کسی موہوم امید کے طور پر تسلی دینے کی کوشش کی کوشش جو بے سود رہی۔

”ہم ان ہی کے کہنے پر یہاں آئے ہیں۔ وہ بہت اچھی عورت ہے۔ اس نے ہمیں کہا ہے کہ اس کا بیٹا واپس کرنے کی صورت میں وہ تمہیں منہ مانگی رقم دے گی۔“

لمبی تھیلے سے باہر آگئی تھی ۲۲ سال بعد اس کے بھائی اور بھابھی کو اس تک کیا چیز کھینچ کر لائی تھی..... خوننی رشہ؟ یا پیسہ؟..... جواب مشکل نہیں تھا۔ جو عورت اسے منہ مانگی رقم کی آفر دے رہی تھی اس نے اس کے بھائی اور بھابھی کو کتنا روپیہ دیا ہوگا۔ اندازہ لگانا آسان تھا۔

”میں نے ان بچوں کو فروخت کرنے کے لیے نہیں پایا..... آپ دونوں یہاں سے چلے جائیں۔“ فاطمہ یک دم اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”یہ میری اولاد ہیں۔ میرا خون ہے نہ سہی مگر میری اولاد ہیں۔“

”کوڑے کے ڈھیر سے اٹھائے جانے والے بچے تمہارے بڑھاپے کی لاٹھی نہیں بن سکتے۔“ اس کے بھائی نے کہا تو وہ عورت یہ بھی جانتی تھی کہ شمر اور ثانی کہاں سے آئے تھے۔ فاطمہ کو اب شبہ نہیں رہا تھا کہ شائستہ واقعی شہیر کی ماں تھی۔

”میں نے بڑھاپے کی لاٹھی بننے کے لیے ان کو نہیں پایا..... میں نے ان کو سہارا دینے کے لیے پایا تھا۔“  
 ”بڑی نیکی کمائی ہے..... اب بس کرو..... واپس اپنے گھر آ جاؤ..... وہ بڑے ہو چکے ہیں۔ دوبارہ کسی کوڑے کے ڈھیر پر نہیں بیٹھیں گے۔ تم بیگم شائستہ کے.....“ اس نے اپنے بھائی کی بات کاٹ دی۔

”آپ برائے مہربانی یہاں سے چلے جائیں اور دوبارہ بھی مت آئیں۔“  
 اس کے بھائی بھابھی اٹھ کھڑے ہوئے ”اگر ہم نہیں آئے تو کوئی اور آئے گا پھر کوئی اور آئے گا پھر کوئی اور..... تم کتنوں کو گھر سے نکالو گی؟ کتنوں کے منہ بند کر دو گی۔ اس محلے کے لوگوں کو جب یہ پتہ چلے گا کہ تم لوگوں کے بچے پال کر بیوی کا

ڈرامہ رچائے بیٹھی ہو تو وہ کیا سمجھیں گے..... اور خود یہ بچے تمہاری حقیقت جان کر تمہارا کیا حال کریں گے۔ خاص طور پر شہیر۔“  
 اس کی بھابھی نے اپنے چہرے سے ماسک اتار دیا تھا۔

”آپ یہاں سے چلے جائیں۔“ اس بار فاطمہ بے اختیار چلائی۔

”سوچ لو فاطمہ! ہم دوبارہ آئیں گے۔ ابھی تمہارے پاس وقت ہے۔“

وہ دونوں کہتے ہوئے آگے پیچھے کمرے سے باہر نکل گئے۔ فاطمہ مٹھیاں بھینچتے ہوئے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ زندگی اس کے لیے واقعی ایک چوراہا ثابت ہوئی تھی۔ وہ گھوم کر پچیس سال بعد پھر وہیں آن کھڑی ہوئی تھی۔ پچھلے کئی ماہ سے جن حقائق اور انکشافات و اتفاقات کو وہ کبوتر کی طرح آنکھیں بند کیے نظر انداز کر رہی تھی۔ وہ اب اس کے سامنے آن کھڑے ہوئے تھے۔ وہ آگے نہیں جاسکتی تھی وہ پیچھے نہیں جاسکتی تھی وہ دائیں نہیں مڑسکتی تھی وہ بائیں نہیں مڑسکتی تھی۔ وہ اپنی جگہ پر کھڑی نہیں رہ سکتی تھی۔ بے بسی سی بے بسی تھی۔ دنیا آخِ ختم کیوں نہیں ہوتی۔ بائیس سال بعد اس نے ایک بار پھر اللہ سے شکوہ کیا تھا۔

اس نے آہٹ پر سراٹھایا۔ آنسوؤں کی دھندلاہٹ میں پہلی نظر میں اسے کچھ نظر نہیں آیا..... پھر جو چہرہ نظر آیا تھا۔ وہ اس وقت اسے نہیں دیکھنا چاہتی تھی۔ کمرے کی چوکھٹ پر شہیر کھڑا تھا۔ وہ کس وقت گھر آیا تھا۔ فاطمہ کو اندازہ نہیں تھا۔ اندازے لگانے کا وقت گزر چکا تھا۔

## چھبیسواں باب

دیکھنے والوں نے اس نوجوان خوب صورت لڑکی کو شام کے دھند لگے میں نہر کے پل سے نہر میں چھلانگ مارتے دیکھا تھا۔ اس لڑکی کی خوش قسمتی یا بد قسمتی یہ تھی کہ شام کے اس پہر میں بھی وہاں نہر کے کنارے بہت سے لوگ تھے۔ ریڑھیوں والے پھل فروش اور ایسے ہی دوسرے کام کرنے والے جو اس وقت اپنا کام سمیٹ رہے تھے اور اس پرستراؤ نہر کے پل سے گزرنے والی گاڑیوں والے جو ایک جوان لڑکی کو پل سے نیچے چھلانگ لگاتے دیکھ کر بے اختیار اپنی اپنی گاڑیاں روکنے لگے تھے۔ ایک دم ہی پل پر شور و غوغا برپا ہو گیا تھا۔

گاڑیوں والے اپنی گاڑیوں کی ہیڈ لائٹس جلا کر خود گاڑیوں سے نیچے اتر گئے۔ نہر کا وہ حصہ وقتی طور پر ایک دم روشن ہو گیا تھا۔ پانی کے تیز ریلے میں وہ لڑکی نیچے پانی میں غوطے کھاتی نظر آ رہی تھی اور اس کے بھولے ہوئے کپڑے پانی میں اس کا سراغ دے رہے تھے۔

☆☆☆

منصور علی رخصی کی کال ملنے کے چندرہ منٹ کے اندر گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے اپنے گھر پہنچ گیا تھا۔ وہ بے حد مسرور تھا، اور راستہ بھر وہ تمام جملے سوچتا رہا، جو اسے رخصی سے کہنے تھے۔

گیٹ پر پہلا ہارون دیتے ہی اس کے چوکیدار نے گیٹ کھول دیا تھا۔ ہمیشہ کی طرح آج اس نے منصور کو سلام نہیں کیا۔ اور منصور نے اس بات کو نوٹ کیا تھا۔ وہ ویسے بھی یہ بات طے کر چکا تھا کہ اسے اپنے ان تمام ملازمین کو آئندہ ہونے والے چند دنوں میں فارغ کر دینا ہے۔ وہ تنگ حرام تھے اور انہوں نے جو سلوک اس کے ساتھ کیا تھا، وہ اسے معاف نہیں کر سکتا تھا۔ رخصی کی بات اور تھی وہ اس کی چینی بیوی تھی۔ وہ اسے سوخون معاف کر سکتا تھا مگر ملازم ملازم ہی ہوتے ہیں اور وہ اگر مالک سے وفاداری کو نا بھول جائیں تو انہیں ٹھوکریں مارتے ہوئے گھر سے نکال دینا چاہیے۔ اس نے پورچ میں گاڑی کھڑی کرتے ہوئے تنگی سے سوچا۔

رخصی اسے پورچ میں نظر نہیں آئی۔ اسے اس کی توقع بھی نہیں تھی، آخر وہ اس سے ناراض تھی اور ناراضی کی حالت میں اس کے استقبال کے لیے پورچ میں کیسے آسکتی تھی۔

منصور نے گاڑی سے اترتے ہوئے ان چند دوسری گاڑیوں پر نظر دوڑائی جو آگے پیچھے وسیع و عریض پورچ میں کھڑی تھیں۔ وہ اس کی گاڑیاں نہیں تھیں۔ اس کا جسم ایک دم تن گیا۔ ان گاڑیوں کی یہاں موجودگی کا مطلب تھا کہ اس کے گھر میں اس وقت کوئی اور بھی تھا۔ اور یہ کوئی اور کون ہو سکتا تھا۔ وہ اچھی طرح جانتا تھا، غصے کی ایک لہر اس کے اندر اٹھی تھی۔ مگر اس نے اسے اندر ہی دبا دیا۔ وہ وہاں لڑنے نہیں آیا تھا۔ اس نے خود کو سمجھایا۔

اندر کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ وہ لاؤنج میں داخل ہوتے ہی ٹھک گیا۔ لاؤنج میں بہت سے لوگ بیٹھے تھے۔ رخصی، رخصی کی ماں صاحبہ، وہ لڑکا جسے اس نے رخصی کے ساتھ دیکھا تھا۔ بھاری بھکم اسٹل سے مسلح بہت سے افراد اور ایک اور آدمی جو صوفہ پر

بیٹھا اپنے سامنے والی سینئر نیبل پر کچھ کاغذ پھیلانے ان پر کچھ لکھنے میں مصروف تھا۔

تمام افراد کی نظریں تقریباً بیک وقت ہی منصور علی پر پڑی تھیں۔ اور ان میں سے ہر نظر میں منصور علی نے اپنے لیے واضح تضحیک محسوس کی تھی۔ اس وقت اسے پہلی بار احساس ہوا کہ رخصتی نے اسے وہاں کسی مصالحت یا بچھڑاؤ کے تحت نہیں بلایا تھا۔ اسے وہاں کسی اور کام کے لیے بلایا گیا تھا۔

چند قدم آگے بڑھاتے ہوئے وہ لاؤنج میں بیٹھے ہوئے ان تمام لوگوں کے بالقابل آگیا مگر اس کی نظریں رخصتی پر جمی ہوئی تھیں۔ رخصتی کے چہرے پر شناسائی نام کی کوئی شے نہیں تھی۔ اس کا چہرہ بالکل بے تاثر تھا۔ ٹھنڈک، سرد مہری، منصور علی کو چند سال پہلے سنووائٹ کے اسٹیج پلے میں ملکہ کا کردار ادا کرتی رخصتی یاد آئی۔ وہ اسی بے تاثر چہرے کو دیکھ کر اس کے عشق میں گرفتار ہوا تھا۔ اور آج وہ چہرہ اسے تکلیف دے رہا تھا۔

”بیٹھو!“ اس لڑکے نے ایک دم تھکمانہ انداز میں اس سے کہا تھا۔ منصور نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر ناگوار سے کہا۔

”یہ میرا گھر ہے اور اپنے گھر میں بیٹھنے کے لیے مجھے تمہاری ہدایات کی ضرورت نہیں ہے۔“

”یہ رخصتی کا گھر ہے اور رخصتی کے گھر میں صرف بیٹھنے کے لیے ہی نہیں اندر آنے کے لیے بھی تمہیں میری اجازت کی ضرورت ہے۔“ اس لڑکے نے جواباً بے حد ترشی سے کہا۔

”رخصتی میری بیوی ہے اور اپنے گھر آنے کے لیے بیٹھنے کے لیے مجھے کسی تیسرے آدمی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہے۔“

”رخصتی تمہاری بیوی ہے۔“ اس لڑکے نے مضحکہ خیز انداز میں کہتے ہوئے رخصتی کو دیکھا۔ دونوں کے درمیان مسکراہٹوں کا تبادلہ ہوا پھر اس لڑکے نے کہا۔

”اسی مسئلے کو حل کرنے کے لیے تمہیں یہاں دعوت دی گئی ہے، تشریف رکھیے۔ منصور صاحب! یاد دو چار جوتے کھانے کے بعد تشریف رکھیں گے۔“ منصور کا چہرہ اس کے آخری جیلے پر بے اختیار سرخ ہو گیا اور اس سرخی میں رخصتی کے چہرے پر ابھرنے والی مسکراہٹ نے کچھ اور اضافہ کیا، مگر اس بار کچھ کہنے کے بجائے منصور ایک خالی صوفہ پر بیٹھ گیا۔ اسے اس لڑکے کے بارے میں کوئی شبہ نہیں تھا کہ وہ اسے جس چیز کی دھمکی دے رہا تھا، وہ غلطی طور پر کر بھی سکتا تھا۔

”وکیل صاحب! اسے کاغذ دکھائیں اور بتائیں کہ اس نے کہاں سائن کرنے ہیں۔“

اس بار وہ لڑکا صوفہ پر بیٹھے کاغذات پر کچھ تحریر کرتے ہوئے آدمی سے مخاطب ہوا تھا۔ وہ آدمی جواب میں کچھ کہنے کی بجائے ان کاغذات کو سمیٹ کر منصور کے برابر صوفہ پر آ بیٹھا۔ اور کاغذات اس کے سامنے نیبل پر پھیلانے لگا۔

”یہ کیسے کاغذات ہیں؟“ منصور نے چونک کر اس لڑکے کو کو دیکھا۔

”وکیل صاحب! آپ اسے باری باری بتاتے جائیں کہ آپ اس سے کس کس کاغذ پر سائن کروانے والے ہیں۔“

اس لڑکے نے جواباً وکیل سے کہا۔ وکیل نے پہلے چند کاغذات منصور کی طرف بڑھائے۔

”یہ طلاق نامہ ہے۔“ منصور نے بے اختیار کہا، ”مگر میں رخصتی کو طلاق نہیں دینا چاہتا۔ ایک چھوٹی سی بات پر میں اپنی بیوی کو طلاق کیسے دے دوں؟“

اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا، ایک مسلح آدمی اس کے عقب میں آ کر کھڑا ہو گیا۔ اور منصور نے ایک ریوالور کی نالی اپنی کتیشی پر محسوس کی۔

”یہاں میں نے تمہیں کسی تقریر کے لیے نہیں بلایا۔ صرف ان کاغذات کو سائن کرنے کے لیے بلوایا ہے۔ اب یہ تم طے کر لو کہ تم رخصتی کو مطلقہ بنانا چاہتے ہو یا بیوہ۔ جاؤ! اگر یہ بات کرنے کے لیے منہ بھی کھولے تو تم اس کا بھچہ کھول دینا۔“

اس لڑکے نے آخری جملہ اس کے پیچھے کھڑے آدمی سے کہا تھا۔ منصور نے اپنی گردن پر پیسے کی دھاریاں جتے محسوس

کھیں۔ وہ بے تماشہ خوف زدہ ہو گیا۔ وکیل نے کاغذات اس کے گھنٹے پر رکھتے ہوئے دوبارہ اس کو سائن کرنے کے لیے کہا۔ منصور نے ملتجیانہ انداز میں دو ریٹھی رخشی کو دیکھا۔ رخشی نے اس سے نظریں چراتے ہوئے اس لڑکے کو دیکھا، منصور نے اپنی کبھی کے قریب ریوالور کا جیببر گھمانے کی آواز سنی، ایک لفظ بھی منہ سے نکالے بغیر کانپتے ہاتھ کے ساتھ اس نے تین پکڑتے ہوئے ان کاغذات کو سائن کر دیا۔

وکیل نے ان کاغذات کو میز پر رکھتے ہوئے کچھ دوسرے کاغذات اس کے گھنٹے پر رکھے۔

”یہ آپ کے بیٹے کی کسڈی کے کاغذات ہیں جن کے مطابق آپ اپنے بیٹے سے مکمل طور پر دست بردار ہوتے ہوئے اسے رخشی کو دے رہے ہیں۔“

منصور نے کچھ کہے بغیر ان پیپرز کو سائن کیا۔ بیٹا اسکے لیے کوئی معنی نہیں رکھتا تھا، اس کا ذہن صرف طلاق نامے میں الجھا ہوا تھا۔ اور وہ سوچ رہا تھا کہ گمن پوائنٹ پر اس طرح زبردستی کروائی جانے والی طلاق موثر نہیں ہو سکتی ہے یہاں سے سیدھا کسی مولوی کے پاس جائے گا اور اس بارے میں اس سے پوچھے گا اور اسے یقین تھا۔ کہ وہ اس سے یہی کہیں گے کہ ایسی صورت میں طلاق نہیں ہوتی۔

”اور یہ آپ کی اس فیکٹری کے کاغذات ہیں جسے آپ اپنے بیٹے کے نام کر چکے ہیں۔ اس میں پاور آف اٹارنی ہے، جو آپ رخشی کو دے رہے ہیں کہ بیٹے کے بڑے ہونے تک فیکٹری کے معاملات کو وہی چلائے گی اور آپ فیکٹری سے الگ ہو رہے ہیں۔“

منصور کو ایک دم جیسے کسی نے چابک سے مارا تھا۔ فیکٹری ہاتھ سے نکل جانے کا مطلب کیا تھا وہ اچھی طرح جانتا تھا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا پھر بے اختیار اسے اپنی کبھی کے ساتھ لگا ریوالور یاد آیا۔ کچھ کہے بغیر اس نے خاموشی سے اس پر بھی دھنکا کر دیے۔

وکیل نے اس سے کچھ اور پیپرز بھی سائن کروائے مگر اس بار اس نے منصور کو ان کی نوعیت کے بارے میں نہیں بتایا۔ اس تمام کارروائی میں صرف دس منٹ لگے تھے۔ آخری پیپر کو سائن کرتے ہی اس لڑکے نے منصور کو اٹھنے کا کہا۔ منصور کھڑا ہو گیا۔

”اسے بڑی عزت کے ساتھ گیٹ سے باہر چھوڑ آؤ۔۔۔ یہ بڑا اچھا بیچہ ہے۔“

اس لڑکے نے مذاق اڑانے والے انداز میں منصور کی طرف اشارا کرتے ہوئے ان مسلح آدمیوں سے کہا۔

لاؤنج میں بیٹھے تمام لوگ کھلکھلا کر ہنس دیے۔ منصور حنج کر اس لڑکوں اور ان تمام لوگوں کو گالیاں دینا چاہتا تھا، مگر اس کا نتیجہ۔۔۔

صرف بارہ منٹ کے بعد وہ ایک بار پھر گیٹ کے باہر کھڑا بے یقینی کا شکار تھا۔ صرف چند منٹ لگے تھے، رخشی کو اس کی زندگی سے نکلنے میں۔ یا منصور علی کو اپنی زندگی سے نکالنے میں۔ اس کے ساتھ کتنا بڑا دھوکا ہوا تھا۔ اس کا دل چاہا۔ وہ بلند آواز میں وہاں اس گیٹ کے سامنے کھڑے ہو کر چیخے چلائے اتنا کہ ساری دنیا کو وہاں اکٹھا کر لے۔ اس کی بیوی کو بری طرح درغلا یا گیا تھا، ورنہ رخشی نے اس کے ساتھ یہ سب کچھ کیوں کرتی۔ اس کا ذہن اب بھی یہ بات ماننے سے انکار کر رہا تھا کہ رخشی نے اسے دھوکا دیا ہے۔ ہو سکتا ہے اس پر دباؤ ہو۔ ہو سکتا ہے وہ بہک گئی ہو۔ ہو سکتا ہے وہ یہ سب کچھ ناراضی میں کر رہی ہو۔ اس کی ”ہو سکتا ہے“ کی فہرست ختم نہیں ہو رہی تھی۔ سڑک پر کھڑے پاگلوں کی طرح اپنے گھر کو دیکھتے ہوئے وہ ایک کے بعد ایک وجہ سوچ رہا تھا۔ جس نے رخشی کو اس سے دور کر دیا تھا۔

☆☆☆

”شہبیر ہمارا بیٹا ہے۔ تمہارا اور اسد کا بڑا بھائی۔“

شائستہ نے بے حد پرسکون انداز میں نایاب کے سر پر جیسے بم بھونکا تھا۔ وہ چند دن دوعنی میں گزار کر ابھی چند گھنٹے پہلے ہی پاکستان واپس آئی تھی اور یہاں آتے ہی اس نے نایاب کو گھر پر پایا تھا۔ نایاب اس دن کے بعد کالج نہیں گئی تھی۔ وہ اس



معالے کی وضاحت شائستہ سے کروائے بغیر کالج جانا نہیں چاہتی تھی۔ شمر کا سامنا کرنا اسے ایک دم ہی بہت دشوار لگنے لگا تھا۔ اور اب شائستہ اسے وہاں اپنے کمرے میں بیٹھی وہ جھوٹ سنار ہی تھی۔ جو اس نے اور ہارون نے مل کر گھڑا تھا۔ ہارون اس کے دباؤ پر بلاآخر شبیر کو اپنانے پر تیار ہو گیا تھا مگر وہ یہ چاہتا تھا کہ شائستہ نایاب کو سب کچھ سچ بتانے کے بجائے وہی جھوٹ بولے جو اس نے شبیر سے بولا تھا اور شائستہ کے لیے یہ کام قطعاً دشوار نہیں تھا۔ وہ اس وقت بڑی مسرت کے عالم میں نایاب کو یہ سب کچھ بتا رہی تھی۔

نایاب پلکیں جھکائے بغیر ایک تک اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ شائستہ کو اس کی دلی کیفیت کا اندازہ نہیں تھا مگر اسے یہ یقین تھا کہ ابتدائی شاک کے بعد نایاب بالآخر اس کی بات کو حقیقت تسلیم کر لے گی۔

”میں نے اور تمہارے پاپا نے کورٹ میرج کی تھی۔ دونوں فیملیز کی مرضی کے خلاف۔“ اس لیے شروع میں دونوں فیملیز نے ہمارا باایکٹ کر دیا تھا۔ ہم لوگ اکیلے ہی رہتے رہے، یہی وجہ ہے کہ جب شبیر کلینک سے اس طرح غائب ہو گیا تو ہم خود ہی اسے ڈھونڈتے رہے ہم نے فیملی میں سے کسی کو اس کی گمشدگی کے بارے میں اطلاع نہیں دی کیونکہ کوئی بھی ہماری مدد کو نہیں آتا۔ البتہ وہ سب سے ضرور کہتے کہ ہمیں اپنی مرضی سے ضد کر کے شادی کرنے کی سزا ملی ہے۔ اسی لیے میں نے اور ہارون نے یہ فیصلہ کیا کہ ہم اس واقعہ کے بارے میں کسی کو نہیں بتائیں گے۔“

”تم لوگوں کو بتانے کا کیا فائدہ ہوتا۔“ شائستہ نے کہا۔ ”ہم تم دونوں کو ڈسٹرب نہیں کرنا چاہتے تھے۔“

”اور اب اب کیا کر رہے ہیں آپ؟“

”اب شبیر مل گیا ہے۔ اب ہمیں کسی کی پروا نہیں ہے۔“ شائستہ نے کہا۔

”شاید ہماری بھی نہیں۔“ نایاب کے لہجے میں سختی تھی۔

میں تمہاری بات نہیں کر رہی تھی میں لوگوں کی بات کر رہی تھی۔“ شائستہ نے ایک دم سنبھل کر کہا۔

”آپ کے پاس آخر کیا ثبوت ہے کہ یہ وہی بچہ ہے جو.....“

نایاب نے بات ادھوری چھوڑی اس کی سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ وہ اس بچے کو کیا کہے اپنے ماں باپ کی اولاد؟ اپنا بھائی؟ یا صرف ایک گمشدہ بچہ؟

”میرے پاس بہت سے ثبوت ہیں۔ میں بے دوقف نہیں ہوں کہ خواہ مخواہ اتنے سالوں کے بعد ایک لڑکے کو دیکھ کر اسے اپنی اولاد تسلیم کر لوں۔“ شائستہ نے کہا۔ ”میں نے فاطمہ کا پورا بیک گراؤنڈ چیک کر دیا ہے اسی حلیے کی ایک عورت کو جب ایک بچہ لے کر اس کلینک سے اس رات نکلنے دیکھا گیا تھا جس رات شبیر غائب ہوا تھا۔“

”مئی! یہ کوئی ثبوت نہیں ہے۔“ نایاب نے بے رخی کے ساتھ اس کی بات کاٹی۔

”فاطمہ بھی شادی شدہ نہیں رہی۔ میں اس کے بھائی کے گھر جا چکی ہوں اس کی ماں سے مل چکی ہوں۔“

نایاب اب چونک گئی۔

”پچیس سال پہلے وہ ناراض ہو کر گھر سے چلی گئی تھی اور اس کے بعد وہ کبھی واپس نہیں آئی نہ ہی گھروالوں نے اسے ڈھونڈنے کی کوشش کی۔“

”ہو سکتا ہے انہوں نے گھر چھوڑنے کے بعد اپنی مرضی سے یہ شادی کر لی ہو؟“ نایاب نے کہا۔

”نہیں ایسا بھی نہیں ہوا۔“ شائستہ نے کہا۔ ”میں نے تمہیں بتایا ہے کہ میں نے اس کے بیک گراؤنڈ کے بارے میں

سب کچھ چیک کر دیا ہے۔ وہ گورنمنٹ نیچر رہی ہے اور اور اس کی جاب کے ریکارڈ میں کہیں بھی اس کی ازدواجی حیثیت کے بارے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ ہو سکتا ہے اس نے زبانی طور پر ان اسکولز میں جہاں اس کی پوسٹنگ رہی ہے یہ بتایا ہو کہ وہ ایک بیوہ ہے مگر اس کے ڈاکومنٹس میں یہ بات کہیں بھی نہیں ہے۔“

نایاب اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ ”آپ کا کیا مطلب ہے؟ اگر شبیر ان کا چنانچہ نہیں ہے تو پھر مرنے اور.....“

شائستہ نے اس کی بات کاٹ دی "ہاں۔ وہ دونوں بھی اس کے بچے نہیں ہیں۔"  
 "آپ کا مطلب ہے انہوں نے ان دونوں کو بھی اسی طرح اغوا کیا ہے؟" نایاب نے بے یقینی کے عالم میں پوچھا۔  
 "نہیں اس نے ان دونوں کو اغوا نہیں کیا۔ شائستہ نے ٹھہرے ہوئے لہجے میں کہا۔ "اس نے انہیں کوڑے کے ایک ڈھیر  
 سے اٹھایا تھا۔"

نایاب کا جسم سن ہو گیا۔  
 "وہ دونوں کسی کی ناجائز اولاد تھے۔ کسی نے انہیں اس محلے میں کوڑے کے ایک ڈھیر پر پھینک دیا جہاں سے یہ عورت  
 انہیں اٹھالائی۔" شائستہ نے جیسے وضاحت کی۔

نایاب پھٹی ہوئی آنکھوں کے ساتھ شائستہ کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔  
 "میں اس محلے میں بھی جا چکی ہوں۔ فاطمہ نے وہاں کئی سال گزارے تھے اور پھر ایک دم وہ مغلّہ چھوڑ دیا۔"  
 نایاب کو ٹھنڈے پسینے آرہے تھے۔ شائستہ کو آخراور کتنے انکشافات کرنے تھے اور کیا سب آج ہی کر دینے تھے۔  
 "ان تینوں میں سے کوئی بچہ فاطمہ کی اولاد نہیں ہے، ہاں بس یہ ثمر اور ثانیہ جڑواں بہن بھائی ہیں اور شہیر وہ ان میں سے  
 کسی کے ساتھ کوئی رشتہ نہیں رکھتا۔ وہ تم دونوں کا بھائی ہے میرا اور ہارون کا بیٹا ہے۔" شائستہ یک دم جذباتی ہو گئی "جیسے میں نے  
 اس عورت کی وجہ سے اتنے سال پہلے کھو دیا اور جوان ساری آسائشوں کے بغیر زندگی گزارنا رہا جو تمہیں اور اسد کو ملتی رہیں۔ مگر  
 اب جب میں اسے ایک بار پھر تلاش کر چکی ہوں میں۔ میں اسے کسی قیمت پر بھی نہیں چھوڑوں گی۔ میں اسے وہ زندگی  
 گزارنے نہیں دوں گی جو میرے ملازم بھی نہیں گزارتے۔"

شائستہ کہہ رہی تھی نایاب کا ذہن جھکڑوں کی زد میں تھا۔ وہ شہیر کے بارے میں نہیں سوچ رہی تھی اسے شائستہ کی اتنی  
 لمبی تقریر کے بعد بھی اچانک مل جانے والے اس بھائی میں کوئی دلچسپی پیدا نہیں ہوئی تھی جس کے بارے میں اس نے زندگی میں  
 کبھی بار بار چند دنوں کے اندر سنا تھا۔ وہ صرف ثمر اور اس سے متعلقہ انکشاف کے بارے میں سوچ رہی تھی۔

"کیا ثمر یہ سب کچھ پہلے ہی جانتا تھا؟ کیا اس نے دانستہ طور پر اپنے ماضی کو اس سے چھپایا تھا؟ یا پھر وہ واقعی بے خبر  
 تھا؟ اور اگر وہ یہ سب کچھ نہیں جانتا تھا تو اب یہ سب کچھ جان کر اس کا ردعمل کیا ہوگا؟ یہ جان کر کہ وہ کسی کی ناجائز  
 اولاد.....؟ اور یہ انکشاف اس پر کون کرے گا؟ کم از کم میں تو نہیں۔ کسی قیمت پر نہیں۔"

نایاب نے پلک جھپکتے میں طے کیا۔ اس نے اس وقت شہیر کے لیے نہیں ثمر کے لیے ہمدردی محسوس کی تھی بے تحاشا  
 ہمدردی۔ اسے اس انکشاف سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کہ وہ کسی کی ناجائز اولاد تھی اور اس کے اس فیصلے پر بھی کوئی اثر نہیں ہوا  
 تھا۔ کہ وہ اس سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ ہاں مگر اب وہ یہ ضرور جان گئی کہ پہلے اگر ہارون اور شائستہ کو ثمر سے شادی کے لیے تیار  
 کرنا مشکل تھا تو اب یہ جان جو کھوں کا کام بن گیا تھا اور اسے اگر کسی تکلیف اور خوف کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا تو وہ شہیر کے حوالے  
 سے نہیں تھا۔ وہ ثمر اور اپنی شادی کے حوالے سے تھا۔

وہ ایک دم اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔  
 "تم کچھ نہیں کہو گی اس ساری صورت حال کے بارے میں۔" شائستہ نے اسے ٹوکا۔  
 "مجھے پہلے پاپا سے بات کرنی ہے پھر اسد بھائی سے۔" نایاب نے کہا۔  
 "تم ہارون سے بات کر لو مگر اسد سے ابھی بات مت کرنا۔" شائستہ نے کہا۔  
 "کیوں؟" نایاب نے ابرو اچکائے۔

"مجھے شہیر کو یہاں لے آنے دو اس کے بعد میں اور ہارون خود اسد سے بات کر لیں گے۔"  
 "مئی! اس سارے معاملے میں اگر کسی کی زندگی پر اثر پڑ رہا ہے تو وہ میں ہوں یا پھر اسد بھائی اور آپ یہ چاہتے ہیں کہ  
 انہیں اندھیرے میں رکھا جائے؟"

”شہیر تمہارا بھائی ہے۔“ شائستہ نے ایک دم اس کی بات کاٹی، نایاب نے بے بسی سے کندھے جھٹکے۔

”میں اسد کے علاوہ کسی دوسرے بھائی کو نہیں جانتی۔ ہاں میں یہ ضرور جانتی ہوں کہ آپ دونوں ہمارے ماں باپ ہیں اور آپ دونوں اگر ہر سال کسی نہ کسی کو پکڑ کر ہمارے سامنے لا کر یہ کہیں گے کہ یہ تمہارا بھائی ہے تو ہم ماں لیس گے۔ فرمائے دو اور اولاد ایسا ہی کرتی ہے لیکن اگر میرا دل اور ذہن یہ نہیں مانتا تو میں انہیں ماننے پر مجبور نہیں کروں گی۔“ شائستہ کو لگا جیسے اس نے اس کے منہ پہ جوتا دے مارا ہو۔

”آپ لوگ ایک پوری فیملی کو تباہ کرنے والے ہیں۔ شہیر کو شکر کو، ثانیہ کو، فاطمہ کو۔ سب کو اور آپ کو اس کا احساس نہیں ہے۔“

”وہ فیملی نہیں ہے۔ وہ کبھی فیملی نہیں تھی۔“ شائستہ غرائی میں تمہیں کتنی بار بتاؤں گی، وہ عورت ایک فراڈ ہے۔ جھوٹی ہے۔“

”ممی! یہ سب کسی اور کو بتائیں۔ مجھے جانا ہے۔“ نایاب نے تیزی سے اس کی بات کاٹی اور کمرے سے نکل گئی۔ شائستہ ہونٹ کانٹے ہوئے!! اسے جانا دیکھتی رہی۔ وہ اولاد کے معاملے میں خوش قسمت تھی یا بد قسمت۔ یہ اسے ساری زندگی سمجھ میں نہیں آیا تھا۔



وہ رخصتی کے گھر سے فیکٹری کی طرف جا رہا تھا جب راستے میں اس کے موبائل پر اس کے منیجر کی پہلی کال آئی۔

”فیکٹری کے اندر کچھ لوگ گھس آئے ہیں اور انہیں نے اسٹاف اور ورکرز کو فیکٹری خالی کرنے کے لیے کہہ دیا ہے۔“ منصور کا دل ڈوبنے لگا۔ ابھی اور کیا کیا جاتا تھا۔

وہ ہوا کی رفتار سے گاڑی چلاتے ہوئے فیکٹری پہنچا تھا اور دور سے ہی اس نے فیکٹری کے باہر جھوم دیکھ لیا تھا۔ فیکٹری کے گیٹ اب بند تھے۔ گاڑی بھی دوسرے لوگوں کے ساتھ باہر کھڑے تھے۔

”ہم نے پولیس کو فون کر دیا ہے وہ کچھ دیر میں یہاں پہنچے ہی والی ہوگی۔ یہ تو سراسر غنڈہ گردی ہے۔“ منیجر نے منصور کے گاڑی سے اترتے ہی اسے جلدی جلدی سب کچھ بتانا شروع کر دیا۔ منصور پتھرائی ہوئی آنکھوں کے ساتھ فیکٹری کے بند آہنی گیٹ کو دیکھ رہا تھا وہ اس کی عمر بھر کی کمائی تھی جو اس کے ہاتھ سے نکلی جا رہی تھی۔ ڈوبتے دل کے ساتھ کچھ کہے بغیر اس نے اپنے وکیل کو فون کیا پھر باری باری ان تمام افسران اور کاروباری دوستوں کو جن کے ساتھ اس کے اچھے تعلقات تھے۔ اسے امید تھی وہ اس کا مسئلہ حل کرادیں گے۔ رخصتی کی بات اور تھی، گھر کی بات بھی دوسری تھی۔ پر فیکٹری پر کوئی اس طرح کیسے شب خون مار سکتا تھا اور اس نے تو ابھی کل ہی اپنے وکیل کو بلا کر فیکٹری کی ملکیت کے کاغذات میں تبدیلی کروادی تھی۔

دس بجے کے قریب اس نے پولیس کی ایک گاڑی کو بالآخر وہاں آتے دیکھا، ان کے ساتھ ایک اور گاڑی میں کچھ دوسرے افراد بھی تھے۔ منصور بے تاب سے پولیس کی گاڑی کی طرف گیا اور اس سے پہلے کہ کچھ کہتا۔ ایک پولیس والے نے درستی سے اسے بتایا۔

”یہ متنازعہ جائیداد ہے آپ کی بیوی نے کورٹ سے stay order لے لیا ہے۔ فیکٹری کو ذبحی طور پر بند کیا جا رہا ہے۔“

دوسری گاڑی میں چیف اور چند دوسرے لوگ تھے جو اب فیکٹری کے گیٹ کی طرف جا رہے تھے۔ منصور ایک دم بلند آواز میں چیختے اور چلانے لگا۔ وہ فیکٹری کے اندر جانا چاہتا تھا۔ پولیس کے ایک کانسٹیبل نے اسے روکا۔ منصور نے اسے زور سے دھکیا۔ دوسرے کانسٹیبل نے نفعے کے عالم میں ہاتھ میں پکڑا، دو ڈنڈے منصور کی کمر پر دے مارا۔ ایک تیسرے کانسٹیبل نے منصور کو ہاتھ سے پکڑ لیا۔ وہ سچ جرات برائے ورکرز اور اسٹاف کے سامنے سے عزت کیا جا رہا تھا۔ منصور کی زندگی میں یہ دن پہلے

کبھی نہیں آیا تھا۔ منصور علی کی زندگی میں ایسے دن اب کئی بار آئے تھے۔ وہ پولیس والوں سے جھگڑ رہا تھا اور بے عزت پٹ رہا تھا۔ اس کا نیچر اور دوسرے افراد سے سمجھنے کی کوشش کر رہے تھے۔

”سر..... سر..... ہمیں بھی عدالت میں جانا چاہیے، وکیل کی مدد لینی چاہیے۔ یہاں لڑنے کا کوئی فائدہ نہیں۔ سر..... پلیز آپ آجائیں۔“ نیچر منصور کو سمجھنے رہا تھا۔ منصور کا گریبان پھٹ چکا تھا۔ وہ پولیس والوں کو بری طرح گالیاں دے رہا تھا۔ فیکٹری کے اندر بیٹھے لوگوں کو..... اس ملک کے نظام کو..... عدالتوں کو..... سب کو..... وہ سب مل کر ملک کے ایک ”معزز“ اور ”شریف“ شہری کے ساتھ ”ظلم“ کر رہے تھے۔ اسے اس کی جائیداد سے محروم کر رہے تھے۔

”یہ غنڈہ اشیث ہے، یہ ملک اس قابل نہیں کہ یہاں میرے جیسے لوگ رہیں۔ میں لعنت بھیجتا ہوں اس ملک پر یہاں کے سسٹم پر میں تم لوگوں کو دیکھ لوں گا، تم سب کو دیکھ لوں گا۔“ اس کا منہ جھرا سے کسی نہ کسی طرح گاڑی تک لانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔

پولیس والے اسے جاتا دیکھ کر اطمینان کے عالم میں خود بھی فیکٹری کے گیٹ کی طرف جانے لگے۔

”پہلے دو دوشادیاں کرتے ہیں دوسری بیوی کے نام جائیدادیں لگاتے ہیں پھر سڑکوں پر کھڑے ہو کر ملک کو گالیاں دیتے ہیں۔“ ایک پولیس کانسٹیبل نے دوسرے سے کہا۔

”بڑے لوگوں کی بڑی باتیں۔“ دوسرے نے مستحکم خیر انداز میں کہا پھر دونوں ہاتھ پر ہاتھ مار کر ہنس پڑے۔

☆☆☆

”منصور صاحب! اس فیکٹری کے بارے میں قانونی کارروائی کرنے سے پہلے میں آپ کو دوسری فیکٹری کے بارے میں کچھ بتانا چاہتا ہوں۔“ منصور اپنے وکیل اور منیجر کے ساتھ ہوئے کے کمرے میں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ کچھ دیر پہلے ہی وہاں پہنچا تھا اور اب اپنے وکیل کے ساتھ صلاح مشورہ کر رہا تھا۔ جب وکیل نے ایک دم اس کی بات کاٹنے ہوئے کہا۔ منصور چونک گیا۔

”دوسری فیکٹری کے بارے میں.....؟“

”یہاں آنے سے کچھ دیر پہلے مجھے ہارون کمال صاحب کے وکیل کا فون آیا تھا، وہ کہہ رہا تھا ہارون کمال آپ کے ساتھ پانٹرشپ ختم کرنا چاہتے ہیں اور اس سلسلے میں وہ آپ کے ساتھ میری موجودگی میں ملنا چاہتے ہیں۔“

منصور کو لگا اس بار چھت نہیں پورا آسمان اس کے سر پر آن مگر تھا۔

☆☆☆

دیکھنے والوں نے اس نوجوان خوبصورت لڑکی کو شام کے دھند لگے میں نہر کے پل سے نہر میں چھلانگ مارتے دیکھا تھا۔ اس لڑکی کی خوش قسمتی یا بد قسمتی یہ تھی کہ شام کے اس پہر بھی وہاں نہر کے کنارے بہت سے لوگ تھے۔ ریڑھیوں والے پھل فروش اور ایسے ہی دوسرے کام کرنے والے جو اس وقت اپنا کام سمیٹ رہے تھے اور اس پر مستزاد نہر کے پل سے گزرنے والی گاڑیاں والے جو ایک نوجوان لڑکی کو پل سے نیچے چھلانگ لگاتے دیکھ کر بے اختیار اپنی اپنی گاڑیاں روکنے لگے تھے۔ ایک دم ہی پل پر شور و غوغا مبرا ہو گیا تھا۔ گاڑیوں والے اپنی گاڑیوں کی بیڈلائنس جلا کر خود گاڑیوں سے نیچے اتر گئے۔ نہر کا وہ حصہ وقتی طور پر ایک دم روشن ہو گیا تھا۔ پانی کے تیز ریلے میں وہ لڑکی نیچے پانی میں غوطے کھاتی نظر آ رہی تھی اور اس کے پھولے ہوئے کپڑے پانی میں اس کا سراغ دے رہے تھے۔

پھر ایک دم وہ کپڑے پانی میں غائب ہونے لگے۔ وہ لڑکی اب ڈوب رہی تھی۔ پل کے اوپر اور ارد گرد شور میں اضافہ ہونے لگا پھر کیے بعد دیکرے پل کے اوپر سے بہت سے نوجوانوں نے نہر میں چھلانگیں لگائیں۔ اگلے کئی منٹے کے لیے وہاں وہ بھرد کے طور پر جانے جاتے، اگر وہ اس لڑکی کو بچانے میں کامیاب ہو جاتے مگر اس کا امکان کم نظر آتا تھا۔ شام کے دھند لگنے سے اور پانی کی تیز رفتار نے اس لڑکی کے بچانے جانے کے امکانات کو بہت کم کر دیا تھا۔

کچھ دوسرے آدمیوں اور لڑکوں نے نہر کے کنارے سے پل سے کافی آگے سے بھی نہر میں چھلانگیں لگائیں۔

ہی ایک آدی نے نہر کے کنارے پر اس جگہ بندھی ایک پرانی اور بوسیدہ کشتی کو پانی میں دھکیل کر آگے جانے کی کوشش کی۔ ایک اور آدی ایک لمبائیں لیکر کشتی میں سوار ہو گیا۔

ان دونوں کوچوؤں کی مدد سے کشتی نہر کے درمیان لے کر جانے میں چند منٹ لگے تھے پھر ان میں سے ایک آدی نہر میں اتر گیا۔ پانی میں ڈیکیاں لگاتے ہوئے وہ ادھر ادھر ہاتھ مارتے ہوئے اس لڑکی کو تلاش کرنے لگا۔ دوسرے آدی نے اس لیے ہانس کو پانی میں ڈال دیا۔ وہ ہانس کو سیدھا کرنا چاہتا تھا جب اسے محسوس ہوا کہ ہانس نہر کے نیچے کسی چیز میں اٹک گیا تھا اسے یقین تھا یہ لڑکی نہیں ہو سکتی تھی کیونکہ پانی کی رفتار کے ساتھ اسے وہاں تک آنے میں ابھی مزید چند منٹ لگتے۔ اس نے ہانس کو چھڑانے کی کوشش کی وہ ناکام رہا۔ اس نے آواز دے کر دوسرے آدی کو مدد کے لیے بلایا۔ اس کا خیال تھا ہانس نہر کی تہ میں اگی ہوئی کسی جھاری میں پھنس گیا تھا۔ دوسرا آدی ہانس کو پکڑے پکڑے پانی میں غوطہ کھاتے ہوئے اسے چھڑانے کے لیے نیچے پانی میں گیا۔

عین اسی وقت پہلے آدی کو کشتی سے کچھ فاصلے پر ایک کپڑے کی ہلکی سی جھلک دکھائی دی۔ سوچے سمجھے بغیر اس نے ہانس ہاتھ سے چھوڑتے ہوئے پانی میں چھلانگ لگا کر اس کپڑے کے تعاقب میں ہاتھ مارا۔ کپڑا وزنی تھا وہ یقیناً اسی لڑکی کا لباس تھا۔ بے حد جوش کے عالم میں اس نے پانی میں کچھ اور نیچے جا کر ہاتھ مارے اور تب ہی اس کے ہاتھ سے ایک بازو نکلا۔ اس نے برق رفتاری سے اسے پکڑ لیا۔ لڑکی کے پیچھے بل کے اوپر سے چھلانگ لگانے والے لڑکے اب قریب آگئے تھے۔ ان میں سے ایک وہ نے اس آدی کو کشتی سے چھلانگ لگا کر زیر آب جاتے دیکھا تھا اور پھر خود بھی اس کے تعاقب میں اسی جگہ پر خود بھی غوطہ لگایا۔ تب تک وہ آدی پانی سے سر باہر نکال کر شور مچانے لگا تھا۔ ایک لڑکے نے ہاتھ مارتے ہوئے اس لڑکی کے اسی بازو کو اپنی گرفت میں لیا جو پہلے ہی اس آدی کے ہاتھ میں تھا اور پھر پوری طاقت سے اسے اوپر دھکیلنے کی کوشش کی۔ ایک منٹ سے بھی کم وقت میں وہ لڑکی پانی کی سطح پر آگئی تھی۔ وہ بے ہوش تھی۔ پانی میں چھلانگ لگانے والے تمام لوگ اب اسی سمت آ رہے تھے۔ سوائے اس آدی کے جو ہانس کے تعاقب میں گیا تھا۔ وقفے وقفے سے وہ زیر آب پانی کی سطح تک آتا اور پھر سانس لے کر اندر چلا جاتا اور پانی کی سطح پر خود سے دور لوگوں کے جھوم کو دیکھ کر اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ لڑکی کو نکال لیا گیا تھا۔ چنانچہ اب وہ خاصا بے فکر ہو کر ہانس کو چھڑانے کی کوشش میں مصروف تھا۔

آخری غوطے میں اس کا ہاتھ بالآخر اس چیز پر پڑا جو ہانس میں اٹک گئی تھی۔ وہ گد لے اور نیا لے پانی میں شام کے اندھیرے میں یہ نہیں دیکھ سکتا تھا کہ وہ کیا چیز تھی۔ اسے وہ رسی نما کوئی چیز محسوس ہوئی جو ہانس کے گرد لپٹی ہوئی تھی۔ اس نے کچھ اور نیچے غوطہ مارتے ہوئے ہانس کو اس سے الگ کرنا چاہا اور تب ہی اس کا ہاتھ اس دوسری چیز سے ٹکرایا جو اس رسی سے منسلک تھی۔ اس چیز پر ہاتھ پھیرتے ہوئے چند لمحوں میں اسے اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کیا تھا۔ وہ ایک بیگ تھا۔ اس آدی نے یک دم ہی اس بیگ کے اسٹریپس کو اپنے ہاتھ میں لے کر بیگ کو اوپر کی طرف تھیننے کی کوشش کی۔ پہلی کوشش ناکام رہی۔ بیگ بہت وزنی تھا۔ آخر اتنے وزنی بیگ میں کیا ہو سکتا تھا۔ آدی کو تجسس ہوا۔ اس نے پانی کی سطح پر آ کر سانس لیا اور دوسری کوشش کو دیکھا۔ لڑکی کو اب کشتی پر منتقل کیا جا چکا تھا۔ اس کا ساتھی بھی یقیناً اس وقت اسے بھلائے ہوئے اس لڑکی کو ہوش میں لانے کی کوشش میں مصروف تھا اور شاید کچھ ہی دیر میں وہ ہانس کا دوسرا سرا نہر میں پھینک کر کشتی کو کنارے کی طرف لے جاتا۔

آدی کا دل چاہا کہ وہ بھی ہانس کو چھڑانے کی ایک اور کوشش کرنے کے بجائے واپس کشتی کی طرف چلا جائے مگر وہ اس بیگ کو اپنے ذہن سے نکالنے میں ناکام رہا۔ پتہ نہیں اس میں کیا تھا۔ ہو سکتا ہے کوئی قیمتی چیز..... اسٹیکنگ کا کوئی مال..... لوٹ مار کا کوئی سامان..... کسی حادثے کا شکار ہونے والی کسی گاڑی میں سے کسی مسافر کا سامان..... اس کا دماغ جیسے ایک ہیٹل میں الجھا ہوا تھا..... جو بھی ہو اس بیگ میں کچھ تو ہوگا..... جیسے ایک بار پھر قسمت آزمائی چاہیے۔ اس آدی نے بالآخر طے کیا اور نہر میں دوبارہ غوطہ لگایا۔

اس بار صرف چند لمحوں کی جدوجہد کے بعد وہ بیگ کو کھینچ کر پانی کی سطح تک لانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ کشتی اب واقعی

نہر کے کنارے لگی ہوئی تھی اور وہاں جھوم تھا۔ بانس نہر میں غائب ہو چکا تھا۔

اس آدی نے نہر کے اس کنارے کی طرف جانے کے بجائے جہاں جھوم تھا نہر کے دوسرے کنارے کا رخ کیا۔ وہ بیک کو بمشکل سمیٹ رہا تھا۔ وہ واقعی بے حد ذورنی تھا۔ اسے دوسرے کنارے تک پہنچنے میں چند منٹ لگے تھے۔ مگر اس کی ہمت تب تک جواب دے چکی تھی۔ بیک اب نہر کے کنارے پڑا تھا۔ آدی کچھ دیر نہر کے کنارے بیٹھ کر گہرے سانس لیتے ہوا بیک کو دیکھا رہا۔ وہ ایک بہت بڑے سائز کا بیک تھا۔ بیک کو ایک چھوٹا سا تالا لگا یا گیا تھا۔ سیاہ رنگ کے اس بیک پر ایک نظر ڈالتے ہی بے اندازہ ہو جاتا تھا کہ وہ بہت قیمتی ہے۔ نہ صرف مہنگا بلکہ نیا بھی۔ استعمال کرنے والے نے ابھی تک اسٹریپس کے ساتھ لگے ٹیکو کو نہیں اتارا تھا۔ پانی نے اگر چہ ان ٹیکو کی حالت خراب کر دی تھی مگر اس کے باوجود اس پر لگی ہوئی تحریر پڑھنا مشکل نہیں تھا۔ وہ لاہور کے ایک بہت بڑے اسٹور سے خریدا گیا تھا۔ وہ آدی انگلش جانتا ہوتا تو ان ٹیکو کو پڑھنے کی کوشش کرتا مگر اس نے ان پر نظر نہیں دوڑائی۔

کچھ دیر تک اپنا سانس بحال کر کے بعد اس نے بیک کے پاس جا کر اس کی مختلف جیبوں کو کھولنا شروع کیا۔ بیک کی حالت سے اندازہ ہو رہا تھا کہ اسے پانی میں بہت عرصہ نہیں ہوا ورنہ اس آدی کو زپ کھولنے میں کچھ وقت کا سامنا کرنا پڑتا۔ بیک کی بیرونی کسی جیب میں کچھ نہیں تھا۔ وہ آدی بمشکل اپنا ہاتھ ان جیبوں کے اندر ڈال سکا۔ بیک کے اندر جو کچھ بھی بھرا ہوا تھا وہ بہت سخت تھا اور اس نے باقی جیبوں میں کچھ اور رکھنے کی گنجائش نہیں چھوڑی تھی۔ آدی نے بیک کو کچھ تھپتھا کر اندر موجود چیزوں کی نوعیت کے بارے کچھ اندازہ لگانے کی کوشش کی تو اسے ایک عجیب سا احساس ہوا۔ پہلی بار اس نے اس بد بو کو محسوس کیا جواب یک دم تیز ہو گئی تھی۔ اس سے پہلے وہ یہی سمجھ رہا تھا کہ وہ بو نہر کے کنارے جھاڑیوں میں مختلف پرندوں اور جانوروں کی لاشوں کی وجہ سے ہے مگر بیک کے قریب کچھ دیر بیٹھے رہنے پر اسے محسوس ہونا شروع ہوا تھا جیسے بو کا منبع بیک ہی تھا۔ اس نے بیک پر رکھے اپنے ایک ہاتھ کو اٹھا کر سونگھا اور اس کا دل بے اختیار تھلایا۔ اس کے ہاتھ میں سے ویسی ہی بو آ رہی تھی۔ بندروں کے بل بیٹھے ہوئے اس نے ذرا سا جھک کر بیک کو سونگھا اور پھر بے اختیار اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ پہلی بار اس نے صحیح طور پر بیک سے اٹھنے والے بد بو کے سمجھ سکوں کو محسوس کیا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا تھا۔ اس نے زمینگی میں پہلی بار اس طرح کی بد بو محسوس کی تھی۔ اس کے باوجود وہ اچھی طرح جانتا تھا کہ وہ کسی انسانی لاش سے آنے والی بد بو تھی۔ وہاں کھڑے کھڑے اسے چند لمحوں میں فیصلہ کرنا تھا کہ اسے کیا کرنا ہے۔ بیک کو واپس نہر میں پھینک کر خود اطمینان سے گھر چلا جائے یا پھر پولیس کو اطلاع کر دے۔ اس صورت میں وہ خود چھس سکتا تھا۔ اس نے بل بھر میں فیصلہ کر لیا تھا۔ بیک کو اسٹریپس سے پکڑ کر کھینچنے ہوئے وہ دوبارہ نہر کے پانی کی طرف لے جانے لگا۔ نہر کے کنارے تک پہنچنے کے بعد اس سے پہلے کہ وہ بیک کو دوبارہ پانی میں دھکیل دے اس نے دور کسی مسجد سے اذان کی آواز سنی تھی۔ اس کے قدم ٹھٹکے پھر ہاتھ رکے۔ اس کے دل کو جیسے کسی نے تھکی میں لیا۔ بیک میں موجود لاش اگر کسی انسان کی تھی تو کیا وہ انسان اس قائل تھا کہ اسے ایک بار پھر پانی میں پھینک دیا جاتا جہاں کچھ عرصہ گزر جانے کے بعد بیک ٹھٹکا پھر وہ وجود ٹھٹکا سڑتا پھیلوں اور دوسرے حشرات کی غذا بن جاتا۔ صرف ایک ڈھانچہ کسی شناخت کے بغیر وہاں پڑا رہتا اور زمین کے اوپر اس انسان کے وارث اسے پاگلوں کی طرح تلاش کرتے رہتے۔ وہ آدی اس لاش کو زمینگی نہیں دے سکتا تھا مگر اس لاش کو اس کے وارثوں تک پہنچانے کی کوشش کر کے اسے بے گور کو دفن پڑے رہنے سے بچا سکتا تھا۔

”اللہ اکبر..... اللہ اکبر.....“ موذن کی آواز نے ایک بار پھر اس کے دل کو عجیب سی ہیبت کی گرفت میں دیا۔ بیک کے اسٹریپس پر اس کے ہاتھ کی گرفت کمزور ہو گئی۔ پہلی بار اسے اس لاش پر ترس آیا جو اس بیک کے اندر ٹھوکی گئی تھی پھر اسے اپنی موت کا خیال آیا اور اس قبر کا جو اس پر اس سے بھی زیادہ تنگ کی جا سکتی تھی۔ اس نے اس بار بیک کو پہلے کی طرح کھینچنا نہیں بلکہ اسے زمین سے کچھ اوپر اٹھاتے ہوئے نہر کے کنارے کے پاس گزرتی ہوئی سڑک کی طرف چلنا شروع کر دیا۔



صہبہ نے منصور کے موبائل پر فون کیا۔ چند تیل کے بعد منصور نے فون اٹھایا۔

”پاپا! میں آپ سے ملنا چاہتی ہوں مجھے آپ سے بہت ضروری بات کرنا ہے۔“ صنف نے منصور کی آواز میں موجود مرد صبری کو نظر انداز کرتے ہوئے علیک سلیک کے فوراً بعد کہا۔

”مگر تم اس لیے مجھ سے ملنا چاہتی ہو کہ میں تمہیں پیسے دوں تو اپنے ذہن سے یہ خیال نکال دو۔“ منصور نے اس کی بات کے جواب میں درشتی سے کہا۔ صنف کو جیسے شاک لگا۔ کیا ضروری تھا کہ منصور علی ہر بار یہ سوچے کہ انہیں جب بھی اس کی ضرورت پڑے گی پیسے کے لیے پڑے گی۔

”پاپا! ہمیں پیسے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر میں پی سی او پر کھڑی نہ ہوتی تو آپ کو فون پر سب کچھ بتا دیتی مگر میں اس وقت پی سی او پر ہوں اور یہاں کھڑے ہو کر میں یہ بات آپ کو نہیں بتا سکتی۔“

”اس مسئلے کا تعلق کس سے ہے؟“ منصور نے ایک دم اس کی بات کاٹ کر اسی انداز میں پوچھا۔ ”تم لوگوں سے یا مجھ سے؟“

”یہ صرف ہمارا مسئلہ نہیں ہے پاپا! آپ کا مسئلہ بھی ہے بلکہ یہ آپ ہی کا مسئلہ ہے“ دوسری طرف چند لمبے خاموشی رہی پھر منصور نے اس ہوٹل کا نام اور کمرہ نمبر بتایا جہاں وہ ٹھہرا ہوا تھا۔

”میں یہاں ہوں تم مجھ سے ملنے آ سکتی ہو۔“ صنف کو ایک جھکا لگا تھا۔ آخر منصور اس وقت گھریا فیلٹری کے بجائے ہوٹل کے ایک کمرے میں کیا کر رہا تھا۔

”میں توڑی دیر میں آپ کے پاس آتی ہوں۔“ دوسری طرف سے موبائل بند کر دیا گیا۔ صنف حیرانی سے فون کے ریسیور کو دیکھتی رہی۔

آدھ گھنٹہ کے بعد اس نے ہوٹل کے کمرے کے دروازے پر دستک دی۔

”کم ان۔“ اندر سے منصور نے بلند آواز میں کہا۔ صنف دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ منصور سامنے ہی صوف پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس پر ایک نظر پڑتے ہی صنف کو جھکا لگا تھا۔ ایک لمحہ کے لیے وہ اسے پہچان نہیں پائی۔ بڑھی ہوئی شیڈ سرخ آنکھیں، گلجے کپڑے، ٹھہرے بال، منصور علی اس کے لیے قطعی اجنبی تھا۔

”پاپا! آپ کی طبیعت ٹھیک ہے؟“ صنف نے بے اختیار قریب آتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں میں ٹھیک ہوں تم بیٹھو۔“ منصور نے برق رفتاری سے اس سے نظر س جدا کرتے ہوئے اسے دوسرے صوف پر بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ صنف قدرے تشویش کے عالم میں منصور کو دیکھتے ہوئے دوسرے صوف پر بیٹھ گئی۔

”تم کیا کہنا چاہتی تھیں مجھ سے میرے کسی مسئلے کے بارے میں؟“ منصور بلا تہیہ مطلب کی بات پر آ گیا۔

”صنف چند لمبے خاموش بیٹھی نظروں کا انتخاب کرتی رہی پھر اس نے دہمی آواز میں کہا۔

”پاپا! امیر گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے۔“ منصور کو جیسے جھکا لگا۔

”تم یہ بتانے کے لیے میرے پاس آئی ہو کہ وہ گھر چھوڑ کر چلی گئی ہے۔“ وہ تھلایا۔ ”یہ میرا مسئلہ کس طرح ہے یہ صرف تم لوگوں کا مسئلہ ہے۔“ صنف کو اس سے یہی توقع تھی۔ اس کے باوجود اسے ایک موہوم سی امید تھی کہ شاید وہ۔۔۔۔۔

”صبری ساری زندگی میرا گھر یہاں تباہ ہو رہا ہے اور تم مجھے بتانے آئی ہو کہ امیر گھر سے چلی گئی ہے۔“ منصور سختی سے کہہ رہا تھا۔ ”وہ چلی گئی ہے تو میں کیا کروں؟“

صنف کی سمجھ میں نہیں آیا کہ منصور کی زندگی اور گھر اب کیسے تباہ ہو رہا ہے۔ وہ تو رشتی کے ساتھ خوش و خرم زندگی گزار رہا ہے تو پھر۔۔۔۔۔

”پاپا! آپ ہم لوگوں سے ناراض کسی مگر وہ آپ کی بیٹی ہے۔“ منصور نے درشتی سے اس کی بات کاٹ دی۔

”میرے ساتھ اس طرح کے ذاتی لاگت مت بولو۔ میرے اپنے بکھیرے کا کافی ہیں میرے لیے کہ میں انہیں سینوں تم

لوگوں کی ذمہ داری میں نہیں لے سکتا۔“

”آپ اس کی ذمہ داری مت لیں مگر آپ ایک بار ہارون کمال سے توبت کر سکتے ہیں۔“ منصور اس کی بات پر چونک

گیا۔ ”ہارون کمال.....؟ امیر کے معاملے سے ہارون کا کیا تعلق ہے؟“ منصور نے قدرے حیرانی کے عالم میں کہا۔

”پاپا! وہ ہارون کے ساتھ انوالو ہے اور اسی کے پاس گئی ہے۔“ منصور کو جیسے کسی پچھو نے کاٹا تھا۔

”ہارون کمال کے پاس.....“

”ہاں! وہ اس سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ ہمارے منع کرنے پر وہ ناراض ہو کر ہمارا گھر چھوڑ گئی۔ اب تک تو اس نے

ہارون سے شادی کر بھی لی ہوگی۔“ منصور پلکیں جھپکائے بغیر صند کو دیکھ رہا تھا۔ اس کے ذہن نے اس سادہ سے معرکہ کو یک دم حل کر لیا تھا۔ اس کے ساتھ کیا ہو رہا تھا؟ کیوں ہو رہا تھا اور کس کے کہنے پر ہو رہا تھا؟ وہ جان گیا تھا۔

”میں چاہتی ہوں آپ امیر سے بات کریں۔ اسے سمجھائیں وہ آپ کی بات مان جائے گی۔ وہ آپ کے کہنے پر

ہارون کو چھوڑ دے گی۔“ صند کو بات کرتے کرتے منصور کی عجیب سی نظروں کا احساس ہوا تھا۔ وہ بولتے بولتے رک گئی۔

”یہ سب کچھ میرے ساتھ امیر ہی تو کر رہی ہے۔ وہ کیوں میرے کہنے پر ہارون کو چھوڑے گی؟“ منصور بدگمانی کی

انتہا پر پہنچا ہوا تھا۔ صند چند لمبے کچھ بول نہ سکی۔ ”وہ مجھ سے انتقام لے رہی ہے۔ اس نے ہارون سے شادی اس لیے کی ہوگی

کہ وہ مجھے میرے ہی کاروبار سے بے دخل کر دے۔ رخصتی نے بھی ہارون کے دباؤ پر مجھ سے طلاق لی ہوگی۔ یہ سب کچھ امیر کر

رہی ہے اسی نے کیا ہے یہ سب کچھ۔“ منصور شدید طیش کے عالم میں بولتے ہوئے صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ صند اب وہاں

آنے پر پچھتا رہی تھی۔ منصور کے حوالے سے اسے کوئی خاص امید پہلے بھی نہیں تھی مگر وہ یہ بھی سوچ کر وہاں نہیں آئی تھی کہ منصور

بہتر جگہ کا اہتمام امیر کے سر پر رکھ دے گا۔

”پاپا! میں.....“ کچھ کہنا چاہا مگر منصور نے اس کی بات کاٹ دی۔

”تم یہاں سے دفع ہو جاؤ..... میں تمہیں اور تمہاری بہن دونوں کو دیکھ لوں گا۔ رخصتی ٹھیک کتنی تھی تم سب کسی رخصت کسی

رعایت کے حق دار نہیں ہو۔ اولاد نہیں میرے لیے سانپ ہو۔“ منصور زہرا اگل رہا تھا۔ صند چپ چاپ صوفے سے اٹھ کھڑی

ہوئی۔ وہ منصور کی باتوں سے کچھ بھی سمجھتی تھی کچھ نہیں۔ اس کے ہونٹوں میں موجود ہونے کا مطلب اس کی سمجھ میں آ گیا تھا۔ رخصتی اور

اس کی علیحدگی ہو چکی تھی مگر وہ کاروبار کے حوالے سے اس کی باتوں کو نہیں سمجھ پارہی تھی اور وہ کسی بھی طرح یہ ماننے پر تیار نہیں تھی

کہ امیر نے منصور کے خلاف کوئی سازش کی ہوگی۔

منصور اب بھی بول رہا تھا۔..... بے تماشاً..... سوچے سمجھے بغیر..... اس کی سوئی اب بھی رخصتی پر اٹکی ہوئی تھی۔ ایک

عورت نے اس کو ہر خوشی رشتہ کے حوالے سے اندھا کر دیا تھا۔ صند کو لگا وہ پاگل ہو گیا ہے۔ وہ اپنی بیٹی کو اپنی حریف سمجھ رہا تھا۔

یہ سمجھ رہا تھا کہ اس کی وجہ سے اس نے رخصتی کو کھو لیا تھا۔ اس کے وجود میں غیرت یا شرم نام کی کوئی شے باقی نہیں رہی تھی۔ اسے

ہارون کمال کے ساتھ امیر کی شادی کا سن کر کوئی تکلیف نہیں پہنچی تھی، کوئی ملال، کوئی پچھتاوا، کوئی پشیمانی، کوئی احساس جرم اس

کے اعزاز میں کچھ بھی نہیں تھا۔

وہ غلط آدمی کے پاس آئی تھی وہ اس کا باپ نہیں تھا وہ کسی کا باپ نہیں تھا۔ وہ ایک خود غرض عاشق تھا جس کی زندگی رخصتی

کے گرد گھومتی تھی اور گھوم رہی تھی پھر وہ اس سے کیا توقع رکھتے ہوئے یہاں آ گئی تھی۔

بھنگی آنکھیں لیے وہ مزید کچھ کہے بغیر کمرے سے باہر آ گئی۔ اس کے عقب میں منصور کی بڑبڑاہٹ اب بھی جاری

تھی۔

☆☆☆

”یہ کون لوگ تھے؟ کیا کہہ رہے تھے آپ سے؟“ شہیر نے اپنے پاس سے گزرتے قاطر کے بھائی اور بھائی کو دیکھا

جو اس کو بڑی عجیب سی نظروں سے دیکھتے ہوئے گئے تھے۔ وہ ابھی چند لمبے پہلے ہی گھر کے کچلے دروازے سے اندر آیا تھا اور



اس نے اندر آتے ہوئے اس مرد کو کہتے سنا۔

”سوچ لو فاطمہ! ہم دوبارہ آئیں گے، ابھی تمہارے پاس وقت ہے۔“ جو اب اس نے فاطمہ کو چلاتے سنا پھر ان دونوں کو کمرے سے نکلنے دیکھا۔

اور اب وہ فاطمہ کو زار و قطار روتے دیکھ رہا تھا۔

”بتائیں نا امی! کیا ہوا ہے؟ یہ کون لوگ تھے؟ کیا آپ کو دھمکا رہے تھے؟“ شبیر اس کے بازو کو جھنجھوتے ہوئے اس سے پوچھ رہا تھا اور اس کے سوالات بتا رہے تھے کہ اس نے ان کی گفتگو نہیں سنی تھی یا پھر سنی تھی تو سمجھی نہیں تھی مگر یہ کوئی معجزہ نہیں تھا۔ وہ اس انکشاف سے آخر تک سبک اور کہاں تک بھاگتی۔

”تم میرے بیٹے نہیں ہو شبیر!“ شبیر کزنٹ کھا کر پیچھے بنا تھا۔

فاطمہ کو مذاق کرنے کی عادت ہوتی تو شبیر اسے مذاق سمجھتا، مگر اس نے ساری زندگی ماں کو مذاق کرتے نہیں دیکھا تھا۔ وہ ان کی چھوٹی موٹی باتوں اور حرکتوں سے محظوظ ہوتی تھی مگر خود اس نے کبھی اس طرح کی بات نہیں کی تھی۔

”شاید آج اتنے سالوں بعد پہلی بار امی مذاق کر رہی ہیں۔“ شبیر نے خود کو چند لمحوں کے لیے بھلایا مگر مذاق کرنے والے اس طرح آنسوؤں سے رو یا نہیں کرتے جس طرح فاطمہ اور پھر جو صورت حال وہ دیکھ رہا تھا۔ گھر سے نکلنے والے دو اجنبی جن کے چہرے تاثرات اور گفتگو سب عجیب تھے اور اب فاطمہ کے منہ سے نکلنے والا پہلا جملہ..... ”تم میرے بیٹے نہیں ہو۔“ تو کیا وہ غصہ میں اس سے یہ کہہ رہی ہے، کسی قسم کی ناراضی کی وجہ سے اس نے ابھی بھی اس بات کے مفہوم پر غور کرنے کے بجائے ایسا کہے جانے کی وجہ کے بارے میں سوچنا چاہا۔

”آپ کیا کہہ رہی ہیں؟“ اس نے بے اختیار جیسے ماں کو جتنا چاہا کہ اس نے کوئی ایسی بات کہی ہے جو اسے نہیں کہنا چاہیے تھی۔ مگر فاطمہ کے رد عمل میں کوئی تبدیلی نہیں آئی۔ وہ اب زار و قطار رو رہی تھی۔

”تم میرے بیٹے نہیں ہو شبیر! تم واقعی میرے بیٹے نہیں ہو۔“

شبیر کو لگا اس کا جو دیک دم جیسے پتھر کا ہو گیا تھا۔ پتھر کا یا پھر شاید برف کا یا پھر بے جان اس کی ماں کیا کہہ رہی تھی؟

”میں نے بہت سال پہلے تمہیں ایک یتیم خانے سے لیا تھا۔ اپنی ایک دوست کی مدد سے تم تب ڈھائی سال کے تھے۔“ وہ نظریں ملاتے بغیر ٹکٹ خورہ انداز میں اس سے کہنے لگی۔

”تم میرے بیٹے نہیں ہو نہ ہی شمر اور ثانیہ میری اولاد ہیں، کیونکہ میں نے کبھی شادی نہیں کی۔ جن لوگوں کو تم نے ابھی کچھ دیر پہلے دیکھا تھا۔ وہ میرے بھائی اور بھانجی ہیں۔ وہ چاہتے ہیں میں واپس ان کے پاس چلی جاؤں، وہ چاہتے ہیں میں تمہیں واپس تمہارے ماں باپ کے پاس بھیج دوں۔ لیکن میں نے تمہیں یتیم خانے سے لیا تھا۔ تب تمہارا کوئی وارث نہیں تھا پھر اب اتنے سالوں کے بعد میں کیسے تمہیں کسی دوسرے کے حوالے کر دوں۔“ اس کے انداز میں بے چارگی تھی۔

”میں تمہاری ماں نہیں ہوں یہ مجھے آج احساس ہوا ہے۔ ورنہ اتنے سالوں میں میں نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ تم میری اولاد میرے بیٹے نہیں ہو۔“ فاطمہ نے شبیر کا چہرہ اس کی آنکھیں دیکھنے کی کوشش کی وہ بے حس و حرکت کمرے کے وسط میں کھڑا پلکیں جھپکائے بغیر فاطمہ کو دیکھ رہا تھا۔

فاطمہ کو اس کی آنکھوں سے زندگی میں پہلا بار خوف آیا۔ وہ اسے ان نظروں سے نہیں دیکھ رہا تھا، جس طرح کوئی بیٹا ماں کو دیکھتا ہے۔ وہ اسے ایک اجنبی کی طرح دیکھ رہا تھا فاطمہ کو لگا یہ اس کا واہمہ ہے۔

رشتے اور تعلق چند سیکنڈ زور چند منٹوں میں نہیں ٹوٹے، انہیں چند گھنٹے تو لگتے ہی ہیں، کوئی وضاحت لیے بغیر وہ کس طرح اسے مجرم قرار دے سکتا ہے۔

”تم خود اس یتیم خانے جا سکتے ہو وہاں پتہ کر سکتے ہو کہ تمہارے وارثوں میں سے کسی کا نام وہاں نہیں تھا۔“ اس نے بے حد کمزور آواز اور مدافعت انداز میں کہا یوں جیسے کوئی بچہ کسی بڑے کو معافی دے رہا ہو۔ شبیر اب بھی ساکت تھا مگر اس کی

نظریں اسی پر جمی ہوئی تھیں۔

”مجھے اگر پتہ ہوتا کہ تمہارے ماں باپ ہیں تو میں تمہیں کیوں اپنے پاس لا کر رکھتی۔“ فاطمہ نے بے چارگی کے عالم میں سوچنے کی کوشش کی کہ اسے اب اور کیا کہنا چاہیے۔ اسے زیادہ سوچنا نہیں پڑا شہیر نے اس کی مشکل آسان کر دی۔

”کون ہیں میرے ماں باپ؟“ سرد لہجے میں پوچھا گیا اس کا سوال فاطمہ کو چابک کی طرح لگا۔

”میرے ماں باپ؟“ اتنے سال اس نے سانسے کھڑے جو ان بانٹ مرد کو ماں باپ دونوں کی طرح پالا تھا۔ ماں کی طرح اسے گود میں اٹھا کر پھری تھی۔ باپ کی طرح اسے کما کر کھلایا تھا اور وہ صرف چند منٹوں میں سب کچھ بھول کر اس سے پوچھ رہا تھا کہ اس کے ماں باپ کہاں ہیں۔ زندگی نے ایک بار پھر اسے گونگا کر دیا تھا۔ وہ چوراہے میں کھڑی تھی یا کٹہرے میں اس نے اپنے وجود کو کئی سالوں کے بعد ایک بار پھر صفر میں تبدیل ہوتے دیکھا۔ ایک بہت بڑے صفر میں۔

”میں۔“ آواز اس کے حلق میں گھٹ گئی تھی۔

”سز شائستہ ہارون کمال۔“ اس نے ایک بار پھر کہا اس بار اس کے پاس سوال نہیں تھا جواب تھا۔ اور اس کے انداز میں بے پناہ بے یقینی تھی۔ فاطمہ نے خود کو بے بسی کی انتہا پر پایا۔ وہ اس سے کیا کہتی ہاں یا نہیں۔

”آپ نے مجھے ہاسپٹل سے چوری کیا تھا؟ انہوں نے اس دن جو کہانی مجھے سنائی وہ سچ تھی؟ میں آپ کا نہیں ان کا بیٹا ہوں؟ میرے خدا میرے خدا۔“ وہ جیسے درد سے کرا رہا۔

”نہیں میں نے تمہیں کسی ہاسپٹل سے نہیں چرایا۔ میں قسم کھاتی ہوں شہیر! میں تمہاری قسم کھاتی ہوں۔“ فاطمہ نے بے اختیار کیا۔

”میری کیوں؟ میں کیا گلتا ہوں آپ کا؟“ وہ جیسے غرایا۔ فاطمہ کا چہرہ سفید پڑ گیا۔

”مجھے یقین نہیں آتا کہ آپ مجھے اس طرح یوں میرے ساتھ مجھ کو۔“ اس سے بات نہیں ہو پاری تھی۔ پتہ نہیں نفعہ زیادہ تھا یا غم یا پھر بے یقینی کہ وہ بات نہیں کر پارہا تھا۔

”میری بات سنو شہیر! فاطمہ نے اس کی طرف بڑھنا چاہا۔ مگر وہ ناکام رہی وہ پلک جھپکنے میں پہلے کرے اور پھر صحن سے باہر نکل گیا۔ فاطمہ بے اختیار بھگتے ہوئے اس کے پیچھے گئی۔

وہ تیز قدموں سے دوڑ گئی میں جا رہا تھا۔ اس کا دل چاہا وہ ننگے پاؤں بھگتے ہوئے اس کے پیچھے جائے۔ وہ چلی جاتی اگر اسے یہ یقین ہوتا کہ وہ اس کے روکنے سے رک جائے گا۔ اس کی بات سننے گا۔ اس کی وضاحت تسلیم کر لے گا اور اس کے ساتھ لوٹ آئے گا۔

چوکت میں اپنے دروازے کو پکڑے اس نے انگلیاں نظروں سے اپنے گھر کی پہلی دیوار گرتی دیکھی وہ گلی کا موز مرکز اوجھل ہو گیا تھا۔ اپنے گھر کی چوکت پر اسی طرح دروازے کا پٹ پکڑے اس نے اسی گلی میں باری باری ٹرا اور ٹانیہ کو بھی گلی کا موز مرکز اوجھل ہوتے دیکھا۔

☆☆☆

صہبہ نے شہیر کو بس اسٹاپ کی طرف آتے دیکھا وہ خود چند لمبے پہلے بس سے اتری تھی۔ وہ اس وقت اسے ایک فرشتے کی طرح لگا۔ اسے لگا صرف وہی ہے جو اس وقت اس کی مدد کر سکتا ہے۔ وہ کسی معمول کی طرح بے اختیار اس کی طرف گئی۔ اس نے اس کے چہرے کے تاثرات پر غور نہیں کیا۔

”شہیر! مجھے آپ کی مدد کی ضرورت ہے۔“ شہیر ٹھنک گیا اس نے صہبہ کو دیکھا پھر اس سے نظریں چرائیں۔ کچھ دیر وہ منہ سے ایک بھی لفظ نکالے بغیر کھڑا رہا صہبہ کو اس کی خاموشی سمجھ میں نہیں آئی۔ اسے ایک دم خوف محسوس ہوا کہ کیا وہ اس کی مدد سے انکار کرنے والا تھا بالکل اس کے باپ کی طرح اور اگر وہ ایسا کر بھی دیتا تو ایسا کرنے میں حق بجانب تھا۔ آخر وہ کیا سمجھ کر اس کے پاس اس طرح چلی آئی تھی وہ اس کا تھا کون؟ صرف ایک ہمسایہ ایک شناسا۔

اس سے پہلے کہ وہ شبیر سے کچھ کہتی اس نے جیب سے ایک والٹ نکالا پھر اس میں سے ایک وزینگ کارڈ نکالا اور اسے صدف کی طرف بڑھادیا۔

”آپ اس ایڈریس پر جا کر اس آدمی سے ملیں یہ میرا دوست ہے“ آپ کی مدد کرے گا۔“ صدف ذہنی طور پر اپ سیٹ نہ ہوتی تو وہ یہ محسوس کر لیتی کہ شبیر کی آواز بھرائی ہوئی ہے۔ اس کا چہرہ سرخ تھا اور وہ اس سے نظر میں جراتے ہوئے بات کر رہا تھا۔ مگر وہ ذہنی طور پر اس قدر ابھی ہوئی تھی کہ اس نے ایک لفظ کہے بغیر اس کے ہاتھ سے کارڈ چڑھ لیا۔ شبیر اس کے جواب کا انتظار کرنے کے لیے رکنا نہیں۔ وہ برقی رفتار سے بس کی طرف لپکا اور اس میں سوار ہو گیا۔

صدف نے اس کارڈ اور اس پر لکھے نام کو حیرانی سے دیکھا۔ آخر شبیر کو کیسے پتہ چلا کہ وہ اس سے جاب کے سلسلے میں مدد چاہتی ہے اور یہ دوست آخر یہ دوست اس کی کیا مدد کر سکتا ہے۔ اس نے کارڈ پر نظر ڈال کر ابھی ہوئی نظروں سے دور جاتی ہوئی بس کو دیکھا۔

”کیا می نے شبیر سے یا اس کی ای سے کوئی بات کی ہے۔“ فوری طور پر اس کے ذہن میں خیال آیا۔

”ہاں وہ اتنی پریشان ہیں کہ وہ بھی میری طرح کسی سے بھی مدد مانگ سکتی ہیں۔“ صدف نے سوچا۔

”مگر قاطرہ آئی کے گھر جا کر شبیر سے مدد مانگنا.....“ وہ کچھ کینوز ہوئی۔ نیزہ اس طرح نہیں کر سکتی تھیں کیونکہ وہ آج تک اپنے کسی کام کے لیے اس طرح کسی کے پاس نہیں گئی تھیں مگر کیا پتہ می چلی گئی ہوں۔“ صدف نے ایک بار پھر سوچا۔ ”آخر میں بھی تو کبھی اپنے کسی کام کے لیے کسی کے پاس نہیں گئی اور اب یوں ہر کام کے لیے شبیر کا سہارا لے رہی ہوں۔“

صدف نے ایک بار پھر کارڈ پر نظر دوڑائی۔ پھر گھر کی طرف جانے کے بجائے دوبارہ بس اسٹاپ کی طرف بڑھنے لگی۔ اسے ابھی شبیر کے اس دوست کے پاس جانا تھا۔

☆☆☆

”مجھے آپ سے شبیر کے بارے میں بات کرنا ہے۔“ دوشی سے واپس آنے کے بعد اس دن ہارون اور نایاب کا پہلا باقاعدہ آسنا سامنا ہوا تھا۔ ہارون کچھ دیر پہلے ہی باہر سے آیا تھا اور نایاب سے اس کی ملاقات لاؤنج میں ہی ہو گئی تھی۔ ہارون نے ہمیشہ کی طرح پدرانہ شفقت سے مغلوب ہوتے ہوئے اسے گلے لگایا مگر نایاب نے گلے ملتے ہی اس سے شبیر کی بات کی۔ ہارون کا سارا جوش یکدم جھاگ کی طرح بیٹھ گیا۔ نایاب کو خود سے الگ کرتے ہوئے اس نے بہت غور سے اس کو دیکھا۔

”اندر چل کر بات کرتے ہیں۔“ اس نے نایاب کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔ وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے اب وہ ساری باتیں یاد کر رہا تھا جو اسے نایاب سے کہنا تھیں۔ وہ اسے اپنے ساتھ اپنے بیڈروم میں لے آیا۔ شائستہ پہلے ہی وہاں موجود تھی اور نایاب کو ہارون کے ساتھ آتا دیکھ کر وہ بھی کچھ چونک گئی تھی۔

”بیٹھو بیٹا!“ ہارون نے اس سے بہت نرمی سے کہا۔ نایاب بے تاثر چہرے کے ساتھ صوفہ پر بیٹھ گئی۔ شائستہ موبائل پر کسی سے بات کر رہی تھی۔ اس نے بات کرتے کرتے اچانک فون بند کر دیا۔

”شبیر کے بارے میں تمہاری می نے تم سے بات کی ہوگی۔“ ہارون نے اس کے پاس صوفہ پر بیٹھے ہوئے کہا۔

”ہاں کی تھی اور مجھے می کی کسی بات پر یقین نہیں آیا میں سب کچھ آپ سے سنتا چاہتی ہوں۔“ اس نے بلا جھجک کہا۔ شائستہ کے ماتھے پر کچھ لکیریں ابھریں۔ ہارون نے ایک نظر شائستہ کو دیکھا اور پھر نایاب سے کہا۔

”مگر تمہاری می نے کچھ بھی جھوٹ نہیں کہا ہے یہ سب کچھ ایسے ہی ہوا تھا صرف ہم لوگوں نے تم دونوں سے یہ بات چھپائی۔“ نایاب نے ہارون کی بات کاٹ دی۔

”پاپا میرے ساتھ می کی طرح absurd باتیں نہ کریں میں منہ اٹھا کر اس طرح اچانک کسی لاکے کو اپنا بھائی نہیں مان سکتی نہ ہی لوگوں کو آپ کی ساری وجوہات پیش کر سکتی ہوں۔ لوگ نہیں گے مجھ پر اور آپ پر بھی اگر یہ سب ایسا ہے جیسے آپ

کہہ رہے ہیں تو بھی آپ شبیر کو وہیں رہنے دیں جہاں وہ ہے اس کی مانی مدد کریں۔

کسی اور طریقہ سے اس کو سپورٹ کریں مگر یہ پینڈورا باکس مت کھولیں جو آپ کھولنا چاہتے ہیں۔“

وہ بتا کسی لحاظ کے بول رہی تھی اور اس کے ہر جملے پر شائستہ کے چہرے کے تاثرات تبدیل ہو رہے تھے۔ ہارون کمال نے چند بار شائستہ کو دیکھا مگر وہ اس کی طرف متوجہ نہیں تھی وہ نایاب کو گھور رہی تھی جو مسلسل بول رہی تھی۔

”میں نے اسد سے بات کی ہے اور وہ چند دنوں تک پاکستان آ رہا ہے۔“ نایاب نے ایک اور انکشاف کیا۔

”میری طرح اسے بھی ان میں سے کسی بات پر یقین نہیں آیا۔ اور وہ تو سرے سے یہ ماننے پر ہی تیار نہیں ہے کہ شبیر ہمارا بھائی ہو سکتا ہے یا آپ لوگوں کا کوئی بچہ کبھی تم ہوا تھا اور پاپا! آپ یہ بات ابھی طرح جان لیں کہ میں وہی کروں گی جو اسد مجھ سے کہے گا میں اس معاملے میں اسد کے ساتھ ہوں آپ لوگ شبیر کو اس گھر میں لائے تو ہم دونوں یہ گھر چھوڑ کر چلے جائیں گے۔ ورنہ دوسری صورت وہی ہے جو میں نے آپ کو بتائی ہے۔“ وہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ہارون یا شائستہ میں سے کسی نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ ہارون شائستہ کو دیکھ رہا تھا۔ نایاب نے ماں باپ پر ایک آخری نظر ڈالی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

ٹرنے گھر آنے پر گھر کا دروازہ کھلا ہوا پایا تھا وہ کچھ حیران سا اندر داخل ہوا۔ صحن میں داخل ہوتے ہی اس نے صحن کے وسط میں تخت پر بیٹھی فاطمہ کو دیکھ کر اس نے سر جھکا لیا۔

”امی! یہ دروازہ کیوں کھلا ہوا ہے؟“ ٹرنے پلٹ کر دروازے کا بولٹ چڑھاتے ہوئے کہا

”آپ کو اندازہ نہیں ہے اس طرح کوئی بھی اندر آ سکتا ہے۔“

وہ فاطمہ کی طرف آتے ہوئے بولا اور تب قریب آنے پر اس نے پہلی بار فاطمہ کے چہرے پر غور کیا وہ اس وقت اگرچہ رو نہیں رہی تھی مگر اس کی متورم آنکھیں کسی کو بھی یہ بتا سکتی تھیں کہ وہ رو رہی ہے۔

”کیا ہوا؟“ ٹرنے اختیار پریشان ہو کر فاطمہ کے پاس آیا۔

”کچھ نہیں۔“ فاطمہ کی آواز جیسے کسی کھائی سے آئی تھی۔

”آپ مجھ سے کچھ چھپا رہی ہیں؟“ وہ فاطمہ کے چہرے کو دیکھتے ہوئے بولا۔

”نہیں میں کچھ نہیں چھپا رہی بس طبیعت خراب ہے میری۔“ فاطمہ نے اسی طرح سر جھکائے ہوئے کہا۔ ٹرنے آگے

بڑھ کر فاطمہ کی کھائی تمام لی۔

”بخار تو نہیں ہے پھر کیا ہوا؟“

”میرے سر میں درد ہے۔“ فاطمہ نے اس سے اپنی کھائی چھڑاتے ہوئے کہا۔ اس کی یہ توجہ اس وقت اس کے دل کو چیر

رہی تھی۔

”کیا سب کچھ جان جانے پر بھی یہ میرے لیے اسی طرح پریشان ہوگا۔“ اس نے اپنے دل میں سوچا۔

”سر میں درد ہے تو ٹیبلٹ لے لیتیں اور اندر جا کر لیٹ جاتیں یہاں صحن میں بیٹھنے کی کیا تک ہے۔“ اس نے ماں کو

جیسے جھڑکا۔

”میں شبیر کا انتظار کر رہی ہوں۔“ فاطمہ کے منہ سے بے اختیار نکلا۔ ٹرنے حیران ہو کر فاطمہ کو دیکھا۔ رات ابھی اتنی

زیادہ نہیں ہوئی تھی کہ وہ اس طرح شبیر کے انتظار کے لیے بیٹھ جاتی اور خود وہ بھی تو ابھی چند لمبے پہلے ہی گھر آیا تھا۔ پھر صرف

شبیر کا انتظار کیا معنی رکھتا تھا۔

”شبیر بھائی تو آنے والے ہی ہوں گے۔ مگر آج ان کا انتظار کرنے کی کوئی خاص وجہ ہے پہلے تو اس وقت آپ کبھی ان

کے انتظار میں نہیں بیٹھیں۔“ اس کے سوال کا جواب دینے کے بجائے فاطمہ یک دم اٹھ کر اندر کمرے میں چلی گئی۔ ٹرنے حیرانی

مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا، سیردنی دروازے پر ہلکی سی دستک ہوئی۔ ٹرپلٹ کر دروازے کی طرف گیا اور اس نے دروازہ کھول دیا۔ باہر شبیر کھڑا تھا۔ دروازہ کھلنے پر وہ خاموشی سے اندر آ گیا۔ فاطمہ کے تاثرات نے اگر ٹر کو چونکا یا تھا تو شبیر کے تاثرات نے اسے پریشان کر دیا تھا۔ اس نے شبیر کو کبھی اس طرح بی بیو کرتے نہیں دیکھا تھا۔ شبیر ایک لفظ کے بغیر برق رفتاری سے اپنے کمرے کی طرف گیا۔ ٹر نے دوسرے کمرے کے دروازے پر فاطمہ کو کھڑا دیکھا جو اپنے آنسوؤں پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔

شر حیرانی سے ان دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ ”کیا ان دونوں کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا ہے؟“ ان دونوں کا رد عمل بتا رہا تھا کہ واقعی ایسا ہی ہوا تھا۔ اور اگر یہ ہوا ہے تو ٹر کے نزدیک یہ دنیا کا عجیب ترین واقعہ تھا کیونکہ اس نے اپنی زندگی میں کبھی شبیر اور فاطمہ کے درمیان کوئی اختلاف ہوتے نہیں دیکھا تھا۔ یا تو فاطمہ بلا جوں چرا شبیر کی بات مانتی تھی یا پھر شبیر اس کی ہاں میں ہاں ملاتا رہتا تھا۔ مگر کسی بات پر جھگڑا اور اس طرح کا جھگڑا کہ ان کے درمیان بول چال بند ہونے کی نوبت آئے۔ یہ اس نے اپنے ہوش میں نہیں دیکھا تھا۔ لیکن اب ”کچھ“ ہو چکا تھا۔

شبیر نے کمرے میں داخل ہوتے ہی کمرے کا دروازہ بند کر لیا تھا۔ فاطمہ وہیں دوسرے کمرے میں کھڑی اس کے کمرے کے دروازے پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔

”آپ دونوں کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا ہے؟“ ٹر نے پاس آ کر آہستہ آواز میں فاطمہ سے پوچھا۔

”تم اس سے کھانے کا پوچھو۔“ فاطمہ نے جواب دینے کے بجائے کہا۔

”آپ پہلے یہ بتائیں کہ کیا آپ دونوں کا آپس میں جھگڑا ہوا ہے؟“ ٹر بغیر ہنستا ہوا پوچھا۔

”ہاں۔“ فاطمہ نے شکست خوردہ لہجے میں کہا۔

”واقعی؟“ ٹر کو اب بھی یقین نہیں آیا۔ فاطمہ پلٹ کر کمرے میں چلی گئی۔

ٹر نے شبیر کے کمرے کے دروازے پر دستک دی..... اس کی پہلی دستک پر ہی اندر سے شبیر نے بڑی درشتی سے کہا۔

”کیا ہے؟“ ٹر کو بھائی کا یہ لب و لہجہ سن کر جیسے ایک جھٹکا لگا۔

وہ اس طرح بات کرنے کا عادی نہیں تھا، پھر اب اسے کیا ہوا تھا۔

”شبیر بھائی! کھانا لے آؤں۔؟“

”مجھے بھوک نہیں ہے اور تم دوبارہ میرے دروازے پر دستک مت دینا۔“ شبیر نے کڑھکی سے کہا۔ ٹر چند لمحے خاموش کھڑا سوچتا رہا پھر دوسرے کمرے میں آ گیا۔

”شبیر بھائی تو کھانا نہیں کھا رہے ہیں آپ کے لیے کھانا لے آؤں۔“ اس نے اندر آ کر فاطمہ سے پوچھا۔

”نہیں! مجھے بھی بھوک نہیں ہے۔ تم کھاؤ۔“ فاطمہ اپنے بستر پر لیٹ گئی۔ ٹر باہر جانے کے بجائے آگے بڑھا اور فاطمہ کے بستر پر اس کے ساتھ لیٹ گیا اس نے ننھے بچوں کی طرح فاطمہ کے گرد اپنا ایک بازو جمائل کر دیا، فاطمہ کو بے اختیار رونا آیا۔

کتنے لمحے باقی رہ گئے تھے اس کے اس لاڈ پیار کو وصول کرنے کے۔

”ٹر جاؤ جا کر اپنے بستر میں سوؤ۔“ فاطمہ نے بھرائی ہوئی آواز میں اس کے بازو کو ہٹانے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

”کیسے سوؤں؟“ شبیر بھائی نے کہا ہے کہ میں دوبارہ دروازے پر دستک نہ دوں اس لیے آج تو مجھے ادھر ہی سونا پڑے گا۔“ اس نے اطمینان سے کہا۔

”پھر تانیہ کے بستر پر جا کر سو جاؤ۔“

”نہیں! میں ادھر ہی سوؤں گا آپ کے ساتھ۔“ وہ جیسے ماں کو بہلانے کی کوشش کر رہا تھا۔ فاطمہ کا دل چاہ رہا تھا وہ اس سے پلٹ کر دھاریں مار مار کر رونے لگے۔ کم از کم اس وقت اس کا یہ لہس اس کے لیے ناقابل برداشت تھا۔

وہ شہیر کی طرح اسے بھی سب کچھ بتا دینا چاہتی تھی، مگر وہ اسے اس حالت میں کیسے سب کچھ بتا سکتی تھی۔ جب وہ محبت سے اس کا سراں طرح سہلارہا تھا جیسے وہ کوئی ننھی چچی ہو۔

”چھوڑیں امی! اب یہ رونا دھونا بند کریں۔ صبح ہوگی تو..... شہیر بھائی کا غصہ خود ہی اتر جائے گا۔ آپ دیکھئے گا وہ کتنا شرمندہ ہوں گے۔“ وہ اب اس کے آنسو پونچھتے ہوئے لاپرواہی سے کہنے لگا۔ فاطمہ بہت دیر تک بھیگی آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھتی رہی۔

وہ اس کا اپنا بیٹا ہوتا تو اسے اس پر کتنا ناز ہوتا۔ اور اب وہ اسے دیکھ رہی تھی تو اس کے انداز میں کوئی استحقاق نہیں تھا۔ وہ جن کا بھی بیٹا تھا وہ ماں باپ واقعی بد قسمت تھے، جنہوں نے اسے یوں چھوڑ دیا اگر آج اتنے سالوں بعد وہ اسے دیکھتے تو کبھی چھوڑ دینے کا نہیں سوچتے۔ اس کے دل میں عجیب جھنجھکی ہوئی۔

”اگر کبھی میں تم سے یہ کہوں ثمر! کہ میں تمہاری ماں نہیں ہوں تو؟“ فاطمہ کے دل میں اچانک پتا نہیں کیا آیا تھا۔ ثمر کا ہاتھ ایک لمحے کے لیے اس کے بالوں پر ٹھہر گیا۔ فاطمہ نے ”اس لمحے“ کو محسوس کیا۔ اس کے دل کی کوئی دھڑکن مس ہوئی تھی۔ وہ اب بے حد شنیدگی سے اس کو دیکھ رہا تھا۔

”پھر میں آپ سے کہوں گا کہ میں یہ پہلے ہی جانتا تھا۔“ فاطمہ کا دل دھڑکنا بھولا تھا، پھر اسے یاد آیا وہ کس طرح ہر بات کو مذاق میں اڑانے کا عادی ہے وہ اس وقت بھی یہی کر رہا تھا۔ اس کے بالوں پر اس کا ہاتھ پھر گردش میں تھا۔ ثمر نے اب اس کے چہرے سے نظریں ہٹائی تھیں۔ فاطمہ اس سے جواب نہیں پاسکتی تھی۔ ثمر کس طرح کارڈ عمل کرے گا وہ اندازہ نہیں کر سکی۔ ایک نئے خوف نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا۔

## ستائیسواں باب

منصور علی، ہارون کمال کے سامنے بیٹھا سے گھور رہا تھا۔ ہارون ابھی کچھ دیر پہلے ہی اپنے وکیل کے ساتھ ٹیکسری کے آفس میں داخل ہوا تھا۔ منصور پچھلے آدھ گھنٹے سے اپنے وکیل کے ساتھ وہاں بیٹھا اس کا انتظار کر رہا تھا اور اب جب وہ آ کر اطمینان کے ساتھ اس کے سامنے بیٹھ گیا تھا تو منصور کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ہارون کا گریبان پکڑ لے۔

وہ اس وقت واقعی ڈھنکائی اور بے شری کی سب سے اونچی سطح پر تھا۔ جہاں پر وہ صرف ایک ایسا مرد تھا جس کی چیتھی بیوی ایک "سازش" کے تحت اس سے جدا کر دی گئی تھی۔ جس کا بزنس اس کا پانچواں اس کی اپنی بیوی کے کہنے پر اسے تباہ کرنے پر ل گیا تھا۔ اس کے دل میں ہارون کمال کو اپنی کم عمر بیٹی کے شوہر کے طور پر دیکھ کر کوئی غصہ، کوئی نفرت پیدا نہیں ہو رہی تھی۔ اگر یہ دونوں جذبات پیدا ہو بھی رہے تھے تو امبر کے خلاف..... جو اسے تباہ کرنے پر تل گئی تھی۔ اور ہارون اسے امبر کے ہاتھ ایک ہتھیار کے علاوہ اور کچھ نظر نہیں آ رہا تھا۔

"ہارون کمال صاحب نے....." ہارون کمال کے وکیل نے اپنی نشست سنبھالتے ہی رسمی علیک علیک کے بعد کہنا شروع کیا، مگر منصور نے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں ہارون سے اکیلے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔" منصور نے درستی سے کہا۔

"تم مجھے اکیلا سمجھو۔" ہارون نے اپنے وکیل کے کچھ کہنے سے پہلے ہی کہا۔ منصور کو اس کا اطمینان کانے کی طرح چھما۔

"میں ان دونوں وکیلوں کے ساتھ کوئی ذاتی معاملہ ڈسکس کرنا نہیں چاہتا۔ میں اپنی اور تمہاری عزت اچھالنا نہیں

چاہتا۔" منصور نے دانت پیٹتے ہوئے کہا۔

"یہ اچھی بات ہے۔" ہارون نے سر ہلایا اور پُر سکون انداز میں کہا۔

"میرے اور تمہارے درمیان ویسے بھی کوئی ذاتی معاملات نہیں ہیں، صرف کاروباری معاملات ہی ہیں اور میں انہیں بھی

ختم کر دینا چاہتا ہوں اور میں نہیں سمجھتا کہ کاروباری معاملات ختم کر دینے سے تمہاری یا میری عزت کو خطرہ ہوگا۔"

منصور نے اپنے اور اس کے وکیل پر ایک نظر ڈالی اور پھر جیسے کسی فیصلے پر پہنچنے ہوئے کہا۔

"نیک ہے اگر تمہیں اپنی عزت کی پروا نہیں ہے تو پھر مجھے بھی نہیں ہونا چاہیے۔ میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم یہ

سب کس کے اشارے پر کر رہے ہو۔"

"کس کے اشارے پر کر رہا ہوں؟" ہارون نے اسی انداز میں پوچھا۔

"امبر کے اشارے پر۔" منصور نے جیسے ہم اس کے سر پر پھوڑا۔ ہارون کا جسم ایک لمحہ کے لیے تن گیا۔

"کون امبر؟" اس نے صرف ایک ساعت کا توقف کر کے کہا۔ کمرے میں بیٹھے دونوں وکیلوں کے چہروں پر حیرت کے

تاثرات در آئے۔

"تمہاری دوسری بیوی۔" منصور نے زہریلے انداز میں کہا۔

”تہارا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ ہارون نے کہا۔

”میری صرف ایک ہی بیوی ہے اور اس کا نام شائستہ ہے۔“ ہارون نے کاٹ کھانے والے انداز میں کہا۔  
 ”تم نے دوسری شادی کر لی ہے تو تم سمجھ رہے ہو پوری دنیا تمہارے نقش قدم پر چلنے لگی۔“ وہ لڑکی آج باپ کو تباہ کر  
 رہی ہے، کل تمہیں بھی تباہ کر دے گی ہارون!۔“ منصور نے جیسے ہارون کی بات نہیں سنی تھی۔ ”تم اگر یہ سمجھ رہے ہو کہ اس نے  
 تمہاری محبت میں گرفتار ہو کر تم سے شادی کی ہے تو یہ تمہاری بھول ہے۔ وہ مجھے تباہ کرنے کے لیے تمہاری بیوی بنی ہے۔“  
 ”تم کیا بکواس کر رہے ہو؟“ ہارون نے بلند آواز میں اس کی بات کاٹی۔

میں نے کسی امبر کے ساتھ نہیں شادی نہیں کی ہے۔ یہ سب تمہارا اور تمہاری بیٹی کا ذاتی مسئلہ ہے۔ میں اگر تمہارے  
 ساتھ پازنٹریپ ختم کر رہا ہوں تو میرے پاس اس کے لیے بہت ٹھوس اور ذاتی وجوہات ہیں۔“  
 ”تم مجھے دھوکا نہیں دے سکتے ہارون! مجھ سے جھوٹ نہیں بول سکتے۔“ منصور نے تیزی سے کہا۔ ”میں نے خود تمہارے  
 قہقہے پر اس کے کپڑے اور اس کی چیزیں دیکھی ہیں، میں جانتا ہوں وہ وہیں رہ رہی ہے، میں نے اس وقت ان چیزوں کو  
 نہیں پہچانا تھا، مگر اب میں جان گیا ہوں کہ وہ چیزیں مجھے کیوں مانوس لگ رہی تھیں۔ میں جانتا ہوں تم نے امبر سے شادی کر لی  
 ہے اور وہ وہیں رہ رہی ہے۔“

ہارون کمال چند لمحوں کے لیے کچھ نہیں بول سکا۔ وہ پلکیں جھپکائے بغیر، بالکل ساکت منصور کو دیکھ رہا تھا، جو اسی انداز  
 میں سرخ چہرے کے ساتھ اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالے ہوئے تھا۔ دونوں وکیل بکا بکا ان دونوں کو دیکھ رہے تھے، وہ کم از  
 کم اس سب کی توقع کر کے وہاں نہیں آئے تھے۔

”تم سے بات کرنا بیکار ہے۔ میں سمجھتا تھا کہ ہم آنے سانسے بیٹھ کر ان معاملات کو حل کر لیں گے، مگر میرا خیال ہے کہ  
 اب میرا وکیل ہی تم سے رابطہ رکھے تو بہتر رہے گا۔“ ہارون کمال ایک دم اپنی کرسی سے اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ منصور بھی اسی برق  
 رفتاری سے اٹھ کر کھڑا ہوا۔

”تم اس طرح مجھ سے بات کیے بغیر نہیں جا سکتے۔“

”تم مجھے کیسے روک سکتے ہو؟“ ہارون دو بدو بولا۔

”اس ٹیکنی میں میرا رویہ اور محنت لگی ہے تم اس طرح مجھے اس سے بے دخل نہیں کر سکتے۔“

”ٹھیک ہے نہیں کرتا پھر تم خرید لو اسے... میرے شیئرز بھی لے لو۔“ ہارون نے اسی انداز میں کہا۔ ”اور مجھے پوری

اواٹھائی کر دو۔“

”تم جانتے ہو میں فوری طور پر یہ بھی نہیں کر سکتا۔“ ”میرے لیے اتنی رقم کوئی معنی نہیں رکھتی۔“ ہارون نے کندھے

اچکاتے ہوئے کہا۔

”ہارون ایک دفعہ پھر سوچو... تم امبر کی باتوں...“ منصور نے اپنی آواز کو کچھ دھیمّا کرتے ہوئے کہا۔ مگر ہارون نے اسے

بات مکمل کرنے نہیں دی۔

”شٹ اپ... اب امبر کا نام میرے سامنے مت لیتا... تم اپنا ذہنی توازن کھو چکے ہو، اس لیے خواہ مخواہ اپنی بیٹی کو میرے

گلے ڈال رہے ہو۔ اگر تمہارا یہ خیال ہے کہ اس طرح تم ٹیکنی حاصل کر لو گے تو یہ تمہاری بھول ہے۔“ ہارون نے تیر آواز میں

کہا اور پھر مزید کچھ کہے بغیر دروازہ کھول کر باہر چلا گیا۔ منصور ہونٹ کانٹتے ہوئے بند دروازے کو دیکھتا رہا۔

☆☆☆

صحنہ نے ہاتھ میں پکڑا کارڈنیمیل کے دوسری طرف بیٹھے نوجوان آدمی کی طرف بڑھا دیا۔ وہ اس وقت ایک سے وکیل

کے چیئر میں بیٹھی ہوئی تھی۔

”مجھے شبہ تو بان نے آپ کے پاس بھیجا ہے۔“ صحنہ نے اس شخص سے کہا۔ جس پر اس نے کارڈ پر سرسری سی نظر



ذالی، پھر اسے اپنی ٹیبل پر رکھتے ہوئے صبح سے پوچھا۔  
”آپ کیالیسی؟ چائے یا سوئٹ ڈرنک؟“

”نہیں کچھ نہیں۔“ صبح نے جواباً مسکرانے کی کوشش کی۔ وہاں کوئی آئینہ نہ ہونے کے باوجود اسے یقین تھا کہ وہ اس کوشش میں کامیاب نہیں ہوئی ہے۔ اس آدمی نے میز کے نیچے کسی بٹن کو دبایا تھا، ایک دوسرا شخص اندر داخل ہوا۔  
”دوسوٹ ڈرنک لے آؤ۔“

اس نے آنے والے شخص سے کہا، یہ جیسے صبح کے انکار کا رد عمل تھا۔ جب اندر آتے والا شخص دوبارہ باہر نکل گیا تو اس نے بات شروع کی۔

”دیکھیں، میں کوئی قانونی کارروائی کرنا نہیں چاہتی ہوں، میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتی۔“ اس نے اپنے پہلے ہی جملے پر سامنے بیٹھے ہوئے شخص کے ماتھے پر چند لکیروں کو نمودار ہوتے دیکھا۔ صبح نے اس کے تاثرات کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔

”میں صرف اپنی بہن سے رابطہ کرنا چاہتی ہوں۔ اس کی خیریت جاننا چاہتی ہوں، میں اس کے علاوہ اور کچھ نہیں چاہتی۔“ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتی اس نے ٹیبل پر بڑا کارڈ اٹھا کر اس پر بھر سے ایک نظر ڈالی اور صبح سے کہا۔  
”آپ کو شہیر ٹوبان سبج نے ہی بھیجا ہے؟“ وہ اس کا سوال نہیں سمجھ سکی۔ کچھ دیر ہو توئی نظروں سے اسے دیکھنے کے بعد اس نے پوچھا۔

”ہاں... کیوں؟“

”کچھ نہیں... مجھے لگتا ہے کوئی کنفیوژن ہے۔“ وہ آدمی جیسے بڑبڑایا۔

”خیر آپ کیا بتا رہی تھیں؟“ اس نے پوچھا اور اپنے سامنے میز پر ایک رائٹنگ پیڈ کھول کر چین ہاتھ میں لے لیا۔  
”لیکن ٹھہریں، پہلے آپ مجھے اپنی بہن کے بارے میں تفصیل سے بتائیں۔ کیونکہ شہیر نے مجھ سے ایسے کسی معاملے کے بارے میں بات نہیں کی تھی۔ اس نے بس یہ کہا تھا کہ آپ کو جاب کو ضرورت ہے اور میرے پاس ایک ریپنٹنٹ کی ویکینسی تھی۔“

صبح بے اختیار شرمندہ ہوئی، اس کا جی چاہا وہ پلک جھپکتے وہاں سے غائب ہو جائے۔ تو شہیر نے وہ کارڈ صرف جاب کے حوالے سے دیا تھا۔ اسے یاد آیا، اس کے ساتھ اس روز ہونے والی ملاقات میں اس نے کہا تھا کہ وہ جاب کے سطلے میں اس کی مدد کرے گا اور یقیناً اس نے اتنے دنوں میں یہی کیا تھا اور وہ... اسے یقین نہیں آیا کہ وہ زندگی میں اتنی بڑی حثات کر سکتی تھی۔ مگر وہ کراچی تھی۔

مزید ایک لفظ کہے بغیر اس نے اپنا بیگ اٹھایا اور اٹھ کر کھڑی ہو گئی۔

”کیا ہوا؟“ اس نے حیرانی سے کہا۔

”کچھ نہیں، مجھے کچھ غلط نہیں ہو گئی تھی۔“ صبح نے معذرت خواہانہ انداز میں کہا۔

”آپ پلیز بیٹھے۔“ وہ ایک لمبے میں اس کی شرمندگی بھانپ گیا۔

”ٹھیک ہے، شہیر نے آپ کی جاب کے لیے کہا تھا مگر میں اس معاملے میں بھی آپ کی مدد کر سکتا ہوں۔“

”نہیں شکر یہ... میں نے آپ کو زحمت دی۔“

”آپ امبر منصور علی کی بہن ہیں؟“ اس کے اگلے جملے نے صبح کے باہر جاتے قدموں کو یک دم روک دیا۔  
اس نے حیران ہو کر اس آدمی کو دیکھا۔

آپ... آپ امبر کو کیسے جانتے ہیں؟“

”ان کا ہمارے گھر آنا جانا تھا... میری بہن کی دوست تھیں... فرح شعیب۔“ اس نے اپنی بہن کا نام لیا۔

صنف کی سمجھ میں نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ باہر جائے یا دوبارہ بیٹھ جائے۔ فرح، امبر کی اچھی دوستوں میں سے ایک تھی۔  
 ”پلیز نہیں۔“ اس بار اس نے کھڑے ہو کر بڑے مہذب انداز میں کرسی کی طرف کی اشارہ کرتے ہوئے کہا۔  
 صنف بادل نخواستہ بیٹھ گئی۔ آج کا دن واقعی بہت برا تھا۔ ایک کے بعد ایک برے اتفاقات ہو رہے تھے۔  
 ”مجھے آپ کا چہرہ جانا پہچانا لگ رہا تھا۔“ وہ کہنے لگا۔ ”امبر کو ایک دوبارہ میں فرح کے ساتھ ڈراپ کرنے گیا تھا، وہیں  
 شاید آپ کو دیکھا ہوگا، یا پھر آپ کی امبر کے ساتھ بہت مشابہت ہے اس لیے مجھے امبر کا خیال آیا۔ آپ شہیر کی رشتے دار  
 ہیں؟“

اس نے بات کرتے کرتے اچانک پوچھا۔

”جی...؟“ وہ چونکی۔

شہیر کہہ رہا تھا کہ آپ اس کی رشتہ دار ہیں۔“ اس آدمی نے کہا۔

”جی دور کے۔“

”ہاں وہ بھی یہی کہہ رہا تھا۔“ اس نے سرسری انداز میں کہا۔

”آپ کی فیملی پر آنے والے کرانٹس سے میں واقف ہوں، فرح نے مجھے بتایا تھا کہ آپ کے والد نے دوسری شادی کر  
 لی، اور پھر اس کے بعد آپ لوگوں کے ساتھ اچھا نہیں کیا۔“ وہ تفصیلاً بتانے لگا۔

”ہیں ذاتی طور پر بہت دکھ ہوا تھا۔ فرح نے بعد میں کئی بار امبر سے رابطہ کرنے کی کوشش کی مگر ناکام رہی۔

مجھے اندازہ نہیں تھا کہ صورت حال اتنی خراب ہو گئی ہے کہ آپ کو اس طرح جاب ڈھونڈنی پڑ رہی ہے۔“

صنف کو یقین تھا کہ اسے واقعی افسوس ہوا ہوگا، مگر اسے اس وقت اس کو امبر کے بارے میں سب کچھ بتانا اور شرم ناک  
 تھا۔ اور اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ وہ اس سے مدد لیتی۔ وہ اب واقعی بری طرح پچھتا رہی تھی کہ اس نے شہیر سے مدد لینے کا  
 سوچا ہی کیوں۔

”میرا نام تو آپ جانتی ہی ہیں ولید شعیب... آپ یہ سمجھیں کہ آج اس وقت اپنے بھائی سے بات کر رہی ہیں۔“ اس کا  
 انداز اس بار ہمدردانہ تھا۔

”آپ بتائیں میں آپ کے لیے کیا کر سکتا ہوں؟“ صنف نے ایک نظر اسے دیکھا پھر کمرے کے اندر سوٹ ڈرنگس  
 لانے والے فضل کو۔ صنف اپنے سامنے رکھے سوٹ ڈرنگ کو دیکھتی رہی۔ وہ بات کا آغاز کرنے کے لیے ہمت اکٹھی کرنے کی  
 کوشش کر رہی تھی۔

”آپ ہماری فیملی کو جانتے ہیں تو آپ ہارون کمال کی فیملی کو بھی جانتے ہوں گے۔“ اس نے بالآخر اپنی ساری ہمت  
 جمع کر کے پوچھا۔

”بہت اچھی طرح سے۔“ ولید نے کہا۔ ”نہ صرف میں بلکہ میرے قادر بھی۔“ اگلا جملہ بولتے ہوئے صنف نے ولید سے  
 نظریں چرائیں۔

”امبر نے ان سے شادی کر لی ہے۔“

”ان کے بیٹے اسد سے؟“

ولید نے بڑی روانی سے پوچھا۔ صنف چپ کی چپ رہ گئی۔ اس کی خاموشی نے ولید کو کچھ غلط ہونے کا سگنل دیا۔ وہ کچھ  
 دیر خاموش رہ کر جیسے اپنے لفظوں کو توڑتا رہا۔ صنف اب بھی سیمیل پر نظریں جمائے ہوئے تھی۔

”ہارون کمال سے؟“ صنف نے اس وفد بھی سر نہیں اٹھایا۔

ولید کو جواب کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ کچھ دیر خاموش رہ کر جیسے اپنی حیرت پر قابو پانے کی کوشش کرتا رہا۔

”یہ سب کب ہوا؟“

”کچھ دن پہلے۔“ صبغہ نے مدہم آواز میں کہا۔ ”اور امبر نے گھر سے جانے کے بعد اتنے دنوں میں ایک بار بھی ہم سے رابطہ نہیں کیا۔ ہم لوگ بہت پریشان ہیں۔“

آپ لوگوں کی مرضی سے شادی ہوئی تھی؟“

”نہیں۔“

”تو پھر وہ کیوں آپ سے رابطہ کریں گی۔ آپ لوگ کچھ دن اور انتظار کریں۔ یا پھر خود کسی کے ذریعے اس سے رابطے کی کوشش کریں۔ مگر مجھے یہ سب سن کر بہت افسوس ہوا ہے۔۔۔ امبر اور ہارون کمال...“

وہ ایک گہری سانس لے کر خاموش ہو گیا۔ صبغہ نے اس کی بات پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔

”ہمارے پاس اس سے رابطے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔ اس کے پاس موبائل نہیں ہے اور ہم ہارون کمال سے تو اس کے بارے میں بات نہیں کر سکتے۔“ صبغہ نے قدرے بے چارگی سے کہا۔

”کیوں نہیں کر سکتے...“ ولید نے سنجیدگی سے کہا۔

”اسے فون کر کے اپنی بہن کے بارے میں پوچھنے میں کیا حرج ہے؟“ صبغہ نے ابھی ہوئی نظروں سے اسے دیکھا۔

”خیر! یہ کام میں بھی کر سکتا ہوں۔“ ولید نے اچانک کچھ سوچتے ہوئے کہا اور نیل پر پڑے وزیٹنگ کارڈز کے ایک ڈمیر کو تیزی سے اٹھنے پھینکنے لگا۔

”میرے پاس ان کا وزیٹنگ کارڈ ہے۔ صبغہ جان گئی کہ وہ کیا ڈھونڈ رہا ہے۔“

”اچھا حدی ذرا!“ ولید نے ان کارڈز سے ہاتھ ہٹالیا۔ صبغہ نے اپنا بیگ کھول کر اندر رکھے کچھ کارڈز میں سے ایک کارڈ ولید کی طرف بڑھا دیا۔

”میں اپنا تعارف کروائے بغیر آپ کے حوالے سے ان سے بات کروں گا اور امبر کے بارے میں پوچھوں گا۔“

ولید نے ایک نمبر ڈائل کرتے ہوئے صبغہ سے کہا۔

”کیا یہ کہہ دوں کہ میں آپ کا وکیل ہوں؟“

”نہیں، آپ کے پاپا اور ہارون کمال کی تو آپس میں کوئی پارٹنرشپ ہے۔“ ولید واقعی بہت کچھ جانتا تھا۔

”پھر...؟“ صبغہ کی سمجھ میں نہیں آیا۔

”میں یہ کہتا ہوں کہ میں آپ کا وکیل ہوں اور امبر سے بات کرنا چاہتا ہوں۔“ ولید نے جیسے پلک جھپکتے میں طے کیا اور دوبارہ نمبر ڈائل کرنے لگا۔ صبغہ دھڑکتے دل کے ساتھ اس کا چہرہ دیکھتی رہی، چند لمحوں کے بعد دوسری طرف سے کسی نے کال ریسیو کی۔

”ہیلو...!“ ولید نے کہا۔

”میں ظفر حیات بول رہا ہوں۔“ اس نے دانستہ طور پر اپنا نام غلط لیا۔

”میں صبغہ منصور علی اور ان کی فیملی کی طرف سے آپ کے خلاف کیے جانے والے ایک کیس کی جیروڈی کر رہا ہوں۔ اور اس سلسلے میں امبر منصور علی سے بات کرنا چاہتا ہوں کیونکہ...“

دوسری طرف سے کچھ کہا جا رہا تھا کیونکہ ولید یک دم بات کرتے کرتے خاموش ہو گیا۔ وہ اب دوسری طرف کی باتیں بڑے غور سے سن رہا تھا۔

”آپ نے امبر منصور علی کے ساتھ زبردستی شادی کی ہے اور امبر کی فیملی نے امبر کی برآمدگی کے لیے ایف آئی آر درج کروائی ہے۔“

ولید ایک بار پھر بات کرتے کرتے رک گیا، اور دوسری طرف سے آنے والی آواز سننے لگا۔ چند لمحوں کے بعد اس نے

ریسیور کھ دیا۔

”ہارون کمال نے فون بند کر دیا ہے۔ میں دوبارہ کال کروں گا بھی تو وہ ر۔۔۔ نہیں کر دے گا۔“ اس نے امبر کے بارے

میں کچھ کہا۔؟“ صنف نے بے تابی سے اس سے پوچھا۔

”اس نے کہا ہے کہ وہ کسی امبر منصور علی کو نہیں جانتا۔ اور آپ کی فیملی کے بارے میں یہ کہا کہ چونکہ وہ منصور علی کے ساتھ پانز شپ ختم کر رہا ہے، اس لیے منصور اسے جان بوجھ کر بلیک میل کرنے کی کوشش کر رہا ہے اور ایسی ساری کوششوں کا نت توڑ جواب دے گا۔“ ولید نے ہارون کی باتوں کو صنف کے سامنے دہرایا۔

”امبر اس کے پاس ہے... نہ ہوتی تو اب تک وہیں آگئی ہوتی... وہ امبر کے ساتھ شادی کر چکا ہے۔“ صنف نے بے

چارگی سے کہا۔

”یقیناً کر چکا ہوگا... پاپیہ بھی ہو سکتا ہے کہ فی الحال نہ کی ہو، کرنے کا ارادہ رکھتا ہو اور امبر اسی کے پاس ہو۔ مگر دونوں صورتوں میں وہ کبھی اعلان تو یہ نہیں کہے گا کہ امبر سے شادی کر چکا ہے۔ مجھے یقین ہے اس کی باقی فیملی کو اس شادی کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہوگا... کیا وہ کچھ جانتے ہیں؟“ ولید نے پوچھا۔

”پتہ نہیں... ہم لوگوں کو اس کے بارے میں کچھ پتہ نہیں... ہم لوگوں نے اس کو بہت روکا تھا، پھر جب وہ نہیں مانی تو می نے اسے گھر سے نکال دیا۔“

”مجھے یقین ہے کہ ہارون، امبر سے اس ساری گفتگو کا ذکر کرے گا اور وہ آپ لوگوں سے فوری طور پر رابطہ کرے گی، کیونکہ اگر یہ شادی خفیہ ہے تو ہارون تو افروز نہیں کر سکتا کہ اس کو اس قسم کے کسی کیس کا سامنا کرنا پڑے۔ میں اپنے کانٹیکٹ استعمال کروا کر یہ پتا کرتا ہوں کہ اس نے امبر کو کہاں رکھا ہوگا۔ مگر مجھے امید ہے کہ امبر اس سے پہلے ہی اس سارے معاملے پر بات کرنے کے لیے آپ کے پاس آئے گی۔“ ولید نے سنجیدگی سے کہا۔

”مگر اچھی خبر یہ ہے کہ آپ کے والد اور ہارون کی پانز شپ ختم ہو گئی ہے، آپ امبر کے بارے میں انہیں بتائیں تو وہ ہارون سے خود اس سلسلے میں بات کر لیں گے، بلکہ زیادہ اچھے طریقے سے کریں گے۔“

صنف اس سے کہہ نہیں سکی کہ وہ باپ کو یہ سب کچھ بتا چکی ہے اور باپ کا رد عمل وہ اب سمجھ رہی تھی، اسے اب اندازہ ہو گیا تھا کہ امبر کے خلاف وہ غبار ہارون کے ساتھ پانز شپ ٹوٹنے کی وجہ سے ہی نکالا گیا تھا۔ اسے خود اب اس میں کوئی شبہ نہیں رہا تھا کہ یہ پانز شپ ختم کروانے والی امبر ہی تھی۔ یہ ان دونوں کی شادی کا ثبوت تھا۔

”ہاں میں پاپا سے اس سلسلے میں بات کروں گی۔“ صنف نے جھوٹ بولتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

شمر کو اس صبح جلدی جانا تھا، وہ فاطمہ کو بتا کر گھر سے چلا گیا۔ شہیر خلاف معمول آفس جانے کے لیے نہیں اٹھا۔ وہ نو دس بجے کے قریب اپنے کمرے سے باہر آیا۔ فاطمہ اس وقت صحن میں بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ اپنے کپڑے لیے سیدھا ہاتھ روم میں چلا گیا۔ آدھ گھنٹہ کے بعد جب وہ نہا کر اپنے کمرے میں آیا تو فاطمہ ناشتہ تپائی پر رکھے اس کے انتظار میں بیٹھی تھی۔ شہیر کچھ کہے بغیر کرسی پر بیٹھ گیا اور تپائی اپنی طرف کھینچ کر اس نے ناشتہ کرنا شروع کر دیا۔

فاطمہ نے جیسے ایک دم اطمینان کا سانس کیا تھا۔ شمر ٹھیک کہہ رہا تھا اس کا غصہ ختم ہو رہا تھا۔ فاطمہ نے سوچا۔ وہ اس سے کوئی بات کرنا چاہتی تھی مگر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس وقت وہ اس سے بات کیسے شروع کرے۔ شہیر سر جھکائے تیز رفتاری سے ناشتہ کرنے میں مصروف تھا۔ اس سے پہلے کہ فاطمہ اس سے کچھ کہتی، باہر دروازے پر دستک سنائی دی۔ شہیر ناشتہ کرتے کرتے ٹھکانا۔ فاطمہ یک دم اٹھ کھڑی ہوئی۔

”تم بیٹو، میں دیکھتی ہوں۔“ اس نے کہا اور کمرے سے باہر آگئی۔ صحن کا دروازہ کھولتے ہی اسکے پیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی تھی۔ وہاں ایک عورت چند پولیس والوں کے ساتھ کھڑی تھی۔

☆☆☆

”تم فاطمہ ہو؟“ دروازے کے باہر کھڑی عورت نے فاطمہ کو سر سے سر تک دیکھتے ہوئے بڑے حکیمانہ انداز میں پوچھا۔  
 فاطمہ کو اپنی ناگہوں میں کپکپاہٹ محسوس ہوئی۔ اس عورت کا چہرہ اسے ششاساگ تھا مگر اسے یقین تھا اس نے اسے کبھی  
 کہیں نہیں دیکھا۔ پھر یہ احساس کیوں؟

اس نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ اس کی نظریں پیچھے کھڑے پولیس والوں پر جمی ہوئی تھیں۔ جلی کے بہت سے دروازوں  
 سے لوگ گردنیں نکال کر بڑے محسوس انداز میں ان پولیس والوں کو دیکھ رہے تھے۔ پولیس کا فاطمہ کے گھر کے دروازے تک آیا  
 ان کے لیے ایک عجیب واقعہ تھا۔

”بات اندر چل کر کریں یا یہیں بات کرنا پسند کر دی؟“ فاطمہ کے سر ہلاتے ہی اس عورت نے اسی انداز میں فاطمہ سے  
 پوچھا۔ فاطمہ کچھ کہنے کے بجائے بے اختیار دروازے کے سامنے سے ہٹ گئی۔ اس عورت نے ہلٹ کر پیچھے کھڑے پولیس  
 والوں سے کہا۔

”تم لوگ یہیں ٹھہرو ضرورت پڑی تو اندر بلوالوں گی۔“ اس سے بعد اس عورت نے فاطمہ کو کھل طور پر نظر انداز کرتے  
 ہوئے گھر کی چوکٹ کے اندر قدم رکھ دیا۔ لیکن اگلا قدم وہ نہیں اٹھا سکی۔ سامنے کمرے کے دروازے کے باہر شبیر کھڑا تھا۔ وہ  
 بے حس و حرکت تھا۔ شائستہ ہارون کمال بھی بے حس و حرکت تھی۔ صرف فاطمہ مختار کا وجود پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔ اس نے  
 ایک نظر باری باری شبیر اور شائستہ کو دیکھا۔ وہ دونوں اب اسے دیکھ رہے تھے۔ وہ ایک نظر میں جان گئی تھی کہ اسے شائستہ کا چہرہ  
 کیوں ششاساگ تھا۔ وہ شبیر کا چہرہ تھا۔ ایک دوسرے کے بالقابل کھڑے انہیں کسی کو یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ وہ ماں بیٹا  
 تھے۔ ان کا چہرہ ان کا تعارف کرواتا تھا۔

فاطمہ نے اپنے آپ کو بگولے کی طرح ان کے بیچ میں سے غائب ہوتے دیکھا۔ وہ یہ نہیں جانتی تھی کہ وہ شائستہ ہارون  
 کمال تھی مگر وہ یہ ضرور جانتی تھی، شبیر ڈوبان سبج کے لیے ہی آئی تھی۔ وہ اس کی ماں تھی۔  
 فاطمہ کچھ کہنے کے قابل نہیں رہی تھی۔

مالک اپنا سامان لینے آیا تھا۔ مالک کو پہچان تھی اور مالک کے پاس ثبوت تھا۔  
 شبیر نے ایک نظر شائستہ کو دیکھا پھر بولا۔ ”دروازہ بند کر دیں۔“ شائستہ جیسے چونکی، وہ چونکت پر کھڑی تھی۔  
 اس نے ہلٹ کر اپنے عقب میں کھلا دروازہ بند کر دیا۔

باہر سے اندر جھانکنے والے پولیس والوں کی نظروں سے سب کچھ اوجھل ہو گیا تھا۔ اندر موجود تینوں لوگوں کی نظروں میں  
 سب کچھ عیاں ہو گیا تھا۔

”میں شائستہ ہارون کمال ہوں۔“ شائستہ نے فاطمہ کی طرف گردن موڑ کر سرد آواز میں کہا۔ ”شبیر کی حقیقی ماں۔“  
 اس کے سامنے کھڑے دونوں افراد کے چہروں پر ایسا کوئی تاثر پیدا نہیں ہوا جس کی اسے امید تھی۔ نہ شبیر چونکا تھا نہ  
 فاطمہ چلائی تھی۔ شائستہ کو لگا وہ دونوں چنڈھوں کے لیے شاید بہرے ہو گئے تھے۔  
 ”میں شبیر، اپنے بیٹے کو لینے آئی ہوں۔“ اس نے اس بار دوبارہ اسی ڈرامائی انداز میں کہا۔ سامنے کھڑے دونوں افراد  
 کے چہروں پر اس بار بھی کوئی تاثر پیدا نہیں ہوا تھا۔ شائستہ کو لگا وہ اجس ہے۔  
 ”بہت سال پہلے...“ شائستہ نے کہا شروع کیا۔ اسے لگا تھا کہ اسے سب کچھ بتانا چاہیے۔ اس کی من مگرت کہانی من  
 پسند جموت ”بہت سال پہلے میں اور...“

”آپ پولیس کو ساتھ لے کر کیوں آئی ہیں؟“ اس کی کہانی بیچ میں ہی رہ گئی تھی۔ شبیر نے بڑے سرد لہجے میں اس کی  
 بات کائی تھی۔ شائستہ چند لمبے کچھ بول نہیں پائی، یہ سوال غیر متوقع تھا۔  
 ”شبیر! تم میرے بیٹے ہو اور...“ شائستہ نے کچھ کہا چاہا۔ شبیر نے اس کی بات کاٹ دی۔  
 ”میں جانتا ہوں مگر آپ پولیس یہاں کیوں لے کر آئی ہیں؟“

اس نے شبیر کے منہ سے غیر متوقع جملہ سنا تھا۔ کیا وہ جانتا تھا؟ کیا مطلب تھا اس کا؟ اسے کیسے پتہ چلا؟ کیا فاطمہ نے خود اسے پتہ چھپایا پھر..... شائستہ کے ذہن میں کیے بعد دیکرے سوال امنڈ رہے تھے۔

”اور اگر فاطمہ نے اسے خود سب کچھ بتایا ہے تو کس طرح بتایا ہے؟“ شائستہ کے دل کی دھڑکن ایک دم تیز ہو گئی۔

”آپ پولیس کو یہاں سے واپس بھیجیں اس کے بغیر بات ہو سکتی ہے۔“ شبیر اس سپاٹ لہجے میں بولا۔

”پولیس اس عورت کے لیے یہاں آئی ہے۔“ شائستہ نے فاطمہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”میں نے اس کے خلاف ایف آئی آر درج کروائی ہے کہ اس نے میرے بیٹے کو اغوا کر کے اتنے سال مجھ سے دور رکھا۔ میں نے تمہیں بتایا تھا کہ تمہیں پہلی بار دیکھتے ہی مجھے لگا کہ تم میرے بیٹے ہو اور تم واقعی میرے بیٹے ہو شبیر۔“

شائستہ نے شبیر کو جیسے یقین دلانے کی کوشش کی جو بے حد خاموشی سے اسے دیکھ رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتا فاطمہ نے لرزتی ہوئی آواز میں کہنا شروع کیا۔

”میں یہ جانتی ہوں کہ شبیر میرا بیٹا نہیں ہے مگر میں نے اسے اغوا نہیں کیا۔ میں نے اسے ایک یتیم خانے سے گود لیا ہے۔“

شائستہ نے تیز آواز میں اس کی بات کاٹی۔

”کس یتیم خانے سے؟“

”میں آپ کو لے کر جا سکتی ہوں وہاں، میں نے شبیر کو بھی بتایا ہے اس کے بارے میں کہ وہ بے شک وہاں جا کر پتہ کر لے میں نے اپنی ایک دوست اور اس کے شوہر کے ذریعے شبیر کو وہیں سے گود لیا تھا۔“ فاطمہ کہہ رہی تھی۔

”چلو میرے ساتھ وہاں میں بھی دیکھنا چاہوں گی کہ تم نے میرے بیٹے کو کہاں سے لیا ہے۔“ شائستہ نے بے دھڑک انداز میں کہا۔

”وہ یتیم خانہ دوسرے شہر میں ہے“ فاطمہ بھلائی۔

”دوسرے ملک میں تو نہیں ہے، میں کہیں بھی جا سکتی ہوں جھوٹ جج کو جاننے کے لیے۔“

اس سے پہلے کہ فاطمہ جو بٹا کچھ کہتی شبیر نے مداخلت کی۔ ”آپ مجھے لینے آئی ہیں، میں آپ کے ساتھ چلتا ہوں۔ کسی

یتیم خانے تک جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ میرے لیے اتنا کافی ہے کہ میں ان کا بیٹا نہیں ہوں۔“

اس نے مستحکم لہجہ میں کہا۔ ”پولیس کو اس معاملے میں انوکھے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ انہیں واپس بھجوادیں۔“

”پولیس کو کیوں انوکھے کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں اتنے سال تمہارے بغیر رہی ہوں شبیر! تم اندازہ نہیں کر سکتے کہ

میں نے یہ سارے سال تمہارے بغیر کس طرح گزارے ہیں۔“ شائستہ کی آواز بھرا گئی۔ شبیر نے اس سے نظریں چرائیں، وہ

عورت اس کی ماں تھی اور وہ اس کے لیے کچھ محسوس نہیں کر رہا تھا۔ اس نے محبت یا ہمدردی نام کے کسی جذبے کو اپنے اندر تلاش

کرنے کی کوشش کی مگر وہ ناکام رہا۔

اس نے فاطمہ کی طرف دیکھا۔ اس کی حالت قابل رحم تھی۔ پست قامت اس بد صورت عورت کے چہرے کی سیاہی میں

اس وقت اور بھی اضافہ ہو گیا تھا۔ شائستہ اور وہ ایک دوسرے کے برابر میں کھڑی ایک عجیب منظر پیش کر رہی تھیں۔ دونوں کی

آنکھوں میں آنسو تھے۔ دونوں اس کی محبت میں گرفتار تھیں۔ دونوں اس کی ماں ہونے کی دعوے دار تھیں۔ وہ دونوں سے نظریں

چرا رہا تھا۔ بے تمنا کوشش کے باوجود شائستہ کے لیے اپنے اندر سے محبت یا لگاؤ نام کا جذبہ برآمد کرنے میں ناکام رہا تھا۔ اور

بے تمنا کوشش کرنے باوجود وہ فاطمہ کے لیے اپنے اندر سے نفرت نام کا کوئی جذبہ پیدا کرنے میں بھی ناکام ہو رہا تھا۔ زندگی

اسے عجیب دورا ہے پر لے آئی تھی۔

”مگر آپ چاہتی ہیں کہ میں آپ کے ساتھ جاؤں تو پولیس بھجوادیں۔“ وہ ہنوز اپنی بات پر جما ہوا تھا۔

”اور جو اتنے سال...“ شبیر نے شائستہ کی بات کاٹ دی۔

”ان سالوں کو کوئی واپس نہیں لاسکتا۔ جو کچھ یہ کر چکی ہیں۔ اس کو تو منایا نہیں جاسکتا۔ آپ انہیں جیل بھیج دیں گی تب بھی میری زندگی کے وہ سارے سال واپس نہیں آئیں گے۔ ہاں البتہ میرے بہن اور بھائی کی زندگی ضرور تباہ ہو جائے گی۔ اور میں یہ نہیں چاہتا۔“

شہیر نے فاطمہ کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ فاطمہ کے چہرے پر جیسے کسی نے طمانچہ دے مارا تھا۔ ”میرے بہن بھائی کی زندگی۔ بس شہیر کو ان ہی کا خیال آیا تھا۔ میرا نہیں، ذرہ برابر بھی نہیں۔“ فاطمہ کو بے اختیار رونا آیا۔ کھڑے کھڑے دو کوزی کی ہوئی تھی وہ یہ ہوتی ہے اولاد... اپنی اور پرانی اولاد کا فرق اسے زندگی میں پہلی بار اس لئے سمجھ میں آیا تھا۔ اس نے اپنے وجود کو کالج کی طرح کرچی کرچی ہوتے محسوس کیا۔ وہ ساری زندگی کس لیے جی تھی۔ صرف اس لیے کہ سامنے کھڑے مرد کی آنکھوں میں اسے دیکھ کر تب سے چمک آ رہی تھی جب وہ تین سال کا تھا اور وہ تیس سال کی اور وہ کبھی ماں نہیں بنی تھی۔ مگر صرف یہی ایک رشتہ تھا جس پر وہ ہمیشہ کھری اتری تھی جس میں فاطمہ بختر نے اپنی زندگی کے اتنے سالوں میں کھوٹ نہیں پایا تھا اور اب یہ رشتہ بھی اس کی زندگی کے باقی رشتوں کی طرح مٹی بن گیا تھا۔

”تو آخر کیا کیا فاطمہ تو نے دنوں کے اس الٹ پھیر میں؟ کالک، رسوائی، مکاری، فریب اور جھوٹ کا لیلیل؟“ اس نے اپنے آپ سے سوال کیا مگر اسے جواب ملتا بھی کیسے۔

سامنے کھڑا پراپا خون بول رہا تھا اور کیا خوب بول رہا تھا۔ فاطمہ بختر وقت کے کنبھرے میں آن کھڑی ہوئی تھی۔ ”یہ تمہارے بہن بھائی نہیں ہیں“ شائستہ کو اس کی بات بری لگی۔ ”تمہارے بہن بھائی میری اولاد ہیں وہ تمہارے بہن بھائی نہیں ان کی پروا نہیں کرنی چاہیے۔“

”آپ پولیس والوں کو بھیج دیں۔ یہ مناسب نہیں ہے۔“ شہیر نے شائستہ کی بات کاٹ کر خشک لہجے میں کہا۔ ”ہم بات کر کے اس مسئلے کو حل کریں گے۔ آپ انہیں واپس بھیجیں۔“

شائستہ نے قدرے الجھے ہوئے انداز میں اسے دیکھا پھر فاطمہ پر ایک نظر ڈال کر وہ صحن کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی۔ شہیر نے فاطمہ پر ایک نظر ڈالی اور پلٹ کر اپنے کمرے میں چلا گیا۔ فاطمہ لپک کر اس کے پیچھے آئی تھی۔ صرف چند لمحوں تھے اس کے پاس اسے سمجھانے کو اس کے دل کو بدلنے کو، پھر وہ وہاں سے چلا جاتا۔ دوبارہ وہاں کبھی نہیں آتا۔ اسے مستقبل سے خوف آ رہا تھا۔

وہ کمرے میں داخل ہوئی تو وہ اپنی چیزیں اکٹھی کر رہا تھا۔

”میری بات پر اعتبار کرو شہیر! میں نے تمہیں انخوا نہیں کیا۔ میں نے تمہیں...“

شہیر نے اس کی بات ترشی سے کاٹ دی۔ ”میں کل اس تیم خانے سے ہو کر آیا ہوں، وہاں میرا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔ جتنا تماشا آپ کر چکی ہیں کافی ہے، مزید نہ کریں۔ میں اس معاملے کو عزت سے ختم کرنا چاہتا ہوں تو کرنے دیں۔ اپنے آپ کو جھوٹ بول کر میری نظروں میں اور نہ گرائیں۔“

وہ مدھم آواز اور ترش لہجے میں کہہ رہا تھا۔ فاطمہ ٹنگ سی اسے سن رہی تھی۔

”جو کچھ آپ میرے ساتھ کر چکی ہیں۔ میں اس کے لیے آپ کو کبھی معاف نہیں کر سکتا یہ نہ آتمیں تب بھی میں اس گھر سے چلا جاتا۔ آپ کے ساتھ کبھی نہیں رہتا۔“ اس نے دونوں انداز میں کہا۔

”شہیر! مجھ پر اعتبار کرو...“ شہیر نے بات کاٹ دی۔

”یہ بات کہنی چاہیے آپ کو؟... اعتبار؟ آپ جانتی ہیں اس کا کیا مطلب ہوتا ہے یا صرف کتابوں میں پڑھا ہے اس کے بارے میں؟“ اس کا لہجہ اس بار بہت تلخ تھا۔ ”ساری زندگی ایک کے بعد ایک جھوٹ ستا رہا ہوں آپ سے، اور آج جب سب کچھ کھل کر سامنے آ گیا ہے تو آپ مجھ سے کہہ رہی ہیں کہ میں آپ پر اعتبار کروں۔ میں کیوں کروں آپ پر اعتبار؟ آخر رشتہ کیا ہے میرا آپ کے ساتھ ایک انخوا کرنے والی اور انخوا شدہ کا۔“

وہ بے حد سخی سے کہہ رہا تھا۔ فاطمہ نے بے چارگی سے اسے دیکھا وہ کیا جھپٹاتی۔ سچ سچ نہیں رہا تھا اور جھوٹ جھوٹ نہیں رہا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی شائستہ اندر آگئی تھی۔ شہیر کچھ کہتا چاہتا تھا مگر شائستہ کے اندر آتے ہی وہ ایک بار پھر سے اپنا سامان پیک کرنے لگا تھا۔

”ان کپڑوں اور چیزوں کی ضرورت نہیں ہے۔“ شائستہ نے اندر آتے ہی کہا۔ ”تم صرف اپنے کاغذات لے لو۔ اس گھر سے کچھ بھی لینے کی ضرورت نہیں ہے تمہیں۔“

شائستہ نے گویا اسے ہدایت دی۔ وہ ایک لمحہ کے لیے ٹھنکا، اور ایک بار پھر اسی طرح اپنے بیک میں چیزیں ڈالنے لگا۔ شائستہ کے پاؤں اس وقت زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ اسے اندازہ نہیں تھا کہ سب کچھ اتنی آسانی سے ہو جائے گا۔ ہر چیز جیسے پہلے سے تیار پڑی تھی اسے کسی شے کو ہاتھ تک لگانا نہیں پڑا تھا۔ اس کا خاندان اتنے سال بعد بالآخر مکمل ہونے چلا تھا۔

شہیر بے حد برق رفتاری سے اپنی چیزیں اکٹھی کر رہا تھا۔ یوں جیسے وہ از کردہاں سے چلا جانا چاہتا ہوں کرے میں موجود دونوں عورتیں خاموشی سے سب کچھ دیکھ رہی تھیں۔ فاطمہ نے شائستہ کے کمرے میں آنے کے بعد اس سے کچھ نہیں کہا تھا۔ نہ اس سے نہ شہیر سے۔ اس کا انداز فاطمہ کے ساتھ اس قدر تحقیر آمیز تھا کہ فاطمہ کو کچھ کہنے کی ہمت ہی نہیں ہو پارہی تھی۔ وہ اس وقت وہاں ایک ایسے مجرم کے طور پر کھڑی تھی جو ایک ماں اور بیٹے کی جدائی کا سبب بنا ہو۔ کچھ کہنے اور کچھ سننے کے لیے کچھ بچا ہی نہیں تھا۔ اسے اپنے تینوں بچوں سے محبت تھی مگر شہیر اس کی جان تھا اور آج وہ اپنی جان جانتے دیکھ رہی تھی۔

”السلام علیکم!“ کی آواز پر سب جو گئے تھے۔ شکر کس وقت اندر آیا، کسی نے غور نہیں کیا تھا۔ اور اس وقت وہ سزاواروں کمال کو اپنے گھر پر دیکھ کر بھونچکا رہ گیا تھا۔

شائستہ ایک لمحے کے لیے اس کی طرف متوجہ ہوئی پھر سلام کا جواب دیے بغیر دوبارہ شہیر کو دیکھنے لگی۔ شہیر کے ہاتھ سامان پیک کرتے ہوئے صرف چند لمحوں کے لیے رکتے تھے اور اب وہ ایک بار پھر سے اسی طرح سامان پیک کر رہا تھا۔ ٹرنے فاطمہ پر نظر ڈالی صرف وہ سخی جو اسے دیکھ رہی تھی اور اس کے چہرے پر بے تماشہ بے چارگی اور لجاجت تھی۔ اس کا چہرہ آنسوؤں سے بھیگا ہوا تھا۔ وہ اس کے لیے روز قیامت تھا۔

شہیر جا رہا تھا۔ ٹرن جانے کے لیے آگیا تھا۔ ثانیہ پہلے ہی گھر پر نہیں تھی فاطمہ بخار کے گھر میں کیا رہ گیا تھا۔ ٹرنے فاطمہ کے آنسو دیکھے، شہیر کا انداز دیکھا، اور شائستہ کے تیور کچھ غلط تھا۔ پلک جھپکتے میں اس کی چھٹی حس نے اسے احساس دلایا۔

”یہ کیا ہو رہا ہے؟“ اس نے بالآخر سوال کرنا ضروری سمجھا۔ مگر کسی نے اس کی بات کا جواب نہیں دید۔ فاطمہ بولنے کے قابل نہیں تھی۔ شہیر بول نہیں رہا تھا اور شائستہ بولنا نہیں چاہتی تھی۔ ٹرن کے چہرے پر ابراہمن تھی۔ شائستہ نے صرف ایک لمحہ کے لیے گردن موڑ کر اسے دیکھا تھا۔ ٹرن اس کے چہرے کے تاثرات دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہاں اس کے لیے نفرت اور حقارت کے سوا کچھ نہیں تھا۔ نفرت اور حقارت وہ زندگی میں پہلی بار ان دو چیزوں سے شناسائی حاصل کر رہا تھا۔ اس کے گھر میں اس کے کمرے میں کھڑے ہو کر وہ عورت اسے نفرت اور حقارت سے دیکھ رہی تھی۔ کیوں؟

”شہیر بھائی! آپ سامان کیوں پیک کر رہے ہیں؟“ اس نے اس بار شہیر سے پوچھا تھا۔ فاطمہ کو حیرت ہوئی کہ وہ اس کی طرف کیوں نہیں بڑھا۔ اس نے اس سے کیوں نہیں پوچھا کہ وہ کیوں رو رہی تھی؟ سب کچھ کیا ہو رہا تھا؟

اس سے پہلے شہیر کچھ کہتا شائستہ نے مداخلت کی۔

”شہیر تمہارا بھائی نہیں ہے، اس لیے اسے بھائی مت کہو۔“ فاطمہ کا جسم ایک بار پھر سے پکپکا نے لگا تھا۔ ایک بار پھر انکشافات، حقائق، اعتراف اور پھر سامان کا ایک اور بیک، ٹرن نے ایک نظر فاطمہ کی طرف دیکھا، ایک اچھتی سی نظر پھر وہ دوبارہ شائستہ کو دیکھنے لگا۔ شائستہ نے اسی لہجے میں کہا۔



”شہیر سامان اس لیے پیک کر رہا ہے کیونکہ وہ اس گھر سے جا رہا ہے۔ وہ میرا بیٹا ہے۔“

وہ چونکا تھا، نہ اس نے فاطمہ اور شہیر کو دیکھا تھا۔ وہ ماتھے پر لکیریں لیے اسی طرح شائستہ کو دیکھتا رہا۔ شہیر چند لمحوں کا۔ وہ شکر و سب کچھ بتانا چاہتا تھا، مگر کسی کو شکر کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں پڑی۔

”میں جانتا ہوں شہیر، امی کا بیٹا نہیں ہے مگر آپ کے پاس کیا ثبوت ہے کہ وہ آپ کا بیٹا ہے۔؟“

اگر کرے کی چھت فاطمہ اور شہیر کے سر پر گر پڑتی تو انہیں اتنا شاک نہیں لگتا جتنا شکر کے منہ سے نکلنے والے اس جملے سے لگا تھا۔ وہ کیسے جانتا تھا؟ کیا وہ ہمیشہ کی طرح جھوٹ بول رہا تھا یا پھر وہ واقعی جانتا تھا۔ شائستہ کے ہونٹ بے اختیار کھینچ گئے۔ وہ اس سے ثبوت مانگنے والا کون تھا؟

”شہیر جانتا ہے کہ وہ میرا بیٹا ہے اور میرے لیے یہ کافی ہے، مجھے ہر ایرے غیرے کو ثبوت دینے کی ضرورت نہیں ہے۔“ وہ تند و تیز لہجے میں بولی۔

”شہیر کیسے جانتا ہے کہ وہ آپ کا بیٹا ہے۔ کل تک تو وہ اس گھر میں آپ کے انکشافات کا مذاق اڑاتا تھا اور آج اچانک اسے یقین آ گیا کہ آپ واقعی اس کی ماں ہیں۔ مگر مجھے حیرت ہے کہ آپ کی اپنی بیٹی کو آپ کی کسی گمشدہ اولاد کے بارے میں کچھ پتا نہیں ہے، کیوں...؟“

”میں تمہارے سوالوں کے جواب دینا ضروری نہیں سمجھتی، نہ تمہیں کوئی ثبوت دوں گی۔ شہیر کا چہرہ بتاتا ہے کہ وہ کس کی اولاد ہے۔“

”کس سے ملتا ہے اس کا چہرہ؟ آپ سے؟ یا آپ کے شوہر سے؟ آپ کے شوہر سے تو میری بھی شکل ملتی ہے تو کیا آپ کل کو مجھے بھی اپنا بیٹا بنا کر لے جائیں گی۔؟“ اس کا انداز چیلنج کرنے والا تھا۔ شہیر نے چونک کر اس کے چہرے کو دیکھا۔ وہ غلا نہیں کہہ رہا تھا۔ اس کا چہرہ بارون کمال سے تھوڑی بہت مشابہت رکھتا تھا۔ شائستہ کے وجود میں اس کے جملے نے جیسے آگ لگا دی تھی۔

”یہ اپنے باپ کی جائز اولاد ہے۔“ شائستہ نے شہیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ ”تم کس باپ کی اولاد ہو، یہ تمہاری ماں کو بھی نہیں پتہ ہوگا۔ پتہ ہوتا تو تمہیں کوڑے کے ڈھیر پر نہ بھیجتی، باقی تفصیلات تم اپنی اس نام نہاد ماں سے پوچھ لینا جسے لوگوں کی اولادیں پالنے کا بہت شوق ہے۔ ہاں البتہ ماں کا نام جانتا ہو تو میرے پاس آنا میں تمہیں اس طوائف کا پتہ ضرور دے دوں گی جسے تمہاری ماں ہونے کا شرف حاصل ہے۔“

کھولنا ہوالا وہاں تھا جو شائستہ نے کرے میں موجود لوگوں پر انٹریل دیا تھا۔ شراب خاموش تھا۔ ساکت و صامت بے حس و حرکت۔

شہیر بے یقینی سے شائستہ اور شکر کو دیکھ رہا تھا۔ کیا واقعی شکر کو کوڑے کے ڈھیر پر...؟ کیا واقعی اس کی ماں طوائف...؟ اور یہ سب کچھ شائستہ کیسے جانتی تھی؟

”مجھے اس معاملے میں آپ کی خدمات کی ضرورت نہیں ہے، میں جانتا ہوں مجھے کہاں سے اٹھایا گیا اور میری ماں کیسی عورت ہو سکتی ہے۔ اسی لیے میں اپنی اس ماں جو آپ کے بقول نام نہاد ماں ہے، کی بہت عزت کرتا ہوں کیونکہ اس نے مجھے کوڑے کے ڈھیر سے اٹھا کر پالا ہے۔“

فاطمہ پتھر کے بجسے کی طرح ساکت تھی۔ وہ کیا کہہ رہا تھا؟ کیا اسے واقعی پتہ تھا؟ مگر کب سے؟

”میں تم سے کوئی بحث نہیں کرنا نہیں چاہتی۔“ شائستہ نے پھنکارتے ہوئے کہا۔ ”شہیر! آؤ میرے ساتھ۔“

اس نے شہیر کا بازو پکڑا۔ شہیر اور شکر کی نظریں آپس میں ملیں شہیر کی نظروں میں الجھن تھی۔ پھر اس نے نظریں چرائیں اور شائستہ کے ساتھ کرے سے باہر نکل گیا۔ فاطمہ بے اختیار اس کے پیچھے لگی لیکن شکر نے اس کا بازو پکڑ کر روکا۔

”نہیں، نہیں جانے دیں وہ نہیں رکسے۔ ان کے پیچھے مت جائیں۔“ اس کا لہجہ بے حد جھمکانا تھا۔

فاطر روئے ہوئے اسے دیکھتی رہی۔ اس نے بہت سال پہلے اسے کوزے کے ڈبیر سے اٹھایا تھا۔ اسے لگا آج وہ اسے کوزے کے ڈبیر سے اٹھا رہا تھا۔

☆☆☆

شائستہ اور شمیر کے درمیان گاڑی میں بہت مختصر بات چیت ہوئی۔ گاڑی شائستہ چلا رہی تھی۔ شمیر اس کے برابر میں بیٹھا تھا۔

گاڑی میں روڈ پر لاتے ہی شائستہ نے کہا۔  
 ”تم جانتے ہو ان دونوں بچوں کو فاطمہ نے کہاں سے اٹھایا، جنہیں تم اپنا بہن بھائی سمجھتے رہے؟“  
 شمیر نے خاموشی سے اسے دیکھا۔  
 ”ایک کوزے کے ڈبیر سے۔“ اس نے تحقیق آمیز انداز میں چند لمبے پہلے کیا جانے والا انکشاف دوبارہ دہرایا۔  
 ”کوزے کے ڈبیر سے اٹھا کر بنایا جانے والا خاندان کتنے دن چلا۔ مگر مجھے حیرت ہے کہ وہ کس دھڑلے سے کہہ رہا تھا۔ کہ اسے سب پتہ ہے سب جانتا تھا تو آج تک چپ کیوں بیٹھا ہوا تھا۔“ وہ تحارت سے بولی۔  
 ”آپ کو یہ سب کچھ کیسے پتہ چلا؟“ شمیر نے وہ سوال کیا جو اس کے ذہن میں بڑی دیر سے کلبلا رہا تھا۔ چند لمحوں کے لیے شائستہ خاموش رہی پھر بولی۔

”میں نے سب کچھ باقاعدہ تحقیق... کروایا ہے۔“  
 شمیر نے جواباً یہ نہیں پوچھا کہ کس طرح۔ اس کی ضرورت نہیں تھی۔ اسے اپنے وجود میں عجیب سی نیسیں اٹتی ہوئی محسوس ہونے لگی تھیں۔

”میں نے جب پہلی دفعہ اس ہوٹل میں تمہیں دیکھا تھا۔ میں تب ہی جان گئی تھی کہ تم ہی میرے بیٹے ہو۔“  
 شائستہ اب اسے بتا رہی تھی۔ اس کے لہجے کی کھنک سے کوئی بھی اس کو خوشی کا اندازہ کر سکتا تھا۔ شمیر خاموشی سے سڑک کو دیکھتے ہوئے اس کی بات سن رہا تھا۔  
 ”تم مجھے ناپسند کرتے تھے۔ مجھ سے دور بھاگتے تھے۔ تم سمجھے ہو گے یہ عورت پتا نہیں کس لیے تمہارے پیچھے بھاگ رہی ہے۔ مگر میں، میں تو جان چکی تھی کہ تم میرے بیٹے ہو۔“  
 ”صرف اس لیے کیونکہ میری شکل و صورت ملتی ہے آپ سے اور آپ کے شوہر سے؟“ شمیر نے یکدم کہا تو شائستہ کو جیسے شاک لگا۔

”آپ کے شوہر؟ شمیر، ہارون تمہارا باپ ہے۔ تم شمیر ہارون کمال ہو۔ میرے سب سے بڑے بیٹے۔“  
 شائستہ نے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ ”جہاں تم جا رہے ہو وہ گھر ہے تمہارا جہاں اصلی خاندان موجود ہے۔ تمہیں کچھ محسوس نہیں ہو رہا؟“ شائستہ نے جیسے حیرانی سے پوچھا تھا۔  
 ”آپ کے گھر میں سب یہ بات جانتے ہیں کہ آپ مجھے لینے جا رہی ہیں؟“ شمیر نے شائستہ کے سوال کا جواب دینے کے بجائے اس سے پوچھا۔

”ہاں، سب کو پتہ ہے کہ تم آ رہے ہو۔“  
 ”آپ نے مجھے بتایا نہیں کہ صرف شکل و صورت کی وجہ سے آپ مجھے اپنا بیٹا سمجھ رہی ہیں؟“ شمیر کو یک دم اپنا سوال یاد آیا۔

”میں جانتی ہوں کہ تم میرے بیٹے ہو۔ تمہیں کوئی شک ہے تو ہم Paternity test کروالیں گے۔“  
 ”ہاں میں چاہوں گا کہ آپ ایسا کریں۔“ شائستہ کو اس کی بات سے دکھ ہوا۔ وہ اب بھی بدگمان تھا۔  
 ”اس عورت نے تمہارا ذہن اس حد تک خراب کر رکھا ہے کہ تمہیں میری کسی بات پر بڑے عرصہ تک یقین نہیں آئے گا۔“

ہر چیز پر شبہ کر دے تم۔ مگر پھر تمہیں احساس ہو جائے گا کہ میں کچھ بھی غلط نہیں کہہ رہی ہوں تم اپنے گھر واپس آ گئے ہو۔ دیر سے سہی مگر تم اپنے ماں باپ کے پاس آ گئے ہو۔“ شبیر خاموش رہا۔

”میں نے تمہارے باس کو بتا دیا ہے کہ تم کل سے جا ب پر نہیں آرہے۔“ شائستہ نے کچھ دیر کی خاموشی کے بعد کہا۔ ”تم اب اپنے باپا کے ساتھ اپنی فیکٹری جایا کر دے۔“

شبیر کو اپنے پیٹ میں گرہیں سی پڑتی محسوس ہوئیں۔

”پاپا...“ یہ لفظ اس کے لیے قابل ہضم نہیں تھا۔ ڈیڑھ دن میں اس کا باپ نمودار ہو گیا تھا۔ ماں اور بہن بھائی بدل گئے تھے اور اب زندگی بدلنے والی تھی کوئی اور ہوتا تو وہ اس وقت اپنی قسمت پر رشک کر رہا ہوتا مگر شبیر ذہنی اضطراب کا شکار ہو رہا تھا اور شائستہ بنا وقت اس کا چہرہ پڑھ رہی تھی۔

☆☆☆

روشان خاموشی سے پچھلے پندرہ منٹ سے فون پر باپ کی بات سن رہا تھا۔ منصور بالکل پانگلوں والے انداز میں اسے بتا رہا تھا۔ کہ امبر نے اس کے ساتھ کیا کیا، کیا ہے۔ کس طرح ہارون کمال کے ذریعے رخصتی کو اس سے الگ کر دیا ہے۔ کس طرح اس کی فیکٹری سے اسے بے دخل کر دیا ہے۔ رومان کو امبر اور ہارون کی شادی کا سن کر دھچکا لگا تھا۔

”آپ سے کس نے کہا کہ ان دونوں نے شادی کر لی ہے؟“ رومان نے بے یقینی سے کہا۔

”صغہ نے بتایا ہے مجھے۔“

روشان کچھ بول نہیں سکا۔ ”اگرچہ ہارون اس بات کو نہیں مان رہا تھا مگر صغہ نے مجھے بتایا ہے کہ امبر اس کے لیے گھر چھوڑ کر چلی گئی تھی۔ تم جانتے ہو امبر کو وہ کس قدر خود مر اور ضدی ہے۔“

”مجھ سے کیا چاہتے ہیں آپ؟“ رومان نے یکدم باپ کی بات کاٹی۔ اس کا لہجہ بہت عجیب ہو گیا تھا۔

”میں چاہتا ہوں تم واپس لاہور آؤ اور یہاں آکر ماں سے بات کرو۔ امبر سے بات کرو کہ وہ یہ سب کچھ کرنا بند کر دے۔ ہارون کمال سے کہے کہ وہ میری فیکٹری مجھ سے نہ چھینے، میرے ساتھ پارٹنرشپ ختم نہ کرے اور رخصتی کے ساتھ میری مصالحت کروادے۔“

روشان کو اپنا خون ابلتا ہوا محسوس ہوا منصور علی یا تو بے شرمی کی آخری حدوں تک پہنچ چکا تھا یا پھر اس کا ذہنی توازن خراب ہو چکا تھا۔ ورنہ وہ اس سے یہ سب کچھ نہ کہہ رہا ہوتا۔ رومان کا دل چاہا تھا وہ بلند آواز میں چلا چلا کر باپ کو گالیاں دے۔ بے تحاشا گالیاں۔ وہ اس وقت اسے انسان نہیں، ایک چوپایہ لگ رہا تھا جس کی ہر قسم کی ذہنی صلاحیت ایک عورت کے عشق نے مفقود کر دی تھی۔

”میں نہیں آؤں گا۔ تمہارے ساتھ جو کچھ ہو رہا ہے بہت اچھا ہو رہا ہے۔ میری طرف سے تم بھاڑ میں جاؤ۔“

اس نے سیل فون پر پوری قوت سے چلا کر کہا اور فون بند کر دیا۔ منصور نے بے یقینی سے فون میں سے آنے والی آواز کو سنا۔ اس نے پہلی بار اپنے بیٹے کو اوپر چلاتے سنا تھا۔ اس کی زندگی میں سب کچھ پہلی بار ہو رہا تھا۔ اور یہ سب کون کر رہا تھا؟ اسے ایک بار پھر امبر کا خیال آیا۔ اس کا ذہنی توازن واقعی خراب ہو رہا تھا۔

☆☆☆

## اٹھائیسواں باب

وہ دونوں بہت دیر تک ایک دوسرے کو خاموشی سے دیکھتے رہے بھی پھر ثمر نے فاطمہ کو اپنے ساتھ لپٹا لیا تھا۔ چوٹ سے نکلے ہوئے قد کے ساتھ وہ ثمر کے صرف پیٹ تک آئی تھی اور اس وقت وہ ایک ننھی بچی کی طرح اس کے ساتھ لپٹ کر رو رہی تھی۔ ثمر اسے تھپک رہا تھا۔ بھیکے ہوئے چہرے کے ساتھ وہ اپنی آنکھوں کو بار بار پونچھتے ہوئے اسے تھپک رہا تھا۔ فاطمہ نے سب کچھ نہیں کھویا تھا۔ اس کی مٹھیاں پوری طرح سے خالی نہیں ہوئی تھیں۔ وہ چند لمبے پہلے جس قیامت کے آنے سے ڈر رہی تھی۔ وہ قیامت نہیں آئی تھی۔

”جسمیں کیسے پتہ چلا یہ سب کچھ؟“ بہت دیر رونے کے بعد فاطمہ نے اس سے پوچھا۔  
 ”کیا یہ بتانا ضروری ہے؟“ وہ تھکا ہوا تھا۔ فاطمہ خاموشی سے اسے دیکھتی رہی۔ ثمر نے ایک گہرا سانس لیا۔  
 ”تایا ب نے بتایا مجھے یہ سب کچھ۔ شائستہ نے اسے ہم لوگوں کے بارے میں سب کچھ بتا دیا تھا۔ اس نے فون کر کے مجھے بلایا اور مجھے یہ بتا دیا کہ آج اس کی مٹی شہیر کو یہاں سے لے جائیں گی۔“ وہ کہہ رہا تھا۔  
 ”میں قسم کھاتی ہوں ثمر! میں نے شہیر کو اغوا نہیں کیا۔ وہ...“ فاطمہ نے بھرائی ہوئی آواز میں اسے بتانے کی کوشش کی تو ثمر نے اس کی بات کاٹ دی۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے امی! مجھے یقین ہے آپ نے اس کو کہیں سے اغوا نہیں کیا مگر ہو سکتا ہے کسی اور نے اسے اغوا کیا ہو اور پھر بعد میں کسی نہ کسی وجہ سے اسے یتیم خانے میں داخل کر دیا ہو جہاں سے آپ نے اسے لیا تھا۔“ وہ جھل سے اسے سمجھا رہا تھا۔

”مگر وہ کہتا ہے وہ اس یتیم خانے میں گیا تھا۔ وہاں اس بچے کا کوئی ریکارڈ ہی نہیں ہے، وہ کل اسی لیے دیر سے آیا تھا کیونکہ وہ اس شہر گیا ہوا تھا۔“  
 ثمر یک دم چونک کر سیدھا ہو گیا۔ ”آپ کے پاس پیچہ ز تو ہوں گے جب آپ نے اس بچے کو گود لیا تھا۔؟“  
 ”ہاں میرے پاس ہیں۔ مگر وہ میرے نام پر نہیں ہیں، میری دوست اور اس کے شوہر کے نام پر ہیں۔“  
 ”مگر پیچہ ز تو ہیں نا؟“  
 ”ہاں۔“

”ٹھیک ہے، آپ انہیں ڈھونڈیں... میں شہیر بھائی کو یہ پیچہ دکھاؤں گا۔“  
 ثمر نے فاطمہ سے کہا۔ فاطمہ نے عجیب نظروں سے اس کا چہرہ دیکھا۔ وہ نظر چرا کر جوتے کھولنے لگا۔ وہ اپنی بات کیوں نہیں کر رہا تھا۔ اپنے بارے میں کوئی بات کوئی سوال؟ اس نے اتنے آرام سے، اس انکشاف کو کیسے لے لیا تھا کہ وہ کوزے کے ایک ڈھیر پر پڑا ملا تھا۔  
 ”میں نے ثانی کو کراچی سے بلایا ہے۔ بہت ضروری ہو گیا ہے۔ اس کا یہاں آکر یہ سب کچھ جاننا۔“ وہ اسی طرح

جوتے کھولتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اس کی آواز میں جیہن تھی۔

”بہت تکلیف ہوگی اس کو یہ سب کچھ سن کر۔ بہت روئے گی وہ...“ وہ اب سیدھا ہو گیا تھا۔ ”سب کچھ ٹھیک تھا ہماری زندگی میں سب کچھ مگر دنیا میں کسی کے گھر اس طرح نہیں ٹوٹتے جیسے ہمارا ٹوٹا ہے۔“

فاطمہ نے زندگی میں پہلی بار شکر کو اس طرح دیکھا تھا۔ سنجیدہ اور شکست خوردہ۔ صرف چند لمحوں میں اس نے شکر کو عمری بہت سی منزلیں طے کرتے دیکھ لیا تھا۔

”تمہیں مجھ سے کچھ نہیں کہتا۔“ فاطمہ نے اس سے بیٹلی آنکھوں کے ساتھ پوچھا۔ ناجائز اولاد کے لیبل کو بنا کر اسے دنیا میں کھڑا ہونا سکھایا تھا۔ وہ اس سے یہ نہیں کہہ سکا کہ زندگی میں جو انکشاف اس کے سامنے اب ہو رہے ہیں، وہ بہت سالوں سے ان چیزوں کے بارے میں شبہ کرتا آرہا تھا۔ وہ اس سے یہ بھی نہیں کہہ سکا کہ اسے بہت بار اپنے اور اس کے رشتے کے بارے میں شبہ ہوا تھا، دوسرے بہت سے لوگوں کی طرح وہ اس سے یہ بھی نہیں کہہ سکا کہ اسے اپنا گھر اور اپنی زندگی بہت بار ایک معرکہ لگی تھی جس کے کچھ حصے اس کے لیے گشودہ تھے اور آج سب کچھ ویسے ہی حل ہوا تھا جیسے اس کا اندازہ تھا۔ صرف یہ تھا کہ اس کے اپنے وجود کی حقیقت اتنی تلخ اور بھیا تک ہوگی۔ وہ کبھی اس کو تصور میں نہیں لایا تھا۔

”کہتا ہے۔“ اس نے ایک مہربان سانس لیا۔ فاطمہ نے سانس روک لیا۔

”یہ کہ میں آپ سے بہت محبت کرتا ہوں۔“ وہ بڑی روانی سے کہہ رہا تھا۔ ”اور اگر شہیر کی طرح ثانی بھی آپ کو چھوڑ کر چلی گئی تب بھی میں آپ کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گا۔ اگر کبھی میری ماں میرے سامنے آکر کھڑی ہو گئی اور اس نے مجھے ساتھ چلنے کے لیے کہا۔ میں تب بھی میں ہمیشہ آپ کے ساتھ رہوں گا۔ ہمیشہ۔“

فاطمہ کے ہونٹ کپکپانے لگے۔ اس نے سوچا تھا، وہ روز قیامت تھا۔ مگر وہ اس کے لیے معجزوں کا دن بھی ثابت ہو رہا تھا۔

”شہیر واپس آئے گا؟ وہ کچھ اور کہتا چاہتی تھی مگر اس نے کچھ اور کہا تھا۔ شکر اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ بہت دیر تک وہ اسے دیکھتا رہا پھر اس نے کہا۔

”آپ کو ہمیشہ اسی سے محبت رہی ہے ہمیشہ شہیر...“

فاطمہ نے بے قراری سے اس کے کندھے کو کپڑا، وہ ایک دم خاموش ہو گیا۔

”آج آئے گا... کہاں جائے گا؟ چار دن رو لینے دیں اس کو وہاں پر۔ آجائے گا۔ آپ نے دیکھا نہیں اپنی ساری چیزیں لے کر نہیں گیا۔“ شکر نے پرسکون انداز میں کہا۔

”اس کی ماں نے اس سے کہا تھا کہ وہ یہاں سے زیادہ چیزیں لے کر نہ جائے۔“ فاطمہ نے بے تابی سے کہا۔

”پھر بھی آئے گا آکر کہے گا مجھے اپنا سامان لینا ہے۔“ شکر کے لہجے میں یقین تھا۔ فاطمہ نے بے یقینی سے اسے دیکھا

تھا۔

☆☆☆

کانسیبل فضل دین کے لیے وہ شام بے حد بری تھی۔ پہلی بری خبر اسے اپنے گھر سے ملتی تھی جب اس کی بیوی نے فون پر بہت جھکتے ہوئے اس کو بتایا کہ وہ واپسی پر چل لیتا آئے کیونکہ اس کی ساس صرف چندہ دن کے بعد دوبارہ ایک ماہ کے لیے اس کے گھر رہنے آئی تھی۔ وہ نیا نیا شادی شدہ نہ ہوتا تو اپنی بیوی کو فون پر صلواتیں سنانا جو شادی کے چھ ماہ میں اپنی ماں کے ساتھیوں دورے کی اطلاع اسے اس طرح پر جوش ہو کر دے رہی تھی جیسے وہ پہلی بار اس کے گھر آ رہی ہو۔ مگر چونکہ وہ نیا نیا شادی شدہ تھا اور بیوی اس کی چیتھی تھی، اس لیے اس نے اس اطلاع پر اپنی بیوی سے زیادہ جوش کا اظہار کرتے ہوئے پھلوں کے ساتھ کچھ اور لانے کو پوچھا اور پھر بری طرح پچھتایا۔ اس کی بیوی نے اگلے ہی سانس میں اسے دو تین اور چیزوں کے نام گنوا دیے۔ فون رکھتے ہوئے وہ اندازہ لگانے میں مصروف تھا کہ اس وقت اس کی جیب میں کتنے پیسے تھے صورت حال کچھ حوصلہ

انہوں نے تھی۔ خاص طور پر اس وقت جب نہر کے قریب واقع اس پولیس اسٹیشن میں وہ صرف اکیلا ہی تھا۔ ایس ایچ او جھٹی پر تھا اور دوسرا کانسٹیبل کچھ دیر پہلے کسی کام سے باہر نکلا تھا۔

یہ اس بری شام کا صرف آغاز تھا۔ اگلی بری چیز وہ لاش تھی جو ایک بیک میں اس آدمی نے ایک ریز سے پر رکھ کر اس تک پہنچائی تھی۔ کانسٹیبل فضل دین جب تک اس آدمی کے ساتھ بیک کا جائزہ لینے باہر آیا۔ ریز سے والا غائب ہو چکا تھا۔ اس کو بے تحاشہ غصہ آیا وہ اس لاش کو فوری طور پر قریبی ہاسپل پہنچانا چاہتا تھا۔ اس نے وہیں کھڑے کھڑے اس آدمی کو بے بھادگی سے تائیں جو اس بیک کو وہاں لایا تھا۔

”جتنے کو کہا کس نے تھا کہ تو نہر میں بانس ڈال کر یہ بیک نکال پھرے۔“

”وہ... وہ جی میں اس لڑکی کو بچانے کے لیے کو دیا تھا۔“ اس آدمی نے کچھ گھبراتے ہوئے کہا۔

”کس لڑکی کو؟“ کانسٹیبل فضل دین چونکا اور ایک بار پھر پچھتایا۔ ایک اور ٹانگہ تھانے کی حدود میں داخل ہو رہا تھا۔ ٹانگے پر بیٹھے ہوئے افراد میں ایک لڑکی بھی شامل تھی مگر اس کی حالت بے حد خراب تھی۔ ایک دوسری ایڈمز عمر عورت اور مرد نے اسے سہارا دے کر ٹانگے سے نیچے اتارا مگر وہ آگے چل نہیں سکی اور وہیں برآمدے میں بیٹھ گئی۔ ٹانگے کے اگلے حصے میں بیٹھے ہوئے مرد بھی نیچے اتر آئے۔

”جی یہ لڑکی ہے، اس نے نہر کے پل سے چھلانگ لگائی تھی نہر میں۔“ اس آدمی نے کہنا شروع کیا۔

کانسٹیبل فضل دین کا بس نہیں چل رہا تھا کہ وہ ان سب پر پھونک مارا کر انہیں وہاں سے دفعان کر دے۔ اس لڑکی اور اس بیک کی وہاں موجودگی کا مطلب تھا کہ وہ رات گئے اپنے گھر پہنچا۔ اور اس صورت حال میں کہ اس کی ساس اس کے انتظار میں بیٹھی تھی۔

لڑکی بری طرح کراہ رہی تھی اور اس کی حالت بہت خراب لگ رہی تھی۔ وہاں موجود لوگوں نے اس بیک سے آتے ہوئے بدبو کے بھسکوں کو بری طرح محسوس کیا تھا۔

”اس کو کونل کر دیکھیں تو سہی کہ اندر لاش کس کی ہے اور کس حالت میں ہے۔“ بیک لانے والے آدمی نے کہا۔

”کیوں تو کھولے بغیر اسے لے کر آ گیا ہے یہاں۔“

کانسٹیبل فضل دین نے اسے جھڑکتے ہوئے کہا مگر اس کی پوری طرح توجہ اس لڑکی پر تھی جو بے حد خوب صورت اور کم عمر تھی۔ بیک دم ہی اس کے بیزار می میں کچھ کی ہو گئی تھی اور اس سے پہلے کہ یہ بیزار می مکمل طور غائب ہوتی۔ تھانے کی حدود میں ایک گاڑی داخل ہوئی تھی اور کانسٹیبل فضل دین کے حیروں کے نیچے سے زمین نکل گئی تھی۔ وہ اس وقت ایک شلوار اور اس کے اوپر اپنی یونیفارم کی شرٹ پہنے ہوئے تھا۔ یہ اس نواحی علاقے میں واقع تھانے کا ان آفیشل یونیفارم تھا۔

وہ سویٹر میں حصہ لینے والے کی طرح بھاگتا ہوا اندر تھانے میں گیا تھا۔ مگر اسے اپنی یونیفارم کی پتلون کہیں نظر نہیں آئی اور پھر اسے یاد آیا تھا کہ اس کی پتلون پہن کر دوسرا کانسٹیبل کچھ دیر پہلے قریبی تھانے میں گیا تھا۔ اسے اسی حالت میں باہر آنا تھا۔ مگر آنے سے پہلے وہ تھانے میں پچھی اس چار پائی کو اٹھا کر دیوار کے ساتھ کھڑی کرنا نہیں بھولا جس پر وہ کچھ دیر پہلے لینا آرام کر رہا تھا۔

کانپتے ہوئے وہ اسی حلیے میں اندر سے باہر نکل آیا تھا۔ ایس بی کے ساتھ اس کی جیب سے نکلنے اس علاقے کے نئے اسے ایس بی کا دل چاہا، وہ ایک مگر اس جیب کو مارے اور دوسری کانسٹیبل فضل دین کو... وہ اس کے علاقے کا تیسرا تھانہ تھا جہاں سے شرٹ اور شلوار میں ملبوس پولیس اہلکار برآمد ہوا تھا۔ کانسٹیبل فضل دین نے پاس آ کر اسی مضحکہ خیز حالت میں سیٹھ کرنے کی کوشش کی تھی۔ واحد ذہانت جو اس نے کی تھی، وہ اپنے سر پر وہ نوپنی پہننے کی تھی جو وہ اندر سے باہر آتے ہوئے بڑبڑاہٹ میں لایا تھا۔ اسے ایس بی کا دل اس نوپنی کو دیکھ کر چاہا تھا وہ اسے جھانپڑ رسید کرے۔ وہ اس کی زندگی کی بھی بدترین شام تھی۔ وہ اپنی پہلی تعیناتی پر پہلی بار ایس ایس بی کے ساتھ اچانک دلت پر نکلا تھا اور ہر تھانے کے اہلکاروں نے اس کے منہ پر کالک لٹنے

ایس ایس پی نے تیز چستی ہوئی نظروں سے کاٹھیل فضل دین کو دیکھا پھر اے ایس پی کو پھر کچھ کے بغیر وہ آگے بڑھ کر ان لوگوں کے پاس چلا گیا جو وہاں کھڑے نظر آ رہے تھے۔ چند ہی منٹوں میں وہ بیک کے پاس سے گزرتا گزرتا رکا۔ اس نے بھی بدبو کے بھیکے محسوس کیے۔ بے اختیار پلٹ کر اس نے کاٹھیل فضل دین کو دیکھا۔

”اس میں کیا ہے؟“

”لاش ہے جی۔“ اس سے پہلے کہ کاٹھیل کچھ کہتا، اسی آدمی نے کہا جو بیک وہاں لایا تھا۔

”کس کی لاش ہے؟“ ایس ایس پی نے سنجیدگی سے کہا۔

”پتا نہیں جی۔ میں نے کھول کر نہیں دیکھا۔ مجھے تو نہر سے بیک ملا ہے مگر اس میں سے بدبو بہت آ رہی تھی تو میں اندر لے آیا۔“ اس آدمی نے کہا۔

”تم نے کھولا اسے؟“ ایس ایس پی نے دوبارہ فضل دین سے پوچھا۔

”سرجی... میں بس کھولنے والا تھا۔“ اس نے لپک کر کہا بیک کے پاس آتے ہوئے کہا۔

”کھولو اسے۔“ ایس ایس پی نے تھکسانہ انداز میں کہا۔ فضل دین نے سانس روک کر بیک کی زپ کھول دی اور بیک کا منہ کھول دیا۔ ایس ایس پی اور اے ایس پی نے آگے بڑھتے ہوئے اپنا سانس روکا اور کھلے ہوئے بیک سے اندر نظر آنے والا منظر دیکھا۔

”زیادہ پرانی لاش نہیں ہے۔“ ایس ایس پی نے اے ایس پی سے کہا۔

”یس سر۔“ اس نے موڈبانہ انداز میں تائید کی

”یہ ٹیگ اتارو۔“ ایس ایس پی کی نظریں فوراً اس ٹیگ پر پہنچ گئی تھیں۔ اس بار اے ایس پی نے آگے بڑھ کر وہ ٹیگ اتار لیا۔

”زپ بند کر دو۔“ بدبو واقعی اب اتنی شدید ہو گئی تھی کہ ایس ایس پی کو زپ بند کرنے کے لیے کہنا پڑا۔ اے ایس پی نے فضل دین کا انتظار کرنے کے بجائے خود یہ کام کیا۔

ایس ایس پی نے اس کے سیدھا ہونے پر وہ ٹیگ اس کے ہاتھ سے لے لیا تھا۔ چند لمحوں تک وہ اس کا جائزہ لیتا رہا پھر اس نے کہا۔

”بیک کو خریدے بھی زیادہ دن نہیں ہوئے۔ یہ ڈفل بیک ہے بہت زیادہ لوگ اس طرح کے بیک نہیں خریدتے اور پھر یہ اسٹور بہت مہنگا ہے۔ نام لکھا ہوا ہے اس ٹیگ پر۔ بار کوڈ بھی ہے، تم اس اسٹور کو چیک کر دو۔“

اس کا مل کمپیوٹر سے نکلا ہوگا۔ پتہ چل جائے گا کہ کب خریدا گیا۔ یہ بھی ممکن ہے کہ خریدار کے بارے میں بھی پتہ چل جائے۔ مجھے پتہ کر کے بتاؤ۔“ ایس ایس پی نے اے ایس پی کو تیزی سے ہدایات دیں۔

”لاش کو پوسٹ مارٹم کے لیے بھجواؤ۔“ وہ کہتا ہوا آگے اس لڑکی تک پہنچ گیا۔

”کیا ہوا ہے اس لڑکی کو؟“ اس نے بلند آواز میں اس لڑکی کا جائزہ لیتے ہوئے پوچھا۔

”جی اس نے نہر میں چھلانگ لگا لی تھی، ہم نے بچا لیا اسے۔“ ساتھ آئے ہوئے ایک آدمی نے مستعدی سے کہا۔

”خودکشی کا کیس ہے، کیوں بی بی! کیا مسئلہ ہے؟ کیا نام ہے تمہارا؟“ ایس ایس پی نے بے حد سنجیدگی سے اس سے

پوچھا۔“

لڑکی کچھ دیر کراہتی رہی پھر اس نے بمشکل کہا۔

”امبر!“

”کسی کو پتہ ہے اس کے بارے میں؟“ ایس پی نے ان لوگوں سے پوچھا۔

”نہیں جی، پتہ ہوتا تو گھر پہنچاتے، یہاں کیوں لاتے۔“ ایک آدمی نے کہا۔  
 ”اس کو گاڑی میں بٹھاؤ... ہم ہاسپٹل لے جاتے ہیں اس کی حالت ٹھیک نہیں لگ رہی۔“  
 ایس ایس پی نے پلٹ کر اپنی گاڑی کی طرف جاتے ہوئے اے ایس پی سے کہا۔

☆☆☆

وہ شائستہ کے ساتھ اپنے گھر میں داخل ہو رہا تھا، اور اس کا دل چاہ رہا تھا وہ بے اختیار پلٹ کر وہاں سے بھاگ جائے۔ اسے وہ گل اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ شاید اس لیے کیونکہ اسے مخلوں میں رہنے کی عادت نہیں تھی۔  
 ہارون کمال سے اس کا سامنا لاؤنج میں ہی ہو گیا تھا۔ شہیر سے ملنے وقت اس کے انداز میں گرم جوشی مفقود تھی۔ شہیر نے اس بات کو بری طرح محسوس کیا۔ ہارون کے بارے میں جو کچھ وہ صند سے سن چکا تھا، اس کے بعد وہ خود بھی ہارون کے بارے میں بہت سے تحقیقات کا شکار تھا۔ اس کے باوجود وہ یہ ضرور سمجھتا تھا کہ شائستہ کی طرح ہارون بھی اس سے بہت نہیں تو تھوڑا بہت گرم جوشی کے ساتھ ضرور ملے گا۔ ایسا نہیں ہوا تھا۔  
 مصافحہ کرنے کے بعد چند لمحوں تک وہاں کھڑے تینوں افراد کی سمجھ میں نہیں آیا کہ ایک دوسرے سے کیا بات کی جائے۔ پھر شائستہ نے تیل بجائی۔ اس نے ملازم کو آواز دی اور اسے شہیر کا سامان گاڑی سے نکال کر کمرے میں لے جانے کے لیے کہا۔ ملازم وہاں سے چلا گیا۔

”میں نے شہیر سے کہا ہے کہ وہ کل سے تمہارے ساتھ فیکٹری جایا کرے۔“  
 شائستہ نے اگلا جملہ ہارون سے کہا۔ وہ اس طرح بات کر رہی تھی جیسے وہ شہیر کو پہلی بار اس گھر میں نہیں لائی تھی بلکہ وہ تعلیم مکمل کر کے اس کے پاس آیا تھا۔  
 ”بہتر تھا، شہیر کمرہ دیکھ لیتا۔“ ہارون نے اس کی بات کا جواب دینے کے بجائے موضوع بدلا۔ وہ بے حد کوشش کے باوجود اپنے لہجے کی سرد مہری کو کم نہیں کر پا رہا تھا۔  
 شائستہ نے بڑے غور سے ہارون کے چہرے کو دیکھا۔ اسے وہ اپ سینٹ لگا۔ شائستہ نے لاؤنج سے گزرتے ہوئے

ملازم سے کہا۔

”شہیر صاحب کو کمرے میں لے جاؤ اور ان کے لیے ناشتہ لگاؤ۔“ شائستہ نے ملازم سے کہا۔

”نہیں ناشتے کی ضرورت...“ شائستہ نے شہیر کی بات کاٹ دی۔

ضرورت ہے... تم ناشتہ کر رہے تھے جب میں تمہیں وہاں سے لے آئی ہوں۔“ شہیر خاموش ہو گیا۔  
 ناشتہ کر لو پھر ملتے ہیں۔“ شہیر خاموشی سے ملازم کے ساتھ آگے بڑھ گیا۔ اس سے پہلے کہ وہ لاؤنج سے نکل جاتا، اس نے اپنے عقب میں ہارون کو شائستہ سے کہتے سنا۔  
 ”اسد واپس آ گیا ہے۔“

☆☆☆

اے ایس پی نے مطلوبہ کام اسی رات کر لیا تھا۔ اب یہ اس کی عزت کا معاملہ بن گیا تھا۔ تین تھانوں کے اتنے مایوس کن دورے کے بعد ضروری ہو گیا تھا کہ وہ خود کسی نہ کسی طرح تھوڑی بہت کارکردگی ظاہر کرتا۔  
 اس لیے وہ لاش اور لڑکی کو ہاسپٹل پہنچاتے ہی وہ بیگ اور کارڈ لے کر اس اسٹور پر پہنچ گیا تھا۔ اسے یہ توقع تھی کہ بیگ کب وہاں سے خریدایا گیا۔ اس تاریخ کو اس کو پتہ چل جائے گا اور وہ کوشش کرے گا کہ خریدار کے حلیے کے بارے میں دکاندار سے کچھ معلومات لینے کی کوشش کرے مگر وہاں جو کچھ ہوا تھا۔ وہ اس کے لیے غیر متوقع تھا، کاڈنٹر پر بیٹھے آدمی نے ایک نظر میں ہی اس بیگ کو پہچان لیا۔ وہ وہیں سے فروخت کیا گیا تھا۔ اپنے کمپیوٹر پر اس کی خریداری کو چیک کرتے ہوئے اس نے بتایا۔  
 ”یہ پندرہ تاریخ کو رات گیارہ بجے خریدایا گیا اور ٹل کریڈٹ کارڈ کے ذریعے بے کیا گیا۔“ اے ایس پی کا دل



بیوں اچھلا اس کا مطلب تھا وہ اس بیگ کو خریدنے والے کا نام جان سکتا تھا نہ صرف نام بلکہ کریڈٹ کارڈ کے نمبر کے ذریعے اس کا ایڈریس تک، اسے یہ کیس اپنے ہاتھ میں لگا۔  
 ”بیگ ہارون کمال نامی آدی نے خریدا ہے۔“ کمپیوٹر پر بیٹھے آدی نے اسے ایس بی کو بتایا۔  
 ☆☆☆

”اسد واپس آ گیا ہے۔“

شائستہ کا جسم تن گیا مگر فوری طور پر کوئی رد عمل ظاہر کیے بغیر وہ خاموشی سے ملازم کے ہمراہ شہیر کو لاؤنج سے باہر نکلے دیکھتی رہی اور جیسے ہی شہیر اس کی نظروں سے اوجھل ہوا۔ اس نے پلٹ کر سر و نظروں سے ہارون کو دیکھا۔  
 ”اس کو کس نے بلایا ہے؟“

”ظاہر ہے میں تو دعوت دے کر نہیں بلا سکتا۔“ ہارون نے قدرے ناراضی سے کہا۔  
 ”اور بیٹھے بیٹھی اس پر جی تو نازل نہیں ہوئی ہوگی کہ اسے اس وقت واپس پاکستان جانا چاہیے۔“ شائستہ نے بھی اسی لہجے میں کہا۔

”اسے تائب نے بلوایا ہے۔“ ہارون نے بحث کو ختم کر کے جان چھڑانے والے انداز میں کہا۔  
 ”مجھے پہلے ہی اندازہ تھا۔“ شائستہ نے تیز لہجے میں کہا۔ ”ایسا تو نہیں ہو سکتا کہ تمہاری بیٹی آسانی سے میری بات مان جائے۔“

”اس کی جگہ کوئی بھی ہوتا یہی کرتا۔“ ہارون نے کہا۔

”انجی بیٹی کی طرف داری تم نہیں کرو گے تو اور کون کرے گا۔“ شائستہ نے اسے تنکھی نظروں سے دیکھا۔  
 ”یہ تمہاری اور میری کیا ہے۔ وہ ہماری بیٹی ہے۔“ ہارون کو اس کے لب و لہجے پر اعتراض ہوا۔

”اگر وہ ہماری بیٹی ہے تو جسے آج میں گھر لے کر آئی ہوں، وہ بھی ”ہمارا“ بیٹا ہے۔“ شائستہ نے اس کی بات کاٹی۔  
 ”اس وقت تم صرف یہ سوچو کہ تمہیں اسد سے کیا کہنا ہے۔“ ہارون نے اس کو یاد دلایا۔

”وہ تم سے بات کرنا چاہتا تھا مگر میں نے اسے...“ شائستہ نے بے حد ناراضی سے پھر اس کی بات کاٹ دی۔  
 ”مجھے پروا نہیں کسی کی، چاہے وہ اسد ہو یا تائب اور مجھے کسی سے کچھ نہیں لینا۔ میں اس معاملے پر کسی کو وضاحتیں نہیں دوں گی۔“

”آپ وضاحتیں دیتا نہیں چاہتیں، میں وضاحتیں لینا بھی نہیں چاہتا۔“ اسد کس وقت لاؤنج میں داخل ہوا، ان دونوں میں سے کسی کو اس کا احساس نہیں ہو سکا تھا۔

”میں صرف اس تماشے کو ختم کرنا چاہتا ہوں جو آپ دونوں نے مل کر شروع کیا ہے۔“ وہ ان دونوں کے مقابل آ کر کھڑا ہو گیا۔ شائستہ اور ہارون نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا پھر نظریں چرائیں۔

”میں کسی صورت یہ ماننے کو تیار نہیں کہ جسے ابھی تو جی دیر پہلے آپ اس گھر میں لے کر آئی ہیں اس کے ساتھ میرا کوئی خونی رشتہ ہو سکتا ہے۔“ اس نے بے دھرم کہا۔

”تمہارے نہ ماننے سے حقیقت تبدیل نہیں ہو سکتی۔“ شائستہ نے اس کی بات کے جواب میں کہا۔  
 ”یہ کیسی حقیقت ہے جو صرف آپ کو نظر آ رہی ہے، کسی اور کو نہیں۔“ اسد نے ترشی سے کہا۔

”شہیر، بی بی اولاد ہے۔“

”پھر اتنے سال ہم نے آپ دونوں میں سے کسی کی زبان سے اس کا ذکر کیوں نہیں سنا؟“ وہ باقاعدہ جرح کرنے لگا۔  
 ”کیا ذکر کرتے؟ یہ کہ ہمارا ایک بیٹا تھا جو پیدائش کے چند گھنٹوں کے بعد اغوا ہو گیا۔؟“ شائستہ نے غصے سے کہا۔

”ہاں یہی بتا دیتے۔ مگر اس کے بارے میں کچھ نہ کچھ تو کہتے جس سے ہمیں آپ کی طرح یہ یاد رہتا کہ ہمارا ایک بھائی

ہے جو زندگی میں کبھی نہ کبھی واپس آسکتا ہے۔" اسد نے بتایا۔  
 "ہم سے غلطی ہوئی، ہم نے اس کا ذکر نہیں کیا، تم ٹھیک کہتے ہو۔ ہمیں اس کا ذکر کرنا چاہیے تھا۔" شائستہ آہستگی سے

بولی۔  
 "یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہے، جتنا آپ اسے بنا کر پیش کرنے کی کوشش کر رہی ہیں۔" اسد نے تیزی سے کہا۔  
 "آپ کی شادی میری پیدائش سے تقریباً ایک سال پہلے ہوئی ہے پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک سال میں شہیر بھی پیدا  
 ہوا اور میں بھی؟"

اسد نے جیسے انہیں کنبہ سے میں کھڑا کر دیا۔ شائستہ کو ہارون کی خاموشی بری طرح کھلی۔

"شادی کی تاریخ غلط ہے۔" شائستہ نے بے اختیار کہا۔

"میں آپ کی اور پاپا کی غلطی سے اس سلسلے میں امریکہ میں بی بی بات کر چکا ہوں۔ دونوں فیملیز کا کہنا ہے کہ میں شادی  
 کے ایک سال کے بعد پیدا ہوا۔" کچھ دیر کے لیے شائستہ کچھ نہ بول پائی۔

"اور دونوں فیملیز کو میرے علاوہ کسی دوسرے بچے کی پیدائش اور انہماک کے بارے میں کچھ پتہ نہیں ہے۔"

اسد اب ماں کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہہ رہا تھا۔ "اب یہ کیا مسز (راز) ہے، اسے کم از کم میں تو حل نہیں کر سکتا  
 اور نہ ہی میں اسے حل کرنا چاہوں گا۔ میں صرف اتنا چاہوں گا کہ آپ اپنی اس نام نہاد کم شدہ اولاد کو ہماری زندگی سے باہر لے  
 جائیں کیونکہ مجھے اور نایاب کو اس سوسائٹی میں رہنا ہے۔ اسے فیس کرنا ہے۔"

وہ جیسے کوئی حکم صادر کر رہا تھا۔ شائستہ اب چپ چاپ اسے دیکھ رہی تھی۔ اسے اس وقت وہ بالکل ہارون کمال لگ رہا  
 تھا۔ آج سے کئی سال پہلے کا ہارون کمال جو اسی طرح اسے ڈکیت کیا کرتا تھا۔

اسے یاد آیا شہیر کی پیدائش پر ہارون کمال نے اتنی ہی رعنت کے ساتھ اسے زندگی سے نکال دینے کے لیے کہا تھا اور  
 پھر اس کی زندگی سے نکال بھی دیا تھا۔ وہ اس وقت بے حد کمزور تھی۔ ہارون کمال کے سامنے مزاحمت نہیں کر سکی۔ وہ آج اتنے  
 سالوں کے بعد دوبارہ بے بس نہیں ہونا چاہتی تھی کہ ایک بار پھر سے شہیر کو اپنی زندگی سے باہر نکال سکتی۔

اسد اب خاموش کھڑا اس کے جواب کا منتظر تھا۔ شائستہ نے ایک بار ہارون کمال کو دیکھا۔ وہ بھی خاموش تھا، اسے آج  
 کچھ کہنے کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ کام اسد بخوبی کر رہا تھا۔

فیصلہ کرنے میں اس بار شائستہ کو زیادہ وقت نہیں ہوئی۔

"تم ٹھیک کہتے ہو اسد! خاندان والے واقعی شہیر کے بارے میں نہیں جانتے۔"

شائستہ کے لہجے میں بے حد سکون تھا۔ ہارون کمال نے کچھ چونک کر اسے دیکھا۔

"تم نے ٹھیک کہا کہ وہ کسی بچے کے انہماک کے بارے میں بھی نہیں جانتے۔" وہ صوفے پر اطمینان سے بیٹھی تھی۔

ہارون کمال کی چشمی جس سے خبردار کرنے لگی۔ "وہ جان بھی کیسے سکتے تھے جبکہ ہمارا کوئی بچہ کبھی انہماک ہوا ہی نہیں۔"

اسد نے شائستہ کو بے یقینی سے دیکھا۔ اسے لگا شائستہ کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔

"شائستہ..." ہارون نے مداخلت کی۔ شائستہ اب سگریٹ سلگا رہی تھی۔ اور اس کا اطمینان تو مل دیدیتا۔

"اب مت روکو ہارون! اب وقت آ گیا ہے کہ سب کچھ بتا دیا جائے۔ آخر اسد نتھاپچ نہیں ہے کہ کچھ سمجھ نہیں سکے گا۔"

اس نے ہارون سے اس طرح کہا جیسے وہاں کوئی بڑی دوستانہ ماحول میں گفتگو ہو رہی تھی۔

"تم بیک بیک بند کرو۔" ہارون نے بے اختیار اسے جھڑکا۔ شائستہ کے انداز اس کو خوف میں مبتلا کر رہے تھے۔

اسے یاد نہیں آیا کہ اس نے آخری بار شائستہ سے کب خوف محسوس کیا تھا۔

"بیک بیک..." شائستہ بے اختیار ہنس دی۔ "گھبراؤ مت ہارون! اسد تمہیں کچھ نہیں کہے گا۔ وہ سب کچھ مجھے ہی کہے

گا۔ یہ سب کچھ عورت ہی کی غلطی ہوئی ہے، مرد کی نہیں۔"

وہ سگریٹ کا کش لگانے کے لیے رکی۔ قیامت آنے میں جیسے چند لمبے باقی رو گئے تھے۔ ہارون کو سبکی لگا تھا۔  
 ”میں نے اور ہارون نے گھر والوں کی مرضی کے بغیر نکاح کر لیا تھا۔ ایسا کرنے کے لیے ہارون نے مجھ سے کہا تھا۔“  
 ک بعد میں گھر والے ہماری شادی کرنے پر مجبور ہو جائیں۔“

”شائستہ...!“ ہارون نے غراتے ہوئے اسے روکنے کی کوشش کی۔

”شٹ اپ ہارون!“ وہ ذرا بھی مرعوب ہوئے بغیر جوابا بولی تھی۔

مگر اس سے پہلے کہ میں اپنی گھر والوں کو بتا پاتی، میں پریکٹت ہو گئی۔ ”شائستہ نے بات جاری رکھی۔  
 اس نے بے یقینی سے شائستہ اور ہارون کی طرف باری باری دیکھا۔ ہارون ہونٹ جھپٹے ہوئے تھا۔

”ہم نے گھر والوں کو مجبور کیا کہ وہ ہماری شادی کر دیں۔ شادی ہو گئی مگر ہارون اس سچے کو قبول کرنے پر تیار نہیں تھا۔

اس نے پہلے ابارش کر دانا چاہا، جب اس میں ناکامی ہوئی۔ تو اس نے مجھے مجبور کیا کہ میں اس سچے کو چھوڑ دوں۔ ہم دوسرے شہر  
 گئے۔ شہیر کی پیدائش وہیں ہوئی اور اس کے بعد ہم شہیر کو ایک یتیم خانے میں داخل کر دیا کہ خاموشی سے واپس آ گئے۔ میں ایسا نہ  
 کرتی تو ہارون مجھے چھوڑ دیتا۔ کیوں ہارون! یہی کہا تھا تا تم نے کہ تم مجھے طلاق دے دو گے؟“

ہارون کا دل چاہا، وہ اس کا منہ توڑ دے مگر وہ چپ چاپ وہیں کھڑا رہا۔ صوفے پر بیٹھی ہوئی عورت سے اب اسے کوئی  
 رشتہ، کوئی تعلق محسوس نہیں ہو رہا تھا۔ وہ اس کی نظروں کی چمکوں اپنے چہرے پر محسوس کر رہا تھا۔

”یہ ہے شہیر کی کہانی... وہ ناجائز اولاد نہیں ہے مگر میں نے اور ہارون نے اسے ناجائز اولاد ہی سمجھا۔ ہم نکاح کے بعد  
 رخصتی کے بغیر ایک دوسرے کے ساتھ ملتے رہے تھے اور ہارون کو بعد میں...“

ہارون نے تھملا کر اس کی بات کاٹ دی۔

”یہ کافی ہے۔ تم جتنا رسوا مجھے کرنا چاہتی ہو، کر چکی ہو۔ مزید تقریر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔“ ہارون بے حد مشتعل  
 تھا۔ ”یہ سب کچھ میری وجہ سے نہیں ہوا تھا، تم بھی اس میں شریک تھیں۔“

ہارون اب جیسے اسد کے سامنے صفائیاں دینے کی کوشش کر رہا تھا جو بے حد خاموشی اور سرد مہری سے ان دونوں کی باتیں  
 سن رہا تھا۔

”میں نے کب کہا کہ میں اس میں شریک نہیں تھی۔“ شائستہ نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا۔ ”تم ٹھیک کہہ رہے  
 ہو کہ یہ سب کچھ میری مرضی سے ہوا تھا۔ میں نہ چاہتی تو تمہارے مجبور کرنے پر بھی یہ سب کچھ نہ کرتی، تمہیں تب ہی چھوڑ دیتی  
 مگر مجھ میں تب اتنا حوصلہ نہیں تھا۔ بہت بزدل تھی میں...“

”اپنے آپ کو اتنا معصوم اور کمزور ظاہر کرنے کی کوشش مت کرو۔ تم اتنی معصوم ہو تیں تو تم اس طرح مجھے نہ پھانس لیتیں  
 جیسے تم نے مجھے پھانسا۔“

اس سے پہلے کہ شائستہ کچھ کہتی، اسد نے مداخلت کی۔

”مجھے اس وقت یہاں کھڑے ہو کر آپ دونوں کے ماضی کے قصے سننے میں کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ آپ دونوں نے  
 جو کچھ کیا غلط کیا۔ مجھے شہیر سے ہمدردی ہے۔ اس کے باوجود میں اسے اپنا بھائی بنا کر اس گھر میں نہیں برداشت کر سکتا آپ  
 لوگ اسے واپس بھجوائیں اور گھرنا نقلی اس کی مدد کرتے رہیں۔“

”میں نے شائستہ سے یہی کہا تھا۔“ ہارون نے بے اختیار کہا۔

”اور میں نے تمہیں بتا دیا ہے کہ میں ایسا کبھی نہیں کروں گی۔“ شائستہ نے دونوں کو کہا۔ ”میں اسے اپنے گھر لے کر  
 آئی ہوں، میں اسے یہاں سے واپس کبھی نہیں بھجھوں گی۔“

”پھر آپ شہیر اور ہم میں سے ایک کا انتخاب کر لیں۔“ اسد نے اسی کے انداز میں کہا۔

”میرے سامنے اس طرح کے انتخاب مت رکھو جسے کرتے ہوئے ہم دونوں کو پچھتا تا پڑے۔“ شائستہ کے چہرے پہ

بے حد سنجیدگی تھی۔  
 ”یہ سب آپ نے اور پاپا نے شروع کیا ہے۔ اگر کوئی بچھڑائے گا تو وہ آپ دونوں میں سے ہی کوئی ہوگا۔ کم از کم میں نہیں ہو سکتا۔“ اسد نے سنجی سے کہا۔

”ہاں یہ سب میں نے اور ہارون نے ہی شروع کیا ہے، اس لیے اسے مجھے اور ہارون کو ہی ختم کرنے دو۔“  
 شائستہ نے اسی سرد مہری سے جواب دیا۔

”جی! میں آپ کو کوئی حماقت نہیں کرنے دوں گا۔“

”حماقت...؟ کیسی حماقت؟ غلطی کا کفارہ حماقت نہیں ہوتی۔“

”آپ کی غلطی کا کفارہ میں اور نایاب اور نہیں کر سکتے۔“ اسد کی آواز اس بار بہت بلند تھی۔

”تمہیں اور نایاب کو اس معاملے میں کون انوالو کر رہا ہے؟ کم از کم میں تو نہیں کر رہی۔“ شائستہ نے دو بدو کہا۔

”آپ اسے اس گھر میں اور ہماری زندگیوں میں لے آئی ہیں۔ کل کو جائیداد کا شریک بھی بنائیں گی اسے۔“

”کل نہیں، آج۔“ شائستہ نے اس کی بات کے درمیان میں کہا۔ ”میں نے بھی اسے اس جائیداد کے وارثوں سے الگ

نہیں سمجھا اور اب جب میں اسے اس گھر میں لے آئی ہوں تو میں اسے اس جائیداد میں اتنا ہی حصہ دوں گی جتنا تمہیں ملے گا۔“  
 ”اور یہ میں کبھی نہیں ہونے دوں گا۔“ یہ ہارون کمال تھا۔

”تم نے شبیر کو اس گھر میں لانے کی ضد کی، میں نے مانی مگر جائیداد کے کٹڑے کر کے اس طرح بانٹ نہیں سکتا۔“

”کیوں نہیں بانٹ سکتے، کیا وہ تمہاری اولاد نہیں ہے؟ کیا وہ تمہاری جائز اولاد نہیں ہے؟“

”میں اس بارے میں ایک بار پھر تم سے بحث نہیں کرنا چاہتا۔ دو کبھی ہماری زندگی میں شامل نہیں رہا۔ میرے لیے اسے

اپنی اولاد تسلیم کرنا اتنا مشکل نہیں، جتنا یہ مشکل ہے کہ میں نایاب اور اسد کے ساتھ ساتھ اسے بھی اس جائیداد کا حصہ دار سمجھ لوں۔ میں یہ نہیں کر سکتا۔“

”میں کر سکتی ہوں۔ تمہیں اگر اپنی جائیداد کو تقسیم کرتے ہوئے تکلیف ہو رہی ہے تو میں اپنی جائیداد اسے دے سکتی

ہوں۔“ شائستہ نے فیصلہ کن انداز میں کہا۔

”اور یہ کام تم میرے ساتھ رہ کر نہیں کر سکتیں پھر تمہیں شبیر یا اس گھر میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنا پڑے گا۔“

”میں اس بار شبیر کے لیے سب کچھ چھوڑ سکتی ہوں۔“ شائستہ نے اسی انداز میں کہا۔ ”گھر، تمہیں سب کچھ۔“

مجھے اور نایاب کو بھی؟“ اسد نے چہیتے ہوئے انداز میں پوچھا۔

”اتنے سالوں میں کبھی ایک بار بھی ایسا نہیں ہوا کہ میں نے اپنے آپ کو تمہارے ساتھ محسوس کیا ہو۔“

شائستہ کہہ رہی تھی۔ ”تم دونوں صرف ہارون کے تھے، ہارون کے ہو۔ میرا ساتھ ہونا یا نہ ہونا کیا معنی رکھتا ہے تم لوگوں

کے لیے۔“

”جی! اس وقت جذباتی باتیں مت کریں۔“ اسد نے اپنی ماں کو تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اس وقت صرف اس ایٹو پر

بات کریں جو اہم ہے۔“

”تم کیا سننا چاہتے ہو مجھ سے اسد؟“ وہ بے حد سنجی سے بولی تھی۔

”یہ آپ ملے کریں کہ آپ کو مجھے کیا سننا ہے۔“

”میں شبیر کو نہیں چھوڑوں گی۔“ شائستہ نے دو ٹوک انداز میں کہا۔

”پھر میں اور نایاب یہ گھر چھوڑ دیں گے۔“ اسد نے بھی اسی انداز میں کہا۔

”اور میں تم لوگوں کو یہ گھر چھوڑنے نہیں دوں گا۔ یہ گھر تمہارا ہے... شبیر کا نہیں۔“ ہارون نے اسد کی طرف دیکھا۔

”یعنی تم مجھ سے یہ کہہ رہے ہو کہ میں شبیر کو لے کر یہاں سے چلی جاؤں۔“ شائستہ نے عینے انداز میں کہا۔

”ہاں!“ ہارون نے مختصر جواب دیا۔ لاؤنج میں چند لمبے خاموشی رہی۔

”میں اگر شہیرہ کو لے کر کریمیاں سے جہنی تو طلاق کے بغیر نہیں جاؤں گی اور یہ طلاق تمہیں سختی بھیجی پڑے گی، جس میں اس کا اندازہ ہے ہارون؟“

”میں نے طلاق کی بات نہیں کی۔ تم دوسرے گھر میں شہیرہ کے ساتھ رہو۔ اس کا یہاں سب کے ساتھ رہنا ضروری نہیں ہے۔ مجھے امید ہے کہ اسد کو بھی اس پر اعتراض نہیں ہوگا۔“ ہارون نے آرام سے مسکے کا گلہ پیش کیا۔

”شہیرہ کہاں رہتا ہے، یہ میرا مسئلہ نہیں ہے۔ وہ کسی حیثیت سے رہتا ہے، یہ میرا مسئلہ ہے۔“ اسد بھی بولا تھا۔

”اور اس کی حیثیت تبدیل نہیں ہوگی اسد!“ تم شائستہ تیزی سے بولی۔ ”اور ہارون! میں شہیرہ کو کسی دوسرے گھر میں لے کر نہیں جاؤں گی۔ میں اگر اسے یہاں سے لے کر جاؤں گی تو پھر وہ بارہ بھی یہاں نہیں آؤں گی۔ کبھی تمہاری شکل نہیں دیکھوں گی۔ جتنی جائیداد تمہیں شہیرہ کو دینا پڑے گی، اس سے کہیں زیادہ جائیداد تم کو طلاق کے بعد مجھے دینا پڑے گی۔ اب یہ تم خود بیٹھ کر طے کر لو کہ تمہیں کون سا راستہ پسند ہے۔ شہیرہ کو قبول کر کے جائیداد میں حصہ دینا یا پھر مجھے طلاق دے کر جائیداد کی تقسیم بیٹا تو تمہارا یہاں ہے ہی، بیٹی کو بھی بلوا لو تاکہ تینوں بیٹھ کر اس کے بارے میں فیصلہ کر سکو۔“

وہ جہنی سے کہتے ہوئے تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ اسد اور ہارون چپ چاپ ایک دوسرے کا منہ دیکھتے رہ گئے۔

”تم دیکھ سکتے ہو اسے۔ یہ ساری زندگی اسی طرح خود ساری کا مظاہرہ کرنی رہی ہے۔ کیا یہ کسی کے لیے ممکن ہے کہ ایسی عورت سے اس کی مرضی کے خلاف کوئی کام کروانے کے لیے اسے مجبور کیا جاسکے۔“

ہارون کو اسد کے سامنے اپنی صفائی دینے کے لیے جیسے ایک موقع ہاتھ آ گیا۔

”مجھے دلچسپی نہیں ہے کہ کس نے کس کو مجبور کیا اور کیا کروایا۔“ اسد نے سرد مہری کے ساتھ ہارون کی بات کاٹ دی۔

”مجھے صرف اس بات سے دلچسپی ہے کہ یہ سب کچھ ختم ہو جائے۔“

”تم یقین کرو اسد! یہ سب میں نے شروع نہیں کیا ہے۔“

ہارون زندگی میں پہلی بار اسد کے سامنے اس لہجے میں وضاحتیں دے رہا تھا اور اسد بے حد کھردرے لہجے میں اس کی بے عزتی کا موقع ہاتھ سے جانے نہیں دے رہا تھا۔

”آپ نے انکل منصور کے ساتھ پارٹنرشپ ختم کر دی ہے؟“ اسد نے یکدم موضوع بدل دیا۔ ہارون اس غیر متوقع سوال کے لیے تیار نہیں تھا۔ وہ کچھ لمحے چپ چاپ اسے دیکھتا رہا پھر بولا۔

”تمہیں کس نے بتایا ہے؟“

”اس بات کو چھوڑیں کہ مجھے کس نے بتایا ہے۔ آپ صرف یہ بتائیں کہ یہ خبر ٹھیک ہے یا نہیں؟“ اسد نے کندھے جھکتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں۔“

”کیوں؟“

”بہت ساری وجوہات ہیں۔“ ہارون نے گول مول انداز میں کہا۔

”اور ان وجوہات میں سب سے بڑی وجہ امبر ہے۔“ ہارون جیسے کرنٹ کھا کر اچھلا۔ اسد اس کے ردعمل پر حیران ہوا۔

”کیا مطلب؟“ ہارون نے سفید پڑتے چہرے کے ساتھ کہا۔

”مطلب صاف ہے۔ میں امبر سے شادی کی خواہش کا اظہار نہ کرتا تو یہ پارٹنرشپ جاری رہتی۔“ اسد نے ہارون کے

چہرے پر نظریں جمائے ہوئے کہا۔ ہارون کی رنگت لحوں میں بحال ہو گئی تھی۔

”ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ تمہیں یہ بات کیے اور باہر گئے اتنا عرصہ ہو گیا ہے پارٹنرشپ تو میں نے ابھی ختم کی ہے۔“

”ہاں، آپ نے بہت انتظار کر کے، بہت طریقے سے یہ کام کیا ہے مگر مجھے کوئی شبہ نہیں ہے کہ اس پارٹنرشپ کو ختم

کرنے کی وجہ صرف میں ہوں۔" وہ اپنی بات پر اڑا ہوا تھا۔

"میری سمجھ میں نہیں آ رہا، میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ ایسا نہیں ہے۔"

"اگر ایسا نہیں ہے تو میں منصور انکل سے ملنا چاہوں گا تاکہ جان سکوں کہ آخروہ کون سی وجہ ہے جس نے آپ کو اتنا بڑا فیصلہ کرنے پر مجبور کیا۔"

ہارون کو لگا وہ ایک گڑھے سے نکل کر دوسرے میں جا پھنسا ہے۔ پہلے شائستہ تھی جو اس کی گردن میں شہیرہ نام کی ہڈی پھنسانے پر تکی ہوئی تھی اور اب یہ اس کا اپنا بیٹا تھا جو اس کی گردن کے لیے ایک اور پھندا تیار کیے جھٹا تھا۔ وہ منصور اور اسد کی ملاقات کے نتیجے کو بغیر کسی دقت کے تصور میں دیکھ سکتا تھا اور یہ تصور بھی اس کے روٹنے گڑھے کرنے کے لیے کافی تھا۔

"تمہیں منصور سے ملنے کی ضرورت نہیں ہے۔" ہارون نے بے حد جنگ لہجے میں آخری کوشش کی۔

"کیوں ضرورت نہیں ہے۔ میں بڑی آسانی سے یہ طے کر سکتا ہوں کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور کیا نہیں۔ اور آپ دونوں سے زیادہ بہتر طریقے سے طے کر سکتا ہوں۔" ہارون نے اسد کے انداز میں اپنے اور شائستہ کے لیے تحارت کی جو جھلک دکھائی تھی، اس نے اسے ہولا دیا تھا۔

☆☆☆

"تم چند دنوں کے لیے یہاں آ جاؤ مانیہ! مانی کو شکر کے منہ سے اپنا پورا نام سن کر جیسے ایک جھٹکا لگا تھا۔ اس کا لہجہ تو عجیب تھا ہی مگر اس کے بات کرنے کا انداز بھی پہلے جیسا نہیں تھا۔

اس نے چند لمحے پہلے موبائل پر اسے فون کیا تھا۔

"کیوں، کیا ہوا؟" امی ٹھیک ہیں؟ شہیرہ بھائی ٹھیک ہیں؟" اسے یک دم تشویش ہونے لگی۔

سب لوگ بالکل ٹھیک ہیں۔" شرنے اسے جیسے تسلی دی۔ "مگر تمہاری یہاں موجودگی چند معاملات کے لیے ضروری

ہے۔"

"تم کہیں تباہ سے کوئی مگنٹی وغیرہ تو نہیں کر رہے؟" مانی کو یک دم خیال آیا۔ وہ ہنس دیا۔

"نہیں، ایسا کچھ نہیں ہو رہا۔ بس تم جتنی جلدی واپس آ سکو بہتر ہے۔"

"میں اس ویک اینڈ پر آنے کی کوشش کرتی ہوں۔" مانی نے کہا۔

"ٹھیک ہے، تم مجھے آنے کے بارے میں بتا دینا۔"

"شرن... کچھ واقعی ٹھیک ہے نا؟" مانی نے کچھ الجھتے ہوئے پوچھا۔

"تم یہاں آؤ گی تو خود دیکھ لو گی کہ سب کچھ ٹھیک ہے یا نہیں۔" شرن نے گول مول انداز میں جواب دیا۔

"پھر تم اتنے سنجیدہ کیوں ہو رہے ہو؟" وہ اب مشکوک ہو رہی تھی۔

وہ اس سے کہہ نہیں سکا کہ زندگی کے جس مرحلے سے وہ گزر رہا تھا، اس نے اسے چند گھنٹوں میں عمر کے بہت سے سال طے کروا دیے تھے۔ وہ ہنسنے کے قابل نہیں رہا تھا۔ اگرچہ وہ بے حد کوشش کر رہا تھا کہ مانی کو اس کے لہجے اور انداز میں آنے والی

تبدیلی محسوس نہ ہو سکے۔

"میں ہمیشہ سے ہی سنجیدہ رہی ہوں۔ اگر تمہیں پہلے کبھی نہیں لگا، تو اس میں میرا تصور نہیں ہے۔" اس نے اپنے لہجے میں کچھ بلاشت لانے کی کوشش کی۔ اسے یقین تھا، مانی مطمئن نہیں ہو گی۔ وہ اس کی رگ رگ سے واقف تھی۔

"تم نے کوئی نیا کارنامہ تو نہیں کر دکھایا؟" مانی کو اب اور طرح کی تشویش ہونے لگی۔ "پھر کوئی فلم سائن کر لی ہے یا اسی

طرح کی کوئی چیز؟"

"ہاں ایسی ہی کوئی بات ہے۔" شرن نے دانستہ جھوٹ بولا۔ یہ ضروری ہو گیا تھا اس کہ وہ اس کی تشویش کو کم کرنے کے

لیے کچھ نہ کچھ کہتا، ورنہ وہ اگلے کئی گھنٹے اسی طرح کے سوال کرتی رہتی۔

”فارگاز سیک ٹر! مجھے اس طرح کے کسی کام کے لیے کراچی سے بلوا رہے ہو۔“ ثانی کو اگر ایک طرف کچھ تسلی ہوئی تو دوسری طرف غصہ بھی آیا۔

”میرے پاس اتنا فالٹو وقت نہیں ہے کہ میں تمہارے لیے بھاگتی ہوئی واہس آؤں اور تمہیں سپورٹ کروں۔“ وہ جھنجھلا گئی۔

”ٹھیک ہے مت آؤ۔“ ٹرنے مزید کچھ کہے بغیر سیل فون آف کر دیا۔ وہ جانتا تھا، وہ آجائے گی۔ بکتے بھکتے سہی مردو آئے گی۔

اس نے اگلی کال نایاب کو کی۔ کال کو فوراً ریسپونڈ کیا۔

”شہیر بھائی کیسے ہیں؟“ ٹرنے رسی علیک سلیک کے بعد پوچھا۔

”وہ ٹھیک ہیں اور گھر پر ہی ہیں۔“ نایاب آہستہ سے بولی۔

”اسد بھائی کی پاپا اور مگی سے بہت طویل بات ہوئی۔ مجھے نہیں پتا کہ ابھی انہوں نے کیا طے کیا ہے۔ کیونکہ میری ابھی

نیک اسد بھائی سے بات نہیں ہوئی۔ جیسے ہی ان سے بات ہوتی ہے میں تمہیں بتاؤں گی کہ انہوں نے کیا طے کیا ہے۔“ وہ کہہ رہی تھی۔

”تم اگر شہیر بھائی سے بات کرنا چاہتے ہو تو میں کروا سکتی ہوں۔“ اس نے آخر کی۔

”نہیں نایاب! مجھے ان سے بات نہیں کرنی، مجھے تم سے بات کرنی ہے۔ کیا تم مجھ سے کہیں مل سکتی ہو؟“

”جب اور جہاں تم کہو۔“ نایاب نے بے اختیار کہا۔ ”تمہیں پوچھنے کی ضرورت کب سے ہونے لگی۔“

ٹرنے اس کے سوال کا جواب نہیں دیا۔ پھر اس نے اسے وقت اور وہ جگہ بتائی۔ جہاں وہ اس سے ملنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

اسد کچھ دیر پہلے منصور علی سے ملنے ہوٹل کے کمرہ میں آیا تھا۔ منصور نے بڑی گرم جوشی کے ساتھ اس کا استقبال کیا۔ مگر اسد کو منصور کی حالت دیکھ کر دھچکا لگا تھا۔ بڑھی ہوئی شیو اور گلچے کپڑوں میں سرخ آنکھوں اور کھمرے بالوں کے ساتھ وہ کہیں سے وہ منصور علی نہیں لگتا تھا، جسے اس نے اپنے باپ کے ساتھ کئی بار دیکھا تھا۔

منصور کو اس نے اس کے موبائل پر کال کی تھی اور یہ اس کا نمبر وہ بڑی کوشش کے باوجود بھی اپنے آفس سے حاصل نہیں کر پایا تھا، نتیجہ کے طور پر اسے منصور کے وکیل سے رابطہ کرنا پڑا تھا۔ اور منصور کا کانٹیکٹ نمبر حاصل کرنے کی جدوجہد کے دوران اسے منصور کے بارے میں سب کچھ معلوم ہو گیا تھا۔ رخصتی اور اس کے درمیان ہونے والی طلاق اور اس کی فیکٹری پر ہونے والا قبضہ، مگر اسے ان تمام چیزوں سے دلچسپی نہیں تھی۔ وہ منصور سے اس کی اور ہارون کمال کی ختم ہونے والی پارٹنرشپ کے بارے میں بات کرنا چاہتا تھا۔ زندگی میں پہلی بار وہ ہارون اور شائستہ دونوں کو اپنے سامنے بے بس پارہا تھا اور امبر کو حاصل کرنے کا ایک سنہری موقع اس کے ہاتھ آ گیا تھا۔

بات منصور نے شروع کی۔

”مجھے تمہیں یہاں دیکھ کر بہت خوشی ہو رہی ہے اسد، میں جانتا تھا ہارون کو جلد ہی اپنی غلطی کا احساس ہو جائے گا۔“

”انکل! مجھے پاپا نے نہیں بھیجا۔“ اسد نے فوراً اس کی غلط فہمی دور کی۔ منصور کو جیسے دھچکا لگا۔

”ہارون نے نہیں بھیجا؟“

”نہیں۔“ میں اپنی مرضی سے آپ کے پاس آیا ہوں۔ میری خواہش ہے کہ آپ اور پاپا کے درمیان یہ پارٹنرشپ اس طرح ختم نہ ہو، جو بھی وجوہات ہیں، میں وہ جانتا چاہتا ہوں تاکہ معاملات کو گبڑنے سے بچا سکوں۔“ اسد نے بڑی مفاہمت کے انداز میں کہا۔

”یہ سب امبر کی وجہ سے ہو رہا ہے۔“ منصور نے دانت پیستے ہوئے کہا۔ اسد، امبر کا ذکر کرنا چاہتا تھا مگر اسے توقع نہیں

تھی کہ اس ذکر میں منصور خود پہل کر دے گا۔ اور وہ بھی اس لہجے میں۔

”کیا مطلب؟“ اسد نے بڑے محتاط انداز میں پوچھا۔ وہ توقع کر رہا تھا کہ منصور اب اسے بتائے گا کہ ہارون نے کس طرح اسد کی امبر کے لیے پسندیدگی کی وجہ کو بنیاد بناتے ہوئے اس پائزنشپ کو ختم کر دیا۔ مگر جو کچھ اس نے منصور کی زبان سے سنا اس نے اسد کے حیروں کے نیچے سے زمین نکال دی۔

”ہاں، یہ سب کچھ امبر کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اسی نے ہارون کمال سے کہا ہے کہ وہ یہ پائزنشپ ختم کر دے۔“

اس نے یہ سب کچھ کرنے کے لیے ہی ہارون سے شادی کی ہے۔“

”کیا...؟“ اسد کے سر پر گویا کوئی دھماکہ ہوا۔ ”کیا کہہ رہے ہیں آپ؟ کس امبر کی بات کر رہے ہیں؟“ اسے لگا منصور

یقیناً کسی اور لڑکی کا تذکرہ کر رہا ہے۔

”میں اپنی بیٹی کی بات کر رہا ہوں، جو میرے لیے آستین کا سانپ بن گئی ہے۔“ منصور نے دانت کچکپکاتے ہوئے کہا۔

”تم تو اچھی طرح جانتے ہو اسے۔ کئی بار مل چکے ہو اس سے۔“

وہ چند لمبے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں منصور کو دیکھا رہا پھر بولا۔

”امبر نے پاپا سے شادی کر لی ہے۔؟“

”ہاں... ہارون ماننا نہیں ہے، مگر ایسا ہی ہوا ہے۔ امبر کو اس نے اپنے فلیٹ پر رکھا ہوا ہے۔ اسی کے کہنے پر تو وہ مجھے

اس طرح تنگ کر رہا ہے۔“ پائزنشپ کی بات اسد کے دماغ سے اڑن چھو ہو گئی تھی۔

”آپ کیا بات کر رہے ہیں؟ ایسا کچھ ہوتا تو می کو پتہ ہوتا۔ اور پاپا... امبر ان کی بیٹی کے برابر ہے، ضروری نہیں ہے کہ

آپ نے بیٹی کی دوست کو بیٹی نہیں سمجھا۔ اور اس سے شادی کر لی تو ہر مرد بیبی کرے۔“ منصور کو اس کی بات طمانچے کی طرح

لگی۔

”میں امبر میں انٹرنلڈ تھا۔ میں امبر سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ میرا باپ اس لڑکی سے شادی کر لے

جس سے وہ میری شادی کرنے پر تیار نہیں تھا۔“

اسد کہتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ مگر اپنے منہ سے نکلنے والے آخری جملے نے اسے یکدم ٹھنکا دیا۔

”تو کیا پاپا اس لیے امبر سے میری شادی نہیں کرنا چاہتے تھے، کیونکہ وہ خود اس میں انٹرنلڈ تھے۔“

منصور سے بات کرتے ہوئے اسے اپنی آواز بے حد کھولنی لگی۔ وہ ہارون کمال کو اچھی طرح جانتا تھا۔ ہارون خوبصورتی

پر مہربان تھا اور امبر بے تحاشا خوبصورت تھی۔ منصور کے سامنے ہارون کا دفاع کرتے ہوئے بھی اسے خیال آ رہا تھا کہ منصور جو کچھ

کہہ رہا تھا وہ عین ممکن تھا۔ وہ بالکل ممکن تھا۔ اپنی بات مکمل کرتے کرتے اس کی آواز لڑکھڑانے لگی تھی۔

”میں آپ کی بات پر یقین نہ کرنے کے باوجود پاپا سے اس سلسلے میں بات کروں گا۔“

”وہ انکار کر دے گا۔ ایسی شادیوں کا اعتراف کون کرتا ہے، ہر ایک شروع میں انکار ہی کرتا ہے۔“ منصور کو کہتے ہوئے

یاد آیا تھا کہ اس نے خود بھی یہی کیا تھا۔ رخصتی سے اپنی شادی کو اسی طرح چھپایا تھا۔ آج وقت عجیب انداز میں آئینہ اس کے

سامنے لے آیا تھا۔

اسد نے اس بار کچھ نہیں کہا۔ اور پھر وہ تیز رفتاری سے اس کے کمرے سے نکل گیا۔ منصور کو آج پہلی بار سب کے سامنے

ایک عجیب طرح کی ذلت کا احساس ہوا تھا۔ یا پھر یہ ذلت نہیں تھی۔ یہ کچھ اور تھا... اسے رخصتی یاد آئی تھی اور اسے امبر یاد آئی تھی۔

☆☆☆

ثانی نے بے یقینی سے باری باری شمر اور قاطرہ کو دیکھا۔ ان دونوں میں سے کوئی بھی اسے نہیں دیکھ رہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں

پائی کہ وہ اس سے نظریں چرا رہے تھے یا پھر نظریں ملانا نہیں چاہتے ہیں۔ اس نے بے اختیار اپنے دونوں ہاتھوں کی مضامین

جھنجھیں۔ مگر وہ اپنے جسم کی لرزش کو روک نہیں سکتی تھی۔ جو کچھ اسے بتایا گیا تھا۔ وہ ناقابل یقین تھا۔ ہولناک تھا، شرمناک تھا، مگر



”تا قابل یقین“ تھا، IBA وہ انٹری ٹیسٹ میں ٹاپ کر کے ملک کے سب سے اچھے اداروں میں سے ایک میں اسکالرشپ پر مگنی تھی۔ وہ جیسے آسمان پر چلی گئی تھی۔ صرف چند سالوں میں اسے سب کچھ فتح کر لینا تھا۔ آسمان کی دستیں اس کی پہنچ میں تھیں۔ اور اب وہ کسی پر کئے پرندے کی طرح دفعتاً زمین پر آگری تھی۔

کوزے کے ذمیر پر چھوڑی جانے والی کسی کی ناجائز اولاد... اس کے منہ پر پوری دنیا نے جیسے کا لک مل دی تھی۔ وہ جان سکتی تھی، شرم کیوں اس سے آنکھیں چرا رہا ہے۔ وہ سمجھ سکتی تھی فاطمہ کیوں اس سے نظریں ملانے سے اجتناب کر رہی ہے۔ کمرے کے اندر بیٹھے تینوں افراد کی نظروں میں اس وقت آگہی کی اذیت کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ اور تینوں اس اذیت کو کسی دوسرے تک پہنچانے سے خائف تھے۔

”ٹانیہ سچا کو اپنا نام کاغذ کے ٹکڑوں کی طرح ہوا میں اڑتا محسوس ہوا۔ کاغذ کے ننھے ننھے ہزاروں ٹکڑوں کی طرح... ہلکا... غیر اہم... بے حیثیت... معمولی۔“

اس کے اندر شدید خواہش جاگی کہ یہ سب کچھ ایک خواب ہو۔ بعض دفعہ سب کچھ خواب ہوتا بھی ہے۔ بھیاک خواب۔ اس نے زندگی میں کئی بھیاک خواب دیکھے تھے، اور کئی بار وہ ان سے جاگی تھی۔ مگر یہ کیا تھا؟ وہ اس سے پہلے اپنے ”گھر“ پر اپنے ”گھر والوں“ کے ساتھ ہوتی تھی۔ وہ اس بار بھی ”گھر“ ہی آئی تھی۔ مگر یہ مگر اچانک ”مکان“ میں تبدیل ہو گیا تھا۔ اور ”گھر والے“ ”لوگ“ بن گئے تھے۔ اس کا ”بڑا بھائی“ اس کی زندگی سے نکل گیا تھا۔ اس کی ماں... ”ماں“ نہیں رہی تھی۔

خاموشی کا ایک بہت طویل وقفہ کمرے میں آیا تھا۔ اتنا طویل کہ تینوں کو لگا جیسے آج کے بعد دوبارہ ان میں سے کوئی کبھی بولے گا ہی نہیں۔ پھر ٹانیہ نے ہی خاموشی توڑی تھی۔

”آپ کو یہ سب کچھ ہمیں بتا دینا چاہیے تھا۔“ اس نے فاطمہ سے کہا۔ اسے اپنی آواز خود بہت اجنبی لگی۔ وہ اب سمجھ سکتی تھی۔ کہ شرم کو کیا ہوا ہوگا۔

”کبھی نہ کبھی آپ کو خود یہ سب کچھ ہمیں بتا دینا چاہیے تھا اس سے پہلے کہ کوئی دوسرا ہمیں یہ سب بتاتا۔“

اس نے فاطمہ کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ اسے فاطمہ کی طرف دیکھتے ہوئے تکلیف ہو رہی تھی۔ وہ ایک دم بے حد کمزور لگی تھی۔ اس کی آنکھیں اندر کو دھنسن گئی تھیں۔ اس کی رنگت اور سیاہ ہو گئی تھی۔ اس کے جسم کی ہڈیاں پہلی دفعہ نمایاں لگنے لگی تھیں۔ اور اس کی آنکھوں میں اس نے ایک عجیب سی کیفیت دیکھی تھی، جسے وہ اب نام دے سکتی تھی وہ خوف تھا۔ مزید کچھ کھودینے کا خوف۔ اور یہ ”مزید“ کیا تھا؟

”ٹانیہ...؟ شرم...؟ یا پھر وہ گھر اور خاندان جو فاطمہ نے اتنے سالوں میں بنایا تھا، کسی چیز یا کی طرح ایک ایک ٹکڑا ٹکڑا کر کے۔ اور جب گھونسلہ بن گیا تھا۔ تو اب وہ گھونسلہ آسمان سے زمین پر آن گرا تھا اور چڑیا بے تابی اور بے چینی سے دیوانہ وار اس گھونسلے کے اوپر ہوا میں میچز میچز رہی تھی۔“

”انہوں نے ٹھیک کیا کہ نہیں بتایا۔“ اس سے پہلے کہ فاطمہ کچھ کہتی شرم نے کہا تھا۔ ”میں بھی یہ چاہتا تھا کہ یہ سب کبھی مجھے پتا نہ چلتا۔ نہ کوئی شائستہ کمال ہماری زندگی میں آئی نہ ہمیں ہمارے ماضی کے بارے میں پتا چلتا۔“

سب کچھ ویسے ہی چلتا رہتا جیسے پہلے چل رہا تھا۔ شرم کا انداز نکست خوردہ تھا۔ ثانی اپنے ہونٹ جھینچے اسے دیکھ رہی تھی۔ وہ ٹھیک کہہ رہا تھا وہ بھی یہی چاہتی تھی، فاطمہ بھی یہی چاہتی تھی... مگر واقعات صرف ہمارے چاہنے سے نہیں ہوتے۔

”اور مجھے آپ لوگوں کو ایک اور بات بھی بتانی ہے۔“ کچھ دیر کی خاموشی کے بعد شرم نے کہا۔ فاطمہ اور ثانی نے بیک وقت سر اٹھا کر اسے دیکھا، اب اور کیا رہ گیا تھا۔

شرم ان دونوں کی طرف پر سوچ انداز میں چند لمحے دیکھتا رہا یوں جیسے اسے لفظوں کی تلاش ہو، پھر اس نے آہستہ سے

”میں نے اور نایاب نے کورٹ میرج کر لی ہے۔“ ثانی اور فاطمہ سانس نہیں لے سکیں۔  
 ”شر باری باری دونوں کو دیکھ رہا تھا۔ وہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔ ثانی کو ایک لحظے کے لیے لگا کہ وہ مذاق کر رہا تھا۔  
 وہ مذاق کرتے وقت اسی طرح سنجیدہ نظر آتا تھا۔  
 ”فضول باتیں کرنے کا وقت نہیں ہے۔“ ثانی نے جیسے اس جھکے سے سنہلٹے ہوئے قدرے ناراضی کے ساتھ کہا۔  
 ”فضول باتیں نہیں کر رہا ہوں ثانی! میں نے واقعی نایاب کے ساتھ کورٹ میرج کر لی ہے۔“ ثمر نے اس کی بات کاٹ

کر کہا۔  
 ”تمہارا دماغ ٹھیک ہے؟“ فاطمہ نے بے حد پریشانی کے عالم میں اس کو جھڑکا۔

”امی! آپ جو بھی کہہ لیں مگر میں اس کے ساتھ شادی کر چکا ہوں اور ان حالات میں جو ہارون کمال کی فیملی نے  
 ہمارے لیے پیدا کیے ہیں، یہ شادی ضروری تھی۔“ وہ کہہ رہا تھا۔

”تم واقعی سچ کہہ رہے ہو؟“ ثانی کو ابھی بھی اس کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔

”میں آپ کو شادی کے کاغذات دکھا سکتا ہوں۔“ اس نے سنجیدگی سے کہا۔ ثانی اور فاطمہ نے بے اختیار ایک دوسرے  
 کی طرف دیکھا فاطمہ کو لگا۔ اس کے کندھوں پر بوجھ کچھ اور بڑھ گیا ہو۔ نایاب سے کورٹ میرج کا مطلب کیا تھا۔ اس کی فیملی  
 کے لیے کتنے اور مسائل کھڑے ہو سکتے تھے، وہ اچھی طرح اندازہ کر سکتی تھی۔

”مجھے اندازہ تو تھا کہ تم بے وقوف ہو مگر اتنے بے وقوف ہو۔ اس کا مجھے پتا نہیں تھا۔

فاطمہ کو ثمر سے کچھ کہنا نہیں پڑا۔ اس کے کچھ کہنے سے پہلے ہی ثانی اس پر برس پڑی تھی۔

”ناایاب ہارون کمال کی بیٹی ہے۔ ابھی اس کے ماں باپ کو اس شادی کا پتا نہیں ہوگا، پتا چلتا تو وہ صرف شہیر بھائی کو  
 لے جانے کے لیے یہاں پولیس نہ لاتے بلکہ تمہارے لیے بھی لاتے۔“

”مجھے پولیس کا ڈر نہیں ہے۔ نایاب اور میں بالغ ہیں۔ قانوناً شادی کر سکتے تھے، پولیس کیا کر سکتی ہے؟“ ثمر نے  
 کندھے اُچکا کر کہا۔

”ناایاب ہمارا بیک گراؤنڈ جانتی ہے۔“ ثانی کا اشارہ کس بیک گراؤنڈ کی طرف تھا، ثمر کے لیے سمجھنا دشوار نہیں تھا۔

”ہاں... وہ بہت پہلے سے جانتی ہے۔“ ثمر نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔ اور اسے کسی چیز پر اعتراض نہیں ہے۔

وہ ان چیزوں کو بے معنی سمجھتی ہے۔“

”اس کے بے معنی سمجھنے سے کچھ نہیں ہوتا۔“ ثانی نے سر جھٹکتے ہوئے کہا۔ ”اس کے ماں باپ شہیر بھائی کو یہاں سے  
 لے گئے ہیں اور تمہارا خیال ہے کہ وہ تمہیں اس طرح داماد کے طور پر قبول کر لیں گے جس طرح تم نے اپنے آپ کو خود ان پر

سلط کیا ہے۔“

”مجھے اس بات میں کوئی دلچسپی نہیں ہے کہ وہ مجھے قبول کرتے ہیں یا نہیں۔“ ثمر نے کندھے جھٹک کر کہا۔

”مجھے ان کی قبولیت کی سند نہیں چاہیے۔“

”اب مجھ سے یہ مت کہنا کہ تم نے نایاب کی محبت میں کیا ہے۔“ ثانی نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

ثمر اس کی بات پر بے اختیار مسکرایا۔ وہ واقعی اس کی رگ رگ سے واقف تھی۔ وہ کسی طور بھی اسے سے چسپ نہیں سکتا

تھا۔

”میں نایاب کو بہت پسند کرتا ہوں۔“ ثمر نے محبت کا لفظ استعمال کیے بغیر اپنے لفظوں پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”تم اسے کتنا پسند کرتے ہو۔ میں اچھی طرح جانتی ہوں اور میں یہ بھی اچھی طرح جانتی ہوں کہ یہ پسندیدگی کم از کم

اتنی زیادہ نہیں تھی کہ تم اس طرح آنکھوں پر پٹی باندھ کر اس سے کورٹ میرج جیسا کام کرتے۔“

”تمہیں کچھ تو سوچنا چاہیے تھا شمر!“ فاطمہ نے بہت دیر خاموش رہنے کے بعد مداخلت کی۔ ”خواتینخواہ کی معیشت کو کیوں گلے میں ڈال لیا ہے تم نے۔“

”آپ نہیں چاہتیں شہیر بھائی واپس آجائیں؟“ شمر نے فاطمہ کے مزید کچھ کہنے سے پہلے کہا۔

”تمہارے تایاب سے شادی کر لینے سے شہیر بھائی واپس آجائیں گے؟“ اس سے پہلے کہ فاطمہ مزید کچھ کہتی، ثانی نے اس کی بات کاٹ کر تیزی سے کہا۔

”ہاں... تایاب ان کو واپس آنے پر مجبور کرے گی۔“

”اور تم نے صرف اسے استعمال کرنے کے لیے اس سے شادی کر لی؟“ ثانی کو یقین نہیں آیا۔

”میں نے تم کو بتایا ہے کہ میں اسے بہت پسند کرتا ہوں۔“ شمر نے اپنی بات پر زور دیتے ہوئے کہا۔

”شمر! اس حماقت سے باز آ جاؤ۔ اس کے ماں باپ کو پتا چل گیا تو وہ تمہارا حشر کر دیں گے۔ تمہیں ان کے اثر و سوز کا اندازہ نہیں ہے۔“ ثانی نے اسے ڈرانے کی کوشش کی۔

”میں شادی کر چکا ہوں ثانی اور میں اب پیچھے نہیں ہٹوں گا۔ جو ہوتا ہے ہونے دو۔۔۔“

وہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گیا۔ ثانی اور فاطمہ بے یقینی سے اسے وہاں سے جاتا دیکھتی رہیں۔ دونوں کو یوں لگا تھا جیسے آزمائشوں کا سلسلہ دراصل اب شروع ہوا تھا۔



تایاب سے کورٹ میرج کا قدم شمر نے کسی وقتی جذباتیت میں آکر نہیں اٹھایا تھا۔ شہیر اس گھر سے اس طرح نہ لے جایا جاتا تب بھی جلد یا بدیر شمر، تایاب کے ساتھ اپنے تعلقات کو کسی موزنیک پہنچانے کی کوشش کرتا۔ تایاب پہلے دن سے اس سے محبت کا اظہار کر رہی تھی۔ مگر یہ صرف شمر تھا جو مسلسل اس کوشش میں تھا کہ وہ ہم از کم اپنی جانب سے ایسا کوئی تاثر نہ دے جس سے تایاب کو یہ محسوس ہو کہ وہ بھی اس میں دلچسپی لے رہا تھا۔ مگر اس کی ایسی ہر کوشش تایاب نے بہت بری طرح ناکام کی تھی۔ نہ صرف یہ بلکہ اسے اس بات میں بھی زیادہ دلچسپی نہیں تھی کہ شمر کی طرف سے جو بلا کسی شبت رومل کا اظہار ہو رہا تھا یا نہیں۔ تایاب کمال پہلی نظر میں اس پر فریفتہ ہوئی تھی اور یہ صرف اس کے لیے پہلی نظر کی محبت نہیں تھی وہ اس وقت یہ بھی طے کر چکی تھی کہ اسے شمر سے شادی کرنا تھی۔

اپنی پسندیدہ چیز کو ہر قیمت پر حاصل کر لینے کی عادت اس کو ماں اور باپ دونوں سے وراثت میں ملی تھی۔ اور ماں اور باپ کی طرح اسے چیزوں اور انسانوں میں کوئی زیادہ فرق محسوس نہیں ہوتا تھا۔ البتہ یہ ضرور تھا کہ وہ ہارون کمال کے برعکس خود غرض نہیں تھی۔ اس کی کچھ صفات ایسی تھیں جو ہارون اور شائستہ دونوں کو وٹا فوٹا ناراض کرتی رہتی تھیں۔ وہ خود سمر بھی تھی اور بہت دھرم بھی مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ امیر اور غریب کی اس روایتی طبقاتی تفریق پر یقین نہیں رکھتی تھی۔ جو اس نے ہمیشہ اپنے ارد گرد موجود پائی تھی۔

کورٹ میرج کا خیال شمر کے سامنے پہلی بار کچھ عرصہ پہلے اس نے پیش کیا تھا۔ اور تب شمر اس کی بات پر بے حد شگفتا تھا بلکہ ناراض بھی ہوا تھا۔ شائستہ نے پہلی بار جب تایاب سے شہیر کے بارے میں بات کی تھی تو شمر اور ثانی کا ذکر بڑی تحقیر کے ساتھ کیا تھا اور بڑی حقارت سے ان کے بیک گراؤنڈ کے بارے میں بھی بتایا تھا۔ اس نے تایاب پر یہ بات بالکل واضح کر دی تھی کہ تایاب اور ہارون کسی بھی قیمت پر شمر کے ساتھ اس کی شادی پر تیار نہیں ہوں گے۔ اس سے پہلے ان کے پاس شمر کی غربت اور کلاس کا مسئلہ اٹھتا۔ مگر اب ان کے پاس اتنی بڑی وجہ آگئی تھی۔ کہ تایاب کو یہ خیال بھی محال لگتا وہ کسی طرح انہیں شمر کے ساتھ اپنی شادی کے لیے تیار کر سکتی تھی اور یہ ساری وجوہات تھیں جنہوں نے اسے شمر سے کورٹ میرج کا تذکرہ کرنے پر مجبور کیا۔ مگر شمر کے شدید رد عمل نے اسے وقتی طور پر خاموش کر دیا۔

شہیر کے گھر سے چلے جانے پر جب وہ پہلی بار شہر کے بلائے پر اس سے ملی تو شہر کی بات پر وہ دنگ رہ گئی تھی۔ اب وہ کورٹ میرج کی بات کر رہا تھا۔ شہر کا خیال تھا، نایاب اس سے وجہ پوچھے گی مگر ایسا نہیں ہوا تھا۔ اس نے ایک لفظ کہے بغیر اس کا پر پزل قبول کیا تھا۔

دو دنوں نے یہ طے کیا تھا کہ کچھ عرصہ تک اس کورٹ میرج کو وہ دونوں خفیہ رکھیں گے اس کے بعد دونوں اپنی اپنی فیملیز کو ایک دوسرے سے شادی کے لیے مجبور کریں گے اور نہ ماننے پر وہ اپنی کورٹ میرج کے بارے میں انہیں بتادیں گے۔ مگر نایاب کو یہ اندازہ نہیں تھا کہ شہر اس سے بہت پہلے ہی اپنی فیملی کو اس بارے میں آگاہ کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

شہیر والے واقعہ کے باوجود نایاب کو شہر کے بارے میں کوئی خدشات نہیں تھے۔ اسے یقین تھا کہ یہ صرف اس کی محبت تھی جس کی وجہ سے شہر اس سے اس طرح کورٹ میرج کر رہا تھا اور اس کے لیے اتنا کافی تھا۔ دوسری طرف شہر نے نایاب کے ساتھ کورٹ میرج کا اتنا بڑا قدم اٹھانے سے پہلے ہر طرح کے نتائج پر غور کیا تھا۔ بلاشبہ وہ نایاب کو ضرورت سے زیادہ پسند کرنے لگا تھا اور بلاشبہ اس کے لیے نایاب سے قطعاً تعلق کرنا ایک بے حد دشوار کام تھا مگر بہر حال وہ اس کی محبت میں اندھا ہو کر یہ قدم نہیں اٹھا رہا تھا۔

وہ نایاب سے شادی بہت ہی دوسری وجوہات کی بنا پر کر رہا تھا اور ان میں سب سے بڑی وجہ شہیر ٹوبان سبج ہی تھا۔ وہ برقیہ پر اس رشتہ کو جوڑنا چاہتا تھا جو شہر کے ایک انکشاف نے توڑ دیا تھا اور وہ جانتا تھا کہ ایک بھیدی کے بغیر وہ یہ کام نہیں کر سکتا تھا۔ نایاب کی صورت میں اسے وہ بھیدی مل گیا تھا۔

☆☆☆

شہیر کو شہر کے گھر آئے ہفتہ ہو گیا تھا اور وہ ان دنوں میں گھر سے باہر نہیں نکلا تھا۔ شہر نے اگرچہ اس کی آمد کے پہلے ہی دن اسے اگلے دن سے ہارون کی فیکٹری جو ان کرنے کی دعوت دی تھی مگر اگلے دن گھر کے ماحول میں ہونے والے تناؤ نے شہیر کو بے حد پریشان کر دیا تھا۔ شہر نے بھی دوبارہ اسے فیکٹری جو ان کرنے کے لیے نہیں کہا تھا اور خود شہیر کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ شہر سے یہ کیسے کہے کہ وہ کوئی کام کرنا چاہتا ہے یوں ہاتھ پر ہاتھ دھر کر وہ کتنے دن رہ سکتا ہے۔ شہر نے اس کے پرانے آفس خود ہی اس کا استعفیٰ بھجوا دیا تھا اور اسے اس کے بارے میں بتا دیا تھا۔ مگر وہ اس تمام صورت حال سے مطمئن نہیں تھا۔

فاطمہ، شہیر یا مانی تینوں میں سے کسی نے اس کے یہاں آنے کے بعد اس سے رابطہ کرنے کی کوشش نہیں کی تھی اور شہیر ابتدائی غصے اور شاک سے نکلنے کے بعد اب بری طرح ہوم سک نئس کا شکار تھا وہ شہر کے ساتھ یہاں آ تو گیا تھا مگر پچھلے کچھ دنوں سے وہ مسلسل فاطمہ اور اپنے گھر کے بارے میں سوچنے میں مصروف تھا اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ ان تینوں نے آسانی سے اسے یوں جانے دیا تھا، اسے اپنی زندگی سے نکال دیا تھا۔ ایک خیال آنے پر وہ ان سے برگشتہ ہوتا۔ دوسرا خیال آنے پر وہ ایک بار پھر ان کے لیے بے چین ہو جاتا۔

وہ اپنے سگے رشتوں کے لیے یہاں آیا تھا مگر اتنے دنوں میں شہر کے علاوہ کسی اور نے اس سے اچھے طریقے سے بات نہیں کی تھی۔ ہارون بے حد سرد تھا جبکہ اسد اور نایاب اسے مکمل طور پر نظر انداز کرتے تھے۔ اسے نوکروں تک کا رویہ عجیب محسوس ہو رہا تھا۔

اس نے صرف ایک دن سب کے ساتھ ٹیبل پر شہر کے ضد اور اصرار پر کھانا کھانے کی کوشش کی تھی اور وہ اپنی اس کوشش پر بری طرح پچھتا رہا تھا۔ ٹیبل پر موجود کسی نے اچھی طرح کھانا نہیں کھایا تھا اور ایک ایک کر کے سب وقفے وقفے سے اٹھ گئے تھے۔ اگرچہ شہر نے اپنے رویے اور انداز سے یہ ظاہر کرنے کی کوشش کی تھی کہ یہ سب نارمل بات تھی مگر شہیر کو یہ نارمل محسوس نہیں ہوا تھا۔ اس نے دوبارہ کبھی ٹیبل پر آنے کی زحمت نہیں کی اپنے کمرے میں ہی کھانا اور ناشتہ منگوا رہا۔ تمام دن وہ بے مقصد اپنے کمرے میں بیٹھا اپنے گھر کے بارے میں سوچتا رہتا۔ وہ زندگی میں پہلی بار فاطمہ سے اتنے دن جدا رہا تھا اور مرد

ہونے کے باوجود اسے چھوٹی چھوٹی باتوں پر وہ بے تحاشا یاد آئی۔

اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اسے اور اپنے گھر کو کس طرح چنگی بجاتے میں اپنے ذہن سے نکال دے۔ شائستہ اپنے گھرانے کے اگلے ہی دن اسے شاپنگ کے لیے مارکیٹ لے کر گئی تھی۔ چند گھنٹوں میں اس نے شہیر کو براہِ ذمہ چیزوں کی شاپنگ کرواتے ہوئے دو تین لاکھ خرچ کر دیے تھے شہیر اپنے دل میں اس کے لیے تشکر کے جذبات پارہا تھا مگر محبت؟ وہ ایک بار پھر شائستہ کے لیے محبت جیسا کوئی جذبہ محسوس کرنے میں بری طرح ناکام رہا تھا۔ شائستہ چاہتی تھی وہ اسے نایاب اور اسد کی طرح مہی کہنا شروع کر دے شہیر کی حتی الامکان کوشش ہوتی تھی کہ وہ شائستہ کو کم سے کم مخاطب کرے تاکہ ایسی نوبت ہی نہ آئے اور وہ اگر اسے مخاطب کرتا بھی تو مہی کے بغیر آپ کہہ کر۔ شائستہ اس چیز کو بری طرح محسوس کرتی تھی لیکن وہ ہر بار خود کو یہ سوچ کر مطمئن کر لیتی کہ ابھی ابتدائی دن ہیں کچھ وقت گلے گا پھر وہ وہاں ایڈجسٹ ہو جائیگا۔ آخر کتنے دن وہ آپ جناب کا یہ رشتہ چلا سکتا تھا۔ مگر اسے یہ اندازہ نہیں تھا کہ وہاں ایڈجسٹ ہونے کے بجائے شہیر روز بہ روز وہاں کی زندگی سے اوب رہا تھا۔ وہ اپنا گھر چھوڑنے کے اپنے فیصلے پر بری طرح پچھتا رہا تھا۔ شائستہ اور ہارون کمال کی دنیا اور دنیا تھی۔ شہیر ٹوبان سبچ اس میں مس فٹ تھا۔ وہ رشتوں کو آسائشوں کے ساتھ تبدیل کرنے کی خواہش رکھتا تھا نہ ہنر اور یہ اسے شائستہ کے پاس آ کر احساس ہوا تھا۔

اس نے ساری عمر اس گھر میں پرورش پائی تھی جہاں ناشتے کی میز پر انتخاب نہیں کیا جاتا تھا جو بھی موجود ہوتا کھالیا جاتا۔ وہ اس گھر میں آ گیا تھا جہاں ناشتے کی ٹیبل پر موجود آدمی سے زیادہ چیزوں کے ناموں سے وہ لاعلم تھا اور باقی کو پہچاننا اس کے لیے مشکل تھا۔

وہ اس گھر سے آیا تھا جہاں کھانا ایک ضرورت تھا۔ شائستہ کے گھر میں کھانا ایک تکلف تھا۔ اپنی وارڈروب میں لٹکے شائستہ کے خریدے ہوئے برائڈڈ کپڑوں اور جوتوں کے درمیان موجود فاطمہ کے خریدے گئے چند معمولی کپڑے بھی لٹک رہے تھے اور یہ شہیر ٹوبان کی بد قسمتی تھی یا پھر اس کی کمزوری کی کہ وہ ہر بار وارڈروب کھول کر انہیں کپڑوں میں سے کوئی ایک پہن لیتا۔ اس کی نظر شائستہ کے خریدے ہوئے کپڑوں پر نہیں جاتی تھی۔ شہیر ٹوبان سبچ مذہب میں گرفتار تھا۔

☆☆☆

صفیہ کو جیسے اپنے کانوں پر یقین نہیں آیا تھا۔ ”کون ہے؟“ اس نے اندر سے ایک بار پھر دروازے پر دستک دینے والے کے بارے میں پوچھا۔

”میں منصور ہوں۔ دروازہ کھولو۔“ منصور کی آواز میں درشتی تھی مگر صفیہ کو اس درشتی کی پروا نہیں تھی۔ منصور کا وہاں ان کے دروازے پر آنا قابل یقین تھا اور خاص طور پر اس طرح کے حالات میں۔

اس نے بڑی برق رفتاری سے دروازہ کھولا تھا۔ دلہیز کے پار منصور ہی کھڑا تھا اور اسی حلے میں جس میں چند دن پہلے اسے صفیہ نے دیکھا تھا بلکہ شاید اس سے کچھ بدتر حالت میں۔ بکھرے بال، بڑھی ہوئی داڑھی، سرخ آنکھوں اور ملگے کپڑوں میں وہ اپنی عمر سے دس سال بڑا لگ رہا تھا۔

اس نے صفیہ کے سلام کا جواب دیے بغیر اس کو ہاتھ بڑھا کر دروازے سے ایک طرف ہٹایا اور اندر آ گیا۔

”میزہ کہاں ہے؟“ اس نے بلند آواز میں پوچھا۔ میزہ تب تک اپنے کمرے سے باہر گھنٹن آگئی تھیں اور صرف وہی نہیں، رابعہ اور زارا بھی۔ مگر منصور کو سامنے دیکھ کر وہ تینوں اتنی ہکا بکا شاید نہ ہوتیں اگر منصور اپنے پہلے والے حلے میں ہوتا مگر سامنے کھڑا ہوا شخص اس نفس انسان سے بے حد مختلف تھا جسے دنیا منصور علی کے نام سے جانتی تھی۔

”امبر کہاں ہے؟“ منصور نے بے حد کرسٹ لب و لہجہ میں میزہ سے کہا۔

”پاپا! میں نے آپ کو امبر کے بارے میں بتایا تھا۔“ اس سے پہلے کہ میزہ کچھ کہتیں، صفیہ نے مداخلت کی۔

”مجھے بے وقوف بنانے کی کوشش مت کرو۔ میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم ماں بیٹیاں میرے ساتھ کیا کرنا چاہتی

”ہو۔“

منصور بلند آواز میں دھاڑا تھا۔

”تم اسی وقت یہاں سے چلے جاؤ۔ یہ تمہارا گھر نہیں ہے۔“ منیزہ نے جیسے اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے کہا۔  
 ”تم ایک بے حد گھٹیا عورت ہو، تم نے مجھے تباہ کرنے کے لیے اپنی بیٹی کو استعمال کیا ہے۔“ منصور نے پہلے سے زیادہ بلند آواز میں کہا۔ رابعہ اور زارا صحن کی دیوار کے ساتھ لگی ایک دم رونے لگیں۔  
 ”میری بیٹی نہیں... وہ تمہاری بیٹی تھی۔ اس نے وہ کیا جو اس نے باپ کو کرتے دیکھا۔“ منیزہ نے ترکی بہ ترکی جواب

دیا۔

”تم نے ایک طوائف کی طرح اپنی بیٹی کو استعمال کیا ہے۔“ منصور نے منیزہ کو گالی دیتے ہوئے کہا۔ ”مگر تم نے غلط آدمی کے ساتھ ٹکری ہے۔ تم یہ سمجھتی ہو کہ منصور علی کو اس طرح تباہ کر دو گی تو یہ تمہاری بھول ہے، میں اس سے بہت پہلے تم لوگوں کو جان سے مار دوں گا۔“

محلے کے بہت سے گھروں کی چھتوں پر لوگ جمع ہونے شروع ہو گئے تھے۔ منصور کی آواز اس قدر بلند تھی، چھتوں پر کھڑی عورتیں بڑی دلچسپی کے عالم میں ان کے صحن میں جھانکتے ہوئے اس سارے منظر کو غور سے دیکھ رہی تھیں۔  
 ساتھ والے گھر میں ثمر، فاطمہ اور ثانی نے بھی برابر کے گھر میں ہونے والی گفتگو سنی تھی۔ فاطمہ کو بے اختیار تشویش

ہوئی۔

”ثمر! آؤ، ان کے گھر چلتے ہیں۔ پتا نہیں کیا ہو رہا ہے، کون آکر اس طرح کی باتیں کر رہا ہے۔“

”میرا خیال ہے امی! یہ صنف کے والد ہیں۔“ ثانی نے مدہم آواز میں دوسری طرف سے آئی بلند آوازوں کو سنتے ہوئے کہا، جہاں اب منصور بے حد بلند آواز میں پانگلوں کی طرح گالیاں بک رہا تھا۔ وہ صرف منیزہ کو گالیاں نہیں دے رہا تھا بلکہ اپنی بیٹیوں کو بھی گالیاں دے رہا تھا۔

چھتوں پر کھڑے لوگوں کے سچ صحن میں اس طرح کی گالیاں اپنے باپ کے منہ سے سنتے ہوئے صنف ذلت کے نئے منہبوم سے آشنا ہو رہی تھی۔ وہ... وہ منصور علی تھا جس کے منہ سے اس نے بھی گالی تو کیا بلند آواز تک نہیں سنی تھی اور اب وہی منصور علی تھا جو ان کے لیے اس طرح کے الفاظ استعمال کر رہا تھا جو کوئی اپنی بیٹی کے لیے استعمال کرتے ہوئے ثمر سے ذوب مرتا۔ اسے چھتوں پر کھڑے لوگوں کی پروا تھی نہ اپنی آواز کے بے حد بلند ہونے کی۔

”مگر صنف کے والد تو اس کی امی کو طلاق دے کر چھوڑ چکے ہیں پھر اب یہ یہاں اس طرح کیوں آئے ہیں اور امیر کے بارے میں کیا جھگڑا ہو رہا ہے۔“ فاطمہ بے حد حواس باختہ ہو رہی تھی۔

”ثمر... میرے ساتھ چلو... پتا نہیں کیا ہو رہا ہے۔“ ثمر شاید انکار کرتا مگر فاطمہ اس سے پہلے ہی صحن کا دروازہ کھول کر باہر نکل گئی تھی۔ ثمر کو مجبوراً ان کے پیچھے جانا پڑا۔

”مجھے ہر قیمت پر امیر کا پتا چاہیے، ہر قیمت پر۔“ منصور اسی طرح گالیاں بکتے ہوئے کہہ رہا تھا۔  
 ”پاپا... ہم خود اسے ڈھونڈ رہے ہیں، میں اس کو ڈھونڈنے کے لیے ہی تو آپ کے پاس آئی تھی۔ وہ ہارون سے شادی

کرنے کے بعد اس کے ساتھ رہ رہی ہے۔ اس نے ہم سے رابطہ ختم کر دیا ہے۔“  
 صنف کا نپٹی ہوئی آواز میں کہہ رہی تھی۔ اس کا وجود پتے کی طرح لرز رہا تھا۔

”تم اب اپنا منہ بند کر لو اور یہاں سے چلے جاؤ۔ تم سے میرا اور میری بیٹیوں کا کوئی رشتہ نہیں ہے پھر کیا سمجھ کر تم یہاں اس طرح اندر آئے ہو۔“ منیزہ نے منصور کے جواب میں کچھ کہنے سے پہلے کہا۔

”امیر کے ساتھ اگر ہمارا رابطہ ہوتا بھی تب بھی ہم تم سے اس کا رابطہ بھی نہ کرواتے۔“

اس سے پہلے کہ میزہ کچھ اور کہتی، صحن کا بیرونی دروازہ کھول کر فاطمہ اور شراندر آ گئے تھے۔ منصور نے پلٹ کر دروازے کی آواز پر انہیں دیکھا تھا پھر اس نے اپنی کنپٹی کی جیب میں ہاتھ ڈالا تھا۔ شرجب تک کچھ آگے آچکا تھا۔

”آپ کون ہیں اور یہاں اس طرح شور کیوں کر رہے ہیں؟“

شر نے کچھ سخت لہجے میں منصور سے کہا تھا مگر اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا، اس نے منصور کو اپنی جیب سے کوئی سیاہ چیز نکالتے دیکھا تھا۔ منصور، شر کی بات کا جواب دیتے کے بجائے میزہ کی طرف اپنا بازو سیدھا کر رہا تھا، یکدم شر سوچے کچھ بغیر تیز رفتاری سے آگے بڑھا اور اس نے منصور کو پوری قوت سے دھکا دیا۔

منصور کا نشانہ چوکا، فائر کی آواز کے ساتھ ہی صحنہ اور رابعہ، زارا چلانے لگی تھیں۔ گولی میزہ کے بالکل قریب دیوار میں لگی تھی۔ وہ بے حس و حرکت شاخ کے عالم میں کھڑی رہی تھیں۔ چھتوں پر چڑھے لوگوں میں ایک دم سراپسیسکی دوزخ مچی۔ منصور اونٹھ منہ فرش پر گر ابری طرح گالیاں بکتے ہوئے شر سے اٹھ رہا تھا جو اس کے ہاتھ سے ریوالور چھیننے کی تیج دکھ رہا تھا۔ چند منٹ اور لگے تھے پھر بیرونی دروازے سے چند اندر لاکے اندر آ گئے تھے، ان سے پہلے ثانی خواں باختہ اندر آئی تھی۔

منصور سے ریوالور لینے اور اس پر قابو پانے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ باہر سے آنے والے لڑکوں میں سے چند ایک نے بڑی بے رحمی کے ساتھ منصور کو چند ہاتھ جڑے تھے۔ منصور اب انہیں بھی گالیاں بک رہا تھا۔ صحنہ، زارا اور رابعہ اب میزہ کے ساتھ جیٹی زارو دقتار دور رہی تھیں اور میزہ ابھی بھی اسی طرح ساکت کھڑی تھیں۔ یوں جیسے انہیں یقین نہ آ رہا ہو کہ یہ سب کچھ ان کے سامنے ہو رہا تھا۔ شر اور دوسرے لڑکے منصور کو اسی طرح دھکیلتے اور کھینچتے گھر سے باہر لے گئے تھے۔ ثانی نے بیرونی دروازے کو اندر سے بند کیا اور پھر سراپسیسہ کھڑی فاطمہ کے پاس آئی۔

”ان لوگوں کو اندر لے جاتے ہیں، یہاں سب دیکھ رہے ہیں۔“ اس کا اشارہ چھتوں پر موجود لوگوں کی طرف تھا۔ ثانی نے فاطمہ کا کندھا تھپکا۔ یوں جیسے اسے تسلی یا دلاسا دینے کی کوشش کر رہی ہو پھر آگے بڑھ کر صحنہ کے پاس چلی آئی۔

”آئی کو اندر لے آؤ صحنہ! اس پانی لاتی ہوں۔“ اس نے صحنہ کی پشت کو تھکتے ہوئے کہا۔

”وہ لوگ پاپا کو کہاں لے کر گئے ہیں؟“ صحنہ نے روتے ہوئے ثانی سے پوچھا۔

”پتہ نہیں، شاید پولیس اسٹیشن۔“ ثانی نے سنجیدگی سے کہا۔

وہ جب تک پانی لے کر کمرے میں آئی، فاطمہ میزہ اور صحنہ کو اندر لے جا کر بٹھا چکی تھی۔ وہ لوگ اب اس طرح زارو دقتار نہیں رو رہی تھیں مگر اب میزہ رو رہی تھیں۔

بیرونی دروازے پر دستک کی آوازیں آنے لگیں۔ فاطمہ اٹھ کر باہر چلی گئی۔ ثانی پانی کا گلاس میزہ کو پکڑا کو خود صحنہ کے پاس بیٹھ گئی۔ ہر ایک اس قدر سراپسیسہ تھا کہ کسی کو بھی بات شروع کرنے کے لیے الفاظ نہیں مل رہے تھے۔

”تم لوگوں نے ہماری جان بچائی، میں اس کے لیے تم...“ ثانی نے صحنہ کی بات کا ٹ دی۔

”اس کی ضرورت نہیں۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہم ٹھیک وقت پر تم لوگوں کے گھر آئے۔ ہمیں توقع نہیں تھی کہ یہاں اتنا زیادہ جھگڑا ہو رہا ہے۔“

بات کرتے کرتے ثانی کی نظر ٹیبل پر رکھے ایک فریم پر پڑی۔ وہ بات مکمل نہیں کر سکی۔ اسے لگا، وہ تصویر میں نظر آنے والے قبہ لگاتے ہوئے اس چہرے سے واقف تھی۔

”باہر نکلے کی عورتیں تھیں، میں نے ان کو ابھی اندر آنے سے منع کر دیا ہے۔“

تب ہی فاطمہ اندر آ گئی تھی۔ ثانی ابھی بھی اسی تصویر کو گھور رہی تھی، وہ چہرہ پہچان چکی تھی۔

☆☆☆

شائستہ نے ڈرائنگ روم میں بیٹھی اس عورت کو دیکھا جسے وہ چند لمحوں میں پہچان گئی تھی۔ وہ عورت ڈرائنگ روم کے ایک صوفہ پر بڑے اطمینان سے بیٹھی تھی۔ یوں جیسے وہ اپنے گھر میں بیٹھی ہو۔

مگر شائستہ کو اسے دیکھ کر کچھ زیادہ خوشگوار احساس نہیں ہوا تھا۔ وہ سمجھ نہیں سکی کہ وہ اس سے ملنے کیوں آئی تھی۔ اس نے نوکر کو اپنا نام نہیں بتایا تھا، صرف یہ کہا تھا کہ وہ شائستہ سے کسی بہت ضروری معاملے کے بارے میں بات کرنا چاہتی تھی۔ اگر وہ اپنا نام اسے بتا بھی دیتی تو شائستہ کے لیے صرف نام سے اسے پہچاننا مشکل ہوتا مگر اب جب وہ اسے دیکھ رہی تھی تو اس کے لیے اسے شائستہ کرنا مشکل نہیں تھا۔ اس کے باوجود کہ اسے موسیقی میں دلچسپی نہیں تھی اور اس کے باوجود کہ وہ شوہر کے حلقوں سے بہت دور تھی اور اس کے باوجود کہ اس گلوکارہ کو دنیا کی اس اور نام سے جانتی تھی۔

صوفی پریشی عورت اسے دیکھ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔  
 ”ہنہیں۔“ شائستہ نے کہا۔ اس نے اپنے لہجے میں کسی قسم کی کوئی گرم جوشی یا سردت لانے کی کوشش نہیں کی تھی۔  
 شائستہ نے بہت گہری نظروں سے سامنے بیٹھی ہوئے عورت کو دیکھا۔ یہی کام سامنے بیٹھی عورت کر رہی تھی۔  
 شائستہ کو اس کی نظریں چھیں۔ وہ اس کے بارے میں وہ کچھ جانتی تھی کہ اگر منگھولتی تو سامنے بیٹھی ہوئی عورت وہاں سے بھاگ جاتی اور سامنے بیٹھی ہوئی عورت اس کے بارے میں جو کچھ جانتی تھی وہ شائستہ کے ہیروں تلے سے زمین سچا لینے کے لیے کافی تھا۔

”میرا نام...“ اس عورت نے بالآخر سکرانے ہوئے اپنی خاموشی توڑی۔

”میں جانتی ہوں۔“ شائستہ نے کسی مسکراہٹ کے بغیر خشک لہجے میں اس کی بات کاٹ کر کہا۔  
 ”آپ بیٹھ جائیں۔“

اس عورت نے شائستہ سے یوں کہا جیسے وہ میزبان تھی اور شائستہ وہاں مہمان بن کر آئی تھی۔ شائستہ کو اس کا انداز براہگ اور اس کا اگلا جملہ اس کے انداز سے سے بھی زیادہ۔  
 ”یہ ساری باتیں بیٹھ کر کرنے والی باتیں ہیں، یوں کھڑے کھڑے کیا کہوں گی۔“ اس عورت نے یوں کہا تھا جیسے وہ اپنے کسی مداح سے بات کر رہی ہو۔

شائستہ نے بیٹھنے کے بجائے بڑے جتانے والے انداز میں گھڑی دیکھی۔ ”مجھے اس وقت کہیں جانا ہے۔  
 موسیقی میں مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے اور...“

اس عورت نے بڑے اطمینان سے شائستہ کی بات کاٹی۔  
 ”حیرت ہے، آپ کو دلچسپی نہیں ہے۔ آپ کے شوہر کو تو کسی زمانے میں بہت ہوا کرتی تھی مگر ان کو موسیقی کے جس ”صننے“ سے دلچسپی تھی، اس کا تعلق راگ سے نہیں تھا۔  
 شائستہ نے آنکھیں سیکڑ کر اس عورت کو دیکھا۔ وہ کون سی پہیلیاں نبھوا رہی تھی۔

”آپ کو ہارون کمال نے بلوایا ہے؟“ شائستہ نے بالآخر پوچھا۔  
 ”نہیں۔ ہارون نے بلوایا ہوتا تو آپ کی جگہ یہاں ہارون ہوتا۔ آپ سے مل رہی ہوں تو اس کا مطلب ہے کہ آپ ہی سے ملنا چاہتی ہوں۔“ اس عورت کا اطمینان قابل دید تھا۔

”مجھے کچھ جلدی ہے، آپ اگر مجھے یہ بتا دیں کہ آپ یہاں کس لیے آئی ہیں تو بہتر ہوگا۔“ شائستہ نے کہا۔

”زندگی میں جلدی کبھی نہیں کرنا چاہیے۔ جلد بازی بہت بری عادت ہے۔ میں نے بھی ایک بار کی تھی۔ اب تک خمیازہ بھگت رہی ہوں۔ آپ بیٹھ جائیں، میں آپ کو یقین دلاتی ہوں کہ میرے منہ کھولتے ہی آپ کی ہر مصروفیت ختم ہو جائے گی۔“  
 اس عورت نے سامنے میز پر رکھا پانی کا گلاس یوں اٹھایا جیسے وہ پانی پینے کے لیے ہی وہاں آئی تھی۔ شائستہ نے بے اختیار دانت چکچکائے۔ وہ اب اس کے لیے ناقابل پروا شدت ہو رہی تھی۔ اس کا دل چاہا، وہ اس سے کہے کہ وہ بھی اس کے بارے میں جو جانتی ہے اگر اس کا انکشاف کر دے تو اس کے ہاتھوں کے بھی تو تے بھی اڑ جائیں۔

”میرے پاس وقت نہیں ہے، آپ کو اگر کوئی لمبی بات کرنا ہے تو کسی اور دن تشریف لائیں اور براہ مہربانی اپنا ٹکٹ لے



کرائیں۔ ”وہ واپس مڑتے ہوئے بولی، اس عورت نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”میرا ایک نام وہ ہے جو آپ جانتی ہیں اور جسے بتانے سے آپ نے مجھے روک دیا۔ میرا ایک نام اور بھی ہے اور یہ نام آپ کے شوہر جانتے ہیں۔“

شائستہ کے ماتھے پر ہل پڑ گئے۔ یہ دوسری بار تھا کہ وہ ہارون کا ذکر کر رہی تھی، کیوں؟

”آپ ہارون کو جانتی ہیں؟“ شائستہ نے وہیں کھڑے کھڑے پوچھا۔

”اتنی اچھی طرح کہ کوئی دوسرا نہیں جانے گا، آپ بھی نہیں۔“ اس عورت نے ہلکی سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ شائستہ کو وہ اور زہر لگی۔

”ہارون بہت سی عورتوں کو جانتے ہیں۔“ شائستہ نے بڑے جتانے والے انداز میں کہا۔

”اور یہ ”جاننا“ ان عورتوں کو بہت مہنگا پڑتا ہے۔“ شائستہ چند لمحوں کے لیے اس جملے پر کچھ نہیں بول سکی۔

وہ اس عورت سے ایسا جملہ توقع نہیں کر رہی تھی۔

”آپ جیسی عورتوں کو کبھی مہنگا پڑتا ہے؟“ چند لمحوں کے بعد اس نے بے حد جیسے ہوئے لہجے میں کیا۔ اس بار وہ عورت چند لمحوں کے لیے بول نہیں سکی۔

”میرے جیسی عورتیں...“ وہ بڑبڑائی پھر گلکھلا کر ہنسی۔ ”میں کیسی عورت ہوں؟“ اس نے بڑے استہزائیہ انداز میں شائستہ سے پوچھا۔

”آپ میرا وقت ضائع کر رہی ہیں۔“ شائستہ نے ہر لحاظ کو بلائے طاق رکھتے ہوئے کہا۔

”مگر میں ایسا نہیں سمجھتی۔“ وہ عورت اب دیوار پر لگی ہارون کمال اور اس کی فیملی کی تصویر کو دیکھتے ہوئے بولی جس میں تابیاب اور اسد بھی نظر آ رہے تھے۔

”یہ سچے ہوں گے آپ کے؟“ اس نے کہتے ہوئے شائستہ کو دیکھا۔ اس کا انداز عجیب تھا۔ شائستہ کی سمجھ میں نہیں آیا۔

وہ اب اس سے مزید کیا کہے۔ کیا یہ کہ... یہاں سے دفع ہو جاؤ... اور اس وقت یہی کہنا چاہتی تھی۔

”فیملی فونو ہے۔“ اس عورت نے بات جاری رکھتے ہوئے کہا۔ ”بڑی ادھوری فیملی ہے، اس میں کچھ اور چہرے بھی ہونے چاہئیں۔ جیسے شہیرا... کیا خیال ہے؟“ اس نے بے حد سنجیدہ انداز میں شائستہ سے پوچھا۔

یوں جیسے رائے لے رہی ہو۔

شائستہ کے سر سے پاؤں تک کوئی چیز گزری تھی۔

تو کیا وہ اسے شہیرا کے بارے میں بلیک میل کرنے کے لیے آئی تھی اور وہ شہیرا کے بارے میں کیسے اور کیا جانتی تھی۔

شائستہ اسے یہ سب کچھ نہیں کہہ سکی اس عورت کے اگلے جملے نے شائستہ کے سر پر جیسے آسمان گرا دیا تھا۔

”اور اس میں دو چہرے اور بھی ہونے چاہئیں۔ شہر اور ثانیہ۔“ وہ عورت شائستہ کو دیکھتے ہوئے کہہ رہی تھی۔

وہ عورت شائستہ کو اب سر سے پاؤں تک دیکھ رہی تھی۔

”شہر اور ثانیہ میری اولاد ہیں۔ میری اور ہارون کی مگر میں اپنے لیے اس تصویر میں جگہ اس لیے نہیں چاہتی کیونکہ...“ اس

نے تھوڑا سا توقف کیا پھر جملہ مکمل کرتے ہوئے بولی۔ ”کیونکہ ہارون سے میری شادی نہیں ہوئی۔ ہارون اور دنیا بھی مجھے زرقا

کے نام سے جانتے تھے۔“ وہ اب شائستہ کے پسینے سے بھیگے ہوئے چہرے کو رحم بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی۔

”میرا خیال ہے، اب بیٹھ کر بات کرتے ہیں کیونکہ اب نہ آپ کو جلدی ہے، نہ مجھے۔“

زرقا کو شائستہ سے بات کرتے ہوئے ہارون کے ساتھ اپنی آخری ملاقات یاد آ رہی تھی جس کے بعد اس نے ایک لمبے

عرصے کے لیے دنیا کا سامنا کرنا چھوڑ دیا تھا۔ طوائف نے ”دھوکا“ کھایا تھا، وہ بھی عشق میں۔ اندازے کی غلطی ہی تھی مگر غلطی تو

ہوئی تھی اس سے اور اس نے زندگی میں کبھی کسی غلطی کی اتنی بھاری قیمت نہیں چکانی تھی اور جب طوائف کو کسی چیز کی قیمت ادا

کرتی پڑے تو وہ اسے دل اور دماغ سے نہیں نکالتی۔  
زرقاتے بھی نہیں نکالا تھا۔ وہ بیس سال بعد واپس آگئی تھی۔

☆☆☆

”میں منصور اہلک سے مل چکا ہوں۔“ اسد تھوڑی دیر پہلے ہی ہارون کے آفس میں آیا تھا۔ اور وہاں آتے ہی ہمیشہ کی طرح اس نے بے جا تمہید بات شروع کی۔ ”ہارون کا جسم تن گیا تھا۔ مگر خود کو نارمل ظاہر کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اس نے بظاہر بڑے معمول کے انداز میں اسد کہا۔

”میں نے تمہیں منع کیا تھا۔“ اسد نے اس کی بات پر توجہ دیے بغیر اپنی بات جاری رکھی۔

”انہوں نے آپ پر الزام لگایا ہے کہ آپ اور امبر شادی کر چکے ہیں اور یہ سب کچھ آپ امبر کے کہنے پر کر رہے ہیں۔“ اسد بات ختم کر کے اب ہارون کے چہرے پر نظریں گاڑے ہوئے تھا۔ یوں جیسے سچ اور جھوٹ کو پرکھنا چاہتا ہو۔

”اب تمہیں اندازہ ہوا کہ میں کیوں اس کے ساتھ پانز شپ ختم کر رہا ہوں۔“

ہارون کمال نے غصے سے کہا۔ اسد کے سامنے غصہ دکھانا ضروری تھا۔ وہ اسی قسم کی بے ہودہ باتیں کرتا پھر رہا ہے جب

سے میں نے اس کے ساتھ پانز شپ ختم کرنے کا اعلان کیا ہے۔“

”مگر سوال یہ ہے کہ وہ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں۔ کوئی نہ کوئی توجہ ہوگی، ورنہ وہ خواہ مخواہ میں اپنی بیٹی کو آپ کے

ساتھ انوالو کیوں کریں گے۔“

اسد کا لہجہ چبھتا ہوا تھا۔ ”اس کا دماغ خراب ہو گیا، ورنہ وہ واقعی ایسی باتیں نہ کرتا۔ مگر میں اس ساری صورتحال میں کیا

کر سکتا ہوں۔ سوائے اس کی بکواس کے جو اب میں خاموشی کے۔ مگر ساری دنیا جانتی ہے کہ میں ایک اچھی زندگی گزار رہا ہوں،

شائستہ کے ساتھ..... میں کیوں اپنے سے آدھی عمر کی لڑکی کے ساتھ اس طرح کا کوئی سلسلہ شروع کروں گا۔“

ہارون بے پناہ کوشش کے باوجود اپنے لہجے کو مدافعتانہ ہو جانے سے روکنے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔

”آپ جانتے ہیں تاکہ میں امبر کو بے حد پسند کرتا ہوں اور اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ اسد نے بے حد جتانے

والے انداز میں اپنے ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے ہارون کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

”اور میں آپہیں ساری چیزوں کی وجہ سے تمہیں اس شادی سے روک رہا تھا۔“

”کن چیزوں کی وجہ سے؟“ اسد نے بے حد عجیب لہجے میں باپ سے پوچھا۔

”کیا میں ایک بار پھر تمہیں ہر چیز کی تفصیل بتانے بیٹھوں؟“ اس بار ہارون واقعی جھلا گیا۔

”نہیں، مجھے تفصیل مت بتائیں۔ مجھے صرف یہ یقین دلا دیں کہ آپ امبر کے ساتھ کبھی انوالو نہیں رہے۔“

”مانسڈیور لینکون، تم باپ سے بات کر رہے ہو... مجھے کٹہرے میں کھڑا کرنے کی کوشش مت کرو، کسی ایسی لڑکی کے لیے

جسے تم ٹھیک سے جانتے بھی نہیں۔“

”ہاں۔ میں اسے ٹھیک سے نہیں جانتا۔“ اس نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا۔ ”مگر میں اس سے محبت کرتا ہوں۔“

”اس ڈینی فتور سے تم اپنے آپ کو دور رہی رکھو تو بہتر ہے۔“

ہارون کمال نے اس کی بات کاٹتے ہوئے کہا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا۔ انٹرکام بجایا، ہارون نے ریسیور اٹھا کر

سیکریٹری کی بات سنی، وہ اسے کسی ایسی لڑکی کی آمد کی اطلاع دے رہی تھی جو اس سے ملنا چاہتا تھا، ہارون کو حیرانی ہوئی۔

”کس سلسلے میں ملنا چاہتے ہیں وہ؟“ اس نے اسد کو دیکھتے ہوئے سیکریٹری سے پوچھا۔

”پتا نہیں سر! وہ کہہ رہے ہیں کہ یہ وہ آپ کو بھی بتائیں گے۔“

”ٹھیک ہے اندر بھیجیو۔“ ہارون نے کہا اور ریسیور رکھ دیا۔ اس کے ماتھے پر چند بل آگئے تھے۔

”اب اے ایس پنی آیا ہے جو کسی سلسلے میں مجھ سے ملنا چاہتا ہے اور مجھے یقین ہے، وہ بھی امبر کے بارے میں ہی مجھ

سے بات کرنے آیا ہے۔ منصور اور اس کی فیملی واقعی پائل ہو گئی ہے کہ مجھے اس سارے معاملے میں انوالو کر رہے ہیں۔“  
 اسد نے اس کی بات کے جواب میں کچھ نہیں کہا مگر وہ ایک دم سیدھا ہو کر بیٹھ گیا تھا۔  
 ”آپ کا مطلب ہے کہ یہ پولیس امبر کے بارے میں آپ سے بات کرنے آئی ہے؟“ اسد نے بے یقینی سے کہا۔  
 ”اب یہ ان کے اندر آنے پر ہی پتا چلے گا۔“

ہارون کمال نے قدرے تشویش کے عالم میں کہا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا، دروازہ کھول کر ایک اے ایس پی اندر داخل ہوا۔ ہارون اور اسد نے کھڑے ہو کر اس سے مصافحہ کیا اور اپنا تعارف کروایا، وہ بے حد سنجیدہ نظر آ رہا تھا۔  
 ”آپ کیسے لگے، چائے یا کافی؟“ ہارون نے اس کے بیٹھے ہی پوچھا۔  
 ”کچھ نہیں، میں صرف ایک گل کے کیس میں کچھ تحقیق کرنے آیا ہوں۔“ اے ایس پی نے ایک لفافہ کھولتے ہوئے کہا۔ اسد نے ہارون کے چہرے کو قہر سے دیکھا، وہ سمجھا نہیں کہ وہ اس جملے پر اس طرح کیوں پریشان ہوا ہے۔

اے ایس پی نے چند تصویریں نکال کر ہارون کے سامنے ٹیبل پر رکھ دیں۔ اسد نے ایک تصویر اٹھائی اور پھر اس کے منہ سے نکلا ”امبر۔“

اے ایس پی نے بے اختیار اطمینان کا سانس لیا۔ کم از کم اب اس لاش کی شناخت مسئلہ نہیں رہی تھی۔

ہارون کمال کو اپنا پورا وجود پسینے میں بھیکتا ہوا محسوس ہوا۔ وہ ایک نظر اسد کو دیکھتا پھر اے ایس پی کو... اے ایس پی بھی یہی کر رہا تھا۔ وہ بھی باری باری اسد اور ہارون کو دیکھ رہا تھا۔ صرف اسد تھا جو اس تصویر پر نظرس جمائے ہوئے تھا۔ یوں جیسے پچھانتے ہوئے بھی اسے پچھان نہ پا رہا ہو۔ یوں جیسے جانتے ہوئے بھی اسے نہ جانتا ہو۔

اس نے پہلی بار امبر کو اسی کے گھر پر دیکھا تھا۔ وہ ہارون اور شائستہ کے ساتھ منصور علی کے گھر ایک فیملی ڈیزائنرز کرنے گیا تھا اور امبر کو اس نے لاؤنج کی میزٹیوں سے اترتے دیکھا تھا۔ وہ بلاشبہ پہلی نظر کی محبت کا شکار ہوا تھا۔

یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کس رنگ کے کپڑے پہنے ہوئے تھی مگر یہ ضرور تھا کہ اس نے اس رنگ کو اس دن کے بعد جب جہاں بھی دیکھا۔ امبر کے لباس کا رنگ کہہ کر ہی اس کی شناخت کی تھی۔ اس نے اس عمر کی کسی لڑکی میں اس طرح کی خوبصورتی نہیں دیکھی تھی، جتنی اس کو امبر میں نظر آئی تھی۔ وہ کسی ملکہ کی طرح تمکنت اور بے نیازی سے میزٹیاں اتر کر آئی تھی۔ یوں جیسے کوئی ملکہ اپنے دربار میں آتی ہے اور اسد کا دل چاہا تھا، وہ ایک درباری کی طرح اس کے استقبال کے لیے اٹھ کر کھڑا ہو جائے۔  
 وہ صرف پانچ منٹ وہاں ٹہری تھی۔ ہارون کی فیملی کے ساتھ رہی علیک سلیک کے بعد وہ کسی دوست کے گھر چلی گئی تھی، مگر وہ پانچ منٹ اسد کی زندگی کے یادگار ترین پانچ منٹ تھے۔ وہ اس کی زندگی کا پہلا Crush نہیں تھا مگر سب سے سنگین ترین ضرور تھا اور اسے یاد تھا کہ وہاں سے واپسی کے دوران گاڑی میں شائستہ نے بات کرتے ہوئے امبر کے اس کزن کا ذکر کیا تھا، جس سے اس کا نکاح ہو چکا تھا اور اسد کو لگا جیسے گاڑی کی چھت کسی دھماکے کے ساتھ اڑ گئی ہو۔ کبھی ایسا بھی ہو سکتا تھا کہ ایک گھنٹے میں کسی کو عیش ہوا ہو اور پھر...

اگلا پورا ہفتہ اس نے اتنے سگریٹ پیے، جتنے وہ پی سکتا تھا اور پھر وہ کچھ مایوسی اور رنجیدگی کے عالم میں اپنی چھٹیاں ختم کرنے سے پہلے ہی واپس باہر چلا گیا مگر امبر اس کے ذہن سے کبھی نہیں نکلی اور اس کی طلاق کی سب سے زیادہ خوشی اسے ہی ہوئی تھی۔ اس کا خیال تھا، وہ بڑی آسانی کے ساتھ اب اسے پاسکتا تھا مگر ہارون اور شائستہ نے اس کو جذباتی طور پر اس طرح بلیک میل کیا تھا کہ وہ اس سے ملے بغیر ایک بار پھر اپنی تعلیم مکمل کرنے کے لیے واپس چلا گیا۔

اور اب وہ تیسری بار اس کا ذکر سن رہا تھا، اور وہ ایک لاش کی صورت میں اس تصویر میں اس کے سامنے موجود تھی۔ وہاں اس خوبصورتی کی رمت بھی نہیں تھی، جو امبر کی شناخت تھی جو امبر کو امبر کہلاتی تھی مگر وہ پھر بھی امبر تھی، وہ چہرہ جس نے اسے کبھی زندگی میں سب سے زیادہ مسحور کیا تھا۔ سب کچھ ناقابل یقین تھا۔

”تو آپ اسے پہچانتے ہیں؟“

اے ایس پی نے اس بار ہارون کے بجائے اسد سے پوچھا۔  
اسد نے کانچے ہاتھوں سے وہ تصویر نکل پر رکھ دی۔ ہو سکتا ہے یہ اس کا وہم ہو۔ یہ امبر نہ ہو، اس سے لمبی جتنی کوئی اور  
لڑکی... اس نے اپنے آپ کو بہلانے کی کوشش کی۔ اے ایس پی نے ایک بار پھر اس کے خیالات کا تسلسل توڑا اور اپنا سوال

دہرایا۔

”انہیں پہچانتے ہیں؟“

”میرا خیال ہے یہ امبر ہے۔“ اسد نے بمشکل کہا۔

”امبر...؟“ اے ایس پی نے سوالیہ نظروں سے باری باری ہارون اور اسد کی طرف دیکھا۔ اسد نے اس بار ہارون کو

دیکھا۔ وہ اسے ہی دیکھ رہا تھا۔

”امبر پاپا کے بزنس پارٹنر منصور علی کی بیٹی تھی۔“ اسد نے لڑکھاتی ہوئی زبان کے ساتھ کہا۔

”آئی سی۔“ اے ایس پی نے بڑی دلچسپی کیساتھ کہا۔ ”اس کا مطلب ہے، ہم آپ کے ذریعے ان کی فیملی کو بھی اپروچ

کر سکتے ہیں۔ اگر آپ کا بیٹا اس لڑکی کو پہچانتا ہے تو ہارون صاحب! یقیناً آپ بھی اسے پہچان چکے ہوں گے؟“ اے ایس پی

نے اس بار ہارون کو مخاطب کیا۔

ہارون یک تک اے ایس پی کو دیکھتا رہا جو اب ان تصویروں کو ہارون کے سامنے نکل پر پھیلا رہا تھا۔ ہارون نے ایک

لحہ ان تصویروں پر نظر ڈالی پھر دوبارہ اے ایس پی کو دیکھنے لگا۔

”پہچانتے ہیں نا؟“ اے ایس پی نے دوبارہ کہا۔ ہارون کا ذہن کہیں اور پہنچا ہوا تھا۔ اسے حرمت تھی۔ وہ لاش اتنے

دنوں کے بعد بھی قابل شناخت کیسے رہ گئی تھی اور اس سے زیادہ نا قابل یقین بات تھی کہ وہ اے ایس پی اس کی تصویریں لے

کر اس پورے شہر میں صرف ہارون کمال کے پاس ہی کیوں آیا تھا۔ ہارون نے سوچنے کی کوشش کی۔ اس کا سراغ کیسے لگایا

تھا۔ اس سے کیا غلطی ہوئی تھی۔ بھانڈا کہاں پھوٹا تھا، کیسے پھوٹا تھا۔

”ہاں یہ امبر ہے۔“ اس نے بالآخر اپنے اعصاب پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ ”مگر یہ میرے پرانے بزنس پارٹنر کی بیٹی

ہے۔ اس کے ساتھ اب ہمارے کاروباری تعلقات ختم ہو چکے ہیں۔“

اس نے اپنی آواز کو حتی الامکان ہموار رکھتے ہوئے کہا۔

”جان سکتا ہوں آپ یہ تصویریں کیوں لائے ہیں؟“

”جی ہاں بالکل جان سکتے ہیں۔“ اے ایس پی نے سامنے بڑی تصویروں کو بالآخر سمیٹتے ہوئے کہا۔ ”پولیس آپ کی اس مرڈر

میں انوالومنٹ کی تفتیش کر رہی ہے۔“

ہارون کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔ اسد نے بے یقینی سے ہارون کو دیکھا۔

”پاپا کی انوالومنٹ... آپ ہوش میں تو ہیں؟“ اس نے اسے ایس پی سے کہا۔

”بالکل ہوش میں ہوں۔“ اے ایس پی نے اسد کی طرف دیکھے بغیر کہا۔ وہ ہارون کمال کی طرف متوجہ تھا جو چلکیں

جھپکائے بغیر اے ایس پی کو دیکھ رہا تھا۔

”یہ لاش جس بیگ میں ڈال کر نہر میں پھینکی گئی، وہ بیگ ایک مشہور اسٹور سے خریدا گیا تھا۔ اداگیل ایک کریڈٹ کارڈ

کے ذریعہ کی گئی اور وہ کریڈٹ کارڈ ہارون کمال کا تھا۔“

ہارون کا دل چاہا، وہ بے اختیار اپنا سر پیٹ لے۔ وہ واقعی الوکا پٹھا تھا یا پھر بد قسمت۔

”اس سے میری اس قتل میں انوالومنٹ کیسے ثابت ہوتی ہے؟“ ہارون نے اپنے اعصاب پر قابو پاتے ہوئے کہا۔ اسد

اب ہکا بکا ہارون کو دیکھ رہا تھا۔

”میں اپنا ہوم ورک کر کے یہاں آیا ہوں۔ آپ میرے ساتھ پولیس اسٹیشن چلیں۔ لاش کی شناخت نہ ہوتی تو پھر شاید

آپ کو میں اپنے ساتھ لے جاؤ اور چند سوالوں کے بعد یہاں سے چلا جاتا لیکن اب جب یہ ثابت ہو گیا ہے کہ یہ لاش آپ کے ایک پرانے بزنس پارٹنر کی بیٹی کی ہے تو پھر ہارون صاحب! آپ کو ہمارے ساتھ پولیس اسٹیشن چلنا ہوگا۔“ اے ایس پی نے دو نوک انداز میں کہا۔

”اس سے پہلے میں اپنے وکیل کو یہاں بلوانا پسند کروں گا۔“ ہارون نے ریسیور اٹھاتے ہوئے کہا۔

”ضرور..... آپ ایک کے بجائے وکیلوں کی پوری ٹیم کو بلوائیں، وہ آپ کا حق ہے۔“ اے ایس پی نے کندھے اچکا کر کہا۔

مجھے منصور علی کا ایڈریس اور کمانیکٹ نمبر بھی چاہیے۔ ہمیں ان کو اس ساری صورت حال سے آگاہ کرنا ہے۔“

اے ایس پی نے اگلا جملہ اسد سے کہا کیونکہ ہارون فون پر اپنے وکیل سے بات کرنے میں مصروف تھا۔ اسد نے ایک لفظ منہ سے نہیں نکالا۔ وہ ایک نیک ہارون کا چہرہ دیکھے جا رہا تھا جو فون پر اپنے وکیل کو ساری صورت حال بتاتے ہوئے اسے جلد از جلد وہاں پہنچنے کے لیے کہہ رہا تھا۔

☆☆☆

شائستہ پتھر کے بت کی طرح زرقا کا چہرہ دیکھ رہی تھی، اس نے چند لمبے پہلے اس کے کانوں میں جیسے پھلکا ہوا سیسے انڈیا لٹا تھا۔ اسے اندازہ نہیں تھا وہ اس سے یہ سب کہنے والی تھی۔

”تمہارا دماغ خراب ہے۔“ شائستہ نے اس سے بمشکل کہا، مگر اسے اپنی آواز اجنبی لگی۔ اس کے سر میں دھماکے ہونے لگے۔ شر اور ثانیہ کے چہرے اس کی نظروں کے سامنے آ رہے تھے۔ وہاں بلاشبہ مشابہت تھی۔

ہارون کمال کا چہرہ اسے ان دونوں کے چہروں میں نظر کیوں نہیں آیا؟ شاید اس لیے کہ اس نے کبھی ڈھونڈنے کی کوشش ہی نہیں کی۔ لیکن اب وہ زرقا کے چہرے کو دیکھ رہی تھی اس کا پورا وجود چلا رہا تھا۔ وہ سچ کہہ رہی ہے۔ شر اور ثانیہ کے چہروں میں زرقا کا چہرہ بھی جھلکتا تھا۔ ہارون شر اور ثانیہ کے ساتھ وہاں موجود ہوتا اور زرقا کسی کو بھی اسے ان دونوں کے باپ کے طور پر متعارف کرواتی تو ہر شخص اس کی بات مان جاتا۔

”آپ ٹھیک کہتی ہے۔“ زرقا نے کہا۔ ”جو کچھ میرے ساتھ ہوا اصولی طور پر اس کے بعد مجھے پاگل ہو جانا چاہیے تھا۔ بلکہ آپ مجھے پاگل ہی سمجھیں۔“ زرقا کے لہجے کا اطمینان ہنوز قائم تھا۔

شائستہ اب اس لمبے کو پچھتا رہی تھی۔ جب اس نے اس سراخ رساں سے ان دونوں بچوں کے نام جاننے میں دلچسپی نہیں لی تھی۔ اور تب وہ صرف زرقا کا نام جان کر ہی آئی تھی۔ اسے یاد آیا تب اس سراخ رساں نے اصرار کیا تھا کہ اسے ان دونوں بچوں کے باپ کا نام بھی جان لینا چاہیے۔ اور وہ اب سمجھ سکتی تھی کہ وہ اصرار کس لیے تھا، یقیناً وہ ہارون کمال کے بارے میں ہی اسے معلومات پہنچانا چاہتا تھا۔

اور اب وہاں بیٹھے شائستہ کو زندگی میں پہلی بار خود پر بے تحاشا ترس آیا۔ کوئی اس سے زیادہ بے وقوف ہو سکتا تھا۔ اس سے زیادہ احمق اس سے زیادہ بے شعور... وہ کاروباری حلقوں میں اہم ترین عورتوں میں سے ایک تھی جاتی تھی اور وہ ایک ایسے شخص کے ساتھ زندگی گزار رہی تھی۔ جو پچھلے کئی سالوں سے اس کی آنکھوں میں دھول جمونیک رہا تھا۔ کئی عورتیں، کتنے اہمیز زکتنی دلچسپیاں، شائستہ حساب رکھتے رکھتے تھک گئی تھی۔

”مجھے آپ سے بہت ہمدردی ہے۔“

زرقا نے جیسے اس کا چہرہ پڑھ لیا تھا۔ شاید شائستہ کا چہرہ اب ایک کھلی کتاب بن گیا تھا جیسے کوئی بھی پڑھ سکتا تھا۔

”یہ سب کچھ جاننے کے بعد آپ اس وقت کس اذیت سے گزر رہی ہوں گی۔“

اس نے ایک سگریٹ سلگایا، شائستہ نے اس بار کچھ نہیں کہا۔ وہ چند لمبے پہلے اس عورت کو دھکے دے کر گھر سے نکالنا چاہتی تھی۔ وہ چند لمبے پہلے اسے جمونا کہہ کر اس کا منہ بند کرنا چاہتی تھی۔ مگر اس وقت اس لمبے وہ صرف خاموشی سے زرقا کا چہرہ

دیکھتی رہی۔ وہ اس وقت ہارون کا دفاع کرنے کیلئے جھوٹ نہیں بول پاری تھی۔ وہ اس وقت ہارون کو بچانا بھی نہیں چاہتی تھی۔ اس کے سامنے صوفے پر بیٹھی سگریٹ پتی عورت اس سے آٹھ دس سال بڑی تھی اور یہ آٹھ دس سال آٹھ صدیاں بن کر اس کے چہرے پر تحریر تھے۔

زرقا وہاں میک اپ کے بغیر آئی تھی۔ اور اس کے چہرے پر جھریوں کا جال تھا اور چہرے کی ہر لکیر بتا رہی تھی کہ دنیا نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا ہے۔ جو کہانی چہرے کی لکیریں نہیں بتا پاری تھیں، وہ اس کی آنکھوں کی ویرانی اور وحشت بتا رہی تھی۔

”جب ہارون نے مجھ سے شادی سے انکار کیا تو پھر میں نے ایک سمنڈی وڈیر سے شادی کا فیصلہ کر لیا۔ اس کی پہلے دو بیویاں تھیں اور بچے بھی۔“ زرقا بول رہی تھی۔ ”مجھ سے عمر میں پچیس سال بڑا تھا، مگر میری آواز پر عاشق تھا۔ دولت اس کے پاس بھی بہت تھی۔ مگر ہارون پہ میرا دل آ گیا تھا۔ خواہ مخواہ خواب دیکھنے شروع کر دیے میں نے۔“ اس نے سر جھکا جیسے ہانسی کے بوجھ کو کندھوں سے جھٹک رہی ہو۔ شائستہ اسے ایک تک دیکھے جا رہی تھی۔

”میں چاہتی تھی ہارون کی اولاد کو طوائف یا دلال بناؤں۔ پھر کئی ان کو ہارون کے پاس بھیجوں۔ مگر میں ایسا نہیں کر سکی۔ وہ سمنڈی وڈیرا جان گیا تھا کہ میں کسی اور کے بچے کی ماں بننے والی ہوں۔ اس نے مجھے مجبور کیا کہ میں ابارشن کرالوں۔ جب یہ نہیں ہوا تو اس نے مجھے ایک عورت کے پاس ٹھہرا دیا تاکہ وہ پیدائش کے بعد بچوں کو ٹھکانے لگا دے۔ وہ نہیں چاہتا تھا کہ میری پہلے سے کوئی اولاد ہو جو بعد میں اس کے لیے پریشانی پیدا کرے۔ میرے ہاں جو داں بچے ہوئے۔ جس عورت کے پاس مجھے رکھا گیا تھا اس نے بچوں کو بہت ساری انیم کھلائی اور پھر کوڑے کے ڈھیر پر پھینک دیا۔ اس کے بعد میں اپنے شوہر کے ساتھ اس کے گڑھ چلی گئی۔ گانا بجانا سب کچھ پیچھے ہی رہ گیا۔ شوہر سے میری کوئی اولاد نہیں ہوئی مجھے اپنے بچے یاد آئے تھے۔ مجھے یوں لگتا تھا جیسے مجھے ان کی بددعا لگ گئی ہے آخر اس سارے قصے میں ان کا کیا قصور تھا کہ انہیں مار دیا گیا۔ تب تک میں یہی سمجھتی تھی کہ وہ مر چکے ہیں۔ پانچ سال پہلے شوہر کی وفات کے بعد میں دوبارہ شہر آ گئی۔

”ایک بار پھر میں نے پرائیویٹ محفلوں میں گانا شروع کر دیا۔ اور پھر بیسوں پر ایک دن اچانک میری اس عورت سے ملاقات ہوئی جس کے گھر میرے شوہر نے مجھے رکھا تھا۔ اس نے مجھے بتایا کہ وہ دونوں مرے نہیں تھے۔ اسی رات کوڑے کے ڈھیر سے کسی عورت نے اٹھا لیا تھا۔ اور وہ دونوں بچ گئے تھے۔

میرے لیے معجزہ تھا یہ بے نام و نشان ہوتے ہوئے ایک دم جیسے نام اور نشان دونوں مل گئے تھے۔ مجھے کچھ وقت لگا، لیکن میں نے فاطمہ اور ان بچوں کو ڈھونڈ لیا۔ شہیر کے بارے میں مجھے شک ہوا تھا۔ اس کا چہرہ ہارون کمال کا چہرہ تھا، میں نے بھی اسی آدمی سے معلومات لی تھیں جس سے آپ نے لی تھیں اور مجھے یقین تھا کہ اس آدمی نے آپ کو میرے بارے میں بھی بتا دیا ہوگا، شاید میرے اور ہارون کمال کے تعلق کے بارے میں بھی، مگر یہاں مجھ سے اندازے کی غلطی ہو گئی۔

اس آدمی نے مجھے یہ بتایا تھا کہ ہارون کمال کی بیوی فاطمہ اور اس کے بچوں کے بارے میں معلومات کروا رہی ہے۔ مگر اس نے شاید آپ کو زرقا اور ہارون کمال کے تعلق کے بارے میں نہیں بتایا۔“

زرقانے چند لمحوں پر توقف کیا۔

”اس نے مجھے تمہارے بارے میں بتایا تھا کہ شر اور ٹانہ تمہارے بچے ہیں میں نے باپ کے بارے میں نہیں پوچھا۔“

شائستہ نے مدغم آواز میں کہا۔ وہ بھی اب اپنے پرس سے ایک سگریٹ نکال کر سگ رہی تھی۔

”تم اب چاہتی کیا ہو؟“ شائستہ نے سگریٹ کے پہلے کس کے بعد اس سے پوچھا۔ ”پیسہ؟“

”زرقا بے اختیار ہنسی۔“ ”پیسہ، پیسہ، پیسہ، کیا کرے گا انسان پیسے کا، جب اس کے اندر باہر ویرانی ہو۔ میرے شوہر نے میرے نام کچھ جائیداد چھوڑی تھی۔ پرائیویٹ محفلوں سے میں بہت کمائی ہوں۔ میرا بینک بیلنس اچھا ہے۔ لیکن کیا کروں، میں اس سب کو، جب میرے پاس رشتوں کے نام پر کچھ ہے ہی نہیں اور جو تھے انہیں میں نے اپنے ہاتھوں سے کھو دیا۔ نہیں شائستہ

ہارون کمال! میں چہرے لینے آپ کے پاس نہیں آئی، اب 50 سال کی عمر میں، میں کیا لوگوں کو بیک میل کروں گی۔“  
وہ خاموش ہو کر سگریٹ کے کش لگانے لگی۔

”پھر...؟“ شائستہ نے اسے دیکھا۔ ”کیا صرف مجھے یہ سب بتانے کے لیے یہاں آئی ہو؟“

”نہیں، صرف اس لیے یہاں نہیں آئی۔“ کچھ توقف کے بعد اس نے کہا۔ ”آپ نے فاطمہ کے ساتھ بڑا ظلم کیا۔“  
”فاطمہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔“ شائستہ کا لہجہ یک دم روکھا ہو گیا۔

”جانتی ہوں مگر میں اس عورت کی دل سے قدر کرتی ہوں۔ اس نے میرے بچوں کو کوزے سے اٹھا کر سینے سے لگا کر پالا ہے۔ ماں اور باپ بن کر، صرف میرے نہیں آپ کے بچے کے لیے بھی اس نے بہت کچھ کیا ہے۔“  
شائستہ کا جسم بے اختیار تن گیا۔

”تم میرے پاس فاطمہ کی وکیل بن کر آئی ہو؟“

”نہیں... وہ تو جانتی تک نہیں کہ...“ زرقا نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

”مجھ میں آپ جیسی ہمت نہیں ہے کہ اس کے سامنے جا کر جھوٹ بولتی اور اپنے بچے واپس مانگتی۔“  
طوائف ضرور ہوں میں مگر احسان فراموش نہیں ہوں۔“

شائستہ کو لگا جیسے زرقا نے اس کے چہرے پر تھپڑ مار دیا ہو۔

”اولاد اس کی جس نے جان لٹائی ہو۔“

زرقا کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ ایک بار پھر شائستہ کا دل چاہا کہ وہ اسے وہاں سے نکال دے۔

”میں تو ساری عمر اس کی جوتیاں سیدھی کروں تب بھی اس کا احسان نہیں اتار سکتی۔ بڑے گھرانے کی عورت اور ایک طوائف میں یہی فرق ہوتا ہے۔“

شائستہ کو لگا۔ اسے ایک اور دلچسپ پڑا تھا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ کہتی، زرقا نے اپنی آنکھیں دوپٹے کے پلو سے رگڑتے ہوئے کہا۔

”یہ آپ کی بیٹی نایاب ہے نا؟“ وہ ایک بار پھر دیوار پر لگی تصویر کو دیکھ رہی تھی۔ شائستہ کو لگا یہ سوال نہیں ہے۔

”شمر کے ساتھ اس کی بہت دوستی ہے۔ دونوں یہ نہیں جانتے کہ یہ دونوں بہن بھائی ہیں۔ میں بھی چند ہفتے پہلے تک یہ نہیں جانتی تھی کہ نایاب آپ لوگوں کی بیٹی ہے۔ ورنہ وہ سب کچھ نہ ہوتا جواب ہو گیا ہے۔“  
زرقا کا لہجہ اس بار تھکا ہوا تھا۔ شائستہ قدرے چونک گئی۔

”ہاں میں جانتی ہوں کہ نایاب شمر میں ضرورت سے زیادہ دلچسپی لیتی ہے۔ مگر اب یہ سب کچھ جاننے کے بعد میں اسے سمجھا دوں گی۔“

شائستہ نے کہا، زرقا کچھ دیر چپ چاپ اس کو دیکھتی رہی۔ پھر اس نے کہا۔

”میں ہارون کمال کی فطرت رخصتی تو آج اس کا تماشہ دیکھتی۔ دوسروں کی زندگیوں کے ساتھ کھیلنے والے کو آج قدرت نے بہت بے بس کر دیا ہے۔ مگر مجھے صرف اپنے بیٹے کی پروا ہے صرف شمر کی۔ میں نہیں چاہتی اس کی زندگی خراب ہو۔ اس لیے آپ کو بتانے آئی ہوں کہ ہارون کمال کی بیٹی نایاب نے ہارون کمال کے بیٹے شمر کے ساتھ کورٹ میرج کر لی ہے۔“

شائستہ کی انگلیوں سے سگریٹ اس کی گود میں گر گیا تھا۔ شیفون کی ساڑھی کو وہ کہاں سے جلا رہا تھا، شائستہ کو پروا نہیں تھی۔ اس کے گھر کو آگ لگی تھی۔ وہ اس کو بچھانا چاہتی تھی۔

☆☆☆

وہ روشن منسور علی کی تصویر تھی۔ ثانی پہچاننے میں غلطی نہیں کر سکتی تھی۔ وہ بلاشبہ وہی تھا اس کی کلاں کا سب سے عجیب

”یہ روشاں منصور علی ہے؟“ ثانی نے صہد سے پوچھا۔ وہ بے اختیار چونگی ثانی کے منہ سے اس کا نام سن کر اسے جھکا

”ہاں... یہ میرا بھائی ہے۔ مگر تم اسے کیسے جانتی ہو؟“

”بھائی؟“ اس بار حیرت کا جھٹکا ثانی کو لگا۔

”ہاں میرا اکلوتا بھائی۔“

”یہ آئی بی اے میں میرا کلاس فیلو ہے۔“ ثانی نے اس تصویر کو مسلسل دیکھتے ہوئے کہا۔ وہ کیوں عجیب و غریب تھا، ثانی کے لیے۔ اب یہ راز، راز نہیں رہا تھا۔ وہ تصویر اگرچہ پرانی تھی، مگر روشاں کے چہرے میں زیادہ تبدیلی نہیں آئی تھی۔

”یہ پاپا کے ساتھ رہتا ہے۔“ صہد نے رنجیدگی سے کہا۔

”مگر آپ کو اس سے رابطہ کرنا چاہیے۔ اسے ان سارے حالات کا پتہ ہونا چاہیے۔“ ثانی نے کہا۔

صہد اس بار خاموشی رہی۔ وہ ثانی کو وہ سب کچھ نہیں بتانا چاہتی تھی جس سے وہ گزری تھی۔ وہ ثانی کو روشاں کی خود غرضی کے بارے میں بھی نہیں بتانا چاہتی تھی اور ثانی نے اس کی جھجک کو محسوس کر لیا تھا۔

”یہ آپ کا اکلوتا بھائی ہے، صہد۔ آپ کو اس ساری صورت حال میں اس سے بات کرنا چاہیے، مجھے یقین ہے اسے ان تمام حالات کا پتہ نہیں ہوگا۔“ ثانی نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”ابھی آپ کے ابو پولیس کی حراست میں ہیں۔ کچھ عرصہ میں باہر نکل آئیں گے۔ پھر اگر انہوں نے دوبارہ ایسی حرکت کی تو...؟“

صہد کی آنکھوں میں آنسو بہ رہے تھے وہ خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھتی رہی۔ وہ اتنی کمزور نہیں تھی جنسی وہ اس وقت ہو گئی تھی۔ ثانی اسی کی ہم عمر تھی۔ مگر اس وقت وہ اسے بڑوں کی طرح سمجھا رہی تھی۔ اور وہ سننے پر مجبور تھی۔

”میرے پاس اس کا کالمیک نمبر نہیں ہے۔“ صہد نے مدہم آواز میں کہا۔

”یہ مسئلہ نہیں ہے، میں آپ کو اس کا کالمیک نمبر لا دیتی ہوں۔“

”تمہارے پاس سے؟“ صہد نے چونک کر کہا۔

”نہیں ہے تو نہیں، مگر میں اپنے ایک دوسرے کلاس فیلو کو فون کر کے ابھی تھوڑی دیر میں اس کا نمبر لاسکتی ہوں۔ لے آؤں؟“ وہ صہد سے پوچھنے لگی۔

صہد کچھ دیر اس کا چہرہ دیکھتی رہی پھر اس نے ٹھکت خوردہ انداز میں سر جھکا لیا۔ ثانی اس کا کندھا تھکتے ہوئے اٹھ کر چلی گئی۔

روشاں کا کمانڈیکٹ نمبر حاصل کرنے میں زیادہ دیر نہیں لگی تھی۔ اس نے گھر آکر اپنے موبائل سے اپنے ایک دوست رضا کو کال کی، وہ اس کا کلاس فیلو تھا۔ اس کے پاس روشاں کا نمبر تھا۔

پانچ منٹ سے بھی کم وقت میں وہ ایک بار پھر صہد کے پاس تھی۔

”میں نمبر ملاتی ہوں، آپ بات کریں۔“ اس نے صہد سے کہا۔

صہد کو لگا جیسے اسے ایک بار پھر سے پہاڑ پر ننگے پاؤں چڑھنا ہے۔

ثانی نے نمبر لا کر فون صہد کے ہاتھ میں تھما دیا۔ وہ کان سے موبائل لگائے، دوسری طرف ہونے والی تیل کی آواز سنتی رہی۔ پھر کال ریسیو کی گئی تھی۔ وہ روشاں کی ہیلو کے جواب میں کچھ نہیں کہہ سکی۔ اس کی آواز ایک دم رندہ گئی تھی۔ یا پھر حلق میں پھنس گئی تھی۔

”ہیلو...!“ روشاں نے پھر کہا۔

”روشاں! میں صہد بول رہی ہوں۔“ صہد نے بشکل کہا۔



دوسری طرف ایک دم خاموشی چھا گئی۔ صبحہ کو لگا وہ فون بند کر دے گا۔ اس نے فون بند نہیں کیا۔ مگر وہ کچھ دیر خاموش رہا۔ پھر اس نے کہا۔

”صبحہ...؟“ اس کی آواز میں جیسے بے یقینی تھی۔

”ہاں...“ دوسری طرف ایک بار پھر خاموشی رہی۔ اس بار صبحہ نے انتظار نہیں کیا۔ ”تم کل لاہور آ سکتے ہو؟“ اس کا خیال تھا دوسری طرف سے کچھ سوال ہوں گے پھر بہانے ہوں گے، پھر انکار ہوگا۔ مگر ایسا کچھ نہیں ہوا۔

”ہاں، میں آ جاؤں گا۔“ صبحہ کو جیسے ایک جھٹکا لگا۔

”تم ایڈریس لکھو اور...“ صبحہ نے اکتے ہوئے ایڈریس لکھوایا۔

”مئی کسی ہیں؟“ روشن نے اگلا سوال کیا۔

”وہ ٹھیک ہیں“

”زارا اور رابعہ؟“

”وہ بھی۔“

”اور امیر؟“

”وہ بھی۔“ صبحہ نے اپنے آنسوؤں پر قابو باتے ہوئے کہا۔

”اور تم؟“ وہ اب کچھ مدہم آواز میں پوچھ رہا تھا۔

”میں بھی۔“ وہ فون پر رونا نہیں چاہتی تھی۔ دوسری طرف ایک بار پھر خاموشی تھی۔ یوں لگ رہا تھا جیسے وہ بھی لفظ ڈھونڈنے کے لیے جدوجہد کر رہا ہے۔

”تم کیسے ہو؟“ بالآخر صبحہ نے کہا۔

”میں ٹھیک ہوں۔“ اس نے کہا۔ ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

”تم کل آ جاؤ پھر بات کریں گے۔“

صبحہ نے کہا اور فون بند کر دیا۔ اسے یاد نہیں تھا زندگی میں کبھی روشن سے بات کرنے کے لیے اسے سوچنا یا لفظ تلاش کرنے پڑے ہوں جیسا آج کرنے پڑ رہے تھے، اس نے تالی کی طرف فون بڑھا دیا۔

☆☆☆

”یہ نہیں ہو سکتا۔“ شائستہ بلبلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ ”نایاب اتنا بڑا قدم مجھ سے پوچھے بغیر نہیں اٹھا سکتی۔“

”وہ یہ قدم اٹھا چکی ہے۔“ زرقا نے اسی انداز میں جواب دیا۔ ”لیکن ابھی بات صرف وہی میرج تک ہی ہے۔“

آپ یہ قسم کرنا سکتی ہیں۔ نایاب کو ٹرے اس کا رشتہ بتادیں۔“ زرقا نے سنجیدگی سے کہا۔

”یہ آسان نہیں ہے۔ میں کس طرح...“ شائستہ اپنا سر پکڑے ہوئے تھی۔ ”مگر مجھے نایاب سے بات کرنا ہے۔ بلکہ ابھی

کرنا چاہیے اسی وقت مگر اس سے پہلے مجھے ہارون سے بات کرنا چاہیے۔“

شائستہ کا دماغ ماؤف ہو رہا تھا۔ وہ یہ بھول گئی تھی کہ زرقا وہاں موجود ہے۔ زرقا سگریٹ ایش ٹرے میں پھینکتے ہوئے

اٹھ کھڑی ہوئی۔ وہ کچھ کہنا چاہتی تھی مگر ایک لمحہ کا توقف کر کے شائستہ سے کچھ کہے بغیر ڈرائنگ روم سے باہر چلی گئی۔

شائستہ نے اس کو روکا نہیں۔ وہ اپنے موبائل پر نایاب کا نمبر ڈائل کرنے میں مصروف تھی۔ نایاب کی آواز سننے ہی اس

نے کہا۔

”تم کہاں ہو؟“

”کیا ہوا مئی؟“ نایاب نے کچھ حیران ہو کر پوچھا۔

”میرے سوال کا جواب کا دو۔“ شائستہ نے تڑٹی سے کہا۔

”میں کالج میں ہوں۔“

”شر کے ساتھ؟“ شائستہ نے بے ساختہ پوچھا۔

”شر کے ساتھ؟“

نایاب کی خاموشی پر شائستہ اس بار جیسے حلق کے بل چلائی۔

”نہیں۔ می!“ نایاب نے بے اختیار کہا۔ ”میں اس کے ساتھ نہیں ہوں۔ آپ کو کیا ہو گیا ہے۔؟“

”میرا دماغ خراب ہو گیا ہے۔“ تم چند منٹوں میں فوراً گھر آؤ۔“

”کیوں کیا ہوا ہے؟“

”یہ میں تمہیں گھر پہنچنے پر بتاؤں گی۔ اس وقت میں تم سے صرف یہ کہہ رہی ہوں کہ تم گھر آؤ... ابھی اور اسی وقت،

ہارون اور میں تم سے بات کرنا چاہتے ہیں۔“

دوسری طرف خاموشی رہی پھر نایاب نے کہا۔ ”کیا بات؟“ اس کا اندر بے حد محتاط تھا۔

”میں تم سے کہہ رہی ہوں کہ تم گھر آؤ۔ ابھی اور اسی وقت اور تم مجھ سے پوچھ رہی ہو کہ مجھے تم سے کیا بات کرنی

ہے۔“ شائستہ اس بار کسی جانور کی طرح دھاڑی تھی۔ ”تمہیں بیس منٹ کے اندر اندر گھر میں ہونا چاہیے۔“

دوسری طرف سے نایاب نے فون بند کر دیا۔

شائستہ نے اگلا فون ہارون کو کیا۔ ہارون کا موبائل آف تھا۔ اس نے اسد کو فون کیا۔ اسد کا موبائل بھی آف تھا، شائستہ

نے اس بار ان کے آفس فون کیا۔

”ہارون صاحب ایک اہم میٹنگ میں ہیں۔ اور...“ اس کی سیکریٹری نے کہا شروع کیا۔ شائستہ نے اسے بات مکمل نہیں

کرنے دی۔ ”وہ چاہے جیسی بھی میٹنگ میں ہوں، ابھی اور اسی وقت ان سے کہو کہ وہ مجھ سے بات کریں۔“

شائستہ نے بے حد تھکسا نہ انداز میں اس سے کہا۔ دوسری طرف چند لمحوں کی ہنگامہ پٹ کے بعد سیکریٹری نے کہا۔

”آپ ہولڈ کریں۔ میں سر سے بات کرتی ہوں۔“

چند منٹوں بعد شائستہ کو ہارون کی آواز آئی۔ وہ بے حد جھنجھلایا ہوا تھا۔ ”میں تم سے بعد میں بات کروں گا اس وقت...“

شائستہ نے غراتے ہوئے اس کی بات کاٹی۔ ”تم اپنی بجواس بند کرو اور میری بات سنو۔ سب کچھ چھوڑ کر آدھ گھنٹہ کے

اندرا اندر گھر پہنچو۔ کیونکہ تمہاری بیٹی کورٹ میرج کر چکی ہے اور کس کے ساتھ... میں تمہیں گھر آنے کے بعد بتاؤں گی۔“

”واٹ...؟“ دوسری طرف سے ہارون جیسے چلا اٹھا۔

”سٹ اپ...“ شائستہ نے تیزی سے کہا۔ اور سیل فون آف کر دیا۔ ہارون اس وقت اس کے سامنے ہوتا تو وہ یقیناً اس کا

خون پی جاتی۔

☆☆☆

شر اور ثانی ابھی تھوڑی دیر پہلے ہی فاطمہ کے ساتھ اپنے گھر واپس آئے تھے۔

”مجھے یقین نہیں آرہا کہ کوئی باپ اپنی اولاد اور بیوی کے ساتھ یہ سب کر سکتا ہے؟“ ثانی نے جبر جبری لیتے ہوئے کہا۔

”وہ اس کی سابقہ بیوی ہے۔“ شر نے لقمہ دیا۔

”پھر بھی قتل کی کوشش کرنا مجھے یقین نہیں آرہا۔“

”یقین کر لو ثانی شر نے عجیب سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔ ”ہماری زندگی میں صرف ناقابل یقین چیزیں ہی ہیں حتیٰ کہ

ہمارا اپنا وجود بھی ناقابل یقین ہے۔ کم از کم ہمیں تو یہ سب کچھ ناقابل یقین نہیں لگتا چاہیے۔ اگر کوئی انسان اپنی اولاد کو جیتے جی

کوڑے میں پھینک سکتا ہے تو سابقہ بیوی کو مارنے کی کوشش تو بہت معمولی بات ہے۔“

شر کی آواز میں تھی۔

”بس کر دشر! کافی ہے۔“ ثانی نے ہاتھ اٹھا کر اسے روک دیا وہ دوبارہ ان تکلیف دہ حقیقتوں کو سننا نہیں چاہتی تھی۔  
 ”چند گھنٹے پہلے تک میں سمجھتی تھی جیسے میں بھیا تک خواب میں سے گزر رہی ہوں۔ بے حد بھیا تک خواب سے..... لیکن  
 اب صبح کے گھر والوں کی حالت دیکھ کر مجھے لگ رہا ہے۔ زندگی میں ہر انسان بھیا تک خواب میں سے گزر رہا ہے۔ کچھ کے لیے یہ خواب طویل ہوتا ہے۔ کچھ کے لیے مختصر مگر ایسے نہیں ہوتا کہ کوئی بھی کسی تکلیف اور اذیت کا سامنا کیے بغیر دنیا سے چلا جائے۔“

”فلاسنی مت جھاڑو ثانی۔“ ثمر نے سنجی سے اس کی بات کاٹی۔  
 ”اس وقت میں تمہارے پیچھے ہضم نہیں کر سکتا۔“

”نہیں جھاڑتی تم یہ بتاؤ کہ منصور علی کا اب کیا ہو گا؟“ ثانی نے بات کا موضوع بدل دیا۔  
 ”پتہ نہیں نی الحال تو وہ پولیس اسٹیشن میں ہے۔ محلے والوں نے اس پر قاتلانہ حملے کی ایف آئی آر درج کروائی ہے۔ پولیس کچھ دیر میں صبح اور اس کی محی کا بیان لینے بھی آئے گی... اس کے بعد کیا ہوتا ہے۔ میں نہیں جانتا۔“ ثمر نے کندھے اچکا کر کہا۔

اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا بیرونی دروازے پر دستک ہوئی ”میں دیکھتا ہوں۔“ ثمر اٹھ کر باہر چلا آیا۔ مگر بیرونی دروازہ کھولتے ہی وہ بکا بکا رہ گیا تھا وہاں نایاب کھڑی تھی۔  
 ”تم یہاں؟“

”ثمر! میں تمہیں لینے آئی ہوں۔ تمہیں میرے ساتھ چلنا ہے۔“ نایاب نے کسی تمہید کے بغیر کہا۔

”کیوں؟ کیا ہوا؟“ ثمر ایک دم پریشان ہو گیا۔

”مجھے لگتا ہے نمی اور پاپا کو ہماری کورٹ میرج کے بارے میں پتہ چل گیا ہے۔“ نایاب نے کہا۔

”یہ کیسے ہو سکتا ہے؟“ اس بار ثمر بھی چونک گیا۔

”یہ تو ابھی مجھے نہیں معلوم مگر کچھ نہ کچھ ہوا ضرور ہے اور اگر انہیں جیسے تو میں چاہتی ہوں کہ تمہیں ان کے سامنے لے جاؤں۔ اگر اس بات پر بہت جھگڑا ہوا تو پھر میں گھر چھوڑ کر تمہارے ساتھ آ جاؤں گی۔“ ثمر نے پہلی بار نایاب کو اتنا سیریس دیکھا تھا۔

”اور اگر انہیں پتہ نہ چلا ہو تو؟“

”مجھے یقین ہے انہیں پتہ چل گیا ہے۔“ نایاب نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔ ”میں نمی کی ٹون پہچان سکتی ہوں۔ کوئی بڑا

مسئلہ ہوا ہے اور فی الحال تمہاری اور میری کورٹ میرج سے بڑا مسئلہ اور کوئی نہیں ہو سکتا۔“

”نایاب اگر تمہیں میرے ساتھ آنا پڑا تو کیا تم اس گھر میں رہ سکتی ہو.....؟ کیونکہ میں فی الحال تمہیں کہیں اور نہیں رکھ سکتا۔“

”میں تمہارے ساتھ جہنم میں بھی رہ سکتی ہوں۔ یہ تو پھر گھر ہے۔ اب آ جاؤ۔“ نایاب نے بڑی عجلت کے عالم میں اسے بازو سے پکڑ کر کھینچا۔

”مجھے امی کو بتانے دو.... اور ثانی بھی کراچی سے آئی ہوئی ہے۔ تم ملو گی؟“ ثمر کو ایک دم یاد آیا۔ اس نے اپنا بازو چھڑاتے ہوئے کہا۔

”ابھی نہیں بعد میں، بس تم ایک مٹ میں آئی کو بتا کر آؤ۔“ نایاب نے اس کا بازو چھوڑنے ہوئے کہا۔

## اشیواں باب

”یہ قتل منصور علی نے کیا ہے۔“ ہارون کمال نے جیسے کمرے میں ہم بھوزا تھا۔ وہ ابھی کچھ دیر پہلے ہی اپنے وکیل بات کر کے فارغ ہوا تھا اور اس گفتگو کے دوران ہی برق رفتاری سے اس نے اپنے بھائو کا طمان تیار کر لیا تھا واحد چیز جس کا اسے خوف تھا وہ اسد کا رد عمل تھا۔ مگر وہ اسد کے رد عمل کے خاطر اپنی جان داؤ پر نہیں لگا سکتا تھا وکیل سے گفتگو سے دوران ہی وہ یہ اچھی طرح جان چکا تھا کہ وہ بری طرح پھنس چکا ہے۔ اس کے خلاف بہت سارے ثبوتے اکٹھے ہو چکے تھے اور اگر تحقیق شروع ہو جاتی تو پھر اس کے گلے میں پوری طرح فٹ آتا اس لیے اس نے امبر سے اپنے تعلقات کو ظاہر کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

فون کا ریسور نیچے رکھتے ہی اس نے اے ایس پی سے کہا۔

”یہ قتل منصور علی نے کیا ہے اور وہ مجھے اس میں ملوث کرنے کی کوشش کر رہا ہے۔“

اسد کے ساتھ ساتھ اے ایس پی بھی اس کی بات پر چونکا۔

”آپ کا مطلب ہے، امبر کو اس کے اپنے باپ نے قتل کیا ہے مگر سوال پیدا ہوتا ہے کہ کس لیے؟ کوئی باپ صرف اپنے بزنس پارٹنر کو پھنسانے کے لیے تو اپنی بیٹی کا قتل نہیں کر سکتا۔“ اے ایس پی نے اس کی بات کو جیسے پوری طرح رد کرتے ہوئے کہا۔

”میں اور امبر ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے۔“ ہارون کمال نے کمرے میں اسد کی موجودگی کو یکسر نظر انداز کرتے ہوئے جی کڑا کر کے کہا ”اور کچھ عرصہ تک ہم دونوں شادی کر لیتے۔ منصور کو جب تک اس ساری صورت حال کا پتہ نہیں تھا۔“

”اسد پتھر کے ٹیسے کی طرح ہارون کمال کو دیکھ رہا تھا۔

”امبر منصور کے ساتھ نہیں رہتی تھی۔ وہ منصور کی سابقہ بیوی کے ساتھ رہتی تھی۔ پھر ایک دن وہ مجھ سے شادی کرنے کے لیے گھر چھوڑ کر میرے پاس آ گئی۔ میں نے وقتی طور پر اسے اپنے کلیت میں رکھا مگر اسی رات اچانک منصور بھی وہاں آ گیا۔ امبر کو وہاں میرے ساتھ دیکھ کر وہ آگ بگولہ ہو گیا۔ میں کچھ پریشانی اور شرمندگی کے عالم میں وہاں سے چلا گیا۔ جب میں واپس آیا تو منصور اور امبر دونوں وہاں نہیں تھے۔ میں سمجھا کہ شاید منصور امبر کو لے گیا ہے۔ مگر اس کے اگلے دن منصور نے ہر جگہ یہ کہنا شروع کر دیا کہ اس کی بیٹی میرے ساتھ شادی کر چکی ہے۔“

اس سے پہلے کہ ہارون کچھ اور کہتا، اسد ایک جھٹکے سے اٹھا اور کمرے سے نکل گیا۔ اے ایس پی نے اسد کے مجڑے ہوئے تیوروں اور اس کے اٹھ کر جانے کے انداز کو غور سے دیکھا۔ ہارون نے ایک بار پھر بات شروع کر دی۔

”میں نے منصور کی ان ہی باتوں کی وجہ سے بزنس ختم کرنے کا فیصلہ کیا۔ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس نے امبر کو قتل کر دیا ہے۔ میں نے اس رات واقعی ایک بیک خریدی تھا۔ کیونکہ میں اور امبر اگلے ایک دو دنوں میں دعویٰ چلے جاتے۔ امبر کو بیک کی ضرورت تھی۔ مگر میں یہ نہیں جانتا تھا کہ منصور علی اتنا گھناؤنا قدم اٹھالے گا۔“

ہارون کمال کی کہانی بالکل پریکٹ تھی، اس میں کہیں جھول نہیں تھا۔ اے ایس پی بری طرح الجھا کہانی میں ایک نیا سوز

”اور یہ فلیٹ کہاں ہے؟“ اے ایس پی نے اپنے ہاتھ میں پکڑے کاغذات پر کچھ نوٹ کرتے ہوئے کہا۔ ہارون نے ایڈریس نکھوایا۔

”یہ آخری بار تھی جب آپ نے امبر کو دیکھا؟“ اس نے پوچھا۔

”ہاں۔“

”تاریخ بتا سکتے ہیں؟“ ہارون نے تاریخ بتائی۔ اے ایس پی نے سر ہلاتے ہوئے کہا۔

”ہاں پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق اس لڑکی کی ذمہ ان ہی دنوں میں ہوئی ہے۔ میں اب منصور علی سے ملوں گا مگر اس سے پہلے اس فلیٹ کو دیکھوں گا۔ میں فی الحال آپ کو گرفتار نہیں کر رہا۔ آپ بیرون ملک جانے کی کوشش مت کیجئے گا۔ میں منصور علی سے ملنے کے بعد آپ کو بتاؤں گا کہ آپ پر شبہ برقرار ہے یا پھر ہم منصور علی کو گرفتار کر رہے ہیں۔“

اے ایس پی نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

”میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ آپ کو یہ سب کچھ صاف صاف بتا دیا ہے۔ آئندہ بھی کچھ نہیں چھپاؤں گا۔ امبر کی موت کا مجھے بھی بہت افسوس ہے۔“

اس سے پہلے کہ ہارون کچھ اور کہتا، اے ایس پی نے اس کی بات کاٹ دی۔

”میں اسی وقت اس فلیٹ پر جانا چاہتا ہوں۔“

”مگر اس وقت تو میرا وکیل یہاں پہنچنے والا ہو گا۔“

”آپ وکیل سے ملیں، مجھے کسی اور کے ساتھ وہاں بھجوا دیں یا پھر آپ مجھے صرف ایڈریس بتادیں۔“ اے ایس پی نے کہا۔

”میں آپ کو اپنے پی اے کے ساتھ وہاں بھجوا دیتا ہوں۔“ ہارون نے فون اٹھا کر اپنے پی اے کو اندر بلایا اور پھر اسے ہدایات دیتے ہوئے اے ایس پی کے ساتھ رخصت کیا۔

اے ایس پی کے جاتے ہی وکیل وہاں پہنچ گیا تھا۔ اگلا ایک گھنٹہ ہارون نے وکیل کے ساتھ گزارا اور اسی مینٹگ کے دوران اس نے شائستہ کی کال اینڈ کی تھی۔ اور شائستہ کے منہ سے نایاب کی کورٹ میرج کا سن کر اس کے پاؤں کے نیچے سے محاورہ نہیں چھینتا زمین نکل گئی تھی۔ وہ ابھی پہلے شاک سے باہر نہیں نکلا تھا کہ ایک اور مصیبت اس کے سر پر آن پڑی تھی۔ وکیل کے ساتھ مینٹگ احواری چھوڑ کر وہ گھر کی طرف روانہ ہوا۔ مگر پورا رستہ وہ بے حد ااپ سیٹ رہا تھا۔

گھر میں داخل ہوتے ہی اس کی نظر نایاب کی گاڑی پر پڑی تھی۔ اس کا مطلب تھا نایاب بھی اس وقت گھر پر ہی تھی ہارون نے سوچنے کی کوشش کی کہ وہ آخر کس کے ساتھ کورٹ میرج جیسا بڑا قدم اٹھا سکتی ہے۔ اس کی اتنی وجہ کسی لڑکے کے ساتھ نہیں تھی سوائے... شمر کے اور بہر حال وہ اتنی بے وقوف نہیں تھی کہ ان سارے حالات میں شمر کے ساتھ اپنے ماں باپ کو بتائے بغیر کورٹ میرج کر لیتی اور پھر اچانک ہارون کو احساس ہوا کہ اگر اسے کسی کے ساتھ چھپ کر شادی کرنے کی ضرورت پیش آسکتی ہے تو وہ شمر ہی ہو سکتا ہے کیونکہ وہی ایک شخص تھا جس کے ساتھ کبھی بھی کسی بھی حالات میں ہارون اور شائستہ شادی کے لیے تیار نہ ہوتے۔ ہارون کا بلڈ پریشر کچھ اور ہائی ہو چکا تھا۔ اس کا بس چلنا تو شمر کو مار ڈالتا۔ مگر اس وقت تو اسے اپنی بیٹی سے بات کرنا تھی۔

لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اس کے سارے اندازوں اور بدترین خدشات کی تصدیق ہو گئی تھی۔ نایاب اور شمر ایک صوفہ پر بیٹھے ہوئے تھے اور شائستہ ایک دوسرے صوفے پر بیٹھی بے حد غصہ کے عالم میں ان سے کچھ کہہ رہی تھی۔

نایاب نے ہارون کو لائونج میں داخل ہوتے دیکھ لیا تھا اور یقیناً اس کے تاثرات سے اسے اندازہ بھی ہو گیا تھا۔ کہ اس کا باپ بے حد خراب موڈ میں ہے۔

شائستہ ہارون کو دیکھتے ہی اٹھ کر کھڑی ہو گئی، یہی کام تایاب اور ثمر نے کیا تھا۔ شریک دم ہی بے حد نزوں ہو گیا تھا۔  
شائستہ کو ہارون کو کچھ بتانے کی ضرورت نہیں پڑی۔

”اس لڑکے سے شادی کی ہے تم نے؟“ ہارون نے لاؤنج میں داخل ہوتے ہی دھاڑتے ہوئے تایاب کو مخاطب کیا۔

ثمر کے برعکس وہ نزوں نہیں تھا اگر تھی بھی تو وہ ظاہر نہیں کر رہی تھی۔

”ہاں! اس نے بڑے اعتماد سے ہارون کو جواب دیا۔ ہارون نے اس اعتماد کا جواب انکس میں شکر کچھ کالیوں سے دیا۔

”پلیز پاپا! ماسٹرز یور لیکچر“۔ تایاب نے بے حد ناراضی سے کہا۔ ”آپ کو پتا ہونا چاہیے کہ آپ میرے شوہر سے بات

کر رہے ہیں۔“

”تمہارا شوہر مائی فٹ! میں اس دو نکلے کے لڑکے کو اپنا داماد بناؤں جس سے بہتر میرے ملازم ہیں جس کا نہ کوئی آگے

بے نہ پیچھے۔ پتہ نہیں ہے کس کی ناجائز اولاد ہے جسے تم پکڑ کر ہارون کمال کا داماد بنانے چلی ہو۔“ ہارون کمال نے یہ کہتے ہوئے

شائستہ کو نہیں دیکھا جس کی آنکھیں اس وقت ہارون کو دیکھتے ہوئے آگ برسا رہی تھیں۔ ثمر کا چہرہ ہارون کے جملوں پر سرخ ہو

گیا تھا۔ اگر چاہے اسی قسم کے استقبال کی امید تھی۔ اس کے باوجود اسے لگا کہ اس نے یہاں آکر بہت بڑی غلطی کی ہے۔

”مجھے ثمر کے خاندان سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میرے لیے صرف وہ اہم ہے۔“ تایاب نے ہارون کی بات کانٹے

ہوئے کہا۔

”اس لڑکے نے تمہیں ٹریپ کیا ہے۔ تمہیں سیزمی بنا کر ہارون کمال کی دولت حاصل کرنا چاہتا ہے۔“ ہارون نے ثمر کی

طرف انگی اٹھا کر تایاب سے کہا۔

”مجھے آپ کی دولت سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ میں گھر داماد بننے نہیں آیا ہوں۔ میں تایاب کو یہاں سے اپنے ساتھ

اپنے گھر لے جاؤں گا۔“

ثمر نے پہلی دفعہ ساری گفتگو میں مداخلت کی... اور اس کا پہلا جملہ ہی ہارون کے صبر کا پیمانہ لبریز کرنے کے لیے کافی

تھا۔ وہ غصے میں لپکتے ہوئے ثمر کی طرف گیا اور اسے گریبان سے پکڑ لیا۔ اس سے پہلے کہ ثمر کچھ کہتا، ہارون نے اس کے چہرے

پر تھپتھپ مار دیا۔ اور پھر دوسرا تھپتھپ، تایاب چپٹی ہوئی آگے بڑھی اور اس نے ہارون کو روکنے کی کوشش کی مگر ہارون غصہ میں آگ بگولہ

ہو رہا تھا۔؟ ثمر کی ناک سے خون نکلنے لگا تھا۔ وہ اب اپنے چہرے کو ڈھانپ رہا تھا مگر ہارون پوری قوت سے اپنے بوڑوں کے

ساتھ اس کی ناگوں پر ٹھوکریں مار رہا تھا۔

شائستہ بے حس و حرکت لاؤنج میں کھڑی تھی۔ وہ یہ سب کچھ نہیں چاہتی تھی مگر اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ یہ سب

کچھ کیسے بند کرے۔ تایاب ہارون اور ثمر کے بیچ میں آنے کی کوشش کر رہی تھی اور اس میں ناکام ہونے پر وہ بری طرح رونے لگی

۔ ثمر اپنے آپ کو بچانے میں ناکام ہو رہا تھا۔ اسے ہارون کمال کا لحاظ نہ ہوتا تو شاید وہ بھی جوبل ہارون کمال پر اب تک ہاتھ اٹھا

چکا ہوتا۔

شہیر نے یہ سارا منظر لاؤنج کی ریٹنگ کے کنارے کھڑے ہو کر دیکھا تھا۔ وہ چند لمبے پہلے ہی نیچے ہونے والا شور سن کر

اپنے کمرے سے باہر نکلا تھا اور باہر نکلتے ہی نیچے لاؤنج میں ثمر کو ہارون کے ہاتھوں پنے دیکھ کر وہ ایک لمحہ کے لیے شاکزدہ رہ گیا

تھا۔ اس نے پہلی نظر میں ثمر کو پہچانا نہیں مگر اگلے ہی لمحے وہ ناگوں کی طرح بھاگتے ہوئے دیوانہ وار سیزھیان اترتے نیچے

پہنچا اور پوری قوت سے ہارون کو پیچھے دھکیلتے ہوئے ثمر کے سامنے آ گیا۔ ہارون نے سرخ آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھا۔

”سامنے سے ہٹو۔“ اس نے بلند آواز میں چیختے ہوئے شہیر سے کہا۔

”میں نہیں ہٹوں گا۔ آپ میرے بھائی کو اس طرح نہیں مار سکتے۔“

”شہیر! تم یہاں سے جاؤ، یہ تمہارا مسئلہ نہیں ہے۔“ شائستہ نے ہارون کی بات کو نظر انداز کر.... کے چند قدم آگے آتے

ہوئے شہیر سے کہا۔

”نہیں میں یہاں سے نہیں جاؤں گا۔ آپ لوگوں کی ہمت کیسے ہوئی کہ آپ لوگ شکر کو اس طرح ماریں۔“  
شہیرا ب اشتعال میں تھا۔

”شکر کو جرات کیسے ہوئی کہ یہ نایاب کیساتھ شادی کر لے؟“ شائستہ نے ترکی پر ترکی کہا۔  
شہیرا کو جھکا کا ”نایاب سے شادی؟“ اس نے پلٹ کر شکر کو دیکھا۔

”I can explain۔“ شکر نے مدہم آواز میں اپنی ناک سے نکلا خون صاف کرتے ہوئے کہا۔ شہیرا کا دل چاہا تھا، وہ ایک ہاتھ خود بھی اسے جزدے۔ وہ واقعی اٹو کا پٹھا تھا۔

”اس سے کہو، یہ ابھی اور اسی وقت نایاب کو تحریری طور پر طلاق دے۔“ شائستہ نے کہا۔ ”اور دوبارہ کبھی نایاب سے ملنے کی کوشش نہ کرے۔“

”میں کبھی مر کے بھی شکر سے طلاق نہیں لوں گی۔ سن لیا آپ لوگوں نے۔“ نایاب بے اختیار ہو کر چلائی۔

”شٹ اپ۔“ ہارون نے اس سے کہا۔ ”تم اپنے کمرے میں جاؤ اور جب تک میں نہ کہوں وہیں رہنا وہاں سے باہر مت آنا۔“ ہارون نے نایاب کو دھکیلا۔

”میں آپ کے گھر میں رہنا نہیں چاہتی۔ میں شکر کے ساتھ جانا چاہتی ہوں۔“ نایاب نے بلند آواز میں ہارون سے کہا۔

”شکر! تم نایاب کو تحریری طور پر طلاق دے دو۔“ شہیرا نے تھکسا نہ انداز میں شکر سے کہا۔

”میں ایسا نہیں کر سکتا I love her (مجھے اس سے محبت ہے) شکر نے دونوں انداز میں شہیرا سے کہا۔

”آپ کون ہوتے ہیں شکر سے یہ کہنے والے کہ وہ مجھے چھوڑ دے۔“ نایاب اس بار شہیرا سے انجھی۔

”ہم دونوں نے اپنی مرضی سے شادی کی ہے بالکل اسی طرح جس طرح آپ اپنی مرضی سے اپنا گھر چھوڑ کر ہمارے گھر رہنے کے لیے آگئے ہیں۔“ شہیرا کا چہرہ یک دم سرخ ہو گیا۔

”تم اپنا منہ بند کرو۔“ شائستہ نے تیزی سے کہا۔

”اگر آپ کے لیے کورٹ میرج ٹھیک تھی تو میرے لیے کیوں نہیں؟“ وہ اب شائستہ سے مخاطب تھی۔

”تمہاری اس بات کا جواب میں بعد میں دوں گا، فی الحال تم فوری طور پر نایاب کو طلاق دو۔“

ہارون ایک بار پھر شکر کی طرف بڑھا۔ شہیرا نے اس کا راستہ روک لیا۔

”آپ اس پر ہاتھ نہیں اٹھا سکتے۔“

”تم اور تمہارا بھائی دونوں ابھی اور اسی وقت یہاں سے نکل جاؤ۔ میں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں کہ تم لوگ کس طرح کا ٹیم کھیل رہے ہو۔ تم نے میرا پنا ہونے کا ڈھونگ رکھا اور اس گھر میں آگے اور یہ تمہارا بھائی، یہ میرا داماد بن کر میرے نگروں پر پلٹنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔ باقی وہ گئی تمہاری بہن وہ نکل کو میرے بیٹے کو پھانسنے کی کوشش کرے گی پھر وہ جائے گی تمہاری ماں اسے تم میری بیوی بنانے کی کوشش کرنا۔“

ہارون کمال نے آخری دو جملے بول کر اپنے پاؤں پر کلہاڑی ماری تھی۔ سارا لحاظ منٹوں میں ختم ہو گیا۔ شرجلی کی رفتار سے شہیرا کے پیچھے سے نکلا اور اس نے پوری قوت سے ہارون کے پیٹ میں ٹانگ ماری تھی۔ شہیرا نے اسے روکا نہیں۔ وہ خود ہارون کا گریبان کپڑے اس کے منہ پر ٹھونسنے مار رہا تھا۔ نایاب اور شائستہ یک دم ساکت ہو کر ہارون کو ان دونوں کے ہاتھوں پٹنے ہوئے دیکھ رہی تھیں اور دونوں میں کسی کو بھی ایک لفظ کے لیے ہارون سے ہمدردی محسوس نہیں ہو رہی تھی ہارون بری طرح گام لیاں بک رہا تھا اور وہ اس وقت صرف یہی کر پارہا تھا۔

پندرہ منٹ میں اسے ادھ موا اور پولہان کر کے شہیرا برقی رفتار سے اوپر اپنے کمرے میں گیا۔ اس نے چند منٹوں میں اپنا مختصر سامان سمیٹا اور وہ اسی تیز رفتاری سے نیچے آ گیا۔

”آپ دوبارہ ہمارے گھر آنے کی زحمت نہ کریں۔ میں آپ کا بیٹا نہیں ہوں اگر ہوں بھی تو بھی میں آپ کے گھر آپ

کے ساتھ رہنا نہیں چاہتا۔ میں چڑیا گھر میں نہیں رہ سکتا۔“

شہیرہ کہتے ہوئے شرکاز بازو پکڑ کر وہاں سے جانے لگا۔

نایاب لپکتے ہوئے ان کے پیچھے گئی۔ اس بار شمر نے لٹ کر نایاب سے کہا۔

”تم ابھی یہی رہو نایاب! لیکن یہ یقین رکھو کہ میں تمہیں نہیں چھوڑوں گا۔ میں تمہیں کبھی طلاق نہیں دوں گا کم از کم کسی

کے کہنے پر نہیں۔“

نایاب ایک دم رک گئی تھی۔ شہیرہ نے تیز نظروں سے اسے دیکھا مگر کچھ کہا نہیں۔ وہ دونوں لاؤنج کے دروازے سے باہر

نکل گئے تھے۔

شائستہ وہیں کھڑی فرش پر ادھ موئے بڑے ہارون کو دیکھتی رہی۔ وہ اسے اسی طرح ہی پہینا چاہتی تھی۔ وہ آدھی فرش پر

بڑا اس وقت اسے کینچوا لگ رہا تھا۔ وہ اب فرش سے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے موبائل سے ایک سبر فائل کرنے کی کوشش

کر رہا تھا۔

”میں ان باسٹرز کو بتا دوں گا میں نے ساری عمر انہیں جیل میں بند نہ رکھا تو۔“ شائستہ نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ

سے موبائل چھین لیا۔ نایاب وہاں سے چلی گئی تھی۔

”کس کو جیل میں بند رکھو گے اپنے بیٹوں کو۔۔۔“

”وہ میرا بیٹا نہیں ہے۔“ ہارون اس کی بات کاٹ کر چلایا۔

”شہیرہ سنی شمر تو ہے۔“ شائستہ نے زہریلے لہجے میں کہا۔ ہارون نے چونک کر اسے دیکھا۔

”کیا مطلب؟“

”تمہاری بیٹی نے تمہارے اپنے بیٹے کے ساتھ کورٹ میرج کر لی ہے۔ شمر اور ثانی تمہاری ناجائز اولاد ہیں۔“

شائستہ نے جملے کا اختتام اس گالی سے کیا جو ہارون دیا کرتا تھا ہارون اس کا چہرہ دیکھتا رہ گیا۔

☆☆☆

”یہ سب تمہارا قصور ہے۔ تمہیں کس نے کہا تھا نایاب کے ساتھ کورٹ میرج کرنے کو؟“ شہیرہ ہارون کے گھر سے باہر

نکلنے ہی شمر پر بری طرح برس پڑا۔

”یہ سب آپ کا قصور ہے۔ آپ سے کس نے کہا تھا کہ آپ گھر چھوڑ کر ان کے پاس آجائیں۔“ شمر نے سڑک پر چپٹے

ہوئے ترکی بہ ترکی جواب دیا۔

”میں اپنے والدین کے پاس آیا تھا۔“ شہیرہ نے جتانے والے انداز میں کہا۔

”اب تو آپ نے اپنے والدین کو دیکھ لیا؟“ شمر نے بھی اسی انداز میں کہا۔

”مگر اس سے یہ حقیقت تو نہیں بدلتی کہ میرے والدین بہر حال وہی ہیں۔“

”ہو سکتا ہے یہی حقیقت ہو مگر میں اس بات پر یقین کرنے کو تیار نہیں کہ آپ۔۔۔“

شہیرہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

”اب اس بحث کی گنجائش نہیں کہ وہ میرے والدین ہیں یا نہیں۔ میں ان کا گھر چھوڑ آیا ہوں۔“

”آپ کو ان کے گھر جانا ہی نہیں چاہیے تھا۔“

”تو پھر وہاں رہتا جہاں مجھے اغوا کر کے رکھا گیا تھا۔“ شہیرہ نے طنزیہ لہجے میں کہا۔

”آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے شہیرہ بھائی! نایاب کی کمی نے آپ سے جھوٹ بولا ہے۔ امی نے آپ کو اغوا نہیں کیا تھا۔

انہوں نے آپ کو ایک جیم خانے سے ایڈاپٹ کیا تھا۔“

”میں خود اس جیم خانے سے ہو کر آیا ہوں وہاں میرا کوئی ریکارڈ نہیں ہے۔“ شہیرہ نے بے حد برہمی سے کہا۔



”مگر میں نے امی کے پاس دو تمام پیچرز دیکھے ہیں جس میں ان کی ایک دوست نے آپ کو ایڑیا پٹ کیا ہے اور مجھے نایاب نے خود بتایا ہے کہ آپ کو انہیں کیا گیا تھا۔ کچھ وجوہات کی وجہ سے اس کے والدین کو آپ کو اس شہیم خانے میں داخل کروانا پڑا۔ اس نے مجھے وجوہات نہیں بتائیں۔ میں نے جاننے پر زیادہ اصرار بھی نہیں کیا لیکن بہر حال سچ یہی ہے کہ...“

شہیم نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”ناياب جھوٹ بھی بول سکتی ہے۔“

”یہ بات آپ نایاب سے پوچھ لیجئے گا۔ میں نایاب سے آپ کی بات کروادوں گا۔“ ٹھرنے لگا۔

شہیم کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ ”ناياب اور اسد مجھے پسند نہیں کرتے، وہ کبھی بھی...“

اس بار ٹھرنے شہیم کی بات کاٹ دی۔ ”بات پسند ناپسند کی نہیں ہے۔ مجھے اسد کا پتا نہیں مگر نایاب کو میں بہت اچھی طرح جانتا ہوں، وہ آپ کو ناپسند نہیں کرتی۔ اسے آپ سے اور ہماری فیملی سے ہمدردی ہے کیونکہ اس کا خیال ہے کہ اس کی مٹی نے ہمارا گھر توڑ دیا ہے۔ جہاں تک اس شہیم خانے میں آپ کا ریکارڈ نہ ہونے کا تعلق ہے تو ریکارڈ غائب بھی تو کیا جاسکتا ہے۔“

شہیم نے اس بار کچھ نہ بولا۔ وہ خاموشی سے اس کے ساتھ چلتا رہا پھر اس نے قدرے مدھم آواز میں کہا۔

”مگر امی نے ایک بار مجھی مجھے روکنے کی کوشش نہیں کی۔ انہوں نے مجھے جانے دیا۔“ اس کی آواز میں خشکی کے ساتھ شکوہ بھی تھا۔

”یہ آپ امی سے جا کر پوچھیں۔“ ٹھرنے لگا۔

”اور تم... تم کو نایاب سے کورٹ میرج کی کیا سوجھی؟“ شہیم کو ایک بار پھر جیسے یاد آیا۔

”بنیادی وجہ تو شاید یہ تھی کہ میں کسی نہ کسی طرح آپ سے رابطہ رکھنا چاہتا تھا مگر میں نایاب کو بہت پسند کرتا ہوں۔ آپ کہہ لیں کہ میں اس سے محبت کرتا ہوں۔“

”تمہارا دامخ خراب ہے۔“ شہیم نے اسے بری طرح جھڑکا۔ ”میں نے تمہیں پہلے ہی اس سے میل جول سے روکا تھا۔ مجھے اسی بات کا اندیشہ تھا۔ ہماری اور ان کی کلاس میں بہت فرق ہے، میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ ہارون کمال تمہیں کوئی نقصان پہنچائے۔“

”مگر میں اب نایاب کو نہیں چھوڑ سکتا۔“ ٹھرنے دو ٹوک انداز میں کہا۔ ”خاص طور پر اب اس طرح پٹنے کے بعد تو بالکل بھی نہیں۔“

”اور تم وہ سب کچھ سننا پسند کر لو گے جو اس نے آج امی اور ثانی کے بارے میں کہا؟۔“

”میں دوبارہ اس آدمی کی شکل بھی نہیں دیکھوں گا۔“ ٹھرنے اس بار کچھ غراتے ہوئے کہا۔ ”یہ میری حماقت تھی کہ میں نایاب کے ساتھ اس کے گھر چلا گیا۔“

”امی کو تمہاری شادی کا پتہ ہے؟۔“ شہیم نے اچانک پوچھا۔

”ہاں۔“ ٹھرنے کندھے اچکا کر کہا۔

”اور انہوں نے تم سے کچھ نہیں کہا؟“ شہیم بے یقینی سے بولا۔

”نہیں۔“ ٹھرنے جھوٹ بولا۔ ”اب آپ کوئی اور بات کریں۔“

اس نے شہیم کے مزید کچھ کہنے سے پہلے ہی موضوع بدل دیا۔

شہیم کچھ دیر اسے ناراضی سے دیکھتا رہا مگر پھر کچھ نہ بولا۔ ان تمام حالات کے باوجود پچھلے تمام دنوں میں پہلی بار ٹھرنے کے ساتھ مزاک پر چلنے ہوئے وہ سکون محسوس کر رہا تھا۔ یوں جیسے وہ اپنی بنیاد کی طرف جا رہا تھا۔

”زرقات نے جھوٹ بولا ہے۔ میرے اس سے تعلقات ضرور تھے مگر ان جیسی عورتوں کے بہت سے مردوں کے ساتھ

تعلقات ہوتے ہیں پھر کیا وہ ہر ایک کی اولاد میرے سر پر توپ دے گی۔“

ہارون کمال نے ابتدائی تھکے سے سنبھلتے ہوئے ایک بار پھر جھوٹ بولنا شروع کر دیا۔

”مجھ کو وضاحتیں مت دو ہارون! میں تم سے اس وقت کوئی وضاحت نہیں مانگ رہی ہوں اور تم ایک کروڑ بار بھی مجھ سے کہو کہ زرقا جھوٹ بول رہی ہے تب بھی میں تم پر اعتبار نہیں کروں گی زرقا پر کروں گی۔ وہ عورت جھوٹ نہیں بول رہی تھی اور تمہیں اگر کوئی شبہ ہے تو میں شہر اور ثانی کے ڈی این اے ٹیسٹ کروا دیتی ہوں۔ بولنا کرواؤں؟“ شائستہ نے چیلنج کرنے والے انداز میں کہا۔

”جسٹ شٹ اپ۔“ ہارون چلا اٹھا۔

”یو شٹ اپ۔“ شائستہ نے اس سے زیادہ بلند آواز میں کہا۔

”ساری عمر میں تمہارے جھوٹ سنتی اور ان پر یقین کرتی رہی ہوں۔ ساری عمر... لیکن اب نہیں کروں گی.. اس لیے اب تم

مجھ سے صرف سچ بولو۔“

”شائستہ! میں تم سے بہت محبت کرتا۔“

ہارون نے ایک دم چیخڑا پڑنے کی کوشش کی۔ اسے چند گھنٹے پہلے اس اے ایس پی کے ساتھ اپنی ملاقات یاد آگئی تھی۔

اسے شائستہ کی مدد کی بہت ضرورت تھی۔

”خبردار! جو تم نے محبت کا لفظ میرے سامنے استعمال کیا۔ ساری زندگی تم مجھے یہی ایک لفظ استعمال کر کے ایکسپلائٹ

کرتے رہے ہو۔ جب شائستہ کی ضرورت ہو تمہیں یاد آ جاتا ہے کہ تمہیں شائستہ سے محبت ہے۔“

شائستہ کے لہجے میں تندگی اور سختی کے ساتھ نفرت بھی تھی۔ تم اس وقت مجھے اپنی محبت کا یقین دلانے کے بجائے یہ سوچو

کہ تم نے اپنی بیٹی کو اس مصیبت سے چھکارا کیسے دلوانا ہے۔ جا کر نایاب کو بتاؤ کہ اس نے اپنے بھائی کے ساتھ کورٹ میرج

کر لی ہے اور یہ اس کے باپ کی نوازش ہے اور یہ بات اسے تم ہی بتاؤ گے میں نہیں۔

تمہیں بھی تو پتا چلے کہ اولاد کے سامنے.. مجرموں کی طرح کھڑے ہونا کتنا اذیت ناک ہوتا ہے۔“

ہارون کمال شکست خوردہ انداز میں اس کا چہرہ دیکھتا رہا۔

☆☆☆

منصور علی کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں اے ایس پی کا چہرہ دیکھتا رہا۔ اسے کچھ دیر پہلے ہی لاک اپ سے نکال کر آفس کی

اس کرسی پر لاکر بٹھا گیا تھا۔

”میں وہاں کسی کو مارنے نہیں گیا تھا۔ انہوں نے مجھے مشتعل کیا اور امبر... وہ تو گھر پر ہی نہیں تھی پھر میں اسے کیسے مار

سکتا ہوں۔“

وہ اس ایے ایس پی کو صفائیوں دے رہا تھا جس نے اس سے چند لمحوں پہلے کہا تھا کہ اس پر امبر کے قتل کا الزام ہے۔

”میں ابھی کی بات نہیں کر رہا ہوں۔ میں چند ہفتے پہلے کی بات کر رہا ہوں اس لاش کو پہچانیں۔“

اے ایس پی نے وہی تصویریں اس کے سامنے ٹیبل پر پھیلا دیں۔ منصور کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں چند لمحوں اے ایس

پی کو دیکھا رہا پھر اس نے ان تصویروں پر ایک نظر ڈالی۔ وہ ایک لڑکی کی تصویر تھی۔ اس کے مختلف پوز تھے۔ چہرہ عجب سے انداز

میں پھولا ہوا تھا۔ چہرے پر چند زخم کے نشان بھی تھے۔ پتہ نہیں کیوں اسے چہرہ شناسا لگا مگر اس کا ذہن اس وقت اے ایس پی

کی بات میں الجھا ہوا تھا۔ امبر کے قتل کا الزام.....

”اور شاید اسی وجہ سے میں اس تصویر کو نہیں پہچان رہا۔“ منصور نے سوچا ”مگر امبر کے قتل کے الزام سے اس لڑکی کی

تصویر کا کیا تعلق ہے۔“ منصور مزید الجھ رہا تھا اور اس کا ذہن اس وقت اے ایس پی کی بات میں الجھا ہوا تھا۔ امبر کے قتل کا

الزام.....

پھر اس کے دل کی ایک دھڑکن کس ہوئی۔ اس نے بے اختیار ٹیبل پر پڑی ایک تصویر اٹھالی۔ اے ایس پی نے اس کے ہاتھ کو کھینچا تو بے دیکھا پھر اس کا پورا وجود کھپکانے لگا تھا۔

”تصویر پہچانی آپ نے؟“ اے ایس پی نے اس سے پوچھا۔

وہ صرف دو کھنکے کی تھی جب منصور علی نے پہلی بار اپنی اس پہلی اولاد کو گود میں لیا تھا اور وہ اسے دیکھتے ہی اس پر ہنسا ہو گیا تھا۔ تب بھی اس کی آنکھیں اسی طرح بند تھیں مگر اس کے چہرے پر زخم کا کوئی نشان نہیں تھا۔ نہ اس کا چہرہ اس طرح چھوٹا ہوا تھا۔ وہ اس کی جان تھی وہ واقعی اس کی جان تھی۔

منصور کو سب کچھ یاد تھا۔ اس کی پہلی مسکراہٹ، اس کا پہلا لفظ، اس کا پہلا قدم، گھر سے باہر اسکول میں اس کا پہلا دن... یہ کیسے ممکن تھا کہ وہ... وہ اس چہرے کو نہ پہچانتا۔ اسے دیر ضرور لگی تھی مگر اس نے اسے شناخت کر لیا تھا۔ اے ایس پی کو اس وقت اس کا چہرہ بھوت کا چہرہ لگا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے چند منٹوں میں اس کا سارا خون خیز گیا ہو۔ وہ اس تصویر کو ایک تک دیکھے جا رہا تھا۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ وہ چہرہ امبر کا چہرہ تھا۔

”یہ لاش 12 تاریخ کو شام کے وقت ایک بیگ میں تھی جسے نہر سے نکالا گیا۔ پوسٹ مارٹم رپورٹ کے مطابق اسے 7 یا 8 تاریخ کو قتل کیا گیا۔ موت کی وجہ سر کے پھٹنے جتنے میں لگنے والی چوٹ تھی مگر اس کے جسم کی بہت سی بُڑیاں ٹوٹی ہوئی تھیں جو اس بیگ میں لاش کو ٹھونسنے کی جدوجہد میں تُوڑی گئیں۔“

اے ایس پی اب چند کاغذات پڑھ رہا تھا۔

”ہارون کمال نے الزام لگایا ہے کہ وہ آپ کی بیٹی امبر کے ساتھ انوالوڈ تھا اور وہ گھر چھوڑ کر اس کے ایک فلیٹ میں رہ رہی تھی مگر آپ نے وہاں پہنچ کر اسے مار ڈالا اور پھر اس نے امبر کو دوبارہ نہیں دیکھا۔ البتہ آپ اس پر الزام لگاتے رہے کہ اس نے امبر سے شادی کر لی ہے۔ پولیس نے اس کے فلیٹ کی تلاشی لی ہے، وہاں ایک کمرے میں آپ کی فنگر پرنٹس ہیں اور امبر کے فنگر پرنٹس بھی ملے ہیں اگرچہ ہمیں وہاں امبر کے استعمال کی کوئی چیز نہیں ملی۔“

منصور علی جیب چاپ اس کا چہرہ دیکھ رہا تھا۔ وہ دو ہفتوں سے پانچوں کی طرح اسے مار ڈالنے کے لیے ڈھونڈ رہا تھا اور وہ دو ہفتے پہلے مر چکی تھی۔

اسے ہارون کے فلیٹ پر گزاری وہ رات یاد آئی۔ اسے ہاتھ روم میں لٹکا ہوا وہ لباس اور پرفیوم اور کاسٹیکس کی وہ چیزیں یاد آئیں۔ اسے یاد آیا اسے وہاں پہنچی ہوئی خوشبو کیوں شناسا لگی تھی۔ وہ امبر کا پرفیوم تھا۔ اس رات وہ وہاں تھی دوسرے بیڈروم میں۔ شاید زندہ... شاید مردہ... اور وہ بے خبر تھا... یا پھر شاید وہ تب تک وہاں نہیں رہی تھی۔ نہر کی تہہ میں ایک بیگ میں بند پڑی تھی۔

”آپ کو کچھ کہنا ہے؟“ اے ایس پی اس سے پوچھ رہا تھا۔ اسے کون مار سکتا ہے؟ منصور جانتا تھا۔ اسے کس نے مارا تھا، منصور کو علم تھا۔ اسے یاد آیا۔ وہ خود بھی چند گھنٹے پہلے یہی تو کرنے گیا تھا۔ پستول لے کر امبر کو مارنے... اس کے نہ ملنے پر میزہ کو مارنے کی کوشش...

”سارے ثبوت آپ کے خلاف ہیں، اگر آپ اس طرح خاموش بیٹھے رہیں گے تو پھر پولیس یہی سمجھے گی کہ آپ اس قتل کا اعتراف کر رہے ہیں۔“ اے ایس پی نے ایک بار پھر کہا۔

منصور کو یاد آیا، اس نے اسے دھکے دے کر اپنے گھر سے نکالا تھا اور امبر نے اس سے کہا تھا۔ وہ دوبارہ کبھی اسے اپنی شکل نہیں دکھائے گی۔

منصور علی نے باقی تصویروں کو بھی اکٹھا کرنا شروع کر دیا۔ اے ایس پی اسے بغور دیکھ رہا تھا۔ منصور تاش کے پتوں کی طرح اب ان تصویروں کو پھینٹ رہا تھا۔ اے ایس پی اور ایس ایچ او نے آپس میں نظروں کا تبادلہ کیا۔ وہ اب ان تصویروں کو پھینٹ کر میز پر رکھ رہا تھا پھر وہ اپنے دونوں ہاتھوں کے ناخنوں کو کترنے لگا۔

سب کچھ کہاں غلط ہوا تھا؟ غلطی کس کی تھی؟ کہاں ہوئی تھی؟

اس کا ایک گھر تھا جس میں اس کی ایک بیوی تھی۔ بھدی بے سلیقہ مگر وفادار اور محبت کرنے والی۔

اس کے پانچ بچے تھے۔ چار بیٹیاں ایک بیٹا۔ لوگ کہتے تھے۔ اس کے بچے بہت خوبصورت تھے۔

اس کے پاس بے تحاشا دولت تھی۔ اس کا کاروبار دن دو گنی رات چو گنی ترپنی کر رہا تھا۔ وہ اپنی بیوی اور بچوں سے محبت

کرتا تھا۔ ان پر جان نچھاور کرتا تھا۔ وہ جنت میں تھے پھر جنت میں سانپ کیسے آیا تھا اور سانپ کون تھا؟۔

رکھی... اس کی بیٹی کی ہم عمر لڑکی جسے منصور نے بیٹی کی نظروں سے نہیں دیکھا تھا۔ اس کا ہم عمر ہارون کمال جس نے امیر

کو بیٹی کی نظر سے نہیں دیکھا تھا۔ میزہ کا غصہ جلد بازی اور حماقت جس نے منصور کو اسے طلاق دینے پر مجبور کر دیا تھا یا پھر منصور

علی کا اپنا نفس... جو رکھی کی محبت میں ہر حدود و قیود کو پار کر گیا تھا یا پھر خود امیر جس نے ہاتھ سے جانے والی آسانشوں کے پیچھے

جانے کی کوشش کی تھی۔

منصور علی اب کرسی پر دونوں پاؤں اوپر کر کے بیٹھ چکا تھا۔ وہ اب ایک ہاتھ سے سر کھجاتے ہوئے۔ دوسرے ہاتھ کے

ناخن دانتوں سے کتر رہا تھا۔۔۔

”یہ اب ڈرامے کر رہا ہے سرجی!“ ایس ایچ او نے بلند آواز سے اے ایس پی کو اطلاع دی۔ ”اسے دو ہاتھ پڑیں گے تو

یہ بالکل سیدھا ہو جائے گا۔ سارا پاگل پن بھول جائے گا۔“ مگر اے ایس پی نے اس کی بات پر کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا۔ وہ

صرف منصور علی کو دیکھ رہا تھا۔ اور اس ساری کہانی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔

منصور علی اب دوبارہ تصویریں اٹھا رہا تھا پھر وہ امیر کی ایک تصویر اٹھا کر دیکھنے لگا۔

”امیر کو پانی سے بہت خوف آتا تھا۔ آخر پانی میں اکیلے وہ کیسے رہی ہوگی؟“ منصور علی اس کی تصویر کو دیکھ کر سوچ رہا

تھا۔

اے ایس پی نے کرسی پر دونوں پاؤں رکھے اس آدمی کو اس تصویر کو بار بار چوتے دھاڑیں مار کر روتے دیکھا۔ وہ اب

مسلل بولتے ہوئے رو رہا تھا مگر اس کی باتوں کو سمجھتا اے ایس پی کے لیے مشکل تھا۔

☆☆☆

شہیر، شمر کیساتھ جب گھر پہنچا تو گھر کا دروازہ کھلا تھا۔ زندگی میں پہلی بار شہیر کو اپنے گھر میں داخل ہوتے ہوئے

شرمندگی محسوس ہو رہی تھی۔

”امی آپ کو دیکھ کر بہت خوش ہوں گی۔ انہیں تو توقع ہی نہیں ہے آپ کے اس طرح واپس آ جانے کی۔“

شمر نے دلہیز سے اندر داخل ہوتے ہوئے شہیر سے کہا۔ گھر میں مکمل خاموشی تھی۔

”پتہ نہیں یہ دروازہ کیوں کھلا چھوڑ دیا ہے۔ کہیں پھر ساتھ والوں کے گھر نہ چلی گئی ہوں۔“

شمر کہتے ہوئے کمرے میں داخل ہوا اور ٹھگ کر وہیں رک گیا۔ سامنے کرسی پر برقعے میں ملبوس زرقا بیٹھی ہوئی تھی مگر

اس بار اس کے چہرے پر نقاب نہیں تھی۔ اس کا چہرہ آسوسوں سے بیگنا ہوا تھا۔ شمر نے بے حد حیرت کے عالم میں ٹائی اور قاطرہ

کو دیکھا۔ اسے وہ بھی شاکڈگٹیں۔ شمر نے چند لمحوں میں اس گلوکارہ کو پہچان لیا تھا اور اسے ساتھ ہی برقعہ میں ملبوس وہ دو خواتین

یاد آئیں جو چند بار اس کے گھر آئی تھیں۔ وہ گلوکارہ اس وقت برقعہ میں ملبوس تھی۔ اس کا مطلب تھا کہ ان برقعہ پوش خواتین میں

سے ایک وہ عورت ہی تھی مگر وہ اس وقت وہاں کس لیے موجود تھی اور اس کے چہرے کے تاثرات...

شمر کو حیرت ہوئی اس کے عقب میں کھڑے شہیر کو دیکھ کر بھی قاطرہ کے تاثرات میں کوئی تبدیلی نہ آئی تھی۔

خود شہیر بھی اس صورت حال سے کچھ گھبرا گیا تھا۔

”کیا ہوا؟ آپ لوگ پریشان کیوں ہیں؟ یہ کون ہیں؟“

شمر نے ایک ہی سانس میں سارے سوال کر ڈالے۔ وہ آگے بڑھ کر کمرے میں آ گیا تھا۔ قاطرہ نے اس کے عقب

میں کھڑے شہیر کو دیکھا۔ شہیر نے نظریں چرائیں۔

”یہ تمہاری ماں ہے۔“ فاطمہ نے مدہم آواز میں کہا تھا۔ ثمر کے ماتھے پر پسینہ آ گیا۔ اس کے حلق میں ایک دم کوئی چیز چھنے لگی تھی۔ اس نے بے چینی سے زرقا کو دیکھا پھر فاطمہ کو...

دونوں کی آنکھیں نیچکی ہوئی تھیں مگر ثمر ان دونوں میں سے صرف ایک عورت کو اچھی طرح جانتا تھا۔ دوسری اس کے لیے صرف ایک گلوکارہ تھی، وہ بھی ایسی جسے سننے میں اسے کبھی کوئی دلچسپی نہیں رہی تھی۔

زرقا اپنی جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی۔ ثمر کے عقب میں کھڑا شہیر بھی ساکت تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا کہ وہ کیا کرے۔  
 ”گھبراؤ مت ثمر! میں تمہیں لینے نہیں آئی ہوں، کوئی دعا کرنے بھی نہیں آئی۔ صرف ملنے آئی ہوں، وہ بھی صرف اس لیے کہ کہیں تم کوئی غلطی نہ کر بیٹو۔“

ثمر نے جیتتی ہوئی نظروں سے زرقا کو دیکھا۔ اسے اس عورت کی نصیحتوں میں کوئی دلچسپی نہیں تھی جو خود ”مکناہ“ کرنے کے بعد اسے ”غلطی“ سے بچانے کے لیے آئی تھی۔ کوزے کے ذہیر پر ”پھینکے“ جانے والے بچوں سے ”ملنے“ آئی تھی۔

”آپ یہاں سے چلی جائیں“ میں آپ کے ساتھ بدتمیزی کرنا چاہتا ہوں، نہ مجھے آپ سے کوئی سوال کر سکی ضرورت ہے۔ صرف آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں یہاں اس گھر میں اپنی ماں اور بہن بھائی کے ساتھ بہت خوش ہوں۔  
 مجھے آپ کی ضرورت نہیں ہے۔ آپ میری زندگی سے باہر رہیں۔“ ثمر نے بے حد سخ انداز میں کہا۔  
 زرقا نے نم آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھا پھر نقاب سے اپنا چہرہ ڈھانپتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔  
 ثمر! تم نایاب کو ابھی اور اسی وقت طلاق دے دو۔“

فاطمہ نے زرقا کے کمرے سے نکلنے ہی ثمر سے کہا۔

ثمر نے بے حد ناراضی سے فاطمہ کی طرف دیکھا۔ ”کیوں؟“

اسے اندازہ نہیں تھا کہ اس کیوں کا جواب اس کے سر پر آسمان گرا دے گا۔

”کیونکہ وہ تمہاری بہن ہے۔“

☆☆☆

”بات سنو اسد! تم کہاں جا رہے ہو؟“

شائستہ نے اسد کو پکارا، جو چند لمبے پہلے ہی لاؤنج میں داخل ہوا تھا اور اب سیدھا سیڑھیاں چڑھتے ہوئے اوپر جا رہا تھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بے حد عجیب سے تھے۔

”میں آپ کا اور آپ کے شوہر کا گھر چھوڑ رہا ہوں۔ اپنا سامان پیک کرنے جا رہا ہوں۔“

اسد نے سیڑھیوں پر روک کر بے حد ناراضی کے عالم میں شائستہ سے کہا۔ شائستہ سمجھ نہیں سکی کہ اسد کو ثمر اور ثانی کے بارے میں کیسے پتہ چلا تھا۔ وہ یہی سمجھی تھی کہ اسد کو ثمر اور ثانی کے بارے میں پتہ چل گیا ہے اور وہ اسی کی وجہ سے ناراض ہو کر گھر چھوڑنے کا کہہ رہا ہے۔

”اسد! پلیز بات سنو۔ ابھی تمہارا یہاں سے جانا ٹھیک نہیں ہے۔“ شائستہ نے منت بھرے انداز میں اسے مخاطب کیا۔  
 اسد نے بے حد تنفر سے اس کی طرف دیکھا۔

”شاید تمہیں معلوم نہیں ہے کہ نایاب نے ثمر سے شادی کر لی ہے۔“

اسد یک دم چونکا۔ ”کس سے شادی کر لی ہے؟“

”ثمر سے۔“

”مائی فٹ... اچھا کیا اس نے شادی کر لی۔ میری طرح اس کو بھی اس گھر سے چلے جانا چاہیے۔ یہ گھر اس قابل نہیں

ہے کہ یہاں رہا جاسکے۔“

شائستہ کو اچانک اندازہ ہوا کہ وہ شہر اور مافی کو نہیں جانتا۔

”تم شہر اور مافی کے بارے میں جانتے ہو؟“ اس نے اپنے اندازے کی تصدیق چاہی۔

”مجھے کسی میں بھی کوئی دلچسپی نہیں ہے۔“

”جہیں دلچسپی لینا چاہیے اس وقت اس فیملی کو تمہاری ضرورت ہے۔“ شائستہ نے نرمی سے کہا۔

”میں جانتا ہوں اس وقت اس فیملی کو میری ضرورت ہے۔ آپ کے شوہر نے اپنے آپ کو جس مصیبت میں پھنسا لیا

ہے۔ اس سے انہیں کوئی نہیں نکال سکتا۔ کم از کم میں تو نہیں۔ اور میں انہیں نکالنا چاہتا بھی نہیں۔ میری خواہش ہے کہ وہ اپنی باقی

کی ساری عمر جیل میں گزاریں۔“

”تم کیا بات کر رہے ہو؟“ شائستہ نے کچھ الجھ کر اسد سے کہا۔ ”یہاں جیل کا کیا ذکر ہے؟“

”اپنے شوہر سے پوچھیں کہ میں کیا بات کر رہا ہوں۔ وہ آپ کو زیادہ اچھی طرح سمجھا سکیں گے۔“

”تم کہتا کیا چاہ رہے ہو۔ کھل کر کہو۔“ شائستہ مزید ابھھی۔

”کیا بتاؤں آپ کو کھل کر؟ یہ کہ میرے باپ نے اس لڑکی کا مرڈر کر دیا ہے۔ جس سے میں محبت کرتا تھا۔ جس سے

شادی کرنا چاہتا تھا۔“

شائستہ کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔

”یا پھر یہ بتاؤں کہ آپ کے شوہر کے امبر کے ساتھ تعلقات تھے اور وہ اس سے بہت جلد شادی کرنے والا تھا۔“

”تم کیا کہہ رہے ہو۔ میری کچھ کچھ میں نہیں آ رہا۔“ شائستہ کو دن میں دوسری بار ٹھنڈے پسینے آئے تھے۔

”تفصیلات اپنے شوہر سے پوچھیے گا۔ میں صرف آپ کو اتنا بتا سکتا ہوں کہ آپ کے شوہر نے امبر کو مار ڈالا ہے اور

پولیس اب اس کیس کو Investigate کر رہی ہے۔ آپ کا شوہر اس قتل کا الزام منصور علی کے سر پر ڈالنے کی کوشش کر رہا ہے۔

مگر میرے لیے یہ بات اہمیت نہیں رکھتی۔ اسے منصور علی نے مارا یا ہارون کمال نے۔ مجھے صرف اس بات کا افسوس ہے کہ میرا

باپ اس لڑکی تک کو نہیں چھوڑ سکا۔ جس سے اس کا بیٹا محبت کرتا تھا۔

شائستہ ایک دم صوفے پر گر گئی۔

”آپ اور آپ کا شوہر دونوں جانور ہیں جن کی کوئی دلیلیوز نہیں ہوتی۔ ورنہ انسان تو...“ اس کے لہجے میں بے پناہ

نفرت تھی۔

”مجھے تو آپ دونوں کے ساتھ کوئی رشتہ ظاہر کرتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتی ہے۔ یہ تھی امبر کو مسترد کرنے کی وجہ۔“

وہ ذہریلے انداز میں ہنسا۔ ”کیونکہ آپ اسے اپنے شوہر کا شکار بنانا چاہتی تھیں۔ ہارون کمال کو وہ بہو کے طور پر ناپسند تھی۔ بیوی

کے طور پر قبول تھی۔ بلکہ بیوی بھی نہیں کچھ اور کہنا چاہیے۔“

بات کرتے ہوئے یکدم اسد کی نظر دور کوڑیڈور میں کھڑے ہارون کمال پر پڑی۔ جو کچھ دیر پہلے اپنے کمرے سے نکل

کر آیا تھا۔ اور خاموشی سے کھڑا ساری باتیں سن رہا تھا۔ اسد سے نظریں لٹیس تو فوراً بول اٹھا۔

”میں نے اس کا مرڈر نہیں کیا۔“ وہ چند قدم آگے بڑھ آیا۔

”تم یقین کرو اسد! میں نے اس کا مرڈر نہیں کیا۔“

ہارون نے شاید زندگی میں پہلی بار گڑبگڑا کر کہا تھا۔

”وہ تمہاری بیٹی کے برابر تھی۔“ اسد دھاڑا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔

ہارون کمال اپنی جگہ سے ہل نہیں سکا۔ اس نے کہاں بھی کسی کو خود پر چناتے ہوئے سنا تھا۔ اسد نے باپ کو دیکھ کر نیچے

لاؤنج میں ٹھوکا اور سیزہیاں چڑھتے ہوئے اوپر چلا گیا۔

شائستہ بچہ کی طرح صونے پر بیٹھی تھی۔ ہارون آگے بڑھ کر بچوں کے بل اس کے بالفاظ فرش پر بیٹھ گیا۔

”میں قسم کھاتا ہوں شائستہ! میں نے اسے قتل نہیں کیا۔“ شائستہ پلکیں جھپکائے بغیر اسے دیکھتی رہی۔

”ہاں یہ ٹھیک ہے کہ میرے اس سے تعلقات تھے مگر امیر خود میرے پیچھے آئی تھی۔ اس نے مجھے فریب کیا تھا۔

وہ میرے فلیٹ پر بھی ٹھہری ہوئی تھی۔ مگر میں نے اسے قتل نہیں کیا۔ یہ کام منصور علی نے کیا ہے۔ وہ وہاں آیا تھا۔ وہ وہاں ٹھہرا بھی تھا۔ میں تو سمجھ رہا تھا کہ وہ اپنے باپ کے ساتھ چلی گئی ہے۔ میں نے تو بہت دنوں سے اسے دیکھا تک نہیں تھا۔ اور اب پولیس کو ایک دم اس کی لاش نہر سے ملی ہے۔“

شائستہ اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ اسے ایک لمحہ کے لیے بھی شبہ نہیں ہوا تھا کہ وہ ایک جھوٹے کا چہرہ نہیں تھا۔

”مگر میں نے پولیس کو سب کچھ بتا دیا ہے۔ پولیس کو منصور علی کے منکر پر نش ملے ہیں میرے فلیٹ سے۔“

شائستہ کو یاد آیا بہت سال پہلے اس کے باپ نے ہارون کے بارے میں کہا تھا۔

”یہ حرام پر پلنے والا آدمی ہے تم زندگی میں کبھی اس سے حلال کی توقع مت رکھنا۔“

اس وقت اسے اپنا باپ بے وقوف لگا تھا۔ اس کی آنکھوں پر ہارون کمال کی محبت کی پٹی بندھی ہوئی تھی۔ وہ اس کی شکل و صورت اس کی شخصیت اس کے لباس اس کے رکھے رکھاؤ اس کے کیریر کو دیکھ رہی تھی۔ وہ اس کی چرب زبانی سے متاثر ہو گئی تھی۔ وہ اس بری طرح اس کے عشق میں مبتلا ہوئی تھی کہ اس نے باقی ہر چیز کی طرف سے آنکھیں بند کر لی تھیں۔ چوبیس سال بعد ہارون مٹی کے ڈھیر کی طرح اس کے قدموں میں پڑا پھر اس سے اپنا ساتھ دینے کی بجیک مانگ رہا تھا۔ اس بار بھی اس کی زبان پر جھوٹ تھی۔ اس بار بھی اس کے چہرے پر ماسک تھا۔ اس بار بھی وہ اسے فریب ہی دے رہا تھا۔

زندگی میں پہلی بار اسے محسوس ہوا جیسے اسے اپنے ماں باپ کی بددعا لگی تھی جو ہارون کمال جیسا آدمی اس کی زندگی میں آیا یا وہ اس کی زندگی میں آئی۔

”مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے صرف تم جو جو یہ بات جانتی ہو کہ میں بے گناہ ہوں صرف تم ہو شائستہ جو زندگی کے اس مشکل مرحلے پر میرا ساتھ دے سکتی ہو۔ میں تمہارے علاوہ کسی اور پر اعتبار نہیں کر سکتا اور تم جانتی ہو میں بے گناہ ہوں۔ تمہارا ہارون کمال قتل نہیں کر سکتا۔“

اچانک شائستہ نے پوری قوت سے اس کے چہرے پر تھپڑ مارا تھا۔ ہارون کو یقین نہیں آیا کہ وہ اس پر ہاتھ اٹھا سکتی ہے۔

”تو اس ڈائمنڈ رنگ پر وہ خون امبر کا تھا اس رات تم اس کو قتل کر کے آئے تھے۔“

ہارون سانس روکے بے حس و حرکت اسے دیکھتا رہا۔

☆☆☆

اس ڈائمنڈ رنگ پر وہ خون امبر ہی کا تھا۔ اس رات ہارون کمال اسی کو قتل کر کے آیا تھا۔ شائستہ نے ٹھیک اندازہ لگایا تھا مگر بہت دیر سے۔ امبر اپنا گھر چھوڑنے کے بعد سیدھا ہارون کے پاس آئی تھی۔ اور ہارون کے لئے یہ اس کی زندگی کا سب سے اچھا دن تھا۔ امبر بے حد اپ سیٹ تھی۔ وہ بار بار ہارون سے اپنے گھر والوں کے رویے کی شکایت کرتی رہی اور ہارون اس کے گھر والوں کو برا بھلا کہتا رہا۔

وہ سارا دن امبر کو اپنے ساتھ لیے گھومتا رہا۔ پھر شام کے وقت اس فلیٹ پر لے آیا وہاں امبر تیار ہوئی تھی پھر وہ اسے ایک فائو اشار ہوٹل میں لے گیا۔ اس وقت تک ہارون کمال امبر سے خفیہ شادی کا فیصلہ کر چکا تھا وہ اس سے پہلے امبر کو شادی کے نام پر صرف بہلاتا رہا تھا۔ مگر اب اسے یہ احساس ہونے لگا تھا کہ اس کے دل میں امبر کے لیے ضرورت سے زیادہ نرم گوشہ ہے۔ وہ اس کے بغیر نہیں رہ سکتا تھا اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ شادی نہ کرنے کی صورت میں امبر اس کے پاس کبھی نہیں رہے گی۔ وہ تب تک منصور علی کی کاپیڈاد پر بھی قبضہ کرنے کا منصوبہ بنا چکا تھا۔ اور وہ شادی کے بعد امبر کو اس کے اپنے گھر میں منتقل

کرنے کا ارادہ رکھتا تھا۔

ڈنر سے واپسی پر وہ دونوں بے حد خوش تھے۔ ہارون اس کے ساتھ فلیٹ پر واپس آیا اور بہت دیر تک وہاں بیٹھا اس سے باتیں کرنے ہوئے ڈونکنگ کرتا رہا اور پھر شراب کے نشے میں ہی اس نے امبر سے دست درازی کی کوشش کی امبر ناراضی کے عالم میں اٹھ کر بیڈروم میں چلی گئی۔ ہارون اس کے پیچھے اندر آ گیا۔ دونوں کے درمیان کچھ تلخ کھائی ہوئی۔ ہارون نے رشتی اور منصور کے تعلق کے حوالے سے کوئی سخت بات کہی جس پر امبر بری طرح مشتعل ہو گئی۔ اس کے اشتعال نے جلتی پرتیل کا کام کیا۔ ہارون کمال نے ایک بار پھر اس سے دست درازی کی کوشش کی۔ امبر نے پھل کاٹنے والا چاقو مدافعت کے لیے استعمال کیا اور اس کوشش میں ہارون کی پیشانی پر ہلکا سا زخم بھی آیا۔ امبر ہارون کا خون دیکھ کر بدحواس ہو گئی اور ہارون سے معذرت کرنے لگی مگر تب تک پانی سر سے اونچا ہو چکا تھا۔ ہارون فٹے سے پاگل ہو رہا تھا۔ ان کے درمیان ایک بار پھر ہاتھ پائی شروع ہو گئی۔ امبر بھر پور مزاحمت کر رہی تھی اور اس کی مزاحمت نے ایک طرف ہارون کو حواس باختہ کر دیا تھا۔ فٹے میں اس نے امبر کے سر کو پوری طاقت سے دیا اور سے ٹکرایا اور اس نے یہ کام کتنی طاقت سے کیا تھا۔ اس کا اس وقت ہارون کو اندازہ نہیں ہوا۔ وہ پہلی دفعہ ہی دیوار سے سر ٹکرانے کے بعد بے حس و حرکت ہو گئی تھی۔ چند بار اور سر ٹکرانے کے بعد ہارون نے اسے چھوڑ دیا۔ وہ فرش پر گر گئی۔

تب تک ہارون یہی سمجھا تھا کہ وہ بے ہوش ہو گئی ہے۔ وہ اپنے زخمی ماتھے کی جینڈننگ کرنے کے لیے واٹس روم چلا گیا۔ دس پندرہ منٹ وہاں مصروف رہا۔ اس دوران اس کا اشتعال بھی کم ہو چکا تھا۔ وہ واپس کمرے میں آیا تو امبر اسی طرح پڑی ہوئی اور تب اسے پہلی بار تشویش ہوئی، اس نے امبر کے پاس جا کر اسے ہوش میں لانے کی کوشش کی اور تب اس پر یہ ہولناک انکشاف ہوا تھا کہ وہ سانس نہیں لے رہی تھی۔

اس نے امبر کی لاش کو نہر میں پھینکنے کا فیصلہ کیا اور اسی لیے وہ اس اسٹور سے بڑے سائز کا ڈفل بیگ خریدنے گیا۔ اور اس کے بعد اس بیگ میں امبر کی لاش کو ٹھونسنے کے لیے وہ بڑی بے رحمی سے اس کے جسم کی ہڈیاں توڑتا رہا۔ پھر امبر کے کچھ کپڑے اس بیگ میں ٹھونسنے کے بعد اس بیگ کو سیرھیوں سے گھسیٹتے ہوئے نیچے اپنی گاڑی تک لایا۔ اور شہر سے باہر لے جا کر اس نے اسے نہر میں پھینک دیا۔

وہ امبر کی لاش کو بیگ میں ٹھونسنے سے پہلے اس کے جسم سے وہ سارے زیورات اتار چکا تھا جس سے اس کی شناخت ممکن تھی اور ان میں ڈائمنڈ کی دو رنگ بھی تھی جو اس نے بڑی جدوجہد سے امبر کی انگلی سے اتاری تھی۔ اور اس جدوجہد میں خون کے چند قطرے اس انگوٹھی پر لگ گئے تھے۔

وہ اگلے دن دوپٹی جانے سے پہلے امبر کی جتنی چیزوں کو ضائع کر سکتا تھا اس نے انہیں اپنے فلیٹ سے اکٹھا کر کے ضائع کر دیا اس کا خیال تھا کہ اب وہ محفوظ ہو چکا ہے اور منصور کے اس کے فلیٹ پر اچانک پہنچ جانے پر اگرچہ وہ وقتی طور پر حواس باختہ ہو گیا تھا۔ مگر وہ اس وقت مطمئن ہو گیا جب منصور کو اس فلیٹ پر کچھ بھی نہیں ملا۔

☆☆☆

وہ رات قاطبہ اور اس کے بچوں کی زندگی کی بھی ایک ترین راتوں میں سے ایک تھی۔ ٹرنے سب کچھ سننے کے بعد کچھ کہے بغیر کورٹ میرج کے پیپرز کے ساتھ ایک کانڈ پر تحریری طور پر طلاق لکھ کے دی تھی۔ شہیر اسی خاموشی سے ان پیپرز کو کو ریکورڈ سروں کے حوالے کر آیا تھا۔

اور وہ چاروں ساری رات اپنی اپنی جگہ جاگتے رہے۔ لیکن انہوں نے ایک دوسرے سے ایک لفظ بھی نہیں کہا وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ پھنڈور میں پھنسے تھے۔ یا نکلے تھے۔ ان میں سے کسی کے پاس دوسرے کو تسلی دینے کے لیے کچھ نہیں تھا۔ شاید تسلی بعض حالات میں بہت بے معنی بن کر رہ جاتی ہے۔

☆☆☆



فاطمہ فجر کی نماز کے بعد صحن میں بچھے تخت پر بیٹھ گئی۔ کچھ لمحوں کے بعد شبیر باہر نکل آیا۔ دونوں کے درمیان نظر دو کا تبادلہ ہوا پھر شبیر کچھ فاصلے پر اس کے پاس تخت پر بیٹھ گیا۔

”یہ سب کچھ میری غلطی کی وجہ سے ہوا۔“ فاطمہ جیسے بڑ بڑانے لگی۔ ”میں ساری زندگی تم لوگوں سے جموت ہوتی رہی۔ صرف تم لوگوں سے نہیں اپنے آپ سے بھی۔ مجھے تم لوگوں کو یہ حقیقت بہت پہلے بتا دینا چاہیے تھی۔ مگر حقیقت بتانے کے لیے جتنی جرات چاہیے ہوتی ہے، وہ مجھ میں نہیں تھی۔“

شبیر نے اس کا چہرہ دیکھا۔ اس کی آنکھیں مضطرب، لیکن خشک تھیں۔

”آخر میں نے کیسے کہہ دیتی کہ میں تم لوگوں کی ماں نہیں ہوں۔ یا پھر شاید میں نے کبھی یہ سوچا ہی نہیں کہ میں تمہاری ماں نہیں ہوں۔ یہ میری غلطی تھی۔“

بہت خوف تھے میرے دل میں یہ خوف کہ تم لوگ مجھ سے محبت کرنا چھوڑ دو گے۔ یہ خوف کہ تم لوگ مجھ سے نفرت کرنے لگو گے۔ یہ خوف کہ تم لوگ مجھے چھوڑ کر چلے جاؤ گے۔

زندگی نے کبھی مجھے کچھ نہیں دیا۔ محبت، دولت، خوبصورتی، عزت ہر چیز کے معاملے میں میرا دامن خالی رہا۔ پھر تم تینوں میری زندگی میں آ گئے۔ فاطمہ کے لیے سب کچھ بدل گیا۔ پہلی بار میں نے دوسروں کے لیے جینا سیکھا۔

میں نے ہمیشہ یہی سوچا کہ میرے علاوہ تم تینوں کا کوئی ہے ہی نہیں اور تم تینوں کے علاوہ میرا بھی کوئی نہیں تھا۔ جو چند رشتے تھے وہ میں بہت پیچھے چھوڑ آئی تھی۔ مگر میں نے کبھی یہ نہیں سوچا تھا۔ کہ ایک لمحہ ایسا آئے گا جب میں دوبارہ وہیں پہنچ جاؤں گی جہاں سے چلی تھی۔ میں تھوڑے سے آسان کے لیے گھر سے نکلی تھی اور پروں کے بغیر اڑنے کی کوشش کرتی رہی۔ تم لوگ آزاد ہو، جہاں جانا چاہو جا سکتے ہو۔ زرتا، شر اور ثانی کے ساتھ رابطہ رکھنا جاہتی ہے۔ تم پہلے ہی شائستہ کے پاس جا چکے ہو، یہ تم سب کے لیے ٹھیک ہے۔ تم لوگوں کو بھی تھوڑا سا آسان چاہیے ہو گا۔ اور تم لوگوں کے پاس پر بھی ہیں۔ تم لوگ جہاں بھی جاؤ گے میری دعائیں تمہارے ساتھ رہیں گی۔“ وہ خاموش ہو گئی۔ اس کی آواز میں مہربانہ لہجہ تھا۔

”میں شر اور ثانی کے بارے میں نہیں جانتا۔ مگر میں واپس آ چکا ہوں اور فی الحال مجھے کہیں نہیں جانا۔ اور اگر کہیں گیا بھی تو آپ میرے ساتھ ہوں گی۔ فی الحال مجھے جا ب ڈھونڈنی ہے۔ اور یہ بھی دیکھنا ہے کہ کیا پرانی جا ب پر مجھے میری کپہنی رکھ سکتی ہے۔“ شبیر نے بالا آخر زبان کھولی۔

وہ بڑے عام سے لہجے میں بات کر رہا تھا۔

فاطمہ نے یقینی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی۔

”میری غلطی تھی کہ میں اس گھر سے یوں چلا گیا۔ لیکن مجھے آپ سے مجھے بہت شکایت ہے۔ آپ نے کتنی آسانی سے مجھے جانے دیا۔ مجھے روکا ہی نہیں۔“

”میں نے روکا تھا۔“ فاطمہ نے بے اختیار کہا۔

”اس طرح؟“

پھر کس طرح؟“

”آپ میرے چہرے پر ایک زوردار تھپڑ مارتیں اور کہتیں۔ خبردار یہاں سے باہر قدم نکالا تو۔“ وہ سنجیدگی سے کہہ رہا

تھا۔

”پھر کیا ہوتا؟“ فاطمہ بے اختیار بولی۔

”میں کبھی نہ جانتا۔“ شبیر نے کہا۔

چند لمحوں کے بعد وہ اور فاطمہ دونوں ایک دوسرے کی آنکھوں میں ڈالے ایک دوسرے کو دیکھتے رہے پھر فاطمہ نے اچانک ایک زوردار تھپڑ شبیر کے گال پر مارا تھا۔ شبیر نے بے یقینی سے اپنے گال پر ہاتھ رکھ لیا تھپڑ واقعی بہت زوردار تھا۔

”خبردار تم آئندہ کبھی یہاں سے گئے تو۔“ فاطمہ ہنسی ہوئی آنکھوں کے ساتھ بولی۔  
 ”او کے۔“ شہیر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔ پھر وہ ننھے بچے کی طرح فاطمہ سے لپٹ گیا۔ وہ دونوں اب بے آواز رو

رہے تھے۔

☆☆☆

”کیا ہوا دونوں کیسز کا؟“ اے ایس پی تھوڑی دیر پہلے ہی ایس پی کے کمرے میں آیا تھا اور اس کے بیٹھے ہی ایس پی

نے اس سے پوچھا تھا۔

”سر! امبر میں چھلانگ لگانے والی لڑکی کا نام امبر تھا وہ تو اب ٹھیک ہے۔ میں نے اس کے ہوش میں آنے کے بعد اس سے اس کے گھر کا پتہ لیا اور اس کے ماں باپ سے رابطہ کیا۔ وہ لڑکی کہیں پسند کی شادی کرنا چاہتی تھی اور والدین کے نہ ماننے پر اس نے ناراضی میں گھر چھوڑ دیا اور خودکشی کی کوشش کی۔ میں نے اس کے والدین کو بھی سمجھایا ہے اور اسے بھی۔ پھر میں نے اسے والدین کے ساتھ گھر بھیج دیا۔“

”گنڈ... لیکن چند ماہ ان کے ساتھ رابطہ رکھنا۔ یہ نہ ہو کہ دوبارہ کوئی مسئلہ کھڑا ہو جائے۔“ ایس پی نے ہدایت دی۔

”نہیں سر! رابطے میں رہوں گا۔ اس کے والدین کہہ رہے تھے کہ وہ اس کی پسند سے ہی اس کی شادی کر دیں گے۔“

”ٹھیک ہے۔ اور وہ لاش...“ ایس پی نے بات ادھوری چھوڑی۔

”سر! اس لڑکی کا نام بھی امبر تھا۔ مگر آپ کی دی ہوئی Tips کے مطابق جب میں نے معاملے کی تحقیق کی تو بہت دھماکہ خیز صورت حال سامنے آئی ہے۔ اس لڑکی کا نام امبر منصور علی تھا اور وہ ایک کروڑ پتی بزنس مین کی بیٹی تھی۔“

ایس پی اپنی کرسی پر سیدھا ہو گیا۔ اس کے چہرے پر ایک دم دلچسپی کے آثار ابھرے تھے۔

”اور جس ہارون کمال کے کریڈٹ کارڈ سے وہ بیک خرید گیا تھا وہ جیمز آف کامرس کا صدر ہے۔ وہ اس معاملے میں انوالو ہے۔ اس نے اور اس کے بیٹے نے اس لاش کو پہچان لیا ہے مگر وہ کہہ رہا ہے۔ کہ وہ اس لڑکی کے ساتھ دوسری شادی کرنا چاہتا تھا۔ اور یہ لڑکی اس کے لیے گھر چھوڑ آئی تھی۔ اس لیے اس کے باپ نے اسے قتل کر دیا۔“

ایس پی بے حد سنجیدگی سے سن رہا تھا۔ وہ بہت اچھی طرح جانتا تھا کہ یہ کیس جلد ہی اخبارات کی ہیڈ لائنز میں آنے والا ہے۔ اس کے کیریئر کے لئے ایک بہترین موقع تھا۔ اب وقت تھا کہ وہ اس اے ایس پی سے سارے معاملات اپنے ہاتھ میں لے لیتا۔ کیونکہ اب پھل کھانے کا وقت آ گیا تھا۔

”مجھے لگتا ہے مجھے اب اس کیس کو خود دیکھنا چاہیے۔ کیونکہ معاملات بہت نازک ہیں اور جو دو بڑے خاندان اس میں انوالو ہیں۔“ ایس پی نے اپنے سامنے رکھی فائل پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

اے ایس پی یک دم بے حد مایوس نظر آیا۔ اس کا خیال تھا اپنے کیریئر کے آغاز میں ہی اتنا بڑا کیس مل جانا بڑی خوش قسمتی کی بات تھی اور اس کی اے سی آر بہت اچھی بن جاتی۔

”تم اس پہلی لڑکی کا کیا نام ہے اس کا؟“ ایس پی نے پوچھا۔

”امبر فرید۔“ اے ایس پی نے بیچھے ہوئے لہجے میں بتایا۔

”ہاں تم امبر فرید کے کیس کو دیکھو۔ یہ امبر منصور علی کا کیس میں خود دیکھتا ہوں، کیونکہ یہاں معاملہ خاصا سنگین اور نازک ہے۔ اوپر سے بہت سے پریشرز آئیں گے۔ اچھا وہ جو دوسری دو فائلز لانے کا میں نے تمہیں کہا تھا وہ لائے تم؟“ اے ایس پی نے منٹوں میں موضوع بدل دیا۔ اے ایس پی بڑی طرح بیچ و تاب کھا رہا تھا

☆☆☆

ہارون نے کسی چہرے پر چند منٹوں میں جھریوں کا جال بننے نہیں دیکھا تھا۔ مگر وہ اس وقت دیکھ رہا تھا۔ شائستہ چند منٹوں میں بوزھی ہو گئی تھی۔

”شائستہ تم...“ ہارون نے کچھ کہنے کی کوشش کی۔ شائستہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

”ایک لفظ مت کہنا۔ کچھ مت کہنا۔“

اوپر والی منزل پر یک دم کسی کمرے کا دروازہ دھڑ دھڑایا جانے لگا۔ پھر اسد کی آواز آئی۔ وہ چلا رہا تھا۔ اس کے لہجے میں تشویش تھی۔

”نایاب... نایاب... دروازہ کھولو“

ہارون بے اختیار چونکا پھراٹھ کر کھڑا ہو گیا۔ اسد اب پوری قوت سے دروازہ پیٹ رہا تھا۔ ہارون اور شائستہ چند لمحوں کے لیے سب کچھ بھول کر تقریباً بھاگتے ہوئے سیزر حیاں طے کر کے اوپر پہنچے تھے۔ اسد نایاب کے کمرے کا دروازہ پیٹ رہا تھا۔ مگر اندر سے کوئی آواز نہیں آ رہی تھی۔ شائستہ نے گھر کے ملازموں کو آوازیں دینا شروع کر دیں۔

دس منٹ کے بعد نایاب کے کمرے کا لاک توڑ کر ملازموں نے دروازہ کھول دیا۔ کمرے میں کوئی نہیں تھا۔

ہارون پاگلوں کی طرح بھاگتا ہوا ہاتھ روم میں گیا۔ ہاتھ روم کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اور ہاتھ روم کا فرش خون آلود تھا۔ اور اس خون کے تالاب میں نایاب اونڈھے منہ گری ہوئی تھی۔

ہارون اندر نہیں جاسکا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے دیوار کے ساتھ پڑی امبر کی لاش آئی تھی۔ شائستہ اب بے اختیار چیخیں مار رہی تھی۔ صرف اسد تھا جو ہاتھ روم کے اندر گیا تھا۔ اس نے نایاب کو سیدھا کر کے اس کے جسم میں زندگی کی کوئی روش تلاش کرنے کی کوشش کی۔ اس نے بلیڈ سے اپنی دونوں کلائیوں کاٹ لی تھیں۔ اسد اس کو پھر بھی ہسپتال لے کر جانا چاہتا تھا۔ ایک آخری امید کے طور پر... شاید کہیں کوئی زندگی ہوتی... ایک آخری کوشش...

مگر کچھ بھی بار آور ثابت نہیں ہوا۔

”انہیں ختم ہونے ایک گھنٹہ ہو چکا ہے۔“

ہسپتال کے ایمرجنسی وارڈ میں ڈاکٹر نے اسٹریچر پر پڑی نایاب کو دیکھتے ہی کہا تھا۔

اسد زندگی میں دوبارہ کبھی شائستہ اور ہارون کمال کی شکل نہیں دیکھنا چاہتا تھا۔

☆☆☆

روشان اگلے دن کی پہلی فلائٹ سے لاہور آیا تھا۔ مگر پہلے صبح کے پاس جانے کے بجائے اس نے منصور کے موبائل پر کال کی۔ کال کسی اجنبی آواز نے ریسپونڈ کی۔

”آپ کون ہیں؟“ دوسری طرف سے کرحت لہجے میں پوچھا گیا۔

”میں ان کا بیٹا ہوں۔“

”سچ بیٹا؟“

”جی!“

”تو پھر آپ پولیس اسٹیشن آئیے۔ ہم پہلے ہی منصور علی کی فیملی کو ڈھونڈنے کی کوشش کر رہے ہیں۔“

”کیا مطلب؟“

”آپ ایڈریس نوٹ کریں۔“ دوسری طرف سے ایڈریس بتا کر فون بند کر دیا گیا۔ روشان بے حد پریشانی کے عالم میں پولیس اسٹیشن پہنچا تھا۔

”منصور علی کو اپنی بیٹی کو قتل کرنے کے شبہ میں پولیس حراست میں لیا گیا ہے۔ ان پر اپنی سابقہ بیوی پر قاتلانہ حملہ کرنے کا بھی الزام ہے۔“

ایس ایچ او نے روشان کو پہنچتے ہی بتایا۔ روشان کچھ سمجھ نہیں سکا۔

”کون سی بیٹی؟ کیسا قاتلانہ حملہ؟“ وہ بے حد حیران ہوا۔

”ان کی بیٹی امبر۔“ کسی نے روشان کے دل پر گھونسا مارا تھا۔

”امبر کا.. امبر کا.. قتل؟“ وہ بمشکل بولا تھا۔

”ہاں۔“ ایس ایچ او نے تفصیلات بتانا شروع کر دیں۔ روشان بے حس و حرکت اس کی باتیں سنتا رہا۔

”یہ لاش کی تصویریں ہیں۔“ ایس ایچ او نے ایک لغافہ روشان کے سامنے پھیل پر رکھا۔ روشان وحشت زدہ انداز میں

اٹھ کھڑا ہوا۔

”آپ دیکھنا نہیں چاہتے“

”نہیں۔“ اس نے بمشکل کہا۔

منصور علی سے ملنا چاہتے ہیں؟“

”نہیں۔“ روشان نے اسی انداز میں کہا۔

ایس ایچ او کچھ اور کہہ رہا تھا۔ روشان نے بغیر باہر نکل گیا۔ وہ بہت دیر پاگلوں کی طرح سڑک پر چلتا رہا۔

”امبر کی لاش۔“ اس کا ذہن ان الفاظ کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھا یا پھر شاید سمجھتا چاہتا ہی نہیں تھا۔ ہارون سے تعلقات

منصور علی نے قتل کی کوشش کی۔ منصور علی پر قتل کا الزام منصور علی کی خراب ذہنی کیفیت وہ ان میں سے کسی بھی بات کو نہیں سمجھ

رہا تھا۔

تو کیا اسے صبح نے اس لیے لاہور بلوایا تھا؟ مگر اس نے کہا تھا کہ امبر ٹھیک ہے۔ روشان یاد کرنے کی کوشش کر رہا

تھا، اسے یقین تھا اس نے صبح کے منہ سے یہی سنا تھا۔ اور پھر وہ کچھ سوچے سمجھے بغیر اس ایڈریس پر چلا گیا جو صبح نے اسے دیا

تھا۔

دروازہ صبح نے کھولا تھا وہ روشان سے بے اختیار لپٹ گئی۔

”تم نے مجھے امبر کی ڈھچھ کے بارے میں کیوں نہیں بتایا۔“ روشان نے اسے خود سے الگ کر کے تقریباً چلاتے ہوئے

کہا۔ صبح ساکت ہو گئی۔ اندر کمرے سے منیزہ رابعہ اور زارا کے ساتھ باہر نکل آئیں۔

”موت کیسی موت...؟ امبر چند ہفتوں سے لاپتہ ہے۔ مگر وہ زندہ ہے۔“ صبح نے بے اختیار کہا۔ ”تمہیں کسی نے غلط

بتایا ہے۔“

منیزہ تب تک لپک کر روشان کے پاس آچکی تھیں۔ روشان انہیں خود سے لپٹائے بے نشینی سے صبح کا چہرہ دیکھتا رہا۔ تو

کیا انہیں ابھی تک امبر کی موت کا پتہ نہیں تھا۔ صبح کو روشان کے تاثرات لرزا رہے تھے۔ اس نے امبر کی موت کی بات کیوں

کی تھی۔

آگے بڑھ کر اس نے منیزہ کو روشان سے الگ کیا۔

”امبر کے بارے میں کیا کہہ رہے تھے تم؟“ اس نے کانپتی ہوئی آواز میں پوچھا۔

منیزہ نے چونک کر روشان کو دیکھا وہ بے حس و حرکت کھڑے صبح کو دیکھتا رہا۔ صبح کا پینے لگی تھی۔ اسے لگا وہ مگر جائے گی۔

”امبر گھر سے چند ہفتے پہلے چلی گئی تھی۔ وہ ہارون کمال سے شادی کرنا چاہتی تھی۔ اور ہم اس پر تیار نہیں تھے۔ مگر میں

تمہیں یہ سب کچھ یہاں کھڑے کھڑے کیوں بتا رہی ہوں۔“ منیزہ نے دروازہ بند کرتے ہوئے کہا۔ ”تم تھکے ہوئے آئے ہو

گے۔ اندر آؤ بیٹھو۔ پہلے کچھ کھاؤ بیو پھر بات کریں گے۔“

منیزہ نے اس کا بارو پکڑ کر کھینچا۔ روشان نے اپنی جگہ سے حرکت نہیں کی۔

”تمہیں امبر کے بارے میں کسی نے کچھ کہا ہے۔؟“

صبح کی آواز اب بری طرح کپکپا رہی تھی۔ اس کی چھٹی حس اسے کچھ غلط ہونے کا احساس دلاری تھی۔

روشان اب بھی اسی طرح صبح کو دیکھ رہا تھا منیزہ نے حیرت سے ان دونوں کو دیکھا۔

”امبر ٹھیک ہے ناروشان؟“ صنفہ ایک دم پھوٹ پھوٹ کر روتے ہوئے روشن کے پاس آئی تھی۔

”پلیز دیکھو... مجھے بتا دو... وہ ٹھیک ہے نا؟“ روشن کی آنکھوں میں نمی اندھا شروع ہو گئی تھی۔

صنفہ نے دونوں ہاتھ اپنے ہونٹوں پر رکھ لیے۔ اس کے بدترین خدشات کی تصدیق ہو رہی تھی۔ روشن نفی میں سر ہلارہا تھا۔

”She is dead“ (وہ مر چکی ہے) روشن بچوں کی طرح رونے لگا۔ اس نے ہمیشہ امبر کو مورد الزام ٹھہرایا تھا۔ کیونکہ وہی اس کی زندگی میں خوشی کو لانے کا باعث بنی تھی۔ اور دنیا کی کوئی چیز اس حقیقت کو نہیں بدل سکتی تھی۔ میزہ بے چینی سے اس کو دیکھ رہی تھی۔

”تمہیں کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی۔ روشن... امبر تو...“

”میں اس کی لاش کی تصویریں دیکھ کر آیا ہوں۔“ روشن نے میزہ سے لپٹے ہوئے کہا۔ ”آپ نے اسے گھر سے کیوں جانے دیا؟“

دو روتے ہوئے کہہ رہا تھا۔ اور یہ وہ سوال تھا جو اب ساری عمر کے لیے میزہ کے گرد بھوت بن کر پھرتا رہتا۔

☆☆☆

ایس پی کی آنکھیں پر ایس فونو گرافز کے کیمروں کی فلیش لائٹ سے چند بار ہی تھیں۔ اس نے اپنی زندگی میں اس سے پہلے کبھی اتنی پُر جھوم پر ایس کانفرنس سے خطاب نہیں کیا تھا۔ اسے یہ اندازہ تھا کہ یہ کیس ایک بہت بڑا ایکٹنڈل بن کر سامنے آنے والا تھا۔ مگر اسے یہ توقع نہیں تھی کہ پر ایس اس سارے معاملے میں اتنی دلچسپی دکھائے گا۔

اسے ایس پی اس کی برابر دانی کرسی پر بیٹھا صرف یہ طے کر رہا تھا کہ آئندہ وہ اپنے نیچے کام کرنے والے تھانوں پر زیادہ بہتر چیک رکھے گا۔ اور وہاں وقتاً فوقتاً وزٹ کرتا رہے گا۔ چاہے ایس پی اس کے ساتھ ہو یا نہ ہو۔ وہ اس لمحے کو کوس رہا تھا جب اس دن اس نے اس تھانے کا وزٹ ملتوی کیا تھا جہاں سے یہ لاش ملی تھی۔ اور یہ ایک اتفاق ہی تھا کہ ایس پی کے اچانک وزٹ پر آجانے کی وجہ سے اس کے ساتھ اس تھانے میں جانا پڑا۔ اور وہ لاش ایس پی کی نظروں میں آگئی۔ ورنہ وہ آج اس پر ایس کانفرنس سے خود خطاب کر رہا ہوتا۔ وہ پچھلے دو ہفتوں سے دن رات خود کو کوس رہا تھا اور اس کی تسلی ابھی تک نہیں ہوئی تھی۔

”بارون کمال نے اپنے جرم کا اعتراف کر لیا ہے اور اس کی اپنی بیوی اور بیٹے نے بھی اس کے خلاف کوئی دہائی دی ہے۔ اس کی وجہ سے پولیس کا کام کچھ آسان ہو گیا۔“ ایس پی اپنے بیان کے آخری حصے کی چند لائنز کو دہرا رہا تھا۔

”اب اس کیس کے بارے میں آپ کے سوالات کا جواب دینے سے پہلے ایک بار پھر اپنے اے ایس پی رانا اختیاری علی اور متعلقہ پولیس افسیٹن کے کانٹیکٹ...“ ایس پی اس کا ٹینسیل کا نام لے رہا تھا۔ جس نے زندگی میں پہلی بار کسی پر ایس کانفرنس کو اینڈ کیا تھا۔ اور اس کا رنگ مکمل طور پر فنی تھا۔

لاش کو برآمد کرنے میں ہیڈ کا ٹینسیل کا بہت ہاتھ ہے۔ اور ابتدائی تفتیش کا سارا کریڈٹ اے ایس پی رانا اختیاری علی کو جاتا ہے۔“

اے ایس پی نے ایس پی کے تعریفی کلمات پر مسکراتے ہوئے دانت پیسے۔

”ابتدائی تفتیش...“ اس نے شروع سے آخر تک کیس حل کر کے ایس پی کو پلیٹ میں پیش کیا تھا۔

سر بارون کمال کی اپنی بیٹی نے خودکشی کیوں کی؟“ سوالات کا سلسلہ شروع ہو چکا تھا۔

”سبز بارون کمال اور ان کے بیٹے نے جو بیانات دیے۔ اس میں انہوں نے کہا کہ وہ یہ پتا چلنے پر بہت اپ سیٹ ہو گئی

تھی کہ پولیس بارون پر امبر کے قتل کا کیس چلانے والی ہے۔ میرا اپنا ذاتی خیال ہے کہ ہو سکتا ہے بارون نے اپنی بیوی اور بچوں کے سامنے اس قتل کے حوالے سے اعتراف جرم کیا ہو اور یہ بات اس کی بیٹی برداشت نہ کر سکی ہو۔ پولیس ابھی تحقیق کر رہی ہے۔

اگر مزید وجوہات سامنے آئیں تو انہیں بھی آپ لوگوں کے سامنے پیش کر دیا جائے گا۔“ ایس پی نے کہا۔

”کیا منصور علی کو رہا کر دیا گیا ہے؟“ ایک اور رپورٹر نے سوال کیا۔

”ہاں، منصور علی کو رہا کر دیا گیا ہے کیونکہ انہی جی کے قتل کے الزام سے تو وہ بری ہو گئے تھے، لیکن اپنی سابقہ بیوی اور بیٹوں پر قاتلانہ حملہ کے مقدمے میں وہ گرفتار تھے۔ لیکن ان کی سابقہ بیوی اور بیٹوں نے اپنے الزامات واپس لے لیے ہیں اور میں نے جیسا کہ آپ کو بتایا کہ منصور علی کی ذہنی حالت ٹھیک نہیں ہے تو ہم نے انہیں ان کے بیٹے کے حوالے کر دیا ہے۔ ان کے بیٹے نے..... ان کی دوسری بیوی رخصتی کے ساتھ ہونے والی جائیداد کے تنازعہ کے سلسلے میں ہم سے مدد کی درخواست کی کیونکہ منصور علی کی دوسری بیوی نے اپنے چند ساتھیوں کی مدد سے منصور علی کے خاندانی گھر اور ٹیکسٹری پر قبضہ کر لیا تھا۔

پولیس نے مداخلت کر کے کورٹ کے ذریعے گھر تو سیل کر وا دیا ہے اور ٹیکسٹری کے انتظامات کو ذمہ طور پر دونوں فریقین کے وکیلوں کے سپرد کر دیا ہے۔ کورٹ بعد میں جو فیصلہ کرے گی اس کے مطابق فریقین کے درمیان جائیداد کی تقسیم ہو جائے گی۔“

”ہم نے سنا ہے کہ منصور علی نے اپنی دوسری بیوی کو بھی طلاق دے دی ہے؟“ ایک اور رپورٹر نے پوچھا۔

”یہ معاملہ بھی تنازعہ ہے۔ منصور علی کے بیٹے اور وکیل کے مطابق ان کی دوسری بیوی رخصتی نے منصور علی سے طلاق لی تھی۔ مگر رخصتی اب اس بات پر اصرار کر رہی ہیں کہ ایسا نہیں ہوا اور ان کے درمیان صرف اختلافات ہوئے تھے، طلاق نہیں ہوئی۔ منصور علی کی ذہنی حالت ابھی ایسی نہیں ہے کہ وہ اس بات کی تصدیق یا تردید کر سکیں۔ اس لیے شاید فریقین اس سلسلے میں بھی کورٹ میں جائیں۔“

ایس پی نے ایک اور رپورٹر کے اٹھے ہوئے ہاتھ کی طرف اشارہ کرنے ہوئے کہا۔

”اور اب یہ آخری سوال ہے۔“ ایس پی نے پریس کانفرنس ختم کرنے کا عندیہ دیتے ہوئے کہا

☆☆☆

فاطمہ نے دستک کی آواز پر دروازہ کھولا۔ شہیر ثانی کو کچھ دیر پہلے ہی کراچی جانے کے لیے ایئر پورٹ چھوڑنے گیا تھا۔ شہر اندر کمرے میں سو رہا تھا۔

وہ دروازہ کھولنے پر چند لمحوں کے لیے ساکت ہوئی تھی۔ مگر چند ماہ پہلے کی طرح اس کے پیروں کے نیچے سے زمین نہیں نکلی... البتہ اسے شائستہ کو دیکھتے ہی اس پر ترس آیا۔

وہ چند ماہ پہلے کی اسی خوبصورت اور حسین عورت کا صرف سایہ ہی لگ رہی تھی۔ جسے اس شہر کی سب سے انسائیکلس عورت کہا جاتا تھا۔ ساوہ شلوار لمبھن میں میک اپ کے بغیر سفید ہوتے ہوتے جاتے بالوں اور جمروں زدہ چہرے کے ساتھ وہ اس کے سامنے کھڑی تھی۔ اس کی آنکھیں متورم سرخ اور اس کے گرد حلقے پڑے ہوئے تھے، یوں جیسے وہ ایک طویل عرصے سے سونہ سکی ہو۔ اس پر فاطمہ ہی نہیں کسی کو بھی ترس آسکتا تھا۔

فاطمہ نے راستہ چھوڑ دیا۔ شائستہ اندر آگئی اور صحن کے وسط میں کھڑی ہو گئی۔

”آپ اندر آئیں۔ آکر بیٹھیں۔“ فاطمہ نے اس سے کہا۔

”نہیں... میں صرف چند منٹوں کے لیے آئی ہوں،“ اس کی آواز میں بھی کوئی طنطنہ نہیں تھا۔

صحن کے وسط میں ایک دوسرے کے بالنتاطل کھڑی ان دونوں عورتوں کو دیکھ کر کوئی بھی اندازہ کر سکتا تھا کہ زندگی کس پر ”مہربان“ رہی تھی اور کس پر نہیں۔

چھوٹے قد کی وہ بدصورت، سیاہ رنگت والی عورت جس کے چہرے پر سکون اور اعتماد تھا۔ یا پھر شاید یہ اطمینان قلب تھا جو اس کے چہرے سے جھلکتا تھا۔ زندگی کی دوڑ کے اختتام کے قریب وہ جیتنے والوں میں تھی۔

دراز قد خوبصورت عورت کے چہرے پر کچھ بھی نہیں تھا۔ اس کی آنکھیں تک خالی تھیں۔ جو واحد شے اس کے چہرے پر نظر آتی تھی، وہ ہلکت تھی، کوئی بھی اسے دیکھ کر جان سکتا تھا۔ کہ ”ہلکت“ کس کو کہتے ہیں

”مجھے تایاب کے بارے میں پتا چلا، بہت دکھ ہوا۔“ فاطمہ نے بات کا آغاز کیا۔ وہ شائستہ کی آنکھوں کی طرف دیکھنے سے گریز کر رہی تھی۔ اس کی آنکھوں میں دیکھنا بہت مشکل تھا۔ کہ وہ اس کی اندرونی اذیت کو آشکار کر رہی تھیں۔

مجھے امبر کی موت کے بارے میں جان کر بہت دکھ ہوا۔ شائستہ نے اس کی بات سن کر ایک لمحے کے لیے کچھ سوچا، تایاب کا ہاتھ روم میں پڑا ہے جس وحرت و جود اس کے ذہن کی اسکرین پر چند لمحوں کے لیے لہرایا۔

”ہم نے وہ دکھایا جو بویا تھا۔“

فاطمہ نے اسے کہتے سنا۔ وہ چند لمحوں کے لیے بول نہیں سکی۔ اسے اندازہ نہیں تھا وہ شائستہ کے منہ سے اس طرح کا اعتراف سنے گی۔

شائستہ اب اپنا شولڈر بیگ کھول رہی تھی۔ اس نے اندر سے ایک بڑا لفافہ نکالا اور فاطمہ کی طرف بڑھا دیا۔

”یہ کیا ہے؟“ فاطمہ نے حیرانی سے اسے دیکھا۔

”ہارون کی جائیداد تقسیم ہو گئی ہے۔ کیونکہ اسد جائیداد میں سے اپنا حصہ چاہتا تھا اس لیے جائیداد تقسیم کرنا پڑی۔ یہ شہیر، شمر اور ثانیہ کا حصہ ہے۔ گویہ اتنا تو نہیں جتنا ہونا چاہیے یا جتنا میں چاہتی تھی مگر پھر بھی یہ...“

وہ بات کرتے کرتے رکی۔ یوں جیسے لفظ ڈھونڈ رہی ہو۔

”اشاک مارکیٹ میں ہماری کپنی کے شیئرز کرئیں کر گئے ہیں ہارون نے بینکوں سے بہت زیادہ رقم قرض لی ہوئی تھی۔ اس اسکیئنڈل کے بعد سب کچھ تباہ ہو گیا ہے۔ آنے والے چند ماہ میں صورت حال اور خراب ہو جائے گی۔ میں اس لیے پہلے ہی ان تینوں کو کچھ نہ کچھ دے دینا چاہتی تھی۔“

فاطمہ نے ایک نظر اس کے ہاتھ میں پکڑے لفافے پر ڈالی پھر مستحکم آواز میں کہا۔

”اس کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ تینوں اپنے پاؤں پر کھڑے ہو رہے ہیں اس کے بغیر بھی وہ بہت اچھی زندگی گزار سکتے ہیں۔ آپ یہ واپس لے جائیں۔“

فاطمہ نے اس کی آنکھوں میں اذیت کو بڑھتے دیکھا۔

”میں جانتی ہوں انہیں کسی چیز کی ضرورت نہیں ہے۔ جیسی زندگی تم نے انہیں گزارنا سکھا دی ہے۔ میں نہیں سکھا سکتی تھی۔ پھر بھی اسے دینے سے صرف اس احساس جرم میں کچھ کمی ہو جائے گی جسے میں ہر وقت اپنے سر پر اٹھانے ہوئے ہوں۔“

وہ رکی، فاطمہ کو محسوس ہوا وہ اپنے آنسوؤں پر قابو پانے کی کوشش کر رہی ہے۔

”اگر کسی نے عذاب کو دیکھنا ہو فاطمہ! تو وہ مجھے دیکھے۔ شائستہ ہارون کمال کو۔“ فاطمہ کو اپنے رونگٹے کھڑے ہوتے محسوس ہوئے۔

”میں مجسم بد قسمتی ہوں۔ نہ میرا کوئی ماضی ہے، نہ میرا کوئی مستقبل، میں صرف حال میں کھڑی ہوں، مجھ سے بڑھ کر تمنا اللہ نے کسی کا کیا بنایا ہوگا۔“

وہ اذیت ناک انداز میں ہنسی۔ فاطمہ کا دل موسم کی طرح کھلنے لگا۔

”شہیر کے ساتھ میں نے زیادتی کی تھی مگر شمر اور ثانیہ کے بارے میں، میں نہیں جانتی تھی۔ کاش جان جاتی۔

بہت پہلے۔ پھر شاید یہ سب کچھ نہ ہوتا۔ میں بیرون ملک جا رہی ہوں۔ دو بارہ کب آؤں گی، نہیں جانتی۔ بس تم سے ایک درخواست ہے میں... میں شہیر سے کبھی ملنے آؤں تو مجھے ملنے دینا۔ میں اس بار تمہاری اجازت سے اس سے ملوں گی۔“

اس کے لہجے میں لجاجت تھی۔ فاطمہ نے بے اختیار سر ہلا دیا۔ شائستہ کی حالت اس وقت قابل رحم تھی۔

شائستہ نے مزید کچھ نہیں کہا۔ اس نے آگے بڑھ کر وہ لفافہ فاطمہ کے ہاتھ میں تھما دیا۔ اور پھر تیز رفتاری سے صحن کا پیرونی دروازہ پار کر گئی۔

فاطمہ وہیں کھڑی اسے دیکھتی رہی۔

☆☆☆

اس نے حیران ہو کر اپنے برابر کے لٹیت سے نکلنے والی لڑکی کو دیکھا اور چند لمحوں کے لیے جامد ہو گیا۔ یہی حال اس لڑکی کا ہوا تھا مگر یہ سکتہ صرف چند لمحوں ہی رہا تھا، وہ مسکرا دی۔

”آپ... یہاں کیسے؟“

”ہم لوگ یہاں کل شفٹ ہوئے ہیں۔ اور آپ...“ اس جملہ اور چھوڑ دیا۔

”ہم ایک ہفتہ پہلے، یہ لٹیت ہمیں سبز ہارون کمال نے دیا ہے اپنے شوہر کی جائیداد میں سے۔“

صنف کے ہونٹوں سے ایک لٹکھ کے لیے مسکراہٹ غائب ہوئی تھی۔ وہ ان لوگوں کے ہارون کمال سے رشتہ کے بارے میں جان چکی تھی۔

یہ سب اسے فاطمہ نے بتا دیا تھا۔ روشن انہیں لاہور آنے والے دن ہی اس گھر سے کسی دوست کے گھر لے گیا تھا۔

امبر کی آخری رسومات وہیں ادا ہوئی تھیں۔ اگلے کئی دن اس مقدمہ کے بارے میں سب کچھ اخبارات میں آتا رہا۔ فاطمہ اور شہیر کو امبر کے ساتھ ہونے والے حادثے کے بارے میں اخبارات سے پتا چلا تھا۔

صنف کئی دنوں بعد ایک دن فاطمہ کا شکر یہ ادا کرنے اس کے پاس گئی تھی۔ اور تب فاطمہ نے اسے سب کچھ بتا دیا تھا۔ وہ خاموشی سے وہاں سے آگئی۔ اس کا خیال تھا کہ دوبارہ کبھی ان لوگوں کا آمناسا سنا نہیں ہوگا۔

مگر ایک بار پھر وہ لوگ مسایلوں کے طور پر سامنے آ گئے تھے۔

”آپ کیا کر رہی ہیں آج کل؟“ شہیر نے ساتھ چلتے ہوئے صنف سے پوچھا۔

”میں نے پڑھائی دوبارہ شروع کر دی ہے۔ اب پہلے کی طرح کوئی فائنل کرائس نہیں ہے۔ بابا کے کچھ بیگ اکاؤنٹس استعمال کر رہے ہیں۔ رخصتی اب آؤٹ آف کورٹ سیلنٹ کی کوشش کر رہی ہے۔ چند ماہ تک پراپرٹی کا ٹیس بھی اسی طرح حل کر

لیں گے۔ روشن چاہ رہا تھا کہ میں دوبارہ اپنی اسٹڈیز شروع کر لوں۔“ وہ بتا رہی تھی۔

”آپ کہاں جا رہے ہیں؟“ وہ دونوں اب سڑکیاں اتر رہے تھے۔

”آئس... آپ کے پاپا اب کیسے ہیں؟“ شہیر نے ساتھ چلتے ہوئے پوچھا۔

”ڈاکٹر علاج کر رہے ہیں۔ کلینک میں ایڈمٹ ہیں۔ ڈاکٹر زکیر رہے ہیں انہیں ٹھیک ہونے میں بہت وقت لگے

گا۔“ شہیر نے اس کی آواز میں ہلکی سی افسردگی کی جھلک دکھائی۔

”شہر اب کیسا ہے؟“ صنف کو چلتے چلتے یاد آیا۔

”وہ ٹھیک ہے جلد ہی کالج جانے لگے گا۔ اب بھی بعض دفعہ اپ سیٹ ہو جاتا ہے۔ مگر زورس بریک ڈاؤن کے بعد تھوڑا بہت عرصہ تو اس طرح ہوتا ہے۔ ایک دفعہ کالج جانے لگے گا تو ٹھیک ہو جائے گا، وہ بہت بہادر ہے۔“

وہ نیچے پارکنگ لاٹ میں آچکے تھے۔

”میں آپ کو ڈراپ کر دیتی ہوں۔“ صنف نے آفر کی۔

”میں آپ کو زحمت دینا نہیں چاہتا۔“ صنف نے کچھ حیرانی سے اس کے چہرے کو دیکھا۔ ایک لمحہ کے لیے اسے ایک بار

پھر ہارون کمال کی یاد آئی تھی۔ ایک لمحہ کے لیے زخم پھر سے ہرے ہوئے تھے۔ پھر اس نے ذہن کو جھٹکا۔

”نہیں، مجھے کوئی زحمت نہیں ہوگی۔ مجھے اچھا لگے گا۔“

اس نے دو ٹوک انداز میں کہا۔ شہیر نے ایک لمحہ کے لیے اسے دیکھا پھر مسکرا دیا۔

”مافیہ بتا رہی تھی کہ رحمان ابھی واپس آئی لی اسے نہیں گیا۔“ ساتھ چلتے ہوئے شہیر کو خیال آیا۔

”وہ چند دنوں تک چلا جائے گا۔ یہاں بہت سارے معاملات سمیٹنے تھے۔ اسی لیے رکا ہوا تھا۔ میں نے اس سے کہا ہے



وہ چلا جائے۔ یہ سب کچھ تو ہوتا رہے گا۔“  
 شہیر نے ساتھ چلتے ہوئے ایک بار پھر صغہ کو دیکھا۔ ”آپ کو اگر کسی معاملے میں میری مدد کی ضرورت پڑے تو پلیز  
 تامل مت کریں۔“

”آپ کو یہ آفر دینے کی ضرورت نہیں ہے۔ پہلے مدد کے لیے کہاں جاتی رہی ہوں؟“  
 صغہ نے بے اختیار کہا، دونوں بے اختیار ہنس پڑے۔  
 پارکنگ لاٹ دھوپ میں نہایا ہوا تھا۔

آس پاس لگے درخت اور پودے نئے پتے اور پھول نکال رہے تھے۔ بہار کی ٹھنڈی ہوا کو محسوس کیا جاسکتا تھا۔  
 زندگی ایک بار ختم ہونے کے بعد ایک بار پھر نئے سرے سے پھوٹ رہی تھی۔  
 سفر ختم ہو گیا تھا، سفر جاری تھا۔

## تیسواں باب

چہرے بدلتے ہیں، کہانی نہ بدلتی ہے نہ ختم ہوتی ہے۔

☆☆☆

”میرے لیے زندگی میں سب سے اہم چیز چہرہ ہے۔ یہ آپ کے پاس ہو تو سمجھو دنیا پاؤں کے نیچے ہے۔ یہ ہاتھ میں نہ ہو تو سمجھو آپ زمین پر نہیں پاتال میں رہتے ہیں۔ میرے لیے انسانی رشتوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ بے کار کے بندھن اور پھندے کم از کم میرے جیسا پر یکینکل آدمی انورڈ نہیں کر سکتا۔ میرے لیے ایسی چیزوں کی کوئی اہمیت نہیں ہے اور میری کامیابی کا راز بھی یہی ہے۔ تم نے بہت سے کامیاب لوگ دیکھے ہوں گے۔ بعض کہتے ہوں گے ان کی کامیابی کے پیچھے کسی کی دعا میں ہیں، بعض کہتے ہیں، ان کی کامیابی ان کی محنت کا نتیجہ ہے۔ بعض کہتے ہیں یہ پراپر پلاننگ کا کمال ہے مگر میں کچھ اور ہی کہتا ہوں۔ ہاں جاوید! میری کامیابی کا راز میری خود غرضی اور بڑی حد تک ریٹیل ہونا ہے۔“

وہ آج پھر اسے کامیابی کے آرزو دہ نئے بتا رہا تھا۔

”سعد! تم اگر یہ سب نہ بھی کہو تو بھی میں جانتا ہوں کہ پیسے کی تمہاری زندگی میں بہت اہمیت ہے اور صرف تمہاری زندگی میں کیوں، ہم سب کی زندگی میں اس کی اہمیت ہے۔ تمہارا کیا خیال ہے۔ دنیا میں پیسے کو اتنی اہمیت دینے والے کیا تم واحد آدمی ہو۔“

جاوید اس کی باتوں سے قطعاً متاثر نہیں ہوا تھا۔ سعد ایک دم کلکلا کر ہنس پڑا۔

”نہیں جاوید! پیسے کے معاملے میں میں جتنا شدید ہوں، اتنا کوئی دوسرا نہیں ہو سکتا اور مجھے پیسے سے جتنی محبت ہے، پیسے کو مجھ سے اس سے زیادہ محبت ہے۔“

اس کے لہجے میں واضح طور پر تھا فرق تھا۔ جاوید نے آج کے سکندر اعظم کو دیکھا جو ہر وقت اپنی فتوحات کی کہانیاں رقم کرتا رہتا تھا۔ گالف کی فی کو زمین میں لگاتے ہوئے وہ رک گیا۔ اسے سعد آفاق پر بے اختیار رشک آیا۔ اس نے جو کہا تھا، سچ کہا تھا۔ بہت سے لوگ اتنے مکمل ہوتے ہیں کہ ان کی اکیلیت پر کبھی کبھی یقین نہیں آتا۔ سعد آفاق بھی ایسا ہی ایک بندہ تھا۔ جاوید پچھلے سات سال سے اسے جانتا تھا اور اس کے ساتھ ہونے والی ہر ملاقات اسے سعد آفاق کا مزید امیر کرتی جا رہی تھی۔ اس میں کچھ ایسا ضرور تھا کہ جو بھی ایک بار اس سے ملتا وہ دوسری بار ملنے کی خواہش ضرور رکھتا۔ وہ کوئی سچا اور کھرا آدمی نہیں تھا اور اس نے کبھی اس کا دعویٰ بھی نہیں کیا تھا اور وہ دو اور دو 22 پر یقین رکھنے والا آدمی تھا پھر بھی اس کی مادیت پرستی لوگوں کو اس سے متاثر نہیں کرتی تھی بلکہ سمور کر دیتی تھی کہ ہر ایک کو سعد آفاق بننے کی چاہ ہونے لگتی تھی۔

اسے بہت عادت تھی اپنے بارے میں بات کرنے کی۔ اپنے وجود کے بارے میں، اپنی زندگی کے بارے میں، اپنی کامیابیوں کے بارے میں۔ اپنے منصوبوں کے بارے میں اور اپنی خواہشات کے بارے میں اس کا پورا وجود صرف ”میں“ بن کر رہ گیا تھا اور حیرت کی بات ہے کہ لوگ پھر بھی اس ”میں“ سے ہزار ہوتے تھے نہ نفرت کرتے تھے۔

شاید سعد آفاق جس طبقے سے تعلق رکھتا تھا، وہاں صرف اپنا وجود ہی نظر آتا ہے۔ کسی دوسرے کی ذات اور ہستی کے بارے میں سوچنے کی روایت ہی نہیں ہے۔ اس نے بھی اپنی کلاس کے لوگوں کی طرح آنکھوں پر "بلا سنڈز" لگوالیے تھے جو اسے اپنے علاوہ کسی دوسرے کے اندر جھانکنے ہی نہیں دیتے تھے۔

"میں بعض دفعہ یہ سوچتا ہوں سعد! کہ کیا تم سے کبھی کوئی غلطی ہو سکتی ہے۔ آئی میں کوئی ایسا کام جسے کر کے تم پچھتاؤ یا جس کی وجہ سے تم کو نقصان اٹھانا پڑے۔ فوری طور پر نہ سہی دیر سے ہی سہی لیکن پھر مجھے خیال آتا ہے کہ تم سے کوئی غلطی ہو ہی نہیں سکتی۔ تم ہر چیز بہت کیلکولیٹ کر کے کرتے ہو۔ تم کو اپنے ہر عمل کے آگے پیچھے کا بہت اچھی طرح پتا ہوتا ہے، اسی لیے تو تم دوسروں سے اتنا آگے ہو۔ میں تو تصور بھی نہیں کر سکتا کہ تم کبھی، کہیں کوئی شوکر کھاؤ گے۔"

سعد آفاق نے اس کی بات پر ایک ہلکا سا تہقید لگایا۔

"تو تم اس انتظار میں ہو کہ میں کوئی غلطی کروں اور منہ کے بل گردوں - ہے نا۔" اس نے گیند کو ہٹ کرتے ہوئے کہا۔  
 "نہیں، میں نے یہ کب کہا ہے۔ تم میری بات ہی نہیں سمجھے۔ میں تو یہ... جاوید نے وضاحت دینے کی کوشش کی۔  
 "میں تمہاری بات کو بہت اچھی طرح سمجھ چکا ہوں۔ دیکھو جاوید! یہ واقعی سچ ہے کہ میں غلطی بہت کم کرتا ہوں۔ میں نے اپنی زندگی میں غلطی کی گنجائش بہت کم رکھی ہے لیکن پھر بھی اگر کوئی غلطی ہو جاتی ہے تو میں تمہاری طرح اس پر پچھتتا نہیں بیٹھتا۔ میری ڈکشنری میں پچھتاوے کا لفظ نہیں ہے۔ میں اپنے گلے میں اس قسم کے پھندے ڈال کر نہیں چلتا۔ زندگی ہے تو غلطی بھی ہوگی اور غلطی ہو تو پچھتاوہ نہیں ہونا چاہیے۔ بس اس غلطی کو اپنے ماضی سے کاٹ کر پھینک دینا چاہیے۔ ذہن کے قبرستان میں کہیں دفن کر دینا چاہیے جس شخص کو یہ گر آجاتا ہے، سمجھو اسے دنیا میں جینے کا طریقہ آجاتا ہے پھر زندگی کی ریس میں اس سے کوئی بھی نہیں جیت سکتا۔"

وہ جاوید کے ساتھ گولف کورس پر چلنے ہوئے اسے اپنی زندگی کی فلاسفی بتا رہا تھا۔ جاوید چہرے پر مسکراہٹ کے لیے اسے دیکھ رہا تھا۔

"ویسے یار! ٹھیک ٹھیک بتاؤ کہ واقعی تم کبھی غلطی کرتے ہو؟ کیا زندگی میں کبھی تم نے غلطی کی ہے؟"

سعد نے اس کی بات پر ایک بار پھر تہقید لگایا۔ "میں نے تم سے کہا ہے نا کہ میں اپنی غلطیاں بھول جایا کرتا ہوں اور جس چیز کو انسان اپنی مرضی سے بھلا دے، اسے بھلا کیسے یاد آسکتی ہے، اسی لیے مجھے بھی اپنی کوئی غلطی یاد نہیں ہے۔ ویسے بھی میں اپنے سے زیادہ دوسروں کی غلطیوں کو یاد رکھتا ہوں۔ اس سے مجھے کافی فائدہ ہوتا ہے۔"

اس کے لہجے میں وہی پرانا فخر تھا جو لوگوں کو مرعوب کر دیتا تھا۔ جاوید بھی اسے دیکھ کر رہ گیا۔

☆☆☆

وہ واقعی بد صورت تھی۔ سیاہ رنگت، بھدے ہونٹ، نیڑھے میڑھے دانتوں اور چھوٹے قد نے اسے ایک عجیب سی مخلوق بنا دیا تھا اور جو کسر رہ گئی تھی، وہ بچپن میں تین چار بار دایاں بازو توڑوانے کی وجہ سے پوری ہو گئی۔ بار بار میڑھیوں سے گرنے کی وجہ سے اس کا دایاں بازو ایک ہی جگہ سے دو بار ٹوٹ گیا تھا اور پھر ٹھیک طرح سے جڑ نہ سکا۔ ماں باپ کے پاس اتنے پیسے نہیں تھے کہ وہ اسے کسی اچھے ڈاکٹر کو دکھا پاتے اور نہ ہی انہیں اس مرمل مخلوق میں کوئی دلچسپی تھی۔

نتیجہ یہ ہوا کہ اس کا بازو ٹھیک طرح سیدھا ہو سکتا تھا، نہ وہ اس سے کوئی ورنی چیز اٹھا سکتی تھی۔ ماں باپ کو شاید شروع ہی سے اس کی قسمت اور مستقبل کا اندازہ ہو گیا تھا، اس لیے انہوں نے شروع ہی سے اسے تعلیم کے ساتھ ساتھ مختلف ہنر سکھانے شروع کر دیے تھے تاکہ وہ کم از کم اپنا بوجھ اٹھانے کے قابل ہو جائے اور صالحہ کے بارے میں ان کے سارے خدشات درست ثابت ہوئے تھے۔

سولہ سال سے اس کے لیے رشتے تلاش کیے جا رہے تھے۔ سولہ سال سے وہ مسز دی جا رہی تھی جس عمر میں لڑکیوں کے دل و دماغ میں چاہت کے شگونے کھلنا شروع ہوتے ہیں، اس عمر میں اس کے اندر لیکر کے کائناتوں بھرے درختوں نے سر اٹھانا

شروع کر دیا تھا۔ وہ اپنی ہر کسی، ہر خامی، ہر بد صورتی سے واقف تھی اور وہ.... وہ پوری دنیا کو اندھا کر دینا چاہتی تھی۔ ہر ماہ بڑے جتن کے بعد کہیں نہ کہیں سے ایک رشتہ اس کے لیے ڈھونڈ نکالا جاتا۔ ہر ماہ وہ نئی امید، نئی خواہش اور نئی آس کے ساتھ بن سنور کر ان لوگوں کے سامنے پیش ہوتی۔ اور ہر بار اسے مسترد کر دیا جاتا۔ پسندیدگی کی کوئی جھلک کسی کے چہرے پر جھلکتی، نہ کسی کی آنکھوں میں لہراتی۔ ہر ریجنیکشن اس کے دل اور خیر وجود کو اور بے مصرف اور زبان کو اور کڑوا کر جاتی۔ 35 سال کی ہوتے ہوتے وہ سراپا زہر بن چکی تھی۔ نیکر کے پودے اب درخت بن چکے تھے کانٹوں سے بھرے ہوئے ٹنڈ منڈ درخت، جن پر کہیں بھول کر بھی سبز رنگ کا کوئی پتہ نمودار ہوتا تھا نہ کوئی کوئیل پھوٹی تھی۔ صالحہ احسان لڑکی سے عورت کہلانے لگی تھی۔

پچھلے سولہ سال سے مسترد ہونے والا وجود اب ریجنیکشن کا پورٹریٹ بن چکا تھا۔ ذلت، بے عزتی، بے قدری اور بے حسی کا۔ بس فرق یہ تھا کہ یہ پورٹریٹ ایک زندہ انسان کا تھا جس پر سولہ سال سے لگائے جانے والے ہر رنگ کے اسٹروک تلخ ہونے کے بعد سیاہ رنگ میں بدل جاتے تھے اور اب یہ پورٹریٹ وہی سیاہ رنگ دنیا میں انسان کے وجود پر لگا دینا چاہتا تھا جو لوگ صالحہ احسان کو جانتے تھے، ان میں سے کوئی بھی اسے پسند نہیں کرتا تھا۔ اس کی سیاہ رحمت، ٹیڑھے دانت، چھوٹا نڈا سے ناپسند کیے جانے کی وجہ تھے مگر بنیادی وجہ اس کی زبان تھی۔ وہ کڑوی، تلخ اور زہریلی زبان تھی وہ ہمیشہ ایک نثر کی طرح استعمال کرتی تھی، اسے کسی کی پرہیزگاری تھی، نہ کسی کا لحاظ۔ وہ غصے میں آتی تو چیختی چلاتی کالیوں بکتی جاتی۔ اتنا چیختی کہ اس کی بد صورتی ایک دم دگنی ہو جاتی۔ وہ گالی سے بہتان اور بہتان سے بددعا تک ہر نثر، ہر تھیاریا، ہر حربہ استعمال کرتی۔ زبان کے استعمال میں کوئی کبھی اسے ہر انہیں سکا۔ لوگوں نے آہستہ آہستہ اس سے دور رہنا شروع کر دیا تھا، اور وہ یہی چاہتی تھی۔ لوگ پاس ہوتے تو بہت کچھ کہتے تھے۔ اس بہت کچھ میں ایک بھی ایسی چیز ایسا لفظ نہیں ہوتا تھا جو صالحہ احسان کو خدا کی بنائی ہوئی ایک چیز سمجھ کر کہا جاتا جو بھی کہا جاتا وہ اللہ کی طرف سے اسے چوک کر بنانے والی چیز سمجھ کر کہا جاتا۔ لوگ اس سے دور ہتھے گئے۔ وہ اپنے خول میں سنٹی گئی۔ ایک... دو... تین اس نے کیے بعد دیکھے اپنے وجود کے ارد گرد بہت سی دیواریں چٹنا شروع کر دی تھیں۔ ہر دیوار پہلے سے زیادہ سخت، پہلے سے زیادہ بے ذہنکی تھی مگر صالحہ احسان خوش تھی۔

لوگ کسی شخص کے پاس رہیں یا دور رہیں، وہ چپ کبھی نہیں رہتے۔ انہیں بات تو کرنی ہی ہوتی ہے۔ انہیں کچھ نہ کچھ تو کہنا ہی ہوتا ہے اور صالحہ احسان جیسے وجود بتمہرہ کے لیے سب سے اچھا موضوع ہوتے ہیں ان کے بارے میں ہر قسم کی بات کہی جاسکتی ہے۔ چاہو تو ان کے ظاہری وجود کے بارے میں بات کرو، چاہو تو ان کے باطنی وجود کے بارے میں بات کرو، چاہو تو ان کا مذاق اڑاؤ چاہو تو ان کا تماشا بناؤ۔ جتنی دورائی صالحہ احسان میں تھی، کسی اور میں نہیں تھی۔ ترس سے لے کر طنز تک لوگ اس کے لیے ہر چیز، ہر جذبہ استعمال کر سکتے تھے، ماسوائے ایک چیز کے، ماسوائے ایک جذبے کے... محبت کے۔

35 سال کی عمر تک وہ اپنے ہر رول میں ناکام رہی تھی۔ اگر بیٹی، بہن، منڈ، پھوپھی، خالہ، ہر رشتے میں وہ دوسروں کے لیے باعث تکلیف رہی تھی تو اتنی ہی تکلیف اور اذیت اس نے ان رشتوں سے پائی بھی تھی۔

وہ بعض دفعہ پوری پوری رات آئینے کے سامنے بیٹھی اپنے وجود پر نظر کر جمائے رکھتی۔ خود کو گھورتی رہتی پھر سوچتی "کیا دنیا میں میری ضرورت تھی؟۔ میرے وجود کے بغیر دنیا میں کون سی کمی واقع ہو جاتی۔ ہاں شاید لوگوں کو تماشا بنانے کے لیے، مذاق اڑانے کے لیے میرے جیسی مسکندہ خنزیر چیز نہ ملتی۔" وہ ایک زہریلی مسکراہٹ کے ساتھ سوچتی پھر اپنے کا بک جیسے تنگ کرے میں پھرنے لگتی۔ "کیا اللہ مجھے بنا سکتا ہے، اس نے دنیا میں میرے لیے سزا کے علاوہ کیا رکھا ہے؟ ذلت کے علاوہ اور کیا مخصوص کیا ہے؟ کیا خدا بنا سکتا ہے کہ اس نے میرے جیسے بے کار اور ناکارہ وجود کو دنیا میں کون سے انقلاب کے لیے پیدا کیا ہے؟ کیا خدا بنا سکتا ہے، میرے نہ ہونے سے کون کس چیز سے محروم ہو جاتا؟ کیا خدا بنا سکتا ہے، اس نے میرے جیسا عذاب دینا پر کیوں نازل کیا؟"

وہ پاگلوں کی طرح ساری ساری رات خدا سے سوال کرتی رہتی مگر جواب.... جواب نہیں ملا۔

وہ دونوں آداری میں بیٹھے ہوئے تھے۔ سفینہ سلور گرے سلک کی ساڑھی باندھے ہوئے تھی۔ اس کے کلمے بال جسم کی حرکت کے ساتھ اس کے سیلوئس بلاؤز سے نظر والے بازوؤں پر گرتے تو وہ بھی سر اور گردن کے جھٹکے سے انہیں پیچھے کر لیتی۔ شجاع علی اس پر سے نظریں نہیں ہٹا پارہے تھے وہ سارا دن آفس میں ساتھ ہوتے تھے۔ شجاع علی سارا دن اسے دیکھتے رہتے، اس سے باتیں کرتے رہتے، اس کے باوجود جب بھی رات کو اس کے ساتھ ڈنر کے لیے کہیں جاتے، سفینہ نہیں اسی طرح سمرائز کر دیا کرتی تھی۔

شجاع علی کے لیے ہر بار اسے بنا سنورا دیکھ کر یہ فیصلہ کرنا مشکل ہو جاتا تھا کہ وہ کُل زیادہ اچھی لگ رہی تھی یا آج... وہ ہر بار پہلے سے زیادہ پرکشش اور حسین لگتی تھی اور وہ خود کو ہر بار پہلے سے زیادہ مجبور اور بے بس پاتے تھے انہیں یہ اعتراف کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں ہوتا تھا کہ سفینہ دنیا کی سب سے حسین لڑکی ہے۔

”آپ کہہ رہے تھے کہ آپ کو مجھ سے کوئی خاص بات کرنا ہے۔“ سفینہ نے اپنے بالوں کو ہاتھ سے پیچھے کرتے ہوئے شجاع علی کو یاد دلایا۔

”دراصل میں تم سے بات کرنے کے لیے مناسب الفاظ تلاش کر رہا ہوں، میں بہت دنوں سے تم سے ایک بات کہنا چاہتا تھا مگر ہر بار میری ہمت جواب دے جاتی تھی۔ آج بہر حال میں نے یہ طے کر لیا کہ جو بھی ہو، مجھے آج تم سے یہ بات کہہ دینا ہے۔“ شجاع علی بڑی سنجیدگی سے گفتگو کر رہے تھے جبکہ سفینہ بے نیازی سے مشروب پینے میں مصروف تھی۔

”سفینہ! میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“

شجاع علی کا خیال تھا کہ سفینہ ایک دم حیران ہو جائے گی، نروس ہوگی۔ کہے گی کہ میں ایسی بات کی توقع ہی نہیں کر رہی تھی۔ بے یقینی سے انہیں دیکھے گی لیکن ان کی کوئی توقع پوری نہیں ہوئی۔ سفینہ کے چہرے پر حیرت آئی نہ بے یقینی... شاک نظر آیا نہ اس کا رنگ بدلا... نہ اس کے ہونٹ کپکپائے۔

اس نے ان کی بات ان کے چہرے پر نظریں جما کر سنی اور پھر ٹیبل سے مشروب کا گلاس دوبارہ اٹھاتے ہوئے بڑے اطمینان سے کہا۔ ”کیوں...“

شجاع علی اس سوال کی توقع نہیں کر رہے تھے اور شاید اس رد عمل کی بھی۔

”کیوں کے بارے میں تو میں کچھ نہیں بتا سکتا۔ صرف یہ جانتا ہوں کہ مجھے آپ سے محبت ہے اور میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں۔“ شجاع علی نے کہا۔ سفینہ نے مشروب کا ایک اور گھونٹ لیا اور پھر کچھ سوچتے ہوئے گلاس کو نیچے رکھ دیا۔

”میں جانتی ہوں، آپ کو مجھ سے محبت ہے اور یقیناً آپ کو بھی پتا ہوگا کہ مجھے تم سے محبت ہے مگر شادی...“ وہ رک گئی۔

”تم نے بات ادھوری کیوں چھوڑ دی؟“ شجاع علی کچھ بے چین ہوئے۔

”میں نے آپ سے شادی کے بارے میں کبھی نہیں سوچا۔“ سفینہ نے بے حد سنجیدگی سے کہا۔

”کیوں؟“ شجاع علی کو جیسے شاک لگا۔

”کیونکہ میں نہیں چاہتی کہ میری وجہ سے آپ کو کسی تکلیف کا سامنا کرنا پڑے۔“

”کیسی تکلیف؟“

”آپ کے گھر والے...“ سفینہ نے ایک بار پھر بات ادھوری چھوڑ دی۔

”سفینہ! میرے گھر والے میرا مسئلہ ہیں۔ تمہیں ان سے کسی قسم کا خدشہ نہیں ہونا چاہیے۔“ شجاع علی نے فوراً کہا۔

”مجھے ان سے اپنے بارے میں کوئی خدشہ نہیں ہے، میں آپ کے بارے میں پریشان ہوں۔ میں نہیں چاہتی آپ کسی

پریشانی کا شکار ہوں۔“

”تم فکر مند مت ہو، میں اس صورت حال کو ہینڈل کر لوں گا۔ میں اس سارے معاملے پر غور کر چکا ہوں اور پھر فوری طور پر تو اس شادی کے بارے میں میرے اور تمہارے نلاہے کسی اور کو پتا بھی نہیں چلے گا۔ تم اسی طرح آفس آتی رہو گی۔“ شجاع

علی نے کہا۔

سینہ کچھ دیر خاموش بیٹھی رہی۔ شجاع علی نے اچانک ایک انگوٹھی نکال کر میز پر سینہ کے سامنے رکھ دی۔ سینہ کی نظریں اس انگوٹھی پر جم گئیں۔ اس کی آنکھوں میں پسندیدگی تھی، کچھ دیر تک انگوٹھی کو دیکھتے رہنے کے بعد اس نے انگوٹھی اٹھانے کے بجائے اپنا ہاتھ شجاع علی کی طرف بڑھا دیا۔ شجاع علی کے چہرے پر چمک آگئی۔ سینہ کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے شجاع علی نے دوسرے ہاتھ سے انگوٹھی سینہ کی انگلی میں پہنا دی۔

☆☆☆

گلی کے کونے پر موجود کوزے کے ایک بہت بڑے ڈرم کے گرد لوگوں کا جھوم تھا۔ لوگ اس ڈرم کے گرد جیسے گھیرا ڈالے کھڑے تھے مگر کوئی آگے نہیں بڑھ رہا تھا۔ کچھ عورتیں انہیں کہتے ہوئے وہاں آ رہی تھیں۔

”کیا ہوا؟“ رابعہ نے ان سے پوچھا۔

”بس قرب قیامت کی علامت ہے اور کیا ہے۔“ ایک عورت نے مالک مکان کی بیوی کے بولنے سے پہلے ہی کہا۔  
 ”وہاں کوزے کے ڈرم میں کینوس کے ایک تھیلے کے اندر دونوں زائیدہ بچے کوئی پھینک گیا ہے۔ ایک بچہ تو مر چکا ہے جبکہ دوسرے بچے کو چوہوں نے کتر دیا ہے مگر وہ ابھی رورہا ہے۔ چند سانس باقی ہیں اس کے۔“ وہ دم بخود سب کچھ سنتی رہی۔  
 ”تو اس کو ہسپتال لے جائیں۔“ رابعہ نے بے اختیار کہا۔

”پولیس کو فون کیا ہے، پولیس کے آنے سے پہلے کوئی پاس جانا نہیں چاہتا مگر انہوں نے چوہوں کو ہٹا دیا ہے۔ ویسے بھی ایسے بچوں کو بچا کر کیا کرنا ہوتا ہے، جنہیں پیدا کرنے والے پھینک جاتے ہیں۔ انہیں دنیا کیسے اٹھائے۔ اچھا ہے وہ ابھی مر جائے۔ ذلت اور خواری کی زندگی سے بہتر ہے۔“ ایک عورت نے کچھ افسردہ سے انداز میں کہا۔  
 رابعہ وہاں نہیں رکی۔ وہ تیز قدموں سے کوزے کے ڈھیر کی طرف بڑھ گئی۔ لوگوں کے جھوم کو چیرتے ہوئے وہ آگے بڑھ آئی۔ باقی لوگوں کی طرح ڈرم میں صرف جھانکنے کے بجائے اس نے ہاتھ بڑھا کر وہ تھیلا نکال لیا جس میں ہلکی حرکت کے ساتھ کچھ روئے کی تحفہ سی آواز آرہی تھی۔

”ارے... ارے... یہ کیا کر رہی ہو بی بی! ہاتھ مت لگاؤ۔ پولیس کو آنے دو۔“ اس کے پیچھے کھڑے محلے کے ایک آدمی

نے کہا۔

”اور پولیس کے آنے تک یہ مر گیا تو...؟“

”اچھا مر جائے، اس طرح کی غلامت...“ ایک بزرگ بڑا بڑائے۔

وہ ان کی بات پر توجہ دیے بغیر گلی میں لگے ہوئے بلب کے نیچے اس تھیلے کو لے آئی۔ تمام لوگ اب اس کے گرد جھکھٹا لگانے لگے۔ رابعہ نے کاہنچے ہاتھوں کے ساتھ تھیلے کے اندر سے وہ نحیف سا وجود نکالا اور وہ جیسے دھک سے رہ گئی۔ اس بچے کا ایک پورا کندھا خون سے بری طرح لت پت تھا اور وہاں سے گوشت بھی نظر آرہا تھا۔ بچے کے جسم پر کوئی کپڑے نہیں تھے، صرف ایک کپڑے کے ٹکڑے سے اسے لپیٹا گیا تھا۔ رابعہ کی آنکھیں ڈبڈبائے لگیں۔

زمین پر آلتی پالتی مارتے ہوئے اس نے اس بچے کو گود میں ڈال لیا اور ہاتھ تھیلے کے اندر ڈال کر دوسرے بچے کو بھی باہر نکالا۔ اس بچے کو بھی اسی طرح کپڑے کے ایک ٹکڑے میں لپیٹا گیا تھا۔ وہ چوہوں کی دسترس سے مکمل طور پر محفوظ تھا۔ اس کا جسم سرد اور ٹیلا تھا۔ دیکھنے میں یونہی لگ رہا تھا جیسے وہ مر چکا تھا۔ رابعہ نے اس کے دل کی دھڑکن تلاش کرنے کی کوشش کی اور دل کی دھڑکن تلاش کرتے ہوئے اسے احساس ہوا کہ وہ بچہ بھی مردہ نہیں تھا، اس کا سانس بہت نامحسوس انداز میں چل رہا تھا۔ چند لمحوں کی جدوجہد کے بعد وہ اس کے دل کی دھڑکن کو تلاش کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

تھیلا چھینکتے ہوئے وہ ان دونوں کو بازوؤں میں سنبھالتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی۔

”رابعہ! کیا کر رہی ہو؟“ مالک مکان کی بیوی نے اس سے پوچھا۔

”میں ان کو ڈاکٹر کے پاس لے کر جا رہی ہوں۔ یہ دونوں ابھی زندہ ہیں۔“ اس نے قدم اپنے گھر کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

☆☆☆

”میں چاہتا ہوں جب تمہارے گھر والوں کو اس کورٹ میرج کے بارے میں پتا چلے تو وہ اسے کاغذ کا صرف ایک ٹکڑا سمجھ کر تمہیں اس سے چھکارا دلوانے کی کوشش نہ کریں۔“ وہ اس کا چہرہ دیکھ رہی تھی۔ انہوں نے چند گھنٹے پہلے کورٹ میرج کی تھی۔

”وہ یہ جان جائیں کہ تمہاری شادی ہو چکی ہے اور بقول انکل! لڑکیوں کی شادی ایک بار ہی ہوتی ہے، بار بار نہیں، اس لیے بہت سوچ سمجھ کر کرنی چاہیے۔ میں یہ چاہتا ہوں کہ انہیں یہ معلوم ہو جائیں کہ تم اس سوچ اور سمجھ کا اپنی مرضی سے استعمال کر چکی ہو، میں چاہتا ہوں وہ مجھے اپنے داماد کے طور پر قبول کر لیں اور یہ سب کورٹ میرج کے کاغذ کے ایک ٹکڑے سے نہیں ہوگا۔“ وہ وہ بہت سنجیدہ تھا۔

”مگر عثمان...“ ماریہ نے کچھ کہنے کی کوشش کی لیکن عثمان نے بایاں ہاتھ اٹھا کر مدھم مدھم مستحکم آواز میں اس کی بات کاٹ دی۔

”مجھے بحث کرتی ہوئی عورتیں اچھی نہیں لگتیں اور اپنی بیوی کو بحث کرتے تو بالکل پسند نہیں کروں گا۔ مجھے ایسی عورتیں اچھی لگتی ہیں جن میں تائیداری ہو۔“

ماریہ نے کچھ حیران ہو کر اسے دیکھا۔ عثمان کا لہجہ بدلا ہوا تھا۔

”یہ بات ہمیشہ یاد رکھنا کہ عثمان کو عورتوں کی کمی نہیں تھی پھر بھی اس نے اگر تمہارا انتخاب کیا ہے تو وہ تمہیں ان تمام عورتوں سے بہتر اور برتر دیکھنا چاہتا ہے۔“

وہ کچھ سمجھ نہیں پاری تھی۔

”میں تمہیں تمہاری مرضی کے خلاف یہاں لایا ہوں نہ تم سے کوئی زبردستی کروں گا۔ تمہیں اختیار ہے چاہو تو میری بات مانو یا مت مانو مگر یہ ضرور سوچ لو کہ میرے ساتھ تمہیں وہ زندگی گزارنی ہے جس کے بارے میں تم خواب دیکھتی آئی ہو۔ خواہوں میں نظر آنے والی چیزوں کو مٹھی میں لینے کے لیے ہاتھ کی گرفت کو بہت مضبوط ہونا چاہیے۔“ وہ اب اسے دیکھنے کے بجائے دہڑا اسکرین سے باہر دیکھ رہا تھا۔

”تم اگر آج میری بات نہیں بھی مانتیں، تب میری بیوی بہر حال تم ہی ہوگی مگر ہمارا رشتہ شاید اتنا مضبوط کبھی نہ ہو سکے، جتنا ہم دونوں کو توقع ہے۔“ ماریہ نے سر جھکا لیا۔

”میرے ساتھ رہتے ہوئے تمہیں قدم قدم پر ایسے بہت سے فیصلے کرنے پڑیں گے جن پر تمہارے باپ کی اخلاقیات بہت سے فتوے عائد کر دے گی مگر وہ سب کچھ عثمان کی زندگی کا حصہ ہے اور میں ان چیزوں کو کبھی نہیں چھوڑوں گا۔ اب اگر تم چاہو تو میں تمہیں داہیں کالج چھوڑا آتا ہوں۔“ اس نے گیند اس کے کورٹ میں پھینک دی۔ ماریہ کچھ بول نہیں سکی۔ عثمان اسٹیئرنگ پر ہاتھ رکھے منظر نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ ماریہ نے کھڑکی سے باہر لان میں نظر دوڑائی۔ دور تک سبزہ پھیلا ہوا تھا۔ اس نے دہڑا اسکرین سے اپنے سامنے کھڑی عمارت کو دیکھا۔

اس نے اپنے دائیں طرف بیٹھے ہوئے شخص کو دیکھا۔

اس نے چند لمبے آنکھیں بند کر کے کچھ سوچا۔ اس کے تین طرف پر فیکشن تھی۔ اسے یوں محسوس ہوا، وہ ایک چوکور کا وہ چوتھا کونہ ہے جو پرنیکٹ نہیں ہے مگر پرنیکٹ ہو سکتا ہے۔ آنکھیں بند کیے ہوئے دائیں طرف بیٹھے شخص کے وجود سے اٹھتے ہوئے کولون کی مہک اسکے حواس کو متاثر کرنے لگی۔

اس نے آنکھیں کھول دیں۔ سامنے نظر آنے والی عمارت اس کی آنکھوں کو خیرہ کرنے لگی۔

اس نے بائیں جانب سر گھمایا۔ دور تک پھیلا ہوا سبزہ اس کے دل و دماغ کو عجیب سا سکون پہنچانے لگا۔ وہ سرزد ہونے لگی۔ اس کے تین طرف پر فیکشن تھی۔ ”Perfection begets perfection“ اس نے سرگوشی کی۔ چوکور کے تین کونے خواب زار، ایک قدم جنت ارضی۔  
اس نے بایاں ہاتھ پنڈل پر رکھا اور دروازہ کھول دیا۔ چوکور کے چوتھے نامکمل کونے نے Perfection تلاش کر لی

تھی۔

گازی اب خالی تھی۔ وہاں کوئی ذی نفس نہیں تھا، صرف خاموشی تھی، تنہائی تھی۔

تھوڑا سا آسمان  
تھوڑا سا آسمان  
ایک لمبی سانس ہو  
اور ایک آسمان  
ایک آنچ درد کی  
اور ہلکا سا دھواں  
تھوڑا سا آسمان

That is  
not  
the  
end  
but...

ہوا کے دوش پر رکھ دو  
بایاں کو آنچ پر رکھ دو  
سے پنڈل اڑتے ہوئے نکلوں کا  
پیرے ہا آشیاں دیکھو  
پس اس کو اوزھوں یا بچھا  
بائیں اس کو بانٹ دوں  
پیرے حصے کا جتنا بھی ہے  
پیرا آسمان دے دو  
تھوڑا سا آسمان  
تھوڑا سا آسمان  
تھوڑا سا آسمان